نجمہ مودی / محمود احمد مودی کلیکشن (شاہ زر خان)



نجمہ مودی / محمود احمد مودی کی جاسوسی
ڈائجسٹ سے مختصر 77 کہانیوں کا مجموعہ

شاہ زر خان

03176699066

03256699979

ڈائمنڈ اردو بکس

DiamondUrduBooks.com

اردو ادب، علم اور ثقافت کا بہترین آن لائن ڈیجیٹل ذخیرہ

✦ ویب سائٹ کا جامع تعارف

ڈائمنڈ اردو بکس ڈاٹ کام (DiamondUrduBooks.com) اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے قائم کردہ ایک ممتاز اور بین الاقوامی آن لائن ڈیجیٹل لائبریری ہے۔ ہمارا بنیادی مقصد دنیا بھر میں موجود اردو دان طبقے، بالخصوص قارئین، محققین، اور طلبہ کو اعلیٰ معیار کی کتب بالخصوص تاریخی، مذہبی، اصلاحی، جاسوسی اور ادبی شاہکار پی ڈی ایف (PDF) فارمیٹ میں بالکل مفت اور آسان رسائی کے ساتھ فراہم کرنا ہے۔

✦ ڈائمنڈ اردو بکس کی نمایاں خصوصیات

📚 وسیع ڈیجیٹل لائبریری

ہزاروں کی تعداد میں تاریخی، اسلامی، رومانی اور جاسوسی ناولز کا اعلیٰ ذخیرہ۔

⚡ ایچ ڈی (HD) کوالٹی

تمام کتب انتہائی صاف ستھرے اور ایچ ڈی پی ڈی ایف فارمیٹ میں دستیاب ہیں۔

📱 آسان اور تیز رسائی

موبائل اور کمپیوٹر پر بغیر کسی دشواری کے آن لائن مطالعہ اور ڈاؤن لوڈنگ۔

💎 مفت مطالعہ سروس

قارئین کے لیے تمام مواد مکمل طور پر مفت دستیاب ہے تاکہ علم ہر جگہ پہنچے۔

💡 ہمارا بنیادی عزم و مقصد

اردو زبان کی بقا اور کتاب سے دوستی کے کلچر کو عام کرنا ہمارا اولین مقصد ہے۔ ہم جدید ترین ڈیجیٹل ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اردو ادب کو ہر جگہ پہنچانے کے لیے کوشاں ہیں۔

دستیاب کتب و تحاریر کی اقسام

DiamondUrduBooks.com

✦ دستیاب کتب کے اہم شعبہ جات

شعبہ / کیٹیگری	موضوعات	قارئین کی پسندیدگی
تاریخی ناولز	اسلامی تاریخ، فاتحین کے کارنامے اور عظیم سلطنتیں	★★★★★ (بہت اعلیٰ)
سلسلہ وار کتب	اسلم راہی ایم اے، عنایت اللہ التمش وغیرہ	★★★★★ (ممتاز)
شاعری و ادب	کلاسک اور جدید شعراء کے منتخب مجموعے	★★★★☆ (بہترین)
مذہبی و اصلاحی	تربیتی کتب، سیرت النبی ﷺ اور سوانح حیات	★★★★★ (مقبول)

مصنفین، شعراء اور اہل قلم کو دعوت!

کیا آپ ایک مصنف، ناول نگار، شاعر یا کالم نگار ہیں؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر یا کتاب دنیا بھر کے لاکھوں اردو قارئین تک پہنچے؟

ڈائمنڈ اردو بکس ڈاٹ کام (DiamondUrduBooks.com) تمام نئے اور تجربہ کار لکھاریوں کو یہ سنہری موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنی تخلیقات کو ہماری معتبر ویب سائٹ اور پلیٹ فارم کے ذریعے قارئین تک پہنچائیں۔

ہم درج ذیل شعبہ جات میں تحاریر کا خیر مقدم کرتے ہیں:

اردو ناولز (تاریخی و معاشرتی) | شاعری و غزلیں | افسانے و کہانیاں | مذہبی و اصلاحی مضامین | تحقیقی مقالے

ہمارے پلیٹ فارم کے ساتھ جڑیں

DiamondUrduBooks.com

✦ مصنفین کے لیے خصوصی سہولیات

🌐 عالمی سطح پر رسائی
آپ کی تحریر پاکستان سمیت پوری دنیا کے اردو قارئین تک فوری پہنچے گی۔

🛡️ محفوظ پی ڈی ایف پیشکش
آپ کے نام، تعارف اور حقوق کے مکمل احترام کے ساتھ کتاب کی پیشکش۔

📈 مفت شائعات اور تشہیر
ویب سائٹ اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر آپ کی تحریر کی مفت تشہیر۔

🤝 مستقل تعاون
نئے اور ابھرتے ہوئے قلمکاروں کی مکمل حوصلہ افزائی اور رہنمائی۔

رابطہ کریں اور اپنی تحریر پہنچائیں

اپنی کتاب، مقالہ، شاعری یا تحریر بھیجنے کے لیے ہماری ایڈمن ٹیم سے واٹس ایپ پر براہ راست رابطہ کریں۔

👇 واٹس ایپ پر آٹو پیغام بھیجنے کے لیے نیچے کلک کریں 👇

واٹس ایپ نمبر: 03176699066

✓ بٹن پر کلک کرنے پر آٹو پیغام کے ساتھ واٹس ایپ چیٹ اوپن ہو جائے گی۔

💎 ڈائمنڈ اردو بکس 💎

آفیشل سوشل میڈیا پلیٹ فارمز، واٹس ایپ گروپس ڈائریکٹری

🌐 مرکزی پورٹل و آفیشل چینل

آفیشل ویب سائٹ
آن لائن پی ڈی ایف کتب کا وسیع ذخیرہ

ویب سائٹ وزٹ کریں 🔗

آفیشل واٹس ایپ چینل
اہم ترین اپڈیٹس اور خبریں

چینل فالو کریں 📢

💬 آفیشل واٹس ایپ گروپس

ڈائمنڈ اردو بکس 1️⃣
مرکزی کتابی بحث و شیئرنگ

گروپ جوائن کریں 👥

ڈائمنڈ اردو بکس 2️⃣
ثانوی کتابی اپڈیٹس گروپ

گروپ جوائن کریں 👥

ڈائمنڈ بکس کمیونٹی
مرکزی کمیونٹی حب

کمیونٹی جوائن کریں 🌐

اردو تحاریر کا گلدستہ
منتخب ادبی تحاریر

گروپ جوائن کریں ✍️

کاروان شعر و ادب
شاعری اور شاہکار ادب

گروپ جوائن کریں 📜

کتابوں پر تبصرے
ادبی ریویوز اور تبصرے

گروپ جوائن کریں 📚

ڈی یو بی میڈیا
جنرل پوسٹنگ گروپ

گروپ جوائن کریں 🎬

ڈائمنڈ لنکس ورلڈ
مختلف مفید لنکس کا مجموعہ

گروپ جوائن کریں 🔗

حمد و نعت آفیشل

اسلامی حمد، نعت و کلام

گروپ جوائن کریں 🕌

بچوں کا کارواں

بچوں کا ادب اور کہانیاں

گروپ جوائن کریں 🎈

📱 دیگر سوشل میڈیا اکاؤنٹس

ٹیلی گرام چینل

ڈائریکٹ پی ڈی ایف ڈاؤن لوڈز

ٹیلی گرام چینل 🚀

ٹیلی گرام گروپ

ڈسکشن اور گفتگو گروپ

ٹیلی گرام گروپ 💬

فیس بک پیج

آفیشل فیس بک اپڈیٹس

فیس بک پیج 👍

فیس بک گروپ

کمیونٹی فیس بک گروپ

فیس بک گروپ 👨‍👩‍👧‍👦

انسٹاگرام

بصری اقتباسات اور پوسٹرز

انسٹاگرام فالو کریں 📸

ٹک ٹاک

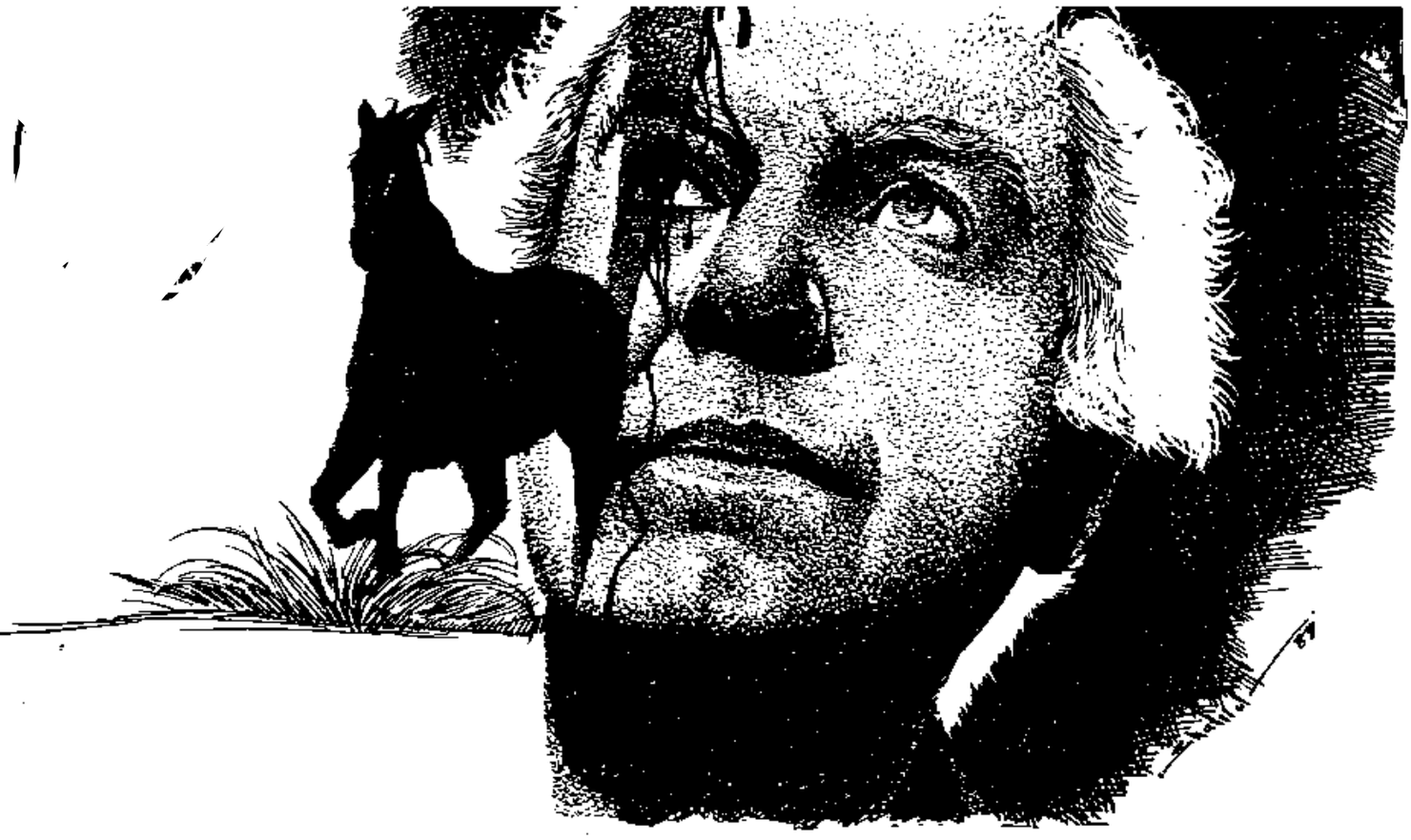
مختصر ویڈیو اپڈیٹس

ٹک ٹاک فالو کریں 🎵

⚠️ کسی بھی لنک کے کام نہ کرنے یا ری سیٹ ہونے کی صورت میں فوری رابطہ کریں:

رابطہ منتظم: شاہ زر خان | +92 317 6699066

© 2026 ٹیم ڈائمنڈ اردو بکس — تمام حقوق محفوظ ہیں۔



واردات کی رات مقتول اپنے مکان میں تنہا تھا۔ دُور دُور تک اِرد گرد کے ماحول پر نظر رکھنے کے لیے دو سراغ رساں رات بھر مکان کی چھت پر پہرا دے رہے تھے۔ اُن کی نگاہ سے بچ کر مکان میں کسی انسان کا داخل ہونا ممکن نہ تھا لیکن وہ قتل ہوگیا۔

پلانٹر

قاتل کی تلاش میں بَل کھاتی ہوئی ایک سُراغ رسی

نجمہ مودی

مسٹر ہنری اسمتھ کی کار پُرانی مگر صاف ستھری اور چمکتی ہوئی تھی۔ اسے سُست رفتاری سے چلاتے ہوئے وہ اس طویل و عریض دیہی مکان کے قریب پہنچے جس کے چاروں طرف دور دور تک کوئی اور مکان نظر نہیں آرہا تھا۔ ڈرائیوے کے سرے پر دونوں طرف دو ستون ایستادہ تھے۔ مسٹر ہنری اسمتھ نے پورچ تک جانے کے بجائے گاڑی وہیں روک لی اور اُتر کر پیدل مکان کی طرف بڑھے۔

چند قدم آگے پہنچ کر انھوں نے دیکھا مکان کے دروازے پر صلیب کا ایک خاص نشان آویزاں تھا۔ یہ نشان ان گھروں پر آویزاں کیا جاتا تھا جہاں تازہ تازہ کسی کا انتقال ہوا ہو۔ مسٹر اسمتھ زیرِ لب کچھ بڑبڑا کر رہ گئے۔ انھوں نے اپنی عینک اتار کر اس کے شیشے صاف کیے اور اسے دوبارہ ناک پر جماتے ہوئے مکان کی چھت کی طرف دیکھا۔ چھت سپاٹ تھی اور اس کے گرد تین فٹ اونچی منڈیر تھی۔ اس منڈیر کے عقب میں ایک دراز قد اور جسیم شخص کھڑا خاموشی سے نیچے جھانک رہا تھا اور مسٹر اسمتھ کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ سرج کے نیلے سوٹ میں تھا۔ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے اس شخص کا کوٹ ایک لمحے کے لیے ہوا میں پھڑپھڑایا تو مسٹر اسمتھ نے دیکھا کہ وہ شخص بغلی ہولسٹر لگائے ہوئے تھا جس میں یقیناً ریوالور بھی موجود تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے کوٹ کے بٹن بند کیے اور پیچھے ہٹ کر مسٹر اسمتھ کی نظر سے اوجھل ہوگیا۔

مسٹر اسمتھ نے ایک گہری سانس لی اور آگے بڑھ کر کال بیل بجائی۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا وہی دراز قد شخص تھا جسے مسٹر اسمتھ چھت پر دیکھ چکے تھے۔ مسٹر اسمتھ کے سامنے وہ کچھ اور بھی دراز قد نظر آرہا تھا کیونکہ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا جبکہ مسٹر اسمتھ ساڑھے پانچ فٹ کے ایک مغنی سے شخص تھے۔

"میرا نام ہنری اسمتھ ہے۔" انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔ "میں مسٹر والٹر پیری سے ملنے آیا ہوں۔ کیا وہ گھر پر موجود ہیں؟ کل میری ان سے ٹیلیفون پر بات ہوئی تھی اور انھوں نے کہا تھا کہ میں آج سہ پہر

کسی وقت ان سے ملنے آجاؤں۔" پھر انھوں نے دروازے پر لٹکے ہوئے مخصوص نشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "کہیں اُن کا...؟"

"نہیں۔" دراز قد شخص ان کا مطلب سمجھتے ہوئے بولا۔ "والٹر پیری کا نہیں، اس کے چچا کا انتقال ہوا ہے۔"

"اوہ...! غالباً انھیں قتل کیا گیا ہے؟" مسٹر اسمتھ ملائمت سے بولے۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" دراز قد شخص کی آنکھیں قدرے پھیل گئیں۔ "ابھی تو مقامی اخبار میں بھی یہ خبر شائع نہیں ہوئی۔"

"یہ محض میرا اندازہ تھا۔" مسٹر اسمتھ بولے۔ "مجھے آپ کے بغلی ہولسٹر کی جھلک نظر آئی اور کچھ آپ ظاہری شخصیت سے بھی قانون نافذ کرنے والے کسی ادارے کے نمائندے معلوم ہوتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ آپ شیرف ہی ہوں۔ اگر آپ قاتل ہوتے تو اتنے اطمینان سے دروازہ نہ کھولتے۔ اور کسی میت والے گھر میں قانون کے محافظ کی موجودگی گڑبڑ ہی کی نشاندہی کرتی ہے۔"

دراز قد شخص نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "آپ کا اندازہ درست ہی ہے۔ میں شیرف اوبرین ہوں۔ آپ کس سلسلے میں والٹر پیری سے ملنے آئے تھے مسٹر اسمتھ؟"

"میرا تعلق فلپس انشورنس کمپنی سے ہے۔ اور والٹر پیری سے میری ملاقات لائف انشورنس کے سلسلے میں طے تھی۔" مسٹر اسمتھ نے جواب دیا۔

"آپ اندر آجائیے۔ اطمینان سے بات کرتے ہیں۔ اندر کوئی نہیں ہے۔" شیرف اوبرین نے مسٹر اسمتھ کے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

اس کی رہنمائی میں مسٹر اسمتھ ایک ہال سے گزر کر بھاری بھرکم فرنیچر سے آراستہ ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچے جس کے ایک گوشے میں جہازی سائز کا بھاری بھرکم پیانو رکھا تھا۔ شیرف نے مسٹر اسمتھ کو ایک پھولے پھولے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود پیانو کی بنچ پر ٹک گیا۔

مسٹر اسمتھ اپنا ہیٹ احتیاط سے اپنے قریب رکھتے ہوئے بولے۔ "یہ وقوعہ غالباً گزشتہ رات ہوا ہوگا... اور آپ کو والٹر پیری پر شک ہوگا۔ کیا آپ نے اسے حراست میں لے رکھا ہے؟"

"یہ سب کچھ آپ نے کیسے فرض کر لیا؟" شیرف نے جاننا چاہا۔

"ظاہر سی بات ہے کہ کل شام میری والٹر پیری سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اس وقت تک یہ واقعہ رونما نہیں ہوا تھا ورنہ وہ ضرور مجھ سے ذکر کرتا۔ اور اگر وقوعہ آج دن کا ہوتا تو اس وقت یہاں زیادہ سرگرمی دیکھنے میں آتی، زیادہ لوگ نظر آتے، پولیس سرجن ہوتا، فوٹو گرافرز ہوتے، تکفین و تدفین والے ہوتے۔ لاش غالباً صبح دریافت ہوئی ہوگی۔ مکان کے دروازے پر نشانِ تدفین کرنے والوں نے ہی آویزاں کیا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لاش لے جا چکے ہیں۔ آپ نے کہا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ کیا اتنی بڑی حویلی میں نوکر وغیرہ بھی نہیں ہیں؟"

"ہیں۔" شیرف نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ایک مالی ہے جو آس پاس ہی کہیں ہوگا۔ ایک سائیس ہے جو گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور انھیں سدھاتا ہے۔ آنجہانی کارل پیری کا ایک مشغلہ گھوڑے پالنا بھی تھا۔ مالی اور سائیس بہرحال گھر کے اندر رہنے والے ملازم نہیں ہیں۔ گھر میں رہنے والے ملازم دوسرے تھے۔ ایک تو ہاؤس کیپر تھا اور ایک خانساماں۔ ہاؤس کیپر اتفاق سے دو دن پہلے ہی نوکری چھوڑ کر جا چکا ہے اور ابھی اس کی جگہ دوسرا ملازم نہیں رکھا گیا اور جہاں تک خانساماں کا تعلق ہے تو..." اچانک جیسے شیرف کو کچھ خیال آیا اور وہ بات ادھوری چھوڑتے ہوئے بولا۔ "ارے! سوالات تو مجھے کرنے چاہئیں۔ آپ نے شروع کر دیے۔ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم نے والٹر پیری کو فیبے کے تحت حراست میں لیا ہے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو زیادہ امکان یہی تھا کہ یہاں موجود ہوتا۔ دوسرے تم نے شک زدہ سے لہجے میں مجھ سے پوچھا کہ میں کس سلسلے میں اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس لیے مجھے اندازہ ہوا کہ شاید اس وقت وہ زیرِ حراست ہے۔" ایک لمحے کے توقف سے مسٹر اسمتھ نے پوچھا۔ "کارل پیری کو کس وقت اور کس طرح قتل کیا گیا؟"

"میڈیکل ایگزامنر کا خیال ہے کہ اسے رات کو دو بجے کے قریب چاقو سے وار کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اس وقت وہ سو رہا تھا اور گھر میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔"

"والٹر پیری بھی نہیں؟" مسٹر اسمتھ نے فوراً پوچھا۔

"نہیں۔ وہ بھی نہیں تھا لیکن ہمیں معلوم کرنا ہے کہ وہ کب اور کس طرح کارل کو قتل کرنے گھر میں آیا۔" شیرف بولا۔ "کیا تم نے اسے کوئی بیمہ پالیسی فروخت کر رکھی ہے؟"

"ہاں۔" مسٹر اسمتھ نے جواب دیا۔ "زیادہ بڑی پالیسی نہیں ہے۔ اس نے اس سہ ماہی کا پریمیم ادا نہیں کیا تھا۔ اگر وہ چوبیس گھنٹے کے اندر پریمیم کی رقم نقد جمع نہ کراتا تو اس کی پالیسی ختم ہو سکتی تھی۔ میں اسی سلسلے میں اس سے ملنے آیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک بار مزید ایک اور پالیسی لینے کا بھی ارادہ ظاہر کیا تھا۔ خیر... تم اتنے یقین سے کیونکر کہہ سکتے ہو کہ وقوعے کے وقت گھر میں کوئی نہیں تھا؟"

"اس کے گواہ دو آدمی ہیں جو مکان کی چھت پر موجود تھے۔ وہ شہر کی ایک ایجنسی سے آئے ہوئے پرائیویٹ سراغرساں تھے۔ کارل نے اپنی حفاظت کے لیے ان کی خدمات حاصل کی تھیں۔" شیرف بولا۔

"اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا مسٹر کارل پیری کو کسی قسم کی دھمکی مل چکی تھی؟" مسٹر اسمتھ نے ملائمت سے پوچھا۔

شیرف نے بھویں اُچکا کر ان کی طرف دیکھا تو وہ معذرت خواہانہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔ "والٹر پیری ہمارا کلائنٹ ہے۔"

اس لیے قتل کے اس معمے کا حل ہو جانا ہماری کمپنی کے مفاد میں بھی ہے۔ محض اسی لیے میں اتنے سوالات کر رہا ہوں اور تمہارے لیے زحمت کا باعث بن رہا ہوں۔"

"تمہاری کمپنی نے بوڑھے کارل پیری کا بیمہ تو نہیں کیا تھا نا؟"

"نہیں۔ بیمہ تو صرف اس کے نوجوان بھتیجے والٹر پیری نے ہی کرایا ہوا ہے۔ وہ قاتل ہے یا نہیں، دونوں ہی صورتوں میں ہمارے لیے اس کی پوزیشن جاننا ضروری ہے۔ اگر میں نے اس کے قاتل ہونے کے باوجود اس کی پالیسی بحال رکھی تو یہ کمپنی کے اصولوں کے خلاف ہوگا اور اگر ہم نے اس کے بے گناہ ہونے کے باوجود، محض اس کے زیرِ حراست ہونے کی بنا پر اس کی پالیسی منسوخ ہونے دی تو یہ ایک کلائنٹ کے حقوق غصب کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے تم سمجھ سکتے ہو کہ میرا تجسس محض رسمی تجسس نہیں ہے۔"

شیرف نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولا۔ "کارل کو تین روز قبل ڈاک سے ایک دھمکی آمیز خط ملا تھا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ اس نے ماضی میں جن جن لوگوں کی حق تلفی کی ہے، جن کے ساتھ دھوکا کیا ہے، اگر ان کے نقصان کی تلافی نہ کی تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ کارل گانوں کا خاصا بڑا پبلشر تھا۔ مختلف ریکارڈنگ کمپنیاں اور فلموں یا تھیٹر والے اس کی چھاپی ہوئی کتابوں سے نغمات لے کر استعمال کرتے تھے اور اسی کے توسط سے نغمہ نگاروں کو معاوضہ یا رائلٹی ادا کرتے تھے۔ خیر... یہ تو شاید میں تکلفاً ہی کہہ گیا ہوں کیونکہ کارل کے چھاپے ہوئے ننانوے فیصد نغمات اس کے اپنے ہی ہوتے تھے۔ وِسلر اینڈ کمپنی کے نام سے وہ نغمات چھاپتا تھا یا ریکارڈ تیار کرتا تھا۔"

"ہاں۔ والٹر نے ایک بار مجھ سے اپنے چچا کی اس کمپنی کا ذکر کیا تھا۔ یہ مسٹر وِسلر کون تھے؟" مسٹر استھم نے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں۔ مسٹر وِسلر کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ کسی زمانے میں کارل پیری نوٹنکی کے طرز کے تھیٹر میں کام کرتا تھا جن کا رواج آج کل ختم ہو چکا ہے۔ ان میں طرح طرح کے سوانگ بھر کر، گانے گا کر اور نہ جانے کیا کیا حرکتیں کر کے ناظرین اور سامعین کو محظوظ کیا جاتا تھا۔ کارل پیری اس نوٹنکی میں سیٹی کی دُھن پر کوئی آئٹم پیش کرتا تھا اور مسٹر وِسلر کہلاتا تھا۔ پھر اس نے ایک خوبصورت سی لڑکی کو اسسٹنٹ رکھ کر 'وِسلر اینڈ کمپنی' کے نام سے اپنی الگ چھوٹی سی نوٹنکی قائم کر لی تھی۔ وہ چیزیں تو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئیں لیکن جب کارل نے گانوں کی پبلشنگ اور دوسرے کام شروع کیے تو وہی پرانا نام 'وِسلر اینڈ کمپنی' اختیار کیا۔"

"کیا انھوں نے واقعی نغمہ نگاروں کے ساتھ دھوکا کیا تھا؟" مسٹر استھم نے پوچھا۔

"ہاں۔ میرا خیال ہے، اس الزام میں کافی حد تک صداقت ہے۔" شیرف نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ابتدا میں کارل نے تین چار نغمے خود لکھے تھے جو کافی ہٹ ہوئے۔ انہی نغموں کی رائلٹی سے اس نے پبلشنگ کمپنی قائم کی اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ گمنام لوگوں کی پرانی چیزیں، مرے ہوئے لوگوں کی غیر مطبوعہ نظمیں اور ملک بھر سے لوگوں کے بھیجے ہوئے نغمے، سب کچھ اس نے اپنے نام سے چھاپ ڈالا اور ان کی رائلٹی وصول کر کے خوب سودہ حال ہو گیا۔ اسے تقریباً چودہ مرتبہ مختلف لوگوں نے عدالت میں کھینچا لیکن ہر بار وہ بچ نکلا اور اس کے دھندے جاری رہے۔ ظاہر ہے ان کاموں میں تو اخلاقیات کا زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔ پبلشنگ جیسے معزز زانہ کام میں بھی جب انسان اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ دے تو اس کا کچھ بگاڑنا قانونی طور پر مشکل ہی ہوتا ہے۔ پھر تو خدا کی عدالت میں ہی شنوائی ہوتی ہے۔"

"بے شک۔" مسٹر استھم نے تائید میں سر ہلایا۔

"جب کارل کو دھمکی پر مبنی خط ملا تو وہ ہمارے پاس آیا اور تحفظ کی درخواست کی۔ میں نے اسے تسلی دی کہ ہم خط ارسال کرنے والے کا سراغ لگانے کی پوری کوشش کریں گے لیکن کاؤنٹی کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ ہمہ وقت اس کی حفاظت کے لیے کسی کو تعینات کیا جا سکے۔ اس کام کے لیے اسے معاوضے پر کسی کی خدمات حاصل کر لینی چاہئیں۔ چنانچہ وہ شہر گیا اور ایک قابلِ اعتماد بین الاقوامی ایجنسی سے اس نے دو سراغرسانوں کی خدمات حاصل کر لیں۔ ان کے نام کراس اور رابرٹ تھے۔ وہ قابلِ اعتماد آدمی تھے۔"

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "گزشتہ رات جب کارل کو قتل کیا گیا، اتفاق سے کوئی بھی گھر میں موجود نہیں تھا۔ ہاؤس کیپر کا تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ وہ نوکری چھوڑ کر جا چکا ہے۔ خانساماں کی ماں شدید بیمار تھی، وہ اس کے پاس شہر گیا ہوا تھا اور ابھی تک وہیں ہے۔ مالی کا کل چھٹی کا دن تھا اور ہر ہفتے وہ یہ چھٹی شہر میں اپنی بہن کے پاس گزارتا ہے۔ سائیس کی انگلی میں زخم تھا۔ وہ کارل کی پک اَپ لے کر ڈاکٹر کے پاس شہر گیا ہوا تھا۔ رات کو واپسی میں پک اَپ خراب ہو گئی۔ اس نے کارل کو فون کیا تو کارل نے کہا کہ وہ رات بھر کھلے رہنے والے ایک گیراج سے پک اَپ کو ٹھیک کروا کے ہی واپس آئے۔ ہم نے ان سب کے بیانات کی تصدیق کر لی ہے۔ باقی رہ گیا والٹر پیری کا مسئلہ۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ تھیٹر دیکھنے شہر گیا ہوا تھا اور رات زیادہ ہونے کی وجہ سے وہیں ایک ہوٹل میں ٹھہر گیا تھا۔ تھیٹر اس نے ضرور دیکھا ہے اور آدھی رات کے قریب ہوٹل پہنچا تھا۔ وہاں سے وہ صبح آٹھ بجے نکلا اور اس دوران وہ یہاں آ کر ہوٹل واپس بھی جا سکتا تھا۔ بارہ بجے تک ان دونوں سراغرسانوں میں سے ایک نے کارل کو زندہ سلامت اور ایک سینڈوچ کھاتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد سے وہ تمام رات چھت

پر رہے ہیں۔ اور گرد و پیش کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔ آؤ چھت پر چلتے ہیں۔ وہاں بات بہتر طور پر تمہاری سمجھ میں آسکے گی۔"

شیرف اپنی جگہ سے اُٹھا اور سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ مسٹر اسمتھ اس کے پیچھے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے شیرف بولا۔ "دونوں سراغرسانوں نے چھت پر جانے سے پہلے مکان کے چپے چپے کی تلاشی لی تھی اور وہ اس کام میں بڑے ماہر ہیں۔ یہاں کوئی چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ چاندنی رات تھی اور چھت پر کھڑے ہو کر بڑی عمدگی سے نگرانی کی جاسکتی تھی۔"

0304-5503086

چھت پر پہنچ کر شیرف نے منڈیر کے قریب کھڑے ہو کر چاروں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے ہر سمت میں تقریباً ایک چوتھائی میل تک تو نہایت آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ گو کہ گزشتہ رات چاند زیادہ بلندی پر نہیں تھا اور زیادہ آب و تاب سے بھی نہیں چمک رہا تھا مگر چاندنی گرد و پیش پر نظر رکھنے کے لیے کافی تھی۔ دور پھیلے ہوئے کھیتوں سے نکل کر اگر کوئی بچہ بھی کھلے میدان میں قدم رکھتا تو انھیں فوراً نظر آجاتا۔ آدھی رات سے لے کر ڈھائی بجے تک تو وہ دونوں ہی چھت پر رہے۔ ڈھائی بجے کر اس ذرا دیر کے لیے نیند لینے کی غرض سے نیچے آیا۔ اسی وقت اوپر کی منزل پر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس فون کا ایکسٹنشن نیچے ہال میں عین کارل کے بیڈ روم کے دروازے پر بھی تھا۔ چند لمحے کر اس تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا کہ شاید نیچے کارل فون اٹھا لے کیونکہ وہ کر اس کو بتا چکا تھا، وہ زیادہ گہری نیند سونے کا عادی ہے مگر جب کئی سیکنڈ تک کسی نے فون ریسیو نہ کیا تو کر اس نے اُٹھا لیا۔ مگر وہ رانگ نمبر تھا۔ فون رکھنے کے بعد اسے یہ بات عجیب محسوس ہوئی کہ کارل نے فون ریسیو کیوں نہیں کیا تھا؟ جبکہ گھنٹی خاصی دیر تک بجتی رہی تھی۔ اس نے نیچے آکر کارل کو دیکھنا چاہا تو انکشاف ہوا کہ اسے قتل کیا جاچکا ہے۔"

"سراغرسانوں نے ایک بار پھر مکان کی تلاشی لی ہوگی؟" اسمتھ نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے کہا نا کہ وہ اس قسم کے معاملات میں بہت ماہر ہیں۔ کر اس نے فوراً چھت پر جا کر یہ بات رابرٹ کو بتائی۔ رابرٹ چھت پر ہی رہا کہ شاید قاتل ابھی یہیں کہیں موجود ہو اور اگر وہ رخصت ہونے کی کوشش کرے تو اسے نظر آجائے۔ کر اس نے واپس نیچے آکر پہلے مجھے فون کیا اور میرے آنے تک اس نے مکان اور اصطبل وغیرہ کی دوبارہ تلاشی لی۔ کہیں بھی کوئی شخص موجود نہیں تھا۔"

مسٹر اسمتھ نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔ شیرف مزید وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "چاند جس رُخ پر تھا اس کی وجہ سے مکان کا سایہ کچھ دور تک اصطبل وغیرہ پر پڑ رہا تھا۔ کوئی شخص اگر مکان سے نکلتا تو اصطبل تک تو اندھیرے میں سراغرساں کی نظر سے محفوظ رہ سکتا تھا مگر اس سے آگے چاندنی تھی اور وہ فوراً نظر میں آجاتا — میدان عبور کرنے کے لیے اسے کم از کم دس منٹ درکار ہوتے نظروں سے اوجھل ہونے کے لیے قریب ترین جگہ وہ چھوٹا سا جنگل ہے۔" شیرف نے اشارے سے بتایا۔ "اس کے دوسری طرف سڑک ہے۔ دوسری سمتوں میں جو کھیت وغیرہ ہیں وہ اس سے بھی زیادہ فاصلے پر ہیں۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی قتل کر کے نکل گیا ہو اور سراغرسانوں کی نظر میں نہ آیا ہو۔"

"کوئی اس طرح آلے یا جانے کی حماقت کر بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ ظاہر ہے چاندنی میں اسے بھی سراغرساں مکان کی چھت پر ٹہلتے یا منڈیر پر بیٹھے نظر آسکتے تھے۔" مسٹر اسمتھ بولے۔

"بے شک۔" شیرف نے تسلیم کیا۔

"تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ والٹر پیری کو کس بنیاد پر حراست میں لیا گیا ہے؟ وہ کارل پیری کا واحد وارث تھا۔ اس طرح قتل کا جواز تو نظر آتا ہے کہ وہ وراثت کی خاطر کارل کو قتل کر سکتا تھا۔ لیکن کارل کی اخلاقیات اور اس کے کاروباری معاملات کا جو حال تم نے بتایا ہے اس کی روشنی میں تو اس کے سیکڑوں دشمن ہو سکتے ہیں۔"

"یقیناً۔" شیرف نے تسلیم کیا۔ "خصوصاً اگر اس دھمکی والے خط پر یقین کر لیا جائے۔"

"تو کیا تمھیں اس پر یقین نہیں ہے؟"

"نہیں۔ ہم نے اس خط کی حقیقت معلوم کر لی ہے۔ وہ والٹر پیری نے اپنے چچا کے نام لکھا تھا۔ ہم نے اس مقصد کے لیے استعمال ہونے والے ٹائپ رائٹر اور اسٹیشنری کا سراغ لگا لیا ہے۔ اور والٹر نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ خط اسی نے لکھا تھا۔"

"اوہ۔۔۔" مسٹر اسمتھ گہری سانس لے کر رہ گئے۔ "وہ اس کی کوئی وجہ بتاتا ہے؟"

"ہاں۔ لیکن وہ احمقانہ اور ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہے۔" شیرف بولا۔ "تم اس سے ملاقات تو ہر حال میں کرو گے۔ چنانچہ اسی سے سارا قصہ پوچھ لینا۔ تم حوالات میں میرا حوالہ دے کر اس سے مل سکتے ہو۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔" مسٹر اسمتھ طمانیت سے بولے۔ اسی دوران انھوں نے دُبلے پتلے ایک شخص کو ایک گھوڑے کے ساتھ اصطبل سے نکلتے دیکھا۔

شیرف نے خود ہی بتایا۔ "یہ سائیس ہے۔ مورگن اس کا نام ہے۔ گھوڑے کو ورزش کرانے لے جا رہا ہے۔ اچھا آدمی ہے۔ گھوڑوں سے بالکل اپنے بچوں کی طرح پیار کرتا ہے۔"

مسٹر اسمتھ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور سوچ میں ڈوبے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ کاؤنٹی کی حوالات میں انھیں والٹر پیری سے ملاقات میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ ایک دُبلا پتلا نوجوان تھا۔ موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگاتا تھا اور صورت سے حلیم الطبع اور شریف نظر آتا تھا۔

وہ افسردہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "اب تو آپ یقیناً میری بیمہ پالیسی کی تجدید کرنا نہیں چاہیں گے؟"

"کیا تم نے اپنے چچا کو قتل کیا ہے؟" مسٹر استھ نے ملائمت سے بلا تمہید پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر پالیسی کی تجدید میں کیا قباحت ہے، تم صرف یہاں دستخط کر دو۔" انھوں نے ایک فارم والٹر کی طرف بڑھایا۔ والٹر نے بلا تامل دستخط کر دیے۔

مسٹر استھ فارم بریف کیس میں رکھتے ہوئے بولے۔ "تمھارا اپنے چچا کو قتل کرنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر تم نے وہ خط لکھنے کی حماقت کیوں کی تھی؟" مسٹر استھ نے ملائمت سے پوچھا۔

"یہ بلاشبہ ایک احمقانہ حرکت تھی بلکہ سریحاً پاگل پن تھا۔" والٹر نے تسلیم کیا۔ "مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ میرے چچا کے معاملے میں یہ ترکیب کام نہیں دے گی۔ وہ جعلساز اور دھوکے باز ضرور تھے لیکن ڈرپوک نہیں تھے۔ ظاہر ہے ڈرپوک ہوتے تو اتنے بہت سے لوگوں کو اتنی ڈھٹائی سے دھوکا کیسے دیتے؟"

"جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں۔" مسٹر استھ ہمدردانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "تمھارا خیال یہ تھا کہ تمھارے خط سے تمھارے چچا اتنے خوفزدہ ہو جائیں گے کہ ان لوگوں کے جذباتی اور مالی نقصان کی کچھ نہ کچھ تلافی ضرور کر دیں گے جن کی تخلیقات انھوں نے چرائی تھیں؟"

"جی ہاں۔ بس کبھی کبھی انسان عجیب احمقانہ سے انداز سے قائم کر لیتا ہے۔" والٹر مسکرایا۔ "میں آپ کو تھوڑا سا پس منظر بھی بتاتا ہوں۔ دو سال قبل میں نے گریجویشن کیا تھا اور عملی زندگی میں آنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اسی زمانے میں مجھے معلوم ہوا... کہ دسلر اینڈ کمپنی کیا چیز تھی۔ اتفاقاً میری ملاقات انکل کے کچھ پرانے ساتھیوں سے ہو گئی تھی۔ نوٹنکی کے زمانے کے ساتھی۔ ان سب کے ساتھ بھی انکل کوئی نہ کوئی فراڈ کر چکے تھے۔ وہ ان میں سے بعض کی چرائی ہوئی تخلیقات آج تک استعمال کر رہے تھے۔ وہ انکل سے بہت خفا تھے۔ تب میں نے انکل کے حالیہ کاروبار کے بارے میں چھان بین کی۔ ان کے خلاف ہرجانوں کے جو دعوے کیے گئے تھے ان کی تفصیل معلوم کی۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ ان کے کاروبار کی بنیاد فراڈ پر ہے۔"

والٹر ایک لمحے خاموش رہنے کے بعد سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ "اس دنیا میں ان کا واحد رشتے دار میں ہی تھا اور مجھے معلوم تھا کہ ان کی موت کے بعد ان کا تمام ترکہ مجھے ہی ملے گا۔ لیکن مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ساری ناجائز کمائی ہے، اس لیے میں اس میں سے کچھ بھی لینے کا خواہشمند



یہ حقیقت ہے کہ عمر اور حالات کے مطابق ہمارے جسم میں شکست و ریخت کا عمل جاری رہتا ہے۔ ممکن ہے آپ بھی اس سے دوچار ہوں ... اپنا جائزہ لیجئے اور ہمارے پاس آنے کی بجائے اپنی مکمل کیفیت قلمبند کر کے ہمیں ارسال کر دیجئے۔ مثال کے طور پر :

- مٹاپا یا جسمانی کمزوری اور دُبلاپن
- کمزور یادداشت اور ناقص حافظہ
- کیل چھائیوں، داغ دھبّوں اور پھنسیوں
- گنجاپن، بے رونق، گرتے اور سفید ہوتے بالوں
- ازدواجی مسائل اور ناآسودگیوں
- نسوانی سراپا کی رعنائی میں اضافے اور نامکمل جسمانی نشوونما
- چہرے اور گردن کے بدنما، فاضل بالوں
- تمام نسوانی تکالیف اور شکایات
- چھوٹے قد میں اضافے (صرف بیس سال تک)

اگر آپ مندرجہ بالا کسی بھی عارضے کا شکار ہیں تو تفصیلی کیفیت کے ساتھ چیک اپ پوائنٹ سے رجوع کر کے گھر بیٹھے تمام پریشانیوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں، ہمیں ماہرین کا تعاون حاصل ہے۔

خواتین اپنے خطوط "شعبۂ خواتین کی انچارج" کو ارسال فرمائیں

نہیں رہا تھا۔ میرا انکل سے اس موضوع پر جھگڑا اور تلخ کلامی ہوئی اور انھوں نے مجھے وارث نہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ایک سال قبل اتفاقاً ہی مجھے معلوم ہوا کہ میرے چچا دل کے مریض ہیں۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایک سال زندہ رہیں گے۔ یہ جاننے کے بعد میں نے جو کچھ سوچا اس پر یقین کرنا آج کل کے زمانے میں بڑا مشکل نظر آتا ہے۔۔۔"

وہ مسٹر اسمتھ کی طرف دیکھ کر ایک بار پھر افسردگی سے مسکرایا۔

"بہرحال میرے مقاصد نیک تھے۔ میں نے سوچا کہ میں تو انکل کے زخم خوردہ لوگوں کی بھلائی کا موقع ہاتھ سے کھو رہا ہوں۔ اگر میں ان کا وارث رہتا ہوں تو ان کے انتقال کے بعد انھی کی دولت سے بہت سے زخم خوردہ لوگوں کی اشک شوئی کر سکتا ہوں۔ اس دولت پر درحقیقت انھی لوگوں کا حق تھا۔ یہ سوچ کر میں نے دل پر منافقت کا بھاری پتھر رکھتے ہوئے انکل سے صلح کر لی۔ میں ان کی دولت و جائیداد میں سے کچھ بھی رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے ان لوگوں پر ترس آتا تھا جنھیں لوٹ کر وہ امیر بنے تھے۔۔۔ جو بے چارے آج بھی انصاف کے لیے ترس رہے تھے۔"

"کیا تم ان میں سے کسی کو ذاتی طور پر جانتے تھے؟" مسٹر اسمتھ نے پوچھا۔

"سب کو تو نہیں جانتا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ میں ان میں سے زیادہ تر کو تلاش کر لوں گا۔ کہیں نہ کہیں ان کا کوئی نہ کوئی سراغ، کوئی ریکارڈ موجود تھا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے میری دو آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ نوٹنکی کے زمانے میں ان کی جوڑی 'ویڈ اینڈ ویلر' کے نام سے اپنے کرتب دکھاتی تھی۔ وہ انکل کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ انھی کے توسط سے اور بھی بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ وہ سب انکل سے شدید نفرت کرتے تھے اور میرے خیال میں وہ حق بجانب تھے۔"

مسٹر اسمتھ نے ہمدردانہ انداز میں سر ہلایا۔ "لیکن یہ تمھیں دھمکی آمیز خط لکھنے کی کیا سوجھی؟"

"ایک ہفتہ قبل مجھے معلوم ہوا کہ نت نئی ایجادات کی مدد سے ڈاکٹروں نے انکل کا جو علاج کیا ہے اس کے بعد ان کا دل کافی حد تک صحت یاب ہو گیا ہے اور ان کے کم از کم بیس سال اور زندہ رہنے کا امکان ہے۔ ظاہر ہے اس کے بعد صورتِ حال بدل گئی۔" والٹر نے خود استہزائی کے سے انداز میں قہقہہ لگایا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ میں اتنا عرصہ منافقت کے بوجھ تلے گزار سکوں گا۔۔۔ اور بیس سال بعد شاید بہت سے فریب خوردہ لوگ بھی ہر قسم کی تلافی سے بے نیاز ہو جاتے۔ مثلاً 'ویڈ اینڈ ویلر' عمر میں میرے انکل سے کافی بڑے تھے۔"

"اس لیے تم نے اپنے انکل کو خط لکھ ڈالا کہ شاید اس طرح ان کی ذہنیت میں انقلاب آ جائے گا۔" مسٹر اسمتھ نے ٹھنڈی سانس لی۔

والٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن ان کا ردِ عمل میری اس افسانوی اور احمقانہ سوچ کے برعکس تھا۔ انھوں نے پرائیویٹ سراغرسانوں کی خدمات حاصل کر لیں۔ لیکن قدرت کا کرنا دیکھیں کہ وہ اس کے باوجود قتل کر دیے گئے اور اب اس خط کی بدولت میں بڑی عمدگی سے اس چکر میں پھنس گیا ہوں۔"

مسٹر اسمتھ، والٹر کی بات سن کر ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔ "تمھاری خوش قسمتی یہ ہے کہ شیرف اور برن ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ آخر تم کس طرح کارل کو قتل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اچھا یہ بتاؤ۔۔۔۔ خط کی حقیقت شیرف کو معلوم ہونے سے پہلے بھی کیا کسی کو اس کے بارے میں علم تھا؟"

"ہاں۔ میں اس خط کے جواب میں انکل کا ردِ عمل دیکھ کر اتنا دل برداشتہ ہوا تھا کہ میں نے مسٹر ویڈ اینڈ ویلر اور انکل کے چند دوسرے فریب خوردہ لوگوں سے اس کا ذکر کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ کوئی اور بہتر تجویز پیش کر سکیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی کسی قسم کی تجویز پیش نہیں کر سکا۔"

"ویڈ اور ویلر شہر میں رہتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ اب وہ تھیٹر وغیرہ میں کام نہیں کرتے۔ ریڈیو پر انھیں چھوٹا موٹا کام مل جاتا ہے۔"

مسٹر اسمتھ پُرخیال انداز میں ہنکارا بھر کر اٹھتے ہوئے بولے۔ "تم نے بتایا تھا کہ تم جلد ہی شادی کا ارادہ رکھتے ہو۔ اپنے وعدے کے مطابق اس موقع پر دوسری پالیسی لینا مت بھولنا۔"

"شادی۔۔۔ اور دوسری بیمہ پالیسی۔۔۔!" والٹر استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "یہ باتیں تو اب بھی ممکن ہو سکیں گی کہ میں بخیر و عافیت جیل سے نکل آؤں۔"

"مجھے اپنے کلائنٹ اور کمپنی کے مفاد کی خاطر ایک بار پھر جا کر شیرف سے ملنا پڑے گا۔" مسٹر اسمتھ مسکراتے ہوئے بولے۔

واپسی کے سفر میں مسٹر اسمتھ پہلے سے بھی زیادہ سست رفتاری سے گاڑی چلا رہے تھے اور گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس بار انھوں نے مکان سے تقریباً ایک چوتھائی میل دور جھوٹے سے جنگل کے قریب ہی گاڑی چھوڑ دی۔ سڑک یہاں سے بل کھاتی ہوئی گزر رہی تھی۔ درختوں کے درمیان سے گزر کر وہ جیسے ہی دوسری طرف آئے، انھیں مکان فوراً نظر آ گیا۔ شیرف ایک بار پھر چھت پر موجود تھا۔ مسٹر اسمتھ جیسے ہی کھلے حصے میں آئے، شیرف نے فوراً انھیں دیکھ لیا اور ہاتھ ہلایا۔ مسٹر اسمتھ نے بھی جواباً ہاتھ ہلایا۔

مکان تک پہنچنے سے پہلے مسٹر اسمتھ اصطبل اور باڑے تک پہنچے۔ دبلا پتلا سائیس مورگن اس وقت ایک خوبصورت سُرمئی گھوڑے کی مالش کر رہا تھا۔

"واہ۔۔۔ کیا شاندار گھوڑا ہے۔" مسٹر اسمتھ تحسین آمیز لہجے میں بولے۔

"مسٹر مورگن! اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ عربی اور کنٹکی گھوڑے کی مخلوط نسل ہے؟"

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔" مورگن کا چہرہ کھل اٹھا۔ "لگتا ہے آپ گھوڑوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ وہ جو شہر سے سراغرساں آئے ہوئے تھے، انھیں تو گھوڑوں کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ میں انھیں تمام گھوڑوں کے غلط سلط نام بتا کر لطف اندوز ہوتا رہا۔"

مسٹر اسمتھ مسکرا دیے۔ مورگن قدرے توقف کے بعد بولا۔ "کچھ پتا چلا مسٹر پیری کو کس نے قتل کیا ہے؟"

"شاید۔" مسٹر اسمتھ مبہم لہجے میں بولے۔ "تم سے بات کر کے مجھے یہ معاملہ حل کرنے میں مدد ملی ہے۔"

وہ سائیس کو حیران چھوڑ کر مکان کی چھت پر شیرف کے پاس جا پہنچے۔ شیرف بولا۔ "میں نے تمھیں درختوں کے جھنڈ سے نکلتے ہی دیکھ لیا تھا۔ پھر بھلا یہ کیونکر ممکن ہوا کہ قاتل اتنا فاصلہ طے کر کے مکان تک آیا اور سراغرسانوں کو نظر نہیں آیا؟"

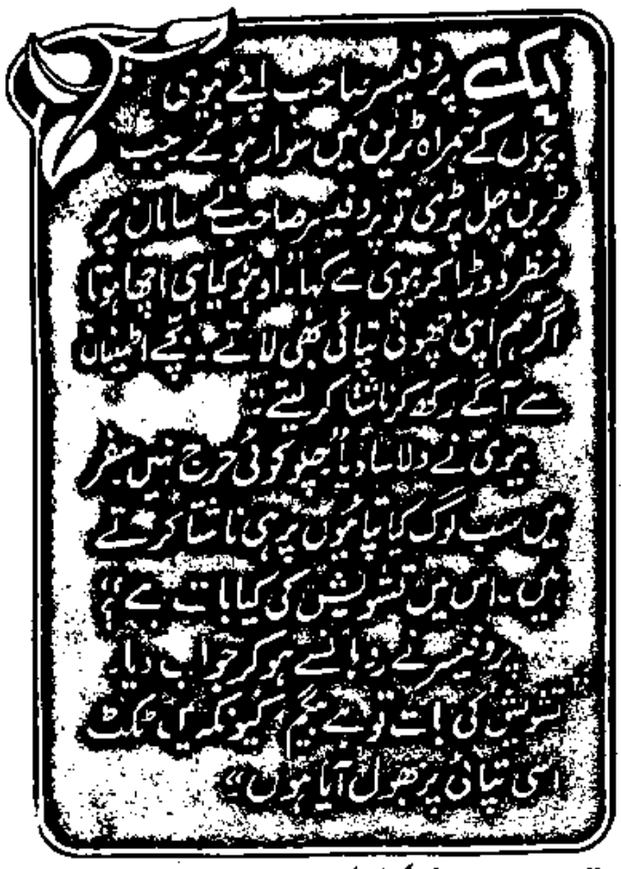
"ان لوگوں کو تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اس کے بعد تو انھیں مکان کا سایہ یعنی اندھیرا میسر آ گیا ہوگا جو اصطبل اور باڑے سے کچھ آگے تک پڑ رہا تھا۔" مسٹر اسمتھ بولے۔

"ان لوگوں کو؟" شیرف نے حیرت سے دہرایا۔ "تمھارا مطلب ہے، قاتل ایک سے زیادہ تھے؟"

"یقیناً۔" مسٹر اسمتھ نے سر ہلایا۔ "ایک آدمی تو سراغرسانوں کی نظر میں آئے بغیر میدان عبور کر ہی نہیں سکتا تھا۔ دو آدمی مل کر البتہ اس ناممکن کو ممکن بنا سکتے تھے۔ مجھے اعتراف ہے کہ تمھیں میری بات عجیب اور ناقابلِ یقین لگ رہی ہوگی۔ لیکن میں وضاحت کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے اندازے کے مطابق کیا ہوا ہوگا۔ ان دو آدمیوں کے نام مسٹر ویڈ اور مسٹر ویلر ہیں۔ وہ شہر میں رہتے ہیں اور میرا خیال ہے تمھیں ان کو تلاش کرنے میں دشواری پیش نہیں آئے گی کیونکہ والٹر ان کے ٹھکانے سے واقف ہے۔ تمھیں ان کا جرم ثابت کرنے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ میرا خیال ہے اس کام کے لیے ضروری سامان انھوں نے کرائے پر لیا ہوگا۔ ان کے پاس اپنا سامان تو اب باقی رہا نہیں ہوگا کیونکہ انھیں نوٹنکی اور تھیٹر چھوڑے کافی عرصہ گزر گیا ہے۔"

"ویڈ اینڈ ویلر...!" شیرف نے پُرخیال انداز میں دہرایا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ والٹر نے اس نام کے لوگوں کا تذکرہ کیا تھا۔"

"یقیناً کیا ہوگا۔" مسٹر اسمتھ بولے۔ "وہ اس مکان کی ساخت اور یہاں کے حالات وغیرہ سے واقف تھے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ اگر مسٹر کارل پیری کا انتقال ہو جائے اور ورثے میں والٹر پیری کو سب کچھ مل جائے تو انھیں بھی ان کا حق مل جائے گا۔ چنانچہ وہ گزشتہ رات



عین تمھارے سراغرسانوں کی آنکھوں کے سامنے میدان سے گزر کر مکان میں پہنچے اور کارل کو قتل کر کے واپس چلے گئے۔"

"میرا خیال ہے تمھارا دماغ چل گیا ہے یا پھر میں پاگل ہوں۔" شیرف بولا۔ "یہ بھلا کیونکر ممکن ہوا؟"

"ابھی چند لمحے پہلے میں جب چھت پر آ رہا تھا تو راستے میں رک کر میں نے اپنے اندازے کی تصدیق کے لیے ایک دوست کو فون کیا جو بہت طویل عرصے سے تھیٹریکل ایجنٹ کے طور پر کام کر رہا ہے۔ اسے ویڈ اینڈ ویلر کا نام اور کام یاد تھا۔ اور وہی اس معمے کا واحد حل ہے۔ شہروں میں زندگی گزارنے والے سراغرساں دھندلی چاندنی میں رات کے پچھلے پہر دیہات کے کسی میدان میں دور سے اگر کسی گھوڑے کو آتے یا جاتے دیکھیں گے تو اس پر قطعاً توجہ نہیں دیں گے بلکہ یہ بات انھیں بعد میں یاد بھی نہیں رہے گی کہ انھوں نے کوئی گھوڑا دیکھا تھا کیونکہ ان کے خیال میں وہ اس ماحول کا حصہ ہوگا۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچیں گے کہ گھوڑا اس وقت میدان میں کیا کر رہا ہے؟ اس وقت تو اسے اصطبل میں ہونا چاہیے۔"

"تمھارا مطلب ہے ویڈ اور ویلر...؟" شیرف ہکلایا۔

"ہاں۔ تھیٹر اور نوٹنکی میں ویڈ اور ویلر لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے مصنوعی کھال پہن کر دم لگائے گھوڑا بن کر اسٹیج پر آتے تھے۔ ویڈ گھوڑے کا اگلا حصہ بنتا تھا اور ویلر پچھلا حصہ۔ دونوں مل کر ایک مکمل گھوڑا نظر آتے تھے اور اسٹیج پر خوب اچھل کود مچاتے تھے۔ پرانے زمانے میں یہ کامیڈی کا ایک انداز تھا...!"



WHISTLERS MURDER
Fredric Brown.



سنگاپور کے مرکزی علاقے میں واقع اس جدید شراب خانے کی دیواریں لکڑی کے آرائشی تختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور چھتوں میں خوبصورت فانوس آویزاں تھے۔ جدید سنگاپور کی فلک بوس عمارتوں میں انگریزی طرزِ آرائش غالب تھا لیکن کہیں کہیں مشرق کی مٹتی ہوئی سی جھلک نظر آتی تھی۔ باہر سے باہر ٹریفک کی خفیف سی غراہٹ جاری تھی۔

پچھلے چند برسوں میں ہنٹر نے سڈنی سے سنگاپور کے کئی چکر لگائے تھے اور ان چند برسوں میں ہی اس نے پرانے سنگاپور کو دھیرے دھیرے غائب ہوتے اور نئے سنگاپور کو سر اٹھاتے دیکھا تھا۔

شرابیوں اور مفلوک الحال لوگوں سے لدی ہوئی کشتیوں کی جگہ بڑی بڑی خوبصورت موٹر بوٹس اور اسٹیمر نظر آنے لگے تھے۔ برتھیں تعمیر ہونے لگی تھیں۔ کرینیں اِدھر سے اُدھر حرکت کرتی نظر آنے لگی تھیں۔ رہائشی علاقوں میں عرب ٹاؤن، انڈین ٹاؤن اور چائنا ٹاؤن کے بیشتر علاقوں میں اونچی اونچی آراستہ و پیراستہ عمارتوں نے سر اُٹھا لیا تھا جن میں بڑے بڑے دفاتر کھل گئے تھے۔ پرانے چینی تاجروں کی جگہ ان کی نئی نسل نظر آنے لگی تھی مگر ان کے طور طریقے بھی مختلف تھے، رہن سہن بھی اور اشیائے تجارت بھی۔

ہنٹر کو یقین تھا کہ جب تک وہ یہاں اپنا کام ختم کر کے واپس روانہ ہو گا تب تک سنگاپور کا کوئی نہ کوئی اور قدیم ٹکڑا جدید علاقے میں ڈھل چکا ہو گا۔

وہ شراب خانہ تک کافی بدل چکا تھا جس میں اس وقت ہنٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ترتیب آرائش اور ساخت میں پہلی سی کوئی بات نہیں رہی تھی۔ اس کا نام ٹرف بار تھا۔ اس کی دیواروں پر البتہ اب بھی چند پرانے انگریز حاکموں اور اپنے وقت کے مشہور تاجروں کی تصویریں آویزاں تھیں حالانکہ وہ کب کے اس علاقے سے رخصت ہو چکے تھے۔ انھوں نے سنگاپور کو سنگاپوریوں کے حوالے کر دیا تھا۔ صرف انگریز ہی نہیں، دوسری قوموں کے بیشتر افراد بھی رخصت ہو چکے تھے۔ آسٹریلوی اور جرمن تو بہت کم نظر آنے لگے تھے لیکن تیل کی تجارت سے وابستہ امریکی کافی باقی تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے بیشتر اس وقت بار میں موجود تھے۔

بار کی ویٹریس البتہ پرانی ہی تھیں اور خاصی عمر کی ہو چکی تھیں۔ ہنٹر نے ایک اور بیئر کا آرڈر دیا۔ سُرخ ساٹن کے چست لباس میں ایک ویٹریس گلاس ٹشتری میں رکھے ہجوم کے درمیان راستہ بناتی اس تک پہنچی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مشفقانہ سی مسکراہٹ تھی۔ ہنٹر نے سر و ہری کے ساتھ سر کے اشارے سے اسے

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان جس کام کو مشکل ترین خیال کر کے پریشان ہوتا رہتا ہے، وہ معمولی سی کوشش سے انجام پا جاتا ہے اور جسے وہ سہل ترین تصور کر کے خاطر ہی میں نہیں لاتا، وہ اس کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ اُس پیشہ ور قاتل کے سامنے بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال تھی جب وہ ایک اندھے بوڑھے کو قتل کرنے چلا

زندگی کا اک آخری لمحہ
تھم گیا جیسے چشمِ قاتل میں



نجمہ مودی

واپس بھیج دیا۔

ہنٹر اندر ہی اندر مضطرب تھا اس کے تازہ ترین معاہدے کے سلسلے میں جس شخص کو رابطے کا فریضہ انجام دینا تھا، وہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ ہنٹر کو جو وقت دیا گیا تھا وہ گزر چکا تھا۔

دفعتاً بار کا گھومنے والا دروازہ حرکت میں آیا اور دو غلی نسل کا ایک سنگاپوری اندر آگیا۔ بار کا جائزہ لے کر وہ سیدھا ہنٹر کی میز پر آیا اور اپنی بغل میں دبے ہوئے سستے سے بریف کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "سر! آپ کوئی گھڑی خریدنا پسند کریں گے؟ رولیکس... ڈن ہل... پیری کارڈن... دنیا کی تمام اعلیٰ ترین گھڑیاں میرے پاس موجود ہیں۔"

"مجھے کوئی گھڑی نہیں چاہیے۔" ہنٹر نے نفی میں سر ہلایا۔

لیکن گھڑیوں کا گشتی سیلز مین اسے کوئی نہ کوئی گھڑی دینے پر مُصر رہا۔ اس نے بریف کیس کھول کر میز پر رکھ دیا۔ اس میں مخملیں پٹیوں پر گھڑیاں سجی ہوئی تھیں۔ سب تائیوان کی بنی ہوئی تھیں۔ دنیا کی مشہور گھڑیوں کی نقلیں... لیکن ہر گھڑی اصل کے عین مطابق تھی۔ دنیا کے بہت سے حصّوں میں لوگ انھیں اصل سمجھ کر ہی ماندھے پھرتے تھے۔

ہنٹر نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی رولیکس گھڑی دکھاتے ہوئے کہا "میرے پاس موجود ہے گھڑی، مجھے نہیں چاہیے۔"

"پلیز... سر... میرے پاس ایک بہت ہی اچھی گھڑی موجود ہے، اس کی ایک جھلک ضرور دیکھ لیجیے، آپ کو یقیناً پسند آئے گی۔" اس نے بریف کیس کا وہ حصّہ ذرا سا اوپر اٹھایا جس پر گھڑیاں سجی ہوئی تھیں۔ نیچے ایک ریوالور اور ایک وہیز لفافہ رکھا ہوا تھا۔ ہنٹر نے دونوں چیزیں یوں اٹھا کر جیب میں رکھ لیں کہ کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔

دکھاوے کے لیے اسے بچانوے ڈالر میں ایک نقلی گھڑی بھی خریدنا پڑی جس کے بارے میں اُسے یقین تھا کہ وہ اسے کبھی استعمال نہیں کرے گا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس قاصد کو پہلے ہی اس چھوٹی سی خدمت کا خطیر معاوضہ ادا کر دیا گیا ہوگا۔ اس کے باوجود اس نے گھڑی کے ایک حقیقی خریدار کا کردار پوری طرح ادا کرنا اور قیمت کی ادائیگی کرنا ہی بہتر سمجھا۔

"اب فوراً میرا پیچھا چھوڑ دو۔" ہنٹر نے چٹکی بجائی۔

"خدا حافظ... سر!" سیلز مین نے خالصتاً پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور رخصت ہو گیا۔

کچھ دیر بعد ہنٹر نے باہر آکر ایک محفوظ جگہ کھڑے ہو کر لفافہ کھولا۔ اس میں اس کے معاوضے کی آدھی پیشگی رقم، ایک کار کی چابیاں اور ایک ٹائپ شدہ کاغذ پر ضروری ہدایات تھیں۔ پینتالیس منٹ بعد وہ کار میں بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا جب ہنٹر نے جنگل کے قریب کار روکی۔ جنوری کی مون سون ہوائیں درختوں کے درمیان سرسرا رہی تھیں۔ اس سرسراہٹ کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جزیرے پر سناٹا اور تاریکی تھی۔ شہر کی چکاچوند کے بعد جزیرے کی تاریکی آنکھوں کو ناماتوس سی لگ رہی تھی۔

خشک پتّوں کو کچلتا ہوا وہ سی سی ہاؤ کے قدیم انگریزی طرز کے مکان کی طرف چل دیا۔ اس طویل و عریض مکان کی دیواریں چاندنی میں ہموار اور بے داغ نظر آرہی تھیں۔ مکان کے اندر روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔

بوڑھا سی سی ہاؤ جتنا مشہور آدمی تھا اتنی ہی پیچیدہ شخصیت تھا۔ وہ ہانگ کانگ میں پیدا ہونے والا برطانوی تھا۔ جوانی میں کبھی وہ اولمپکس میں برطانیہ کی نمائندگی بھی کر چکا تھا۔ بعد میں اس کی ہمدردیاں ماؤزے تنگ اور چین کے عوامی انقلاب سے بھی رہی تھیں۔

اب وہ بڑھاپے میں ایک نہایت دولت مند، طاقت ور اور بارسوخ تاجر تھا جس کے دفاتر کا جال جنوب مشرقی ایشیا میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کی زیادہ تر تجارت جہازوں اور ایکسٹروٹکس سے وابستہ تھی۔

اس کی دولت کا کوئی شمار نہیں تھا لیکن اب بھی وہ پرانے، آسودہ حال چینی تاجروں کی طرح جزیرے کے دُور افتادہ اور پُرسکون حصّے میں پرانی طرز کے طویل و عریض مکان میں رہتا تھا۔ اس کا رہن سہن بھی زیادہ پُرتعیش یا شان و شوکت کا مظہر نہیں تھا۔

ہنٹر کی خدمات حاصل کرنے والوں نے اسے تمام ضروری معلومات مہیا کر دی تھیں۔ ان معلومات کے مطابق سی سی ہاؤ اس مکان پر اپنی مطلقہ بیٹی اور اکلوتی نواسی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی بیٹی اس وقت شہر کے ایک کلب میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔

ان کے دونوں نوکر شہر کے پلیس سینما میں فلم دیکھنے گئے تھے۔ ہر منگل کو ہانگ کانگ سے آئی ہوئی کنگفو کی نئی فلم ریلیز ہوتی تھی اور دونوں نوکر باقاعدگی سے وہ فلم دیکھنے جاتے تھے۔ گھر میں صرف دو افراد تھے۔ بوڑھا سی سی ہاؤ اور اُس کی چھ سالہ نواسی۔

اسے قتل کرنے کا اس سے اچھا موقع اور کون سا ہو سکتا تھا۔

ہنٹر کو نہایت ہی سیدھا سادا طریقۂ کار اختیار کرنا تھا۔ عام طور پر وہ سیدھا سادہ طریقۂ کار ہی اختیار کرتا تھا۔ اُسے سی سی ہاؤ کے مکان کی کال بیل بجانی تھی۔ دروازہ کھولنے لازماً بوڑھے کو ہی آنا تھا۔ ہنٹر اسے گولی مار دیتا اور اپنا بقیہ معاوضہ بیس ہزار ڈالر لے کر سنگاپور سے رخصت ہو جاتا۔

ہنٹر کو معلوم نہیں تھا کہ بوڑھے کو کون قتل کروا رہا تھا اور کیوں کروا رہا تھا۔ اس قسم کے سوالوں سے وہ کوئی سروکار بھی نہیں رکھتا تھا۔ یہ اُس کے پیشے کا ایک اہم اصول تھا۔

مکان کے اندر بوڑھا سی سی ہاؤ اپنی نواسی کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اُس کی انگلیاں دھیرے دھیرے ایک وڈیو گیم کے پینل پر حرکت کر رہی تھیں۔ اس کی نواسی لوسی بہ مشکل اپنی ہنسی ضبط کر رہی تھی۔ اس کے نانا جس بٹن پر انگلی رکھنے جا رہے تھے وہ انھیں ہرا دینے والا تھا۔ سی سی ہاؤ کی اُنگلی ایک لمحے کے لیے اس بٹن پر رُکی لیکن اُسے دبائے بغیر آگے بڑھ گئی۔

لوسی نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح بند تھیں لیکن کبھی کبھی لوسی کو شُبہ ہوتا تھا کہ آنکھیں بند ہونے کے باوجود اس کے نانا دیکھ سکتے ہیں اور وہ چلّا اُٹھتی تھی "آپ دیکھ رہے ہیں گونگ گونگ!"

گونگ گونگ ایک سنگاپوری اصطلاح تھی اور یہ انتہائی کامیاب و باصلاحیت لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ سی سی ہاؤ کئی بار اپنی نواسی کو سمجھا چکا تھا کہ اسے اب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس کی انگلیاں ہی اس کی آنکھیں بن چکی ہیں اور کسی بھی چیز کا لمس اسے بہت کچھ بتا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بصارت سے محرومی نے اس کی دیگر حسیات کو بہت تیز کر دیا تھا۔

صحیح معنوں میں وہ نابینا نہیں تھا۔ کئی سال پہلے اس کے پپوٹے بند ہو کر مفلوج ہو گئے تھے۔ آنکھیں اپنی جگہ ٹھیک تھیں۔ سرجنوں کا کہنا تھا کہ آپریشن کے ذریعے اس کے پپوٹے اٹھائے جا سکتے تھے لیکن اس طرح شکل تھوڑی سی بگڑنے اور بعض دوسری قباحتیں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ سی سی ہاؤ نے آپریشن کرانے سے انکار کر دیا تھا اور تاریکیوں کو اپنا ساتھی بنا لیا تھا۔ ایک مدت سے وہ ان تاریکیوں سے مانوس ہو چکا تھا۔

ہنٹر نے تاریک برآمدے کا ایک چکر لگایا اور دروازے کے سامنے آن رُکا۔ وہ ہلکے پھلکے سُوٹ میں تھا جس کا کپڑا گرم نہیں تھا مگر اس کی جلد پر پسینے کی ہلکی سی نمی تھی۔ اعصاب میں ہلکا سا تناؤ بھی تھا۔

اُس نے ریوالور نکال کر ایک بار احتیاطاً چیک کیا اور اُسے پتلون کی جیب میں ڈال لیا پھر اُس نے کال بیل کا بٹن دبا یا۔ اندر دُور کہیں مترنم گھنٹی کی آواز اُبھری اور دوبارہ وہی سکوت چھا گیا۔ اُسے اُمید تھی کہ بوڑھا اگر سو بھی چکا ہو گا تو گھنٹی کی آواز اُسے جگا دے گی۔

چند لمحے بعد اُس نے دروازے کے عقب میں فرش پر سلیپروں کے گھسٹنے کی آواز سُنی۔ آواز سے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ فرش ٹائیلوں کا تھا اور اس پر چلنے والا شخص خاصا معمر تھا۔

دروازہ یک دم ہی کھل گیا۔ اس میں نہ کوئی اضافی تالا تھا اور نہ ہی حفاظتی زنجیر... اس طرح دروازہ کھل جانے پر ایک لمحے کے لیے تو ہنٹر حیران رہ گیا۔

دوسرے ہی لمحے اُس نے تیزی سے ریوالور نکالا اور گولی چلا دی۔ بوڑھے کے سینے میں سوراخ ہو گیا اور وہ اچھل کر راہداری میں ٹائیلوں والے فرش پر کچھ دُور جا گرا۔

ہنٹر اچھل کر اس کے قریب پہنچا۔ وہ دوبارہ فائر کرنے کے لیے بالکل تیار تھا لیکن بوڑھے میں زندگی کی کوئی علامت باقی نہیں رہی تھی مگر ہنٹر کا کام ختم نہیں ہُوا تھا بلکہ اس کے لیے بڑی پریشانی کھڑی ہو گئی تھی۔

اُس نے غلط آدمی کو گولی مار دی تھی۔ اُسے سی سی ہاؤ کی تصویر فراہم کی گئی تھی اور گولی کھانے والا سی سی ہاؤ نہیں تھا، وہ یقیناً دونوں ملازموں میں سے ایک تھا جو آج اپنے ساتھی کے ہمراہ فلم دیکھنے نہیں گیا تھا بلکہ گھر ہی میں ٹھہر گیا تھا۔

فائر کی آواز سُن کر اپنی اسٹڈی میں موجود سی سی ہاؤ کا سر ایک جھٹکے سے اُٹھا اور اُسی سمت میں مُڑ گیا جدھر سے فائر کی آواز آئی تھی۔ اس قسم کی آواز اس نے برسوں بعد سُنی تھی مگر آج بھی ان آوازوں کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"شش...!" اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اپنی نواسی کو

خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اُدھر راہداری میں ہنٹر بوڑھے کی لاش کے قریب ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔ دفعتاً اُسے اپنے کندھے سے ذرا اوپر ایک آواز سُنائی دی۔ کسی نے چیخ میں کچھ کہا تھا۔ ہنٹر ریوالور سنبھالے تیزی سے گھوما۔ اس کی انگلی ٹریگر دبانے کے لیے تیار تھی مگر اس کے عقب میں دیوار کے سوا کچھ نہیں تھا۔

آواز دوبارہ اُبھری۔ وہ اس سے کوئی سوال کر رہی تھی۔ اس بار لہجہ پُرسکون تھا۔ اسی لمحے ہنٹر کو راہداری کے اختتام پر دروازہ نظر آیا۔ وہ دھمکی آمیز انداز میں بہ آوازِ بلند بولا "سامنے آؤ، ورنہ میں اندر آرہا ہوں۔"

لیکن اس کا اسے کوئی جواب نہ ملا۔ راہداری میں ملگجا اندھیرا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر بجلی کا سوئچ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہاں کوئی سوئچ نہیں تھا۔

دفعتاً اُسے احساس ہُوا کہ اس گھر میں ایک بات بہت عجیب تھی۔ پورے مکان میں کہیں بھی روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ کئی سال پہلے جب قدرت نے سی سی ہاؤ کو اچانک بے بصارتی کے اندھیروں میں دھکیل دیا تھا تو اس کا بے بسی اور غصّے سے بُرا حال ہو گیا تھا۔ اُس نے پورے گھر کی لائٹس اُکھڑوا دی تھیں۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ اندھیرے میں رہ سکتا ہے تو باقی لوگ بھی رہ سکتے ہیں۔

اس کا غصّہ اور بے بسی کی جھنجلاہٹ رفتہ رفتہ ختم ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی اس معذوری کو قبول کر لیا تھا لیکن مکان بہرحال روشنیوں سے محروم ہی رہا۔ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ اس کی بیٹی جب طلاق کے بعد اس گھر میں واپس آئی تو اُسے اپنے کمرے میں لائٹ استعمال کرنے کی اجازت مل گئی لیکن اس وقت چونکہ وہ بھی باہر تھی اس لیے اس کے کمرے میں بھی اندھیرا تھا۔

ہنٹر کو اس مکان اور اس کی تاریکی سے خوف آنے لگا۔ اُس نے اس سے پہلے بھی کئی قتل کیے تھے لیکن نہ تو کبھی ایسی صورتِ حال سے واسطہ پڑا تھا اور نہ ہی کبھی یہ امکان پیدا ہونے پایا تھا کہ اس کے شکار کو اس کے خلاف جوابی کارروائی کرنے یا اپنا دفاع کرنے کی مہلت مل جائے۔

اُس نے بوڑھے کی تصویر اپنے تصور میں لا کر اپنی ہمت بڑھانے کی کوشش کی۔ اس کے تصوّر کے مطابق بوڑھا اس وقت کسی کونے میں دُبکا بیٹھا تھا اور خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا... ایک کمزور، بوڑھا اور اندھا آدمی اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا؟ غالباً وہ کسی کرسی پر سمٹا سکڑا بیٹھا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ کسی بیڈ کے نیچے ہی چھپا ہوا ہو۔ ہنٹر کو صرف اسے تلاش کرنا تھا، وہ نہ تو مقابلہ کرنے کے قابل تھا اور نہ ہی کہیں بھاگ سکتا تھا۔

ہنٹر کے عین سامنے سیڑھیاں تھیں لیکن وہ انھیں نظر انداز کرتے ہوئے دائیں ہاتھ پر نظر آنے والے ایک راستے پر مُڑ گیا۔ کچھ آگے پہنچ کر اُسے دونوں طرف کمروں کے دروازے نظر آئے۔ اس نے پہلا دروازہ کھولا تو ایک راہداری سی نظر آئی جو ڈائننگ روم میں نکلتی تھی، جبکہ ڈائننگ روم ہنٹر پہلے ہی دیکھ آیا تھا۔

تب اُس نے ایک جھٹکے سے اس کے مقابل دوسرا دروازہ کھولا، وہ ایک چھوٹا سا ریڈنگ روم تھا جس میں انگریزی طرز کی گدیلی اور چرمی کرسیاں سجی ہوئی تھیں۔

راہداری کے اختتام پر وہ کچن میں پہنچا۔ کچن میں بجلی موجود تھی اور اس کی وجہ سے زندگی کے کچھ آثار محسوس ہو رہے تھے مگر وہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ صاف ستھری سفید دیواریں اور ٹائلز گویا اُسے ناپسندیدگی سے تک رہے تھے۔ اس نے بجلی کے چولھوں، مائیکرو ویو اوون اور ڈیپ فریزر تک میں جھانک کر دیکھا مگر کہیں بھی کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔

سی سی ہاؤ اپنے گھر میں قاتل کی نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر تھا مگر وہ اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔ یہ اندازہ کر کے اُسے اطمینان ہُوا تھا کہ قاتل تنہا ہی تھا۔ وہ یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا تھا کہ کاش اس وقت وہ بھی گھر میں تنہا ہی ہوتا۔ اس کی نواسی کسی اور محفوظ مقام پر ہوتی اور وہ اس کی جانب سے بے فکر ہوتا۔

لیکن یہ شخص تھا کون؟ اور کیوں اسے قتل کرنے آیا تھا؟

پھر اُس نے ان سوالوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔ یہ وقت ایسے سوالوں پر غور کرنے کا نہیں تھا۔ اسے فرینکلن روزویلیٹ کا ایک مقولہ یاد آنے لگا جسے چیئرمین ماؤ نے بھی بہت پسند کیا تھا۔ وہ مقولہ تھا "ہمیں جس چیز سے سب سے زیادہ خوفزدہ ہونا چاہیے وہ خوف ہی ہے۔"

یہ مقولہ یاد آتے ہی اس کا خوف کچھ کم ہو گیا۔ اس کے خیال میں خوف کی تھوڑی بہت بُوریوالور بردار کو بھی محسوس کرنی چاہیے تھی۔

ہنٹر اس وقت سرونٹ کوارٹرز میں تھا۔ دفعتاً اُسے سرسراہٹ سی سُنائی دی۔ شاید وہ قدموں کی چاپ تھی، فرش پر سلیپر گھسٹنے کی آواز تھی، کیا گھر میں کوئی حرکت کر رہا تھا؟

وہ تیزی سے واپس اصل عمارت میں پہنچا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آواز راہداری سے آرہی تھی، وہ راہداری میں پہنچا مگر راہداری خالی تھی۔ وہاں سے نوکر کی لاش بھی غائب ہو چکی تھی۔

پھر قدموں کی سرسراہٹ اسے ڈائننگ روم کی طرف سے سُنائی دی۔ وہ تیزی سے ڈائننگ روم میں پہنچا، وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اُس کی آنکھیں اب اندھیرے سے مانوس ہو چکی تھیں۔ اگر وہاں کوئی موجود ہوتا تو اس کا ہیولا اسے ضرور دکھائی دے جاتا مگر وہاں کوئی

بھی نہیں تھا۔

یک دم ہی اُسے اپنا گرد و پیش بے حد نامانوس محسوس ہُوا۔ وہ غیر ملک میں ایک اجنبی مکان میں تھا۔ ماحول خوفزدہ کر دینے والا تھا۔ لیکن پھر اُس نے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ کم از کم اس کی آنکھیں تو کھلی تھیں۔ اُسے اپنے سامنے تھوڑا بہت روشنی کا احساس تو تھا۔ اس کا شکار تو اس سے بھی محروم تھا۔

اُس نے عارضی طور پر کمزور پڑ جانے والی اپنی سفاکی کو مہمیز دینے کی کوشش کی اور سامنے کے کمرے میں گھس کر تیزی سے کچن سے ہوتا ہوا مکان کے عقبی برآمدے میں پہنچا۔ بڑے بڑے گملوں میں لگے ہوئے پام کے پودوں کے درمیان ہوا سرسرا رہی تھی اور چاندنی میں ان کی پرچھائیاں فرش پر لرز رہی تھیں۔

ایک طرف کسی چینی شہنشاہ کا مجسمہ سجا ہوا تھا جس کی آنکھیں چاندنی میں جھلملا رہی تھیں۔ ہنٹر نے رُک کر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں سے پسینہ پونچھا۔ اُسے یاد آیا کہ بالکل ایسی ہی کیفیت ایک رات دیت نام میں ہوئی تھی۔ اس یاد کے ساتھ ہی وہ تربیت بھی عود کر آئی جو اسے دیت نام جاتے وقت دی گئی تھی۔ وہ بالکل بے آواز طریقے سے پنجوں کے بل چلنے لگا۔

وہ ایک بند دروازے پر پہنچا جس کے سامنے دو سنہرے شیروں کے مجسمے نصب تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ چینی عبادت گاہ کا دروازہ تھا۔ چینی عقیدے کے مطابق شیروں کے مجسمے حفاظت کی غرض سے مندر کے دروازے پر نصب کیے جاتے تھے۔

اُس نے دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا اور یک دم اندر گھسنے کی کوشش کی۔ اُس نے یہ تو دیکھ لیا تھا کہ دروازہ نیچا تھا تاکہ عبادت گاہ میں آنے والا سر جھکا کر داخل ہو لیکن وہ بھول گیا تھا کہ ان دروازوں کی چوکھٹ نیچے سے بھی کافی اونچی ہوتی تھی۔

اسے ٹھوکر لگی اور وہ اوندھے مُنہ چکنے فرش پر دُور تک پھسلتا چلا گیا۔ اس کا ریوالور بھی ہاتھ سے نکل کر نہ جانے کہاں جا پہنچا۔ ٹھوس دھات کے ٹائیلوں سے ٹکرانے کی آواز پُرسکوت مندر میں بہت ہی بلند محسوس ہوئی۔

بُدھ کا ایک مجسمہ گویا تحمل آلود نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی جگہ شاید یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ کسی گوشے سے ویسی ہی موسیقی دھیمے دھیمے سُروں میں اُبھر رہی تھی جیسی عام طور پر مندروں اور معبدوں میں سُنائی دیتی ہے۔ شاید کہیں کوئی آٹو میٹک ٹیپ ریکارڈر فٹ تھا۔

ہنٹر چاروں ہاتھ پیروں کے بل ہی ریوالور اُٹھانے کے لیے لپکا اور تب ہی اُس کی نظر بوڑھے پر پڑی۔ بوڑھے کی پُشت ہنٹر کی طرف تھی۔ اُس کے کندھوں پر ایک کڑھی ہوئی شال پھیلی ہوئی تھی،



سر پر ٹوپی تھی اور وہ بُدھ کے مجسمے کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہُوا تھا۔ اس کا سر جھکا ہُوا تھا۔

ہنٹر ایک تانیے کے لیے بھی اس کی پُشت پر سے نظر ہٹائے بغیر چپکے چپکے ریوالور کی طرف بڑھا۔ ریوالور ہاتھ میں آتے ہی وہ نفرت بھرے انداز میں غرایا۔ "بالآخر میں نے تجھے ڈھونڈ ہی لیا"

اُس نے ریوالور کی نال بوڑھے کی گُدی پر ٹکا دی۔ وہ شاید کسی چیز کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ ریوالور کی نال کا ذرا سا دباؤ پڑتے ہی وہ آگے کو لڑھک گیا لیکن گرتے گرتے اس کا چہرہ اوپر ہو گیا۔ ہنٹر کے اعصاب کو زبردست دھچکا لگا۔ وہ سی سی ہاڈ نہیں بلکہ اس کے بوڑھے نوکر کی لاش تھی، وہی نوکر جسے ہنٹر گولی مار چکا تھا۔

ہنٹر ایڑیوں کے بل گھوما لیکن اُسی لمحے عبادت گاہ کا دروازہ مقفل ہو گیا۔ باہر سلیپروں کی نہایت خفیف سی کھسر پھسر، دور جاتی سُنائی دی۔ وہ کسی بڑے کی نہیں، بچے کے قدموں کی آواز لگتی تھی۔ ہنٹر کو نہیں معلوم تھا کہ بوڑھے کی نواسی بھی گھر میں اس کے ساتھ تھی۔

ہنٹر نے پورے جسم کی طاقت صرف کرتے ہوئے دروازے پر کندھے سے ٹکر ماری۔ اس کے دانت بھنچے ہوئے تھے اور غصیلی سی آواز نکل رہی تھی لیکن درحقیقت اس آواز میں خوف بھی شامل تھا۔

اس کی کئی بار کی کوششوں سے بالآخر برسوں پرانا تالا جواب دے گیا اور وہ مندر سے باہر آ گیا لیکن مکان پہلے ہی کی طرح سکوت اور تاریکی میں ڈوبا ہُوا تھا۔ بند مندر سے نکلنے کے بعد باہر کی ہوا اُسے فرحت بخش اور خوشگوار محسوس ہوئی۔

دفعتاً سلیپروں کی سرسراہٹ اُسے پھر سُنائی دی۔ وہ دوڑ کر بیرونی راہداری میں پہنچا۔ راہداری پہلے ہی کی طرح خالی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آواز اصل میں کہاں سے اُبھرتی تھی کہیں وہ اس کا وہم تو نہیں تھا؟

دفعتاً اپنے عقب میں آواز سُن کر وہ مُڑا۔ وہ کافی حد تک بوقت ہی گھوما تھا۔ دھات کا ایک بہت بڑا گلدان سیڑھیوں سے لڑھکتا

آ رہا تھا، وہ اُچھل کر اس کے سر پر پڑا ہوتا لیکن اس کے گھوم جانے کی وجہ سے وہ اُس کے کندھے سے ٹکرایا۔

ہنٹر چوکنے انداز میں اس طرح سیڑھیاں پر چڑھنے لگا کہ اس کی کمر جنگلے کی منقش لکڑی سے رگڑ کھاتی جا رہی تھی۔ اس کی بائیں طرف کی ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اور درد سے اس کے دانت بھنچے جا رہے تھے۔ وہ اپنے بائیں بازو کو حرکت دینے کے قابل نہیں رہا تھا لیکن اُسے یہی غنیمت محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا دایاں ہاتھ عمدگی سے ربوالور استعمال کرنے کے قابل تھا۔

سی سی ہاؤ نے اس کے آنے کی آواز سُن لی تھی اور وہ فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اُسے اپنی جگہ سے حرکت کرنی چاہیے یا ساکت رہنا چاہیے؛ کس حالت میں زیادہ خطرہ تھا؟

سیڑھیوں کے اختتام پر ہنٹر دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا، اوپر بھی دونوں طرف کمرے تھے۔ باری باری اس نے ایک ایک دروازہ کھولا۔ تیسرے دروازے میں اُسے واضح طور پر محسوس ہوا کہ اس نے کھانسی کی آواز سُنی تھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا۔ ایک وحشت زدہ سا انسان اسے فرش سے چھت کی طرف اُچھلتا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں اور زرد لبادہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

ہنٹر نے فائر کیا لیکن وہ شخص بدستور اُچھلتا رہا۔ اس نے دوسرا فائر کیا لیکن اس کی اُچھل کود جاری رہی۔ ہنٹر طیش کے عالم میں اس پر جھپٹا اور یک لخت اسے احساس ہوا کہ بھگدڑ اندھیرے میں وہ اپنی جھونک میں کھلے فرنچ ڈور سے نکل گیا تھا جس کے بعد اس کے قدموں تلے فرش ہی نہیں رہا تھا۔ وہ تو بروقت اس کے ہاتھ میں دروازے کی چوکھٹ آ گئی ورنہ وہ نہ جانے کس زاویے سے نیچے گرا ہوتا۔

چوکھٹ پکڑ کر جھولتے ہوئے اس نے نیچے دیکھا۔ کم از کم دس فٹ نیچے لان تھا۔ صورتِ حال دراصل یہ تھی کہ فرنچ ڈور میں ایک بہت بڑی چینی پتنگ لٹکی ہوئی تھی جس کے بالائی کونے پر ایک وحشت زدہ چہرے کا ماسک ٹکا دیا گیا تھا۔

بڑی مشکل سے وہ دوبارہ ٹیرس پر آنے میں کامیاب ہوا۔ کمرے میں ایک بار پھر خفیف سی کھانسی کی آواز ابھری۔ ہنٹر نے سُرمئی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرے میں واقعی کوئی موجود تھا یا یہ مکان آسیب زدہ تھا؟ کہیں کوئی چیز حرکت کرتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کسی کے سانس تک لینے کی آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ بس خفیف سی کھانسی ابھری تھی پھر سکوت چھا گیا تھا۔

وہ اُلجھن میں پڑ گیا تھا کہ اپنا کام ختم کرے یا رخصت ہو جائے؟ وہ ایک آدمی کو قتل تو کر چکا تھا لیکن وہ آدمی ابھی زندہ تھا جسے قتل کرنے کا اسے کنٹریکٹ ملا تھا۔ گویا ابھی وہ اپنے معاوضے کا مستحق نہیں ہُوا تھا۔

اُس نے اوپر کی منزل چھان ماری لیکن وہاں بھی اُسے کوئی نہ ملا۔ اس کی معلومات میں صرف اتنا اضافہ ہوا تھا کہ اوپر سی سی ہاؤ کی بیٹی کا اپارٹمنٹ تھا۔ سرونٹ کوارٹرز کی طرح اس میں بھی بجلی موجود تھی مگر اصل عمارت بہرحال تاریک ہی تھی۔

اُدھر سی سی ہاؤ ایک بار پھر اپنی اسٹڈی میں پہنچ چکا تھا۔ لُوسی نے اب خوفزدہ ہو کر چپکے چپکے رونا شروع کر دیا تھا۔ وہ خوفزدہ ضرور تھی مگر پوری کوشش کر رہی تھی کہ اس کی آواز ذرا بھی اُبھرنے نہ پائے۔

سی سی ہاؤ کو معلوم تھا کہ اس کے پاس زیادہ مہلت نہیں رہی تھی۔ وہ ایک فیصلہ کُن کوشش کرنا چاہتا تھا لیکن اُسے نہیں معلوم تھا کہ اس میں اب مطلوبہ مہارت اور طاقت باقی تھی یا نہیں۔

اُس نے ٹٹول کر اپنی میز کی دوسری دراز کھولی اور اُس کی انگلیاں دراز میں کچھ تلاش کرنے لگیں۔ جلد ہی اُسے اس ٹیپ کا رول مل گیا جو زخموں کی مرہم پٹی میں استعمال ہوتی تھی۔

لُوسی حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ اس کا ماما کیا کر رہا تھا۔ وہ کچھ بولنے ہی والی تھی کہ سی سی ہاؤ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

چند لمحے بعد وہ اُس کا ہاتھ تھامے اسٹڈی سے نکل آیا۔

❁

ہنٹر کو اب محسوس ہو رہا تھا کہ عمارت کی ساخت کچھ عجیب اور پُرپیچ سی تھی۔ اپنی دانست میں وہ پورے مکان کو کھنگال چکا تھا لیکن اس کے وسط میں کوئی حصہ ایسا ضرور رہ گیا تھا جہاں اس کے قدم نہیں پہنچے تھے۔

وہ اوپر کی منزل کی راہداریوں میں اس بار دیوار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ بالآخر اُسے ایک دروازے کا لمس محسوس ہُوا جو اس سے پہلے اسے نظر نہیں آیا تھا۔ دن میں تو وہ آسانی سے نظر آ جاتا ہوگا لیکن اس وقت سُرمئی اندھیرے میں اس کے نظر آنے کا امکان بہت کم تھا کیونکہ وہ بالکل دیوار ہی کا ایک حصہ سا محسوس ہوتا تھا۔

ہنٹر نے ایک بار پھر جُھک کر جھٹکے سے دروازہ کھولا۔ وہ ایک خاصا وسیع چوکور کمرا تھا جس میں دو چھتی پر لائبریری بنائی گئی تھی۔ اوپر کے شیلفوں تک پہنچنے کے لیے سیڑھی موجود تھی۔ ایک طرف پتلے سے کاؤنٹر سے مشابہ خوبصورت میز تھی۔ اس کے عقب میں شاندار چرمی کرسیاں تھیں۔ ایک دیوار کے ساتھ جدید ترین ٹیلی پرنٹر

نصب تھے جن کا یقیناً بین الاقوامی اسٹاک مارکیٹوں سے رابطہ تھا۔
نہایت محتاط انداز میں وہ میز تک پہنچا۔ اس پر ایک زبردست کمپیوٹرمع لوازمات موجود تھا۔ اشٹری میں سگار کے ٹکڑے تھے جن میں ابھی تک حرارت باقی تھی۔ بچوں کے دو ایک الیکٹرانک کھلونے پڑے تھے۔ میز پر جن چیزوں کی موجودگی ہنٹر کو کچھ عجیب لگی، وہ ایک قینچی اور اس ٹیپ کا پیکٹ تھا جو زخموں پر مرہم پٹی میں استعمال ہوتی تھی۔

پھر ہنٹر کی نظر ایک الیکٹرانک پینل پر پڑی جس پر بہت سے سوئچ اور اسپیکر نظر آرہے تھے۔ وہ دراصل دو طرفہ انٹرکام سسٹم تھا۔ ہنٹر کو اس کا مصرف سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اس کے ذریعے بوڑھا سی سی ہاؤ مکان کے کسی بھی کمرے، کسی بھی گوشے میں موجود کسی بھی فرد کی نقل و حرکت کی آواز سن سکتا تھا۔ اس سے بات کرسکتا تھا۔ اسے احکامات دے سکتا تھا۔

ہنٹر نے مکان میں مختلف جگہوں پر جو دھیمی دھیمی آوازیں سنی تھیں اور جن کی وجہ سے وہ ادھر ادھر بھاگتا پھرا تھا، وہ اسی سسٹم کی وجہ سے سنائی دی تھیں اور سی سی ہاؤ نے جدھر چاہا تھا ادھر ہی اسے دوڑا دیا تھا۔ ہنٹر نے مختلف سوئچ دبا کر کچھ سننے کی کوشش کی لیکن کہیں سے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ صرف ایک اسپیکر پر پردے لہرانے کی ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی لیکن اس سے بھلا کیا اندازہ ہوسکتا تھا کہ آواز کس کمرے سے آرہی ہے۔ گویا اپنے گھر کے در و دیوار پر بہرحال اس کے مالک ہی کی گرفت زیادہ مضبوط تھی اور ہنٹر کو اس معاملے میں زیردست رہتے ہوئے ہی اس سے نمٹنا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ ہر چیز اس کے سامنے مکمل اندھیرے میں ڈوب گئی۔ اب گویا وہ بوڑھے کے برابر ہوگیا تھا۔ اسے تھوڑی سی برتری بس یہ تھی کہ وہ جوان تھا۔ اس عالم میں اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کیا اس کی باقی حسیات کچھ تیز ہوئی تھیں.....

جواب اسے تھوڑا سا حوصلہ افزا محسوس ہوا۔

اس نے غور کیا کہ وہ کس چیز سے رہنمائی حاصل کرسکتا ہے؟

جواب اسے فوراً ہی مل گیا۔ وہ بو کے سہارے بوڑھے کا تعاقب کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ بوڑھا سگار پیتا تھا۔ کوئی نہ کوئی کلون وغیرہ بھی استعمال کرتا ہوگا۔ اس کے وجود کی اپنی بھی کوئی بو ہوگی۔

ہنٹر یک دم ہی سراغ رساں کتے کی طرح چوکنا ہوگیا۔ اس نے ہوا کو سونگھتے ہوئے اسٹڈی سے نکل کر عمارت کے شمالی حصے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اس خیال سے وہ کچھ ہیجان زدہ سا ہوگیا کہ اس کی سونگھنے کی حس واقعی کچھ بڑھ گئی تھی۔

سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آیا۔ بیرونی راہداری کے ایک کمرے تلے اسے بوڑھے کی بو سب سے زیادہ واضح محسوس ہوئی۔ تب اس نے آنکھیں کھولیں، وہ ایک کشادہ کمرا تھا۔ سامنے ہی وہ راہداری تھی جس کے فرش پر مقتول ملازم کے خون کے دھبے تھے۔

کمرا گویا عمارت کے ایک بازو کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ اس میں آرام کرسیاں اور تپائیاں تھیں۔ ایک لمبی سی کارنس پر شیشے کے شوکیس میں میڈل اور ٹرافیاں سجی ہوئی تھیں جو بوڑھے نے نہ جانے کب اور کن سلسلوں میں جیتی تھیں۔ دیوار پر قدیم چینی طرز کی کمانیں اور تیر آرائشی انداز میں آویزاں تھے۔

اندھیرے کے باوجود ہنٹر نے یہ سب کچھ دیکھ لیا لیکن بوڑھا اسے کہیں نظر نہیں آرہا تھا حالانکہ اس کی بو سب سے تیز یہیں تھی۔

اچانک باہر ڈرائیوے میں ایک کار داخل ہوئی اور اس کی ہیڈ لائٹس کی وجہ سے روشنی کی ایک تیز دھار کھڑکی کے راستے کمرے میں لپکی اور اسی لمحے ہنٹر کو بوڑھا نظر آگیا۔

وہ ایک گوشے میں بالکل سیدھا کھڑا تھا۔ اس کی نواسی اس کی ٹانگ سے چمٹی ہوئی تھی۔ بوڑھے کے ہاتھ میں ایک خوبصورت کمان تھی جس میں تیر بھی لگا ہوا تھا۔ کمان تقریباً دہری ہوچکی تھی اور تیر پھینکنے کے لیے بالکل تیار تھی۔

عجیب بات یہ تھی کہ بوڑھے کی دونوں آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں کیونکہ اس نے دونوں پپوٹوں پر ٹیپ کے دو ٹکڑے چپکا کر انھیں اوپر اٹھا کر پیشانی پر چپکایا ہوا تھا۔ گو اس طرح اس کی شکل کچھ عجیب لگ رہی تھی لیکن آنکھیں تو بہرحال کھل گئی تھیں۔

ہنٹر نے گویا ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں یہ سب کچھ دیکھ لیا لیکن اسی ثانیے ڈرائیوے میں داخل ہونے والی کار گھوم چکی تھی اور روشنی کا زاویہ تبدیل ہوچکا تھا۔ بوڑھا اندھیرے میں جاچکا تھا اور ہنٹر کا ہیولا سفید دیوار پر چسپاں نظر آرہا تھا۔ اس کا ریوالور والا ہاتھ بلند ہوچکا تھا مگر اسے ٹرائیگر دبانے کی مہلت نہیں مل سکی۔

'ٹشک' کی ہلکی سی آواز آئی اور چینی کمان سے نکلا ہوا تیر اس کی پسلیوں کو چیرتا ہوا دل میں پیوست ہوگیا۔ اس کے پچھلے سرے پر سرخ پھندنا لہرا رہا تھا۔ ہنٹر گھٹنوں کے بل فرش پر آگیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ گو وہ مرچکا تھا مگر حیرت اس کے چہرے پر منجمد ہوکر رہ گئی تھی۔

کار سے اتر کر بوڑھے سی سی ہاؤ کی بیٹی جب تک اندر آئی تب تک وہ اپنی آنکھوں سے ٹیپ اتار کر اپنی نواسی کو گود میں اٹھا چکا تھا۔ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں لامتناہی اندھیرے تھے مگر ان اندھیروں میں جتنی عافیت وہ اس وقت محسوس کررہا تھا اتنی اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

SINGAPORE ASSASSIN
Ross Mc Cauley.



بلاوا

نجمہ مودی

ایک ہم راز و غم گسار کی منتظر عورت کی کیفیات۔ وہ سینہ شگاف کر دینے والا ایک راز چھپائے بیٹھی تھی۔

این کو یہ تو معلوم تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان میں اور خصوصاً عورت کی شکل صورت اور خدوخال میں بہت سی تبدیلیاں آجاتی ہیں لیکن کسی عورت میں مورین جتنی تبدیلیاں بھی آسکتی ہیں، یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ حقیقت بھی اس کے پیش نظر تھی کہ وہ مورین کو پورے پچیس سال بعد دیکھ رہی تھی۔ نوجوانی کے موڑ پر وہ زندگی کے راستے میں ایک دوسرے سے بچھڑی تھیں تو اب جا کے ملنے کی نوبت آئی تھی۔ اس کے باوجود اسے توقع نہیں تھی کہ مورین کی شخصیت میں اتنی تبدیلیاں آچکی ہوں گی۔ اس کے ذہن میں پچیس سال پہلے کی مورین کا سراپا تھا جب وہ قدرے فربہی مائل..... مگر خوش شکل لڑکی ہوا کرتی تھی جس کے بال کسی حد تک سنہرے تھے اور چہرے پر بڑی معصومیت ہوتی تھی۔

اب اس کے بال بھورے اور رنگت تانبے جیسی ہوگئی تھی، وہ دبلی مگر سخت جان دکھائی دے رہی تھی۔ روکھے پھیکے بالوں کو تو گویا گھاس کاٹنے والی قینچی سے تراشا گیا تھا۔ وہ شہر کی کسی نازک مزاج عورت کے بجائے مشقت کی زندگی گزارنے والی کوئی خانہ بدوش دکھائی دے رہی تھی لیکن شاید

اس میں کوئی ایسی حیرت کی بات بھی نہیں تھی پچیس سال سے وہ ترقی یافتہ اور بڑے شہروں سے دور نیو میکسیکو کے کسی دیہی علاقے میں رہ رہی تھی اور کچھ اس قسم کی زندگی اختیار کر چکی تھی کہ اس کا اس طرح تبدیل ہوجانا عین ممکن تھا۔

ان پچیس برسوں میں این تو اسے نہایت باقاعدگی سے طویل خطوط لکھتی رہی تھی جن میں وہ روزمرہ زندگی کی ہر بات پر اہم اور غیر اہم واقعہ لکھ ڈالتی تھی۔ گاہے بہ گاہے وہ مورین کو اپنی کوئی تصویر بھی بھیجتی رہی تھی تاکہ مورین کو اندازہ رہے کہ اس کی اسکول کی دوست وقت کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ کس حد تک تبدیل ہورہی ہے مگر مورین جواب میں کبھی کبھار ہی خط لکھتی تھی اور اپنی تصویر تو اس نے کبھی بھیجی ہی نہیں تھی۔ چنانچہ اب پچیس برس بعد وہ گویا ایک ''سرپرائز'' کے طور پر این کے سامنے آئی تھی۔

این نے اسے ائرپورٹ پر ریسیو کیا تھا اور اس کے ساتھ اپنی گاڑی میں گھر جارہی تھی، وہ خوش تھی جس طرح کوئی بھی انسان پچیس برس بعد اپنے اسکول کے زمانے کے دوست سے مل کر ہوسکتا ہے۔

''قسم سے..... اگر تم خود مجھے دیکھ کر میری طرف نہ آئی ہوتیں۔ تو میں تمہیں کبھی نہ پہچان پاتی۔ میں تو ائرپورٹ پر آنے والے مسافروں میں تمہیں ڈھونڈتی ہی رہ جاتی.....!'' این جذبات سے مرتعش لہجے میں کہہ رہی تھی۔

تمام راستے وہ مورین کے ساتھ لڑکپن اور اسکول کے زمانے کی باتیں کرتی آئی تھی، وہ گویا مورین کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہتی تھی۔ شاید وہ لاشعوری طور پر اس خیال سے خوفزدہ تھی کہ مورین اس سے کوئی سوال نہ کردے۔ درحقیقت موزین اسی کے بلاوے پر آئی تھی۔ این نے ارجنٹ ٹیلی گرام دے کر اسے بلایا تھا اور اب وہ اس خیال سے خوفزدہ تھی کہ کہیں مورین پوچھ نہ بیٹھے این کو آخر اس کی کیا ضرورت آن پڑی تھی؟

آخر این نے جب اپنے شاندار مکان کے سامنے گاڑی روکی تو مورین کی آنکھیں ذرا پھیل گئیں۔ جھیل کے کنارے قدرے بلندی پر واقع وہ مکان بے حد خوبصورت اور عالیشان تھا۔ طرز تعمیر کافی حد تک منفرد تھا۔

''میں تمہارا مکان دیکھ کر مرعوب ہوگئی ہوں۔'' مورین نے گاڑی سے اترتے ہوئے اعتراف کیا ''لگتا ہے تم زندگی میں کافی کامیاب رہی ہو اور تمہیں اپنے بیشتر ساتھیوں سے زیادہ آسودہ حالی نصیب ہوئی ہے۔''

''مجھے تو یہ مکان اب ایک جیل محسوس ہورہا ہے۔'' این نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔ پختہ عمر کو پہنچ جانے کے بعد بھی اس کے چہرے پر کافی حد تک بچوں جیسی معصومیت تھی۔ وہ مورین کے ساتھ اس کا سامان گاڑی سے نکالنے لگی۔ اس نے دیکھا، مورین کے بیگز کے ساتھ ایک بڑا سا ہیٹ باکس بھی تھا۔

''ارے.....!'' این نے حیرت سے کہا ''میں تو سمجھی تھی اب عورتوں میں ہیٹ پہننے اور ہیٹ باکس رکھنے کا رواج بالکل ختم ہوچکا ہے۔''

''اس میں ہیٹ نہیں ہے۔'' مورین نے گویا اس کی غلط فہمی دور کی ''اور نہ ہی میں اسے ہیٹ باکس کے طور پر استعمال کرتی ہوں۔''

اندر پہنچ کر اس نے ہیٹ باکس کھول کر این کو دکھایا۔ اس میں مٹی کا ایک گول مرتبان رکھا ہوا تھا جس پر چینی چڑھی ہوئی تھی۔ قدیم ساخت کا ہونے کے باعث اس میں ایک خاص قسم کی خوبصورتی تھی۔ اس کا ڈھکنا ایک فیتے کی مدد سے مضبوطی سے اس کی گردن کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ مرتبان میں نہایت باریک باریک سوراخ بھی تھے جو شاید ہوا کی آمدورفت کے لیے رکھے گئے تھے۔

''یہ مرتبان میں نے ظروف سازی کے اپنے چھوٹے سے کارخانے میں تیار کیا ہے۔ اسے پکانے اور اس پر چینی چڑھانے کا عمل بھی میں نے وہیں مکمل کیا ہے۔ یہ ایک بہت خاص اور نایاب مصری مرتبان کی نقل ہے۔ اس میں ننھے ننھے سوراخ اس لیے رکھے گئے ہیں کہ یہ کئی مقاصد کے لیے استعمال ہوسکے۔''

ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ مسکراتے ہوئے بولی ''درحقیقت یہ کارٹر کے لیے تحفہ ہے۔''

''کارٹر کے لیے؟'' این نے کھوئے کھوئے سے انداز میں دہرایا۔ کارٹر اس کے شوہر کا نام تھا۔

''ہاں..... میں تمہارے لیے بھی ایک تحفہ لائی ہوں..... لیکن کارٹر کے لیے میں نے خاص طور پر اس قسم کے تحفے کا انتخاب کیا کہ جو تم مجھے خط میں لکھ کر بتا چکی ہو، اسے تاریخی ظروف سے دلچسپی ہے اور اسے گڑ سے بنی ہوئی مٹھائی کھانے کا بڑا شوق ہے جو عمومی طور پر یہاں نہیں ملتی..... میں اس کی پسند کی یہ دونوں ہی چیزیں لے آئی ہوں یہ مرتبان نقل ہی سہی لیکن بہرحال ایک بہت ہی پیش قیمت تاریخی مرتبان کی نقل ہے اور اس کے اندر گڑ سے بنی ہوئی مٹھائیاں ہیں۔'' مورین نے

تفصیل سے بتایا۔

''مگر..... کارٹر تو جا چکا ہے۔'' این نے دھیمی آواز میں کہا۔

''جا چکا ہے؟'' مورین نے حیرت سے دہرایا ''مگر کہاں؟''

''تم اندر چل کر آرام سے بیٹھو تو سہی کچھ پیو..... ذرا تازہ دم ہو جاؤ..... اپنا سامان کھول لو پھر میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔'' این بولی۔

لونگ روم میں پہنچ کر مورین ایک صوفے پر بیٹھنے کے بعد گہرے سانس لے کر بولی ''تمہارے ٹیلی گرام نے مجھے تو دہلا ہی دیا تھا۔ میرے خیال میں کوئی اتنی زیادہ خراب بات تو نہیں ہو سکتی..... جتنی گھبراہٹ کا اظہار تمہارے ٹیلی گرام سے ہو رہا ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے بیگ میں ہاتھ مارا اور مڑا تڑا ایک ٹیلی گرام نکال کر سیدھا کر کے بہ آواز بلند پڑھنے لگی۔

''ایک بہت ہی برا واقعہ پیش آ گیا ہے۔ بہت شدت سے تمہاری ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ فوراً آ جاؤ۔ خدا کے لیے مجھے مایوس نہ کرنا۔''

ٹیلی گرام کیا تھا' کسی مصیبت کے وقت میں ایک دوست کی پکار تھی۔ این نے گزشتہ پچیس برسوں میں باقاعدگی اور گرم جوشی سے طویل اور پُرخلوص خط لکھ۔۔ کر لڑکپن کی دوستی کا یہ رشتہ برقرار رکھا تھا۔ اسے مورین پر بڑا مان تھا۔ اسے یقین تھا کہ مورین اسے مایوس نہیں کرے گی اور مورین واقعی اس کی توقع پر پوری اتری تھی۔ وہ اس کا ٹیلی گرام پا کر اپنی ساری مصروفیات چھوڑ کر اتنی دور سے چلی آئی تھی۔ این کو اس بات کی جتنی خوشی تھی، اسے وہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ مورین کے سوا دنیا میں اس کی کوئی دوست نہیں تھی۔

ہائی اسکول سے نکلتے ہی این کی شادی ہو گئی تھی۔ اس کے ہاں ایک بچی بھی ہوئی مگر وہ پیدائش کے وقت ہی انتقال کر گئی۔ اس کے بعد این کو ازدواجی زندگی میں بھی کچھ مسئلے لاحق رہے۔ اعصابی بیماریوں سے بھی واسطہ رہا۔ وہ اپنی ہر بات مورین کو لکھ بھیجتی تھی۔ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیتی تھی۔ کبھی کبھی کارٹر اسے طعنہ دینے کے انداز میں کہتا تھا ''تم تو اپنا کوئی راز، راز رکھ ہی نہیں سکتیں۔ اپنی ہر بات سے اپنی دوست کو مطلع کرنا تم نے اپنا اخلاقی فرض سمجھا ہوا ہے۔''

مورین گویا پیدائشی آرٹسٹ تھی اور اس کے سوچنے کا انداز دوسروں سے کچھ زیادہ ہی الگ تھا۔ دنیا اور زندگی کے بارے میں اس کے نظریات بالکل ہی مختلف تھے۔ اسے کسی بھی چیز کی کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ وہ من موجی قسم کی انسان تھی اور جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتی تھی۔

ہائی اسکول سے فارغ ہوتے ہی سیاحت کے نام پر آوارہ گردی کے لیے نکل گئی تھی اور پھر اس نے رہنے کے لیے میکسیکو کے نواح میں پہاڑی پر واقع ایک ایسا قصبہ منتخب کرایا

کہتا ہوں.....

بڑی فیملی کو کرائے پر مکان دینے سے ہر مالک مکان گھبراتا ہے۔ متوقع کرائے دار سے ہر مالک مکان کا پہلا سوال یہی ہوتا ہے۔ ''فیملی کتنی ہے؟''

اخبارات میں ''کرائے کے لیے خالی ہے'' کے کالم میں تقریباً سبھی اشتہاروں میں لکھا ہوتا ہے۔ ''صرف مختصر فیملی والے رجوع کریں۔''

ایک متوقع کرائے دار سے ایسے ہی مالک مکان نے پوچھا۔ ''آپ کی فیملی.....؟ میرا مطلب ہے..... کتنے لوگ ہیں؟''

''بس جناب..... کیا بتاؤں.....'' ان صاحب نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر افسردہ لہجے میں کہا۔ ''کہنے کو دو بیویوں کا شوہر اور گیارہ بچوں کا باپ ہوں..... مگر وہ سب قبرستان پہنچ چکے ہیں.....''

''اوہ..... بڑا افسوس ہوا سن کر.....'' مالک مکان نے بظاہر ہمدردی سے کہا لیکن چہرہ چغلی کھا رہا تھا کہ انہیں یہ سن کر اطمینان ہوا ہے۔ انہوں نے فوراً ٹائپ شدہ کرایہ نامہ نکالا۔ اس پر خود دستخط کیے، کرائے دار سے بھی کرائے اور مکان کی چابی اس کے حوالے کر دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد مالک مکان نے دیکھا کہ سامان سے بھرے دو ٹرک چلے آ رہے ہیں اور ان پر دو عورتیں اور گیارہ بچے بھی لدے ہوئے ہیں۔

''یہ کیا.....؟'' مالک مکان نے دہشت زدہ لہجے میں پوچھا۔ ''آپ نے تو کہا تھا کہ آپ کی بیوی اور بچے قبرستان.....؟''

شدت غم سے اس کی آواز گلے میں اٹک گئی۔

''میں نے غلط تو نہیں کہا تھا.....'' کرائے دار نے مزدوروں اور بچوں کی مدد سے سامان کی منتقلی شروع کرتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ ''اس وقت یہ سب لوگ ایک جنازے میں شرکت کے لیے قبرستان گئے ہوئے تھے.....''

☆☆☆

تھا جہاں بہت سی تاریخی عمارت کے کھنڈرات تھے۔ آبادی بہت کم تھی۔ اسے نہ جانے وہاں کیا کشش نظر آئی تھی جبکہ خود وہاں کے پرانے باشندے وہاں سے نکل بھاگنے کی فکر میں رہتے تھے کیونکہ وہاں زندگی کی جدید سہولیات میسر نہیں تھیں۔ فون تک نہیں تھا، این کا اس سے رابطے کا ذریعہ صرف خط وکتابت تھا۔ ٹیلی گرام بھی وہاں پہنچ جاتا تھا لیکن یہ چیزیں بھی براہِ راست نہیں پہنچتی تھیں۔

این کو تو ایسی کسی جگہ پر رہنے کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے لیکن مورین کو گویا اپنے خوابوں کی سرزمین مل گئی تھی۔ اسے ہنگامہ خیز زندگی سے دور..... تنہا رہنا اچھا لگتا تھا۔ اس کی ایک خالہ نے ترکے میں اس کے لیے کچھ رقم چھوڑی تھی جس میں سے کچھ اس نے آوارہ گردی کے دوران خرچ کردی تھی۔ باقی رقم سے وہ چینی کے ظروف بنانے کی چھوٹی سی ورکشاپ بنا کر آرٹ کے شوق کی تسکین کے ساتھ ساتھ انہی چیزوں کا کاروبار کرنے لگی تھی۔ وہ زیادہ تر مشہور اور نایاب برتنوں کی نقل تیار کرتی تھی اور انہیں آس پاس کے شہروں میں نوادرات کی دکانوں پر فروخت کرآتی تھی، اس کام سے اس کی گزر بسر ہوتی تھی۔ وہ اس سے خوش اور مطمئن تھی۔ زیادہ اونچے خواب وہ دیکھتی نہیں تھی اور زندگی سے زیادہ لمبی چوڑی توقعات نہیں رکھتی تھی۔

مورین سے خطوط کے ذریعے رابطہ این کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا تھا، یہ رابطہ گویا اس کے لیے زندگی کا بہانہ ہوا تھا۔ شادی کے بعد اس کی زندگی کچھ خاص خوشگوار نہیں رہی تھی اور وہ کئی بار مورین کو خطوط میں لکھ چکی تھی ''اگر میری تمہارے ساتھ خط وکتابت نہ ہوتی تو شاید میں پاگل ہوچکی ہوتی۔''

کارٹر اپنی جگہ شادی سے ناخوش تھا۔ اس کی اپنی بہت سی ترجیحات تھیں۔ اس کے خیال میں یہ این کا ایک غیر صحت مندانہ مشغلہ تھا اور اس کا خود کو دوسروں کی نظر میں قابل رحم بنانے کا ایک ذریعہ۔

مورین ٹیلی گرام دوبارہ بیگ میں رکھنے کے بعد بہ غور اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی ''میرے خیال میں تو تمہیں ایسی کوئی سنگین پریشانی لاحق نہیں ہے جیسا تم نے اپنے ٹیلی گرام میں تاثر دیا تھا۔ تم ہمیشہ سے ہی پریشانیوں کو بڑھا چڑھا کر اپنے اوپر مسلط کرنے کی عادی رہی ہو۔''

''نہیں..... ایسی بات نہیں ہے..... اب تو معاملہ حد سے گزر گیا تھا۔ یوں سمجھو' اونٹ کی کمر پر آخری تنکا بھی رکھا گیا تھا۔'' این فریادی سے لہجے میں بولی۔

''اگر معاملات اتنے ہی خراب چل رہے تھے تو تم نے کارٹر کو چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ اس سے علیحدگی کیوں اختیار نہیں کرلی؟ تم نے اپنے خطوط میں کبھی میرے اس سوال کا سیدھا اور صاف جواب نہیں دیا۔ اس کے بجائے تم اپنے کو ہلاک کرلینے کی باتیں کرتی رہیں۔ اچھی خاصی عمر ہونے کے بعد بھی تمہارا بچپنا نہیں گیا'' مورین مربیانہ انداز میں بولی۔

''یقین کرو' میں اپنے اس ارادے میں بھی بے حد سنجیدہ تھی۔ میں نے تو اپنی وصیت بھی تبدیل کرلی تھی۔ میں تمہیں اپنے ایک خط میں بتا بھی چکی ہوں کہ میں نے اپنی تمام دولت اور جائیداد تمہارے نام کردی ہے۔'' این بولی۔

مورین اپنے رومال کے کونے سے آنکھ کا گوشہ صاف کرتے ہوئے بولی ''شادی کو انجام تک پہنچانے کے اور طریقے بھی ہیں۔''

''مجھے کارٹر سے علیحدگی اختیار کرنا زیادہ مشکل کام نظر آتا تھا۔ میں اس عمر میں کہاں جاتی؟ اکیلی کیسے رہتی؟ پھر ایک رات ہمارے درمیان ازدواجی زندگی کی بدترین لڑائی ہوئی۔ اتنا شدید..... اور اس سے بُرا جھگڑا ہمارے درمیان پہلے نہیں ہوا تھا۔''

''اور اس کے بعد کارٹر تمہیں چھوڑ کر چلا گیا؟'' مورین نے تصدیق چاہی۔

''ہاں'' این نے مرتعش آواز میں جواب دیا یہ ایک لفظ کہتے وقت اس کے ہونٹ کپکپا اٹھے تھے اور اس نے مورین سے نظر چرالی تھی۔

''تو پھر میرے خیال میں تو تمہارا مسئلہ حل ہوگیا۔'' مورین تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''تم کارٹر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ تمہیں چھٹکارا مل گیا۔''

''کاش..... معاملہ اتنا ہی سیدھا سادہ ہوتا!'' این ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''شاید تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں کارٹر سے مکمل طور پر چھٹکارا نہیں ملا؟ صحیح معنوں میں اس سے نجات حاصل نہیں ہوئی؟''

''ہاں..... معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔'' این نے ہچکچاہٹ آمیز انداز میں جواب دیا۔

''مائی ڈیئر! مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تم کوئی بات مجھے بتا نہیں رہی ہو۔ معاملے کا کوئی پہلو ہے جو ابھی مجھ سے پوشیدہ ہے'' مورین بدستور اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ این کو اس کی نظروں سے الجھن ہورہی تھی۔

''بتانے کو تو بہت کچھ ہے..... میں خط میں بھی بتا سکتی تھی

لیکن میں نے سوچا تھا، تمہیں سامنے بٹھا کر بتانا زیادہ آسان ہوگا اور تمہاری موجودگی سے مجھے حوصلہ ملے گا مگر اب نہ جانے کیوں سب کچھ اتنا مشکل لگ رہا ہے۔'' این کے لہجے میں ہچکچاہٹ برقرار تھی۔

پھر وہ گہری سانس لے کر بولی ''شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اتنے برسوں بعد مل رہے ہیں..... خیر..... میرے خیال میں سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا..... پہلے تم اپنا سامان کھول لو..... تازہ دم ہوجاؤ..... اتنی دیر میں میں تمہارے لیے کھانا تیار کرلوں پھر آرام سے باتیں کریں گے۔ ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ آؤ..... میں تمہیں تمہارا کمرا دکھادوں۔''

وہ دونوں اٹھ کر باہر راہداری میں آئیں تو ان کی نظر وہاں رکھے ہوئے مرتبان پر پڑی۔ مورین متاسفانہ لہجے میں بولی ''افسوس..... کہ میں اپنا تحفہ کارٹر کو پیش نہیں کرسکی۔ میں خواہ مخواہ اسے اتنی دور سے اٹھا کر لائی۔''

''میں فی الحال اسے کارٹر کی اسٹڈی میں رکھ دیتی ہوں۔'' این بولی۔

''تم اسے اٹھانے کی زحمت نہ کرو..... یہ کافی وزنی ہے۔ میں خود رکھ دوں گی۔ تم مجھے جگہ دکھادو..... کہاں رکھنا ہے۔'' مورین نے جلدی سے آگے بڑھ کر گتے کے ڈبے میں رکھے ہوئے جار کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

کھانے کے دوران مورین، این کو اپنے علاقے کی تاریخ اور وہاں کے رسوم ورواج کے بارے میں بتاتی رہی تھی۔ این کو اس دور افتادہ، خشک اور بے کیف علاقے کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ مروت میں خاموشی سے سنتی رہی اور سر ہلاتی رہی۔ مورین اس علاقے میں پائے جانے والے طرح طرح کے سانپوں کے بارے میں بھی تفصیل سے بتارہی تھی، وہ بتارہی تھی کہ وہاں کی عورتیں تک ان سانپوں کو پکڑنے میں ماہر تھیں۔

این کو سانپوں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو مورین کے ساتھ لڑکپن کی یادیں تازہ کرنا چاہتی تھی چھوٹے چھوٹے دلچسپ واقعات کو دہرا کر لطف اندوز ہونا چاہتی تھی مگر مورین اس طرف آ ہی نہیں رہی تھی۔

پھر این کو ایک اور بات یاد آئی۔ مورین کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی وہ اس سلسلے میں بھی بامشکل سوال کر پائی۔

''ارے ہاں..... وہ فرن کا کیا ہوا؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''فرن.....؟'' مورین نے ایک بار پھر رومال کے کونے سے آنکھ کے گوشے کو مسلا۔ شاید یہ اس کی عادت بن چکی تھی اور وہ غیر ارادی طور پر ایسا کرتی تھی۔ اسے شاید احساس بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ بار بار ایسا کررہی ہے۔

''ہاں..... تم نے اسے اپنے ہاں سے تو نکال دیا تھا بعد میں اس کی کوئی خیر خبر ملی یا نہیں؟ اس نے دوبارہ تمہارے پاس آنے کی کوشش تو نہیں کی؟'' این نے دریافت کیا۔

''نہیں..... نہیں..... خدا کا شکر ہے، وہ واپس نہیں آئی اور نہ ہی اس کا کچھ پتا چلا۔ معلوم نہیں وہ کہاں گئی اور اس کا کیا بنا'' مورین نے جواب دیا۔

مورین کے خطوط سے این کو اندازہ ہوا تھا کہ فرن کوئی تہی دست اور بے گھر قسم کی عورت تھی جسے اس نے اپنے ہاں پناہ دے دی تھی۔ وہ مقامی عورت تھی اور برے حالات کا شکار تھی لیکن قطعی ان پڑھ یا گنوار نہیں تھی۔ باصلاحیت اور ذہین معلوم ہوتی تھی۔ مورین کا خیال تھا کہ وہ اس کے ظروف سازی کے کام میں اس کا ہاتھ بٹا سکے گی اور یوں اس پر کام کا بوجھ کچھ کم ہوجائے گا۔

مورین نے اسے غیر رسمی پارٹنر کی حیثیت دے دی تھی لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کے خطوط سے اندازہ ہونے لگا کہ اس نے فرن کے روپ میں درحقیقت ایک قسم کا دردسر پال لیا تھا۔ اس عورت نے اپنی عادات واطوار اور رویے سے اس کی زندگی اجیرن کردی تھی۔ مورین کے گھر اور کاروبار میں قدم جمانے کے بعد اس نے گویا پر پرزے نکالے تھے۔ مورین کے خطوں میں ان ساری باتوں کی کچھ زیادہ وضاحت تو نہیں ہوتی تھی لیکن اس کے خطوں سے بہرحال اندازہ ہوتا تھا کہ فرن کی وجہ سے وہ زندگی سے بیزار تھی اور اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی مگر یہ بھی گویا اس کے لیے ایک مشکل کام ہوکر رہ گیا تھا۔ تاہم وہ کسی نہ کسی طرح یہ مشکل مرحلہ سر کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

''تم اپنے خطوط میں زیادہ پریشانی کا اظہار تو نہیں کرتی تھیں لیکن مجھے اندازہ ہوا تھا کہ فرن کی وجہ سے تم کتنی پریشان تھیں۔ تمہارا بوجھ کم ہونے کے بجائے بڑھ گیا تھا۔'' این نے کہا ''اس سے نجات پانے کے بعد تمہارے خطوط کچھ مختلف سے محسوس ہونے لگے تھے.....''

''مختلف.....؟'' مورین نے ذرا چونک کر دہرایا۔

''ہاں..... ظاہر ہے تمہاری زندگی میں ایک ہلچل تو پیدا ہوگئی تھی۔ وہ تمہارے لیے یقیناً پریشانی کا دور تھا..... لیکن پھر جوں جوں حالات معمول پر آتے گئے، تمہارے خطوط بھی معمول پر آگئے۔'' این نے خود ہی اپنی بات کی وضاحت پیش

کردی۔

''ہاں..... یہ بات تو ہے۔'' مورین نے تائید میں سر ہلایا ''درحقیقت مجھ سے بہت بڑی حماقت سرزد ہوگئی تھی۔ مجھے فرن کو منہ ہی نہیں لگانا چاہیے تھا۔ اسے اپنے گھر میں گھسا کر..... اور اپنے کام میں شامل کر کے میں نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ میرا خیال ہے اس کے دماغ میں کچھ خلل تھا۔ وہ ہر بات میں میری برابری کرنے لگی تھی..... اور کچھ عرصے بعد تو اس نے برابری کے بجائے مجھے دبانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ اس نے لین دین میں بھی گھپلے شروع کر دیے۔ آخرکار میں نے جرأت سے کام لیا اور اسے نکال باہر کیا۔ اس کی ڈھٹائی دیکھو کہ اس موقع پر بھی اس نے مجھے ڈرانے دھمکانے اور مرعوب کرنے کی کوشش کی لیکن میں اس کے رعب میں نہیں آئی۔''

کھانے کے بعد کافی پینے کے دوران مورین نے ایک بار پھر گفتگو کا رخ این کے نامعلوم مسئلے کی طرف موڑنے کی کوشش کی ''بھئی اگر تمہیں واقعی میری مدد درکار ہے تو مجھے صحیح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ مسئلہ کیا ہے۔ تم نے ایک خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر کارٹر کا مسئلہ نہ ہوتا تو تم کم از کم ایک بار میرے ہاں تعطیلات گزارنے ضرور آتیں۔ یہ بڑا عقلمندانہ فیصلہ ہوتا تم تو میرے کاروبار میں میری پارٹنر بھی بن سکتی تھیں۔ میرے کاروبار کو اس وقت سرمائے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اس میں سرمایہ لگا دیا جائے تو یہ کہیں سے کہیں پہنچ سکتا ہے، تمہارے لیے یہ بہت منافع بخش سرمایہ کاری ہوتی۔'' یہ کہتے ہوئے مورین نے ایک بار پھر رومال سے آنکھ کے گوشے کو کریدا۔ اب یہ عادت این کو ناگواری کا احساس دلانے لگی تھی لیکن وہ اس کی طرف سے توجہ ہٹائے رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''پارٹنر تو شاید میں بن جاتی.....'' این مسکراتے ہوئے بولی ''لیکن میں تمہارے ساتھ اس دور دراز' پسماندہ علاقے میں کسی پہاڑی پر بنی ہوئی جھونپڑی میں رہنے کا تصور نہیں کر سکتی۔''

''اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ میں اب بھی وہاں پہاڑی پر کسی جھونپڑی میں رہتی ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنے نظریات کچھ تبدیل کر لیے تھے اور حد سے زیادہ درویشی ترک کر دی تھی۔ اپنی استطاعت کے مطابق میں کافی حد تک اپنا رہن سہن جدید بنا چکی ہوں اور مزید بنانا چاہتی ہوں۔ کاروبار کو بھی ترقی دینا چاہتی ہوں اور جدید خطوط پر استوار کرنا چاہتی ہوں۔ اب میں وہ پہلی والی مورین نہیں رہی ہوں۔''

''فی الحال تو میرا کسی بھی کام کے لیے سرمایہ کاری کرنا ممکن نظر نہیں آ رہا۔ ابھی تو معاملات بہت الجھے ہوئے ہیں۔'' این کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

''تم مجھے صحیح طور پر حالات سے آگاہ نہیں کر پا رہی ہو..... میرا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوری طور پر یہاں آنا بے کار ہی ہوا.....'' مورین کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''سوری مورین! بات کچھ ایسی نہیں ہے کہ میں جھٹ سے بتا ڈالوں..... مجھے تھوڑا سا وقت دو۔'' این کے لہجے میں معذرت کا تاثر تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ کچھ دیر سے این کے لاشعور میں ایک عجیب سا احساس سر اٹھا رہا تھا۔ ذہن کے نہ جانے کون سے تاریک گوشے میں ایک خفیف چبھن سی تھی جو اسے اندر ہی اندر اضطراب میں مبتلا کر رہی تھی۔ درحقیقت یہی کیفیت این کو مورین کے سامنے یکدم کھلنے سے باز رکھ رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جب تک اس کی یہ چبھن..... یہ الجھن دور نہیں ہوگی، وہ مورین سے کھل کر بات نہیں کر پائے گی۔ یہ مسئلہ اسے کارٹر والے مسئلے سے بھی زیادہ سنگین محسوس ہو رہا تھا۔

''لگتا ہے تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔'' مورین بولی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیئر!'' این اس سے نظر چراتے ہوئے بولی ''دراصل میرا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔ کئی ہفتوں سے میں ڈھنگ سے سو بھی نہیں سکی ہوں۔ میری مما کہا کرتی تھیں کہ دل پر بوجھ ہو تو رات کو سونے سے پہلے رو لینا چاہیے۔ انسان صبح کو مسکراتا ہوا اٹھتا ہے لیکن میرے معاملے میں اس فارمولے نے بھی کام کیا۔ اسوقت تم بھی تھکی ہوئی ہوگی۔ میرا وعدہ ہے کہ کل تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔''

مورین کے چہرے سے گو کہ ناگواری عیاں تھی لیکن اس نے مزید کچھ نہیں کہا اور سونے کی غرض سے اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادھر جونہی این اپنے کمرے میں آئی اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ اسے اچانک ایک بات یاد آئی تھی۔ اس کی تصدیق کے لیے اس نے جلدی سے اپنی الماری سے گتے کا وہ بڑا سا ڈبا نکالا جس میں وہ تمام خطوط ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جو گزشتہ برسوں میں مورین نے اسے لکھے تھے۔

این کے خیال میں مورین کی یہ عادت بہت اچھی تھی کہ وہ خط ٹائپ کرتی تھی، اس طرح ایک تو خط پڑھنے میں بہت آسانی رہتی تھی اور اگر بعد میں کسی خط کے مندرجات میں کوئی خاص حصہ تلاش کرنا ہوتا تھا تو وہ بھی جلد مل جاتا تھا۔ اس وقت بھی اسے ایک خط کے مخصوص حصے کی تلاش تھی۔

اس کا مطلوبہ خط اسے جلد ہی مل گیا اور پھر اس کی وہ خاص سطریں بھی اسے جلد ہی نظر آ گئیں جن کی اسے تلاش تھی۔ مورین نے لکھا تھا۔

''فرن کی بڑی بڑی برائیاں تو اپنی جگہ ہیں لیکن مجھے اب اس کی بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی نفرت انگیز اور ناقابل برداشت لگنے لگی ہیں۔ مثلاً اس کی یہ عادت دیکھ کر غصے سے میرا خون کھولنے لگتا ہے کہ وہ بات کرنے کے دوران بار بار رومال کے کونے سے آنکھ کے گوشے کو مسلتی رہتی ہے۔''

این کو اس خط سے صرف اتنا ہی پڑھنا تھا۔ یہ بات اسے اچانک یاد آئی تھی اور وہ اس کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ اب اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کے ذہن کے کسی تاریک گوشے میں وہ جو ایک خلش..... ایک چبھن کا سا احساس اسے بے چین کیے ہوئے تھا' اس کی وجہ درحقیقت یہی بات تھی جو اسے صحیح طور پر یاد نہیں آ رہی تھی۔

لیکن اب اس بات کی تصدیق ہونے کے بعد جو نتیجہ سامنے آ رہا تھا، وہ بعید از قیاس معلوم ہو رہا تھا۔ کیا اس کے گھر میں مورین بن کر آنے والی عورت درحقیقت فرن تھی؟ کیا وہ اتنی جرأت کر سکتی تھی کہ مورین کی جگہ لے لے اور اس کی لڑکپن کی دوست کے گھر پہنچ جائے؟

این نے مزید غور کیا تو اسے احساس ہوا کہ یہ کچھ ایسا بعید از قیاس بھی نہیں تھا فرن کو یقیناً مورین اور این دونوں کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا۔ مورین کے ساتھ رہنے کے دوران میں وہ ہر بات سے آگاہ ہو چکی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ دونوں کے درمیان کس قسم کے خطوط کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مورین نے گزشتہ پچیس برسوں میں کبھی اپنی کوئی تصویر این کو نہیں بھیجی تھی اور فرن کی کوئی تصویر بھیجنے کا تو شاید خیال بھی اس کے دماغ میں نہ آیا ہو۔

فرن میں مورین کی بہت معمولی سی شباہت تو موجود تھی لیکن کیا اس معمولی سی شباہت کے بل پر اس نے اتنا بڑا داؤ کھیلنے کا حوصلہ کر لیا تھا؟ اور پھر ایک سوال یہ بھی تھا کہ اگر مورین بن کر آنے والی عورت درحقیقت فرن تھی تو پھر مورین کہاں تھی؟ اس کا کیا بنا تھا؟ کیا فرن نے اسے ٹھکانے لگا کر اس کی جگہ لے لی تھی اور خود مورین بن کر این کو خط لکھنے لگی تھی؟ کیا اسی لیے این کو خطوں کا انداز کچھ بدلا بدلا سا لگنے لگا تھا؟

اتنا بڑا اقدام اٹھانے کے لیے فرن کے سامنے جواز بھی موجود تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ این نے اپنی وصیت میں مورین کو اپنی تمام دولت اور جائیداد کا وارث بنا دیا ہے۔ وہ یقیناً دولت کی بو سونگھتی ہوئی یہاں آن پہنچی تھی۔ جب اسے این کا ٹیلی گرام ملا ہوگا تو گویا اس کے دل کی مراد بر آئی ہوگی۔

اگر دولت ہی اس کا گوہر مراد تھی تو پھر یہاں آنے کے بعد اس کا اگلا قدم کیا ہو سکتا تھا؟ اس سوال کے جواب پر غور کرتے ہوئے این کے جسم میں بجلی سی دوڑنے لگیں۔

''اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' وہ ہیجان کے عالم میں سوچنے لگی۔ ابھی وہ کارٹر کا مسئلہ ہی حل نہیں کر پائی تھی کہ یہ دوسرا سوال ناگ کی طرح پھن پھیلائے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ دونوں سوال اپنی اپنی جگہ زندگی اور موت کے مسئلے کی طرح اہم تھے۔ کسی کو بھی پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ ان پر غور کرتے ہوئے این نے ایک بار پھر اپنے آپ کو بے حد تنہا..... بے حد خوفزدہ محسوس کیا۔ تاہم صبح تک اس نے اپنے شبہات کی تصدیق کا ایک اور طریقہ سوچ لیا۔

ناشتے کی میز پر اس نے مورین سے کہا ''میں ایک عرصے سے تم سے ایک بات، خط میں لکھ کر پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن ہر بار بھول جاتی تھی..... آج پھر اچانک یاد آئی ہے..... چند سال پہلے جب تم میکسیکو سٹی گئی تھیں اور ایک ہوٹل میں ٹھہری تھیں تو وہاں تمہاری زمرد کے نگینے کی ایک قیمتی انگوٹھی گم ہو گئی تھی، وہ بعد میں ملی تھی یا نہیں؟''

''زمرد کی انگوٹھی.....؟'' مورین نے غائب دماغی سے دہرایا پھر بے پروائی سے بولی ''نہیں..... وہ تو نہیں ملی تھی..... مجھے امید بھی نہیں تھی کہ وہ مل سکے گی۔ ایسی چیزیں گم ہونے کے بعد بھلا کہاں ملتی ہیں۔''

اس کا جواب سن کر این کا دل ڈوب سا گیا۔ اسے معلوم تھا کہ مورین کے پاس زندگی میں کبھی زمرد کے نگینے والی کوئی انگوٹھی نہیں رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ عورت مورین نہیں تھی۔ این کے شبے کی تصدیق ہو گئی تھی۔ اب اس کے سامنے ایک سیدھا اور آسان راستہ تو یہ تھا کہ وہ پولیس کو فون کر دیتی..... لیکن حالات کچھ ایسے تھے کہ پولیس کو اپنی اور اپنے گھر کی طرف متوجہ کرنا اسے خلاف مصلحت معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے حق میں بہتر یہی تھا کہ وہ اس عورت سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے خوف زدہ کر کے اپنے ہاں سے بھگانے کی کوشش کرتی۔

جعلی مورین بہ غور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''تم انگوٹھی پر تو لعنت بھیجو..... مجھے اپنی پریشانی کے بارے میں بتاؤ۔ یقیناً اس کا تعلق کارٹر کی ذات سے ہے۔ تمہارا اس سے شدید جھگڑا ہوا..... پھر.....؟''

این کے ذہن میں ایک منصوبے کا خاکہ ابھر رہا تھا۔ وہ

کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی ''کہاں سے اور کس طرح بات شروع کروں کہ تمہاری سمجھ میں آسانی سے آجائے.....''

پھر اس نے ایسی اداکاری کی جیسے اچانک اس کے ذہن میں کوئی خیال آیا ہو۔ ''کیوں نہ باہر جھیل کے کنارے چلیں.....؟ میں جب بھی پریشانی ہوتی ہوں، چہل قدمی کرنے جھیل کے کنارے چلی جاتی ہوں۔ وہاں مجھے بات کرنا بھی ذرا آسان لگے گا۔''

جعلی مورین نے ٹھنڈی سانس لی۔ ناگواری اس کے چہرے سے ظاہر تھی لیکن مصلحت کے تحت اس نے گویا خود پر ضبط کرتے ہوئے آمادگی ظاہر کردی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''باہر جھیل کے کنارے کھلی ہوا میں تمہیں سردی لگے گی۔ بہتر ہوگا کہ کوٹ پہن لو۔'' این نے مشورہ دیا۔

''کوٹ تو میں لے کر نہیں آئی ہوں۔'' جعلی مورین نے این کی توقع کے مطابق جواب دیا۔

''تو پھر کیا ہوا..... تم میرا کوئی بھی کوٹ لے لو۔'' این نے کہا اور اسے اپنے ساتھ اپنے بیڈروم میں لے گئی۔ اس نے اپنی بڑی سی دیوار گیر الماری کھول دی جس میں داخل بھی ہوا جاسکتا تھا۔ اس کے ایک حصے میں بہت سے کوٹ لٹکے ہوئے تھے۔

این نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''تمہیں ان میں سے جو پسند ہو وہ لے لو۔''

مورین نے جونہی الماری میں قدم رکھا' این نے اسے دھکا دے کر مزید آگے کردیا اور ایک جھٹکے سے الماری کا دروازہ بند کرکے دوسرے ہی لمحے مقفل کردیا پھر وہ دروازے سے کمر ٹکا کر جم کر کھڑی ہوگئی۔ گو کہ الماری کا دروازہ اور تالا وغیرہ مضبوط تھا پھر بھی اپنے اطمینان کے لیے وہ اس طرح کھڑی ہوئی تھی۔

خلاف توقع جعلی مورین نے زیادہ چیخ پکار یا زور آزمائی نہیں کی۔ اس نے صرف اس وقت خوفزدہ سے انداز میں ہلکی سی چیخ ماری تھی جب این نے اسے دھکا دیا تھا۔ اس کے بعد وہ خاموش ہوگئی۔

''تم مورین نہیں ہو..... میں جان گئی ہوں تم کون ہو۔'' این وحشت زدہ سے لہجے میں بولی۔

''این! کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟ مجھے باہر آنے دو۔''

این سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی ''تم فرن ہو..... تم نے مورین کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

''یہ مذاق بند کرو اور فوراً دروازہ کھولو۔''

''جب تک تم سچی بات نہیں بتاؤ گی، دروازہ نہیں کھلے گا۔''

''تم بچوں جیسی حرکت کررہی ہو۔ جب تک تم دروازہ نہیں کھولو گی، میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔''

''تم یہاں کیوں آئی تھیں؟ مجھے ٹشو میں اتار کر اپنے ساتھ لے جانے کے لیے؟ میرے ساری دولت لوٹ چکنے کے بعد شاید تم مجھے ہلاک کرکے وہیں کسی پہاڑی کے دامن میں دفن کردیتیں کیا مورین کے ساتھ بھی تم نے یہی کیا ہے؟''

جعلی مورین..... جو این کے خیال میں فرن کے سوا کوئی نہیں ہوسکتی تھی، اندر سے تاب کھانے کی کوشش کررہی تھی۔ پھر اس نے دروازے پر زور آزمائی کی۔ این کچھ اور مضبوطی سے جم کر کھڑی ہوگئی اور بولی ''اس سے پہلے کہ اندر تمہارا دم گھٹ جائے..... زبان کھول دو۔''

''میں تمہاری مدد کرنے کے ارادے سے آئی تھی این! تم ہمیشہ سے ایک کمزور لڑکی رہی ہو۔ مدد کے لیے تم ہمیشہ میری ہی طرف دیکھتی تھیں۔ تم لکھا کرتی تھیں کہ کارٹر سے شادی کرکے تم نے دھوکا کھایا ہے..... اور تم گویا ایک پنجرے میں پھنس گئی ہو، میں تو تمہیں اس قید سے نجات دلانے آئی تھی۔ اگر تم مجھے باہر آنے دو تو میں ساری باتوں کی وضاحت کردوں گی۔ میں اپنے ذہن میں ایک منصوبہ لے کر آئی تھی۔'' الماری میں مقید عورت گویا اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

''مجھے تمہاری آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، اندر ہی سے کہہ دو..... ورنہ میں تمہیں یہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔'' این کے لہجے میں اب بھی وحشت عیاں تھی۔ ''پھر تم جتنا چاہے چیختی رہنا..... دروازہ پیٹتی رہنا..... کوئی تمہاری آواز نہیں سنے گا..... کوئی یہاں نہیں آئے گا۔''

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد فرن شکست خوردہ لہجے میں بولی ''ٹھیک ہے این! تم جیت گئیں..... لیکن دروازہ ذرا سا کھول دو تاکہ میں آسانی سے بات کرسکوں۔ یقین کرو..... میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی..... میں تمہیں سب کچھ بتادوں گی۔ ہمیں ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے۔ کارٹر کے آنے سے پہلے ہمیں بہت سی باتوں کے بارے میں سوچنا اور منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔''

''کارٹر اب واپس نہیں آئے گا۔''

''تو پھر تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟''

''میں نے تمہیں نہیں..... مورین کو بلایا تھا۔''

''مورین تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی تھی۔ وہ تمہارے دکھڑوں سے بھرے خط پڑھ پڑھ کر بیزار ہوچکی تھی۔ اسے تم پر

ترس تو آتا تھا لیکن اس کی زیادہ ہمدردیاں کارٹر کے ساتھ تھیں۔ یہ باتیں اس نے خود مجھے بتائی تھیں..... لیکن میں مورین کی طرح نہیں ہوں۔ اگر کوئی کام کرنا ناگزیر ہو تو میں اسے کرنے سے نہیں ڈرتی..... پلیز..... این! دروازہ کھولو..... میں تمہاری ہمدرد ہوں..... دشمن نہیں۔''

''مورین مر چکی ہے نا؟''

''تم دروازہ کھولو..... میں اس کی بھی وضاحت کر دوں گی۔''

''تم ابھی آرام سے اندر ہی رہو..... میں کچھ دیر میں واپس آتی ہوں۔''

این مختلف کمروں میں ہوتی ہوئی، سیڑھیاں اتر کر کارٹر کی اسٹڈی میں آ گئی۔ اس دوران میں اس کا ذہن مسلسل سوچ بچار میں مصروف تھا۔ اسے یقین تھا کہ فرن جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ یہ کہہ کر اسے مورین کے بارے میں بدگمان کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ مورین خطوں میں اس کے دکھڑے پڑھ پڑھ کر بیزار ہو چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ مورین اس کی کسی بات سے کبھی بیزار نہیں ہو سکتی تھی۔

دوسری طرف وہ منطقی انداز میں سوچ رہی تھی کہ اسے یہ بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ فرن اس کی مدد کرے گی، وہ اس کی مدد کرنے پر مجبور تھی کیونکہ اسے خود بھی اس کی مدد کی ضرورت تھی، این کو معلوم تھا کہ اپنا مسئلہ وہ اکیلی حل نہیں کر سکتی تھی۔ این کو جو کام درپیش تھا، اس میں اسے مدد کی ضرورت تھی۔ وہ پہلے ہی کارٹر کی لاش کو بڑی مشکل سے گھسیٹ کر تہ خانے میں لے گئی تھی۔ اس نے لاش کو ابھی وہیں چھپا رکھا تھا۔ فوری طور پر اس کے سوا اسے کچھ نہیں سوجھا تھا۔ اب اسے باہر لا کر باغیچے کے کسی محفوظ گوشے میں دفن کرنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ یہ کام تو وہ اکیلی بالکل ہی نہیں کر سکتی تھی۔ اسے کسی ایسی ہستی کی مدد کی ضرورت تھی جو دوستی اور مروت میں..... یا پھر کسی مصلحت کے تحت زبان بند رکھ سکے۔ اس نے غصے کی انتہا پر پہنچ کر کارٹر کو اس کے پستول سے گولی تو مار دی تھی لیکن اس کے بعد کوئی بھی قدم اٹھانا گویا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ اسے کسی کی مدد کی اشد ضرورت تھی۔

وہ تھکے تھکے سے انداز میں کارٹر کی میز پر بیٹھ گئی اور دراز کھول کر... ایک بار پھر اس نے کارٹر کی گن نکال لی۔ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس گن سے وہ کارٹر کو شوٹ کر چکی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر اس نے الماری کا دروازہ کھول کر فرن کو باہر آنے کا موقع دیا تب بھی وہ اپنی حفاظت کے لیے گن اپنے ہاتھ میں رکھے گی، گن کی موجودگی میں فرن سے کام لینا بھی آسان رہے گا۔ وہ عورت اگر اس کی مدد کرنے پر مجبور تھی تب بھی این اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔ مورین کے خطوط میں بارہا فرن کا تذکرہ پڑھ کر اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کچھ جنونی سی عورت تھی۔ اس سے کسی بھی حرکت کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔

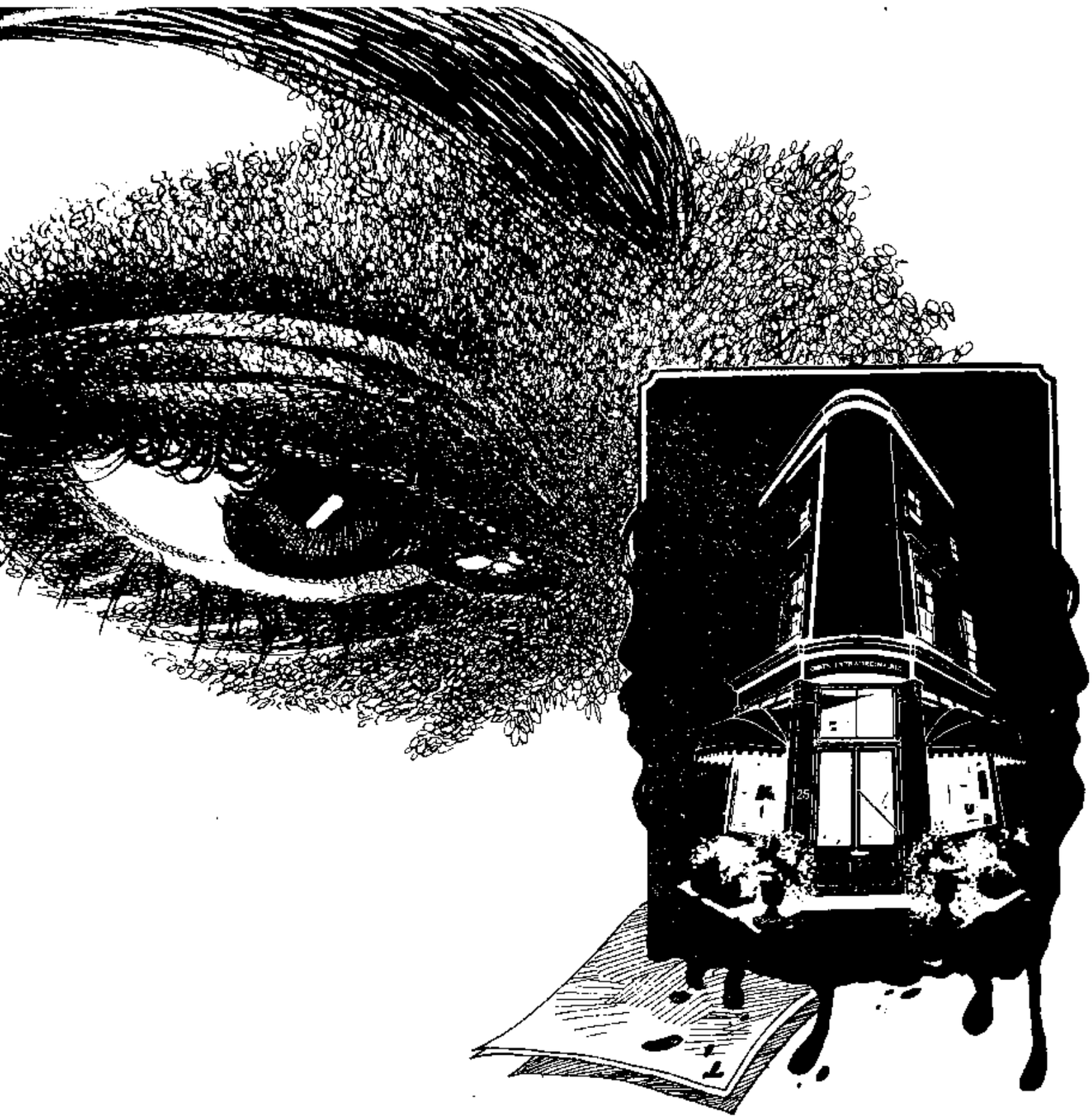
یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اسے اپنے منہ میں کڑواہٹ کا احساس ہوا۔ کافی دیر سے اسے اپنے منہ کا ذائقہ عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ سینے میں جلن سی ہو رہی تھی۔ شاید یہ مسلسل ہیجان، غصے اور اعصابی تناؤ کا نتیجہ تھا۔ اسی اثناء میں اسکی توجہ میز پر رکھے اس مرتبان کی طرف مبذول ہوئی جو فرن اپنے ساتھ لائی تھی۔ اس نے کہا تھا' اس میں کارٹر کے لیے کچھ خاص مٹھائیاں تھیں۔ اس نے سوچا، اس وقت مٹھائی کھا لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ شاید اس سے منہ کی کڑواہٹ دور ہو جاتی اور ذائقہ اچھا ہو جاتا۔ اس وقت زبان پر مٹھاس محسوس کرنے کو بڑی شدت سے جی چاہ رہا تھا۔

اس نے مرتبان کے ڈھکنے کے ساتھ بندھی ہوئی دوڑی کھولی، ڈھکنا اٹھایا اور مرتبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ یکدم ہی اسے کافی تکلیف کا احساس ہوا۔ اس کے ہاتھ میں جیسے سوئیاں سی چبھ گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اسے مرتبان میں کسی چیز کے حرکت کرنے کا احساس ہوا۔ اسے اپنے ہاتھ کے نیچے کلبلاہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔

اس نے جلدی سے ہاتھ کھینچا تو مرتبان میز پر لڑھک گیا تاہم وہ میز سے گرا نہیں..... پھر یہ دیکھ کر این کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں کہ سیاہ رنگ کا ایک پتلا سا سانپ رینگ کر مرتبان سے باہر آ رہا تھا اس کی لمبائی ڈیڑھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی لیکن اسے دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی نہایت خطرناک نسل کا سانپ تھا جس کا زہر انتہائی سریع الاثر تھا۔

سانپ ادھر ادھر رینگ کر میز سے نیچے جانے کا راستہ تلاش کر رہا تھا لیکن اس کا وجود این کی نظر میں دھندلانے لگا تھا۔ اس کے دل کو جیسے کوئی مٹھی میں لے کر بھینچ رہا تھا اور سانس گویا سینے میں رکنے لگی تھی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی۔ لیکن منہ کھولنے کے باوجود اس کے حلق سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوئی۔

پھر اس کا جسم تشنجی سے انداز میں اکڑنے لگا... اور چند لمحے بعد وہ کرسی سے نیچے لڑھک گئی!



یہ ضروری نہیں کہ ایک خاندان کے تمام افراد ایک جیسے عادات و اطوار اور خوبیاں رکھتے ہوں۔ وہ دونوں بھائی بھی دو مختلف راستوں کے مسافر تھے۔ ایک نہایت کامیاب زندگی گزار رہا تھا تو دوسرا مکمل طور پر ناکام اور یہی فرق ان کے درمیان دوری کا باعث بھی تھا لیکن اس کے باوجود بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی اور اس کے کنبے سے غافل نہیں تھا۔ وہ ان کی خبر گیری کرتا رہتا تھا۔ ایک روز یہ خبر گیری ہی اُسے مہنگی پڑ گئی۔

بڑا بھائی

نجمہ مودی

معاشرتی ناہمواریوں کی عکاس دل گداز انجام کی ایک سبق آموز کہانی

جیف کی سرخ رنگ کی بیش قیمت پورش کار اس غریبانہ سے علاقے میں داخل ہوئی تو گلی کوچوں میں بہت سے لوگوں نے گردنیں گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس علاقے کے بہت سے مکانوں کی قیمت اس کار سے کم تھی۔ جیف کا بھائی مائیکل یہاں رہتا تھا۔ جیف ایک طویل سفر کر کے بذریعہ کار ہی اس شہر پہنچا تھا۔ وہ چاہتا تو جہاز سے بھی آسکتا تھا لیکن کبھی کبھی اس کا طویل ڈرائیونگ کرنے کو جی چاہتا تھا۔ وہ یہاں کئی بار آچکا تھا۔ راستے اس کے دیکھے بھالے تھے۔

وہ جب مائیکل کے گھر کے ڈرائیوے میں داخل ہوا تو گیرج کے قریب گیارہ سال کی ایک لڑکی اور بارہ سال کا ایک لڑکا باسکٹ بال کھیل رہے تھے۔ بیشتر مکانوں کی طرح اس مکان کے در و دیوار سے بھی غربت جھانک رہی تھی۔ اس کی گاڑی دیکھ کر لڑکی کھیلتے کھیلتے رک گئی پھر گاڑی کی طرف دوڑی۔ وہ اس کی بھتیجی ایمی تھی۔

جیف جونہی گاڑی سے اترا' ایمی اس سے لپٹ گئی۔ اس کا بھتیجا کارل البتہ دور ہی کھڑا ہچکچاہٹ آمیز انداز میں

اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کارل کے روپے پر اس کی ماں یعنی جیف کی بھابی کے اثرات تھے۔ جیف کی بھابی کا نام ماریا تھا۔ وہ جیف کو پسند نہیں کرتی تھی اور اس کے بیٹے کارل کے روپے میں بھی جیف کے لیے گرمجوشی اور کوئی خاص اپنائیت نہیں ہوتی تھی لیکن پیاری سی صورت والی صاف ستھری ایمی اپنے تایا سے محبت اور گرمجوشی سے ملتی تھی۔ جیف نے کارل کے لیے بازو پھیلایا اور وہ بھی ہچکچاہٹ آمیز انداز میں قدم اٹھاتا اس سے آن لپٹا۔

بیالیس سالہ جیف دراز قد اور خوش شکل تھا۔ اس کے بال چھدرے ہوئے تھے۔ اپنے عمدہ اور مہنگے سوٹ میں وہ ایک کامیاب بزنس مین دکھائی دیتا تھا۔ دونوں بچوں کو محبت سے بھینچتے ہوئے وہ بولا "تم دونوں یقیناً سوچ رہے ہوگے کہ انکل جیف تمہارے لیے کیا لائے ہیں۔۔۔"

اس کی توجہ مکان کی طرف گئی تو اس نے دیکھا' کچن کی کھڑکی سے اس کی بھابی ماریا انہیں دیکھ رہی تھی۔ جیف نے ہاتھ ہلایا۔ جواباً اس نے بھی ہاتھ ہلایا لیکن اس کے انداز میں کوئی گرمجوشی یا اپنائیت نہیں تھی۔

جیف دوبارہ بچوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا "انکل جیف تمہارے لیے کچھ بھی نہیں لائے لیکن وہ تمہیں یہ ضرور دیں گے۔" اس نے بٹوے سے پچاس پچاس ڈالر کے دو کرارے نوٹ نکال کر دونوں بچوں کو ایک ایک دے دیا۔ نوٹ لے کر تو کارل بھی خوش دکھائی دینے لگا۔

دونوں بچے اس کا ایک ایک ہاتھ تھامے اسے اندر لے گئے۔ پرانے اور نہایت سستے فرنیچر سے آراستہ گھر کی حالت اندر سے بھی ویسی ہی تھی جیسی جیف پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ ماریا اسے گھر کا جائزہ لیتے دیکھ کر مدافعانہ سے لہجے میں بولی "ایک دو ماہ تک شاید مائیکل کی ترقی ہوجائے پھر ہم نیا فرنیچر ڈال لیں گے۔"

"کیا اس کی ترقی ہونے والی ہے۔" جیف نے اپنے لہجے میں گرمجوشی کا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں۔۔۔ امید تو ہے۔۔۔ شاید اسے اسسٹنٹ مینیجر بنادیا جائے یا کسی نئے اسٹور کا انچارج بنا کر کسی دوسرے علاقے میں بھیج دیا جائے۔" ماریا نے جواب دیا۔ اس دوران میں بچے واپس باہر جاکر کھیلنے لگے۔

"بہت خوب۔۔۔ تو یہ اچھی خبر سنائی ہے تم نے۔" جیف بولا۔

"تمہاری اس گلوکارہ سے دوستی اب بھی چل رہی ہے؟" ماریا نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ بس کبھی کبھار ملاقات ہوتی رہتی ہے۔" جیف نے جواب دیا۔

"ہم نے اسے ٹی وی پر جے لینو کے پروگرام میں دیکھا تھا۔۔۔" ماریا نے کہا "مائیکل بڑے فخر سے لوگوں کو بتاتا پھرتا ہے کہ اس کا بھائی اس گلوکارہ کا دوست ہے۔"

"اس کا مستقبل بہت روشن ہے۔" جیف دھیمے لہجے میں بولا۔ درحقیقت وہ گلوکارہ بہت تیزی سے عروج کی طرف جارہی تھی اور جیف سے اس کی ملاقات اب شاذونادر ہی ہوتی تھی۔ اس کے چاہنے والوں کا حلقۂ احباب بہت وسیع ہوچکا تھا۔ تاہم جیف کو اس پر کوئی تاسف نہیں تھا۔ یہ اس کی زندگی کے بہت سے تجربات میں سے ایک تھا۔ انہوں نے چند ماہ بہت اچھے ساتھ گزار لیے تھے۔ یہی کافی تھا۔ جب وہ نوعمری میں خالی ہاتھ بڑے شہر کی طرف گیا تھا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک روز ایسی ایسی عورتوں سے اس کی دوستی ہوگی اور نہ جانے کتنے لوگ اس پر رشک کریں گے۔ آج کل اس کے مراسم اس گلوکارہ سے کہیں زیادہ خوب صورت ایک دولت مند بیوہ سے چل رہے تھے۔

چند لمحے کی خاموشی کے بعد جیف نے پوچھا "مائیکل کا کیا حال ہے؟"

"اس کی بلانوشی جاری ہے۔" ماریا نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں ایک جانی پہچانی افسردگی جھلک آئی۔

"میری پچھلے ہفتے اس سے فون پر بات ہوئی تو وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے پینی چھوڑ دی ہے اور اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔" جیف بولا۔

"تمہیں معلوم ہے جو لوگ کثرتِ شراب نوشی کا شکار ہوتے ہیں وہ جھوٹ بھی عموماً کثرت ہی سے بولتے ہیں۔ خاص طور پر اپنی شراب نوشی کے بارے میں۔" ماریا قدرے تلخی سے بولی۔

"خدا کی پناہ۔۔۔!" جیف کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔

"بہرحال یہی غنیمت ہے کہ اس مرتبہ اس نے سات ماہ پرہیز کیا۔ پورے سات ماہ اس نے ایک پیگ بھی نہیں پیا۔ یہی بہت بڑی بات ہے۔ اس سے پہلے وہ کبھی پورے سات ماہ پرہیز نہیں کرسکا۔۔۔ سات ماہ بعد پھر شروع ہوگیا۔"

ماریا اس خوب صورت پھول کی طرح تھی جس کا رنگ پھیکا پڑچکا تھا۔ وہ اب بھی خوب صورت تھی لیکن پندرہ سال کی ازدواجی زندگی اور دو بچوں کی پیدائش و پرورش نے اس کی شخصیت پر اپنے اثرات چھوڑے تھے۔ اب وہ اس تصویر

کی طرح لگتی تھی جو کبھی رنگین تھی لیکن وقت کی دھوپ میں پڑے پڑے بلیک اینڈ وائٹ ہوگئی تھی۔ اس کا لباس اور جوتے نہایت معمولی اور گھسے پٹے تھے۔

"وہ اب بھی اپنا اور تمہارا موازنہ کرتا رہتا ہے۔" ماریا بولی۔

"اگر اس کے اور میرے حالات میں فرق ہے تو کیا یہ میرا قصور ہے؟" جیف کے لہجے میں ایک دم ہی تیزی آگئی "خدا کے لیے... یہ بحث ایک بار پھر نہ شروع کردینا۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ اس میں تمہارا قصور ہے۔" ماریا خشک لہجے میں بولی۔

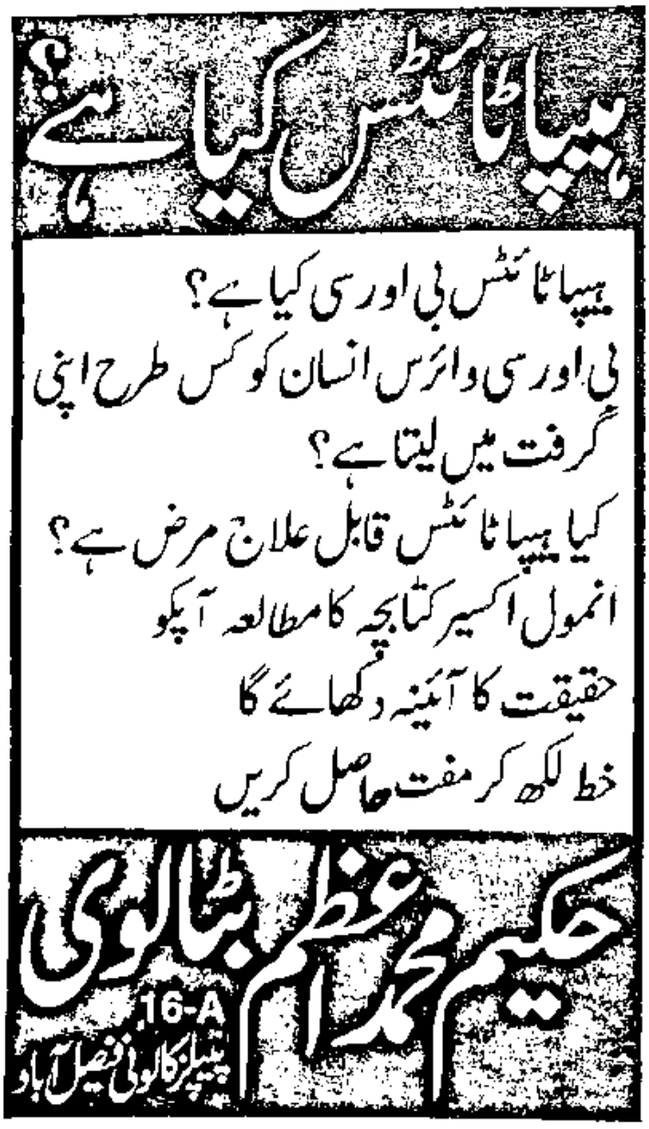
وہ یہ کہہ ضرور رہی تھی لیکن درحقیقت وہ یہی سمجھتی تھی کہ مائیکل کو تباہ کرنے میں جیف کا ہاتھ تھا جس نے اسے ایک حقیقت پسند انسان نہیں رہنے دیا تھا۔ جو اپنی حیثیت اور اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر پہچان سکتا اور ان کی مناسبت سے اپنی زندگی کا راستہ طے کرتا۔ اس کے بجائے جیف نے اس کے ذہن میں اونچے خیالات بھردیے تھے' اس کی آنکھوں میں وہ خواب سجادیے تھے جن کی تعبیریں تلاش کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ نہ ادھر کا رہا تھا اور نہ اُدھر کا۔

جب کہ حقیقت یہ تھی کہ نو سال پہلے جیف اس لیے مائیکل کو اپنے ساتھ میامی لے گیا تھا کہ وہ کچھ دولت کما سکے۔ جیف ان دنوں جو نائٹ کلب چلا رہا تھا' اس میں اس نے مائیکل کو اپنے ساتھ اسسٹنٹ رکھ لیا تھا۔ میامی میں ان دنوں منشیات کی تجارت کی کشمکش اور لڑائیاں عروج پر تھیں لیکن وہیں دولت بھی تھی۔ جیف نے مائیکل سے اس کا گھربار ضرور چھڑایا تھا لیکن اس کی نیت نیک تھی۔ مائیکل کی بہتری چاہتا تھا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ جونہی مائیکل کے پاؤں مضبوط ہوجائیں وہ اپنی بیوی اور بچوں کو بھی اپنے پاس بلالے۔

لیکن مائیکل اس کے اسسٹنٹ کے طور پر اس کا مددگار ثابت ہونے کے بجائے اس کے لیے ایک مسئلہ بن گیا۔ اس نے بے تحاشا پینی شروع کردی اور ہر وقت ویٹرسوں اور اس قبیل کی دوسری ملازماؤں کے چکر میں رہنے لگا پھر جب اس نے کلب میں آنے والی خواتین کی پسند و ناپسند کا خیال کیے بغیر ان کے گرد بھی منڈلانا شروع کردیا تو جیف نے اس کی جیب میں تین ہزار ڈالر ڈالے اور یک طرفہ ٹکٹ دلا کر ماریا اور بچوں کے پاس واپس بھیج دیا۔

اس کے خیال میں مائیکل ذرا بھی اندازہ نہیں کرسکا تھا کہ جیف نے اگر میامی جاکر کامیابی حاصل کی تھی تو اس کے لیے اس نے کتنی محنت کی تھی۔ برسوں تک کس طرح دن رات کام کیا تھا۔ اس نے بھی مائیکل کے ساتھ اسی علاقے "سیڈار" میں پرورش پائی تھی جہاں وہ اس وقت بیٹھا تھا۔ اسی چھوٹے سے شہر کے اسی غریبانہ سے علاقے میں ان کا باپ محنت مزدوری کرتا مرگیا تھا۔ جیف جب یہاں اسکول میں پڑھتا تھا تو اس کے ساتھی بچے تک اسے گھاس ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے جس پر اسے اب بھی افسوس سے زیادہ حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ بچپن میں دوستیاں غربت اور امارت کے احساس سے بالاتر ہوتی ہیں۔

اب وہ اسی علاقے میں بیش قیمت کار میں آتا تھا' اس کے جسم پر نفیس لباس ہوتا تھا اور لوگ رشک و حیرت سے گردنیں گھما گھما کر اس کی طرف دیکھتے تھے۔ اس کی خوش حالی اور سماجی روابط کے افسانے سنتے تھے اور اس کی آنکھیں پھیلتی تھیں تو جیف کو تسکین ملتی تھی لیکن وہ اپنے اس مقام کے ساتھ ایک وقار اور دبدبے کا تاثر قائم رکھنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میامی میں لوگ اسے ایک ایسے آدمی کے بھائی کے طور پر جانیں جو شراب کے نشے میں دھت اِدھر اُدھر پڑا رہتا تھا یا پھر تھرڈ کلاس عورتوں کے پیچھے دم ہلاتا پھرتا تھا۔



مزید ایک خرابی یہ تھی کہ مائیکل کے خواب صرف عیاشی کے گرد ہی گھومتے تھے۔ وہ شراب' عورتوں' مہنگی کاروں اور شاندار ملبوسات کا تمنائی تھا لیکن ان کے حصول کے لیے محنت کرنے کا اس کے پاس گویا وقت نہیں تھا۔ شراب کی لت اسے نوجوانی سے ہی پڑ گئی تھی لیکن شروع کے برسوں میں اس نے کافی مزاحمت کی تھی کہ یہ عادت قابو سے باہر نہ ہونے پائے۔ وہ جیف کو دیکھ کر ہنستا تھا جو بالکل نہیں پیتا تھا۔

جیف کے ساتھ عجیب الٹا معاملہ ہوا کہ نائٹ کلبوں کی زندگی میں جاکر اس کا پرہیز اور بھی پختہ ہوگیا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں جاکر اسے کثرت سے ایسے لوگوں کو دیکھنے کا موقع ملا جن کی زندگی شراب' جوئے اور منشیات نے تباہ کردی تھی۔ وہ کئی نائٹ کلبوں کا منیجر رہا۔ ان کلبوں میں شراب پانی کی طرح لنڈھائی جاتی تھی' ان کے غسل خانوں اور راہداریوں میں منشیات کا لین دین ہوتا تھا لیکن جیف نے خود کو ان لعنتوں سے بچائے رکھا اور یوں اس کی کامیابیوں کا سفر جاری رہا۔

"وہ کس وقت گھر آتا ہے؟" جیف نے اپنے خیالات کی دنیا سے باہر آتے ہوئے پوچھا۔

"چھ ساڑھے چھ بجے۔۔۔" ماریا نے جواب دیا اور ایک بار پھر سر جھکاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی "اب تو اس نے جوا کھیلنا بھی شروع کردیا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ میرے خدا۔۔۔۔!" بے اختیار جیف کے منہ سے نکلا۔

"شہر کے نواح میں ان چند لوگوں کو ایک متروک اور خستہ حال ہوٹل کی عمارت مل گئی ہے جس کے تہ خانے میں بیٹھ کر وہ جوا کھیلتے ہیں۔۔۔" ماریا نے بتایا "دو ہفتے پہلے تو وہ اپنی پوری تنخواہ کا چیک ہار گیا تھا۔ شکر ہے سیونگ اکاؤنٹ میں کچھ رقم موجود ہے۔ اس میں سے رقم نکال کر گزارا کرنا پڑا اور مکان کی قسط بھی جمع کرائی۔۔۔"

ماریا کے ہاتھ گو کہ دو چھوٹے چھوٹے سفید کبوتروں کی طرح اس کی گود میں ٹکے ہوئے تھے لیکن ہر تھوڑی دیر بعد انہیں گویا خفیف سا جھٹکا لگتا تھا۔ اس سے اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ ماریا اعصابی تناؤ کی کس منزل پر تھی۔

ایک لمحے کے توقف سے وہ بولی "مجھے تو اندیشہ ہے اسے اسٹور کی ملازمت سے بھی نہ نکال دیا جائے۔ اس کے خلاف شکایتیں بڑھتی جارہی ہیں۔"

"تم تو کہہ رہی تھیں اسے ترقی ملنے والی ہے۔" جیف بولا۔

"میں تمہیں خوش کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ گھر میں قدم رکھتے ہی تمہیں بری خبر سنانا شروع کردوں۔ وہ جب شرابیوں کے اسپتال میں علاج کرا کے آیا اور سات ماہ شراب سے دور رہا تو امید نظر آنے لگی تھی کہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا لیکن۔۔۔" اور آخر کار ماریا کا صبر و ضبط جواب دے گیا۔ اس نے یکدم ہی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونا شروع کردیا۔

جیف اٹھ کر کاؤچ پر اس کے قریب جا بیٹھا۔ ماریا کے اور اس کے درمیان جب غلط فہمیوں اور تلخیوں نے جنم نہیں لیا تھا تب بھی وہ ایک دوسرے سے بے تکلف نہیں تھے اس لیے جیف کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کس طرح تسلی دے۔ اس نے ہچکچاہٹ آمیز انداز میں اس کا کندھا تھپکنا شروع کردیا۔ وہ چند لمحے روتی رہی۔ اس کے دل کا بوجھ شاید رونے سے ہلکا ہوگیا۔ آخر وہ ایک ٹشو پیپر سے چہرہ اور ناک پونچھتے ہوئے بولی "تمہیں بچوں کو پچاس پچاس ڈالر نہیں دینے چاہئیں تھے۔ ان کے لیے یہ بہت بڑی رقم ہے۔"

"میں انہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" جیف بولا "میں چاہتا ہوں' وہ کچھ ایسی چیزیں بھی خریدیں جن کے لیے میں اور مائیکل بچپن میں ترستے تھے۔"

"اگر تم نے شادی کی اور تمہارے ہاں بچے ہوئے تو تم بہت اچھے باپ ثابت ہوگے۔" ماریا نے پیش گوئی کی۔ اس کی آواز اب بھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔

"شاید۔۔۔" جیف مبہم لہجے میں بولا۔

○☆○

رات کا کھانا کچھ ایسا ہی تھا جیسا جیف اور مائیکل بچپن میں کھاتے تھے۔ جیف اس وقت آٹھ سال کا اور مائیکل پانچ سال کا تھا جب ان کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا۔ باپ نے دوسری شادی نہیں کی تھی اور کمانے کے ساتھ ساتھ کھانا پکانے کی ذمے داری بھی سنبھال لی تھی۔

کارل اور ایمی نے کھانے سے پہلے دعا پڑھی۔ کھانے کے بعد انہوں نے برتن اٹھائے اور میز صاف کی۔ ماریا بولی "مجھے یقین ہے تم اس قسم کے کھانے کے عادی نہیں ہوگے۔ تمہارا معیارِ زندگی کچھ اور ہے۔"

"لیکن مجھے کھانے میں بہت لطف آیا۔" جیف بولا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد ماریا کی نظر کلاک کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ مائیکل ابھی تک نہ تو آیا تھا اور نہ ہی اس نے فون کرکے اپنے بارے میں کوئی اطلاع دی تھی۔ جیف کا قیام

شہر کے سب سے اچھے ہوٹل میں تھا۔ ماریا نے یہی سمجھا کہ وہ انتظار کرکے آخر کار ہوٹل چلا جائے گا۔

"مائیکل کو جب صبح پتا چلے گا کہ تم آئے تھے اور اس کا انتظار کرتے رہے تھے تو وہ شرمندہ ضرور ہوگا۔" وہ بولی۔

"میں آج رات اس سے مل کر ہی جاؤں گا۔۔۔" جیف بولا "مجھے اس سے بات کرنی ہے۔" اس کے لہجے میں غصہ تھا جسے اس نے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ بچے سونے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ جیف اور ماریا بیٹھے ٹی وی دیکھتے رہے مگر مزاحیہ پروگراموں پر بھی ان میں سے کوئی ایک بار بھی نہیں ہنسا۔ دس بج گئے مگر مائیکل کی آمد کے کوئی آثار دکھائی نہ دیے اور نہ ہی اس کا فون آیا۔

"تم یہاں بے آرامی تو محسوس نہیں کر رہے؟" ماریا نے پوچھا۔

"کیا تم چاہتی ہو کہ میں ہوٹل چلا جاؤں۔"

"نہیں لیکن۔۔۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم مروت یا مجبوری میں یہاں بیٹھے رہو۔ تم اپنی رات کیوں برباد کر رہے ہو۔ تم تو کہیں بھی جا کر تفریح کر سکتے ہو۔"

"مجھے اس وقت غصہ آرہا ہے۔۔۔ اور اس کیفیت میں' میں کسی بھی چیز سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔" جیف بولا۔

چند لمحے بعد ماریا نے ایک بار پھر ہاتھوں میں منہ چھپا کر چپکے چپکے رونا شروع کر دیا۔ جیف اٹھ کر کچن میں گیا اور اس کے لیے ایک ڈرنک تیار کرلایا جسے وہ کسی دوائی کی طرح ہولے ہولے پینے لگی۔

اس کی حالت سنبھلی تو وہ افسردہ سے لہجے میں بولی "یہ علاقہ جہاں ہم رہتے ہیں' تمہاری نظر میں نہایت معمولی اور گھٹیا ہوگا۔ مائیکل کو بھی کچھ ایسا پسند نہیں ہے۔۔۔ وہ تو ویسے ہی اونچے خواب دیکھنے والا آدمی ہے۔۔۔ لیکن مجھے یہ جگہ بہت پسند ہے۔ میرا یہاں بہت دل لگتا ہے۔ شاید اس لیے کہ میں نے ایک ٹریلر پارک میں پرورش پائی ہے۔ صرف ایک ٹریلر ہمارا گھر تھا اور ہماری زندگی بہت تکلیف دہ اور دشوار تھی۔ ان دنوں میں اس آبادی کے قریب سے گزارا کرتی تھی۔ میں چھوٹی تھی اور یہاں کے مکانات وغیرہ دیکھ کر سوچا کرتی تھی کہ یہاں رہنے والے یقیناً کافی امیر لوگ ہوں گے۔ اس وقت یہاں کسی کو کوئی چھوٹا موٹا گھر میسر ہونا بھی میرے خیال میں بڑی خوش قسمتی تھی۔ اب میں یہاں اس گھر میں رہتی ہوں تو مجھے یہ بہت اچھا لگتا ہے۔ گلی۔۔۔ محلہ۔۔۔ پاس پڑوس کے لوگ۔۔۔ اپنے بچوں کا اسکول۔۔۔ سب کچھ مجھے اچھا لگتا ہے۔ مجھے اس جگہ سے۔۔۔ اس ماحول سے۔۔۔ یہاں کے لوگوں سے محبت ہے۔۔۔"

اس نے ایک بار پھر سر جھکا کر خاموشی سے رونا شروع کر دیا "اگر مائیکل کی نوکری ختم ہو گئی تو پھر ہمیں اس مکان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے کیونکہ ابھی اس کے قرضے کی قسطیں باقی ہیں۔ شاید تم میری اذیت کو نہ سمجھ سکو جیف۔۔۔! کیونکہ تم ایک خوش حال آدمی ہو۔۔۔ تمہاری نظر میں یہ معمولی چیزیں ہیں۔۔۔ لیکن میرے تمام خوابوں کی تعبیر بس یہی تھی۔۔۔ اس علاقے میں ایک مکان۔۔۔ شوہر اور بچے۔۔۔ ان کے علاوہ میں نے کسی چیز کی تمنا نہیں کی تھی لیکن اب یہ بھی ہاتھ سے جاتا دکھائی دے رہا ہے۔"

"میں آج مائیکل سے بہت سختی سے بات کروں گا۔"

"یہ تمہاری نوازش ہے کہ تم اتنی زحمت کر رہے ہو لیکن تمہیں بھی معلوم ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں نہ جانے کتنی مرتبہ اس سے سختی سے بات کر چکی ہوں۔ اب تو میں تھک چکی ہوں۔۔۔ یقین کرو۔۔۔ بالکل تھک چکی ہوں۔۔۔" اس کے لہجے میں شکستگی تھی۔

اس کے بعد وہ کافی دیر تک خاموشی سے ٹی وی دیکھتے رہے۔ جب بھی کسی کار کی آواز سنائی دیتی' ماریا یوں چونک اٹھتی جیسے کوئی حملہ آور ہونے آرہا ہو لیکن کار گزر جاتی اور آواز معدوم ہو جاتی۔ آخر ماریا اٹھتے ہوئے بولی "میں اب مزید نہیں بیٹھ سکتی۔ میری ہمت جواب دے رہی ہے۔ شاید ڈرنک نے بھی میرے دماغ پر اثر کیا ہے۔ میں لیٹنے جا رہی ہوں۔۔۔"

پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولی "میں خواہ مخواہ بننے کی کوشش نہیں کروں گی جیف۔۔۔ تمہیں معلوم ہی ہے تمہارے بارے میں میری رائے کبھی اچھی نہیں رہی۔۔۔ لیکن آج جس طرح تم نے مجھے تسلی دی اور جس طرح میرے ساتھ بیٹھ کر مائیکل کا انتظار کرتے رہے۔۔۔ یہ سب کچھ مجھے بہت اچھا لگا۔۔۔ میرے دل کو سہارا اور حوصلہ ملا ہے۔۔۔ شاید میری رائے اچانک ہی تمہارے بارے میں بدل گئی ہے۔ تم ایک اچھے انسان ہو جیف! میں تمہاری شکر گزار ہوں۔۔۔ شاید آج خدا نے تمہیں میرا مددگار بنا کر بھیجا ہے۔۔۔"

وہ مسکرائی اور اس لمحے وہ جیف کو کسی بچی کی طرح معصوم لگی پھر وہ غیر متوازن سے قدموں سے اپنے بیڈ روم کی طرف چل دی۔

○☆○

مائیکل رات کو ایک بجے گھر آیا۔ جیف ٹی وی دیکھتے دیکھتے آرام کرسی پر سو چکا تھا۔ گاڑی کی آواز سن کر اس کی

آنکھ کھلی۔

مائیکل پچھلا دروازہ کھول کر پنجوں کے بل اندر آیا۔ وہ اپنی دانست میں کوشش کر رہا تھا کہ اس کی بیوی اور بچوں کو اس کی آمد کا پتا نہ چلے۔ جیف نیم تاریک راہداری میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جیف کی نظر سب سے پہلے اس خون پر پڑی جو مائیکل کے ہاتھوں اور کوٹ کی دائیں آستین پر لگا ہوا تھا۔

"یہ تم کیا کر کے آرہے ہو؟" جیف نے اچانک اس کے سامنے آتے ہوئے پوچھا۔

مائیکل نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور احمقانہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا "اے ... جیف! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

وہ نشے میں دھت تھا اور اسے شاید احساس بھی نہیں تھا کہ اس کے ہاتھوں پر خون لگا ہوا ہے۔ جیف غصے سے بولا "احمق ... گدھے ...! یہ تم کیا کر کے آرہے ہو؟ اپنے ہاتھ تو دیکھو۔" غصے کے باوجود اس نے آواز نیچی رکھی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماریا اور بچے جاگ جائیں۔ اس نے مائیکل کو کندھوں سے پکڑ کر تقریباً دھکیلتے ہوئے کچن ٹیبل پر لا کر بٹھایا۔ مائیکل نے شکست خوردہ اور تھکے تھکے سے انداز میں میز پر سر ٹکا لیا اور اس کے جسم کو جھٹکے سے لگنے لگے۔ شاید وہ رونا چاہ رہا تھا لیکن بہت سے مردوں کی طرح اس کے آنسو نہیں نکل رہے تھے۔ آخر اس نے سر اٹھایا تو اس کی آستین سے کچھ خون اس کے رخسار پر بھی لگ چکا تھا۔

"غلطی میری نہیں تھی ... یقین کرو غلطی میری نہیں تھی ..." وہ اچانک ہی پھٹی پھٹی سی آواز میں بول اٹھا۔

جیف کو اس کے ساتھ تقریباً ایک گھنٹا مغز ماری کرنا پڑی تب جا کر اس کی بات سمجھ میں آنے لگی۔ اس دوران میں جیف گرم گرم کافی کے دو کپ بنا کر بھی اسے پلا چکا تھا۔

"اچھا ... تو تم اس شخص کے ساتھ چوسر کے ذریعے جوا کھیل رہے تھے اور اس سے تمہارا جھگڑا شروع ہو گیا؟" جیف نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔" مائیکل نے سر ہلایا۔

"اور تم نے اسے زور سے دھکا دے دیا؟"

"ہاں۔"

"لعنت ہے تم پر مائیکل!"

"میرا مقصد اسے جان سے مارنا ہرگز نہیں تھا جیف! میں نے تو بس اسے ذرا زور سے دھکا دیا تھا ... اس کا سر ٹوٹے ہوئے دروازے کے ایک نکیلے کونے سے ٹکرا گیا۔"

مائیکل اب کافی حد تک ہوش و حواس میں دکھائی دے رہا تھا۔

"تمہیں وہ جگہ یاد ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا؟"

"کیوں نہیں ... میں ہر ہفتے وہاں کھیلنے جاتا ہوں۔"

"چلو ... مجھے وہاں لے کر چلو۔" جیف اٹھتے ہوئے بولا۔

"تمہارا دماغ تو صحیح ہے؟ وہاں پولیس آچکی ہوگی۔"

"ہو سکتا ہے' وہ شخص ہلاک نہ ہوا ہو۔" جیف بولا "تم تو نشے میں دھت تھے۔ تمہیں کیا پتا چلا ہوگا کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔"

"میں نے اس کی نبض دیکھی تھی۔"

"بہرحال ... تم مجھے وہاں لے کر چلو۔" جیف نے اصرار کیا۔

"میرے خیال میں تو یہ عقل مندی نہیں ہے۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں تمہارے خیال پر۔" جیف غصے سے بولا "اٹھو ... اور واش روم میں جا کر ہاتھ منہ دھولو ... بالوں میں کنگھی کرلو۔ اپنا حلیہ ٹھیک کرلو۔"

چند منٹ بعد وہ پورچ میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ ٹھنڈ بڑھ گئی تھی اور دھندلی چاندنی میں اس غریبانہ سی آبادی کے مکانات بھی اچھے دکھائی دے رہے تھے۔ فضا میں سکون اور ٹھہراؤ تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم دوبارہ شرابیوں کے اسپتال میں داخل ہو جاؤ۔" جیف گاڑی چلاتے ہوئے بولا۔

"اس کا مطلب ہے ماریا سے تمہاری کافی بات چیت ہو چکی ہے۔" مائیکل بولا۔

"تم مان لو کہ تم ایک مریض ہو۔ تمہیں اپنی شراب نوشی پر قابو نہیں رہا اور تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ تم اپنی بیوی اور بچوں کو بھی ہلاک کر رہے ہو۔"

مائیکل کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ شہر کے نواح میں پہنچے تو مائیکل بولا "مجھے ڈر لگ رہا ہے جیف!"

"ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے لیکن صرف ڈرتے رہنا مسئلے کا حل نہیں۔"

"تم ... تم شاید یہ یقین نہیں کرو گے ... لیکن میں ابھی دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ اے خدا ...! اگر میں اس مصیبت سے نکل آیا تو شرابیوں کے اسپتال میں داخلہ لے لوں گا ... شراب اور جوا چھوڑ دوں گا ... اپنی حرکتوں سے تائب ہو کر نارمل انسانوں کی طرح زندگی گزاروں گا۔ کیا دعائیں قبول ہوتی ہیں جیف؟"

"اب میں کیا بتاؤں ... بہرحال ... دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔" جیف نے جواب دیا۔

مائیکل اس کی رہنمائی کرتا رہا۔ راستے میں دو جگہ انہیں پولیس کاریں نظر آئیں۔ دونوں میں بیٹھے ہوئے پولیس آفیسرز نے غور سے پورش کی طرف دیکھا۔ مزید کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد انہوں نے ایک متروک ریلوے لائن کراس کی' قریب ہی مال گاڑی کے چند ناکارہ ڈبے کھڑے تھے پھر وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف پہنچے۔ آخر ایک سڑک کے کنارے وہ نیم شکستہ دو منزلہ عمارت دکھائی دی جو ان کی منزل تھی۔ ہر طرف کاٹھ کباڑ بکھرا ہوا تھا۔ فضا میں مختلف چیزوں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

جیف نے گاڑی عمارت کے عقب میں روکی اور مائیکل کی رہنمائی میں ایک بغلی دروازے تک پہنچا۔ مائیکل نے ایک شگاف میں ہاتھ ڈال کر کچھ ہلایا جلایا اور دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر پہنچ کر سیڑھیوں کے ذریعے تہ خانے میں داخل ہوئے جہاں ایک کمرے کی حالت کچھ بہتر تھی۔ جواریوں نے اسے اپنا اڈا بنا رکھا تھا۔ وہاں بیئر کے خالی ڈبے' بوتلیں' سگریٹوں کے ٹوٹے اور اس قسم کی دوسری چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ جیف گاڑی میں سے فلیش لائٹ ساتھ لے آیا تھا۔ خوف نے اب شاید مائیکل کا بچا کھچا نشہ بھی اتار دیا تھا۔ اب وہ مکمل طور پر ہوش و حواس میں دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ حادثاتی قتل ہے ... مجھے اس پر زیادہ سزا نہیں ہوگی ..." مائیکل بول اٹھا۔ وہ شاید خود کو تسلی دے رہا تھا۔

"فی الحال خاموش رہو۔" جیف نے اسے ڈانٹا۔

وہ شخص انہیں دوسرے کونے میں ملا۔ مائیکل نے اسے کھینچ کھانچ کر ایک دیوار کے سہارے بٹھا دیا تھا۔ وہ مٹی میں لتھڑ گیا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر اور گنجا سا تھا۔ لباس وغیرہ سے خوش حال معلوم ہوتا تھا۔ جیف نے جھک کر اچھی طرح اس کی نبض دیکھی' نتھنے بند کر کے دیکھے۔

"مر چکا ہے نا؟" مائیکل نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔" جیف نے جواب دیا۔

"او میرے خدا ..." مائیکل ہیجان زدہ سے لہجے میں بولا "میں نے ایک شخص کو مار ڈالا ... کاش میں نے ماریا کے کہنے پر عمل کیا ہوتا اور شرابیوں کے اسپتال میں داخلہ لے لیا ہوتا ... یہ سب شراب کا کیا دھرا ہے ..." وہ بدحواسی کے سے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ جیف کو ناکام لوگوں کی اس قسم کی گفتگو بالکل اچھی نہیں لگتی تھی جس میں وہ بتانے کی کوشش کرتے تھے کہ انہیں شراب نے یا فلاں چیز نے تباہ کر دیا۔ گویا ان کا اپنا تو اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔

"بکواس بند کرو۔" جیف نے ایک بار پھر اسے ڈانٹا اور مردہ شخص کے زخم کا معائنہ کرنے لگا۔ زخم اس کے سر کے پچھلے حصے میں تھا۔ کافی گہرا زخم تھا اور اس سے بہت خون بہا تھا۔

"میں میکسیکو بھاگ جاؤں گا۔" مائیکل نے اعلان کیا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ تم کہیں نہیں جاؤ گے ..." جیف برہمی سے بولا "اگر تمہاری یادداشت تمہارا ساتھ دے تو فی الحال تم میرے کچھ سوالوں کا صحیح جواب دینے کی کوشش کرو۔"

مائیکل نے اثبات میں سر ہلایا تو جیف بولا "جب تم نے اس شخص کو دھکا دیا اس وقت یہاں تم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا؟"

"نہیں ... لیکن اس سے پہلے بہت سے لوگ جمع تھے جو ایک ایک کر کے چلے گئے تھے۔ سب نے مجھے یہاں دیکھا تھا۔" مائیکل نے جواب دیا۔

"یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے تمہیں کسی نے دیکھا تھا؟"

"مجھے تو معلوم نہیں ... میں نشے میں دھت تھا ... بہرحال میرا خیال یہی ہے کہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔"

"یہ شخص کون ہے اور کیا کرتا تھا؟"

"اس کا نام کونرائے ہے۔ یہ امیر لوگوں کے لیے کچھ اس قسم کے کام کرتا تھا ... جیسے کسی کا بچہ کسی مشکل میں پھنس گیا ... کوئی شخص کسی کی بیوی کو تنگ کر رہا ہے ... یہ اس قسم کے مسائل کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کر لیتا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے اس کے کچھ دشمن بھی ہوں گے۔" جیف بولا۔

"ہاں ... میرا خیال ہے' ہوں گے ..." مائیکل نے سر ہلایا۔

جیف چند سیکنڈ کے لیے کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے مائیکل کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

○☆○

وہ جب واپس پہنچے تو ماریا گویا ان کے انتظار میں کچن میں بیٹھی کافی پی رہی تھی۔ تاہم وہ انہیں دیکھ کر بولی نہیں۔ مائیکل سیدھا باتھ روم میں چلا گیا اور آوازوں سے اندازہ ہوا کہ وہ قے کر رہا تھا۔

"مجھے باتھ روم میں کچھ خون دکھائی دیا تھا ..." ماریا دھیمی آواز میں بولی "آج مائیکل کیا کر آیا ہے؟"

جیف نے اسے ساری بات بتادی۔
"اوہ... خدایا...!" وہ وحشت زدہ ہوتے ہوئے بولی "بچوں کا کیا بنے گا؟"
"ہمیں صبر و سکون سے اس مسئلے کا حل سوچنا ہے۔" جیف بولا۔
مائیکل منہ ہاتھ دھو کر باتھ روم سے نکل آیا۔ اس نے آفٹر شیو لوشن بھی لگالیا تھا۔ اس نے ماریا کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی لیکن اس نے ہاتھ چھڑالیا۔
"جو کچھ ہوا' وہ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا... وہ محض ایک حادثہ تھا۔" مائیکل نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا صفائی پیش کی۔
"لیکن تم جیل تو بہرحال چلے جاؤ گے نا۔" ماریا تلخی سے بولی "کیوں جیف...؟" اس نے تصدیق چاہی۔
جیف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیادہ امکان تو اسی بات کا تھا لیکن وہ اس کے خیال کی تصدیق کر کے صورتِ حال کو مزید بوجھل بنانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مائیکل سے مخاطب ہوا "تم صبح تیار ہو کر معمول کے مطابق کام پر چلے جانا۔ بالکل اسی طرح جیسے آج رات کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ اگر پولیس تمہارے پاس آئے تو فوراً مجھے ہوٹل فون کر دینا۔ اس شہر میں اب بھی میرے کچھ دوست موجود ہیں جو کسی بہترین وکیل کی خدمات حاصل کرنے میں میری مدد کریں گے۔"
"میں بچوں کو کیا بتاؤں گی؟" ماریا بولی۔
"فی الحال کچھ بھی نہ بتاؤ۔" جیف نے جواب دیا "وہ خواہ مخواہ خوف زدہ ہو جائیں گے۔"
مائیکل کی حالت ایک بار پھر خراب دکھائی دے رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس کے اعصاب اس کے قابو میں نہیں تھے۔ جیف کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کسی بھی قسم کی مشکل صورتِ حال کا سامنا کرنے کا اہل نہیں تھا۔
"اب تم جا کر سو جاؤ۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" جیف نے کہا اور انہیں شب بخیر کہہ کر رخصت ہو لیا۔
ہوٹل پہنچ کر وہ جب اپنے کمرے میں سونے کے لیے لیٹا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ اپنے اور مائیکل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اپنا بچپن اور لڑکپن اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ مائیکل میں یقیناً بہت سی خامیاں تھیں لیکن ان خامیوں کو پروان چڑھانے میں شاید بڑے بھائی کا بھی ہاتھ تھا۔ باپ کو تو ان کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔ وہ بے چارہ فیکٹری میں اوور ٹائم لگاتا تھا پھر گھر کا کام کاج بھی کرتا تھا۔ جیف چاہتا تو چھوٹے بھائی کی طرف کچھ توجہ دے سکتا تھا لیکن وہ اپنی زندگی بنانے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ شاید مائیکل کچھ زیادہ ہی تنہا رہ گیا تھا۔
"شاید اس میں میری بھی کچھ غلطی تھی...!" یہ سوچتے سوچتے صبح کے قریب آخر اس کی آنکھ لگ گئی۔

○☆○

ٹیلی فون کی گھنٹی سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس وقت صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ دوسری طرف ماریا تھی۔ وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی "جیف! میں اور مائیکل رات والے واقعے کے بارے میں بحث کر رہے تھے... بچوں نے ساری باتیں سن لی ہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ مائیکل نے کیا کر دیا ہے۔ تب سے وہ دونوں رو رہے ہیں... اسکول بھی نہیں جا رہے... ان کے ذہن پر یہ خوف سوار ہو گیا ہے کہ بس اب وہ اپنے باپ کو زندہ نہیں دیکھیں گے... اسے سزائے موت ہو جائے گی۔"
"مائیکل ڈیوٹی پر چلا گیا؟" جیف نے پوچھا۔
"ہاں۔"
"اس کی ڈیوٹی کتنے بجے ختم ہوتی ہے؟"
"پانچ بجے۔"
"ٹھیک ہے... میں پانچ بجے گھر آجاؤں گا۔"
"جیف! مجھے افسوس ہے کہ ہمارے ساتھ تمہیں بھی اس معاملے میں گھسٹنا پڑ رہا ہے۔"
"وہ میرا بھائی ہے ماریا! بھائیوں کے لیے اتنی تکلیف تو اٹھانی پڑتی ہے۔" جیف بولا۔
"آج کل کون اتنی تکلیف اٹھاتا ہے جیف! قتل کے معاملے میں تو کوئی بھائی کے لیے بھی نہیں گھسٹتا..."
"سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے ماریا!" جیف نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔
ناشتے کے بعد اس نے اخبار دیکھا۔ اس میں متروک ہوٹل کے تہ خانے سے لاش ملنے کی کہیں کوئی خبر نہیں تھی۔
دوپہر کے قریب وہ گاڑی میں بیٹھ کر جیفرسن ہائی اسکول چلا گیا۔ اس اسکول سے اس نے گریجویشن کیا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا' نہ جانے کیوں اس اسکول کو دیکھنے ضرور جاتا تھا۔ اس نے اسکول کی باؤنڈری کے قریب گاڑی روکی اور اس کے در و دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ ان دنوں اسکول میں بائیس سو طلبا زیرِ تعلیم تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گویا ماضی کی فلم چلنے لگی۔
پچیس سال پہلے کا وہ طالب علمی کا دور بڑا خوب صورت

تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سولہ سالہ لڑکے کے روپ میں دیکھا جس کے بال کندھوں کو چھو رہے تھے اور جو بیل باٹم پینٹ میں تھا۔ ان دنوں اس کے پاس ۱۹۷۱ء ماڈل کی ایک چھکڑا سی شیورلیٹ ہوا کرتی تھی۔ مستقبل کے بارے میں اس کا دل امنگوں سے معمور تھا۔ اس نے انہی دنوں نائٹ کلبوں کے مالکان کے لیے چھوٹے موٹے کام کرنے شروع کر دیے تھے۔ نوجوانی کی امنگ' ترنگ اور خواب اپنی جگہ تھے لیکن اس زمانے میں بھی ایک بے عنوان سی اداسی اس کے دل کے کسی گوشے میں جاگزیں رہتی تھی۔

یہ اداسی آج بھی اس کے ساتھ تھی۔

کبھی کبھی وہ سوچ میں پڑ جاتا تھا کہ کیا وہ واقعی ایک کامیاب آدمی تھا؟ کیا اس نے زندگی میں واقعی بہت کچھ حاصل کیا تھا؟ وہ مائیکل سے اپنا موازنہ کرتا تو اسے عجیب سا احساس ہوتا۔ مائیکل کے مسائل اور ذاتی خامیاں اپنی جگہ سہی لیکن اس کا ایک گھر تھا' محبت کرنے والی بیوی تھی اور دو پیارے سے بچے تھے۔

پھر جیف خود اپنے بارے میں سوچتا۔ اس کے پاس دو تین عمدہ کاریں تھیں۔ پُرتعیش اپارٹمنٹ تھا جس میں وہ اکیلا رہتا تھا۔ کچھ لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی لیکن ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کل وہ کہاں ہوں گی۔۔۔ اور ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ ایک بے عنوان اداسی تھی جو ہمیشہ سے اس کے ساتھ تھی اور اسے نہیں معلوم تھا کہ کب تک وہ اس کی ہم سفر رہے گی۔

ہوٹل کی طرف واپس آتے وقت اس نے کار کے ریڈیو پر مقامی خبروں میں سنا کہ پولیس کو لاش مل گئی تھی اور وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ یہ قتل کی واردات تھی۔ خبر میں مقتول کا نام نہیں بتایا گیا تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر جیف نے سونے کی کوشش کی لیکن اسے نیند نہیں آئی۔ وہ بار بار مائیکل' ماریا اور ان کے بچوں کے بارے میں سوچنے لگتا۔ مائیکل کی گرفتاری ان کے لیے واقعی بڑی اذیت اور بربادی کا پیغام ہوتی۔

آخر کار وہ اٹھ کر مائیکل کے ہاں جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔

○☆○

وہ جب مائیکل کے ہاں پہنچا تو دروازہ ماریا نے کھولا۔ گھر میں ریڈیو ٹی وی کچھ نہیں چل رہا تھا۔ بوجھل سکوت بڑا تکلیف دہ محسوس ہو رہا تھا۔ کارل اور ایمی ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھے تھے۔ رو رو کر ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

"مائیکل کا فون آیا؟" جیف نے پوچھا۔

"نہیں۔" ماریا نے جواب دیا پھر بولی "میں تمہارے لیے کافی لاتی ہوں۔"

جیف بیٹھتے ہوئے بچوں کی طرف دیکھ کر بولا "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بچو! سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ڈیڈی کو جیل بھیج دیا جائے گا۔" ایمی منہ بسور کر بولی۔

"اور وہاں کوئی انہیں مار دے گا۔۔۔" کارل بولا "میرے ایک کلاس فیلو کے ڈیڈی جیل چلے گئے تھے۔۔۔ وہاں کیفے ٹیریا میں ایک دوسرے قیدی نے انہیں قتل کر دیا۔"

"تمہارے ڈیڈی کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" جیف بولا۔

"پولیس کو ان کی بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ وہ اس آدمی کو مارنا نہیں چاہتے تھے۔۔۔ یہ ایک حادثہ تھا۔" کارل بولا۔

"وہ ضرور یقین کر لیں گے۔" جیف نے انہیں تسلی دی۔

ماریا کافی لے کر آئی تو اس نے بہلا پھسلا کر بچوں کو باہر بھیج دیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ پُرتشویش انداز میں بولی "میں نے کچن سے مائیکل کے اسٹور فون کیا تھا۔ وہ اسٹور میں نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ اس وقت فرار ہونے کے ارادے سے نکلا ہوا ہو۔"

"میرے خیال میں تو زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ اس وقت کسی بار میں بیٹھا اپنے تفکرات اور خوف کو شراب میں ڈبونے کی کوشش کر رہا ہوگا۔" جیف بولا۔

"یہ اس کی ایک اور نوازش ہوگی۔" ماریا تلخی سے بولی "حالات تو جو ہیں سو ہیں۔۔۔ اوپر سے وہ نشے میں دھت ہو کر آجائے گا۔"

وہ اب اتنی غم زدہ نہیں تھی' جتنی غصے میں دکھائی دے رہی تھی۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ بولی "معلوم نہیں اس کی زندگی میں کون سی کمی۔۔۔ کون سا دکھ تھا جسے بھلانے کے لیے بے چارہ ہر وقت جام پر جام چڑھاتا رہتا ہے۔ خدا نے اسے گھر دیا۔۔۔ بیوی دی۔۔۔ بچے دیے۔۔۔ اور اسے نہ جانے کیا چاہیے جس کی تلاش میں وہ بھٹکتا رہتا ہے۔ شاید یہ سب نعمتیں اس کے لیے کافی نہیں تھیں۔۔۔"

اسی اثنا میں باہر کار رکنے کی آواز سنائی دی۔ ماریا نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا اور بولی "مائیکل آگیا۔۔۔" چند سیکنڈ کے توقف کے بعد قدرے حیرت سے وہ بولی "وہ نشے میں نہیں ہے۔۔۔ بالکل صحیح طرح چلتا ہوا آرہا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" جیف بولا۔

مائیکل کمرے میں آیا تو واقعی بالکل ٹھیک دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے وجود سے شراب کی بو نہیں آرہی تھی۔ اس نے اپنا اوور کوٹ الماری میں لٹکایا اور ماریا کے قریب بیٹھتے ہوئے ہموار لہجے میں بولا "آج سہ پہر میں نے کافی وقت چرچ میں گزارا۔"

"چرچ میں.....؟" ماریا نے بے یقینی سے دہرایا۔

"میں وہاں بیٹھ کر دیر تک خدا سے دعا کرتا رہا اور جیسے میرے دل کو قرار سا آگیا۔ میرا خوف دور ہوگیا۔" وہ ماریا کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا پھر اس نے جیف کی طرف دیکھا اور افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ سلسلۂ کلام جوڑا "تم تو مذہب میں یقین نہیں رکھتے اس لیے تمہیں میری بات عجیب لگ رہی ہوگی۔"

"کسی شراب خانے کی نسبت چرچ میں جانا بہرحال لاکھ درجے بہتر ہے۔" جیف نے تبصرہ کیا۔

"اب میں پولیس کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔" مائیکل بولا "جب وہ آئیں گے تو میں انہیں سب کچھ سچ سچ بتادوں گا۔ اب میرے اندر ایک اعتماد اور مضبوطی آگئی ہے جو اس سے پہلے میں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ چرچ میں دراصل میں نے دعا یہی مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے اعتماد، مضبوطی، طاقت اور سکون عطا فرما۔ میں محسوس کررہا ہوں کہ اب یہ چیزیں مجھ میں آگئی ہیں۔ مجھے یہاں ان کی موجودگی کا احساس ہورہا ہے....." اس نے ڈرامائی سے انداز میں دل کے مقام پر ہاتھ مارا۔

اسی اثنا میں بچے اندر آگئے۔ ایمی اس طرح باپ سے لپٹ گئی جیسے اسے کبھی نہیں چھوڑے گی۔ کارل نم آنکھیں لیے قریب کھڑا تھا۔ اس کا نچلا ہونٹ دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔ آخر ماریا بچوں کو دوسرے کمرے میں لے گئی۔ وہاں سے ایمی کے رونے کی مدھم آواز سنائی دینے لگی۔ جیف کو یوں لگا جیسے مائیکل بھی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کیے ہوئے تھا۔

○☆○

اکٹھے کھانا کھانے کے بعد وہ ٹی وی پر خبریں سن رہے تھے جب ڈرائیو وے میں کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور مائیکل کا جسم جیسے یکدم اکڑ گیا۔

ماریا نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور اعلان کیا "ایک سیاہ کار آکر رکی ہے۔"

"پولیس کے سراغرساں ہوں گے۔" مائیکل فوراً بولا۔

اسی لمحے ایمی کے کمرے سے اس کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔

ماریا بولی "جیف! میں یہاں مائیکل کے ساتھ رہتی

غیر ممالک میں رہنے والے قارئین کے لیے

زرِسالانہ میں زبردست کمی

زرِمبادلہ کی شرح میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ ماہنامہ پاکیزہ اور ماہنامہ سرگزشت کے غیرملکی مستقل خریداروں کے لیے زرِسالانہ کی رقوم میں نمایاں کمی کردی گئی ہے۔

کینیڈا، امریکا، جنوبی امریکا، آسٹریلیا اور نواحی ممالک کے لیے 50 امریکی ڈالر سالانہ

دُنیا کے دیگر ممالک کے لیے زرِسالانہ صرف 40 امریکی ڈالر یا 25 پاؤنڈ اسٹرلنگ

ذاتی بچت اور قومی خدمت کے لیے اب اپنا زرِسالانہ صرف زرِمبادلہ میں ارسال کریں۔ دو تین سالوں کے لیے ڈرافٹ یا منی آرڈر بنوا کر غیرضروری خرچ اور زحمت سے بچیں۔ اس طرح آپ آئندہ ہونے والے قیمت یا ڈاک خرچ کے اضافے سے محفوظ رہیں گے۔ اگلے برسوں میں آج کے زرِسالانہ پر بے فکری اور باقاعدگی سے پرچے حاصل کرتے رہیں گے۔

ڈرافٹ اور ڈالر منی آرڈر بھیجنے کا پتا

JASOOSI DIGEST
PUBLICATIONS
63-C, PHASE II EXTENSION
DEFENCE COMMERCIAL AREA,
MAIN KORANGI ROAD, KARACHI 75500
PAX: (92) (21) 580.2551
E-MAIL: JASOOSI@IBM.NET

ہوں۔ تم جاکر ذرا ایمی کو تسلی دو۔ وہ تمہاری بات بہت مانتی ہے۔"

"اچھا۔۔۔" جیف نے کہا اور مائیکل سے مخاطب ہوا "تمہیں پولیس کے سامنے کسی بات کا اعتراف کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ ضرورت پڑنے پر میں شہر کے بہترین وکیل کی خدمات حاصل کروں گا۔"

ماریا نے ہوا میں صلیب کا غیر مرئی نشان بنایا اور مائیکل کے قریب ہوکر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ جیف بچوں کے کمرے میں پہنچا۔ چھوٹا سا کمرا خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ ایمی بیڈ پر اوندھی پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔ کارل اسے پچکارنے کی کوشش کررہا تھا۔ جیف نے بیڈ پر بیٹھ کر اسے اپنی گود میں ڈال لیا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ کارل کمرے سے باہر چلا گیا۔

"ڈیڈی جیل چلے جائیں گے اور ہم پھر کبھی ان کی صورت نہیں دیکھیں گے۔۔۔" ایمی کسی ننھے سے بچے کی طرح جیف سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ایمی۔۔۔! تم تو خواہ مخواہ پریشان ہورہی ہو!" جیف نے اسے پچکارا "اپنے آپ کو سنبھالو۔"

"تو پھر سراغرساں ہمارے گھر کیوں آئے ہیں؟"

"وہ تو بعض کاموں کے سلسلے میں معلومات کرنے کے لیے لوگوں کے گھر جاتے ہی رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کسی کو گرفتار کرنے تھوڑا ہی جاتے ہیں۔" جیف نے اس کے آنسو پونچھ دیے۔

ایمی کو جیسے کچھ قرار آگیا۔ وہ اس کا ہاتھ چومتے ہوئے بولی "آپ کتنے اچھے ہیں انکل جیف!"

"تم اب ریڈیو سنو۔۔۔ اور بالکل پریشان مت ہوؤ۔۔۔" جیف نے کہا اور ڈرائنگ روم میں واپس آگیا۔

دو جسیم سے آدمی کمرے کے وسط میں کھڑے تھے۔ ایک گنجا سا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کھلی نوٹ بک تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "ہم ہر اس شخص سے پوچھ گچھ کررہے ہیں جو پچھلی رات جوا کھیلنے کے لیے اس تہ خانے میں موجود تھا۔"

مائیکل اور ماریا صوفے پر ایک دوسرے سے جڑے بیٹھے تھے اور انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ جیف نے مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔ ان کا انداز ہی یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا کہ مائیکل سراغرسانوں سے کچھ چھپانا چاہ رہا تھا۔

کمرے میں اچانک ہی جیف کی آواز ابھری "آفیسر! میں وہ شخص ہوں جس کی تمہیں تلاش ہے۔ میرا بھائی پچھلی رات اس شخص کے ساتھ کھیلتے ہوئے کافی رقم ہار کر آیا تھا جس کے بعد میں وہاں گیا تھا تاکہ اس سے کچھ رقم واپس لے سکوں۔ مجھے اندازہ ہوا تھا کہ اس نے رقم بے ایمانی سے جیتی تھی۔ میں وہاں گیا تو میری اس سے تلخ کلامی ہوگئی۔ اس نے مجھے دھکا دیا۔ میں نے بھی جواباً اسے دھکا دیا لیکن شاید میں کچھ زیادہ ہی زور سے دھکا دے بیٹھا۔ بہرحال میرے بھائی کا اس کی موت سے کوئی تعلق نہیں۔"

جیف کو کمرے میں داخل ہوتے ہی مائیکل کی صورت دیکھ کر اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ جیل میں کچھ عرصہ بھی نہیں گزار سکے گا۔ کوئی نہ کوئی بدمعاش قسم کا قیدی اسے کمزور اور ڈرپوک محسوس کرتے ہوئے مار ڈالے گا اور جیل سے باہر اس کے بیوی اور بچے بے موت مرجائیں گے۔

ماریا اور مائیکل نے کچھ کہنا چاہا لیکن جیف نے سخت نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور وہ خاموش ہوگئے۔ جیف کا اندازہ تھا کہ اگر جیل میں اس نے اچھے طریقے سے وقت گزارا تو زیادہ سے زیادہ پانچ چھ سال میں باہر آجائے گا۔

"تو گویا تم اعتراف کررہے ہو؟" گنجا سراغرساں بولا "ابھی تو لاش کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہوا۔"

"جلد یا بدیر۔۔۔ مجھے یہ کام کرنا ہی تھا۔" وہ افسردگی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

ماریا اس کے قریب آکھڑی ہوئی اور اس کا بازو بھینچتے ہوئے سرگوشی میں بولی "تمہیں اعتراف کرنے کی ضرورت نہیں جیف! تم ایسا کیوں کررہے ہو؟"

"ضرورت ہے ماریا۔۔۔ تبھی تو کررہا ہوں۔۔۔" وہ افسردہ سی سرگوشی میں بولا پھر سراغرساں سے مخاطب ہوا "تم مجھے حراست میں لے لو تاکہ میں اپنے وکیل کو فون کرسکوں۔"

سراغرساں کے چہروں پر حیرت تھی لیکن دل ہی دل میں وہ یقیناً خوش بھی تھے۔ جب کسی کیس سے اتنی آسانی سے جان چھوٹ جاتی تھی تو وہ خوش ہی ہوتے تھے۔

وہ جب جیف کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے تو گنجا سراغرساں بولا "تمہارے بھائی کا گھر۔۔۔ بیوی اور بچے بہت اچھے ہیں۔۔۔ لگتا ہے وہ ایک آئیڈیل زندگی گزار رہا ہے۔۔۔ بہت خوش نصیب ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" جیف نے دھیمے لہجے میں کہا۔

اس لمحے اس نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ اس کی روح پر چھایا ہوا اداسی کا بادل چھٹ چکا تھا!

ہیلی کاپٹر کی آواز سن کر ایک لمحے کے لیے کرٹ ٹمن اپنی بڑی سی میز کے قریب ساکت ہوگیا۔ وہ اس وقت اپنی کشادہ اور خوبصورت اسٹڈی میں کھڑا تھا مگر لکھنے پڑھنے کا کوئی کام نہیں کر رہا تھا۔

ایک لمحے بعد وہ گویا کسی خواب سے چونکا اور دروازے سے گزر کر اپنے خوبصورت مکان کے برآمدے میں پہنچا۔ لکڑی کی ایک آرائشی دیوار کی اوٹ سے اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ہیلی کاپٹر دھیرے دھیرے نیچے آرہا تھا۔ اس پر ایک مشہور کمپنی کا مونوگرام نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس کمپنی کے تیار کردہ پروگرام ٹی۔ وی کے نیٹ ورک پر چلتے تھے اور ملک بھر میں بے حد مقبول تھے۔ کمپنی کی نمائندہ اور معروف ویلز وینڈی کیپر آج کرٹ ٹمن کا انٹرویو ریکارڈ کرنے کے لیے آرہی تھی۔

کرٹ ٹمن اس وقت ملک کے معروف اور مقبول ترین مصنفوں میں سے ایک تھا۔ اس کا انٹرویو ٹی۔ وی کے ایک

سسپنس

نجمہ مودی

دو مصنفین کی کہانی، دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے

ادب میں سرقہ کا رواج ہمارے ہاں ہی نہیں تقریباً دنیا بھر میں ہے۔ خصوصاً مغرب تو اس فن میں بہت ترقی یافتہ ہے۔ وہاں کے مصنفین تو پورے پورے مسودے چرانے سے بھی نہیں چوکتے۔



مقبول شخصیاتی پروگرام میں پیش کیا جاتا تھا۔ بے شمار ناظرین اس کا انٹرویو دیکھنے اور سننے کے منتظر تھے۔ وہ ان دنوں ایک جزیرے پر واقع اپنے مکان میں بیٹھے پڑھنے کے کام میں مصروف تھا۔ کم از کم ایک پبلشر کو اس نے یہی بتایا تھا۔ وینڈی کا اس سے انٹرویو کرنے کا پروگرام کئی دن پہلے سے طے تھا اور وہ ٹھیک اپنے مقررہ وقت پر ہی آئی تھی۔

ہیلی کاپٹر کرٹ کے مکان کے طویل و عریض لان میں ہی اُتر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ زیادہ نیچے آتا، کرٹ لپک کر واپس اسٹڈی کے دروازے تک پہنچا اور دروازہ اس نے تیزی سے مقفل کر دیا۔ چابی اس نے اپنی ڈھیلی ڈھالی خاکی پینٹ کی جیب میں ڈال لی۔ پھر اس نے اپنے بال درست کیے، کپڑوں کی شکنیں دور کیں اور اس دروازے کی طرف چل دیا جو لان پر کھلتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

ہیلی کاپٹر لان پر اُتر چکا تھا اور نیلی ڈانگری والا ایک فربہی مائل شخص اس سے باہر آ چکا تھا۔ اور اب بھورے بالوں والی ایک پختہ العمر مگر اسمارٹ لڑکی کو ہیلی کاپٹر سے اُترنے میں مدد دے رہا تھا جس کے بال اور لباس ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ لڑکی کے بعد ہیلی کاپٹر سے دو نوجوان اُترے۔ ایک وڈیو کیمرا اُٹھائے ہوئے تھا۔ دوسرا ساؤنڈ ریکارڈنگ کے ساز و سامان سے لدا ہوا تھا۔ وہ چاروں کرٹ ٹمن کے عالیشان مکان کی اصل عمارت کی طرف بڑھے۔ لڑکی سب سے آگے تھی۔

کرٹ نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا اور لڑکی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "تم یقیناً وینڈی ویلز ہو۔ میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آج تمھیں آنا تھا۔"

"تم سے تو مجھے یہی توقع تھی۔" وینڈی اندر آ کر آراستہ و پیراستہ نشست گاہ کا جائزہ لیتے ہوئے بولی "لیکن تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ تمھارے پبلشر نے مجھ سے تمھارا انٹرویو کرانے کے لیے ہر حربہ استعمال کر ڈالا تھا۔ خوشامد، سفارش، چکر بازی... حتیٰ کہ ان ڈائریکٹ رشوت تک کی کوشش کی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے تمھیں خریدا نہیں جا سکتا۔" کرٹ بولا۔

"میں بکنے لگتی تو میری قیمت بہت جلد، بہت زیادہ گر جاتی۔ پینتیس ملین آدمی میرا پروگرام دیکھتے ہیں اور میں صرف اس لیے تمھارا انٹرویو کرنا چاہتی ہوں کہ تمھارا نام بکتا ہے۔ لوگ تمھیں اسکرین پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ تمھارے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ تمھارا تازہ ترین ناول بھی حسبِ روایت سسپنس سے بھرپور تھا... لو... میں اس کا نام ہی بھول گئی۔"

"ڈنگل ہو فر کی سازش۔" کرٹ نے ناول کا نام بتایا۔

"ہاں۔ وہی۔" وینڈی جلدی سے بولی "نیویارک ٹائمز میں، سب سے زیادہ بکنے والے ناولوں کی جو فہرست چھپتی ہے اس میں چھ ماہ تک تمھارے اسی ناول کا نام پہلے نمبر پر چھپتا رہا ہے۔ سنا ہے تم نے صرف دوسرے سستے ایڈیشن کے حقوق ڈھائی ملین ڈالر میں فروخت کیے ہیں؟"

"اس میں کچھ مبالغہ آ گیا ہے۔" کرٹ ٹھنڈی سانس لے کر بولا "آج کل حالات اتنے اچھے نہیں ہیں۔ میں نے صرف پونے دو ملین ڈالر وصول کیے ہیں۔" وہ وینڈی کے ساتھ آنے والے عملے کی طرف دیکھ رہا تھا جو مکان کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔

وینڈی کیمرامین اور ساؤنڈ ریکارڈسٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "دونوں کا نام ایڈ ہے۔ اس سے بڑی آسانی رہتی ہے۔ ایک ہی نام لے کر دونوں کو ڈانٹا جا سکتا ہے اور ہر ایک یہی سمجھتا ہے کہ دوسرے کو ڈانٹا گیا ہے۔ اس لیے کوئی بھی برا نہیں مناتا۔"

ساؤنڈ ریکارڈسٹ، کرٹ سے مخاطب ہوا "تمھاری آواز کو عمدگی سے ریکارڈ کرنے کے لیے ہمیں خاصی محنت کرنی پڑے گی۔"

"میری آواز اتنی بری تو نہیں۔" کرٹ بولا۔

"آواز تو ٹھیک ہی ہے۔" وینڈی بولی "بس تھوڑا سا ناک میں بولتے ہو۔" پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی "تم کہاں بیٹھ کر لکھتے ہو؟"

اس نے اپنے لکھنے پڑھنے کے کمرے کی طرف اشارہ کیا جسے دورِ جدید میں اسٹڈی کے بجائے ڈین کہا جانے لگا تھا۔

"کیوں نہ ہم انٹرویو تمھارے ڈین میں ہی ریکارڈ کریں۔" وینڈی نے کہا۔

"میں یہیں بیٹھ کر انٹرویو دینا پسند کروں گا کیونکہ میں اپنی کام کرنے کی جگہ کے بارے میں ذرا توہم پرست ہوں۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ میرے لکھنے پڑھنے کے کمرے کو کوئی نہ دیکھے۔" کرٹ بولا۔ غیر ارادی طور پر وہ اس جیب کو تھپتھپا رہا تھا جس میں کمرے کی چابی موجود تھی۔

"لیکن تم کیمرے کے ذریعے پینتیس ملین ناظرین کو اپنے پورے گھر کی سیر کا موقع دے رہے ہو۔ ایسے میں صرف ایک کمرے کو بچا کر رکھنے کی کیا تک ہے؟" وینڈی ناک چڑھا کر بولی۔

"بس اپنے اپنے عقائد ہوتے ہیں۔" کرٹ کا انکار برقرار رہا اور وہ وہیں ایک سفید صوفے پر بیٹھ گیا۔

کیمرامین کیمرے میں اس کا اور پس منظر کا جائزہ لیتے ہوئے

بولا۔" ہر چیز پھیکی پھیکی دکھائی دے رہی ہے۔ تاثر اچھا نہیں بن رہا۔"

وینڈی آگے بڑھی اور کرسٹ ٹمن کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔" اب کچھ رنگینی آئی یا نہیں؟"

" ہاں . . . تاثر کچھ بہتر ہو گیا ہے۔" کیمرامین کیمرے کے ذریعے منظر کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ایک طرف میز پر کرسٹ کے تمام ناول رنگا رنگ جلدوں کے ساتھ سجے ہوئے تھے۔

وینڈی کرسٹ سے مخاطب ہوئی۔" منظر کچھ یوں شروع ہو گا کہ میں تمہارا تازہ ترین ناول اٹھا کر تمہاری طرف بڑھاؤں گی اور اس کے ساتھ ہی بات چیت کا آغاز ہو گا۔ تم اگر یہیں انٹرویو دینے پر بضد ہو تو ہم اصرار نہیں کریں گے اور یہیں اپنا کام مکمل کر لیں گے۔ ورنہ مصنف کا انٹرویو اس کے لکھنے پڑھنے کے کمرے میں ہی موزوں معلوم ہوتا ہے۔"

ساؤنڈ ریکارڈسٹ نے ننھا سا ایک مائیک کرسٹ کے کالر کے نیچے لگا دیا تھا۔ لائٹس اور دیگر مشینری کے پلگ لگا دیے گئے تھے۔ تمام انتظامات مکمل تھے۔ وینڈی نے صوفے کے پشتے سے ٹیک لگا کر ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر گہری سانس لے کر وہ آنکھیں کھولتے ہوئے بولی۔" میرا خیال ہے اب ہمیں کام شروع کر دینا چاہیے۔"

چند لمحے کے توقف کے بعد کیمرا اسٹارٹ ہوا اور وینڈی کے چہرے پر بھرپور زندگی کا تاثر آ گیا۔ ہونٹوں پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کے وجود میں گویا کوئی نادیدہ سوئچ آن ہو گیا تھا اور برقی رو دوڑنے لگی تھی۔ ایک ہی لمحے میں وہ وہی جانی پہچانی کمپیئر دکھائی دینے لگی تھی جسے لوگ ٹی۔ وی اسکرین پر دیکھنے کے عادی تھے۔

اس نے اپنے مخصوص رسیلے لہجے میں بولنا شروع کیا۔

"آج رات اس شو کے آخر میں ہم آپ کی ملاقات امریکا کے مشہور ترین سسپنس رائٹر سے کرا رہے ہیں۔ آئیے ہم آپ کو ان کے گھر لے چلتے ہیں۔ ان کے ابتدائی ناول تو کچھ زیادہ معروف نہیں ہو سکے لیکن پھر ان کے ایک ناول 'بل ڈاکر کی حکمت عملی' نے بڑی دھوم مچائی۔ وہ اپنے وقت کا سب سے زیادہ بکنے والا ناول تھا جس سے انھیں چوبیس ملین کی آمدنی ہوئی . . . ."

" بائیس ملین۔" کرسٹ نے تصحیح کی۔

" کٹ۔" وینڈی نے حکم دیا پھر جملے کی تصحیح کرتے ہوئے بولی۔" کرسٹ ٹمن اپنا حساب کتاب بالکل درست رکھنا پسند کرتے ہیں۔ ان کا دوسرا ناول 'ہیرو مین کا دفاع' پہلے ناول سے بھی زیادہ کامیاب ثابت ہوا۔ 'ڈنگل ہوفر کی سازش' ان کا تیسرا اور اب تک کا آخری ناول ہے جس کے بعد انھیں بجا طور پر سسپنس سے بھرپور ناول لکھنے والوں کا سردار قرار دے دیا گیا۔ اس ناول نے تو کامیابی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔"

پھر وہ اپنی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کرسٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔" نوجوانی میں ہی اتنی کامیابی حاصل کر لینا کیسا محسوس ہوتا ہے؟"

" میں کچھ ایسا نوجوان بھی نہیں ہوں . . ." کرسٹ مسکرایا۔" میری عمر سینتیس سال ہے اور کامیابی نصیب ہونے سے پہلے میں نے خاصا کٹھن وقت بھی گزارا ہے۔"

" شاید ہمارے ناظرین یہ دیکھنا پسند کریں کہ آپ کام کس طرح کرتے ہیں۔ کیوں نہ آپ کے لکھنے پڑھنے کے کمرے میں چلیں؟"

وینڈی باقاعدہ انٹرویو کے دوران بھی یہ موضوع چھیڑے بغیر نہ رہ سکی۔

" شاید کچھ دیر بعد میں یہ فرمائش پوری کر سکوں۔ فی الحال یہیں بات چیت جاری رکھتے ہیں۔" کرسٹ اپنی جگہ سے ہلے بغیر بولا۔

" جیسے آپ کی مرضی۔" وینڈی اس کے مجلد ناول کے سرورق پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔" میرے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ میں متنازعہ موضوع ضرور چھیڑتی ہوں۔ میں اس تاثر کی تردید کرنا نہیں چاہتی۔ اس لیے کیوں نہ آج بھی ایک ایسا ہی موضوع چھیڑا جائے۔ میں لیون سیکسن سے آپ کے تعلق کے بارے میں بات کرنا چاہوں گی۔"

کرسٹ محتاط انداز میں ہنسا۔" وینڈی! تم تو اس طرح بات کر رہی ہو جیسے لیون سیکسن کوئی لڑکی ہے اور میرا اس سے خفیہ معاشقہ چل رہا ہے۔"

وینڈی اپنی مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے کیمرے کی طرف دیکھ کر بولی۔" میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے شہرت پانے سے پہلے سسپنس اور بین الاقوامی سازش کے موضوع پر ناول نگاری کے معاملے میں لیون سیکسن کو بادشاہ سمجھا جاتا تھا لیکن اب اس میدان میں آپ کا راج ہے۔ آپ کا پہلا مشہور ناول منظر عام پر آنے سے پہلے لیون سیکسن کا ناول 'آئرن گرو برکی سازش' کامیابی کے اعتبار سے ایک طویل عرصے تک سرفہرست رہا تھا۔"

" درست ہے۔" کرسٹ نے اختصار سے کہا۔

" کچھ ناقدین کو آپ کے اور لیون سیکسن کے طرز تحریر میں بھی مشابہت محسوس ہوتی ہے۔ کیا یہ محض اتفاق ہے؟"

" مجھے اندیشہ تھا کہ اس موضوع پر بات ہو گی . . ." کرسٹ دھیرے دھیرے ہاتھ ملتے ہوئے اور پھر ان کا جائزہ لیتے

ہوئے بولا۔ "آج جبکہ میں اور تم آمنے سامنے بیٹھے ہیں اور لاکھوں ناظرین بھی اس پروگرام کو دیکھ رہے ہوں گے تو میں نے اچانک ایک فیصلہ کیا ہے۔"

وینڈی نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ "آپ مجھ سے کوئی مذاق تو نہیں کرنے لگے ہیں؟ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ بڑی سنجیدگی سے مذاق کرتے ہیں اور پیروں تلے سے زمین نکال دیتے ہیں۔"

"نہیں... ایسی کوئی بات نہیں..." وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "میں اس وقت بے حد سنجیدہ ہوں۔ موقع بھی بہت اچھا ہے کہ میرے سامنے تم موجود ہو۔ تم ایک اچھی اور مقبول کمپیئر ہو۔ مجھے بھی جلد یا بدیر یہ باتیں کسی نہ کسی کو بتانی ہی پڑیں گی... اور پھر سب کچھ منظرِ عام پر آجائے گا۔ بہتر ہے میں تمہارے سامنے ہی دل اور ذہن کا یہ بوجھ ہلکا کرلوں۔"

"جو بات آپ بتانے لگے ہیں اس کا تعلق لیون سیکسن سے ہے؟"

"لیون سے بھی ہے اور مجھ سے بھی۔ اور اس میں اس سوال کا جواب بھی موجود ہے کہ ہمارا طرزِ تحریر کیوں ملتا ہے۔ یہ کچھ طویل اور پیچیدہ سی کہانی ہے لیکن میں کوشش کروں گا کہ اسے سادہ اور مختصر بنا کر پیش کروں تاکہ یہ تمہارے پروگرام کے دوران ہی ختم ہوجائے۔ تمہارے لیے یہ اعزاز ہوگا کہ سب سے پہلے یہ کہانی سنو گی اور اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرو گی۔"

ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے بتانا شروع کیا...

بیس اور تیس سال کی عمر کے دوران میں نے کئی شادیاں کیں اور وہ سب ناکام ثابت ہوئیں۔ یہ شاید اتفاق تھا کہ میری بیویوں کے نام ملتے جلتے تھے۔ مثلاً بلّی، لِلّی، مِلّی۔ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ اب شادی ہی نہیں کروں گا۔ اور اگر کبھی کرنے کا ارادہ بھی کیا تو ان سے ملتے جلتے نام والی کسی لڑکی سے تو ہرگز نہیں کروں گا۔

میں ان دنوں ایک کریڈٹ ایجنسی میں ملازمت کر رہا تھا۔ میں نے وہ ملازمت چھوڑ دی اور گرین وِچ ویلیج میں ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ لے کر لکھنے کے کام میں مصروف ہوگیا۔ پہلے چند ماہ میں میرے دو تین مضمون، ایک آدھ کہانی اور پیپر بیک میں ایک معمولی ناول چھپا۔ کرائے پر روزمرّہ اخراجات کے علاوہ مجھے اپنی سابق بیویوں لِلّی، مِلّی اور بلّی کو بھی اخراجات دینے پڑ رہے تھے۔ اس لیے ظاہر ہے میری مالی حالت بہت پتلی تھی۔

اسی زمانے میں، میں پہلی بار لیون سیکسن کے ناولوں کی طرف متوجہ ہوا۔ میں جس بک اسٹور کے پاس سے گزرتا اس کے شوکیسوں میں لیون کے مجلد ناول نہایت اہتمام سے سجے نظر آتے جن کے پچھلی طرف اس کی تصویر رنگین حاشیوں کے ساتھ چھپی ہوتی تھی۔ اپنے انٹرویوز میں وہ اکثر بتاتا تھا کہ اپنے ناولوں میں وہ دنیا کے جن مشہور شہروں کا ذکر کرتا ہے ان سب کی وہ سیر کر چکا ہے۔

میں اس سے زبردست حسد محسوس کرتا۔ اس کے مقابلے میں میرا ناول اکثر بک اسٹورز پر نظر ہی نہ آتا۔ بہت سے دکانداروں کو تو میرا یا میرے ناول کا نام ہی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ بالآخر میں نے ایک روز لیون کا ایک ناول ایک بک اسٹور سے پار کیا اور گھر آکر تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا۔

تقدیر کچھ زیادہ انصاف نہیں کر رہی تھی۔ لیون سیکسن کا اندازِ تحریر مجھ سے بہتر نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ۱۹۴۰ء کے زمانے کے یورپ کے ماحول اور اس کی جزئیات سے بخوبی واقف تھا اور اس کی عمدہ نقشہ کشی کرتا تھا لیکن اس کے علاوہ اس کی تحریر میں کوئی خوبی نہیں تھی۔ بے جان اور سپاٹ اندازِ تحریر تھا۔ اس کے باوجود وہ شخص لاکھوں ڈالر کما رہا تھا جبکہ میں ہمیشہ بلّی اور بلّی کا چند سو ڈالر کا مقروض ہی رہتا تھا۔

تب میں نے فیصلہ کیا کہ ایک نہ ایک روز مجھے بھی لیون سیکسن بننا ہے۔ مجھے بھی لاکھوں ڈالر کمانے ہیں اور وہ دن دیکھنا ہے جب ہر اسٹور والا فخر سے میرے ناولوں کے انبار اپنی شیلفوں میں رکھے گا۔"

"چنانچہ آپ نے لیون سیکسن کے اسٹائل وغیرہ کی نقل کرنے کا ارادہ کرلیا؟" وینڈی نے پوچھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا ارادہ تو یہی تھا لیکن اس پر عمل درآمد کی نوبت نہیں آئی۔ ہوا یہ کہ چار سال پہلے میری ملاقات کورلس نیپ نامی ایک لڑکی سے ہوگئی۔"

"غالباً یہ ایک غیر معروف نام ہے؟" وینڈی ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"ہاں، بہت کم لوگ اسے جانتے ہیں۔" کرٹ نے تسلیم کیا۔ پھر سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ "ایک ہوٹل میں مشہور امریکی رائٹرز کے اعزاز میں ایک تقریب تھی۔ ڈنر بھی تھا۔ وہیں کورلس نیپ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ درحقیقت میں وہاں مدعو نہیں تھا۔ مجھے تو ایک ایڈیٹر دوست نے اپنا کارڈ دے دیا تھا کیونکہ وہ خود مصروفیت کی وجہ سے اس تقریب میں نہیں آسکا تھا۔

میرے برابر والی کرسی پر چھریرے بدن کی ایک خوش شکل لڑکی بیٹھی تھی۔ وہ بہت باتونی معلوم ہوتی تھی۔ اپنی سیٹ پر ذرا نیچے کو کھسک کر دھیمی آواز میں مسلسل مجھ سے باتیں کیے جا

رہی تھی "۔ ۔ ۔ میں ہر جگہ لیٹ پہنچتی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں میں وقت پر تو کہیں پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ویسے میں زیادہ لوگوں کو نہیں جانتی۔ بہت شرمیلی اور گوشہ نشین ہوں۔ میرے بعض جاننے والے تو مجھے غار کی مخلوق کہتے ہیں حالانکہ میں سوہو کے علاقے میں ایک فلیٹ میں رہتی ہوں، غار میں نہیں۔ میں اپنا نام بتانا تو بھول ہی گئی۔ مجھے کورلس نیپ کہتے ہیں۔ میں بہت عجیب سی لڑکی ہوں۔ عجیب عجیب حرکتیں کرتی ہوں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ پاپا کہا کرتے تھے، تم جیسی تو ایک ہی اولاد کافی ہے۔ بچوں کو ڈرانے کے لیے یا ان کی تفریح طبع کے لیے جو ڈراؤنے سے مجسمے بنائے جاتے ہیں، ویسا ایک مجسمہ پاپا پر گر گیا تھا اور موقع پر ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ تم نے ایسے بے تکے حادثے کے بارے میں کبھی سنا ہے؟ یہ حادثہ بینک میں پیش آیا تھا۔ بینک والوں نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔ ان کی تکفین و تدفین کے اخراجات ادا کیے اور مجھے ایک وال کلاک اور ٹوسٹر تحفے کے طور پر دیا۔ ۔ ۔"

میں دم بخود اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا اور اپنی گفتگو جاری رکھی "پاپا کے انتقال کے بعد مجھے اپنے ایک انکل کے ساتھ رہائش اختیار کرنا پڑی۔ ان کا نام بلیز ٹیپ تھا۔ وہ بڑے عجیب اور پُراسرار سے آدمی تھے۔ ایک روز جبکہ وہ اپنی کار میں موجود تھے، کار دھماکے سے اڑ گئی۔ کار کے ساتھ ہی اُن کے بھی پرخچے اڑ گئے۔ ان کے انتقال کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک ریٹائرڈ جاسوس یا سپائی ایجنٹ تھے۔"

کورلس سے اس پہلی ملاقات کے بعد میری اس سے دوستی ہو گئی۔ اسے صحیح معنوں میں رومانس تو نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال ہم ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے اور ہمارا کافی وقت ایک ساتھ گزرتا تھا۔ وہ اچھی خاصی خوبصورت اور پُرکشش لڑکی تھی۔ اس کا نام بھی لِلّی یا بِلّی سے ملتا جلتا نہیں تھا۔ اس میں بس ایک ہی خامی تھی کہ وہ باتونی بہت تھی لیکن یہ چیز میرے لیے پریشانی کا باعث نہیں تھی کیونکہ میں ایک اچھا سامع ہوں۔

ایک روز اس کی بے تکان باتوں کے دوران ہی مجھے ایک ایسا نکتہ معلوم ہوا جس سے مجھے امریکا کا کامیاب ترین سپنس رائٹر بننے میں بہت زیادہ مدد مل سکتی تھی۔ اس روز لیون سیکس کا ذکر آ گیا تھا۔

وہ بولی "میں اسے سچ مچ جانتی ہوں۔ میں نے وینڈی ویلز کو ٹی۔ وی پر اس کا انٹرویو کرتے دیکھا تھا۔ عجیب سی سنسنی محسوس ہو رہی تھی۔ ویسے میں وینڈی ویلز کو زیادہ پسند نہیں کرتی۔ بڑی تصنع پسند عورت ہے۔ اس کی مسکراہٹ، اس کی سنجیدگی، سب کچھ مصنوعی مصنوعی سا لگتا ہے۔ ہر بات میں جب وہ طنز و مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اور بھی اچھی نہیں لگتی۔ معاف کرنا وینڈی! یہ کورلس کے خیالات ہیں۔ ضروری نہیں کہ مجھے بھی ان سے اتفاق ہو۔ کورلس مزید بولی۔ "بہرحال میں چونکہ ایک کامیاب کارٹونسٹ بننے کی جدوجہد کر رہی ہوں اس لیے مجھے حالات سے باخبر رہنے کے لیے اس قسم کے پروگرام دیکھنے پڑتے ہیں۔ انکل بلیز بھی کہا کرتے تھے کہ یہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ دُنیا بھر کے بے وقوف کیا کر رہے ہیں۔

انکل بلیز دراصل او۔ ایس۔ ایس کے ایجنٹ تھے۔ یہ بھی سی آئی اے کی طرح ایک خفیہ تنظیم تھی۔ پہلے ہمارے ملک میں سی آئی اے نہیں تھی۔ اس کی جگہ او ایس ایس ہی تھی۔ بعد میں سی آئی اے بنی تو انکل اس میں بھی شامل تھے۔ وہ کئی دوسری سرکاری خفیہ ایجنسیوں میں بھی شامل تھے۔ ان میں سے بعض تو اس حد تک خفیہ تھیں کہ ان کا کوئی مخفف نام تک نہیں تھا۔"

اس وقت ہم بلیکر اسٹریٹ میں واقع ایک میکسیکن ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ میں نے کورلس کو یاد دلایا "تم لیون سیکس کا ذکر کر رہی تھیں۔"

وہ بولی "مجھے معلوم ہے کہ تم اس کو پسند نہیں کرتے پیشہ ورانہ رقابت وغیرہ کا معاملہ ہے۔ لیکن تمہیں ٹی۔ وی پر اس کا انٹرویو ضرور دیکھنا چاہیے تھا۔ تمہاری معلومات میں اضافہ ہوتا۔ انکل بلیز



کہا کرتے تھے کہ دشمن یا حریف کے بارے میں جتنی بھی معلومات حاصل کر لی جائیں، کم ہیں۔ انکل بلیز بڑے تیز اور ہوشیار آدمی تھے۔ ان کی کار دھماکے سے اڑنے کے ساتھ ساتھ ہمارا آدھے سے زیادہ گھر بھی ملبے کا ڈھیر بن گیا تھا۔ اس واقعے کے بعد ظاہر ہے میں کئی دن تک پریشان رہی۔ اسی دوران لیون سیکن میرے پاس آیا۔ اس نے کوئی کارڈ سا میرے سامنے لہرایا اور دعویٰ کیا کہ وہ سی آئی اے ایجنٹ ہے۔ اب میں اس کارڈ کے بارے میں سوچتی ہوں تو یقین ہونے لگتا ہے کہ وہ جعلی تھا۔"

"میں نے لیون سیکن کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے مگر کہیں یہ ذکر نہیں آیا کہ وہ کسی سرکاری ایجنسی سے وابستہ تھا۔" میں نے کہا۔ "اگر ایسا ہوتا تو وہ حسبِ عادت اس سلسلے میں بھی کوئی نہ کوئی بڑ ضرور ہانکتا۔"

"ضروری نہیں ہے۔ وہ اس لیے بھی اپنے تعلق کو خفیہ رکھ سکتا تھا کیونکہ وہ ناول لکھ رہا تھا — اگر کوئی سی آئی اے میں ہو تو اس پر پابندی ہوتی ہے، وہ کہانیاں یا ناول وغیرہ نہیں لکھ سکتا۔ ایجنسی کو خدشہ ہوتا ہے کہ ایجنٹ اگر لکھنے لکھانے میں دلچسپی لیں گے تو وہ اپنی معلومات ضرور تحریروں میں لے آئیں گے اور یوں بعض راز افشا کرنے کا سبب بنیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انکل بلیز جو کچھ بھی لکھتے تھے صرف اپنے شوق کی تسکین کے لیے لکھتے تھے اور اسے گھر تک ہی محدود رکھتے تھے۔"

"تمھارا مطلب ہے وہ سسپنس ناول لکھا کرتے تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ کیا میں نے پہلے تم سے اس بات کا ذکر نہیں کیا؟ میں تمھیں جن وجوہات کی بنا پر پسند کرتی ہوں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ تم بھی انکل کی طرح لکھتے لکھاتے ہو۔ مجھے ان لوگوں کے ساتھ بات چیت اور نشست و برخاست میں لطف آتا ہے جو بین الاقوامی سازش وغیرہ کے موضوع پر لکھتے ہیں۔"

"ایک منٹ ٹھہرو۔" میں نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تمھارے انکل بلیز نے کچھ ناول لکھے تھے اور لیون سیکن انھیں لے گیا؟"

"ہاں۔ میں اسی نتیجے پر پہنچی ہوں۔ وہ جب مجھ سے ملنے آیا تھا تو اس نے اپنا جعلی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا تھا کہ انکل بلیز نے جو کچھ بھی کاغذات وغیرہ چھوڑے ہیں وہ سب کے سب لینے آیا ہے کیونکہ ایجنسی کے قواعد کی رو سے ان کی جانچ پڑتال ضروری ہے اور ان میں سے جنھیں ایجنسی مناسب سمجھے گی، اپنی تحویل میں رکھے گی۔"

"ہاں۔ یہ بات تو درست ہے۔ لیکن ظاہر ہے وہ سی آئی اے ایجنٹ نہیں تھا۔ بہرحال۔۔۔ وہ کتنے ناولوں کے مسودے لے گیا تھا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"سولہ۔" کورلس نے جواب دیا۔

"سولہ۔۔۔ سولہ مکمل ناول؟" میری آنکھیں پھیل گئیں۔

"انکل جب سی آئی اے سے ریٹائر ہوئے تو کافی آسودہ حال تھے۔ انھیں کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وقت گزاری کے لیے انھوں نے لکھنا شروع کر دیا۔ ہر ناول مکمل کر کے وہ بڑے اہتمام سے گتے کے ایک ڈبے میں بند کر کے اپنی اسٹڈی میں رکھ دیتے تھے۔ لکھنا ان کے لیے کچھ اسی طرح کا مشغلہ تھا جیسے فارغ البال عورتوں کے لیے نٹنگ۔ وہ اپنے مسودے ٹائپ کرنے کی بھی زحمت نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کی ہینڈ رائٹنگ بہت اچھی تھی۔ زرد رنگ کے کاغذوں پر تمام ناول انھوں نے ہاتھ سے ہی لکھے تھے۔

میں جب ان کے ساتھ رہتی تھی تو انھوں نے کئی مسودے مجھے پڑھوائے۔ وہ بڑے دلچسپ ناول تھے۔ میں نے ان سے کئی بار کہا کہ وہ انھیں چھپوانے کی کوئی تدبیر کریں۔ لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ سی آئی اے اس سلسلے میں چھان بین کرتی پھرے۔ اور نہ ہی انھیں پیشہ ور رائٹر بننے کا شوق تھا۔"

"تم نے لیون کا نیا ناول پڑھا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پہلا باب پڑھا ہے۔ اور وہ بھی آج ہی یہاں آتے وقت راستے میں ایک بک اسٹور میں رُک کر پڑھا ہے۔ اسی لیے میں یہاں پہنچنے میں لیٹ ہو گئی۔ اور وہ باب میں لفظ بہ لفظ مسودے کی صورت میں پڑھ چکی ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

میں کئی لمحے تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میرا دماغ سنسنا رہا تھا۔ بمشکل میں کہہ سکا۔ "اس کا مطلب ہے کہ لیون سیکن ایک چور رائٹر ہے۔"

"یقیناً۔" کورلس نے تائید کی۔ "لیکن وہ چونکہ انکل کے سارے مسودے لے جا چکا ہے اس لیے ہم اسے چور ثابت نہیں کر سکتے۔"

"میں ثابت کروں گا۔" میں نے گویا کورلس کو اطمینان دلایا۔

اس کے بعد لیون سیکن کے بارے میں معلومات جمع کرنا میرے لیے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔ اس کے لیے ان سیکرٹ ایجنٹوں جیسی صلاحیتوں اور قابلیت کی ضرورت نہیں تھی جن کے کارنامے لیون کے ناولوں میں ہوتے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جن کے کارنامے انکل بلیز کے ناولوں میں ہوتے تھے۔

ایک دوست کے توسط سے میں نے معلوم کر لیا کہ وہ کبھی بھی سی آئی اے سے وابستہ نہیں رہا تھا۔ چند سال پہلے وہ ساؤتھ نورواک میں رہتا تھا جہاں اس کی ملاقات کورلس کے انکل

سے ہوئی تھی۔ اس زمانے میں وہ بھی میری طرح چھوٹے موٹے پبلشروں کے لیے چھوٹے موٹے ناول لکھ کر گزر اوقات کر رہا تھا۔ پارٹ ٹائم وہ ایک اسکول میں تخلیق کاری کی کلاس میں کہانی نویسی اور ناول نگاری کے موضوع پر لیکچر دیا کرتا تھا۔ اس کلاس میں صرف چند ہی شائقین آتے تھے جن میں انکل بلیز بھی شامل تھے۔ وہ یونہی محض شغل کے طور پر آکر بیٹھ جاتے تھے۔ انھوں نے کبھی تمہیدی جائزے کے لیے اپنی کوئی تحریر کلاس میں پیش نہیں کی۔

لیکن ایک شام وہ لیون کے ساتھ ایک بار میں جا بیٹھے اور وہاں پینے پلانے کے دوران انھوں نے لیون کو اپنے ناولوں کے بارے میں بتا دیا۔ ایسی ہی چند ملاقاتوں کے بعد ان کے درمیان مراسم اس حد تک بڑھ گئے کہ انکل بلیز نے اپنے مسودے دکھانے کے لیے لیون کو گھر مدعو کر لیا۔ اس وقت تک کورلس کے والد کا انتقال نہیں ہوا تھا اور وہ انکل بلیز کے ساتھ رہنے کے لیے نہیں آئی تھی۔

انکل بلیز کے ایک ناول کا پہلا باب پڑھ کر ہی لیون کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اس سے بہتر رائٹر تھے۔ تحریر سسپنس سے بھرپور تھی اور اس میں ۱۹۴۰ء اور ۵۰ء کے زمانے کے یورپ کی بہت عمدہ منظر کشی کی گئی تھی۔ بین الاقوامی سازش کے موضوع کو بڑی عمدگی سے لیا گیا تھا۔

لیون جو ہر وقت فاضل آمدنی کے ذرائع تلاش کرتا رہتا تھا، انکل بلیز کا لٹریری ایجنٹ بننے پر تل گیا۔ لیکن انکل بلیز نے صاف انکار کر دیا کہ وہ اپنے ناول کسی بھی پبلشر کے ہاتھ فروخت کرنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ محض اپنا شوق پورا کرنے کے لیے لکھتے ہیں۔ لیون کو ان کی یہ بات نہایت احمقانہ لگی۔

اس کے پانچ ماہ بعد کار بم کے دھماکے میں انکل بلیز کا انتقال ہو گیا۔"

اس موقع پر کرٹ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا تو ونڈی تھوک نگلتے ہوئے بولی "کیا آپ اشارتاً یہ کہنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس حادثے کے پیچھے بھی لیون کا ہاتھ تھا تاکہ وہ ناولوں کے مسودے حاصل کر سکے؟"

"میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ لیون چوری، فراڈ اور دوسرے کی تخلیق کو اپنے نام سے پیش کرنے کے جرم کا مرتکب ہوا۔ انکل بلیز کے انتقال کے بعد وہ سی آئی اے ایجنٹ بن کر ان کے تمام مسودے اور ان سے متعلقہ سارے کاغذات لے گیا۔ پورا ایک ہفتہ اپنے اپارٹمنٹ میں بند رہ کر اس نے بغور تمام مسودے پڑھے اور ہر ناول نے اسے حیرت زدہ کر دیا۔ سابق

> "اگر میں تمھیں آج پانچ روپے دوں اور کل دو روپے دوں تو تمھارے پاس کل کتنے روپے ہو جائیں گے؟" استاد نے بچے سے سوال کیا۔
> "نو۔" بچے نے جواب دیا۔
> "احمق کہیں کے!" استاد بولا "پانچ اور دو سات ہوتے ہیں۔"
> "لیکن سر! میرے پاس دو روپے پہلے سے موجود ہیں۔" بچے نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اسپائی ایجنٹ نے اپنی زندگی کے نہ جانے کون کون سے تجربات و مشاہدات ان ناولوں میں بھر دیے تھے۔

لیون نے دو ماہ خاموشی سے انتظار کیا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ کورلس کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو چکا ہے تب اس نے عملی کام شروع کیا۔ دو ہفتے میں اس نے پہلے ناول 'ہائی کن ٹوپر ہائی پاس' کا مسودہ نہایت عمدگی سے ٹائپ کیا اور اسے ایک بڑے پبلشر کو پیش کیا جس نے اسے پڑھتے ہی پچیس ہزار ڈالر معاوضے کی پیشکش کر دی۔ اتنا معاوضہ لیون کو پیپر بیک میں بارہ رومانی ناول لکھنے کے بعد ملتا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے چالیس ہزار ڈالر مانگے اور بالآخر تیس ہزار ڈالر پر سودا طے پا گیا۔

تمھیں یاد ہی ہو گا، وہ ناول کتنا کامیاب رہا۔ منظر عام پر آتے ہی نیویارک ٹائمز میں چھپنے والی بہترین ناولوں کی فہرست میں اس کا نام آ گیا۔ اور پھر ایک سال تک وہ سرفہرست رہا۔

لیون کے پاس سولہ مسودے تھے۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ بیس پچیس سال تک ٹھاٹ سے اپنا نام بھی زندہ رکھ سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دولت بھی کما سکتا ہے۔ ابتدائی چند ماہ میں اسے کورلس کی طرف سے تشویش لاحق رہی کہ کہیں وہ ناول پڑھ نہ لے اور تحریر پہچان نہ لے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور رفتہ رفتہ وہ ان ناولوں کو اپنا ہی محسوس کرنے لگا۔

تین ناول چھپنے کے بعد اس کے مالی حالات بہت بہتر ہو چکے تھے۔ ساؤتھ پورٹ کے علاقے میں وہ ساحل پر ایک شاندار مکان لے کر رہ رہا تھا۔ اس میں چوروں سے تحفظ کے لیے الارم سسٹم بھی موجود تھا لیکن میں نے جب وہاں نقب لگائی تو اس سسٹم کو ناکارہ بنانا میرے لیے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔

مجھے یقین تھا کہ اس نے غیر استعمال شدہ مسودے اپنی شاندار اسٹڈی میں، دیوار گیر تجوری میں چھپا کر نہیں رکھے ہوں گے بلکہ وہ

کسی ایسی جگہ رکھے گئے ہوں گے جہاں کسی کو ان کی موجودگی کا امکان نظر نہ آئے۔ میرا خیال درست ثابت ہوا۔

مسوّدے اس کے گیم روم میں موجود تھے۔ ہر مسوّدے کو خاکی کاغذ میں پیک کر کے پارسل بنا دیا گیا تھا اور انھیں دوسری بہت سی چیزوں کے ویسے ہی پارسلوں کے درمیان ملا کر رکھا گیا تھا اور ان پر جلی حروف میں لکھ دیا گیا تھا "ٹیکس ریکارڈ"۔

کل بارہ مسوّدے میرے ہاتھ لگے۔ چوتھا مسوّدہ وہ غالباً پبلشر کو دے چکا تھا۔ میں نے تمام مسوّدے ایک صاف ستھرے لانڈری بیگ میں ڈالے اور اس کے عالیشان مکان سے بھاگ نکلا۔

اپنے گھر آ کر میں نے ایک مسوّدے کا جائزہ لیا۔ وہ بلیز ٹیپ کی ہینڈ رائٹنگ میں تھا۔ ہر صفحے پر اسی کے ہاتھ کی تاریخ بھی درج تھی۔ لیون ان مسوّدوں کے بارے میں کسی بھی طرح دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس کے ہیں۔ بلکہ میرے ہاتھ میں گویا اس امر کا ٹھوس ثبوت آ چکا تھا کہ بطور رائٹر اس نے جو شاندار کیریئر بنایا تھا وہ صرف چوری کا نتیجہ تھا۔ اگر کورلس کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کر لیتی تو وہ لیون سے ہرجانہ بھی وصول کر سکتی تھی۔

اب دولت کی سیہ کان میرے ہاتھ آ چکی تھی لیکن مسئلہ کورلس کا تھا۔ وہ جائز اور ناجائز کے بارے میں بڑے سخت نظریات رکھتی تھی۔ اگر میں مزید مسوّدوں کو چھپوانے کے انتظامات کرتا تو کورلس کا اصرار ہوتا کہ ان پر بطور مصنف انکل بلیز کا نام آنا چاہیے۔ اور اگر سی آئی اے کو اس کی ہوا لگ جاتی تو وہ باقی سارے مسوّدے چھین کر لے جاتی۔ چنانچہ میں نے کورلس کو یہی بتایا کہ میں نے لیون کے مکان میں نقب تو لگائی تھی لیکن وہاں سے مجھے کچھ نہیں ملا۔

دل مضبوط کر کے میں نے پہلا ناول مارکیٹ میں دے دیا۔ اور وہ ناول ان تمام ناولوں سے کہیں زیادہ کامیاب ثابت ہوا جو لیون اپنے نام سے چھپوا چکا تھا۔ مختلف ایڈیشنوں، فلم اور ٹی۔ وی وغیرہ کی طرف سے رائلٹی کے طور پر مجھے بڑی بڑی رقمیں موصول ہونے لگیں اور سب سے پہلے میں نے اپنا چھوٹا سا اپارٹمنٹ چھوڑ کر یہ مکان خرید لیا جس میں اس وقت ہم بیٹھے ہیں۔ تمام معاملات بخیر و خوبی چل رہے تھے۔ کورلس بطور کارٹونسٹ اپنا مستقبل بنانے کی جدوجہد میں مصروف تھی اور میرا خیال تھا کہ اسے وہ ناول پڑھنے کا وقت نہیں ملے گا جو میرے نام سے چھپ چکا تھا۔

اس سے کبھی کبھار میری ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ایک روز ہم ایک پُرفضا لیکن ویران پہاڑی مقام پر سیر کر رہے تھے جب کورلس مخمور لہجے میں بولی۔ "کتنا اچھا لگ رہا ہے... اس خوبصورت پہاڑی پر ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بلندی کی طرف جا رہے ہیں... اور ہماری تنہائی میں مخل ہونے والا دور دور تک کوئی نہیں۔ لگتا ہے ہمارے لیے زمین پر ہی خوابوں کی دنیا نے حقیقت کا روپ دھار لیا ہے۔ کرٹ! تم نے وہ حرکت کیوں کی؟"

"کون سی حرکت؟" میں اس کی مدہوش کن باتوں کے دوران اس بے ربط سوال پر بھونچکا رہ گیا۔

"تم نے بھی انکل بلیز کے ناول چرا کر اپنے نام سے چھپوانے شروع کر دیے!"

"میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔" میں نے دائیں طرف نشیب میں خطرناک کھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم میری تحریر کو ان کی تحریر کے ساتھ گڈمڈ کر رہی ہو۔"

"بے کار باتیں چھوڑو کرٹ! ہم دوست ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کو چکر دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ تم اس رات لیون کے گھر سے باقی مسوّدے چرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ تمھارے اندر چونکہ شرافت کی رمق موجود ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ تمھارا ارادہ تو یہی رہا ہوگا کہ مسوّدے مجھے دے دو گے تاکہ میں لیون سیکسن کو بے نقاب کر سکوں۔ لیکن پھر تمھارے دل میں لالچ آ گیا ہوگا۔ اس میں تمھارا بھی قصور نہیں۔ تمھارے سامنے فوائد بہت زیادہ تھے اور ترغیب بہت شدید تھی۔"

"تمھارے انکل کا انتقال ہو چکا ہے۔" میں نے کمزور سے لہجے میں کہا۔ "اب کتابوں سے ہونے والی آمدنی تو انھیں نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی کوئی دوسرا فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم سے جھوٹ بولا... بہرحال اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ ہم ناولوں سے ہونے والی آمدنی آپس میں آدھی آدھی تقسیم کر سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ٹھوس لہجے میں بولی۔ "یہ بددیانتی ہے اور میں بددیانت بن کر زندہ رہنا نہیں چاہتی۔ کردار کے بغیر انسان کس کام کا؟ اگر مجھے صرف رقم سے غرض ہوتی تو میں لیون سیکسن کو بلیک میل کر سکتی تھی۔ میں تو دراصل صرف انصاف چاہتی ہوں۔ ہمیں اس الجھے ہوئے معاملے کو سلجھانا چاہیے، صاف کرنا چاہیے۔ حقائق لوگوں کے سامنے لانے چاہئیں اور ذرائع ابلاغ کو اس معاملے سے آگاہ کرنا چاہیے۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا کورلس!" میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "اس میں باقی مسائل تو اپنی جگہ ہیں لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میری آمدنی رُک جائے گی۔"

"تمھیں اپنی ذات پر، اپنے کردار پر اور اپنی صلاحیتوں پر

اعتماد ہونا چاہیے۔ ہوسکتا ہے تم خود ایسا کوئی ناول لکھنے میں کامیاب ہو جاؤ جو انکل بلیز کے ناول سے بھی اچھا۔۔۔"

"نہیں!" میں یک لخت چلّا اُٹھا اور اسی لمحے کورلس کا توازن بگڑ گیا۔ وہ گہری کھائی میں جا گری۔ میں کسی طرح اُتر کر کھائی میں پہنچا تاکہ یقین کر سکوں کہ وہ واقعی مر چکی ہے۔

میں جب اس پر جھکا ہوا تھا تو مجھے شبہ ہوا کہ اوپر کہیں ہلکی سی سرسراہٹ اور پھر کلک کی آواز اُبھری تھی۔ میں نے اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا مگر مجھے کہیں کوئی نظر نہ آیا۔ اس وقت دن ڈھل رہا تھا۔ میں تقریباً روتا اور چلّاتا ہوا اس خوبصورت مقام سے قریبی آبادی کی طرف دوڑا۔ "مدد۔۔۔ مدد۔۔۔ ایک المناک حادثہ ہوگیا ہے۔۔۔!"

بات دراصل یہ ہے کہ میں نے لیون سیکسن کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ میں سمجھا تھا کہ مسوّدے چوری ہو جانے کے بعد وہ چُپ کر کے بیٹھ جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے بھی میرے بارے میں تھوڑی سی جاسوسی کی اور ضروری معلومات جمع کر لیں۔ وہ میرے نام سے پہلا کامیاب ناول چھپتے ہی سمجھ گیا تھا کہ مجھے کورلس نے ان ناولوں کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کے بعد سے وہ ہمارے پیچھے لگ گیا تھا اور ہمارے معمولات کا جائزہ لے رہا تھا۔ جس روز ہم اس خوبصورت پہاڑی مقام پر گئے اور کورلس کھائی میں گری، اس روز بھی وہ ہمارے تعاقب میں تھا۔ ایک عمدہ قسم کا کیمرا اس کے پاس تھا۔

بات یہ تھی کہ کھائی میں گرنے کے بعد بھی کورلس مری نہیں تھی۔ مجھے اس کے سر پہ پتھر مار کر اس کی موت کو یقینی بنانا پڑا تھا۔ لیون نے اس منظر کی تصویر بنائی تھی جس میں میں پتھر سے کورلس کا سر کچل رہا تھا۔ اس کا مقصد اس تصویر کے ذریعے مجھے جیل بھجوانا نہیں تھا بلکہ وہ کچھ اور ہی چاہتا تھا۔

اُس وقت تک تین ناول میرے نام سے چھپ چکے تھے۔ نو مسوّدے میرے پاس باقی تھے۔ ایک روز لیون سیکسن تصویروں اور نیگیٹوز سمیت میرے پاس آیا۔ میں نے اپنی اسٹڈی میں اس سے ملاقات کی۔ اس کا چہرہ فاتحانہ انداز میں چمک رہا تھا۔

"میں یہ تصویریں اور نیگیٹوز تمھیں دے سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم باقی نو مسوّدے میرے حوالے کر دو۔" اس نے کہا۔

"سب کے سب؟" میں نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ تین ناول بیچ کر تم خاصا فائدہ اُٹھا چکے ہو اور اتنا ہی کافی ہے۔ تم نے مجھے بہترین ناول نگاروں کی فہرست سے نکال پھینکا ہے۔ مجھے دوبارہ اس فہرست میں سب سے اوپر جانا ہے۔ میں نے اپنے طور پر بھی ایک اچھا ناول لکھنے کی کوشش کی تھی لیکن بات بنی نہیں۔ میں حقیقت پسند آدمی ہوں اس لیے مجھے اس کا اعتراف کرنے میں عار محسوس نہیں ہو رہی۔"

"وہ مسوّدے میں تمھیں نہیں دے سکتا۔ وہ کرٹ ٹن کے نام سے ہی چھپیں گے۔" میں نے اسے فیصلہ سُنا دیا۔

"اگر تمھیں مزید کچھ آمدنی ہو بھی گئی تو وہ جیل میں تمھارے کسی کام نہیں آئے گی برخوردار!" لیون بولا۔ "قتل کی سزا کے طور پر تم وہاں عمر قید کاٹ رہے ہو گے۔ ہوسکتا ہے تمھارے رائٹر ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے عدالت تمھیں صرف بیس یا تیس سال کی سزا۔۔۔ اوغ۔۔۔"

لیون کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ میں نے پتھر کا بھاری پیپر ویٹ اس کی کھوپڑی پر دے مارا تھا۔ میں نے پیپر ویٹ صرف ایک بار مارنے پر اکتفا نہیں کیا۔ میں نے اس کی کھوپڑی اچھی طرح توڑ ڈالی اور وہ فرش پر لڑھک گیا۔ تصویریں اس کی مُردہ انگلیوں سے پھسل کر بکھر گئیں۔ میں نے اس کی تلاشی لی اور نیگیٹوز بھی نکال لیے۔ دونوں چیزیں میں نے آتش دان میں پھینک دیں جہاں وہ جل کر راکھ ہو گئیں۔

چند لمحے گہرا سکوت طاری رہا۔ بالآخر وینڈی نے پوچھا۔ "آپ نے یہ سب کچھ مجھے کیوں بتایا ہے؟"

"اس لیے کہ لیون سیکسن آج سہ پہر ہی مجھ سے ملنے آیا تھا۔" کرٹ نے جواب دیا۔ "عین اس وقت جبکہ میں تصویریں اور نیگیٹوز آتش دان میں جلا چکا تھا، تمھارے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ میں نے اسٹڈی کو تالا لگا دیا اور چہرے پر مسکراہٹ سجا کر تمھارے استقبال کے لیے باہر آ گیا لیکن کچھ دیر بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ جو کچھ یہاں ہو چکا ہے اسے تم سب کی آمد کے بعد زیادہ دیر چھپایا نہیں جا سکتا۔"

وینڈی نے گہری سانس لی اور خوش دلی سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ کہانی بھی یقیناً تمھارے کہانی ساز ذہن کی پیداوار ہے۔ تم مذاق کر رہے ہو۔ میں سُن چکی ہوں کہ تم بہت سنجیدگی سے مذاق کرتے ہو۔"

"میں مذاق ہرگز نہیں کر رہا۔" کرٹ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ چند قدم چل کر اسٹڈی کا تالا کھولتے ہوئے بولا۔ "میں بالکل سنجیدہ ہوں۔۔۔ آؤ۔۔۔ تم سب آ کر اس کمرے کا منظر دیکھ لو۔"

وینڈی اور اس کے عملے نے کمرے میں جھانک کر دیکھا اور ان سب کو ایک لمحے کے لیے سکتہ سا ہو کر رہ گیا!

ہیوگو کی نظروں میں پنہاں نفرت گویا لیزر شعاعوں کی طرح سگریٹوں کے کثیف دھوئیں کے پار جا رہی تھی اور پال کے چہرے تک پہنچ رہی تھی۔ اگر نظروں ہی نظروں میں کسی کو قتل کرنا ممکن ہوتا تو اس وقت ہیوگو کی نظروں سے پال کے ٹکڑے ہو چکے ہوتے، ان ٹکڑوں میں آگ لگ چکی ہوتی اور ان کا دھواں کمرے میں پھیلے ہوئے سگریٹوں کے دھوئیں میں گڈمڈ ہو چکا ہوتا۔

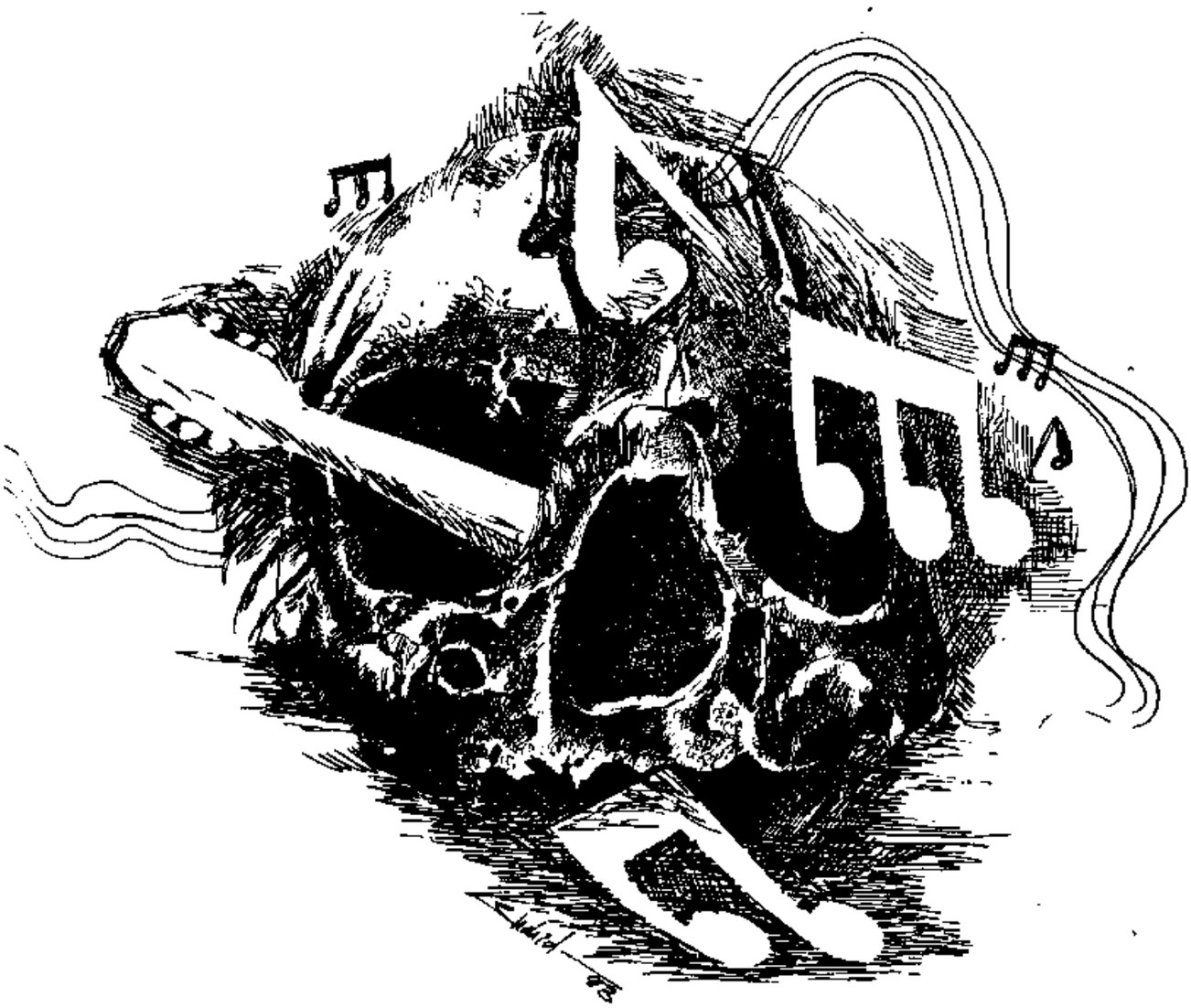
ہیوگو آلتی پالتی مارے اس ایک کمرے کے اپارٹمنٹ میں بوسیدہ قالین پر سب سے پیچھے بیٹھا تھا۔ اپارٹمنٹ پال کا تھا اور اس میں خانہ بدوشوں کے سے حلیے والے بارہ مرد اور عورتیں بھی جمع تھیں۔ جس کو جہاں جگہ مل گئی تھی وہ وہیں بیٹھ گیا تھا۔ ان میں سے کچھ تو ٹین کے پرانے اور ٹیڑھے میڑھے مگوں میں بیئر پی رہے تھے اور کچھ گاڑھی سیاہ کافی کی چسکیاں لے رہے تھے۔ ہیوگو بھی کافی پینے والوں میں ہی شامل تھا۔ اس نے اپنی عمر کے بتیس برسوں میں کبھی الکحل والا کوئی مشروب نہیں پیا تھا۔

ایک موسیقار کا قصہ، وہ نغمہ حیات کا اختتام ڈھونڈ رہا تھا

موسیقی رُوح کی غذا ہے۔ بعض لوگ اس سے شکم کی بھوک مٹانے کا کام بھی لیتے ہیں لیکن وہ شخص اپنی بھوک مٹانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے پیٹ بھرنے کی بھی کوشش کرتا تھا۔ ایک دن اُسے ایک نئے سُر سے واسطہ پڑ گیا جو موت کا سُر تھا۔

سولہ سُر

نجمہ مسودی



کمرے میں کوئی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، کوئی کشن کے سہارے نیم دراز تھا اور کوئی ویسے ہی قالین پر کہنی ٹکائے لیٹا تھا۔ بیشتر مرد اور عورتیں مگوں سے چسکیاں لینے کے ساتھ ساتھ سگریٹوں کے کش بھی لے رہے تھے جس کی وجہ سے کمرے کی فضا بوجھل تھی۔ چھت کے قریب تو کثیف دھوئیں کی خاصی موٹی تہہ نظر آرہی تھی۔ قالین پر ایش ٹرے، سگریٹوں کے پیکٹ، خالی مگ اور دوسری چھوٹی موٹی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔

ہیوگو خاصی بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔ وہ گول مٹول سا آدمی تھا۔ جسم کی ساخت ایسی تھی کہ آلتی پالتی مار کر بیٹھنا اس کے لیے آسان نہیں تھا مگر اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ اس طرح کیوں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگوں میں خون کی گردش رُکی جارہی تھی۔ اس کی ہتھیلیوں اور قبل از وقت گنجے ہوتے ہوئے سر پہ پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ وہ کمرے میں گھٹن بھی محسوس کر رہا تھا۔ شاید یہ گھٹن اس شدید نفرت کی تھی جو صرف اس کے لہو میں ہی پھیلی ہوئی نہیں تھی بلکہ ایک گولا سا بن کر اب اس کے حلق میں بھی اٹک گئی تھی۔ اس کی نفرت کا ہدف صرف اور صرف پال تھا جو کمرے کے دوسرے سرے پر ایک اونچے کشن پر راجہ اندر کے سے انداز میں بیٹھا گٹار بجا رہا تھا۔ اس کی نیم وا آنکھیں گویا اس کمرے کے منظر کو نہیں دیکھ رہی تھیں بلکہ ان دیکھی فضاؤں میں کہیں ہلکورے لیتی ہوئی کسی جادو نگری کا نظارہ کر رہی تھیں۔

ہیوگو چاہنے کے باوجود اپنی نفرت کے اس مرکز سے نظر نہیں ہٹا پا رہا تھا جبکہ پال اس کی نفرت سے قطعی بے خبر گٹار کی دھن پر اپنے نام نہاد انقلابی گیت گانے میں مگن تھا۔ اس کے تمام مہمان کچھ ایسی عقیدت، احترام اور انہماک سے اس کے گیت سُن رہے تھے جیسے یہ دنیا کا سب سے ضروری اور مقدس کام ہو۔ وہ جب بھی پال کے گیت سننے کے لیے جمع ہوتے تھے تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے پال نے ان پر جادو کردیا ہو۔

ہیوگو کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان بے سُرے، بے تکے اور بے وزن گیتوں میں ایسی کون سی بات ہوتی تھی کہ وہاں جمع ہونے والے نیم آوارہ گرد سے لوگ انہیں اس سنجیدگی اور انہماک سے سنتے تھے۔ جبکہ پال گٹار بجانے میں بھی کچھ ایسا ماہر نہیں تھا۔

ہیوگو خود بھی ایک سازندہ تھا۔ وہ سیلو بجاتا تھا۔ یہ بڑے سے وائلن سے مشابہ ایک ساز تھا جو ایک لمبوترے باکس میں بند، اس وقت بھی ہیوگو کے عقب میں دیوار سے لگا رکھا تھا۔ ہیوگو صرف سیلو بجانے کا ہی ماہر نہیں تھا۔ وہ چند دوسرے ساز بھی بجا سکتا تھا۔ گویا وہ انہیں بجانے میں زیادہ ماہر نہیں تھا لیکن انہیں کم از کم اچھی طرح سمجھتا ضرور تھا۔

وہ ایک بار پھر دانت بھینچ کر رہ گیا۔ پال نے ایک بار پھر گٹار کے ایک تار پر بے دردی سے ہاتھ مارا تھا۔ اس تار سے غلط سُر برآمد ہوا تھا اور اسی کے ساتھ پال کی کھردری آواز نے اسے ہیوگو کے لیے اور زیادہ تکلیف دہ بنا دیا تھا۔ یہ اس کی مضمحل روح کے ساتھ گویا ایک اور زیادتی تھی۔

وہ کوئی ماہر موسیقار نہ سہی لیکن سُر شناس ضرور تھا اور سُروں کے ساتھ زیادتی اسے گراں گزرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ دل ہی دل میں پال کو گالیاں دے رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ 'گٹار میں کُل چھ تار ہوتے ہیں اور انہیں بھی یہ خبیث.... سُور کا بچہ صحیح طرح نہیں بجا سکتا۔'

ہیوگو کی نظر پال سے ہٹ کر اس لڑکی پر منتقل ہوگئی جو پال کے قدموں میں بیٹھی تھی اور والہانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ گویا پال کے ہونٹوں کی ہر جنبش اور اس کے منہ سے نکلے ہوئے ہر لفظ پر قربان ہوئی جارہی تھی۔

وہ خاصی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے حسن میں مشرقیت سی تھی۔ بال سیاہ اور رنگت زیتونی تھی۔ آنکھیں بھی غزالی تھیں۔ اس کے سیاہ بال لمبے اور گھنگریالے تھے، اس نے انہیں ترشوایا نہیں تھا۔ بالوں کی لٹیں اس کی محرابی بھوؤں کو بھی اکثر چھپائے رکھتی تھیں۔

اس کا نام میوس تھا۔ ہیوگو صرف اس کا نام ہی نہیں، اس کے بارے میں اور بھی بہت کچھ جانتا تھا کیوں کہ کچھ عرصہ پہلے تک وہ ہیوگو کی دوست، محبوبہ اور رفیق و غمگسار تھی مگر اب وہ اسے چھوڑ کر پال کی ہو چکی تھی۔ چنانچہ ہیوگو نے فیصلہ کیا تھا کہ اب میوس اور پال دونوں کو مرجانا چاہیے تھا۔

ہیوگو اس تصور سے محظوظ ہو رہا تھا کہ میوس اور پال، دونوں کو گمان تک نہیں تھا کہ موت اپنی آغوش وا کیے نہایت خاموشی سے ان دونوں کی منتظر تھی۔ موت اس سیلو کیس میں مقید تھی جو ہیوگو کے پیچھے دیوار کے قریب رکھا ہوا تھا۔ اس کیس میں ہیوگو کے ساز کے علاوہ موت بھی فنکارانہ ہاتھ کے لمس کی منتظر تھی۔ صرف ہلکا سا ایک لمس اسے درکار تھا جس کے بعد وہ اپنا بھیانک جبڑا کھول کر میوس اور پال کو نگل جاتی۔

ہیوگو نے اپنی زندگی کا بیشتر وقت موسیقی کو دیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ موسیقی کے بے شمار مصرف دریافت کیے جاسکتے تھے، صرف محنت کی ضرورت تھی، اب تک اس نے صرف وہیں محنت کی تھی جہاں وہ ملازم تھا۔ وہ ایک کلب میں سازندوں کی دوسری قطار میں بیٹھ کر سیلو بجاتا تھا۔ اگلے سال پہلی قطار میں سیلو بجانے والا ایک سینئر سازندہ ریٹائر ہونے والا تھا۔ اس کی جگہ ہیوگو کو اگلی قطار میں آنا تھا۔

ہیوگو کو بہت کم معاوضہ ملتا تھا۔ اسٹاکٹن ایک چھوٹا شہر تھا۔ ہیوگو کو معلوم تھا کہ اگر وہ کسی بڑے شہر جا کر بڑے آرکسٹرا میں شامل ہوجائے تو اسے زیادہ معاوضہ مل سکتا ہے لیکن وہ اپنی بیوہ اور ضعیف ماں کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔

اس کی ماں کہیں اور جانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ اسی

شہر اسی محلے پڑوس میں رہنا چاہتی تھی جہاں اس کی زندگی کے ستر برس گزرے تھے۔ اس عورت نے اپنی بیوگی کے دن صرف ہیوگو کی بہتر پرورش ہی کی فکر میں گزارے تھے اور جوانی ہی میں شوہر کی رفاقت سے محروم ہونے کے باوجود دوسری شادی نہیں کی تھی۔ اس کے شوہر نے اس کے لیے جو تھوڑی بہت رقم چھوڑی تھی وہ اس نے ہیوگو کو موسیقی کی تعلیم دلانے پر خرچ کر دی تھی۔ اب ہیوگو اپنے آپ میں اتنی..... جرأت محسوس نہیں کرتا تھا کہ ایسی ایثار پسند ماں کو چھوڑ کر چلا جاتا۔ اب بڑھاپے میں اسے ہیوگو کی ضرورت زیادہ تھی۔

میوس سے ہیوگو کی ملاقات تقریباً سات ماہ قبل ایک محفلِ موسیقی میں ہوئی تھی۔ درحقیقت وہ ملاقات بھی نہیں تھی۔ اصل میں ہیوگو ایک ٹولی کے قریب سے گزرتے وقت میوس سے ٹکرا گیا تھا اور میوس کے ہاتھ میں موجود گلاس چھلک گیا تھا۔

میوس کے گداز وجود سے ٹکراؤ ہیوگو کو بہت بھلا لگا تھا لیکن وہ اچھا خاصا بدحواس اور شرمندہ بھی ہو گیا تھا۔ اس نے حتی الامکان عاجزی اور شرمساری سے معذرت طلب کی تھی۔

میوس کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ "کوئی بات نہیں۔ ڈرنک ویسے بھی اچھی نہیں تھی۔"

عام حالات میں شاید ہیوگو کے لیے یہی طمانیت کافی ہوتی کہ اس کی معذرت قبول کر لی گئی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا ہوتا۔ کسی خوبصورت لڑکی سے باتیں کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ بری طرح بدحواس اور کنفیوژ ہو جاتا تھا۔ لیکن اس روز وہ خود بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا جب اس نے اس گھبراہٹ اور بدحواسی پر آسانی سے قابو پا لیا اور لڑکی سے بات چیت کو طول دینے لگا۔

"آپ آج کی محفلِ موسیقی سے لطف اندوز ہوئیں مس؟"..... اس نے دریافت کیا۔

"مس میوس بینسن۔" لڑکی نے اپنا نام بتایا اور بولی۔ "ہاں۔ میں آج کی محفلِ موسیقی سے محظوظ ہوئی ہوں۔ مجھے اس طرح کی موسیقی پسند ہے۔ اس سے سنجیدگی جھلکتی ہے اور فن کی دنیا میں اس کی اہمیت بھی ہے۔"

وہ ایک معززانہ محفلِ موسیقی تھی۔ سازندے ڈنر سوٹ میں تھے اور مہمان بھی عمدہ لباسوں میں تھے۔ لڑکی گویا ان سب کو ہی دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ ہیوگو کو یہ تقریباً ایک معجزہ ہی محسوس ہوا کہ وہ بیس منٹ تک میوس کے پاس کھڑا بات کرتا رہا۔ زندگی میں کبھی اس نے کسی سے اتنی دیر تک بات نہیں کی تھی۔

اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز واقعہ یہ ہوا کہ ہیوگو نے میوس کو ایک اور محفلِ موسیقی میں شرکت کی دعوت بھی دے دی۔ صرف یہی نہیں اس نے یہ بھی کہہ ڈالا کہ محفلِ موسیقی کے بعد وہ کھانا بھی اسی کے ساتھ کھائے۔ اس وقت وہ حیرت اور مسرت سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچا جب میوس نے اس کی دعوت بلا ہچکچاہٹ قبول کر لی۔

اس کے دو ماہ بعد زندگی میں پہلی بار ہیوگو یہ کہنے کے قابل ہوا کہ دنیا میں کوئی لڑکی اس کی بھی دوست تھی۔ ابتدا میں ان کی ہفتے میں دو ملاقاتیں ہوتی تھیں، پھر تین ہونے لگیں۔

میوس اعلیٰ درجے کی موسیقی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ وہ کسی بھی چیز کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن جاننے کا ایک بچکانہ سا شوق اس میں بے پناہ موجود تھا۔ ہر نئی چیز کو دیکھ کر وہ اتنے معصومانہ اشتیاق، تحیر اور مسرت کا اظہار کرتی تھی کہ اسے دیکھنے والے کے دل میں گدگدی سی ہونے لگتی تھی۔ ہیوگو اس کی قربت میں ایک ناقابلِ بیان خوشی محسوس کرتا تھا۔

میوس کے لیے اس کے دل میں چاہت بے پناہ بڑھ چکی تھی۔ اس سے پہلے اسے دنیا میں صرف موسیقی سے دلچسپی اور محبت تھی۔ اس کا نصب العین صرف سازندوں کی سامنے والی قطار میں پہنچنا تھا۔ اس سے آگے اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا لیکن اب یہ مقصدِ حیات اسے نہایت حقیر نظر آنے لگا تھا۔ اس کی جگہ ایک اور عظیم تر مقصد نے لے لی تھی اور وہ تھا، میوس سے شادی کر کے گھر بسانا اور اس کے ساتھ ایک نئی اور خوبصورت زندگی کا آغاز کرنا۔

دو ماہ قبل اس نے میوس سے شادی کے لیے ہاں کرانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس موضوع پر بات کرنے کے لیے اس نے نہایت احتیاط سے موقع محل کا انتخاب کیا تھا۔ وہ اسٹاکٹن کے ایک متوسط سے علاقے میں واقع ایک کافی شاپ تھی جہاں کا ماحول سادگی و بے تکلفی کا مظہر تھا۔ وہاں بیٹھ کر ہیوگو نے اس سے شادی کی بات چیت کا فیصلہ کیا تھا۔

اس کافی شاپ میں ایک چھوٹا سا اسٹیج بھی موجود تھا۔ گاہکوں

چٹکلے

خاتون کو اپنے قریب کھڑے ہوئے بچے کو دیکھ کر غصہ آ رہا تھا جس کی ناک مسلسل بہہ رہی تھی۔ بالآخر اس نے بچے سے پوچھا "کیا تمہارے پاس کوئی رومال نہیں ہے؟"

"جی ہے" بچہ بولا "لیکن ممی نے کہا، کہ دینے کے لیے منع کیا ہے۔"

○☆○

ایک چھوٹے بچے نے دروازہ کھولا اور اپنی بہن کے دوست کو دیکھ کر معصومیت سے بولا "آپ روز روز باجی سے ملنے آجاتے ہیں۔ کیا آپ کی اپنی باجی نہیں ہیں۔"

میں سے کوئی بھی اس اسٹیج پر آکر گا سکتا تھا' کوئی ساز بجا سکتا تھا' تقریر کر سکتا تھا' لطیفے سنا سکتا تھا' خاکے پیش کر سکتا تھا۔ غرض یہ کہ اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے کوئی بھی اس اسٹیج کو استعمال کر سکتا تھا۔ ہیوگو نے محسوس کیا تھا کہ وہاں کا ماحول اس کے مقصد کے لیے نہایت موزوں اور رومانوی سا ثابت ہوگا۔

اس کافی شاپ میں عین اس وقت جبکہ ہیوگو میز پر میوس کی طرف جھکتے ہوئے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھنے کی تیاری کر رہا تھا' پرانی سی جینز جیکٹ والا ایک دراز قد اور مجہول سا نوجوان گٹار گلے میں لٹکائے ان کی میز کے قریب سے گزرا اور اسٹیج کی طرف بڑھا۔ اسٹیج پر پہنچ کر اس نے اپنا بے ہودہ سا گٹار بجاتے ہوئے گانا شروع کردیا۔

ہیوگو نے آہستگی سے اپنا بے ہنگم سا ہاتھ میوس کے گداز ہاتھ پر رکھا اور جذبات سے بوجھل لہجے میں کہا۔ "ڈیئر! مجھے ایسی باتیں کرنے کا سلیقہ تو نہیں ہے مگر۔۔۔"

"شش۔۔۔!" میوس نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے اپنی کرسی اسٹیج کی طرف گھما لی تاکہ گلوکار کو گاتے ہوئے سننے کے علاوہ دیکھ بھی سکے۔ کرسی گھمانے کی وجہ سے اس کا ہاتھ ہیوگو کے ہاتھ کے نیچے سے نکل گیا۔ وہ بڑے اشتیاق سے بولی "ہمیں اس شخص کا نغمہ سننا چاہیے۔ اچھا گا رہا ہے۔"

ہیوگو نے گہری سانس لی اور کرسی کے پشتے سے ٹیک لگالی۔ اپنے دل کی بات کہنے کے لیے اس نے جو موڈ بنایا تھا اس میں خواہ مخواہ خلل پڑ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دوبارہ بات شروع کرنے کے لیے اسے از سرِ نو اپنی جرأت مجتمع کرنی پڑے گی۔ بہرحال وہ تحمل سے انتظار کرنے لگا کہ وہ بدبخت اور بے ہودہ نوجوان اپنا بے سرو پا گیت ختم کرلے تو وہ دوبارہ اپنی زندگی کے اہم ترین موضوع پر بات شروع کرے۔

لیکن اس بے ہودہ و بدبخت نوجوان نے ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا گیت شروع کردیا۔ میوس تھی کہ بدستور ہمہ تن گوش تھی' جیسے اس نے زندگی میں پہلی بار اتنی عظیم موسیقی اور ایسی آفاقی شاعری سننے کا شرف حاصل کیا ہو۔

نوجوان کے گیت ہیوگو کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ وہ ریڈ انڈینز کی مظلومیت کا رونا رو رہا تھا جبکہ اسٹاکٹن کے گردو نواح میں کم از کم پانچ پانچ سو میل دور تک کسی ریڈ انڈین کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ بے تکا پن اور بے ہودگی یہ تھی کہ وہ نوجوان گٹار پر خاصا ظلم کر رہا تھا۔ وہ اس کے تاروں پر یوں جاہلانہ انداز میں انگلیاں چلا رہا تھا جیسے ان سے نرم و لطیف قسم کے سُر برآمد کرنے کی نہیں بلکہ کسی قسم کا اعترافِ جرم کرانے کی کوشش کر رہا ہو۔

آخر کار اس خانہ بدوش قسم کے نوجوان نے اپنی بھیں بھیں ختم کی اور ہیوگو خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے دوبارہ میوس کی طرف متوجہ ہوا لیکن میوس اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ نوجوان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے جوش و خروش سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ نوجوان نے اسے ہاتھ ہلاتے دیکھ لیا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرایا۔

میوس نے بہ آوازِ بلند پوچھا۔ "تمہیں وہ نغمہ آتا ہے جس کا عنوان ہے 'قیامت کی طرف شارٹ کٹ'؟"

نوجوان نے کوئی جواب دیے بغیر فوراً ہی آنکھیں بند کیں اور ایک بار پھر اپنی بے سُری آواز میں گانا شروع کردیا۔ ساتھ ہی بے چارے گٹار کے ساتھ بھی کھینچا تانی شروع ہوگئی۔ اس نغمے میں ایٹمی ہتھیاروں کی متوقع جنگ کے بارے میں فلسفیانہ انداز میں اظہارِ خیال فرمایا گیا تھا۔

ہیوگو اس دوران میوس کے تاثرات دیکھ کر کچھ اور مضطرب و پریشان ہوگیا تھا۔ میوس بالکل مبہوت اور سحرزدہ نظر آرہی تھی۔ وہ ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے' خوابناک سی نظروں سے اسٹیج کی طرف دیکھے جارہی تھی جہاں روشنی خاصی کم تھی۔ پورے نغمے کے دوران اس کی یہی کیفیت رہی۔ نغمہ ختم ہوا تو اس نے یوں جھرجھری لی گویا تنویمی کیفیت سے بیدار ہوئی ہو۔

دراز قد نوجوان اپنی نشست کی طرف واپس جاتے ہوئے ان کی میز کے قریب رُکا اور گٹار کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے ایک ادائے خاص سے جھک کر میوس سے مخاطب ہوا۔ "تم یقیناً انقلابی شاعری کی قدردان ہو؟"

ہیوگو نے ناگواری سے اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔ اس کے بال سنہرے مگر بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ کتابی اور رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ چمڑے کی چوڑی بیلٹ پر چکنائی وغیرہ کے نشانات بتا رہے تھے کہ وہ کھانا کس بے ہودگی سے کھاتا ہوگا۔ اس کی موٹی موٹی انگلیوں کے ناخن گٹار کے تاروں سے اُلجھ اُلجھ کر ٹوٹے ہوئے تھے۔

میوس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی خاص بات تھی۔ اس کے تاثرات اس وقت ہیوگو کو بالکل اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

نوجوان نے میوس سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "مجھے پال فرولی کہتے ہیں۔ آج رات میرے گھر پر بھی کچھ دوست جمع ہو رہے ہیں جہاں میں اپنے تیار کیے ہوئے چند نغمات پیش کروں گا۔ تم دونوں بھی آنا چاہو تو آجانا۔ مجھے خوشی ہوگی۔"

اس نے "دونوں" کا صیغہ گویا شعوری طور پر ہی استعمال کیا تھا ورنہ ہیوگو کی طرف تو اس نے ابھی تک آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ میوس نے بصد اشتیاق و مسرت آنے کی ہامی بھرلی۔ پال نے بڑبڑانے کے سے انداز میں اپنا ایڈریس سمجھایا۔ اس دوران بھی اس نے ہیوگو پر نظر نہیں ڈالی اور آخر کار رخصت ہوگیا۔

میوس نے پال کے ہاں جانے پر اصرار کیا اور ہیوگو کو اس کی بات ماننا پڑی۔ وہاں سے جب وہ نکلے تو صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ میوس کو اس کے گھر چھوڑ کر ہیوگو جب بس اسٹاپ کی طرف روانہ ہوا تو افق پر سورج ابھرنے لگا تھا۔ فضا میں اجالا پھیلنے لگا تھا لیکن نہ جانے کیوں ہیوگو کو احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی سے اُجالا رخصت ہو رہا تھا۔

ہیوگو کی زندگی میں تاریکی کچھ زیادہ ہی تیزی سے دَر آئی۔ میوس نے پہلے تو ہفتے میں ایک بار پال کے ہاں جانا شروع کیا' پھر وہ ہر دوسری شام ہی جانے پر اصرار کرنے لگی۔ ہیوگو کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے مستقبل کی حسین اُمیدیں دُھندلا رہی تھیں لیکن ابھی وہ بالکل ہی ناامید نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میوس سے اس کی محبت نہایت شدید تھی اور اس محبت کے معاملے میں وہ کسی خلل اندازی کو قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔

جس رات اس نے میوس اور پال کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اس رات بھی میوس سے اس کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ کم از کم میوس کو قتل کرنے کا فیصلہ اس نے کسی بھی قسم کی نفرت کے تحت نہیں کیا تھا۔

اس رات اس نے میوس کو یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اپنے آرکسٹرا کے ساتھ ریہرسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ کہاں اس کا انتظار کرے گا۔ لیکن جواب میں اس نے میوس کو کہتے سنا۔ "بات یہ ہے ہیوگو... کہ میں نے پال کے ساتھ ڈنر کے لیے باہر جانے کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد اس کے کسی دوست کے ہاں ایک قسم کی موسیقی کا کوئی پروگرام ہے۔"

اس کے لہجے میں تاسف' پچھتاوے یا معذرت کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ ہیوگو کے بلاوے پر اس نے بس سپاٹ لہجے میں اپنا پروگرام بتا دیا تھا۔ تب ہیوگو کے خوابوں کا محل دھڑام سے زمین بوس ہو گیا تھا۔

سیلو بجانے والی اس کی مضبوط انگلیوں میں ریسیور اس سختی سے دبا ہوا تھا کہ انگلیاں سفید پڑ گئی تھیں۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس سنسناہٹ کے درمیان اس نے میوس کو کہتے سنا۔ "بہرحال وہاں سے ہم سب پال کے ہاں واپس آجائیں گے۔ شاید وہاں تم سے ملاقات ہو جائے۔"

ہیوگو' پال کے ہاں پہنچ گیا مگر کسی نے بھی اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ حتیٰ کہ میوس نے بھی نہیں۔ تاہم وہ اس کے بعد بھی روزانہ وہاں جاتا رہا۔ اب وہ تنہا ہی جاتا تھا کیونکہ میوس نے اس سے بالکل ہی ناتا توڑ لیا تھا۔ اب تو بس وہ اور پال ایک دوسرے کی ذات میں گم تھے۔ ہیوگو سب سے پیچھے' ایک کونے میں بیٹھا موسیقی کے نام پر وہ بے ہنگم شور شرابا سنتا رہتا' گٹار کی درگت بنتے دیکھتا رہتا۔

درحقیقت اب اس کے باقاعدگی سے آنے کا صرف ایک

> جیسی جیمس امریکا کا مشہور مجرم گزرا ہے۔ وہ مجرموں کے ایک بڑے گروہ کا سردار تھا۔ یہ جیسی جیمس' امریکا کا ایک عوامی اور فوک کردار بن چکا ہے۔ ایک ڈاکے میں مال کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا تو اس کے ایک ساتھی نے پولیس کو خبر کر دی۔ جیسی جیمس' پولیس کے ساتھ مقابلے میں مارا گیا۔ اس کی ماں نے اس کے کتبے پر یہ تحریر لکھوائی۔
>
> "وہ ایک بزدل اور غدار کی وجہ سے مارا گیا.... اس کا نام اس قابل نہیں کہ یہاں لکھا جائے۔"
>
> ستار طاہر مرحوم کے ایک مضمون "کتبوں پر لکھی ہوئی داستانیں" سے اقتباس

مقصد تھا۔ وہ قتل کی منصوبہ بندی کر رہا تھا!

ہیوگو نے عمر بھر خود کو ایک طالب علم ہی سمجھا تھا اور اب بھی وہ ایک طالب علم ہی کی سی لگن' مستعدی اور یکسوئی سے صورتِ حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے منصوبے کو خصوصی غور و خوض کی ضرورت تھی۔ وہ ایک موسیقار تھا اور چاہتا تھا کہ ان کی زندگیوں کو اسی طرح اختتام تک پہنچائے جس طرح کسی خوبصورت نغمے کو ختم کیا جاتا تھا۔ اس میں خصوصی نغمگی اور ردھم ہونا چاہیے تھا۔ آخر وہ دو افراد کے نغمۂ حیات کا المیہ اختتام تھا۔ وہ اسے کوئی خوبصورت' ماہرانہ اور استادانہ ٹچ دینا چاہتا تھا۔

آج بھی وہ سب سے پیچھے بیٹھا بڑے تحمل سے پال کے انقلابی نغمے سُن رہا تھا جو اسے روزِ اول ہی کی طرح احمقانہ' بے مقصد اور بے سُرے محسوس ہو رہے تھے۔ میوس حسبِ معمول وارفتگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ آج ایک موسیقار اپنی چھڑی کے اشارے سے ان کے نغمۂ زندگی میں موت کا سُر لگانے والا تھا۔

ہیوگو کو معلوم تھا کہ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد پال اپنی جگہ سے اٹھے گا اور گٹار کو ایک طرف دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دے گا' پھر پندرہ بیس منٹ تک لوگ ایک دوسرے سے گپ شپ کریں گے' پھر ایک ایک دو دو کر کے رخصت ہونا شروع ہوں گے۔ سب رخصت ہو جائیں گے لیکن میوس وہیں رہ جائے گی۔ تب پال ایک بار پھر گٹار اٹھائے گا اور خاص طور پر میوس کی خوشنودی کے لیے کچھ گائے گا جس کا سلسلہ شاید صبح دم تک جاری رہے۔ لیکن نہیں .... آج اس سلسلے کے صبح دم تک جاری رہنے... بلکہ شروع ہونے ہی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اپنے اس معمول کے بارے میں ہیوگو کو میوس نے خود ہی بتایا تھا۔ اس کی بچکانہ معصومیت برقرار تھی۔ اسی معصومیت سے اس نے یہ سمجھتے ہوئے ہیوگو کو سب کچھ بتایا تھا کہ وہ اب بھی اس کا دوست' اس کا بہی خواہ تھا۔ میوس کے لیے گویا یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کہ پال تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھ کر اپنے نئے نغمات ترتیب دیتا تھا اور اس کے لیے خصوصی طور پر نغمہ سرائی کرتا تھا۔

ہیوگو بڑے تحمل سے انتظار کر رہا تھا!

آخر کار معمول کے عین مطابق پال نے اٹھ کر گٹار دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دیا۔ یہ گویا حاضرین محفل کے لیے اشارہ تھا کہ وہ گپ شپ کا دور شروع کر لیں۔ کسی کی بھی توجہ ہیوگو کی طرف نہیں تھی۔ ان میں کوئی اس کا شناسا' اس کا دوست نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کچھ اور پیچھے آگیا جہاں اس کا سیلو کیس رکھا ہوا تھا۔

اس میں سے ہیوگو نے ایک سیاہ ڈبا نکالا جو سائز میں درمیانہ ضخامت کی ایک کتاب کے برابر تھا۔ اسے ہیوگو نے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ سیلو کیس میں ہاتھ ڈال کر اس نے ایک اور چیز نکالی۔ یہ لکڑی کی تقریباً چار انچ لمبی ایک پٹی تھی۔ اس پر پینسل جتنی موٹی اور ایک انچ لمبی دو ڈنڈیاں ایک دوسرے سے تین انچ کے فاصلے پر دو پایوں کی طرح نصب تھیں۔ ان کے درمیان اسٹیل کا ایک بال جیسا باریک تار بالکل اسی طرح تنا ہوا تھا جس طرح تاروں والے کسی بھی ساز میں ہوتا ہے۔ ایک طرف اس تار کا ایک انچ ٹکڑا فاضل بھی نکلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

اس چیز کو ہاتھ کی آڑ میں لیے وہ اس دیوار کے قریب پہنچا جس پر کتابوں کے لیے شیلف بنے ہوئے تھے۔ بظاہر اس نے ایک کتاب دیکھنے کے لیے نکالی اور اس کے چند ورق اُلٹنے پلٹنے کے بعد اسے نیچے کارنس پر رکھ دیا۔ اسی طرح اس نے ایک کتاب اور نکالی۔ اسے بھی اس نے نیچے رکھ دیا۔

شیلف میں کتابوں کے درمیان خاطر خواہ خلا پیدا ہو گیا تو اس نے ایک بار پھر سرسری سے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ کر اطمینان کیا کہ کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ تب اس نے کوٹ کی جیب سے سیاہ ڈبا نکالا اور کتاب کی جگہ اسے شیلف میں سجا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لکڑی کی وہ پٹی کھڑی کر دی جس پر اسٹیل کا ایک تار تنا ہوا تھا۔ اس تار کا فاضل حصہ اس نے نہایت احتیاط سے سیاہ ڈبے میں موجود ایک باریک سے سوراخ میں داخل کر دیا۔ جو کتابیں اس نے نکالی تھیں انہیں اس نے دوبارہ کتابوں ہی میں رکھ دیا۔

کتابوں کے درمیان اس کی دونوں چیزیں بھی اسی طرح فٹ ہو گئی تھیں کہ قطعی نمایاں یا غیر معمولی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ سرسری نظر میں تو وہ بھی کتابیں ہی معلوم ہو رہی تھیں۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا کام تھا لیکن اسے انجام دینے کے دوران ہیوگو کا جسم پسینے میں تر ہو گیا تھا۔

لوگوں کے درمیان سے گزرتا وہ اسی طرف واپس روانہ ہوا جہاں کچھ دیر پہلے بیٹھا تھا۔ اس دوران وہ پال کے گٹار کے قریب سے گزرا جو دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔ نہایت غیر محسوس طور پر اس نے ہاتھ بڑھا کر گٹار کی اس چوبی کیل کو گھما دیا جس کے ساتھ "ای" کے سُر کا تار بندھا ہوا تھا۔ چوبی کیل کو گھمانے کی وجہ سے وہ تار کس گیا اور زیادہ سختی سے تن گیا۔ یعنی دوسرے لفظوں میں حرف "ای" والا سُر خراب ہو گیا۔

اس حرکت کے دوران اس نے اپنی چال میں فرق نہیں آنے دیا اور نہ ہی وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ وہ اپنی جگہ واپس آگیا اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس سے کسی نے بھی بات نہیں کی اور نہ ہی وہ کسی کی بات سُن رہا تھا۔ وہ تو تصور کی آنکھ سے ان واقعات کا نظارہ کرنے کو شش کر رہا تھا جو پیش آنے والے تھے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جب سب آوارہ گرد رخصت ہو جائیں گے تو پال ایک بار پھر گٹار اٹھائے گا۔ جب وہ اسے بجانا شروع کرے گا تو سُروں کی لطافت سے بہت زیادہ آگاہ نہ ہونے کے باوجود اسے اتنا احساس ضرور ہو جائے گا کہ "ای" کا سُر نکالنے والا تار کچھ زیادہ ہی کسا ہوا تھا۔

وہ اسے صحیح ٹیون کرنے کی کوشش کرے گا اور اس دوران بار بار اس پر انگلی مار کر دیکھے گا۔ آخر کار ایک لمحہ ایسا بھی آئے گا جب تار "ای" کے سُر پر بالکل صحیح ٹیون ہو جائے گا۔ اب پال تار پر انگلی مارے گا تو گٹار کے تار کے ساتھ ساتھ لکڑی کی چھوٹی سی پٹی پر لگے ہوئے اس تار میں بھی ارتعاش پیدا ہو گا جو ہیوگو نے کتابوں کے درمیان چھپائی تھی کیونکہ وہ تار بھی "ای" کے سُر پر بالکل صحیح طرح ٹیون شدہ تھا۔ دونوں تاروں کی فریکوئنسی مل جائی اور ایک تار کو چھیڑے جانے پر آواز کی لہروں سے دوسرے تار میں بھی ارتعاش پیدا ہونا تھا۔

دوسرے تار کا فاضل سرا سیاہ باکس کے ایک سوراخ میں گیا ہوا تھا۔ سوراخ میں وہ سرا تھرآنے لگتا اور اس خفیف سی تھرتھراہٹ کی وجہ سے ایک نازک سا اسپرنگ اپنی جگہ سے نکل جاتا۔ اسپرنگ کے نکلتے ہی سیاہ باکس جو درحقیقت ایک طاقتور بم تھا' ڈیٹونیٹ ہو جاتا یعنی پھٹ جاتا۔

"یوں ایک ہنگامہ خیز انداز میں پال اور میوس کے نغمہ وفا کا اختتام ہو جائے گا۔" یہ سوچتے ہوئے ہیوگو نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ایک عجیب سی ستم ظریفی کے احساس سے ہیوگو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ موسیقی کے آلات سے ہیوگو کو محبت تھی لیکن موسیقی کے ایک آلے یعنی گٹار نے اس کی محبت اس سے چھین لی تھی اور اسی گٹار کے ذریعے وہ اپنی دانست میں نہایت منصفانہ انداز میں انتقام لینے جا رہا تھا۔ وہ کمرا جسے پال اور میوس نے اپنی محبت کا نشیمن بنا رکھا تھا' ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہونے

جارہا تھا' ان دونوں کا مقبرہ بننے والا تھا۔

لوگوں کو رخصت ہوتے دیکھ کر وہ اپنے خیالوں سے چونکا اور آخری شخص کے جانے کے بعد خود بھی جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنا سیلو کیس اٹھایا اور میزبان پال کو شب بخیر کہنے کے لیے مڑا۔ پال استہزائیہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "جب تمہیں یہ اتنا لمبا چوڑا کیس اٹھا کر چلنا پڑتا ہے تو کیا تمہیں خیال نہیں آتا کہ اس سے تو بہتر تھا تم گٹار بجایا کرتے؟"

ہیوگو نے جواب میں دھیرے سے ہنسنے پر اکتفا کیا اور باہر آگیا۔ کم از کم آج کی رات تو وہ گٹار بجانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اس رات اسے زیادہ پُر سکون نیند نہیں آئی۔ صبح اٹھ کر وہ ناشتا کیے بغیر بازار کی طرف دوڑا اور اخبار خرید کر لایا۔ تیزی سے اس نے پورے اخبار کا جائزہ لیا۔ اسے امید تھی کہ ایسٹ سائڈ کے ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں دھماکے کی خبر کہیں موجود ہوگی مگر اس کی یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ ایسی کوئی خبر کہیں موجود نہیں تھی۔

وہ اپنی ماں کے ساتھ ناشتا کرنے کچن میں چلا گیا۔ دل ہی دل میں وہ اپنے آپ کو اطمینان دلا رہا تھا کہ بم شاید تاخیر سے پھٹا تھا۔ اخبار اس وقت تک چھپنے کے لیے پریس جا چکا ہوگا۔ اس کی ماں شکوہ کر رہی تھی کہ وہ ان دنوں بہت کم وقت کے لیے گھر میں رہتا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور ناشتا کرتے ہی اپنے کمرے میں آکر ریڈیو کھول کر بیٹھ گیا۔

اس نے خبروں کے کئی بلیٹن سن لیے لیکن کسی اپارٹمنٹ میں دھماکے کی کوئی خبر ان میں نہیں تھی۔ دوپہر تک وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ ریڈیو پر کبھی وہ ایک اسٹیشن لگاتا اور کبھی دوسرا۔ سہ پہر کے قریب وہ دوبارہ باہر گیا اور اخبار کا ایوننگ ایڈیشن خرید کر لایا۔ اس میں بھی اس کی مطلوبہ خبر کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

وہ خوف جو صبح سے اس کے دل میں چٹکیاں سی لے رہا تھا' اب گویا اس نے اپنا خوفناک جبڑا کھول کر اس کا گلا دبوچ لیا۔ خوف کا زہر ہیوگو کی رگ و پے میں اتر گیا۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کا پال کے اپارٹمنٹ میں جانا ضروری تھا۔ اگر بم پھٹ چکا تھا تو اس کا اندازہ اسے عمارت کے باہر سے ہی ہو جاتا اور اگر بم پھٹا نہیں تھا تو اندر جا کر اسے ناکارہ کرنا انتہائی ضروری تھا کیونکہ شام کو دوبارہ محفل جمتی... اور اس وقت پال گٹار بجانا شروع کرتا تو اس کے ساتھ دس بارہ دوسرے بے قصور افراد بھی خواہ مخواہ مارے جاتے۔ ہیوگو اپنے ضمیر پر اتنا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد آخر کار وہ اس عمارت کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ جب اس عمارت کے سامنے پہنچا تو وہاں معمول کے مطابق سکون تھا۔ کسی ابتری یا افراتفری کے آثار نہیں تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ بم پھٹا نہیں تھا۔ وہ عمارت میں داخل ہوا اور سیڑھیاں چڑھ کر پال کے اپارٹمنٹ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے خاصی دیر تک دروازے سے کان لگائے رکھا لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔

تب اس نے ناب گھمانے کی کوشش کی۔ دروازہ غیر مقفل تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ کمرا خالی تھا۔ شاید بے سروسامانی کے باعث پال کی بے فکری کا یہ عالم تھا کہ اس نے کہیں جاتے وقت دروازے کو مقفل کرنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی یا پھر اس نے بے تکلفانہ اپنے ہاں آنے جانے والوں کی سہولت کے لیے دروازہ غیر مقفل چھوڑا ہوا تھا۔

ہیوگو نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اپنے عقب میں بند کر دیا۔ کمرے کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اس کی نظر دیوار کے سہارے رکھے گٹار پر جم کر رہ گئی۔ گٹار بالکل اسی طرح رکھا تھا جس طرح ہیوگو نے گزشتہ رات دیکھا تھا۔ کسی وجہ سے پال نے گزشتہ رات تمام احباب کے جانے کے بعد گٹار نہیں بجایا تھا۔

ہیوگو کتابوں کے شیلف کی طرف بڑھا۔ وہ کمرے کے وسط میں تھا کہ باہر قدموں کی آہٹ ابھری۔ کوئی دروازے پر آکر رکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہیوگو بھی اپنی جگہ بُت بن کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ وہاں اپنی موجودگی کا بھلا کیا جواز پیش کر سکتا تھا؟ اگر آنے والا پال تھا تو وہ یقیناً حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ ہیوگو اس وقت اس کے اپارٹمنٹ میں کیا کر رہا تھا!

دفعتاً کمرے میں کال بیل گنگنا اٹھی۔ وہ پیشے کے لحاظ سے ہی نہیں' مزاجاً بھی موسیقار تھا۔ مترنم کال بیل کا پہلا سُر اس نے پہچانا۔ وہ حرف "سی" کا سُر تھا۔ اسی لمحے یہ خیال بھی آیا کہ اسے تو معلوم ہی نہیں تھا' پال کے اپارٹمنٹ میں کال بیل بھی تھی۔ وہ تو جب بھی آیا تھا' اسے دروازہ کھلا ہی ملا تھا۔ لوگ آتے رہتے تھے' جاتے رہتے تھے۔ کال بیل کے تکلف کی تو ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔

ہیوگو کو زیادہ دیر حیران ہونے کی مہلت نہیں مل سکی۔ مترنم گھنٹی کی گنگناہٹ سے دوسرا سُر ابھرا ــ اور وہ سُر "ای" کا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہیوگو کے کانوں میں ہزاروں ڈرم ایک ساتھ بج اٹھے.... تمام ساز ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ زندگی کے تمام سُر ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے۔ کیونکہ موت کا سُر ان سب پر غالب آگیا تھا۔

ہیوگو اپنی نظر' سماعت اور احساسات سمیت موت کی وادی میں اتر گیا۔ کمرا اس کے لیے قبر بن گیا!



ناگہانی

نجمہ مودی

انسان جب بھی کبھی اپنے حقیقی اختیارات سے تجاوز کرتا ہے، اپنے لیے نئے مسائل پیدا کرتا ہے۔ وہ چاروں دوست بھی ایک چور کو پکڑنے کے بعد ایسی ہی ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ جو کام پولیس کو کرنا چاہیے وہ خود کرنا چاہتے تھے۔ نتیجے کے طور پر ایک بلائے ناگہانی اُن کے گلے پڑ گئی۔ اس دلچسپ کہانی کی تلخیص جسے ہالی وُوڈ میں ایک فلم کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے۔

مغرب سے تازہ درآمد ہالی وُوڈ میں زیرِ تکمیل ایک فلم کی کہانی

اُس رات ہم چار دوست تاش کھیلنے، تھوڑی سی پینے پلانے، گپ شپ کرنے اور اسی قسم کی ہلکی پھلکی تفریحات میں رات گزارنے کے لیے جمع تھے۔ ٹھکانا میرا گھر تھا۔ ہم دوستوں کے درمیان یہ ایک روایت سی بن چکی تھی۔ ہفتے میں ایک رات کے لیے کسی ایک دوست کی باری آتی تھی اور ہم اس کے گھر جمع ہوتے تھے۔

میرے گھر پچھلے ہفتے یہ اجتماع ہو چکا تھا لیکن اس ہفتے بھی میں نے اس لیے دوستوں کو اپنے ہی گھر آنے کی دعوت دے دی تھی کہ میری بیوی اور بچے تعطیلات گزارنے میرے سسرال گئے ہوئے تھے۔

ہم چاروں ہی دوست تقریباً چالیس کی عمر کے تھے اور چاروں ہی مالیاتی اداروں میں ملازم تھے۔ چاروں ہی شریف، نرم خو اور معزز قسم کے لوگ تھے۔ اس طرح جمع ہو جانا اور چھوٹے موٹے شغل کر لینا ہی ہم لوگوں کی شریفانہ تفریح تھی۔ اس قسم کے نرم خو شرفا اور کر بھی کیا سکتے ہیں جن کے بال جھڑنے، توند نمودار ہونے اور کندھے جھکنے کا آغاز ہو چکا ہو۔

مائیک اور باب اکٹھے میرے ہاں پہنچے تھے اور ہم نے چھت پر بنے ہوئے فاضل کمرے میں تاش کی میز لگالی تھی اور شب بسری کی دیگر تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ بیئر کا ایک ہلکا سا دور بھی چل چکا تھا۔ ہمیں نیل کا انتظار تھا جو اس وقت تک نہیں پہنچا تھا۔

ہم چاروں دوستوں کو اس مضافاتی علاقے میں منتقل ہوئے زیادہ طویل عرصہ نہیں ہوا تھا اور ہم چاروں کے درمیان رفتہ رفتہ

شناسائی یہیں پیدا ہوئی تھی۔ یہاں مکان پرانے اور کافی بڑے بڑے تھے۔ تھوڑے بہت خرچ کے بعد انہیں جدید شکل دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ میں نے اوپر کے کمرے کو رات کے ان مشاغل کے لیے خصوصی نشست گاہ کی شکل دے لی تھی۔

"ایک تو مجھے نیل پر بہت غصہ آتا ہے" مائیک بولا "یہ ہمیشہ دیر سے آتا ہے۔"

یہ حقیقت تھی۔ نیل ہمیشہ تاخیر سے ہی آتا تھا لیکن آج تو اسے کچھ زیادہ ہی دیر ہو چکی تھی۔ بوب بولا "کم از کم آج اس کے پاس دیر سے آنے کا ایک معقول جواز موجود ہے۔ آج اس کی علاقے میں گشت کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ تاہم وہ نو بجے تک پہنچ جائے گا۔"

مجھے اور مائیک کو معلوم نہیں تھا کہ نیل کی آج گشت کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ آٹھ ماہ قبل ہمارے علاقے میں چوریوں اور نقب زنی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو دن بدن بڑھتا چلا گیا تھا۔ خود میرے گھر میں دو مرتبہ چوری ہو چکی تھی لیکن غنیمت تھا کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔

بوب اور مائیک کے گھروں کے باہر کھڑی ہوئی ان کی کاریں چوری ہو چکی تھیں۔ نیل کے گھر میں تو اس وقت چور گھس آیا تھا جب اس کی بیوی کچن میں موجود تھی۔ وہ اسے دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ چار ماہ قبل سب سے زیادہ افسوسناک واقعہ رونما ہوا کہ ایک جوڑے کو بہیمانہ انداز میں چاقو گھونپ کر ان کے اپنے گھر میں قتل کر دیا گیا۔ قاتل بعد میں اس گھر سے چرائے ہوئے کریڈٹ کارڈز کیش کرانے کی کوشش کے دوران پکڑا گیا تھا لیکن اس سے خوف و ہراس کم نہیں ہو سکا تھا۔

قاتل اسی قسم کا ایک نشے باز اور جنونی تھا جو اپنی خامیوں اور خباثتوں کا انتقام معاشرے سے لیتے رہتے ہیں۔ چوریاں کرتے ہیں' ڈاکے ڈالتے ہیں اور بعض اوقات بلا جواز قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ وہ کئی قسم کے نشے کرتا تھا۔ لوگوں کو احساس تھا کہ صرف ایک مجرم پکڑا گیا تھا۔ علاقے میں ایسے اور نہ جانے کتنے شیاطین سرگرم عمل تھے۔

اس جوڑے کو ہمارے علاقے میں رہائش اختیار کیے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا تھا جسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس بہیمانہ واردات کے بعد علاقے کے لوگوں نے ایک میٹنگ منعقد کی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ صرف پولیس پر انحصار کافی نہیں تھا' ہمیں خود حفاظتی کے نظریئے کے تحت بھی کچھ کرنا چاہیے تھا۔ چنانچہ طے پایا کہ ہر رات باری باری علاقے کے دو آدمی ایک مخصوص دن میں علاقے کا گشت کیا کریں گے اور اگر وہ کہیں ذرا سی بھی مشکوک نقل و حرکت دیکھیں گے تو فوراً ایک موبائل فون پر پولیس کو اطلاع دیں گے۔ یہ اصول سختی سے طے پایا تھا کہ وہ خود اس وقت تک کوئی عملی قدم نہیں اٹھائیں گے اور کسی بھی صورتِ حال میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے جب تک کسی کی جان خطرے میں نہ ہو۔

اس نظام کے تحت آج نیل کی ڈیوٹی تھی۔ گشت کی دو شفٹیں تھیں۔ ایک آٹھ بجے سے دس بجے تک ہوتی تھی اور دوسری دس سے بارہ تک چلتی تھی لیکن بوب نے بتایا کہ نیل نے اپنی جگہ کسی کو ڈیوٹی دینے کے لیے آمادہ کر لیا تھا اور وہ نو بجے جان چھڑا کر آ جائے گا۔

نیل تقریباً ساڑھے نو بجے پہنچا۔ گھنٹی بجی تو میں اسے لینے نیچے گیا۔ اوپر پہنچ کر اس نے اپنے لیٹ آنے پر معذرت کی۔ مائیک بولا "ہم نے تو اس دوران میں ساری بیئر بھی ختم کر دی ہے۔"

نیل بولا "جس رفتار سے تمہاری توند باہر آ رہی ہے اسے دیکھتے ہوئے مجھے تمہاری بات کا یقین کر لینا چاہیے۔"

میں نے اسی کمرے میں موجود چھوٹے سے فریج سے بیئر نکال کر اسے دی۔ پتے بانٹے گئے اور بوب نے پوچھا۔ "آج گشت کیسی رہی؟"

"ٹھیک ہی رہی.... کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا" نیل نے جواب دیا۔

مائیک بولا "میرا مشورہ اب بھی یہی ہے کہ گشت پر جانے والوں کے پاس گنیں ہونی چاہئیں۔"

"تمہیں شاید یقین نہ آئے لیکن میں تم سے متفق ہوں" نیل بولا۔

سنجیدہ گفتگو کے ساتھ ساتھ گپ شپ اور چھیڑ چھاڑ بھی چلتی رہی۔ کھیل بھی جاری رہا۔ پون گھنٹے تک میں چونسٹھ ڈالر ہار چکا تھا۔ مائیک اور نیل کچھ اس طرح کھیلتے تھے جیسے ان کی جان داؤ پر لگی ہو۔

ساڑھے دس بجے کے قریب مختصر سا وقفہ کیا جس سے استفادہ کرتے ہوئے نیل پیشاب کرنے نیچے چلا گیا۔ گھر میں ایک باتھ روم پہلی منزل پر اور ایک دوسری منزل پر تھا۔ نیل دوسری منزل والے باتھ روم میں گیا تھا۔ چند لمحے کی گپ شپ کے بعد بوب بولا "میں بھی ذرا باتھ روم ہو آؤں۔ میں پہلی منزل والے میں چلا جاؤں گا۔"

بوب کو گئے تقریباً دس منٹ گزر چکے تھے جب میں نے نیچے کہیں کھڑکھڑاہٹ کی سی آواز سنی۔ میں نے سمجھا کہ شاید کوئی بلی یا کتا کسی چیز کو کھرچ رہا ہے۔ مائیک نے بھی آواز پر توجہ دی لیکن چند لمحے بعد آواز دوبارہ ابھری اور پھر شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا سنائی دیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مائیک چونک کر بولا۔

"چل کر دیکھنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

ہم دوسری منزل پر پہنچے تو ہم نے نیل کو باتھ روم کی طرف سے آتے دیکھا۔ "تم نے وہ آواز سنی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"یقیناً سنی تھی" میں نے جواب دیا۔ ہم پہلی منزل کی سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ ہر چیز تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مائیک

نے لائٹ سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن میں نے اسے روکا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں اپنے بیٹے ٹم کے کمرے سے اس کا بیس بال کا بیٹ اٹھا لایا۔ میرا بیٹا صرف نو سال کا تھا اور بیس بال کا ایک بڑا کھلاڑی بننے کا خواب دیکھتا تھا۔ میرے دونوں دوست میری قیادت میں نیچے کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے بیٹ ایک ہتھیار کے طور پر مستعدی سے سنبھالا ہوا تھا۔

راستے میں ہمیں بوب کی کراہ سنائی دی اور اسی اثنا میں مزید شیشہ ٹوٹنے کی آواز بھی سنائی دی۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ آواز کچن کی طرف سے آئی تھی۔ گلی کی طرف سے آنے والی مدھم سی روشنی میں، میں نے مائیک اور نیل کے چہرے دیکھے، وہ خوفزدہ دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے بیٹ کو زیادہ مضبوطی سے تھاما اور تیزی سے کچن کی طرف بڑھا۔ اس دوران مجھے کچھ ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی کچن کے فرش پر کودا ہو۔ میں نے کچن میں داخل ہو کر لائٹ آن کردی۔

تب ہم نے اسے دیکھا!

وہ کچن کے پچھلے دروازے پر تھا اور غالباً یہ سمجھ کر گھر میں گھسا تھا کہ اہلِ خانہ سوئے ہوئے تھے۔ وہ سفید فام اور دراز قد تھا۔ بال کندھوں تک لمبے تھے۔ جسم پر ایک میلی کچیلی ٹی شرٹ اور چکنائی زدہ جینز تھی۔ خطرناک بات یہ تھی کہ وہ کچن کے کاؤنٹر پر سے بڑی سی ایک چھری اٹھا چکا تھا اور شاید اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب وحشیانہ سی چمک تھی۔

بوب فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا اور بے حس و حرکت تھا۔ فرش پر شیشہ بکھرا ہوا تھا۔ ہمارا بن بلایا مہمان عقبی احاطے کی طرف منہ کرکے کسی اور کو خبردار کرنے کے انداز میں چلّایا "بھاگ جاؤ....."

پھر وہ خود بھی الٹے قدموں کچن سے نکلنے کے لیے کھسکنے لگا۔ ہمیں دور رکھنے کے لیے وہ چھری لہرا رہا تھا۔ اسی دوران عقبی دروازے کی طرف سے کسی کے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی جو تیزی سے دور ہوتے ہوئے معدوم ہوگئی۔ باہر چور کا جو بھی ساتھی موجود تھا۔ ہماری نظر میں آئے بغیر فرار ہو چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ دوسرا بھی فرار ہو جاتا، میں نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر خود چھری کی رسائی سے دور رہتے ہوئے بیٹ اس کی کلائی پر رسید کیا۔ چھری اس کے ہاتھ سے گر گئی۔

اس وقت تک مائیک اور نیل میں بھی حوصلہ پیدا ہو چکا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ سخت غصے میں آگئے تھے۔ انہوں نے لپک کر اسے دبوچ لیا اور اندھا دھند گھونسے برسانے شروع کردیے۔

"اے.... اے.... بس کرو۔" میں نے بہ مشکل انہیں روکا اور نیل کو بیٹ تھماتے ہوئے کہا "اگر یہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اس کی کھوپڑی توڑ دینا ورنہ اسے کچھ مت کہو.... اور مائیک! تم پولیس کو فون کرو۔"

میں نے بوب کو سیدھا کیا اور یہ دیکھ کر اطمینان کی سانس لی کہ وہ نہ صرف زندہ تھا بلکہ ہوش میں بھی تھا۔ میرا سہارا لے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اسے باتھ روم میں لے گیا اور ٹوائلٹ کی سیٹ پر بٹھا کر ٹھنڈے پانی سے اس کا منہ صاف کرنے لگا۔ اس کے سر کے پچھلے حصے پر ایک بڑا سا گومڑا ابھر آیا تھا۔ میں نے ٹھنڈے پانی سے تولیہ بھگو کر اس سے گومڑ کو دبایا۔

"تمہارے لیے ایمبولینس منگواؤں؟" میں نے پوچھا۔

"اب میں ایسا بھی گیا گزرا نہیں ہوں۔ ضرب نے وقتی طور پر چکرا دیا تھا۔ اب میں ٹھیک ہوں" بوب بڑے حوصلے سے بولا "میں آواز سن کر ذرا دیکھنے آیا تھا کہ کیا چکر ہے۔ خبیث نے اندھیرے میں میرے سر پر کچھ مار دیا۔"

"میں تمہارے لیے وہسکی لاتا ہوں۔" میں نے کہا اور اسے چھوڑ کر کچن میں واپس آیا۔ وہاں چور، مائیک اور نیل تینوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ مجھے تہ خانے کی سیڑھیوں کا دروازہ تھوڑا سا کھلا نظر آیا۔ وہاں روشنی بھی دکھائی دے رہی تھی۔ ہمارا تہ خانہ بہت بری حالت میں تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ اس بار کمپنی

سے بونس ملے گا تو تہ خانے کی حالت کچھ ٹھیک کروں گا۔

تہ خانہ ایک بڑے ہال سے مشابہ تھا۔ ایک گوشے میں واشنگ مشین وغیرہ لگی ہوئی تھی۔ بس اسی گوشے کی حالت بہتر تھی۔ باقی تہ خانے میں کاٹھ کباڑ اور گرد و غبار کے سوا کچھ نہیں تھا۔

تہ خانے کی چھت کو سہارا دینے کے لیے چاروں کونوں میں چار آہنی ستون موجود تھے۔ میں نیچے پہنچا تو دیکھا مائیک اور نیل نے چور کو انہی میں سے ایک ستون سے باندھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کے منہ میں ایک کپڑا بھی ٹھونس رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اب وہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"تم خاموش رہو بزرگوار.... اور اس معاملے میں دخل مت دو" مائیک بولا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں ابھی تک خطرناک غصے کی لہریں مچلتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"تم نے ابھی تک پولیس کو اطلاع نہیں دی؟" میں نے پوچھا۔

"ہم وہ کام کر رہے ہیں جو پولیس نہیں کر سکے گی" اس نے جواب دیا۔ "ہم ذرا اس کا تیل نکالیں گے اور اس سے معلوم کریں گے کہ اس کے ساتھ کون تھا۔ پھر ہم اس سے دوسرے چوروں کے نام معلوم کریں گے جو اس علاقے میں سرگرم ہیں۔ وہ نام ہم پولیس کو دیں گے۔"

"ہم اپنے علاقے میں گشت سے ذرا آگے بڑھ کر حفاظتی اقدامات کرنے کی کوشش کر رہے ہیں" نیل بولا۔

"تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔" میں نے سیڑھیوں کی طرف مڑتے ہوئے کہا "میں پولیس کو فون کرنے جا رہا ہوں۔"

مائیک نے لپک کر میرا بازو سختی سے پکڑ لیا "تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ یہیں رک کر اس خبیث کی زبان کھلوانے میں ہماری مدد کرو گے۔ یہ تمہارا بھی اخلاقی اور معاشرتی فرض ہے۔"

اس کی آنکھیں عجیب سے انداز میں سلگ رہی تھیں۔ تب مجھے احساس ہوا کہ وہ دیوانگی کی سرحد سے کتنا قریب تھا اور تبھی مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ ہجوم کس طرح بے قابو ہوتے ہوں گے.... کس طرح دیوانگی ان پر غلبہ پاتی ہوگی اور کس طرح وہ وحشت و درندگی کے سیلاب میں بہہ جاتے ہوں گے۔

"اچھا.... چلو.... اوپر چل کر بات کرتے ہیں۔" میں نے تحمل سے کہا۔

انہوں نے میری بات مان لی۔ اوپر آکر وہ کافی حد تک پرسکون نظر آنے لگے۔ ان کا ہیجان کافی کم ہو گیا۔ حتیٰ کہ مائیک نے اپنائیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچن کی صفائی بھی کر دی۔ بوب بھی کچن میں آچکا تھا۔ میں نے ان کے لیے فریج سے بیئر نکالی۔ ماحول کچھ دیر بعد کافی حد تک خوشگوار ہو گیا لیکن چور کے معاملے میں ان کی وہی رٹ برقرار رہی کہ اسے سیدھی طرح پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے پہلے اس کی زبان کھلوانی چاہیے۔

"یہ میرا گھر ہے اور یہاں میرا ہی فیصلہ چلے گا" آخر میں نے غصے سے کہا "اگر تم لوگ میرے فیصلے سے متفق نہیں ہو تو تم جا سکتے ہو۔"

مائیک ایک بار پھر اتنے غصے میں آیا کہ تن کر میرے سامنے آن کھڑا ہوا۔ عین ممکن تھا کہ ہم دونوں الجھ پڑتے مگر نیل ہمارے بیچ میں آگیا اور ڈانٹ کر بولا "خدا کے لیے تم دونوں ہوش میں آجاؤ۔ مت بھولو کہ ہم دوست ہیں۔"

مائیک بولا "بات صرف گھر کی نہیں ہے۔ یہ پورے علاقے کا مسئلہ ہے۔ وارداتیں اس پوری آبادی میں ہو رہی ہیں۔ اس لیے ہمیں بھی چور کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق ہے۔"

بوب ایک کرسی پر جا بیٹھا تھا۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوا "مائیک ٹھیک کہہ رہا ہے ایرن!"

"نہیں۔ وہ ٹھیک نہیں کہہ رہا ہے" میں نے تیزی سے کہا "ہم نہ تو پولیس والے ہیں اور نہ ہی زمانۂ قدیم میں جی رہے ہیں۔ ہم شیئرز اور بانڈز کا کام کرنے والے نرم خو معزز شہری ہیں۔ ہمیں قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔"

"واقعی" مائیک طنزیہ لہجے میں بولا "ہمیں تو ڈاکو صاحب کی خاطر مدارات کرنی چاہیے۔ ان سے پوچھنا چاہیے کہ وہ ڈنر میں کیا کھانا پسند فرمائیں گے اور ان کے لیے کون سی شراب کا اہتمام کیا جائے۔"

اس کے انداز پر میں بے ساختہ مسکرا دیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے غصے کو بھول گیا "آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" میں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"ہم اسے ذرا دھمکا کر کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں" نیل بولا۔ "کم از کم یہ تو پتا چلے کہ اس کے ساتھ یہاں اور کون وارداتیں کر رہا ہے۔ اگر اس کے صرف ایک ساتھی کا نام بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ تب بھی کم از کم اس علاقے کو دو مجرموں سے تو نجات مل جائے گی۔"

"تم بس اس سے اس کے ساتھی کے بارے میں سوال کرو گے۔ اس کے بعد میں پولیس کو بلا لوں گا" میں نے بالآخر کسی حد تک سمجھوتے پر رضامند ہوتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد کافی خوشگوار ماحول میں بیئر ختم کی گئی اور ہم نیچے آئے۔ قیدی خونخوار نظروں سے ہمیں گھور رہا تھا۔ اس کے وجود سے پسینے اور گندگی کی بدبو پھوٹ رہی تھی۔

ہم اس کے قریب پہنچے تو نیل غصے سے بولا "مجھے یقین ہے دو ہفتے پہلے ڈونالڈ کے گھر میں بھی اسی نے چوری کی تھی" وہ مائیک سے بھی زیادہ غصے میں نظر آرہا تھا۔ اچانک ہی اس نے چور کے منہ پر تھوک دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بدمعاش کی صورت دیکھتے ہی

میرے دوستوں کو اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا تھا۔

"خود پر قابو رکھو نیل!" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تمہیں اندیشہ ہے کہ اس خبیث کے جذبات مجروح نہ ہو جائیں؟" نیل نے استہزائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ ایک بار پھر بگڑتا دکھائی دے رہا تھا۔

مائیک چور کو نفرت سے گھورتے ہوئے بولا "ابھی ہم تمہارا ایک ایسا آپریشن کریں گے جس کے بعد تم کسی اور ہی مخلوق میں شمار ہونے لگو گے۔"

چور کے منہ میں تو کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ وہ الفاظ میں تو اپنے ردعمل کا اظہار نہیں کر سکا لیکن اس کی آنکھوں میں خونخواری اور بڑھ گئی۔ مائیک کی دھمکی سن کر بھی وہ خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔

نیل دوبارہ چور کی طرف متوجہ ہوا اور اسے گھونسا رسید کرنے کے لیے ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ اس کا گھونسا یقیناً چور کے منہ پر پڑتا لیکن میں نے بروقت اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ گرتے گرتے بچا اور جھنجلا کر میری طرف پلٹتے ہوئے برہمی سے بولا "تم .... گدھے.... بدمعاش...."

وہ میری طرف لپکا۔ اس بار مائیک ہمارے درمیان آگیا ورنہ شاید نیل مجھ سے الجھ پڑتا۔ مائیک بولا "یہ مردود چور ڈاکو ہماری حالت دیکھ کر خوش ہو رہا ہوگا۔ بعد میں شاید یہ اپنے چور ڈاکو دوستوں کو ہنس ہنس کر بتائے گا کہ چار معززین اسے کچھ کہنے کے بجائے کس طرح آپس میں لڑ لڑ کر ہلکان ہو رہے تھے۔"

اس بات نے واقعی سب کو ٹھنڈا کر دیا۔ فضا مناسب دیکھ کر میں نے ایک بار پھر اعلان کیا "میں پولیس کو فون کرنے جا رہا ہوں۔"

اس لمحے شاید چور کو احساس ہوا کہ اب اس کے بچنے کی امید نہیں تھی۔ اب اس کے لیے فیصلہ کن قدم اٹھانا ضروری تھا۔ ہم چاروں دوست ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھے اور اسی دوران وہ اچانک بھاگ کھڑا ہوا۔ تب ہمیں پتا چلا کہ جس وقت ہم اوپر تھے اس دوران وہ کسی طرح اپنی بندشیں ڈھیلی کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

ہم چاروں اس کے پیچھے لپکے۔ وہ غسل خانے کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اس وقت وہ غسل خانے کا دروازہ کھولنے ہی والا تھا جب اس کی جینز کا پائنچا میرے ہاتھ میں آگیا۔ میں نے پوری قوت سے اسے کھینچا۔ اس نے پائنچا چھڑانے کے لیے دوسرے پاؤں سے مجھے ٹھوکر رسید کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس وقت تک مجھے بھی مائیک اور نیل کی طرح سخت غصہ آچکا تھا۔ یقیناً یہ شخص محض چور نہیں تھا۔ یہ کسی بھی انسان کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچا سکتا تھا۔ قتل بھی کر سکتا تھا۔

میں نے پائنچا چھوڑ کر اس کی ٹانگ پکڑ لی اور زوردار جھٹکا دیا۔ دروازے کا ہینڈل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کے منہ میں کپڑا ابھی ٹھنسا ہوا تھا۔ اس کے باوجود اس نے چیخنے کی کوشش کی مگر اس کے منہ سے صرف ایک گھٹی گھٹی سی آواز برآمد ہوئی۔

اگلے چند سیکنڈ میں کیا ہوا.... یہ مجھے کچھ صحیح طور پر یاد نہیں۔ میرا خیال ہے میں نے اپنی دانست میں چور کو سیڑھیوں سے کھینچ کر غسل خانے کے فرش پر لانے کی کوشش کی تھی۔ میرا منشا صرف یہ تھا کہ وہ فرش پر آجائے تو میرے دوست اسے دبوچ لیں اور میں جا کر پولیس کو فون کر دوں لیکن اس دوران نہ جانے کب اور کس طرح چور کے سر کا پچھلا حصہ زوردار آواز کے ساتھ سیڑھی کے کنارے سے ٹکرایا۔

آواز یقیناً دوسروں نے بھی سن لی تھی کیونکہ وہ چیخ پکار کرتے اور چور کو برا بھلا کہتے کہتے یک دم ہی خاموش ہو گئے تھے۔ تب میں نے صحیح طور پر گردن گھما کر چور کی طرف دیکھا۔ اس کی ناک بھی خون میں لتھڑی نظر آرہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب خونخواری یا نفرت کی کوئی علامت باقی نہیں رہی تھی بلکہ اس کی آنکھوں میں کسی بھی جذبے کا کوئی رنگ نہیں رہا تھا۔

میں نے اسے نچلی سیڑھی کے قریب ہی فرش پر لٹایا اور جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں اوپر کو چڑھ چکی تھیں۔ ان کا صرف سفید سفید حصہ نظر آرہا تھا اور وہ جھپک بھی نہیں رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے اسے چوٹ لگ گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"معاملہ چوٹ سے کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے" مائیک بولا۔

"اسے اٹھا کر اوپر کچن میں لے چلتے ہیں اور ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہیں" میں نے تجویز پیش کی۔

ہم اسے اٹھا کر اوپر کچن میں لے آئے اور فرش پر لٹا دیا۔ مائیک اور نیل نے جلدی سے چھوٹے چھوٹے کاغذی تولیے پانی میں بھگو لیے۔ بوب جو اپنے سر کی چوٹ کی وجہ سے بار بار دانت بھینچ رہا تھا، چور کی نبض دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اس کی نبض تو ساکت ہے" اس نے اعلان کیا۔ چور کی ناک اور منہ پر کچھ زیادہ ہی خون نظر آرہا تھا۔

اپنے اطمینان کے لیے سب نے باری باری چور کی نبض دیکھی۔ اس کے ساکت وجود میں زندگی کی دیگر علامات بھی تلاش کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آخرکار سب کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہ مر چکا تھا۔

"اب ہم کیا کریں؟" مائیک نے سوال کیا۔

"ہمیں پولیس کو اطلاع دینی چاہیے" میں نے فون کی طرف قدم بڑھایا۔

"رک جاؤ.... پہلے اچھی طرح سوچ لو" مائیک تحکمانہ لہجے میں بولا۔

○☆○

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی چور کی لاش سے بدبو آنے لگی۔ ہم

اس کی تلاشی لے چکے تھے مگر کوئی ایسی چیز نہیں ملی تھی جس سے اس کی شناخت میں مدد ملتی۔ وہ محض ایک چور تھا۔

ہم چاروں اس وقت کچن ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے اور پی پلا کر اپنے حواس کو بہتر طور پر کام کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہمارے درمیان اس سوال پر بہت بحث ہوئی تھی کہ پولیس کو اطلاع دی جائے یا نہیں؟ رائے شماری کے ذریعے بھی کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ بوب اور میں پولیس کو بلانے کے حق میں تھے جب کہ مائیک اور نیل حق میں نہیں تھے۔ یوں ووٹ برابر ہو گئے تھے۔ سوال اپنی جگہ برقرار تھا۔

"پولیس پوچھے گی کہ ہم لوگوں نے انہیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔" مائیک بولا۔

"ہم وقت کے بارے میں تھوڑا سا جھوٹ بول دیں گے" میں نے کہا۔ "کہہ دیں گے کہ ہم نے صرف بیس منٹ پہلے اسے پکڑا تھا۔"

"میڈیکل ایگزامنر اس کی موت کے وقت کا تعین کرلے گا" نیل بولا۔

"ہم نے بحث مباحثے میں وقت ضائع کرکے معاملے کو مزید پیچیدہ بنالیا ہے۔ پولیس کے آنے تک اس کی موت کو ایک گھنٹا گزر چکا ہوگا اور اس سے بھی آدھا گھنٹا پہلے ہم نے اسے پکڑ کر باندھا تھا۔" بوب نے کہا۔

مائیک بولا "اس تاخیر پر پولیس ہمیں بھی قصوروار ٹھہرائے گی۔ ہمارے نام اخبارات میں آئیں گے اور جن فرموں میں ہم کام کرتے ہیں وہ اس قسم کی رسوائی کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہیں۔ ہم لوگوں کے ہاں تو میاں بیوی کا جھگڑا عدالت میں جانے پر ملازم کو فرم سے نکال دیا جاتا ہے۔"

"میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ پولیس کو بلالینا چاہیے" میں نے تاسف سے کہا "بہرحال میں نے اسے جان بوجھ کر ہلاک نہیں کیا۔"

"اب ان باتوں کا کیا فائدہ" نیل بولا۔

چند لمحے بوجھل سی خاموشی طاری رہی۔ ہم سب ایک عجیب ہی مخمصے میں پھنس گئے تھے۔ اچانک بوب بولا "مجھے ایک بہت اچھی جگہ کا پتا ہے۔"

میں نے خوفزدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے شاید اندازہ تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اس سے وضاحت نہیں چاہی تاہم نیل نے پوچھ لیا "کس قسم کی اچھی جگہ؟"

"جہاں لاش کو پھینکا جاسکتا ہے" بوب نے جواب دیا۔

"بکواس مت کرو" میں نے اسے ڈانٹا اور اٹھ کر فون کی طرف بڑھا۔ اس بار کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ فون تک پہنچنے کے لیے مجھے لاش کو پھلانگنا پڑا۔ اب اس میں سے اور بھی زیادہ بدبو آنے لگی تھی۔

میرے عقب میں بوب بولا "دریا ایک ایسی جگہ ہے جس میں نہ جانے کتنی لاشیں ہر سال پھینکی جاتی ہیں جو اوپر بھی نہیں آتیں۔ دریا کی تہ میں ہی رہتی ہیں اور نہ جانے کس کس مخلوق کی خوراک بن جاتی ہیں۔"

میں نے ریسیور اٹھایا اور زیرو نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز سن کر میں نے کہا "مجھے پولیس سے بات کرنی ہے۔"

"کیا کوئی ایمرجنسی ہے؟" آپریٹر خاتون نے پوچھا۔

"نہیں۔ ایمرجنسی نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔

"میں ابھی ملاتی ہوں۔"

میرے عقب میں نیل بولا "ایک بار پھر سوچ لو۔ پولیس بال کی کھال اتارے گی۔ ساری بات کھل جائے گی۔ ہمیں بہرحال قصوروار پایا جائے گا۔ بے شک وہ چور تھا لیکن یہ معاملہ ایک انسانی جان جانے کا ہے۔ ساری کہانی اخباروں میں آئے گی۔ ٹی وی پر ہماری صورتیں دکھائی جائیں گی...."

میں یہ سب کچھ سن رہا تھا اور میرے ذہن میں ایک دھند سی پھیلتی جارہی تھی۔ فون پر دوسری طرف سے آواز سنائی دی "گڈ ایوننگ! پولیس ڈیپارٹمنٹ" آواز نسوانی تھی۔

میں نے بولنا چاہا لیکن آواز گویا میرے حلق میں اٹک گئی۔ دوسری طرف پولیس کی آپریٹر نے دوبارہ اپنے الفاظ دہرائے لیکن نہ جانے کیوں میں اب بھی نہ بول سکا۔ نیل اٹھ کر میرے قریب آیا۔ اس نے ریسیور میرے ہاتھ سے لے کر آہستگی سے واپس رکھ دیا۔ میں کوئی مزاحمت نہ کرسکا۔

نیل آہستگی سے بولا "آؤ... بیٹھ کر ایک ایک ڈرنک اور لیتے ہیں پھر بوب کی بات ذرا توجہ سے سنتے ہیں۔"

وہ مجھے یوں سہارا دیے واپس میز تک لایا جیسے میں کوئی مریض تھا۔ ڈرنکس کا ایک اور دور شروع ہوا جس کے دوران بوب نے اپنی تجویز نہایت ٹھہراؤ اور صبر و سکون کے ساتھ بیان کی....

○☆○

دوسری صبح ہم میں سے تین نے اپنے اپنے دفتر فون کرکے اطلاع دی کہ ہم بیمار ہونے کی وجہ سے کام پر نہیں آسکیں گے۔ صرف بوب آفس گیا کیونکہ اسے ایک بہت اہم میٹنگ میں شرکت کرنا تھی۔

دوپہر کے قریب نیل اور مائیک میرے گھر آئے۔ ان کے چہرے بتا رہے تھے کہ ان کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ میں خود کو بیمار محسوس کر رہا تھا۔ وہ کھانے کے لیے برگر وغیرہ لائے تھے۔ ہم عقبی برآمدے میں جا بیٹھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب ہم زندگی میں کبھی کسی چیز سے لطف اندوز نہیں ہوسکیں گے۔ میری نظر میں بار بار ایک لاش ابھر آتی تھی جسے ہم اونچا کرکے جنگلے کے اوپر سے دریا پر بنے ہوئے ڈیم میں پھینک رہے تھے۔ ٹربائن چلنے کی وجہ

سے اس ڈیم میں بھنور کی سی کیفیت رہتی تھی۔
"تمہارے خیال میں کیا ہم نے ٹھیک کیا؟" نیل نے دریافت کیا۔
"اب خیال آیا ہے تمہیں پوچھنے کا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
مائیک بولا۔ "اگر ہم ایسا نہ کرتے تو گرفتار ہو جاتے۔"
"گویا تمہیں اس پر کوئی پشیمانی نہیں ہے؟" نیل بولا۔
مائیک ٹھنڈی سانس لے کر بولا "میں یہ نہیں کہہ رہا۔ میرا مطلب ہے.... کہ کاش ایسا ہوا ہی نہ ہوتا!"
نیل بولا "شاید ایرن ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ ہمیں پولیس سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔"
مائیک نیم دراز تھا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا "تم دونوں نے یہ کیا بکواس شروع کر دی۔ ہمیں شکر کرنا چاہیے کہ یہ مسئلہ اتنے اچھے طریقے سے حل ہو گیا۔ اس کے بجائے ہم بیٹھے ایک دوسرے کو کچوکے لگا رہے ہیں۔"
"یہ مت سمجھو کہ مسئلہ حل ہو گیا ہے" میں نے کہا۔
"کیا مطلب؟" مائیک چونکا۔
"شاید تم بھول رہے ہو کہ چور کا ایک ساتھی بھی تھا جو باہر سے باہر ہی فرار ہو گیا تھا" میں نے کہا "تمہارے خیال میں کیا اسے تجسس نہیں ہو گا کہ آخر اس کے ساتھی کا کیا بنا؟"
"تو پھر وہ کیا کرے گا؟" مائیک بولا "وہ پولیس کے پاس تو نہیں جا سکتا۔ پولیس کے پاس جانے کا مطلب ہو گا کہ وہ ڈکیتی کے جرم میں سزا پائے گا۔"
"ضروری نہیں کہ اسے سزا ہو۔ البتہ وہ پولیس کو بتا سکتا ہے کہ ہم نے اس کے دوست کو قتل کر دیا ہے" میں نے کہا۔
نیل بولا "ایرن کا نکتہ قابلِ توجہ ہے۔ اگر وہ واقعی پولیس کے پاس چلا گیا تو کیا ہو گا؟"
"نہیں.... نہیں۔ وہ پولیس کے پاس نہیں جا سکتا" مائیک نے گویا اپنے آپ کو اور ہمیں یقین دلانے کی کوشش کی۔

○☆○

اس شام میں ٹی وی کے سامنے بیٹھا تقریباً اونگھ رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ میں اٹھ کر مردہ سے قدموں سے فون کی طرف بڑھا۔
"ہیلو" میں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔
دوسری طرف خاموشی رہی لیکن سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ کوئی میری آواز سن رہا تھا۔ میں نے دوبارہ "ہیلو" کہا۔ وہ تب بھی کچھ نہ بولا۔ میں خاموش فون کرنے والوں کے ساتھ زیادہ مغز ماری نہیں کرتا۔ فون بند کر دیتا ہوں۔ اس وقت بھی میں نے یہی کیا۔
اس کے دو دن بعد کا ذکر ہے۔ میں فون پر اپنی بیوی جین سے بات کر کے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے لیے ہلکا پھلکا کھانا تیار کیا تھا اور اس کے ساتھ بیئر کا ایک ڈبا لے کر بیٹھا تھا۔ ٹی وی پر میں اپنی پسندیدہ ٹیم کا بیس بال کا میچ بھی دیکھ رہا تھا۔
اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ میں دل ہی دل میں فون کو کوستے ہوئے اور نوالہ چباتے ہوئے اٹھا۔
"ہیلو" میں نے نوالہ نگلنے کے بعد کہا' دوسری طرف پھر وہی خاموش شخصیت تھی۔ میں نے ریسیور پٹخ دیا۔
کچھ دیر بعد جب کہ میچ جاری تھا مگر میں کھانا ختم کر چکا تھا تو فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ وہی خاموش شخصیت ہو گی۔ میں نے فون نہیں اٹھایا۔ چوتھی گھنٹی کے بعد فون کا جواب دینے والی مشین اسٹارٹ ہو جاتی تھی۔ میں نے سوچا دیکھنا چاہیے.... شاید وہ شخص مشین پر کوئی پیغام ریکارڈ کرانا پسند کرے۔
چار گھنٹیوں کے بعد مشین آن ہو گئی اور میری بیوی جین کی خوشگوار آواز ابھری "اہلِ خانہ اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔ اگر آپ کوئی پیغام ریکارڈ کرانا پسند کریں تو کرا دیں۔"
مجھے توقع تھی کہ اس کے جواب میں کچھ دیر خاموشی رہے گی اور پھر شاید کلک کی خفیف سی آواز کے ساتھ سلسلہ منقطع ہو جائے گا لیکن اس کے بجائے ایک نسوانی آواز ابھری "ایرن! میں لوئیس بول رہی ہوں...."
تب میں دوڑ کر فون کے پاس پہنچا۔ لوئیس ہمارے دوست بوب کی بیوی کا نام تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ اس سے خود بات کروں۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو لوئیس! میں ایرن بول رہا ہوں۔"
"ایرن! میں تمہیں ایک بہت بری خبر سنانا چاہتی ہوں...." لوئیس روتے ہوئے بولی "بوب کو آج اس کی ورکشاپ میں بجلی کا شاک لگ گیا...."
"کیسے؟" میں بے اختیار تقریباً چلا اٹھا۔
"اس نے ایک بالٹی میں ڈوبے ہوئے ننگے تاروں کو چھو لیا.... اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ تار... پلگ میں لگے ہوئے تھے اور ان میں کرنٹ تھا...." لوئیس نے بری طرح روتے ہوئے بتایا "وہ مر چکا ہے ایرن! وہ مر چکا ہے...."
بوب نے اپنے تہ خانے میں چھوٹی سی ورکشاپ بنا رکھی تھی جس میں وہ لکڑی کا کام کرتا تھا۔ یہ اس کا مشغلہ تھا۔
"اوہ.... لوئیس! یہ خبر سن کر مجھے شدید صدمہ پہنچا ہے...." میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔
"مجھے تو یقین نہیں آ رہا...." لوئیس بدستور روتے ہوئے بولی "وہ تو بجلی کے معاملات میں اتنا محتاط تھا۔"
یہ حقیقت تھی۔ بوب' بجلی.... اور اس سے چلنے والے اوزاروں کے معاملے میں بے پناہ محتاط تھا۔ اس سے اس قسم کی غلطی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ میرا ذہن نہ جانے کیوں اس

رات کے تصور میں بھٹک رہا تھا جب ہم نے چور پکڑا تھا اور اس کا ساتھی بھاگ نکلا تھا۔

"اگر تم کہو تو میں تمہارے ہاں آجاتا ہوں؟" میں نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"بہت شکریہ ایرن! لیکن اس وقت میں اکیلی بچوں کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ تم صرف اتنی زحمت کرو کہ مائیک اور نیل کو اطلاع کردو۔ میں کل تمہیں دوبارہ فون کروں گی۔ جب میری حالت کچھ سنبھل جائے گی...."

مائیک اور نیل یہ اطلاع ملنے کے بیس منٹ بعد میرے گھر آن پہنچے۔ ان کے چہرے دھواں دھواں ہو رہے تھے۔ ہم ایک بار پھر کچن میں جا بیٹھے۔

"کیا تم دونوں میں سے کسی کو گزشتہ چند دنوں کے دوران خاموش ٹیلی فون موصول ہوئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں.... مجھے تین فون آئے تھے" نیل نے فوراً جواب دیا۔

"مجھے بھی آئے تھے" مائیک نے بتایا۔

"اور کچھ دیر پہلے بوب مرگیا" میں نے کہا۔

مائیک بولا "تم کہنا چاہتے ہو کہ بوب کی موت حادثاتی نہیں تھی؟"

"ہرگز نہیں" میں نے کہا "بوب اتنا احمق نہیں تھا کہ پانی میں گرے ہوئے ننگے تاروں کو یہ دیکھے بغیر پکڑ لیتا کہ ان کا دوسرا سرا کہاں ہے۔"

ایک لمحے کی اعصاب شکن خاموشی کے بعد نیل بولا "تمہارا مطلب ہے کہ چور کا ساتھی بوب کی ہلاکت کا ذمے دار ہے اور اب ہماری باری ہے؟"

مائیک استہزائیہ لہجے میں بولا "تم دونوں کا دماغ تو صحیح ہے؟ باہر والا چور بھاگ نکلا تھا.... اور چور کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ بھاگتا ہے تو پھر بھاگتا ہی رہتا ہے۔ اس کی اتنی جرأت بھلا کہاں ہو سکتی ہے کہ وہ فون وغیرہ کرکے ہمیں اعصابی تناؤ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرے اور پھر بوب کی ورکشاپ میں پہنچ کر اس کی ہلاکت کا سامان کرے۔ اس کے علاوہ اسے بھلا کیا معلوم کہ اس رات اس گھر میں کون کون موجود تھا؟ وہ زیادہ سے زیادہ ایرن کے ایڈریس کی مدد سے صرف ایرن کا ہی فون نمبر معلوم کر سکتا ہے۔ بوب، نیل یا میرے بارے میں کچھ کیسے جان سکتا ہے؟"

"تم ہر قسم کے امکانات کو نظرانداز کر رہے ہو" میں نے کہا "فرض کرو وہ دونوں چور کسی گاڑی میں آئے ہوں جو یہاں سے کچھ فاصلے پر موجود رہی ہو۔ اس وقت تو چور بھاگ نکلا ہو لیکن بعد میں وہ اپنی گاڑی لینے آیا اور یہاں کسی خطرے کے آثار نہ پاکر رک گیا ہو۔ دیکھنے لگا ہو کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ اس روز تم تینوں کی گاڑیاں گھر سے باہر موجود تھیں۔ عین ممکن ہے اس نے تینوں گاڑیوں کے نمبر نوٹ کرلیے ہوں۔ گاڑی کے نمبر سے، مالک کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ پھر اس نے ہمیں چوری چھپے لاش اس گھر سے لے جاتے اور ایم میں پھینکتے بھی دیکھ لیا ہو۔"

مائیک چند لمحے خاموش رہا پھر بدلے ہوئے لہجے میں بولا "کیا واقعی اب ہماری باری ہے؟"

میرے بجائے نیل نے جواب دیا "ہاں.... اسی لیے تو وہ ہمیں فون کر رہا ہے۔ ہمیں آسانی سے شکار کرنے کے لیے پہلے ہمارے اعصاب پچکا رہا ہے۔"

"کل جب تم آفس جاؤ گے تو میں تمہارا تعاقب کروں گا نیل!" میں نے کہا "مائیک میرے ساتھ ہوگا۔ ہفتے کے دن تم اور مائیک میرا تعاقب کرنا۔ اگر وہ ہماری نگرانی کر رہا ہے.... ہمارا تعاقب کرتا ہے تو ہمیں پتا چل جائے گا۔ ہم اسے دیکھ لیں گے۔ اس کے بعد ہم اس کا تعاقب کر سکتے ہیں۔ کم از کم ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔"

"اگر یہ معلوم بھی ہو گیا تو کیا کریں گے؟" مائیک نے اکھڑے اکھڑے سے لہجے میں پوچھا۔

"ہم پہلے یہ معلوم تو کرلیں.... پھر دیکھا جائے گا کہ کیا کرنا ہے۔" نیل بولا۔

دوسری صبح طے شدہ پروگرام کے مطابق میں نے مائیک کو اس کے گھر سے لیا اور ساڑھے سات بجے گاڑی نیل کے گھر سے ذرا دور لے جا کر کھڑی کی۔ ٹھیک سات بج کر پینتیس منٹ پر نیل گھر سے نکلا۔ اس وقت گلی میں کوئی اور گاڑی نظر نہیں آرہی تھی۔

بہرحال ہم اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ ہم نے اس کے آفس تک اس کا تعاقب کیا لیکن ہمیں کوئی اور اس کا تعاقب کرتا دکھائی نہ دیا۔ میں نے مائیک کو اس کے آفس کے سامنے اتارا تو وہ جماہی لیتے ہوئے بولا "خوامخواہ نیل کی وجہ سے آج ہمیں بھی جلدی اٹھ کر بھاگنا پڑا۔"

"کل تم اور نیل میرا تعاقب کرو گے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"خوامخواہ کی مصیبت گلے پڑ گئی" وہ بڑبڑایا۔

"اس رات تم نے ہی سب سے زیادہ مجبور کیا تھا کہ چور کے بارے میں پولیس کو مطلع نہ کیا جائے" میں نے تلخی سے کہا "اب اس کے نتائج تو بھگتنا ہی پڑیں گے۔"

مائیک خلاف توقع برہمی دکھانے کے بجائے ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔"

دوسرے روز میں ڈھائی گھنٹے تک گاڑی لیے اِدھر اُدھر پھرا۔ میں چاہتا تھا مائیک اور نیل کو اچھی طرح میرے تعاقب کا موقع ملے۔ آخرکار دوپہر کے قریب میں سڑک کے کنارے ایک برگر شاپ کے سامنے رکا اور ہم تینوں لنچ کرنے لگے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ انہیں کوئی میرا تعاقب کرتا دکھائی نہیں دیا۔

"کوئی مشکوک شخص بھی نظر نہیں آیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" نیل نے جواب دیا۔

"میں چاہتا ہوں آج رات ایک بار پھر قسمت آزمائی کی جائے" میں نے کہا "میں ذرا بولنگ کے لیے جاؤں گا۔ تم دونوں

اس وقت بھی مجھ پر نظر رکھنا۔"

"میرا تو خیال ہے کہ تم لوگ محض وقت ہی ضائع کرو گے" مائیک منہ بنا کر بولا۔

"مائیک! خدا کے لیے کچھ عقل سے کام لو" نیل نے اسے ڈانٹا "بوب ہمارا دوست تھا.... اور اس کی موت حادثاتی نہیں تھی۔ اسے مارنے والا اب ہماری گھات میں ہے۔"

مائیک خاموش رہا۔

شام کو بولنگ ایلی میں پہنچ کر میں نے تقریباً ایک گھنٹا کھیل میں گزارا۔ ساتھ بیئر نوشی کا شغل جاری رہا۔ وہاں زیادہ تعداد نوجوان لڑکے لڑکیوں کی تھی۔ آخر میں باہر آگیا۔ وہ موسم گرما کی ایک مرطوب سی شام تھی۔ دور و نزدیک کی بہت سی آوازیں سماعت پر دستک دے رہی تھیں۔ میں نے دیکھا مائیک اور نیل جا چکے تھے۔ وہ بے چارے میری نگرانی کرنے کے معاملے میں زیادہ استقامت کا مظاہرہ نہیں کر سکے تھے۔

میں گھر چلا گیا اور بیئر کا ایک اور ڈبا کھول کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میری بیوی جین کا فون ہوگا لیکن جب میں نے ریسیور اٹھایا تو خلافِ توقع دوسری طرف نیل بول رہا تھا۔

"ہم نے اس مردود کا پتا چلا لیا" اس نے بتایا "وہ تمہارے گھر سے تمہارا تعاقب کرتے ہوئے بولنگ ایلی تک پہنچا تھا۔ وہ بولنگ ایلی کے باہر تمہاری واپسی کا انتظار کرتا رہا لیکن تم نے اندر کھیل میں بہت دیر لگادی۔ وہ شاید انتظار کرتے کرتے اکتا گیا اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اس بار ہم نے اس کے ٹھکانے تک اس کا تعاقب کیا۔"

"کہاں ہے اس کا ٹھکانا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ نیل نے مجھے ایک ایڈریس بتایا۔ وہ ایک بہت ہی خراب علاقے کا ایڈریس تھا۔

پھر وہ بولا "ہم یہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ جلدی سے آجاؤ۔ پھر ہم ذرا اس سے ملاقات کریں گے۔"

"مجھے بیس منٹ لگیں گے" میں نے کہا۔

○☆○

نقرئی چاندنی بھی اس علاقے کے گلی کوچوں کو کوئی خوبصورت تاثر دینے میں ناکام تھی۔ بوسیدہ عمارتیں اور جھاڑ جھنکاڑ لان آسیب اور بد روحوں کی آماجگاہ دکھائی دیتے تھے۔ ہر طرف بیئر کے خالی ڈبے، بوتلیں اور دوسرا کاٹھ کباڑ بکھرا ہوا تھا۔ نیل کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق میں جس گلی میں داخل ہوا وہاں چوہوں نے بھی مجھے دیکھ کر ادھر اُدھر دوڑنے یا کہیں چھپنے کا تکلف نہیں کیا۔ ملگجی روشنی میں ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ایک درخت کے نیچے مائیک مجھے منتظر ملا۔

میں اپنے ہاتھ میں بیس بال کا بیٹ اٹھائے ہوئے تھا۔ مائیک کی نظر اس پر پڑی تو بولا "تم نے بہت اچھا کیا جو یہ لے آئے۔ میرے پاس بھی یہ ہے...." اس نے مجھے ایک ہینڈ گن دکھائی۔

"یہ تم کس لیے لے آئے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے؟" وہ گویا برا مناتے ہوئے بولا "تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ اس نے بوب کو قتل کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک خطرناک شخص ہے۔ کیا اس کے سامنے ہمیں کچھ تیاریوں کے ساتھ نہیں جانا چاہیے؟"

اس نے مجھے لاجواب کردیا۔ میں نے مزید بحث کرنے کے بجائے پوچھا۔ "اس کا سامنا ہونے کے بعد ہم کیا کریں گے؟"

"اس سے کہیں گے کہ وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دے۔ ہم سے دور رہے۔"

"میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ ہمیں پولیس کے پاس جانا چاہیے" میں نے کہا۔

"ہاں۔ بہت اچھا مشورہ دے رہے ہو" مائیک گویا جل کر بولا "اب ہم پولیس کے پاس جاکر پہلے سے زیادہ مصیبت میں پھنس جائیں گے.... اور اس طرح اب بوب بھی واپس نہیں آسکتا۔"

عین اسی لمحے ہمیں کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ وہ نیل کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ دو عمارتوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ تھا جس میں جھاڑ جھنکاڑ گھاس نظر آرہی تھی۔ اس گھاس کو چیرتے ہوئے ہم بھاگ کر پچھلی گلی میں پہنچے۔ ایک باڑھ پھلانگ کر ہم اس عمارت کے عقبی احاطے میں داخل ہوئے۔

نیل بیس پچیس سال پرانے ماڈل کی ایک شیورلیٹ کے پاس اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس گاڑی کے ٹائر نہیں تھے۔ وہ بلاکوں پر کھڑی تھی اور اس کی سیٹوں وغیرہ کو چوہے کتر چکے تھے۔ اس احاطے میں نہ جانے کس کس چیز کی بدبو آرہی تھی۔ نیل کراہ رہا تھا۔ اس سے ہمیں یہ اطمینان ہوا کہ وہ کم از کم زندہ تو تھا۔ ہم نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔

"میں کار کی ڈکی کی آڑ میں چھپ گیا تھا...." اس نے بتایا "تاکہ اگر وہ بدمعاش ہنگامی زینے کے راستے واپس آئے تو اس کی نظر مجھ پر نہ پڑے.... لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ بلڈنگ کے دوسرے کونے میں ایک اور ہنگامی زینہ موجود ہے۔ وہ یقیناً ادھر سے اترا تھا اور اس نے اچانک پیچھے سے مجھ پر حملہ کردیا۔ وہ تو مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھا، شکر ہے میرے پاس یہ تھا...."

اس نے ہاتھ آگے کیا۔ اس کے ہاتھ میں کھٹکے دار چاقو تھا جس کا پھل خون میں لتھڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا "میں نے اس کے بازو پر وار کیے ورنہ وہ مجھے ہلاک کرچکا ہوتا۔"

"آؤ.... اوپر چلتے ہیں" مائیک بولا "اس کے لہجے میں دبا دبا سا اشتعال تھا۔

"پہلے نیل کی تو فکر کرو" میں نے کہا۔

نیل بولا "میں ٹھیک ہوں.... بس ذرا سر میں تکلیف ہے جہاں اس نے پیچھے سے کچھ مارا تھا۔"

ہم نے پہلے مالک مکان سے رجوع کرنا بہتر سمجھا اور اس کا

کمرا تلاش کیا۔ وہ بہت ہی عظیم الشان توند کا مالک تھا اور اس کے بال اتنے گھنے اور لمبے تھے کہ ان سے ایک سوئٹر تیار ہو سکتا تھا۔ ہونٹوں میں سگریٹ جھول رہی تھی۔

"فلیٹ نمبر ایف ٹو میں کون رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ویمپائرز..... خون آشام چمگادڑیں" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" مائیک نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں اور میری بیوی انہیں اسی قسم کے ناموں سے یاد کرتے ہیں" وہ بولا "وہ بے گھر آوارہ گرد..... بدمعاش اور نشے باز قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی فلیٹ میں کچھ عرصے کے لیے کوئی کرائے دار نہیں آتا۔ ان لوگوں کو بنا لبا پتا چل جاتا ہے۔ یہ کسی طرح چوری چھپے ان میں گھس جاتے ہیں اور راتیں گزارنے لگتے ہیں۔"

"تم انہیں منع نہیں کرتے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے اپنا سر تڑوانا ہے؟ جب کوئی کرائے دار آجاتا ہے تو عام طور پر یہ لوگ خود ہی اس فلیٹ میں گھسنا چھوڑ دیتے ہیں۔" وہ بولا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ اس وقت ایف ٹو میں کوئی کرایہ دار نہیں ہے؟"

"نہیں۔ وہ فلیٹ تو تین ماہ سے خالی پڑا ہے" مالک مکان نے جواب دیا۔ کچھ دیر بعد ہم سامنے والے احاطے میں پڑی غلاظت سے بچتے بچاتے دروازے کی طرف جا رہے تھے۔

"مالک مکان نے ان لوگوں کو ویمپائرز کا نام خوب دیا ہے" میں نے کہا۔

"ہاں....." نیل نے تائید کی "مجھے جب اس خبیث کی آنکھیں یاد آتی ہیں جو تمہارے گھر کے تہ خانے میں مرگیا تھا تو واقعی کسی ویمپائر کا ہی خیال آتا ہے۔"

"تم دونوں خوامخواہ کی افسانہ طرازی کرکے ایک دوسرے کو ڈراتے رہتے ہو" مائیک ناگواری سے بولا "یہ لوگ گلی کوچوں میں دھکے کھانے والے معمولی اور گھٹیا قسم کے چور اچکے ہیں۔"

اب چونکہ ہمیں اپنے مطلوبہ بدمعاش کے جلد اس فلیٹ میں واپس آنے کی امید نہیں تھی اس لیے ہم اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

○☆○

رات کے کسی پہر فون کی گھنٹی بجی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ پہلے تو فون کی گھنٹی بھی مجھے اسی خواب کا حصہ محسوس ہوئی جو میں دیکھ رہا تھا پھر میں نے آنکھیں پوری طرح کھولے بغیر ریسیور اٹھایا۔

وہی مخصوص قسم کی خاموشی میری منتظر تھی۔

دوسری طرف یقیناً وہی تھا..... ویمپائر..... جس نے بوب کو قتل کیا تھا!

میں نے ہیلو بھی نہیں کہا۔ صرف ریسیور کان سے لگائے رکھا۔ مجھے غصہ بھی آرہا تھا اور میں قدرے خوفزدہ بھی تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں الجھن میں بھی تھا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا بولنا چاہیے تھا..... کیا کرنا چاہیے تھا۔

کچھ دیر بعد اسی نے سلسلہ منقطع کردیا اور میرے گرد گویا تاریکی اور سکوت مزید گہرا ہوگیا۔ کھڑکی کے راستے مجھے تیسری چوتھی تاریخ کا چاند نظر آرہا تھا۔ اس کی ہلالی شکل مجھے کسی خنجر سے مشابہ محسوس ہو رہی تھی!

○☆○

دوسرے روز اتوار تھا۔ دوپہر کے قریب جین کا فون آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ ابھی مزید چند دن میکے ہی میں ٹھہرے گی۔ بچوں کی خواہش بھی یہی تھی اور انہوں نے وہاں ایک مختصر سے کورس میں داخلہ بھی لے لیا تھا۔ اب صرف میری رسمی سی اجازت کی ضرورت تھی..... جو ظاہر ہے میں نے فوراً دے دی۔

اس کے بعد میں نے نیل اور مائیک کو فون کرکے یاد دلایا کہ آج رات ہمیں پھر اس غلیظ اور بوسیدہ بلڈنگ کا چکر لگانا تھا۔

مختلف مشاغل اور مصروفیات کے سہارے میں نے شام تک کا وقت گزارا۔ عین اس وقت جب کہ میں شاور لینے کے ارادے سے باتھ روم میں جانے لگا تھا فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف نیل تھا۔

وہ بلا تمہید بولا "ٹریسی نے تمہیں فون کیا؟" ٹریسی' مائیک کی بیوی کا نام تھا۔

"کیوں..... ٹریسی مجھے کیوں فون کرتی؟" میں نے جاننا چاہا۔

"مائیک مرچکا ہے۔"

میں سناٹے میں آگیا۔ کئی سیکنڈ بعد میرے حلق سے آواز نکلی "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے وہ اپنے دفتر کی لفٹ کے بارے میں کیسے کیسے لطیفے سناتا رہتا تھا....."

مائیک کا دفتر ایک بہت پرانی بلڈنگ میں واقع تھا جہاں کی لفٹ بھی نہایت پرانی ساخت کی تھی۔ وہ اس لفٹ کے بارے میں لطیفے سناتا رہتا تھا لیکن ان لطیفوں کی آڑ میں وہ درحقیقت اپنا خوف چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔

اسے اس لفٹ سے بہت خوف آتا تھا لیکن وہ اسے استعمال کرنے پر مجبور تھا۔ کئی بار وہ اس میں پھنس چکا تھا۔ لفٹ جس فلور پر بھی رکتی تھی' اس سے ایک آدھ فٹ نیچے ہی رہتی تھی۔ مائیک کا مسئلہ یہ بھی تھا کہ اسے اتوار کو بھی بعض ملکوں کی شیئر مارکیٹوں کے بارے میں معلومات کرنے کے لیے دو گھنٹے کے لیے آفس جانا پڑتا تھا۔ اس کے دفتر میں یہ ذمے داری اس کی تھی۔

"ہوا کیا؟" میں نے بیٹھی بیٹھی سی آواز میں پوچھا۔

"بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لفٹ کا دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھ دیا جیسے اس کے خیال میں لفٹ وہاں موجود ہو لیکن لفٹ وہاں نہیں تھی۔ وہ سیدھا آٹھ منزل نیچے آن گرا..... لیکن ظاہر ہے وہ اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا تھا..... خصوصاً جب کہ وہ پہلے ہی اس لفٹ سے اتنا ڈرتا تھا....."

"اوہ... خدایا...!" میں کراہ اٹھا۔

"میں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ کس کا کام ہو سکتا ہے۔" نیل بولا "اور میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ ہم پولیس سے رجوع کر ہی لیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں" میں نے فوراً کہا۔

اس شام ہی ہم دونوں گاڑی میں پولیس اسٹیشن جا پہنچے۔ میں نے گاڑی پارکنگ لاٹ میں روکی اور نیل کو مخاطب کیا "ہم نے ایک پہلو پر غور نہیں کیا۔"

"اب تم میرا ارادہ تبدیل کرانے کی کوشش نہ کرنا" نیل فوراً بولا۔

"میں تمہارا ارادہ تبدیل نہیں کرا رہا..." میں نے تیزی سے کہا "میں تو صرف ایک اہم نکتے کی طرف تمہاری توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ہمیں پولیس سے بات کرنے کے لیے کسی وکیل کو ساتھ لے کر آنا چاہیے تھا۔ عین ممکن ہے ہمارے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے جو ہمارے حق میں نقصان دہ ثابت ہو۔"

نیل نے ایک لمحے سوچا پھر بولا "نہیں۔ ہم کسی وکیل کو ساتھ لے کر نہیں جائیں گے۔ وکیل ساتھ ہوگا تو یوں لگے گا جیسے ہم کچھ چھپا رہے ہیں اور چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

تھوڑی سی مزید بحث و تمحیص کے بعد آخر ہم وکیل کا خیال چھوڑ کر ایک نئے عزم کے ساتھ پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئے۔ ورزشی جسم کا ایک گنجا باوردی پولیس آفیسر استقبالیے پر موجود تھا۔

"ہم کسی سراغرساں سے ملنا چاہتے ہیں" میں نے کہا۔

"کیا آپ کو کسی جرم کی رپورٹ کرنی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"وہ... ہاں..." میں نے ذرا گڑبڑا کر جواب دیا۔

"جرم کی نوعیت کیا ہے؟" اس نے جاننا چاہا۔

میں نے جواب دینا چاہا لیکن آواز نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ مجھے ایک بار پھر خیال آگیا تھا کہ رپورٹر کس طرح اس معاملے کے بخیے اُدھیڑیں گے۔ میری بیوی اور بچوں کے ذہن پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ایک شخص کو تہ خانے میں لے جانا... ستون سے باندھنا... پھر حادثاتی انداز میں اس کا ہلاک ہو جانا... اور پھر اس چکر کی وجہ سے ہمارے دو عزیز دوستوں کا اپنی جان سے ہاتھ دھونا... کیا ہم ان سارے معاملات کے الجھاؤ اور اثراتِ مابعد کا سامنا کر سکتے تھے؟

پولیس آفیسر کے سوال کا جواب نیل نے دیا "ہمیں توڑ پھوڑ کے ایک واقعے کی رپورٹ کرنی ہے۔"

"توڑ پھوڑ...؟" آفیسر نے دہرایا "اس کے لیے آپ کو سراغرساں سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو ایک فارم دیتا ہوں۔ صرف اسے پُر کر دیں" اس کی ناگوار مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ سمجھ چکا تھا ہم نے اصل بات کے بارے میں اپنا ارادہ تبدیل کر لیا تھا۔

"ٹھیک ہے... ہم اسے گھر سے پُر کر کے لے آئیں گے" نیل نے فارم لیتے ہوئے کہا آفیسر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اب بھی بڑے غور سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم جلدی سے باہر آگئے۔

"توڑ پھوڑ...!" میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے دہرایا۔

"میں فی الحال اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا" نیل تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔

"لیکن میں کرنا چاہتا ہوں" میں نے کہا۔

"تو پھر تمہیں اندر بات کرنی چاہیے تھی۔ وہاں تو تمہاری زبان کو بھی تالا لگ گیا تھا... اور... اور میں بھی حوصلہ ہار بیٹھا" اس کے لہجے میں ندامت تھی۔ میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

چند لمحے کی خاموشی کے بعد نیل بولا "آج رات ہم ویپائر کے ٹھکانے پر چلیں گے۔"

"کیا کرنے؟" میں نے جاننا چاہا۔

"ہم اس سے پوچھیں گے اسے کتنی رقم چاہیے؟"

"کس سلسلے میں؟" میں نے دریافت کیا۔

"میرا مقصد ہے کہ وہ کچھ رقم لے لے اور ہمارا پیچھا چھوڑ دے"

سچی بات یہ تھی کہ میں خود اسی نہج پر سوچ رہا تھا لیکن یہ بات میری زبان پر نہیں آسکی تھی۔ ہم اس بدمعاش کو خوفزدہ نہیں کر سکے تھے لیکن اس نے ہمارے کس بل نکال دیے تھے۔ وہ ہم پر نظر رکھنے... موقع ملتے ہی وار کرنے... ہمیں خوفزدہ اور کوئی بھی پُرتشدد کارروائی کرنے کے معاملے میں ہم سے کہیں آگے تھا۔

"ہمارے پاس یوں پھینکنے کے لیے زیادہ رقم نہیں ہے" میں نے کہا۔ میں نیل کے حالات سے بھی بے خبر نہیں تھا۔

"شاید وہ زیادہ رقم کا مطالبہ ہی نہ کرے۔ اس قسم کے لوگ زیادہ اونچے درجے کے بدمعاش نہیں ہوتے" نیل نے خیال ظاہر کیا۔

"وہ کم از کم اتنے اونچے درجے کا بدمعاش ضرور ہے کہ دو قتل کر کے انہیں حادثاتی موت ظاہر کر چکا ہے" میں نے تلخی سے کہا۔

"ہاں... تمہارا یہ نکتہ قابلِ غور ہے" نیل نے تسلیم کیا۔

"میرا دل تو نہیں مان رہا کہ ہم اسے رقم دینے کی بات کریں" میں نے کہا

"تو پھر تمہارے پاس کوئی اور بہتر تجویز ہے؟"

ظاہر ہے، میرے پاس کوئی تجویز نہیں تھی۔

○☆○

اس روز فون پر جین سے میری تقریباً ایک گھنٹے بات ہوتی رہی۔ درحقیقت اس نے محض فون پر گفتگو سے محسوس کر لیا تھا کہ میں ان دنوں کسی قسم کے ذہنی تناؤ کا شکار تھا۔ مجھے اس کو باب اور مائیک کی اموات کے بارے میں بتانا پڑا۔ میں انہی کو اپنی پریشانی کی وجہ قرار دے سکتا تھا۔

"اوہ... یہ سن کر تو بہت افسوس ہوا...!" جین رنجیدہ لہجے

میں بولی "ان کی بیویوں اور بچوں کا تو صدمے سے برا حال ہوگا۔"

"ہاں.... صدمہ تو اپنی جگہ ہے.... لیکن پھر بھی انہوں نے بہت حوصلے سے اس کا سامنا کیا ہے" میں نے بتایا۔

"اگر تم کہو تو میں بچوں کو لے کر جلدی گھر آجاؤں؟" جین نے پوچھا۔

"نہیں.... اس کی ضرورت نہیں.... اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا.... اب ہم ان بے چاروں کے لیے کیا کر سکتے ہیں...." اور پھر غیر ارادی طور پر میری آواز حلق میں اٹک گئی۔

جین کو احساس ہوگیا کہ میں رو رہا تھا۔ وہ تشویش زدہ لہجے میں بولی "تم کہو تو میں آجاتی ہوں ڈارلنگ! میں کم از کم تمہیں تو حوصلہ دے ہی سکتی ہوں۔"

"نہیں.... نہیں.... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ایک آدھ دن میں مزید ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"اپنا دھیان کسی اور طرف لگانے کی کوشش کرو" جین نے محبت سے مشورہ دیا۔

اس شام میں نے اپنے بینک اکاؤنٹ اور دیگر بچتوں وغیرہ کا حساب کتاب دیکھا۔ میں اندازہ لگا رہا تھا کہ میں اس خبیث سے پیچھا چھڑانے کے لیے کتنی رقم دینے کا متحمل ہو سکتا تھا؟ مجھے اپنے پاس کل پانچ ہزار ڈالر کی گنجائش نظر آئی۔ یہ رقم بھی میں نے کئی ضروری کاموں کے لیے رکھی ہوئی تھی جن میں بچوں کو کالج میں داخل کرانا بھی شامل تھا۔ یہ میری خون پسینے کی کمائی تھی اور میرے لیے بہت بڑی رقم تھی۔

مسئلہ یہ تھا کہ نیل بھی اس میں حسب استطاعت رقم ملا دیتا' تب بھی ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ کل رقم 'ڈیمانڈ' کے لیے قابل قبول ہوگی یا نہیں؟

شام ڈھلے نیل آن پہنچا اور ہم کچن میں جا بیٹھے۔ ڈرنکس تیار کر کے ہم نے مالی معاملات پر بات شروع کی۔ اس نے بتایا کہ وہ چھ ہزار ڈالر کا بندوبست کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

"میرے پاس پانچ ہزار ڈالر ہیں" میں نے بتایا۔

"گیارہ ہزار ڈالر اس منحوس نے اپنی زندگی میں کبھی یک مشت نہیں دیکھے ہوں گے" نیل بولا۔

"اور اگر وہ خبیث رقم لینے کے کچھ عرصے بعد مزید لینے آگیا؟" میں نے خدشے کا اظہار کیا۔

"میں نے بھی اس امکان پر غور کیا تھا" نیل بولا "پہلی بات تو یہ کہ ہم بہت سختی سے اس پر واضح کر دیں گے کہ اسے مزید رقم نہیں ملے گی کیونکہ مزید رقم کا بندوبست کرنا ہمارے بس کی بات ہی نہیں ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ میں نے کچھ امید افزا اندازے قائم کیے ہیں۔ ایک تو یہ شخص چور' نقب زن اور نہ جانے کیا کچھ ہے۔ جس قسم کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کا بھی ہم مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اس قسم کے لوگ عموماً ایڈز کے مریض بھی ہوتے ہیں۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ دوبارہ ہمارے پاس آنے سے پہلے ہی وہ مرکھپ چکا ہوگا۔"

"بہت دور کی کوڑی لائے ہو تم....!" میں نے کہا "لیکن تم سے متفق ہونے میں ہی میرے لیے بھی عافیت ہے...." پھر مجھے ایک خیال آیا "اور اگر پہلی مرتبہ ہی گیارہ ہزار ڈالر اس کے لیے ناقابل قبول ہوئے تو....؟"

"ایسا نہیں ہو سکتا" نیل وثوق سے بولا "گیارہ ہزار ڈالر دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔"

نو بجنے کو تھے۔ ہم دونوں 'دل مضبوط کر کے یہ مہم سر کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

○☆○

پچھلی مرتبہ کی طرح اس بار بھی ہم نے بلڈنگ پر دونوں طرف سے نظر رکھی۔ میں پچھلے احاطے میں چلا گیا۔ اور نیل سامنے کی طرف رہا۔ ہم نے آدھی رات تک انتظار کیا۔ اس وقت تک ان گھروں سے سنائی دینے والا شور شرابا کچھ کم ہوگیا تھا لیکن مکمل طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔ کہیں ریپ میوزک کی چیخ پکار گونج اٹھتی تھی۔ کہیں بچہ رونے لگتا تھا۔ کہیں کوئی ماں چیخنے لگتی تھی۔ بے پردہ کھڑکیوں کے شیشوں سے ٹی وی کی اسکرین جھلملاتی دکھائی دے جاتی تھی۔

آخر کار مقررہ وقت پر میں نے دھیرے دھیرے ہنگامی زینے پر چڑھنا شروع کیا۔ ہم نے پہلے اپنے ساتھ پستول لانے کا سوچا تھا لیکن پھر اس ارادے پر عملدرآمد نہیں کیا۔ ہم دونوں کے پاس لائسنس نہیں تھے۔ اگر راستے میں کسی وجہ سے کوئی پولیس والا ہمیں روک لیتا اور تلاشی لے لیتا تو ہمارا پروگرام دھرا رہ جاتا اور ہم حوالات پہنچ جاتے۔ میری جیب میں صرف ایک فلیش لائٹ تھی۔

زنگ آلود آہنی زینے پر چڑھتے ہوئے میں خود کو خوفزدہ محسوس کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی میری یہ بھی خواہش تھی کہ جس کام کے لیے ہم آئے تھے وہ جلد از جلد نمٹ جائے۔ یعنی ڈیمانڈ رقم لے لے اور ہماری جان چھوڑ دے۔

میں سیکنڈ فلور کی پچھلی ٹیرس پر پہنچا تو فرش مجھے ٹوٹے پھوٹے کھلونوں اور چھوٹی چھوٹی کھوپڑیوں سے ڈھکا نظر آیا۔ مجھے کم از کم توقع یہی تھی کہ وہ کتے بلیوں کی کھوپڑیاں ہوں گی' انسانی بچوں کی نہیں۔

پچھلی ٹیرس پر مطلوبہ اپارٹمنٹ کا پچھلا دروازہ کھلا نظر آرہا تھا۔ اور ملگجی چاندنی اندر جہاں تک پہنچ رہی تھی وہاں تک بیئر کے خالی ڈبے برگر اور دیگر فاسٹ فوڈ کے مڑے تڑے ڈبے' لفافے اور اسی قسم کا دوسرا کاٹھ کباڑ بکھرا نظر آرہا تھا۔ ایک کاؤچ اور کرسی بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اگلے دروازے پر ایک چوہے کی دو ننھی ننھی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

میں ساکت کھڑا کوئی آہٹ' کوئی آواز سننے کی کوشش کرتا رہا لیکن کچھ سنائی نہ دیا۔ تب میں پنجوں کے بل آگے بڑھا۔ میں نے

فلیٹ کے سامنے والا دروازہ کھول دیا اور نیل دبے قدموں اندر آگیا۔ بدبو کی وجہ سے اس نے منہ بنایا۔

دس منٹ میں نہایت آہستگی اور احتیاط سے ہم نے پورے فلیٹ کی تلاشی لے ڈالی لیکن وہاں ہمیں کوئی نہ ملا۔ اندر بھی بدبو تھی اور باہر اس سے زیادہ تھی۔ وہاں رک کر ریپائر کا انتظار کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ گھٹن اور بدبو کی وجہ سے ہم خود کو بیمار محسوس کررہے تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ نیل کی گاڑی پچھلی گلی میں لے چلیں اور اس میں بیٹھ کر ریپائر کی واپسی کا انتظار کریں۔

ہم نے اس ارادے پر عمل کیا اور گاڑی پچھلی گلی میں لاکر اسی میں بیٹھے رہے۔ وقت گزاری کے لیے ہم نے چپٹی چپٹی دو چھوٹی بوتلیں نکال لیں اور چسکیاں لینے لگے۔

ہمارا اعصابی تناؤ کافی حد تک دور ہوچکا تھا جب اچانک مجھے کچھ یوں لگا جیسے کوئی میزائل گاڑی کی ونڈ اسکرین سے آ ٹکرایا تھا۔ ونڈ اسکرین میں مکڑی کا جالا سا بن گیا۔ پے در پے ویسے ہی دو تین دھماکے اور ہوئے۔ حتیٰ کہ گاڑی کا پچھلا شیشہ بھی مکڑی کے جالوں میں تبدیل ہوگیا۔

خوش قسمتی یہ تھی کہ میں اور نیل محفوظ تھے۔ ہم دونوں ڈیش بورڈ کی آڑ میں جھک گئے۔ میری بوتل میری گود میں گر کر الٹ چکی تھی اور میرے کپڑوں کو بھگو رہی تھی۔ کئی سیکنڈ بعد مجھے احساس ہوا کہ میں اور نیل بے اختیار دہشت زدہ انداز میں چیخ رہے تھے۔ نیل کے پاس تو جھکنے کے لیے جگہ بھی بہت کم تھی کیونکہ وہ اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے پھنسا ہوا تھا۔

آخر ہم نے اپنے آپ کو سنبھالا اور چیخنا بند کیا۔ یہ احساس خاصا اطمینان بخش تھا کہ ہمیں ابھی تک کوئی گولی نہیں لگی تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ فائرنگ کرنے والا گلی میں کچھ آگے کوڑے دان کے آس پاس کہیں تھا۔

میں نے نیل سے کہا "تم اسی طرح سر جھکائے جھکائے گاڑی دوڑاتے ہوئے اس مردود پر چڑھادو... کیا تم ایسا کرسکتے ہو؟"

"کوشش کرکے دیکھتا ہوں" وہ بولا۔

اس نے سر نیچا رکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی اور یکدم آگے بڑھائی۔ بیوک اندھیرے سے نکل کر مست ہاتھی کی طرح لہراتی ہوئی گلی میں دور تک چلی گئی۔ نیل نے ہیڈ لائٹس آن نہیں کی تھیں۔ مجھے احساس ہوا کہ گاڑی کے حرکت میں آتے ہی فائرنگ بند ہوگئی تھی۔

میں نے احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ذرا سر اونچا کرکے آگے دیکھنے کی کوشش کی۔ جال در جال اسکرین کے پار کچھ دیکھنا مشکل تھا لیکن ایک سوراخ سے مجھے باہر کا کچھ منظر نظر آیا۔

"میرا خیال ہے وہ غائب ہوگیا ہے" میں نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ اس نے ہیڈ لائٹس آن کردیں... اور تب ہم نے اسے دیکھا۔

وہ ہم سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر گلی کے وسط میں موجود تھا۔ یوں تو اس کا پورا وجود ہی کچھ غیر انسانی سا دکھائی دے رہا تھا لیکن ہیڈ لائٹس کی زد میں اس کی آنکھیں تو کچھ زیادہ ہی غیر انسانی انداز میں چمکتی دکھائی دیں۔ ایک لمحے کے لیے وہ آنکھیں مجھے نقرئی نظر آئی تھیں۔ ہم اب زیادہ بہتر طور پر گولیوں کی زد میں تھے اور گاڑی فوری طور پر واپس بھی نہیں موڑی جاسکتی تھی۔

اس نے ایک بار پھر فائر کیا۔ ونڈ اسکرین کا کچھ بچا کھچا حصہ ٹوٹ گیا۔ ہم پھر جھک گئے۔ اس نے مزید دو گولیاں چلائیں۔

"کچل دو... اسے کچل دو..." میں نے چیخ کر کہا۔

نیل نے شاید ایکسیلی ریٹر فرش سے لگادیا۔ گاڑی غرا کر بری طرح لہراتی ہوئی آگے بڑھی مگر مزید گولیوں نے ہمارا استقبال کیا۔ اب تو گاڑی کی کھڑکیوں کے شیشے بھی ٹوٹ گئے تھے۔ گولیاں بونٹ پر، چھت پر اور نہ جانے کہاں کہاں لگ رہی تھیں۔

میں دیکھ تو نہیں سکا لیکن میں نے محسوس کیا کہ گاڑی اس سے ٹکرائی تھی۔ شاید وہ ہمیں ہلاک کرنے کے جنون میں اس بری طرح مبتلا تھا کہ اس نے سامنے سے ہٹنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ میں نے سر ذرا اٹھا کر دیکھا۔ اس وقت تک نیل بھی سیدھا ہوگیا تھا۔

گاڑی نے اسے بری طرح اچھال دیا تھا اور وہ اس طرح ایک گیرج کے آہنی دروازے سے ٹکرایا تھا جیسے کسی بچے نے کھلونا پھینک مارا ہو۔ وہ گھاس پر آن گرا اور اس کا مڑا تڑا سا جسم وہیں ساکت رہا۔ نیل نے ہیڈ لائٹس آف کردیں اور گاڑی روکی۔ ہم اتر کر دوڑتے ہوئے واپس اس تک پہنچے اور اس کا جائزہ لیا۔

اس کی ایک سفید پسلی خون میں لتھڑی سینے سے باہر جھانک رہی تھی۔ ایک ٹانگ عجیب و غریب زاویے سے دہری ہوگئی تھی اور اس کی ہڈی بھی جسم سے باہر جھانک رہی تھی۔ اس کے ناک منہ، کانوں... وغیرہ سے خون اُبل رہا تھا۔ وہ ایک ہولناک منظر تھا۔

میں نے فلیش لائٹ آف کرتے ہوئے کہا "ہماری رقم بچ گئی ہے۔ یہ مرچکا ہے۔ معاملہ ختم ہوگیا۔"

"ہمیں فوراً یہاں سے نکل لینا چاہیے" نیل بولا۔

میں اس سے متفق تھا۔ ہم فوراً وہاں سے نکل لئے۔

○☆○

ایک ماہ بعد... جب کہ موسم خزاں کی آمد آمد تھی، میں نے اور جین نے شادی کی بارہویں سالگرہ منائی۔ ہم گاڑی میں لیک جنیوا پہنچے اور ہوٹل میں ٹھہرے۔ دو دن کے لیے ہم نے ایک بوٹ بھی کرائے پر لے لی۔ چور والا قصہ شروع ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ میں کچھ خوش تھا اور اپنے اعصاب کو پرسکون محسوس کررہا تھا۔

اس دوران نیل سے میری ملاقات بہت کم ہوئی تھی۔ شاید میں لاشعوری طور پر اس سے کترانے لگا تھا۔ اسے دیکھ کر کچھ بھیانک دنوں کی یادیں تازہ ہونے لگتی تھیں۔ میں نے کوئی نئے دوست بھی نہیں بنائے تھے اور ہر ویک اینڈ پر تاش کھیلنا بھی اتنے

سے دنوں میں ہی گویا ایک بھولی بسری سی روایت بن گئی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو کام اور فیملی تک محدود کرلیا تھا۔ میں اور میری بیوی بچے بڑے خوش خوش جھیل سے واپس آئے۔

ایک روز نیل کا فون آیا "میرا خیال ہے ہمیں پھر اکٹھے ہونا چاہیے ایرن! ہمیں اب ان برے دنوں کو بھول جانا چاہیے۔"

"ہاں.... تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

"میری بیوی اور بچیاں آج ایک فیشن شو میں جارہے ہیں۔ میرا سوئمنگ پول تمہارا منتظر ہے۔ اس کے کنارے بیٹھ کر کچھ بیئر پئیں گے اور کچھ تیراکی کریں گے" نیل بولا۔

نیل کو ایک بار اپنی کمپنی سے بڑا بونس ملا تھا تو اس نے اپنے گھر میں سوئمنگ پول بنوالیا تھا۔ اس نے گویا مجھے چھیڑنے کے لیے پوچھا "تمہیں تیرنا آتا ہے نا؟"

"تمہیں خود کون سا تیرنا آتا ہے جو مجھ سے پوچھ رہے ہو" میں نے کہا اور ہم دونوں نے بیک وقت قہقہہ لگایا۔

○☆○

میں تین بجے کے قریب نیل کے گھر پہنچا۔ گاڑی ڈرائیو وے میں کھڑی کرکے میں لکڑی کے بغلی گیٹ تک پہنچا۔ یہاں سے چھوٹا سا راستہ سوئمنگ پول کی طرف جاتا تھا۔

نیل مجھے دور سے ہی نظر آگیا.... اور حیرت کی بات یہ ہے کہ میں فوری طور پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرسکا۔ بس اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔

وہ سوئمنگ پول میں اوندھا تیر رہا تھا۔ تیراکی کے لباس میں اس کا جسم پیلا پیلا سا لگ رہا تھا۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ میرے دوسرے دونوں دوستوں کی طرح اس کی موت بھی حادثاتی قرار پائے گی۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ نیل کی بیوی سارہ اور اس کی بچیاں واپس آئیں تو گھر کے سامنے اچانک ایمبولینس اور پولیس کاریں وغیرہ دیکھ کر زیادہ پریشان ہوں۔ اس لیے میں نے انہیں مطلع کردینا ہی بہتر سمجھا۔ میں نے اپنے موبائل فون کے ذریعے اس کلب سے رابطہ کیا جہاں وہ فیشن شو میں شرکت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔

سارہ یہ خبر سن کر فون پر ہی بری طرح رونے لگی۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے کیا کہوں' کس طرح اسے تسلی دوں۔ ایسے موقعوں پر میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دور سے ایمبولینس کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

میں اپنی گاڑی میں بیٹھا اپنے موبائل فون پر بات کررہا تھا۔ میں نے فون بند کیا اور گاڑی سے اترنے کا ارادہ کررہا تھا کہ اس کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ایک بار پھر فون کان سے لگایا۔

دوسری طرف سے ایک سرسراتی سی آواز سنائی دی "اس رات تمہارے گھر میں دو نہیں' تین چور آئے تھے مسٹر ایرن! میں تیرا ہوں.... اور ابھی زندہ ہوں۔ اب میرے کچھ کرنے کی باری ہے۔ مسٹر ایرن تیار رہنا۔"

سلسلہ منقطع ہوگیا۔ میں ساکت بیٹھا رہ گیا۔ میرے جسم سے دھیرے دھیرے پسینہ پھوٹ رہا تھا!

○☆○

وہ جو کوئی بھی ہے' اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ چوہے بلّی کا کھیل کیسے کھیلا جاتا ہے۔

وہ کافی دنوں کے بعد رات گئے فون کرتا ہے۔ اس دوران یہ امید میرے دل میں سر اٹھانے لگتی ہے کہ شاید اس نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے اور کہیں چلا گیا ہے.... لیکن پھر کسی رات فون کی گھنٹی بج اٹھتی ہے۔ وہی خاموش فون....! اسے معلوم ہے کہ اس کی خاموشی الفاظ سے زیادہ اعصاب شکن ثابت ہوتی ہے۔

میں نے پولیس کے پاس جانے کے بارے میں بھی سوچا ہے لیکن اب بہت تاخیر ہوچکی ہے۔ بہت ہی زیادہ تاخیر....!

میں جین اور بچوں سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم کسی اور شہر چلتے ہیں لیکن پھر میں سوچتا ہوں' ایک بار اسے میرے تمام کوائف معلوم ہوچکے ہیں۔ اس کے لیے مجھے دوبارہ تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔

چنانچہ میں اب صرف مناسب وقت کا انتظار کرسکتا ہوں۔ شاید کبھی قسمت اس طرح میرا ساتھ دے جس طرح پہلے اس نے میرا اور نیل کا ساتھ دیا تھا جب ہم چور کے دوسرے ساتھی کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ شاید اس کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہو لیکن یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ....؟

آج رات مجھے نیند نہیں آرہی!

یہ کرسمس کی رات ہے! میں اور جین گیارہ بجے تک تحفے پیک کرتے رہے تھے۔ اس نے آج ایک بار پھر مجھ سے پوچھا تھا کہ آخر بات کیا ہے؟ میں کیوں بدل سا گیا ہوں؟ مجھ میں محبت اور گرم جوشی کیوں نہیں رہی؟ میں اب اتنے اتنے دنوں تک اس کی قربت کا طالب کیوں نہیں ہوتا؟ اور مجھے ڈراؤنے خواب بھی آنے لگے ہیں۔ اس وقت میں اپنے چھت والے کمرے میں ہوں۔ میں کھڑکی میں کھڑا برف گرتے دیکھ رہا ہوں۔

میرے عقب میں تاش کی میز کے گرد چار کرسیاں رکھی ہیں۔ چاروں خالی ہیں۔ ان میں سے تین پر بیٹھنے والے اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔

میں گردن موڑ کر ان کرسیوں کو دیکھتا ہوں۔ میری چوتھی کرسی پر بیٹھنے کی ہمت نہیں پڑتی۔

میں بس انتظار کرتا رہتا ہوں۔

انتظار کرتا رہتا ہوں....

فون کی گھنٹی بجنے کا....!

THERE IN THE DARKNESS
ED GORMAN



صلۂ بے وفائی

نجمہ مودی

اس عورت کا قصہ جس کے شوہر کو قتل کر دیا گیا تھا لیکن قاتل کے سلسلے میں اُس کا خیال تھا کہ وہ بے قصور ہے۔ اپنی فطری رحم دلی کے سبب وہ اُسے سزائے موت سے بچانا چاہتی تھی لیکن اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ اُس کا شوہر ہلاک ہونے کے دو روز بعد ایک بڑی رقم کا مالک بننے والا تھا اور اس کے قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی۔

مغرب سے تازہ تر درآمد۔ سُراغ رسی کی ایک پُرتجسس اور دلچسپ کہانی

شیرون کو آخری مرتبہ میں نے اس کی شادی پر پانچ سال پہلے دیکھا تھا اور اس وقت کی جو یاد میرے ذہن میں تھی' اب وہ اس سے بہت مختلف تھی۔ وہ خوبصورت' خوش ادا اور پُرنخوت عورت کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی جسے میں جانتا تھا۔ لمبے سیاہ اور گھنگریالے بال یقیناً کافی عرصے سے توجہ اور نگہداشت سے محروم تھے۔ کسی یونانی دیوی کی طرح تراشیدہ سا چہرہ اب کچھ پھولا پھولا سا دکھائی دے رہا تھا اور اس پر جھائیاں بھی نمودار ہو چکی تھیں۔

دودھیا سی رنگت میں اب کچھ مٹیالاپن سا آگیا تھا۔ گزرے وقتوں کی نشانیوں میں سے صرف ایک چیز باقی رہ گئی تھی اور وہ تھی اس کی آنکھوں میں کسی بے عنوان سے جذبے اور گرمجوشی کی چمک۔ مگر اب وہ بھی بات چیت کے دوران میں بار بار معدوم ہو جاتی تھی۔

گزرتے ہوئے ماہ و سال اور زندگی کی ناہمواریاں بھی انسان کی شخصیت پر اپنے بدنما نقشِ قدم چھوڑ جاتی ہیں لیکن کثرتِ شراب نوشی تو اس عمل کو کچھ زیادہ ہی تیز کر دیتی ہے۔ شخصیت کی

جو خوبصورت عمارت دس بیس برسوں میں تباہ ہونی ہو وہ پانچ سات برسوں میں ہی ہو جاتی ہے۔ مجھے معلوم تھا اس کا یہ حال کثرت شراب نوشی نے کیا تھا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ نیلسن سے شادی سے پہلے وہ شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی۔ اسے دیکھ کر بزرگوں کے اس دعوے پر یقین کرنا پڑ رہا تھا کہ بُری صحبت بہرحال اپنے اثرات رکھتی ہے۔

نیلسن کی شراب نوشی کا تو یہ عالم تھا کہ جب وہ پیدا ہوا ہوگا تو شاید اس نے سب سے پہلے ماں سے یہی پوچھا ہوگا "پینے کو کچھ ہے مم؟"

میں نے سُنا تھا کہ شیرون نے کچھ زیادہ ہی جلدی اس کی صحبت کا اثر قبول کر لیا تھا اور بہت ہی کم وقت میں اس سے بھی کچھ آگے نکل گئی تھی۔ بعض لوگ خشک لکڑی کی طرح ہوتے ہیں۔ بہت جلد آگ پکڑ لیتے ہیں.... لیکن اس میں بہرحال آگ کا بھی ایک کردار تو تھا۔

اپنے شوہر کی طرح اس نے بھی شاید کئی بار شراب نوشی ترک کرنے کی کوشش کی تھی.... لیکن پھر نیلسن قتل ہو گیا تھا۔ اس قسم کے المیے کے بعد ایک ایسی عورت بوتل سے کیونکر دور رہ سکتی تھی جسے پہلے ہی اس سے پیچھا چھڑانے میں سخت دشواری پیش آ رہی ہو۔

اس نے فون کر کے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ لنچ کرنا چاہتی تھی۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی تھی۔ اگر وہ شوہر کی ناگہانی موت پر مجھ سے ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی تو اس کی یہ توقع فضول تھی۔ میں اس سے اظہارِ ہمدردی نہیں کر سکتا تھا۔ میں منافق نہیں تھا۔ یہ بات اسے بھی معلوم تھی۔ میں ایسے لوگوں پر اپنی ہمدردیاں ضائع نہیں کرتا تھا جو اپنے لیے خود مصائب خریدتے تھے۔ ان کی نسبت ایسے لوگوں کے لیے اپنی ہمدردیاں بچا کر رکھنا میں زیادہ بہتر سمجھتا تھا جو ناگہانی مصائب کا شکار ہو جاتے تھے۔ لیکن اس میں ان کی اپنی کوئی غلطی نہیں ہوتی تھی۔

بہرحال شیرون کی ننھی سی خواہش کو رد کرنا بھی میرے اختیار میں نہیں تھا۔ میں نے اسے لنچ پر مدعو کر لیا تھا اور اس وقت ہم ایک ریستوران میں بیٹھے تھے۔ اس نے کافی کا کپ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اگر وہ ایک ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاتی تو شاید ہاتھ میں کپکپاہٹ آ جاتی اور وہ یقیناً نہیں چاہتی تھی کہ میں اس کے ہاتھ میں کپکپاہٹ دیکھوں۔

"نیلسن کے قتل کے معاملے میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" وہ بولی "واقعہ اس طرح نہیں ہے جس طرح بیان کیا جا رہا ہے۔ اب مجھ سے یہ مت پوچھنا کہ مجھے یہ بات کیسے معلوم ہے۔ بس.... میں محسوس کر سکتی ہوں۔ میں اور نیلسن ایک دوسرے کے بارے میں محسوس کر لیا کرتے تھے کہ دوسرا اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔ جہاں انتہائی قربت ہو صرف وہاں یہ خاصیت پیدا ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے تم نے کبھی کسی سے اتنی قربت محسوس نہیں کی ہوگی؟"

"نہیں" میں نے اعتراف کیا۔

"تم ہمیشہ سے ٹھنڈے مزاج کے اور غیر جذباتی انسان رہے ہو۔ شاید اسی لیے تم اپنے پیشے میں کامیاب ہو" وہ کافی کا گھونٹ بھرے بغیر کپ واپس رکھتے ہوئے بولی "بہرحال.... نیلسن نے اپنی زندگی کے آخری لمحے میں جو کچھ محسوس کیا ہوگا وہ میں بھی محسوس کر سکتی ہوں۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ جس لڑکے کو اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے اس نے اسے قتل نہیں کیا۔ تمہیں شاید یہ کچھ عجیب اور مضحکہ خیز سی بات لگے کہ مقتول کی بیوہ خود کہہ رہی ہے کہ جس نوجوان کو اس کے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے وہ قاتل نہیں ہو سکتا.... اور اس دعوے کی بنیاد محض ایک معمولی سا' بے عنوان سا احساس ہو۔ کہیں میں پاگل تو نہیں ہو گئی ہوں؟"

"عین ممکن ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھو.... اے پرانے دوست!" وہ افسردہ سے انداز میں مسکرائی "اگر تم سچ سننا نہیں چاہتے تو مجھ سے سچ کی فرمائش بھی مت کرو۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہوں بالکل سچ سچ کہوں.... اور میرا سچ یہی ہے جو میں بتا رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں تم اس معاملے کو دیکھو۔ اگر تم مجھ سے کہہ دو گے کہ میں غلط سوچ رہی ہوں' غلط محسوس کر رہی ہوں.... تو میں مان لوں گی کہ ہاں' میں غلط ہوں۔ میرے دل کو قرار سا آ جائے گا۔ اطمینان ہو جائے گا۔ یہ جو میرے اندر ایک خلش سی ہے جو مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی' یہ دور ہو جائے گی۔ صرف تمہاری زبان سے یہ سن کر مجھے صبر آ سکتا ہے۔"

پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور اسی افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "لیکن مسئلہ یہ ہے جونی.... کہ میں بالکل قلاش ہوں۔ میں تمہیں کوئی فیس نہیں دے سکتی۔ قتل سے کچھ عرصے پہلے تک نیلسن کثرت شراب نوشی کے علاج کے لیے خصوصی اسپتال میں داخل رہا تھا۔ جب سے انہوں نے اسے اسپتال سے رخصت کیا تھا تب سے وہ ایک جنرل اسٹور میں رات کی شفٹ میں کام کر رہا تھا اور میں ایک سردے کمپنی میں کمپیوٹر آپریٹر کے طور پر کام کر رہی تھی۔ کمپنی ہر روز مجھے کسی بھی نئی جگہ پر بھیج سکتی تھی۔ جہاں بھی ان کا کام چل رہا ہوتا تھا مجھے وہاں جانا پڑتا تھا۔ مشکل نوکری تھی لیکن میں نبھا رہی تھی کیونکہ ہمارا بال بال قرضے میں جکڑا ہوا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ نوکری پھر بھی پکی نہیں تھی۔ چھوٹ گئی۔"

پھر وہ سر جھٹک کر بولی "اچھا.... یہ بتاؤ کیا سراغرساں' وکیلوں کی طرح عدالتی کارروائی میں بھی حصہ لیتے ہیں؟"

"کم از کم میں نہیں لیتا" میں نے جواب دیا "بہرحال یہ بات اہم نہیں ہے اور نہ ہی یہ جاننا اہم ہے کہ تمہارے شوہر کو کس نے

قتل کیا کیونکہ اس سے نہ تو تمہارے حالات میں کوئی فرق پڑے گا اور نہ ہی تمہارا کوئی مسئلہ حل ہوگا۔ اہم بات یہ ہے کہ نیلسن مرچکا ہے اور تم مشکلات میں گھری ہوئی ہو۔ تمہارے لیے بقا کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ بقا کے علاوہ ہر چیز تمہارے لیے ایک آسائش' ایک عیاشی ہے جس کی تم متحمل نہیں ہوسکتیں۔ تمہیں کسی سراغرساں کی خدمات کی نہیں' مدد کی ضرورت ہے۔"

میں نے کافی ختم کرکے کپ ایک طرف کھسکایا اور سلسلۂ کلام جوڑا "میں اپنے وقت میں سے چوبیس گھنٹے تمہیں دے سکتا ہوں۔ اگر تمہیں کسی قابل وکیل کی ضرورت ہے تو وہ میں مہیا کردیتا ہوں۔ وہ تمام کاغذی اور عدالتی کارروائی کردے گا۔ اگر تمہیں اچھی ملازمت کی ضرورت ہے تو میں چند جگہوں پر فون کردیتا ہوں۔ کہیں نہ کہیں' کوئی بندوبست ہوجائے گا۔ میرے ساتھ جتنے لوگوں نے بھی سیکریٹری اور معاون کے طور پر کام کیا ہے ان میں تم سب سے زیادہ قابل اور محنتی تھیں۔ اب اگر میں تمہیں کہیں اور ملازمت کے لیے بھیجوں گا تو وہاں بھی تمہیں اسی مستعدی اور وقار سے کام کرنا پڑے گا۔ وقت پر ڈیوٹی پر پہنچنا ہوگا.... اور یہ نہیں ہونا چاہیے کہ نشے میں جھومتی ہوئی پہنچ جاؤ۔ سنجیدگی سے.... صحیح طور طریقوں سے سال چھ مہینے گزار لوگی تو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوجاؤ گی اور کچھ عرصے بعد یہ آج کی باتیں بھولی بسری سی یادیں ہوجائیں گی۔"

وہ قدرے استہزائیہ سے انداز میں مسکرائی "میرا دماغ ابھی ناکارہ نہیں ہوا جونی! یہ سب باتیں مجھے بھی معلوم ہیں۔ تم ابھی تک میرے مسئلے کو نہیں سمجھ سکے جو اصل میں بالکل سیدھا سادہ سا ہے۔ اگر میں نے اس کے سلسلے میں کچھ نہ کیا تو میں گویا ہمیشہ نیلسن کی روح سے شرمندہ رہوں گی۔ میں زندگی بھر یہی محسوس کرتی رہوں گی کہ شاید وہ چاہتا تھا میں اس سلسلے میں کچھ کروں لیکن میں نے اسے مایوس کردیا۔ میں نے حقیقت کی تلاش کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا۔ ایسا کرتے ہیں.... ایک سودا کرلیتے ہیں۔ تم جس طرح کہو گے میں اسی طرح کروں گی لیکن تم وہ کردو جو میں کہہ رہی ہوں۔"

وہ گھیر گھار کر وہیں لے آئی تھی جہاں چاہتی تھی۔ چاہے وہ نشے میں مدہوش ہوتی' چاہے اس کے ذہن پر دھند چھائی ہوتی' چاہے وہ بالکل سنجیدہ اور ہوش و حواس میں ہوتی.... میرا خیال ہے حکمت عملی کے معاملے میں وہ ہر حال میں اپنے آپ کو نپولین کے کسی فوجی جنرل سے زیادہ ماہر ثابت کرسکتی تھی۔ خیر.... اگر وہ کسی بھی طرح اپنے آپ کو بوتل سے دور رکھنے پر آمادہ تھی تو میں اس کی مدد کی ہر ممکن کوشش کرنے کے لیے تیار تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے..... میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ تم جو کچھ کہہ رہی ہو میں اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر اس لڑکے نے نیلسن کو قتل نہیں کیا تو پھر کس نے کیا ہے؟"

ایسا کرو

سینما ہال میں ایک موٹے آدمی نے اپنے پیچھے بیٹھے لڑکے سے پوچھا "کیوں بھائی' تمہیں فلم صاف دکھائی دے رہی ہے یا نہیں؟"

لڑکے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں جناب' آپ کے بھاری بھرکم جسم کی وجہ سے مجھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا ہے۔"

"پھر ایسا کرو" موٹے آدمی نے اسے سمجھایا "مجھ پر نظریں جمائے بیٹھے رہو اور جب میں ہنسوں تو تم بھی ہنسنا شروع کردینا۔"

"تم سراغرساں ہو۔ یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے" اس نے بلا تامل جواب دیا۔

کچھ دیر بعد ہم نے ریستوران سے نکل کر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ وہ ہلکی ہلکی بارش میں ایک طرف چل دی۔ اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور چال کچھ غیر متوازن سی تھی۔ پانچ سال میں نیلسن نے ایک خوبصورت' ذہین اور باصلاحیت عورت کو برباد کردیا تھا جسے میں جانتا تھا۔

بارش کا ایک ٹھنڈا سا قطرہ میری گدی پر گرا اور کالر میں سے میری کمر پر پھیل گیا۔ شاید اس قطرے نے بھی میرے وجود پر گرنے کے لیے اچھے وقت کا انتخاب کیا تھا۔ میرے اندر بھی اس وقت مدھم مدھم سی بارش ہورہی تھی۔

○☆○

میں فوجداری اور دیوانی' دونوں قسم کے وکیلوں کے لیے کبھی کبھار تھوڑا بہت سراغرسی اور تفتیش کا کام کرتا رہتا تھا۔ میرے اور ان کے پیشے میں سچائی کو تھوڑا بہت دھندلا دینا تقریباً ناگزیر سمجھا جاتا تھا لیکن میں نے کبھی اس مفروضے کا سہارا نہیں لیا تھا اور ہمیشہ اپنی سچائی کو خالص ہی رکھا تھا۔ اس میں جھوٹ یا مبالغے کی آمیزش نہیں ہونے دی تھی اور نہ ہی اسے مصلحتوں کے سائے میں چھپانے کی کوشش کی تھی۔ شاید یہ میری سب سے بڑی کامیابی تھی کہ لوگ مجھ پر بھروسا کرتے تھے۔ میرے کہے ہوئے الفاظ پر یا میری نیت پر شک نہیں کرتے تھے۔ یہ تو حقیقت تھی کہ سچ بول کر کوئی زیادہ دوست نہیں بنا سکتا لیکن سچ بولنے والے کی کچھ اس قسم کی عزت ضرور بن جاتی ہے جس سے وہ اکثر دوستی جیسا ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

دوسری روز شام تک میں نے شیرون کو نیا وکیل مہیا کردیا جس کے بارے میں اسے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اس کی

فیس ادا کرسکے گی یا نہیں؟ اپنی موجودہ یا متوقع مالی حیثیت کا شیرون کو کافی حد تک اندازہ تھا۔ نیلسن اس کے لیے تفکرات کے سوا کوئی قابلِ ذکر چیز چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو صرف آج کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ کل کے بارے میں سوچنا ان کے نزدیک بہت ہی فضول بات ہوتی ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ شیرون کے لیے اس نے جو کچھ چھوڑا ہوگا۔ اس سے برانڈی کا ایک گلاس خریدنا بھی مشکل ہوگا۔

بہت سی عورتیں بہت ذہین، بہت سمجھدار ہونے کے باوجود اس قسم کی صورتِ حال میں اپنے شوہروں کے بارے میں یہ سوچتی ہیں کہ وہ جلد یا بدیر ان کی سوچ بدلنے میں کامیاب ہوجائیں گی یا پھر خود اس کمی کو کسی نہ کسی طرح پورا کرلیں گی۔ گویا انہیں پورا یقین ہوتا ہے کہ تقدیر انہیں اس کی مہلت دے گی اور اگر کبھی ان کے حالات خراب ہونے والے ہوں گے تو اس سلسلے میں انہیں پہلے سے کوئی وارننگ مل جائے گی۔

میں نے شیرون کے لیے دو جگہ ملازمت کے سلسلے میں بھی بات کی۔ دونوں جگہ انٹرویو کے لیے وقت طے ہوگیا تاہم میں نے متعلقہ افراد سے صاف کہہ دیا کہ اگر شیرون تاخیر سے پہنچے یا اس کی آنکھیں خمار آلود نظر آئیں تو وہ بلا تامل اسے باہر جانے کا راستہ دکھادیں اور کھڑے پیروں واپس بھیج دیں۔ میں اس کا بُرا نہیں مناؤں گا بلکہ اسے ایک طرح سے ان کی نوازش سمجھوں گا۔

شیرون کی کہانی میرے خیال میں لاکھوں دوسرے افراد سے مختلف نہیں تھی۔ اس نے تین سال میرے لیے کام کیا تھا۔ پھر وہ اس سے زیادہ کمانے کا ارادہ لے کر رخصت ہوگئی تھی جتنا میں اسے دینے کا متحمل ہوسکتا تھا۔ نیلسن سے شادی سے پہلے اس کی تقریباً اتنے ہی مردوں سے رسم و راہ رہی جتنے عموماً کسی بھی معقول خوش شکل امریکی لڑکی کی زندگی میں آتے ہیں۔

اس کے والدین کا انتقال ہوچکا تھا البتہ چند ایک دور پار کے رشتے دار اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی کزن، کہیں کوئی انکل.... لیکن جہاں تک ضرورت کے وقت کسی کے کام آنے کا تعلق تھا تو وہ دنیا میں اکیلی ہی تھی۔

نیلسن سے میں صرف اس کی شادی کے وقت ملا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی ایسے خاندان سے تھا جس کے پاس تھوڑی بہت دولت تھی لیکن خاندان نے اسے یا پھر اس نے خاندان کو چھوڑ رکھا تھا۔ بظاہر وہ ایک اچھا ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ عورتوں کے لیے اس میں کشش تھی اور وہ اپنے آپ کو اس سے زیادہ عقلمند اور ذہین سمجھتا تھا جتنا کہ وہ حقیقت میں تھا۔ یہ کوئی ایسی بڑی خامی نہیں تھی۔ یہ ہم میں سے اکثر میں ہی موجود ہوتی ہے۔

وہ ایک پیپر کمپنی میں منیجر قسم کی چیز تھا۔ ٹشو پیپر، ٹائلٹ پیپر اور نیپکن وغیرہ کے اسٹاک کا حساب رکھنا اس کی ذمے داری تھی۔ یہ ایک الگ شعبہ تھا اور اس کے لیے اسے چند ماتحت بھی ملے ہوئے تھے لیکن پھر ایک روز کمپنی کو احساس ہوا کہ اس کام کے لیے تو صرف ایک کمپیوٹر اور اس کا ایک آپریٹر رکھ دیا جائے تو کافی ہے۔ چنانچہ یہ شعبہ ختم کردیا گیا۔ نیلسن فارغ ہوگیا۔ اچھی بھلی تنخواہ لینے والے اس قسم کے آدمی کی کہیں بھی مانگ نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے ایک ذرا کمتر قسم کی نوکری کرلی اور ایک جنرل اسٹور میں رات کی شفٹ کا منیجر بن گیا۔ منیجر تو بس نام کا تھا۔ درحقیقت وہ ذرا باعزت قسم کا سیلز مین ہی تھا۔ شیرون ایک سروے کمپنی میں کمپیوٹر آپریٹر کے طور پر کام کرنے لگی۔ ظاہر ہے کہ شراب کے خرچ کی وجہ سے ان کے اخراجات دوسروں سے کچھ زیادہ ہی تھے۔

شیرون صرف ایک مرتبہ نیلسن کی فیملی سے ملی تھی۔ اس کے بعد ملنے کی شاید اس کی جُرات نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے شیرون کو پسند نہیں کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ نیلسن نے اپنے معیار سے گر کر شادی کی تھی۔ بہرحال شیرون نے اس بات کا بُرا نہیں منایا تھا کہ نیلسن کی فیملی نے اسے پسند نہیں کیا تھا۔ اس کے خیال میں یہ بات غیر اہم تھی۔ اہم بات صرف یہ تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ دنیا میں ان گنت لوگ اسی قسم کے جذبات اور اسی فلسفے سے متاثر ہوکر نہ جانے کتنی بڑی بڑی حماقتیں کرتے آئے ہیں۔

اب میں سوچ رہا تھا کہ کاش شیرون نے اپنے شوہر کے بارے میں تھوڑا بہت تجسس محسوس کیا ہوتا۔ اس کے خاندانی پس منظر اور اس کے عزیزوں رشتے داروں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات رکھی ہوتیں تو شاید اس کے قتل کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی۔ شیرون کے خیال میں اگر اس لڑکے نے نیلسن کو قتل نہیں کیا تھا جو گرفتار ہوا تھا تو عین ممکن تھا یہ اس کے خاندان یا پھر اس کے ماضی اور حال سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کا کام ہو۔

میں نے نیلسن کے بارے میں تمام ضروری اور غیر ضروری معلومات جمع کرکے تحریری صورت میں آرلو کے سپرد کردیں۔ آرلو ایک کمپیوٹر جینیئس تھا۔ لوگوں کی ذاتیات کے بارے میں ہر ممکن ذریعے سے، زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرنا اور انہیں کمپیوٹر میں محفوظ کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے مختلف قسم کے محکمہ جاتی کمپیوٹرز کے ریکارڈز تک بھی گھر بیٹھے رسائی حاصل کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ عین ممکن تھا کہ نیلسن کے بارے میں وہ میری کوئی خاص مدد نہ کرپاتا لیکن اس وقت میں موہوم سی اُمید کے سہارے بھی کوئی کوشش کرنے کے لیے تیار تھا۔

اسی طرح میں اپنی مدد کے لیے چند ایک ڈوریاں ہلانے کے بعد فلیانو سے ملا۔ فلیانو اس نوجوان کا وکیل تھا جسے نیلسن کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اسے یقیناً وہ تمام معلومات حاصل تھیں جو پولیس کو حاصل تھیں اور میرے لیے پولیس کی نسبت اس سے معلومات حاصل کرنا زیادہ آسان تھا۔ ظاہر ہے استغاثہ والے

ایسے کسی شخص کو تو خوشی سے معلومات فراہم نہیں کرسکتے تھے جو انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے حرکت میں آرہا تھا۔

فلیانو صاف ستھرے چہرے والا ایک نوجوان تھا جس نے شاید اپنی عمر سے بڑا اور بارعب نظر آنے کے لیے موٹی موٹی مونچھیں رکھ لی تھیں۔ اس طرح وہ اپنی عمر سے بڑا اور بارعب تو نہیں البتہ مضحکہ خیز دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ ایک ناتجربہ کار وکیل تھا اور عدالت کی طرف سے ہی ملزم کو اس کی خدمات فراہم کی گئی تھیں۔ سرکاری طور پر ملزموں کو دفاع کے لیے اسی قسم کے ناتجربہ کار وکیل فراہم کیے جاتے تھے تاکہ استغاثہ کی کامیابی کے امکانات زیادہ رہیں اور کیسوں کی تعداد کے لحاظ سے ان کی کامیابیوں کا تناسب زیادہ نظر آئے۔

میں نے فلیانو کو بتایا کہ مجھ سے نیلسن والے کیس کو کھنگالنے کی درخواست کی گئی تھی اور میں اس پر کام شروع کرچکا ہوں۔ پھر میں نے مذاق میں اس سے اپنا کام نکالنے کی غرض سے کہا "اگر تم محض خانہ پُری کے لیے ایک ڈالر رشوت دے دو تو میں تمہارے ساتھ سودے بازی کے لیے تیار ہوں۔ میں اپنا رازداری کا اصول بالائے طاق رکھ دوں گا۔ سودا یہ ہوگا کہ جو کچھ تمہیں معلوم ہوگا وہ تم مجھے بتا دو گے اور جو کچھ میں معلوم کرپاؤں گا وہ میں تمہارے گوش گزار کردوں گا۔"

"منظور ہے" وہ مسکراتے ہوئے بولا "یہ ایک ڈالر میں لاٹری کا ٹکٹ خریدنے سے کہیں بہتر ہے۔"

اس نے جیب سے ایک ڈالر نکال کر مجھے دیا اور کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا کر نہایت پُرسکون انداز میں کیس کا پس منظر مجھے بتانے لگا۔ جس رات نیلسن قتل ہوا اس رات اکیس سالہ ایک نوجوان اسٹور میں داخل ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا نام لارسن تھا۔ اس نے فریج سے بیئر کی چھ بوتلوں والا ایک پیک نکالا اور ادائیگی کرنے کے لیے کاؤنٹر پر پہنچا لیکن اس دوران میں نیلسن جو خود ایک ماہر نفسیات تھا دیکھ چکا تھا کہ نوجوان لہراتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کے قدم بُری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ اس نے ایک ایسے نوجوان کو بیئر دینے سے انکار کردیا جو پہلے ہی نشے میں دھت دکھائی دے رہا تھا۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ پارکنگ لاٹ کو بھی صحیح طرح عبور کرسکے گا یا نہیں۔ نیلسن نے بیئر کی بوتلوں کا پیک کاؤنٹر سے اٹھایا اور لے جاکر واپس فریج میں رکھ دیا۔

لارسن نے نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں نیلسن کو بُرا بھلا کہا۔ اسٹینڈز پر سجی ہوئی دو چار چیزوں کو ٹھوکریں ماریں اور دھمکی دی کہ وہ دوبارہ آئے گا اور اس سے نمٹے گا۔ اس وقت اسٹور میں دوسرے دو افراد موجود تھے جو اس امر کے گواہ تھے۔ ان میں سے ایک تو گاہک ہی تھا۔ دوسرا ایک اسٹوڈنٹ تھا جس کی خدمات اسٹور میں کچھ کاموں کے لیے پارٹ ٹائم اور عارضی طور پر حاصل کی گئی تھیں۔ وہ اس وقت شیلفوں میں چیزیں سجا رہا تھا۔ لارسن اپنے غصے اور برہمی کا اچھی طرح اظہار کرنے کے بعد لڑکھڑاتا ہوا اسٹور سے رخصت ہوگیا۔

"نیلسن نے پولیس کو اطلاع نہیں دی؟" میں نے دریافت کیا۔

"شاید کوئی بُری عادت کا مالک اپنے ہی جیسے کسی دوسرے آدمی کے بارے میں دل میں نرم گوشہ رکھتا ہے۔ ایک چور دوسرے چور کی مخبری نہیں کرتا۔ شاید اسی طرح ایک شرابی دوسرے شرابی کے بارے میں شکایت نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہوگا تو بہت ہی ناگزیر حالات میں کرتا ہوگا" فلیانو نے خیال ظاہر کیا "بہر حال نیلسن اپنی شفٹ ختم کرکے صبح چھ بجے اسٹور سے نکلا۔ اسٹور کے ملازمین اپنی گاڑیاں پارکنگ لاٹ کے دوسرے سرے پر، یعنی اسٹور کے دروازے سے تقریباً ساٹھ گز دور کھڑی کرتے ہیں۔ چنانچہ اسٹور میں سے اگر کوئی دیکھ بھی رہا ہوتا تو وہاں تک کا منظر صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ ابھی دن کا اُجالا نمودار نہیں ہوا تھا۔ نیلسن کے اسٹور سے نکلنے کے چند لمحے بعد ہی دوسرے ملازمین نے گولی چلنے کی آواز سنی۔ وہ دوڑ کر پارکنگ لاٹ میں گئے تو انہوں نے نیلسن کو اس کی گاڑی کے قریب پڑے پایا۔ گاڑی کی چابیاں اس کے ہاتھ میں تھیں اور گولی اس کے دل میں اُتر چکی تھی۔ وہ لوگ بعد میں صرف اتنا ہی بتاسکے کہ انہوں نے ایک شخص کو گہرے رنگ کی ایک کار میں بیٹھ کر تیزی سے فرار ہوتے دیکھا۔ کار کے ٹائر سڑک پر رگڑ کے گہرے نشان چھوڑ گئے تھے۔"

وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا "مزید کوئی سراغ....؟"

"کار کے بارے میں تو ظاہر ہے کوئی خاص سراغ نہیں تھا۔ اندھیرے میں سبھی گہرے رنگ یکساں دکھائی دیتے ہیں اور آج کل زیادہ تر کاروں کی ساخت بھی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے ہاتھ ٹب کو الٹا کرکے ہیڈ لائٹس لگادی گئی ہوں البتہ بھاگتے ہوئے شخص کا جو حلیہ کسی حد تک اسٹور کے دوسرے ملازموں کو نظر آسکا وہ لارسن پر ہی فٹ بیٹھتا تھا۔ وہ شکاریوں کے سے لباس اور فوجی بوٹوں میں تھا۔ یہ دو چیزیں ہی وہ لوگ کچھ صحیح طور پر دیکھ سکے تھے۔ پولیس والوں نے یہ سارا قصہ سنتے ہی دو اور چار کی طرح نتیجہ اخذ کرلیا...."

پھر اچانک فلیانو نے پوچھا "تم نے ایگل شوٹنگ کلب دیکھا ہے؟"

"ہاں۔ چند ایک مرتبہ وہاں نشانے بازی کی مشق بھی کی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہاں ایک ویک اینڈ پر نشانے بازی کا ایک خصوصی مقابلہ دن رات جاری تھا اور جائے وقوعہ سے وہ کلب زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ اس قسم کے حلیوں میں لوگ زیادہ تر وہیں پائے جاتے تھے۔ میری تو خیر آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ اس قسم کے حلیے.... یا کسی بھی خاص قسم کے حلیے سے شوقیہ نشانے بازی پر کون سے بہتر اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ بہر حال.... لوگوں کا اپنا اپنا خیال اور

اپنا اپنا شوق ہے۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ پولیس جب ایگل شوٹنگ کلب پہنچی تو لارسن وہاں موجود تھا اور ویسی ہی گن کے ساتھ نشانہ بازی کے خصوصی مقابلے میں شریک تھا جس گن کی گولی سے نیلسن ہلاک ہوا تھا۔ گولی کافی خراب ہو چکی تھی اور اسے لارسن کی گن سے میچ کر کے سو فیصد یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ گولی اسی گن سے چلائی گئی تھی لیکن بیشتر شہادتیں لارسن کے خلاف جا رہی تھیں۔ مثلاً وہ یا اس کا کوئی دوست یہ بھی وضاحت نہیں کر سکا کہ نیلسن کے قتل کے وقت وہ کہاں تھا۔ اس کی گاڑی بھی گہرے رنگ کی تھی اور گواہوں نے بھی شناخت پریڈ میں نیلسن ہی کو شناخت کیا۔ یہ درست ہے کہ اس کے خلاف تمام شہادتیں صرف واقعاتی ہیں۔ لیکن بہت سے لوگوں کو اس سے بھی کمزور بنیادوں پر سزا مل چکی ہے خصوصاً جب کہ لارسن کی فطرت اور اس کا رویہ بھی لوگوں کے ساتھ سخت خراب ہے۔ اگر اس کے بارے میں کوئی آکر یہ کہے کہ وہ بہت اچھا نوجوان ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں تو مجھے بھی سب سے پہلا شبہ یہی ہوگا کہ وہ شخص رشوت کھا کر یہ بات کر رہا ہوگا۔"

"جائے واردات سے گولی کہاں سے ملی؟" میں نے پوچھا۔

"پولیس کا خیال ہے کہ اس نے فائر اپنی گاڑی کے اندر سے ہی کیا ہوگا۔ اس لیے اگر خول گرا ہوگا تو گاڑی کے اندر ہی گرا ہوگا جو اس نے غائب کر دیا ہوگا" فلیانو نے جواب دیا۔

"اس نکتے کے تو تم عدالت میں ایک منٹ میں بخیے ادھیڑ سکتے ہو" میں نے کہا۔ "اگر اس کا ہاتھ کار کی کھڑکی سے باہر ہوتا تو خول جائے واردات پر ہی ملنا چاہیے تھا اور اگر اس نے گن والا ہاتھ گاڑی کے اندر رکھتے ہوئے ہی فائر کیا ہوتا تو دھماکے کی اتنی زبردست گونج پیدا ہوتی کہ تین دن تک اس کے کان جھنجھناتے رہتے اور گاڑی کے اندر بارود کے ذرات بھی پائے جاتے۔ شاید انہوں نے اتنی باریکی سے تجزیہ کرنے کی زحمت ہی نہ کی ہو۔ اس کے علاوہ کلب میں دن جیسی روشنی میں نشانے بازی کی مشق کرنا اور بات ہے اور نشے میں دھت آدمی کا نیم تاریکی میں ایک شخص کے دل میں گولی اتار دینا کچھ اور بات۔"

"یہ تو تم نے کار آمد پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن لارسن کو بری کرانے کے لیے مجھے اس سے زیادہ مواد کی ضرورت ہے" فلیانو پُر خیال لہجے میں بولا۔

"اپنے سیکریٹری سے کہو تھوڑا سا تحقیقی کام کرے" میں نے مشورہ دیا "تمہیں پتا چلے گا کہ کلبوں اور شوٹنگ رینج وغیرہ میں نشانہ بازی کی مشق کرنے والے اتنے جرأت مند نہیں ہوتے کہ کسی انسان کو قتل کر سکیں۔ تم ذرا نئے زاویے سے لارسن کی شخصیت کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرنا۔ تمہیں بہت سی باتوں کا اندازہ ہوگا۔"

"میں اپنے اندازوں اور نفسیاتی مفروضوں سے عدالت کو قائل نہیں کر سکتا۔" فلیانو منہ بنا کر بولا "اور میں اتنا لائق مقرر بھی نہیں ہوں کہ عدالت اور جیوری کے سامنے بھرپور جذباتی تقریر کر کے انہیں زار و قطار رونے اور اپنے حق میں فیصلہ کرنے پر مجبور کر دوں۔ تم مجھے کوئی ایسی ٹھوس اور حقیقت پسندانہ بات بتاؤ جو پانچ سال کے بچے کے بھی آسانی سے سمجھ میں آجائے اور اس کے لیے قابلِ قبول ہو... ورنہ پھر میرا ایک ڈالر واپس کر دو۔"

"سوری..." میں نے نفی میں سر ہلایا "آگی ہوئی رقم واپس نہیں کی جاتی۔"

○☆○

میں آفس واپس پہنچا تو وہاں موجود ایک پیغام کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ شیرون کو میں نے جن دو جگہوں پر بھیجا تھا ان میں سے ایک جگہ اس نے ملازمت کر لی تھی۔ یوں اس کے دن گزرنے کا تو بندوبست ہو گیا تھا۔ راتیں فی الحال اسے تنہا ہی گزارنی تھیں یا ان کے بارے میں خود ہی کچھ سوچنا اور فیصلہ کرنا تھا۔

دوسرا پیغام یہ تھا کہ میں ڈینی ڈوگن کو فون کر لوں۔ ڈینی ڈوگن وہ وکیل تھا جس کے ذمے میں نے نیلسن کے مالی اور وراثتی معاملات کو کھنگالنے کا کام لگایا تھا۔ ڈوگن کی پریکٹس کچھ اتنی زور شور سے نہیں چلتی تھی اور وہ بہت مصروف وکیل دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک پرانی سی عمارت میں اس کا دفتر تھا اور ایک پرانی سی کار میں وہ سفر کرتا تھا لیکن جہاں معاملہ مالی' وراثتی اور ٹرسٹ وغیرہ کی چھان بین یا ان کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کا ہوتا تھا تو بڑے بڑے کامیاب اور دولت مند نظر آنے والے وکیل ڈوگن کی مہارت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔

ڈوگن کو میں نے فون کیا تو اس نے مجھے بتایا "شیرون مجھے اپنے شوہر کی کئی موٹی موٹی فائلیں دے گئی تھی جن کے کاغذات ایک دوسرے میں گڈمڈ تھے۔ میں نے پہلے تو انہیں ایک اسسٹنٹ کے سپرد کیا کہ وہ انہیں الگ الگ اور ترتیب سے رکھ دے۔ پھر میں نے ان کا جائزہ لیا۔ اس کی وصیت موثر ہے اور اس پر عمل کرنا پڑے گا لیکن میں تمہیں افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہا ہوں کہ اس کی جو تھوڑی بہت جائداد ہے اس پر بھاری رقمیں واجب الادا ہیں۔ اس کے ذمے بہت سے بل واجب الادا ہیں۔ چنانچہ اس کی جائداد تو واجبات میں ہی برابر ہو جائے گی۔"

"کوئی اچھی خبر بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں... لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اسے سن کر تم حیرت سے گر نہ پڑو۔ اس لیے پہلے سنبھل کر بیٹھ جاؤ" ڈوگن بولا۔

"میں آسانی سے نہیں گرتا ہوں" میں نے اسے مطلع کیا۔

"اس کی فائلوں میں مجھے ایک خط ملا ہے جسے اس نے نہایت غیر اہم کاغذات میں رکھا ہوا تھا۔ اس طرح اس نے گویا اسے چھپایا ہوا تھا۔ غالباً اس نے اپنی بیوی کو بھی اس کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ وہ خط اس کے دادا کے وکیل نے کافی عرصے پہلے اس کے نام لکھا تھا۔ اس میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ اس کے دادا

نے اس کے اور اس کی بہن کے نام پر چھوٹا سا ایک ٹرسٹ فنڈ قائم کیا تھا لیکن وہ موجودہ سال کے اختتام تک اس میں سے ایک ڈالر بھی نہیں لے سکتے تھے البتہ سال کے اختتام پر اس کی جو بھی مالیت ہوتی وہ دونوں میں آدھی آدھی تقسیم ہوجاتی۔ ایک کی موت کی صورت میں خود بہ خود دوسرا اس کا وارث ہوجاتا۔ جس وقت یہ ٹرسٹ قائم کیا گیا اور دادا کے وکیل نے اسے اطلاع دی اس وقت نیلسن بائیس سال کا تھا۔ اس عمر میں انسان عموماً بڑا احمق ہوتا ہے۔ میں نے وکیل بننے کا فیصلہ اسی عمر میں کیا تھا۔ میں اندازہ کرسکتا ہوں کہ نیلسن نے اس وقت اس اطلاع پر کیا محسوس کیا ہوگا۔ ایک تو وہ رقم بہت کم تھی جس سے ٹرسٹ قائم کیا گیا تھا۔ مزید ستم یہ کہ نیلسن اس میں سے کچھ حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ شاید اس لیے بھی اس نے اسی وقت سے اس خط کو بیکار اور بے مصرف قرار دے کر ایک طرف رکھ دیا ہو۔ عین ممکن ہے وہ اسے بھولا ہوا ہو۔"

"موجودہ صورتِ حال کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے متعلقہ وکیل کو اس سلسلے میں فون کیا تھا" ڈوگن نے بتایا "یہ ٹرسٹ فنڈ جس منتظم کی نگرانی میں دیا گیا تھا وہ یا تو واقعی ان معاملات کا بہت بڑا ماہر ہے یا پھر وہ جواریوں والی فطرت رکھتا ہے۔ آنکھیں بند کرکے لمبے داؤ کھیلتا ہے جو اتفاق سے صحیح پڑجاتے ہیں۔ اس نے اس ٹرسٹ کا معمولی سا سرمایہ نہ جانے کون کون سی اسکیموں میں سرمایہ کاری کے لیے استعمال کیا کہ اس پر خوب منافع ہوتا رہا۔ اس وقت اس ٹرسٹ کی مالیت تقریباً ایک ملین ڈالر ہے۔ جس میں سے آدھا نیلسن کا بنتا تھا۔ یعنی پانچ لاکھ ڈالر۔ اس کی بیوہ کی حیثیت سے شیرون کو تو ایک لاکھ ڈالر بھی مل جاتے تو اس کے سارے مسائل حل ہوجاتے لیکن افسوس کہ وہ اپنے شوہر کی یہ ملکیت حاصل نہیں کرسکے گی۔"

"نیلسن کا حصہ بھی اس کی بہن کو چلا گیا ہوگا؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"نہیں۔ یہاں اس سے بھی بڑی ستم ظریفی ہوئی ہے" ڈوگن نے جواب دیا "نیلسن کو سنیچر کی صبح گولی ماری گئی ہے اور اس کی بہن پیر کی صبح کینسر کے باعث انتقال کرگئی۔ جونہی نیلسن مرا تھا اس کی بہن پورے ٹرسٹ کی وارث ہوگئی تھی لیکن دو دن بعد پیر کو بہن کے مرتے ہی اس کا شوہر پورے ٹرسٹ کا مالک ہوگیا۔ اگر نیلسن کو تین دن بعد گولی لگتی تو آج شیرون اس پورے ٹرسٹ کی مالک ہوتی۔"

"زندگی اسی قسم کی ستم ظریفیوں کا نام ہے۔ اگر ہم "اگر مگر" پر غور کرتے رہیں تو زندگی نہ جانے کیا سے کیا نظر آئے۔ اگر نیلسن کی وہ پیپر کمپنی والی نوکری ہی نہ چھوٹتی تو پھر شاید اسے گولی ہی نہ لگتی اور وہ کسی اسپتال کے بستر پر طبعی موت مرتا۔ زیادہ امکان یہی ہوتا کہ کثرتِ شراب نوشی کے باعث اس کا جگر ناکارہ ہوجاتا۔ تم شیرون سے اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ اس وقت اس نے شراب نوشی چھوڑی ہوئی ہے۔ کہیں افسوس کے بارے وہ دوبارہ شروع نہ کرلے۔ اس مرتبہ میں اسے الزام بھی نہیں دے سکوں گا۔ تم مجھے نیلسن کی بہن کا نام اور پتا بتادو۔"

"کیا رنڈوے ہونے والے بہنوئی کو مبارکباد کا پیغام بھجوانے کا ارادہ ہے؟" ڈوگن نے دریافت کیا۔

"ممکن ہے ایسا ہی کرنا پڑے۔ لگتا تو یہی ہے کہ اسے تعزیتی پیغام کی ضرورت نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔ اس نے مجھے نام و پتا لکھوادیا۔

ظیانو نے مجھے جائے واردات کا نقشہ فراہم کردیا تھا جس میں دکھایا گیا تھا کہ نیلسن کی کار کہاں کھڑی تھی، گولی لگنے کے بعد وہ کہاں اور کس طرح گرا تھا۔ مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ میں کیا تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن میں وہاں جانے کا ارادہ کررہا تھا۔ اسی اثنا میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف آرلو تھا۔ وہی کمپیوٹر جینیئس جسے میں نے نیلسن کے بارے میں کچھ معلومات کے سہارے مزید معلومات جمع کرنے کے کام پر لگایا تھا۔

"جونی، اس شخص کی ملازمت کب ختم ہوئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے.... چھ ماہ پہلے" میں نے جواب دیا۔

"اچھا...." اسے گویا اپنی کسی الجھن کا جواب مل گیا "تبھی اس کے پاس دو الگ الگ پتوں پر ایشو ہونے والے کریڈٹ کارڈز موجود تھے۔ اس کی وہ ملازمت کافی اچھی تھی۔ تنخواہ وغیرہ بھی اچھی تھی۔ اس قسم کی تنخواہ وغیرہ کے ساتھ انسان دو پتوں پر کریڈٹ کارڈ جاری کرانے کا متحمل ہوسکتا ہے۔"

"دو پتے....؟" میں نے قدرے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔ ایک پتے پر کارڈز نیلسن اور شیرون کے نام جاری ہوئے ہیں۔ دوسرے پتے پر صرف نیلسن کے نام" آرلو نے بتایا "پہلے میں یہی سمجھا کہ یہ ایک ہی نام کے دو مختلف آدمی ہیں۔ کریڈٹ کارڈ کمپنیاں اب بھی یہی سمجھ رہی ہوں گی۔ ان کمپنیوں کو اگر گاہے بہ گاہے اتنی رقم بھیجتے رہیں کہ وہ آپ کی طرف سے تشویش میں مبتلا نہ ہوں تو عام طور پر اس قسم کے حقائق سامنے آنے میں بہت وقت لگ جاتا ہے کیونکہ وہ صرف اس صورت میں زیادہ باریکیوں میں جاتی ہیں جب آپ کا ادائیگی کا کارڈ زیادہ ہی خراب ہوجائے۔ بہرحال میرے خیال میں بیوہ کے لیے کوئی اضافی پریشانی پیدا نہیں ہوگی۔ وہ صرف ان کارڈز کے سلسلے میں ادائیگی کی پابند ہے جو ان دونوں کے نام مشترکہ طور پر جاری ہوئے تھے۔ میں ابھی اس شخص کے بارے میں مزید چھان بین کررہا ہوں لیکن جتنی چھان بین میں کرچکا ہوں اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کچھ ایسا شریف آدمی نہیں تھا۔"

"میں نے تو یہ اسی وقت محسوس کرلیا تھا جب میں نے اس کی

شادی کے موقع پر اس سے مصافحہ کیا تھا" میں نے کہا "بہرحال تم مجھے وہ دوسرا ایڈریس بتاؤ جس پر اس نے کریڈٹ کارڈ جاری کرائے ہوئے تھے۔ میں تمہیں اس کے بہنوئی کا ایڈریس بتاتا ہوں جو مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔ یہ موصوف حال ہی میں رنڈوے ہوئے ہیں۔ تم انہیں بھی اپنی معلومات کے اس چھوٹے سے ذخیرے میں شامل کرلو جو میں نے تمہیں فراہم کیا ہے۔ ان کے بارے میں..... یا پھر ان کے سارے نیلسن ہی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

اسے نیلسن کے بہنوئی کا ایڈریس لکھوا کر میں نے فون بند کردیا۔ اب میرے سامنے تین ایڈریس تھے جن پر مجھے جانا تھا۔ ایک جائے واردات' دوسرا نیلسن کے بہنوئی کا ایڈریس اور تیسرا ایڈریس وہ تھا جو دراصل نیلسن کا دوسرا ایڈریس تھا۔ عام طور پر کوئی شخص اگر کسی مقصد کے لیے دوسرا ایڈریس استعمال کرتا ہے تو وہ اس کے کسی تعطیلاتی کیبن وغیرہ کا ہوتا ہے لیکن نیلسن کا دوسرا ایڈریس اس کے گھر سے بہ مشکل ڈھائی تین میل دور کا تھا۔ لہٰذا یہ کوئی تعطیلاتی اقامت گاہ وغیرہ تو نہیں ہوسکتی تھی۔

سب سے پہلے میں جائے واردات پر پہنچا۔ یہ ایسا ہی شاپنگ ایریا تھا جیسے ملک میں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ پارکنگ لاٹ کے گرد سبزے کی باڑھ تھی۔ اصل عمارت کو بڑی بڑی لائٹس سے منور رکھنے کا انتظام تھا لیکن گردوپیش کی ساری کھلی جگہ پر ہر وقت روشنی نہیں رہتی تھی۔ یہاں اکثر دکانیں ساری رات کھلتی تھیں اس لیے ڈاکے وغیرہ بھی پڑتے ہی رہتے تھے لیکن کافی طویل عرصے میں قتل پہلی بار ہوا تھا۔

وقوعے کے روز جس جگہ نیلسن کی گاڑی کھڑی تھی' اس وقت نہ صرف وہ جگہ بلکہ اس کے دائیں بائیں بھی دو گاڑیوں کی جگہ خالی تھی۔ اس دوران میں بارش بھی ہوچکی تھی۔ بارش نے پارکنگ لاٹ کے پختہ فرش کو اچھی طرح دھو دیا تھا۔ اس کے باوجود میں فرش کا بغور جائزہ لیے جارہا تھا۔ معلوم نہیں میں وہاں کیا پانے کی توقع کررہا تھا۔

یونہی جائزہ لیتے ہوئے میری نظر اس گٹر پر پڑی جس کے ذریعے بارش کے پانی کا نکاس ہوتا تھا۔ اس پر سلاخوں والا ڈھکنا لگا تھا جس سے نہ صرف اندر دیکھا جاسکتا تھا بلکہ ہاتھ بھی ڈالا جاسکتا تھا۔ اس گٹر میں دوسری اطراف سے بھی پائپ آکر مل رہے تھے اور اس وقت بھی پانی قدرے گہرائی میں چکرا رہا تھا۔ اس چھوٹے سے بھنور کے کنارے چاکلیٹ کے ایک ریپر کے ساتھ کوئی ننھی سی چیز جھلملا رہی تھی اور پانی کی چھیڑ چھاڑ کے ساتھ دھیرے دھیرے ہل رہی تھی۔ چاکلیٹ کا کاغذ اور وہ چیز کچھ اس طرح سیمنٹ کے حوض میں اٹک گئی تھی کہ پانی کا ریلا انہیں اپنے ساتھ بہا کر نہیں لے جاسکا تھا۔

میں نے سلاخوں کے درمیان ہاتھ ڈال کر اسے نکال لیا۔ وہ کسی عورت کے کان کا سونے کا رنگ تھا جس میں نیچے کی طرف چھوٹا سا ایک نیلم لگا ہوا تھا اور یہ رنگ اسکریو والا تھا یعنی ایسے کان کے لیے تھا جو چھدوایا نہ گیا ہو۔

میں وہ رنگ لے کر اسی جنرل اسٹور میں پہنچا جس میں نیلسن کام کرتا تھا۔ اس وقت وہاں کاؤنٹر پر ایک عورت موجود تھی جس کے بالوں میں سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ میں نے وہ رنگ اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ اس کا جائزہ لینے کے بعد سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے بولی "میں تم جیسے مردوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ ایک بندا کسی عورت کے سامنے لے جاکر رکھ دیتے ہیں۔ پھر کوشش کرتے ہیں کہ وہ جوڑی مکمل کرنے کے لیے کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔"

میں نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا "میں اس وقت اس چکر میں نہیں ہوں۔ یہ رنگ شاید تمہارے کسی گاہک کا ہو۔ شاید وہ اسے ڈھونڈتی ہوئی واپس آئے اور تم سے بھی اس کے بارے میں کچھ پوچھ لے۔"

"تم صرف عورت کی بات کیوں کررہے ہو" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی "آج کل کے زمانے میں یہ کسی مرد کا بھی ہوسکتا ہے۔ میں اسے چند دن کے لیے رکھ لیتی ہوں۔ اگر اس دوران میں اس کا کوئی دعوے دار نہ آیا تو یہ تمہارا ہوگا۔ آکر واپس لے جانا۔"

"میں اس کا کیا کروں گا۔ میری نظر میں اس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ مجھے ایسا امکان نظر نہیں آتا کہ آنے والے دنوں میں میری ملاقات ایک کان والے کسی مرد یا عورت سے ہوسکے گی اور ایک بندا تو ایک کان والے کو ہی دیا جاسکتا ہے۔"

"اس دنیا میں کچھ بھی بعید نہیں ہے" عورت خوش مزاجی سے بولی "کیا پتا ایک کان والی کسی عورت سے تمہاری ملاقات ہو ہی جائے..... لیکن ایک بات طے ہے کہ اگر وہ سنہرے بالوں والی ہوئی تب تمہارا یہ رنگ وہ قبول کرے گی۔ سیاہ بالوں والی عورتیں عموماً نیلے یا کسی اور گہرے رنگ کے پتھر والا زیور پسند نہیں کرتیں۔ میں نے تمہیں باہر ادھر ادھر کچھ تلاش کرتے دیکھا تھا۔ کیا تم پولیس والے ہو؟ پولیس والے تو کہہ رہے تھے کہ انہوں نے یہاں اپنا کام ختم کرلیا ہے۔"

"میں پولیس والا نہیں ہوں۔ میں ملزم کے وکیل صفائی کے لیے کام کررہا ہوں" میں نے جواب دیا "تم غالباً دن کی شفٹ کی منیجر ہو جس کی ڈیوٹی نیلسن کے فوراً بعد شروع ہوتی تھی؟"

"مسز بائرن" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا "میں ٹھیک صبح چھ بجے یہاں پہنچ جاتی تھی۔ اگر میں ایک منٹ بھی لیٹ ہوجاتی تھی تو نیلسن بہت ناراض ہوتا تھا۔"

"اسے ابھی شراب چھوڑے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور وہ بغیر شراب کے رات کی ڈیوٹی دیتا تھا۔ اس کا چڑچڑا پن قابل معافی تھا" میں نے کہا "کاش مجھے تم سے کوئی ایسی نئی حیرت انگیز شہادت

مل سکتی جس سے ہمارے مؤکل کو بری کرانے میں مدد مل سکتی۔"

"مجھے تو کوئی ایسی بات بھی معلوم نہیں جو میں شام کے اخباروں کو بتا کر کچھ رقم کما سکتی.... مثلاً یہ کہ قاتل کے دو سر اور تین کان تھے یا چشم دید گواہ کا بیان ہے مجھے تو بے چارے نیلسن پر ترس آتا تھا۔ اسے جو تنخواہ مل رہی تھی میں تو اس سے دگنی تنخواہ پر بھی یہاں رات کی ڈیوٹی نہیں دے سکتی تھی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح گاڑی دھکیل رہا تھا بلکہ کبھی کبھی اچھے موڈ میں ہوتا تھا تو میری طرف دیکھ کر آنکھ مارتے ہوئے کہتا تھا کہ اس کے لیے یہ ڈیوٹی زیادہ اچھی تھی کیونکہ دن میں جب اس کی بیوی کام پر ہوتی تھی تو اسے اِدھر اُدھر بگھرے اڑانے کا موقع مل جاتا تھا۔ ظاہر ہے وہ مذاق میں یہ بات کہتا تھا۔"

"تم لوگوں نے جائے واردات سے صرف کار کو تیزی سے جاتے دیکھا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم نے تو اس کی بھی بس آواز ہی سنی تھی" مسز بائرن بولی "پولیس کو تھوڑی بہت معلومات بھی دوسرے لوگوں سے حاصل ہوئی ہیں۔ ہم تو جب باہر پہنچے تو گاڑی الٹے ہاتھ کی طرف مڑ چکی تھی اور اسٹریٹ لائٹ سے بھی دور جا چکی تھی جس کی وجہ سے اس کا رنگ وغیرہ بھی صحیح طرح دکھائی نہیں دیا۔"

"حیرت کی بات ہے کہ گاڑی الٹے ہاتھ کی طرف مڑی تھی حالانکہ ملزم لڑکا جہاں رہتا ہے وہاں جانے کے لیے اسے سیدھے ہاتھ کی طرف مڑنا چاہیے تھا۔" میں نے کہا۔

مسز بائرن نے استہزائیہ سی نظروں سے میری طرف دیکھا "یہ کون سا ایسا مسئلہ تھا۔ اس بلاک کا چکر کاٹ کر وہ واپس دوسری سمت میں روانہ ہو سکتا تھا۔ اگر اس قسم کے نکتوں کے ذریعے اپنے کلائنٹ کو بچانے کی کوشش کرو گے تو اس کے حال پر اللہ ہی رحم کرے گا۔ مجھے تو وہ بجلی کی کرسی پر پہنچتا نظر آرہا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہارا کچھ خریدنے کا ارادہ بھی ہے یا یونہی وقت ضائع کرتے رہو گے؟"

"میں ایک خوبصورت خاتون سے باتیں کرنے کو وقت ضائع کرنے کے مترادف ہرگز نہیں سمجھتا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے.... تم اسی طرح کی باتیں کرتے رہو۔ شاید میں متاثر ہو ہی جاؤں اور تم سے اس رنگ کے ساتھ کا دوسرا رنگ حاصل کرنے کے لیے تمہیں شوق کے کچھ مراحل طے کرنے کا موقع دے ہی دوں" وہ بھی جواباً مسکرائی۔

میں نے بات چیت کو مزید طول دینے کے بجائے ہاتھ ہلا کر اسے خدا حافظ کہا اور وہاں سے آنجہانی نیلسن کی آنجہانی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے شوہر کا نام گیٹس تھا۔ اس کے ایڈریس پر پہنچ کر میں نے دیکھا وہ درختوں میں گھرا ہوا ایک خوبصورت اور کافی بڑا مکان تھا۔ اس کا مطلب تھا گیٹس مالی طور پر کچھ ایسا گیا گزرا آدمی نہیں تھا۔ میری کال بیل کے جواب میں ایک نیم گنجے اور قدرے بھاری جسم کے سنجیدہ صورت شخص نے دروازہ کھولا۔ اس قسم کی شخصیت کے لوگ عموماً بڑی کمپنیوں وغیرہ میں ایگزیکٹو افسران کی میزوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔

"مسٹر گیٹس! سب سے پہلے میں آپ سے اظہارِ تعزیت کرنا چاہوں گا" میں نے کہا۔

"کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔ لیکن آپ کے سالے کی بیوی مجھے جانتی ہے" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر جا کر اسی سے اظہارِ تعزیت کرو۔ اسے مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے" وہ رکھائی سے بولا۔

وہ غم سے بد حال ہرگز دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا غلط بات تھی۔ بیویوں کی موت پر جو لوگ سینہ کوبی کرتے نظر آتے ہیں اور جن کی آنکھ میں ذرا سی نمی بھی نظر نہیں آتی ان دونوں ہی کے بارے میں امکان موجود ہوتا ہے کہ چھ ماہ بعد وہ دوسری شادی کر لیں گے۔ دونوں ہی کے بارے میں یہ امکان بھی موجود ہوتا ہے کہ شاید وہ اس غم کو کبھی نہ بھول پائیں اور زندگی بھر کے لیے ان کی شخصیت بکھر کر رہ جائے۔ دکھ ایک بہت ہی نجی سا جذبہ ہے اور کس پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں' اس سلسلے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں معلوم ہے کہ نیلسن کے ساتھ کیا ہوا" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ خبر اخباروں میں خاصی نمایاں سُرخیوں کے ساتھ چھپی تھی اس لیے میری نظر سے اوجھل نہیں رہ سکی۔ بلاشبہ یہ ایک المناک واقعہ تھا لیکن ظاہر ہے میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہاں خود اپنی پریشانیوں میں گرفتار تھا۔ بہر حال.... تم بتاؤ.... درحقیقت تم کس لیے آئے ہو؟"

"میں ملزم کے وکیلِ صفائی کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

"اس کے باوجود تم نیلسن کی بیوہ کے بھی دوست ہو؟" اس نے قدرے حیرت سے تصدیق چاہی۔

"نیلسن کی بیوہ سے میری دوستی اور واقفیت اپنی جگہ ہے لیکن ملزم کو بہر حال اچھے سے اچھے وکیلِ صفائی کی خدمات حاصل کرنے کا حق حاصل ہے" میں نے جواب دیا۔ "اگر تم بُرا نہ مناؤ تو میں تم سے صرف دو سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں ضرور بُرا مناؤں گا" اس نے سوالات سننے سے پہلے ہی کہا اور دروازہ بند کرنے لگا۔

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے.... تمہاری مرضی۔ ہم مقدمے کی سماعت کے دوران میں جب چاہیں گے تمہیں سمن بھیج کر بلوا لیں گے۔"

وہ دروازہ بند کرتے کرتے رک گیا اور جارحانہ لہجے میں بولا

"کس سلسلے میں؟"

"کئی باتیں پوچھنے کے سلسلے میں" میں نے جواب دیا "خاص طور پر پانچ لاکھ کا ٹرسٹ فنڈ تمہارے نام منتقل ہونے اور نیلسن کے تمہاری بیوی کے انتقال سے ٹھیک دو دن پہلے قتل ہو جانے کے بارے میں... اس کے علاوہ تم سے یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ نیلسن کے قتل کے وقت تم کہاں تھے۔"

"ٹھیک ہے... تم مجھے سمن بھیج کر بلوانا" اس نے خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے جن تین جگہوں پر جانے کے بارے میں سوچا تھا ان میں سے دو جگہوں پر میں حاضری دے چکا تھا لیکن میری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اب میں نے تیسری جگہ کا رخ کیا یہ نیلسن کا دوسرا ایڈریس تھا۔

یہ ایڈریس ایک بلڈنگ کے سیکنڈ فلور کے اپارٹمنٹ کا تھا جو اس بلاک کے پچھلی طرف واقع تھا۔ میں نے پہلے لابی میں دیکھا۔ اس اپارٹمنٹ کے نمبر کے نیچے ویٹکن اور کریمر کے نام کا کارڈ لگا ہوا تھا۔ یہ پورے نام نہیں تھے۔ یہ مردوں کے بھی ہو سکتے تھے اور لڑکیوں کے بھی۔ میں سوچ رہا تھا نیلسن محض دوسرے ایڈریس پر کریڈٹ کارڈ حاصل کرنے کے لیے تو اس اچھی خاصی معقول بلڈنگ میں ایک مہنگا قسم کا اپارٹمنٹ تو کرائے پر نہیں لے سکتا تھا۔ ممکن تھا اس نے ویٹکن اور کریمر سے ان کا ایڈریس استعمال کرنے کی اجازت لے رکھی ہو۔ یہ بھی بعید از امکان نہیں تھا کہ اس نے مسز بائرن سے دن میں گلچھرے اڑانے والی جو بات کہی تھی وہ سچ ہی رہی ہو۔

میں نے مطلوبہ اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچ کر کال بیل بجائی اور چند لمحے بعد محسوس کیا کہ دروازے کی خفیہ آنکھ سے میرا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ میں نے حتی الامکان خوبصورت مسکراہٹ ہونٹوں پر سجانے کی کوشش کی جو درحقیقت کچھ ایسی خوبصورت نہیں تھی۔

"کیا بات ہے؟" ایک نسوانی آواز نے پوچھا۔ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے آواز صاف اور واضح سنائی نہیں دی تھی۔

"میرا نام جونی بونر ہے۔ میں نیلسن کا دوست ہوں" میں نے کہا۔

"نیلسن نے کبھی کسی جونی بونر کا ذکر نہیں کیا" وہ بولی۔

"لیکن اس نے مجھ سے تمہارا ذکر کیا تھا ورنہ میں یہاں کیسے پہنچتا؟"

لڑکی نے دروازہ کھول دیا لیکن مجھے اندر آنے کے لیے نہیں کہا۔ اس کی عمر پچیس سال سے کچھ کم ہی ہوگی۔ اس کے سنہرے گھنگریالے بال کندھوں پر جھکے ہوئے تھے۔ وہ چست قمیص اور جینز میں تھی۔ اس کے نشیب و فراز کی دلکشی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ وہ جیولری بھی پہنے ہوئے تھی۔ کانوں میں بندے تھے جن میں گہرے سرخ رنگ کے نگینے تھے جو یاقوت بھی ہو سکتے تھے۔ مسز بائرن کی تھیوری ٹھیک ہی معلوم ہوتی تھی کہ سنہرے بالوں والی عورتیں گہرے رنگوں کے نگینے پسند کرتی تھیں۔

گلے میں بندوں سے میچ کرتا ہوا لاکٹ اور ہاتھوں میں کنگن تھے۔ اس کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تھے اور آنکھیں قدرے متورم سی دکھائی دے رہی تھیں جیسے وہ کافی دیر تک روتی رہی ہو۔ یہ غم کی وہ علامت تھی جو مجھے گیٹس میں نظر نہیں آئی تھی۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" اس نے اکھڑے اکھڑے سے لہجے میں پوچھا۔

"میں نے جھوٹ بولا تھا" میں نے نہایت سادگی سے اعتراف کیا "میں دراصل نیلسن کا دوست نہیں بلکہ پرائیویٹ سراغرساں ہوں اور اس ملزم کے وکیلِ صفائی کے لیے کام کر رہا ہوں جس کے بارے میں پولیس کا دعویٰ ہے کہ اس نے نیلسن کو قتل کیا تھا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ میں اس کی مدد کے سلسلے میں کچھ کروں گی؟" وہ برہمی سے بولی "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

"فرض کرو وہ مجرم نہیں ہے" میں نے کہا۔

"تو پھر کون ہو سکتا ہے؟"

"یوں تو تمہیں بھی مجرم فرض کیا جا سکتا ہے" میں نے کہا۔

اس نے غصے سے سر کو جھٹکا دیا۔ اس کے زیورات اور گھنگریالے بال ایک ساتھ لہرا اٹھے "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ میں اسے کیسے قتل کر سکتی تھی؟ مجھے تو اس سے محبت تھی۔"

"یقیناً ہوگی" میں نے تسلیم کیا "محبت تھی تبھی تو تم ایک شادی شدہ مرد کے ساتھ دوسرا گھر بسائے بیٹھی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ دفتری رومان کے طور پر شروع ہوا ہوگا۔ تم بھی اسی پیپر کمپنی میں کام کرتی تھیں جس میں پہلے وہ کام کرتا تھا۔ اس وقت وہ اتنا کما رہا تھا کہ تمہیں آرام و آسائش سے رکھ سکتا تھا۔ مجھے یقین ہے اس نے تم سے یہ وعدہ بھی کر رکھا ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا اور تم سے شادی کر لے گا لیکن پھر تم دونوں کی نوکری ختم ہو گئی اور اخراجات پورے کرنا بہت بڑا مسئلہ بن گیا۔ وہ اب بھی تمہارے پاس آ رہا تھا لیکن تمہیں معلوم تھا کہ قطع تعلق اب کسی بھی لمحے کی بات تھی اور بیوی کو طلاق دینے والی بات بھی خواب و خیال ہو چکی تھی۔ تمہیں یقین ہو چکا تھا کہ وہ اب کسی بھی دن تمہیں خدا حافظ کہہ جائے گا۔ عین ممکن ہے اس نے گزشتہ جمعے کو خدا حافظ کہہ بھی دیا ہو چنانچہ ہفتے کی صبح تم نے اسے گولی مار دی۔ کیا میری یہ تھیوری غلط ہے؟"

"تم... تم کوئی بہت مکار... شیطان اور سفاک قسم کے آدمی ہو۔"

"درحقیقت میں بہت سچا، حساس اور جذباتی آدمی ہوں" میں نے کہا۔

"فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے یہ ثابت کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے کہ یہ قتل تم نے ہی کیا ہے لیکن میں تمہاری پوزیشن تم پر واضح کردینا چاہتا ہوں۔ اگر تمہارے پاس جائے واردات سے اپنی عدم موجودگی کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے تو لارسن کا وکیل تمہیں گواہوں کے کٹہرے میں بُلوا سکتا ہے اور یہ ساری صورتِ حال جیوری کے سامنے رکھ کر فیصلہ ان پر چھوڑ سکتا ہے کہ تمہارے قاتل ہونے کے امکانات زیادہ ہیں یا غصے میں بھرے ہوئے ایک شرابی لڑکے کے۔"

"تم دفع ہو جاؤ" وہ میری اس دھمکی سے بھی متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"تم شاید کبھی نہ جان سکو کہ تم سے مل کر مجھے کتنی خوشی ہوئی" میں نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

اس وقت بھی بارش ہو رہی تھی۔ وہاں سے میں ڈوگن کے آفس پہنچا۔ وہ آفس میں نہیں تھا لیکن اس کے معاون نے میری فرمائش پر نیلسن کی فائلوں میں سے مجھے اس کے کریڈٹ کارڈز کے اخراجات کا کچھ ریکارڈ نکال دیا۔ وہیں سے میں نے آرلو کو فون کیا اور دریافت کیا کہ گیٹس کے مالی معاملات کے بارے میں کچھ پتا چلا یا نہیں۔

"جہاں تک مختلف اداروں کا مقروض ہونے کا سوال ہے.... تو تمہارا یہ گیٹس تو نیلسن کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے" آرلو نے بتایا پھر پوچھا "کیا تم یہی معلوم کرنا چاہتے تھے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر گیٹس ہفتے کی صبح اپنی قریب المرگ بیوی کا ہاتھ تھامے اس کے سرہانے نہیں بیٹھا تھا تو پھر ظاہر ہے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کے مالی معاملات کے بارے میں یہ نکتہ عدالت کے سامنے اٹھا سکتا ہے اور اس کا کوئی کارآمد نتیجہ بھی سامنے آسکتا ہے۔"

"اب اگر تم میری جان چھوڑ دو تو میں کچھ وقت ان کلائنٹس کے کام میں بھی صرف کرلوں جو مجھے معاوضہ دیتے ہیں" آرلو بولا۔

"بس یہ خیال رکھنا کہ جو کچھ تم اپنے کمپیوٹر کے ذریعے کرتے ہو وہ تمہیں جیل میں نہ پہنچوا دے۔ دنیا کو ابھی تمہاری ضرورت ہے" میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

بارش اب بوندا باندی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ میں شیرون سے ملنے کے لیے اس کے ہاں پہنچا۔ نیلسن نے جو مکان خریدا ہوا تھا وہ اس کے خوشحالی کے دنوں کے وسائل سے بھی بڑھ کر تھا اور ان میاں بیوی کی ضرورت سے بھی زیادہ نظر آرہا تھا۔ میں نے گاڑی مکان کے عقب میں لے جاکر روکی تھی۔ پولیس نے نیلسن کی کار کو تفتیش سے فارغ کردیا تھا۔ سرخ رنگ کی وہ کار گیرج میں کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے شیرون کی سیاہ کار کھڑی دکھائی دے رہی تھی جس پر بارش کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے مجھے آتے دیکھ لیا۔ ابھی میں عقبی برآمدے کے راستے پر ہی تھا کہ وہ کچن کا

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے

روشنی کے مینار

قیمت ۱۲۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ

عظمت کے مینار

قیمت ۱۲۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔

ایمان کا سفر

قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔

کچرا گھر

قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پاکیزگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں

آدھا چہرہ

قیمت ۱۲۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

جرائم، جادو، شیطان ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں

کالی کہانیاں

قیمت ۱۳۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

دروازہ کھول کر بولی "اگر تم میرے بارے میں تحقیقات کرنے آئے ہو تو میں پہلے ہی بتادوں کہ میرا ملازمت کا پہلا دن بہت کامیاب گزرا ہے۔ اندر آجاؤ۔ میں نے ابھی ابھی کافی بنائی ہے۔"

باہر کی ہوا مرطوب تھی اور فضا میں حبس تھا۔ ائرکنڈیشنڈ کچن میں پہنچ کر خنکی کا احساس ہوا۔ اس نے میرے لیے کافی انڈیلی۔ چند لمحے بعد جب ہم کافی کی چسکیاں لے رہے تھے تو اس نے پوچھا "کچھ معلوم ہوا؟"

"میرے پیشے میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے اور کچھ معلوم ہونے سے رہ جاتا ہے" میں نے جواب دیا "بہرحال میں اپنی بھاگ دوڑ کے دوران میں ایک بات حیرت سے سوچتا رہا.... اور وہ یہ کہ آخر تم نے کیوں مجھے اس معاملے کو کھنگالنے کے لیے کہا؟"

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے...."

"جیسے ایک بے گناہ شخص پر قتل کا الزام عائد کیا گیا ہے" میں نے اس کا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم میں غیبی معاملات کو دیکھنے اور جاننے کی روحانی طاقت پیدا ہوگئی ہے۔ ویسے بھی تم جتنے مسائل میں گھری ہوئی تھیں ان میں تمہیں لارسن کی بے گناہی کی فکر ستا رہی تھی' یہ بڑی عجیب بات تھی۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب میں اس کی اصل وجہ سمجھ سکتا ہوں" مجھے کافی کچھ تلخ محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے دن بھر میں کچھ کھایا نہیں تھا۔

"اصل وجہ....؟" اس نے قدرے حیرت سے دہرایا۔

"تم نے غالباً کچھ عرصے کے لیے شراب نوشی چھوڑ کر دوبارہ شروع کی تھی۔ اس لیے تمہارے اعصاب کچھ زیادہ ہی منتشر تھے۔ ایسے میں تمہیں اس دوسری عورت کے بارے میں معلوم ہوا ہوگا تو تم پر قیامت سی گزر گئی ہوگی۔ تمہارے اعصاب اس قسم کا صدمہ برداشت کرنے کے قابل ہرگز نہیں ہوں گے" میں نے خیال ظاہر کیا۔

اس نے میری بات کی تردید نہیں کی اور سر جھکا لیا۔ چند لمحے وہ اس طرح کافی کے مگ میں جھانکتی رہی جیسے اس میں اپنی قسمت کا حال دیکھ رہی ہو۔ پھر سر اٹھائے بغیر نہایت دھیمی آواز میں بولی "کریڈٹ کارڈز کے جو بل نیلسن کو موصول ہوتے تھے میں کبھی انہیں توجہ سے نہیں دیکھتی تھی لیکن ایک بار میری ایک ایسی دکان کے بل پر نظر پڑی جو عورتوں کی ضرورت کی چیزوں کے لیے مخصوص تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے اس دکان سے کبھی کچھ نہیں خریدا تھا۔ میری بے وقوفی دیکھو' میں پھر بھی یہی سمجھی کہ شاید ہماری لاعلمی میں کسی نے ہمارا کریڈٹ کارڈ استعمال کرلیا ہے۔ یہی سمجھ کر میں نے اس معاملے میں چھان بین کی کوشش کی تب مجھے اس لڑکی کے بارے میں پتا چلا۔ واقعی وفا شعار بیویاں اپنے شوہر کی بے وفائی کے بارے میں سب سے آخر میں آگاہ ہوتی ہیں۔"

"شاید نیلسن نے یہی سوچ کر کریڈٹ کارڈ استعمال کیا ہوگا کہ وہ دوسرے ایڈریس والا ہے... یا پھر شاید اس نے اس بات کی پروا ہی نہ کی ہو کہ وہ کس مقصد کے لیے کون سا کارڈ استعمال کر رہا ہے۔"

"کاغذی اور تحریری ثبوت آدمی کو ہمیشہ پھنسوا دیتے ہیں" میں نے کہا "اسی لیے مجھے ہوئے اور پیشہ ور مجرم ہمیشہ نقد لین دین کرتے ہیں۔"

"تم تصور کرنے کی کوشش کرو کہ میں نے کیا محسوس کیا ہوگا" وہ بولی "مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ اس کے کسی اور عورت سے تعلقات تھے۔ اس معاملے کو ہمارے حالات کے تناظر میں دیکھو۔ میں اِدھر اس کی لگائی ہوئی عادت یعنی شراب نوشی چھوڑنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اسے قرقی اور نیلامی سے بچانے کے لیے ایک مشکل نوکری کر رہی تھی اور گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹانے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔ ایک ایک ڈالر ہمارے لئے قیمتی تھا اور ایسے میں وہ کسی چنچل حسینہ پر رقم خرچ کر رہا تھا۔ اس کی آسائشوں اور عیاشیوں کے اخراجات برداشت کر رہا تھا۔"

آخری الفاظ پر پہنچ کر اس کی آواز پھٹ سی گئی تھی۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ مجموعی طور پر وہ اس لڑکی پر کتنا کچھ خرچ کر چکا تھا' شاید وہ اب بھی اس کی لاش قبر سے نکلوا کر اس کے ٹکڑے کرنے پر تُل جاتی۔

"اس نے تم سے کبھی کسی ٹرسٹ فنڈ کا ذکر کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ٹرسٹ فنڈ....؟" اس کے لہجے سے حقیقی حیرت عیاں تھی۔

میں نے اسے ٹرسٹ فنڈ کے بارے میں سب کچھ بتایا جو بڑی مشکل سے اس کی سمجھ میں آیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ کس طرح چند دن بعد نیلسن ایک بڑی رقم کا مالک بننے والا تھا لیکن وہ رقم دو دن کے لیے اس کی بہن کو.... اور پھر وہ گئی ہو کر بہنوئی کو منتقل ہوگئی تھی تو اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ چند لمحے وہ اسی عالم میں بیٹھی رہی پھر یکدم اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور غضبناک لہجے میں بولی "اب تم یہ سب کچھ مجھے کس لیے بتا رہے ہو؟ میری بدقسمتی سے لطف اندوز ہونے کے لیے؟ کیا تم اتنے ہی کمینے آدمی ہو؟ میں نے تو تم سے صرف اتنا کہا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

وہ بیٹھ گئی لیکن غصے سے اس کے جسم پر لرزہ سا طاری تھا "تم کیا سمجھتی تھیں کہ کوئی چیز اگر میرے علم میں آئی تو میں اسے مخفی رکھوں گا؟"

"نہیں" وہ برہمی سے بولی "تمہارے بارے میں مشہور ہے کہ اگر تمہیں یقین ہو جائے کسی معاملے میں تمہاری ماں مجرم تھی تو تم اسے بھی پولیس کے حوالے کردو گے۔"

"تو پھر تم نے کیوں اس معاملے کی چھان بین کرنے کے لیے

مجھ سے کہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

وہ ایک لمحے خاموش رہی پھر گہری سانس لے کر نسبتاً پُرسکون لہجے میں بولی "مجھے نہیں معلوم۔ شاید میں توقع کر رہی تھی کہ تم صرف اس بے گناہ لڑکے کو شک کا فائدہ دلوانے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور بات بس یہیں تک رہے گی۔"

پھر اس کے لہجے میں کہیں ایک خفیف سی اُمید جھلک آئی "اس ٹرسٹ فنڈ والی خبر سے دل میں پچھتاوے کا ایک خنجر تو پیوست ہو گیا ہے لیکن کیا اس سے نیلسن کے بہنوئی کی طرف کچھ شبہات منتقل نہیں ہوتے؟"

"یقیناً ہوتے ہیں۔ خصوصاً اس لیے کہ بیوی کی بیماری نے مالی طور پر اس کی کمر توڑ دی تھی" میں نے تائید کی "لیکن میری خدمات حاصل کرتے وقت تمہارے ذہن میں یہ نہیں تھا۔"

"تو پھر میرے ذہن میں کیا تھا؟" اس نے جارحانہ.... لہجے میں سوال کیا۔

"تم نیلسن کی داشتہ کو اس قتل کے الزام میں پھنسوانا چاہتی تھیں۔ اس لیے تم نے بُندوں کی ایک جوڑی خریدی تھی اور ان میں سے ایک جائے واردات کے قریب اس وقت گرا دیا تھا جب تم نے نیلسن کو گولی ماری۔ تم اس لڑکی کا پتا چلا چکی تھیں اور دیکھ چکی تھیں کہ وہ جیولری کی شوقین ہے" میں نے اپنی جیب سے کانوں کے رِنگ کی ساخت کا وہ بُندا نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا جو میں نے مسز بائرن سے نہ صرف واپس لے لیا تھا بلکہ اس کے بارے میں تحقیق بھی کر لی تھی کہ وہ کب' کہاں سے اور کس نے خریدا تھا۔ اس وقت بُندا پلاسٹک کی ایک شفاف تھیلی میں تھا اور اس کے ساتھ ایک کاغذ منسلک تھا جس پر کچھ ضروری تفصیلات درج تھیں۔

"تمہیں کوئی ایسی چیز خریدنی چاہیے تھی جو اس لڑکی کے اسٹائل سے میل کھاتی.... وہ اتنے معمولی سے بُندے پہننے والی معلوم نہیں ہوتی.... لیکن شاید اس سے زیادہ مہنگی چیز خریدنے کی تم متحمل نہیں ہو سکتی تھیں" میں نے کہا "بہرحال تمہارا خیال تھا کہ پولیس کو جائے واردات پر یہ بُندا ملے گا اور باریک بینی سے تفتیش کے بعد جب وہ نیلسن کی داشتہ کا پتا چلا لیں گے تو قتل کے الزام کا پھندا اس کی گردن میں فٹ ہو جائے گا لیکن تمہاری بدقسمتی تھی کہ یہ بُندا انہیں نہیں مل سکا۔ غالباً کسی کی ٹھوکر لگ کر گٹر میں جا گرا تھا۔ اس کے علاوہ لارسن ان کے ہتھے چڑھ گیا جس کے خلاف واقعاتی شہادتیں موجود تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے باریک بینی سے تفتیش بالکل ہی ضروری نہیں سمجھی۔ یوں تمہارا منصوبہ بالکل الٹ پلٹ ہو گیا۔"

وہ خاموش رہی تو میں نے سلسلۂ کلام جوڑا "رقابت سے مغلوب ہو کر تم نے اس لڑکی کو قتل کے الزام میں پھنسوانا تو گوارا کر لیا تھا لیکن اب ایک بالکل ہی بے گناہ لڑکے کو موت کے منہ میں جاتے دیکھ کر شاید تمہارے ضمیر کی خلش نے تمہیں بے چین کیا۔ تم نے ایک متبادل نسخہ سوچا اور میری خدمات حاصل کیں۔ تمہیں اُمید تھی کہ میں اس لڑکی تک جا پہنچوں گا اور ملزم لڑکے کو کم از کم شک کا فائدہ تو مل جائے گا اور شبہات لڑکی کی طرف کسی نہ کسی حد تک تو منتقل ہوں گے جو تمہارا اصل مقصد تھا لیکن تم نے سوچا بھی نہیں ہو گا کہ بُندا اب مجھے مل جائے گا اور میں اس سے تمہارا تعلق بھی دریافت کر لوں گا۔"

میں اپنے آپ کو بہت ذہین' بہت باصلاحیت تو شمار نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ میرے ذہن میں بعض اوقات بڑے عجیب عجیب شبہات جنم لیتے ہیں اور میں ان کی تصدیق یا تردید کے لیے بہت تردد کرتا ہوں۔ بس میری اسی عادت نے مجھے ان نتائج تک پہنچایا تھا اور حقیقت کا اندازہ ہونے کے بعد جو کچھ میرے دل پر گزری تھی۔ اس کا صرف مجھے ہی پتا تھا۔

میں نے بُندا اٹھا کر واپس اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے کہ یہ حقیقت میرے ذریعے بے نقاب ہوئی۔ مجھے یہ ناگوار فریضہ انجام دے کر خوشی نہیں ہوئی لیکن یہ کام تم نے ہی میرے سپرد کیا تھا۔ بہرحال.... عین ممکن ہے شک کا فائدہ تمہیں بھی مل سکے تاہم سرِدست تمہیں جہاں بھیجا جائے گا وہاں تمہیں پینے پلانے کی اجازت نہیں ہو گی۔"

میں باہر آگیا جہاں ڈسٹرکٹ اٹارنی کا نمائندہ ایک دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہماری ساری باتیں سن رہا تھا۔ میں نے بُندا اس کے سپرد کر دیا اور تھکے تھکے قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف چل دیا۔ ایک ایسی عورت کے بارے میں ایسی صورتِ حال میں دیانتداری سے کوئی فیصلہ کرنا واقعی بہت بڑی اور تھکا دینے والی آزمائش تھی جس سے آپ کسی نہ کسی حد تک دل ہی دل میں محبت کرتے رہے ہوں!

شاید شراب نے اس کے حواس کو دھندلا دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے رخصت ہوتے ہی اس نے ایک بار پھر بوتل نکال لی ہو گی لیکن مجھے یہ بھی یقین تھا کہ آنے والے دنوں میں جب بھی چند لمحوں کے لیے اس کا ذہن صاف ہوا اور وہ صحیح طور پر کچھ سوچنے کے قابل ہوئی تو وہ یہ پچھتاوا ضرور محسوس کر سکے گی کہ اگر اس نے نیلسن کو گولی مارنے کے بجائے اسے طلاق دے دی ہوتی تو اسے ملنے والے پانچ لاکھ ڈالر میں سے ڈھائی لاکھ ڈالر اسے ملتے اور وہ جیل میں سڑنے والی ایک قابلِ رحم بیوہ کے بجائے کسی خوبصورت اور زندگی کی حرارت سے معمور ساحل پر لیٹ کر دھوپ سینکتی ہوئی ایک پُرکشش مطلقہ ہوتی!





زہر مہرہ

نجمہ مودی

ایک شخص کو ہلاک کرنے والے دو دعوے داروں کا ماجرا۔ وہ دونوں اپنے جرم کا اقرار کر رہے تھے، ساتھ ہی دوسرے کو بچانے کی کوشش بھی۔ ایک پولیس آفیسر اس صورتِ حال سے بہت پریشان تھا لیکن اس کا مددگار لیبارٹری انچارج محظوظ ہو رہا تھا

دلچسپ اور حیران کن انجام کی کہانی، ایک مسکراتی ہوئی تحریر

پولیس کے سراغرساں کیپٹن ایلسن کے ڈرامائی آفس میں داخل ہونے والے بیشتر لوگ مضطرب اور بدحواس ہی نظر آتے تھے۔ ان میں ٹھگ، لٹیرے، قاتل وغیرہ بھی ہوتے تھے اور مختلف جرائم یا زیادتیوں کا شکار ہونے والے فریادی بھی۔

مجرم تو غالباً اپنے انجام کے تصور سے مضطرب اور بدحواس ہوتے تھے اور شرفا شاید اس تصور سے پریشان ہوتے تھے کہ ان کے ساتھ جو زیادتی ہو چکی تھی، پولیس اس کی تلافی بھی کرے گی یا محض بال کی کھال ہی اتارتی رہے گی اور سوالات کی بوچھار سے انہیں مزید پریشان کرے گی؟

اس وقت دبلا پتلا سا جو نوجوان کیپٹن ایلسن کے مقابل بیٹھا تھا، اس کی پریشانی اور اضطراب کچھ زیادہ ہی نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگانے کی کوشش کی تو اس کی لمبی مخروطی انگلیاں

یوں کانپ رہی تھیں جیسے وہ کسی گاڑی میں بیٹھا ہو جس کا انجن زبردست تھرتھراہٹ پیدا کر رہا ہو۔

اس کی جلائی ہوئی دیا سلائی بجھ چکی تو وہ مُرتعش آواز میں بولا۔ "کیپٹن! مجھے معلوم ہے کسی بھی کیس کو ہاتھ میں لیتے وقت تم جو طرزِ عمل اختیار کرو اس سے بڑا فرق پڑ سکتا ہے۔ تم چاہو تو کسی کیس کو زیادہ شہرت نہ ملے اور اس میں ملوث لوگ بھی رُسوائی سے بچ جائیں۔ اس طرح کسی کی زندگی تباہ ہونے سے بچ سکتی ہے۔"

اس کے الفاظ بُردبارانہ لیکن اس کا انداز کچھ عجیب اور مشکوک سا تھا۔ وہ کرسی پر اکڑا ہوا سا بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور ہونٹ خاموشی کے عالم میں یوں بھنچ جاتے تھے کہ ان کی جگہ محض ایک لکیر سی نظر آنے لگتی تھی۔ ہر مرتبہ بات کرنے کے بعد وہ اسی طرح ہونٹ بھینچ لیتا تھا۔ کیپٹن ایلسن کو شبہ تھا کہ شاید اس طرح وہ اپنے ہونٹوں کی کپکپاہٹ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو برخوردار!" کیپٹن ایلسن بولا۔ "لیکن پہلے پتا تو چلے تم چاہتے کیا ہو؟ معاملہ کیا ہے؟"

"میں... میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس معاملے کی زیادہ شہرت نہ ہو۔ میں اس سلسلے میں کوئی یقین دہانی حاصل کرنا چاہتا تھا۔" نوجوان التجائیہ سے لہجے میں بولا۔

"جب تک مجھے اصل بات ہی معلوم نہ ہو، میں کوئی وعدہ کیسے کر سکتا ہوں۔" کیپٹن ایلسن قدرے بیزاری سے بولا "مسئلہ کیا ہے؟"

نوجوان نے گہری سانس لے کر گویا اپنی جرأت مجتمع کی اور سر جُھکاتے ہوئے بولا۔ "میں نے ایک شخص کو ہلاک کر دیا ہے۔"

ایلسن نے ہنکارا بھرا۔ اس کے چہرے پر حیرت یا تشویش کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے۔ وہ کچھ اسی طرح اطمینان و سکون سے بیٹھا رہا۔ گویا یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی اور لوگ صبح شام کثیر تعداد میں اس کے سامنے آکر اپنے قاتل ہونے کا اعتراف کرتے رہتے تھے۔

"اچھا... تو تم نے ایک شخص کو ہلاک کر دیا... کیا واقعی؟" کیپٹن غرایا۔ "اور تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں اس مصیبت سے نکال سکتا ہوں؟ سزا سے بچا سکتا ہوں؟"

"نہیں... نہیں... میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔" نوجوان جلدی سے بولا "میں یہ ساری تمہید سزا سے بچنے کے لیے نہیں باندھ رہا۔ میں سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے جو بھی سزا ملنی ہو جلد از جلد اور خاموشی سے مل جائے..." وہ اب بری طرح ہانپنے لگا تھا۔ شاید اس کے اعصاب جواب دے رہے تھے یا وہ گھبراہٹ کی اداکاری کر رہا تھا۔

کیپٹن ایلسن نے اس موقع پر تھوڑے سے غصے کا اظہار مناسب سمجھا۔ وہ ذرا سخت لہجے میں بولا۔ "نوجوان! اگر تم مجھ سے مذاق کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو کان کھول کر سن لو..."

نوجوان کو گویا جھٹکا لگا۔ وہ یکدم آگے کو جھکتے ہوئے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو؟ میں نے واقعی ایک شخص کو قتل کر دیا ہے۔ قتل بھی اچانک نہیں کیا۔ میں نے ہفتوں اس قتل کی منصوبہ بندی کی تھی۔ یہ ایک انوکھا قتل تھا۔ میں نے ایک خاص قسم کے زہر سے اس شخص کو ہلاک کیا ہے اور میں اس لیے خود ہی اعترافِ جرم کرنے آگیا ہوں کہ میں نے سنا ہے جو شخص اس طرح اپنے جرم کا اقرار کر لیتا ہے اور قانون کے لیے پریشانیاں کھڑی نہیں کرتا اس کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے۔ میں مرنا نہیں چاہتا اور نہ ہی اپنی باقی عمر جیل میں گزارنا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے جس شخص کو ہلاک کیا ہے وہ انسان نہیں، سانپ تھا... سانپ..."

تیزی سے یہ سب کچھ کہہ ڈالنے کے بعد نوجوان ایک بار پھر ہانپنے لگا۔ اس نے تھکے تھکے سے انداز میں کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا لیا اور بے بسی سے ایلسن کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو چکے تھے۔ کیپٹن ایلسن روزانہ ایسے لوگوں کو دیکھنے کا عادی تھا جو جذباتی دباؤ اور اعصابی کشیدگی کا شکار ہوتے تھے لیکن اس نوجوان کی کیفیت سے کسی اور بات کا بھی اظہار ہو رہا تھا جو ایلسن کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"مجھے شروع سے سب کچھ بتاؤ..." بالآخر ایلسن نے گہری سانس لے کر کہا "یہ انسان نما سانپ یا سانپ نما انسان کون تھا جسے تم نے ہلاک کیا ہے؟"

"ڈاکٹر سائرس۔" نوجوان نے جواب دیا۔

کیپٹن ایلسن نے بے اختیار تیز سیٹی بجائی جو کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ "ڈاکٹر سائرس...؟" اس نے دُہرایا "وہی ڈاکٹر سائرس جو ہمارے محکمے کے پینل پر بھی ہے؟ جس کی خدمات سے کبھی کبھار ہم بھی استفادہ کرتے رہے ہیں؟ وہی جو زہروں کا ماہر تھا؟"

"ہاں وہی ڈاکٹر سائرس۔" نوجوان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ غالباً ملک کا بہترین ریسرچ کیمسٹ تھا۔ ایک بے مثل ماہرِ کیمیا... زہروں کا خصوصی ماہر... میں اس کا اسسٹنٹ ہوں۔ ڈاکٹر رائے۔"

اپنا تعارف کراتے وقت اس کے لہجے میں فخر سا جھلک آیا۔ ایلسن کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا کہ اس نے زہروں کے بارے میں ملک بھر میں سب سے زیادہ قابلیت رکھنے والے ماہر کیمیا دان کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ تاہم اسے امید تھی کہ نوجوان جلد ہی حقیقت اُگل دے گا۔

"تم اپنی بات جاری رکھو۔" ایلسن بہ آواز بلند بولا۔

"بات بس اتنی ہی ہے۔" ڈاکٹر رائے سادگی سے بولا "میں نے اسے ہلاک کر دیا۔"

"کس لیے؟" ایلسن نے دریافت کیا۔

"کیا یہ بتانا بھی ضروری ہے؟"

ایلسن نے غصے سے میز پر زوردار گھونسا رسید کیا اور چلّایا۔
"نہیں.... نہیں۔ ہرگز ضروری نہیں۔ تم مرضی کے مالک ہو۔ جو تمہارا جی چاہے بتاؤ' جو نہ جی چاہے وہ نہ بتاؤ۔ ہمارے لیے تو یہی اعزاز کافی ہے کہ تم نے یہاں تشریف لاکر فخریہ انداز میں اعلان کر دیا ہے کہ تم نے شہر کے ایک معروف ڈاکٹر کو ہلاک کر دیا ہے لیکن بدقسمتی سے ہماری معلومات کے مطابق ڈاکٹر سائرس زندہ ہے۔ ابھی ایک گھنٹا پہلے ایک سرکاری کام کے سلسلے میں وہ یہیں موجود تھا اور مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ تم کیا سوچ کر یہ بکواس کر رہے ہو کہ تم نے اسے ہلاک کر دیا ہے؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں' وہ مر چکا ہے۔" رائے احتجاجی سے لہجے میں بولا۔ "میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"اچھا.... ٹھیک ہے۔" ایلسن غصیلے لہجے میں بولا۔ "تمہیں اصرار ہے کہ تم نے ڈاکٹر سائرس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے اور تم بے قرار ہو کہ ہم تمہیں اس جرم میں جیل میں ڈال دیں۔ کوئی بات نہیں۔ ہم ابھی حقیقت معلوم کر لیتے ہیں۔"

وہ اچھل کر اپنی کرسی سے اٹھا اور میز کے گرد گھوم کر دروازے تک پہنچا۔ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اس نے باہر جھانکا اور بہ آوازِ بلند کسی کو مخاطب کیا۔ "لیبارٹری فون کرو اور نیلسن سے کہو جلدی یہاں آجائے۔ اس سے کہنا اپنا بیگ بھی لیتا آئے۔" وہ جس سے بات کر رہا تھا' رائے اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ اسی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور استہزائیہ سی نظروں سے رائے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اچھا.... تو تم نے زہروں کے ماہر کو زہر دے کر ہلاک کر دیا؟"

اچانک دروازہ زور سے کھلا اور دھکا لگنے کے باعث ایلسن اپنی میز تک پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ کھولنے والے کو زیرلب کوسا اور پلٹ کر دیکھا۔ دروازے پر سنہرے بالوں والا دیو قامت نیلسن کھڑا تھا۔ ایک سیاہ مستطیل چرمی بیگ اس کے ہاتھ میں تھا۔

"معاف کرنا کیپٹن! مجھے معلوم نہیں تھا تم دروازے سے لگے کھڑے ہو۔" نیلسن مسکراتے ہوئے بولا۔

اس کی صورت دیکھ کر ایلسن گویا اپنی برہمی بھول گیا اور جلدی سے بولا۔ "اچھا ہوا تم خود ہی آگئے۔ میں ابھی تمہیں ہی فون کرا رہا تھا۔"

رائے بھی یقیناً نیلسن کو پہچانتا تھا۔ اسے دیکھ کر رائے کا چہرہ کھل اٹھا۔ "نیلسن! اچھا ہوا یہاں تم سے ملاقات ہو گئی۔ تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔"

"ضرور... ضرور۔" دیو قامت نیلسن خوش خلقی سے مسکرایا۔ "میں جو بھی کر سکا ضرور کروں گا لیکن یاد رہے' میں یہاں صرف لیبارٹری ٹیکنیشن ہوں۔ میں اسی شعبے میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں لیکن اگر تم نے تیز رفتاری کے باعث اپنا چالان کروالیا ہے یا ایسا ہی کوئی اور چکر ہے تو...."

جیل کے قیدیوں کو تفریح بہم پہنچانے اور ان کو انسان ہونے کا یقین دلانے کے لئے انگلستان کے جیل حکام نے تجربہ کیا کہ وہ تقریباً سو قیدیوں کو ایک کرکٹ میچ دکھانے کے لئے لے گئے۔ شام کو جب قیدیوں سے ان کے تاثرات معلوم کئے گئے تو سب نے یک زبان ہو کر فیصلہ دیا۔

"اچھا.... تو یہ تفریح تھی۔ ہم تو اسے اپنی سزا کا حصہ سمجھ کر دیکھتے رہے۔"

امجد اسلام امجد کے مضمون
"کرکٹ کی باتیں" سے ایک اقتباس

"میں نے ڈاکٹر سائرس کو قتل کر دیا ہے۔" رائے تیزی سے بولا۔ "نینا کی وجہ سے میں اسے ہلاک کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ یقین کرو میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

نیلسن چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا "کیا اس کمرے پر پاگل خانے کے اثرات آگئے ہیں؟"

"تم ٹھیک سمجھے ہو۔" ایلسن تیکھے لہجے میں بولا۔

"میری بات سنجیدگی سے سنو نیلسن!" رائے التجائیہ لہجے میں بولا۔ "تم ڈاکٹر سائرس کو بھی جانتے ہو اور نینا سے بھی واقف ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ڈاکٹر سائرس نے بے چاری نینا کی زندگی کس طرح جہنم بنا رکھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ نینا اس سے شادی کر لے۔"

"وہ بڈھا' نینا سے شادی کرنا چاہتا تھا؟" نیلسن بے یقینی سے بولا۔

"ہاں' اسی لیے میں نے اسے ہلاک کر دیا۔" رائے بولا۔

نیلسن نے رائے کی نظر بچا کر ایلسن کو آنکھ ماری۔ اس کی اس حرکت سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے بھی رائے کی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ نیلسن ویسے بھی کوئی بات سن کر فوراً جوش میں نہیں آتا تھا۔ اسے اپنا ہم خیال دیکھ کر ایلسن نے خاصا سکون محسوس کیا۔

"یہ نینا کون ہے؟" ایلسن نے نیلسن سے دریافت کیا۔

"ایک خوبصورت لڑکی جو خود بھی زہروں کی ماہر ہے۔ ڈاکٹر سائرس نے ہی اس کی تربیت کی تھی۔ سائرس اس کا قانونی سرپرست.... یا اسی قسم کی کوئی اور چیز تھا... میرا خیال تھا کہ وہ لڑکی رائے سے شادی کرے گی۔" نیلسن نے جواب دیا۔

"سائرس کے ہوتے ہوئے بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا تھا؟" رائے تلخی سے بولا۔ "اسی لیے تو مجھے اس کو زہر دے کر ہلاک کرنا پڑا۔"

نیلسن نیم استہزائیہ سے لہجے میں بولا۔ "زہر کا ذکر کر کے تم نے میرے پیشہ ورانہ تجسس کو جگا دیا ہے۔ میں بھی زہروں کا ماہر ہوں

اور تم بھی۔ ہم پیشہ ہونے کے ناتے میں تم سے پوچھ رہا ہوں وہ کون سا زہر تھا جسے تم نے آلۂ قتل کے طور پر استعمال کیا؟"

"نکوٹین..." رائے نے جواب دیا۔ "میں نے اسے نکوٹین کھلا دیا۔"

کم از کم ایلسن کو یہ سن کر قدرے مایوسی ہوئی۔ اس کے خیال میں تو نکوٹین کچھ ایسی ضرر رساں چیز نہیں تھی۔ ان گنت لوگ روزانہ سگریٹ، سگار نوشی اور تمباکو خوری کے ذریعے نکوٹین کی نہ جانے کتنی مقدار جسم میں لے جا رہے تھے۔ ایلسن نے تو اچانک کسی کو مرتے نہیں دیکھا تھا۔ اسے زہر کے ذریعے قتل کی جن وارداتوں سے اب تک واسطہ پڑا تھا ان میں سائنائٹ، اسٹرچنن اور اسی قسم کے دوسرے زہروں کے نام سامنے آئے تھے۔ نکوٹین کا نام اس قسم کی واردات میں اس نے آج پہلی بار سنا تھا۔

رائے نے بھی اس کے تاثرات دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔ وہ جلدی سے بولا۔ "نکوٹین کا استعمال مجھے اس لیے بھی مناسب محسوس ہوا کہ سائرس ان دنوں نکوٹین پر ہی تجربات کر رہا تھا۔ وہ نکوٹین سے ان کیڑوں کے لیے زہر تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو جنوبی علاقوں میں مٹر کی فصل کو تباہ کر دیتے ہیں۔ میں اور نینا ان تجربات میں اس کی مدد کر رہے تھے۔"

"ایک اور وجہ سے بھی نکوٹین ڈاکٹر سائرس کے لیے مناسب تھا۔" نیلسن مسکراتے ہوئے بولا۔ "وہ ہر وقت وہ سگار پیتا رہتا تھا جو خاص طور پر اپنے لیے ہیٹی سے درآمد کرتا تھا۔ جس وقت وہ کش نہیں لگا رہا ہوتا تھا اس وقت وہ سگار کو دانتوں سے چباتا رہتا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے معالج نے اسے تمباکو سے دور رہنے کی سختی سے ہدایت کی تھی۔"

"اور چائے سے بھی۔" رائے نے لقمہ دیا۔

"ہاں چائے سے بھی۔" نیلسن نے تائید کی۔ "جن دنوں سائرس جوش و خروش سے کسی نئے زہر کی تیاری میں مصروف ہوتا تھا ان دنوں تو اس کا گزارا ہی اپنے سیاہ سگاروں اور کالی چائے پر رہ جاتا تھا۔ وہ ایسی اسٹرانگ چائے پیتا تھا جسے کوئی بیل بھی پی لیتا تو شاید چکرا جاتا۔"

"تم دونوں اپنی بکواس بند کرو گے یا نہیں؟" ایلسن چلّایا پھر وہ رائے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نیلسن سے مخاطب ہوا۔ "یہ نوجوان اپنے آپ کو قتل کے جرم میں پولیس کے حوالے کرنے آیا ہے اور تم نے اس کے ساتھ اس طرح باتیں شروع کر دیں ہیں جیسے پارک میں دو شناسا بوڑھیاں ٹکرا گئی ہوں۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ ایلسن نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو!"

دوسری طرف سے ایک کھنکھناتی آواز ابھری۔ اس کا سرخ چہرہ کچھ اور سرخ ہو گیا۔ آنکھیں بالکل سکڑ گئیں۔ آواز معدوم ہو گئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا تب بھی وہ ریسیور تھامے کھڑا رہا۔

پھر وہ رائے سے مخاطب ہوا۔ "ابھی تک میں تمہاری کہانی کو ہی آج کی عجیب ترین بات سمجھ رہا تھا لیکن....." اس نے ریسیور ایک جھٹکے سے رائے کی طرف بڑھایا۔ "میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ کال آج کی عجیب ترین چیز تھی۔"

رائے اس کی طرف یوں دیکھتا رہا جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہو۔ ایلسن خطرناک حد تک پُرسکون لہجے میں بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کال کس کی تھی؟ کوئی لڑکی بول رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ ہم جلد از جلد ڈاکٹر سائرس کے گھر پہنچیں اور اسے سائرس کے قتل کے جرم میں گرفتار کر لیں۔"

رائے نے یوں سانس لی جیسے اس کا گلا بند ہونے لگا ہو پھر وہ تقریباً چیخ اٹھا۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔ تم اس لڑکی کی بات پر دھیان مت دینا۔ وہ نینا ہو گی... وہ پاگل پن کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ اس نے اب سائرس کی لاش دیکھی ہو گی اور سمجھ گئی ہو گی کہ اسے میں نے ہلاک کیا ہے۔ وہ اپنے اوپر الزام لے کر اپنی دانست میں مجھے بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"خدا کی پناہ.... آخر یہ سب کیا...." ایلسن کراہا۔

"میں اور نینا شادی کرنے والے تھے...." رائے تیزی سے بولا۔ "لیکن سائرس نے بیچ میں ٹانگ اڑا دی۔ نینا بھی چونکہ زہروں کی ماہر ہے۔ وہ سائرس کی لاش دیکھ کر سمجھ گئی ہو گی کہ اسے کس طرح ہلاک کیا گیا ہے۔ اب وہ خود اپنے خلاف بیان دینے اور شہادتیں تیار کرنے کی کوشش کرے گی۔ وہ مجھے بچانے کے لیے ایسا کرے گی..... لیکن تمہیں میری بات سننا پڑے گی... اصل قاتل میں ہوں۔ میں نے سائرس کو قتل کیا ہے۔ میں یہ ثابت بھی کر سکتا ہوں۔"

"تم ثابت کرو گے؟" ایلسن غرایا۔ "تمہیں ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ قاتل کو قاتل ثابت کرنا ہماری ذمے داری ہے۔ تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" اس نے رائے اور نیلسن دونوں کو اشارہ کیا۔

وہ ان دونوں کو اپنے ساتھ باہر فٹ پاتھ کے قریب کھڑی ہوئی پولیس کار تک لایا۔ رائے کو اس نے پچھلی سیٹ پر دھکیلا اور نیلسن کو آگے اپنے ساتھ بٹھایا۔ لحیم شحیم نیلسن ہر وقت بے فکر اور مطمئن نظر آنے والا شخص تھا۔ اس وقت بھی وہ بالکل مطمئن و مسرور نظر آ رہا تھا۔ صورت حال خواہ کچھ بھی تھی لیکن اسے گویا اس کے بارے میں قطعاً تشویش نہیں تھی۔ اس کا تعلق پولیس لیبارٹری سے تھا اور وہ بھی زہروں کا ماہر تھا۔ ایلسن نے راستے میں اس سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

نیلسن نے بتایا کہ ڈاکٹر سائرس کی اہلیت اور قابلیت اپنی جگہ تھی لیکن اس کی عادات و اطوار کی وجہ سے خود اس کے ہم پیشہ بھی اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کے زیادہ تر جاننے والے اس سے نفرت ہی کرتے تھے۔ اسے محض اس کی سائنسی قابلیت کی وجہ سے

برداشت کیا جاتا تھا لیکن اس کے کردار، نجی زندگی اور عادات کے بارے میں بڑی عجیب عجیب باتیں مشہور تھیں۔

نیلسن نے مزید بتایا کہ نینا کا باپ ڈاکٹر برجز بھی ایک کیمیا دان تھا۔ اس نے ایک نہایت اہم کیمیائی فارمولا تیار کیا تھا لیکن اس کی حماقت یا بدقسمتی تھی کہ وہ اس فارمولے کو لے کر ڈاکٹر سائرس کے پاس چلا گیا۔ ڈاکٹر سائرس نے چپکے سے اس فارمولے کو اپنی دریافت قرار دے کر ایک بڑی کمپنی کو فروخت کر دیا اور اس کے عوض خطیر رقم کھری کر لی۔ وہ رقم ڈاکٹر برجز کو مل جاتی تو اس کی کایا پلٹ جاتی۔

سننے میں آیا تھا کہ اسی صدمے اور دل شکستگی کے باعث ڈاکٹر برجز کی موت واقع ہو گئی تھی۔ بعد میں ڈاکٹر سائرس نے یہی کہا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور اسی کی تلافی کے لیے اس نے آنجہانی ڈاکٹر کی بیٹی نینا کو اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا اور اسے اپنی اسسٹنٹ بنا لیا تھا۔

"اب سننے میں آ رہا ہے کہ وہ بڈھا اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔" نیلسن غرایا۔

"مجھے اس پر یقین نہیں آ رہا۔ یہ کوئی غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔" ایلسن بولا۔ عقبی سیٹ پر موجود رائے نے اس کے خیال کی تردید نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس وقت کسی اور ہی خیال میں الجھا ہوا تھا۔ اس کا ذہن یقیناً کہیں اور تھا۔ وہ گویا ان کی باتیں سن ہی نہیں رہا تھا۔ ایلسن نے دل ہی دل میں ڈاکٹر سائرس کے لیے ناپسندیدگی محسوس کرنا شروع کر دی تھی۔

"یہ نکوٹین کا کیا قصہ ہے؟" ایلسن نے جاننا چاہا۔ "کیا اس کے ذریعے کسی کو ہلاک کیا جا سکتا ہے؟"

"یقیناً۔" نیلسن نے سر ہلایا۔ "اگر خالص نکوٹین کا جوہر تیار کیا جا سکے تو اس سے یقیناً انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہے۔ وہ بہرحال ایک زہر تو ہے۔ رائے کے لیے اس کا جوہر تیار کرنا مشکل بھی نہیں تھا۔ سائرس چونکہ ہر وقت سیاہ سگار اور چائے پیتا تھا اس لیے یہ ثابت کرنا بھی مشکل ہوتا کہ اسے نکوٹین کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے جسم میں نکوٹین پہلے ہی کافی مقدار میں موجود رہا ہوگا۔ اگر رائے خود ہی بک بک کرتا ہوا پولیس ہیڈ کوارٹر نہ پہنچتا تو یہ نکوٹین کے ذریعے سائرس کو ہلاک کر کے صاف بچ سکتا تھا۔"

اس دوران وہ ڈاکٹر سائرس کے مکان تک پہنچ چکے تھے۔ ایلسن نے گاڑی روکی اور خود اُتر کر رائے کے لیے دروازہ کھولا۔ سائرس کا مکان تین منزلہ تھا اور دو اپارٹمنٹ بلڈنگوں کے درمیان

پھنسا ہوا تھا۔

"لاش کہاں ہے؟" ایلسن نے دریافت کیا۔

"دوسری منزل پر... اس کے اپنے بیڈ روم میں۔" رائے نے جواب دیا۔

انہوں نے بیرونی سیڑھیاں چڑھنا شروع کیں۔ ابھی وہ اوپر نہیں پہنچے تھے کہ دروازہ خود ہی کھل گیا۔ ایلسن کو سامنے ایک لڑکی نظر آئی۔ وہ خوبصورت تھی لیکن اس وقت اس کا چہرہ زرد تھا، آنکھوں سے وحشت عیاں تھی اور اس کے تانبے جیسے رنگ کے بال منتشر تھے۔ اس نے متوحش سی نظروں سے ایلسن اور نیلسن کے چہروں کا جائزہ لیا اور لڑکھڑاتی سی آواز میں رائے سے مخاطب ہوئی۔ "رائے! کیا یہ لوگ..."

رائے نے اسے جملہ مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا اور اچھل کر اس کے قریب جا پہنچا۔ اس نے یوں اسے ایک بازو کے حلقے میں لے لیا جیسے اسے دنیا کی ہر مصیبت سے بچانا چاہتا ہو۔

"تمہیں اس معاملے میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں نینا!" وہ تیزی سے بولا "تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

ایلسن جلدی سے ان کے قریب پہنچتے ہوئے بولا۔ "ہمارا تعلق محکمۂ پولیس سے ہے مس نینا! میں کیپٹن ایلسن ہوں۔ فون پر آپ کی مجھ سے ہی بات ہوئی تھی۔ آپ مجھے ایک قتل کے بارے میں بتا رہی تھیں۔"

رائے غصے کے عالم میں اس کی طرف گھوما اور تُند لہجے میں بولا۔ "دیکھو... تم..."

لڑکی کی آواز سن کر اسے خاموش ہونا پڑا۔ وہ خوفزدہ لیکن واضح انداز میں ایلسن سے کہہ رہی تھی۔ "میں نے ڈاکٹر سائرس کو ہلاک کر دیا ہے کیپٹن ایلسن! میں کسی اُلجھاؤ کے بغیر یہ بات سیدھے اور صاف طریقے سے تمہیں بتا رہی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے اس جرم کا الزام کوئی اور اپنے سر لے۔"

رائے چلایا۔ "لیکن سائرس کو تو میں نے قتل کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے پہلے ہمیں گھر کے اندر چلنا چاہیے" ایلسن خشک لہجے میں بولا "ورنہ پڑوسی جمع ہو جائیں گے۔"

وہ سب مکان میں داخل ہوئے۔ اندر کی فضا میں المیّے کے اثرات محسوس کیے جا سکتے تھے۔ در و دیوار سے افسردگی ٹپک رہی تھی۔ افسردگی نوجوان جوڑے کی آنکھوں میں بھی نمایاں تھی مگر سردست وہ گویا سب کچھ بھول کر پھانسی کے پھندے تک پہنچنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں تھے۔

اس وقت لڑکی دم بخود سی رہ گئی جب ایلسن نے خاصی ملائمت سے اسے بتایا۔ "تم نے اعتراف میں ذرا دیر کر دی نینا! رائے ہمیں پہلے ہی ساری کہانی سنا چکا ہے۔" پھر وہ پلٹ کر نیلسن سے مخاطب ہوا۔ "آؤ نیلسن! اوپر چلیں۔"

"تم لوگوں کو رائے کی کہانی پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔" نینا بولی۔ "وہ الزام اپنے سر لے کر مجھے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"اس کی بات پر توجہ مت دیں۔" رائے ایک بار پھر تقریباً چلّا اٹھا۔ اس نے آگے بڑھ کر شاید لڑکی کو خاموش رکھنے کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہا لیکن ایلسن ان دونوں کے بیچ میں آ گیا۔ اس نے رائے کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"تم خاموش رہو۔" پھر وہ لڑکی سے مخاطب ہوا "ہاں نینا! کہو... تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

لڑکی شدتِ جذبات سے بیٹھی بیٹھی سی آواز میں بولی۔ "لوگوں کا دل دُکھانا اور ہر ایک کے جذبات سے کھیلنا سائرس کا من پسند مشغلہ تھا۔ اس کی بددیانتی اور دھوکے بازی نے میرے والد کو قبر میں پہنچایا۔ جن دنوں رائے ایک زیرِ تربیت ڈاکٹر تھا، اس کے زیرِ علاج ایک مریض کا انتقال ہو گیا۔ حالانکہ اس میں رائے کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن مکّار اور عیّار سائرس نے اس میں بلیک میلنگ کا ایک پہلو ڈھونڈ لیا۔ رائے اپنی سادگی اور اناڑی پن کی وجہ سے اس سے خوفزدہ ہو گیا۔ سائرس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ رائے آگے چل کر ایک زبردست کیمیا دان بن سکتا ہے۔ وہ اسے بلیک میل کر کے، اپنے شکنجے میں جکڑ کر اپنے پاس لے آیا اور ایک اسسٹنٹ کے طور پر اس سے کام لینے لگا۔ اس نے رائے کو گویا اپنا غلام بنا لیا۔ سارا کام رائے کرتا تھا اور ڈاکٹر سائرس کے جتنے بھی کارنامے سامنے آتے تھے ان کے پیچھے زیادہ تر رائے کی محنت اور ذہانت کارفرما ہوتی تھی لیکن اس کا پھل سائرس کھاتا تھا..."

نینا اپنی سانس درست کرنے کے لیے ایک لمحے کو خاموش ہوئی۔ رائے نے ایک بار پھر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن ایلسن نے شعلہ بار نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور وہ خاموش ہی رہا۔

نینا نے ہانپتے ہوئے سلسلۂ کلام جوڑا۔ "جب مجھے اور رائے کو احساس ہوا کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہیں تو یہ بات سائرس سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ وہ تو گویا غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس پر جنون سا طاری رہنے لگا۔ اس نے دھمکی دی کہ وہ رائے کو قتل کر دے گا..."

اب رائے بولے بغیر نہ رہ سکا۔ فرطِ جذبات سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "کیپٹن ایلسن! میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ نینا الزام اپنے سر لینے کی کوشش کر رہی ہے لیکن میں ثابت کر سکتا ہوں یہ غلط کہہ رہی ہے۔ نیلسن بھی ثبوت دیکھنے کے بعد میری تائید کر سکتا ہے کیونکہ یہ بھی زہروں کا ماہر ہے۔ سائرس کی موت نکوٹین سے واقع ہوئی ہے۔ میں نے اس کے ایک سگار میں نکوٹین کے جوہر کی اتنی مقدار داخل کر دی تھی جو دس آدمیوں کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس نے جب اس سگار کا کش لگایا اور اس کا سرا چبایا..."

اس لمحے کیپٹن ایلسن یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ نینا مسکرا رہی تھی۔ وہ رائے کی بات کاٹتے ہوئے قدرے پُرجوش لہجے میں بولی۔ "لیکن سائرس کی موت نکوٹین زہر سے واقع نہیں ہوئی، میں یہ ثابت کرسکتی ہوں۔"

ایلسن کو اس کے تاثرات سے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی بے بنیاد دعویٰ نہیں کررہی تھی اور نہ ہی وہ محض جذبات میں آکر الزام اپنے سر لینے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ تمام تر صدقِ دل سے خود کو سائرس کی قاتل ثابت کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ رائے بے شک یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کے لیے قربانی دے رہی ہے لیکن ایلسن محسوس کررہا تھا کہ لڑکی واقعی اپنے آپ کو سائرس کی موت کا ذمے دار سمجھ رہی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ رائے بھی محض جذبات میں آکر اپنے آپ کو قاتل قرار نہیں دے رہا تھا۔ وہ بھی حقیقتاً خود کو سائرس کی موت کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔

ایلسن کو اپنے سر میں دھمک سی محسوس ہونے لگی۔ وہ کبھی رائے کی طرف اور کبھی نینا کی طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے مدد طلب سی نظروں سے نیلسن کی طرف دیکھا۔ نیلسن لڑکی کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ "تمہارے خیال میں سائرس کی موت کس طرح واقع ہوئی ہے؟"

نینا بولی۔ "ایک اور قسم کے زہر کے ذریعے اس کی موت واقع ہوئی ہے۔ وہ زہر میں نے اسے دیا تھا اور یہ خیال میرے ذہن میں اس لیے آیا کہ میں اکثر اسے تلخ، سیاہ اور اسٹرانگ چائے پیتے دیکھتی تھی۔ اس کا معالج اسے خبردار کرچکا تھا کہ وہ اپنی تباہی کا سامان کررہا ہے۔ چنانچہ میں نے....."

"تم نے اس کی چائے میں پٹینک ایسڈ ملایا ہوگا۔" رائے اچانک بول اٹھا پھر اس نے مجنونانہ سے انداز میں قہقہہ لگایا لیکن اس قہقہے میں بے پناہ طمانیت بھی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے گویا نینا کی بات سن کر اطمینان ہوا تھا۔

نینا نے بے وقوفوں کی طرح اثبات میں سرہلایا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایلسن کو شبہ ہوا کہ وہ کسی پاگل خانے میں تو نہیں آگیا تھا تاہم اسے امید تھی کہ کم از کم نیلسن تو صحیح الدماغ تھا۔ وہ بھی زہروں کا ماہر تھا۔ اس نے مدد طلب سی نظروں سے نیلسن کی طرف دیکھا لیکن اسے دھچکا سا لگا۔ نیلسن بھی ہنس رہا تھا۔

ایلسن چلّا اٹھا۔ "کیا یہاں سب پاگل ہوگئے ہیں؟ یہ قتل کا معاملہ ہے، مذاق نہیں ہے۔ نیلسن! کم از کم تم تو دانت نکالنا بند کرو۔"

ایلسن یکدم خاموش ہوگیا۔ اوپر سے قدموں کی کھٹ کھٹ سنائی دی تھی جو لحہ بہ لحہ قریب آتی گئی۔ اس آواز کا تاثر عجیب سا تھا۔ ایلسن کے جسم میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر جنگلے کے عقب میں ڈاکٹر سائرس نمودار ہوا۔

اس نے جھانک کر نیچے دیکھا اور ناگواری اور برہمی سے بولا "یہاں کیا ہو رہا ہے؟ کیوں اتنا شور برپا ہے؟ کیا انسان اب اپنے گھر میں بھی دو گھڑی آرام سے نہیں سو سکتا؟"

نیچے کھڑے چاروں افراد سر اٹھائے دم بخود اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر سائرس جنگلے کا سہارا لے کر دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ بھاری بھرکم تھا مگر اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر شکنیں تھیں۔ وہ ایک بدصورت اور عمر رسیدہ شخص تھا۔ نینا جیسی خوبصورت اور نوجوان لڑکی کے ساتھ اس کے جوڑ کا تصور کرتے ہوئے ہی ایلسن کو کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر سائرس یوں ان کے قریب سے گزرتا چلا گیا جیسے وہ محض پرچھائیاں ہوں۔ اس نے محض رسماً بھی کسی سے ملنے کی زحمت نہیں کی۔ دروازے پر پہنچ کر گویا اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے مڑ کر نینا کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے اور اس کا چہرہ کچھ اور بدنما ہوگیا۔ دراصل اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"میں ذرا ایک کام سے لیبارٹری میں جارہا ہوں۔" وہ نینا سے مخاطب ہوا۔ "مجھے بلانے یا میرے کام میں مخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔" دوسرے ہی لمحے وہ ایک دروازے کے عقب میں غائب ہوگیا۔

ایلسن تیزی سے رائے اور نینا کی طرف گھوما۔ اس کے چہرے پر غصے کی سرخی تھی "اگر تم دونوں یہ سمجھ رہے ہو کہ پولیس سے اس قسم کا مذاق کرنے میں کوئی حرج نہیں.... تو تم غلطی پر ہو۔"

نیلسن گویا رائے اور نینا کا دفاع کرتے ہوئے بولا "مذاق تو یہ واقعی ہے لیکن ان دونوں کا نہیں.... بلکہ یہ قسمت کا مذاق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رائے نے ڈاکٹر سائرس کو ہلاک کرنے کے لیے اس کے سگار میں نکوٹین کا جوہر داخل کیا تھا۔ چائے میں پٹینک ایسڈ شامل ہوتا ہے لیکن نینا نے سائرس کو ہلاک کرنے کے لیے اس کی چائے میں طاقتور حالت میں پٹینک ایسڈ کی کچھ مقدار ملا دی تھی۔"

ایلسن استہزائیہ لہجے میں بولا۔ "لیکن چند لمحے پہلے ہم نے جس شخص کو زندہ سلامت یہاں سے گزر کر جاتے دیکھا ہے وہ کیا ڈاکٹر سائرس کی روح تھی؟"

"تم سمجھے نہیں۔" نیلسن تحمل سے بولا۔ "دراصل نکوٹین اور پٹینک ایسڈ دونوں ایک دوسرے کے تریاق ہیں۔ اگر ایک وقت میں ان میں سے ایک زہر استعمال کیا جاتا تو وہ واقعی بے حد مہلک ہوتا لیکن تقریباً ایک ساتھ جسم میں داخل ہو کر دونوں نے ایک دوسرے کا اثر زائل کردیا اور دونوں ہی بے ضرر ہوگئے۔"

OVER DOSE OF DEATH
BERT COLLIER



ڈھوں رسا

ان کے لیے قاتل و مقتول کا تعین مشکل ہو گیا تھا

نجمہ مودی

میڈیکل ایگزامنر اور ماہر سراغ رساں قتل اور خودکشی کے اس معمے کو حل کرنے سے قاصر تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ قاتل کو خودکشی کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ اچانک ایک بچے کی عقدہ کشائی نے اُن کو حیران کر دیا۔ ایک پیچیدہ واردات کا احوال۔

کاؤنٹی کے پولیس چیف والٹن کے دفتر میں سگار کا کثیف دھواں پھیلا ہوا تھا اور یہ دھواں پچھلے آدھے گھنٹے کے دوران والٹن نے خود ہی ان گنت گہرے گہرے کش لیکر بھیرا تھا۔ کمرے میں والٹن کے علاوہ ڈاکٹر فیئر بھی موجود تھا جو رضاکارانہ طور پر پولیس کے لیے میڈیکل ایگزامنر کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ اس کی انگلیوں میں بھی سلگتا ہوا سگار دبا ہوا تھا اور وہ بھی کمرے کی فضا میں دھواں بکھیرنے کے سلسلے میں حسبِ توفیق ہاتھ بٹا رہا تھا۔

ایک کرسی میں اسٹول پر دس گیارہ سال کا ایک بچہ بھی ٹانگیں لٹکائے بیٹھا تھا۔ وہ زرد سے بالوں والا ایک دُبلا پتلا بچہ تھا جس کی ناک کی نوک پر نظر کی عینک ٹکی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ ذرا بقراط قسم کا بچہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنے گھٹنوں پر ایک نوٹ بک پھیلائے پنسل سنبھالے گویا اپنے گرد و پیش سے بالکل بے خبر بیٹھا تھا۔ ایک دو مرتبہ اس نے کمرے میں بھرے ہوئے کثیف دھوئیں کی وجہ سے ناک بھوں چڑھائی لیکن پھر خاموشی سے اپنی نوٹ بک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ سارجنٹ فریڈ کا نواسہ تھا۔ سارجنٹ فریڈ بھی اسی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں تعینات تھا اور اس وقت دوسرے کمرے میں مصروف تھا۔

پولیس چیف والٹن اور ڈاکٹر فیئر اس وقت قتل یا خودکشی؟ قسم کا ایک معما حل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے خاصی دیر سے ان کے درمیان بحث جاری تھی۔ کونے میں اسٹول پر بیٹھے ہوئے لڑکے کو گویا ان کی بحث سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تاہم دھوئیں کے بارے میں اس کی ناگواری کو شاید والٹن نے محسوس کر لیا اور وہ کمرے کی کھڑکی کھولنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

کھڑکی کھولتے ہوئے بھی ڈاکٹر فیئر سے اس کی بحث جاری تھی "... میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔" اس دوران اس نے دیوار پر نصب بڑے سے آئینے میں اپنا جائزہ بھی لیا۔ وہ چالیس سے اوپر کا ایک خوش شکل آدمی تھا۔ صاف ستھری یونیفارم میں تھا، تاہم اس کے چہرے سے الجھن عیاں تھی۔ اس کے بالوں میں سفیدی نمودار ہو چکی تھی اور وہ بار بار ان بالوں کے درمیان مناسب جگہ تلاش کر کے سر کھجا رہا تھا۔

آئینے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے وہ پُرزور لہجے میں بولا۔

"آخر ایک مردہ شخص کس طرح دوسرے شخص کو جا کر گھونپ کر ہلاک کر سکتا ہے؟ یہ کس طرح ممکن ہے؟"

اس دوران کھڑکی کھلنے کی وجہ سے دھوئیں کا ایک کثیف مرغولا باہر چلا گیا تھا اور ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ سفید بالوں اور سفید مونچھوں والے ڈاکٹر فیئر نے فوراً سگار کا ایک گہرا کش لے کر دھواں کمرے میں اگل دیا گویا وہ کھڑکی کے راستے نکل جانے والے دھوئیں کی کمی پورا کرنا چاہتا ہو۔ پھر وہ اپنی آستین پر سے سگار کی راکھ جھاڑتے ہوئے بولا۔

"تم نے میری رائے مانگی تھی واٹسن! وہ میں نے دے دی۔ کسی بھی معاملے میں تم میری رائے طلب کرو گے تو وہ میں ضرور دوں گا ورنہ مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنی توانائی برباد کرتا پھروں۔ ہماری کاؤنٹی میں طب و صحت سے متعلق بے شمار غلط نظریات پر لوگ یقین رکھتے ہیں لیکن میں ان کی اصلاح کرنے نہیں جاتا۔ میں کسی موضوع پر اسی وقت رائے دیتا ہوں۔ جب مجھ سے رائے طلب کی جاتی ہے اور جہاں تک موت اور اس کے اسباب وغیرہ کا تعلق ہے تو اس موضوع پر تو مجھے خصوصی مہارت حاصل ہے اس موضوع پر میری رائے کو تم جیسے لوگ چیلنج نہیں کر سکتے۔ اس کاؤنٹی کے چیف پیتھالوجسٹ اور پولیس کے میڈیکل ایگزامنر کی حیثیت سے میں اپنی رائے پر تمھارے اعتراضات کا بُرا مان سکتا ہوں۔ خصوصاً اس وجہ سے تو میں بہت ہی زیادہ بُرا مان سکتا ہوں کہ پولیس کے میڈیکل ایگزامنر کی حیثیت سے مجھے کوئی تنخواہ نہیں ملی۔ اس کے باوجود پچیس سال کا طویل عرصہ میں نے نہایت صبر و استقامت سے یہ پریشان کن فریضہ انجام دیتے ہوئے گزار دیا ہے۔" ڈاکٹر نے اپنی نفیس سی سفید مونچھ کو بل دیا پھر گویا واٹسن کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے ہولے سے ہنس دیا۔

"ہنسنے کی تو خیر اس میں کوئی بات نہیں تھی۔" واٹسن منہ بنا کر بولا۔ پھر اس نے غیر ارادی طور پر سر کھجانے کے لیے ہاتھ اٹھایا مگر ڈاکٹر فیئر کو اپنی طرف متوجہ پا کر روک لیا۔

"ہاتھ مت روکو۔ سر ضرور کھجاؤ۔" ڈاکٹر فیئر نے سگار سے اشارہ کرتے ہوئے شفقت سے کہا۔ "سر کھجانے سے ایک تو تم خود کو بہتر محسوس کرو گے۔ اس کے علاوہ سر کی طرف دورانِ خون تیز ہو گا تو شاید تمھیں بہتر طور پر سوچنے میں کچھ مدد ملے اور تمھارا ذہن تمھیں کچھ سوالوں کے جوابات مہیا کر سکے۔"

واٹسن ٹائپ شدہ چند کاغذات پر مشتمل ایک رپورٹ اٹھا کر لہراتے ہوئے بولا۔ "ڈاکٹر! میرے پاس قتل کے دو گواہ موجود ہیں۔ یہ ایک سیدھا سادا معاملہ تھا لیکن تم نے اپنی رائے دے کر بلکہ اپنی ٹانگ اڑا کر اسے پیچیدہ بنا دیا ہے۔ کیا تم اپنی رائے کے بارے میں پُر یقین ہو؟"

"واٹسن! کیا تمھیں معلوم ہے کہ ٹمار کے جوس سے دل کی بیماری ہو سکتی ہے؟" ڈاکٹر نے اچانک اس سے سوال کر دیا۔

"ڈاکٹر! اس وقت بات ٹمار کے جوس کی نہیں ہو رہی۔ میں تو۔۔۔"

"بہر حال تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ ایک غلط خیال ہے۔ ٹمار کے جوس سے دل کی کوئی بیماری نہیں ہوتی۔" ڈاکٹر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "اور نہ ہی برف کا پانی دل کی تکلیف پیدا کرتا ہے۔ ٹربوز پوٹیسو کا سبب نہیں بنتا اور چکوترے یا سوکھے ہوئے بیروں سے جوڑوں کے درد کا علاج کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی اور نہ ہی نیم کی نبولیوں سے گردے صاف کرنے میں کوئی مدد ملتی ہے۔ یہ صرف غلط قسم کے چند مفروضے ہیں۔"

"چلو مان لیا ڈاکٹر!" واٹسن گویا زچ ہو کر بولا۔ "میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ کیا تمھیں یقین ہے۔۔۔"

اس بار کونے میں اسٹول پر بیٹھے ہوئے بچے نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ پہلی بار گفتگو میں دخل دیتے ہوئے بولا۔ "میرے نانا کہتے ہیں کہ الفلفا پودے کی پتیوں کو ابال کر پیا جائے تو جوڑوں کا درد ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

"دیکھا تم نے؟" ڈاکٹر فیئر بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واٹسن سے مخاطب ہوا۔ "ہماری کاؤنٹی میں ہر شخص اپنے آپ کو ڈاکٹر تصور کرتا ہے۔ اور اس بچے کا نانا۔۔۔ وہ تمھارا سارجنٹ فریڈ تو اس معاملے میں سب سے آگے ہے۔ وہ تو کسی بھی مرض کا علاج تجویز کرنے سے نہیں چوکتا بلکہ بعض اوقات تو خود لوگوں کو جڑی بوٹیاں لا لا کر دیتا ہے۔ میں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ اگر اس نے لائسنس کے بغیر دواؤں کا اس طرح استعمال جاری رکھا تو پھر میں بھی لوگوں کو گھر گھر جا کر مشورہ دوں گا کہ وہ بھی ہر معاش اور اُچکے کو خود ہی گرفتار کر کے اپنے اپنے گھر کے تہ خانے میں قید کرنا شروع کر دیں اور ہر اس شخص کو بھی جرائم پیشہ شمار کریں جو راہ چلتے وقت فٹ پاتھ پر تھوکتا ہو۔"

"میں اس سلسلے میں سارجنٹ فریڈ سے بات کروں گا۔" واٹسن ملتجیانہ سے لہجے میں بولا۔ "لیکن خدا کے لیے اس وقت تم اصل موضوع پر بات کرو۔ اس وقت باہر استقبالیہ کمرے میں دو رپورٹر اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ میں انھیں کوئی باضابطہ بیان دوں تاکہ وہ مصدقہ اور تفصیلی خبر تیار کر سکیں۔ ہم اس معاملے کے بارے میں سیدھی طرح بات کرتے ہیں۔ جس وقت پروفیسر ڈکوئیر قتل ہوئے اُس وقت یہ بچہ پروفیسر کی بھتیجی ایلسا کے ساتھ انھی کے گھر پر کمرۂ نشست میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ گزشتہ رات کا واقعہ ہے۔ فرینک یعنی مبینہ قاتل گھر میں داخل ہوا، ہال سے گزر کر سیدھا پروفیسر کے کمرے میں گیا، چاقو گھونپ کر انھیں ہلاک کیا۔ پھر وہ گھر سے باہر آ گیا اور اپنی کار میں بیٹھ کر اس نے خود کو گولی مار لی۔ جبکہ تمھارا کہنا ہے کہ پروفیسر کی موت کے وقت کا جو تعین کیا گیا ہے، فرینک کی موت اس سے پہلے ہی واقع ہو چکی تھی۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ فرینک نے پہلے خود کو گولی مار لی ہو اور اس کے بعد جا کر پروفیسر

کو قتل کیا ہو۔"

ڈاکٹر نے گویا اس کے آخری جملوں پر توجہ دیے بغیر کہا۔ "اس بچے کی حاضر دماغی کی داد دینی چاہیے کہ اس نے فوراً یہاں فون کر دیا اور پندرہ منٹ کے اندر اندر میں اور تم پروفیسر کے ہاں پہنچ گئے۔ میں نے دونوں لاشوں کا معائنہ کیا اور پوری رات انھی کے تجزیے میں گزاری۔ میں نے عام فہم زبان میں بھی تمھیں بتا دیا ہے کہ پروفیسر ڈیکوسٹر کی موت چاقو لگنے کے بعد چند سیکنڈ کے اندر اندر واقع ہو گئی تھی۔ چاقو معدے کے منہ سے گزرتا ہوا دل کے نچلے حصے میں پیوست ہو گیا تھا مانا کہ اس کا دل کمزور تھا لیکن میں تمھیں سو فیصد یقین سے بتا رہا ہوں کہ پروفیسر کی موت فرینک کے بعد واقع ہوئی ہے۔ فرینک کی موت دماغ میں گولی لگنے کی وجہ سے واقع ہوئی۔ گزشتہ رات موسم بے حد سرد تھا۔ اس حقیقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں نے لاش کا درجۂ حرارت دیکھا، اس کی پتلیوں کے پھیلاؤ کا جائزہ لیا اور دیگر طبی حقائق کا تجزیہ کیا تو یہ بات طے ہو گئی کہ فرینک، پروفیسر سے کم از کم دس منٹ پہلے مر چکا تھا۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟" چیف والٹن نے ایک بار پھر غیر ارادی طور پر وہی جملہ دہرایا۔ "اچھا ٹھہرو۔۔۔ میں سارجنٹ فریڈ کو بلاتا ہوں۔"

اس نے میز پر رکھے ہوئے انٹر کام کا بٹن دبایا اور کہا۔ "اپنے نوٹس ساتھ لے کر آجاؤ۔"

چند سیکنڈ بعد ہی سارجنٹ فریڈ کچھ کاغذات سنبھالے لڑھکنے کے سے انداز میں کمرے میں آگیا۔ اپنے قد کے لحاظ سے اس کا وزن کچھ زیادہ معلوم ہوتا تھا تاہم وہ ایک طاقتور اور مضبوط آدمی دکھائی دیتا تھا۔ اس کا یونیفارم شکن آلود تھا۔ ٹائی بھی مڑی تڑی سی تھی اس کا سر گنجا اور عمر ساٹھ کے قریب تھی مگر وہ زیادہ سے زیادہ پچاس سال کا دکھائی دیتا تھا۔ کونے میں اسٹول پر بیٹھا ہوا بچہ اس کا نواسہ تھا۔

"سارجنٹ فریڈ!" ڈاکٹر فیئر اپنے لہجے کو بارعب بنانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے ہو۔ تم اس بچے کی کھوپڑی میں اب بھی کچھ نہ کچھ احمقانہ نظریات ٹھونسنے کی کوشش کرتے رہتے ہو؟"

"پلیز۔۔۔" والٹن نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا گویا وہ مختصر الوجود ڈاکٹر کو لحیم شحیم سارجنٹ کے متوقع حملے سے بچانا چاہتا ہو۔ "میں نے سارجنٹ کو اس وقت اس مسئلے کے بارے میں بات کرنے کے لیے طلب نہیں کیا۔"

ڈاکٹر برا سا منہ بنا کر رہ گیا اور سارجنٹ اپنے نواسے کا سر تھپکنے کے بعد ایک بڑی سی کرسی میں دھنس گیا۔

"سارجنٹ!" والٹن نے ایک پرانے سے جگ سے کاغذ کے کپ میں اپنے لیے پانی انڈیلتے ہوئے کہا۔ "تم نے جو کچھ بھی تفتیش کی اس کے بارے میں ذرا ہمیں بتاؤ گے؟"

ڈاکٹر فیئر نے سگار کا دھواں سارجنٹ کی طرف چھوڑا اور سگار کا رُخ بھی یوں اس کی طرف کر لیا گویا وہ کوئی ننھا سا پستول ہو۔ سارجنٹ فریڈ اس کی طرف توجہ دیے بغیر ایک پرانی سی نوٹ بک کے ورق پلٹتے ہوئے بولا۔ "معلوم یہی ہوتا ہے کہ پروفیسر ڈیکوسٹر اور فرینک کئی سال سے ایک دوسرے کے سخت خلاف تھے۔ پروفیسر کی بھتیجی ایلسا نے بھی یہی بتایا ہے۔ فرینک کئی سال سے ایلسا سے شادی کا خواہاں تھا لیکن پروفیسر کسی قیمت پر ایلسا کو اس کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پروفیسر ہی اس لڑکی کا سرپرست تھا۔ لڑکی کے والدین زندہ نہیں ہیں۔ پروفیسر کی تمام دولت و جائیداد کی وارث بھی ایلسا ہی تھی۔ پروفیسر نے ایک مدت پہلے ہی سخت الفاظ میں فرینک سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر ایک نیم بیمار، نیم جاہل اور دولت کے لالچی شخص کو خاندان میں شامل کرنا نہیں چاہتے۔ فرینک کی سماجی حیثیت بھی کوئی خاص نہیں تھی۔ وہ ایک عمارت میں چوکیدار تھا۔"

"یہ سب باتیں ہمیں معلوم ہیں۔" ڈاکٹر غرایا۔ "بلکہ برسوں سے پوری کاؤنٹی میں ان کا چرچا ہوتا چلا آرہا ہے۔ پروفیسر ڈیکوسٹر بھی ویسے کوئی قابلِ تعریف انسان نہیں تھے لیکن اس بات پر البتہ سب لوگ متفق ہیں کہ فرینک واقعی لڑکی کی دولت کے چکر میں تھا ورنہ بھلا کون اس سے شادی کرنا چاہے گا۔ اس کی شکل تو دیکھی ہی ہے تم نے۔"

"کیوں۔۔۔ کیا خرابی ہے اس کی شکل میں؟" کمرے کے کونے سے فوراً بچے کی آواز سنائی دی۔ اس کے لہجے میں خفگی تھی۔

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ وہ تو بڑی اچھی عورت ہے۔" ڈاکٹر فیئر جلدی سے بولا۔ "مجھے امید ہے کہ پروفیسر نے اس کے لیے اچھی خاصی دولت چھوڑی ہو گی۔ اس بے چاری نے بوڑھے پروفیسر کی خدمت بھی بہت کی تھی۔ لیکن اگر واقعی فرینک نے ہی پروفیسر کو قتل کیا ہے تو اس نے ناحق اتنی زحمت کی اور اپنی جان بھی گنوائی۔ اس لیے کہ پروفیسر کو تو اب ویسے بھی زیادہ عرصے زندہ نہیں رہنا تھا۔"

"کیا پروفیسر ڈیکوسٹر بیمار تھے؟" والٹن نے پوچھا۔

"انھیں کینسر تھا۔" ڈاکٹر فیئر نے جواب دیا۔ "ان کی موت کے بعد میں رازداری برقرار رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ پچھلے چند برسوں میں پروفیسر نے ڈاکٹر ریگن سے کئی آپریشن کرائے تھے اور اب آپریشن کی بھی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ تھوڑے ہی عرصے کے مہمان تھے۔ خیر۔۔۔ تم اپنی بات جاری رکھو سارجنٹ! یہ معاملہ کسی کنارے لگے تو مجھے جا کر سونا بھی ہے۔"

سارجنٹ سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ "دونوں افراد کی طرف سے ایک دوسرے کو قتل کی دھمکیوں کا سلسلہ کئی ماہ سے جاری تھا۔ خصوصاً اس وقت سے جب سے فرینک نے ایلسا سے ملاقات

کی کوششیں شروع کر دی تھیں اور ایلسا سنجیدگی سے غور کرنے لگی تھی کہ پروفیسر کی ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے فرینک کی پیش کش قبول کر لے۔ پھر کل پروفیسر نے ایلسا کو بتایا کہ فرینک اس جھگڑے کو طے کرنے کی غرض سے ان کے ہاں آرہا ہے۔ اس نے ایلسا کو ہدایت کی کہ اسے ہر حال میں کمرۂ نشست تک محدود رہنا ہوگا۔ وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں نکلے گی جب تک بات چیت ختم نہ ہو جائے۔ میرے نواسے پیٹر کی ایلسا سے خوب بنتی ہے۔ کل رات یہ ایلسا کے ساتھ کمرۂ نشست میں ہی موجود تھا اور اس کا بنایا ہوا کیک کھا رہا تھا۔ نو بجے کے قریب اچانک فرینک گھر میں داخل ہوا اور اس سے پہلے کہ پیٹر یا ایلسا اٹھ کر کھڑے بھی ہو سکتے، وہ ہال سے گزر کر سیدھا پروفیسر کے کمرے میں چلا گیا۔ اسی لمحے پروفیسر کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔"

بچہ ایک بار پھر بولا۔ "اٹھارہ" پروفیسر نے چیخ کر کہا تھا "یہ چاقو پھینک دو۔" اس کے بعد ان کی گھٹی گھٹی چیخ سنائی دی تھی اور خاموشی چھا گئی تھی۔"

سارجنٹ ڈائری کا ورق پلٹتے ہوئے بولا۔ "اس دوران پیٹر اور ایلسا اٹھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ ایک قدم بھی اٹھاتے، انھوں نے فرینک کو پروفیسر کے کمرے سے باہر آتے دیکھا۔ اس نے تیزی سے پروفیسر کے کمرے کا دروازہ مقفل کیا اور دوڑتا ہوا ہال سے گزر کر بیرونی دروازے سے نکل گیا۔ اس کے بعد پیٹر اور ایلسا نے باہر آکر پروفیسر کے کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ مقفل تھا اور کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک کھڑکی کا شیشہ توڑ کر کھڑکی کھولی اور اندر پہنچے۔ انھوں نے پروفیسر کو اس حالت میں مردہ پایا کہ چاقو ان کے سینے سے ذرا نیچے پیوست تھا۔ ہمارا گھر وہاں سے چند ہی قدم کے فاصلے پر ہے۔ پیٹر دوڑا دوڑا گھر آیا۔ اس نے ساری بات مجھے بتائی۔ میں دوڑا دوڑا پروفیسر کے گھر پہنچا اور اس دوران پیٹر نے ہیڈ کوارٹرز فون کر دیا۔"

"یہ بچہ بہت سے بڑوں سے زیادہ سمجھدار معلوم ہوتا ہے۔" ڈاکٹر نے خیال ظاہر کیا۔

سارجنٹ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "پروفیسر کے ہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ واقعی مر چکا تھا۔ باہر آکر ادھر ادھر نظر ڈالتے ہی ہمیں گلی کے کونے پر فرینک کی کار بھی نظر آگئی۔ کار اندر سے مقفل تھی اور اس کا دروازہ کھولنے کے لیے ہمیں ایک کھڑکی کا شیشہ توڑنا پڑا۔ فرینک کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا اور وہ مر چکا تھا۔ اس دوران ایلسا صدمے سے بے ہوش ہو گئی۔ جب تک میں اسے گھر واپس لایا تب تک آپ دونوں بھی پہنچ چکے تھے۔"

"تم نے دیکھا ڈاکٹر؟" والٹن فاتحانہ انداز میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ "فرینک کی موت پہلے کیسے واقع ہو سکتی تھی جبکہ دو گواہوں نے اسے قتل کا ارتکاب کرتے دیکھا؟"

"تمھاری ایک گواہ تو ابھی تک صحیح طور پر کوئی شہادت دینے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔" ڈاکٹر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اور تمھارا دوسرا گواہ محض ایک بچہ ہے۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد ڈاکٹر نے اچانک پوچھا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ زنگ آلود کیل چبھنے سے جو زخم آتا ہے وہ اس سے زیادہ خطرناک نہیں ہوتا جو صاف ستھری اور چمکیلی کیل چبھنے سے آتا ہے؟"

"نہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔" والٹن نے برا سا منہ بنا کر تسلیم کیا۔

"بہرحال، یہ حقیقت ہے۔ میں جب کوئی ایسی بات بتاتا ہوں تو تم میری بات پر یقین کر لیتے ہو لیکن جب معاملہ تھیالوجی کا آتا ہے تو یک دم تم مجھ سے بڑے ڈاکٹر بن جاتے ہو۔"

"اس معاملے میں کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی ضرور غلط کہہ رہا ہے۔" چیف بے بسی سے بولا۔

اس دوران بچے نے نیچی آواز میں سارجنٹ فریڈ کو مخاطب کیا۔ "پیارے نانا! مجھے واپس اسکول بھی جانا ہے۔ مجھے یہاں بیٹھے تقریباً ایک گھنٹا ہو گیا ہے۔"

"بچے کو جانے دو۔" ڈاکٹر فیئر نے سفارش کی۔

لیکن تب بچے نے جانے کے بجائے والٹن کو مخاطب کیا۔ "چیف! اگر آپ مجھے چند سوالات کرنے دیں تو شاید میں بتا سکوں کہ درحقیقت کیا ہوا ہے۔"

"کیوں نہیں۔" والٹن کاغذی کپ کو توڑ مروڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینکتے ہوئے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید کسی بچے کی معصومانہ یا بیوقوفانہ سی باتیں سن کر اسے اپنے منتشر اعصاب کو پرسکون بنانے میں کچھ مدد ملے۔ چند منٹ ضائع کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

بچہ شاید اپنی نوٹ بک میں اسی کیس کے کچھ نکات نوٹ کرتا رہا تھا۔ وہ اپنی نوٹ بک پر نظر دوڑاتے ہوئے اور عینک درست کرتے ہوئے بولا۔ "کیا چاقو پر کسی کے فنگر پرنٹس موجود تھے؟"

"نہیں۔" سارجنٹ فریڈ نے جواب دیا۔ "ہم نے یہی رائے قائم کی تھی کہ فرینک نے دستانے پہن کر چاقو استعمال کیا تھا۔"

"کیا فرینک اس وقت بھی دستانے پہنے ہوئے تھا جب آپ نے اس کی لاش دریافت کی پیارے نانا؟" بچے نے اپنی زرد رنگ کی پنسل ہونٹوں کے قریب گھماتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن کار میں دستانوں کی ایک جوڑی موجود تھی۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ اس نے دستانے اس لیے اتار دیے ہوں گے کہ ریوالور کو آسانی سے صحیح طور پر استعمال کر سکے۔"

"تم کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو پیٹر؟" دفعتاً والٹن سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تم بچے کو بات کرنے دو۔" ڈاکٹر فیئر جلدی سے بولا۔ "میرے

علاوہ یہاں صرف پیٹر ہی اپنے ذہن کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے"

"بعض چیزیں مجھے کچھ عجیب بلکہ مضحکہ خیز سی لگ رہی ہیں" پیٹر اپنے مخصوص متانت بھرے لہجے میں بولا "مثلاً فرینک نے پروفیسر کو چاقو سے ہی کیوں قتل کیا؟ اس کے پاس ریوالور تھا۔ وہ انھیں گولی بھی مار سکتا تھا"

"شاید وہ وہاں زیادہ شور نہ کرنا چاہتا ہو" والٹن نے خیال ظاہر کیا۔

"شور ہونے یا نہ ہونے سے اس کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں اور ایلسا تو گھر میں موجود ہی تھے۔ ہم نے اسے آتے اور واپس جاتے تو دیکھ لیا" پیٹر بولا۔

"ممکن ہے اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ رہی ہو۔ اس نے عقل سے کام لینے کی کوشش ہی نہ کی ہو" والٹن بولا "یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا ارادہ پروفیسر کو چاقو مارنے کا نہ رہا ہو لیکن جب اشتعال میں یا اضطراری طور پر اس سے یہ فعل سرزد ہو گیا تو اس نے واپس اپنی کار میں جا کر خود کو بھی ہلاک کر لیا"

"میں ایک بار پھر یاد دلا دوں کہ فرینک پہلے مرا تھا" ڈاکٹر نے لقمہ دیا۔

پیٹر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں نے کافی دیر اس پہلو پر سوچا ہے کہ آخر یہ واقعہ کل رات ہی کیوں رونما ہوا؟ کل کا دن ہمارے اس موسم سرما کا اب تک کا سرد ترین دن تھا۔ اس بات کی اس کیس میں کوئی اہمیت ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ اس کے علاوہ کل پہلا دن تھا کہ پروفیسر نے اپنے گھر میں میری موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پروفیسر صاحب بچوں کو پسند نہیں کرتے تھے اسی لیے ایلسا مجھ سے ملنے اور گپ شپ کرنے اکثر ہمارے ہی گھر آتی تھی، میں ان کے ہاں کم جاتا تھا"

"پروفیسر شاید فرینک کی آمد سے کچھ خوف محسوس کر رہا تھا اور تحفظ کے خیال سے کسی نہ کسی کو گھر میں موجود دیکھنا چاہتا تھا" والٹن نے جواز پیش کیا۔

"میں تو محض بچہ ہوں" پیٹر بولا "اگر پروفیسر واقعی خوفزدہ ہوتے اور تحفظ کی ضرورت محسوس کرتے تو وہ نانا کو اپنے گھر مدعو کر لیتے۔ درحقیقت پروفیسر صرف یہ چاہتے تھے کہ میں اور ایلسا کمرۂ نشست میں موجود رہیں جہاں سے ہم بیرونی دروازے کو دیکھ سکیں لیکن کر کچھ بھی نہ سکیں"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" سارجنٹ اور والٹن نے بیک آواز پوچھا۔

"یہی کہ پروفیسر ڈیکوئر نے درحقیقت فرینک کو قتل کیا اور پھر خودکشی کر لی۔ جبکہ آپ لوگ اس معاملے کو اس کے بالکل الٹ سمجھ رہے ہیں" پیٹر بولا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سارجنٹ فریڈ نے بہ غور اپنے نوالے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم نے اور ایلسا نے فرینک کو اندر آتے دیکھا تھا۔ پروفیسر کی چیخ سنی تھی پھر فرینک کو گھر سے جاتے دیکھا تھا۔ فرینک جاتے وقت پروفیسر کے کمرے کا دروازہ بھی باہر سے مقفل کر گیا تھا اور اس کی چابی ہمیں فرینک کی جیب سے ملی تھی۔ پروفیسر کے کمرے کی کھڑکیوں کی کنڈیاں اندر کی طرف سے بند تھیں۔ اس کے علاوہ ہمیں فرینک بھی مردہ حالت میں اپنی مقفل کار کے اندر ملا تھا"

"میں سمجھتا ہوں کہ پروفیسر نے فرینک سے ملاقات کے لیے گزشتہ رات کا انتخاب شاید اس لیے کیا تھا کہ صبح ہی سے سردی بہت تھی اور اندازہ ہو رہا تھا کہ شام کو بھی فضا زیادہ صاف نہیں ہو گی۔ ہوا میں دھندلاہٹ سی ہو گی" پیٹر بولا "ایلسا کا کہنا ہے کہ اس نے فرینک کو اندر آتے دیکھا۔ میری نظر کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ فرینک کا چہرہ ایلسا نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے بھی صرف اتنا ہی دیکھا تھا کہ اوورکوٹ اور ہیٹ والا ایک شخص پروفیسر کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ بہت تیزی میں تھا۔ اس کا رُخ بھی قدرے ترچھا تھا۔ پروفیسر نے چونکہ ایلسا کو پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ نو بجے فرینک آ رہا ہے اس لیے جب اس نے عین اسی وقت پر ویسے ہی اوورکوٹ اور ہیٹ میں جیسا کہ عموماً فرینک ہر وقت پہنے دکھتا تھا، ایک شخص کو پروفیسر کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تو فوری طور پر سمجھا کہ وہ فرینک ہی ہو گا حالانکہ اس شخص کا چہرہ وہ بھی نہیں دیکھ سکی ہو گی کیونکہ اس کا ہیٹ جھکا ہوا تھا اور کوٹ کا کالر اٹھا ہوا تھا"

"اگر وہ فرینک نہیں تھا تو پھر کون تھا؟" والٹن نے پوچھا۔

"پروفیسر ڈیکوئر — اور کون" پیٹر اطمینان سے بولا "فرینک اور پروفیسر تقریباً ایک ہی قد و قامت کے تھے۔ فرق صرف کوٹ اور ہیٹ ہی کی وجہ سے نظر آتا تھا۔ پروفیسر نے اسی لیے کسی سرد رات کا انتظار کیا تھا کہ فرینک یقینی طور پر اوورکوٹ اور ہیٹ پہنے گھر میں داخل ہوا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا جہاں وہ مجھے اور ایلسا کو سنانے کے لیے چیخا تاکہ ہم سمجھیں کہ اسے چاقو گھونپا گیا ہے پھر وہ ہماری طرف پشت کیے کمرے سے نکلا، دروازہ مقفل کیا اور اس سے پہلے کہ ہم ہال عبور کر سکتے، وہ گھر سے نکل گیا۔ یہ سب کچھ بہت تیزی سے ہوا اور یہی پروفیسر چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں سوال یہ ابھرا تھا کہ اگر فرینک نے ہی پروفیسر کو قتل کیا تھا تو پھر جاتے وقت اسے کمرے کا دروازہ مقفل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کے خیال میں اس کی وجہ کیا تھی؟"

"مجھے نہیں معلوم" والٹن نے بے بسی سے کہا۔

"اس لیے کہ کمرہ اس وقت خالی تھا۔ پروفیسر نہیں چاہتا تھا کہ میں اور ایلسا دوڑ کر آئیں اور فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر جھانک کر دیکھ لیں کہ وہاں کوئی نہیں ہے" پیٹر بولا "پروفیسر نے کمرے کی پچھلی کھڑکی

کھلی چھوڑی تھی۔ وہ گھر سے نکل کر جلدی سے عقب میں پہنچا اور اس کھڑکی کے راستے دوبارہ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے اس کھڑکی کو بھی اندر سے بند کیا اور کرسی پر بیٹھ کر چاقو سے خود کو ہلاک کر لیا پھر کئی منٹ بعد جب میں اور لوسی کمرے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے تو ہمیں پروفیسر کی خودکشی قتل نظر آئی۔"

"لیکن کیوں۔۔۔؟" والٹن کراہنے کے سے انداز میں بولا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" اس بار ڈاکٹر فیئر بول اٹھا۔ "یہ تو میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ پروفیسر بیمار تھا اور اس کے زیادہ عرصے زندہ رہنے کی امید نہیں تھی۔ اسے یہ بھی یقین ہو چکا تھا کہ اس کی موت کے بعد ایلسا فرینک سے شادی کرے گی اور یوں فرینک بالآخر اس کی دولت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ چنانچہ پروفیسر نے کچھ عرصہ پہلے مر کر فرینک سے ایلسا کو محفوظ رکھنے کا سامان کر لیا اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ پروفیسر کو اس تصور سے زیادہ نفرت تھی کہ فرینک ایلسا سے شادی کرے گا یا اس تصور سے زیادہ چڑ تھی کہ فرینک اس کی دولت پر قبضہ کرے گا۔ بہرحال وہ ایک ایسا طریقہ سوچنے میں کامیاب ہو گیا جس سے فرینک کا قضیہ بھی پاک ہو سکتا تھا اور خود پروفیسر بھی لوگوں کی نظر میں ایک مظلوم اور مقتول بن کر ان کی ہمدردیاں سمیٹتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو سکتا تھا۔"

پیٹر اپنی عینک ناک پر جما کر ڈاکٹر کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پروفیسر نے فرینک کو رات کے پونے نو بجے آنے کے لیے کہا ہوگا اور ہدایت کی ہوگی کہ وہ گاڑی گلی کے کونے پر کھڑی کرے تاکہ وہ ایلسا کے علم میں لائے بغیر بات چیت کر سکیں۔ پروفیسر عقبی کھڑکی ہی کے راستے کمرے سے نکل کر اس سے ملنے پہنچا اور جب اس نے دیکھا کہ فرینک ویسا ہی کوٹ اور ہیٹ پہنے ہوئے ہے جیسے کوٹ اور ہیٹ کا بندوبست خود پروفیسر نے کر رکھا تھا تو اس نے مطمئن ہو کر فرینک کو گولی مار دی۔ اس کی جیب میں پروفیسر نے اپنے کمرے کی ڈپلیکیٹ چابی ڈال دی اور ریوالور اس کے ہاتھ میں پھنسا کر کار مقفل کر دی۔ کار چونکہ فورڈ تھی جو باہر سے بھی بغیر چابی کے مقفل ہو سکتی ہے اس لیے اس کا مقفل پایا جانا کوئی ایسی حیرت کی بات نہیں تھی۔ اس کے بعد پروفیسر جب فرینک جیسا ہی گہرے رنگ کا اوور کوٹ اور ہیٹ پہنے تیزی سے گھر میں داخل ہوا تو ہم صورت دیکھے بغیر ہی سمجھے کہ وہ فرینک ہے۔"

والٹن بولا۔ "اس ساری وضاحت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پروفیسر کے پاس اپنے کمرے کی ایک اور چابی بھی ہونی چاہیے تھی۔ اس کے علاوہ وہ اوور کوٹ اور ہیٹ بھی وہیں کہیں موجود ہونا چاہیے تھا۔"

"اسی لیے تو اصل میں مجھے اپنی تھیوری کے درست ہونے کا یقین ہوا ہے۔" پیٹر اسٹول سے اتر کر دروازے کی طرف ایک قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔ "پروفیسر نے کوٹ اور ہیٹ ایسی جگہ چھپایا جہاں انھیں تلاش کرنے کا کسی کو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا خصوصاً جبکہ یہ یقین کر لیا گیا تھا کہ پروفیسر کو قتل کیا گیا ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ ہیٹ اور کوٹ کو کہیں اور رکھ سکتا۔ اس نے کوٹ اپنی دیوار گیر الماری میں دیگر کوٹوں اور پتلونوں وغیرہ کے ساتھ لٹکا دیا اور ہیٹ دیگر ہیٹوں کے ساتھ رکھ دیا۔ کیا اب میں جا سکتا ہوں چیف؟ آج سہ پہر کو اسکول میں میرا ریاضی کا ٹیسٹ ہے۔" پھر وہ سارجنٹ فریڈی کی طرف مڑا۔ "میں جاؤں نانا؟"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیوں نہیں پیٹر ڈیئر!" سارجنٹ فریڈ نے ہڑبڑا کر کہا۔ اس کا چہرہ فخر سے دمک رہا تھا۔

والٹن بولا۔ "فریڈ! جا کر پروفیسر کی وارڈروب چیک کرو۔ مجھے امید تو نہیں ہے کہ وہاں تمہیں اس قسم کی کوئی چیز ملے گی لیکن چیک کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔"

"انھیں ہیٹ اور کوٹ ضرور مل جائے گا۔" پیٹر دروازے پر پہنچ کر رکتے ہوئے بولا۔ "میں آج صبح ایلسا کی مزاج پرسی کرنے پروفیسر کے گھر گیا تھا اور لگے ہاتھوں میں نے وارڈروب چیک کر لی تھی۔ فرینک کے ہیٹ اور کوٹ سے ملتا جلتا ایک ہیٹ اور کوٹ اس الماری میں موجود ہے۔ کوٹ کی جیب میں ہی کمرے کی دوسری چابی بھی موجود ہے۔ میں نے جیب میں ہاتھ نہیں ڈالا۔ باہر ہی سے ٹٹول کر دیکھا تھا۔"

ڈاکٹر فیئر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اٹھا اور پیٹر کے قریب پہنچ کر بولا۔ "پیٹر! میرے بچے! میں تمہیں اپنی گاڑی میں اسکول چھوڑ دوں گا۔ تمہیں لفٹ دینا میرے لیے ایک اعزاز ہوگا۔ میں راستے میں تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش بھی کروں گا کہ مستقبل میں تم ڈاکٹر بننے کا فیصلہ کرو تو اس کائنات کے حق میں بہت بہتر ہوگا۔ یہاں کے لوگوں کو ایک اور ذہین ڈاکٹر کی اشد ضرورت ہے۔"

بوڑھا ڈاکٹر اور دس گیارہ سالہ لڑکا رخصت ہو چکے تو دونوں پولیس آفیسر کچھ دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر سارجنٹ فریڈ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ والٹن بولا۔ "ان رپورٹروں کو اندر بھیج دینا۔" پھر وہ سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا کہ اگر وہ اپنی صوابدید پر گیارہ سال کے ایک بچے کو محکمۂ پولیس میں پارٹ ٹائم سراغرساں کے طور پر بھرتی کر لے تو سٹی کونسل کا ردعمل کیا ہوگا؟ لیکن اسے امید تھی کہ آج کی روداد سنا کر وہ آسانی سے اس بھرتی کی منظوری حاصل کر لے گا۔



THE VOICE OF A CHILD
Stuart M.Kaminsky.



مذاق

نجمہ مودی

نوعمری کی ناداںیاں کبھی کبھی عجیب رنگ دکھاتی ہیں۔ وہ نٹ کھٹ نوجوان جو اپنی شرارتوں اور آوارگیوں سے خاصا مطمئن تھا' ایک نئی شرارت کے تانے بانے میں ایسا اُلجھا کہ اُسے اندازہ ہی نہ ہو سکا' وہ کس راستے پر چل رہا ہے۔ ایک عورت اُس کا ہدف تھی جو خود ایک جرم کر کے روپوشی کی زندگی گزار رہی تھی۔

مذاق ہی مذاق میں ایک نئے عذاب کو دعوت دینے کا قصہ

وہ حد سے زیادہ بور ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس سے تو اچھا تھا وہ اسکول ہی چلا جاتا مگر پھر اسے احساس ہوا کہ اسکول میں شاید وہ اس سے بھی زیادہ بور ہوتا۔ اُس نے زبردستی کھانستے ہوئے اسکول فون کیا تھا اور اپنے جیومیٹری کے ٹیچر کو بتادیا تھا کہ کھانسی کی وجہ سے وہ اسکول نہیں آسکے گا۔

ساڑھے نو بجے تک جیف اِدھر اُدھر بے مقصد پھرتا رہا پھر اس نے اپنا "کاروباری" دورہ شروع کردیا۔ ایک بجے تک وہ کاروبار سے بھی فارغ ہوگیا۔ سہ پہر کا کچھ حصہ اس نے مارکیٹ میں وڈیو گیمز کھیلتے ہوئے گزارا۔ صرف پانچ منٹ کھیلنے کے بعد ہی اسے احساس ہونے لگا تھا کہ وڈیو گیمز بچوں کے مطلب کی چیزیں تھیں اور وہ اب بچہ نہیں رہا تھا۔

وڈیو گیمز کی دکان سے نکل کر اس نے "پزا پیلس" میں بیٹھ کر بڑے سائز کا ایک پزا کھایا پھر ایک ایسے سینما ہاؤس میں فلم دیکھنے چلا گیا جہاں اکیس سال سے کم عمر افراد کا داخلہ ممنوع تھا۔ جیف مشکل سے اٹھارہ سال کا تھا مگر دیکھنے میں اکیس کا لگتا تھا اور اپنے آپ کو اکیس کا ثابت کرنے کے لئے اس نے ایک جعلی کارڈ بھی بنوایا ہوا تھا۔ وہی کارڈ دکھا کر اس نے سینما کا ٹکٹ لیا اور گویا ایک نئی دنیا میں داخل ہوگیا جہاں وہ اسکرین پر نظریں جمائے حیرت سے سوچتا رہا۔ اچھا..... اکیا دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے؟

ساڑھے تین بجے وہ اس سینما ہال سے بھی نکل آیا۔ اب اُس کے سامنے وقت گزاری کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور وہ بوریت کے مارے مرا جارہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اسے اپنی کاروباری مصروفیات صبح کے بجائے شام میں شروع کردینی چاہئیں مگر اس کا مطلب تھا کہ اسے دو ہفتوں میں ایک مرتبہ اسکول میں آدھا دن زیادہ گزارنا پڑتا۔

فی الحال وہ اپنے کاروبار کے لئے دو ہفتے میں صرف ایک مرتبہ آدھے دن کی کلاسیں چھوڑتا تھا تاکہ اس کی بے قاعدگی کو زیادہ محسوس نہ کیا جاسکے اور اس کی شکایت اس کے گھر تک نہ پہنچے۔ اسے خوشی تھی کہ اگلے سال تک اس کی اسکول سے جان چھوٹ جائے گی۔ اگلے سال وہ پورے اٹھارہ سال کا ہونے والا تھا۔

اس کے بعد وہ اسکول میں حاضر رہنے کا پابند نہ رہتا۔ فی الحال اس کی ماں اسی لئے اسے اسکول جانے پر مجبور کرتی تھی کہ اسے تعلیمی افسر کو کسی بھی وقت اس کا حاضری کا کارڈ دکھانے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ جیف کے خیال میں اس کی ماں کو خواہ مخواہ ہی تعلیمی افسر کی آمد کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ عمر کے سترہ برسوں میں تو جیف نے تعلیمی افسر کی صورت نہیں دیکھی تھی۔

اسے اسکول سے چھٹکارا ملنے کا تصور تو مسرت انگیز محسوس ہوتا تھا لیکن اس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنا فاضل وقت میسّر آجانے کے بعد وہ کیا کرے گا؟ وہ سوچتا کہ اس وقت وہ دو ہفتے میں ایک دن کے بجائے ایک ہفتے میں ایک دن اپنے کاروبار کے لئے مخصوص کردے گا لیکن اس صورت میں بھی اس کے پاس ہفتے میں چھ دن بچتے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان چھ دنوں میں وہ کیا کیا کرے گا؟

کبھی وہ سوچتا کہ وہ اپنے کاروبار کو وسعت دے گا۔ کاروبار کو وسعت دینے کا مطلب یہ تھا کہ خطرات بھی بڑھ جائیں گے۔ وہ اپنے آپ کو سمجھاتا کہ کچھ فائدہ اٹھانے کے لئے نقصان کا خطرہ تو مول لینا ہی پڑتا ہے۔ آملیٹ بنانے کے لئے انڈوں کو توڑنا ہی پڑتا ہے۔

اسے اپنے کاروبار پر فخر تھا۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا کہ کاش وہ کسی سے اپنے کاروبار کے بارے میں باتیں کرسکتا۔ اپنے فخر کا اظہار کرسکتا۔ کم از کم کسی ایک فرد سے ہی داد حاصل کرسکتا کہ اس نے اس کاروبار کا سوچ کر کتنی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ ایسے اچھوتے اور نادر خیالات ہر ایک کے ذہن میں نہیں آتے تھے اور پھر اس نے کاروبار صرف سوچا نہیں تھا' وہ نہایت ماہرانہ اور پیشہ ورانہ انداز میں اسے چلا بھی رہا تھا۔

خود اپنی تشریح کے مطابق جیف دواؤں کے کاروبار سے وابستہ تھا۔ پہلے اس نے اپنے لئے ذہن میں "ڈرگ ڈیلر" کے الفاظ تجویز کئے تھے لیکن پھر اسے احساس ہوا تھا کہ لفظ "ڈرگ" دنیا بھر میں بہت بدنام ہوچکا تھا۔ خود اسے بھی اس کا تاثر کچھ اچھا نہیں لگا تھا چنانچہ اب وہ اپنے بارے میں دل میں صرف اس طرح سوچتا تھا کہ وہ دواؤں کے کاروبار سے وابستہ تھا۔

"کاروبار" کا سلسلہ کچھ یوں تھا کہ ساڑھے نو بجے وہ کوئی بہانہ کرکے اسکول سے نکلتا تھا اور گھر پہنچ جاتا تھا۔ اس وقت اس کی ماں گھر پر نہیں ہوتی تھی اس لئے اس کی طرف سے الٹے سیدھے سوالات کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک کینٹین میں کام کرتی تھی۔

گھر پہنچ کر جیف جینز اور جوگرز وغیرہ کے بجائے صاف ستھری پتلون' کوٹ اور سفید شرٹ پہنتا تھا۔ ٹائی لگاتا تھا۔ چمڑے کے جوتے پہنتا تھا اور یوں معززانہ حلئے میں آجاتا تھا۔ اس کے بعد وہ ہر شاپنگ سینٹر میں واقع میڈیکل اور جنرل اسٹورز کا دورہ شروع کرتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کبھی کبھی اندرون شہر تک چلا جاتا تھا۔

شروع شروع میں وہ صرف میڈیکل اسٹورز پر جاتا رہا لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ ہر جنرل اسٹور میں بھی ایک دو کاؤنٹر ایسی دواؤں کے ضرور ہوتے تھے جنہیں خریدنے کے لئے ڈاکٹر کے نسخے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دکانوں میں گاہک اپنی ضرورت کی چیزیں مختلف کاؤنٹرز سے خود اٹھاتے تھے۔

جیف ان دواؤں کے کاؤنٹرز سے کھانسی' سردرد' زکام' قبض' بدہضمی وغیرہ کی گولیاں' وٹامنز کی گولیاں' آنکھوں اور کانوں میں ڈالے جانے والے ڈراپس کی شیشیاں اور اس قسم کی دوسری تمام چھوٹی موٹی ادویات جیبوں میں اور درمیانے سائز کے ایک شاپنگ بیگ میں بھرنا شروع کردیتا۔

اسٹور سے نکلنے سے پہلے وہ کوئی چھوٹی موٹی چیز خرید بھی لیتا تاکہ کسی کو اس پر شک نہ ہو۔ اس کی معززانہ شخصیت اور حلئے کی وجہ سے کسی کو یہ گمان تک نہیں گزرتا تھا کہ بہت سی چیزیں وہ ادائیگی کئے بغیر لے جارہا ہے۔ وہ دراز قد اور خوش شکل تھا۔ اس کا لباس صاف ستھرا اور بال سلیقے سے بنے ہوتے تھے۔ وہ دکان والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا۔ کوئی گہری نظر سے بھی اس کی طرف دیکھتا تھا تو وہ نظر نہیں چُراتا تھا۔ کوئی اس پر چوری کا شبہ نہیں کرسکتا تھا۔

دکانوں سے خاطر خواہ مال جمع کرنے کے بعد وہ دوبارہ گھر پہنچتا' "مال" ایک معقول قسم کے بریف کیس میں منتقل کرتا پھر آس پاس کی عمارتوں میں چلا جاتا جو کم آمدنی والے لوگوں کے لئے بنے ہوئے فلیٹوں پر مشتمل تھیں۔ ان عمارتوں میں رہنے والوں کے ہاتھ وہ تمام دوائیں وغیرہ آدھی قیمت پر فروخت کردیتا۔

وہ انہیں بتاتا کہ وہ ایک سیلز کمپنی کا گشتی نمائندہ ہے جو کم آمدنی والے لوگوں کو خصوصی فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے اور تیار کنندگان کے منافع کی قربانی دیتے ہوئے یہ مصنوعات آدھی قیمت پر فروخت کرا رہی تھی۔ اپنی دانست میں وہ اس طرح واقعی کم آمدنی والے لوگوں کی خدمت کررہا تھا۔ جس میں خود اس کا اپنا بھی ایک ذریعۂ آمدنی نکل آتا تھا۔ اس کے خیال میں اس میں کسی کا بھی کوئی نقصان نہیں تھا۔ اتنی بڑی بڑی دکانوں سے اگر چند ڈبے گولیوں وغیرہ کے چلے جاتے تھے تو ان کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

چنانچہ اسے اپنے کاروبار پر فخر تھا۔ یہ کاروبار بغیر کسی دشواری اور پریشانی کے نہایت عمدگی سے چل رہا تھا لیکن اس روز تھوڑی سی بدمزگی ہوگئی۔

اس روز اُس نے اپنے ایک جانے پہچانے اپارٹمنٹ کے دروازے پر دستک دی جس میں ایک بوڑھی خاتون مسز لارکن رہتی تھیں لیکن دروازہ مسز لارکن کے بجائے ایک جوان عورت نے کھولا۔ اس کی عمر تیس پینتیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کے بال سرخ' چہرہ بیضوی اور آنکھیں سرمئی تھیں۔ اس کی نظریں گویا لیزر شعاعوں کی طرح جیف کے جسم میں اتری جارہی تھیں۔ وہ سیاہ پتلون اور چست سرخ جرسی میں تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ

ایسے تاثرات تھے جیسے دل ہی دل میں کہہ رہی ہو "کیا مصیبت آن پڑی ہے تم پر؟ کیوں مجھے تنگ کرنے آگئے ہو؟"

تاہم یہ کہنے کے بجائے اس نے خشک لہجے میں پوچھا "کیا بات ہے؟"

"مسز لارکن کہاں ہیں؟" جیف نے دریافت کیا۔

"میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتی۔ شاید تم غلط اپارٹمنٹ پر آگئے ہو۔" وہ دروازہ بند کرنے لگی۔

جیف جلدی سے بولا "وہ برسوں سے اسی اپارٹمنٹ میں رہ رہی تھیں۔"

"اگر وہ رہ رہی تھیں تو اب نہیں رہتیں۔ پچھلے ہفتے سے میں اس اپارٹمنٹ میں آگئی ہوں۔"

جیف کو اندیشہ محسوس ہوا کہ مسز لارکن یا تو انتقال کر چکی تھیں یا پھر زیادہ بڑھاپے کی وجہ سے کسی نرسنگ ہوم میں منتقل ہو چکی تھیں۔ اب جیف کی توجہ دروازے پر چسپاں کارڈ کی طرف مبذول ہوئی۔ اس پر اب مسز لارکن نہیں بلکہ "لیزا ہینلے" لکھا ہوا تھا۔ لیزا ہینلے یقیناً نئی کرائے دار تھی۔ جیف نے سوچا کاروباری نقطۂ نظر سے اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ مسز لارکن کی طرح لیزا ہینلے بھی اس کی مستقل گاہک بن جاتی۔

چنانچہ اس نے اپنی رام کہانی شروع کی "میں آپ سے اپنا تعارف کرادوں۔ میں جیف اینڈ ملڈ سیلز کمپنی کا نمائندہ ہوں۔ انہوں نے کم آمدنی والے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے حیرت انگیز رعایت کے ساتھ ہلکی پھلکی دوائیں وغیرہ فراہم کرنے کی اسکیم شروع کی ہے۔"

عورت کی آنکھوں میں صرف ایک یا دو سیکنڈ کے لئے دلچسپی کی رمق ابھری پھر اس نے کچھ اس طرح جیف کا سرتاپا جائزہ لیا جیسے وہ اسے کوئی بونا دکھائی دے رہا ہو حالانکہ جیف کا قد پانچ فٹ دس انچ تھا۔

پوچھا۔ "تم منشیات کا کاروبار کرتے ہو؟" عورت نے سرد لہجے میں

"خدا کی پناہ! ہرگز نہیں۔" وہ کچھ اور بھی کہنے لگا تھا لیکن اس نے بروقت اپنے آپ کو روک لیا "میں تو چھوٹی موٹی تکالیف میں کام آنے والی ہلکی پھلکی دوائیں فروخت کرتا ہوں جن کے لئے ڈاکٹر کے نسخے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس عمارت میں رہنے والے تقریباً سبھی لوگ میرے مستقل گاہک ہیں۔"

"اچھا۔ وہ چھوٹی موٹی دوائیں جو دکانوں میں کاؤنٹرز پر پڑی رہتی ہیں۔" عورت گویا اصل بات سمجھ کر سر ہلاتے ہوئے بولی "تم ان کاؤنٹرز سے یہ چیزیں چرا لاتے ہوگے اور زیادہ رعایت کا لالچ دے کر یہاں لوگوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہوگے۔"

پھر اس کے لہجے میں یکدم سختی آگئی "بھاگ جاؤ لڑکے! مجھے کسی بھی قسم کی دوا کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آئندہ بھی کبھی مجھے پریشان نہ کرنا۔"

"آپ دیکھ تو لیں کہ میرے پاس کیا کچھ ہے۔ پھر میں آپ کو تفصیل....." اس کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ وہ کھٹاک سے دروازہ بند کر چکی تھی۔

"کتیا!" جیف زیرلب بڑبڑائے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ اس روز کا ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ جیف کے ساتھ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

اس واقعے کی تلخی اور ناگواری تو اپنی جگہ تھی لیکن اب جیف کے سامنے وقت گزاری کا بھی مسئلہ تھا۔ وہ ابھی گھر جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ رات کے کھانے پر ہی گھر پہنچتا تھا اور اس میں ابھی تین گھنٹے پڑے تھے۔ اب وہ مزید کوئی فلم دیکھنے بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس علاقے کے سنیماؤں میں بیشتر فلمیں بھی اس کی دیکھی ہوئی تھیں۔ بچگانہ فلمیں دیکھنا یا مزید ویڈیو گیمز کھیلتے رہنا بھی اس کے شایانِ شان نہیں تھا۔ وہ بچہ نہیں رہا تھا ایگزیکٹو آفیسر قسم کی چیز تھا۔ وہ اپنی تصوراتی کمپنی "جیف اینڈ ملڈ سیلز کمپنی" کا مالک تھا۔

وہ اس وقت ایک ویڈیو شاپ کے سامنے برآمدے میں ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ درحقیقت اس کی سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا کہ اس وقت اس کا کیا کرنے کا موڈ تھا۔

اسی دوران اس کی نظر قریب ہی استادہ ایک پیپر باکس پر پڑی۔ ایک شخص نے اس میں دو سکے ڈالے تھے اور اس میں سے ایک اخبار باہر آگیا تھا۔ جیف نے بھی اس میں سے ایک اخبار نکال لیا۔ اسے اخبار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ گھر جاکر اخبار ماں کو دے دے گا۔ شاید وہ اس کے مطالعے میں مصروف ہو جائے اور اس سے پوچھنا بھول جائے کہ اب تک وہ کہاں تھا' کیا کرتا رہا تھا' اس نے اپنا بستر کیوں نہیں سمیٹا' گھر کا کچرا کیوں ٹھکانے نہیں لگایا' ہوم ورک کیوں نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اخبار لے کر اس نے شاپنگ سینٹر کے مرکزی دروازے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اچانک کسی نے عقب سے اسے نام لے کر پکارا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کینٹ تھا جو اُس کے گھر کے قریب ہی رہتا تھا اور اس کا اچھا دوست تھا۔

"ہیلو جیف! تم اسکول سے اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گئے؟" کینٹ نے قریب آکر پوچھا۔

"میں آج اسکول گیا ہی نہیں۔" جیف نے جواب دیا "بہانہ کرکے گول ہو گیا تھا۔ میں تو کافی دیر سے یہیں ہوں۔"

"ویڈیو گیمز کھیلنے چلیں؟" کینٹ نے پوچھا۔

"خدا کا واسطہ .....!" جیف کراہا "مجھے یہ دودھ پیتے بچوں والے کھیل کھیلنے کے لئے مت کہو۔"

کینٹ نے عجیب سی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ کینٹ ایک عجیب سا ہی لڑکا تھا۔ کبھی کبھی تو جیف کو اس کی شخصیت اور

تاثرات مضحکہ خیز سے لگتے تھے۔ اس کے بال زرد اور آنکھیں نیلی تھیں۔ وہ سترہ سال کا تھا مگر اس سے کم عمر کا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی اچھوتا خیال یا نئی بات نہیں آتی تھی لیکن اگر دوسرا کوئی کام کی بات کرتا تھا تو بڑی توجہ سے سنتا تھا۔ وہ ایک معقول اور قابل اعتماد لڑکا تھا۔

جیف کو اچانک خیال آیا کہ وہ کیوں نہ کینٹ سے اپنے "بزنس" کے سلسلے میں کوئی کام لے۔ جب وہ کاروبار کو پھیلانے کا ارادہ کرتا تو کینٹ کو پارٹنر بھی بنا سکتا تھا۔ کینٹ کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی۔ اس معصوم اور بچکانہ چہرے کے ساتھ وہ کسی اسٹور میں گھس کر آدھی چیزیں بھی چرا کر نکل آتا تو شاید کسی کو اس پر شک نہ ہوتا۔

"اچھا... اب میں سمجھا۔" کینٹ نے خاصی تاخیر سے سر ہلایا۔ "یعنی وڈیو گیمز تمہاری نظر میں دودھ پیتے بچوں کے کھیل ہیں۔ میں تو سوچ رہا تھا....."

اچانک اس کی نظر جیف کے ہاتھ میں موجود اخبار کی کسی سرخی پر پڑی اور اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر اس نے سرخی ذرا بلند آواز میں پڑھی "نیلے رین والی قتل کی وارداتوں کے سلسلے میں کوئی سراغ نہیں ملا۔"

جیف بولا "میرے خیال میں تو تمہیں یقین رکھنا چاہئے کہ پولیس کبھی اس قاتل کو نہیں پکڑ سکے گی۔"

شہر میں قتل کی کئی وارداتیں ہو چکی تھیں جنہیں "نیلے رین والے قتل" کا عنوان دیا گیا تھا۔ نیلا رین استعمال کرنے والا قاتل پکڑا نہیں جا سکا تھا۔ جیف نے اخبار سیدھا اور ذرا اونچا کر کے اس طرح تھام لیا کہ دونوں دوست بیک وقت اس سلسلے میں تازہ ترین خبر پڑھ سکیں۔ خبر کچھ یوں تھی۔

"پولیس چیف تھامس میلوئے نے آج بتایا ہے کہ پورے شہر میں فوری طور پر رات نو بجے سے صبح چھ بجے تک کے لئے پولیس کے گشت میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ پولیس چیف نے اعتراف کیا کہ 'نیلے رین والی' قتل کی وارداتوں کے سلسلے میں ابھی پولیس کے سامنے کوئی سراغ نہیں ہے۔ انہوں نے خواتین کو مشورہ دیا ہے کہ وہ رات کو تنہا باہر نہ نکلیں۔

گزشتہ تین ہفتوں کے دوران چار عورتوں کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا جا چکا ہے اور پولیس کو یقین ہے کہ یہ ایک ہی قاتل کا کام ہے۔ دو لاشیں ڈیل پارک میں پائی گئی تھیں اور ایک نارتھ سائڈ مال کے قریب فٹ پاتھ پر ملی تھی جبکہ ایک لاش ایک دفتری عمارت کی پارکنگ لاٹ میں پائی گئی تھی۔

چاروں عورتوں کو رات دس بجے سے صبح پانچ بجے کے درمیان قتل کیا گیا تھا۔ میڈیکل ایگزامنر کی رپورٹ کے مطابق چاروں کی عمریں انتیس سے پینتیس سال کے درمیان تھیں اور چاروں کے بال سرخ تھے۔ چاروں کے گلے میں ایک نیلا رین 'بو (BOW) کی شکل میں بندھا ہوا ملا تھا۔"

"آخر قاتل نے ان عورتوں کو قتل کرنے کے بعد ان کے گلے میں نیلا رین کیوں باندھا؟" کینٹ نے اخبار سے نظریں ہٹاتے ہوئے سوال کیا۔

"قاتل کے ذہن کے کسی کونے میں جذبۂ حب الوطنی موجود ہے۔" جیف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" کینٹ نے بھویں اچکائیں۔

"اتنی آسان سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی؟" جیف بولا "بھئی تمام عورتیں سفید فام تھیں۔ ان کے بال سرخ تھے۔ قاتل نے ان کے گلے میں نیلا رین باندھ کر ہمارے قومی پرچم کے رنگ پورے کر دیئے۔" اس نے ایک لمحے کے لئے خاموش ہو کر گویا کچھ سوچا پھر کہا "یا پھر شاید قاتل نے انعام کے طور پر انہیں رین سے نوازا ہے۔"

"کس کارنامے کا انعام؟" کینٹ نے جاننا چاہا۔

"مرجانے کا انعام۔" جیف نے جواب دیا۔

کینٹ کے سیدھے سادے دماغ میں یہ بات نہیں آ سکی۔ اس میں حس مزاح بھی نہیں تھی تاہم وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔ وہ عام طور پر کسی مسئلے پر بحث بھی نہیں کرتا تھا۔ جیف کے خیال میں اپنی اس خوبی کی بنا پر بھی وہ ایک اچھا کاروباری ساتھی یا پارٹنر ثابت ہو سکتا تھا لیکن پہلے اسے آزمانا ضروری تھا۔ اس کے باصلاحیت ہونے کا یقین کرنا ضروری تھا۔ جیف یونہی کسی کو اپنی کاروباری دنیا میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے لئے بہت سی خوبیاں ضروری تھیں۔

مثلاً اس کاروبار کے لئے سب سے پہلے تو مستقل مزاجی ضروری تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ آج صبح اس کی جگہ اگر کینٹ ہوتا تو لیزا ہینیلے جیسی کمینی عورت کے رویئے سے اتنا بددل ہوتا کہ شاید اس کے بعد وہ کوئی دوسرا دروازہ نہ کھٹکھٹاتا جبکہ جیف نے اس کے بعد بھی کئی گھروں میں "مال" فروخت کیا تھا۔

لیزا ہینیلے کا خیال آتے ہی ایک بار پھر جیف کا خون کھول اٹھا۔ وہ بہت ہی بددماغ عورت معلوم ہوتی تھی۔ جس طرح اس نے جیف سے بات کی تھی اور جس طرح کھٹاک سے دروازہ بند کیا تھا' اس سے جیف کو بڑی ذلت کا احساس ہوا تھا۔ اب کینٹ سے بات کرتے ہوئے اسے وہ سب کچھ یاد آیا تو ساتھ ہی ذہن میں ایک آئیڈیا بھی آیا۔ اس عورت کو یقیناً سبق سکھانا چاہئے تھا۔

وہ اخبار تہ کر کے بغل میں دباتے ہوئے بولا "کینٹ! میرے دوست! میرے ذہن میں ایک بہت ہی پیارا آئیڈیا آیا ہے۔ ہمیں یوں بوریت کے عالم میں آوارہ گردی کرنے کی ضرورت نہیں۔"

چند سیکنڈ کے لئے خاموش ہو کر اس نے اس آئیڈیا پر مزید غور کیا۔ اس نے جتنا غور کیا اتنا ہی وہ اس کے دل کو زیادہ بھایا۔ اس پر عمل کر کے وہ ایک تیر سے دو نہیں' بلکہ تین شکار کر سکتا تھا۔ اس احمق اور بددماغ عورت سے بدلہ لے سکتا تھا' کینٹ کو آزما سکتا تھا اور فارغ اوقات کی بوریت سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ بہت ہی

عمدہ آئیڈیا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو شاباش دی' خوش دلی سے مسکرایا اور کینٹ کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولا "سنو پیارے! ہمیں تھوڑا سا شغل کرنا چاہئے۔ میں نے لطف اندوز ہونے کا ایک طریقہ سوچا ہے۔"

○☆○

لیزا کو جب پہلی بار احساس ہوا کہ اس کا تعاقب.... بلکہ شاید نگرانی کی جارہی تھی تو وہ نہ صرف بری طرح خوف زدہ ہوگئی بلکہ اسے یہ فکر بھی پڑ گئی کہ یہ سلسلہ کب سے چل رہا تھا؟

گزشتہ سنیچر کی شام وہ قریبی ریستوران سے واپس آرہی تھی تو اسے وہم سا ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے آرہا ہے لیکن جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسے کچھ دور صرف دو لڑکے کھڑے دکھائی دیئے جو زور شور سے غالباً بحث میں مصروف تھے۔ ان میں سے ایک کی پیٹھ لیزا کی طرف تھی۔ انہوں نے لیزا کی طرف دیکھا تک نہیں۔

پھر اتوار کو شام ڈھلے جب اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں لیزا کا دم گھٹنے لگا تھا تو وہ قریبی پارک میں جاکر ایک بینچ پر بیٹھ گئی اور چھوٹی سی مصنوعی جھیل کا نظارہ کرنے لگی۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے گھور رہا تھا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ پختہ روش پر کچھ دور صرف ایک نوجوان کھڑا تھا لیکن اس کی بھی لیزا کی طرف پشت تھی اور وہ سر اٹھائے غالباً درخت پر بیٹھے کسی پرندے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اتوار کی رات وہ سودا سلف کے لفافے اٹھائے تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف چلی جارہی تھی۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد وہ گھر سے باہر رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔ خصوصاً جب سے اس نے اخباروں میں نیلے رین والے قاتل کی وارداتوں کے بارے میں پڑھا تھا۔

وہ خیریت سے اپنی اپارٹمنٹ بلڈنگ تک پہنچ گئی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ پہلی لینڈنگ تک پہنچی تھی تو عقب سے سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی دھمک سنائی دینے لگی جیسے کوئی اس کے پیچھے آرہا ہو۔ وہ رک گئی۔ قدموں کی آواز بھی رک گئی۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی تو عقب سے وہی آواز پھر اوپر آتی محسوس ہونے لگی۔

دو مرتبہ ایسا ہوا۔ آخر لیزا نے سیڑھیاں پھلانگنی شروع کردیں۔ پیچھے قدموں کی آواز بھی تیز ہوگئی۔ اس کا اپارٹمنٹ صرف تیسری منزل پر تھا لیکن جب وہ وہاں پہنچی تو بری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس نے بدحواسی کے عالم میں پرس سے چابی نکالنے کی کوشش کی تو پرس ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور اس کی چیزیں بکھر گئیں۔ وہ گھبراہٹ میں انہیں اٹھانے جھکی تو سودے سلف کا لفافہ گر گیا۔

اس نے خوف زدہ نظروں سے راہداری میں دائیں بائیں دیکھا۔ راہداری میں خاموشی اور ویرانی تھی۔ درحقیقت اس ہاؤسنگ اسکیم کے اس بلاک میں زیادہ تر سناٹا ہی رہتا تھا کیونکہ لیزا کے سوا باقی تمام فلیٹوں میں رہنے والے افراد نہایت عمر رسیدہ تھے۔ وہ بھی کبھار ہی گھروں سے نکلتے تھے اور جب نکلتے تھے تب بھی اُن کے سلیپر گھسٹنے کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

وہ جلد از جلد اس خستہ حال بلڈنگ' اس تنگ و تاریک اپارٹمنٹ اور ان پڑوسیوں سے دور چلی جانا چاہتی تھی جو اگر کبھی کبھار نظر بھی آجاتے تھے تو لیزا کی شکستہ دلی اور ذہنی بوجھ مزید بڑھ جاتا تھا۔ ویسے لیزا خود اپنے تحفظ کی خاطر اپارٹمنٹ سے کم ہی نکلتی تھی اور لوگوں سے کتراتی تھی۔

لیزا نے بوکھلاہٹ میں فرش پر بکھری ہوئی چیزوں میں سے صرف چابی اٹھائی اور تالا کھول کر جلدی سے اندر گھس گئی۔ تمام چیزیں اس نے باہر فرش پر ہی چھوڑ دیں۔ دروازہ مقفل کرکے اس نے بولٹ چڑھایا اور ننھے سے سوراخ سے باہر دیکھا۔

اسے توقع تھی کہ سیڑھیوں کی طرف سے کوئی خونخوار اور وحشی قسم کی شخصیت برآمد ہوگی مگر کوئی آتا دکھائی نہیں دیا۔ کئی منٹ کے انتظار کے بعد آخر اس نے خاموشی سے دروازہ کھولا اور خوف زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جلدی جلدی اپنی چیزیں اٹھا کر دوبارہ اپارٹمنٹ میں گھس گئی۔ کہنے کو کچھ بھی نہیں ہوا تھا مگر دیر تک اس کے اعصاب مرتعش رہے۔

پھر گزشتہ رات کے واقعے کے بعد تو اسے یقین ہوگیا کہ جو کچھ ہورہا تھا وہ محض اتفاق نہیں تھا۔ اس کی باقاعدہ نگرانی کی جارہی تھی اور اس پر گھات لگائی جارہی تھی۔

سڑک کے کونے پر ایک ڈرگ اسٹور تھا جہاں رسالے اور بعض دوسری چیزیں بھی ملتی تھیں۔ لیزا اس رات ٹی وی دیکھتے دیکھتے بور ہوچکی تھی۔ اس کا کچھ پڑھنے کو شدت سے دل چاہ رہا تھا۔ وہ عمارت سے نکل آئی تب اسے اندازہ ہوا کہ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ آسمان پر نہ تو چاند تھا اور نہ ہی کوئی تارا۔ سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ دور سڑک کے کونے پر صرف ایک اسٹریٹ لائٹ ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ جتنا تیز چل سکتی تھی' چل رہی تھی۔ درحقیقت وہ دوڑنا چاہتی تھی لیکن اسے معلوم تھا اس طرح دوسروں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوسکتی تھی اور ان دنوں کسی کی نظر میں آنے سے بچنا ہی اس کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ اسی لئے وہ دن کی روشنی میں گھر سے نہیں نکلتی تھی حالانکہ اس تنگ و تاریک فلیٹ میں مقید رہ کر وہ زندگی سے بے زار ہوچکی تھی لیکن جب تک اگلا قدم اٹھانے کے سلسلے میں وہ کسی واضح فیصلے پر نہ پہنچ جاتی اور اس کے لئے حالات سازگار نہ ہوجاتے تب تک اسے بہرحال اس قید خانے میں رہنا تھا۔

اس وقت تک کسی کی نظر میں آنے سے بچنا بھی اس کے لئے انتہائی ضروری تھا۔ اسی میں اس کی سلامتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اگر اس کا شوہر اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا تو وہ اسے قتل کرڈالے گا۔ یہ اس کا وہم' بے بنیاد خدشہ یا محض تصوراتی خوف نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔

اس کے شوہر کا غصہ قیامت تھا اور اس غصے کا اس وقت کوئی تصور نہیں کرسکتا تھا جب کوئی اسے بے وقوف بنانے یا دھوکا دینے کی کوشش کرتا۔ لیزا نے یہی کام کیا تھا۔ اس نے اپنے شوہر کو پورے پانچ لاکھ ڈالر کی چوٹ دی تھی۔

وہ بہ خیریت ڈرگ اسٹور تک پہنچ گئی۔ چند رسالوں کے علاوہ اس نے خوشبو دار صابن اور اسپرین کی گولیوں کی شیشی بھی خرید لی۔ موٹی سی سیلز گرل نے خوش خلقی کا مظاہرہ کرنے کے لئے اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے محض سرہلانے پر اکتفا کیا اور اپنے اپارٹمنٹ کی طرف واپس چل دی۔

اس نے چند قدم ہی کا فاصلہ طے کیا تھا کہ فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی سبزے کی باڑھ یوں ہلنے لگی جیسے اس کے دوسری طرف چلتا ہوا کوئی شخص اس پر کوئی چھڑی یا کچھ اور چیز رگڑتا ہوا جارہا تھا لیکن اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیزا نے تیز تیز چلنا شروع کردیا مگر اسی تیزی سے اس کے ساتھ ساتھ باڑھ بھی ہلتی چلی گئی۔ کوئی یقیناً اس کے برابر رہنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس طرف راستے میں ایک اسٹریٹ لائٹ کا کھمبا بھی آیا مگر اس کا بلب شاید فیوز تھا۔ وہ باڑھ کے دوسری طرف دیکھنے میں ناکام رہی۔ سچی بات یہ تھی کہ صحیح طور پر دیکھنے کی اس میں ہمت بھی نہیں تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس طرف موجود شخص جھک کر چل رہا ہو۔

سڑک کے کونے پر پہنچ کر اسے دوسری طرف جانے کے لئے رکنا پڑا۔ سڑک پار کرنے کے لئے سگنل نہیں کھلا تھا۔ وہ رکی تو باڑھ کے اوپر ایک ہاتھ نمودار ہوا۔ اس ہاتھ میں موٹا سا ایک ڈنڈا... یا پھر شاید بیس بال کا بیٹ تھا۔ لیزا صحیح طور پر نہیں دیکھ سکی۔ دیکھنے کی مہلت بھی نہیں تھی کیونکہ ڈنڈا یا بیٹ کچھ ایسے زاویے پر تھا گویا اس کی کھوپڑی پر پڑنے ہی والا ہو۔ وہ سگنل کھلنے کا انتظار نہ کرسکی اور بوکھلا کر سڑک پار کرنے کے لئے بھاگی۔

کسی گاڑی کے بریک چرچرائے، کسی کا ہارن بجا، کسی گاڑی سے کوئی غصے سے چیخا مگر وہ ان سب آوازوں پر توجہ دیئے بغیر دوڑتی چلی گئی۔ اس نے اپارٹمنٹ میں پہنچ کر ہی دم لیا۔ دروازے کا تالا لگانے اور بولٹ چڑھانے کے بعد اس نے ہینڈل کے نیچے کرسی بھی پھنسادی۔ لیکن کیا وہ حقیقتاً وہاں محفوظ تھی؟ اب تو اس کا تعاقب کرنے والے کو یقیناً معلوم ہوچکا تھا کہ وہ کہاں اور کس اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔

وہ اب تک غلط فہمی میں مبتلا رہی تھی۔ وہ نیلے رین والا قاتل نہیں تھا جو اس کے پیچھے لگا ہوا تھا بلکہ اس کا شوہر اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے کسی کی خدمات حاصل کی تھیں جو پہلے اسے دہشت زدہ کررہا تھا۔ اچھی طرح دہشت زدہ کرنے کے بعد وہ اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔

اسے اسٹین کی فطرت کا اندازہ تھا۔ وہ اسے سیدھے سادے طریقے سے قتل کرنا ہرگز پسند نہیں کرسکتا تھا۔ لیزا کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اسٹین پہلے اسے ایک طویل ذہنی و جسمانی اذیت میں مبتلا رکھے گا اور اسے سسک سسک کر مرتے دیکھنا چاہے گا۔

اسٹین، لیزا کا تیسرا شوہر تھا اور اس کے پہلے دونوں شوہروں سے اس کا غصہ کہیں زیادہ خطرناک تھا۔ اس کا پہلا شوہر جون تو درحقیقت بالکل بھی غصہ ور نہیں تھا۔ وہ تو بڑے ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا۔ لیزا کا اور اس کا بینک اکاؤنٹ مشترکہ تھا جس میں لیزا کی رقم تو برائے نام ہی تھی۔

لیزا جب اس اکاؤنٹ کا صفایا کرکے فرار ہوئی تو اسے کوئی خاص خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ تصور ہی تصور میں دیکھ سکتی تھی کہ جون اپنے کسی دوست سے کہہ رہا تھا "بھئی اگر وہ اس قسم کی عورت تھی تو پھر اچھا ہی ہوا کہ میری اس سے جان چھوٹ گئی۔ رقم کی کوئی بات نہیں۔ رقم کا مجھے زیادہ افسوس نہیں ہے۔"

اس مرتبہ فرار ہوتے وقت لیزا کے ہاتھ تقریباً پچپن ہزار ڈالر کی رقم آئی تھی۔ وہ ایک دوسرے شہر چلی گئی تھی جہاں کچھ عرصے بعد اس نے رالف سے شادی کرلی تھی۔ اس نے جون سے طلاق لینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اسے اندیشہ تھا اگر جون کو معلوم ہوگیا وہ کہاں ہے، تو وہ اس سے اپنی رقم واپس لینے کی کوشش کرے گا۔

رالف کو چھوڑ کر بھاگنا اس کے لئے زیادہ منافع بخش رہا۔ اس بار نہ صرف مشترکہ اکاؤنٹس سے ایک لاکھ ڈالر اس کے ہاتھ آئے تھے بلکہ وہ رالف کی ماں کی خاندانی جیولری بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ وہ تمام زیورات کافی قیمتی تھے۔ رالف نے کہا تھا کہ وہ زیورات ایک ایک کرکے سالگرہ، شادی کی سالگرہ اور ایسے ہی دوسرے موقعوں پر اسے ہی مل جائیں گے۔ لیزا نے سوچا تھا کہ جب وہ زیورات ایک روز اسی کے ہونے تھے تو پھر انہیں چار دن پہلے ساتھ لے جانے میں کیا حرج تھا؟

وہ نیویارک چلی گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ زیورات کی چوری کی رپورٹ درج ہوتی اور دوسرے شہروں تک پہنچتی، لیزا نے انہیں بیچ دیا۔ پھر رہنے کے لئے وہ ایک جنوبی شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔

اسٹین سے پہلی ملاقات کے دو ماہ بعد اس نے اس سے شادی کرلی۔ آسودہ حال آدمی کو لیزا دور سے ہی پہچان لیتی تھی۔ اسٹین کے بارے میں اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دولت مند تھا۔ پھر اسے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ رنڈوا تھا۔ احساس تنہائی کے مارے شخص کا دل موہ لینا لیزا کے لئے زیادہ مشکل نہیں تھا۔ خصوصاً جبکہ وہ جوان، خوش شکل اور خوش ادا تھی۔

ظاہر ہے اس نے رالف سے بھی طلاق لینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ تاہم اس سارے سفر میں اس کا نام تبدیل ہوتا رہا تھا۔ پیدائش کے وقت اس کا نام الزبتھ رکھا گیا تھا۔ بچپن میں اس کے باپ کا نام تھا۔ جون سے شادی کے وقت وہ بیٹی ڈیل تھی۔ رالف سے شادی کے وقت وہ این بیٹے ہوچکی تھی۔ اسٹین سے شادی کے وقت وہ لیتھ ڈکسن تھی اور اب وہ لیزا ہینلے بن چکی تھی۔ لیزا نام

اسے ہمیشہ سے پسند تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اب وہ باقی زندگی اسی نام کے ساتھ گزارے گی۔

آخری واردات کے بعد اس کے پاس اتنی رقم ہو گئی تھی کہ اب اسے جلد شادی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے اس کی تینوں شادیاں خواہ مختصر عرصہ چلی تھیں لیکن اس دوران اس نے اپنے تینوں شوہروں کو بہت خوش رکھا تھا۔ تینوں اس پر فریفتہ رہے تھے۔

"بے بی.....!" اسٹین نے ایک مرتبہ اس سے کہا تھا "میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر تم کبھی مجھے چھوڑ کر گئیں تو میں دنیا کے دوسرے سرے تک تمہیں تلاش کروں گا اور آخرکار ڈھونڈ نکالوں گا۔"

اب لیزا کو یقین ہونے لگا تھا کہ اسٹین کا دعویٰ سچا تھا۔ اس کے پیچھے یقیناً اسٹین کا مقرر کردہ کرائے کا قاتل لگا ہوا تھا۔ وہ جب اسٹین کو چھوڑ کر فرار ہونے لگی تھی تو اس کا ذہن اس امکان کی طرف گیا تھا کہ اسٹین چونکہ کافی خوش حال شخص تھا اور مشترکہ اکاؤنٹ کا صفایا ہونے کے بعد بھی قلاش ہونے والا نہیں تھا۔ اس لئے وہ لیزا کی تلاش کے سلسلے میں تمام بڑے بڑے شہروں میں سراغرسانوں کی خدمات حاصل کر سکتا تھا۔ کوئی بعید نہیں تھا کہ وہ بعض دوسرے ملکوں میں بھی پرائیویٹ سراغرسانوں کی خدمات حاصل کر لیتا۔

چنانچہ لیزا نے اپنی دانست میں بڑی عقلمندانہ ترکیب سوچی تھی۔ اس نے اسی شہر میں اسٹین کی ناک تلے رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اسے اسی شہر میں تلاش کرنے کا اسٹین کو خیال تک نہیں آئے گا۔ اس نے فرار ہوتے ہی فلاحی ادارے کی ایک شاخ سے پرانے کپڑے خرید لئے تھے' اپنے سرمئی بالوں کو رنگ کر گہرا سرخ کر لیا تھا اور اپنی تباہ حالی کی ایک دردناک کہانی لے کر ایک ایسے ہاؤسنگ پراجیکٹ کے منیجر کے پاس جا پہنچی تھی جس میں کم آمدنی والے لوگوں کی رہائش تھی۔ وہاں اسے حال ہی میں خالی ہونے والا ایک فلیٹ مل گیا تھا۔

وہ اب پرانے کپڑے پہنتی تھی اور حتی الامکان غریب نظر آنے کی کوشش کرتی تھی جبکہ وہ ہمیشہ بڑے ٹھاٹ باٹ سے رہی تھی۔ اسے شاندار ملبوسات پہننے' بہترین خوشبویات استعمال کرنے' اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں ٹھہرنے اور اپنے گرد کئی کئی نوکر رکھنے کا بے پناہ شوق تھا۔ اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوتے ہوئے اسٹین تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ایسی غربت زدہ جگہ پر اس مفلوک الحالی میں رہ رہی ہو گی۔

اس کا یہاں دو تین ماہ ٹھہرنے کا ارادہ تھا پھر وہ میکسیکو' بہاماز' کینیڈا یا کسی اور ایسے ملک کی طرف نکل جانا چاہتی تھی جہاں اسے پاسپورٹ کی ضرورت نہ پڑتی۔ اس کے خیال میں اس کا منصوبہ بے عیب تھا لیکن نہ جانے کس طرح اسٹین نے اسے ڈھونڈ نکالا تھا اور اب وہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پولیس کے پاس نہیں جا سکتی تھی۔ یہ جگہ چھوڑ کر جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ اسٹین کا کوئی آدمی اس کی مستقل نگرانی کر رہا ہو۔ اگر اسے یہاں تلاش کر لیا گیا تھا تو پھر اسے کہیں بھی تلاش کیا جا سکتا تھا۔

ان خیالات میں الجھی وہ اپنے ڈریسنگ بیڈ روم میں چلی گئی۔ اپنا غریبانہ لباس اتار کر اس نے ایک طرف پھینک دیا۔ ایسا لباس وہ باہر جاتے وقت پہنتی تھی۔ اس نے الماری سے ایک عمدہ لباس نکال کر پہنا۔ پھر ایک جگہ چھپائے ہوئے جیولری باکس سے کچھ زیورات بھی نکال کر پہن لئے۔ ہلکا سا میک اپ بھی کر لیا۔

اب وہ گویا انسانی روپ میں آئی تھی۔ اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ لیزا نام کی عورت کو ایسا ہی نظر آنا چاہئے۔ اس نے سوچا۔ جس وقت وہ احمق لڑکا منشیات یا شاید کچھ اور بیچنے آیا تھا اس وقت بھی لیزا اتفاق سے اچھے حلیے میں تھی اور بے دھیانی میں اس نے پہلے ننھے سے سوراخ سے باہر دیکھے بغیر ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید پاس پڑوس سے کوئی بوڑھا یا بڑھیا بھولے سے اس کے دروازے پر آن پہنچی تھی۔

اچانک اسے خیال آیا' کہیں وہ لڑکا اسٹین ہی کا کارندہ تو نہیں تھا؟ پھر اسے یاد آیا کہ جب اس نے دروازہ بند کر لیا تھا تو اسے آوازوں سے اندازہ ہوا تھا کہ لڑکا دوسرے فلیٹوں کے دروازوں پر بھی گیا تھا اور عمر رسیدہ مکینوں کے ہاتھ اس نے کچھ چیزیں فروخت کی تھیں۔

تو پھر آخر اسٹین نے کس طرح اس کا سراغ لگایا تھا؟ وہ تو حد سے زیادہ محتاط رہی تھی۔ اپنی دانست میں تو اس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ اس کا یا اس کے کرائے کے قاتل کا کب فیصلہ کن قدم اٹھانے کا پروگرام تھا؟ وہ کتنا عرصہ اسے دہشت زدہ کرنے اور ذہنی اذیت پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا؟

وہ کھڑکی کے قریب ایک کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔ یہاں سے دوسرے بلاک کی اینٹوں کی دیوار دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جلد از جلد اس جگہ سے نکل جائے گی۔ اب وہ یہاں اپنے آپ کو چوہے دان میں پھنسا ہوا چوہا محسوس کر رہی تھی جسے اسٹین کسی وقت بھی مار سکتا تھا۔

اب وہ بھاگ کر بھی اسٹین سے تو نہیں بچ سکتی تھی لیکن شاید اس طرح اسے کچھ مہلت مل جاتی اور اس مہلت کے دوران کوئی بہتر منصوبہ اس کے ذہن میں آ جاتا۔ کوئی ایسا منصوبہ جس کے ذریعے وہ اسٹین کے دستِ اجل سے بچنے میں کامیاب ہو جاتی۔

اس رات وہ بہ مشکل سونے میں کامیاب ہوئی۔ خواب میں اس نے اپنے تینوں شوہروں کو میٹنگ کرتے دیکھا۔ وہ فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ لیزا کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ آیا اسے قتل کر دیا جائے یا پولیس کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اس کی باقی زندگی جیل میں گزرے؟

رالف گویا بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا "بھئی

میں تو اسے جیل ہی بھجوانے کے حق میں ہوں۔ ذرا تصور کرو اس عورت کے جسم پر جیل کے قیدیوں والی معمولی وردی ہو۔ اس کے پاس کوئی زیور نہ ہو۔ یہ میک اپ نہ کرسکے اور اسے مشقت کرنی پڑے۔ بہ خدا۔ اس کے لئے اس سے بڑی سزا کوئی نہیں ہوسکتی۔"

اسٹین کے چہرے پر حد سے زیادہ سنجیدگی تھی۔ وہ غرّانے کے سے انداز میں بولا "میں نہیں چاہتا کہ اس دنیا کو یہ اپنے وجود سے خراب کرتی رہے۔ اس کا تو محض سانس لینا بھی اس دنیا کی آلودگی بڑھانے کے مترادف ہے کیونکہ اس کی سانسوں میں بھی فریب کاری اور خباثت کی بُو شامل ہے۔ اس جیسی مخلوق سے دنیا کو نجات دلانے کا واحد ذریعہ موت ہے۔"

جون باری باری ان دونوں کے چہروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میرا خیال تھا کہ میں لوگوں کو دیکھ کر ان کے کردار کے بارے میں بڑا صحیح اندازہ لگالیتا ہوں لیکن مجھے اعتراف ہے کہ یہ عورت مجھے بے وقوف بنانے میں کامیاب ہوگئی۔"

لیزا کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

دوسرے روز سنیچر تھا۔ لیزا صبح اٹھ کر تیار ہوئی۔ اس نے عمدہ لباس زیب تن کیا۔ کچھ زیورات بھی پہنے۔ اب جبکہ اسٹین اسے تلاش ہی کرچکا تھا تو ایک غریب عورت کا روپ دھارے رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ویسے بھی اب وہ یہ فلیٹ چھوڑ کر جارہی تھی۔

نو بجے وہ گھر سے نکلی۔ اس کا ارادہ ایک ٹریول ایجنسی کے دفتر جانے کا تھا۔ فی الحال وہ ناساؤ جانا چاہتی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ٹریول ایجنسی سے جہاز کا ٹکٹ حاصل کرنے کے علاوہ وہ انہی کے توسط سے ناساؤ کے کسی ہوٹل میں کمرا بھی بک کرالے گی۔ وہاں سے وہ اسی روز کوئی فیری، لانچ یا جہاز پکڑ کر بہاماز کے کسی دور افتادہ جزیرے کی طرف روانہ ہوجائے گی اور جب تک ضرورت محسوس کرے گی، سفر میں ہی رہے گی۔

گزشتہ رات اس نے یہ تدبیر سوچی تھی۔ یہ کوئی بے عیب منصوبہ نہیں تھا۔ اب وہ قائل ہوچکی تھی کہ کوئی منصوبہ بے عیب نہیں ہوتا۔ اپنے جس منصوبے کو بے عیب سمجھتے ہوئے وہ اسٹین کو چکر دے کر بھاگی تھی، اس کا حشر وہ دیکھ رہی تھی۔ اب وہ صرف اس فکر میں تھی کہ ملک سے نکلنے اور سکون سے کچھ سوچنے کا موقع مل جائے۔

ٹریول ایجنسی تک جانے اور سفر کے انتظامات کرنے میں اس کے اندازے سے کم وقت لگا۔ ناساؤ کے لئے دوسرے روز تک کوئی ڈائریکٹ فلائٹ نہیں تھی البتہ پرسوں یعنی پیر کو ڈائریکٹ فلائٹ مل سکتی تھی۔ لیزا نے اسی کا ٹکٹ لیا تھا۔ ٹریول ایجنٹ نے اس کے لئے پیراڈائز آئی لینڈ کے ایک ہوٹل میں کمرا بھی بک کرادیا تھا۔ اس بے چارے کو نہیں معلوم تھا کہ لیزا کا اس ہوٹل میں قیام کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے تو سوچا ہوا تھا کہ وہ محض دکھاوے کے لئے ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اترے گی اور اندر داخل ہونے کے بعد عقبی راستے سے نکل جائے گی۔ وہاں سے وہ واپس ائرپورٹ پہنچے گی اور آگے کہیں روانہ ہوجائے گی۔ یہ سارا چکر تو صرف اس لئے تھا کہ اگر کوئی اس کا تعاقب کررہا ہو تو اسے نچا دیا جاسکے۔

وہ جب اپنے اپارٹمنٹ کی طرف واپس روانہ ہوئی تو اپنے آپ کو کچھ ہلکا پھلکا سا محسوس کررہی تھی۔ اس کی ذہنی حالت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ اب اسے اس اپارٹمنٹ میں صرف دو راتیں اور گزارنا تھیں۔ اگر وہ خیروعافیت سے یہ راتیں گزارنے میں کامیاب ہوجاتی تو کامیاب فرار کی امید رکھی جاسکتی تھی۔

ہوا کے ایک جھونکے نے اس کے سرخ بالوں کی لٹیں بکھیر دیں۔ اس کا خوف فی الحال اس کے ذہن سے محو ہوچکا تھا۔ اس کا ہنسنے کو جی چاہ رہا تھا۔ چشم تصور سے وہ اپنے آپ کو جدید ترین ڈیزائن کے سوئمنگ ڈریس میں خوب صورت ساحل پر نیم دراز دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ڈرنک تھی اور وہ نیلگوں سمندر کے نظارے سے محظوظ ہوتے ہوئے دھیرے دھیرے چسکیاں لے رہی تھی۔ شاید یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ اسٹین نے اسے تلاش کرلیا تھا۔ اس طرح اسے زیادہ جلدی اس دڑبا نما فلیٹ سے نکل بھاگنے کا بہانہ مل گیا تھا۔

بلڈنگ میں داخل ہونے سے پہلے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے صرف ایک عمر رسیدہ جوڑا چھڑیوں کا اور ایک دوسرے کا سہارا لئے قریبی ریستوران کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اسے حوصلہ ہوا کہ فلیٹ میں مزید دو راتیں گزارنا کچھ اتنا زیادہ مشکل کام بھی نہیں تھا۔

سیڑھیاں چڑھ کر وہ فلیٹ کے دروازے تک پہنچی اور اپنے بیگ سے چابی نکالنے لگی۔ اچانک اس کی نظر دروازے پر چسپاں کاغذ پر پڑی۔ اس پر جلی حروف میں صرف اتنا لکھا تھا "پکڑی گئیں!"

○☆○

جیف بہت خوش تھا۔ منصوبے پر بڑی کامیابی اور عمدگی سے عمل جاری تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ شغل اتنا دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہوگا۔ وہ شاید زندگی میں کبھی کسی شرارت سے اتنا لطف اندوز نہیں ہوا تھا۔

کینٹ اس کے لئے بہت اچھا ساتھی ثابت ہورہا تھا۔ وہ دونوں مل کر اس عورت کو بری طرح خوف زدہ کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ اُس رات کے بارے میں سوچ کر اسے کئی بار ہنسی آئی جب وہ بلڈنگ کی سیڑھیوں پر عورت کی نظر میں آئے بغیر اس کا تعاقب کررہا تھا۔ عورت رک جاتی تو وہ بھی رک جاتا، عورت سیڑھیاں چڑھنے لگتی تو وہ بھی چڑھنے لگتا۔ آخر وہ اس طرح بھاگنے لگی تھی جیسے اس کے پیچھے کوئی بلا لگی ہو۔ جیف کو اس بات کا افسوس تھا کہ وہ اس وقت عورت کے تاثرات نہیں دیکھ سکا تھا جب اس نے اپنے دروازے پر وہ کاغذ چسپاں دیکھا ہوگا جس پر لکھا

تھا "پکڑی گئیں۔"

کینٹ اس شرارت میں شریک ہوتے ہوئے ابتدا میں ذرا گھبرایا تھا لیکن بعد میں اس کا حوصلہ کھل گیا تھا اور وہ بھی جیف ہی کی طرح لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ اس رات بھی جب وہ عورت فٹ پاتھ پر جارہی تھی تو کینٹ نے باڑھ کے دوسری طرف چلتے ہوئے چھڑی سے باڑھ کو ہلاتے ہوئے اسے خوب خوف زدہ کیا ہوا تھا جبکہ جیف کونے پر بیس بال کا بیٹ لئے چھپا ہوا تھا۔ اس نے باڑھ کے عقب سے بیٹ یوں نکالا تھا جیسے عورت کی کھوپڑی پر رسید کرنے لگا ہو۔ عورت کس طرح دہشت زدہ ہو کر بھاگی تھی۔ اس تصور سے جیف کو دیر تک ہنسی آتی رہی تھی۔

یہ سب تو اپنی جگہ تھا لیکن اصل کارروائی تو آج کی رات ہونی تھی۔ آج کی رات بہت اہم تھی۔ اس عورت کے دروازے پر وہ کاغذ چسپاں کرنا تو گویا اصل منصوبے کی ابتدائی کارروائی تھی۔ کاغذ چسپاں کرنے کے بعد رات کو جیف کا ارادہ کینٹ سمیت دوبارہ آنے کا تھا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ وہ دونوں مل کر عورت کو اتنا خوف زدہ کریں گے کہ اس کے اعصاب اور جسمانی نظام اتھل پتھل ہو جائے گا۔ چنانچہ آئندہ جب جیف دوائیں لے کر فروخت کرنے کے لئے اس کے دروازے پر پہنچے گا تو وہ ہر چیز ڈھیروں کے حساب سے خرید لے گی۔ اس کا معدہ جواب دے چکا ہوگا۔ تیزابیت بڑھ چکی ہوگی۔ بے خوابی سے اس کے سر میں درد ہوگا۔ اعصاب کشیدہ ہوں گے۔ غرضیکہ اسے ہر طرح کی دوا کی ضرورت ہوگی۔ وہ جیف کو ڈانٹ کر بھگانے کا خیال بھی دل میں نہیں لائے گی۔ جیف اینڈ طرڈ سیلز کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر اور مالک سے اس قسم کی بدتمیزی کر کے کوئی بچ نہیں سکتا تھا۔

جیف نے اپنے منصوبے کے ہر پہلو پر خوب غور کیا تھا۔ وہ اصل میں عورت کو یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ نیلے ربن والا قاتل اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کے دروازے پر کاغذ چسپاں کرنا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اس سے یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ قاتل کو علم ہو چکا تھا وہ کہاں رہتی تھی اور وہ کسی بھی وقت واپس آسکتا تھا۔

رات کو گیارہ بجے جیف کا کینٹ کو ساتھ لے کر دوبارہ وہاں جانے کا پروگرام تھا۔ اب انہیں اپنے پروگرام کے آخری اور اہم ترین مرحلے پر عمل کرنا تھا۔ کینٹ اس مرحلے پر عمل درآمد کے سلسلے میں کچھ خوف زدہ تھا لیکن جیف نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر اپنے مخصوص مربیانہ انداز میں کہا "لیکن! میرے دوست! کیا تم کوئی شغل کرنا نہیں چاہتے؟ لطف اندوز ہونا نہیں چاہتے؟" پھر اس نے اس مرحلے کی تفصیلات واضح کی تھیں اور کینٹ کا خوف دور ہو گیا تھا۔

طے یہ پایا تھا کہ رات کو گیارہ بجے کینٹ اس بلڈنگ کے ہنگامی زینے سے اوپر جائے گا اور عورت کے فلیٹ کی کھڑکی پر کچھ اس طرح کھٹر پٹر کرے گا جیسے کوئی کھڑکی توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش کر رہا ہو۔ عورت یقیناً فلیٹ سے نکل بھاگے گی۔ جیف راہداری میں اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس کے چہرے پر نائیلون کا موزہ چڑھا ہوگا اور ہاتھ میں نیلا ربن موجود ہوگا۔

عورت یقیناً عمارت سے نکل بھاگے گی اور سڑک پر جا پہنچے گی۔ عین ممکن تھا وہ دہشت زدہ انداز میں چیخ چلا رہی ہو۔ اس دوران جیف عمارت سے چپکے سے نکل کر اس کونے پر پہنچ جائے گا جہاں کینٹ اپنے حصے کا کام انجام دینے کے بعد پہنچ چکا ہوگا۔ وہ دونوں یقیناً ہنس ہنس کر بے حال ہو جائیں گے۔

عورت کو غالباً سڑک پر کوئی پولیس والا مل جائے گا جو اس کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ تک آئے گا۔ وہ دیکھے گا کہ بلڈنگ میں کوئی غیر متعلقہ شخص موجود نہیں ہے۔ کوئی کھڑکی نہیں توڑی گئی۔ کوئی چیز چھیڑی نہیں گئی۔ وہ یقیناً اس عورت کو بھی انہی لوگوں میں شمار کرے گا جو اپنے نفسیاتی عوارض یا شہر کے حالات کی وجہ سے واہموں کا شکار رہتے تھے۔ وہ یقیناً ناگواری سے بڑبڑاتے واپس جائے گا۔

جیف کی شام بڑے پُراشتیاق انداز میں گزری تھی۔ وہ بار بار اس تصور سے محظوظ ہوتا رہا تھا کہ عورت جب چیختی ہوئی سڑک پر نکلے گی تو لوگ اسے پاگل سمجھیں گے۔ بعد میں پولیس والا بھی یقیناً فلیٹ وغیرہ کا معائنہ کرنے کے بعد دل ہی دل میں اسے پاگل قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

رات کو جیف دبے قدموں گھر سے نکلا۔ اس کی ماں ایک بار سو جاتی تھی تو پھر صبح سے پہلے نقارے بجنے پر بھی نہیں اٹھ سکتی تھی۔ یہ بات وہ خود اس طرح بتاتی تھی جیسے اس میں بھی فخر کا کوئی پہلو پنہاں ہو۔ تاہم جیف محض احتیاطاً دبے پاؤں گھر سے نکلا تھا۔

کینٹ اسے عمارت کے کونے پر کھڑا مل گیا۔ اس وقت گیارہ بجنے میں پانچ منٹ تھے۔ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق 'مقررہ جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ جیف قریب پہنچا تو وہ سرگوشی میں بولا "سنو جیف! میں سوچ رہا تھا....."

جیف کو اندازہ تھا کہ کینٹ کیا سوچ رہا ہوگا۔ وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "اپنی سنانے کے بجائے تم میری بات غور سے سنو کینٹ! آخری مرحلے پر تمہیں ڈرنے اور پیٹھ دکھانے کی ضرورت نہیں۔ یقین کرو یہ تمہاری زندگی کا دلچسپ ترین تجربہ ہوگا۔ بڑھاپے میں تم اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے حلقے میں بیٹھ کر یہ قصہ سنایا کرو گے۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ بس میں کسی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتا۔" کینٹ فٹ پاتھ پر چلتے چلتے رک کر بولا۔ اس کی نظر عورت کے اپارٹمنٹ کی کھڑکی پر جمی ہوئی تھی "ہم اب تک جو کر رہے تھے وہ تو چلو ایک مذاق تھا..... لیکن....."

"احمق لڑکے! یہ بھی ایک مذاق ہی ہے جو ہم اب کرنے جارہے ہیں۔" جیف نے دبی دبی آواز میں اسے ڈانٹا "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں تم کسی مصیبت میں نہیں پھنسو گے۔ ہم دونوں کے علاوہ اس بات کا پتا ہی کسے چلے گا؟ ظاہر ہے ہم دونوں تو کسی سے

اس کا تذکرہ نہیں کریں گے۔"

وہ کینٹ کو بازو سے پکڑ کر عمارت کے پچھلی طرف لے گیا۔ کینٹ گویا بادلِ ناخواستہ عقبی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ جیف سرگوشی میں بولا "اوپر پہنچ کر سو تک گننا۔ اس کے بعد کھڑکی پر کھٹر پٹر شروع کرنا۔"

"جیف! میری اب بھی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" کینٹ تیسری سیڑھی پر رکتے ہوئے بولا۔

"اب آخری مرحلے پر آکر کام مت خراب کرو۔ کسی خوف زدہ گدھے کی طرح بدکنے کی ضرورت نہیں ہے۔" جیف اپنا لہجہ ہموار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "میں نے تو تمہارے لئے اپنے ذہن میں بڑے پروگرام بنائے ہوئے ہیں۔ میں تو تمہیں ایک ایسے کاروبار میں شریک کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں جس میں تمہارے پاس اتنی رقم آئے گی جتنی تم سے گنی بھی نہیں جائے گی۔ لیکن اگر تم نے صحیح معنوں میں اپنے آپ کو کسی کام کا اہل ثابت کرنے سے پہلے ہی بزدلی دکھانا شروع کردی تو....."

"اچھا.... اچھا.... چلو ٹھیک ہے۔" کینٹ نے دوبارہ سیڑھیاں چڑھنی شروع کردیں۔

"سو تک گنتی گننا یاد رکھنا۔" جیف نے تیز سی سرگوشی میں اسے یاد دلایا اور خود عمارت کے سامنے والے دروازے کی طرف روانہ ہوگیا۔

عمارت میں داخل ہوکر وہ اطمینان سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ عمارت سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہاں دن میں بھی ویرانی کا عالم رہتا تھا۔ اس وقت تو رات کے گیارہ بجے تھے۔ بلڈنگ میں رہنے والے زیادہ تر لوگ عمر رسیدہ تھے اور جلدی سو جاتے تھے۔ جیف کو لیزا جیسی جوان اور خوب صورت عورت کا اس عمارت میں رہنا عجیب لگا تھا۔

تیسری منزل پر اس عورت کے فلیٹ کے قریب پہنچ کر اُس نے جیب سے نائیلون کا موزہ نکالا اور چہرے پر چڑھالیا۔ جیب ٹٹول کر اس نے یہ اطمینان بھی کرلیا کہ نیلا رین اس میں موجود تھا۔ رین وہ عین اس وقت نکالنا چاہتا تھا جب عورت اس کے سامنے پہنچ جاتی تاکہ یکدم وہ زیادہ خوف زدہ ہوجاتی۔

وہ وہاں کھڑا دیر تک انتظار کرتا رہا لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔ اتنی دیر میں تو کینٹ دو سو تک گنتی گن سکتا تھا۔ آخر وہ کہاں مرگیا تھا اور کیا کررہا تھا؟ آخرکار اسے خفیف سی آواز سنائی دی جیسے کوئی پچھلی کھڑکی کے شیشے پر کچھ مار رہا ہو۔

پھر وہ آواز کچھ تیز ہوگئی۔ جیف خوش ہونے کے بجائے فکرمند ہوگیا۔ وہ احمق کینٹ نہ جانے کھڑکی پر کیا مار رہا تھا۔ اگر کھڑکی کا شیشہ یا کوئی اور چیز ٹوٹ گئی تو ان پر کسی کے گھر میں زبردستی گھسنے اور چوری ڈکیتی کی نیت رکھنے کا الزام بھی آسکتا تھا۔ جیف نے کینٹ کو کھڑکی کو صرف کھڑکھڑانے یا کھٹر پٹر کرنے کی ہدایت کی تھی۔

اچانک اسے اپنی تشویش بھول کر آوازوں کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ فلیٹ کے اندر کوئی حرکت میں آیا تھا۔ شاید عورت سوئی ہوئی تھی۔ کینٹ کی کھٹ کھٹ کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی پھر قدموں کی آواز دروازے کے قریب آتی محسوس ہوئی۔

جیف کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اب وہ کسی بھی لمحے دروازے سے برآمد ہونے والی تھی۔ جیف کو اس عالم میں دیکھ کر..... کہ اس کے چہرے پر نائیلون کا نقاب اور ہاتھ میں نیلا رین ہوتا... وہ یقیناً پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کردیتی۔

اندر کھٹاک پھٹاک کی کچھ اور آوازیں ابھریں پھر سکوت چھا گیا۔ اب جیف محض اپنے دل کی دھک دھک سن رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عورت دروازے سے برآمد کیوں نہیں ہورہی تھی۔ وہ گویا بہ زبان خموشی کہہ رہا تھا "اب نکل بھی چکو بدبخت عورت.....!"

دروازہ اس طرح اچانک کھلا کہ ایک لمحے کے لئے جیف ہڑبڑا کر ایک طرف کو ہٹ گیا۔ اس نے رین نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اسی لمحے عورت تیزی سے فلیٹ سے نکلی۔ وہ ننگے پاؤں تھی اور صرف نائٹ گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ اس نے جیف کی طرف دیکھا تک نہیں... اور سیڑھیوں کی طرف دوڑتی چلی گئی۔

وہ اتنی تیزی سے سیڑھیاں اتری کہ دوسرے ہی لمحے اس کا سر جیف کی نظر سے اوجھل ہوگیا۔ وہ ذرا بھی نہیں چیخی تھی۔ بس آندھی طوفان کی طرح فلیٹ سے نکل کر غائب ہوگئی تھی۔ جیف ہونقوں کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تھا۔

"کیتا.... منحوس کیتا...!" وہ غصے سے چلّایا۔

پھر اس نے بلڈنگ کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی ہلکی سی آواز سنی۔ عورت یقیناً بلڈنگ سے باہر چلی گئی تھی۔ جیف ڈھیلے ڈھالے قدموں سے سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ دل ہی دل میں وہ اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کررہا تھا کہ اس کا منصوبہ مکمل طور پر ناکام نہیں ہوا تھا۔ اس کا مقصد عورت کو خوف زدہ کرنا تھا۔ بے شک اس نے جیف کی طرف نہیں دیکھا تھا اور چیخیں نہیں ماری تھیں لیکن وہ خوف زدہ تو بہرحال تھی۔

اچانک وہ مسکرانے لگا۔ دراصل اسے یاد آگیا تھا کہ عورت مین نائٹ گاؤن میں کیسی لگ رہی تھی۔ اسے امید تھی کہ نیچے اسے کینٹ نے بھی دیکھا ہوگا اور اس کی آنکھیں یقیناً ابل پڑی ہوں گی جو اس کے بچوں جیسے چہرے پر عجیب لگ رہی ہوں گی۔

اس نے اپنے چہرے سے نائیلون کا موزہ اتار لیا اور اسے جیب میں ڈال کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ اب اسے باہر جانے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ بہتر ہی تھا کہ عورت ایک آدھ فرلانگ آگے چلی جاتی تبھی وہ عمارت سے نکلتا۔

نیچے پہنچ کر وہ جب باہر جانے کے لئے دروازہ کھول رہا تھا تو

اسے دور کہیں سے وہ آواز سنائی دی جس کا اسے کچھ دیر پہلے انتظار تھا۔ وہ ایک تیز اور سمع خراش چیخ تھی۔ اس کے بعد پھر پہلے کی طرح سکوت چھا گیا۔ جیف دروازہ کھولتے کھولتے رک گیا۔

وہ چند سیکنڈ وہیں ساکت رہا پھر اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ دائیں بائیں دیکھا لیکن اسے کہیں کچھ نظر نہ آیا۔ عورت شاید ننگے پاؤں ہی کافی دور نکل گئی تھی۔

وہ باہر آکر فٹ پاتھ پر چند قدم ہی چلا تھا کہ عورت اسے نظر آگئی۔ وہ کچھ دور آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اس کا دھڑ سڑک پر تھا اور سر یوں فٹ پاتھ پر ٹکا ہوا تھا جیسے وہ تکیہ ہو۔

"خدا کی پناہ....!" جیف نے دل ہی دل میں سوچا۔ شاید وہ گھبراہٹ میں گر پڑی تھی اور اس کا سر فٹ پاتھ سے ٹکرا گیا تھا۔ عین ممکن تھا اسے کافی زور کی چوٹ لگی ہو۔ یہ بھی بعید نہیں تھا کہ وہ بے ہوش ہی ہو گئی ہو۔

جیف دھیرے دھیرے چلتا ہوا اُس کے قریب پہنچا۔ نہ جانے کیوں اسے توقع تھی کہ وہ کسی بھی لمحے اٹھ بیٹھے گی اور اچھل کر ایک بار پھر دوڑنا شروع کردے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ ایک لاش کی طرح وہیں ساکت پڑی رہی۔

جیف نے جھک کر اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن وہاں روشنی کم تھی۔ وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا اور جھک کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ سانس لے رہی تھی یا نہیں؟

اچانک وہ تیز روشنی میں نہا گیا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا اس کے دوسرے سرے پر کیا تھا اور کون اُس پر روشنی پھینک رہا تھا۔ وہ اضطراری طور پر اٹھا اور سر جھکا کر بھاگنے لگا۔

دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ حماقت کر رہا تھا۔ اسے بھلا بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ چند قدم بھاگ کر وہ رک گیا اور پلٹ پڑا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ ایک ذمے دار شہری ہے۔ رات کو چہل قدمی کے لئے نکلا تھا کہ اسے سڑک کے کنارے وہ عورت بے ہوش پڑی نظر آئی۔

حالانکہ وہ رک چکا تھا پھر بھی ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ۔ ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔"

وہ رک تو چکا ہی تھا اب دھیرے دھیرے اس طرف چل دیا جدھر وہ عورت پڑی تھی۔ تحکمانہ آواز پھر ابھری "اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ لو اور میرے قریب آؤ۔"

اب جیف نے دیکھ لیا تھا کہ وہ پولیس والے تھے۔ ان میں سے ایک نے جیف پر ریوالور تان رکھا تھا اور دوسرا عورت پر جھکا ہوا تھا۔ اسی لمحے وہ سر اٹھا کر اپنے ساتھی سے مخاطب ہوا "یہ مر چکی ہے مرفی!"

"میں تو ذرا سیر کرنے کے لئے نکلا تھا۔ میں نے اس عورت کو پڑے دیکھا۔ میں تو صرف یہ دیکھ رہا تھا کہ اسے کسی مدد کی ضرورت تو نہیں۔ مجھ پر روشنی پڑی تو میں سمجھا وہی شخص واپس آن پہنچا ہے جس نے اسے مارا ہے۔ اس لئے میں خوف زدہ ہو کر دوڑ پڑا تھا۔"

وہ اتنی تیزی سے بولتا چلا گیا کہ اس کے الفاظ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔

"اپنے ہاتھ کار کی چھت پر ٹکا لو۔" ریوالور والے نے پولیس کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔ اس نے گویا جیف کا بولا ہوا ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا۔ پھر اس طرح جیف کی تلاشی لی جانے لگی گویا وہ کوئی عادی یا پیشہ ور مجرم ہو۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو۔" جیف نے احتجاج کیا "میں نے کوئی جرم تو نہیں کیا۔ میں تو صرف اس عورت کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

پولیس والا غصیلے سے انداز میں محض ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

اچانک اسے کینٹ کا خیال آیا۔ کینٹ اس کی بے گناہی کی گواہی دے سکتا تھا۔ وہ جلدی سے بولا "دیکھو.... اس عمارت کے قریب میرا ایک دوست موجود ہے۔ وہ تمہیں بتا سکتا ہے۔"

اس نے بلڈنگ کے کونے کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک ہیولا نمودار ہوا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس طرح دوڑ پڑا تھا جیسے اولمپک ریس میں حصہ لے رہا ہو۔

"کینٹ.....!" جیف چیخا لیکن کینٹ چند سیکنڈ کے اندر اندر نظر سے اوجھل ہو گیا۔

دوسرا پولیس والا کار میں جا بیٹھا تھا اور ریڈیو پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ جیف نے اپنے ہاتھ نیچے کرنا چاہے لیکن ریوالور والے پولیس آفیسر نے ریوالور سے ٹھوکا دے کر انہیں اوپر ہی رکھنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے اپنا خالی ہاتھ جیف کی پتلون کی ایک جیب میں ڈال دیا۔ ہاتھ باہر آیا تو اس میں نائیلون کا موزہ تھا۔

"بہت خوب... ذرا یہ تو دیکھو۔" پولیس والے نے ماسک کے طور پر کام کرنے والا نائیلون کا موزہ گاڑی کے بونٹ پر رکھتے ہوئے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ پھر اس نے جیف کی دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس بار ہاتھ باہر آیا تو اس میں نیلا ربن تھا۔ پولیس والے کی گویا اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ اس نے ربن نہایت آہستگی سے موزے کے قریب بونٹ پر رکھ دیا۔

"میں... میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں۔ میں نے اس عورت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ میری بات سنو۔ قسم سے..... میں تو اس کی مدد کرنے کے ارادے سے رکا تھا۔" جیف بوکھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"ٹونی....!" ریوالور والا پولیس آفیسر اپنے ساتھی سے مخاطب ہوا "چیف کو گھر پر اطلاع کراؤ کہ ہم نیلے ربن والے قاتل کو ہیڈکوارٹر لے کر آرہے ہیں۔ ہم نے اُسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے جب وہ اپنے تازہ ترین شکار کی گردن کے گرد نیلا ربن باندھنے ہی والا تھا..."

LET'S HAVE SOME FUN
HELEN TUCKER



ترجمہ مودی

وحشی رشتوں

اس لبادے کی کہانی جو تھا تو سفید ہی لیکن ایک سنگین لمحے میں نیلا ہو گیا تھا

ماضی کی رسوا کن پرچھائیاں کبھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں! اس لیے کہ عیب یا در کھنے کے معاملے میں لوگوں کی یادداشت بہت اچھی ہوتی ہے، یہاں والدین کا جرم بھی اولاد کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے اور وہ بھی بغیر کسی تصدیق کے۔ یہ اُس حسینہ کا فسانہ ہے جس کے حال کو اُس کی ماں کے ماضی نے داغ دار کر دیا تھا۔

پہاڑی پر واقع اس طویل و عریض مکان اور اس کے اردگرد پھیلے ہوئے درختوں کو شام کا دھندلکا اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ فضا میں دھند پھیلی ہوئی تھی اور قبل از وقت ہی رات کا سا سماں دکھائی دینے لگا تھا۔ دور نشیب میں پھیلے ہوئے گاؤں کے مکانات کی روشنیاں ٹمٹماتے نقطوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔

الزبتھ فلپس کچھ دیر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی اُداس اور مضمحل نظروں سے تاریکی میں گویا کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر اچانک ہی اُس نے مُڑ کر ریڈیو کا سوئچ آف کر دیا۔ کمرے میں بکھرتی ہوئی موسیقی کی لہریں دم توڑ گئیں اور ایک دم ہی سوگوار سے سکوت نے در و دیوار کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

"ڈاکٹر برینڈن" وہ ایک کونے میں آرام دہ نشست پر نیم دراز عمر رسیدہ شخص کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔ "کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں کسی مقبرے میں مقید ہوں... میرے چاروں طرف تاریکی اور بلند و بالا دیواریں ہیں اور میرے کان صرف موت کی آہٹیں سنتے ہیں۔ بعض اوقات یہ احساس میرے لیے ناقابلِ برداشت

ہو جاتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے پرندوں کی طرح قوتِ پرواز مل جائے اور میں اپنے عزیز مرغی پنکھ پھڑپھڑاتی ہوئی بیکراں وسعتوں میں کہیں بہت دور نکل جاؤں۔"

الزبتھ تیس سے اوپر کی ایک نہایت حسین عورت تھی۔ وہ سرتاپا حسن، رعنائی اور تندرستی کا بے مثل نمونہ تھی مگر اس کے لہجے میں تھکن، افسردگی اور شکست خوردگی تھی۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں گویا اس کے سراپا میں مقید روح کچھ کر گزرنے کے لیے بے تاب ہو مگر کوئی راہ نہ پا کر جسم کی... دیواروں سے سر پھوڑ کر... ڈھیر ہو جاتی ہو۔ کسی اجنبی کو اس کا انداز شاید ڈرامائی اور کچھ مصنوعی لگتا لیکن عمر رسیدہ ڈاکٹر برینڈن اسے بچپن سے جانتا تھا۔ وہ اس عورت کے محسوسات کو سمجھتا تھا۔

سگار کا طویل کش لے کر وہ مربیانہ لہجے میں بولا "مجھے تمہاری کیفیات کا اچھی طرح علم ہے لیکن اس طرح اپنے آپ سے الجھتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں..." اُس نے اسی روایتی انداز میں الزبتھ کو سمجھانا شروع کر دیا جس طرح عموماً پرانے ڈاکٹر ان لوگوں کو سمجھاتے ہیں جن سے ان کا پرانا تعلق چلا آ رہا ہو۔ اُسے معلوم تھا اس لیکچر کا کوئی فائدہ نہیں لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

الزبتھ اپنے مرمریں ہاتھ سیاہ ریشمی زلفوں میں پھنسائے ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئی۔ وہ اس وقت ایک ریشمی لبادہ پہنے ہوئے تھی جو تراش خراش میں ہاؤس کوٹ سے مشابہ تھا مگر ہاؤس کوٹ کی طرح ڈھیلا ڈھالا نہیں تھا۔

ڈاکٹر ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا کھنکھار کر گلا صاف کیا اور گفتگو کے نازک پہلو کی طرف آتے ہوئے بولا "تم نے سماجی معاملات اور لوگوں سے میل جول میں بھی بہت بے پروائی اختیار کر رکھی ہے۔ لوگ سو طرح سے باتیں بناتے ہیں..."

"مجھے ان اجڈ، دیہاتی اور تنگ ذہن لوگوں کی باتوں کی پروا نہیں" الزبتھ یک دم قدرے بھڑک کر بولی "مجھے ان لوگوں کو باتیں بنانے کے مواقع فراہم کرنے میں لطف آتا ہے۔ مجھے اس تصور سے ہی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ میں اتنے بہت سے افواہ سازوں کے لیے مرکزِ نگاہ بنی رہتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے وہ میرے بارے میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو بار بار بتاتے ہیں کہ فلپس سے شادی سے پہلے یہ عورت دو شوہروں کو ٹھکانے لگا چکی ہے اور اب نہ جانے کب فلپس کی باری آ جائے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ میری ماں کو بھی اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ میری رگوں میں تو خون ہی خراب دوڑ رہا ہے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اس گاؤں کے چپقلش اخبار نے میری ماں کو جو خطاب دیا تھا، گاؤں والے مرنے کے بعد بھی اسے اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔"

"مجھے اگر ان بے ہودہ اور بے دلیل باتوں پر یقین ہوتا تو میرے مراسم تمہارے خاندان سے نسل در نسل اس طرح استوار نہ رہتے۔" ڈاکٹر برینڈن بولا "میں تو تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ خواہ مخواہ کی رسوائیاں مول لینے کا کیا فائدہ؟"

"مجھے اب رسوائیاں اچھی لگنے لگی ہیں۔" وہ سرکش لہجے میں بولی۔ "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ لوگ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے.... میرے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ عورت فلپس کو کب قتل کرنے والی ہے۔ میں چاہتی ہوں ان بے چاروں کو افواہ سازی کے لیے مواد ملتا رہے، اسی لیے میں مختصر ترین لباس میں بازاروں میں نکل جاتی ہوں۔"

وہ اپنے گاؤن سے کھیل رہی تھی۔ ڈاکٹر ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ گاؤن کا ایک کونا چٹکی میں پکڑ کر مسکراتے ہوئے بولی "ڈاکٹر! تمہیں یہ گاؤن پسند آیا؟ میرے پاس ایسا ہی ایک نیلا گاؤن بھی ہے۔"

ڈاکٹر نے محسوس کیا کہ اس عورت کے بچپن نے اسے جو زخم دیے تھے ان میں پھر سے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں اور جن یادوں نے اسے ضدی و سرکش بنایا تھا وہ ایک بار پھر اس کے ذہن پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ اُس نے اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

الزبتھ نے اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور اس کے ساتھ دروازے تک آتے ہوئے بولی "اگر کہیں تو میں آپ کو گاڑی میں چھوڑنے چلوں۔ اندھیرا اور دھند کافی پھیل گئی ہے۔"

"میں ٹہلتا ہوا چلا جاؤں گا۔ تم آرام کرو۔ میرا خیال ہے میں جاتے جاتے فلپس کی خیر و عافیت دریافت کر لوں۔" ڈاکٹر بولا۔ "اس کا گھر آدھ میل کے فاصلے پر تھا۔"

"ضرور، ضرور۔" الزبتھ تلخ سے لہجے میں بولی "وہ بہ دستور اپنے 'غار' میں بند ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں اتنی مدت اس غار میں بند رہ کر نہ گزار دے کہ انسانوں کی زبان اور طور طریقے ہی بھول جائے۔"

ڈاکٹر نے اس پر کوئی تبصرہ نہ کیا اور خاموشی سے احاطے کے ملگجے اندھیرے میں قدم بڑھانے لگا۔ وہ مکان کے ایک کونے کی طرف جا رہا تھا۔ فلپس کے لیے اس کے جذبات کچھ ایسے ہی تھے جیسے کسی شخص کے اپنے بہت پرانے پالتو جانور کے لیے ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ حیرت سے سوچتا تھا کہ آخر الزبتھ نے فلپس سے شادی کیوں کی تھی؟ الزبتھ شاید اس سوال کے جواب میں بلا تامل کہہ دیتی کہ اس نے دولت کی خاطر یہ شادی کی تھی لیکن ڈاکٹر کو معلوم تھا کہ شادی سے پہلے الزبتھ واقعی اس شخص کو پسند بھی کرنے لگی تھی۔ اس وقت وہ ایک نارمل اور خوش مزاج آدمی نظر آتا تھا۔

شادی کے کچھ عرصے بعد یکایک اس پر ایک خبط سا سوار

ہو گیا تھا۔ وہ کسی اہم ایجاد پر کام میں جُت گیا تھا۔ بنیادی طور پر وہ الیکٹریکل انجینئر تھا اور اس سے پہلے بھی دو چار چھوٹی موٹی ایجادات کر چکا تھا لیکن اس طرح کسی ایجاد کا جنون اس کے سر پر سوار نہیں ہوا تھا۔ وہ دُنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی حسین اور جوان بیوی سے بھی بے نیاز ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو ایک تہ خانے میں بند کر لیا تھا۔ ڈاکٹر برینڈن چھڑی ٹیکتا ہوا اسی سمت میں جا رہا تھا۔

وہ کمرا جسے فلپس اپنا ورک روم کہتا تھا' نیم تہ خانہ تھا یعنی آدھا سطحِ زمین سے اوپر اور آدھا سطحِ زمین سے نیچے۔ اُس کے سامنے ایک دیوار سی تھی۔ چند سیڑھیاں چڑھ کر اور پھر اُس سے زیادہ سیڑھیاں اُتر کر اُس کے دروازے تک پہنچا جا سکتا تھا۔ کسی زمانے میں درحقیقت یہ ایک کشادہ گیراج تھا۔ فلپس نے اپنے مقصد کے لیے اس کی ساخت میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں اور اسے زیادہ سے زیادہ مضبوط اور محفوظ بنایا تھا۔

کمرے کی دیواریں ٹھوس کنکریٹ کی تھیں لیکن انہیں آراستہ بنانے کے لیے اندر کی طرف چوبی تختوں سے ایک ایک دیوار اور بنائی گئی تھی۔ یوں یہ دیواریں گویا دُہری ساخت کی تھیں۔ باہر سے ٹھوس کنکریٹ اور اندر سے شاہ بلوط کی لکڑی۔ کمرے میں داخلے کے لیے صرف ایک ہی گیٹ تھا اور وہ ٹھوس آہنی چادر کا تھا۔ اُس کے اندر ہی موٹی موٹی سلاخوں سے بنا ہوا ایک چھوٹا بغلی دروازہ بھی تھا لیکن فلپس کسی کی آمد پر اسے بھی شاذ و نادر ہی کھولتا تھا۔ اس سلاخ دار دروازے کے پیچھے لکڑی کا شٹر تھا۔ فلپس عموماً اسی کو ہٹا کر بات کر لیتا تھا۔ اُسے چونکہ یہ بھی خطرہ تھا کہ اس کی ایجاد کا راز چوری نہ ہو جائے' اس لیے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کمرا ایئر کنڈیشنڈ تھا اس لیے فلپس کو گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی۔

فلپس ایک دولت مند آدمی تھا۔ وہ قطعاً محنت کیے بغیر بھی آسودہ حالی سے گزر بسر کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس ایجاد کے لیے اس نے مہینوں سے گویا دنیا کو مکمل طور پر تج رکھا تھا۔ ڈاکٹر برینڈن کو ایک لحاظ سے اس کا یہ جذبہ قابلِ قدر بھی لگتا تھا مگر اسے یہ بات اچھی معلوم نہیں ہوتی تھی کہ اس دیوانگی' شوق میں فلپس کی ازدواجی زندگی داؤ پر لگ گئی تھی۔

آہنی دروازے پر پہنچ کر ڈاکٹر نے اپنی چھڑی سے دستک دی۔ اندر سے مدھم سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ غالباً کوئی چھوٹی سی موٹر چل رہی تھی۔ ڈاکٹر کو دوبارہ دستک دینی پڑی۔ تب سلاخ دار بغلی دروازے کے عقب سے شٹر ہٹا اور فلپس کا زرد اور سُتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ یوں تو اُس کی عمر حقیقتاً بھی کچھ کم نہیں تھی مگر موٹے موٹے عدسوں کی عینک اور مہینوں کی بے آرامی کے باعث اس وقت تو وہ اپنی عمر سے بھی کچھ زیادہ بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔

"اوہ... ڈاکٹر برینڈن...! ہیلو!" وہ کسی حد تک غائب دماغی کے سے عالم میں بولا۔ "میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔"

"کوئی بات نہیں!" ڈاکٹر خوش دلی سے بولا۔ وہ اب فلپس کے اس انداز کا عادی ہو چکا تھا کہ وہ اخلاقیات یا رسمیات کے چکروں میں نہیں پڑتا تھا۔ "میں تو صرف ہیلو کہنے آیا تھا اور اگر تم بُرا نہ مانو تو ایک بار پھر وہی تنبیہ دُہراؤں گا کہ تمہیں کبھی کبھار تازہ ہوا میں ضرور نکلنا چاہیے۔ اور ہو سکے تو الزبتھ کو گاؤں میں سیر و تفریح کرانے کے لیے بھی لے جایا کرو۔"

"ہاں... ڈاکٹر! میں آپ کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا۔" فلپس بے دھیانی سے بولا۔ "اس وقت اگر میں بہت زیادہ مصروف نہ ہوتا تو آپ کو اندر آنے کی دعوت ضرور دیتا۔"

"نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ میں گھر جا رہا ہوں۔ شب بخیر!" ڈاکٹر بولا۔

"شب بخیر!" فلپس نے جلدی سے کہا اور شٹر گرا لیا۔ ڈاکٹر سب سے اوپر کی سیڑھی پر پہنچ کر ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ وہ فلپس ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آج اسے اس شخص کو دیکھ کر اور بھی زیادہ افسوس ہوا تھا۔ اپنے جنون میں اس نے اپنی صحت کا بالکل ہی بیڑا غرق کر لیا تھا۔ وہ انسان کے بجائے کسی جال میں پھنسا ہوا زرد کیڑا دکھائی دینے لگا تھا۔ یہ بھی زندگی کا ایک عجیب تماشا اور ناقابلِ فہم ستم ظریفی تھی کہ ایک شخص اتنا ذہین ہوتے ہوئے بھی اتنا بیوقوف ہو سکتا تھا۔

دھیرے دھیرے وہ سیڑھیاں اُتر آیا اور مکان کے گرد گھوم کر بجری کی روش پر چل دیا۔ یہ روش ایک پختہ سڑک سے جا ملتی تھی اور تقریباً ایک میل لمبی وہ سڑک گاؤں کے قریب بائی پاس سے جا ملتی تھی لیکن ڈاکٹر کو اپنے گھر جانے کے لیے اس کی مخالف سمت میں چلنا تھا۔

سُست روی سے وہ فاصلہ طے کرنے لگا۔ اپنے چہرے پر اُسے کُہر کا سرد لمس سا محسوس ہو رہا تھا۔ ماحول میں ایک نامعلوم سی خاموش وحشت رچی ہوئی تھی اور ڈاکٹر کا ذہن بھی وحشت زدہ سے ہی خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ الزبتھ اور اس کی ماں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ماں بیٹی کی زندگی میں بڑی مماثلت تھی اور درحقیقت ماں سے ہی الزبتھ کو رسوائیوں کا ایک جہنم ورثے میں ملا تھا جو دھیرے دھیرے اس کی زندگی کو نگل رہا تھا۔

الزبتھ جب سترہ سال کی تھی تو اس کی ماں کو اپنے دوسرے شوہر اور الزبتھ کے سوتیلے باپ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ قتل ہتھوڑے کے ذریعے ہوا تھا اس لیے اس میں سفاکی اور بربریت کا عنصر اور بھی نمایاں تھا جو جرم کو زیادہ گھناؤنا اور زیادہ قابلِ نفرت بنا

دیتا ہے۔ کیس کی سب سے زیادہ پُراسرار چیز ایک ریشمی نیلا گاؤن رہا تھا جس پر عدالت کے فیصلے کا دارومدار تھا۔ اس کے متعلق الزبتھ کی ماں کا بیان تھا کہ وہ چوری ہو گیا تھا جبکہ استغاثہ کی رائے یہ تھی کہ اسے جلا دیا گیا ہے کیونکہ اس پر خون کے دھبے موجود تھے۔

یہ ثبوت میسر نہ آنے کی وجہ سے عدالت الزبتھ کی ماں کو بَری کرنے پر مجبور ہو گئی تھی لیکن رسوائی کے احساس نے اسے زیادہ عرصے زندہ نہیں رہنے دیا اور ایک سال بعد ہی وہ دُنیا سے رخصت ہو گئی۔ معاملہ اس کی موت کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوا۔ نیلے گاؤن کے بارے میں افواہیں اور قتل کے کیس کی رسوائیاں الزبتھ کے بھی تعاقب میں رہیں۔ اُس نے دو شادیاں کیں مگر وہ بھی کبھی پُرسکون زندگی نہ گزار سکی۔ فلپس سے اس کی تیسری شادی تھی۔ اب بھی اس کی ازدواجی زندگی کسی قابلِ رشک نہج پر نہیں تھی۔ آج تو ڈاکٹر بریڈن غیر سائنسی بنیادوں پر سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ شاید الزبتھ کے خاندان کو کسی کی بددُعا لگی ہوئی تھی۔

"ہیلو ڈاکٹر!" دفعتاً کسی نے اسے قریب ہی سے پکارا اور وہ بُری طرح چونک اُٹھا۔ ایک درخت کے عقب سے ایک نوجوان لڑکی نکل کر اس کی طرف بڑھی۔

"کورین تم!" ڈاکٹر قدرے حیرت سے بولا... "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

تقریباً اٹھارہ سال کی وہ سوکھی سڑی اور زرد رُو... لڑکی ڈاکٹر کی خادمہ کی بیٹی تھی۔ وہ ذہنی طور پر معمولی سی پسماندہ تھی اور اسے دوسروں کی ٹوہ میں رہنے کا کچھ زیادہ ہی خبط تھا۔

"لگتا ہے اس عورت کا جادو آپ پر بھی چل گیا ہے ڈاکٹر!" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر قدرے برہمی سے بولا۔

لڑکی کے چہرے پر عجیب احمقانہ سی مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں سے کینہ جھلک رہا تھا۔ وہ الزبتھ فلپس کے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "اس چڑیل کا جادو تو گویا گاؤں کے آدھے مردوں پر چل چکا ہے۔ ہر کوئی اس کی طرف متوجہ ہے۔ اب اس گیراج کے مالک بوسٹن ریلے کو ہی دیکھ لیں۔ ممّا کا کہنا ہے کہ وہ مجھ جیسی کسی نوجوان لڑکی کے لیے معقول شوہر ثابت ہو سکتا تھا مگر وہ بھی اس چڑیل کے جال میں پھنس چکا ہے۔ یہی حال اس بنک آفیسر سام فلپ کا ہے۔ وہ بھی اسی چڑیل کی زلفوں کا اسیر ہے۔ لگتا ہے اس گاؤں کے مردوں کو گاؤں میں اور کوئی عورت ہی نظر نہیں آتی۔" پھر وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "کچھ عرصہ پہلے تک سام فلپ اچھی خاصی محبت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا کرتا تھا۔"

ڈاکٹر بریڈن کو ہمیشہ اس لڑکی پر ترس آتا تھا لیکن اس وقت اس کا جذبۂ ترحم کسی حد تک غصّے میں ڈھل گیا۔ وہ برہمی سے بولا۔ "یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ سام تم میں دلچسپی لے رہا تھا... اور یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ وہ الزبتھ کی خاطر اس کے گھر چکّر لگاتا ہے۔ وہاں اس کی آمدورفت پیشہ ورانہ قسم کے معاملوں کے سلسلے میں رہتی ہے۔ وہ اس بنک کا کیشیئر ہے جہاں فلپس کا اکاؤنٹ ہے۔ فلپس کے تمام مالی معاملات اسی بنک کے ذریعے طے پاتے ہیں اور اس سلسلے میں سارے کام سام ہی انجام دیتا ہے۔"

"یہ تو آپ کا خیال ہے نا!" کورین استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"اچھا تم یہ باتیں چھوڑو۔" ڈاکٹر اپنے غصّے کو دباتے ہوئے بولا۔ "اور یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"میں اکثر یہاں آ کر بیٹھتی ہوں۔" کورین عجیب سے انداز میں بولی۔ "یہاں سے اس عورت کا مکان نظر آتا ہے نا... میں بس مکان کی طرف دیکھتی رہتی ہوں اور اس چڑیل کے لیے بددعا کرتی رہتی ہوں۔ اس پر ضرور کسی روز آسمان سے بجلی گرے گی اور وہ جل کر مر جائے گی۔"

"بند کرو اپنی منحوس بکواس۔" ڈاکٹر کا غصّہ ایک بار پھر عود کر آیا۔ "اور فوراً اپنے گھر جاؤ۔"

کورین نے نیم مجنونانہ سے انداز میں قہقہہ لگایا اور گھر جانے کے بجائے اُچھلتی کودتی درختوں کے درمیان غائب ہو گئی۔ ڈاکٹر نے زیرِلب اُسے کوسا پھر اپنے راستے پر چڑھائی کی طرف چل دیا۔ اس کا موڈ پہلے سے زیادہ خراب ہو چکا تھا کیونکہ کورین نے بوسٹن ریلے کے متعلق جو بات کہی تھی اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور تھی۔

بوسٹن ریلے کو گاؤں میں آئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ اسے درحقیقت گاؤں میں لانے والا سام فلپ ہی تھا۔ سام سے اس کی ملاقات جنگ کے دوران کہیں ہوئی تھی اور سام نے اب زمانۂ امن میں اسے یہاں بلا کر گیراج کھلوانے میں اس کی پوری پوری مدد کی تھی۔ بوسٹن کی نہ جانے کس طرح الزبتھ سے شناسائی ہو گئی تھی۔ الزبتھ کے گھر میں اس کی آمدورفت کے چرچے عام تھے۔ یعنی وہ ان نوجوانوں میں شامل نہیں رہا تھا جو الزبتھ کو دور دور سے دیکھ کر آہیں بھرتے تھے۔ ڈاکٹر بریڈن کو الزبتھ کی بے پروائی پر حیرت تھی۔ آخر وہ کیا سوچ کر آگ سے کھیل رہی تھی؟

دفعتاً اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ عقب میں کہیں دور سے کورین کی چیخ اُبھری تھی پھر اُس نے خوفزدہ سے انداز میں پکارا۔ "ڈاکٹر... ایہاں آیئے... وہ دیکھیے..."

ڈاکٹر نے مڑ کر دیکھا اور فوراً ہی اسے معلوم ہو گیا کہ کورین اسے کیا دکھانا چاہتی تھی۔ تقریباً ایک چوتھائی میل کے فاصلے پر فلپس کے مکان سے شعلے بلند ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ پہلے تو اُس نے فوری طور پر دوڑ کر مکان تک پہنچنے کا ارادہ کیا

یکن اسے بروقت خیال آگیا کہ وہ دل کا مریض ہے اور دوڑنا اس کے لیے مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ وہیں سے چیخا۔ "کورین! تم دوڑ کر وہاں پہنچو اور اگر کچھ کرسکتی ہو تو کرو۔ میں اپنی کار لے کر آرہا ہوں۔"

ڈاکٹر کا مکان وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا اور اس کی کار ڈرائیو وے میں موجود تھی۔ چند ہی لمحے بعد وہ کار میں بیٹھ کر تیز رفتاری سے نشیب کی طرف جارہا تھا۔ فلپس کے مکان سے تقریباً سو گز پہلے ہی وہ کار روک کر اتر آیا۔۔۔ وہاں بھی فضا میں تپش بہت بڑھ چکی تھی۔ مکان کی تعمیر میں لکڑی بہت زیادہ استعمال ہوئی تھی اور وہ کچھ اس طرح آناً فاناً شعلوں کی نذر ہوگیا تھا جیسے کسی ماچس کی ڈبیا میں آگ لگ گئی ہو اور وہ چشم زدن میں بھڑک کر ختم ہوگئی ہو۔ آس پاس کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

"الزبتھ۔۔۔! کورین۔۔۔!" ڈاکٹر نے پکارا مگر کوئی جواب نہ آیا۔

ڈاکٹر کا چہرہ تپش سے جھلسا جارہا تھا مگر وہ احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس سمت بڑھا جدھر فلپس کی تجربہ گاہ تھی۔ آنکھوں کو چندھیا دینے والی نارنجی روشنی میں اس نے کچھ دور ایک ہیولا دیکھا جو ایک دوسرے ہیولے کو گھسیٹ کر گھاس کی طرف لے جارہا تھا۔ ڈاکٹر پہلے یہی سمجھا کہ شاید الزبتھ فلپس کو گھسیٹ کر لے جارہی ہے لیکن جب وہ کچھ آگے پہنچا تو اس نے دیکھا وہ کورین تھی جو بڑی مشکل سے الزبتھ کو گھسیٹ کر خطرناک تپش سے دور لے جانے کی کوشش کررہی تھی۔ اس نے یہ دیکھ کر سکون کی سانس لی کہ کورین الزبتھ کی جان لینے کے بجائے اس کی جان بچانے کی کوشش کررہی تھی۔

وہ الزبتھ کو کچھ دور لے جاکر آگ اور تپش سے قدرے محفوظ ایک گوشے میں گھاس پر لٹا چکی تو ڈاکٹر نے جلدی سے اس کی نبض دیکھی۔ اس دوران کورین ہانپتے ہوئے بولی۔ "میں نے اسے مسٹر فلپس کی ورکشاپ کی سیڑھیوں پر بے ہوش پڑے پایا تھا۔۔۔ یہ یقیناً شعلوں کی زد میں آکر مرجاتی لیکن میں اسے گھسیٹ کر لے آئی۔ میں نے اس کی جان بچالی۔ معلوم نہیں کیوں؟" وہ گویا خود بھی اپنے اس اقدام پر حیران تھی۔

الزبتھ کی پیشانی پر ایک معمولی سا زخم تھا اور تھوڑا سا خون لگا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچی تھی۔ وہ غالباً سیڑھیوں پر ٹھوکر کھا کر گری تھی اور بے ہوش ہوگئی تھی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہوکر ڈاکٹر اٹھ کھڑا ہوا لیکن فلپس کے بارے میں سوچ کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔

ورکشاپ کا منظر اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ لکڑی کی دیواریں دہکتے ہوئے انگاروں کی صورت میں ڈھیر ہوچکی تھیں۔ شٹر کے بڑے بڑے شہتیر آتشیں ٹکڑوں میں تبدیل ہوکر ابھی تک ادھر اُدھر گر رہے تھے اور اندر سے تہ خانے کا کنکریٹ کا خول محفوظ حالت میں نکل آیا تھا تاہم ہولناک تپش سے یہ خول سیاہ ہوچکا تھا۔

"فلپس کا کچھ پتا چلا؟" ڈاکٹر نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کورین سے پوچھا۔

"وہ کہیں نظر نہیں آئے۔ ورکشاپ کا دروازہ بند تھا۔" کورین نے جواب دیا۔

"اُف خدایا۔۔۔" ڈاکٹر جھرجھری لے کر رہ گیا پھر اس نے سیڑھیوں سے اُتر کر ورکشاپ کا قدرے قریب سے جائزہ لیا۔ آہنی گیٹ ابھی تک سرخ نظر آرہا تھا۔ سلاخ دار لغلی دروازے کے عقب میں لکڑی کا شٹر خاکستر ہوچکا تھا اور اب سلاخوں کے درمیان سے اندر دیکھا جاسکتا تھا۔ قریب جائے بغیر بھی آگ کی تباہ کاری کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا۔ اب فلپس کی کوئی مدد نہیں کی جاسکتی تھی۔ بہت تاخیر ہوچکی تھی۔ وہ یقیناً چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہے کی طرح جھلس کر مرچکا تھا۔

"تمہیں یہاں کوئی اور تو دکھائی نہیں دیا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"نہیں۔" کورین نے جواب دیا۔ "البتہ الزبتھ کو میں نے اس کے بے ہوش ہونے سے پہلے دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔ اس وقت وہ سب سے اوپر کی سیڑھی پر کھڑی تھی اور شعلوں کی روشنی میں صاف نظر آرہی تھی۔ اس کے بازو چڑیلوں کی طرح ہوا میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے جسم پر نیلا گاؤن تھا۔ شاید اسی لیے وہ مجھے چڑیل سی لگی تھی۔ میں نے اس وقت مکان کی طرف دوڑنا شروع ہی کیا تھا۔ بہرحال اپنی تمام تر نفرت کے باوجود میں نے وہیں کھڑے رہ کر تماشا نہیں دیکھا اور دوڑتی ہوئی یہاں آپہنچی کہ شاید کسی کی کوئی مدد کرسکوں۔"

"نیلا گاؤن۔۔۔؟" ڈاکٹر نے حیرت سے دُہرایا۔ "تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو؟ الزبتھ سفید گاؤن پہنے ہوئے ہے۔"

"یقیناً۔ اس وقت تو سفید ہی پہنے ہوئے ہے۔" کورین نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس نے گاؤن تبدیل کرلیا ہوگا کیونکہ میرے راستے میں کئی ایسے نشیب و فراز آئے تھے جب میں کئی منٹ کے لیے اسے نہیں دیکھ سکی تھی۔ پھر جب میں یہاں پہنچی تو میں نے اسے سیڑھیوں پر پڑے پایا۔ اس وقت اس کے جسم پر یہی سفید گاؤن تھا۔ ان کا ڈیزائن ایسا ہے کہ تبدیل کرنے میں چند سیکنڈ ہی لگتے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" ڈاکٹر نے برہمی سے اسے گھورا۔ کورین کی آنکھوں میں مگرمچھ کی سی چمک اُبھر آئی۔

"ظاہر ہے، مجھے ان قصوں کا خیال آیا جو اس کی ماں سے منسوب رہے ہیں۔" وہ شاطرانہ لہجے میں بولی۔ "اگر اس نیلے گاؤن پر واقعی خون کے کچھ دھبے موجود تھے تو۔۔۔"

"میں سمجھ گیا۔" ڈاکٹر اس کی بات کاٹتے ہوئے تلخ لہجے میں بولا۔ "تمہارے ذہن میں دراصل پہلے ہی نیلا گاؤن موجود تھا، اسی لیے تمہیں

یہ سفید گاؤن بھی نیلا ہی نظر آیا۔"

"نہیں ڈاکٹر!" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے غیر متزلزل لہجے میں بولی۔ "مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ چمکیلا سا نیلا گاؤن تھا۔ میں نے شعلوں کی روشنی میں اسے صاف طور پر دیکھا تھا اور میں ہر حال میں یہی بیان دوں گی خواہ کچھ بھی ہو جائے۔"

"اچھا خیر..." ڈاکٹر قدرے نرم پڑتے ہوئے بولا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے کچھ اور تو نہیں دیکھا؟ کوئی آواز تو نہیں سنی؟"

"میرا خیال ہے... میں نے شعلوں اور ہوا کی 'شاں شاں' کے درمیان کسی کار کے دور جانے کی آواز سنی تھی لیکن میں اس سلسلے میں زیادہ پر یقین نہیں ہوں۔" کورین نے جواب دیا۔

"کار..." ڈاکٹر بڑبڑا کے رہ گیا۔ پھر اس نے عقبی احاطے میں ڈرائیو وے کی زمین کا معائنہ کیا۔ گیراج میں کھڑی ہوئی فلپس کی کار تو ناقابلِ آتش ہو چکی تھی محض ایک ڈھانچہ باقی رہ گیا تھا۔ احاطے اور اس سے باہر کی مٹی نرم اور سفیدی مائل تھی اور اس پر واقعی ٹائروں کے نشانات موجود تھے جو تازہ ہی معلوم ہوتے تھے لیکن ان نشانات میں کوئی عجیب سی بات تھی جو ڈاکٹر کی نظر میں واضح نہیں ہو رہی تھی۔ صرف کوئی نامعلوم حس اسے اس کا احساس دلا رہی تھی۔

ڈاکٹر تیزی سے اپنی کار کی طرف چل دیا۔ گاؤں کا فائر بریگیڈ ایک ٹرک پر مشتمل تھا اور محکمۂ پولیس چند افراد پر۔ ان لوگوں کے آنے سے پہلے ڈاکٹر وہاں سے نکل لینا چاہتا تھا۔ اسے کورین کے بیان نے پریشان کر دیا تھا۔ بیان کتنا ہی احمقانہ سہی لیکن اسے معلوم تھا کہ اس قسم کی شہادتیں بھی بہت سے لوگوں کو بجلی کی کرسی تک پہنچانے کا سبب بن جاتی ہیں۔ وہ جلد از جلد کوئی ایسا ثبوت حاصل کرنا چاہتا تھا جو الزبتھ کا دفاع کر سکے۔

اس نے کورین کو ہدایت کی کہ وہ الزبتھ کے قریب ہی موجود رہے اور خود کار میں بیٹھ کر چلتے ہوئے مکان کے قریب سے گزر کر اس مقام پر پہنچا جہاں سڑک دو شاخہ ہو گئی تھی۔ ایک سڑک ہائی وے اور گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔ دوسرا راستہ ایک کچا شارٹ کٹ تھا۔ یہ راستہ ایک طرح سے عقب سے گاؤں میں پہنچتا تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی اسے استعمال کرتا تھا۔ زیادہ امکان یہی تھا کہ اگر آج رات کوئی شخص مجرمانہ ارادے سے ادھر آیا تھا تو وہ اسی راستے سے واپس گیا ہو گا۔

ڈاکٹر سست رفتاری سے اس راستے پر کار چلانے لگا لیکن اس پر پتھر ہی پتھر بکھرے ہوئے تھے، اس لیے اسے کسی کار کے ٹائروں کے نشانات دکھائی نہ دیے لیکن جب وہ پُلیا کے قریب پہنچا تو کچی زمین پر اسے مدھم سے سفید نشانات نظر آ گئے۔ فلپس کے مکان کے احاطے اور اردگرد کی مٹی کافی حد تک پسے ہوئے چونے سے مشابہ تھی۔ معلوم یہی ہوتا تھا کہ وہ مٹی نامعلوم گاڑی کے ٹائروں سے لگ کر یہاں تک پہنچی تھی۔ نشانات وہی تھے جو ڈاکٹر مکان کے احاطے میں دیکھ چکا تھا۔

کچھ دور پہنچ کر نشانات معدوم ہو گئے۔ ڈاکٹر ان کی کھوج میں گاؤں تک گیا مگر ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ گاؤں میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں کو کافی پہلے آتشزدگی کی اطلاع مل چکی ہے... فائر بریگیڈ والوں کا اکلوتا ٹرک جائے وقوعہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور مزید کئی کاروں میں دیگر افراد روانہ ہو رہے تھے۔

مین روڈ سے گزرتے وقت ڈاکٹر بوسٹن ریلے کے گیراج کے سامنے سے بھی گزرا اور بوسٹن کے بارے میں سوچے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اس وقت نہ جانے کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا؟ گیراج کا دروازہ بند تھا اور اندر تاریکی نظر آ رہی تھی۔

اسی دوران ڈاکٹر نے سامنے ہائی وے کی طرف سے ایک کار کو خطرناک حد تک تیز رفتاری سے گیراج کی طرف آتے دیکھا۔ ڈاکٹر نے مستعدی سے اپنی گاڑی ایک طرف کر لی اور چند قدم آگے پہنچ کر روک لی۔ اگر وہ احتیاط نہ کرتا تو شاید سامنے سے آنے والی گاڑی اس کی گاڑی سے رگڑ کھاتی ہوئی گزرتی۔

گاڑی روک کر ڈاکٹر نے مڑ کر دیکھا۔ دوسری گاڑی کے ٹائر بُری طرح چرچرائے اور وہ بوسٹن کے گیراج کے سامنے جا رکی۔ کسی نے گاڑی سے اُتر کر زور سے دروازہ بند کیا اور جا کر گیراج کے دروازے پر گھونسے برسانے لگا۔ وہ بے تابی سے پکار رہا تھا...

"بوسٹن... بوسٹن!"

ڈاکٹر نے اپنی گاڑی واپس موڑی اور گیراج کی طرف بڑھائی۔ دروازہ پیٹنے والا شخص مایوس ہو کر اپنی گاڑی کی طرف واپس آ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے قریب گاڑی لے جا کر روکی۔ وہ مقامی بینک کا کیشیئر سام فنلے تھا۔

"ہیلو ڈاکٹر!" وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "آپ نے بوسٹن کو کہیں دیکھا ہے؟"

"نہیں اس کی تلاش کیوں ہے سام؟" ڈاکٹر نے ملائمت سے پوچھا۔ سام کا چہرہ تنا ہوا تھا۔ عام حالات میں وہ خوش لباس نظر آتا تھا لیکن اس وقت اس کا لباس شکن آلود تھا۔

"میں فائر ٹرک اور شیرف کی گاڑی کے پیچھے پیچھے چند منٹ پہلے ہی فلپس کے آتش زدہ مکان پر پہنچا تھا۔" سام تلخ اور متوحش لہجے میں بولا۔ "اور ان لوگوں نے جائے وقوعہ پر پہنچتے ہی الزبتھ پر فلپس کے قتل کا الزام عائد کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"فلپس کی لاش مل گئی؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ اپنی ورکشاپ میں ہی مقید تھا۔ اس کے قتل کا الزام الزبتھ پر عائد کرنا بڑی احمقانہ سی بات ہے لیکن وہ لڑکی کورین قسمیں کھائے جا رہی ہے کہ اس نے الزبتھ کو دور سے سیڑھیوں پر کھڑے دیکھا تو اس کے جسم پر نیلا گاؤن تھا اور جب وہ چند منٹ بعد وہاں

پہنی تو الزبتھ سفید گاؤن پہنے بے ہوش پڑی تھی۔" سام نے بتایا۔

"اور الزبتھ کا کیا حال ہے؟"

"وہ ہوش میں آگئی ہے اور وہ بھی قسمیں کھا رہی ہے کہ اس نے کوئی گاؤن وغیرہ تبدیل نہیں کیا اور وہ تو شام سے ہی اسی گاؤن میں تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ سیڑھیاں اتر کر فلپس کے ورکشاپ کی طرف جا رہی تھی کہ ٹھوکر کھا کر گر پڑی اور سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی۔"

"لیکن تم بوسٹن ریلے کو کیوں تلاش کر رہے ہو؟" ڈاکٹر نے اپنا سوال دہرایا۔

قدرے ہچکچاہٹ کے بعد سام بولا۔ "آپ کو معلوم ہی ہے، لوگ بوسٹن اور الزبتھ کے بارے میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ اس وقت وہ سامنے آئے تاکہ لوگوں کو مزید باتیں بنانے کا موقع نہ ملے۔ اس کے علاوہ ایک میکینک ٹائپ آدمی کی ضرورت بھی ہے۔ مجھے کچھ امید نظر آ رہی ہے کہ شاید الزبتھ کو بے گناہ ثابت کیا جا سکے۔"

"وہ کیسے؟" ڈاکٹر نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"ورکشاپ کا دروازہ اندر کی طرف سے مقفل معلوم ہوتا ہے۔" سام بولا۔ "تاہم یہ بات اس وقت تک یقین سے نہیں کہی جا سکتی جب تک دبکتا ہوا کاٹھ کباڑ راستے سے ہٹا نہ دیا جائے لیکن میں نہیں چاہتا کہ اس کے فوراً بعد وہ لوگ اندھا دھند دروازہ توڑنے کے لیے چڑھ دوڑیں اور کوئی چھوٹی مگر اہم شہادت ضائع کر دیں جس کی مدد سے الزبتھ کو بچایا جا سکتا ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ دروازہ گرائے جانے سے پہلے وہاں کوئی مستند میکینک اور زیادہ سے زیادہ معززین موجود ہوں۔ آپ میرے ساتھ چلیں گے؟"

"یقیناً۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "ویسے تمہارے خیال میں اس وقت بوسٹن کہاں ہو گا؟"

"مجھے اندیشہ ہے کہ آوارہ گردی پر نکلا ہوا ہو گا یا پھر نشے میں دُھت کہیں پڑا ہو گا۔ آج وہ بہت پی رہا تھا اور گیراج بھی اُس نے سرِ شام ہی بند کر دیا تھا پھر کہیں چلا گیا تھا۔ میں اس امید پر آیا تھا کہ شاید وہ واپس آ گیا ہو۔ میرا خیال ہے اب ہمیں فوراً جائے وقوعہ پر پہنچنا چاہیے۔ کہیں وہ سب احمق مل کر الزبتھ کو کسی درخت پر لٹکا کر ہی پھانسی نہ دے دیں۔" سام کشمکش سے بولا۔

ڈاکٹر نے اپنی کار وہیں چھوڑ دی اور سام کے ساتھ اسکی کار میں بیٹھ گیا۔ وہ ہائی وے کے ذریعے جائے وقوعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ڈاکٹر نے پوچھا۔ "تمہارا بوسٹن اور الزبتھ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور تم اس شخص کو کس حد تک جانتے ہو؟"

"جنگ کے دوران میری اُس سے ملاقات ہوئی تھی جب ہم ایک جنگی بندرگاہ پر اکٹھے کام کر رہے تھے۔ وہیں ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ اپنی اپنی جمع پونجی اکٹھی کر کے یہاں ایک گیراج کھولیں گے جسے وہ چلائے گا اور میں واپس اپنی بینک کی ملازمت میں آ جاؤں گا۔ وہ مجھے ایک دیانتدار اور محنتی آدمی معلوم ہوا تھا۔۔ اور اب بھی اس کے بارے میں میری یہی رائے ہے۔ جہاں تک الزبتھ سے اُس کی رسم و راہ کا تعلق ہے تو اس میں غالباً دونوں ہی کے مزاج کو دخل رہا ہے۔ بوسٹن بھی عورتوں سے جلد گھل مل جاتا ہے اور الزبتھ نے بھی اپنے انداز و اطوار سے اسے بے تکلفی کی دعوت دی تھی۔"

"اس کے باوجود یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ الزبتھ نے فلپس کو قتل کیا ہو گا۔" ڈاکٹر بولا۔ "اسے اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ فلپس اس کے معاملات میں دخل دینا تو درکنار، دیکھتا تک نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ الزبتھ کو خواہ اس سے ذرا بھی محبت نہ رہی ہو لیکن اُس کی بدولت اسے عیش و آرام تو میسر تھا۔ فلپس نے اسے ہر آسائش مہیا کی تھی اور وہ دولت مند تھا۔"

"اس سلسلے میں بھی مجھے تشویش ہے۔" سام متذبذب لہجے میں بولا۔ "مجھے یقین نہیں کہ فلپس اب بھی دولت مند تھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اُس نے بھاری رقم کا بیمہ کرایا ہوا تھا۔"

"کیا واقعی۔۔۔؟" ڈاکٹر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

سام بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے سنا ہے کہ شہر میں اس نے کچھ جائیداد میں رقم لگا رکھی تھی۔ بہرحال اتنا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آجکل اس کے پاس نقد رقم نہیں تھی۔ اپنی اس نامعلوم ایجاد کے سلسلے میں وہ نہ جانے کتنی رقم صرف کر چکا تھا۔ پچھلے دنوں اس نے مجھے بلا کر الزبتھ کے کچھ زیورات دیے تھے کہ انہیں شہر میں فروخت کر کے میں اس کے لیے پچاس ہزار ڈالر کا بندوبست کر دوں۔ اپنی ایجاد کا کام آگے بڑھانے کے لیے کوئی نئی اسکیم اس کے ذہن میں آئی تھی اور اس کے لیے اسے رقم کی ضرورت تھی۔"

"اوہ۔۔!" ڈاکٹر گہری سانس لے کر بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس اتنی بڑی نقد رقم موجود تھی؟"

"میں کہہ نہیں سکتا۔" سام بولا۔ "میں نے تو رقم لا کر اسے دے دی تھی۔ وہ یا تو اس کے پاس ہی رہی ہو گی یا شاید بینک میں اُس کے لاکر میں موجود ہو۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ رقم بھی فلپس کے قتل کی ایک وجہ ہو سکتی ہے اور اس میں الزبتھ کے ملوث ہونے کا امکان بہت کم ہے۔" ڈاکٹر بولا۔

وہ آتشزدہ مکان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ شعلے دم توڑ چکے تھے۔ کہیں کہیں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ تباہ شدہ مکان کے سامنے لوگ جمع تھے اور ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ الزبتھ انہیں ایک درخت کے نیچے لیٹی ہوئی ملی۔ کورین اب بھی اس کے قریب موجود تھی۔ اس کا انداز کسی مریض یا زخمی کی دیکھ بھال کرنے

والے فرد کا نہیں تھا بلکہ ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی گارڈ کسی قیدی کی نگرانی پر مامور ہو۔ کم از کم ڈاکٹر بریڈن کو یہی محسوس ہوا تھا۔ سام کو دیکھ کر کورین کے چہرے پر چمک سی نمودار ہوئی مگر سام نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

کاروں کی ہیڈ لائٹس آن ہونے کی وجہ سے چاروں طرف خاصی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ الزبتھ کی آنکھیں غیر معمولی طور پر سرخ اور متورم نظر آ رہی تھیں۔ ڈاکٹر کو یقین نہیں تھا کہ وہ کسی بھی صدمے کے باعث اتنا رو سکتی تھی کہ اس کی آنکھیں اس حد تک سرخ اور متورم ہو جاتیں۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" ڈاکٹر نے شفقت سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" الزبتھ نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ "تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حادثے نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہے اور اس سے بھی زیادہ مجھے یہ دوسری بات پریشان کر رہی ہے۔ معلوم نہیں کیوں کورین کو اصرار ہے کہ میں اس وقت نیلا گاؤن پہنے ہوئے تھی جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تھی۔"

"تم اس کی پروا مت کرو۔" ڈاکٹر بولا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے آگ لگی کہاں سے تھی؟ فلپس کی ورکشاپ سے؟"

"نہیں۔" الزبتھ نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ بھی عجیب بات ہے! آپ شاید سمجھ رہے ہوں گے کہ ورکشاپ میں بجلی کی کوئی تار شارٹ ہو گئی ہو گی یا اسی قسم کی کوئی اور ٹیکنیکل خرابی ہوئی ہو گی۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا۔ آگ ایک دوسرے ہی خانے سے شروع ہوئی تھی جس میں پینٹ اور آئل وغیرہ کے ڈبے پڑے ہوئے تھے۔ میں بو سونگھ کر کے وہاں پہنچی تو میں نے آگ لگی ہوئی دیکھی۔ میں خود ہی اسے بجھانے کی کوششوں میں لگ گئی لیکن کچھ دیر بعد احساس ہوا کہ اس کو بجھانا میرے بس کی بات نہیں اور اس کوشش میں قیمتی وقت ضائع ہو گیا۔ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ پینٹ اور آئل وغیرہ ظاہر ہے بڑی تیزی سے آگ پکڑتے ہیں۔ میں فلپس کو خبردار کرنے کے ارادے سے دوڑی لیکن اس وقت تک بہت تاخیر ہو چکی تھی۔"

"بے شک۔" عقب سے ایک تیکھی سی آواز سنائی دی۔ ڈاکٹر نے مڑ کر دیکھا۔ وہ گاؤں کا شیرف ملٹن تھا۔ سُتے ہوئے سے چہرے والا۔ اس کا ڈپٹی رابرٹ بھی اس کے ساتھ تھا۔ الزبتھ کے محسوسات کی پروا کیے بغیر وہ بے رحمانہ سے لہجے میں بولا۔ "فلپس جل کر کوئلہ ہو گیا ہے لیکن حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ قاتل نے دروازے کو اندر سے مقفل کیسے کیا؟"

"قاتل؟" ڈاکٹر برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اگر دروازہ اندر سے مقفل ہے تو قاتل کا وجود کیونکر ممکن ہے؟"

"دروازہ بے شک ابھی تک اندر سے مقفل ہی ہے۔" شیرف بولا۔ "لیکن قاتل نے ایک حماقت کی ہے جو اس کے وجود کا پتا دے رہی ہے۔"

سلاخوں کے درمیان سے دیکھا جا سکتا ہے کہ فلپس کی لاش طویل و عریض کمرے کے عین وسط میں پڑی ہے۔ اگر فلپس آتشزدگی کے وقت زندہ ہوتا تو وہ یقیناً دروازے کی طرف بھاگتا۔ اُسے کھولنے کی کوشش کرتا۔ اگر اس کی لاش بھی ملتی تو دروازے کے قریب ملتی۔ دروازے سے اتنے فاصلے پر نہیں۔"

"اس کے بہت سے جواز ہو سکتے ہیں۔" ڈاکٹر بولا۔ "میں اس دروازے کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ تم ثابت کرو فلپس کو کسی نے قتل کیا ہے، تمہیں اس کی وضاحت کرنی پڑے گی کہ دروازہ اندر سے کیونکر مقفل ہے۔"

وہ دُم کوڑنے انگاروں سے بچتے بچاتے چند سیڑھیاں چڑھ کر اور پھر کچھ سیڑھیاں اتر کر آہنی دروازے کے قریب پہنچے۔ وہ ابھی تک تپا ہوا تھا لیکن کنکریٹ کی دیواروں میں بہ دستور مضبوطی سے جڑا ہوا تھا۔

"لگتا ہے دروازے پر اندر نیچے کی طرف کوئی مضبوط تالا لگا ہوا ہے۔ ہم نے سلاخوں کے درمیان سے اُس تک ہاتھ پہنچانے اور کسی چیز سے اُسے توڑنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔" شیرف بولا۔ "دروازے کے قبضے بھی اندر کی طرف ہیں۔ اب تو شاید ویلڈنگ مشین کے ذریعے، شعلے کی مدد سے ہی لوہے کی چادر کو کاٹنا پڑے گا۔"

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فلپس کو کسی نے قتل نہیں کیا۔"

"ظاہر ہے قاتل بغلی دروازے کی سلاخوں کے درمیان سے گزر کر اندر نہیں جا سکتا تھا خصوصاً جبکہ آگ لگنے سے پہلے اندر کی طرف کا لکڑی کا شٹر بھی بند تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ شٹر کا آہنی بولٹ اس وقت بھی چڑھا ہوا نظر آ رہا ہے جبکہ شٹر جل کر راکھ ہو چکا ہے۔"

ڈاکٹر نے بغلی دروازے کی آہنی سلاخوں کا معائنہ کیا۔ وہ آدھ انچ موٹی مضبوط سلاخیں تھیں اور ایک دوسرے سے چھ انچ کے فاصلے پر ویلڈنگ کے ذریعے آہنی فریم سے جڑی ہوئی تھیں۔ کسی بھی سلاخ کی ویلڈنگ ناکارہ نہیں تھی اور دبلے سے دبلا انسان بھی دو سلاخوں کے درمیان سے گزر کر اندر نہیں جا سکتا تھا۔

"تم اپنے نقطۂ نظر کو کبھی ثابت نہیں کر سکو گے ملٹن۔" ڈاکٹر شیرف کی طرف گھومتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں بولا۔ پھر وہ واپس الزبتھ کے پاس آیا اور اسے اپنے گھر لے جانے کا انتظام کرنے لگا۔

دو گھنٹے بعد جبکہ ڈاکٹر، الزبتھ کو اپنے گھر میں ہلکی سی خواب آور دوا دے کر سلا چکا تھا، وہ دوبارہ جائے وقوعہ پر واپس آیا۔ شیرف، میڈیکل ایگزامینر اور اس کے اسسٹنٹ کے علاوہ اب کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ فلپس کی جھلسی ہوئی لاش تجہیز و تکفین کرنے والوں کے ہاں پہنچائی جا چکی تھی اور وہیں پولیس سرجن نے اس کا پوسٹ مارٹم شروع کر دیا تھا۔

ورکشاپ کا دروازہ چونکہ ایک متنازعہ ثبوت کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اس لیے اسے جوں کا توں چھوڑ دیا گیا تھا۔ سام فلپس نے نہایت ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے الزبتھ کے لیے ایک وکیل کی خدمات

بھی حاصل کر لی تھیں۔ وکیل نے بھی کسی سرکاری یا غیر سرکاری آدمی کو دروازے کو چھونے نہیں دیا تھا۔ فلپس کی لاش باہر لانے کے لیے بڑی مشکلوں سے کنکریٹ کی دیوار میں شگاف ڈالا گیا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک بار پھر دروازے کا معائنہ کیا اور اس کے دل کو بڑا اطمینان ہو گیا۔ یہ دروازہ الزبتھ کو سزائے موت سے بچا سکتا تھا اور ان لوگوں کی زبانیں بند کر سکتا تھا جنہوں نے ابھی سے باتیں بنانا شروع کر دی تھیں۔ ڈاکٹر سوچ رہا تھا کہ وہ الزبتھ کو اس ماحول سے بچانے کے لیے دوسرے روز فلپس کے شہر والے مکان میں بھیج دے گا لیکن اس وقت اس کے ارادوں کے محل زمین بوس ہو گئے جب ڈپٹی شیرف روپر گاؤں سے واپس آیا۔ کار سے اترتے وقت اس کا سوکھا سا چہرہ کسی اندرونی ہیجان کے باعث دمک رہا تھا۔

0304-5503086

"ڈاکٹر!" وہ آتے ہی بولا۔ "پولیس سرجن نے کہا ہے کہ اس عورت کو نظر سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔ دروازہ مقفل تھا یا غیر مقفل۔ لیکن یہ ثابت ہو گیا ہے کہ فلپس کو قتل کیا گیا ہے۔ الزبتھ نے اس کے سر پر ضرب لگا کر اسے ہلاک کیا ہے۔ اس نے سوچا ہو گا بعد میں لاش دریافت ہونے پر یہی سمجھا جائے گا کہ کوئی چیز فلپس کے سر پر گر گئی ہو گی۔ مگر اس نے غلطی یہ کی کہ کچے لوہے کی کسی زنگ آلود اور قدرے بھربھری سی سلاخ سے اس کی کھوپڑی پر وار کیا۔ اس کی کھوپڑی میں زنگ اور لوہے کے ذرات پیوست پائے گئے ہیں۔"

ڈاکٹر کا دل ڈوب سا گیا۔ رو پیر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اس کے ساتھ کورین کی گواہی الزبتھ کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے کافی ہو گی۔ اس نے شاید اپنی ماں کا وہ مشہور نیلا گاؤن اسی موقع کے لیے سنبھال کر رکھا ہوا تھا تاکہ ماں کی قائم کردہ روایت کو تازہ کر سکے۔"

ڈاکٹر مایوسی کے عالم میں اپنی کار کی طرف بڑھا تو ڈپٹی شیرف بہ آواز بلند بولا۔ "ڈاکٹر! الزبتھ کو گاؤں سے کہیں اور منتقل کرنے کا خیال دل میں مت لانا۔ مجھے اس کو حراست میں لینا ہے۔ ایک اور اہم بات بھی بتا دوں۔ فلپس نے اپنے لیے پچاس ہزار ڈالر کا بندوبست کرایا تھا اور وہ رقم اپنے بنک لاکر میں رکھی ہوئی تھی۔ میں نے بنک والوں کی مدد سے لاکر کا معائنہ کیا ہے۔ رقم اس میں نہیں ہے۔"

ڈاکٹر نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ دفعتاً اس کی نظر ٹائروں کے انہی نشانات پر پڑی جنہیں وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ دوسری کاروں کے نشانات میں گڈمڈ ہو چکے تھے مگر ان کے بارے میں جو بات ڈاکٹر کے تحت الشعور میں چبھ رہی تھی وہ اچانک ہی اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ان کا درمیانی فاصلہ بہت کم تھا۔ کسی چھوٹی کار کے پہیے بھی ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں ہو سکتے تھے۔ تو پھر وہ کیا چیز تھی؟ کہیں وہ ایسی موٹر سائیکل تو نہیں تھی جس کے ساتھ لوگ ایک پہیے والی ٹرالی سی جوڑ لیتے ہیں؟ لیکن وہ ایسی بھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ تو پھر وہ کیا چیز تھی؟

یہی سوال ذہن میں لیے وہ گھر چلا گیا۔ الزبتھ ابھی سو رہی تھی۔ اس کے حسن کی دلکشی ماند پڑ چکی تھی اور چہرے کے نقوش سے سرکشی کا جو عنصر جھلکتا تھا وہ اب معدوم ہو چکا تھا۔ وہ اب محض ایک شکست خوردہ عورت نظر آ رہی تھی جسے غیر منصفانہ حالات میں ان لوگوں کے سامنے سینہ سپر رہنا پڑا تھا جو اسے تباہ کرنے کے درپے تھے۔

ڈاکٹر اس کے بیڈ کے قریب سے ہٹا تو ہال میں اسے کورین کا زرد چہرہ دکھائی دیا۔ وہ اس وقت کسی لومڑی سے مشابہ نظر آ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کے قریب جا کر گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔ "کورین! تم نے الزبتھ کے بارے میں یقیناً جھوٹ بولا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ یہ جھوٹ اس کی زندگی لے سکتا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ تمہیں اس سے شدید نفرت ہے اور تمہاری نظر میں وہ زندہ رہنے کی مستحق نہیں لیکن کسی کی زندگی یا موت کا اختیار انسان کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ میں تمہیں سنجیدگی سے بتا رہا ہوں کہ اگر تمہاری گواہی کی وجہ سے الزبتھ کو موت کی سزا ہو گئی تو میں اس معاملے کو یہیں نہیں چھوڑوں گا بلکہ ثبوت کی تلاش میں رہوں گا۔ اور اگر مجھے اس بات کا ثبوت مل گیا تو میں تم سے بدلہ لیے بغیر نہیں رہوں گا۔"

کورین کے چہرے پر قدرے خوف کے آثار نمودار ہوئے اور وہ بیٹھی بیٹھی سی آواز میں بولی۔ "ڈاکٹر! اس میں شک نہیں کہ مجھے اس سے نفرت تھی لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے وہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں اس کے لیے کوئی بھی قسم کھانے کے لیے تیار ہوں۔ اگر میں نے جھوٹ بولا ہو تو خدا مجھے موت دے دے۔"

ڈاکٹر بریننڈن کا دل گواہی دینے لگا کہ لڑکی سچ کہہ رہی تھی۔ کم از کم اسے اپنے تئیں یہی یقین تھا کہ اس نے الزبتھ کے جسم پر نیلا گاؤن دیکھا تھا۔ پھر اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ وہ خود بھی حقیقت کو سمجھنے کے لیے کوئی عملی قدم نہیں اٹھا رہا تھا اور محض کورین کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ وہ الزبتھ کے گاؤن کو زیادہ غور سے دیکھنے کے لیے اس کے بیڈ کے قریب پہنچا کمرے میں روشنی بہت کم تھی اور وہ بتی روشن کر کے الزبتھ کے سکون میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک دیا سلائی روشن کرتے ہوئے اس نے کورین کو مخاطب کیا۔

"دیکھو۔ یہ گاؤن سفید ہے اور۔۔۔"

کورین اس کی بات کاٹتے ہوئے حیرت سے بولی۔ "ارے۔۔۔ یہ تو اب کچھ زرد سا نظر آ رہا ہے۔"

یہ تبدیلی ڈاکٹر نے بھی محسوس کر لی تھی۔ وہ یکدم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ایک عجیب سی حقیقت اس پر منکشف ہو رہی تھی اور اس کی رگ و پے میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی تھی۔ اسے قدرے حیرت ہو رہی تھی کہ اس حقیقت کی طرف پہلے اس کی توجہ کیوں نہیں گئی تھی۔

وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "اس گاؤن کا پیٹرن سفید چمکیلا اور ریشمی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس پر جس رنگ کی روشنی پڑ رہی ہو اس کا رنگ تقریباً ویسا ہی نظر آنے لگتا ہے۔ تمہیں جب یہ نیلا نظر آیا تھا تو اس پر یقیناً کہیں آس پاس سے نیلی روشنی پڑ رہی ہوگی۔"

"لیکن شعلوں کی روشنی تو پیلی اور قدرے سُرخی مائل تھی۔" کورین بولی۔ "اسی لیے تو مجھے گاؤن کا نیلا رنگ زیادہ نمایاں دکھائی دیا تھا۔ آگ کی روشنی تو نیلی نہیں ہو سکتی نا۔"

ڈاکٹر کا ذہن عالمِ وحشت میں کوئی جواز تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ممکن ہے گیس کا کوئی پائپ پھٹ گیا ہو اور گیس نے آگ پکڑ لی ہو۔ اس آگ کی روشنی نیلی ہو۔ مگر پھر ڈاکٹر کو یاد آیا کہ فلپس کے مکان میں گیس نہیں تھی۔ فلپس کیمسٹری کا علم بھی نہیں رکھتا تھا، اس لیے یہ بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ اس کی ورکشاپ میں ایسے کیمیکلز موجود تھے جن میں آگ لگنے سے نیلی روشنی پیدا ہو رہی ہو۔

وہ ابھی کسی نتیجے پر نہ پہنچ پایا تھا کہ ہال میں کچھ لوگوں کے باتیں کرنے کی آواز سن کر وہ الزبتھ کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر کی خادمہ جو کورین کی ماں تھی، دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "ڈاکٹر! یہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

وہ سام فلٹ اور بوسٹن ریلے تھے۔ سُتے ہوئے چہرے والا دبلا پتلا سام، بوسٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "ڈاکٹر! میں نے اسے تلاش کر ہی لیا اور پکڑ کر یہاں لے آیا۔"

بوسٹن کے بال پریشان، آنکھیں سرخ اور لباس شکن آلود تھا تاہم وہ خوفزدہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ "یہ کیا قصہ ہے ڈاکٹر؟ الزبتھ کی طبیعت کیسی ہے؟ میں ذرا پی پلا کر ایک ہوٹل کے کمرے میں جا کر لیٹ گیا تھا اور خمار اُترنے کا منتظر تھا۔"

پھر وہ آنکھیں ملتے ہوئے ایک لمحے کے توقف سے بولا۔ "مجھے معلوم ہے لوگ میرے اور الزبتھ کے بارے میں کیا باتیں کرتے ہیں لیکن ان میں ذرا بھی سچائی نہیں ہے۔ الزبتھ ایک باکردار عورت ہے۔ اگر وہ واقعی کوئی ایسی ویسی عورت ہوتی تو میں کب کا اسے بھگا کر لے گیا ہوتا۔ اگر وہ موٹا شیرف اس کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے تو میں اس کے دانت توڑ دوں گا۔"

اس کے لہجے میں سچائی جھلک رہی تھی مگر ڈاکٹر کی اُلجھن بدستور اپنی جگہ برقرار تھی۔ دفعتاً دوسرے کمرے سے الزبتھ کی کمزور سی آواز سنائی دی۔ وہ ڈاکٹر کو پکار رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کے کمرے میں پہنچ کر دیکھا وہ کہنی کے بل اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھی اور سختی سے آنکھیں بند کیے تکلیف کے عالم میں کہہ رہی تھی۔ "ڈاکٹر! میری آنکھوں کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے۔ ان میں بے پناہ جلن ہو رہی ہے اور میں صحیح طور پر دیکھ بھی نہیں پا رہی۔"

ڈاکٹر نے بتی جلا کر الزبتھ کی آنکھوں کا معائنہ کیا۔ اس کے پپوٹے متورم اور سوزش زدہ تھے لیکن ان کی یہ حالت تپش سے نہیں ہوئی تھی کیونکہ پلکیں بالکل ٹھیک تھیں۔ اُس نے الزبتھ کی آنکھوں میں مرہم تو لگا دیا لیکن اس دوران اس کا ذہن مسلسل مشینی انداز میں کام کرتا رہا... اور بالآخر اس کے خیالات کی دنیا میں تمام کڑیاں مل گئیں۔

اسے معلوم ہو گیا کہ کورین کو سفید گاؤن دور سے نیلا کیوں نظر آیا تھا۔ کار کے ٹائروں کے جو نشانات اُس نے دیکھے تھے ان کا درمیانی فاصلہ بہت کم کیوں تھا؟ قاتل نے فلپس کی لاش مقفل کمرے میں کس طرح چھوڑی تھی۔ لیکن ان سوالوں کا جواب پھانسی کے پھندے کی طرح تھا جو الزبتھ کی مرمریں گردن میں لٹکتا نظر آ رہا تھا۔

"الزبتھ!" بوسٹن نے محبت آمیز لہجے میں پکارا۔ الزبتھ اپنی جگہ سکڑ سمٹ کر رہ گئی۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ڈاکٹر بغور اس کے ردِعمل کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بوسٹن!" ڈاکٹر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ الزبتھ تم سے بات کیوں نہیں کر رہی۔ اس کا خیال ہے کہ تم نے اس کے شوہر کو قتل کیا ہے۔ اسے پورا یقین نہیں ہے ورنہ شاید وہ زبان کھول چکی ہوتی۔ لیکن میں دراصل تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر یہ تمہیں بجائے واردات پر دیکھ چکی ہے اور اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھے ہوئے ہے تو یہ اپنی تمام تر بے گناہی کے باوجود اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال رہی ہے۔ چنانچہ اگر تمہارے اندر مردانگی اور اخلاقی جرأت موجود ہے تو الزبتھ کی بھلائی کی خاطر تمہیں خود ہی اعترافِ جرم کر لینا چاہیے۔"

بوسٹن کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ غصیلی سی آواز میں بولا۔ "ڈاکٹر! تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟ میں تو آج پورے دن فلپس کے مکان کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔"

"لیکن اس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ تم ہوٹل کے کمرے میں سوتے رہے ہو؟" ڈاکٹر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ظاہر ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھے کوئی ثبوت پیش کرنے کی ضرورت پڑ جائے گی۔" بوسٹن برہمی سے بولا۔ "لیکن آپ یہ بتائیں کہ کوئی شخص فلپس کو قتل کر کے اس کی لاش ایسے کمرے میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا جو اندر سے مقفل تھا؟"

"ایک میکینک، جس کے پاس ویلڈنگ مشین موجود ہو، اس کے لیے بھلا آدھا انچ موٹی سلاخوں والا دروازہ کیا معنی رکھتا ہے؟" ڈاکٹر دھیمے لہجے میں بولا۔

"نکتہ تو آپ کے ذہن میں بہت اچھا آیا ہے۔" بوسٹن استہزائیہ سے لہجے میں بولا۔ "لیکن میرے پاس تو آج کل ویلڈنگ مشین موجود

ہی نہیں ہے میری مشین مرمت ہونے کے لیے گئی ہے۔"

"میں اس مشین کی بات نہیں کر رہا جس سے شعلے کے ذریعے ویلڈنگ ہوتی ہے۔" ڈاکٹر بولا۔ "میں تمہاری اس پورٹیبل مشین کی بات کر رہا ہوں جو الیکٹرک ویلڈنگ کرتی ہے اور جسے کہیں لے جانے کے لیے اس میں جا رہ پہیے لگے ہوئے ہیں جن کا درمیانی فاصلہ بہت کم ہے۔ اس مشین کے ذریعے بھی لوہے کو کاٹا جا سکتا ہے اور پہلے سے ویلڈ شدہ جوڑ کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ ورکشاپ کے بغلی دروازے میں جو سلاخیں لگی ہوئی ہیں ان میں سے اگر صرف ایک سلاخ علیحدہ کر لی جائے تو کوئی شخص پھنس پھنسا کر اندر داخل ہو سکتا ہے۔ ایک سلاخ الگ کر کے اندر جانے، باہر واپس آنے اور سلاخ کو دوبارہ اس کی جگہ ویلڈ کرنے کے لیے بھلا تمہیں کتنا وقت درکار ہوگا؟"

"اگر مجھے یہ کام کرنے کی ضرورت پڑ ہی جائے تو میں پانچ سات منٹ میں کر سکتا ہوں۔" بوسٹن ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"بالکل ٹھیک۔" ڈاکٹر بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص فلپس کے مکان کے ایک تہ خانے میں آگ لگاتے ہی ورکشاپ پہنچ جاتا ... اور اپنا کام شروع کر دیتا تو الزبتھ کو آگ کا علم ہوتے اور اس کے ورکشاپ کی طرف آنے تک وہ یہ کام ختم کر چکا ہوتا اور کسی کی نظر میں آئے بغیر فرار ہو جاتا۔"

"لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔" الزبتھ نے سسکی لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ایسا نہیں ہو سکا۔" ڈاکٹر نے اس کی تائید کی۔ "تم عین اس وقت وہاں پہنچ گئیں جب وہ اپنا کام ختم کر رہا تھا۔ جس وقت تم سب سے اونچی سیڑھی پر پہنچیں تو ویلڈنگ کے دوران پیدا ہونے والی تیز نیلی روشنی تمہارے گاؤن پر پڑی اور عین اسی وقت کورین نے دور سے تمہیں دیکھا۔ اسے تمہارا گاؤن نیلا نظر آیا لیکن وہ ویلڈنگ کرتے ہوئے شخص کو نہیں دیکھ سکی کیونکہ وہ نشیب میں تھی۔ ویلڈنگ کی اسی چمک اور روشنی نے تمہاری آنکھوں کو نقصان پہنچایا۔"

"ہاں۔" الزبتھ نے تسلیم کیا۔ "ویلڈنگ کی چمک یک دم میری آنکھوں میں پڑی تو میں ایک لمحے کے لیے اندھی سی ہو گئی اور ویلڈنگ کرنے والے کو صحیح طور پر دیکھ نہیں سکی۔ ویسے بھی اس نے وہ ہڈ اپنے چہرے کے سامنے کیا ہوا تھا جو ویلڈر استعمال کرتے ہیں۔ مجھے دیکھ کر اس شخص نے اسی ہڈ سے میرے سر پر وار کیا اور میں گر پڑی۔ گرنے کے دوران میرا سر سیڑھی سے بھی ٹکرا گیا اور میں مکمل طور پر بے ہوش ہو گئی۔ تاہم میری آنکھیں اب بری طرح دکھنا شروع ہو گئی ہیں۔"

"اسی چیز سے تو مجھے صحیح اندازہ لگانے میں مدد ملی ہے۔" ڈاکٹر بولا۔ "ویلڈنگ کی شعاعوں سے آنکھوں کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کے اثرات کافی دیر بعد جا کر ظاہر ہوتے ہیں۔"

"بوسٹن!" الزبتھ سسکی سی لیتے ہوئے بولی۔ "مجھے سچ سچ بتا دو... کیا وہ تم تھے؟ جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"الزبتھ! میں خدا کو حاضر ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ وہ شخص میں نہیں تھا جسے تم نے ویلڈنگ کرتے دیکھا تھا۔" بوسٹن پُرزور لہجے میں بولا۔ دفعتاً اس نے مڑ کر ہال کی طرف دیکھا۔ سام ہال میں ہی رہ گیا تھا اور ان کے ساتھ کمرے میں نہیں آیا تھا۔

"سام! یہاں آؤ۔" بوسٹن نے تحکمانہ لہجے میں پکارا۔

"کیا بات ہے؟" سام اندر آتے ہوئے بولا۔ اس کا لہجہ مضطرب تھا۔

"میں تمہاری آنکھوں کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔" بوسٹن بولا۔ "الزبتھ نے بتایا ہے کہ اس شخص نے ہڈ سے اس پر وار کیا تھا۔ ممکن ہے اس کی اپنی آنکھوں میں بھی ویلڈنگ کی روشنی پڑ گئی ہو۔ ویلڈنگ مشین استعمال کرنا تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو اور میرے گیراج کی ڈپلیکیٹ چابیاں بھی تمہارے پاس ہیں۔"

"یہ... تم کیا کہہ رہے ہو بوسٹن؟" سام ہکلایا۔ "مجھے بھلا فلپس کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"فلپس نے الزبتھ کی جیولری فروخت کر کے پچاس ہزار ڈالر کا انتظام کرنے کا کام تمہارے سپرد کیا تھا۔" بوسٹن بولا۔ "وہ رقم وجہ قتل ہو سکتی ہے۔ رقم فلپس کے لاکر میں موجود نہیں ہے۔ عین ممکن ہے وہ تمہارے لاکر میں موجود ہو۔"

سام جواب دینے کے بجائے یک دم باہر کی طرف دوڑ پڑا۔ بوسٹن اس کے تعاقب میں دوڑا۔ عین ممکن تھا کہ سام اپنی کار تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اسی دوران کورین نہ جانے کدھر سے اس کے راستے میں آ گئی اور خوفزدہ خرگوش کی طرح وہیں جم کر رہ گئی۔ سام اس سے ٹکرا کر گر پڑا۔ بوسٹن نے فوراً اسے دبوچ لیا اور اس کا گلا دبانے لگا۔ ڈاکٹر نے بڑی مشکل سے بوسٹن کو اس گھناؤنے اقدام سے باز رکھا ورنہ شاید وہ سام کا کام ہی تمام کر دیتا۔

شیرف کے آنے کے بعد سام سے اعترافِ جرم کرانے اور مسروقہ رقم برآمد کرانے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

بعد میں ڈاکٹر کی موجودگی میں جب بھی یہ کیس زیرِ بحث آیا اس نے یہی کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ جو نیلا گاؤن الزبتھ کی ماں کے لیے وجہِ رسوائی بنا رہا اسی نے الزبتھ کی جان بچائی ہے۔ اگر یہ روایت اتنی زیادہ مشہور نہ ہوتی تو شاید کورین کے ذہن میں بھی یہ خیال پہلے ہی سے نہ بیٹھا ہوتا اور الزبتھ کا سفید گاؤن محض ویلڈنگ کی معمولی سی روشنی سے اسے مکمل نیلا نظر نہ آتا۔ اگر وہ یہ بیان نہ دیتی تو میرا ذہن بھی ویلڈنگ والے نکتے کی طرف نہ جاتا۔



Sweet Little Murder- Blue Gown
JOHN M. KNOX



دوسرا صدر

نجمہ مودی

رشتوں کی اُس تکون کی کہانی جس میں ایک رقیبِ روسیاہ ضرور ہوتا ہے۔ اور جس کی موجودگی فریقِ ثانی پر گراں گزرتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا چاہتے ہیں مگر کامیابی اُسی کا نصیب بنتی ہے جو پہل کر جائے۔ یہ کہانی اس بات کا بھی درس دیتی ہے کہ کبھی کسی اجنبی سے حالِ دل نہیں کہنا چاہیے۔

محبت، رقابت اور جُرم تینوں جذبوں کی آمیزش سے گندھی ایک دلچسپ تحریر

زیادہ تر لوگوں کو برف باری پسند نہیں لیکن مجھے پسند ہے۔ میرے برف باری کو پسند کرنے کی ایک وجہ ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایک طرح سے برفباری نے میری جان بچائی تھی۔ اگر اُس رات برف باری نہ ہو رہی ہوتی تو.....

عام طور پر میں لندن سے گھر واپس جانے کے لئے ٹرین کے سلیپر کمپارٹمنٹ میں سفر کرتا ہوں لیکن اُس روز لندن میں میرا کام جلد ختم ہو گیا۔ مجھے فوری طور پر سلیپر میں برتھ نہیں مل سکی اور میں بے مقصد لندن میں مزید رکنا نہیں چاہتا تھا اس لئے ایک کمپارٹمنٹ میں کونے کی عام سیٹ میسّر آتے ہی روانہ ہو گیا۔

ٹرین کے لندن سے روانہ ہوتے وقت ہی ہلکی برف باری

شروع ہو چکی تھی۔ انگلینڈ کے شمال کی طرف سفر کے دوران اچھی خاصی برف پڑنے لگی اور زمین پر اس کی تہیں سخت ہونے لگیں۔ ایڈن برگ پہنچنے تک ٹرین تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ میں اپنے کمپارٹمنٹ میں اکیلا ہی رہ گیا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور تقریباً پینتیس برس کی عمر کا ایک شخص اندر آگیا۔ اپنا پرانا سا بریف کیس اوپر ریک پر پھینک کر وہ میرے سامنے والی سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے کندھوں اور سر پر برف جمی ہوئی تھی لیکن اس نے اسے جھاڑنے کی کوشش نہیں کی اور گویا اپنے گردو پیش سے بے خبر کھڑکی کے شیشے سے باہر اندھیرے میں دیکھتا رہا۔ برف پگھل کر اس کے پیروں میں پانی کی صورت میں جمع ہو رہی تھی۔

"موسم بہت خراب ہو گیا ہے۔" میں نے تبصرہ کیا۔ اُس نے بری طرح چونک کر میری طرف دیکھا۔ شاید وہ اب تک میری موجودگی سے بے خبر رہا تھا۔

"ہاں..... واقعی۔" اس نے محض اتنا کہا اور ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ باتونی معلوم نہیں ہوتا تھا جس پر میں نے خدا کا شکر بھی ادا کیا لیکن اس وقت اس کی حد سے زیادہ خاموشی کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ وہ کسی گہری سوچ میں غلطاں تھا۔ میرے اس اندازے کی وجہ سے مجھے تحریک مل رہی تھی کہ میں اس سے بات چیت چھیڑوں۔

انسانوں کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنا میرا مشغلہ ہے۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خاص کمزوری ہوتی ہے۔ اسے تلاش کرنے..... یا یوں کہئے کہ کسی کی دکھتی رگ تلاش کرنے میں مجھے لطف آتا ہے۔ یہ مشغلہ ہر پیشے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کے حریف کی شخصیت کے کمزور پہلو کیا ہیں۔

اُس کی شخصیت کچھ خاص نہیں تھی۔ مجہول سا آدمی تھا۔ سر پر گنج نمودار ہو رہا تھا۔ پتلی سی مونچھیں شاید اس نے اپنی شخصیت کو بارعب بنانے کے لئے رکھی تھیں لیکن اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں رہی تھی۔ لباس اور وضع قطع سے وہ کوئی سیلز مین ٹائپ کی چیز معلوم ہوتا تھا۔ میں اسے ایک ٹک کھڑکی سے باہر گھورتے دیکھ دیکھ کر بور ہو گیا۔ وہ میری طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بالآخر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

شاید مجھے غنودگی آگئی تھی کیونکہ بریکوں کی تیز چرچراہٹ سے میں چونکا اور اس کے ساتھ ہی کوئی مجھ پر آگرا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولتے ہوئے اسے پرے دھکیلا۔ وہ میرے سامنے کی سیٹ والا مسافر تھا۔

"معاف کرنا....." وہ ہانپنے کے سے انداز میں بولا۔ "شاید ٹرین کسی چیز سے ٹکرا گئی ہے۔"

ہم دونوں گرتے پڑتے دروازے تک پہنچے اور باہر جھانکنے لگے۔ ٹرین کی اگلی بوگیاں محفوظ ہی معلوم ہوتی تھیں۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں....." ہمارے عقب سے ٹکٹ کلکٹر کی آواز سنائی دی۔ "آگے پٹری پر برف جمی ہوئی ہے۔ ہم جلد ہی اسے ہٹا دیں گے۔ پٹری صاف ہوتے ہی ٹرین بلا تاخیر چل پڑے گی۔"

ہمیں کچھ اطمینان ہوا اور ہم اپنی سیٹوں کی طرف واپس آگئے۔ میرے ہم سفر کو اس جھٹکے نے شاید ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بڑبڑایا۔ "میری تو قسمت ہی خراب ہے۔"

"شکر کرو کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔" میں نے کہا۔ "کیا تم اس خیال سے پریشان ہو کہ ٹرین لیٹ ہونے کی وجہ سے تمہاری بیوی فکر مند ہو گی؟" جواب میں اس نے استہزائیہ سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تم شادی شدہ ہو؟" اُس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"ابھی اس معاملے میں قسمت نے میرا ساتھ نہیں دیا۔" میں نے کہا۔

"شادی شدہ ہونا کوئی خوش قسمتی کی بات نہیں۔ جہنم میں جلنے کے مترادف ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"اچھا.....؟" میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ "میں تو سمجھتا ہوں کہ تم شادی شدہ لوگ کم از کم اس لحاظ سے ہم چھڑوں سے بہتر ہوتے ہو کہ گھر واپس پہنچتے ہو تو کم از کم کوئی اچھی صورت وہاں تمہاری منتظر ہوتی ہے۔"

"شادی سے پہلے میرے بھی کچھ ایسے ہی خیالات تھے۔" وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب خوش فہمیاں تھیں..... خوش گمانیاں تھیں۔"

"اوہ.....!" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ اس شخص میں تو کوئی معمّا پنہاں نہیں۔ اس کی ذات میں تو کوئی پُراسرار پیچیدگی نہیں۔ یہ تو وہی بیوی سے بیزار شوہر ہے۔ اس قسم کے شوہروں کو عموماً بیویوں سے یہی شکوہ ہوتا ہے کہ وہ انہیں سمجھ ہی نہیں سکیں۔ دنیا ایسے شوہروں سے بھری پڑی ہے۔ درحقیقت یہ وہ دو قسم کے مرد ہوتے ہیں جنہیں اپنی بیوی کو قابو میں رکھنا ہی نہیں آتا۔ جس طرح یہ بیویوں سے شکوہ کناں ہوتے ہیں' اسی طرح بیویاں بھی ان سے بیزار ہوتی ہیں..... اور اس میں حیرت کی کوئی بات بھی نہیں۔

میں نے فیصلہ کیا کہ وہ مزید کریدے جانے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر کے نیند کی آغوش میں پناہ لینا چاہی لیکن ایک بار شروع ہو جانے کے بعد وہ گویا چپ ہونے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ہم دونوں اکٹھے ایک ہلکے پھلکے سے حادثے کا شکار ہو چکے تھے اس لئے گویا ہمارے درمیان تکلف کی غیر مرئی دیوار گر گئی تھی۔

"میرا خیال ہے میری پہلی غلطی تو یہ تھی کہ میں نے اپنی بیوی کو ملازمت کی اجازت دے دی۔" وہ بولا۔ "جب کہ مجھے اپنی ملازمت کی وجہ سے پہلے ہی اکثر گھر سے باہر رہنا پڑتا تھا لیکن مسئلہ

یہ تھا کہ میری آمدنی ناکافی تھی اور میری بیوی فضول خرچ تھی چنانچہ اُس کے ملازمت کرنے کی تجویز اس وقت بڑی اچھی محسوس ہوئی تھی۔"

"لیکن اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلا؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ ملتے ہوئے کمپارٹمنٹ میں ٹہلنے لگا۔ "لیکن میں کتنا احمق تھا.....! ایک عرصے تک مجھے یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ میری بیوی جو ملبوسات پہن رہی تھی، ہم دونوں کی تنخواہیں یکجا کرکے بھی ان میں سے ایک لباس بھی نہیں خریدا جاسکتا تھا۔ زیورات ان کے علاوہ تھے۔ زیورات کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ وہ نقلی ہوتے تھے..... اور میں احمق اس کی بات پر یقین کرتا رہا.....!"

"دوسرا مرد.....؟" میں نے مبہم لہجے میں تصدیق چاہی حالانکہ جواب مجھے معلوم تھا۔

اُس نے مجھ سے نظر چُراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "جس دکان پر میری بیوی ملازمت کرتی ہے وہاں کوئی گاہک آتا ہے۔ دولت مند ہے اور اپنی دولت کو خرچ کرنے کے لیے اسے میری بیوی کے علاوہ کوئی نہیں ملا۔ قصور اس کا بھی نہیں ہے۔ میری بیوی شکل صورت کی ایسی ہے کہ کوئی مرد اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔" اس نے اپنے پرس سے ایک تصویر نکالی اور میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ میری بیوی ماریا ہے۔"

اس میں شک نہیں تھا کہ ماریا خوبصورت اور دلکش تھی۔ اس جیسی عورت کا اس جیسے مرد کا وفادار ہوکر رہنا ذرا مشکل ہی نظر آتا تھا۔ وہ میرے تاثرات دیکھ کر تصویر میرے ہاتھ سے اچکتے ہوئے بولا۔ "میں شاید تمہیں بور کررہا ہوں۔ معافی چاہتا ہوں۔"

حقیقت یہ تھی کہ اب میں بور نہیں ہورہا تھا۔ مجھے اس کی کہانی سے دلچسپی پیدا ہوچکی تھی۔

"میں ہرگز بور نہیں ہورہا دوست!" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں پوری بات سننا چاہتا ہوں۔ شاید میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔ کوئی مشورہ ہی دے سکوں۔ میرا خیال ہے میں غیر شادی شدہ ہونے کے باوجود دنیاوی معاملات میں تم سے زیادہ تجربہ کار ہوں۔ تم شاید اُس شخص کو جانتے ہو؟"

"نہیں۔ لیکن میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ اسے تلاش کرکے رہوں گا اور پھر....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا لیکن اس کا لہجہ اس کے عزائم کا پتا دینے کے لئے کافی تھا۔

پھر اس نے گویا مجھے اپنی ان کہی بات کا یقین دلانے کے لئے جیب سے ایک پستول بھی نکال لیا اور بولا۔ "اگر تمہیں دنیاوی معاملات کا بہت تجربہ ہے تو تم نے اس قسم کی چیزیں بھی یقیناً دیکھی ہوں گی۔"

"دیکھو....." میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر یہ بھرا ہوا نہیں ہے تب بھی اس کا رخ میری طرف مت

ہیون فائیس ہے (رجسٹرڈ)

ابٹن

ہربل بیوٹی کریم

لمحوں میں آپ کی شخصیت بدل جائے

گفٹ پیک

ابٹن سوپ کیساتھ



قیمت صرف 28:00 روپے

ذیشان ٹریڈرز پی او بکس 1950 لاہور فون:7667466

کرو۔"

"یہ بھرا ہوا ہے اور مجھے اس کا استعمال بھی آتا ہے۔" وہ اعتماد سے بولا حالانکہ مجھے اس کی خود اعتمادی میں حماقت کی جھلک نظر آرہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر اس نے کبھی اس پستول کو استعمال کیا تو کسی بے گناہ تماشائی کو ہی مار ڈالے گا۔

"یہ کچھ انتہا پسندانہ اقدام نہیں ہوگا؟" میں نے ملائمت سے کہا۔

"تو پھر تم ہی کچھ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ تمہیں دنیاوی معاملات کا زیادہ تجربہ ہے۔" وہ بولا۔ "میں اسے طلاق بھی نہیں دینا چاہتا۔"

"اس کی ضرورت بھی نہیں۔" میں نے مربیانہ انداز میں کہا۔ "تم دماغ ٹھنڈا رکھو اور صبر و تحمل سے کام لو۔ اس قسم کے لوگ جو دوسروں کی بیویوں پر ڈورے ڈالتے ہیں' زیادہ عرصے اُن سے نتھی نہیں رہتے۔ یہ معاملہ جلد خود ہی اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا۔ میرا خیال ہے تم صرف دو تین ہفتے صبر کرلو تو وہ شخص خود ہی تمہاری بیوی کا پیچھا چھوڑ کر کسی اور طرف بڑھ جائے گا۔ تم دیکھ لینا میرا اندازہ درست ثابت ہوگا۔ جہاں تک اسے گولی مارنے کا تعلق ہے تو اس سے تم اپنے لئے پریشانی مول لینے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کرسکو گے۔ اس طرح تو تم اپنی بیوی کو بھی بالکل ہی ہاتھ سے کھو بیٹھو گے۔"

"میں اس شخص کو اس طرح قتل کروں گا کہ بظاہر خودکشی معلوم ہو۔" اس کی آنکھوں سے ذرا مکاری جھلکنے لگی۔

میں نے چند لمحے کے لئے اس امکان پر غور کیا۔ میرے خیال میں یہ کام ممکن تو تھا لیکن اس شخص کے لئے نہیں۔ پھر میں نے سوچا' کوئی بعید نہیں وہ یہ کام صحیح طریقے سے کر ہی گزرے۔ میں اس کی صلاحیتوں کے بارے میں شک اور الجھن میں پڑ گیا۔ یہ خاصی پریشان کن کیفیت تھی۔

"یہ انسان کی خوش فہمی ہوتی ہے۔" میں نے مربیانہ لہجے میں کہا۔ "قتل کرکے انسان بچ نہیں سکتا خواہ وہ کوئی بھی طریقہ اختیار کرلے۔ کتنا ہی چالاک بننے کی کوشش کرے۔ اس لئے قتل کی حد تک جانے کی ضرورت نہیں۔ اس صورتِ حال کو صرف دو تین ہفتے اور برداشت کرو۔ تمہاری بیوی خود ہی راہِ راست پر آجائے گی۔ تم سے معافی مانگے گی اور پہلے سے زیادہ سعادت مندی سے تمہاری خدمت کرے گی۔"

ایک خدمت گزار اور فرمانبردار بیوی کا تصور شاید اُس کے لئے بہت خوش کن تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے کسی دلفریب تصور میں کھو گیا۔ میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ "آپس کی بات ہے..... نوجوانی سے لے کر اب تک تم خود بھی تو کوئی ایسے پارسا نہیں رہے ہوگے....." میں نے اسے خاموش دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہچکچانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنا دوست ہی سمجھو۔"

تب اُس نے تسلیم کرلیا کہ وہ بھی دشتِ خواہش میں بساط بھر آوارہ گردی کرچکا تھا۔ کچھ نہ کچھ مواقع زندگی میں اسے بھی میسّر آئے تھے۔

دفعتاً ایک جھٹکے سے ٹرین چل پڑی۔ ہم دونوں اچھل پڑے۔ وہ تو شاید اس دوران بھول ہی چکا تھا کہ وہ کہاں بیٹھا تھا۔ میں نے محتاط انداز میں ہاتھ بڑھا کر اس کے پستول کو نال کی طرف سے پکڑ لیا۔ میرے ہاتھوں پر اس وقت دستانے تھے۔

میں نے ملائمت سے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم یہ خطرناک چیز میرے سپرد کردو۔ کہیں جذبات میں آکر تم کچھ کر گزرو..... یا کوئی حادثہ پیش آجائے۔ میں تمہیں اپنا وزیٹنگ کارڈ دے دیتا ہوں۔ جب حالات معمول پر آجائیں' تمہاری بیوی سدھر جائے' تو آکر اپنی یہ امانت مجھ سے لے جانا۔ اُس وقت ہم بیٹھ کر ایک ایک ڈرنک لیں گے اور گپ شپ کریں گے۔ مجھے یقین ہے اس وقت تم آج کے دن کو یاد کرکے ہنسو گے۔"

اُس نے ذرا ندامت آمیز سے انداز میں پستول میرے حوالے کردیا اور میرے دل کو اطمینان ہوا۔ میں نے احتیاط سے اسے جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد باقی سفر کے دوران ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے لیکن اس موضوع کو ہم نے قطعاً نہیں چھیڑا۔

ہم جب اپنے مطلوبہ اسٹیشن پر اترے تو پلیٹ فارم پر برف کی موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ ہم نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور وہ شکر گزاری کے سے انداز میں بولا۔ "میری قسمت اچھی تھی جو آج سفر کے دوران تم سے ملاقات ہوگئی ورنہ میں نہ جانے کیا حماقت کر بیٹھتا اور کس طرح اپنی زندگی خراب کرلیتا۔"

میں نے مربیانہ اور مشفقانہ انداز میں مسکرانے پر اکتفا کیا۔ میں ریلوے اسٹیشن کے دروازے پر کھڑا رہا اور وہ بس اسٹاپ کی طرف چلا گیا۔ بس اسٹاپ پر کھڑا ہو کر وہ گھر جانے کے لئے بس کا انتظار کرنے لگا۔ اسے غالباً امید تھی کہ گھر پر ماریا اس کی منتظر ہوگی۔ اس کا خیال غلط تھا۔ ماریا اپنی ماں کے ہاں گئی ہوئی تھی کیونکہ ویک اینڈ کے لئے میں بھی شہر سے باہر گیا ہوا تھا.....

اُس شخص کے "خودکشی' والے آئیڈیے نے مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس کے فلیٹ کی چابی میرے پاس موجود تھی جو مجھے ماریا نے دی ہوئی تھی۔ اب اس شخص سے لیا ہوا پستول بھی میری جیب میں موجود تھا جس پر اس کی اپنی انگلیوں کے نشانات بھی ثبت تھے۔ میں سوچ رہا تھا اگر میں احتیاط سے کام لوں اور ذرا پھرتی کا مظاہرہ کروں.....

وہ ابھی بس اسٹاپ پر ہی کھڑا تھا جب کہ میں ٹیکسی لے کر اُس کے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگیا.....!

جیف نے باہر سے گھاس کے بڑے بڑے بنڈل اٹھا کر اندر اصطبل میں پہنچائے اور اس کے بعد جارج کو بھی اندر لے جا کر اس کی مخصوص جگہ پر باندھ دیا۔ جارج اس کے پسندیدہ گھوڑے کا نام تھا۔ دراصل جارج ہی کی وجہ سے جیف یہاں اصطبل کے اپنحارج کی حیثیت سے کام کرنا گوارا کر رہا تھا ورنہ اس جیسے کم عمر نوجوان کے لیے اس قسم کی ملازمت کرنا مشکل ہی تھا۔

جارج کو اس کی جگہ پر باندھنے کے بعد جیف نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور نرم اور عمدہ قسم کے گڑ کی ڈلی نکال کر جارج کی طرف بڑھائی جسے اس نے ہلکی سی ہنہناہٹ کے ساتھ قبول کر لیا۔ یہ گویا اس کی طرف سے شکریے کا اظہار تھا۔

"بڑی پیاری چیز ہو تم بھی۔" جیف نے جارج کی گردن تھپتھپاتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی اور جارج نے گویا اس کی تعریف سے شہ پاتے ہوئے اس کی جیب پر منہ مارنا شروع کر دیا۔ گویا بہ زبانِ خموشی مطالبہ کر رہا ہو کہ آخر صرف ایک ہی ڈلی پر کیوں ٹرخا رہے ہو، ایک آدھ اور نکالو نا۔

جیف نے اس کا مطالبہ سمجھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا: "نہیں، میں تمھیں مزید گڑ نہیں کھلا سکتا۔ تمھیں معلوم ہی ہے کہ تمھارا وہ بدمزاج بدبخت بوڑھا مالک اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں تمھیں اپنے ہاتھ سے چیزیں کھلاتا رہوں۔"

اس بدمزاج بدبخت اور بوڑھے مالک کا نام والٹر انیڈرسن تھا جس نے نوجوانوں کو روزگار فراہم کرنے والی ایک سرکاری اسکیم کے تحت جیف کو اصطبل کے اپنحارج کی حیثیت سے ملازمت مہیا کی تھی۔ کہنے کو تو وہ اصطبل کا اپنحارج تھا لیکن حقیقت میں اس کی

بعض ملازمین اپنے آقاؤں سے غیر مطمئن اور ناخوش رہنے کے باوجود اُن کا بُرا نہیں چاہتے اور حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں کبھی کبھار اگر ان کے ہاتھوں مالک کو کوئی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے تو دراصل اس میں بھی کوئی تعمیری مقصد پنہاں ہوتا ہے

ایک نوجوان ملازم کا قصہ جو آزمائش میں پھنس گیا تھا

نجمہ مودی



حیثیت ایک گھٹیا قسم کے مزدور سے زیادہ نہیں تھی۔ گھاس کا انتظام، راتب کی تیاری، اصطبل کی صفائی، گھوڑوں کی خدمت گزاری وغیرہ اس کے فرائض میں شامل تھی۔

اسی پر بس نہیں تھا۔ مرے پر سو درّے کے مصداق جیف کو والٹر کے بھائی کو بھی برداشت کرنا اور اس کے لیے بھی خدمات انجام دینا پڑتی تھیں۔ والٹر کے بھائی کا نام فریڈ تھا اور وہ قصبے کے نواح میں واقع ایک بڑے سے گیرج اور گیس اسٹیشن کا مالک تھا۔

جب بھی اُسے ملازموں کی کمی کا مسئلہ درپیش ہوتا (اور اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اُسے روزانہ ہی یہ مسئلہ درپیش رہے) تو جیف کو اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے بھی جانا پڑتا تھا۔ جیف کو گیرج میں جاکر کام کرنا بھی اتنا ہی ناپسند تھا جتنا اصطبل میں کام کرنا لیکن بہرحال وہ بے روزگاری الاؤنس پر گزارا کرنے اور خود اپنی نظر میں خوار رہنے کی نسبت ان کاموں کی خواری اور دونوں بھائیوں کی بدمزاجی کو گوارہ کر لینا بہتر سمجھتا تھا۔

جارج نے ایک بار پھر جیف کی جیب پر منہ رگڑا اور پھر اس کے ہاتھ پر مُنہ مارتے ہوئے زور سے ہنہنایا۔ گویا شکوہ کر رہا ہو کہ ایسی بھی کیا کنجوسی، اگر گُڑ کا ایک آدھ ٹکڑا اور عنایت فرما دیا جائے تو کیا ہرج ہے۔ اسی لمحے والٹر اینڈرسن اصطبل کے دروازے پر آن کھڑا ہوا اور گھوڑے کی حرکات و سکنات دیکھتے ہوئے چلایا: "تم گھوڑے کو پھر کچھ کھلا رہے ہو کیا؟"

"اگر کھلا بھی رہا ہوں تو پھر کیا ہوا؟" جیف نے گویا اسے جلانے کے لیے بے پروائی سے کہا۔

"تم یہاں صرف اصطبل کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے ملازم ہو۔ تمھیں اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

جیف گھوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس لے کر بولا: "اگر کسی سے دوستی ہو جائے تو انسان کیا کرے۔ کیوں جارج؟ اور پھر دوست بھی تم جیسا شیریں پسند۔"

جارج نے ہنہنا کر گویا اس کی ہاں میں ہاں ملائی لیکن والٹر اس کی طرف توجہ دیے بغیر درشت لہجے میں جیف سے مخاطب ہوا: "یہ مکالمے بازی بند کرو۔ تمھیں اب میرے بھائی کے گیرج پر جانا ہے۔ وہاں اسے پمپ پر ڈیوٹی دینے کے لیے ایک لڑکے کی ضرورت ہے۔"

جیف ناک سکیڑ کر بولا: "کبھی کبھی تو میں فیصلہ کرنے سے قاصر ہوتا ہوں کہ دونوں بدبوؤں میں سے کس کو ترجیح دوں۔ گیس کی بُو کو یا اصطبل کی بُو کو۔"

والٹر قہر آلود نظروں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمھیں یہاں خوشبوئیں، بدبوئیں سونگھنے کے لیے نہیں، کام کرنے کے لیے ملازم رکھا گیا ہے۔ تم پہیوں والے جوتے پہن کر اسکیٹنگ کرتے ہوئے چلے جاؤ، تاکہ وہاں جلدی پہنچ سکو۔ بڈھے فنلے نے وہاں پمپ کے ساتھ کیش کاؤنٹر بھی سنبھالا ہوا ہے، تبکہ نظر اس کی اتنی کمزور ہے کہ پورا سر بھی وہ پمپ میں گھسیڑ کر میٹر کے ہندسے نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہی اُسے یہ پتا چلتا ہے کہ پاؤنڈ کا سکہ کون سا ہے اور پینی کون سا۔"

"اگر میں آپ کی کار لے جاؤں تو زیادہ جلدی وہاں پہنچ جاؤں گا۔" جیف نے مستعدی سے کہا۔

اس پر تو گویا والٹر پھٹ ہی پڑا: "میں تمھیں اپنی براؤنڈ نیو کار کو تو ہاتھ لگانے کی بھی اجازت نہیں دے سکتا۔ خواہ تم کرایہ ادا کر کے بھی اسے لے جانا چاہو۔"

"ہاں، میں تو اسے صرف صاف ہی کر سکتا ہوں، اس میں بیٹھ تھوڑا ہی سکتا ہوں۔ خواہ آپ کے ہی کام سے کیوں نہ جانا ہو۔"

جیف نے یہ کہتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی اور الوداعی انداز میں جارج کی گردن تھپتھپائی۔ اس دوران اس نے والٹر کی نظر بچا کر جارج کو نرم اور عمدہ گُڑ کا ایک اور چھوٹا سا ٹکڑا کھلا ہی دیا پھر وہ دونوں ہاتھ اپنی جیکٹ کی بڑی بڑی جیبوں میں ڈالے اصطبل سے نکل آیا اور سڑک کی طرف چل دیا۔

جس وقت وہ گیرج پہنچا، بوڑھا فنلے کیش مشین پر ہی موجود تھا۔ فنلے بوڑھا ضرور تھا مگر بہت خوش مزاج اور دیانت دار آدمی تھا۔ وہ ریٹائرمنٹ کے قریب تھا۔

جیف نے پمپ پر دو گھنٹے ڈیوٹی دی تو فنلے اُس کے پاس آیا اور ہمدردانہ لہجے میں بولا: "اب تم جاکر دس پندرہ منٹ کے لیے چھپتے تلے لیٹ جاؤ۔ تھک گئے ہو گے۔"

جیف اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے سستانے کے لیے چھپتے تلے چلا گیا۔ اُسے گئے ہوئے پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ آفس کی سمت سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔

"اوہ... شاید بڑے میاں نے پھر کچھ توڑ دیا۔" جیف اپنے آپ سے مخاطب ہو کر بڑبڑایا۔ "انھیں تو پانچ منٹ کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

وہ اُٹھا اور آفس کی طرف بڑھا لیکن آفس کا منظر دیکھ کر اُسے وہیں رُکنا پڑا۔ بوڑھا فنلے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک شاٹ گن کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی نال اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ شاٹ گن کھردری سی تھی جیسی اس علاقے میں ہنرمند قسم کے افراد خراد مشینوں پر خود ہی تیار کر لیتے تھے۔ جس شیشے کے ٹوٹنے کی آواز آئی تھی وہ آفس کے دروازے کا تھا جسے یقیناً اس نووارد نے توڑا تھا جو فنلے پر گن تانے کھڑا تھا۔ جیف محتاط انداز میں تھوڑا اور آگے بڑھا

تو اس نے دیکھا کہ فنلے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"تم... تم... کیا چاہتے ہو؟" فنلے ہکلایا۔

"ساری نقدی۔" نوجوان لٹیرے نے مشینی انداز میں جواب دیا۔ نوجوان دراز قد تھا اور کھردرے کپڑے کی تنگ پتلون اور چمڑے کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا جس پر جا بجا چکنائی کے دھبے تھے۔ جیف نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اُسے نوجوان کا کوئی اور ساتھی دکھائی نہیں دیا۔ وہ تنہا ہی معلوم ہوتا تھا۔ پہلے تو جیف نے سوچا کہ اس سے نمٹنے کی کوشش کرے لیکن اس میں اندیشہ یہی تھا کہ گھبراہٹ میں کہیں لٹیرے سے گن چل ہی نہ جائے اور بوڑھا فنلے جان گنوا بیٹھے یا زخمی ہو جائے۔

اس کے بجائے اس کے زرخیز ذہن نے اُسے ایک اور ترکیب سجھائی اور وہ لٹیرے کی کار کی طرف بڑھ گیا جو چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔

چند لمحے بعد وہ اسی طرح دبے قدموں واپس ہوا اور آفس کے دروازے پر پہنچا۔ فنلے کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا اور پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ وہ لرزتی آواز میں بولا: "تم مجھے شوٹ تو نہیں کرو گے نا؟"

"اگر تم ساری رقم میرے حوالے کر دو گے تو اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ میں تمہیں شوٹ کروں۔" لٹیرے نے کھردرے لہجے میں جواب دیا۔ فنلے کی حالت دیکھ کر جیف نے فیصلہ کیا کہ وہ واقعی لٹیرے سے الجھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

"اسے کچھ مت کہنا۔" جیف چلایا۔

نوجوان نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پھرتی سے اُسے بھی شاٹ گن کی زد پر لے لیا اور فنلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: "تم بھی اس کے قریب آ جاؤ۔"

جیف نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور فنلے کی مدد سے کیش رجسٹر کی ساری رقم کینوس کے اس تھیلے میں ڈال دی جو لٹیرے نے ان کی طرف پھینکا تھا۔

"تم رقم لے کر بھاگ نہیں سکو گے۔" فنلے بڑبڑایا۔ جیف کو قریب پا کر اب اس میں کچھ جرأت آ گئی تھی۔

"مجھے کون روکے گا؟" نوجوان نے فنلے کی آنکھوں کے سامنے گن لہراتے ہوئے کہا۔

جیف نے اس موقع پر مداخلت کرتے ہوئے ملائمت سے لٹیرے کو مخاطب کیا: "تمہیں رقم چاہیے تھی۔ وہ تمہیں مل گئی۔ اب تمہیں جلد سے جلد رخصت ہو جانا چاہیے۔"

"لیکن جیف...!" بوڑھے فنلے نے خبردار کرتے والے انداز میں اُسے مخاطب کیا۔ وہ غالباً جیف کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ اگر رقم لٹیرے لے گیا تو دونوں بھائی یعنی ان کے مالکان والٹر اور فریڈ ان کی



زندگی اجیرن کر دیں گے۔

لیکن جیف اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا: "اسے جانے دو فنلے۔"

نوجوان خواہ مخواہ انھیں مرعوب کرنے کے انداز میں غرایا۔ پھر دروازے سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔ جیف نے فوراً پولیس کا نمبر ڈائل کیا۔

جس وقت پولیس پہنچی جیف چائے پلا کر فنلے کے حواس درست کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پولیس آفیسر نے جیف کو مخاطب کیا۔ "بہت خوب نوجوان! ہم نے اس اُچکے کو واقعی ہائی وے پر یہاں سے تقریباً ایک میل دُور پکڑ لیا جہاں تم نے بتایا تھا۔ تمہارا اندازہ بالکل درست تھا۔"

جیف طمانیت سے مسکرا دیا۔

"تم نے بڑی ذہانت سے کام لیا جیف۔" پولیس آفیسر نے اُسے خراجِ تحسین پیش کیا۔ "اگر تم گڑبڑ کی چھوٹی چھوٹی ڈلیاں پیٹرول میں نہ ڈالتے تو شاید ہم اس لٹیرے کو نہ پکڑ سکتے۔ افسوس کہ اس برانڈ نیو کار کے کاربوریٹر وغیرہ کا تو اچھا خاصا بیڑا غرق ہو گیا لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ مجرم پکڑا گیا۔ کار تو بہرحال اسی گیرج میں ٹھیک ہو جائے گی۔"

پھر پولیس آفیسر مسکراتے ہوئے بولا: "کیا تمہیں معلوم ہو گیا تھا کہ لٹیرا وہ بالکل نئی کار تمہارے مالک سے چھین کر لایا تھا؟"

"ہاں۔" جیف نے جواب دیا۔ "گو کہ والٹر نے یہ کار حال ہی میں خریدی ہے مگر میں اسے پہچانتا تھا۔"

"معلوم یہی ہوتا ہے کہ وہ لٹیرا کبھی والٹر اینڈرسن کے اصطبل میں ہی کام کرتا تھا اور کسی بات پر خار کھائے ہوئے تھا۔ دل میں گرہ رکھی ہوئی تھی اس نے اور موقع پا کر اینڈرسن فیملی سے بدلہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔" پولیس آفیسر نے بتایا۔

"اگر وہ اینڈرسن فیملی سے خار کھائے ہوئے تھا تو اس میں تعجب کی قطعاً کوئی بات نہیں۔" جیف نے آہ بھر کر کہا اور ڈیوٹی دینے کے لیے ایک بار پھر پمپ پر جا کھڑا ہوا۔

SWEET REVENGE
Rosie Concannon.

لوگ موت کو چین و سکون کا نام دیتے ہیں لیکن بعض بدقسمت مرنے کے بعد بھی سکون سے نہیں رہ سکتے۔ اس بدنصیب کا قصہ جس کا بیٹا اس کی قبر کھودنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ تجسس سے بھرپور، چونکا دینے والے انجام کی ایک خوبصورت کہانی۔

نجمہ نعمانی

اپنی عزیزترین ہستیوں میں سے کسی کی قبر کا دہانہ کھولنا کوئی آسان کام نہیں۔ قبر کا دہانہ نہیں گویا ماضی کے جہنم کا دہانہ کھل جاتا ہے۔ جانے کیسی کیسی بھولی بسری اور مدفون یادیں ذہن و دل پر حملہ آور ہو جاتی ہیں، جانے کیسے کیسے خوابیدہ زخم جاگ اٹھتے ہیں۔

میں جس قبر کے سرہانے کھڑا تھا وہ درحقیقت کوئی قبر بھی نہیں تھی۔ یہ ہمارے آبائی مقبرے میں لمبا سا دیوار گیر خانہ تھا جس میں ایک تابوت آہنی دروازے کے پیچھے محفوظ تھا۔ ہمارا آبائی مقبرہ قصبے کے قبرستان کے مشرقی حصے میں واقع ہے اور اس کے چاروں طرف خاردار تاروں کی باڑھ لگی ہوئی ہے۔



اس تجوری نما قبر کا دہانہ میں نے نہیں کھولا تھا۔ ایک ماہر و شاق شخص یہ کام انجام دے رہا تھا جس کی خدمات میں نے باضابطہ طور پر حاصل کی تھیں۔ میں مقبرے کے کھلے دروازے میں کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ دور دور تک قبروں کے سفید سنگی کتبے سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ایک لمحے کے لیے تو مجھے گمان گزرا کہ یہ کتبے نہیں، پتھریلے چہرے تھے جو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے تک رہے تھے اور شاید پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ ڈوبتے سورج کی زرد روشنی میں ان کتبوں کے سائے لمبے ہو چلے تھے۔ درختوں کے ٹوٹے ہوئے پتے قبروں کے درمیان بکھرے ہوئے تھے۔

میں جب اپنے پاپا کو دفن کرنے ممی کے ساتھ یہاں آیا تھا تو میری عمر دس سال تھی لیکن وہ وقت کچھ ایسا تھا اور ماحول میں تلخی اتنی تھی کہ اس زمانے کی کوئی یاد میرے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ان دنوں فرینکلن ڈیلینو روزویلیٹ کی انتخابی مہم چل رہی تھی اور اگلے موسم خزاں میں وہ صدر منتخب ہو گیا تھا۔

وہ اضطراب، بے چینی اور بدامنی کا زمانہ تھا۔ مغربی علاقوں میں بنک ڈکیتی کی وارداتیں حد سے بڑھ چکی تھیں حالانکہ بنک ڈکیتیوں کے بغیر ہی دیوالیہ ہو رہے تھے۔ مختصراً یہ کہ وہ ۱۹۳۲ء کا زمانہ تھا۔ اسی سال اگست میں میرے پاپا کا انتقال ہوا تھا۔

میرے پاپا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تعریفی جملہ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ جوان تھے۔ ان میں کوئی ایسی خوبی نہیں تھی جس کی بنا پر انھیں اچھا باپ یا اچھا شوہر قرار دیا جا سکتا اور ممی کے خیال میں پاپا سے ان کا شادی کرنا ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی جس پر وہ ہمیشہ پچھتاتی رہتی تھیں۔

پاپا میں روزی کمانے یا جم کر کوئی کام کرنے کی صلاحیت قطعاً نہیں تھی البتہ شراب پینے کا انھیں بے حد شوق تھا لیکن اس معاملے میں وہ کم ظرف نہیں تھے۔ بے تحاشا پینے کے بعد بھی بہکتے نہیں تھے۔ نشے کی حالت میں بھی انھوں نے کبھی مجھ سے یا ممی سے ظالمانہ رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔

قابل ذکر بات یہ تھی کہ ہمارے گھر میں کبھی فاقہ کشی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ ممی کا خاندان یعنی میری ننھیال بھی اسی قصبے میں تھی اور وہ خاصا آسودہ حال گھرانہ تھا۔ میرے نانا تکفین اور تدفین کا کام کرتے تھے اور ان کے بعد یہ کام میرے ماموں نیڈ نے سنبھالا تھا۔ ان کی شہر میں تھوڑی بہت جائداد بھی تھی۔ تکفین و تدفین کا کام خوب چلتا تھا۔ کیونکہ مرنے والوں کے لواحقین کو مُردہ تو بہرحال فنا ناہی ہوتا ہے اور اگر ان کی مالی حالت اچھی نہ ہو تب بھی مرنے والے کی کوئی نہ کوئی چھوٹی موٹی انشورنس پالیسی تو ہوتی ہی ہے جس سے اس کی آخری رسوم کے اخراجات نکل ہی آتے ہیں اور اسے عزت و وقار سے آخری سفر پر روانہ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ معاشی بدحالی کے اس دور میں بھی انکل نیڈ کے کاروبار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

انکل نیڈ اکثر اس معاشی بدحالی کا رونا روتے رہتے تھے اور اخراجات کے معاملے میں بڑی کنجوسی سے کام لیتے تھے تاہم وہ ممی کو ہر ماہ بڑی باقاعدگی سے خرچ کی ایک لگی بندھی رقم ضرور دے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ہی ان عاقبت نااندیش اور احمق لڑکیوں کے بارے میں لیکچر دینا بھی نہیں بھولتے تھے جو کم عمری میں شرابیوں اور نکھٹوؤں سے شادیاں کر لیتی تھیں اور اس وقت کا انتظار نہیں کرتی تھیں کہ وہ مردوں کو پرکھنے کے قابل ہو جائیں اور ان میں ذہنی پختگی آ جائے۔

پاپا کا انتقال اچانک ہی ہو گیا۔ یہ تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ وہ جوان ہی تھے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر بتیس سال سے بھی کچھ کم تھی۔ ان کے انتقال اور اس کے بعد کے بیشتر ناخوشگوار مراحل کو مجھ سے مخفیہ رکھا گیا تاکہ مجھے اچانک کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ مجھے اس وقت بھی محسوس ہوا تھا کہ ان کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ وہ اچانک کہیں غائب ہو گئے ہیں۔

مجھے بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں پھر نہایت سلیقے سے چند مراحل میں مجھے بتایا گیا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کے بعد مجھے بس یہی معلوم ہو سکا کہ ان کی نعش انکل نیڈ کے ہاں لے جائی گئی ہے۔ انکل نیڈ کی طویل و عریض تکفین گاہ کے عقب میں، انہی کی جائداد کی حدود میں ایک چھوٹا سا مقبرہ تھا اور مقبرے کے پیچھے چند کمرے تھے انہی میں سے ایک کمرے میں پاپا کی نعش رکھی گئی تھی اور ان کی آخری رسوم کے سلسلے میں انکل نیڈ ذاتی توجہ سے خصوصی اہتمام کر رہے تھے۔

جنازہ اٹھنے سے قبل میں نے صرف ایک بار پاپا کا چہرہ دیکھا۔ وہ بھی اس وقت جب ان کا تابوت گرجا گھر میں رکھا تھا اور میں ممی کے ساتھ وہاں گیا تھا۔ ممی کی اجازت سے ہی میں نے پاپا کا دیدار کیا تھا۔

پاپا نے زندگی میں چونکہ نیک نامی نہیں پائی تھی اور نہ ہی وہ لوگوں میں کچھ زیادہ مقبول رہے تھے اس لیے ان کے جنازے میں شرکت کے لیے کسی کو بطور خاص زحمت نہیں دی گئی تھی تاہم یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ تدفین سے ایک روز قبل شام کو ایک گھنٹے کے لیے ان کا تابوت کھلا رکھا جائے گا اگر کوئی آخری دیدار کرنا چاہے تو کر لے۔

اس دعوت سے کچھ زیادہ لوگوں نے استفادہ نہیں کیا۔ تابوت گرجا گھر کے برآمدے میں رکھا گیا تھا۔ قریب ہی ماتمی موسیقی کا ریکارڈ بج رہا تھا اور زائرین میں تعزیتی کتاب بھی رکھی گئی تھی جس میں ہر آنے والے نے دستخط کیے تھے۔ وہ کتاب بعد میں ممی نے مجھے دے دی تھی اور جانے کیوں میں نے اتنے برس بیت جانے کے باوجود آج بھی اسے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ اس کتاب میں کل نو افراد کے دستخط ہیں۔ مجھے ان نو افراد میں بھی شامل نہیں ہونے دیا گیا تھا۔

مجھے تابوت بند کیے جانے سے ذرا ہی پہلے گرجے میں لے

جایا گیا تھا اور بس چند ہی لمحے تابوت کے پاس کھڑے ہونے کا موقع ملا تھا اور اس دوران بھی ممی نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور انکل نیڈ کا بازو میری گردن میں حمائل تھا۔

پاپا کا چہرہ بالکل پرسکون تھا اور زندگی سے محروم نظر نہیں آرہا تھا۔

زندگی میں جب وہ رات رات بھر شراب نوشی کرکے آئے تھے تو صبح ان کا چہرہ اس سے کہیں زیادہ سُتا ہوا ہوتا تھا۔

پاپا کی میت دیکھ کر مجھے نہ تو رونا آیا اور نہ ہی کچھ زیادہ کرب یا دکھ محسوس ہوا حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں روؤں اور سینے میں کہیں دکھ یا کرب کی شدت محسوس کروں۔ مجھے اپنی کم حسی پر افسوس ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ میں کیسا بیٹا ہوں کہ باپ کی موت پر دو آنسو بھی نہیں بہا رہا۔

کچھ دیر بعد انکل نیڈ مجھے گھر چھوڑ گئے۔ راستے بھر وہ مجھے بہلانے پھسلانے والی باتیں کرتے آئے تھے حالانکہ میں تو کسی بات کی ضد ہی نہیں کر رہا تھا۔ گھر پر پڑوس کی ایک عورت موجود تھی۔ مجھے اس کی نگرانی میں چھوڑ کر انکل واپس چلے گئے۔

اس رات میں صحیح طور پر سو نہیں سکا۔ مجھے یہی تاسف کھائے جا رہا تھا کہ میں پاپا کی موت پر زیادہ غمزدہ کیوں نہیں تھا؟ وہ جیسے بھی تھے بہرحال میرے باپ تھے اور ان کا کوئی بھی تو دوست نہیں تھا۔ کتنی عجیب بات تھی کہ ان کی موت پر ان کی بیوی اور اکلوتے بیٹے نے بھی آنسو نہیں بہائے تھے۔ لوگ تو اپنے پیاروں کی جواں مرگ پر صدمے سے بے حال ہو جاتے ہیں۔

میرے محسوسات نے دوسری صبح بھی مجھے بے چین کیے رکھا اور بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ایک بار پھر جا کر چہرہ دیکھ لینا چاہیے۔ شاید میرا ذہن ابھی اس حقیقت کو قبول نہیں کر سکا یا لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے میں صحیح طور پر اپنا ردِعمل ظاہر نہیں کر سکا۔ شاید ایک بار پھر پاپا کا ساکت چہرہ دیکھ کر میرے محسوسات کی برف پگھلے اور میرے دل میں کہیں گہرائیوں میں مچلتے ہوئے آنسوؤں کے سوتے پھوٹ پڑیں اور اس طرح میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ ممی پہلے ہی گھر سے جا چکی تھیں چنانچہ میرے لیے کسی کی نظر میں آئے بغیر وہاں سے کھسکنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔

ابھی صحیح طور پر دن کی روشنی نہیں پھیلی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ پاپا کا تابوت ابھی گرجے میں ہی رکھا ہوگا اس لیے میں نے پہلے اُدھر ہی کا رخ کیا لیکن گرجے کا دروازہ مقفل تھا۔ میں اس کے گرد گھوم کر عقبی حصے میں پہنچا لیکن تمام کمرے بند نظر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں ہے اور یہ بڑی عجیب سی بات تھی۔ انکل نیڈ ہمیشہ انہی حدود میں کہیں نہ کہیں موجود رہتے تھے اور مجھ سے پہلے ممی بھی گھر سے نکل کر ادھر ہی آئی تھیں۔

دفعتہً میں نے کسی کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں۔ آوازیں ایک بند کمرے سے آرہی تھیں اور بہت مدھم سنائی دے رہی تھیں تاہم الفاظ آسانی سے سمجھ میں آرہے تھے۔ میں اس کمرے کے دروازے پر رک کر سننے لگا۔

"تم نے میری ریزرویشن کا بندوبست کر دیا؟ ٹکٹ لے آئے؟" ایک آواز سنائی دی۔

"یہ لو۔" دوسری آواز ابھری۔ "ریزرویشن آج رات دس بجے شکاگو کی طرف جانے والی ٹرین کے لیے ہے۔"

"تمہیں ہی زحمت کرنی پڑے گی۔ کار میں مجھے شہر تک چھوڑ کر آنا پڑے گا تاکہ میں ٹرین پکڑ سکوں۔" پہلی آواز نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔"

"شکریہ نیڈ!" پہلی آواز نے کہا۔ "درحقیقت تمہاری نوازشات کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

اس کا مطلب تھا کہ باتیں کرنے والوں میں ایک انکل نیڈ تھے۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ یوں چوری چھپے کسی کی گفتگو سنتے ہوئے میں اچھا محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس لیے میں نے اپنی موجودگی کی اطلاع دینے کی غرض سے دروازے پر دستک دے دی۔ کئی لمحے تک اندر مکمل سکوت طاری رہا۔ مجھے یہ وقفہ خاصا طویل محسوس ہوا۔ بالآخر انکل نیڈ نے دروازہ کھولا۔

"کیلون تم۔۔۔؟" مجھے دیکھ کر وہ حیرت سے بولے۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" پھر جواب کا انتظار کیے بغیر بولے۔ "آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ اندر آجاؤ برخوردار!"

کمرے میں ممی کو موجود پا کر میں کچھ ڈر سا گیا۔ میرے اجیان تھا کہ وہ برہم ہوں گی اور مجھے ڈانٹیں گی کہ میں بلا اجازت اس جگہ کیوں آیا۔ جہاں انکل نیڈ مُردوں کی تجہیز و تکفین کے انتظامات کرتے تھے لیکن ممی نے برہمی کا اظہار نہیں کیا۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے میرا کندھا تھپکا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت ان کا ذہن کہیں اور ہے اور وہ میری چھوٹی سی نافرمانی سے کہیں زیادہ اہم کسی مسئلے پر غور کر رہی ہیں۔

"ہیلو ڈیئر!" وہ دھیمی سی آواز میں بولیں۔ "تم نے تو اس وقت یہاں آکر مجھے حیران ہی کر دیا۔۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ تم نے ڈاکٹر کرینڈل کو ہیلو نہیں کہا۔"

انکل نیڈ اور ممی کے علاوہ کمرے میں اس وقت صرف ڈاکٹر کرینڈل ہی موجود تھا۔ وہ اس وقت مجھے بہت تجربہ کار، سیانا اور پختہ عمر لگتا تھا گو کہ اس کی عمر تیس سے کچھ ہی اوپر تھی لیکن بچوں کو اس عمر کے سبھی آدمی تجربہ کار، سیانے اور پختہ العمر لگتے ہیں۔ اسے پریکٹس کرتے

ہوئے بھی سات آٹھ سال ہی ہوئے ہوں گے۔

وہ میری ممی اور انکل نیڈ کے شناسا ؤں میں تھا اور ہمارا فیملی ڈاکٹر بھی تھا۔ پاپا کی موت سے کچھ دیر پہلے وہی انھیں دیکھنے آیا تھا۔ اس وقت بھی یہاں اس کی موجودگی میرے لیے کسی کے لیے بھی تعجب کا باعث نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے اُسے ہیلو کہا اور اس نے حسبِ معمول شفقت سے جواب دیا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو کیلون؟" انکل نیڈ نے ملائمت سے پوچھا۔ "تم سے تو کہا گیا تھا کہ گھر پر رہنا۔ آخری رسوم کے وقت تمھیں بلا لیا جائے گا۔"

"میں ایک بار پھر پاپا کا چہرہ دیکھنے آیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن گرجے کا دروازہ مقفل ہے۔"

"تمھارے پاپا کا تابوت اس وقت گرجے میں نہیں ہے ڈیئر!" ممی نے مجھے بتایا۔ "تمھارے انکل نے یہاں منگوا لیا تھا۔ البتہ اب جنازہ اٹھنے سے پہلے کچھ دیر کے لیے تابوت دوبارہ گرجے میں رکھا جائے گا تاکہ جو لوگ گزشتہ شام آخری دیدار نہیں کر سکے تھے، وہ اب کر لیں۔ پھر ممی انکل نیڈ سے مخاطب ہوئیں۔ "کیا خیال ہے نیڈ... تابوت گرجے میں پہنچوانے کا وقت نہیں ہو چکا؟"

"ہاں — وقت تو ہو رہا ہے۔" انکل نیڈ نے گھڑی دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔ "میں چند منٹ میں تابوت گرجے میں بھجوا دوں گا۔ اگر تم چہرہ دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمھارے لیے گرجے کا دروازہ کھول دیتا ہوں۔ تم وہیں ہمارا انتظار کرو۔"

"تب میری توجہ اس تابوت کی طرف گئی جو پہیوں والی ایک میز پر رکھا ہوا تھا۔ پاپا کا بے جان جسم یقیناً اس میں مقید تھا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آبائی مقبرے کے کسی دیوار گیر خانے میں اتارے جانے کا منتظر تھا۔

اب جبکہ میں یہاں آ چکا تھا تو جانے کیوں میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ پاپا کا چہرہ دیکھوں۔ میں کچھ مضمحل سا ہو چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ بہتر یہی ہے کہ میرے ذہن میں پاپا کا وہی چہرہ نقش رہے جس پر زندگی کی آب و تاب موجود ہوتی تھی بجائے اس کے کہ میں ان کا زندگی سے محروم چہرہ آنکھوں میں بسانے کی کوشش کروں اور انھیں یاد کر کے آنسو بہاتا رہوں۔ میں نے اپنا یہ خیال ممی اور انکل نیڈ پر بھی حتی الامکان موزوں لفظوں میں ظاہر کر دیا۔

"دیکھا — اب کی ہے نا سمجھ داری لڑکے نے سمجھ داری کی بات!" انکل نیڈ نے میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اب تم گھر چلو۔ جنازہ اٹھنے لگے گا تو ہم تمھیں بلوا لیں گے۔"

"سیدھے گھر ہی جانا ڈیئر!" ممی نے تاکید کی۔ "وقت پر تم موجود نہ ہوئے تو خواہ مخواہ پریشانی ہوگی۔"

"مجھے بھی اب جانا ہی ہے۔ میں کیلون کو گھر چھوڑتا جاؤں گا۔" ڈاکٹر کرینڈل نے کہا۔ پھر وہ میری طرف مڑتے ہوئے مشفقانہ لہجے میں بولا۔ "تم گرجے کے دروازے پر میرا انتظار کرو۔ میں ابھی آیا۔"

اسے غالباً تخلیے میں کوئی ضروری بات کرنی تھی۔ میں گرجے کے دروازے پر آ گیا۔ چند لمحے بعد ڈاکٹر بھی آ گیا اور وہ گھر تک میرے ساتھ آیا۔ کچھ دیر بعد ممی بھی آ گئیں۔

سہ پہر کے وقت ہمیں انکل نیڈ کا بلاوا آیا کہ جنازہ اٹھنے والا ہے۔ ہم دعا میں شریک ہو جائیں۔ دعا میں بہت کم لوگ شریک تھے اور جنازہ اٹھتے وقت ان میں سے بھی بیشتر رخصت ہو گئے۔ تابوت ہمارے آبائی مقبرے میں لایا گیا اور ایک دیوار گیر خانے میں رکھ کر آہنی دروازے کو سیل بند کر دیا گیا۔

پاپا زندگی میں کبھی اچھے آدمی نہیں سمجھے گئے تھے۔ انھوں نے میری یا ممی کی گزر بسر کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سوچا تھا لیکن ان کے انتقال کے بعد یہ جان کر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ انھوں نے کچھ ہی عرصے پہلے پچاس ہزار ڈالر کی ایک انشورنس پالیسی لی تھی جس کی وارث ممی تھیں۔

معاشی ناہمواری کے اس زمانے میں پچاس ہزار ڈالر کی رقم کسی خزانے سے کم نہیں تھی۔ مجھے پاپا پر فخر سا محسوس ہونے لگا۔ ان کے اس اقدام کا مطلب یہی تھا کہ ان میں اپنی بیوی اور بچوں کی بہتری اور ان کے مستقبل کی فکر باقی تھی اور وہ اتنے بے حس اور بے پروا بھی نہیں تھے جتنا انھیں سمجھا جاتا تھا۔

مزید کچھ دن بعد میرا یہ احساس تفاخر کچھ کم ہو گیا جب مجھے معلوم ہوا کہ پاپا کو انشورنس پالیسی درحقیقت انکل نیڈ نے دلائی تھی اور وہی اس کا پریمیم ادا کرتے رہے تھے۔ پاپا کی دانشمندی اور دُور اندیشی کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

ممی کے لیے پاپا کی موت کچھ زیادہ دُکھ کا باعث نہیں بنی جو تھوڑی بہت اداسی تھی بھی وہ زیادہ دن نہیں رہی۔ ان کے سر سے گویا ایک بوجھ اُتر گیا تھا۔ وہ حسین تو شروع دن سے ہی تھیں، بے فکری اور خود مختاری کی زندگی نے انھیں اور نکھار دیا۔ کچھ عرصے بعد ڈاکٹر کرینڈل نے بڑی سنجیدگی سے ان کی طرف مائل ہونا شروع کیا پھر کچھ عرصے کی میل ملاقات کے بعد بالآخر انھوں نے شادی کر لی۔ پاپا کے انتقال کو اس وقت دو سال بیت چکے تھے۔

اس شادی کی مجھے بھی خوشی تھی کیونکہ سوتیلا باپ ہونے کے باوجود ڈاکٹر کرینڈل نے میرے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ اور دوستانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ اس کے انداز سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ مجھے

یتیم سمجھ کر ترس کھاتا ہے۔ اس کا رویہ ایسا ہی ہوتا تھا جیسا کسی بھی اچھے باپ کا اپنے بیٹے سے ہوتا ہے۔ اس کے زیرِ سایہ مجھے اپنی اہمیت کا احساس ہونے لگا تھا۔

ڈاکٹر کرینڈل کو تحقیق اور مطالعے کا بھی زبردست شوق تھا۔ تقریباً ہر علمی موضوع سے ہی اسے دلچسپی تھی لیکن ہپناٹزم پر تو اس کا مطالعہ لامحدود تھا۔ وہ طب و جراحت کی دنیا میں ہپناٹزم کے تعمیری استعمال کا پرجوش حامی تھا بلکہ میں نے تو سنا تھا کہ وہ آپریشن کی غرض سے مریض کو بے ہوش کرنے کے لیے دواؤں وغیرہ کے بجائے ہپناٹزم سے کام لینے کے حق میں ہے۔ اس کے خیال میں اثرات کے لحاظ سے یہ طریقہ زیادہ اچھا تھا اور اس کے پاس اس کے حق میں بے شمار دلائل موجود تھے۔

ڈاکٹر کرینڈل ہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے میں نے بھی میڈیکل کے طالب علم کی حیثیت سے اسٹیٹ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور تین سال بعد مجھے میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔ میڈیکل کالج میں وہ میرا تیسرا سال تھا اور میرے ڈاکٹر بننے میں ایک سال باقی تھا جب ایک چھوٹے سے واقعے کی بدولت ایک بھولا بسرا معاملہ میرے ذہن میں تازہ ہوگیا اور کچھ الجھی ہوئی ڈوریاں گویا سلجھنے لگیں۔ کچھ گمشدہ کڑیاں مل گئیں۔ دس برس پہلے جو بات ناقابلِ فہم تھی، وہ سمجھ میں آنے لگی۔ اس دنوں دراصل میں کرسمس کی چند چھٹیاں گزارنے گھر آیا تھا۔

اس روز میں ایک مقامی لڑکی کے ساتھ کچھ وقت گزار کر گھر واپس آیا تھا۔ لڑکی بہت ہی بور اور بدذوق ثابت ہوئی تھی اس لیے میں توقع سے کچھ پہلے ہی گھر آگیا تھا۔ میرے سوتیلے والد اور ممی اس وقت رہائشی کمرے میں کسی مہمان جوڑے کی خاطر مدارت میں مصروف تھے۔ میں ہال سے گزر کر اپنے کمرے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا جب میں نے اپنے سوتیلے والد کو جنہیں میں ڈیڈی کہہ کر پکارتا تھا، کچھ کہتے سنا اور میں رک گیا۔

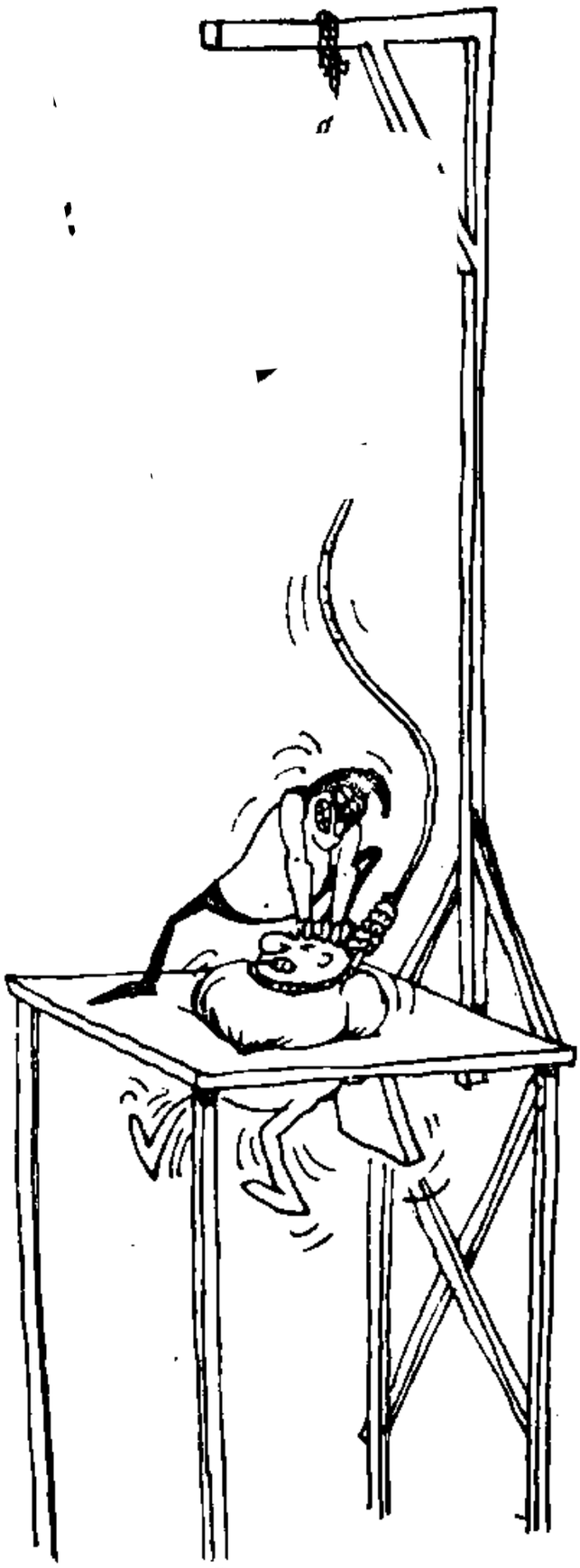
میں اپنے والدین اور دونوں مہمانوں کو دیکھ سکتا تھا اور اگر وہ ہال کی طرف دیکھتے تو وہ بھی مجھے دیکھ سکتے تھے لیکن وہ گفتگو میں منہمک تھے اور ڈیڈی سب سے زیادہ پرجوش نظر آرہے تھے۔

"میں تمہیں صرف پچاس ساٹھ سیکنڈ میں ایک کھمبے کی طرح اکڑا سکتا ہوں۔" وہ کہہ رہے تھے۔

"ناممکن۔" مہمان جو فلپس نامی ایک وکیل تھا، بے یقینی سے بولا۔

"اگر تم پسند کرو تو میں عملی مظاہرہ کرکے دکھا سکتا ہوں۔" ڈیڈی نے پیش کش کی۔

"اگر عملی مظاہرے سے پہلے تم مجھے ذرا تفصیل سے یہ بات سمجھا دو تو بہتر ہوگا۔" فلپس نے کہا۔



"ٹھیک ہے۔" ڈیڈی بولے۔ "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کیا ہوگا۔ میں زیادہ سے زیادہ ساٹھ سیکنڈ میں تمہیں ہپناٹائز کردوں گا اور تم کھڑے کھڑے گرنے لگو گے لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں فرش پر گرنے سے پہلے سنبھال لوں گا اور آرام سے لٹا دوں گا۔ تمہارا جسم لکڑی کی مانند اکڑ چکا ہوگا۔ اس حالت میں اگر میں تمہارا سر ایک کرسی پر اور پاؤں دوسری کرسی پر ٹکا دوں اور درمیان میں کچھ نہ رکھوں تب بھی تمہارا جسم خم نہیں کھائے گا۔ کیا عام حالت میں یہ ممکن

ہے؟ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ میں پورے وزن سے تمہارے پیٹ پر بیٹھ جاؤں گا تب بھی تمہارے جسم میں ذرا خم نہیں آئے گا۔"

"ارے چھوڑو۔" وکیل فلپس نے بے یقینی سے کہا: "تم تو اب کچھ زیادہ ہی ہانکنے لگے۔"

"مجھے تو یہ عمل خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" فلپس کی بیوی بولی: "میں ایسے احمقانہ تجربے کی اجازت نہیں دوں گی۔"

"خطرے والی اس میں کوئی بات نہیں۔" ڈیڈی نے مسز فلپس کو تسلی دی: "فلپس کے جسم میں سانسوں کی آمد و رفت محسوس نہیں ہوگی لیکن اس کے تمام اعضا معمول کے مطابق اپنا کام کر رہے ہوں گے۔ دوران خون بالکل درست ہوگا۔ میرے حکم سے یہ بالکل صحت مندانہ طریقے سے بیدار ہوگا اور گزری ہوئی کیفیت کا کوئی اثر اس کے ذہن یا جسم پر باقی نہیں ہوگا اور جب ہم اسے بتائیں گے کہ اس کی کیا حالت تھی تو یہ ہمیں جھوٹا قرار دے گا۔"

"میں تیار ہوں۔" فلپس بولا: "میں چیلنج دیتا ہوں کہ تم یہ تجربہ کر کے دکھاؤ۔"

اتنے برسوں کے بعد یہ گفتگو تو شاید مجھے لفظ بہ لفظ اسی طرح یاد نہیں رہی جس طرح ہوئی تھی۔ بہرحال مفہوم یہی تھا۔ البتہ ڈیڈی نے جو عملی مظاہرہ کیا تھا وہ میرے ذہن پر نقش ہے۔ انھوں نے اپنا دعویٰ سچا ثابت کر دکھایا تھا۔ کچھ دیر بعد واقعی فلپس کا جسم دو کرسیوں کے درمیان پل کی طرح تنا ہوا نظر آ رہا تھا اور ڈیڈی فلپس کے پیٹ پر بیٹھ گئے تب بھی اس کے جسم میں بال برابر خم نہ آیا جیسے واقعی وہ انسانی جسم نہیں، فولاد اور کنکریٹ سے بنا ہوا کوئی پل ہو۔

اس کے بعد تو میں نے زندگی میں کئی بار اس قسم کے مظاہرے اسٹیج پر دیکھے ہیں لیکن اس وقت یہ میرا پہلا اتفاق تھا اور مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ڈیڈی فلپس کو ہوش میں لے آئے۔ تو میں اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کسی نے مجھے نہیں دیکھا۔

اپنے کمرے میں بستر پر لیٹے لیٹے میں نے نیم غنودگی کی سی کیفیت میں اس منظر کو بار بار اپنے ذہن میں دہرایا۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ میرے سوتیلے والد ہپناٹزم کے زبردست شائق اور محقق ہیں لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ عملی طور پر بھی ہپناٹزم کا ایسا غیر معمولی مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس میں کسی قسم کی شعبدہ بازی کی گنجائش نہیں تھی۔

میں تاریکی میں اپنے کمرے میں لیٹا ڈیڈی کی آواز کی بازگشت سن رہا تھا: "فلپس! تم ایک لاش کی طرح نظر آؤ گے۔ لاش کی طرح....."

تب جانے کیوں بھولی بسری کچھ اور آوازیں بھی سماعت کے مقبروں میں سرگوشیوں کی طرح ابھرنے لگیں۔ یادوں کے کچھ گرد آلود سے دریچے کھلنے لگے۔ میں دس سال پیچھے چلا گیا۔ میں ان کمروں کے سامنے کھڑا تھا جن سے موت کی بُو پھوٹتی تھی۔ جہاں تابوت سجے رہتے تھے۔ انکل نیڈ کا تکفین گھر۔

"تم نے میری ریزرویشن کا بندوبست کرایا؟ ٹکٹ لے آئے؟" کوئی پوچھ رہا تھا۔ پھر یہی آواز سرگوشی کے سے انداز میں ابھری: "شکریہ نیڈ! اور حقیقت تمہاری نوازشات کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

دس برس پہلے جب میں نے یہ الفاظ سنے تھے اور بعد میں کمرے میں داخل ہوا تھا تو یہی سمجھا تھا کہ یہ آواز ڈاکٹر کرینڈل کی تھی جو بعد میں میرے سوتیلے باپ بنے۔ یہ مفروضہ درحقیقت میں نے تقریباً لاشعوری طور پر قائم کر لیا تھا کیونکہ کمرے میں ممی اور انکل نیڈ کے علاوہ صرف وہی موجود تھے لیکن آج ماضی نے دریچۂ سماعت پر دستک دی تو احساس ہوا کہ یہ آواز ڈاکٹر کرینڈل کی تو نہیں تھی، یہ تو پاپا کی آواز تھی۔

پاپا اس وقت تابوت میں زندہ سلامت موجود تھے۔

آپ اسے الہام کہہ لیں یا کچھ اور۔ میرے خیال میں یہ محض عرفان حقیقت تھا مگر تاخیر سے ہوا تھا۔ میں نے بہت تاخیر سے اپنے تحت الشعور میں جھانکا تھا یا شاید مجھے اس چھوٹی سی گمشدہ حقیقت کی روشنی بہت تاخیر سے میسر آئی تھی جس کی مدد سے میں اپنے تحت الشعور کا صحیح طور پر جائزہ لے سکتا تھا۔

اس انکشاف کو آپ جو چاہیں عنوان دیں۔ بہرحال میں نے اپنی ممی یا سوتیلے والد سے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسے ایک قیمتی راز کی طرح سینے میں چھپائے میں چھٹیاں گزار کر کالج چلا گیا۔

میڈیکل کالج واپس جا کر بھی میں نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے دوران جانے کتنی مرتبہ اس معاملے پر غور کیا اور ایک ایک کر کے حقائق کی کڑیاں ملتی چلی گئیں۔ پاپا کی موت محض ایک ڈرامہ تھی۔ سب سے پہلے اس ڈرامے کے کردار قابل توجہ تھے۔

سرفہرست پاپا تھے۔ ایک شرابی، نکھٹو اور سب کے لیے مجسم مسئلہ۔ ایک ممی تھیں جو پاپا سے چھٹکارا چاہتی تھیں۔ تیسرے انکل نیڈ تھے۔ جنھیں اپنی بہن یعنی میری ممی سے ہمدردی اور محبت تھی جنھیں پاپا ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے اور جو تکفین و تدفین کا کام کرتے تھے۔ مذکورہ حالات میں ان کا کام بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ چوتھا کردار ڈاکٹر کرینڈل تھے جو بعد میں میرے سوتیلے باپ بنے۔ وہ بھی ممی کو پسند کرتے تھے۔ پاپا کی ذات یقیناً انھیں بھی ناپسند تھی اور وہ بھی ایک ایسے پیشے سے وابستہ تھے جو معاشرے میں خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔

پاپا کی بیماری کا اعلان ممی نے کیا، ڈاکٹر کرینڈل نے آکر ان کا معائنہ کیا اور بعد میں ان کی موت کا سرٹیفکیٹ جاری کیا۔ انکل نیڈ نے تقریباً مکمل رازداری سے ان کی تکفین و تدفین کا انتظام کیا۔

پاپا کی آخری رسوم اور دعا وغیرہ کے دوران اُن کا تابوت بند ہی رہا تھا، البتہ دوبارہ مختصر وقفے کے لیے ان کی میت کو عام دیدار کے لیے رکھ کر بڑی جرأت مندی سے اس ڈرامے کو حقیقی رنگ دیا گیا تھا لیکن ظاہر ہے ڈاکٹر کرینڈل کے لیے یہ بھی کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ انہوں نے یقیناً پاپا کو پینا ٹائز کر دیا تھا، پینا ٹائزم کے درمیانی وقفے میں یقیناً انہیں بیدار کر لیا گیا ہوگا۔ جب دوسری مرتبہ ان کا چہرہ دکھانے اور پھر تابوت مقبرے میں محفوظ کرنے کے درمیان بھی خاصا طویل وقفہ رہا تھا۔ اس وقفے میں انھیں تابوت سے نکال لیا گیا تھا اور رات کو انکل نیڈ انھیں شکاگو جانے والی ٹرین پر سوار کرانے لے گئے ہوں گے۔

اس معاملے میں کوئی زیادہ خطرہ درپیش نہیں تھا۔ پاپا کو بارہ چودہ افراد نے 'مردہ' حالت میں دیکھا تھا اگر بعد میں ریلوے اسٹیشن پر وہ حلیے میں معمولی سی تبدیلی کے ساتھ بھی کسی جاننے والے کو نظر آجاتے تو وہ یقیناً انھیں کوئی اور ہی شخص سمجھتا۔

انشورنس پالیسی بھی اس ڈرامے کا ایک اہم حصہ تھی۔ اس پالیسی کا انتظام اور پریمیم وغیرہ کی ادائیگی انکل نیڈ نے کی تھی۔ اس کا مقصد میرے اور ممی کے مستقبل کا تحفظ نہیں تھا بلکہ یہ ایک عرب کی ضرورت تھی جو انکل نیڈ نے پاپا سے چھٹکارا پانے کے لیے انہیں پیش کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انکل چاہتے تو پاپا سے نجات حاصل کرنے کے لیے پچاس ہزار ڈالر کی اس خطیر رقم کا بندوبست اپنی جیب سے بھی کر سکتے تھے لیکن وہ بہرحال کاروباری آدمی تھے انہوں نے معمولی سی کوشش سے یہ بار انشورنس کمپنی پر ڈال دیا تھا۔

پاپا جس قسم کے انسان تھے اور جیسے حالات سے دوچار رہتے تھے اُن میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ وہ اتنی بڑی رقم وصول کر کے یا چند دن بعد وصولیابی کا وعدہ لے کر گھر سے رخصت ہو گئے تھے۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں کہ میں نے اپنے متعلقین کی اس آزمائش پر کوئی خاص شرمندگی یا ندامت محسوس نہیں کی تھی۔ میرے خیال میں کسی انشورنس کمپنی سے دھوکا دہی کی یہ انوکھی ترین واردات تھی۔ بہرحال اس سازش میں فراڈ تو ضمنی حصہ تھا، اصل مقصد ہم ماں بیٹے کو پاپا سے چھٹکارا دلانا تھا۔

معلوم نہیں بعد میں پاپا کا کیا بنا تھا۔ مجھے اس سلسلے میں کچھ زیادہ تجسس محسوس نہیں ہوا تھا۔ ممی نے پاپا کی روپوشی کے دو سال بعد ڈاکٹر کرینڈل سے شادی کر لی تھی۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پاپا نے خفیہ طور پر انھیں طلاق نامہ بھجوا دیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس عرصے میں ان کا حقیقتاً انتقال ہو گیا ہو اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں تھا کہ ممی دوہری شادی کی مرتکب ہوئی ہوں۔ میرے لیے اس سے کیا فرق پڑتا تھا؟

مجھے اپنی ممی سے محبت تھی اور اپنے سوتیلے والد کی بھی میں عزت کرتا تھا میں ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا تھا جس سے ان کے احساسات مجروح ہوں۔ ویسے بھی اب اتنی مدت بعد گڑھے مُردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔۔۔ اور پھر ایک اہم نکتہ یہ بھی تھا کہ میں یہ سب کچھ محض جان چکا تھا، میرے پاس کوئی ثبوت تو نہیں تھا۔

چنانچہ میں اپنی اس ہلکی سی خلش کے ساتھ بھی اطمینان سے زندگی بسر کرتا رہا حتیٰ کہ اس سازش کے تینوں کردار جو میرے سامنے باقی تھے، ایک ایک کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ سب سے پہلے انکل نیڈ کا انتقال ہوا پھر میرے سوتیلے والد کا اور ان کے بعد ممی بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

ظاہر ہے اب میرے کسی بھی قول و فعل سے ان ہستیوں کے احساسات مجروح ہونے یا انھیں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا تھا۔ یہ احساس ہونے کے بعد جانے کیوں میری ذہنی کیفیت بدلتی چلی گئی۔ خلش بڑھتے بڑھتے ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ میں یقینی طور پر جاننا چاہتا تھا کہ جو کچھ میں سمجھ رہا تھا وہ درست تھا یا غلط۔

یہی جاننے کے لیے آج میں اپنے آبائی مقبرے میں کھڑا تھا۔ میں نے سیل بند خانہ اور پھر تابوت کھولنے کے لیے مستریوں کی خدمات حاصل کی تھیں اور قبرستان کے منتظم سے باضابطہ اجازت بھی لی تھی۔

بالآخر کام ختم ہو چکا تھا۔ تابوت مقبرے کے وسط میں فرش پر رکھا تھا۔ ڈھکن کھولا جا چکا تھا اور میرے کہنے پر مستری وغیرہ باہر جا چکے تھے۔

میں آگے بڑھا اور تابوت کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ میں نے تابوت میں جھانکا۔ آج اس بات کو بھی کئی سال بیت چکے ہیں لیکن آج بھی پچھتاوا میرے دل سے نہیں نکل سکا۔ کاش میں نے تابوت میں نہ جھانکا ہوتا۔

تابوت میں پاپا کی ہڈیاں موجود تھیں اور ان پر وہ سالخوردہ گبرڈین کا نیلا سوٹ بھی موجود تھا جو زندگی میں ان کا بہترین سوٹ رہا تھا۔ ان کا گوشت راکھ ہو چکا تھا۔

مجھے ان کی شکستہ ہڈیوں اور خاک شدہ گوشت کو دیکھ کر اتنی دہشت محسوس نہیں ہوئی جتنی ان کے کوٹ کی سامنے کی جیب سے جھانکتے ہوئے کاغذ کے چند ٹکڑے دیکھ کر ہوئی تھی جن کا رنگ اڑ چکا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی کتاب تھی۔ مجھے اس کو قریب سے دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ شکاگو کا ٹرین کا ٹکٹ تھا۔

لفٹیننٹ ملر کو ایسی جائے واردات پر جا کر تفتیش کرنا خاص طور پر پسند تھا جہاں دولت مندی اور تعیشات کے مظاہر موجود ہوتے تھے۔ تنگ و تاریک گندی گلیوں میں منشیات فروشوں' لٹیروں' قاتلوں اور دوسرے مجرموں کا پیچھا کرنے اور ان سے دو دو ہاتھ کرتے رہنے کے بعد کسی شان دار اور آراستہ و پیراستہ مکان میں پہنچ کر کچھ سکون کا احساس ہوتا تھا۔ خواہ وہاں کوئی لاش ہی اس کی منتظر ہوتی۔

اس وقت بھی وہ ایک ایسے ہی مکان میں موجود تھا جس کے در و دیوار اس کے مکینوں کی دولت مندی کا اظہار کر رہے تھے۔ مہنگے قسم کے دبیز قالین' بیش قیمت اور کم یاب فرنیچر' دیواروں پر

ان آزمائشی لمحات کی رُوداد جب فرائض پر جذبات غالب آجائیں

ایک بھلکڑ بوڑھے کا احوال جس کی بیوی قتل ہو چکی تھی لیکن کوشش کے باوجود وہ کوئی ایسی بات یاد نہ کر سکا جو تفتیش میں مدد دیتی بالآخر ایک سُراغ رساں نے قتل کا سُراغ لگا ہی لیا مگر قاتل کو وہ بھی گرفتار نہیں کر سکا۔

حافظہ

نجمہ مودی



معروف مصوروں کی مہنگی پینٹنگز' ملر پہلے ان چیزوں کا جائزہ لیتا تھا۔ واردات کی طرف بعد میں دھیان دیتا تھا۔

ایک عمر رسیدہ سفید فام عورت کی لاش کچن کے فرش پر پڑی تھی۔ اس کے جسم پر نفیس اور بیش قیمت گھریلو لباس تھا۔ مرنے کے بعد بھی اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات تھے۔ یہ تاثرات گویا موت کے ساتھ ہی چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کی عمر ساٹھ سے اوپر تھی اور جسم پر بہ ظاہر کہیں کوئی زخم وغیرہ کا نشان نظر نہیں آرہا تھا۔ شعبۂ قتل کی ٹیم ابتدائی تفتیش میں مصروف تھی۔

"اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔" سارجنٹ لنکن نے سرگوشی کے سے انداز میں بتایا پھر عورت کے نفیس گاؤن کا کالر ذرا نیچے کر کے ملر کو اس کے گلے پر انگلیوں کے نشانات دکھائے جو نیلے پڑ چکے تھے۔ ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا "بہرحال ہمیں میڈیکل ایگزامنر کا انتظار ہے۔ حتمی بات تو اس کی ہوگی۔"

ملر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے عورت کے چہرے سے نظر ہٹالی۔ یہ چہرہ دیکھ کر اسے اپنی ماں یاد آرہی تھی جو بوڑھوں کے ایک نرسنگ ہوم میں داخل تھی۔

"کیا یہ اس گھر میں اکیلی رہتی تھی؟" ملر نے پوچھا۔

"نہیں..... نہیں۔" لنکن جلدی سے بولا "اس کا شوہر لائبریری میں موجود ہے۔ کیا تم اس سے ابھی بات کرنا چاہتے ہو؟"

ملر نے اثبات میں سر ہلایا اور کچن سے نکلتے وقت دیکھا کہ کچن کے کاؤنٹر پر شراب کی ایک بوتل اور دو بھرے ہوئے جام رکھے تھے۔ لائبریری بہت بڑی اور اس کے شیلف چھت تک کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ وہاں موجود شخص کی عمر ستر سے اوپر ہوگی۔ اس کے بال چونے کی طرح سفید تھے۔ اس کا لباس قیمتی لیکن ذرا پرانی وضع کا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں' جوتوں وغیرہ کا خیال رکھنے کا عادی نہیں تھا۔ اس کے کوٹ پر چکنائی کے دھبے تھے اور جوتے چمک سے محروم تھے۔ سارجنٹ لنکن نے اس کا تعارف لارن بیکن کے نام سے کرایا۔

"آپ نے اپنی بیوی کو آخری مرتبہ کب دیکھا تھا مسٹر بیکن؟" ملر نے پوچھا۔

مسٹر بیکن نے خالی الذہن کے سے عالم میں پلکیں جھپکائیں "ٹھیک طرح یاد نہیں..... میرا خیال ہے کہ سونے کے لیے لیٹنے سے پہلے دیکھا تھا۔"

"یعنی گزشتہ رات۔" ملر نے سر ہلایا "اندازاً وقت کیا تھا؟"

"مجھے یاد نہیں..... شاید آدھی رات کا وقت تھا۔" وہ خالی الذہن کے سے عالم میں ہی مسکرایا۔ ملر کو اس کی مسکراہٹ عجیب سی لگی۔

"کیا وہ بھی آپ کے ساتھ ہی سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں؟" ملر نے پوچھا۔ بیکن... کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"یہ بھی آپ کو یاد نہیں؟" ملر نے تصدیق چاہی۔

"نہیں۔" بیکن نے جواب دیا "میں لیٹتے ہی سو گیا تھا۔ شاید اس وقت بیڈ پر میں تنہا ہی تھا۔ میری بیوی بعض اوقات دیر سے لیٹتی تھی۔ ٹی وی دیکھتی رہتی تھی یا پڑھتی رہتی تھی....." پھر اس نے چاروں طرف اشارہ کیا۔

"یہ کتابیں اس کی ہیں۔ میں اس عمر میں مطالعے کا کچھ ایسا شوقین نہیں رہا۔"

ملر نے ہمدردانہ انداز میں سر ہلایا۔ بیکن بتانے لگا کہ اس کی بیوی زیادہ تر تاریخ اور ایسے ناول پڑھتی تھی جن کی کہانی قتل کے معموں پر مبنی ہوتی تھی۔

"آپ آج کس وقت بیدار ہوئے تھے؟" ملر نے پوچھا۔

"حسبِ معمول آٹھ بجے کے قریب۔" بیکن نے جواب دیا۔

"آپ کی بیوی اس وقت بیڈ پر نہیں تھی؟"

بوڑھے کے ہونٹوں پر ایک کمزور سی مسکراہٹ نمودار ہوئی "یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ میں صبح اٹھتا ہوں تو اکثر میری بیوی میرے پاس نہیں ہوتی کیوں کہ ہاؤس کیپر صبح جلدی آجاتی ہے اور وہ میری بیوی اپنی نگرانی میں اس سے ناشتا بنواتی تھی۔"

"ہاؤس کیپر اس وقت کہاں ہے؟" ملر نے دریافت کیا۔

بوڑھا گویا سوچ میں پڑ گیا "اوہ..... ہاں..... اتوار اور پیر کو اس کی چھٹی ہوتی ہے..... اور آج..... آج....."

"آج پیر ہے۔" ملر نے گویا اس کی الجھن دور کی لنکن کی طرف دیکھا۔ وہ قدرے حیرت سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بیدار ہونے کے بعد آپ نے ادھر ادھر اپنی بیوی کو تلاش کیا ہوگا؟" ملر نے بات آگے بڑھائی۔

"ہاں..... کچھ دیر بعد....." اس نے جواب دیا۔ پھر شاید اسے یاد آگیا کہ کچن میں اس نے کیا دیکھا تھا۔ اس کی آواز لڑکھڑا گئی اور ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا "ہماری شادی کو..... ہماری شادی کو....." لیکن شاید اسے یاد نہ آسکا کہ ان کی شادی کو کتنے سال ہو گئے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر کمزور اور شکست خوردہ سی مسکراہٹ ابھری۔

ملر نے گویا اسے شرمندگی سے بچانے کے لیے ایک اور سوال میں الجھایا "آپ کو کوئی ایسی بات تو یاد نہیں کہ رات کے کسی حصے میں آپ کی آنکھ کھلی ہو اور آپ نے کسی کو غصے میں بولتے سنا ہو؟"

"نہیں....." اس نے اسی کمزور اور شکست خوردہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ وہ مجموعی طور پر ہی کمزور سی شخصیت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کر کسی ایسے عمر رسیدہ اداکار کا خیال آتا تھا جسے اپنے مکالمے بھی صحیح طور پر یاد نہ ہوتے ہوں۔

ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا "میں بہت گہری نیند سوتا ہوں۔ مسٹر..... کیا نام بتایا تھا تم نے اپنا؟"

"ملر۔ کیا آپ کی بیوی کا کوئی دشمن تھا؟"

"ہرگز نہیں۔ اس کی بہن اس سے نفرت کرتی تھی لیکن اسے مرے ہوئے عرصہ ہوگیا۔" وہ بے خیالی کے سے عالم میں اپنے نازک اور نفیس ہاتھوں کو پھیلا کر ان کا جائزہ لینے لگا۔

"میں ذرا آپ کے ہاتھ دیکھ سکتا ہوں؟" اچانک ملر نے پوچھا۔

اسے گویا حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس نے سر اٹھا کر ملر کی طرف دیکھا "کیوں..... کیا ہوا میرے ہاتھوں کو؟"

"کچھ نہیں سر! یہ میرے کام کا..... یعنی تفتیش کا ایک حصہ ہے۔"

مسٹر بیکن نے قدرے خجالت سے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیے۔ ملر نے انہیں الٹ پلٹ کر اچھی طرح دیکھا اور کہا "شکریہ سر! شاید ہم آپ کو مزید زحمت دیں۔" وہ اظہارِ ہمدردی کے لیے بھی دو تین جملے کہنا چاہتا تھا لیکن نہ جانے کیوں نہ کہہ سکا۔

وہ دونوں لائبریری سے باہر آئے تو لنکن نیچی آواز میں بولا "مجھے یہ شخص سٹھیایا ہوا لگتا ہے۔"

"شاید ایسا ہو۔" ملر بولا "لیکن اگر اسی نے اپنی بیوی کو قتل کیا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ ایک چالاک شخص ہے۔"

لنکن اپنی نوٹ بک دیکھتے ہوئے بولا "مکان میں زبردستی گھسنے کی کوئی شہادت نہیں ملی۔ ویسے آس پاس کے مکانوں میں گزشتہ تین ماہ کے دوران ڈکیتی کی جست سی وارداتیں ہو چکی ہیں۔ ممکن ہے بیکن کے سو جانے کے بعد کوئی شخص کسی بہانے سے گھر میں داخل ہوگیا ہو اور جب عورت نے مزاحمت کی ہو....."

"اس صورت میں اس کی لاش بیرونی دروازے کے آس پاس ہی کہیں ملنی چاہیے تھی۔ کچن میں نہیں....." یہ کہتے ہوئے ملر کو کچھ یاد آیا اور وہ تیزی سے دوبارہ لائبریری کی طرف بڑھا۔

بیکن لائبریری میں ہی موجود تھا اور ایک کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ملر نے نام لے کر اسے مخاطب کیا تو وہ چونکا "کیا آپ اور آپ کی بیوی سونے سے پہلے ایک ایک جام پینے کے عادی تھے؟" ملر نے پوچھا۔

"ہاں....." بیکن گویا ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "یہ ہمارا معمول تھا..... بلکہ یوں کہو کہ ایک روایت بن چکی تھی مسٹر.....؟" وہ یقیناً ایک بار پھر ملر کا نام بھول چکا تھا۔

"ملر۔" اس نے بتایا پھر پوچھا "یہ آخری جام برین کا ہوتا تھا؟"

"ہاں..... برین ہم دونوں کو پسند تھی۔"

"لیکن شاید آپ کو یاد ہو کہ گزشتہ رات کسی وجہ سے آپ وہ جام نہیں پی سکے تھے۔" ملر بولا۔

بیکن نے اپنے رخسار کے اس زخم پر انگلی پھیری جو یقیناً اسے شیو بناتے وقت لگا تھا "حقیقت یہ ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے مسٹر.....؟"

"ملر۔" اس نے نہایت تحمل سے ایک بار پھر اپنا نام بتایا اور لائبریری سے نکل آیا۔

اس روز سہ پہر کو ملر اپنے آفس میں بیٹھا تھا کہ سارجنٹ لنکن کا فون آیا "آپ نے مجھے بیکن کے ڈاکٹر کا پتا کرنے کے لیے کہا تھا۔ اس کے ڈاکٹر کا نام کریمر ہے....." پھر لنکن نے ڈاکٹر کا پتا بھی لکھوایا اور کہا "مجھے اب بھی یقین ہے کہ بیکن کے دماغ کا کوئی پرزہ اپنی جگہ سے ضرور کھسکا ہوا ہے۔"

"شاید۔" ملر نے مبہم لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

○☆○

ڈاکٹر کریمر سے مل کر ملر کو یہی محسوس ہوا جیسے وہ کسی دھندلے آئینے میں اپنا ہی، دو چار برس بعد کا عکس دیکھ رہا ہو۔

"لیفٹیننٹ! تمہیں یقیناً معلوم ہوگا کہ میں اپنے کسی مریض کی میڈیکل ہسٹری تمہارے سامنے بیان نہیں کر سکتا۔ مریض کے بارے میں معلومات ڈاکٹر کے پاس امانت کی طرح ہوتی ہیں۔" ڈاکٹر بولا۔

"مجھے معلوم ہے۔" ملر نے سر ہلایا "میں صرف کچھ اندازے ظاہر کروں گا اور آپ کے تاثرات سے جواب کا اندازہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ یوں آپ پر الزام نہیں آسکتا کہ آپ نے کوئی راز فاش کیا تھا اور اس طرح امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے تھے۔"

"میں تمہاری حسِ مزاح کی داد دیتا ہوں۔ بہرحال تم قسمت آزمائی کر لو۔ قسمت آزمائی میں کوئی حرج نہیں۔" ڈاکٹر کریمر نے ٹھنڈی سانس لی۔

"عین ممکن ہے کہ بیکن سٹھیایا ہوا ہو لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ایک خاص دماغی بیماری الزہیمر کا شکار ہے جس میں دماغ کے خلیے متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یادداشت بہت متاثر ہوتی ہے۔ خیالات ڈوبنے، ابھرنے کی سی کیفیت کا شکار رہتے ہیں۔ ایک لمحے آپ کو کوئی بات یاد آئی، دوسرے ہی لمحے بھول گئے۔ میری والدہ کیوں کہ خود اس مرض میں مبتلا ہیں اور ایک نرسنگ ہوم میں

آسانی

"میں بہت جلدی پالتو جانوروں کی دکان کھولنے والا ہوں۔ اگلی مرتبہ جب ہم دونوں کی ملاقات ہوگی، تم مجھے جانوروں کے درمیان بیٹھا پاؤ گے۔"

"ٹوپی پہن لینا تاکہ مجھے پہچاننے میں آسانی ہو۔"

داخل ہیں۔ اس لیے علامات کی مدد سے مجھے بیکن کے بارے میں اندازہ لگانے میں آسانی رہی۔"

ڈاکٹر کریمر خاموشی سے مسکراتا رہا۔ ملر نے اس سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ اس کے قیاسات کی تصدیق کر رہا تھا۔

ملر بولا "اب میں آپ سے آپ کے مریض کے بارے میں کچھ نہیں پوچھ رہا۔ ایک عمومی سی بات کر رہا ہوں اور آپ کی ماہرانہ رائے طلب کر رہا ہوں۔ کیا اثر ہیر کا کوئی مریض کسی کو قتل کر کے بھول سکتا ہے کہ اس نے قتل کیا تھا؟"

"یہ بڑا اچھا اور اہم سوال ہے۔" ڈاکٹر بولا "اور افسوس کی بات یہ ہے کہ مجھے اس کا صحیح جواب معلوم نہیں۔ کوئی بھی ڈاکٹر اس کا صحیح جواب نہیں دے سکتا کیوں کہ اس میں دونوں ہی امکانات موجود رہیں گے۔ عین ممکن ہے مریض قتل کر کے واقعی بھول جائے اور عین ممکن ہے کہ اسے یاد ہو مگر وہ بن رہا ہو۔"

"اگر قتل بیکن نے ہی کیا ہے تب بھی اس کے رویے یا تاثرات میں احساسِ جرم کا شائبہ تک نہیں۔" ملر بولا۔

"یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ دنیا میں بے شمار انسان ایسے ہوتے ہیں جو بڑے سے بڑا جرم کر کے بھی ذرہ برابر احساسِ جرم کا شکار نہیں ہوتے۔"

"اس کی گھریلو زندگی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" ملر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی بیوی کا تعلق ایک بہت دولت مند گھرانے سے تھا۔" ڈاکٹر کریمر نے جواب دیا۔

"گویا تمام ٹھاٹ باٹ بیوی کی وجہ سے تھا۔ بیکن خود کیا کرتا ہے؟"

"میری معلومات کے مطابق وہ بیمہ ایجنٹ تھا لیکن برسوں پہلے ریٹائر ہو چکا ہے۔ وہ زیادہ ذہین یا چالاک تو نہیں ہے لیکن میرے خیال میں ایک اچھا اور شریف آدمی ہے۔ لالچی نہیں ہے۔ وہ آرام سے ایک طرف بیٹھ کر اپنی امیر بیوی کو خرچ کرتے دیکھتا تھا۔"

"بہت شکریہ ڈاکٹر!" ملر اٹھتے ہوئے بولا "تم سے گفتگو کسی نہ کسی حد تک مفید رہی ہے۔" پھر وہ دروازے پر رک کر اچانک بولا "کیا تمہارے خیال میں بیکن اپنی بیوی کو قتل کرنے کی اہلیت اور طاقت رکھتا تھا؟"

"نہیں۔" ڈاکٹر نے بلا تامل جواب دیا۔

○☆○

بوڑھا بیکن اپنے مکان کے عقب میں دریا کے کنارے درختوں کی قطاروں کے درمیان ٹہلتا جا رہا تھا۔ ایک جوان عورت جو غالباً اس کی ہاؤس کیپر تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک نگران کی طرح چل رہی تھی۔ ملر عقب سے اس کے قریب پہنچا۔ اس نے ہاؤس کیپر کو اپنا کارڈ دکھایا اور تعارف کرایا۔ آگے آگے کچھ فاصلے پر چلتا ہوا بیکن اس کی آمد سے بے خبر رہا۔

"کیا مسٹر بیکن کے باہر نکلتے وقت تمہیں ہمیشہ ان پر نظر رکھنی پڑتی ہے؟" ملر نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ ڈاکٹر کی ہدایت ہے۔" ہاؤس کیپر نے جواب دیا۔

ملر ذرا تیز تیز قدم بڑھاتا بوڑھے کے قریب پہنچا۔ اس نے کچھ یوں چونک کر اس کی طرف دیکھا جیسے وہ اسے کوئی رہزن، لٹیرا یا مشکوک آدمی سمجھ رہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی چمک نہ ابھری۔

"کیا بات ہے؟" وہ قدرے خوف زدہ سے لہجے میں بولا۔

"میں سارجنٹ ملر ہوں۔ کل آپ کی لائبریری میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔"

بوڑھے نے اثبات میں سر ہلایا لیکن ملر یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے واقعی اسے پہچان لیا تھا۔ وہ اس وقت اچھے قسم کے گرم کپڑوں میں تھا۔

"میں آپ کو صرف ابتدائی تفتیش کے نتائج سے مطلع کرنا چاہتا تھا۔" ملر بولا "ہمیں کچن میں آپ دونوں میاں بیوی اور ہاؤس کیپر کے علاوہ کسی کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے۔ گھر میں زبردستی کسی کے گھسنے کی بھی کوئی شہادت نہیں ملی۔ کیا کسی اور کے پاس بھی آپ کے گھر کی چابی موجود تھی؟"

"نہیں..... نہیں....." وہ ذرا غصے سے بولا۔ شاید اسے اچھا نہیں لگا تھا کہ اسے اس کے معمولات کے دوران ڈسٹرب کیا جا رہا تھا "یہ..... یہ..... انگلیوں کے نشانات..... اور چابی وغیرہ کا ذکر تم کیوں کر رہے ہو؟"

"یہ اندر ہی کے کسی فرد کا کام تھا۔" ملر بولا اور اس کے ردِعمل کا انتظار کرنے لگا۔

"تمہارا مطلب ہے....." بیکن جملہ مکمل نہ کر سکا۔

ملر نے کوئی وضاحت نہیں کی۔ وہ بوڑھے کو خود ہی نتائج اخذ کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ برفانی ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

ایک لمحے کے توقف سے بوڑھا تیزی سے بولا "کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ..... کہ....." وہ اس بار بھی جملہ مکمل نہ کر سکا تاہم اس نے ہیجان زدہ سے انداز میں ملر کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چمڑے کا دستانہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے باوجود ملر اس کی گرفت کی سختی کو محسوس کر سکتا تھا۔ بوڑھے کی انگلیاں کسی آہنی شکنجے کی طرح اس کے بازو میں دھنسی جا رہی تھیں۔

"مجھے اپنی بیوی سے محبت تھی....." وہ برہمی سے بولا "وہ بہت اچھی عورت تھی۔ تمہیں احمقانہ سوچوں کو اپنے دماغ سے نکال دینا چاہیے اور اصل مجرم کو پکڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

اچانک گویا اسے احساس ہوا کہ اس کا رویہ جارحانہ تھا۔

اس نے جلدی سے ملر کا بازو چھوڑ دیا۔ اس کا دستانہ پوش ہاتھ واپس کوٹ کی جیب میں چلا گیا۔ چہرے کی تمتماہٹ دور ہو گئی۔ آنکھوں میں پھر خالی الذہن کی سی کیفیت دکھائی دینے لگی۔

"آئی ایم سوری۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

ملر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس وقت ڈاکٹر کریمر کی رائے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے خیال میں بیکن کے بارے میں ڈاکٹر کی رائے بالکل غلط تھی۔ بیکن میں اتنی جسمانی قوت بھی موجود تھی اور اسے اتنا غصہ بھی آسکتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر سکتا۔

○☆○

وہ آفس پہنچا تو اس کی ماں کا ایک پیغام اس کا منتظر تھا۔ وہ اس سے ملنا چاہتی تھی۔ نرسنگ ہوم دوسرے شہر میں تھا اور اس کی طے شدہ مصروفیات ہی اسے پاگل کر دینے کے لیے کافی تھیں۔ اوپر سے اسے یہ بھی احساس تھا کہ وہ اپنی کوئی ضروری مصروفیت منسوخ کر کے جب ہانپتا کانپتا ماں کے پاس پہنچے گا تو وہ بھول چکی ہوگی کہ اس نے کس سلسلے میں ملر کو بلایا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک دوسرے کیس کے سلسلے میں روانہ ہونے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر کریمر کا فون آگیا۔

"کوئی نئی بات معلوم ہوئی؟" ڈاکٹر نے دریافت کیا۔

"نئی بات صرف یہ ہے کہ ہمیں ایک اور ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے مریض کو واقعی الزہیمر بیماری لاحق ہے۔" ملر نے جواب دیا۔ اس کا یہ جواب جھوٹ پر مبنی تھا۔ اسے اندھیرے میں تیر پھینکنے کی کوشش کہا جا سکتا تھا۔

"مجھے یہ ہی اندازہ تھا کہ اگر تم نے اس کی ہاؤس کیپر یا کسی دوست سے پوچھ گچھ کی تو تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے گی۔" ڈاکٹر نے گویا اس کا اندازہ درست ہونے کی تصدیق کر دی اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولا "اب جب کہ تمہیں یہ بات معلوم ہو ہی گئی ہے تو میں یہ بتا دینے میں بھی حرج نہیں سمجھتا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایک سال زندہ رہے گا اور آخری دنوں میں اسے ایک فل ٹائم نرس کی ضرورت ہوگی..... بلکہ اگر ابھی سے کوئی کل وقتی نرس اس کی نگرانی کرے تو بہتر ہوگا۔"

"تمہارے خیال میں اس بات کا موجودہ کیس سے کیا تعلق بنتا ہے؟"

"یہ طے کرنا تمہارا کام ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"تم میری مدد کر کے میرا کام آسان کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"فرض کرو تم یہ ثابت کرنے کی پوزیشن میں آجاؤ کہ قتل اسی نے کیا ہے تب بھی کیا تم ایک ایسے شخص کو سزا دلوانا، پریس اور ٹی وی کے سامنے رسوا کرنا پسند کرو گے جس کے پاس ویسے ہی زندہ رہنے کے لیے صرف ایک سال باقی ہے؟"

"تم واعظ بن کر مجھے اخلاقیات کی مار مارنے کی کوشش مت کرو۔" ملر ملامت سے بولا "قوانین میں نہیں بناتا اور نہ فیصلے کرنے کا اختیار میرے پاس ہے۔ میں صرف شواہد اور ثبوت اکٹھے کر کے ڈسٹرکٹ اٹارنی کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔ وہ فیصلہ کرتا ہے کہ ہمیں عدالت میں کیا کرنا ہے اور عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ ملزم کا کیا کرنا ہے۔"

"تم شاید میری بات کا برا مان گئے۔" ڈاکٹر ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا "تم جو صحیح سمجھو وہ کرو۔ بہرحال مجھے تازہ ترین حالات سے مطلع رکھنا۔"

○☆○

ملر جب اپنی ماں سے ملنے پہنچا تو اس کی حالت اسے پاگلوں سے مشابہ دکھائی دی۔ اس کے سفید بال بُری طرح بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ نرسنگ ہوم کے اس ہال میں بیٹھی تھی جہاں سب ملنے جلنے اور مختلف مشاغل کے لیے جمع ہوتے تھے۔ پانچ منٹ اپنی ماں کے ساتھ گزار کر ملر کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔

"ساشا آپ کی پوتی کا نام ہے ممی! کچھ یاد آیا؟" وہ کہہ رہا تھا۔

"ہاں..... ہاں..... وہ کیسی ہے؟" اس سال اس نے اسکول کا امتحان تو پاس کر لیا ہوگا؟" اس کی ماں اس کے لہجے کی خفگی اور ناگواری کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔

"ابھی تو وہ اسکول میں داخل ہوئی ہے ممی!" ملر نے یاد دلایا۔

"اب تم مجھ سے ملنے ہی نہیں آتے۔" اچانک اس کی ماں نے شکوہ کیا۔ اس نے یک دم ہی موضوع بدل دیا تھا۔

"اس وقت آپ کس سے مل رہی ہیں؟ میں دودھ والا یا ڈاکیہ تو نہیں ہوں۔ ممی! مجھ پر کام کا بوجھ زیادہ ہے۔ ابھی ابھی ایک نیا کیس آگیا ہے۔ آپ جیسے ایک شخص نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا ہے اور اسے یہ بات یاد تک نہیں ہے۔"

"اوہ..... یہ تو واقعی بڑی نئی اور انوکھی بات ہے۔" اس کی ماں کی آنکھوں میں دلچسپی کی لہر ابھر آئی "یعنی آدمی قتل کر کے بھول گیا؟"

"ہاں..... یا تو اس کے دماغ میں خلل ہے یا پھر وہ ایک سفاک قاتل ہے جس نے ایک بالکل نئی تدبیر سوچی ہے۔" ملر بولا۔

اس کی ماں نے خالی خالی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ایک ہی لمحے میں اس کیس کے سلسلے میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی "تم کافی پینا پسند کرو گے؟" وہ بولی "اس سے پہلے کہ کیفے ٹیریا بند ہو جائے، ہم چل کر کافی پیتے ہیں۔"

"اچھی تجویز ہے۔" ملر بولا "اس طرح واپسی کے سفر میں نیند نہیں آئے گی۔"

وہ اٹھ کر ماں کے پیچھے پیچھے چل پڑا لیکن ہال سے نکلنے تک وہ

بھول چکی تھی کہ وہ کہاں جانے کے لیے اٹھے تھے!

واپسی کے سفر میں ٹرین میں ملر اونگھ رہا تھا لیکن اس کے ذہن میں خیالات کا خلفشار جاری تھا۔ وہ اپنی ماں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے نرسنگ ہوم میں داخل کروا کر ملر کو مالی طور پر تو بہت زیادہ بوجھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا لیکن اس کے خیال میں یہ ایک عقل مندانہ فیصلہ تھا۔ اگر وہ گھر پر رہتی تو سب کو پاگل کر دیتی۔ اس کی ذہنی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ جب وہ گھر پر تھی تو کئی بار غصے میں آکر ملر کا دل چاہا تھا کہ اسے قتل کر دے۔

دل ہی دل میں اپنے اس دیانت دارانہ اعتراف کے ساتھ ہی وہ چونک اٹھا۔ یہ نہایت غور طلب نکتہ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ حافظہ خراب ہو جانا بھی ایسی بیماری تھی جس کی وجہ سے کوئی جھنجلاہٹ اور غصے سے مغلوب ہو کر اپنی کسی نہایت عزیز ہستی کو قتل کر سکتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی اس کا ذہن مسز بیکن کے قتل کے کیس کی طرف چلا گیا..... لیکن وہ معاملہ تو بالکل الٹ تھا۔ اس میں تو نسیان کے ایک مریض نے ایک نارمل انسان کو قتل کر دیا تھا!

○☆○

دوسرے روز ملر نے صبح جا کر بیکن کی ہاؤس کیپر سے بات کی۔ اس نے بتایا کہ وہ روزانہ دوپہر کو کھانے کے بعد دو بجے بیکن کو ساحل سمندر پر چہل قدمی کرانے لے جاتی تھی۔ تب ملر نے اس سے ایک درخواست کی جو اس نے مان لی۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ دروازے کی چابی ایک گملے کے نیچے چھوڑ جائے گی۔

دو بجے کے بعد ملر دوبارہ بیکن کے گھر پہنچا تو چابی گملے کے نیچے موجود تھی اور گھر خالی تھا۔ اندر پہنچ کر اس نے ہال کے دیوار گیر آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو خود کو ایک چور یا نقب زن محسوس کیا۔ اس وقت مکان نیم تاریک نظر آرہا تھا۔ دیوار پر پینٹنگز کے فریم اور شیشے جھلملا رہے تھے۔ ہوا میں پائپ کے تمباکو کی خوش بو باقی تھی۔ غالباً بوڑھے بیکن نے دوپہر کے کھانے کے بعد پائپ پیا تھا۔

ملر سیدھا ماسٹر بیڈ روم میں پہنچا۔ بیڈ روم نہایت شان دار اور آراستہ و پیراستہ تھا۔ خوب صورت بیڈ کے ایک طرف مردانہ سلیپر موجود تھے۔ اس سے ملر نے اندازہ لگایا کہ بیکن کی بیوی دوسری طرف سوتی تھی۔ اس نے اسی طرف کی درازیں کھولیں۔ ان میں چشمہ، ٹارچ، چھوٹے موٹے زیور، پنسلوں کے ٹکڑے اور بال پوائنٹ وغیرہ موجود تھے۔

ان کا جائزہ لینے کے بعد ملر باتھ روم میں جا گھسا۔ لائٹس آن کرتے ہی باتھ روم گویا جگمگا اٹھا۔ واش بیسن کے اوپر میڈیسن کیبنٹ صرف عورت کی ضروریات کی چیزوں سے بھری پڑی تھی۔ کیبنٹ میں دیگر چیزوں کے ساتھ خواب آور گولیوں کی شیشی بھی موجود تھی۔ اس پر چسپاں خصوصی لیبل سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسز بیکن کے لیے تھیں اور یہ گولیاں ڈاکٹر کریمر نے تجویز کی تھیں۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ بیکن اور ہاؤس کیپر کے واپس آنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ اس نے وہیں سے ڈاکٹر کریمر کو فون کیا۔ کچھ دیر اس سے بات کرنے کے بعد اس نے سارجنٹ لنکن سے رابطہ کیا۔

"مجھے تم سے ایک اہم بات معلوم کرنی تھی۔" ملر بولا "اس روز جب مقتولہ کے کچن میں کاؤنٹر پر برین کے دو گلاس رکھے ملے تھے۔ کیا ان دونوں پر صرف مقتولہ ہی کی انگلیوں کے نشانات موجود تھے؟"

"ہاں۔ تمہارا خیال صحیح ہے۔" لنکن نے جواب دیا "لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

اس دوران دور کہیں مکان کا کوئی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ بیکن اور اس کی ہاؤس کیپر شاید وقت سے کچھ پہلے ہی واپس آگئے تھے۔ ملر تیزی سے بولا "میں تمہیں تفصیلات بعد میں بتاؤں گا۔ تم یہ بتاؤ لیبارٹری والوں نے گلاسوں میں موجود برین کا بھی تجزیہ کیا تھا یا نہیں؟"

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" لنکن بولا "عورت کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ زہر دے کر نہیں۔" پھر اس نے پوچھا "کیا کوئی نئی بات تمہارے علم میں آئی ہے؟"

"یوں کہو کہ ساری بات میری سمجھ میں آگئی ہے۔" ملر نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس نے بیکن کی آواز سنی۔ وہ ہاؤس کیپر سے کوئی بات کر رہا تھا۔ ملر کسی قسم کے احساسِ جرم کا شکار ہوئے بغیر اس کے سامنے جا پہنچا۔ وہ اس وقت اپنا کوٹ ہال میں ٹانگ رہا تھا۔ اس نے ملر کو دیکھ کر قطعاً حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

"مجھے آپ کے گھر میں کچھ چیزوں کا جائزہ لینا تھا۔ میں نے آپ کو زحمت دینا ضروری نہیں سمجھا۔" ملر نے یکمین کی عدم موجودگی میں اپنی موجودگی کا جواز پیش کیا۔

خلافِ توقع بیکن نے نہ تو برہمی کا اظہار کیا اور نہ ہی یہ پوچھا کہ وہ اندر کیسے پہنچا تھا۔ اس کے بجائے وہ خوش خلقی سے بولا "کوئی بات نہیں۔ کیا میں ماڑا سے کہوں کہ وہ تمہارے لیے کافی تیار کرے؟"

"نہیں۔" ملر نے جواب دیا "اس کے بجائے اگر آپ میرے ساتھ لائبریری میں چلیں تو بہتر ہوگا۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

لائبریری میں پہنچ کر ملر نے دروازہ بند کر دیا۔ بیکن اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے بولا "عجیب بات ہے..... مجھے یہی خیال آتا رہتا ہے کہ میں گھر میں داخل ہوؤں گا تو باربرا مجھے فون پر کسی سے بات کرتی ہوئی یا ناخن تراشتی نظر آئے گی۔" باربرا اس کی مقتولہ بیوی کا نام تھا۔

"آپ بیٹھ جائیں مسٹر بیکن!" ملر بولا۔

"کیوں.....؟ کیا تم مجھے کوئی بُری خبر سنانا چاہتے ہو؟" بیکن نے

مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا "میرے شیئرز کی خرید و فروخت کرنے والے ایجنٹ کو بھی جب مجھے کوئی بری خبر سنانی ہوتی ہے تو پہلے وہ مجھے بیٹھ جانے کی تاکید کرتا ہے۔"

ملر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے ہم نے اس شخص کا پتا چلالیا ہے جس نے آپ کی بیوی کو قتل کیا تھا۔"

بیکن نے پائپ کو تیلی دکھاتے دکھاتے رک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا "کون ہے وہ؟"

"مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے..... وہ شخص خود آپ ہی ہیں سر!"

بیکن نے پائپ سُلگایا۔ دو تین ہلکے ہلکے کش لیے۔ اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی "یہ تم کیوں کر کہہ سکتے ہو مسٹر.....؟"

"ملر۔" اس نے ایک بار پھر اپنا نام بتایا "میرا خیال ہے عدالت میں آپ کے اس اقدام کو خود حفاظتی کا عمل قرار دیا جائے گا۔"

"یہ تم کیوں کر کہہ سکتے ہو؟" بیکن نے ایک بار پھر وہی الفاظ دہرائے۔

"آپ کی بیوی کے پاس خواب آور گولیاں موجود تھیں لیکن غالباً اپنے لیے نہیں تھیں۔ اس کے معالج کا کہنا ہے کہ گولیاں اس نے آپ کی بیوی کو لکھ کر ضرور دی تھیں لیکن اس نے یہ کہہ کر لکھوائی تھیں کہ اسے آپ کے لیے ان گولیوں کی ضرورت تھی۔"

"مجھے کبھی خواب آور گولیوں کی ضرورت نہیں پڑی۔" بیکن نے یوں زور دے کر کہا گویا یہ اس کی عزت کا سوال ہو۔

"مجھے آپ کی بات کا یقین ہے۔" ملر بولا "لیکن میرا خیال ہے اتوار کی رات آپ نے اسے خواب آور گولیاں پیس کر اپنے برینڈی گلاس میں ڈالتے دیکھ لیا اور غصے میں اسے ہلاک کر دیا۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟"

بوڑھے نے کوئی جواب نہ دیا اور آہستگی سے گھوم کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ ملر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "شاید وہ ازراہِ ہمدردی ایسا کر رہی تھی۔ اسے ازراہِ ترحم قتل کرنا کہہ لیجیے۔ شاید وہ چاہ رہی تھی کہ آپ کو مرتے وقت تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ کسی روز سوتے میں آپ کو موت آجائے۔"

"نہیں۔" بیکن اچانک بول اٹھا "وہ ہمدردی میں ایسا نہیں کر رہی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ میری تیمار داری کرتے کرتے..... ایک نرس کے فرائض انجام دیتے دیتے تنگ آچکی تھی۔ بلکہ اسے صرف نرس کے ہی نہیں 'میری خادمہ' ڈرائیور اور نگران وغیرہ کے فرائض بھی انجام دینا پڑتے تھے جب کہ وہ بڑے شاہانہ مزاج کی عورت تھی۔ ایک بڑے اور نخوت پسند خاندان سے اس کا تعلق تھا۔ یہ سب کچھ اس کے لیے کڑی آزمائش تھی۔"

دفعتاً وہ ملر کی طرف گھوما' اچھا ہی تھا کہ اس کا چہرہ خاصی حد تک تاریکی میں تھا۔ ملر نے سوچا۔ لیکن بیکن نے سلسلۂ کلام جوڑا "اسے کبھی مجھ سے محبت نہیں رہی تھی۔ وہ ایک بدصورت عورت تھی جب کہ میں وجیہہ تھا۔ میں انشورنس پالیسیاں فروخت کرتا تھا۔ مجھے اکثر پرانے دوستوں اور شناساؤں کو تلاش کر کے' ان کی منت' خوشامد کر کے پالیسیاں ان کے ہاتھ بیچنی پڑتی تھیں۔ شاید میری بیوی کو دل ہی دل میں میرے اس کام پر شرم آتی ہو۔ پھر میری اس بیماری نے رفتہ رفتہ مجھے اور بھی ناقابلِ برداشت انسان بنا دیا۔ میں ہر بات بھولنے لگا۔ مجھے غصہ زیادہ آنے لگا۔ میں محض ایک بوجھ بن کر رہ گیا۔ حالت یہ ہو گئی کہ سوتے وقت مجھے احتیاطی تدابیر کرنا پڑتی تھیں کیوں کہ بچوں کی طرح بستر میں میرا پیشاب نکل جاتا تھا۔"

"میں سمجھ گیا۔" ملر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ وہ مزید تفصیلات سننا نہیں چاہتا تھا۔

"میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔" بیکن بولا "مجھے سچ مچ اس سے محبت تھی کیوں کہ اس کی وجہ سے مجھے زندگی کی تمام آسائشیں اور تعیشات حاصل ہوئی تھیں لیکن جب میں نے اسے اپنے گلاس میں خواب آور گولیاں ملاتے دیکھا تو میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ ان دنوں اگر مجھے غصہ آتا ہے تو ایک سیلاب کی طرح بہالے جاتا ہے....."

وہ تھکے تھکے انداز میں کرسی پر آبیٹھا۔ شاید اس میں مزید کھڑے رہنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ ملر اس کے مقابل بیٹھا تھا۔ وہ دونوں بہت دیر تک اسی طرح نیم تاریکی میں ایک دوسرے کے سامنے بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

○☆○

کئی ماہ بعد ایک بار کے سامنے ملر کا اچانک ڈاکٹر کریمر سے سامنا ہو گیا۔ کریمر بولا "پچھلے ہفتے بیکن کا انتقال ہو گیا۔ میرا خیال ہے تم نے "ٹائمز" کے 'انتقال پُرملال' والے کالم میں خبر دیکھ لی ہو گی؟"

"ہاں۔" ملر نے سر ہلایا۔

"افسوس کہ تم اس کی بیوی کے قتل کا کیس حل نہیں کر سکے۔ قاتل پکڑا نہیں جا سکا۔" ڈاکٹر کریمر سپاٹ لہجے میں بولا۔

"ایسا تو ہوتا ہی ہے۔" ملر نے دھیمے لہجے میں جواب دیا "پولیس سارے ہی معمے تو حل نہیں کر لیتی۔ کچھ کیس حل ہونے سے رہ بھی جاتے ہیں۔"



بیمار کا علاج

نجمہ مودی

کہتے ہیں" عورت کی زبان اور مرد کی آنکھوں کا دم سب سے آخر میں نکلتا ہے"۔ زیر نظر کہانی اس کہاوت کی تفسیر ہے۔ وہ معمر عورت اپنے شوہر کی نظر بازی سے پریشان تھی اور اس معاملے میں اس کی زبان بھی چلتی رہتی تھی جس پر شوہر کی بس نہیں طرفہ تماشا تھی۔ دراصل ان کے سامنے والے فلیٹ میں ایک لڑکی اپنے نرالے رنگ ڈھنگ کی وجہ سے دونوں میاں بیوی کے درمیان وجہ فساد بن گئی تھی۔

ازدواجیات کے موضوع پر ایک جرم زدہ دلچسپ مغربی کہانی

ایک اچھے خاصے بڑے مکان میں کافی عرصہ گزارنے کے بعد کسی اپارٹمنٹ میں اٹھ آنا ہمارے لئے ایک بہت بڑا قدم تھا۔

تین بیڈ رومز پر مشتمل یہ اپارٹمنٹ جھیل کے کافی قریب واقع تھا۔ بچوں کے گھر چھوڑنے کے بعد ایک بڑے مکان میں رہنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں اکیلے اتنے بڑے گھر کی دیکھ بھال بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن جب اولاد اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر دنیا دیکھنے نکل جائے تو والدین انہیں کیسے روک سکتے ہیں۔ ہم دو میاں بیوی کے لئے یہ اپارٹمنٹ بھی بہت کافی تھا۔

اس اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے کی وجہ سے ہمیں اپنا کافی فرنیچر بیچنا پڑا۔ صرف ضروری چیزیں ہی اس قدر تھیں کہ ان سے اپارٹمنٹ بھر گیا تھا۔ تیسرے بیڈ روم کو پال نے اپنا اسٹڈی روم بنالیا تھا۔ اس میں اس نے اپنی تمام کتابوں کا ذخیرہ اور کاغذوں کا انبار بھر دیا تھا۔

شروع شروع میں ہمیں اپنا مکان بہت یاد آیا اور دیگر

سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے اپارٹمنٹ کی زندگی بہت پریشان کن لگی پھر ہم نے سمجھوتا کرلیا۔ پال نے چھوٹی سی بالکونی میں شغل کے طور پر کبھی کبھار گوشت بھوننے کے لئے انگیٹھی لگالی۔ رفتہ رفتہ ہم اس رہن سہن کے عادی ہوگئے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ گزشتہ مئی کا ایک عام سا سنیچر تھا۔ اس روز ہمارے گھر جارج اور شیلا مدعو تھے۔ میری شیلا سے کچھ زیادہ دوستی نہیں تھی البتہ جارج اور پال میں کافی گاڑھی چھنتی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ دونوں ایک ہی کمپنی میں ملازم تھے۔ اگرچہ ان کی برانچیں الگ الگ تھیں لیکن پھر بھی ان کے پاس دفتری سیاست پر تبادلۂ خیال کرنے کے لئے کافی مواد ہوتا تھا۔ ہماری ان سے سال میں تین چار بار ہی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔

ہم نے ڈنر کے لئے باربی کیو کا پروگرام بنایا تھا۔ مجھے چونکہ دھوئیں سے الرجی تھی اس لئے پال نے بالکونی میں ہی سارا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ اور جارج ہلکی پھلکی ڈرنک سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ کھانے کی تیاری کی بھی دیکھ بھال کررہے تھے۔ میں اور شیلا جس کمرے میں بیٹھے تھے وہاں سے بالکونی کا بخوبی نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی اور میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ کھانا تیار ہونے میں کتنی دیر ہے۔ میں نے جونہی پال کی طرف توجہ کی تو پتا چلا کہ وہ دونوں کھانے کو نظرانداز کرکے کسی اور طرف انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر سڑک کے دوسری طرف 'عین سامنے والی بلڈنگ کی طرف تھی۔

میں نے چونک کر ان کی دلچسپی کے مرکز کو دیکھنا چاہا۔ وہ ایک دبلی پتلی' دراز قامت اور سیاہ آنکھوں کی مالک ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کی بالکونی کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس کی وجہ سے پال اور جارج کو آنکھیں سینکنے کا موقع مل گیا تھا۔ لڑکی اس وقت چست لباس میں ایکسرسائز کررہی تھی۔

"میں نے سب دیکھ لیا ہے" میں نے کہا تو وہ چونک گئے۔ "تم دونوں کو شرم نہیں آتی۔ اپنی عمر دیکھو اور یہ حرکتیں!"

پال کسی حد تک پریشان نظر آنے لگا لیکن جارج نے دانت نکال دیئے اور ڈھٹائی سے بولا۔ "ہمارے دیکھنے کا مقصد غلط نہیں تھا ماریہ۔ ہم تو بس یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ ایکسرسائز کس طرح کرتی ہے۔ اور میرے خیال میں اس کا عمر سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔"

"مجھے اس عمر میں تمہاری زندہ دلی اچھی لگ رہی ہے۔" میں نے ان کی عمر پر چوٹ کی۔ وہ لڑکی ان سے عمر میں خاصی چھوٹی لگ رہی تھی بلکہ ہوسکتا ہے ہماری بیٹی جینی کی ہم عمر رہی ہو۔ "تم دونوں اپنا کام جاری رکھو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور شیلا کو یہ لطیفہ سنانے کے لئے کمرے میں چلی آئی۔

تھوڑی دیر بعد پال نے آکر اطلاع دی کہ سیخ بوٹیاں تیار ہوچکی ہیں۔ ہم چاروں نے خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا۔ میں پال اور جارج کی نظربازی کو بھول بھال گئی کیونکہ میرے نزدیک اس کی زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ خوبصورت لڑکی کو دیکھنا ہر مرد اپنا فرض اوّلین سمجھتا ہے' اس کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں۔ پال جیسی عمر کے مردوں کے لئے یہی بہت ہوتا ہے کہ کوئی لڑکی انہیں مسکرا کر دیکھ لے یا وہ اس عمر میں بھی خود کو جوان ثابت کرنے کے لئے کسی لڑکی سے فلرٹ شروع کردیں بشرطیکہ لڑکی عقل کی اندھی ہو۔

جارج اور شیلا کے رخصت ہونے کے بعد ہم نے برتن کچن میں پہنچائے اور میں برتن دھونے لگی۔ ساتھ ساتھ ہم جارج اور شیلا سے ہونے والی گفتگو پر تبادلۂ خیال بھی کرتے جارہے تھے۔ گفتگو کے دوران میں اچانک پال کو جیسے کچھ خیال آیا۔

"شیلا کی اس واقعے کے بارے میں کیا رائے تھی؟" پال نے پوچھا۔ میں نے تعجب سے اسے دیکھا تو اس نے فوراً وضاحت کی۔ "بالکونی والی لڑکی کا قصہ سن کر اس کا ردِعمل کیا تھا؟"

مجھے حیرت ہوئی کہ پال یہ کیوں پوچھ رہا تھا۔ کیا واقعی کوئی گڑبڑ تھی؟ پھر میں نے خود ہی اس خیال کو رد کردیا اور سوچا اب اس عمر میں ہمارے پاس کوئی زیادہ موضوع تو رہ نہیں گئے ہیں گفتگو کرنے کے لئے اسی لئے پال نے یہ ذکر چھیڑا ہے۔ "کوئی خاص نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کا رویہ بہت سرد ہے۔ ایسا لگتا ہے اسے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم دونوں کی نظربازی کا واقعہ سن کر بھی اس نے کوئی رائے نہیں دی۔ حالانکہ اسے جارج کی زندہ دلی سے لطف اندوز ہونا چاہیے تھا جیسا کہ میں محظوظ ہوئی تھی۔ شاید وہ جارج کے اس رویے کی عادی ہے۔" میں نے فوراً تجزیہ کرڈالا۔

پال مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "تو تمہارے خیال میں یہ چیز مضحکہ خیز تھی؟" میں نے اثبات میں سرہلایا تو وہ بولا۔ "ماریہ' تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ محض نظربازی نہیں تھی۔"

یہ نظربازی تھی یا نہیں' میرے لئے یہ بات سوائے مذاق کے کچھ نہیں تھی لیکن صرف دو دن بعد مجھے احساس

ہوا کہ بات ختم نہیں ہوئی ہے۔ میں مذکورہ لڑکی کے معمولات پر غیر ارادی طور پر نظر رکھنے لگی تھی!

"مجھے یہ بات کہتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے۔ پال مگر تمہیں بتانا ضروری ہے۔" اس دن جب پال کام سے واپس آیا تو میں نے اسے بتایا۔ "جس لڑکی کو تم "پسند" کرتے ہو وہ آج کافی دیر تک فون سے چپکی رہی۔ وہ بات بات پر مسکرا رہی تھی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری طرف کوئی خاص ہستی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنے کپڑوں پر استری کی۔ کپڑے بہت بھڑکیلے تھے۔ یقیناً وہ اس خاص ہستی کے ساتھ پارٹی پر جا رہی تھی۔"

پال نے کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔ "ماریہ' اس کا مطلب ہے کہ تم نے یہ سارا دن اس کی جاسوسی میں صرف کیا؟"

"نہیں۔" میں گڑبڑا گئی۔ "ہرگز نہیں۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن وہ ہمارے اپارٹمنٹ کے بالکل سامنے رہتی ہے اور اپنے شیشے کے دروازے پر اس نے پردے وغیرہ بھی نہیں لگائے ہوئے اس لئے نظر اٹھ ہی جاتی ہے۔ میں چونکہ تازہ ہوا کھانے کے لئے بالکونی میں کھڑی تھی اس لئے مجھے اس کے معمولات کا پتا چل گیا۔" میں نے صفائی پیش کی۔

"اچھا۔" پال نے صرف اتنا کہا لیکن اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ اسے میری بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ کوٹ ہینگر میں لٹکا کر وہ باتھ روم میں چلا آیا اور اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرنے لگا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی آئی۔ "بہرحال وہ اپنی ڈیٹ پر جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی تو میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے بھی اپنے پارٹی ڈریس پر استری کرلی۔ اب ہم بھی یہ رات باہر گزاریں گے۔" میں نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔

پال نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہا ہے۔ کچھ کہنا چاہ رہا ہے لیکن الفاظ ذہن میں نہیں آ رہے۔ بالآخر وہ معذرت خواہانہ لہجے میں گویا ہوا۔ "ماریہ ڈیئر' میں بھی چاہتا ہوں کہ ہم آج کی رات اکٹھے گزاریں لیکن مجبوری ہے۔ مجھے آفس دوبارہ پہنچنا ہے۔ ایسا کرتے ہیں کل چلیں گے۔"

"دوبارہ آفس جانا ہے؟ لیکن کیوں؟" میں نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔ "آخری بار پروموشن کے بعد سے تم نے اوور ٹائم کرنا چھوڑ دیا تھا اور اس بات کو بھی کافی عرصہ گزر چکا ہے۔"

"مجھے پتا ہے۔" پال نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "لیکن ہمارے باس کا خیال ہے کہ سینئر اسٹاف کو زیادہ سے زیادہ کام کرنا چاہیے تاکہ نئے آنے والے افراد بھی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکیں۔ تمہیں یہ تو پتا ہے کہ ان دنوں کام کا بوجھ کس قدر ہے۔" اس نے مجھے دیکھا تو میں نے سر ہلا دیا۔ وہ وقتاً فوقتاً کام کی زیادتی کی بات کرتا رہتا تھا۔ "ذاتی طور پر مجھے یہ آئیڈیا پسند نہیں آیا لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ہمارا باس ہے۔"

"تو اب تمہیں ہر رات دیر تک کام کرنا ہوگا؟" میں نے کوشش کی کہ میری آواز بلند نہ ہو۔

"ہوسکتا ہے۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔ "اس کا فیصلہ آج کی رات ہو جائے گا کہ دیر تک کام کرنا کتنا سودمند ثابت ہوتا ہے۔"

میرا خیال تھا کہ پال کے آتے ہی میں تیار ہونا شروع کردوں گی اور ہم ڈنر کرنے کہیں چلے جائیں گے لہٰذا میں نے کھانا بھی نہیں پکایا تھا۔ اب سارا پروگرام تباہ ہوگیا تو میں نے جلدی جلدی کھانا پکانا شروع کردیا۔ اس دوران میں پال نہادھو کر فریش ہوگیا۔

جلدی جلدی کھانا حلق میں اتار کر وہ جانے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ میں اسے دروازے تک چھوڑنے گئی تو حسبِ معمول



اس نے میرا گال تھپتھپایا۔ "میرا انتظار نہ کرنا۔ خدا جانے مجھے کتنی دیر ہوجائے۔ تم سوجانا ہنی۔"

"میں ایسا ہی کروں گی' تم فکر نہ کرنا۔" میں نے کہا اور دروازہ بند کردیا۔ اب ایک بار پھر میں تھی اور خالی اپارٹمنٹ۔

سارا دن تنہائی میں گزارنے کے بعد یہ آسرا تو رہتا تھا کہ شام میں پال آجائے گا۔ پتا نہیں یہ دیر تک رکنے کا سلسلہ کب تک چلنا تھا۔ یہ تنہائی اب میری برداشت سے باہر ہوتی جارہی تھی۔ ہوسکتا ہے یہ سلسلہ زیادہ عرصے نہ چلے' خود کو تسلی دے کر میں اپنے کمرے میں آگئی۔

کمرے میں گھٹن محسوس کرکے میں نے ائر کنڈیشنر بند کردیا اور کھڑکیاں کھول دیں۔ ایسا کرکے واقعی فائدہ ہوا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پہلے میں ایک بڑے سے خول میں قید تھی' اب آزادی ملی تو جھیل کی طرف سے آنے والی خنک ہوا نے روح کو تازگی سی بخش دی۔ میں اس ہوا سے لطف اندوز ہونے کے لئے بالکونی میں چلی آئی۔

دل سے نہ چاہتے ہوئے بھی میری نظر سامنے والی لڑکی کے اپارٹمنٹ کی طرف اٹھ گئی۔ حسب معمول اس کے شیشوں پر پردے نہیں تھے اور کمرے کا منظر بالکونی کے شیشے کے دروازے کے ذریعے بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ وہ اپنے لباس پر آنے والی شکنوں کی پروا کئے بغیر صوفے پر نیم دراز کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔ یقیناً وہ ڈیٹ پر جانے کے لئے اپنے عاشق کی کال کی منتظر تھی۔

یہ سوچ کر میں بے بسی سے ہنس دی کہ وہ رات جہاں میرے لئے مایوسی لائی تھی وہیں وہ سامنے والی لڑکی اس رات سے بھرپور لطف اندوز ہونے والی تھی۔ "عیش کرو ڈیئر' اس وقت تک جب تک تمہارے عاشق کا دل تم سے بھر نہیں جاتا۔ اس کے بعد تم بھی میری طرح تنہا رہ جاؤ گی۔" میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔

○☆○

رات کافی بھیگ چکی تھی جب پال کمرے میں داخل ہوا۔ میں اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ وہ آتے ہی کپڑے تبدیل کرنے باتھ روم میں گھس گیا۔ چونکہ کمرے کی لائٹ بند تھی اس لئے اسے پتا ہی نہیں چلا کہ میں جاگ رہی ہوں۔

"ہائے۔" میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

وہ جیسے چونک پڑا۔ "تم اب تک جاگ رہی ہو؟" وہ میرے قریب آگیا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ سوجانا۔"

"مجھے نیند ہی نہیں آئی۔" میں نے جواب دیا۔ "کیا ٹائم ہورہا ہے؟"

"بہت رات ہوچکی ہے۔" پال نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"تقریباً نو بجے کے قریب میں نے تمہارے آفس فون کیا تھا لیکن کسی نے فون ہی نہیں اٹھایا۔" میں نے اسے بتایا۔

"ہوسکتا ہے اس وقت میں باس کے کمرے میں ہوں۔" پال نے جواب دیا پھر قدرے شرمندگی سے بولا "میری وجہ سے تمہیں پریشانی اٹھانا پڑی۔ ویسے تم نے فون کیوں کیا تھا؟"

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس وقت میرا تم سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔" میں نے کہا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔ "کیا اب تمہیں ہر روز دیر تک کام کرنا پڑے گا؟"

"میں خود پریشان ہوگیا ہوں۔ مجھے ہفتے میں دو یا تین راتوں کو کام کے سلسلے میں وہاں رکنا پڑے گا۔" وہ بولا۔

"لیکن کب تک؟" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ میرا پہلا ہی تجربہ تکلیف دہ رہا تھا۔ اگر پال ہفتے میں دو تین راتیں گھر سے باہر گزارنے لگا تو میں تنہائی کا شکار ہوکر بیمار ہوجاؤں گی۔' میں سوچنے لگی۔

"جب تک کام ختم نہیں ہوجاتا اور کارکنوں کو اپنی ذمے داری کا بخوبی احساس نہیں ہوجاتا۔" وہ مطمئن لہجے میں بولا پھر اسے شاید کچھ خیال آگیا۔ وہ میرا گال تھپکتے ہوئے گویا ہوا۔ "لیکن کل رات ایسا نہیں ہوگا بلکہ میں کوشش کررہا ہوں کہ باس کوئی ایسی پلاننگ کرے کہ ہمیں اس مصیبت سے نجات مل جائے۔"

"میں دعا کروں گی کہ تمہارے باس کو عقل آجائے اور وہ سوچے کہ ملازمین کے گھربار بھی ہوتے ہیں۔" میں نے صدق دل سے کہا پھر اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے بولی۔ "چلو چھوڑو اس بات کو۔ کوئی اور بات کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ میرے جانے کے بعد تم کیا کرتی رہیں؟" اس کے سر سے بھی جیسے بوجھ ہٹ گیا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے کہا۔ "میں گھٹن سے گھبرا کر بالکونی میں کھڑی ہوگئی تھی۔ سامنے والی لڑکی اپنے بوائے فرینڈ کا انتظار کررہی تھی۔ پھر تمہارے جانے کے دس پندرہ منٹ بعد ہی غالباً اس کا بوائے فرینڈ آگیا اور وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ میں بوائے فرینڈ کو دیکھ نہیں سکی۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔"

"دیکھو ماریہ" پال نے تکیہ درست کرتے ہوئے کہا۔ "تم اس معاملے کو زیادہ ہی سنجیدگی سے لے رہی ہو۔ وہ محض

مذاق تھا اور مذاق صرف مذاق ہوتا ہے۔ تم اس طرح اس کے معمولات کے بارے میں بتا کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟ میری بلا سے وہ جہنم میں جائے۔" اس نے کروٹ لے کر لائٹ بند کردی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔ میں نے بھی اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ بے چارہ پہلے ہی کافی تھکا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں بھی سوگئی۔

اگلی صبح پال کے آفس روانگی کے بعد صفائی کرنے والی عورت آئی تو میں اسے صفائی میں مشغول چھوڑ کر بالکونی میں آگئی۔ اس سے پہلے میں خود کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے اس کا تھوڑا بہت ہاتھ بٹادیا کرتی تھی لیکن میں اب اس لڑکی کو دیکھنا چاہ رہی تھی۔

مجھے بالکونی میں پہنچنے میں دیر ہوچکی تھی۔ وہ ایکسرسائز سے یقیناً فارغ ہوچکی تھی کیونکہ اس وقت وہ کچھ اس قسم کا لباس پہنے ہوئے تھی جو شاپنگ کے لئے موزوں لگ رہا تھا۔ پھر میری نظروں نے اس بات کی تصدیق بھی کردی کہ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی شاپنگ سے لوٹی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا جسے اس نے میز پر رکھ دیا۔ وہ اس وقت بغیر میک اَپ کے تھی جس کی وجہ سے کچھ کم عمر لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر میں یہ محسوس کئے بنا نہ رہ سکی کہ پال جیسے مرد اس پر سے نگاہیں ہٹانا کیوں بھول جاتے ہیں۔ دل ہی دل میں مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ وہ ایک بھرپور لڑکی تھی اور اس سے بڑھ کر کم عمر تھی۔ اگر میں پال کی جگہ ہوتی تو شاید میرا رویہ بھی مختلف نہ ہوتا۔

صفائی کرنے والی نے کسی کام سے مجھے پکارا تو میں اندر چلی آئی لیکن میں سارا دن اس لڑکی پر نظر رکھے رہی۔ سودے کا تھیلا بدستور میز پر رکھا ہوا تھا جس سے اندازہ ہوا کہ اس میں موجود سامان فوری ضرورت کا نہیں ہے۔ میں سوچنے لگی کہ اس میں کیا ہوسکتا ہے۔ شاید وہ اپنے حسن کی آرائش کے لئے کچھ "سامانِ تباہی" لائی تھی۔

شام کو پال کے ساتھ باہر جانے کے لئے جب میں تیار ہوچکی تو خود کو بالکونی میں جانے سے باز نہ رکھ سکی۔ وہ اس وقت اسی صوفے پر نیم دراز تھی جس پر کل شب تھی۔ اس نے باتھ روب پہنا ہوا تھا اور بالوں میں کرلرز لگے ہوئے تھے۔

"کیا آج اسے ڈیٹ پر نہیں جانا؟" میں سوچنے لگی۔ "خیر اب ہر دفعہ جیت نصیب میں نہیں ہوتی' ہنی"۔ میں نے زیرِلب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "آج کی رات میری ہے۔"

لیکن اس شام سے میں بھرپور لطف نہ اٹھا سکی۔ مقررہ وقت پر پال آفس سے آگیا تھا جس کے بعد ہم اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ کے لئے روانہ ہوگئے تھے۔ ہم چونکہ کافی عرصے بعد یہاں آئے تھے اس لئے کافی تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں یا شاید ہم لوگ ہی وہ نہیں رہے تھے۔ زمانے نے جہاں ہمیں تبدیل کیا تھا وہاں لوگوں کے رویے بھی وہ نہیں رہے تھے جو پہلے تھے۔ حتیٰ کہ کھانوں کا ذائقہ بھی پہلے جیسا نہیں تھا۔ مجھے پال کے رویے میں کہیں بھی وہ گرمجوشی' وہ وارفتگی محسوس نہیں ہوئی جو گھر سے باہر کھانا کھاتے وقت اپنے عروج پر ہوتی تھی۔ شاید عمر کے ساتھ ساتھ جذبے بھی دم توڑ دیتے ہیں۔ بہرحال کوئی بھی وجہ رہی ہو' میں حقیقی معنوں میں کوئی خوشی حاصل نہ کرسکی۔ ہم کھانا کھاتے ہی گھر لوٹ آئے۔

میں نے بے دلی سے اپنے خوبصورت لباس کی طرف دیکھا اور کپڑے تبدیل کرنے باتھ روم میں گھس گئی۔ سونے سے پہلے تھوڑی سی تازہ ہوا لینے کے لئے میں بالکونی میں چلی آئی۔ چند منٹ بعد پال بھی وہیں آگیا۔

"مجھے افسوس ہے' یہ شام کچھ زیادہ خوشگوار نہیں گزری۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"اس میں کسی کا بھی قصور نہیں ہے۔" میں نے اسے شرمندگی سے بچانے کے لئے کہا۔ "سب اپنے منطقی انداز میں ہو رہا تھا۔۔۔ بہرحال۔" میں نے ایک لمحے کا توقف کیا اور سامنے والی لڑکی پر ایک نظر ڈالی جو اس وقت ٹی وی پر ایک بور ترین پروگرام دیکھ رہی تھی۔ "آج کی شام میں نے اس لڑکی سے تو بہتر گزاری ہے۔"

"ماریہ" پال نے کہا۔ "تم اس معاملے کو خواہ مخواہ طول دے رہی ہو۔"

"میں کسی معاملے کو طول نہیں دے رہی ہوں۔" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ آج اس کی ڈیٹ نہیں تھی۔"

"ہوسکتا ہے کہ آج وہ جانا نہ چاہتی ہو۔" پال نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے قطعیت سے کہا۔ "یہ بات نہیں ہوسکتی۔ وہ لڑکی بے وقوف ہرگز نہیں ہے جو ایک خوبصورت شام برباد کرکے گھر پر فضول سا ٹی وی پروگرام دیکھے گی۔"

"کوئی بھی وجہ رہی ہو۔" پال نے میرا بازو پکڑ کر مجھے کمرے کی طرف تقریباً گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے۔ میرا خیال ہے اب سوجانا چاہیے۔ اگلے روز کی مشقت کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یہ میرا دردِ سر نہیں تھا لیکن اس

لڑکی کا یہ انداز میرا دل جلا رہا تھا۔ مجھے اس سے حسد محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جب جو چاہے کر سکتی تھی' میں صرف تماشا دیکھنے کے لئے رہ گئی تھی۔ مجھے اپنے بڑھاپے کا احساس شدت سے ہو رہا تھا۔ میں کافی دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتی رہی جبکہ پال تھوڑی ہی دیر بعد گہری نیند سو گیا تھا۔

○☆○

اس روز میں نے صرف دو مرتبہ سرسری طور پر اس کی بالکونی کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں کسی قسم کی کوئی ہلچل نظر نہیں آئی جس کا مطلب تھا کہ آج بھی وہ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ باہر نہیں جائے گی۔ البتہ اس شام جب پال آفس سے آکر اضافی وقت دینے کے لئے دوبارہ آفس روانہ ہو گیا تو میں نے دیکھا اس کی بالکونی کا دروازہ حسب معمول کھلا ہوا تھا۔ میں نے اپنی بالکونی کی روشنی گل کر دی تاکہ اندھیرے میں رہ کر بہ آسانی اس پر نظر رکھ سکوں۔

وہ اس وقت اپارٹمنٹ میں چلتی پھرتی نظر آ رہی تھی پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ دوسرے لفظوں میں میرے دائرۂ بصارت سے غائب ہو گئی۔ چند لمحوں بعد ہی وہ کافی ٹیبل پر کھانے پینے کے کچھ لوازمات سجا رہی تھی۔

یہ جاننا مشکل تھا کہ آج کی شام اس کی مصروفیات کیا ہوں گی کیونکہ وہ ابھی تک ایک لمبا باؤس کوٹ پہنے ہوئی تھی۔ اب وہ ایک بار پھر میری نظروں کے دائرے سے باہر تھی۔ شاید وہ دروازے پر ہونے والی بیل کی آواز سن کر پلٹی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کا بوائے فرینڈ آج کی رات اس کے گھر گزارنے . . . . والا تھا۔

جلد ہی اس بات کی تصدیق بھی ہو گئی کیونکہ اب وہ اپنے اپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بند کر رہی تھی۔ اس نے بالکونی کا دروازہ بند کر کے پردے بھی گرا دیئے تھے۔ اس کے اس عمل میں عجلت تھی۔ یقیناً وہ جلد از جلد اپنے عاشق کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔

میں مرے مرے قدموں سے واپس کمرے میں آ گئی۔ ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ آخر اسے بالکونی میں دروازہ بند کر کے پردے گرانے کا خیال کیوں آیا تھا جبکہ وہ ہر وقت تازہ ہوا کے لئے کھلے رہتے تھے۔ اسے سامنے والے اپارٹمنٹ یعنی میرے اپارٹمنٹ کی طرف سے بھی کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے تھا کیونکہ یہاں اندھیرا تھا اور وہ یہ اندازہ نہیں کر سکتی تھی کہ یہاں کوئی موجود ہے۔ میرے ذہن میں عجیب عجیب سے خیال آ رہے تھے۔ پھر میں نے یہ سوچ کر اپنا سر جھٹکا۔ "ہو سکتا ہے یہ محض معمول کی کارروائی ہو۔ وہ اپنے عاشق کے ساتھ وقت گزارنے سے پہلے احتیاطاً ایسا کرتی ہو۔"

اگلے دو ہفتے تک میں نہایت ضبط و تحمل سے اس اسرار کی کھوج میں لگی رہی کہ اس سے ملنے والا شخص کون ہے لیکن میں ابھی تک اس کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکی تھی۔ اس معاملے میں وہ دونوں ہی بہت احتیاط کرتے تھے۔

اس دوران میں میرا دل پال سے اس حوالے سے بات چیت کرنے کو بے تحاشا چاہا تھا مگر میں اس کے ردِعمل کا سوچ کر چپ ہی رہی۔ میرا کسی سے ملنا جلنا بھی نہیں تھا کہ دل کا بوجھ ہی ہلکا کر لیتی۔ ایک دن میں نے پال سے بات کرنے کی ٹھان لی۔ زیادہ سے زیادہ وہ مجھ سے ناراض ہو جاتا مگر جلد ہی میں اسے منا لیتی۔ آخر عمر رسیدہ افراد جن کی اولاد دوسرے شہروں کو جا چکی ہو' ایک دوسرے سے دل کا حال نہ کہتے تو کس سے کہتے؟

اس روز سنیچر تھا۔ پال بالکونی میں کھڑا تھا۔ سامنے والی لڑکی کچھ ایسے انداز میں ورزش کر رہی تھی کہ ساری دنیا اسے بہ آسانی دیکھ سکتی تھی پھر بے چارہ پال کیسے نظر چراتا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" میں نے معنی خیز انداز میں پال سے کہا جو میری آمد سے بے خبر ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

میری بات سن کر وہ بُری طرح چونکا اور اس کے گال تمتماتے ہوئے محسوس ہوئے۔ "میں کافی عرصے تک اس پر نظر رکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اس کا معاشقہ کسی شادی شدہ آدمی سے چل رہا ہے۔"

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ پال کا ردِعمل اتنا شدید ہو گا۔ وہ تقریباً دہاڑتے ہوئے بولا۔ "خدا کے واسطے ماریہ جب تم کسی سے ملیں نہیں' کسی کو دیکھا نہیں تو اتنے وثوق سے بات مت کرو۔"

"تم نے میری پوری بات نہیں سنی ہے۔" میں نے اس کے لہجے کو نظر انداز کر کے کہا۔ "میں نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ وہ ہفتے میں تین اور کبھی چار بار اپنی شامیں اس شخص کے ساتھ گزارتی ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ ملاقاتیں مخصوص راتوں ہی میں ہوتی ہیں۔ کبھی ویک اینڈ پر وہ اپنے محبوب سے ملنے کے لئے نہیں گئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کا بوائے فرینڈ شادی شدہ ہے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ وہ ہفتے میں تین چار بار گھر سے باہر وقت گزارنے کے لئے اپنی فیملی سے کیا بہانہ کرتا ہو گا؟"

"مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔" پال نے رکھائی

سے کہا۔ "مجھے اس سے کیا کہ وہ کیا عذر پیش کرتا ہے۔ مجھے صرف اس بات پر اعتراض ہے کہ تم اپنا وقت پڑوس کی جاسوسی میں صرف کر رہی ہو۔"

"یہ سچ نہیں ہے۔" میں نے اپنا دفاع کیا۔ "میں تو صرف اس وقت بالکونی میں جاتی ہوں جب گھٹن بڑھ جاتی ہے۔ ایسے ہی آتے جاتے نظر پڑ جاتی ہے۔ اس سے زیادہ جاننے کی میں نے کبھی دانستہ کوئی کوشش نہیں کی۔"

"بہرحال تمہارا رویہ غیر صحت مندانہ ہے۔" اس نے پُرتاسف نظروں سے مجھے دیکھا۔ "کسی کے معاملے میں اس قدر ملوث ہونے کے عمل کو ناپسندیدہ ہی کہا جا سکتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "میں خبطی بڑھیا بنتی جا رہی ہوں؟ صاف کہو ناکہ میں پاگل ہوں۔" میری آنکھوں میں شاید آنسو آ گئے تھے۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے' ماریہ!" اچانک پال کا لہجہ بدل گیا۔ اس نے محبت بھرے انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ گھر کی تبدیلی نے تمہیں زود رنج بنا دیا ہے۔ تم مان کیوں نہیں جاتیں کہ اب ہم ایک دوسرے کے لئے زندہ ہیں اور ہمیں صرف اپنے لئے ہی سوچنا چاہیے۔ ہمارا ایک دوسرے کے سوا کون ہے؟ خدا کے لئے اس لڑکی کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔"

"میں کوشش کروں گی۔" میں بمشکل یہ الفاظ کہہ سکی۔

"صرف کوشش سے کچھ نہیں ہو گا' وعدہ کرو۔" پال نے ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے بلا ہچکچاہٹ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

○☆○

میں اس وقت تک اپنے وعدے پر قائم رہی جب تک میری شیلا سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس روز میں روزمرہ کا کچھ سامان خریدنے کے لئے نکلی تھی کہ شیلا شاپنگ سینٹر میں مل گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے دوران میں مجھے اچانک ایک خیال آ گیا۔

"ان دنوں میں شدید تنہائی کا شکار ہوں کیوں نہ ہم کسی ایسے دن فلم دیکھنے چلیں جب پال اور جارج اوور ٹائم کر رہے ہوں۔" میں نے تجویز پیش کی۔

شیلا حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔ "جارج نے تو عرصہ ہوا اوور ٹائم نہیں کیا۔ کیا پال اوور ٹائم کر رہا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے اس کی حیرت دور کی۔ "بلکہ تمام سینئر اسٹاف ہفتے میں چند راتوں کے لئے اضافی وقت دے رہا ہے۔"

"یہ بات میں تم سے ہی سن رہی ہوں۔" وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے جارج کو چھوڑ کر باقی لوگ ایسا کر رہے ہوں۔" اس کے لہجے میں شک تھا۔ "تم کہو تو میں اور جارج اس موضوع پر بات کرنے تمہارے گھر آ جائیں۔"

"نہیں!" میں نے قطعیت سے کہا اور جلدی سے بہانہ کر کے شاپنگ سینٹر سے نکل آئی۔ میرے دماغ میں جیسے دھماکے ہو رہے تھے' خدایا' میں کتنی بے وقوف تھی! کیا واقعی یہ بات درست ہے کہ بیوی کو حقیقت سب سے آخر میں پتا چلتی ہے۔ مجھے شیلا کی نظریں یاد آ رہی تھیں جن میں میرے لئے ہمدردی اور ترحم کے جذبات تھے۔ وہ کیا سوچ رہی ہو گی؟'

کامریڈ

ایک روز اسٹالن نے اپنے ایک شاگرد سے کہا "تم کسی بلی کو کالی مرچیں کھلانا چاہو گے تو کس طرح کھلاؤ گے۔"

"میرے خیال میں اس کے دو طریقے ہیں" شاگرد نے جواب دیا "پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ میں زبردستی اس کے منہ میں کالی مرچیں ٹھونس دوں گا اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ میں کسی مچھلی میں کالی مرچیں بھر دوں گا۔ اور اس مچھلی کو بلی کے سامنے ڈال دوں گا۔"

"دونوں طریقے غلط ہیں" اسٹالن نے کہا "کیونکہ یہ طریقے ہمارے اصولوں کے مطابق نہیں ہیں۔ پہلا طریقہ زور' دباؤ اور بے رحمی کا ہے۔ جبکہ دوسرے طریقے سے دھوکے اور فریب کی بُو آتی ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کیمونزم نہ کسی پر دباؤ ڈالتا ہے نہ کسی کو فریب دینا پسند کرتا ہے۔"

شاگرد نے پوچھا "پھر آپ کسی بلی کو کالی مرچیں کس طرح کھلائیں گے۔"

"میں کالی مرچوں کے پاؤڈر کو بلی کی دُم پر مَل دوں گا اور جب اسے اپنی دُم پر مرچیں لگتی محسوس ہوں گی تو وہ اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دے گی اور بار بار خود اپنی مرضی سے میرے دباؤ یا فریب کے بغیر اپنی دُم کو چاٹنے لگے گی۔"

گھر پہنچ کر میں نے سامان میز پر رکھا اور بالکونی میں چلی آئی۔ میں اس وقت خود کو بیمار محسوس کر رہی تھی۔ میرا ذہن رہ رہ کر پال اور اس عورت کے متعلق سوچ رہا تھا جس کی وجہ سے وہ مجھ سے مسلسل جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ کون ہو سکتی تھی؟ اس کے آفس ہی کی کوئی عورت یا....؟

اچانک میری نظر سامنے والی بلڈنگ پر پڑی۔ اس لڑکی کی کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ آج بھی اس کی اپنے محبوب سے ملاقات طے تھی۔

میں نے صرف چند لمحے تک اس کی بالکونی کا جائزہ لیا پھر میری سوچوں کا رخ دوبارہ پال کی جانب ہو گیا۔ اچانک ایک عجیب بات ہوئی میرے ذہن میں جیسے بجلی کا کوندا لپکا تھا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ وہ لڑکی صرف اس وقت پردے گراتی تھی جب اس کا بوائے فرینڈ اس سے ملنے آتا تھا جبکہ وہ کسی طور شرمیلی نہیں تھی۔ کھلے عام بالکونی میں ایکسرسائز کے نام پر اپنے جسم کی نمائش کرتی تھی۔ اسے اس بات کی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ کوئی اس کی بالکونی کے ذریعے کمرے کے کچھ حصے کا منظر دیکھ سکتا ہے بلکہ اسے تو یہ بات بھی کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتی تھی کہ کوئی اس کی جاسوسی کرتا ہے۔ یقیناً اسے یہ خدشہ تھا کہ کوئی اس کے بوائے فرینڈ کو پہچان سکتا ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ کون تھا؟

کافی سوچ بچار کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچی اس نے مجھے دہلا دیا۔ اس کا محبوب میرا شوہر پال تھا! میں نے پال کو شک کا فائدہ دینا چاہا مگر حقائق اٹل تھے اور اس وقت میرا منہ چڑا رہے تھے جن راتوں کو پال کام کا بہانہ بنا کے غائب ہوا تھا' ان راتوں کو اس لڑکی کا محبوب اس کے پاس ہوتا تھا۔ ایک رات جب میں پال کے ساتھ ڈنر کے لئے باہر گئی تھی تو اس رات اس کا محبوب نہیں آیا تھا۔

میں نے پال کے ساتھ اکٹھے بیس سال گزارے تھے۔ اس عمر میں اس سے اس بے وفائی کی امید نہیں تھی لیکن شاید ہر عورت کی قسمت میں یہی ہوتا ہے۔ مرد کی تلون مزاجی اسے اسی طرح ٹھکرائی ہوئی عورت بنا دیتی ہے۔ مجھے خود پر ترس آ رہا تھا۔ پال نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ مجھ سے متواتر جھوٹ بولے تھے۔ ایسا اس نے سامنے والی لڑکی کے لئے کیا تھا جو کم عمر اور خوبصورت تھی۔ مجھے اس کا گزشتہ ردِعمل رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔ جب میں اسے اس لڑکی کے معمولات کے متعلق بتاتی تھی تو وہ کس بُری طرح جھنجلا جاتا تھا۔ وہ اپنی چوری پکڑے جانے کے خوف کے باعث اس لڑکی کو ہدایت دیتا ہو گا کہ کھڑکیوں کے پردے اس کی آمد پر گرا دیا کرے۔

اگلے کئی روز تک میں یہی سوچتی رہی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ پال سے اس بارے میں استفسار کرنا فضول تھا۔ وہ اگر اس حد تک اس لڑکی کے بارے میں سنجیدہ ہو چکا تھا کہ اپنی بیس سالہ رفاقت کو فراموش کر چکا تھا تو اس کے سامنے رونا دھونا یا گلے شکوے کرنا بے کار تھا۔ اس لڑکی کا جادو پال کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ ایسے میں اس کے لئے سب سے آسان کام مجھ سے نجات حاصل کرنا تھا۔ چاہے وہ علیحدگی کی صورت میں ہو یا میری موت کی۔

میں بجھے ہوئے دل کے ساتھ بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔ اس وقت پال آفس کے لئے نکل چکا تھا۔ وہ لڑکی بالکونی میں کھڑی سگریٹ نوشی کر رہی تھی۔ "لعنت ہے۔ لعنت ہے تم پر!" میں دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ پال کو اور اسے گولی مار دوں۔

شاید اس نے محسوس کر لیا تھا کہ میں اسے کافی دیر سے گھور رہی ہوں۔ اس نے اپنا سگریٹ بجھا کر باہر پھینکا اور اندر چلی گئی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ مجھے کھڑکی کے پردے ہٹاتی نظر آئی۔ اس کے انداز سے مجھے لگا کہ وہ مجھے چڑا رہی ہے۔ میں پیچ و تاب کھانے لگی۔

اس روز شام کو پال آفس سے لوٹا تو میں بالکونی ہی میں کھڑی تھی۔ میں بیڈ روم میں داخل ہوئی تو وہ اپنی شرٹ کے بٹن کھول چکا تھا۔

"میں سمجھا شاید تم گھر پر نہیں ہو۔" اس نے قمیص بیڈ کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "میں صرف کپڑے تبدیل کرنے آیا ہوں۔ کچھ لوگ واشنگٹن سے آئے ہوئے ہیں۔ انہیں ڈنر پر لے جانا ہے۔ اس کے بعد چند کنٹریکٹ فائنل کرنے ہیں۔" وہ بولتے بولتے رک کر میرا چہرہ تکنے لگا۔ "تمہیں کیا ہو گیا؟" اس نے کہا۔ "تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو۔"

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل میرا خیال تھا کہ آج تم باہر نہیں جاؤ گے۔"

"میرا جانا بہت ضروری ہے ورنہ میں تمہاری خاطر رک جاتا۔" اس نے وارڈروب سے سوٹ نکالتے ہوئے کہا۔ کافی دیر تک جب وہ مناسب ٹائی تلاش نہ کر سکا تو میں نے ایک ٹائی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"کیا تمہارے پاس میری بات سننے کا وقت ہے؟" میں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "آج دوپہر میں میں

نے اس لڑکی کو۔۔۔"

"ماریہ!" پال نے میری بات کاٹ دی۔ "تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اب اس موضوع پر بات نہیں ہوگی۔"

"مجھے یاد ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن یہ بات ایسی ہے کہ میں تمہیں بتائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دراصل آج میں نے اس کے محبوب کو دیکھ لیا ہے۔"

پال ٹائی کی گرہ باندھتے باندھتے رک گیا۔ "اس کا محبوب؟" اس نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں مجھے یقین ہے وہ اس کا محبوب تھا۔ اس کے بارے میں' میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کوئی پختہ عمر کا شادی شدہ مرد ہوگا لیکن وہ تو ایک خوبرو نوجوان ہے۔" میں نے اس کے تاثرات کو نظرانداز کرتے ہوئے بتایا۔

جواب میں پال خاموش ہی رہا۔ میں جو اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھی' وہ نظر آگیا تھا تاہم اس نے جلد ہی خود کو بے پروا ظاہر کرنا شروع کردیا۔ میں نے سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ میرا پہلے والا اندازہ بھی درست ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے شادی شدہ محبوب کو صرف اس لئے گوارا کر رکھا ہو کہ وہ اس کے اخراجات اٹھاتا ہو' اس کی ضروریات پوری کرتا ہو جبکہ نوجوان محبوب اسے حقیقی خوشیوں سے روشناس کراتا ہوگا۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں۔" اس نے صرف یہی کہا اور جلدی جلدی ٹائی کی ناٹ باندھ کر گھر سے نکل گیا۔ وہ کچھ غصے میں لگ رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد میں تاریک بالکونی میں جا بیٹھی۔ سامنے وہ لڑکی بھی کسی کی منتظر نظر آرہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چونک کر پلٹی۔ شاید دروازے پر بیل ہوئی تھی۔

اس کی واپسی کافی دیر بعد ہوئی۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ شاید وہ غصے میں بھی تھی۔ اس سے پہلے اپنے بوائے فرینڈ کی آمد پر اس کا ایسا رویہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ پریشانی کے اس عالم میں بھی وہ پردے گرانے نہیں بھولی تھی۔ اس کی پریشانی اور غصہ بجا تھا۔ ظاہر ہے اس پر جس نوجوان بوائے فرینڈ سے تعلقات رکھنے کا الزام لگایا جارہا ہوگا' اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ پردے کے پیچھے کیا ہورہا ہوگا' میں چشم تصور سے دیکھنے لگی۔۔۔

اگلے روز شام کے اخبارات میں یہ خبر جلی حروف میں چھپی تھی' لگژری اپارٹمنٹ میں خوبصورت دوشیزہ کا قتل۔ تفصیلات پر نظریں دوڑانے کے بعد میں نے پال کی توجہ اس خبر کی جانب مبذول کرائی۔

"خدا کی پناہ' پال۔" میں نے کہا۔ "یہ لڑکی وہی ہے جو سامنے والے اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔ اس کا نام ٹینا تھا۔ کسی نے اسے بے دردی سے قتل کردیا ہے۔ اس کی تصویر دیکھو۔ کسی نے اس کے سر پر بھاری چیز ماری تھی جس کی وجہ سے اس کا چہرہ بھی مسخ ہوگیا ہے۔ کتنی تکلیف محسوس کی ہوگی اس نے۔" میں نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

میں نے کن انکھیوں سے پال کے سفید ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا لیکن جب وہ کچھ نہیں بولا تو میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ظاہر ہے بیک وقت دو افراد سے معاشقہ لڑانے کا انجام یہی ہونا تھا۔ میرا خیال ہے ہمیں پولیس کو اس بارے میں بتادینا چاہیے۔"

"نہیں!" پال نے سختی سے کہا۔ "تمہیں کوئی بھی بات وثوق سے پتا نہیں ہے۔ صرف ایک خیال ہے اور پولیس کو خیال کی نہیں ثبوت کی ضرورت ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس معاملے سے دور رہیں۔"

میں نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔" پھر اخبار میز پر رکھ کر اس سے پوچھا۔ "کیا آج رات تمہیں کام پر نہیں جانا؟"

اس نے جلدی سے کہا۔ "نہیں۔ ہمارا کام ختم ہوگیا ہے۔ اب اوور ٹائم کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مجھے یہ سن کر بہت خوشی محسوس ہورہی ہے۔" میں نے دلی طمانیت کے ساتھ کہا۔

پال مضطرب انداز میں شراب کا پیگ بنانے لگا۔ یہ اس کا تیسرا پیگ تھا۔

'بے چارہ پال!' میں نے دل میں سوچا۔ شراب میں غرق ہوکر وہ اپنا غم غلط کرنا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں گزشتہ رات کا منظر گھومنے لگا۔ پال نے اس سے نوجوان عاشق کے بارے میں دریافت کیا ہوگا تو ٹینا پھٹ پڑی ہوگی' جواباً پال نے اس کا سر کافی ٹیبل سے ٹکرادیا ہوگا لیکن چند منٹ بعد جب میں دبے قدموں اس لڑکی کے اپارٹمنٹ میں پہنچی تو وہ کمینی صرف بے ہوش پڑی تھی۔ اس کا سر کافی ٹیبل کے کونے سے ٹکرایا ہوگا۔ کنپٹی پر خاصا گہرا زخم آیا تھا لیکن بہرحال وہ زندہ تھی۔ اس کی نبض چل رہی تھی۔

تب مجھے وہ کام مکمل کرنا پڑا تھا جو میرے حساب سے پال ادھورا چھوڑ آیا تھا۔ اپنا گھر بچانے کے لئے بے چاری عورت کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے!



آدھی رات

نجمہ مسعودی

حادثات و سانحات سفرِ حیات میں اس رہبر کا کردار ادا کرتے ہیں جو بہ ظاہر تو ظالم و سفاک نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس کی سخت گیری راہ کی دشواریوں کے مقابل صف آرا ہونے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ زندگی میں پیش آنے والے بعض حادثے ہی انسان کو اپنی حقیر منزل تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ بھی ایک ایسے ہی انسان کی کہانی ہے جس کی زندگی کا رُخ ایک حادثے نے بدل دیا تھا۔

سُراغ رسی کے اسرار و رموز سے آراستہ ایک دلچسپ تحریر

گھنٹی کی آواز میرے خوابیدہ اعصاب کو جھنجوڑ رہی تھی۔ نیند کی حالت میں یہ آواز گویا میرے کانوں کو چھیدتی ہوئی گزر رہی تھی۔ عادت کے مطابق میں نے آنکھیں بند ہی رکھتے ہوئے اندازاً ہاتھ بڑھایا کہ ٹیبل کلاک کا الارم والا سوئچ آف کر دوں لیکن جہاں میرے خیال میں تپائی ہونی چاہیے تھی، وہاں میرا ہاتھ ہوا میں جھول کر رہ گیا۔

پھر میرے دماغ کے دھیرے دھیرے بیدار ہوتے ہوئے خلیوں نے مجھے احساس دلایا کہ وہ الارم کی نہیں بلکہ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز تھی اور یہ بلاشبہ بڑی عجیب بات تھی کیونکہ میرے اپارٹمنٹ میں تو فون ہی نہیں تھا۔ آنکھیں کھولنے کے لیے نہ جانے کیوں مجھے خاصی کوشش کرنا پڑی۔ میری نظروں کے سامنے مٹیالے سے رنگ کی چھت ہونی چاہیے تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو جس چھت کے نیچے لیٹے پایا اس پر نیا اور ہموار پینٹ چمک رہا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی یک لخت ہی خاموش ہو گئی اور میں گویا سکوت سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ میں باہر آنے جانے کے لباس میں تھا اور بیڈ کے بجائے ایک صوفے پر دراز تھا۔ ریشمی پردوں کے درمیان سے سورج کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ کمرے میں سجا ہوا فرانسیسی طرز کا فرنیچر بھی مجھے بتا رہا تھا کہ میں اپنے اپارٹمنٹ میں نہیں ہوں۔ پھر گویا دھیرے

دھیرے دھیرے مجھے باتیں یاد آنا شروع ہوئیں اور میں نے بے اختیار ہنری میسنز کو پکارا، لیکن کوئی جواب نہ آیا۔

بالآخر میں اٹھ کھڑا ہوا لیکن اس کوشش میں منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ میرے پیٹ میں گرہیں سی پڑ رہی تھیں اور کھوپڑی گویا غبارے کی طرح ہلکی ہو کر ہوا میں تیر رہی تھی۔ آنکھوں کو کھلا رکھتے ہوئے میں نے گھڑی دیکھی۔ صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ ہنری میسنز نے مجھے جو آخری جام پلایا تھا شاید اسی نے میرا خانہ خراب کیا تھا۔

مجھے سامنے ایک بند دروازہ نظر آیا اور میں لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف چل دیا تاکہ ہنری میسنز کو تلاش کر کے اس سے پوچھ سکوں کہ آخر میری یہ حالت کیونکر ہوئی تھی۔ ناب گھما کر میں نے دروازہ کھولا تو اتنے لمبے چوڑے اور جھالروں والے ریشمی پردوں میں الجھ کر رہ گیا جو کئی پرانے بحری جہازوں کے بادبان تیار کرنے کے لیے کافی تھے۔

پردوں سے نکل کر میں کمرے میں پہنچا تو مجھے وہ لڑکی دکھائی دی۔ وہ جالی دار سائبان سے ڈھکے ہوئے اس بستر پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اس کے چہرے کا بیشتر حصہ اس کے سنہرے بالوں سے چھپا ہوا تھا لیکن یاقوتی ہونٹ اس انداز میں پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے جیسے ان پر آخری چیخ بھی ادھوری رہ گئی ہو۔ اس کے پیروں میں ابھی تک سنہرے سینڈل موجود تھے۔

میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں اب تک صرف دو لاشیں دیکھی تھیں لیکن اب یہ تعداد بڑھ کر تین لاشوں پر محیط ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ لڑکی مردہ تھی۔ میں جلدی سے اس کمرے سے نکل آیا اور گزشتہ رات کا خمار ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا۔

پہلے تو میں نے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ یہ سب کچھ ڈراؤنا خواب ہے۔ لیکن میرے شعور نے کچھ کھانے سے انکار کر دیا۔ بیڈ پر موجود لڑکی کی لاش حقیقی تھی۔ لیکن میں..... اسکاٹ لیئر ڈ نامی ایک شریف اور امن پسند امریکی نوجوان ایک لاش کے پاس کیا کر رہا تھا! قتل جیسے معاملات سے تو میرا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ میرا تو اس اپارٹمنٹ سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔

یہ میرے ایک شناسا ہنری میسنز کا اپارٹمنٹ تھا اور گزشتہ شب جب وہ مجھے یہاں لایا تھا تو یہاں کوئی لڑکی موجود نہیں تھی، یا کم از کم مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ اب مجھے یہ بھی صحیح طور پر یاد نہیں تھا کہ جب میں یہاں آیا تھا تو بیڈ روم کا دروازہ بند تھا یا کھلا؟ میں اپنی دانست میں زیادہ دیر یہاں نہیں رہا تھا۔ ہم یہاں بس ایک آدھ ڈرنک کے لیے آئے تھے۔

ڈرنک کا خیال آیا تو میرے ذہن میں کھٹکا سا ہوا۔ میں اس تپائی کے قریب پہنچا جس پر میرا گلاس ابھی تک رکھا ہوا تھا اور اس میں تھوڑی سی شراب بھی باقی تھی۔ شاید اس آخری ڈرنک میں کچھ ملایا گیا ہو۔ میں نے گلاس اٹھا کر سونگھا لیکن محض سونگھ کر کچھ معلوم کرنا بہت مشکل تھا جب کہ اس وقت میری ناک بھی ذہن ہی کی طرح نقرہ بنا ہوا محسوس ہو رہی تھی۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے جلدی سے گلاس تپائی پر رکھ دیا۔ دستک دوبارہ دی گئی۔ اس بار انداز بے تابانہ تھا۔ ساتھ ہی ایک مردانہ آواز سنائی دی "مس بنٹلے! کیا آپ اندر موجود ہیں؟"

میں اس وقت تک کسی سوال کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا جب تک خود مجھے چند سوالوں کے جوابات نہ مل جاتے۔ میں دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا کچن میں چلا گیا۔ باہر مس بنٹلے کو پکارنے والے کے لہجے میں اب اضطراب جھلک آیا تھا۔ میں جب تک کچن کے راستے عقبی دروازے پر پہنچا تب تک سامنے والے دروازے کے تالے میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ میں دروازہ کھول کر تیزی سے عقبی سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

دو منزلوں کی سیڑھیاں اتر کر میں نے اپنے آپ کو ایک راہداری میں پایا۔ دائیں طرف لانڈری روم تھا۔ میں نے بائیں طرف کا دروازہ کھولا تو سامنے انڈر گراؤنڈ گیراج نظر آیا۔ ایک شخص کو میں نے پمپ کے ذریعے ایک کار کو گریس دیتے دیکھا۔ میری آہٹ سن کر اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ میں اس کے سامنے سے گزر کر گیراج عبور کر کے عقبی گلی میں نکل آیا۔

میں گھوم کر سامنے والی گلی کی طرف چل دیا۔ راستے میں ایک جگہ رک کر میں نے اپنے 'اثاثے' کا جائزہ لیا۔ سگریٹ کا آدھا پیکٹ اور ایک ہفتے کی تنخواہ کا بیشتر حصہ میری جیب میں موجود تھا جو کچھ زیادہ نہیں تھا۔ ایک شپنگ کلرک کی تنخواہ ہی کیا ہوتی ہے۔

جس عمارت سے میں نکلا تھا وہ ایک پہاڑی پر واقع تھی۔ یہ مہنگے اور پُرتعیش اپارٹمنٹ پر مشتمل ایک بلند و بالا عمارت تھی جس کے سامنے درختوں سے گھری ہوئی خوبصورت سڑک بل کھاتی نشیب میں جا رہی تھی۔ یہ شمالی کیلیفورنیا کے آسودہ حال لوگوں کا علاقہ تھا۔ سڑک کے کنارے ایک درخت ہی کے نیچے میں نے گزشتہ شب اپنی کار پارک کی تھی، لیکن اب وہ جگہ خالی نظر آ رہی تھی۔ غالباً ہنری میسنز ہی میری کار بھی لے گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اسے کوسا اور نشیب کی طرف چل دیا۔

لاس اینجلس کے نواح کا یہ علاقہ مہنگے نائٹ کلبوں، اعلیٰ ریستورانوں، آرٹ گیلریوں اور اسی قبیل کی دیگر چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ اندرونِ شہر کا مجھ جیسا متوسط بلکہ نچلے طبقے کا نوجوان یہاں اجنبی سا لگ رہا تھا۔ ایک ٹیکسی رینگتی ہوئی میرے قریب سے گزری لیکن میں اسے نظر انداز کر کے بس اسٹاپ کی طرف بڑھ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو یاد رہ سکتا تھا کہ اس نے فلاں وقت فلاں حلیے کے آدمی کو یہاں سے ٹیکسی میں بٹھایا تھا جبکہ بس ڈرائیور کے لیے ایسی باتیں یاد رکھنا ممکن نہیں تھا۔ اور میں فی الحال بے شناخت ہی رہنا چاہتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کوئی مجھے یاد

رکھ سکے۔

بس کے انتظار کے دوران میں نے سائرن بجاتی ہوئی ایک پولیس کار کو سڑک کا موڑ کاٹتے دیکھا۔ وہ اسی عمارت کی طرف جا رہی تھی جس سے میں نکلا تھا۔ میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی لیکن پھر میں نے اپنے آپ کو تسلی دی کہ ایک بار اس علاقے سے نکلنے کے بعد میری پوزیشن صاف تھی۔ وہ اپارٹمنٹ ہنری میزرز کا تھا۔ لاش کی موجودگی کی وضاحت کرنا بھی اسی کی ذمے داری تھے، میری نہیں۔

میں ایک سگریٹ سلگانے لگا لیکن اسی لمحے مجھے ایک خیال آیا اور جلتی ہوئی تیلی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی — میں اس اپارٹمنٹ میں نہ جانے کتنی چیزوں پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ آیا تھا۔ یہ اس اپارٹمنٹ میں میری موجودگی کا ایک خطرناک ثبوت تھا۔

بس میں بیٹھ کر شہر واپس آتے وقت بھی میں کافی پریشان رہا۔ کل تک میں ایک خوش قسمت نوجوان تھا کہ مجھے کوئی پریشانی لاحق نہیں تھی۔ آج میں گردن تک اپنے آپ کو پریشانی کی دلدل میں دھنسا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

میں کھلنڈرا قسم کا آدمی تھا۔ کالج کے زمانے میں فٹ بال کا بہترین کھلاڑی رہا تھا۔ لڑکیاں لڑکے سبھی مجھے پسند کرتے تھے۔ پریشانیوں سے میرا کوئی خاص واسطہ نہیں رہا تھا چنانچہ ان سے نمٹنے کا بھی مجھے کوئی خاص تجربہ نہیں تھا۔ شپنگ کلرک والی ملازمت بھی میں عارضی طور پر کر رہا تھا۔ درحقیقت میں نے فوج میں کمیشن کے لیے درخواست دی ہوئی تھی اور جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

میں جب اپنے اپارٹمنٹ ہاؤس کے قریب پہنچا تو سورج خاصا سفر طے کر چکا تھا۔ یہ پرانی اور سال خوردہ عمارت اس عمارت سے بہت مختلف تھی جہاں سے میں آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ عمارت کے سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک کار کھڑی تھی جس میں دو آدمی موجود تھے۔ وہ یقیناً سادہ لباس میں پولیس والے تھے۔

میں سیڑھیاں چڑھ کر تیسری منزل پر پہنچا تو اچانک ہی میں نے اپنے اپارٹمنٹ سے ایک پولیس والے کو نکلتے دیکھا۔ میں یہ پوچھنے کے لیے نہیں رکا کہ وہ میرے اپارٹمنٹ میں کیا کر رہا ہے۔ بلکہ میں بقیہ سیڑھیاں بھی پھلانگتا ہوا مزید اوپر چڑھتا چلا گیا۔ سب سے اوپر کی منزل پر ایک لمحے کے لیے رک کر میں نے سیڑھیوں کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ان دو آدمیوں میں سے بھی ایک سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا جنہیں میں نے باہر کار میں دیکھا تھا۔

میں سیڑھیوں کا دروازہ کھول کر چھت پر آ گیا۔ دوڑ کر میں چھت کے کنارے تک پہنچا اور نیچے جھانک کر دیکھا۔ ہوا کی آمد و رفت کا نظام درست رکھنے والا صرف ایک پائپ چھت سے نیچے زمین تک جا رہا تھا اور عقبی دیوار سے جڑا ہوا تھا۔ میں نے تن بہ تقدیر ہو کر اس کے سہارے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ لیکن دو منزل نیچے اترنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ یہ تو فرار کا کوئی معقول راستہ نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ کار والا دوسرا آدمی عقبی گلی کی نگرانی کرنے کے لیے کونے پر آ کر چھپا کھڑا ہو۔

یہ عمارت دوسری عمارتوں کی نسبت زیادہ پرانی تھی — مجھ سے ذرا دور محرابی سی دو کھڑکیاں اور چھوٹی سی بالکونی نظر آ رہی تھی۔ میرے ہاتھ چھل چکے تھے۔ میں نے پائپ میں ایک جگہ پاؤں پھنسا کر اپنا رومال نکالا اور باری باری ہاتھوں سے رستا ہوا خون پونچھ کر رومال نیچے گلی میں پھینک دیا کہ شاید اسے پا کر پولیس والے سمجھیں کہ میں گلی میں اتر آیا تھا اور کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

پھر میں نے پنجوں کے بل اس بالکونی میں چھلانگ لگا دی۔ بالکونی ایسی سالخوردہ تھی کہ مجھے اندیشہ تھا، اس سمیت زمین پر نہ پہنچ جاؤں۔ لیکن صد شکر کہ وہ اپنی جگہ قائم رہی اور دو محرابی کھڑکیوں میں سے ایک مجھے کھلی ہوئی مل گئی جس کے راستے میں اندر چلا گیا۔

یہ اپارٹمنٹ میرے اپارٹمنٹ جیسا ہی تھا۔ نمایاں فرق یہ تھا کہ یہاں لکھنے پڑھنے کی میز اور موٹی موٹی کتابوں سے بھری ہوئی ایک الماری بھی موجود تھی۔ غسلخانے میں پانی گرنے کی آواز بتا رہی تھی کہ کوئی نہا رہا ہے موجود تھا۔ سامنے کرسی پر ایک مردانہ نیکر ٹنگی ہوئی تھی۔ میں اس کا سائز دیکھ کر اندازہ لگانے لگا کہ اس جسامت کے آدمی سے نمٹنے میں مجھے زیادہ دقت پیش نہیں آئے گی۔

دفعتاً باتھ روم کا دروازہ کھلا لیکن میرا ہاتھ وار کرنے کے لیے اٹھا کا اٹھا ہی رہ گیا کیونکہ میرے سامنے باتھنگ گاؤن میں ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ اس وقت شبنم سے دھلے ہوئے پھول کی طرح تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔ وہ متناسب جسم اور دلکش چہرے کی مالک تھی۔ قد و قامت کے لحاظ سے ذرا مختصر تھی لیکن چہرے کی ساخت سے ارادے کی پختگی معلوم ہوتی تھی۔

میرا خیال تھا کہ اس کے حلق سے بے اختیار چیخ نکلے گی لیکن اس نے ایک ٹک میری طرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔ بالآخر اسی نے سکوت توڑا "تم میرے اپارٹمنٹ میں کیا کر رہے ہو؟"

کوئی برمزاح جواب دینے کے لیے یہ ایک نادر موقع تھا لیکن افسوس کہ مجھے ایسا کوئی جواب نہیں سوجھا۔ نہایت احمقانہ انداز میں میں نے کہا "شور شرابا مت کرنا خاتون! تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

اس نے میری دھمکی کو گویا کوئی اہمیت نہیں دی اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مجھ سے اجازت لیے بغیر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی لیکن غنیمت رہا کہ اس نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کرنے یا شور مچانے کی کوشش نہیں کی۔ چند لمحے بعد وہ مردانہ لباس میں میرے سامنے تھی۔ کالج کے زمانے سے اب تک مجھے

بہت سی لڑکیوں سے واسطہ پڑا تھا اور میں اپنے آپ کو ان کی درجہ بندی کرنے میں خاصا ماہر سمجھتا تھا لیکن یہ لڑکی میری تمام درجہ بندیوں سے بالاتر نظر آ رہی تھی۔

"ہاں تو اب بتاؤ کیا بات ہے؟" وہ ایک ادائے بے نیازی سے سر جھٹک کر بولی۔

"میں یہ عذر لنگ بھی پیش کر سکتا ہوں کہ میں غلطی سے تمہارے اپارٹمنٹ میں آ گیا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ بلاشبہ ایک عقل مندانہ فیصلہ ہے۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"ایک پولیس والا میرے اپارٹمنٹ میں گھسا ہوا ہے... میرا اپارٹمنٹ اسی بلڈنگ میں تیسری منزل پر ہے... مزید چند پولیس والے اگلی اور پچھلی گلی میں موجود ہیں۔ وہ سب میری گردن دبوچنے کی فکر میں ہیں۔" میں نے اسے بتایا۔

"تم خاصے صاف گو مجرم واقع ہوئے ہو۔" وہ بولی "تمہارا نام اسکاٹ لیٹرڈ ہے۔ پولیس تمہارے بارے میں پہلے ہی یہاں سے پوچھ گچھ کر کے جا چکی ہے۔ شاید وہ پوری عمارت ہی کے مکینوں سے سوال جواب کر رہے ہیں۔"

پھر اس نے یوں میرا سرتاپا جائزہ لیا گویا کوئی عرب شیخ گھوڑا خریدنے سے پہلے اس کا معائنہ کر رہا ہو پھر وہ مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی "حلیہ بھی انہوں نے بالکل صحیح بتایا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے یہ نشانی بھی بتائی تھی کہ اس کے ہونٹوں پر ہر وقت ضرورت سے زیادہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔"

میرا حلیہ پولیس والوں کو یقیناً عمارت میں صفائی کرنے والی عورت نے بتایا ہوگا۔ اسی کو دیکھ کر میں ضرورت سے زیادہ مسکرایا کرتا تھا لیکن آپ غلط مت سمجھیے گا۔ میرا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ وہ میرے کپڑے وغیرہ تہ خانے کے لانڈری روم سے ذرا جلدی دھو کر لا دیا کرے۔

"انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس وقت تم اسپورٹس کوٹ اور خاکی سی پینٹ میں ہو۔" لڑکی بولی۔ "یہ بات پولیس والوں کو یقیناً اس دوسری عمارت کے انڈر گراؤنڈ گیراج میں کام کرنے والے آدمی سے معلوم ہوئی ہوگی جس کے سامنے سے گزر کر میں گلی میں پہنچا تھا۔

"انہیں میرا درست حلیہ ضرور معلوم ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں واقعی مجرم ہوں۔" میں نے کہا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ تم مفرور ہو۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔ اس کے دلکش جیسے لہجے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

"شاید مجھے مفرور قرار دیا جا سکے۔" میں نے قدرے ناگواری سے کہا۔ "لیکن میں دراصل ہنری میئرز نامی ایک نوجوان کی تلاش میں ہوں۔ اس کے ملتے ہی یہ معما حل ہو جائے گا جس میں میں الجھ کر رہ گیا ہوں... اور ہاں... تم کم از کم اپنا نام تو مجھے بتا سکتی ہو؟"

"مس جوزفین فیرک۔" اس نے اپنے مخصوص سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "میں جہاں تک سمجھ پائی ہوں اس کے مطابق پولیس کو ایک لڑکی کے قتل کے سلسلے میں تمہاری تلاش ہے۔ تمہارے پاس اپنے دفاع کے لیے کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بلا تامل جواب دیا۔ "مجھے اپنے دفاع کی ضرورت ہی نہیں اور اگر ضرورت پڑی بھی تو میں کسی وکیل کی خدمات حاصل کروں گا۔"

"تمہیں وکیل کی خدمات میسر آ چکی ہیں مسٹر اسکاٹ لیٹرڈ!" اس نے اپنے ہاتھ بغلوں میں دباتے ہوئے نہایت اطمینان سے کہا۔ "میں نے حال ہی میں اٹارنی ایٹ لاء کا امتحان پاس کیا ہے اور چند روز قبل ہی مجھے پریکٹس کرنے کا اجازت نامہ ملا ہے۔ میں نے نہانے کے دوران ہی باتھ روم کے دروازے کی جھری سے تمہیں دیکھ لیا تھا اور اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ تم میرے پہلے مؤکل ہو گے... میں ہوں تمہاری وکیل۔" اس نے بڑے مخمور انداز میں سینہ ٹھونکتے ہوئے آخری جملہ ادا کیا گویا مجھے کسی اعزاز سے نواز رہی ہو۔

"نہیں... نہیں...!" میں بے ساختہ تقریباً چلا اٹھا۔ "میں اپنا وکیل خود منتخب کروں گا اور وہ کوئی عورت نہیں ہوگی۔"

یہ سن کر گویا اس کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ دونوں مٹھیاں بھینچ کر وہ اٹھی اور مجھ پر جھک کر گھونسا لہراتے ہوئے بولی "میرے سامنے یہ مردوں کا مخصوص احساس برتری جتانے کی کوشش مت کرنا۔ میں کسی مرد وکیل سے کم نہیں ہوں۔ میں بھی اتنی ہی اہلیت کی مالک ہوں۔ بار کی معزز رکن ہوں۔ آئندہ کے لیے تم یہ خیال ذہن سے نکال دو کہ میں ایک عورت ہوں۔"

"یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔ "تمہیں مردانہ لباس میں دیکھ کر زیادہ شدت سے اور بار بار یہ خیال آتا ہے کہ تم ایک عورت ہو۔"

لیکن وہ گویا میرے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ "تمہارے لیے میری خدمات حاصل کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ اگر میں ابھی اس اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول دوں..."

اسے جملہ مکمل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کی دھمکی کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ ویسے ایک ٹھیک ٹھاک قسم کی لڑکی اگر خود کو میری وکیل مقرر کرنے پر تلی ہوئی تھی تو میرا اس میں کوئی نقصان بھی نہیں تھا۔ کم از کم اس وقت تک تو اس کی خدمات میرے لیے مفید ہی ثابت ہو سکتی تھیں جب تک میں ہنری میئرز کو تلاش نہ کر لیتا۔ ایک بار میں اس کی زبان کھلوا لیتا تو پھر مجھے وکیل کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

مس جوزفین فیسرک کو اندازہ ہو گیا کہ میں ہتھیار ڈال چکا ہوں تو وہ خالص وکیلوں والے انداز میں کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولی۔ "سب سے پہلے تم مجھے وہ سب کچھ بتا دو جو تمہیں اس لڑکی کی موت کے سلسلے میں معلوم ہے۔"

اس سوال کا جواب دینے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی کیونکہ مجھے کچھ زیادہ معلوم ہی نہیں تھا۔ میں خاموش ہوا تو وہ بولی۔ "اور اب مجھے ہنری میسرز کے بارے میں بتاؤ۔"

ہنری میسرز کے بارے میں بتانے میں کچھ دیر لگی۔ میں نے اُسے بتایا کہ ہنری میسرز، یونیورسٹی میں میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ وہ ایک دبلا پتلا سا امیرزادہ تھا۔ نئے ماڈل کی جیگوار میں آتا تھا۔ عام طور پر وہ بڑے عجیب عجیب اور پُراسرار سے باریش نوجوانوں کے ساتھ نظر آتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مجھ جیسے نوجوانوں سے بھی دوستی رکھنا پسند کرتا تھا جو فٹ بال کے اچھے کھلاڑی ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی میں ہیرو کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ اسے جب معلوم ہوا کہ گرمیوں کے دوران مجھے ملازمت کی ضرورت ہے تو اس نے یہاں لاس اینجلس..... میں اپنے باپ کی فیکٹری میں مجھے ملازمت دلوا دی۔ اس فیکٹری میں انجینئرنگ وغیرہ کا سامان تیار ہوتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ تمہارا قریبی اور گہرا دوست نہیں ہے۔" جوزفین بولی۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "دو ایک مرتبہ ہم اکٹھے سیر و تفریح کے لیے گئے ہیں۔ وہ خود بھی اپنے باپ کی فیکٹری میں کچھ کام کر رہا تھا۔ کل وہ کام پر آیا تو اس کے پاس کار نہیں تھی، میں اسے اپنی کار میں 'فل مون' لے گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی تفریح گاہ ہے جس کا مجھے علم ہے۔ اس کے بعد ہم شہر کے نواح میں واقع ایک پرائیویٹ کلب میں گئے۔ پھر اس نے کہا کہ وہ اپنے اپارٹمنٹ جانا چاہتا ہے۔"

"تم نے اس دوران کتنی پی تھی؟" اس نے وکیلوں والے پیشہ ورانہ لہجے میں پوچھا۔

"دو جام 'فل مون' میں پیے تھے۔ بنگیگوئن کالونی میں ایک اور پیا۔ یہ اس پرائیویٹ کلب کا نام ہے جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔ اس کے بعد اپارٹمنٹ میں آ کر بھی میں نے دو جام پیے۔ آخری جام میں ضرور کچھ ملا ہوا تھا۔"

اس نے مزید چند لمحے چہل قدمی کی پھر ٹیبل کلاک میں وقت دیکھا اور ٹی وی آن کرتے ہوئے بولی۔ "خبروں کا وقت ہو رہا ہے، شاید ہمیں کیس کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہو سکیں۔"

خبروں میں لڑکی کے قتل کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ اس کا تذکرہ موسم کی رپورٹ کے بھی بعد میں آیا۔ "آج صبح مغربی لاس اینجلس کے علاقے میں ایک نوجوان عورت اپنے اپارٹمنٹ میں مردہ پائی گئی...."

"عورت کا اپارٹمنٹ!" میں چلّا اٹھا۔ "لیکن ہنری میسرز نے تو مجھے بتایا تھا کہ وہ اس کا اپارٹمنٹ ہے!"

ٹی وی نیوز کاسٹر کہہ رہی تھی۔ "..... مقتولہ کو کرٹ بنٹلے کے نام سے شناخت کیا گیا ہے۔ وہ ایک مقامی نائٹ کلب میں ڈانسر تھی...."

اب مجھے یاد آیا کہ کرٹ بنٹلے میرے لیے مکمل طور پر اجنبی بھی نہیں تھی۔ گزشتہ رات ہنری میسرز ہی نے تو مجھے پرائیویٹ کلب 'بنگیگوئن کالونی' میں اس سے متعارف کرایا تھا۔ لیکن مردہ حالت میں میں اس کا چہرہ صحیح طور پر نہیں دیکھ سکا تھا۔

نیوز کاسٹر نے مزید بتایا کہ کرٹ بنٹلے کے کاروباری ایجنٹ نے فون پر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن جب کسی نے فون نہیں اٹھایا تو اسے تشویش ہوئی اور اس نے عمارت کے منیجر کو فون کر کے کرٹ کے بارے میں پتا کرنے کے لیے کہا جو بالآخر اپنی ڈپلیکیٹ چابی کے ذریعے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا اور اسے وہاں کرٹ کی لاش ملی۔ پولیس کو ایک مشکوک نوجوان کی تلاش تھی جسے اپارٹمنٹ ہاؤس سے نکلتے دیکھا گیا تھا۔ جائے واردات کے قریب ہی ایک لاوارث کار بھی کھڑی ملی تھی۔ نیوز کاسٹر کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میری پرانی سی شیورلیٹ اسکرین پر نمودار ہوئی جس کے قریب ایک باوردی سپاہی موجود تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ کار وہاں نہیں کھڑی تھی جہاں میں نے اسے پارک کیا تھا۔

"اب مجھے اس بات پر حیرت نہیں رہی کہ انہوں نے اتنی جلدی میرا سراغ کیونکر پا لیا۔" میں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "پولیس والوں کو میرا نام پتا وغیرہ میری کار کی رجسٹریشن بک سے مل گیا ہو گا۔"

نیوز کاسٹر نے دوسری خبریں شروع کیں تو جوزفین ٹی وی بند کرتے ہوئے بولی۔ "یہ کیس اتنا سیدھا سادہ بھی نہیں جتنا میں سمجھ رہی تھی۔ خیر... تم یہ بتاؤ کہ ہنری میسرز کے ساتھ تمہیں اور کہاں کہاں جانے کا اتفاق ہوا تھا؟"

میں نے اُسے ایک تفریح گاہ 'لائف لائن' کے بارے میں بتایا جو ساحل کے قریب واقع تھی۔ وہاں زیادہ تر ویسے ہی لوگ آتے تھے جیسے ہنری کے ساتھ یونیورسٹی میں نظر آتے تھے۔ میں نے ان میں سے کسی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی البتہ اس چھوٹے سے پرائیویٹ کلب کے مالک کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔

"وہ شخص پکا بدمعاش معلوم ہوتا تھا۔" میں نے کہا۔ "اس کا وزن کم از کم تین سو پونڈ ہو گا۔ جھاڑ جھنکاڑ داڑھی اور بڑی سی توند تھی۔ اسے غالباً یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ میں

ہنری میسز کا بہت قریبی اور گہرا دوست ہوں اس لیے اس نے بڑی بے تکلفی سے مجھ سے باتیں شروع کر دی تھیں۔ اسے جب معلوم ہوا کہ میں فوج میں جا رہا ہوں تو وہ فوراً بولا کہ فوجی آفیسر کے طور پر تو میں انقلابی مقاصد کے لیے بہت کار آمد ثابت ہو سکتا ہوں۔"

جوزفین کی آنکھیں قدرے پھیل گئیں "تمہارا مطلب ہے کمیونسٹوں کے انقلابی مقاصد۔۔۔؟"

"ظاہر ہے یہی مراد تھی اس کی۔" میں نے کندھے اچکا کر کہا۔ "بات جب میری سمجھ میں آئی تو میں نے اسے برا بھلا کہا۔ بات بڑھ گئی۔ میں نے اس کے جبڑے پر گھونسا رسید کر دیا۔ وہ کسی بھینسے سے کم نہیں تھا۔۔۔ پھر دوسرے لوگ بھی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے میری اچھی خاصی پٹائی کر دی۔ میں واپس گھر آ گیا۔۔۔ لیکن اس جھگڑے سے پہلے اس بن مانس نے مجھے ایک کارڈ دیا تھا۔" میں نے پرس سے وہ کارڈ نکال کر جوزفین کو دکھایا۔

کارڈ تقریباً سادہ ہی تھا۔ صرف ایک کونے پر ہاتھ سے ایک ٹیلیفون نمبر گھسیٹا گیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر نمبر بدر رکھے ہوئے فون پر وہ نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگایا۔ پہلے گویا بہت دور کہیں مدھم سی گھنٹی بجی پھر کلک کی ہلکی سی آواز کے بعد ایک مردانہ آواز سنائی دینے لگی جو بلاشبہ ریکارڈ شدہ تھی۔ "امریکیو! جاگو۔۔۔ خوابِ غفلت سے آنکھیں کھولو۔ تمہیں ایک بے مقصد اور احمقانہ عالمی جنگ میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ تمہارے بیٹوں اور بھائیوں کو سیاسی لالچ کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں امریکی فوجی دستے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔ وہ معصوم لوگ جن کا واحد جرم یہ ہے کہ وہ اپنے ملکوں میں سماجی اور سیاسی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں — جاگو امریکیو جاگو۔۔۔!"

میں نے ریسیور جوزفین کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے ناگوار سے چند لمحے وہی پیغام سنا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"مجھے تمہاری بات کا یقین آ گیا۔" وہ دوبارہ چہل قدمی شروع کرتے ہوئے بولی۔ پھر گویا اسے کوئی خیال آیا اور وہ رک کر بولی۔ "تم نے بتایا تھا کہ تم انجینئرنگ کا سامان تیار کرنے والی فیکٹری میں کام کرتے ہو۔ کیا اس فیکٹری میں سرکاری کام بھی ہوتے ہیں؟"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "سرکاری کام تو وہاں ہوتے ہیں لیکن میری اس کمپنی میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں تو شہر میں واقع ان کے ایک گودام پر ہوتا ہوں اور معمولی سا شپنگ کلرک ہوں۔ کبھی کبھار میں ڈلیوری لے کر پلانٹ پر جاتا ہوں تب بھی مجھے اندر جانے کا موقع نہیں ملتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ حکومت کے لیے وہاں کیا تیار ہوتا ہے۔"

"بہرحال ہم اس زاویے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔" وہ پُرخیال انداز میں انگلیوں سے میز کو کھٹکھٹاتے ہوئے بولی۔ "لیکن سردست ہمارے لیے ہنری میسز کو تلاش کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔"

میں نے ڈائریکٹری میں ہنری کا فون نمبر تلاش کر کے ڈائل کیا لیکن رابطہ قائم ہونے سے پہلے جوزفین نے ریسیور میرے ہاتھ سے لے لیا۔ "تمہاری وکیل ہونے کی حیثیت سے پہلے میں بات کروں گی۔"

اس نے کسی سے بات کی لیکن جلد ہی ریسیور رکھ دیا اور میری طرف مڑتے ہوئے بولی۔ "ہنری گھر پر نہیں ہے۔ کوئی نوکر بول رہا تھا جس کا لہجہ غیر ملکیوں والا تھا۔" پھر وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔ "فی الحال تو بہتر یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟" میں اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہو!"

"وکیل ایک طرح سے قانون کا نمائندہ بھی ہوتا ہے۔ اپنے مؤکل کی حیثیت سے میں تمہیں مفرور رہنے کی مزید اجازت نہیں دے سکتی۔"

"مجھے اب تم اپنا سابق مؤکل ہی سمجھو۔" میں نے کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ادھر اُدھر بھاگے پھرو گے تو پولیس تمہیں شوٹ کر دے گی۔" اس نے خبردار کیا۔

"یہ خطرہ مجھے مول لینا ہی پڑے گا۔" میں نے بالکونی میں نکلتے ہوئے کہا۔ "تم صرف پانچ منٹ کے لیے اپنے قانون پسند ضمیر کو خاموش رکھنا۔"

میں واقعی بالکونی سے نیچے ایک ٹانگ لٹکانے لگا تو وہ قدرے شکست خوردہ سے لہجے میں بولی۔ "اچھا میں پولیس کو اطلاع نہیں دوں گی۔ واپس آ جاؤ۔"

مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے ضمیر پر بوجھ ڈال کر یہ فیصلہ کر رہی تھی۔ میں نے کمرے میں واپس آتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ضمیر کی تسلی کے لیے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہنری میسز کو تلاش کرنے کے بعد اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

وہ قدرے مطمئن نظر آنے لگی اور بولی۔ "ان کپڑوں میں تو تم باہر نہیں جا سکتے۔ فی الحال صوفے پر سو جاؤ۔ پھر کچھ کریں گے۔"

"فی الحال میں سونے کے لیے اتنا بے تاب نہیں ہوں۔" میں

نے پرس سے کچھ رقم نکالتے ہوئے ہوئے کہا: "تم میرے لیے ذرا زحمت کرو۔ کسی دکان سے میرے سائز کا ایک سستا سا سوٹ اور ہیٹ لا دو۔ تب تک میں باتھ روم میں ذرا اپنا حلیہ درست کر لوں۔"

آدھے گھنٹے بعد میں اپنا حلیہ درست کر چکا تھا اور جوزفین میرے لیے سوٹ اور ہیٹ لا چکی تھی۔ غسل کی وجہ سے تازہ دم ہونے اور نیا لباس پہننے کے بعد میں نے اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کیا۔ میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "تمہارے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ میں تم سے رابطہ رکھوں گا۔"

وہ چند لمحے ہونٹ بھینچے غصیلی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی: "اکیلے باہر جاؤ گے تو جلد ہی پولیس کے ہتھے چڑھ جاؤ گے۔ ہم ایک جوڑے کی طرح نکلیں گے تو پولیس زیادہ توجہ نہیں دے گی۔ اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ میرے پاس کار ہے۔"

سواری کا مسئلہ واقعی توجہ طلب تھا۔ لاس اینجلس میں کار کے بغیر — آدمی تقریباً ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ٹانگوں کے بغیر — ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا: "ٹھیک ہے۔ لیکن تم میرے راستے کی رکاوٹ بننے کی کوشش نہیں کرو گی۔ یاد رہے کہ مجھے ہر حال میں ہنری میزز کو تلاش کرنا ہے۔"

عمارت سے نکل کر ہم بہ خیر و عافیت فٹ پاتھ تک پہنچ گئے گو کہ سامنے ہی پولیس کی ایک گاڑی کھڑی نظر آ رہی تھی۔ جوزفین کی کار گلی کے کونے پر کھڑی تھی۔ میں لپک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے برا سا منہ بنا کر چابیاں میری طرف بڑھا دیں۔ کچھ دیر تک میں خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ میں فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ قتل ہونے والی کٹ نٹلے، پینگوئن کالونی میں ڈانسر تھی اور ہنری نے مجھے وہیں اس سے متعارف کرایا تھا۔ ہنری کی تلاش کا آغاز وہیں سے کیا جا سکتا تھا۔ جوزفین بالکل خاموش اور اکڑی ہوئی سی بیٹھی تھی۔

ہم تقریباً چھ بجے پینگوئن کالونی پہنچے۔ ابھی کلب صحیح طور پر کھلا بھی نہیں تھا۔ دربان بھی نہیں آیا تھا۔ ہم بار کے چمکتے دمکتے کاؤنٹر پر پہنچے تو وہاں صرف دو آدمی بیٹھے نظر آئے۔ ان میں سے ایک باوردی بارٹینڈر تھا۔ میں صحیح طور پر پہچان نہیں سکا کہ یہ کل والا ہی بارٹینڈر تھا یا کوئی دوسرا تھا۔

"دو مارٹینی"، میں نے جوزفین سے اس کی پسند معلوم کیے بغیر ڈرنکس کا آرڈر دیا اور گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ یہ ایک پرائیویٹ کلب تھا لیکن بار اور ریستوران عام لوگوں کے لیے بھی کھلا رہتا تھا۔ باقی حصوں میں صرف ممبروں کو جانے کی اجازت تھی۔ کاؤنٹر کے دوسرے سرے سے چند قدم آگے ایک محرابی سا دروازہ نظر آ رہا تھا جیسے کسی غار سے مشابہت دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس دروازے کے دوسری طرف ڈائننگ روم نظر آ رہا تھا۔ تمام میزیں خالی پڑی تھیں۔

اب جب کہ میں یہاں آ کر بیٹھ چکا تھا تو اپنے آپ کو پریشان اور مضطرب محسوس کر رہا تھا۔ میں کسی سے کیا پوچھنا؟ یہ اس قسم کی جگہ نہیں تھی جہاں ملازمین گاہکوں سے ضرورت سے زیادہ بات کرتے ہیں۔ ابھی میں فیصلہ کرنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ ایک باوردی ویٹر میرے قریب آن کھڑا ہوا اور دھیمی آواز میں بولا: "مسٹر ہنری میزز آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

میرے دل نے زقند سی لگائی۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ میں اسٹول سے اترا تو ویٹر گویا بطور خاص بولا: "انہوں نے صرف آپ کو بلایا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے معذرت خواہانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ جوزفین کی طرف دیکھا اور ویٹر کے پیچھے چل پڑا۔ ڈائننگ روم کو عبور کر کے وہ ایک گوشے میں پہنچا۔ سامنے لکڑی کا مضبوط اور بھاری بھرکم سا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ ویٹر نے دروازے میں بنی ہوئی پتلی سی درز میں ایک کارڈ ڈالا اور کلک کلک کی آوازوں کے ساتھ ایک لمحے کے لیے گویا دروازے کے اندر کوئی میکنزم حرکت میں آ گیا۔ اس کے بعد دروازہ محض ویٹر کے اشارے سے کھل گیا۔

سفید قالین سے ڈھکی ہوئی ایک راہداری سے گزرتے وقت میں نے دونوں طرف کمروں کے نیم وا دروازے دیکھے جن میں جوئے کی میزیں سجی ہوئی تھیں جو اس وقت خالی تھیں۔ راہداری کے اختتام پر واقع دروازے پر رک کر ویٹر نے دستک دی۔ اس نے ایک لمحے کا انتظار کیا۔ پھر ہلکے سے ایک بزر کی آواز سنائی دی۔ تب اس نے دروازے کو ہولے سے دھکیلا۔

اس کے پیچھے پیچھے میں جس کمرے میں داخل ہوا وہ ایک آراستہ و پیراستہ دفتر تھا۔ دروازہ میرے عقب میں بند ہو گیا۔ کمرے میں دو آدمی موجود تھے۔ ایک کے جثے بلڈاگ جیسے تھے۔ وہ دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ دوسرا میز کے عقب میں بیٹھا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی ہنری میزز نہیں تھا۔

میز کے عقب میں بیٹھا ہوا شخص گویا قالین میں دھنسا ہوا تھا۔ صرف اس کی گنجی کھوپڑی اور کالر نظر آ رہا تھا۔ وہ نہایت ملائم اور شیریں لہجے میں بولا: "میرا نام ڈیوڈ لاٹ ہے۔ میں اس کلب کا مالک ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی یہ جان کر۔" میں نے کہا: "ہنری میزز کہاں ہے؟"

"ہاں ۔ یہ بہت اچھا سوال ہے۔" وہ اٹھ کر میز کے عقب سے گھوم کر سامنے آگیا۔ اس کے کلب میں ویٹرس اور دوسری لڑکیاں پینگوئن جیسا کاسٹیوم پہنتی تھیں لیکن وہ خود بغیر کاسٹیوم کے ہی پینگوئن نظر آرہا تھا۔

وہ میز کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ "لیکن فی الحال ہنری میسرز زیادہ اہم نہیں ہے۔ اصل اہمیت اس سوال کی ہے کہ وہ اقرار نامے کہاں ہیں جو کلب کا قرض ادا کرنے کے سلسلے میں لکھے گئے تھے؟"

اس سوال نے ایک لمحے کے لیے میری سٹی گم کردی۔ اگر میں فوراً ہی لاعلمی کا اظہار کردیتا تو شاید ڈیوڈ یہیں بات ختم کردیتا۔ جب کہ میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وقت گزاری کے لیے میں نے ایک سگریٹ سلگائی اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ "فرض کرو میں کہتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم تم کن اقرار ناموں کی بات کررہے ہو؟"

"تو پھر میں تمہیں جھوٹا قرار دینے پر مجبور ہوجاؤں گا۔" وہ بلا تامل بولا۔ اس دوران میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو نہیں لیکن محسوس کیا کہ بھاری جبڑوں والا ویٹر سے ہٹ کر میرے عقب میں آکھڑا ہوا تھا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد میں نے کہا۔ "مجھے واقعی نہیں معلوم کہ یہ کون سے اقرار ناموں کا ذکر ہے اور وہ کہاں ہیں؟"

ڈیوڈ لاٹ نے متاسفانہ سے انداز میں پلکیں جھپکائیں اور اداس سے لہجے میں بولا۔ "تم تینوں نے اس معاملے کو شروع سے ہی الجھا دیا ہے۔ مجھے کافی عرصے سے معلوم تھا کہ کرٹ میرے ساتھ دھوکا کررہی ہے۔ وہ میری گرل فرینڈ تھی لیکن مجھے معلوم تھا کہ اس نے اپنے اپارٹمنٹ کی ایک چابی ہنری میسرز کو بھی دے رکھی ہے۔ میں نے اس بات کو بھی نظر انداز کردیا کیونکہ میری کم از کم تیس ہزار ڈالر کی رقم داؤ پر لگی ہوئی تھی اور کرٹ جیسی لڑکیاں اس سے کہیں سستی ہوتی ہیں۔ لیکن پھر کرٹ کا حوصلہ کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا اور اس نے آخری حدود بھی پار کرلیں۔ اس نے میری تجوری سے اقرار نامے چوری کرلیے۔"

کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آرہی تھی۔ ہنری یقیناً اس کلب میں جوا کھیلتا رہا تھا اور کلب کا بہت زیادہ مقروض ہوگیا تھا۔ اس قسم کے کلب عموماً امیر زادوں کے لکھے ہوئے ایسے اقرار نامے قبول کرلیتے ہیں جن میں وعدہ کیا گیا ہوتا ہے کہ وہ اتنے عرصے میں رقم ادا کردیں گے۔ ہنری نے بھی یقیناً ایسے بہت سے اقرار نامے لکھ کر دیے تھے۔ پھر وہ ڈیوڈ کی گرل فرینڈ کے چکر میں بھی پھنس گیا تھا اور اس نے غالباً ہنری کی محبت میں آکر اس کے اقرار نامے ڈیوڈ کی تجوری سے چرا لیے تھے اور اس دوران مجھے کرٹ کے اپارٹمنٹ میں بے ہوش کرکے صوفے پر ڈال دیا گیا تھا اور کرٹ کو قتل کردیا گیا تھا۔ اس زنجیر کی کڑیاں ابھی غائب تھیں۔

میں نے قالین سے نظر اٹھا کر ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے اس معاملے میں کس طرح ملوث سمجھ رہے ہو؟"

"بہت سیدھی سادی وجہ کی بنا پر۔" وہ دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے ایک بارٹینڈر نے کل تم تینوں کو کاؤنٹر پر بیٹھا دیکھا تھا۔ اسی نے ہمیں اطلاع بھجوائی کہ تم آج پھر یہاں نظر آرہے ہو۔ کل تم کرٹ کے اپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ پولیس میں میرے اتنے تعلقات ضرور ہیں کہ میں نے اس معاملے کی تشہیر سے پہلے ہی تمہارا حلیہ اور نام وغیرہ معلوم کرلیا تھا۔ تمہارا نام اسکاٹ لیزرڈ ہے۔"

میں نے ایک بار پھر بھاری جبڑوں والے کو اپنے عقب میں حرکت کرتے محسوس کیا۔ میرے پیٹ میں کھد بد سی ہونے لگی۔ مجھے معلوم تھا کہ ڈیوڈ اس معاملے سے میری لاتعلقی کو تسلیم نہیں کرے گا۔ میں نے کمزور سے لہجے میں کہا۔ "ان اقرار ناموں کے بدلے مجھے کیا ملے گا؟"

"نئی زندگی۔" ڈیوڈ نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔ اس کے الفاظ میں جو دھمکی پوشیدہ تھی وہ اسے عملی جامہ پہنانے کا پوری طرح اہل تھا۔ میں نے زیادہ تیز و طرار بننے کی کوشش میں یہاں آکر اپنے آپ کو موت کے چنگل میں پھنسا لیا تھا۔

میں نے ایک بار پھر محتاط لہجے میں کہا۔ "میں نے ان اقرار ناموں کو دیکھا تک نہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔ ممکن ہے کرٹ نے ہنری کو بھی ڈبل کراس کیا ہو اور اقرار نامے وہ اپنے اپارٹمنٹ میں لائی ہی نہ ہو؟"

ڈیوڈ نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کل شام تک وہ اقرار نامے میری تجوری میں موجود تھے۔ کلب بند ہونے کے بعد میں کرٹ کو چھوڑنے اس کے اپارٹمنٹ تک گیا تھا۔ راستے میں ہم کہیں نہیں رکے۔" پھر وہ یک دم میز پر جھکتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کرٹ کو تم نے قتل کیا ہے یا ہنری میسرز نے۔ میں تمہیں آج رات بارہ بجے تک کا وقت دے رہا ہوں۔ اس وقت تک اقرار نامے مجھے پہنچا دو۔ ورنہ۔" اس نے جملہ مکمل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن اسی لمحے ہاتھ سے خفیف سا اشارہ کیا۔

میں نے جھکائی دے کر بچنے کی کوشش کی لیکن مجھے تاخیر ہوچکی تھی۔ ایک ریوالور کا دستہ میری کنپٹی سے ٹکرایا اور میں گھٹنوں کے بل گر گیا۔ ابھی میں اپنی آنکھوں کے سامنے نمودار ہونے والے

لال نیلے جالے صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ بارہ نمبر کے بوٹ کی ٹھوکر پسلیوں پر پڑی اور میں چت ہو گیا۔ ان دونوں کے چہرے مجھے چھت کے قریب تیرتے ہوئے نظر آئے۔

"یہ نمونہ تمہیں صرف یہ یقین دلانے کے لیے پیش کیا گیا ہے کہ ہم خالی خولی دھمکیاں نہیں دیتے۔" ڈیوڈ بولا۔ میں نے بھاری جبڑوں والے کو پاؤں پیچھے ہٹاتے دیکھا۔ وہ دوسری ٹھوکر مارنے لگا تھا مگر ڈیوڈ نے اسے روک دیا۔ "نہیں۔ ہمیں مسٹر اسکاٹ ..... کو کم از کم آدھی رات تک کے لیے آمد و رفت کے قابل چھوڑنا ہے۔ اب انہیں باہر پہنچا دو۔"

میری آنکھوں کے سامنے سے دھند چھٹنے لگی تھی۔ بھاری جبڑوں والے نے ایک جھٹکے سے مجھے اٹھا کر کھڑا کیا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ میں کنپٹی سہلاتا اور لڑکھڑاتا ہوا اس کے پیچھے چل دیا۔ اب جوابی کارروائی کی کوشش کرنا دوبارہ، شد و مد سے اپنی شامت کو آواز دینے والی بات تھی کیونکہ بھاری جبڑوں والا اس چار دیواری میں یقیناً تنہا نہیں تھا۔ اس نے مجھے ڈائننگ روم میں دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

میں بار کے کاؤنٹر پر پہنچا۔ وہاں اب تک بہت سے گاہک آ چکے تھے اور میرے علاوہ غالباً ہر ایک وہاں لطف اندوز ہو رہا تھا۔ مس جوزفین فیئرک اس ماحول میں اجنبی اجنبی سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا مارٹینی کا گلاس اس کے سامنے جوں کا توں رکھا تھا۔ وہ میں نے اٹھا کر حلق میں انڈیل لیا۔ میں ابھی مزید پی سکتا تھا لیکن میں اپنے متوقع قاتلوں کی آمدنی میں اضافہ کرنا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

"آؤ... بھیڑیوں کی اس کچھار سے نکل چلیں۔" میں نے جوزفین سے کہا اور اسے ساتھ لے کر دروازے کی طرف چل دیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر میں نے اسٹیئرنگ وہیل سنبھالا تو جوزفین چونکتے ہوئے بولی۔ "تمہارا سر تو زخمی معلوم ہو رہا ہے۔"

"سر تو ٹھیک ہو جائے گا بشرطیکہ زندہ رہنے کی مہلت ملی۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور چند منٹ اسے الجھن میں ہی مبتلا رہنے دیا۔ کلب سے کافی دور نکل آنے کے بعد میں نے اسے وہ سب کچھ بتایا جو میرے علم میں آیا تھا۔

"یہ سارا کھیل ہی ڈبل کراس کا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "ہنری میزرز نے اقرار نامے چوری کرانے کے لیے کٹ کو پھانسا اور پھر اسے قتل کر دیا۔ مجھے اس اپارٹمنٹ میں لے جا کر اس نے اس قتل کے الزام میں پھنسوانے کا پورا پورا بندوبست کر دیا۔ بس ساری گڑبڑ یہ ہوئی کہ میں لاش سمیت پکڑے جانے سے پہلے وہاں سے نکل آیا۔" پھر میں نے اسے بتایا کہ ڈیوڈ لاٹ نے مجھے آدھی رات تک کی مہلت دی ہے۔

"لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ بے یقینی سے بولی۔ "ہم ایک مہذب معاشرے کے فرد ہیں۔ قانون ہماری حفاظت کے لیے موجود ہے۔"

میں اس معصومانہ تبصرے پر استہزائیہ انداز میں ہنسنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔ پھر میں نے اسے بتایا کہ پینگوئن کالونی سے ایک کار ہمارے تعاقب میں چلی آ رہی ہے۔ جوزفین نے مڑ کر دیکھا اور جب وہ دوبارہ سیدھی ہو کر بیٹھی تو اس کے چہرے پر تناؤ آ چکا تھا۔ اس کے بعد اس نے قانون کی بالادستی کے بارے میں مزید مرکالے نہیں بولے۔

میرے پاس تقریباً پانچ گھنٹے تھے۔ اس عرصے میں اگر میں وہ کاغذات حاصل نہ کر پاتا، لیکن ہنری میزرز کو تلاش کر کے ڈیوڈ کے حضور پیش کر دیتا تب بھی شاید میرے بچاؤ کا کچھ سامان ہو جاتا۔ پولیس کو مطمئن کرنے کا معاملہ البتہ مختلف تھا۔ ہنری میزرز بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ وہ مشکوک ہونے کے باوجود وکیلوں کی فوج کی مدد سے شاید بچ نکلتا۔

کوئی بھی چیز میری موافقت میں نہیں رہی تھی۔ چار دن پہلے موٹی موٹی کتابوں سے رینگ کر باہر آنے والی ایک وکیل لڑکی میرے ساتھ تھی... اور بس۔

ایک موہوم سی امید کے سہارے میں نے گاڑی کا رخ 'فل مون' کی طرف موڑ دیا۔ گزشتہ روز اس چھوٹی سی تفریح گاہ سے ہی گویا معاملے کا آغاز ہوا تھا — میں جب سے لاس اینجلس آیا تھا اس تفریح گاہ میں میری آمد و رفت رہی تھی۔ اس کے مالک ایس فیئرز سے میری تھوڑی بہت شناسائی بھی تھی۔

ہم اندرونِ شہر کے پُرہجوم ٹریفک میں پہنچے تو تعاقب کرنے والی گاڑی ہمارے نزدیک آ گئی۔ میں تیزی سے گاڑی کو ادھر اُدھر تنگ سڑکوں پر موڑ رہا تھا۔ بالآخر میں نے فل مون کے سامنے پہنچ کر گاڑی روک دی۔ تعاقب میں آنے والی گاڑی کی ہیڈ لائٹس بھی آف ہو گئیں۔

جوزفین نے اس کلب کو باہر سے ہی دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی۔ میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "تم نے خود ہی میرے ساتھ آنے پر اصرار کیا تھا اور میں نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں تمہیں بہت ہی اعلیٰ جگہوں پر لے جاؤں گا۔ ویسے تم اگر تھوڑا سا تحمل سے کام لو تو یہاں تمہیں بہت سے موکل مل جائیں گے۔ پریکٹس اچھی چل نکلے گی کیونکہ یہاں زیادہ تر ایسے ہی لوگ آتے ہیں جنہیں قدم قدم پر قانونی مدد کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔"

وہ بدستور ناک بھوں چڑھائے میرے ساتھ اندر پہنچی۔

بار کے کاؤنٹر پر پہنچ کر میں نے بوربن کا آرڈر دیا اور ایس فیئر سے جوزفین کا تعارف کراتے ہوئے کہا "یہ میری وکیل ہیں۔"

ایس محض ہنکارا بھر کر رہ گیا اور ہمارے لیے ڈرنکس تیار کرنے لگا۔ میں نے سرسری سے لہجے میں کہا "تم نے ہنری میئرز کو تو نہیں دیکھا؟ وہی دبلا پتلا سا عینک والا نوجوان جو کل شام میرے ساتھ تھا۔"

ایس، جوزفین پر نظر جماتے ہوئے بولا "میں جب آج دو بجے یہاں آیا تو ہنری یہیں موجود تھا۔"

میں نے اپنی قسمت کو کوسا کہ کٹ کے اپارٹمنٹ سے نکلنے کے بعد میں سیدھا یہیں کیوں نہیں آگیا۔ میں نے ڈرنکس کی ادائیگی کی تو ایس باقی رقم میرے سامنے رکھتے ہوئے بولا "ہنری کچھ دیر یہاں رہا تھا۔ بیٹریس شاید تمہیں اس کے بارے میں بتا سکے۔" اس نے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو ایک کونے میں میز پر بیٹھی سگریٹ کے کش لے رہی تھی۔ وہ چلتی پھرتی سی لڑکی تھی۔ کلب کو بہت فائدہ پہنچاتی تھی۔

میں جوزفین سے معذرت کر کے بیٹریس کے پاس پہنچا۔ پہلے مجھے ایک نئی سگریٹ اس کی خدمت میں پیش کرنی پڑی۔ ایک طویل کش لے کر وہ آنکھ مارتے ہوئے بولی "یہ تمہارے ساتھ لڑکی کون ہے۔ بے چاری بہت معزز نظر آنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"وہ واقعی معزز ہے۔ میری وکیل ہے۔ اس سے زیادہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے تیزی سے کہا "تمہیں ہنری میئرز کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ سنا ہے کہ وہ آج سہ پہر تمہارے ساتھ تھا؟"

اس نے خاصا وقت ضائع کرنے اور بہت سا دھواں میرے چہرے پر پھینکنے کے بعد صرف اتنا بتایا۔ "وہ یہاں کافی ڈرنکس پی گیا۔ کچھ پریشان یا شاید خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر تم یہاں آؤ تو تمہیں پیغام دے دیا جائے کہ اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ کہاں ملے گا۔"

بیٹریس سے جان چھڑا کر میں جوزفین کے ساتھ کلب سے نکل گیا۔ میری الجھن مزید بڑھ گئی۔ اگر ہنری نے مجھے قتل کے الزام میں پھنسانے کی کوشش کی تھی تو پھر وہ مجھ سے ملنے کا خواہشمند کیونکر ہو گیا تھا؟

"ٹیلیفون پر لعنت بھیجو۔" میں نے جوزفین سے کہا "ہم ہنری کے اصل گھر چلتے ہیں جو درحقیقت اس کے باپ کا گھر ہے۔ میں صرف ایک مرتبہ وہاں گیا تھا۔ شاید وہ وہاں موجود ہو۔ اس کے علاوہ کوئی جگہ میری سمجھ میں نہیں آرہی جہاں اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہو۔"

ہم گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تو دوسری گاڑی ایک بار پھر ہمارے تعاقب میں تھی۔ ہم سست رفتاری سے نیم تاریک گلیوں سے گزرتے رہے۔ ایک تنگ گلی میں ایک بڑا سا ٹرک ترچھا کھڑا نظر آیا۔ گزرنے کے لیے بہت کم جگہ باقی تھی بلکہ گزرنا تقریباً ناممکن ہی نظر آرہا تھا لیکن میں سنبھل کر چھوٹی سی فوکس ویگن کو اس جگہ سے گزار لے گیا۔ اس کوشش میں گاڑی نے دیوار سے رگڑ بھی کھائی۔ تعاقب میں آنے والی گاڑی بڑی تھی۔ وہ اس جگہ سے نہیں گزر سکتی تھی۔ میں نے عقب نما آئینے میں اس گاڑی کو تیزی سے ریورس ہوتے دیکھا۔ وہ یقیناً گھوم کر گلی کے دوسرے سرے پر آنا چاہتے تھے لیکن میں نے ادھر جانے کے بجائے گاڑی گلی میں واپس موڑی اور دوبارہ اسی تنگ راستے سے گزرا۔

چند لمحے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ میں انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا ہوں میں نے گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے کہا "شکر ہے ان سے پیچھا چھوٹ گیا۔ مجھے کسی کا یوں پیچھے پیچھے آنا بالکل پسند نہیں۔"

بالآخر ہم بیورلے ہلز پر واقع ایک طویل و عریض مکان کے سامنے جا پہنچے جس کے گرد اونچی باڑھ موجود تھی۔ میں نے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "یہی ہے وہ مکان۔۔۔ تم یہیں ٹھہرو، میں اندر جاتا ہوں۔" اس نے احتجاج کرنے کی کوشش کی تو میں نے کہا "اب تک تم ایک اچھی ساتھی ثابت ہوئی ہو۔ اب اپنا ریکارڈ خراب مت کرو۔ ویسے بھی لڑائی بھڑائی میں تم کسی کام نہیں آسکو گی۔"

"لڑائی بھڑائی!" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ظاہر ہے اگر ہنری شرافت سے میرے ساتھ نہ آیا اور اس نے چند سوالوں کے جواب نہ دیے تو لڑائی بھڑائی تو ہو گی۔ میں اسے گھسیٹ کر لاؤں گا اور ڈیوڈ لاٹ کے سامنے پیش کروں گا۔" میں نے تیز لہجے میں کہا "تم پندرہ منٹ انتظار کرنا۔ اگر میں پندرہ منٹ میں واپس نہ آیا تو تم بھاگ جانا اور سمجھ لینا کہ میری واپسی شاید ممکن ہی نہ ہو سکے۔"

گلی کی مدھم روشنی میں میں نے جوزفین کے چہرے کی رنگت متغیر ہوتی محسوس کی لیکن اس کے ہونٹ بھنچے رہے۔ میں کار سے اترا تو وہ قدرے مرتعش لہجے میں بولی "اگر تم واپس آتے دکھائی نہ دیے تو کیا میں پولیس کو بلاؤں؟"

"یہ فیصلہ خود ہی کرنا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔" میں نے مکان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اس نے زیر لب گڈ لک کہا۔

مکان کے گیٹ پر کوئی نہیں تھا۔ میں آسانی سے اندر چلا گیا۔ کئی کمروں کی کھڑکیاں روشن نظر آرہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا گھر پر کوئی نہ کوئی ضرور موجود تھا۔ میرے دل سے اب خوف نکل گیا تھا۔ موت ہر حال میں میرے تعاقب میں تھی۔ پولیس کے ہتھے چڑھنے

کی صورت میں میری منزل گیس چیمبر ہوتی اور ڈیوڈ کے گرگوں کے ہتھے چڑھنے کی صورت میں غالباً خوب پٹائی اور پھر کھوپڑی میں گولی میرا مقدر ہوتی۔

میں نے خاصی برہمی کے سے عالم میں دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور چھوٹی چھوٹی ٹانگوں والا ایک گٹھا ہوا سا آدمی دھندلی روشنی میں کھڑا نظر آیا۔

"جی... کیا بات ہے؟" لہجہ غیر امریکی تھا۔

"مجھے ہنری میسرز سے بات کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"ویری سوری!" اس نے صرف اتنا کہا اور کوئی وضاحت کیے بغیر دروازہ بند کرنے لگا۔ میں اب اس سلوک کے لیے تیار نہیں تھا۔ فٹ بال والی تکنیک استعمال کرتے ہوئے میں نے سر قدرے جھکایا اور پھر سے ہوئے سانڈ کی طرح اندر گھستا چلا گیا۔ اس شخص کو میں نے ایک طرف دھکیل دیا تھا۔ ہال میں پہنچ کر میں اپنے دفاع کے لیے مڑا۔

میں نے دیکھا کہ وہ شخص دروازہ بند کر کے نہایت اطمینان سے مڑ رہا تھا۔ اس کا تعلق مشرقِ بعید کے کسی ملک سے معلوم ہوتا تھا۔ وہ چینی، جاپانی یا تھائی، کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ اس کا سر منڈا ہوا تھا اور دھندلی روشنی میں بھی چمک رہا تھا۔ پھرتی سے قدم اٹھاتا ہوا وہ کمرے کے وسط میں آیا اور تحمل سے بولا: "میں نے کہا نا کہ ماسٹر ہنری میسرز اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔"

اسی لمحے دروازے کے عقب سے ہنری کی مدھم سی آواز سنائی دی: "اسکاٹ... کیا یہ تم ہو؟"

"ہاں۔ یہ میں ہی ہوں۔" میں نے بہ آوازِ بلند کہا: "ذرا باہر آؤ۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

ہنری کی بات سننے کے باوجود گنجے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور وہ اس دروازے سے چپک کر کھڑا ہو گیا جس کے عقب سے ہنری کی آواز سنائی دی تھی۔ میں اس پر جھپٹا اور اس کی کلائی پکڑ کر اسے ایک طرف کھینچنا چاہا لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ اس کی کلائی میرے ہاتھ میں آنے کے بجائے میری کلائی اس کے ہاتھ میں چلی گئی اور دوسرے ہی لمحے میں نے اپنے آپ کو ہوا میں بلند ہوتے محسوس کیا۔ دیواریں اور چھت میری نظروں کے سامنے سے گزرتی چلی گئیں۔ میں کمر کے بل بُری طرح ایک دیوار سے ٹکرایا اور شہتیر کی طرح دھپ سے فرش پر آ گرا۔ میری سانس گویا سینے میں ہی اٹک گئی تھی اور ریڑھ کی ہڈی جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔

میں نے لڑھک کر اس جگہ سے کچھ دور ہٹ جانا چاہا لیکن اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ گنجا مشرقی میرے اوپر جھک رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں، بازو ہوا میں بلند تھا اور اس کا ہاتھ کسی کلہاڑی کے پھل کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ وہ میری کھوپڑی پر کراٹے کا وار کرنے ہی لگا تھا کہ ہنری نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر جھانکا اور چلایا: "نہیں چن! نہیں... رک جاؤ۔"

چن کا ہاتھ ہوا میں ہی رک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور دھیرے دھیرے ہاتھ نیچے کر لیا۔ اس کی آنکھوں میں لپکتا ہوا شعلہ معدوم ہو گیا۔ دروازہ دوبارہ بند ہو گیا اور ہنری کا چہرہ بھی غائب ہو گیا۔

کالج کے زمانے میں تھوڑی بہت جیوجستو اور جوڈو وغیرہ میں نے بھی سیکھی تھی لیکن وہ گنجا کم از کم بلیک بیلٹ ضرور تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن گر پڑا۔ گنجا اب بھی فرشتۂ اجل کی طرح میرے سر پر کھڑا تھا۔ یہ تصویر میری نظر میں دھندلائی اور اس کی جگہ ایک اور تصویر ابھر آئی۔

میں نے اپنی جگہ سنہرے بالوں والی ایک لڑکی کو ترچھی حالت میں ساکت پڑے دیکھا۔ اگر چن اس وقت بھی اپنا وار کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو یہاں میری لاش بھی اسی طرح پڑی ہوتی جس طرح کٹ کے اپارٹمنٹ میں اس کی لاش پڑی تھی۔

ایک میز کا سہارا لے کر بالآخر میں اٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ کپڑے جھاڑ کر میں نے اپنا ہیٹ اٹھا کر سر پر رکھا۔ اس دوران چن نے دوبارہ مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

حواس درست ہونے پر میں نے کہا: "تم جیت گئے۔ تمہارا کہنا درست ہے کہ ہنری گھر پر نہیں ہے۔ میں نے جو آواز سنی تھی وہ کسی آوارہ الّو کی تھی۔"

چن نے بڑی طمانیت سے جھک کر مجھے تعظیم دی اور آگے بڑھ کر میرے لیے دروازہ کھول دیا۔ باہر ملگجا اندھیرا میرا منتظر تھا۔ اب میرے سامنے کوئی جگہ نہیں تھی جہاں میں جا سکتا — میرے ترکش کا آخری تیر بھی ضائع ہو چکا تھا۔ مجھے اب معلوم ہو چکا تھا کہ کٹ بنٹلے کو کس نے قتل کیا تھا لیکن اس سلسلے میں میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ غصّے کا لاوا بے بسی سے میرے اندر ہی اندر جمع ہو رہا تھا۔

میں نے چن کی طرف مڑتے ہوئے کہا: "تمہارا طریقۂ قتل نہایت عمدہ ہے دوست۔ نہ کہیں خون کا دھبا... نہ زیادہ چیخ و پکار۔"

برآمدے کی سیڑھیاں اترنے کے بعد بھی میرا غصّہ برقرار رہا۔ مجھے گویا اس بات کی کوئی پروا نہیں رہی تھی کہ میری زبان سے کیا نکل رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر مڑتے ہوئے کہا: "اس آوارہ الّو کو بتا دینا کہ مجھے ان اقرار ناموں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے جو اس نے کٹ بنٹلے کے ذریعے چوری کرائے تھے۔ میں جب پولیس کو قتل کی اس وجہ کے بارے میں بتاؤں گا اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے پتا چلے گا کہ کٹ کی موت کراٹے کے وار سے ہوئی ہے تو ان کے لیے کڑیاں جوڑنا خاصا آسان ہو جائے گا۔"

میری اس تقریر نے چن کے سکون میں کوئی فرق نہ ڈالا۔ نہایت اطمینان سے پیچھے ہٹ کر اس نے دروازہ بند کیا پھر کمرے کی بتی بجھ گئی۔ باہر جاتے وقت میں سوچ رہا تھا کہ میری دھمکی سن کر اگر ہنری گھبرا جاتا تو بات دوسری تھی ورنہ میری دھمکی میں کوئی وزن نہیں تھا۔ ڈیوڈ لاٹ تسلیم ہی نہ کرتا کہ اس کے پاس ہنری سے لکھوائے ہوئے اقرار نامے موجود تھے بلکہ شاید وہ یہی تسلیم نہ کرتا کہ وہ کسی ہنری میسز کو جانتا ہے۔

جوزفین کار کی بند کھڑکی کے شیشے سے منہ لگائے بیٹھی تھی۔ مجھے آتے دیکھ کر اس نے شیشہ نیچے اتارا اور سکون کی سانس لیتے ہوئے بولی "خدا کا شکر ہے کہ تم خیریت سے واپس آ گئے۔ وقت تو پندرہ منٹ سے زیادہ گزر چکا تھا لیکن مجھے امید تھی کہ تم ضرور آ جاؤ گے۔"

"اصل میں تو میری اُتار رہی ہوئی ہے۔" میں نے کراہ کر کہا۔ "مجھے اب بقا کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی۔"

"تمہیں اس طرح منہ اٹھا کر اندر جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔" وہ بولی۔ "ہمیں اس معاملے کو قانونی طریقے سے حل کرنا چاہیے تھا۔ پولیس کے پاس جانا چاہیے تھا۔" اس پر ایک بار پھر وکالت کی نوآموزی کا دورہ پڑا تھا لیکن اس بار مجھے غصہ نہیں آیا۔ میرا ذہن دوسرے سوالات میں الجھا ہوا تھا۔

ہنری نے میرے لیے پیغام چھوڑا تھا کہ میں اس سے ملنے کی کوشش کروں لیکن جب میں اس سے ملنے گیا تو وہ سامنے تک نہیں آیا۔ آخر کیوں؟ آواز دینے کے باوجود اس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کیوں کی کہ وہ گھر پر نہیں ہے؟ پھر اس نے چن کو بروقت کراٹے کے وار سے روک کر میری جان کیوں بچائی تھی؟ اگر اس نے اپنے اس ملازم کے ہاتھوں سے ایک قتل کرایا تھا تو پھر دوسرا قتل کراتے ہوئے اسے کون سا خوف لاحق ہو سکتا تھا؟ شاید میں نے اس معاملے کو شروع ہی سے غلط سمجھا تھا۔ غلط طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔

جوزفین کہہ رہی تھی "تم بس ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگے پھر رہے ہو۔ یہ فیصلہ کیے بغیر کہ درحقیقت تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔"

"خاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔" میں نے ناگواری سے کہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میں اس معاملے کے کسی نہ کسی پہلو کو بھول رہا تھا۔ نظرانداز کر رہا تھا۔ شاید میں جھاڑ جھنکاڑ داڑھی اور موٹی توند والے اس گوریلا نما شخص کو بھول رہا تھا جس سے لائف لائن نامی کلب میں میرا جھگڑا ہوا تھا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ ڈیوڈ لاٹ کی دی ہوئی مہلت میں سے صرف آدھا گھنٹا باقی رہ گیا تھا۔ ایک موہوم سی امید کے سہارے میں نے گاڑی 'لائف لائن' کی طرف موڑ لی۔ جوزفین نے اس بار احتجاج نہیں کیا۔ اس بار اس نے چند لمحے بعد مجھے مطلع کیا کہ ایک کار ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔

"کیا ڈیوڈ کے گرگوں کی کار ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ کوئی دوسری کار معلوم ہوتی ہے۔ شاید چمکیلے سرمئی رنگ کی اسپورٹس کار ہے۔"

چمکیلے سرمئی رنگ کی اسپورٹس کار ہنری میسز کے پاس تھی۔ میں نے اچانک رفتار کم کر کے مڑ کر دیکھا۔ کار تو ہنری ہی کی معلوم ہوتی تھی۔ جوزفین نے مجھے مطلع کیا کہ اس میں دو آدمی تھے۔ چن کی زبانی میں نے جو دھمکی ہنری تک پہنچائی تھی شاید وہ کام کر گئی تھی لیکن ہنری ابھی زیادہ بدحواس نہیں ہوا تھا اس لیے ابھی اس نے الجھنے کی کوشش نہیں کی تھی، صرف میری نگرانی کر رہا تھا۔ چن بھی اس کے ساتھ تھا۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ جوزفین کا انجام بھی کرٹ جیسا ہو۔ اس لیے سوچ رہا تھا کہ کسی محفوظ مقام پر اسے گاڑی سے اتار دوں تاکہ وہ ٹیکسی لے کر گھر چلی جائے اور آرام سے اپنی قانون کی کتابوں میں پناہ لے سکے۔ اب میرے گرد تین اطراف سے شکنجہ تنگ ہو رہا تھا۔ پولیس اور ڈیوڈ کے گرگے تو پہلے ہی میرے پیچھے لگے ہوئے تھے، اب چن بھی آ گیا تھا۔ میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ناک کی سیدھ میں چلتا رہوں۔

میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ تدبیر بھی کیا، بس ایک دھندلا سا خیال تھا۔ جزئیات پر غور کرنے کا میرے پاس وقت نہیں تھا۔ ایک شاپنگ سینٹر کے سامنے پہنچ کر اچانک میں نے گاڑی روک دی۔ جوزفین نے پیچھے دیکھتے ہوئے مجھے رپورٹ دی۔ "اسپورٹس کار بھی پیچھے گلی کے دوسری طرف رک گئی ہے۔"

میں جوزفین کا ہاتھ تھام کر گاڑی سے اترا اور اسے ساتھ لیے ایک ڈرگ اسٹور میں چلا گیا۔ ڈرگ اسٹور میں اسے ایک طرف کھڑا کر کے میں خود ایک ٹیلی فون بوتھ میں گھس گیا۔ چند منٹ بعد واپس آ کر میں نے جوزفین کو بتایا۔ "میں نے ڈیوڈ لاٹ کو فون کیا تھا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ جن اقرار ناموں کی اسے تلاش ہے وہ میرے قبضے میں آ چکے ہیں لیکن وہ میں لائف لائن کلب میں اس کے حوالے کروں گا۔"

"تمہارے خیال میں کیا یہ بہت عقلمندانہ قدم اٹھایا ہے تم نے؟" وہ جھرجھری سی لے کر ناگواری سے بولی۔

"آج کے دن یہ کوئی میری پہلی حماقت نہیں ہے۔ جہاں سارا دن ہی حماقتیں کرتے گزرا ہے وہاں ایک حماقت اور سہی۔" پھر میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "اور اس کے ساتھ ہی

تمہارا کام بھی ختم ہوگیا وکیل خاتون۔ اب لڑائی جھگڑا شروع ہونے والا ہے۔ یہ چیز تمہاری افتادِ طبع کے خلاف ہوگی اس لیے بہتر ہے کہ تم ٹیکسی کر کے گھر چلی جاؤ اور اپنے آپ کو عدالتی لڑائیوں تک ہی محدود رکھو۔"

لیکن وہ گویا سنی ان سنی کر کے فوکس ویگن میں بیٹھ گئی۔ میں نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بے وقوف مت بنو۔"

"حیرت ہے! بے وقوف بھی دوسروں کو بے وقوف کہتے ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ میں نے سخت نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو یکدم اس کی آنکھوں میں بچوں کی طرح نمی چھلک آئی۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "یہ میرا پہلا کیس تھا میں اس سے کیسے دست بردار ہو سکتی ہوں۔ ابھی تو میں نے عدالت میں چالان تک پیش نہیں کیا۔"

میں اسے سمجھانے کے لیے اس کی طرف جھکا تو وہ منہ پھیرتے ہوئے بولی۔ "یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے متاثر ہو کر گلے کا ہار ہوئی جا رہی ہوں۔ میں نے تو پریکٹس شروع کرنے سے پہلے ہی دل میں عہد کر لیا تھا کہ اپنے آپ کو کسی کلائنٹ سے متاثر نہیں ہونے دوں گی خواہ اس کے بال سنہرے ہوں۔۔۔ خواہ وہ کتنا ہی دراز قد اور وجیہہ ہو۔۔۔ اور خواہ وہ اوّل درجے کا احمق بھی ہو۔"

میں بے بسی سے ہاتھ مل کر رہ گیا۔ ظاہر ہے میں اور کر بھی کیا سکتا تھا؟ اگر میں ایک بھری پُری پارکنگ لاٹ میں زبردستی ایک عورت کو گاڑی سے اتارنے کی کوشش کرتا تو میری مشکلات میں اضافہ ہی ہو سکتا تھا، کمی نہیں۔ میں نے کار اسٹارٹ کی اور ایک بار پھر ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ جیگوار اب بھی ہمارے تعاقب میں تھی۔

شہر کے معروف علاقے سے نکل کر ہم پہاڑی راستے پر آ پہنچے جس کے ایک طرف گہرائی تھی۔ یہاں اچانک ہی جیگوار نے ہمیں اوورٹیک کیا اور پھر یکدم ہی ترچھی ہو کر ہمارے سامنے رک گئی۔ میرے حواس نے میرا ساتھ دیا اور میں نے اضطراری طور پر اسٹیئرنگ گھمانے کی کوشش نہیں کی ورنہ ہماری کار جیگوار کو توڑتی ہوئی نشیب میں جا گرتی۔ اس کے بجائے میں نے پوری قوت سے بریک لگائے اور کچھوا نما کار اپنی جگہ پر جام ہو گئی۔ اس کا اگلا بمپر جیگوار سے مَس ہو رہا تھا۔ شکر ہے اس وقت ہمارے پیچھے ٹریفک نہیں تھا ورنہ معلوم نہیں کتنی کاریں ایک دوسرے سے ٹکرائی ہوتیں۔

کشیدگی کے اس لمحے میں مجھے جیگوار کی کھڑکی کے شیشے پر ٹکا ہوا ہنری مینرز کا چہرہ نظر آیا۔ اس کا رنگ فق تھا اور آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ گاڑی وہ ڈرائیو نہیں کر رہا تھا۔ وہ پیسنجر سیٹ پر تھا۔ دوسرے ہی لمحے جیگوار کا انجن گرجا اور وہ زناٹے سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

میں نے بھی ایک طویل سانس لے کر گاڑی کو آگے بڑھایا اور دہشت زدہ جوزفین کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ مت۔ انہوں نے ہمیں نشیب میں ہی تو گرانے کی کوشش کی تھی۔ اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے۔ بالآخر گاڑی کو کاٹ پیٹ کر ہماری لاشیں تو نکال ہی لی جائیں۔"

میں نے گاڑی کو ہائی اسپیڈ والی لین میں ڈالا اور چند لمحے بعد گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ کچھ دیر میں ہم نے جیگوار کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس دوران تصدیق ہو گئی کہ اسے چن ہی چلا رہا تھا۔ ہماری گاڑی رفتار کے معاملے میں جیگوار کو شکست نہیں دے سکتی تھی لیکن چن نے خود ہی آگے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے رفتار کم کر دی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ لائف لائن تک ہمارے تعاقب میں آئیں۔

لیکن جب میں نے لائف لائن کے سامنے گاڑی روکی تو عقب میں جیگوار کا کہیں دور دور تک پتا نہیں تھا۔ لائف لائن کی عمارت کسی بڑے جھونپڑے سے مشابہ تھی۔ میں گاڑی اس کی پکی پارکنگ لاٹ میں لے گیا۔

"میں تمہیں یہیں چھوڑ جاتا لیکن تمہارا یہاں رکنا زیادہ خطرناک ہوگا۔" میں نے کہا۔

"زیادہ محافظ قسم کے مرد بننے کی کوشش مت کرو۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ ذرا اپنا حلیہ درست کر لوں۔ جب سے تم مجھے ساتھ بھگائے پھر رہے ہو، تب سے مجھے تو آئینے میں اپنی صورت بھی دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ پاگلوں جیسی شکل ہو رہی ہوگی میری۔"

وہ اپنا بیگ کھول کر اطمینان سے ہلکا سا میک اپ کرنے لگی اور میں حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر پہلے تک وہ ہر قدم پر دہشت سے مری جا رہی تھی لیکن اب جب کہ میں سب سے خطرناک اور فیصلہ کن مرحلے کی طرف جا رہا تھا تو وہ نہایت اطمینان اور بے خوفی سے بلکہ بن سنور کر میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار تھی۔

وہ تیار ہو چکی تو میں نے چند سکے نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہاں داخلے کے دروازے کے قریب ہی ایک پبلک کال آفس ہے۔ میں چاہتا ہوں تم پولیس کو فون کر کے اطلاع دے دو کہ تم اپنے کلائنٹ اسکاٹ لیرڈ کو ان کے حوالے کرنا چاہتی ہو۔ ان سے کہنا کہ جلد از جلد یہاں پہنچ جائیں بلکہ ہو سکے تو ہنگاموں سے نمٹنے والا کوئی اسکواڈ آئے۔"

میں نے جوزفین کو دروازے کے قریب چھوڑا اور خود ایک مرکزی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ماحول ہمیشہ جیسا ہی تھا۔ کم روشنی،

ہوا میں دھوئیں کے مرغولے، مختلف قسم کے خوشبوئیں اور بدبوئیں، دونوں طرف دیواروں کے ساتھ بوتھ تھے جن میں سے بیشتر میں لوگ موجود تھے۔ درمیان میں میزوں کی قطار تھی جن پر موم بتیاں روشن تھیں۔ یہاں موجود بیشتر لوگ کرسیوں پر بیٹھنے کے بجائے نیم دراز سے رہتے تھے اور ادھ کھلی مخمور سی آنکھوں سے دوسروں کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔

وسط میں ایک میز پر پہنچ کر میں نے مڑ کر جوزفین کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میری دھڑکن تیز ہوگئی۔ دروازہ کھل رہا تھا اور ہنری اور جن اندر آتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ میری طرف دیکھے بغیر سیدھے آگے بڑھتے چلے گئے اور میری میز کے مقابل ایک بوتھ میں بیٹھ گئے۔ میرے دشمنوں کی مثلث تیار ہونا شروع ہوگئی تھی۔

چند لمحے بعد جوزفین میری میز پر آگئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔ میز پر بیٹھنے کے بعد اس نے پہلی بار گردوپیش کا جائزہ لیا اور یہاں کا ماحول دیکھ کر بھی وہ ناک بھوں چڑھائے بغیر نہ رہ سکی۔

"پولیس سے بات ہوگئی؟" میں نے نیچی آواز میں پوچھا۔

اس نے نہایت آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا پھر پوچھا۔

"وہ جھاڑ جھنکاڑ داڑھی اور موٹی توند والا تو یہاں نظر نہیں آرہا نا؟"

"نہیں۔" میں نے تصدیق کی۔ "وہ اسٹیج کے قریب والا دروازہ کچن کا ہے۔ شاید وہ اندر کہیں ہو۔"

اسٹیج پر ایک ٹیڑھی میڑھی مجہول قسم کی شخصیت مزید ٹیڑھی میڑھی ہونے کی کوشش کرتے ہوئے ایک انقلابی قسم کا گیت گا رہی تھی بلکہ جس وقت ہم نے اس کی طرف دیکھا، وہ گیت تقریباً ختم کرچکی تھی اور اپنا گٹار سنبھال کر اسٹیج سے اتر رہی تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ بارہ بج کر دو منٹ ہو رہے تھے۔ ڈیوڈ لاٹ کی دی ہوئی مہلت ختم ہوچکی تھی۔ مرنے کے لیے میں کسی اچھی جگہ نہیں پہنچ سکا تھا۔ جوزفین کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

اس دوران مزید تین مجہول قسم کی شخصیتیں اسٹیج پر چڑھ گئیں اور ایک منظوم تمثیل اشاروں کی مدد سے پیش کرنے لگیں ان میں سے ایک مرد تھا اور دو لڑکیاں۔ میں دروازے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا لیکن جوزفین کو قدرے چونکتے دیکھ کر میں نے پوچھا۔ "کیا کوئی اندر آیا ہے؟"

"ہاں۔ دو آدمی کلب میں داخل ہوئے ہیں۔ ایک چھوٹے قد کا ہے۔ دوسرا دراز قد اور بھاری بھرکم۔" جوزفین نے بتایا۔

"کیا لمبے والے کے جبڑے بلڈاگ جیسے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" جوزفین نے جواب دیا۔ پھر میں نے ڈیوڈ لاٹ اور اس کے گرگے کو دیکھ بھی لیا۔ وہ ہماری میز کے دوسری طرف ایک بوتھ میں آن بیٹھے۔ اب میرے دائیں طرف ایک دشمن پارٹی تھی اور بائیں طرف دوسری۔ اسٹیج پر ایک ریکارڈ کی دھن پر تین مجہولوں کی تمثیل جاری تھی۔

میں نے کن انکھیوں سے ڈیوڈ لاٹ اور اس کے گرگے کی طرف دیکھا۔ ان کی نظریں ہم پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے گھڑی دیکھ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ جوزفین کو پولیس سے بات کیے کتنی دیر گزر چکی ہے۔

میں نے مزید ایک منٹ انتظار کیا پھر میز کے نیچے جوزفین کا ہاتھ دبایا۔ اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیا کرنے والا ہوں لیکن اس نے گویا میری ہمت بندھانے کے لیے جواباً میرا ہاتھ دبایا۔

اندر ہی اندر میرا اعصابی تناؤ عروج پر پہنچ رہا تھا۔ میں بار بار کچن کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دروازہ کھلا تھا مگر کوئی اس سے باہر آتا یا اندر جاتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ منظوم تمثیل میں بھی خاموشی کا وقفہ آچکا تھا۔

بالآخر میں اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا اور دیوانوں کی طرح چلایا۔

"اوئے موٹے۔۔۔ بن مانس کے بچے۔۔۔ بدمعاش۔۔۔ جعلی انقلابی۔۔۔ باہر آؤ۔۔۔ کمیونسٹ کے بچے۔۔۔ ذرا اپنی شکل دکھاؤ۔"

ہال کا سناٹا گہرا ہوگیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بن مانس نما شخص یوں اندرونی دروازے پر نمودار ہوا جیسے زمانۂ قبل از تاریخ کا کوئی انسان غار سے باہر آرہا ہو۔ اس نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے ہال کا جائزہ لیا۔

جوزفین اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے اسے پیچھے کھینچ لیا اور میز پر رکھی ہوئی شراب کی بوتل اٹھا کر میز ہی کے کنارے پر مار کر توڑ لی۔ ڈیوڈ اور اس کا گرگا اٹھ کر اپنے بوتھ سے باہر آرہے تھے۔ میرے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی بوتل ہتھیار کے طور پر موجود تھی اور اس کی بہت سی خطرناک نوکیں دھیمی روشنی میں جھلملا رہی تھیں۔

دوسری طرف سے آہٹ سن کر میں اچھل کر ادھر پلٹا۔ دوسرے کیبن سے جن نکل کر تیزی سے میری طرف آرہا تھا۔ میں نے ایک کرسی اٹھا کر اس پر پھینکی لیکن وہ جھکائی دے کر اس سے بچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ میرے قریب آپہنچا۔ اس کا ہاتھ وہی وار کرنے کے لیے ہوا میں بلند ہوا جس کا نتیجہ موت ہوا کرتا تھا۔

لیکن اسی لمحے ایک چھوٹا سا ریوالور ڈیوڈ لاٹ کے ہاتھ میں نمودار ہوا۔ نہایت معمولی آواز کے ساتھ فائر ہوا اور جن اوندھے منہ میرے پیروں کے قریب ڈھیر ہوگیا۔ ڈیوڈ نے میری جان صرف اس لیے بچائی تھی کہ اپنی رائفل میں ابھی اسے مجھ سے اقرار نامے

وصول کرنے تھے۔ اسی دوران انقلابی گوریلا میرے سر پر آن پہنچا تھا۔ اس نے مجھے اپنے شتیر نما بازوؤں کی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ میں نے اس سے بچتے ہوئے اس کے اور اپنے درمیان میز الٹنے کی کوشش کی لیکن اس نے میز پر مضبوطی سے ہاتھ جما کر میری یہ کوشش ناکام بنا دی۔

چاروں طرف سے کئی دوسری مجہول اور پراسرار سی شخصیتیں اٹھ کر میری طرف بڑھ رہی تھیں لیکن مجھے صرف موٹے کی فکر تھی۔ اس نے میز درمیان سے نکال پھینکی۔ میں نے پھینے کی طرح سر جھکا کر پوری قوت سے اس کی توند پر ٹکر رسید کی۔ یہ ٹکر میرے لیے خاصی تسلی بخش رہی۔ موٹا ڈکرایا اور میرا سر کانوں تک اس کی توند میں دھنس گیا۔ وہ لڑکھڑایا۔ میں دوسری ٹکر رسید کرنے کے لیے پیچھے ہٹا لیکن یہ ٹکر رسید کرنے کی مجھے حسرت ہی رہ گئی ــــ عجیب جلبوں کے بہت سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے اور اسی دوران نہ جانے کیا چیز میری کھوپڑی پر ماری گئی کہ میں اپنے ارد گرد مسلسل دھمک سنتے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔

دوبارہ میرے حواس ٹھکانے آئے تو اپنے گرد ملا جلا شور اور جوزفین کی ملائم آواز سنائی دی۔ پھر آس پاس باوردی سے ہیولے حرکت کرتے دکھائی دیے۔ میرا وقت کا تعین کافی حد تک ٹھیک ہی رہا تھا۔ میری تیسری دشمن پارٹی یعنی پولیس بھی بروقت پہنچ گئی تھی۔

میں نے اپنا زخمی سر سہلایا تو جوزفین تاسف سے بولی "اس چڑیل قسم کی گلوکارہ کی بچی نے اپنا گٹار تمہارے سر پر دے مارا تھا۔"

میں نے ادھر ادھر دیکھا تو وہ عظیم گلوکارہ مجھے ایک طرف ڈھیر نظر آئی۔ جوزفین نے میری معلومات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا "میں نے بھی ایک خالی بوتل اٹھا کر اس کی کھوپڑی پر دے ماری تھی۔"

"خوش رہو۔ اللہ ہر ملزم کو تم جیسی وکیل نصیب کرے۔" میں نے طمانیت کی گہری سانس لے کر کہا۔

شور کے درمیان مجھے ہنری میسز کی چیخ و پکار سنائی دی۔ وہ چلا چلا کر نہ جانے کسے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا "کرٹ نیٹلے کو میں نے نہیں چن نے قتل کیا تھا۔۔ چن نے اور دوسرے کمیونسٹوں نے ۔۔۔۔ وہ میرے لکھے ہوئے اقرار نامے حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"اس سے کہو کہ بکواس بند کرے۔" میں نے تھکے تھکے لہجے میں جوزفین سے کہا "اب تو میں بھی ان سب باتوں کا اندازہ لگا چکا ہوں۔"

میں نے آنکھیں بند کرنا چاہیں لیکن جوزفین نے مجھے آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ اس نے سہارا دے کر مجھے اٹھایا۔ تب میں نے دیکھا کہ چن بدستور اپنی جگہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔ ڈیوڈ لاٹ اور اس کے گرگے کو پولیس نے حراست میں لے لیا تھا اور ڈیوڈ کو گویا اس حقیقت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ہنری میسز ایک سپاہی کی گرفت سے نکل کر میرا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا "میرا مقصد تمہیں نقصان پہنچانا نہیں تھا۔ میں تو تمہیں اپنی مدد اور حفاظت کے لیے کرٹ کے اپارٹمنٹ میں لے گیا تھا۔ چن وہاں پہلے ہی سے کچن میں موجود تھا۔ اسی نے تمہاری ڈرنک میں بے ہوشی کی دوا ملائی تھی اور وہی کرٹ کو قتل کر کے اقرار نامے اپنے قبضے میں لے چکا تھا۔ میں تمہیں تلاش کر کے سارے معاملے کی وضاحت کرنا چاہتا تھا۔ میں ۔۔۔۔"

"بس زیادہ وضاحتوں کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا "میرے لیے یہی پچھتاوا کافی ہے کہ میں نے تمہیں دوست سمجھا تھا۔ تاہم اب مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔"

پولیس والے اسے کھینچ کر دور لے گئے۔ وہ چلا چلا کر انہیں بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ تو محض تفریحاً انقلابیوں کے ساتھ ربط ضبط رکھے ہوئے تھا لیکن انہوں نے اسے اپنے چنگل میں ہی پھنسا لیا تھا۔ انہوں نے ہی چن کو اس کے گھر میں نوکر رکھوایا تھا اور ہنری کو بلیک میل کرنے کے لیے اس کے جوئے کے اقرار نامے حاصل کیے تھے۔ وہ اس کے باپ کی فیکٹری میں زیر تکمیل کسی سرکاری منصوبے تک بھی رسائی حاصل کرنا چاہتے تھے۔

پولیس اپنے مطلوبہ آدمیوں کو باہر لے جا رہی تھی ــــ تھوڑی دیر بعد کلب کے ٹوٹے پھوٹے سامان کے درمیان صرف میں اور جوزفین کھڑے رہ گئے۔

"مجھے انہوں نے کیوں چھوڑ دیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے لیفٹیننٹ کو اپنے کاغذات دکھائے تھے۔" جوزفین اپنی مخصوص وکیلوں والی متانت سے بولی "انہوں نے تمہیں میری نگرانی میں چھوڑا ہے۔"

"یہ تو انہوں نے بہت عقلمندانہ فیصلہ کیا۔" میں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا "میں زندگی بھر تمہاری ہی نگرانی میں رہنا پسند کروں گا بشرطیکہ تم ہر وقت وکیل ہی نہ رہا کرو، کبھی کبھی تھوڑی سی لڑکی بھی بن جایا کرو۔"

"میں کوشش کروں گی۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا لیکن اب اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں شوخی کی چمک تھی جسے وہ چھپانے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔



THE LADY IS A LAWYER
Leo R.Ellis.



طوفان میں

نجمہ مودی

طوفان سے پھیلنے والی تباہی و بربادی کاروائیوں میں مصروف اُس شخص کو کچھ غیر معمولی باتوں نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ایک جھوڑے کی اُس طرف آمد اُسے مشکوک کر گئی تھی اور بالآخر اُس کا شک درست نکلا۔

اس طوفان کا احوال جو ایک جُرم کی راہ میں حائل ہو گیا تھا

برف کے اس طوفان نے جس طویل و عریض علاقے کو اپنی لپیٹ میں لیا' اس میں ہمارا پہاڑی گاؤں بھی شامل تھا۔ اس قسم کے شدید طوفان کبھی برسوں میں آتے ہیں اور بہت تباہی پھیلاتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس طوفان سے ایک ہفتہ پہلے میری ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور اس پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میں نے طوفان کے بعد ہنگامی حالات میں امدادی کاموں میں حصہ لیا۔ میں زیادہ بھاگ دوڑ اور مشقت طلب کام تو نہیں کر سکتا تھا لیکن میں نے امدادی مرکز میں دن رات اپنی بساط سے بڑھ کر خدمات انجام دیں۔ امدادی مرکز ٹاؤن ہال میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ طوفان سے متاثر ہونے والوں کے لیے پناہ گاہ بھی تھی۔

طوفان کی وجہ سے بے گھر ہو جانے والوں یا مجبوراً گھر چھوڑنے والوں کو ہم یہاں چارپائیاں اور کمبل فراہم کر رہے تھے۔ ہماری مدد کرنے والی رضا کار خواتین دن رات کچن کا

کام سنبھالے ہوئے تھیں۔ میں چونکہ اس کاؤنٹی کا ڈپٹی شیرف رہ چکا تھا اس لیے یہاں کے بیشتر لوگوں سے شناسا تھا یا کم از کم ان کے نام ضرور جانتا تھا۔ میں امدادی کیمپ میں آنے والوں کے نام ایک رجسٹر میں درج کرتا جارہا تھا تاکہ بعد میں عزیزوں' رشتے داروں کو ایک دوسرے کو ڈھونڈنے میں آسانی رہے۔

اتوار کو تمام دن برف باری ہوتی رہی اور پیر کو بارش ہونے لگی جس کا پانی نیچے پہنچ کر جم جاتا تھا۔ چند گھنٹوں میں ہر چیز برف کی تہوں میں لپٹ چکی تھی۔ درختوں پر ٹنوں برف جم گئی۔ اس بوجھ سے بعض درخت تو ٹوٹ کر گر پڑے۔ بعض کی شاخیں ٹوٹ کر اپنی برفانی تہوں سمیت' زمین پر پھیلی برف سے جڑ گئیں۔ بعض درخت طوفانی ہواؤں سے اکھڑ گئے۔

ایک دن کے اندر اندر بجلی کے کھمبے گر چکے تھے۔ ٹیلی فون لائنیں تباہ ہو چکی تھیں۔ ہمارے سرحدی گاؤں سے لے کر کینیڈا تک سڑکیں بند ہو چکی تھیں۔ وقفے وقفے سے ہر طرف کسی نہ کسی درخت کے ٹوٹ کر گرنے کی خوف ناک آواز سنائی دیتی تھی۔

منگل تک ہم نے امدادی کیمپ میں انتظامات کافی بہتر بنا لیے تھے۔ فائر بریگیڈ والوں نے ہمیں چند جنریٹرز دے دیے تھے جن سے روشنی کا انتظام ہو گیا تھا۔ ریڈ کراس والوں نے چارپائیاں' کمبل اور پانی کی بوتلیں بھجوا دی تھیں۔ بجلی نہ ہونے کی وجہ سے چونکہ گروسری اسٹورز میں بڑے بڑے فریجوں اور ڈیپ فریزر میں رکھے ہوئے مختلف اقسام کے گوشت' سبزیوں اور دودھ کے ذخیروں کے خراب ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اس لیے دکان داروں نے یہ چیزیں امدادی کیمپ کے لیے عطیہ کر دیں۔

ہمارے گاؤں کا نام فاؤنٹین تھا۔ گاؤں تاریک اور ویران دکھائی دے رہا تھا۔ اسکول بند کر دیے گئے تھے۔ برف میں دبی سڑکوں پر صرف امدادی کارکنوں کی گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی۔ ہارڈ ویئر اسٹور کھلا تھا مگر اس پر ہر قسم کے سیل' ٹارچیں اور بیٹری وغیرہ ختم ہو چکے تھے۔ پیٹرول پمپ والے جنریٹر کی مدد سے پیٹرول فراہم کرتے رہے لیکن آخر کار ان کے زیرِ زمین ٹینک خالی ہو گئے۔

ہمیں بہت سے کام درپیش تھے۔ سڑکوں سے رکاوٹیں ہٹانا ضروری تھا تاکہ بجلی کی کمپنی کی گاڑیاں دوبارہ کھمبے لگانے کے لیے آسکیں۔ گھروں پر جا جا کر یہ بھی دیکھنا تھا کہ کسی وجہ سے کوئی گھر میں تو نہیں رہ گیا تھا۔ اسے پناہ گاہ میں لانا ضروری تھا۔ زمین پر گری ہوئی بجلی کی تاروں سے خود بھی بچنا تھا اور لوگوں کو بھی بچانا تھا۔ بعض درختوں کی شاخیں اس طرح ٹوٹ کر سڑکوں پر جھک آئی تھیں کہ ٹریفک کے لیے خطرہ بن گئی تھیں۔ ان کا بھی خیال رکھنا تھا۔

فائر ڈیپارٹمنٹ والے' ایمبولینس والے' ہائی وے پر گشت کرنے والے' سب کے سب دو دو تین تین شفٹوں میں کام کر رہے تھے۔

ٹاؤن ہال میں ایک باسکٹ بال کورٹ بھی تھا۔ اس میں ہم نے تقریباً اسّی چارپائیاں لگا دی تھیں۔ اس رات میں اتنا تھک چکا تھا کہ میرے جسم پر جو کپڑے تھے' انہی میں سو گیا۔ میری چھڑی اور اسپرین کی گولیاں میرے سرہانے رکھی تھیں۔ جنریٹرز کی گھر گھراہٹ اور اندر لوگوں کے کھانسنے یا خراٹے لینے کی آوازیں بھی میری نیند میں خلل نہیں ڈال سکیں۔

بیشتر پہاڑی دیہات کی طرح ہمارا گاؤں بھی دوسری آبادیوں سے الگ تھلگ ہی تھا تاہم ہمارے حالات کافی بہتر تھے۔ ہمارا پولیس اور کچھ اسپتالوں سے ریڈیو پر رابطہ قائم تھا۔ ہمارے پاس مٹی کا تیل' پانی کی بوتلیں وغیرہ موجود تھیں۔ ہنگامی استعمال کے لیے صبح ہمارے پاس آکسیجن کے ٹینک بھی آنے والے تھے۔ ریڈیو پر بتایا گیا تھا کہ طوفان کے جلدی ختم ہونے کی امید نہیں تھی لیکن ہم سب اتنے تھکے ہوئے تھے کہ ہم نے اس سلسلے میں تشویش بھی محسوس نہیں کی۔

○☆○

دوسرے روز کچھ اور لوگ پناہ گاہ میں آگئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ذرا دیر سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ بجلی' حرارت اور فون کے بغیر گھروں میں مقید رہنا بے وقوفی تھی۔ کچھ لوگ بچوں کے لیے کھیلنے کی چیزیں اور بڑوں کے لیے بھی کچھ مشاغل کا سامان لے آئے تھے۔ کچن کے کام جاری رکھنے کے لیے کچھ اور عورتوں کی مدد میسر آگئی تھی۔

مسز جولی ایلن نامی ایک خاتون نے مجھے میرے آفس میں کافی کا ایک کپ لا کر دیا اور ساتھ ہی ایک خط مجھے تھماتے ہوئے بولی "مسٹر سام! پوسٹ آفس تو بند ہے اور مجھے یہ خط پوسٹ کرنا تھا۔ کوئی طریقہ ممکن ہے؟"

"اگر میرا کسی بھی ایسی جگہ تک جانا ممکن ہوا جہاں سے یہ پوسٹ ہو سکا تو میں ضرور کر دوں گا۔" میں نے وعدہ کیا۔

مرکزی حکومت نے بھی ہمارے علاقے کو آفت زدہ قرار دے دیا تھا۔ ڈاک لانے لے جانے والی گاڑیوں کی آمدورفت بند تھی۔

میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے مسز ایلن کو گویا کچھ یاد آیا اور وہ بولی "اس میں ایک چیک ہے اور اسے رجسٹرڈ ڈاک

سے روانہ کیا جائے تو بہتر ہے لیکن میں گھر سے آتے وقت پرس بھی ساتھ نہیں لا سکی۔۔۔"

"کوئی بات نہیں۔۔۔" میں نے جلدی سے کہا "میں اپنی جیب سے رجسٹری کے خرچ کی ادائیگی کردوں گا۔ تم مجھے بعد میں ادائیگی کردینا۔"

اس نے ایک بار پھر میرا شکریہ ادا کیا اور کچن کی طرف چلی گئی۔ میں نے خط جیب میں رکھتے وقت یونہی سرسری سی نظر ایڈریس پر ڈال لی۔ خط ڈین فشر نامی ایک پادری کے نام تھا اور ایک پوسٹ بکس کی معرفت فلوریڈا کے شہر اورلینڈو بھیجا جارہا تھا۔

مسز ایلن نے شاید دوسرے لوگوں کو بھی بتا دیا تھا کہ میں نے اس کا خط پوسٹ کرنے کی ذمے داری لی ہے کیونکہ دوپہر تک ایک اور خاتون اپنا خط پوسٹ کرانے کی غرض سے میرے سپرد کرنے چلی آئیں۔ یہ خط بھی پادری ڈین فشر کے نام تھا۔ ایڈریس بھی وہی تھا۔

یہ اتفاق مجھے کچھ عجیب سا لگا لیکن مصروفیت میں' میں اس بات کو بھول گیا۔ ہمارا امدادی کیمپ متاثرین کے لیے پناہ گاہ کے علاوہ امدادی سرگرمیوں کے لیے ہیڈ کوارٹر کا کام بھی دے رہا تھا۔ امدادی ٹیمیں پہلے وہیں پہنچ رہی تھیں۔ ایک ٹیم آئی تو وہ پمپوں کے ذریعے گھروں کے تہ خانوں سے پانی نکالنے چلی گئی۔ ایک سڑک صاف ہوئی تو پاور کمپنی کے ٹرک ٹنوں کی مقدار میں ڈرائی آئس لے کر آن پہنچے۔ یہ خشک برف وہ اس روٹ کے کئی دیہات میں ان لوگوں میں تقسیم کرنے کے لیے لائے تھے جو اپنے فریج اور ڈیپ فریزر کار آمد رکھنا چاہتے تھے۔ اس برف کی موجودگی میں فریجوں وغیرہ میں بجلی کے بغیر بھی کھانے پینے کی چیزوں کو کچھ عرصے تک محفوظ رکھا جاسکتا تھا۔

برفانی بارش جاری تھی۔ امدادی کارکنوں کے چہروں اور چلتے ٹرکوں کے گرم بونٹوں کے علاوہ ہر چیز برف سے ڈھکی دکھائی دے رہی تھی۔ قریبی دریا میں طغیانی کا خطرہ بھی پیدا ہوگیا تھا کیونکہ یہاں دریا میں پانی جم گیا تھا جبکہ پیچھے سے پانی آئے چلا جارہا تھا۔ پانی نے کناروں کو کاٹنا شروع کردیا تھا اور اس کے دور دور تک پھیلنے کا خطرہ تھا۔ آس پاس کے علاقوں سے بھی رضاکار پہنچنے شروع ہوگئے تھے اور میں نے مقامی کارکنوں کے ساتھ ان کی جوڑیاں بنا دی تھیں۔ سب لوگ تندہی سے اپنے اپنے کاموں کے سلسلے میں بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔

"کیا واقعی یہاں سے نکلنے کے لیے کوئی کار وغیرہ کرائے پر بھی نہیں مل سکتی؟" یہ سوال مجھ سے چارلی نامی ایک نوجوان نے کیا تھا۔

چارلی اور اس کی ساتھی لڑکی سفر کے دوران میں گزشتہ روز طوفان میں پھنس گئے تھے۔ جس سڑک سے وہ گزر رہے تھے' اس پر ایک بہت بڑا درخت ٹوٹ کر گر گیا تھا۔ راستہ بند ہوگیا تھا اور وہ پیچھے بھی نہیں جاسکتے تھے۔ امدادی کارکنوں نے انہیں کیمپ میں پہنچایا تھا۔ اپنی آمد کے وقت سے ہی وہ رخصت ہونے کے لیے بے چین نظر آرہا تھا اور کئی بار مجھ سے کسی ایسے طریقے کے بارے میں پوچھ چکا تھا جس کے ذریعے علاقے سے نکلنا ممکن ہوتا۔

"نہیں چارلی۔۔۔!" میں نے ایک بار پھر تحمل سے جواب دیا "فی الحال تو تم یہاں پھنس چکے ہو۔ ہنگامی امداد کی گاڑیوں کے سوا ہر قسم کی گاڑیاں جام کھڑی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔" وہ معذرت خواہانہ سے انداز میں بولا "میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔"

"تمہیں اپنی کار کے بارے میں بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔" میں نے اسے تسلی دی "فی الحال وہ محفوظ ہی ہے۔"

اس کی کار ہائی وے سے دور ایک سائڈ روڈ پر پھنسی ہوئی تھی۔ چارلی تقریباً پچیس کی عمر کا ایک میانہ قامت نوجوان تھا اور آوارہ گردی کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی گرل فرینڈ کا نام ایلین تھا۔ وہ اس سے کم عمر تھی۔ صاف

ستھری' شائستہ سی لڑکی تھی اور غالباً کسی دکان میں سیلز گرل تھی۔ گزشتہ روز جب میں نے رجسٹر میں ان کا اندراج کیا تو چارلی نے بتایا تھا کہ وہ لانگ آئی لینڈ کے شہر گارڈن سٹی کے رہنے والے تھے اور اس وقت مونٹریال' کینیڈا سے آرہے تھے۔

دوسرے روز چارلی اپنی دانست میں ایک اور اہم سوال لے کر میرے پاس آگیا "یہ جو درخت کے گرنے کی وجہ سے میرا راستہ رکا... مجھے ذہنی تکلیف پہنچی اور راستے میں پھنس جانے کی وجہ سے میرا کچھ نقصان بھی ہوا... کیا میں اس سلسلے میں کسی پر ہرجانے کا دعویٰ نہیں کرسکتا؟"

"نہیں..." میں نے اس بار بھی تحمل سے جواب دیا "یہ ایک حادثہ تھا... قدرتی آفت کا نتیجہ تھا جس میں خوش قسمتی سے تمہیں کوئی گزند بھی نہیں پہنچی۔ ہرجانے کے دعوے کا خیال دل سے نکال دو۔"

وہ منہ لٹکائے واپس چلا گیا۔

اس کی ساتھی لڑکی ایلین ایک خوب صورت' خوش اطوار اور ملنسار لڑکی تھی۔ اس نے کچھ بچوں کو کھیل کود میں لگا کر ان کی ماؤں کا بوجھ کچھ کم کردیا تھا لیکن اس کے بارے میں ایک بات مجھے خاصی عجیب لگ رہی تھی۔ اس کے پاس گتے کا ایک خاصا بڑا کارٹن تھا۔ وہ یہ کارٹن ساتھ لیے امدادی کیمپ میں پہنچی تھی اور اب بھی وہ ہر وقت اسے ساتھ رکھتی تھی' نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی۔ یہ چیز اس کے بارے میں مجھے اس لیے بھی شک میں مبتلا کررہی تھی کہ وہ اور چارلی سرحد پار کرکے کینیڈا سے آرہے تھے۔

ان دنوں امریکا میں ایسی وڈیو فلموں اور کمپیوٹر ڈسک وغیرہ کی فروخت زور پکڑ رہی تھی جن کی تیاری کے سلسلے میں کاپی رائٹ ایکٹ کی پابندی نہیں کی جاتی تھی۔ یوں بہت مشہور فلمیں وغیرہ بہت سستے داموں مل جاتی تھیں اور یہ چیزیں کینیڈا سے اسمگل ہوتی تھیں۔ آسکر ایوارڈ یافتہ فلموں کی پانچ درجن کاپیاں اتنے بڑے کارٹن میں آسانی سے آسکتی تھیں جو ایلین اٹھائے پھر رہی تھی۔

○☆○

نیشنل گارڈ والوں کا ایک ٹرک نواحی علاقے میں واقع ایک بڑے ڈیری فارم کے لیے بہت سے جنریٹرز لے کر آیا تھا۔ اسے راستہ دکھانے کے لیے میرا جانا ضروری تھا۔ میں قدرے دشواری کے ساتھ ایک کار میں سوار ہوا جسے ایک رضا کار جیری چلا رہا تھا۔ اس کار کو ٹرک کے آگے آگے چلنا تھا۔

میں تقریباً دو دن سے کیمپ میں ہی تھا۔ آج باہر نکلا تو طوفان کی تباہ کاریاں دیکھ کر دہشت زدہ ہوگیا۔ ہم ٹرک کو ڈیری فارم تک پہنچا کر واپس آرہے تھے تو میں نے جیری سے کہا۔ "مجھے وہ جگہ دکھانا جہاں تمہیں چارلی اور ایلین ملے تھے۔"

جیری مجھے اس سائڈ روڈ پر لے گیا جہاں چارلی کی کار کھڑی تھی۔ وہ نیلے رنگ کی پونٹیاک تھی۔ وہ درحقیقت ایک ایسی چھوٹی سڑک پر کھڑی تھی جو ایک باڑے تک جارہی تھی۔ راستے میں ایک بڑا درخت گر پڑا تھا اور اس پر کم از کم ایک ٹن برف جم گئی تھی۔

"اتر کر ذرا ایک نظر کار کو اندر سے دیکھنے کی کوشش کرو۔" میں نے جیری کو ہدایت کی۔

چند لمحے بعد جیری نے آکر رپورٹ دی "دروازے اور ڈکی مقفل ہیں۔ اندر کچھ نظر نہیں آرہا۔"

پھر وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بولا "چارلی کو یقیناً یہاں سے نکلنے کی بہت جلدی ہے۔ آج وہ پیشکش کرتا پھر رہا تھا کہ اگر کوئی اس درخت کو کاٹ کر گاڑی نکالنے کے لیے راستہ بنا دے تو وہ اسے پچاس ڈالر دے گا۔"

واپس روانہ ہوتے وقت میں اس بات پر دل ہی دل میں حیران ہورہا تھا کہ آخر چارلی کو ہائی وے چھوڑ کر اس چھوٹی سڑک پر آنے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی جو صرف ایک باڑے تک جارہی تھی؟ میں نے اس کی کار کا نمبر نوٹ کرلیا تھا۔

شام تک ٹیلی فون کمپنی والوں نے اس حد تک مرمت کردی تھی کہ ٹاؤن ہال کا ایک فون کام کرنے لگا تھا۔ میں نے اسٹیٹ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایک دوست کو فون کیا اور چارلی کی کار کا نمبر دیتے ہوئے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی درخواست کی۔

"تمہارا خیال ہے کہ ہمارے پاس پہلے کام کم ہیں جو تم یہ فضول سا کام بتا رہے ہو سام؟" وہ دوست غرایا "کیا تمہیں بھی اندازہ نہیں کہ اس طوفان نے ہمیں کس طرح پاگل کیا ہوا ہے؟"

بہرحال اس نے خفگی ظاہر کرنے کے باوجود نمبر کے بارے میں معلومات مہیا کردیں۔ گاڑی چوری کی تو نہیں تھی لیکن چارلی کے نام پر رجسٹرڈ بھی نہیں تھی۔ گاڑی فرینک گریٹو نامی کسی شخص کے نام پر رجسٹرڈ تھی جو ہیمپ اسٹیڈ کا رہنے والا تھا۔ یہ جگہ گارڈن سٹی سے زیادہ دور نہیں تھی اور چارلی نے اپنے آپ کو گارڈن سٹی کا رہنے والا بتایا تھا۔

اس روز میں نے سرسری انداز میں ایلین سے پوچھا کہ کیا وہ فرینک گریٹو نامی کسی شخص کو جانتی تھی۔ وہ بلا تامل بولی۔

"یقیناً... وہ چارلی کے انکل ہیں۔ انہوں نے ہی تو ہمیں اپنے خرچ پر مونٹریال بھیجا تھا۔ ان کی کار وہاں تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم اسے وہاں سے لے آئیں چنانچہ ہم جہاز سے آئے تھے اور اب اس کار میں واپس جا رہے تھے۔"

بظاہر یہ سیدھا سادہ سا معاملہ تھا۔ چارلی اپنے انکل کا کام کر رہا تھا لیکن اس میں کچھ باتیں ذرا عجیب اور قابلِ غور تھیں۔ مثلاً انکل لانگ آئی لینڈ میں رہتے تھے مگر اپنی کار مونٹریال میں چھوڑ آئے تھے۔ دوسرے مجھے جس ذریعے سے فرینک گریٹو کے بارے میں پتا چلا تھا اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ ان موصوف پہ ناجائز دھندوں میں ملوث ہونے کا شبہ پایا جاتا تھا اور وہ تین مرتبہ ممنوعہ اشیا قبضے میں رکھنے کے الزام میں گرفتار بھی ہو چکے تھے۔

○☆○

بعض لوگ جن کے پاس مٹی کا تیل، پانی کی بوتلیں اور کچھ دوسری اشیائے ضرورت تھیں، وہ گھروں پر ہی رہنے پر مصر تھے۔ ان میں سے بعض بند گھروں میں حرارت کے لیے مٹی کے تیل کے چولھے جلا کر سونے کی وجہ سے کاربن مونو آکسائڈ کے زہر کا شکار بھی ہو رہے تھے۔ گھر گھر جا کر اس قسم کے لوگوں کی خبر رکھنے اور بعض دوسرے لوگوں کو ضرورت کی چیزیں فراہم کرنے کے لیے بھی رضا کار کام کر رہے تھے۔ ہمارے پاس ایک بڑے کمرے میں بے شمار اشیا جمع تھیں۔ وہی کمرا آپریشن سینٹر بھی تھا۔ ٹیڈ اس کا انچارج تھا۔

گھر گھر جانے والے دو رضا کار واپس آئے تو ان میں سے ایک نے اپنے اوپر سے برف جھاڑتے ہوئے اطلاع دی۔

"ہم نے گرووا سٹریٹ کے ہر گھر کا جائزہ لے لیا ہے۔ وہاں تو کوئی ایسا فرد نہیں جسے خطرہ لاحق ہو لیکن اس سے آگے دریا کے قریب ٹریلر میں جو بوڑھا رہتا ہے، اسے دریا کی طغیانی سے خطرہ لاحق ہے مگر وہ وہاں سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

ٹیڈ میری طرف دیکھ کر بولا "وہ بوڑھا کیلب ہوگا۔"

"ہاں... اور وہ بہت ہی ضدی ہے۔" میں نے سر ہلایا۔

ٹیڈ نقشہ دیکھتے ہوئے بولا "کل تک تو مدد کے لیے اس کے پاس پہنچنا بھی مشکل ہو جائے گا۔"

میں نے اپنی ٹوپی اور چھڑی سنبھال کر اٹھتے ہوئے کہا "چلو... اسے ہم ہی لے آتے ہیں۔ گاڑی تم چلانا۔"

ہم ایک ایسی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے جو فور وہیل ڈرائیو تھی۔ راستے میں ہم نے بجلی کی کمپنی والوں کو کھمبے نصب کرتے دیکھا۔ ہمیں پتا چلا تھا کہ طوفان زدہ علاقے میں تقریباً ایک ہزار کھمبے گر گئے تھے جبکہ کینیڈا کی سرحد کے قریب ہائی ٹینشن لائنوں کے بڑے ٹاور بھی گر گئے تھے۔ رضا کار بڑی بڑی مشینی آریوں کے ذریعے سڑکوں پر پڑے درخت کاٹ کر ایک طرف ہٹانے میں مصروف تھے۔ کبھی کبھی کوئی درخت ایسی آواز کے ساتھ ٹوٹ کر گرتا جیسے مارٹر گن سے فائر ہوا ہو۔

بوڑھے کیلب کا ٹریلر درحقیقت ایک پگڈنڈی پر کھڑا تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دریا اپنے کنارے کاٹ چکا تھا اور اس کا پانی دھندلی روشنی میں سفید جھاگ اڑا رہا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ صبح تک پانی کافی دور تک پھیل چکا ہوگا۔ ٹریلر کی صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی میں ہلکی سی زرد روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

ہم اندر پہنچے تو بوڑھا کیلب کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ وہ ایک منحنی سا آدمی تھا اور اس کی کمر خمیدہ تھی۔ وہ ستر سال کا تھا لیکن نوّے کا دکھائی دیتا تھا۔ لکڑی کے ایک چولھے کے ذریعے ٹریلر میں حرارت برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے باوجود اندر ٹھنڈ تھی۔ روشنی کے لیے مٹی کے تیل کا صرف ایک لیمپ موجود تھا۔

ہمیں دیکھ کر کیلب نے گویا خطرہ محسوس کیا لیکن پھر مجھے پہچان کر وہ ذرا مطمئن نظر آنے لگا۔

"مجھے معلوم ہے تم کیوں آئے ہو لیکن میں کل بھی رضا کاروں کو بتا چکا ہوں کہ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" اس نے کہا اور حتی الامکان سیدھا ہو کر کھڑا ہونے کی کوشش کی۔

مجھے معلوم تھا وہ ضدی آدمی تھا اس لیے میں اس سے بحث کے بجائے ایک اور طریقہ استعمال کرنا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے... تم عاقل و بالغ ہو... اپنی مرضی کے مالک ہو۔ اگر تم یہیں رہ کر طغیانی میں مرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ ہم تو جیکی کو لینے آئے ہیں۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"جیکی...؟" اسے حیرت کا جھٹکا لگا "اس کا تم کیا کرو گے؟"

جیکی دراصل کیلب کے کتے کا نام تھا۔ وہ ایک مختصر الوجود سا کتا تھا اور اس کے سوا دنیا میں کیلب کا کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی محبتوں کا مرکز تھے۔ کیلب کتے پر جان دیتا تھا اور کتا یقیناً کیلب کا جاں نثار تھا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر جیکی کو تلاش کرنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "کہاں ہے وہ؟ ہم ایک بے زبان کو یہاں ڈوب کر مرنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے۔"

میں میز کے نیچے رکھے ہوئے کارٹن کی طرف بڑھا۔ چھوٹا سا وہ کتا اسی میں تھا۔ اس کی پچھلی دونوں ٹانگیں سوکھی ہوئی مڑی تڑی شاخوں کی طرح تھیں۔ کتا دراصل معذور تھا۔ ایک کار اس کی پچھلی ٹانگوں اور دھڑ کے کچھ حصے پر سے گزر گئی تھی۔ کیلب نے اسے سڑک پر تڑپتے ہوئے پایا تھا اور اٹھا کر لے آیا تھا۔ اس نے ایک عرصے تک اس کی دیکھ بھال کی تھی پھر اس کے لیے دو پہیوں کی چھوٹی سی ایک ایسی گاڑی بنائی تھی جس پر اس کا پچھلا' کچلا ہوا دھڑ ٹکا کر ایک بیلٹ سے باندھ دیا جاتا تھا تو وہ صرف اگلی دو ٹانگوں کے ذریعے اِدھر اُدھر بھاگ سکتا تھا۔

میں نے جھک کر جیکی کو کارٹن سے نکالتے ہوئے کہا۔ "مجھے کوئی چھوٹا موٹا کمبل دے دو جس میں اسے لپیٹ سکوں۔"

کیلب قریب آکر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گلوگیر سی آواز میں بولا "تم اسے نہیں لے جاسکتے۔ دنیا میں اس کے سوا میرا کون ہے۔ اور یہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسے دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے سوا کون اس کا خیال رکھے گا؟"

"ہم رکھیں گے۔ تمہیں اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے تو ایک معذور کتے کے ساتھ گاؤں میں رہنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ محکمۂ صحت والوں کے خیال میں یہ صحتِ عامہ کے لیے خطرے والی بات تھی۔ اسی لیے تو میں یہاں آکر ٹریلر میں رہنے لگا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔۔۔" میں نے ملائمت سے کہا "لیکن اب بات کچھ اور ہے۔ تم اس کے ساتھ امدادی کیمپ میں رہ سکتے ہو۔ تم چاہو تو ساتھ چلو۔ ہم تم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کریں گے۔"

"وعدہ۔۔۔؟" کیلب کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک آگئی۔

"وعدہ۔" میں نے خلوص سے کہا۔ تب اس نے جلدی جلدی اوور کوٹ پہنا۔ جیکی کو ایک جرسی پہنائی' اس کی چھوٹی سی گاڑی اٹھائی اور ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوگیا۔

میں واپس کیمپ میں پہنچا ہی تھا کہ اسٹیٹ پولیس ہیڈ کوارٹر سے سارجنٹ ارلی کا فون آگیا۔ یہ وہی آفیسر تھا جس سے میں نے چارلی کی گاڑی کے بارے میں معلومات کی تھی۔

"کیا وہ نیلی پونٹیاک ابھی تک وہیں پھنسی کھڑی ہے جس کے بارے میں تم نے پوچھا تھا؟" وہ بولا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں تمہاری معلومات میں کچھ زیادہ اضافہ تو نہیں کرسکتا۔۔۔ بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ کسٹم والے اور ایک خفیہ ایجنسی اس کی طرف متوجہ ہوگئی ہے۔ گاڑی پر نظر رکھنا اور اسے کہیں جانے نہ دینا۔ ساتھ ہی یہ بھی کوشش کرنا کہ اس شہری نوجوان کو کوئی شبہ نہ ہونے پائے جو اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ اس میں سفر کر رہا تھا۔"

اس سے پہلے کہ میں اسے کریدنے کی کوشش کرتا' اس نے فون بند کردیا۔ میں کچن کی طرف جارہا تھا کہ ہال کی چھت کی لائٹ آن ہوگئی اور سب خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ پاور کمپنی والوں نے علاقے کے اس حصے کی بجلی بحال کردی تھی۔ اس سے گویا مصائب کا احساس کچھ کم ہوگیا تھا۔

دوسرے روز دوپہر تک چار اور خط پوسٹ کرنے کے لیے میرے حوالے کیے جاچکے تھے اور یہ سب بھی پادری ڈین فشر کے نام تھے۔ اب میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے یاد آگیا تھا کہ ہر تھوڑے عرصے بعد ڈاک کے ذریعے کوئی نہ کوئی فراڈ کیا جاتا تھا۔ کبھی لوگوں کو اطلاع دی جاتی تھی کہ ان کا بہت بڑا انعام نکلا ہے' اسے منگوانے کے لیے اخراجات کے طور پر اتنی رقم بھیج دیں۔ کبھی انہیں مطلع کیا جاتا تھا کہ ان کا کوئی دور پار کا رشتے دار ان کے لیے بہت بڑی جائداد چھوڑ کر مرگیا ہے لیکن پیشگی ٹیکسوں وغیرہ کی ادائیگی کے لیے اتنی رقم بھیج دی جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جن افراد نے خطوط میرے حوالے کیے تھے وہ سب کے سب ادھیڑ عمر' آسودہ حال اور نرم دل سے لوگ تھے گویا کسی فراڈ کا نشانہ بننے کے لیے خاصے موزوں تھے۔ وہ سب مقامی چرچ کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔

میرے ساتھ کام کرنے والا ٹیڈ بھی چرچ کا ممبر تھا۔ میں نے کافی پینے کے دوران میں اس سے پوچھ لیا "کیا پچھلے دنوں تمہیں فلوریڈا سے کسی پادری ڈین فشر کی طرف سے کوئی خط ملا تھا؟"

"ہاں۔۔۔ مجھے اس مذہبی کارکن کے بارے میں پڑھ کر بڑا افسوس ہوا تھا جس کا احوال پادری نے لکھا تھا۔ بے چارہ کینسر سے مر رہا ہے۔ میں اس کے علاج کے سلسلے میں بیس تیس ڈالر کا عطیہ بھیجنے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن امدادی کاموں کی مصروفیت میں الجھ کر بھول گیا۔" ٹیڈ نے بتایا۔

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میرے خیال میں پہلے تو ڈین فشر کا پادری ہونا ہی مشکوک تھا اور اس نے خود کو جس

چرچ کا پادری ظاہر کیا تھا اس کا وجود بھی مشکوک تھا۔ شاید وہ چرچ اس نے اپنے رہائشی کمرے میں قائم کرلیا ہو اور اس کا کہیں بھی اندراج نہ ہو۔

○☆○

مجھے یہ دیکھ کر ایک خوشگوار سی حیرت ہوئی کہ ایلین کے پاس جس کارٹن کی موجودگی سے میں شکوک میں مبتلا تھا اس میں دس بارہ نہایت خوب صورت چھوٹی چھوٹی گڑیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ ڈائننگ روم میں بیٹھی وہ گڑیاں بچوں اور ان کے والدین کو دکھا رہی تھی۔ بچوں کے چہرے ایک معصومانہ مسرت سے تمتما رہے تھے۔

میں قریب پہنچا تو ایلین نے ایک گڑیا مجھے بھی تھمادی۔ میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا "تم ان کا کیا کروگی؟"

"میں جس دکان میں کام کرتی ہوں یہ اس کی شوونڈو میں سجانے کے لیے ہیں۔" ایلین نے بتایا۔ گڑیاں چونکہ مشہور کرداروں کی نقل تھیں اس لیے غالباً میرے ان کے سوال کو سمجھتے ہوئے ایلین گویا مجھے تسلی دیتے ہوئے بولی "بے فکر رہیں مسٹر سام! یہ نقلیں بلا اجازت تیار نہیں کی گئی ہیں۔ یہ مشہور فرموں کی تیار کردہ ہیں۔ کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رائلٹی دے کر تیار کی گئی ہیں۔ میں اپنی دکان کے لیے کوئی غیر قانونی چیز لے جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

میں فی الوقت مطمئن ہو کر اپنے کاموں میں لگ گیا۔ کیمپ میں موجود لوگوں پر سے وقتی ہیجان کی سی کیفیت گزر چکی تھی اور اب طوفان کی تباہ کاریوں نے انہیں فکر مند کرنا شروع کردیا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ طوفان کے اثرات سے سنبھلنے میں مہینوں لگ جائیں گے۔ فصلیں تباہ ہوچکی تھیں۔ ہر چیز کو نقصان پہنچا تھا۔ حتیٰ کہ جنگلی جانور تک بڑی تعداد میں مرگئے تھے۔ پانچ کاؤنٹیاں زیادہ متاثر ہوئی تھیں۔

اس عالم میں مقامی چرچ کے فادر ڈوئل نے خوشی کی ایک چھوٹی سی خبر بھیجی۔ انہوں نے دعوت دی کہ پناہ گزین چرچ کے غسل خانوں میں آکر باری باری گرم پانی سے غسل کرسکتے تھے۔ بجلی بحال ہونے پر ان کے ہاں پانی گرم ہونے کا بندوبست ہوگیا تھا۔ چرچ ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ ہر فرد کو نہانے کے لیے پانچ منٹ کا وقت دیا جارہا تھا اور شرط یہ تھی کہ اپنا تولیہ اور صابن ساتھ لائیں۔ اس وقت یہ دعوت بھی بہت بڑی راحت کا باعث تھی۔ میں باقاعدہ رجسٹر میں نام درج کرکے باری باری ٹولیوں کی صورت میں لوگوں کو نہانے بھیج رہا تھا۔

اسی دوران میں میرے دوست سارجنٹ ارلی کا فون آگیا۔ میں نے اس سے پادری ڈین فشر کے بارے میں معلومات کے لیے کہا تھا۔

ارلی نے رپورٹ دی "یہ شخص باقاعدہ پادری نہیں ہے۔ اس نے ڈاک کے ذریعے پادری کا کورس کر رکھا ہے اور ڈاک ہی کے ذریعے رقم بٹورنے کی غرض سے اس قسم کے چکر چلاتا رہتا ہے۔ دو مرتبہ پوچھ گچھ کے لیے اسے حراست میں لیا جاچکا ہے۔"

"وہ اپنے متوقع شکاروں کے نام پتے کہاں سے حاصل کرتا ہے؟"

"کمپیوٹر کے ذریعے۔" ارلی نے جواب دیا "وہ مختلف رسالوں اور کریڈٹ کارڈز وغیرہ کے خریداروں کی فہرستوں تک رسائی حاصل کرلیتا ہے پھر ان میں سے اندازاً اپنے مطلب کے لوگ چھانٹ کر انہیں کسی مخصوص مضمون کا خط ارسال کرنا شروع کردیتا ہے۔"

میں نے شکریہ ادا کرکے فون بند کیا۔ مجھے اب یہ کام بڑا دشوار محسوس ہورہا تھا کہ میں لوگوں کے دیے ہوئے خطوط انہیں واپس کروں اور بتاؤں کہ وہ مذہب اور انسانی ہمدردی کے نام پر بے وقوف بن چکے ہیں۔۔۔ یا بنتے بنتے رہ گئے ہیں۔

○☆○

میں اپنی میز کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں مجھے ایلین کھڑی نظر آئی۔

"چارلی کہاں ہے؟" میں نے اسے تنہا دیکھ کر پوچھا۔

"وہ اپنی کار لینے گیا ہے۔" ایلین نے جواب دیا "کسی نے اسے بتایا تھا کہ امدادی کارکنوں نے سڑک پر پڑے ہوئے درخت کو کاٹ دیا ہے اور راستہ صاف ہونے والا ہے۔"

"وہ کس طرح گیا ہے؟" میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"شاید کسی سے لفٹ لے کر۔۔۔" ایلین نے سادگی سے جواب دیا۔

میں نے ٹاؤن ہال کے تمام کمروں کا جائزہ لیا۔ مجھے اپنے معاون اور مددگاروں میں سے کوئی دکھائی نہ دیا۔ شاید وہ لوگ مختلف کاموں کے سلسلے میں نکلے ہوئے تھے۔ میری ٹانگ پر پاؤں سے تقریباً گھٹنے تک پلستر چڑھا ہوا تھا۔ میں لنگڑاتا ہوا عمارت کے عقب میں پہنچا جہاں تمام گاڑیاں کھڑی کی جاتی تھیں۔ وہاں صرف دو چھوٹے پک اپ ٹرک موجود تھے۔

میں اپنی پلستر زدہ ٹانگ کو سنبھالتے ہوئے ذرا دقت سے اس پک اپ میں جا بیٹھا جس میں گیئر آٹومیٹک تھے۔ پلستر میں لپٹی ٹانگ کے ساتھ میرے لیے اس گاڑی کو چلانا آسان تھا۔ میں گاڑی لے کر تیزی سے نکلا تو عقب سے کسی نے چیخ کر مجھے آواز دی۔ شاید کوئی مجھے گاڑی چلانے سے باز رکھنا چاہتا تھا لیکن اب رکنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے جہاں چارلی کی گاڑی پھنسی دیکھی تھی وہاں تک تقریباً دس منٹ کی ڈرائیو

تھی۔ عام حالات میں شاید یہ فاصلہ دو تین منٹ میں طے ہوجاتا۔

مجھے چارلی سے کچھ سوالوں کے جواب درکار تھے۔ امید تو تھی کہ وہ ایلین کو ساتھ لیے بغیر اس علاقے سے رخصت نہیں ہوگا اور ایلین کو ساتھ لینے کے لیے آتے وقت اس کا یقیناً مجھ سے سامنا ہوتا پھر بھی میں احتیاطاً خود ہی اس تک جا پہنچنے کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔

چارلی ابھی وہیں تھا جہاں اس کی گاڑی پھنسی تھی۔ تناور درخت کو ٹکڑوں میں کاٹ کر سڑک سے ہٹا دیا گیا تھا لیکن چارلی ابھی روانہ نہیں ہوسکا تھا۔ وہ اپنی کار کی ونڈ شیلڈ اور کھڑکیوں سے برف کھرچ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ہیلو ماسٹر سام۔۔۔!" اس نے خوش مزاجی سے کہا اور اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے دوبارہ برف کھرچنے میں مصروف ہوگیا۔

کار سے لے کر اس باڑے تک مجھے برف پر قدموں کے نشان نظر آرہے تھے جو چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ میں نے کار کے گرد ایک چکر لگایا اور کھڑکیوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر کار میں کچھ نہیں تھا۔

میں نے سرسری سے لہجے میں کہا "چارلی! میرا خیال ہے فرینک گریٹو سچ مچ تمہارے انکل نہیں ہیں۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

"ہاں۔۔۔" اس نے تسلیم کیا "اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔۔۔ بس میں کبھی کبھار اس کے لیے اِدھر اُدھر کے کام کرتا ہوں۔"

"جیسے اس وقت مونٹریال سے اس کی کار لے کر جارہے ہو؟" میں نے گویا تصدیق چاہی۔

اس نے اثبات میں سرہلایا تو میں نے کہا "یہ کار یقیناً کسی ایسی جگہ پر بھی رہی ہے جہاں کاروں کی باڈی میں مختلف تبدیلیاں کی جاتی ہیں۔"

وہ برف کھرچتے کھرچتے رک کر بغور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "اگر ایسا ہوا بھی ہو تو اس میں کیا خاص بات ہے؟"

میں نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کہا۔ "دروازوں کے اندر کی استرکاری کا رنگ چھت کی استرکاری سے مختلف ہے۔"

"تو پھر کیا ہوا؟" وہ بدستور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اب اس کے چہرے سے خوش خلقی کے تاثرات غائب ہوچکے تھے۔

میں نے ایک لمحے توقف کیا تو وہ بولا "اور یہ سارے سوالات کس سلسلے میں ہیں؟"

"اس کے جواب میں بھی میں ایک سوال ہی کروں گا۔۔۔" میں نے کہا "ایک نوجوان جوڑے کو مونٹریال سے لانگ آئی لینڈ کی طرف سفر کرتے ہوئے ہائی وے کو چھوڑ کر اس چھوٹی سڑک پر اس اصطبل کی طرف آنے کی کیا ضرورت آن پڑی تھی؟"

چارلی نے مضطربانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا مگر اسے کوئی راہِ فرار نظر نہ آئی۔ میں نے اطمینان سے کہا "چارلی! میرا خیال یہ ہے کہ فرینک گریٹو کے لیے کام کرنے والے کسی شخص نے اس گاڑی میں کوئی غیر قانونی چیز چھپانے کے بعد فرینک کو اطلاع دی ہوگی اور فرینک نے یہ کار چلا کر لانے کے لیے تمہیں بھیج دیا ہوگا۔"

پھر میں نے چھڑی سے باڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "غالباً تمہیں یہاں کسی سے ملنا تھا۔۔۔ یا کار تبدیل کرنی تھی۔۔۔ یا پھر شاید مال یہاں اتارنا تھا۔۔۔ مگر برف باری اور طوفانِ بادوباراں نے سارا کام خراب کردیا۔۔۔ ہے نا؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا مگر میں نے ایک اور سوال کردیا "ایلین تو سیدھی اور شریف لڑکی معلوم ہوتی ہے۔۔۔ یا وہ بھی اس دھندے میں شامل ہے؟"

"نہیں۔" اس نے جلدی سے نفی میں سرہلایا۔

مجھے معلوم ہوا تھا کہ میری عدم موجودگی میں چارلی نے امدادی کیمپ میں ٹیلی فون بھی استعمال کیا تھا۔ شاید اس نے مزید ہدایات حاصل کرنے کے لیے اپنے نام نہاد انکل فرینک گریٹو کو فون کیا ہو۔

"فرینک گریٹو نے تمہیں کیا ہدایت کی ہے؟ طوفان ختم ہونے کے بعد اب کیا کرنا ہے؟"

"کار کا سودا منسوخ ہوگیا ہے۔ فرینک نے کہا ہے کار واپس لے جاؤ۔" چارلی نے جواب دیا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔" میرے عقب سے ایک آواز آئی۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ نہ جانے کس وقت ایک شخص بے آواز قدموں سے میرے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ وہ گٹھے ہوئے جسم کا تھا اور اس کا ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا۔ میرے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ اس جیب میں کیا چیز اس کی گرفت میں تھی۔

"آرام سے کھڑے رہنا بڑے میاں!" اس نے مجھے ہدایت کی پھر چارلی سے مخاطب ہوا "اس روز طوفان کی وجہ سے ہمیں یہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی۔ جب ہم پہنچے تو تم کار چھوڑ کر جاچکے تھے اور کار کو کہیں لے جانے کے لیے کوئی

راستہ نہیں تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن بہرحال اب سب ٹھیک ہوجائے گا۔" چارلی قدرے مضطربانہ سے لہجے میں بولا۔

اجنبی نے تکلف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جیب سے ہاتھ نکال لیا۔ اس ہاتھ میں ریوالور تھا۔ مجھے نشانہ بناتے ہوئے وہ چارلی سے مخاطب ہوا "اب تم بڑے میاں کا ٹرک راستے سے ہٹاؤ اور اپنی گاڑی کی چابیاں مجھے دے دو پھر تم اس علاقے سے نکلنے کے لیے بڑی سڑک پر جاکر کسی سے لفٹ لے لو۔"

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا "بڑے میاں! تم بھول جانا کہ تم نے یہاں کچھ دیکھا تھا یا چارلی سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔۔۔"

عین اسی لمحے کچھ فاصلے پر درخت کی ایک بہت بڑی اور بھاری شاخ جو یقیناً پہلے ہی کافی حد تک ٹوٹ چکی تھی' اب زوردار آواز کے ساتھ مکمل طور پر ٹوٹ کر زمین پر آگئی۔ اس آواز نے اجنبی کو ایک لمحے کے لیے بوکھلا دیا۔ وہ آواز کی طرف متوجہ ہوا اور یہ ایک لمحے کی مہلت میرے لیے کافی تھی۔ میں نے چھری کو الٹی طرف سے پکڑا اور نہایت پھرتی سے دستے کی طرف سے اس شخص کی کلائی پر ضرب لگائی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر برف پر میرے قدموں کے قریب آن گرا۔

وہ شخص تکلیف زدہ سی آواز کے ساتھ اپنا بازو تھامتے ہوئے چلایا "خبیث بڈھے۔۔۔!"

کسی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے با آوازِ بلند کہا "بکواس بند کرواچکے۔۔۔ اور جیل جانے کی تیاری کرو۔"

یہ آواز اصطبل سے برآمد ہونے والے ایک شخص کی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک اور شخص باہر آگیا۔ دونوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور وہ پولیس یا کسی خفیہ ایجنسی کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔

ان میں سے ایک مجھ سے مخاطب ہوا "اب آپ کو کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں مسٹر سام! اب ہم انہیں سنبھال لیں گے۔ میرا نام بین ولسن ہے اور میرا تعلق کسٹم کے محکمے سے ہے۔ ہمیں معلوم ہے آپ کون ہیں۔"

دوسرے شخص نے اپنا تعارف کرایا "میں ہیرولڈ پیج ہوں۔ میرا تعلق ایک خفیہ ایجنسی سے ہے۔"

میں نے نیلی پونٹیاک سے ٹیک لگا کر کئی گہری گہری سانسیں لیں۔ اس دوران میں پیج نے اس شخص کو ہتھکڑی لگائی جس کی کلائی پر میں نے چھری کے دستے سے ضرب لگائی تھی پھر وہ چارلی سے مخاطب ہوا "تم بھی اپنے آپ کو ہتھکڑی حراست سمجھو۔"

وہ خوف زدہ سے انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ اب مجھ سے بھی خوف زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ اب تک شاید وہ مجھے محض ایک بے ضرر سا بوڑھا سمجھ رہا تھا جس کی ایک ٹانگ پر پلستر بھی چڑھا ہوا تھا مگر اب اس نے دیکھ لیا تھا کہ کس طرح ذرا سا موقع میسر آتے ہی میں نے ایک مسلح اور تنومند شخص کو غیر مسلح کردیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ایک سرکاری محکمے کا افسر میرے ساتھ کتنے احترام سے بات کررہا تھا۔

ولسن موبائل فون پر کسی سے بات کررہا تھا "۔۔۔ ہم نے وہ کار تحویل میں لے لی ہے اور اس کے ساتھ دو کارندوں کو بھی گرفتار کیا ہے۔ آکر ہمیں یہاں سے لے لو۔۔۔ اور ذرا جلدی آنا۔ یہاں بڑی ٹھنڈ ہے۔"

فون پر بات ختم کرکے اس نے مجھے ایک تھرموس سے گرم کافی پیش کی جو میں نے تہِ دل سے شکریے کے ساتھ قبول کرلی۔ وہ بتانے لگا "یہ درخت آج صبح ہم نے ہی کٹوایا تھا اور ہم چھپ کر کار کی نگرانی کررہے تھے۔ ہمیں امید تھی کہ جلد از جلد کوئی اسے لینے آئے گا۔ ہمیں اس کے بارے میں اطلاع مل چکی تھی اور ہم اس کے تعاقب میں یہاں تک آچکے تھے لیکن پھر طوفان نے گڑبڑ کردی۔ ہمارا اس کار پر چھاپے کا پروگرام مؤخر ہوگیا۔ ہم اسے ڈرائیور سمیت پکڑنا چاہتے تھے۔"

"کیا ہے اس کار میں؟" میں نے دریافت کیا "میری چھٹی حس مجھے کسی گڑبڑ کی خبر تو دے رہی تھی لیکن مجھے صحیح طور پر کچھ جاننے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"اگر ہمارے مخبر کی اطلاع بالکل درست ہے تو اس کار کے خفیہ خانوں میں کم از کم پانچ لاکھ ڈالر کی رقم ہونی چاہیے جو منشیات کی ایک کھیپ کے عوض ادا کی گئی ہے۔"

اس لمحے دو کاریں وہاں آن پہنچیں اور ان میں سے کئی افراد اتر آئے۔ چارلی کو ایک کار میں بٹھایا گیا اور دوسرے ملزم کو دوسری کار میں۔ ولسن مجھے میرے ٹرک میں بٹھا کر خود ڈرائیو کرکے مجھے واپس کیمپ میں چھوڑ گیا۔

میں نے اس سے پوچھا "اس معاملے میں ایلین کا کیا کردار ہے؟"

"وہ بے چاری ان معاملات سے لاعلم ہے۔ وہ چارلی کی گرل فرینڈ ہے اور وہ اسے محض آڑ کے طور پر استعمال کررہا تھا تاکہ کار میں اس کی موجودگی کی وجہ سے چیکنگ زیادہ سخت نہ ہو۔ چارلی بھی محض ایک ہرکارہ ہے۔ اگر اس کا ریکارڈ زیادہ خراب نہ ہوا تو اسے معمولی ہی سزا ہوگی۔"



بیمار آنکھیں

فرائض کی بجا آوری میں ایسے نازک لمحات بھی آجاتے ہیں جب انسان خود اپنے ہاتھوں مجروح ہوکر عمر بھر تڑپتا اور آہیں بھرتا رہتا ہے۔ یہ ایک ایسے ہی شخص کی کہانی ہے جو اپنے ہی ہاتھوں کھائے ہوئے ایک زخم کی کسک سے بے چین تھا۔

ایک ماہر گن فائٹر کا احوال۔ دل والوں کے لیے ایک دلدوز واقعہ

نجمہ مودی

صبح آٹھ بجے مارشل فریزر مور اپنے گھر سے نکلا اور جیرالڈ کے ریستوران کی طرف چل دیا۔ فریزر مور جس گاؤں کا مارشل تھا، اس کا نام سینٹاشل تھا۔ وہ ایک پُرسکون گاؤں تھا خصوصاً جب سے فریزر مور وہاں کا مارشل منتخب ہوا تھا تب سے کوئی خاص واردات نہیں ہوئی تھی۔

جیرالڈ کا ریستوران مارشل کے مکان سے بمشکل ایک بلاک کے فاصلے پر واقع تھا۔ مارشل جب وہاں پہنچا تو ریستوران کھل چکا تھا اور جیرالڈ کا ملازم جھاڑو دینے کے بعد کوڑا باہر پھینک رہا تھا۔ ریستوران کے قریب رک کر مارشل نے برآمدے کے جنگلے پر اپنے پائپ سے جلا ہوا تمباکو جھاڑا اور اسی دوران گردن موڑے بغیر کن انکھیوں سے ریستوران کی بغلی گلی کی طرف دیکھا۔ وہ سرمئی گھوڑا جو اس نے کچھ دیر پہلے تک اس گلی میں بندھا دیکھا تھا، وہ اب غائب ہو چکا تھا۔

مارشل فریزر ایک لمحے کے لیے وہیں کھڑا رہ گیا۔ وہ وقت

کا حساب لگا کر امکانات کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا.... ان امکانات کا تعلق اس کی زندگی اور موت سے بھی ہو سکتا تھا۔ بالآخر وہ ایک گہری سانس لے کر ریستوران میں داخل ہو گیا۔

اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ فریڈ ہنری کا گروہ تقریباً ڈھائی سال سے اردگرد کے علاقے میں وارداتوں میں مصروف تھا لیکن سینٹائل گاؤں کی طرف ابھی ان کی نظرِ کرم، نہیں ہوئی تھی۔ فریزر ڈیڑھ سال سے گاؤں کا مارشل تھا اور اس دوران اس نے آس پاس کے علاقوں میں ہونے والی وارداتوں اور مجرموں کے طریقۂ کار پر گہری نظر رکھی تھی۔

بیشتر وارداتوں میں اندازہ یہی رہا تھا کہ واردات کے وقت سے صرف چند منٹ پہلے متعلقہ گاؤں کے مارشل کو قتل کر دیا گیا تھا یا پھر فریڈ ہنری کے گروہ نے کسی گاؤں پر دھاوا بولتے وقت سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ مارشل کو ٹھکانے لگا دیا تھا تاکہ راستے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور واردات کے دوران انہیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ واردات عموماً ڈکیتی ہی کی ہوتی تھی اور اگر وہ عین اس وقت کسی گاؤں میں پہنچتا تھا جب وہاں کسی بڑی رقم کا لین دین ہو رہا ہوتا تھا۔ مارشل کی معلومات کے مطابق آج سینٹائل میں بھی یہ موقع آ چکا تھا۔ مقامی بنک میں خاصی بڑی رقم موجود تھی اور مزید رقم آج جمع ہونی تھی۔

اگر اس کے تمام اندازے غلط نہیں تھے تو یہ طے تھا کہ آج گاؤں پر دھاوا بولا جانے والا تھا اور اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ مارشل کے اندازوں کے مطابق یہ سب کچھ اگلے دو گھنٹوں میں متوقع تھا۔

مارشل ایک دراز قد، مضبوط اور پختہ العمر آدمی تھا۔ اس کی مونچھیں بڑے سلیقے سے ترشی ہوئی تھیں۔ عام طور پر اس کا چہرہ سپاٹ نظر آتا تھا اور اس کے انداز و اطوار سے سوجھ بوجھ ٹپکتی تھی۔ صرف اس کی آنکھوں میں زندگی اور محسوسات کے آثار نظر آتے تھے۔ ان آنکھوں سے اس کے عزائم کی مضبوطی کا بھی اظہار ہوتا تھا۔

ریستوران میں داخل ہو کر اس نے اپنا سیاہ ہیٹ اتار لیا۔ اس کے لمبے سے فراک نما کوٹ کے بٹن کھلے تھے اور اس کی کمر کے گرد لپٹے ہوئے ہولسٹر کی جھلک آسانی سے دیکھی جا سکتی تھی۔

ریستوران کی ایک لمبی میز کے گرد تین مرد اور دو عورتیں موجود تھیں مگر ان سب میں صرف ایک شخص نے مارشل کو صبح بخیر کہا۔ اس شخص کا نام جیک تھامسن تھا۔ اس کا لہجہ دھیما اور دوستانہ تھا۔ مارشل نے بھی جواباً گڈ مارننگ کہا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کے اور دوسرے گاہکوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ ریستوران کا چینی خانساماں ایک پیالی میں کافی انڈیل کر اس کے سامنے رکھ گیا۔ لوگوں کی باتوں کی بھنبھناہٹ سے بے نیاز مارشل اپنے خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

آج تک اس کے معمولات لگے بندھے رہے تھے۔ دن کا آغاز اس طرح ہوتا تھا کہ صبح اٹھتے ہی وہ اپنے مکان کی چھ کھڑکیوں سے باری باری مختلف زاویوں سے گاؤں کا جائزہ لیتا تھا۔ آج صبح اس نے آخری کھڑکی سے جھانکا تو اسے پیٹرسن کے اصطبل کے عقب میں وہ سرمئی گھوڑا بندھا نظر آیا تھا۔ پیٹرسن کا وہ اصطبل استعمال نہیں ہوتا تھا اور گھوڑے کو ایسی جگہ باندھا گیا تھا جہاں آسانی سے اسے دیکھا نہ جا سکے۔

مارشل نے دوربین کی مدد سے گھوڑے کا جائزہ لیا۔ اس کے جسم پر سفید نمک کی سی دھاریاں پڑی ہوئی تھیں جیسی پسینہ سوکھنے کے بعد پڑ جاتی ہیں۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ اس نے طویل اور پرمشقت سفر کیا تھا۔ کہیں کہیں پسینے کے ایسے دھبے بھی موجود تھے جو ابھی خشک نہیں ہوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے اپنا سفر ختم کیے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ گھوڑے پر سے زین اور لگام اتاری نہیں گئی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا سوار جلد ہی اس پر دوبارہ سفر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ زین پر ایک ایسا نشان بھی موجود تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس گاؤں کی بنی ہوئی نہیں تھی۔

گھوڑے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد مارشل اپنی.... نشست گاہ میں آ گیا تھا اور تقریباً ایک گھنٹے تک مطالعہ کرتا رہا تھا۔ اس دوران اس نے کئی مرتبہ باہر نظر ڈالی تھی اور گھوڑے کو وہیں بندھا ہوا پایا تھا۔

آٹھ بجے جب وہ ناشتا کرنے کی غرض سے اپنے گھر سے نکل کر ریستوران کی طرف روانہ ہوا تب بھی گھوڑا اپنی جگہ موجود تھا لیکن جب وہ ایک بلاک کا فاصلہ طے کر کے ریستوران کے قریب پہنچا تو گھوڑا غائب ہو چکا تھا۔ فضا میں گرد کے نادیدہ سے ذرات موجود تھے۔ 'گھوڑا کہاں گیا؟' مارشل اپنے آپ سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

اس سوال پر اس نے ہر پہلو سے غور کیا تھا۔ مناسب ترین جگہ شمال میں چھ میل کے فاصلے پر تھی۔ وہ ایک چھوٹا سا گھنا جنگل تھا جہاں پانی کا چشمہ بھی موجود تھا۔ ان اطراف میں ڈاکوؤں اور قاتلوں کے چھپنے کے لیے وہی ایک مناسب ترین جگہ تھی جہاں وہ اطمینان سے اپنا پروگرام بھی ترتیب دے سکتے تھے۔

سرمئی گھوڑے کا سوار جو کوئی بھی تھا وہ یقیناً گاؤں کے کسی شخص سے ملنے آیا تھا جو اُن کے لیے مخبر کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ گھوڑ سوار غالباً اپنے مخبر سے تازہ ترین معلومات حاصل کرنے

اور ایک طرح سے "گرین سگنل" وصول کرنے آیا تھا۔ مارشل کے اندازے کے مطابق وہ اب پھر میل دُور واقع جنگل میں اپنی کمین گاہ کی طرف گیا تھا جہاں تمام ساتھیوں کے سر جوڑ کر بیٹھنے کے بعد آخری اور فیصلہ کن حکمتِ عملی وضع ہونا تھی اور پھر گروہ کو گاؤں کی طرف روانہ ہونا تھا۔ ان تمام اندازوں کی روشنی میں مارشل کے پاس تقریباً دو گھنٹے کا وقت تھا۔

کافی ختم کر کے مارشل نے سگار سلگایا اور کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا کر بظاہر نہایت مطمئن انداز میں ایک طویل کش لیا۔ بنیادی طور پر وہ ایک سادگی پسند آدمی تھا۔ بہت سی چیزوں کے بارے میں اسے ذرا بھی معلومات نہیں تھیں لیکن دو چیزوں کے بارے میں وہ سب کچھ جانتا تھا۔ بندوق اور انسان کے بارے میں ہر طرح کی گن کے استعمال میں وہ ماہر تھا اور انسانوں کی اسے خوب پہچان تھی۔

اسے احساس تھا کہ ریستوران میں موجود سبزی مائل آنکھوں والی ایک نوجوان عورت مسلسل اور بغور اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ریستوران میں موجود لوگوں میں وہی ایک واحد صورت تھی جسے مارشل نہیں پہچانتا تھا۔ وہ چہرہ اس کے لیے اجنبی تھا لیکن اس اجنبیت میں بھی ایک بے عنوان سی شناسائی پنہاں تھی جو اسے اندر ہی اندر مضطرب کر رہی تھی۔ کیا یہ چہرہ اس کے لیے شناسا تھا؟ کیا وہ اسے پہلے کہیں دیکھ چکا تھا؟ کہاں اور کب؟ یہ سوالات اس کے شعور میں کھٹک رہے تھے مگر اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ موقع کچھ ایسا تھا کہ ہر اجنبی اس کی نظر میں مشکوک تھا مگر اس کی کوئی حس اسے اس چہرے پر شک کرنے سے بھی باز رکھ رہی تھی۔

پھر مارشل ایمپوریم بنک کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ مقامی بنک تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد بنک کھلنا تھا اور جیرالڈ کو اپنے ریستوران کی ہفتے بھر کی آمدنی وہاں جمع کرانے جانا تھا۔ یہ خاصی موٹی رقم ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بنک میں مقامی زمینداروں کی رقمیں اور سونا تلاش کرنے والوں کی امانت کے طور پر سونے کا خاصا بُرادہ بھی جمع تھا، یعنی بنک میں نقد رقم کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا جو حریص ہاتھوں اور بھری ہوئی بندوقوں کو حرکت میں لا سکتا تھا۔

ہنری کے گروہ کو یقیناً یہ سب اطلاعات حاصل تھیں اور مارشل کا اندازہ تھا کہ عنقریب وہ اپنی کمین گاہ سے گاؤں کی طرف روانہ ہونے والے تھے۔ دفعتاً مارشل چونک اٹھا۔ جیک تھامسن نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"مارشل!" وہ کہہ رہا تھا۔ "فرض کرو کہ ہنری کا گروہ یہاں ڈاکا ڈالنے آجائے تو تم کیا کرو گے؟"

مارشل نے اپنے سگار کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے بغور دیکھا پھر سر اٹھا کر ملائمت سے بولا۔ "میرا خیال ہے مجھے کوئی نہ کوئی قدم تو اٹھانا ہی پڑے گا۔"

مارشل خوش فہم آدمی نہیں تھا۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ گاؤں میں اسے ایک ماہر و مشاق اور نہایت پھرتیلا گن فائٹر سمجھا جاتا تھا لیکن اپنی مشاقی و پھرتی ثابت کرنے کا موقع اسے آج تک نہیں ملا تھا۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب اس نے کسی اور جگہ ایک شخص پر گولی چلا کر اسے ہلاک کر دیا تھا لیکن وہ ایک بھیانک غلطی تھی۔ اس نے حد سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ ضرور کیا تھا لیکن گولی غلط آدمی پر چلا دی تھی۔ وہ آئندہ ایسی غلطی ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اب تک وہ سینٹ نیل میں امن و سکون برقرار رکھنے میں اسی لیے کامیاب رہا تھا کہ اسے انسانوں کو برتنا آتا تھا۔ اسی بنیاد پر وہ درست فیصلہ کرنے میں کامیاب رہتا تھا کہ کس وقت اسے کیا کرنا چاہیے۔ حالانکہ ایک مارشل کی حیثیت سے اسے اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنا ایک نائب بھی رکھے لیکن اس نے تنہا ہی کام کرنا پسند کیا تھا۔ گھر میں بھی وہ تنہا زندگی گزار رہا تھا۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔

طبعاً وہ تنہائی پسند ہی معلوم ہوتا تھا۔ اگر اس کے دل میں جذباتیت کا کوئی گوشہ، کسی قسم کا گداز یا سماجی میل جول کی خواہش موجود بھی تھی تو کم از کم گاؤں کے باشندے اس سے لاعلم تھے۔ اس تاثر سے اسے کچھ فائدہ بھی حاصل تھا۔ لوگ اس سے زیادہ قریب آنے یا اس سے واقفیت جتا کر اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی زمانے میں وہ بہت خوش گفتار آدمی تھا اور صرف گن سے ہی نہیں، کتاب سے بھی اس کا گہرا رشتہ قائم تھا۔ اس نے خود کئی کتابیں لکھی تھیں جو کاؤ بوائز میں بہت مقبول رہی تھیں۔ خطر پسند شہسوار اپنے سفری تھیلوں میں اس کی ایک آدھ کتاب ضرور رکھتے تھے۔

وہ امریکی فوج میں کیپٹن رہا تھا۔ میکسیکو کے انقلاب کے دوران اسے کرنل کے عہدے تک ترقی ملی تھی۔ اس کے بعد ایک عرصے تک وہ پیشہ ور شکاری رہا۔ فوج کو اس نے عین نوجوانی میں ہی خیرباد کہہ دیا تھا۔ شکار سے اکتانے کے بعد وہ سفری بگھیوں کی ایک کمپنی میں بطور سپرنٹنڈنٹ تعینات ہو گیا تھا۔

ظاہر ہے اس قسم کی زندگی گزارنے والا شخص ہنری کے گروہ کی تاریخ سے ناواقف نہیں ہو سکتا تھا۔ کئی سال سے اسے ان لٹیروں اور قاتلوں کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہی تھیں تاہم یہ رجحان ان لوگوں میں کچھ ہی عرصہ پہلے پیدا ہوا تھا کہ اب وہ گولی پہلے چلاتے تھے، بات بعد میں کرتے تھے۔ گروہ

میں سے کم از کم کوئی ایک شخص ضرور سفاک قاتل بن چکا تھا جو محض اپنی دھاک بٹھانے کے لیے بلاجواز لوگوں کو قتل کرتا تھا۔ اب تک ان لوگوں کے ہاتھوں تین تو مارشل ہی مارے جا چکے تھے۔ ہر ایک کو پشت پر گولی ماری گئی تھی۔

مارشل کے لیے اپنا یہ اندازہ سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا کہ گاؤں میں ہنری کے گروہ کا کوئی مخبر بھی موجود تھا۔ سُرمئی گھوڑے والا نامعلوم شخص یقیناً صبح کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے یہاں آیا تھا اور مخبر سے مل کر اپنی دانست میں، کسی کی نظر میں آئے بغیر رخصت ہو گیا تھا... لیکن مخبر کون تھا؟

'عین ممکن ہے کہ اس وقت وہ ریستوران میں موجود ہو' مارشل نے سوچا۔ کیونکہ ریستوران بازار میں سب سے پہلے کھلتا تھا، یہاں سب سے زیادہ رونق رہتی تھی۔ زیادہ تر مخبروں کو نقطۂ آغاز یہیں سے ملتا تھا۔ حتیٰ کہ یہاں بیٹھ کر تو مخبر یہ بھی دیکھ سکتا تھا کہ مارشل کس موڈ میں ہے۔ ریستوران میں وہ لڑکی ہی مارشل کے لیے اجنبی تھی جو بغور اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ باقی لوگ مارشل کے جانے پہچانے اور قابلِ اعتبار تھے۔

لڑکی کی ذات میں گویا بہت سی متضاد کیفیتیں سمٹی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے لیے اجنبی بھی تھی اور کچھ شناسا بھی۔ اس کے خوب صورت خدوخال میں ملائمت بھی تھی اور سختی بھی۔ ایک لمحے کے لیے تو مارشل کو یہ بھی محسوس ہوا جیسے وہ اس کے ماضی کے دُھندلکوں میں چھپی ہوئی کوئی پرچھائیں تھی جو ایک حسین روپ دھار کر چلی آئی تھی مگر گزرے ہوئے ماہ و سال نے مارشل کے ذہن پر کہر سی جما دی تھی۔ وہ اب لڑکیوں کے بارے میں زیادہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ مارشل کی ذات نوجوانی سے ہی لڑکیوں کے لیے باعثِ کشش رہی تھی لیکن یہ لڑکی آنکھوں میں عجیب سی اذیت لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایسی مدفون یا بے عنوان سی اذیت لیے آج تک کسی لڑکی یا عورت نے مارشل کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

مارشل اپنی توجہ ہٹانے کے لیے جونی کی طرف دیکھنے لگا۔ جونی ایک آوارہ گرد نوجوان چرواہا تھا۔ گاؤں میں اس کی شہرت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ وہ بدمزگی کے سے عالم میں اپنے ناشتے کی پلیٹ اور کافی کے مگ کو گھور رہا تھا۔ اس کی کنپٹی پر ایک گومڑا اور پیشانی کے قریب معمولی سا زخم نظر آ رہا تھا۔ یہ مارشل ہی کے 'دستِ شفقت' کا نتیجہ تھا۔

جونی کا معمول تھا کہ ہر ماہ کی آخری رات خوب پی کر، نشے میں دُھت ہو کر گاؤں کی گلیوں میں اودھم مچاتا تھا، الٹی سیدھی حرکتیں کرتا تھا۔ گزشتہ رات انہی حرکتوں پر مارشل نے اسے حوالات میں رکھا تھا اور جب اس نے اکڑفوں دکھانے کی کوشش کی تھی تو اس کی تھوڑی سی 'تواضع' کر ڈالی تھی۔

جونی نے محسوس کر لیا کہ مارشل اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ سر اٹھا کر زہریلے سے لہجے میں بولا "کیا گزشتہ رات میرے سر پر ریوالور کا دستہ رسید کرنا ضروری تھا؟"

مارشل نے ایک بار پھر اطمینان سے اپنے سگار کا جائزہ لیا اور پُرسکون لہجے میں بولا "مجھے کلہاڑی کا دستہ میسّر نہیں تھا ورنہ اس سے کام چلانے کی کوشش کرتا۔ ویسے تمہاری حالت اس وقت ایسی تھی کہ شاید کلہاڑی کے دستے کو تم قطعاً خاطر میں نہ لاتے۔ شکر کرو کہ میں نے تمہیں شوٹ نہیں کیا۔"

"کیا انسانوں کو قتل کرنا اتنا ہی آسان ہے؟" یہ سبزی مائل سیاہ آنکھوں والی اجنبی لڑکی کی آواز تھی۔ اس کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی۔

"اس کا انحصار حالات پر ہے" مارشل فریزر نے پُروقار لہجے میں جواب دیا۔

"میرا خیال ہے..." لڑکی کے لہجے میں برہمی سی جھلک آئی۔ "کہ تمہارے لیے تو کسی کو ہلاک کرنا بہت ہی آسان ہوگا۔ بلکہ شاید تم تو اس عمل سے لطف اندوز بھی ہوتے ہو گے۔ بشرطیکہ تمہارے اندر تھوڑی بہت حسیات باقی ہوں۔"

لڑکی کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ جونی بھی پلٹ کر بغور اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ مارشل کے انداز اور تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ لڑکی کے لہجے سے جھلکتی ہوئی نفرت اس کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ ایسی تلخی تو جونی کے لہجے میں بھی نہیں تھی۔

جونی کو کئی مرتبہ مارشل چھوٹی موٹی سزا دے چکا تھا لیکن جونی کو خود بھی معلوم تھا کہ نشے میں بدمست ہو کر وہ جو حرکتیں کر گزرتا تھا، ان کو دیکھتے ہوئے، فریزر کی جگہ اگر کوئی اور مارشل ہوتا تو شاید اسے شوٹ ہی کر چکا ہوتا۔ ادھر مارشل بھی جانتا تھا کہ مہینے میں ایک دو دن کے لیے جونی بہکتا ضرور ہے لیکن وہ دل کا بُرا نہیں۔ بنیادی طور پر وہ ایک اچھا نوجوان ہے لیکن کبھی کسی نے اسے اچھے مقصد کے لیے آزمانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سب نے ہمیشہ اسے ڈانٹا، دُھتکارا ہی تھا۔

جیک تھامسن گویا مارشل کا دھیان بٹانے کے لیے ایک بار پھر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا "میں اکثر و بیشتر ہنری کے گروہ کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوتا رہتا ہوں مارشل۔ مجھے اندیشہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی روز اس گاؤں پر بھی ان کی نظر ضرور پڑے گی۔ اگر تم کبھی ایسے آثار محسوس کرو تو فوراً مجھے اپنے مددگار کے طور پر طلب کر لینا۔ گن سے ناتا توڑے

گو کہ مجھے کافی عرصہ گزر چکا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ میرا نشانہ اب بھی بُرا نہیں ہوگا۔"

"تمہاری پیش کش کا شکریہ۔" مارشل کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن شاید اس کی ضرورت نہ پڑے۔ اگر وقت آیا تو میں اپنے انداز میں ان سے نمٹوں گا۔ یہ میری ذمے داری ہے۔"

اس دوران ریستوران کا مالک جیرالڈ، نوجوان جوڑا اور ایک خاتون یکے بعد دیگرے ریستوران سے رخصت ہو چکے تھے۔ خاتون کو بازار میں اپنی ملبوسات کی دکان کھولنا تھی۔ دفعتاً اجنبی لڑکی کی آواز نے ایک بار پھر مارشل کی رگ وپے میں ارتعاش سا پیدا کر دیا۔

"کسی کی طرف سے مدد کی پیش کش کو ٹھکرانا حماقت نہیں؟" وہ کہہ رہی تھی۔ لہجے میں اب بھی وہی کاٹ تھی۔

مارشل کے تاثرات میں اب بھی کوئی تبدیلی نہ آئی۔ وہ اسی ٹھہرے ٹھہرے اور پُرسکون لہجے میں بولا۔ "ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو مادام! لیکن گاؤں کی حفاظت کے لیے سر دست صرف مجھے منتخب آدمی سمجھا جا سکتا ہے۔ مجھے اسی کام کی تنخواہ ملتی ہے۔ اس لیے خطرات بھی صرف مجھے ہی مول لینا چاہئیں۔"

جیک تھامسن حقیقتاً بہت پریشان معلوم ہوتا تھا۔ وہ موضوع کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ بہ اصرار بولا۔ "فرض کر لو تم نے میری مدد کی پیش کش قبول کر لی ہے۔ اس صورتِ حال میں تم کیا حکمتِ عملی اختیار کرو گے؟ میرے ذمے کیا کام لگاؤ گے؟"

"اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔" مارشل نے کہا اور تازہ کافی کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

ایک گھونٹ بھرنے کے بعد وہ لڑکی سے مخاطب ہوا۔ "تم سینٹ اُمل میں نئی ہو۔ کیا تمہارا قیام طویل ہوگا؟"

"نہیں۔" لڑکی نے مختصر اور مبہم جواب دیا۔

"یہاں تمہارے رشتے دار ہیں؟"

"نہیں۔" لہجہ کھردرا سا تھا۔ مارشل منتظر رہا مگر لڑکی نے کسی بھی بات کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ ریستوران میں سناٹا تھا۔ پرانے وال کلاک کی ٹک ٹک کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مارشل نے کن انکھیوں سے لڑکی کا جائزہ لیا۔ وہ بالکل ساکت بیٹھی تھی... کسی تصویر کی طرح! اس کے دلکش نقوش، اس کے نازک خدوخال جانے کیوں مارشل کو ماضی کی بھول بھلیوں میں لیے جا رہے تھے۔

پھر یکدم اس نے اس چہرے میں چھپے ہوئے شناسائی کے راز کو پا لیا۔ یک لخت اس کے ذہن میں کوئی گتھی سی سلجھ گئی۔

دفعتاً جیک تھامسن جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ایک

دراز قد آدمی تھا جس پر موٹاپا قدم جمانے لگا تھا۔ اس کے بال ہمیشہ اُلجھے اُلجھے اور لباس شکن آلود رہتا تھا۔ وہ رخصت ہوتے ہوئے بولا۔ "اگر کبھی میری ضرورت محسوس کرو تو بلا تامل مجھے بلا بھیجنا مارشل!"

"ضرور... ضرور۔" مارشل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ وہ شاذ و نادر ہی مسکراتا تھا۔

جیک تھامسن جا چکا... تو وہ ایک بار پھر لڑکی کی طرف مڑتے ہوئے بدلے بدلے سے لہجے میں بولا۔ "تم یہاں کس لیے آئی ہو؟ یہاں تمہارے لیے کیا رکھا ہے؟"

"میرے پاس اگر کچھ بچا ہے تو وہ اسی علاقے میں ہے۔ یہاں سے مغرب کی طرف... تھوڑے سے فاصلے پر کچھ زمین ہے جو میرے نام منتقل ہوئی ہے۔" وہ سرسراتی ہوئی سی آواز میں بولی۔ "میں اسی طرف محوِ سفر تھی۔ سفری بگھی یہاں رُکی تو میں نے تمہارا نام سنا اور میں یہ دیکھنے کے لیے یہاں اتر گئی کہ وہ شخص کس حال میں ہے جس نے اپنے عزیز ترین دوست کو قتل کر دیا تھا۔"

مارشل آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یکدم ہی اس کا دل کھنڈر سا ہو گیا تھا۔ تنہا تو وہ ہمیشہ سے ہی رہتا آیا تھا لیکن تنہائی اتنی اذیت ناک بھی ہو سکتی ہے، یہ احساس اسے پہلی بار ہوا تھا۔ اسے یوں لگا کہ دنیا میں اس کی بات سننے اور سمجھنے والا ایک بھی فرد موجود نہیں اور اس نوعیت کا احساسِ تنہائی زیادہ تکلیف دہ تھا۔

"تم نتائج اخذ کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ کر رہی ہو۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "کسی انسان کو پرکھنے اور اس کے بارے میں رائے دینے سے پہلے تمام حالات اور واقعات کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔"

"ایک قاتل کو پرکھنے اور اس کے بارے میں رائے دینے کے لیے باریک بینی کی ضرورت نہیں ہوتی۔" وہ فیصلہ کُن لہجے میں بولی۔

"تم تھوڑا سا صبر کرو۔ جلد ہی تم میرا مطلب سمجھ جاؤ گی..... اور خدارا آج مین بازار میں مت نکلنا۔ اگر تمہیں کہیں جانے کے لیے سواری کی ضرورت ہو تو مجھے پیغام بھجوا دینا۔ میں تمہارے لیے کسی بھروسے کے کوچبان کا انتظام کر دوں گا۔" پُروقار انداز میں قدم اٹھاتا ہوا وہ دروازے تک پہنچا اور ناب پر ہاتھ رکھتے ہوئے مُڑ کر بولا۔ "وہ مجھ سے تمہاری بہت باتیں کرتا تھا۔ بہت تذکرہ رہتا تھا تمہارا۔ اس نے تمہاری شخصیت اور عادات کے بارے میں ہر بات مجھے بتا رکھی تھی، اس لیے اب میں نے تمہیں دیکھا تو تمہاری صورت مجھے جانی پہچانی لگی۔ حالانکہ میں نے اس سے پہلے تمہیں نہیں دیکھا تھا... اور تمہاری شکل میں اُس کی شباہت بھی ہے۔ وہ المیہ رونما ہونے سے پہلے میں سوچا کرتا تھا کہ ایک نہ ایک دن تم سے ملاقات ہو گی لیکن ایسے حالات میں نہیں جیسے حالات میں آج ہوئی ہے۔ کاش! ہم نفرت اور بدگمانی کی کڑی دھوپ میں نہیں محبت اور خوش گمانی کی نرم چھاؤں میں ملے ہوتے۔ آج جو کچھ ہونے والا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اسے ضرور دیکھو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اتنی جرأت مند ضرور ہو کہ کم از کم ایک تماشائی کے طور پر سب کچھ دیکھ سکو اور اگر محسوس کرو کہ تم نے کسی کو سمجھنے میں غلطی کی ہے تو اس غلطی کی تصحیح کر سکو۔ میں نے تمہیں خط میں بھی لکھا تھا کہ تمہارا بھائی حادثاتی مارا گیا تھا۔"

"لیکن اسے گولی تو بہرحال تم نے ہی ماری تھی۔ تمہیں گولی چلانے کی بہت جلدی تھی۔"

"میں اس وقت ڈاکوؤں اور قاتلوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ گولیاں چل رہی تھیں... اور ایسے میں وہ اچانک میرے عقب سے، دوڑتا ہوا وہاں پہنچا..."

"وہ تمہاری مدد کے لیے آیا تھا۔"

"میری معلومات کے مطابق تو وہ اس وقت اس گاؤں سے کم از کم سو میل دُور کسی اور مقام پر تھا اور جس گاؤں کا یہ ذکر ہے، وہاں میرا کوئی دوست نہیں تھا جو میں یہ سمجھتا کہ کوئی میری مدد کو آیا ہے۔ ویسے بھی وہ سب کچھ بہت تیزی سے ہوا۔ وہ زندگی اور موت کی جنگ تھی... ایسے موقعوں پر انسان کے پاس سوچ و بچار کی مہلت نہیں ہوتی۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے آناً فاناً ہوتا ہے۔ اس وقت انسان سوچے سمجھے بغیر عمل کرتا ہے۔"

"یعنی قتل پہلے کرتا ہے، صورت بعد میں دیکھتا ہے۔" لڑکی کا لہجہ بدستور تلخ تھا۔

"تم بات کو اس انداز میں بھی کہہ سکتی ہو۔ بہرحال.... میں شرمندہ ہوں۔" مارشل بولا۔ "لیکن جو کچھ آج ہونے والا ہے اسے دیکھنے کے بعد غور کرنا کہ کیا اس قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کا کوئی اور طریقہ ہو سکتا ہے؟ عین ممکن ہے تم مجھے پہلے سے زیادہ ظالم سمجھنے لگو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بات تمہاری سمجھ میں آ جائے۔ اور جب بات سمجھ میں آ جاتی ہے تو نفرت ختم ہو جاتی ہے۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ برآمدے میں رُک کر اس نے محتاط انداز میں گلی کا جائزہ لیا۔ ریستوران کے سامنے جبرالڈ ہی کا شراب خانہ بھی تھا جس کے ایک حصے میں اس کا دفتر تھا۔ چند قدم آگے ریستوران والی سائیڈ پر امپیریم بنک تھا۔ کچھ آگے ایک متروک باڑہ تھا۔ باڑے کا بغور جائزہ لینے کے بعد اس نے ایک بار پھر گلی میں نظر دوڑائی۔ جو کچھ بھی ہونا تھا اسی گلی میں ہونا تھا اور اس کی ذمے داری یہ تھی کہ شریف آدمیوں کی جان و مال کو نقصان نہ پہنچنے دے اور مجرموں کو جرم سے باز رکھنے کے لیے ہر ممکن قدم اٹھائے۔

وہ اس گلی کی ہر عمارت، ہر دروازے سے واقف تھا۔

دروازوں سے اس کی شناسائی تھی مگر اس وقت صرف وہی منزل اس کی توجہ کا مرکز تھا جو گلی کے سرے سے ذرا ہٹ کر، بالترتیب عمارتوں سے کچھ فاصلے پر واقع تھا۔ اس کا بڑا سا شکستہ پھاٹک کھلا تھا اور اندر ویرانی کا راج تھا۔

اس کے پاس وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ اس کے باوجود ادھر ادھر کے خیالات اس کے ذہن پر یلغار کیے جا رہے تھے۔ گاؤں کے لوگ اسے بہت سرد مہر سمجھتے تھے۔ ایک بار اس نے مسز جیمسن کو اپنے بارے میں بات کرتے سنا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں: "بہت ہی تنہائی پسند شخص ہے یہ مارشل۔ پورے گاؤں میں اس کا کوئی دوست نہیں۔ گھر میں بھی اکیلا ہی رہتا ہے۔ بس ڈھیروں کتابیں ہیں اس کے پاس۔ شاید وہی اس کی دوست ہیں لیکن گولی چلاتے میں اس کا جواب نہیں۔ پلک جھپکتے میں آدمی کو قتل کر سکتا ہے۔"

جب وہ نیا نیا یہاں آیا تھا تو یہ گاؤں اور بھی چھوٹا تھا جو تھوڑی بہت آبادی تھی، اس میں سے بھی لوگ دھڑا دھڑ ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ کوئی شخص گاؤں کا مارشل بننے کے لیے تیار نہیں تھا کیونکہ گاؤں پر چند جواریوں اور بدمعاشوں کا راج تھا۔ تاش کھیلنے کے بہانے دن دہاڑے لوگوں کو لوٹ لیا جاتا تھا۔ بات بات پر قتل ہوتے تھے۔ گاؤں والوں نے مجبوراً اسے مارشل منتخب کیا تھا کیونکہ کوئی شخص یہ ذمے داری قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو گیا تھا۔ گاؤں میں آخری جھگڑا چھ ماہ قبل ہوا تھا۔ چھ ماہ سے کوئی شخص زخمی تک نہیں ہوا تھا۔ کیا اس کی ان خدمات کا کسی کو احساس نہیں تھا؟

ایک نیا سگار سلگاتے ہوئے اسے خود پر حیرت ہونے لگی۔ آخر وہ آج اتنی بہت سی سوچوں میں کیوں الجھا ہوا تھا؟ اس نے سنا تھا ڈوبتے ہوئے آدمی کی نظروں کے سامنے اس کی پوری زندگی کی فلم چند لمحوں میں گزر جاتی تھی۔ کہیں وہ ڈوب تو نہیں رہا تھا؟ یا پھر اس کے دل و دماغ کی یہ کیفیت محض اس لیے تھی کہ آج اس نے جولیا کو دیکھ لیا تھا؟ کسی زمانے میں اس کے ذہن میں ایک آئیڈیل لڑکی کا تصور ایسا ہی تھا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اسے اس کا آئیڈیل اتنی تاخیر سے اور اتنے ناسازگار حالات میں نظر آئے گا۔

جولیا، ٹام کی بہن تھی۔ ٹام سے فریزر کی دوستی مغربی علاقے میں ہوئی تھی اور یہ دوستی بہت تھوڑے عرصے میں بہت زیادہ مضبوط ہو گئی تھی۔ ٹام اکثر اپنی بہن کا تذکرہ کرتا تھا۔ پھر اس نے اپنی بہن کو خط بھی لکھا تھا کہ وہ بھی اس کے پاس آ جائے۔ کیونکہ اس نے اس کے لیے زندگی کا ساتھی تلاش کر لیا ہے مگر اس کے دو ہفتے بعد ٹام اس طرح مارا گیا تھا کہ اس کے دل میں فریزر کے ریوالور کی گولی پیوست تھی۔ فریزر جسے وہ اپنی بہن کا جیون ساتھی بنانا چاہتا تھا۔

مارشل ارد گرد کی عمارتوں کو دیکھتا ہوا گلی میں قدم اٹھانے لگا۔ گاؤں تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔ اب تو ارد گرد کی بہت سی چھوٹی چھوٹی بستیوں کے لوگوں کا کاروبار اور مستقبل بھی اسی گاؤں سے وابستہ ہو گیا تھا۔

باڑے کے پھاٹک پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ نیم شکستہ اگلی کوٹھری سے گلی پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ مارشل کو معلوم تھا کہ اسی گلی کے سرے سے گھڑ سوار نمودار ہوں گے اور باڑے کی سمت میں بڑھیں گے۔ یہیں کسی عمارت کے خفیہ گوشے میں چھپا ہوا کوئی شخص غالباً اپنی رائفل سے مارشل کا نشانہ لیے ہوئے ہوگا۔

باڑے کی کوٹھری ذرا بلندی پر تھی۔ مارشل نے گرد آلود چوبی سیڑھیوں پر قدم رکھا تو تختے چرچرا کر رہ گئے۔ کئی چھپے کوٹھری سے نکل کر بھاگے۔ مارشل نے اندر جھانک کر دیکھا۔ دھول مٹی، پرانی بھوسی اور مکڑی کے جالوں کے سوا اندر کچھ نہیں تھا۔ اس جگہ سے گھڑ سواروں کا حملہ روکا جا سکتا تھا لیکن مارشل خود اس جگہ مورچہ بند ہو کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اس کا کھلے بازار میں موجود رہنا زیادہ...



بالکل مفت معلوماتی بروشر حاصل کیجیے۔ اس کا تھوڑا سا مطالعہ ایسی خواتین کے لیے ضروری ہے جو برسوں سے اولاد جیسی نعمت سے محروم رہی ہوں یا پھر کسی نسوانی شکایت میں مبتلا ہوں۔ ہزارہا بے اولاد خواتین اس معلوماتی بروشر کو منگوا کر آج کئی کئی بچوں کی مائیں بن چکی ہیں اور خوشیوں سے بھری زندگی گزار رہی ہیں آج ہی ایک خط ہمراہ جوابی لفافے کے روانہ کر دیجیے

آئیڈیل انٹرنیشنل

پوسٹ بکس نمبر 2377 ۔ کراچی 18 کوڈ نمبر 74600

ضروری تھا۔

وہ اپنے گھر واپس آگیا۔ ایک فاضل ریوالور اس نے جیب میں ٹھونسا اور تیسرا ریوالور ریلیٹ میں اڑس لیا۔ پھر اس نے ایک اونی تھیلے میں دو شارٹ گنز ڈال لیں۔ اسے معلوم تھا کہ کوئی بھی اسے یہ اونی تھیلا اٹھا کر لے جاتے دیکھ کر تجسس میں مبتلا نہیں ہوگا کیونکہ اس تھیلے میں وہ تال سے لکڑیاں لایا کرتا تھا۔

وہ دوبارہ بازار کی طرف آیا۔ جیک تھامسن اپنے اصطبل کے سامنے کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ جیرالڈ اپنے آفس سے نکلا اور مارشل کو بازار میں دیکھ کر گویا مطمئن ہو کر دوبارہ اندر چلا گیا۔ مارشل نے اپنا بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے غیر محسوس طور پر بازار کا جائزہ لیا۔ جیک تھامسن اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے آج جو موضوع چھیڑا تھا وہ نیا نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی کئی لوگ مارشل سے پوچھ چکے تھے کہ اگر ہنری کا گروہ کبھی گاؤں پر حملہ آور ہوا تو وہ کیا کرے گا؟ گویا یہ اندیشہ سب کے ذہن میں موجود تھا۔ تاہم جیک تھامسن وہ واحد شخص تھا جس نے ڈاکوؤں کے مقابلے میں اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

جونی شراب خانے کی سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔ وہ مارشل کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے طنزیہ اور استہزائیہ لہجے میں بولا۔ "گاؤں کا معائنہ کیا جا رہا ہے؟"

مارشل دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے قریب جا پہنچا۔ اس نے ایک نظر ویران باڑے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دھیمے لیکن تیکھے لہجے میں بولا۔ "جونی! اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میں تمہیں اس گاؤں کا مارشل نامزد کر کے جاؤں گا... اور اگر میں زندہ رہا تو تمہیں اپنا ڈپٹی مقرر کروں گا۔"

جونی نے کچھ اس طرح مارشل کی طرف دیکھا گویا اسے شبہ ہو کہ گرمی کی وجہ سے اس کا دماغ چل گیا ہے۔ مارشل نپی لیکن ٹھوس آواز میں بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "جونی! تم چھتیس سال کے ہو چکے ہو اور اب وقت آگیا ہے کہ تم اپنی ذمے داریوں کو پہچانو۔ اپنے آپ کو اس معاشرے کا ایک اہم فرد سمجھو۔ چھوٹی موٹی بدمعاشیاں تو تم نے بہت دکھا لیں اور اپنے آپ کو جھگڑالو اور سخت جان ثابت کرنے کی بہت کوششیں کر لیں۔ اب صحیح معنوں میں کچھ کر دکھانے کا وقت آگیا ہے۔ میں نے پورے گاؤں پر نظر دوڑائی اور اپنے نائب کے طور پر کام لینے کے لیے مجھے تم سے زیادہ موزوں شخص کوئی اور دکھائی نہیں دیا۔"

مارشل کو معلوم تھا کہ جونی کے قدم قانون شکنی کی حدود میں رہتے ہیں لیکن وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ اندر سے وہ ایک اچھا آدمی تھا اور اسے اچھائی کی حدود میں واپس لانے کے لیے مارشل یہی طریقہ آزمانا چاہتا تھا کہ اسے اس کے معزز ہونے کا احساس دلائے اور ایک معززانہ ذمے داری اس کے کندھوں پر ڈال دے۔

جونی کی آنکھوں میں بے یقینی دھیرے دھیرے کم ہوئی اور اس کی جگہ احترام نے لے لی۔ اسے یاد آیا کہ مارشل نے ہر بار اسے بحالتِ مجبوری حراست میں لیا تھا اور کبھی اس کی غلطی اور بے بسی سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ ضرورت سے زیادہ اسے ایک لمحے بھی حراست میں نہیں رکھا تھا۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید جونی کے ساتھ زیادہ برا سلوک کرتا۔ آج جونی کو پہلی بار احساس ہوا کہ دل ہی دل میں وہ درحقیقت اس دراز قد، کم گو اور نیم پُراسرار آدمی سے خوفزدہ تھا، اس کا احترام بھی کرتا تھا اور اس کا عقیدت مند بھی تھا مگر نوجوانی کی ضد اور اکڑ میں وہ اس سے الجھنے کی کوشش کرتا تھا۔

"جونی!" دفعتاً مارشل بدلے بدلے سے لہجے میں بولا۔ "اس وقت دس بجنے میں دو منٹ باقی ہیں۔ جلد ہی لٹیرے یہاں آنے والے ہیں اور فائرنگ شروع ہونے والی ہے۔ یہ تھیلا لے کر باڑے میں چلے جاؤ۔ اس میں دو شاٹ گنز ہیں۔ جونہی فائرنگ شروع ہو تم بھی بلا تامل جوابی کارروائی کرنا۔ باڑے میں مویشیوں کے لیے راتب کی جو ناند.... نصب ہے اس کی آڑ لے لینا اور زیادہ محفوظ طریقہ یہ ہے کہ اس کے نیچے سے فائر کرنا... لیکن تم باڑے میں پیچھے سے جانا.... میں سامنے والی کوٹھری کے دروازے میں ایک رائفل کی نال کی جھلک دیکھ چکا ہوں۔ وہاں جو کوئی بھی موجود ہے وہ میرا نشانہ لینے کی کوشش کر چکا ہے... تم بغلی گلی سے جاؤ۔ ایک شاٹ گن گلی میں ہی چھوڑ جانا...."

جونی نے گلی میں قدم رکھا ہی تھا کہ بازار کے سرے پر دو گھڑ سوار نمودار ہوئے۔ ان کے گھوڑے نہایت مضبوط اور توانا تھے۔ اس گاؤں میں ایسے گھوڑے دیکھنے میں نہیں آتے تھے۔ وہ مارشل سے ایک بلاک کے فاصلے پر تھے۔ اسی لمحے ایک بغلی گلی سے تین گھڑسوار برآمد ہوئے۔ ان میں سے ایک کا گھوڑا سرمئی تھا۔ وہ ابھی چند قدم ہی آگے آئے تھے کہ جیرالڈ اپنے آفس سے نکل آیا۔ وہ کینوس کے دو تھیلے اٹھائے بنک کی طرف بڑھا۔ ان تھیلوں میں رقم تھی۔

دوسرے ہی لمحے باڑے کی طرف سے رائفل کا دھماکا سنائی دیا لیکن مارشل اس طرف سے بے خبر نہیں تھا۔ وہ گلی میں چھلانگ لگا کر سینے کے بل لیٹ چکا تھا اور رائفل کے تقریباً ساتھ ساتھ ہی اس کا ریوالور گرجا تھا۔ اس نے کوٹھری کے دروازے میں رائفل گرتے دیکھی۔ اس کا فائر کارگر رہا تھا۔

"جیرالڈ! تمہارے پیچھے گلی میں شاٹ گن پڑی ہے۔"

مارشل چلایا اور جیرالڈ تھیلوں سمیت گلی میں گھس گیا۔ گھڑسوار غالباً اس کے لیے تیار نہیں تھے کہ مارشل پہلے سے خبردار ہوگا۔ ان پانچوں کے ہاتھ بیک وقت ہولسٹروں کی طرف بڑھے لیکن اس وقت

تک مارشل دوسرا فائر کر چکا تھا۔ اس کی پہلی گولی نے کوٹھری میں موجود شخص کو ہلاک کیا تھا اور دوسری گولی سے ہلاک ہونے والا شخص خود گروہ کا سردار ہنری تھا۔

ان کے گھوڑے نروس ہو چکے تھے۔ سامنے والی بغلی گلی میں ایک شاٹ گن گرجی اور سُرمئی گھوڑے کا سوار گھوڑے سے لڑھک پڑا۔ گرتے گرتے اس نے فائر کیا لیکن گولی نہ جانے کس طرف گئی۔ ایک سوار نے تیزی سے اپنا گھوڑا اس گلی کی طرف بڑھایا جس میں مارشل لیٹا نظر آرہا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا چہرہ گولی لگنے سے مسخ ہو کر رہ گیا۔ پھر باڑے کی طرف سے شاٹ گن کی گرج سنائی دی اور باقی دونوں سوار بھی بدحواسی میں اِدھر اُدھر گولیاں برساتے، اُچھل کر گھوڑوں سے گرے اور انہی کی سُموں تلے کچلے گئے۔

یہ سب کچھ صرف چند لمحوں میں ہو گیا۔ ایک لمحے میں گویا فرشتۂ اجل سب کچھ سمیٹ کر لے گیا تھا۔ بازار میں ڈاکوؤں کا خون پھیلا ہوا تھا۔

جونی باڑے کی طرف سے آتا دکھائی دیا۔ جیرالڈ بھی گلی سے نکل آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں شاٹ گن اور دوسرے میں کینوس کے تھیلے تھے۔ وہ یوں اردگرد دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ پھر اِدھر اُدھر سے آوازیں سنائی دیں اور لوگ دوڑتے ہوئے جائے وقوعہ کی طرف آنے لگے۔ سب سے پہلے سبزی مائل سیاہ آنکھوں والی لڑکی تھی جس کی نظریں گویا مارشل کے دل میں اُتری جا رہی تھیں۔

"مارشل زندہ باد!" ایک شخص چلایا۔ "ہنری کے گروہ کا صفایا ہو گیا۔"

"کوئی جا کر جیک تامسن کو یہ خوشخبری سنائے۔ اسے بڑی فکر تھی۔" کوئی بولا۔

"وہ یہ خوشخبری نہیں سن سکے گا۔ وہ مر چکا ہے۔" مارشل نے نیا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"کیا اسے ڈاکوؤں کی گولی لگی؟" کسی نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں... اسے میں نے گولی ماری ہے۔" مارشل نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اس کی لاش برآمدے کے سامنے والی کوٹھری میں پڑی ہو گی۔ وہ بڑے آرام سے اپنے قاتل کے سامنے کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اُٹھ کر بظاہر اندر چلا گیا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے گھر کے عقب سے چکر کاٹ کر باڑے کی کوٹھری میں جائے گا کیونکہ گاؤں میں وہی ڈاکوؤں کا مخبر تھا اسی لیے اسے زیادہ تشویش تھی اور آج بھی وہ مجھ سے معلوم کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا کہ اگر ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو میں کیا حکمتِ عملی اختیار کروں گا۔"

"لیکن تمہیں معلوم کیسے ہوا کہ آج ڈاکو دھاوا بولیں گے؟" جونی نے حیرت سے مارشل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"محافظوں کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنا پڑتی ہیں جونی۔" مارشل نے ملائمت سے جواب دیا۔ "رفتہ رفتہ تم بھی خطرات کی بُو سونگھنا سیکھ جاؤ گے۔ جو لوگ خطرات کا قبل از وقت ادراک نہیں کر سکتے انہیں بہت جلد موت آن دبوچتی ہے۔ تمہارا آج کا سبق یہی ہے کہ صحیح وقت پر صحیح جگہ موجود رہو اور مشورہ صرف اپنے آپ سے کرو۔"

وہ جولیا کے ساتھ ریستوران میں آ بیٹھا۔ جولیا کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مارشل کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"تم نے دیکھ لیا کہ بات جب بندوقوں کی زبان میں ہو رہی ہوتی ہے تو انسان کے پاس سوچنے کی مہلت نہیں ہوتی۔" مارشل بولا۔ "ٹام کو جب میرے ہاتھ سے گولی لگی اس وقت بھی صورتحال یہی تھی۔ میری معلومات کے مطابق وہ اس وقت اس گاؤں میں نہیں تھا جہاں مجھے اسی قسم کا مرحلہ آن پڑا تھا۔ گولیاں چل رہی تھیں۔ ایسے میں اچانک میں نے اپنے عقب میں دوڑتے قدموں کی آواز سنی اور پلٹ کر فائر کر دیا۔ یوں میرا عزیز دوست میرے ہی ہاتھوں مارا گیا جو میری مدد کے لیے آرہا تھا۔" اس کی آواز گویا حلق میں پھنس گئی۔

جولیا نے سر جھکا لیا۔ وہ اب بھی خاموش تھی۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر اب ان میں مارشل کے لیے نفرت نہیں تھی۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد مارشل نے پوچھا۔ "تم اس علاقے میں کیسے آئی ہو؟"

"تم شاید بھول گئے ہو کہ یہاں سے کچھ دُور ٹام کی زمین تھی۔ وہ اب جا کر میرے نام منتقل ہوئی ہے۔ اب مجھے ہی اس کو سنبھالنا ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"آج کے بعد میں مارشل کا عہدہ چھوڑ دوں گا لیکن یہیں رہوں گا... مارشل کا عہدہ جونی سنبھالے گا... تم اگر اپنی زمینوں کا نظام درست کرنے کے بعد کبھی یہاں آنا پسند کرو گی تو مجھے اپنا منتظر پاؤ گی..." مارشل بہت دھیمے لہجے میں بولا۔

جولیا چند لمحے خاموشی سے ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ "میں آؤں گی... ضرور آؤں گی۔"



HE MARSHAL OF SANTINEL
Louis Lamour.



ڈراسی بات

ترجمہ: مودی

بظاہر معمولی نظر آنے والا کام درحقیقت کتنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر پاتے جو اس کا معاوضہ ادا کر رہے ہوں۔ یہ ایک ایسے ہی معمولی کام کی روداد ہے جو ایک پرائیویٹ سراغ رساں کو سونپا گیا تھا۔

اپریل کی ایک خوشگوار سہ پہر کو تقریباً ساڑھے چار بجے اینڈریو مچل آخری مرتبہ ایورز انٹرپرائزز کے کانفرنس روم میں داخل ہوا۔ کانفرنس روم میں اس وقت کانفرنس جاری تھی۔

سیکرٹری مس جونسن لمبی میز سے تقریباً تین گز کے فاصلے پر دروازے کے قریب کونے میں پینسل اور رائٹنگ پیڈ سنبھالے بیٹھی تھی۔ اینڈریو مچل جب اس کی طرف دیکھے بغیر اس کے قریب سے گزر کر کانفرنس کی طرف بڑھا تو اس نے خوفزدہ سے انداز میں منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ شاید مس جونسن نے محسوس کر لیا تھا کہ اینڈریو مچل کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔

لمبی سی کانفرنس ٹیبل کے دونوں طرف تین تین ایگزیکٹو بورڈ ممبر موجود تھے۔ اینڈریو نے ان کی طرف بھی نہیں دیکھا تاہم انھوں نے ضرور چونک کر اینڈریو کی طرف دیکھا اور پھر جیکب ایورز کی طرف دیکھنے لگے جو کمپنی کا مالک اور ڈائریکٹر تھا۔ وہ اس وقت کانفرنس کی صدارت کر رہا تھا۔ اس نے بھی اینڈریو کو دیکھ لیا تھا لیکن اس کا چہرہ ہر تاثر سے عاری تھا۔ اینڈریو کی نظر صرف اسی پر تھی۔ اینڈریو اس کا سابق ملازم تھا۔

پانچ سیکنڈ تک وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ساکت رہے۔ جیکب ایورز کا چہرہ بدستور ہر تاثر سے عاری تھا۔ وہ میز کے ایک سرے پر بیٹھا تھا اور اینڈریو اپنے دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں ٹھونسے دوسرے سرے پر کھڑا تھا۔

بالآخر جیکب ایورز نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پینسل میز پر رکھ دی۔ کمرے میں اتنا گہرا سکوت طاری تھا کہ پینسل میز پر رکھے جانے کی آواز بھی بہت بلند محسوس ہوئی۔

جیکب پُرسکون اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ "اینڈریو! تمھیں بتایا جا چکا ہے کہ تمھارا اب کمپنی سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ تمھاری نوکری ختم ہو چکی ہے۔ فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔"

اینڈریو کا دایاں ہاتھ کوٹ کی جیب سے باہر آ گیا۔ اس ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ چھ کے چھ بورڈ ممبرز گہری سانس لے کر رہ گئے۔ مس جونسن کے حلق سے تو ہلکی سی چیخ نکل گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ دو ممبروں نے خوفزدہ سے انداز میں اٹھنے کی بھی کوشش کی لیکن ان کی کرسیاں الٹ گئیں اور ان میں سے ایک تو کرسی سے الجھ کر خود بھی گر پڑا۔

تاہم جیکب ایورز نہ تو مرعوب دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہی خوفزدہ... وہ اسی سپاٹ لہجے میں بولا۔ "تم بلا اجازت میرے دفتر میں داخل ہو کر اور مجھ پر پستول تان کر جرم کے مرتکب ہوئے ہو اینڈریو۔ میں ایک بار پھر تمھیں حکم دیتا ہوں کہ فوراً یہاں سے

"نکل جاؤ۔"

اینڈریو نے پستول اونچا کرتے ہوئے اس کے سینے کا نشانہ لیا۔ جیکب ایورز کے چہرے سے اب صرف بیزاری کا اظہار ہو رہا تھا لیکن وہ اس بیزاری کو بھی چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید وہ اپنے نکالے ہوئے ملازم کو اس احساس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ اسے کسی بھی قسم کی بے چینی میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

جیکب کی خود اعتمادی ابھی تک برقرار تھی اور وہ اینڈریو جیسے ہارے ہوئے جواریوں کے سامنے کسی خوف یا کمزوری کا اظہار کرنے کا ویسے بھی قائل نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی کی طرح ٹھہرے ٹھہرے اور پُرسکون لہجے میں بولا۔ "اینڈریو! اگر تم ایک منٹ کے اندر اندر کمپنی کے دفاتر کی حدود سے نہ نکلے تو میں سیکیورٹی گارڈز کو طلب کر لوں گا۔ تمہیں صرف باہر نکالنے کے لیے نہیں بلکہ پولیس کے حوالے کرنے کے لیے۔"

اس لمحے اینڈریو نے ٹرائیگر دبا دیا۔ بند کمرے میں پستول کے دھماکے نے بورڈ ممبرز کو ایک لمحے کے لیے گویا بہرا کر دیا۔ جیکب کی ریوالونگ چیئر تھوڑی سی گھوم گئی۔ اس کی قمیص پر ٹائی پن کے نیچے ایک گہرا سُرخ دھبہ نمودار ہوا جو تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔

اُس کا رُخ اپنے بزنس منیجر مسٹر برینڈل کی طرف ہو گیا تھا اور مسٹر برینڈل گویا اپنی جگہ مفلوج سے ہو کر رہ گئے تھے۔ جیکب ایورز کو مرنے سے پہلے حیران ہونے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔

❋

دوسرے روز ڈسٹرکٹ اٹارنی ایڈگر وورتھ پرائیویٹ سُراغ رساں ایلیگزینڈر فیلن کے دفتر میں موجود تھا اور پائپ سُلگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پرائیویٹ سُراغ رساں ایلیگزینڈر اپنی ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یقین نہیں آ رہا کہ تم جیکب ایورز کے قتل کے سلسلے میں مجھ سے مدد طلب کرنے آئے ہو۔ میرے خیال میں تو وہ اتنا سیدھا سادا کیس ہے کہ تم جیسے عقل کے اندھے کو بھی اس میں کوئی دشواری پیش نہیں آنی چاہیے۔"

ڈسٹرکٹ اٹارنی ایڈگر وورتھ کی رائے پرائیویٹ سُراغ رسانوں کے بارے میں قطعاً اچھی نہیں تھی اور ایلیگزینڈر فیلن تو اس کی نظر میں اس قبیلے کا سب سے زیادہ بیکار آدمی تھا لیکن یہ شاید اس کی بدقسمتی تھی کہ کچھ نہ کچھ عرصے کے بعد کسی نہ کسی سلسلے میں مدد کے لیے اسے ایلیگزینڈر ہی کے پاس جانا پڑتا تھا۔ بہرحال وہ ایک دوسرے کو کھری کھری سنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

اس وقت بھی ایڈگر مجبوراً ایلیگزینڈر کے پاس آیا تھا۔ اسے دراصل ایسے پرائیویٹ سُراغ رساں کی مدد کی ضرورت تھی جو آتشیں ہتھیاروں کا بھی ماہر ہو اور ان کی کاؤنٹی میں صرف ایلیگزینڈر ہی ایک ایسا سُراغ رساں تھا۔

ایلیگزینڈر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اخبارات کے مطابق اینڈریو مچل کل ایورز اٹرنی ایٹ لاء کے کانفرنس روم میں داخل ہوا اور سات عینی شاہدین کے سامنے اس نے جیکب ایورز کو گولی مار دی۔ اعشاریہ چار پانچ کے پستول سے صرف ایک گولی چلائی گئی اور اخباری خبروں ہی کے مطابق اس کے بعد اینڈریو اطمینان سے جا کر بیرونی کمرے میں بیٹھ کر رسالہ پڑھنے لگا حتیٰ کہ پولیس نے آ کر اسے گرفتار کر لیا۔"

"ہاں، وہ اس وقت یوگوسلاویہ میں صنعتی ترقی کے موضوع پر مضمون پڑھ رہا تھا۔" ایڈگر تلخ لہجے میں بولا۔

"بہت خوب۔" ایلیگزینڈر نے سر ہلایا۔ "اخبارات میں اس عظیم الشان نکتے کا کوئی تذکرہ نہیں تھا اور نہ ہی قتل کے مقصد کا کوئی ذکر تھا۔"

"یہ تو ہمیں بھی صحیح طور پر معلوم نہیں کہ قتل کا کوئی مقصد تھا یا نہیں۔" ایڈگر بولا۔ "لیکن کمپنی کے کئی ملازمین سے ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم اینڈریو کے ذہن میں کوئی مقصد ضرور تھا۔ وہ بارہ سال سے جیکب کی کمپنی میں ملازم تھا۔ اس کا عہدہ اور تنخواہ وغیرہ معقول تھی۔ دو ماہ پہلے اس نے خود ہی اپنے ساتھی کارکنوں کے درمیان اس شبہے کا اظہار شروع کر دیا کہ اس کی بیوی چوری چھپے جیکب سے ملاقاتیں کر رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی دوسرے آدمیوں اور اپنی بیوی کے بارے میں اسی طرح کے شبہات کا اظہار کر چکا تھا۔ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے شبہات درست تھے یا نہیں۔ بہرحال ہوا یہ کہ تقریباً تین ہفتے قبل وہ اچانک ہی پھٹ پڑا اور کئی دوسرے ملازمین کے سامنے جیکب کو بے نقط سنانا شروع کر دیں۔"

"غالباً یہی وہ موقع تھا جب اُسے ملازمت سے نکال دیا گیا؟" ایلیگزینڈر نے تصدیق چاہی۔

"ہاں... اور اس کے بعد سے اُسے دوسری ملازمت نہیں ملی تھی کیونکہ اسے ناخوشگوار حالات میں نکالا گیا تھا، اس لیے جیکب نے اسے تجربے کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا تھا جو دوسری ملازمت حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کے کام آتا۔ اس کے علاوہ اینڈریو کو یہ بھی شبہ تھا کہ جیکب نے اسے دوسرے اداروں میں بلیک لسٹ کرا دیا ہے۔ مزید ستم یہ ہوا کہ پچھلے ہفتے اس کی بیوی اسے چھوڑ گئی۔ شاید وہ اپنے والدین کے ہاں چلی گئی۔ اس سلسلے میں

بھی اینڈریو کو یہی شبہ ہوا کہ جیکب نے اس کی بیوی کو ورغلایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ کر گئی ہے۔"

"اب قاتل، آلۂ قتل، لاش اور گواہ سب کچھ تمہارے پاس ہیں۔ اس کے باوجود تمہیں دشواری پیش آرہی ہے؟" الیگزینڈر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

ایڈگر کی رنگت ایک لمحے کے لیے متغیر ہوگئی اور وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ "صرف ایک نکتہ ایسا آن پھنسا ہے جس کی وضاحت کیے بغیر میں اس کیس کو عدالت میں نہیں لے جاسکتا۔"

"اور وہ نکتہ یقیناً بہت اہم ہوگا، ورنہ تم ہزار سال میں بھی مجھ سے مدد طلب کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتے تھے۔" الیگزینڈر مسکرایا۔

ایڈگر اس کی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "اینڈریو کا دعویٰ ہے کہ اس نے جیکب کو گولی نہیں ماری اور ایک ایسی شہادت بھی موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گولی اس نے نہیں چلائی جس سے جیکب کی موت واقع ہوئی ہے۔"

الیگزینڈر کہنیاں میز پر ٹکاتے ہوئے کچھ آگے کو جھک آیا۔ "لیکن سات ایسے گواہ موجود ہیں جنھوں نے اسے جیکب کو شوٹ کرتے دیکھا ہے۔"

"اسے یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اس نے فائر کیا تھا لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ جیکب کو صرف خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس نے جیکب کے سر سے ذرا اوپر گولی چلائی تھی۔"

"لیکن نشانہ خطا ہوگیا۔" الیگزینڈر نے بات مکمل کی۔ "یعنی اس طرح وہ قتل عمد کے الزام سے بچنا چاہ رہا ہے اور اسے ایک حادثہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ اسے کم سزا ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" ایڈگر نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ اسے حادثہ ثابت کرنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ اس کا کہنا یہی ہے کہ وہ اگر جیکب کو ہلاک کرنا چاہتا تو اس کا نشانہ خطا ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ شوٹنگ کلب کا باقاعدہ ممبر ہے اور اس کے پاس اول درجے کے ماہر نشانے باز کا سرٹیفکیٹ موجود ہے۔ صرف یہی نہیں، وہ فوج میں بھی رہا ہے اور وہاں بھی اسے اعشاریہ چار پانچ کے پستولوں اور ریوالوروں کا خاص ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ادھر پوسٹ مارٹم میں لاش سے جو گولی برآمد ہوئی ہے وہ اعشاریہ چار پانچ کی ضرور ہے لیکن اسلحے کے ماہرین نے تصدیق کردی ہے کہ وہ گولی اینڈریو کے پستول سے نہیں چلائی گئی۔"

"اوہ... اب میں سمجھا کہ تمہاری پریشانی کیا ہے۔" الیگزینڈر نے گہری سانس لے کر کرسی کے پشتے سے ٹیک لگالیا۔ "غالباً اس نے پولیس کے پہنچنے سے پہلے پستول تبدیل کرلیا ہوگا۔"

"یہ بھی ممکن نہیں تھا۔" ایڈگر نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"کیا مطلب؟" الیگزینڈر نے بھویں اچکائیں۔ "اگر یہ بھی ممکن نہیں تو پھر ایک ہی امکان باقی رہ جاتا ہے کہ عین اس وقت جبکہ اینڈریو نے فائر کیا، کسی اور نے بھی گولی چلائی تھی؟"

"ہاں... یہی ایک امکان باقی رہ جاتا ہے۔" ایڈگر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن اس امکان کو تسلیم کرنا خاصا مشکل کام ہے۔" الیگزینڈر منہ بنا کر بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی اور بھی اس امر سے پیشگی واقف تھا کہ کب اینڈریو کانفرنس روم میں آئے گا اور کب جیکب پر فائر کرے گا۔ عین اسی وقت اس نے بھی جیکب پر فائر کیا اور کسی کی نظر میں آئے بغیر کمرے سے رخصت ہوگیا۔ یہ سب معجزے رونما ہوجائیں تب بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسری گولی کہاں گئی؟"

"کھڑکی سے باہر۔" ایڈگر نے جواب دیا۔ "لیکن اس بات کو تم زیادہ بہتر طور پر تبھی سمجھ سکتے ہو جب میرے ساتھ جائے واردات پر چلو۔ لیکن اس سے پہلے ایک نظر آلۂ قتل کو دیکھ لو۔"

اس کی گود میں دھات کا ایک مخصوص باکس موجود تھا، جس میں جائے واردات سے ملنے والی اشیاء محفوظ کی جاتی تھیں۔ اس نے باکس گود سے اٹھا کر میز پر رکھا اور اسے کھولنے ہی لگا تھا کہ الیگزینڈر ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے بولا۔ "اسے جائے واردات پر پہنچ کر ہی دیکھیں گے۔ ساتھ لے چلو۔ تم نے جائے واردات کا لفظ کیا استعمال کیا، مجھے تو فوراً ہی اس کا معائنہ کرنے کا اشتیاق ہوگیا ہے۔"

وہ دونوں جب ایورز انٹرپرائزز کے کانفرنس روم میں پہنچے تو الیگزینڈر ناک سکیڑتے ہوئے دروازے پر ہی رک گیا۔ "سڑے ہوئے خون کی بو آرہی ہے۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"جیکب کی کرسی کمرے میں ہی موجود ہے نا۔" ایڈگر نے بتایا۔

"اور اس پر خاصا خون جما ہوا ہے۔ فرش تو انھوں نے صاف کر دیا تھا مگر کرسی آج شام یہاں سے ہٹائی جائے گی۔ جیکب کے جسم سے بہت خون نکلا تھا۔"

الیگزینڈر لمبی سی کانفرنس ٹیبل کے قریب سے گزر کر مقتول کی کرسی تک پہنچا۔ اس پر خون کی موٹی تہ اور پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ "ایڈگر بولا۔ "تم دیکھ رہے ہو، کرسی کے عین عقب میں بڑی سی کھڑکی موجود ہے جو کل موسم خوشگوار ہونے کی وجہ سے کھلی

ہوئی تھی۔"

ایگزینڈر نے کھڑکی پوری کھول دی اور ایڈگر مزید بولا۔ "جیکب کے سر کے اوپر سے گزرنے والی گولی یقیناً اس کھڑکی سے باہر گئی ہوگی اور ایسی کسی گولی کا سراغ تلاش کرنا بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن ہی سمجھو۔"

ایگزینڈر نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے گہری سانس لی۔ وہ عمارت کی تیسری منزل پر تھے۔ عین نیچے پارکنگ لاٹ تھی۔ سامنے دو عمارتوں کی ڈھلوان چھتیں تھیں جن پر خاردار تاروں کا جنگلا بھی نظر آرہا تھا۔ اس سے آگے گلی اور پھر ایک کباڑ خانے کی چار دیواری تھی۔

"ان حدود میں گولی تلاش کرنے کا تو واقعی کوئی فائدہ نہیں۔" ایگزینڈر بولا۔

ایڈگر دھات کا باکس میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "کیا اب تم پستول دیکھنا پسند کرو گے؟"

ایگزینڈر کھڑکی سے ہٹ کر اس کے قریب آگیا۔ ایڈگر باکس سے پستول نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تم اطمینان سے اس کا معائنہ کر سکتے ہو۔ اس پر سے فنگر پرنٹس لیے جا چکے ہیں۔"

ایگزینڈر نے سلائیڈ ہٹا کر اطمینان کیا کہ چیمبر اور میگزین خالی تھا۔ وہ عمومی قسم کا ایک سروس پستول تھا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "تمہیں یقین ہے کہ اینڈریو نے یہی پستول استعمال کیا تھا؟"

"ہاں، یہ سو فیصد یقینی بات ہے۔ یہ پستول اسی کے نام پر رجسٹرڈ ہے۔ اس پر اس کے فنگر پرنٹس موجود تھے اور اس کے قبضے سے کوئی دوسرا پستول برآمد نہیں ہوا تھا۔ اسے قبضے میں لینے والے آفیسر نے یہی رائے ظاہر کی تھی کہ اس سے حال ہی میں فائر کیا گیا ہے۔"

"حال ہی میں فائر کرنے والی اصطلاح آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔" ایگزینڈر بولا۔ "پولیس آفیسر عام طور پر نال کو ناک سے لگا کر سونگھتے ہیں اور اعلان کر دیتے ہیں کہ اس سے حال ہی میں فائر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد عموماً یہ ہوتی ہے کہ فائر گزشتہ ایک گھنٹے کے دوران کیا گیا ہے۔ لیکن فائر گزشتہ ایک گھنٹے کے دوران کیا گیا ہو یا ایک دن کے دوران، اس کا صحیح تعین بہت مشکل ہے۔"

"دوسری شہادتیں بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے ہمیں یقین کرنا پڑا ہے کہ اینڈریو نے یہی پستول استعمال کیا تھا۔" ایڈگر بولا۔

"وہ بیرونی کمرے کے راستے کانفرنس روم میں آیا تھا؟" ایگزینڈر نے پوچھا۔

"کانفرنس روم میں آنے کا وہی راستہ ہے۔ اس چھوٹے سے کمرے سے گزرے بغیر کوئی یہاں نہیں آسکتا۔" ایڈگر بولا۔ "یہ میز اٹھارہ فٹ لمبی ہے۔ وہ میز کے ایک سرے پر کھڑا تھا اور جیکب دوسرے سرے پر بیٹھا تھا۔"

ایگزینڈر نے پستول کو کان کے قریب لاتے ہوئے زور سے ہلا جلا کر دیکھا۔ کھڑکھڑاہٹ کی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"خاصا ڈھیلا ڈھالا ہے۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"کیا مطلب؟ کیا تمہارے خیال میں یہ ناکارہ ہو چکا ہے؟" ایڈگر نے پوچھا۔

"نہیں، سروس پستول عام طور پر ذرا ڈھیلے ڈھالے انداز میں ہی اسمبل ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے نشانے کو بہت زیادہ درست نہیں سمجھا جاتا۔ بہرحال شوٹنگ کلب کا بہترین نشانے باز کا سرٹیفکیٹ رکھنے والے کے لیے اتنے فاصلے سے اس پستول کے ذریعے بھی صحیح نشانہ لگانا مشکل کام نہیں۔" ایگزینڈر بولا۔

"اس نے فائر بھی نہایت اطمینان سے کیا تھا۔" ایڈگر بولا۔ "گولی کا خول پستول سے نکل کر مس جونسن کی پیشانی سے ٹکرایا تھا۔ وہ سمجھی کہ اسے بھی گولی لگ گئی ہے۔ جب پولیس پہنچی تب تک بھی وہ ہسٹیریائی سی کیفیت میں تھی۔"

"اور اس خالی خول ہی کی بنیاد پر اسلحے کے ماہر نے یہ تصدیق کی ہے کہ اینڈریو نے یہی پستول استعمال کیا تھا؟" ایگزینڈر نے پوچھا۔ ایڈگر نے اثبات میں سر ہلایا اور بتایا۔ "اسلحے کے ماہر کا نام بیلنی ہے۔ تم اس کی قابلیت سے اچھی طرح واقف ہو۔ اس نے لاش میں پائی جانے والی گولی اور باہر گرنے والے خول، دونوں کا معائنہ کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ خول تو اینڈریو ہی کے پستول سے نکلا ہے لیکن گولی اس کے پستول سے نکلی ہوئی نہیں ہے۔"

"کمرے میں کوئی دوسرا خالی خول بھی نہیں پایا گیا؟"

"نہیں۔" ایڈگر نے جواب دیا۔

"خیر، یہ کوئی زیادہ قابل غور نکتہ نہیں۔" ایگزینڈر خود ہی بولا۔ "کیونکہ اعشاریہ چار پانچ کے ایسے ریوالور بھی ہوتے ہیں جن میں بھی گولی استعمال ہوتی ہے مگر وہ خالی خول باہر نہیں پھینکتے۔"

"مگر میں کہہ چکا ہوں کہ ایسے دوسرے آدمی کی موجودگی خارج از امکان ہے، جس نے فائر کیا ہو۔" ایڈگر بولا۔ "اینڈریو فائر کرنے کے بعد اڑیوں کے بل گھوما اور دروازے سے گزر کر

بیرونی کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ اس کے عقب میں بند ہو گیا۔ ایک لمحے بعد ایک بورڈ ممبر نے سیکیورٹی گارڈز اور پولیس کو طلب کرنے کے لیے فون کیا۔ ان کے آنے تک تمام ممبر اسی کمرے میں موجود رہے۔ اور انھیں نہیں معلوم تھا کہ اس دوران اینڈریو بیرونی کمرے میں ہی موجود تھا۔ ان میں سے کسی میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ درمیانی دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں جھانکتا۔ سیکیورٹی گارڈز کو یہاں تک پہنچنے میں تین منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ انھوں نے اینڈریو کو بیرونی کمرے میں بیٹھے پایا۔ اس نے قطعاً مزاحمت نہیں کی۔ پستول اس کے سامنے ہی تپائی پر رکھا تھا۔"

"آؤ اب ذرا بیرونی کمرے کو بھی اچھی طرح دیکھ لیں۔" الیگزینڈر بولا۔

بیرونی کمرا بہت ہی چھوٹا تھا اور اس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ الیگزینڈر چاروں طرف دیکھنے کے بعد بولا "مجھے وہ دوسرے آدمی کی موجودگی والا نظریہ پسند تو نہیں لیکن اس کا امکان بہرحال موجود ہے۔ اگر کوئی شخص یہاں موجود ہوتا تو وہ ایک ہاتھ سے دروازہ تھوڑا سا کھلا رکھتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے عین اس وقت فائر کر سکتا تھا جب اینڈریو نے فائر کیا۔ اس کے بعد وہ اطمینان سے رخصت ہو سکتا تھا۔"

"میں نے اسے بلاوجہ خارج از امکان قرار نہیں دیا تھا۔" ایڈگر بولا۔ "چار ایسے گواہ موجود ہیں جنھوں نے فائر کی آواز سننے کے بعد سے لے کر سیکیورٹی گارڈز کے آنے تک اس کمرے سے کسی کو نکلتے اور رخصت ہوتے نہیں دیکھا۔ دراصل اسی فلور پر راہداری کے دوسرے سرے پر ایک بڑا سا کمرا ہے جس میں بلڈنگ کی صفائی وغیرہ کرنے والوں کا ساز و سامان رکھا رہتا ہے۔ بلڈنگ کا ایک نگراں اور صفائی کرنے والی تین عورتیں اس وقت اپنی ڈیوٹی ختم کر کے، جانے سے پہلے وہاں کھڑے گپ شپ کر رہے تھے۔ انھوں نے اینڈریو کو اس دروازے سے اندر جاتے دیکھا، پھر فائر کی آواز سنی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کریں۔ بہرحال وہ وہیں کھڑے رہے اور ان کی نظر ایک لمحے کے لیے بھی دروازے سے نہیں ہٹی۔ انھوں نے کسی کو یہاں سے جاتے نہیں دیکھا۔ اب تمام حقائق تمھارے علم میں آ چکے ہیں۔ بتانے والی کوئی بات نہیں رہی۔ اب بتاؤ تمھاری نظر میں ہمارے سوال کا کیا جواب ہے؟"

الیگزینڈر نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا اور از سرِ نو اس چھوٹے سے چوکور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس میں کسی کے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہاں چھوٹی سی ایک میز کرسی موجود تھی۔ میز پر دو رسالے، ایک ایش ٹرے اور ایک گلدان موجود تھا جس میں پلاسٹک کے پھول سجے ہوئے تھے۔ دیوار پر ایک سستے سے فریم میں ایک مشہور مصور کی پینٹنگ کی نقل آویزاں تھی۔

الیگزینڈر نے فریم دیوار سے ذرا ہٹایا اور اس کے پیچھے جھانکنے لگا، پھر اسے چھوڑ کر ہٹتے ہوئے بولا "جب اینڈریو کو حراست میں لیا گیا تو اس کے پاس کوئی غیر معمولی چیز تو نہیں تھی؟"

"نہیں، اس کے پاس بس چابیاں، پرس اور ریزگاری وغیرہ تھی۔" ایڈگر نے جواب دیا۔ الیگزینڈر ہنکارا بھر کر رہ گیا۔ وہ بدستور کمرے کے در و دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اس بار تم پھنس کر رہ گئے ہو۔" ایڈگر فاتحانہ لہجے میں بولا۔ حالانکہ اسے یہ بھی احساس تھا کہ الیگزینڈر کی ناکامی اس کے حق میں بھی اچھی نہیں ہوگی۔

"مجھے یاد آیا کہ میری فیس کی ادائیگی کے سلسلے میں تو تم نے کوئی بات ہی نہیں کی۔" الیگزینڈر بولا۔

"اگر تم کوئی کام کر کے دکھاؤ گے تو ظاہر ہے فیس بھی ملے گی۔" ایڈگر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ گو کہ سرکاری خزانے سے اس مد میں رقم نکلوانے میں مجھے بڑی دشواری پیش آئے گی۔"

الیگزینڈر ایک بار پھر پستول کو زور زور سے ہلا کر دیکھنے لگا۔ وہ پہلے ہی کی طرح کھڑکھڑا رہا تھا۔ ایڈگر گویا چڑ کر بولا "کیا تمھارے خیال میں پستول میں کچھ چھپا ہوا ہے؟"

"دیکھنا تو چاہیے۔" الیگزینڈر پُراسرار سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا پھر وہ چھوٹی سی تپائی کی طرف مڑا اور اس پر رکھی ہوئی ایش ٹرے، گلدان اور رسالے..... ایک طرف کھسکا دیے۔ تپائی پر کچھ جگہ خالی ہو گئی۔ اس نے ماہرانہ انداز میں پستول کو ادھر ادھر سے ٹٹولا، اپنے کی رنگ سے ایک چھوٹی سی چابی استعمال کی اور چند لمحے بعد پستول اس طرح تپائی پر پڑا تھا کہ اس کے تمام حصے الگ ہو چکے تھے۔

"اب میں تمھیں پستول اور ریوالور وغیرہ کی ساخت کے بارے میں چند بنیادی باتیں بتاتا ہوں۔" الیگزینڈر بولا۔

"مجھے نہیں سننی ہیں یہ بنیادی باتیں۔" ایڈگر ناگواری سے

ہیٹ

"ان چند سالوں میں بھئی تم کس قدر بدل گئے ہو۔"

"پھر تم نے مجھے کیسے پہچانا؟"

"تمہارے ہیٹ سے... بالکل نہیں بدلا۔"

بولا "تم اپنی علمیت اپنے پاس ہی رکھو۔"

"کم از کم ایک بات تو تمھیں سننی ہی پڑے گی، اس کے بغیر اپنے مسئلے کا حل تمھاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔" ایگزینڈر پستول کی نال اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "شاید تمھیں معلوم ہو کہ اس حصے کو نال کہتے ہیں۔ اسے آنکھ سے لگا کر اندر دیکھو، اس کی اندرونی سطح پر تمھیں بہت باریک چوڑیاں سی نظر آئیں گی۔ گولی جب پستول سے نکلتی ہے تو ان چوڑیوں کی وجہ سے گھومتی ہوئی نکلتی ہے۔ اس سے ایک تو اس کے کہیں بھی پیوست ہونے کی طاقت بڑھ جاتی ہے، دوسرے وہ سیدھی اپنے نشانے پر جاتی ہے۔ ہدف تک پہنچنے کے دوران اس کی جو ایک پرواز سی ہوتی ہے، اس میں جھکاؤ یا لہر یا نہیں آتا۔"

ایڈگر نے گویا بادلِ ناخواستہ نال کو آنکھ سے لگا کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

ایگزینڈر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "یونہی آنکھ سے دیکھنے پر ہر پستول یا ریوالور کی نال میں یہ چوڑیاں یکساں نظر آتی ہیں بلکہ بعض اوقات تو نظر بھی نہیں آتیں اور سطح ہموار ہی لگتی ہے لیکن درحقیقت ان میں فرق ہوتا ہے۔ ہر گولی جب کسی نال سے گزرتی ہے تو ان چوڑیوں کی وجہ سے اس پر کچھ خراشیں سی پڑ جاتی ہیں۔ اسلحے کے ماہرین گولی پر پڑی ہوئی خراشوں اور ان چوڑیوں کا موازنہ کرتے ہیں اور اس کے بعد فیصلہ دیتے ہیں کہ واقعی فلاں گولی فلاں پستول سے چلائی گئی ہے، یہ بالکل انگلیوں کے نشانات والا حساب ہے۔"

"ہاں... یہ بات تو بیلنی نے مجھے سمجھائی تھی۔" ایڈگر بولا۔

"اب میں تمھیں ایک دوسری بات بتاتا ہوں۔" ایگزینڈر پستول کا ایک اور چھوٹا سا پرزہ اٹھاتے ہوئے بولا "یہ وہ ہتھوڑی نما حصہ ہے جو گولی کے پچھلے حصے سے آ کر ٹکراتا ہے جس کے نتیجے میں گولی فائر ہوتی ہے۔ اس پر انگلی پھیرو تو یہ تمھیں ہموار محسوس ہوگا۔"

"لیکن مجھے معلوم ہے کہ خوردبین سے معائنہ کرنے پر اس کی سطح پر بھی کچھ مخصوص نشانات نظر آئیں گے ـــ" ایڈگر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "اور گولی فائر ہونے کے بعد جو خالی خول باہر گرے گا اس پر وہی نشانات موجود ہوں گے اور انھی کی وجہ سے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ فلاں خالی خول فلاں پستول سے ہی گرا ہے۔"

"بالکل درست۔" ایگزینڈر تحسین آمیز لہجے میں بولا "اب تم بات کو سمجھ رہے ہو۔ یعنی ایک ہی گولی کے دونوں الگ الگ حصوں کے بارے میں تصدیق کرنا پڑتی ہے کہ انھیں ایک ہی گن سے فائر کیا گیا ہے اور تمھارا کیس یہ ہے کہ خالی خول کے بارے میں تو تصدیق ہو گئی کہ وہ اینڈریو کے پستول سے نکل کر گرا ہوگا لیکن گولی پر جو خراشوں کے نشانات ملے ہوں گے ان سے پتا چلا ہوگا کہ وہ کسی اور پستول سے فائر کی گئی ہے۔"

"ہاں، بالکل یہی مسئلہ ہے۔" ایڈگر نے تسلیم کیا۔

"آؤ، اس کا حل تلاش کرتے ہیں۔" ایگزینڈر نے میز سے گلدان اٹھایا اور اس میں سے پلاسٹک کے تمام پھول نکال کر ہوا میں اچھال دیے۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟" ایڈگر نے پوچھا۔

ایگزینڈر نے کوئی جواب دیے بغیر گلدان کو میز پر الٹ دیا۔ پانچ انچ لمبی، اسٹیل کی ایک نال اس سے نکل کر میز پر لڑھک گئی۔

"میرا اندازہ درست نکلا۔" ایگزینڈر نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"یہی وہ واحد جگہ تھی جہاں پستول کی دوسری نال چھپائی جا سکتی تھی۔" پھر وہ ایڈگر کی طرف دیکھتے ہوئے بہ آوازِ بلند بولا "سروس پستول چونکہ زیادہ تر فوجیوں کے استعمال میں رہتا ہے اس لیے اس کی فٹنگ ڈھیلی رکھی جاتی ہے تاکہ میدانِ جنگ میں آسانی سے اس کا کوئی بھی حصہ تبدیل کیا جا سکے۔ اس کے فاضل پرزے ملتے بھی آسانی سے ہیں اور اس کی نال تو صرف چند سیکنڈ میں تبدیل کی جا سکتی ہے۔ اینڈریو کو قتل کے بعد کافی وقت ملا تھا کہ وہ اطمینان سے اس کمرے میں بیٹھ کر نال تبدیل کر لیتا جس کی وجہ سے الجھن پیدا ہوئی تم نے اس کے پاس سے جو پستول برآمد کیا اس میں وہ نال لگ چکی تھی جس سے گولی گزری ہی نہیں تھی۔ جیکب کی لاش میں جو گولی پائی گئی ہے وہ اس نال سے گزری تھی۔" ایگزینڈر نے گلدان سے برآمد ہونے والی نال کی طرف اشارہ کیا۔

پھر وہ ایڈگر کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا "کیا بات ہے، تم اچانک ہی بیمار بیمار سے کیوں نظر آنے لگے ہو؟ اب تو تم آسانی سے اینڈریو پر قتلِ عمد کا جرم ثابت کر سکتے ہو۔"

"مجھے اس کی فکر نہیں ہے۔" ایڈگر کمزور سے لہجے میں بولا۔ "مجھے تو یہ فکر ستا رہی ہے کہ میں سرکاری خزانے سے تمھاری فیس کیسے نکلواؤں گا۔ تم اچھی خاصی موٹی فیس لیتے ہو اور محکمہ اعتراض کرے گا کہ میں نے اتنی سی بات کے لیے تمھاری خدمات کیوں حاصل کی تھیں۔"

"ایک مجرم جو بچ کر نکل رہا تھا، میں نے اس پر قتلِ عمد کا جرم ثابت کیا ہے اور تم اسے 'اتنی سی بات' کہہ رہے ہو، ناشکرے کہیں کے..." ایگزینڈر نے اسے جھاڑ پلائی اور وہ کان دبا کر کمرے سے نکل گیا لیکن جانے سے پہلے وہ دوسری نال کو اپنے آہنی صندوقچے میں حفاظت سے رکھنا نہیں بھولا تھا۔

TOO MUCH EVIDENCE
NEIL HARRINGT

کیرول بے حد مضطرب اور پریشان تھی۔

"آخر یہ ہوا کس طرح؟" اس نے زیرِ لب اپنے آپ سے پوچھا "میں قتل جیسے معاملے میں کیوں اُلجھ گئی؟ کاش میں اس عمارت میں منتقل ہی نہ ہوئی ہوتی۔"

کیرول اس سے پہلے ایک دوسری بلڈنگ میں اپنے پرانے اپارٹمنٹ میں بڑے آرام اور سکون سے رہ رہی تھی۔ وہاں کی ہر چیز ٹھیک تھی لیکن پھر مالک نے وہ اپارٹمنٹ بیچ دیا اور کیرول کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ موجودہ بلڈنگ میں آئے ہوئے اسے دو سال گزر گئے تھے اور ان دو برسوں میں اس نے یہاں ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی چیز خراب دیکھی تھی۔

لفٹ آئے دن خراب ہوتی رہتی تھی لیکن کیرول کی خوش قسمتی تھی کہ وہ گراؤنڈ فلور پر رہتی تھی اس لیے کم از کم لفٹ کا خراب ہونا اس کے لیے پریشانی کا باعث نہیں بنتا تھا' عمارت کے نگراں کا کوڑا جمع کرنے کا نظام بھی ٹھیک نہیں تھا۔ وہ اس میں اکثر و بیشتر سستی کرتا تھا۔ فٹ پاتھ سے برف بھی وہ صحیح طریقے سے نہیں ہٹاتا تھا۔ برف باری کے دنوں میں عمارت میں آنے جانے میں دشواری ہوتی تھی۔

اپارٹمنٹ کے اندر بھی یہ حال تھا کہ کھڑکیاں اور دروازے گرمیوں میں آسانی سے نہ کھلتے تھے اور نہ ہی آسانی سے بند ہوتے تھے۔ عمارت کو گرم رکھنے کا نظام بھی صحیح کام نہیں کرتا تھا۔ باہر کی ایک سیڑھی بھی ٹوٹی ہوئی تھی... اور اب انٹر کام بھی خراب ہو گیا تھا!

"آخر اور کون کون سی چیز خراب ہو گی؟" اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے خود سے پوچھا۔ چھت میں بھی پلستر دھنسنے کا ایک نیا نشان نمودار ہو رہا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ انٹر کام کا خراب ہونا سب سے زیادہ پریشان کن ثابت ہوا تھا۔ انٹر کام کئی ماہ سے خراب تھا۔ اس میں سے شاں شاں اور گھوں گھوں کی آوازیں آتی رہتی تھیں اور سوئچ آف ہونے پر بھی یہی محسوس ہوتا تھا جیسے وہ آن ہو۔

کیرول کو پہلی بار انٹر کام کی خرابی کا پتا اس وقت چلا تھا جب اس نے اچانک ہی اس پر ایک مردانہ آواز سُنی تھی "اوپر آجاؤ۔" وہ خوف سے اُچھل پڑی تھی کیونکہ اس کے اپارٹمنٹ میں تو

ایک خرابی کے سبب جنم لینے والی سبق آموز کہانی

چھوٹی چھوٹی باتیں جنہیں ہم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں، کبھی کبھی بڑی توجہ طلب ہوتی ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی ایک چھوٹی سی بات کو نظر انداز کر بیٹھی تھی اور اپنے بے کاری میں اختیار کیے ہوئے مشغلے کے سبب ایک دردِ سر مول لے بیٹھی تھی۔ ایک قاتل اُس کے قریب ہی موجود تھا۔

خرابی

نجمہ مودی



کوئی مرد موجود نہیں تھا تو پھر یہ کس کی آواز تھی؟ ایک لمحے بعد اسے احساس ہوا کہ آواز دراصل دروازے کے قریب دیوار میں نصب شدہ انٹر کام سے آئی تھی۔ ہر اپارٹمنٹ میں انٹر کام صرف اس لیے لگا ہوا تھا کہ اس کے ذریعے عمارت کے صدر دروازے سے رابطہ رہ سکے اور اگر کسی کا کوئی ملاقاتی آئے تو اسے اندر آنے کی اجازت دی جاسکے۔

کیرول کو پتا چلا کہ دوسرے اپارٹمنٹس میں رہنے والے جب گیٹ پر موجود کسی شخص سے بات کرتے تھے تو ان کی آوازیں اس کے انٹر کام پر سُنائی دیتی تھیں پھر اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ اپنے انٹر کام پر "سُننے" کا بٹن دباتی تھی تو خاص طور پر اسے عین اپنے اوپر والے اپارٹمنٹ میں ہونے والی ہر گفتگو' ہر آواز سنائی دیتی تھی۔

اسی خرابی نے اسے قتل کے معاملے میں اُلجھا دیا تھا!

"کاش میں نے عمارت کے نگران کو انٹر کام خراب ہونے کی اطلاع دے دی ہوتی" اپنے آپ سے کیرول کی گفتگو جاری تھی۔ اس نے نگران کو یہ اطلاع نہیں دی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ انٹر کام ٹھیک کرنے کے لیے کافی توڑ پھوڑ ہوگی۔ دیواروں کا پلستر توڑ کر اس کی وائرنگ دیکھی جائے گی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مرمت کا کام کرنے والا کوئی مرد دیر تک اس کے اپارٹمنٹ میں رہے اور توڑ پھوڑ کرتا رہے۔ اسے درحقیقت انٹر کام کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ تو گراؤنڈ فلور پر تھی۔ اس سے اگر کوئی ملنے آتا تو وہ دروازہ ذرا سا کھول کر دیکھ سکتی تھی کہ آنے والا کون تھا۔

سچی بات یہ تھی کہ انٹر کام کی یہ خرابی اس کے لیے دلچسپی کا باعث بھی تھی۔ وہ ایک غیر شادی شدہ' تنہا عورت تھی۔ اس کی مصروفیات بہت کم تھیں۔ فرصت کے اوقات میں کبھی کبھی اسے اپنی توجہ بٹانے اور ذہن کو بہلانے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں اگر انٹر کام پر کچھ آوازیں سنائی دیتی تھیں تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر اپنا وقت قدرے دلچسپ انداز میں گزار سکتی تھی۔

اسے یاد تھا کہ پہلے پہل اسے یہ حرکت کچھ معیوب سی لگی تھی۔ دوسروں کی لاعلمی میں ان کی باتیں سُننا۔ اگر وہ اس کے جاننے والے' دوست یا شناسا ہوتے تو شاید یہ حرکت اتنی معیوب محسوس نہ ہوتی۔

ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ پھر بڑبڑائی "اگر وہ میرے شناسا ہوتے تو میں اس مصیبت میں بھی نہ پھنستی۔"

کیرول نے اپارٹمنٹس کے نمبروں کے حساب سے' لابی میں لگے ہوئے لیٹر بکسوں کا جائزہ لیا تھا۔ اس کے عین اوپر والے اپارٹمنٹ کے لیٹر بکس پر پچھلے چھ ماہ سے جے بی کارٹر کے نام کا کارڈ چسپاں نظر آرہا تھا۔ کیرول نے بارہا جے بی کارٹر کو دیکھا تھا۔ وہ اپارٹمنٹ میں تنہا ہی رہتا تھا لیکن ایک عورت اس کی دوست تھی جو اکثر اس سے ملنے آتی تھی۔

اس کے اپارٹمنٹ کے دروازے میں ننھا سا' چور محدب عدسہ بھی لگا ہوا تھا جس کے ذریعے وہ دروازہ کھولنے سے پہلے باہر کھڑے ملاقاتی کا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔ اس شیشے کے ذریعے چہرہ اصل سے بڑا نظر آتا تھا اور باہر کھڑے شخص کو پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ اسے دیکھا جارہا تھا۔

کیرول اس شیشے کے ذریعے جے بی کارٹر کو بارہا دیکھ چکی تھی۔ بلکہ جب اسے انٹر کام پر دلچسپ آوازیں سُننے کو نہیں ملتی تھیں تو وہ اس ننھے سے عدسے کے ذریعے باہر لابی میں جھانکتی رہتی تھی اور عمارت میں آنے جانے والوں کو دیکھتی رہتی تھی۔ یہ مشغلہ بھی اسے کافی دلچسپ محسوس ہوتا تھا کہ وہ لوگوں کی لاعلمی میں انہیں دیکھتی رہتی تھی۔

اس عدسے کے ذریعے وہ گویا عمارت میں رہنے والے ہر شخص کو جان گئی تھی جبکہ اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسی عدسے سے اس نے پہلی بار ایک شخص کو جے بی کارٹر والا لیٹر بکس کھولتے دیکھا تھا تو اسے پتا چلا تھا کہ وہ کارٹر تھا۔ اس کے بعد سے اسے انٹر کام پر کارٹر کی آواز سُننا زیادہ معیوب محسوس نہیں ہوتا تھا۔ کارٹر اس کے لئے گویا اجنبی نہیں رہا تھا۔ وہ ذرا گٹھے ہوئے جسم کا تقریباً چالیس سالہ شخص تھا۔ اس کے بال سنہرے تھے۔

"کاش آج شام میں نے انٹر کام کی طرف توجہ نہ دی ہوتی" کیرول سوچ رہی تھی "کاش آج میں نے اس پر آوازیں سُننے کی کوشش نہ کی ہوتی۔"

لیکن کیرول سُنے بغیر رہ نہیں سکی تھی۔ انٹر کام پر پہلے تو گھوں گھوں کی آواز اُبھری تھی۔ اس نے غیر ارادی سے انداز میں "سُننے" کا بٹن دبا دیا تھا۔ تب شاں شاں کی آواز سُنائی دی جیسے لاؤڈ اسپیکر پر کسی کے بولنے سے پہلے آتی ہے۔ وہ انٹر کام کے سامنے کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی تھی۔ ایک مرد اور ایک عورت کی باتیں کرنے کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ وہ اونچی اونچی آوازوں میں بول رہے تھے۔ غالباً بحث کررہے تھے' بیچ میں کبھی کبھی آواز غائب بھی ہوجاتی تھی۔

مرد' مارتھا سے شٹنے کی کوئی بات کررہا تھا پھر وہ برہمی سے بولا "میں کہتا ہوں ہمیں اس ہفتے مارتھا کو قتل کردینا چاہیے۔"

کیرول نے گھبرا کر سر پیچھے ہٹالیا "قتل...؟" اس نے حیرت سے سوچا۔ "کسی عورت کو قتل کرنے کی بات ہورہی ہے؟" اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے سُننے والے بٹن سے انگلی ہٹالی تھی لیکن ذرا سنبھلنے کے بعد اس نے دوبارہ اس پر انگلی رکھی۔

مرد کہہ رہا تھا "..... ہم نے بہت انتظار کرلیا۔ اسے قتل کرنے کے سوا چارہ بھی کیا ہے؟ ہمارا یہ کام کوئی اور تو آکر کرے گا نہیں۔ ہمیں خود ہی کرنا ہوگا۔ اب ہم مزید کتنا انتظار کریں گے؟ ہمارے لیے اس میں کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیں بھلا کوئی کیسے پکڑ سکتا ہے؟"

پھر آوازیں دھیمی ہوتے ہوتے معدوم ہوگئیں' باتیں کرنے

والے غالباً انٹر کام سے دور چلے گئے تھے۔

کیرول نے دیوار سے ٹیک لگالیا۔ اس کے جسم میں ارتعاش سا پیدا ہوگیا تھا۔ "کیا مجھے یہ بات کسی کو بتانی چاہیے؟ پولیس کو اطلاع دینی چاہیے؟" وہ سوچ رہی تھی۔

"شاید یہ سب محض مذاق ہو۔" اس نے اپنے آپ کو سمجھایا "شاید وہ اداکار وغیرہ ہوں اور اپنے مکالموں کی ریہرسل کررہے ہوں۔ اس طرح کے سو چکر ہوسکتے ہیں۔ کون میری بات کا یقین کرے گا؟ قتل...؟" وہ اپنے سفیدی مائل بالوں کی ایک لٹ کو مروڑے جارہی تھی۔

اگلے ایک گھنٹے تک وہ انٹر کام پر مزید گفتگو سُننے کی کوشش کرتی رہی۔ کبھی کبھی کوئی لفظ اسے سُنائی دے جاتا تھا لیکن بات سمجھ میں نہ آئی۔ ایک گھنٹے بعد مکمل خاموشی چھاگئی۔

رات تک وہ کوئی فیصلہ نہ کرپائی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ اس رات اسے نیند بھی سکون کی نہ آئی۔

دوسری صبح کافی پیتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا کہ ابھی اسے انتظار کرنا چاہیے اور مزید گفتگو سُننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ گفتگو سُننے کے لیے بٹن دبا کر رکھنا پڑتا تھا۔ اس نے بٹن پر ٹیپ چپکادی تاکہ وہ مستقل دبا رہے لیکن ٹیپ رہ نہ سکی۔ اس کے بعد کیرول کو سودا سلف لینے مارکیٹ جانا تھا۔

چار دن اسی طرح تذبذب اور کشمکش میں گزر گئے۔ کیرول کچھ بھی نہ کرسکی اور اس موضوع پر مزید گفتگو بھی نہ سُن سکی۔ چوتھے روز اخبار کے صفحۂ اوّل پر قتل کی ایک خبر نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ یہ اس ہفتے میں قتل کی دوسری واردات تھی۔ مقتولہ آسودہ حال طبقے کی عورت تھی اور قریب ہی کسی مضافاتی علاقے میں رہتی تھی۔ پولیس کو کشمکش، نقب زنی یا تالا توڑ کر گھر میں داخل ہونے کی کوئی علامت یا شہادت نظر نہیں آئی تھی۔

دوسرا پیراگراف پڑھتے ہوئے کیرول کی سانس گویا سینے میں اٹک گئی۔ مقتولہ کا نام مارتھا تھا۔ پولیس اس کے شوہر کو تلاش کررہی تھی جو پچھلے سات ماہ سے غائب تھا۔ اس کی دُھندلی سی ایک تصویر بھی چھپی تھی۔ وہ کارٹر سے کچھ مختلف لگ رہا تھا۔ بالوں کا رنگ بھی مختلف لگ رہا تھا لیکن بالوں کا رنگ تو تبدیل بھی ہوجاتا تھا۔ وہ کارٹر بھی ہوسکتا تھا۔ کیرول کو یقین نہ سہی لیکن شبہ ضرور تھا۔ اس نے کارٹر کو قریب سے دیکھا بھی تو نہیں تھا اور اخبار میں چھپنے والی تصویر بھی زیادہ واضح نہیں تھی۔

وہ جب دل ہی دل میں اپنے آپ سے بحث کررہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے تو اسی دوران اس نے اوپر زور سے دروازہ بند ہونے کی آواز سُنی۔ اس کا مطلب تھا کارٹر گھر میں موجود تھا۔ وہ جلدی سے انٹر کام کے قریب پہنچی اور بٹن دبا کر سُننے لگی۔ انٹر کام پر باتوں کی نہیں، صرف کسی کے چلنے پھرنے کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔

بالآخر کیرول نے فیصلہ کرلیا کہ وہ پولیس کو فون کرے گی۔ "وہ انہیں بتائے گی کہ غالباً وہ مارتھا کے قتل کے بارے میں کچھ جانتی ہے، اگر وہ اس سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہیں تو اس کے گھر آسکتے ہیں۔

وہ ٹیلی فون اُٹھا کر انٹر کام کے قریب ہی لے گئی تاکہ فون پر بات کرنے کے دوران بھی اگر انٹر کام پر کوئی کام کی آواز اُبھرے تو سُن سکے۔ پولیس سے رابطہ قائم ہونے کے بعد وہ انٹر کام کے بٹن کو بھی دبائے بیٹھی تھی لیکن فی الحال اس پر کوئی آواز نہیں اُبھر رہی تھی۔

اس سے بات کرنے والا پولیس کا ایک سراغ رساں تھا۔ اس نے اپنا نام برنارڈ بتایا تھا۔ کیرول نے ہکلاتے ہوئے اسے اپنا نام اور پتا بتایا پھر بولی "میں مارتھا نامی اس عورت کے قتل کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں جس کی خبر آج اخبار میں چھپی ہے۔ میں نے اتفاق سے اپنے انٹر کام پر کچھ آوازیں سُنی تھیں... میرا خیال ہے میں آپ کو اس عورت کے شوہر کے بارے میں کچھ بتاسکتی ہوں۔"

"کیا آپ پولیس اسٹیشن آسکتی ہیں؟" سراغ رساں برنارڈ نے پوچھا۔

"نہیں... یہ میرے لیے مشکل ہوگا..." وہ ہکلائی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انٹر کام کے پاس سے ہٹے اور کوئی کام کی بات سُننے سے محروم رہ جائے۔ سراغ رساں برنارڈ نے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی اس کے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج رہا تھا۔

اس نے فون بند کردیا۔

چند منٹ بعد بھی وہ انٹر کام کا بٹن دبائے بیٹھی تھی جب اچانک کال بیل بجی۔ وہ ایک لمحے کے لیے تو خوفزدہ سی ہوگئی۔ سنبھلنے کے لیے اس نے دیوار سے ٹیک لگالیا پھر قدرے طمانیت سے سوچا "پولیس نے یقیناً میری بات کو اہمیت دی ہے جو اتنی جلدی کسی کو بھیج دیا۔"

"کون؟" اس نے انٹر کام پر پوچھا۔

"پولیس۔" باہر سے آواز آئی۔

تب اس نے عدسے وغیرہ سے دیکھے بغیر نہایت اطمینان سے دروازہ یکدم کھول دیا۔

دوسرے ہی لمحے اس کا منہ حیرت سے کُھل گیا۔ اس کی ٹانگوں سے جان سی نکل گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ بے ہوش ہورہی تھی۔ دیوار سے رگڑ کھاتی ہوئی وہ واقعی فرش پر ڈھیر ہوگئی۔

اندر آنے والا کارٹر تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ حواس مفلوج ہونے سے پہلے کیرول نے اسے کہتے سُنا "میرے انٹر کام پر بھی اسی طرح آوازیں سُنائی دیتی ہیں جس طرح تمہارے انٹر کام پر۔ مجھے یہ بات آج ہی معلوم ہوئی ہے!"

THE INTERCOM
KATHRYN TORGENSEN

لوسی بیرن کو مونٹریال چھوڑے ایک سال گزر چکا تھا۔ مونٹریال سے اچانک ترکِ سکونت کرکے وہ بے ٹاؤن میں آکر رہنے لگی تھی لیکن مونٹریال چھوڑنے کی وجہ ابھی تک ایک زخم کی طرح اس کے دل میں تازہ تھی۔ وہ اکثر سوچتی تھی کہ ایسا شاید ہی کسی عورت کے ساتھ ہوا ہو کہ وہ دلہن بنی چرچ میں بیٹھی اپنے متوقع جیون ساتھی کا انتظار کررہی ہو اور جیون ساتھی نے چرچ آنے کے بجائے عین وقت پر ٹیلی گرام بھجوادیا ہو کہ میں اپنے شادی کا ارادہ ترک کردیا ہے۔

چرچ میں آرگن پر اس وقت شادی کے ایک مشہور نغمے کی دُھن بجائی جارہی تھی۔ لوسی دلہن بنی پادری کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اس کی بہترین دوست، دلہن کے خصوصی ساتھی کے طور پر اس کے قریب موجود تھی۔ جیروم جس سے لوسی کی شادی ہونے والی تھی، نے جو ٹیلی گرام بھجوایا تھا۔ وہ دس الفاظ پر مشتمل تھا جن کا مفہوم یہ تھا کہ اس کے دل نے اچانک فیصلہ دیا ہے کہ اسے یہ شادی نہیں کرنی

وفا، بے وفائی اور سازش کی مثلث میں قید ان کرداروں کی کہانی جو اپنی خواہشوں کے تانے بانے میں ایک دوسرے کو اُلجھانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے مگر تقدیر کیا چاہ رہی تھی، یہ ایک الگ ہی سوال تھا۔

انٹرنیٹ پر اپنی شاعری بیچنے والے اور جدید امریکی معاشرے کے نمائندہ شاعر کا قصہ

کوشش

نجمہ مودی



چاہیے اس لیے وہ ایک تعمیراتی کمپنی کی ملازمت قبول کرکے الاسکا جارہا ہے۔ اس نے اپنے اس فیصلے پر رسمی سی معذرت کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ لوسی نے محسوس کیا کہ ٹیلی گرام پڑھ کر اس کی بہترین دوست کے ہونٹوں پر ایک لمحے کے لیے نہایت مدھم مگر فاتحانہ سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

اڑتیس سال کی عمر میں آکر بڑی مشکل سے لوسی کی شادی کی نوبت آئی تھی۔ تمام جاننے والوں میں چرچا تھا کہ اس کی شادی ہورہی تھی۔ اس نے تیاریاں بھی بڑے ذوق و شوق سے کی تھیں۔ اپنے ارمانوں کی شکست وریخت تو اپنی جگہ تھی لیکن اس میں لوگوں کا سامنا کرنے کا ذرا بھی حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اسے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ وہ اپنی ملازمت اور شہر چھوڑ کر کہیں اور چلی جائے۔

مونٹریال میں وہ ریڈیو پر ملازمت کررہی تھی۔ اس میدان میں اس کی کم از کم اتنی شناسائی تو تھی کہ بے ٹاؤن آکر بھی اسے مقامی ریڈیو اسٹیشن پر منیجر کی سیکریٹری اور استقبالیہ کلرک کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ بڑے شہر کی ملازمت کے مقابلے میں اس ملازمت میں کم محنت اور جاں سوزی کی ضرورت تھی۔ لوسی کی زندگی جلد ہی ایک مخصوص سانچے میں ڈھل گئی اور شب و روز لگے بندھے معمولات کے تحت گزرنے لگے۔

لوسی کو بے ٹاؤن میں رہتے ہوئے ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ اس نے ایک بار پھر خود کو شادی کے موضوع پر غور کرتے پایا۔ اسے بجا طور پر حیرت بھی ہوئی کیونکہ مونٹریال والے تلخ تجربے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ زندگی بھر کبھی شادی کے موضوع پر سوچے گی بھی نہیں لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ اس مرتبہ غور کرنے کے لیے اس کے سامنے ایک کے بجائے دو مردوں کے نام تھے۔

ان میں سے ایک تو رچرڈ قلیم تھا جو شہر کے چند امیر ترین افراد میں سے ایک تھا۔ اس کی عمر پچاس کے قریب تھی اور وہ تھوڑا سا لنگڑا کر چلتا تھا۔ وہ کھیلوں کا سامان فروخت کرنے والی ایک چین آف اسٹورز کا مالک تھا۔ اس کے اسٹورز کے اشتہار اس ریڈیو اسٹیشن سے چلتے تھے جس پر لوسی کام کررہی تھی اور وہ اس سلسلے میں کبھی کبھار ریڈیو اسٹیشن آتا تھا۔

چند ماہ قبل جب اس نے پہلی بار لوسی کو منیجر کے کمرے میں دیکھا تو فوراً ہی اپنی کھرکھراتی آواز میں پوچھ لیا تھا "یہ نئی لڑکی کون ہے؟"

اس وقت وہ بیٹھا بھی نہیں تھا۔ اپنی چھڑی کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کے تقریباً سارے ہی بال سفید تھے لیکن اس کی شفاف نیلی آنکھوں میں چمک تھی اور وہ ایک ٹک لوسی کو گھور رہا تھا۔ جوانی میں وہ اپنے شہر کا فٹ بال کا مشہور کھلاڑی رہا تھا۔ جب اسے پتا چلا کہ لوسی مونٹریال سے آئی تھی تو وہ بہت خوش نظر آنے لگا۔ اس نے نعرہ لگانے کے سے انداز میں مونٹریال کا نام لیا اور بتایا کہ اسے وہ شہر بہت پسند تھا۔

وہ اس پہلی ملاقات سے ہی لوسی پر مہربان نظر آنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوسی کے باس کی خواہش بھی یہی تھی کہ لوسی، رچرڈ کی ہمت افزائی کرے اور میل ملاقات کی اس دعوتوں کو قبول کرے۔ دو دن بعد ہی وہ لوسی کو اپنی قیمتی گاڑی میں بٹھا کر شہر سے تیس میل دور ایک پُرسکون اور خوب صورت ریستوران میں کھانا کھلانے لے گیا۔ دو پیگ پی کر ہی رچرڈ کی گفتگو میں بہت روانی آگئی اور اس میں گویا سچ بولنے کا جذبہ بھی شدت سے اُبھر آیا۔ لوسی بہت اچھی سامع بھی تھی۔

"شاید تم میری چھڑی اور میری لنگراہٹ دیکھ کر سوچ رہی ہوگی کہ جوانی میں مجھے فٹ بال کے کھیل میں کوئی خطرناک چوٹ لگی ہوگی۔" وہ باتوں کے دوران میں بولا۔ "لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ فٹ بال میں بھی مجھے ایک چوٹ لگی تھی لیکن اس نے مجھے لنگڑا نہیں بنایا تھا۔ یہ لنگڑاہٹ تو گھٹنے پر گولی لگنے کی وجہ سے ہے۔ لاس ویگاس کے ایک کیسینو میں ایک مرتبہ دو بدمعاش قسم کے جواریوں سے میں نے کافی رقم جیت لی تھی اور اوپر سے ان کا مذاق بھی اڑایا تھا۔ میں کیسینو سے نکلا تو پارکنگ لاٹ میں ان خبیثوں نے مجھے گھیر لیا۔ ایک کو تو میں نے گھونسا مار کر گرا دیا لیکن دوسرے نے گن نکال کر میرے گھٹنے پر گولی ماردی۔ سؤر کا بچہ۔!"

کھانے کے دوران میں وہ اپنی تین شادیوں کے بارے میں بتانے لگا۔ ان کے بارے میں بات ختم کرتے ہوئے وہ بولا "پہلی بیوی نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ دوسری فرار ہوگئی۔ تیسری نے خودکشی کرلی تھی۔"

ایک لمحے کے لیے وہ نم آلود آنکھوں سے کھوئے کھوئے سے انداز میں ہوا میں تکتا رہا پھر گویا اس کی زندہ دلی عود کر آئی اور وہ لوسی کو آنکھ مار کر بولا "بعض دوست تو مجھے "لکی رچرڈ" کہتے ہیں کہ مجھے اپنی تینوں بیویوں سے کسی نہ کسی طرح چھٹکارا مل گیا۔"

○☆○

دوسرا آدمی رینی اوسوالڈ تھا۔

اس کے لیے صحیح معنوں میں لوسی کے دل میں جگہ تھی۔

رینی کے لیے وہ اپنے جذبات میں ارتعاش محسوس کرتی تھی لیکن رینی ایک قلاش شخص تھا البتہ اس کی آنجہانی ماں اس کے لیے ایک اچھا خاصا مکان چھوڑ گئی تھی جس کی اگر کچھ مرمت ہوجاتی، رنگ وروغن ہوجاتا اور اسے نئے فرنیچر، پردوں اور قالینوں وغیرہ سے آراستہ کرلیا جاتا تو وہ معزز اور آسودہ حال لوگوں کا مکان نظر آنے لگتا۔

لوسی نے ایک روز رینی کو بتایا "رچرڈ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"خوش قسمت ہو تم۔" رینی نے جواب دیا۔ وہ اس وقت کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا اسکرین پر اپنی تازہ نظم لکھ رہا تھا۔ وہ ایک شاعر تھا اور اس کی محدود سی آمدنی کا ذریعہ اس کی نظمیں ہی تھیں جنہیں وہ انٹرنیٹ پر دنیا کے سامنے پیش کرتا تھا۔ ان میں سے کچھ بک جاتی تھیں۔ بے ٹاؤن ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ وہاں کے اکثر شہری بھی شاعر کی حیثیت سے اسے جانتے تھے۔

"میری خواہش تھی کہ میری شادی تم سے ہوتی۔" لوسی بولی۔

"پیسے کے بغیر دو محبت کرنے والوں کی زندگی بھی قابلِ رحم ہی رہتی ہے۔" رینی اس کی طرف دیکھے بغیر کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے بولا۔

"میں اس بارے میں سوچتی رہی ہوں۔"

"میں بھی سوچتا رہا ہوں اور مجھے ایک بار پھر یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہورہی ہے کہ میں کسی کی کفالت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔"

"فرض کرو... صرف فرض کرو... میں رچرڈ کی پیش کش قبول کرکے اس سے شادی کرلیتی ہوں۔ شادی کے کچھ عرصے بعد وہ سیڑھیوں سے گر کر مرجاتا ہے... زیادہ تر حادثے گھروں میں ہی پیش آتے ہیں۔"

"زیادہ تر قتل بھی گھروں میں ہی کیے جاتے ہیں۔" رینی بولا۔

لوسی نے فیصلہ کیا کہ فی الحال بات وہیں چھوڑ دی جائے۔ اس نے بات رینی کے کان میں ڈال دی تھی۔ وہ عزم کرچکی تھی کہ اسے اصل ازدواجی زندگی بہرحال رینی کے ساتھ گزارنی تھی اور وہ اس میں تمام دنیاوی خوشیاں اور آسائشیں بھی شامل کرنا چاہتی تھی خواہ اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑتا۔ رینی اسے اچھا لگتا تھا۔ اس کے ساتھ رہنے کا تصور اپنے اندر ایک الگ ہی طرح کی خوشی لیے ہوئے تھا۔ چالیس سال کی عمر میں بھی اس کے وجود میں ایک نوخیز لڑکے کی روح تھی۔

تاہم لوسی اب کسی قیمت پر غربت کی زندگی گزارنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ بچپن سے جوانی تک بھی اس نے غربت ہی دیکھی تھی۔ اس کا باپ زیادہ تر نشے میں دھت رہتا تھا۔ کبھی کبھار ہی کام پر جاتا تھا۔ غربت اور بدحالی نے انہیں اس حد تک مجبور کیا تھا کہ لوسی کی ماں نے گاہے بہ گاہے جسم فروشی بھی کی تھی۔ ان کے حالات قدرے بہتر اس وقت ہوئے تھے جب لوسی نے اسکول کی تعلیم مکمل کرتے ہی ملازمت شروع کردی تھی۔

اسے اُمید تھی کہ وہ کوشش کرکے رچرڈ کی "حادثاتی موت" کا بندوبست کرسکتی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک دولت مند بیوہ ہوتی۔ کچھ عرصے سوگ میں گزارنے کے بعد وہ رچرڈ کی حویلی فروخت کرکے رینی کے گھر میں منتقل ہوسکتی تھی اور حسبِ منشا نہ صرف اس کے مکان کی نئی تزئین و آرائش کرسکتی تھی بلکہ خود شاعر کی بھی تھوڑی سی "جھاڑ پونچھ" کرکے اسے ایک بہتر انسان بنا سکتی تھی۔

"کیا لکھ رہے ہو؟" اس نے اپنے خیالات کی دنیا سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

"نظم ہے ایک۔" رینی نے جواب دیا۔

"میں [illegible] سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں۔ تمہارے ہی بارے میں تو ہے۔" رینی نے اسکرین سے دیکھ کر نظم اسے سنانا شروع کردی جس میں لوسی کا نام بھی استعمال کیا گیا تھا۔ نظم خاصی اچھی اور محسوساتی تھی۔ لوسی نے اسے سن کر اپنے دل میں خفیف گدگدی سی محسوس کی۔

○☆○

رچرڈ سے لوسی کی شادی اپریل میں ہوئی۔

لوسی نے اس کی منت کی تھی کہ اسے شادی کے وقت بڑی شرم محسوس ہوگی اس لیے شادی کہیں اور جاکر کی جائے اور واپسی پر اس کا اعلان کیا جائے چنانچہ وہ لاس ویگاس کی طرف پرواز کر گئے۔ سڑک کے کنارے واقع ایک چرچ میں ان کی شادی ہوئی اور اپنا ہنی مون انہوں نے ہوٹل' کلبوں اور قمار خانوں میں گزارا۔

گو کہ رچرڈ نے اسے جوا کھیلنے کے لیے کافی رقم دی ہوئی تھی لیکن وہ ایک وقت میں محض ایک دو سکوں کی مالیت کا داؤ لگاتی تھی۔ باقی رقم وہ بچا کر رکھنے کی کوشش کررہی تھی۔ ایک بار اس کا جیک پوٹ بھی نکلا تو اسے صرف اسّی ڈالر ملے۔ رچرڈ اس پر بہت خفا ہوا کہ اگر اس نے ذرا بڑی رقم کی بازی لگائی ہوتی تو اسے جیک پوٹ میں بہت بڑی رقم ملتی۔ وہ غصے میں بڑبڑاتا اور لنگڑاتا ہوا اس سے دور چلا گیا۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی لوسی کو اندازہ ہوگیا کہ رچرڈ کو محفل میں کیا' خلوت میں کیا' ہر جگہ اپنی بیوی کو ذلیل کرنے کی عادت تھی۔ وہ اسے دوسروں کی تو کیا' خود اس کی اپنی نظروں میں گرانے کا فن بھی بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ جلد ہی لوسی کی سمجھ میں آگیا کہ اس کی پہلی بیوی نے اسے طلاق کیوں دی تھی' دوسری فرار کیوں ہوئی تھی اور تیسری نے خود اپنی زندگی کا خاتمہ کیوں کرلیا تھا۔

لیکن لوسی ایسا کوئی قدم اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ یہ تو ایک طرح سے شکست تسلیم کرنا تھا اور رچرڈ کم از کم ... اسے شکست تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا تھا۔ اب تو رچرڈ کو ٹھکانے لگانا اس کے خیال میں اور بھی ضروری ہوگیا تھا۔ اب اسے قتل کرنے کا مقصد لوسی کی نظروں میں صرف اس کی دولت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ وہ زندہ رہنے کا مستحق بھی نہیں تھا۔ قبر ہی اس کا صحیح ٹھکانا تھی اور لوسی اسے جلد از جلد وہاں پہنچانے کا تہیہ کرچکی تھی۔ اس مقصد کے لیے اسے صرف اپنے منصوبے کو حتمی شکل دینی تھی اور وہ اس پر مسلسل غور و خوض کررہی تھی۔

○☆○

اس نے یہ فیصلہ تو کرلیا تھا کہ سادہ ترین طریقۂ واردات ہی بہترین تھا۔ حویلی کے استقبالیہ ہال سے شاندار سیڑھیاں اوپر جارہی تھیں۔ رچرڈ روزانہ بیڈ روم میں جانے آنے کے لیے ایک چیلنج سمجھ کر یہ سیڑھیاں اترتا تھا۔ ڈنگلے کا سہارا لے کر وہ اپنی نیم ناکارہ ٹانگ کے ساتھ اس کام کو ایک مہم کی طرح انجام دیتا تھا۔ اگر صبح بیڈ روم سے اس کے نکلنے کے بعد اوپر سے اسے دھکا دے دیا جاتا تو قوی امکان یہی تھا کہ وہ سر کے بل نیچے آئے گا اور سیدھا دوسری دنیا میں پہنچ جائے گا۔

جس روز اس کا اپنے منصوبے پر عمل درآمد کا ارادہ تھا اس روز اس نے صبح جلدی بستر چھوڑ دیا۔ حویلی میں اس پر ایک ایک دن اور ایک ایک رات بھاری گزر رہی تھی اور وہ یہی سوچتی تھی کہ اتنی زیادہ ذہنی تکلیف سے گزرنے کے بعد تو رچرڈ کی دولت اور جائداد کی وہ صحیح معنوں میں مستحق ہوچکی تھی۔

"کہاں جارہی ہو؟" رچرڈ اسے باہر جاتے دیکھ کر غرایا۔

"گھر کے کچھ کام کرنے ہیں۔"

"گھر کے کام مارتھا کے لیے چھوڑ دو۔" رچرڈ نے حکم دیا۔ مارتھا ان کی ملازمہ کا نام تھا۔ وہ ہفتے میں پانچ دن کے لیے روزانہ دس سے چار بجے تک کے لیے آتی تھی۔ رچرڈ تو بجے اٹھ جاتا تھا۔ لوسی کو امید تھی کہ مارتھا کے آنے سے کافی پہلے وہ اپنا "کام" نمٹا چکی ہوگی۔

"مجھے کاموں میں مصروف رہنا اچھا لگتا ہے۔" لوسی نے ملائمت سے کہا۔

"تو پھر کم از کم پاؤں تو ذرا اوپر اٹھا کر چلو جاہل' گنوار اور کوڑھ مغز عورت!" رچرڈ غرایا "تمہاری چپلوں کی کھسر کھسر کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ تم عورت نہیں' بہت موٹے دماغ کی گائے ہو۔"

لوسی نے ہمیشہ کی طرح اپنے آپ پر ضبط کیا اور کچن میں جاکر اپنے لیے کافی تیار کرکے کھڑکی میں بیٹھ گئی۔ درختوں کے عقب سے سورج بلند ہورہا تھا۔ وہ کھوئی کھوئی نظروں سے خوب صورت منظر دیکھتی رہی مگر تصور ہی تصور میں وہ رینی کے مکان میں پہنچی ہوئی تھی جہاں وہ اس کے ساتھ رچرڈ کی دولت کی مدد سے خوشیوں بھری زندگی گزار سکتی تھی۔

آٹھ بجے وہ ٹرافی روم میں چلی گئی۔ رچرڈ جوانی میں صرف فٹ بال میں ہی نہیں اور بھی کئی کھیلوں میں حصہ لیتا رہا تھا اور زندگی میں اسے جتنے بھی کپ اور ٹرافیاں وغیرہ ملی تھیں' ان کے لیے خاص طور پر یہ کمرا بنایا گیا تھا جس میں خوب صورت اور شیشے کے دروازوں والی الماریوں میں یہ

سب چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ یہیں ایک دراز میں ان سب چیزوں کو چمکانے کے لیے پالش کا ڈبا بھی موجود رہتا تھا۔ لوسی نے فرش پر اخبار پھیلا کر کئی کپ نکال کر اس پر رکھے اور انہیں پالش سے چمکانے لگی۔

اس کا مقصد اسی منزل پر رہتے ہوئے خود کو مصروف ظاہر کرنا تھا۔ دروازہ اس نے کھلا رکھا تھا تاکہ اسے پتا چل جائے کہ رچرڈ کب کمرے سے نکل کر سیڑھیوں پر پہنچا۔ ٹھیک نو بجے اس کے اٹھنے اور باتھ روم میں جاکر بلغم تھوکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں ہی اتنی کراہت انگیز تھیں کہ صرف ان کی وجہ سے بھی لوسی اسے ٹھکانے لگانے کے معاملے میں خود کو حق بہ جانب سمجھ سکتی تھی۔

رچرڈ جب سیڑھیوں کے بالائی چبوترے پر پہنچا تو لوسی لپک کر اس کے قریب پہنچی۔ وہ اسے دیکھ کر قدرے حیرت سے بولا "تم کہاں تھیں؟"

"میں ٹرافیوں وغیرہ کو چمکا رہی تھی۔" اس نے ایک چمکتا ہوا کپ رچرڈ کو دکھایا۔

رچرڈ اس کی محنت کی یہ نشانی دیکھ کر بھی خوش نہیں ہوا اور منہ بنا کر جنگلے کا سہارا لے کر پہلی سیڑھی اترنے لگا۔ لوسی نے کپ فرش پر رکھا اور ایک پاؤں مضبوطی سے فرش پر جماتے ہوئے دوسری لات پوری طاقت سے اس کی کمر پر رسید کی۔ نتیجہ کافی تسکین بخش تھا۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا سر تقریباً ہر سیڑھی سے ٹکرا رہا تھا۔

ماربل کے فرش پر وہ اوندھے منہ جاکر گرا اور وہیں ساکت ہوگیا۔ لوسی تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچی اور گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اپنے لہجے میں وحشت سمو کر بولی "اوہ رچرڈ! یہ کیا ہوا؟"

رچرڈ نے اپنی جگہ سے حرکت تو نہیں کی لیکن لوسی کو اس کی کراہ سنائی دی۔ یہ ایک بُری علامت تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مرا نہیں تھا۔ شوہر کی دولت و جائداد حاصل کرنے کے بجائے شکوک و شبہات کی زد میں رہتے ہوئے برس ہا برس تک بستر پر پڑے ایک معذور شخص کی تیمارداری کرنے کا تصور بھی لوسی کے لیے روح فرسا تھا۔

اس تصور نے اور اس کی نفرت نے اس کے وجود میں بے پناہ طاقت بھر دی۔ ویسے بھی وہ کوئی کمزور یا نازک اندام عورت نہیں تھی۔ ادھر بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ رچرڈ کا وجود گویا کچھ سکڑ سمٹ سا گیا تھا۔ لوسی اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک نئے عزم کے ساتھ اس پر جھکی۔ اس نے عقب سے اس کی

فیروپائرین (رجسٹرڈ)

قائم شدہ 1956
T.M. Reg. 7635

فیروپائرین دانتوں میں لگے ہوئے سب کیڑوں کو جڑ سے بالکل ختم کر دیتی ہے۔
فیروپائرین دانتوں اور مسوڑوں میں ٹھنڈا اور گرم پانی لگنا بند کر دیتی ہے۔
فیروپائرین پائیوریا کی خطرناک بیماری دور کر کے دانتوں اور مسوڑوں کو تندرست رکھتی ہے۔
فیروپائرین مسوڑوں سے گندہ اور بادی پانی خارج کر کے ورم اور سوزش اتارتا ہے۔
فیروپائرین مسوڑوں سے خون نکلنا بند کر کے مسوڑوں کو مضبوط اور سخت بناتی ہے۔
فیروپائرین منہ کے ان تمام جراثیم کو ہلاک کرتی ہے جو دانتوں میں کیڑا لگانے کا سبب بنتے ہیں۔
فیروپائرین منہ میں گندگی اور بدبو دور کر کے سانسوں کو خوشگوار بناتی ہے۔
فیروپائرین دانتوں مسوڑوں اور منہ کی سب پیچیدہ بیماریوں کی بے مثال دوائی ہے۔
فیروپائرین جراثیم کش ہے زخموں پر لگائی جاسکتی ہے۔

Packing
10 ml Rs. 12.00.
25 ml Rs. 24.00

ہر اچھے گھر کی ضرورت

O/1084، غازی روڈ، راولپنڈی۔ فون: 051- 4424028
051- 4451631

قمیص کا کالر اور پتلون کا پچھلا حصہ مٹھیوں میں جکڑ کر اسے اٹھایا اور یوں دھکیلتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف لے چلی جیسے بارٹینڈر اپنے بار سے کسی بدمست شرابی کو باہر دھکا دینے لے جارہا ہو۔ وہ غصے سے پھنکارتی اور رچرڈ کے ڈھیلے ڈھالے وجود کو کسی نہ کسی طرح کھینچتی گھسیٹتی اوپر لے گئی۔

اوپر پہنچ کر اس نے اسے گھمایا۔ وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کررہا تھا۔ لوسی غرائی "لعنت ہو تم پر... اس مرتبہ صحیح طرح گرنا۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر اسے نیچے دھکیل دیا۔

○☆○

پولیس چیف گریب ایک ہیڈ کانسٹیبل کے ساتھ خود واقعے کی تحقیقات کے لیے حویلی آیا۔ اس نے لاش کا معائنہ کیا' زاروقطار روتی ہوئی بیوہ کی کہانی سنی پھر وہ دونوں سیڑھیوں کے بالائی چبوترے پر پہنچے۔

لوسی نے فرش سے کپ اٹھا کر دکھاتے ہوئے کہا "میں ٹرافی روم میں ان چیزوں کی پالش کررہی تھی... اس کے گرنے کی آواز سن کر میں بھاگی بھاگی یہاں آئی.... میں نے اسے نیچے پڑے دیکھا تو کپ یہیں رکھ کر جلدی سے نیچے پہنچی لیکن وہ مرچکا تھا۔"

گریب نے اپنی نگرانی میں پوسٹ مارٹم کرایا اور آنجہانی کے کپڑے ایک ڈبے میں بند کروا کر اپنی کار کی ڈکی میں رکھ لیے کہ جب اس کا دوبارہ حویلی میں جانا ہوگا تو ان کپڑوں کو بھی بیوہ کی امانت سمجھتے ہوئے اس کے حوالے کردے گا تاہم وہ اپنے آپ سے یہ کہے بغیر نہ رہ سکا "سمجھ میں نہیں آتا اس عورت کو خوش نصیب کہا جائے یا بدنصیب... وہ مونٹریال سے آئی... تھوڑے ہی عرصے بعد شہر کے ایک دولت مند آدمی سے شادی کی اور تھوڑے ہی عرصے بعد بیوہ ہوکر ہر چیز کی مالک ہوگئی!"

○☆○

لوسی نے کافی دنوں تک ایک سوگوار بیوہ کا کردار کافی خوب صورتی سے ادا کیا۔ کئی ہفتوں تک وہ تعزیت کے لیے آنے والوں سے ملتی رہی پھر یہ سلسلہ خود بہ خود بتدریج ختم ہوگیا اور اس نے اپنے آپ کو اپنے کمرے تک محدود کرلیا جہاں وہ ٹی وی دیکھتی رہتی یا فون پر رینی سے بات کرتی رہتی۔ مارتھا آتی اور گھر کے کام کاج کرکے چلی جاتی۔ گریب نے ایک بار اسے فون کیا اور کہا کہ وہ کسی وقت آئے گا تو اس کے شوہر کے کپڑے دے جائے گا جو اس نے آخری وقت میں پہنے ہوئے تھے لیکن لوسی نے اسے منع کردیا کہ وہ یہ زحمت نہ کرے۔ وہ ان کپڑوں کو واپس لینا نہیں چاہتی تھی۔

اس روز رینی سے فون پر بات کرتے ہوئے اس نے کہا "مجھے کچھ عرصے اور اسی طرح گوشۂ تنہائی میں گزارنا ہے پھر میں تم سے ملنے آسکوں گی۔"

"سب کچھ اسی طرح ہوا جس طرح تم نے کہا تھا۔" رینی بولا۔

"چوتھی بیوی اس کی دوسری بیویوں کی طرح بے وقوف نہیں تھی نا... ویسے بھی وہ اسی کا مستحق تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اصل میں اس کا حساب بے باق کیا۔"

○☆○

نئے زمانے کے زیادہ تر لوگوں کی طرح گریب بھی شام کو کچھ دیر کے لیے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر انٹرنیٹ پر مختلف ویب سائٹس کی سیر کرتا تھا۔ اس مشغلے میں اسے کبھی کبھی بہت مفید معلومات اور آئیڈیاز ملتے تھے۔ وہ تو کبھی کبھی مقامی شاعر رینی او سوالڈ کی نظمیں تک دیکھ لیتا تھا اس شام بھی اسے رینی کی نئی نظم نظر آئی تو وہ عینک درست کرکے ذرا غور سے دیکھنے لگا۔

دوسرے ہی لمحے وہ سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ نظم میں شاعر نے اپنی محبوبہ کا قصہ بیان کیا تھا جس نے اپنے محسوسات اور خواہشات کو آزادی دلانے کے لیے اپنے بدفطرت شوہر کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا اور اب شاعر قدرے تعجب سے سوچ رہا تھا کہ وہ ایک قاتلہ کا شوہر بنے گا؟

گریب نے چند لمحے کچھ سوچا پھر پرنٹر کا بٹن دبا کر اس نظم کے تین پرنٹ نکال لیے۔

○☆○

لوسی سیاہ ماتمی لباس میں رینی سے ملنے پہنچی تو اس نے اوون سے نکالے ہوئے تازہ بسکٹوں سے اس کی تواضع کی اور باتوں باتوں میں بولا۔

"پولیس چیف گریب مجھ سے ملنے آیا تھا۔"

لوسی نے اپنے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑتے محسوس کی "کیوں؟"

"اس نے انٹرنیٹ پر میری ایک نظم پڑھی اور اسے ڈاؤن لوڈ بھی کرلیا تھا۔" رینی نے بتایا۔

"کون سی نظم؟"

رینی نے نظم کی ایک کاپی اسے تھمادی۔ لوسی نے جلدی سے اسے پڑھا اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تمہیں یہ نظم کہنے کی کیا ضرورت پڑی تھی؟"

"میں تو اکثر ہی زندگی کی حقیقتوں کے بارے میں شاعری

کرتا ہوں۔" رینی نے اطمینان سے جواب دیا۔

"میں نے تمہیں پانے اور تمہاری زندگی میں انقلاب لانے کے لیے رچرڈ کو قتل کردیا... اور تم نے اپنی گھٹیا شاعرانہ انا کو تسکین دینے کے لیے اس تجربے پر بھی نظم کہہ ڈالی..." لوسی کی سرگوشی پھنکار سے ملتی جلتی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھیں نفرت سے سلگ رہی تھیں۔ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ بولی "اب میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کروں گی۔"

○☆○

لوسی سیاہ ماتمی لباس میں ہی پولیس چیف گریب سے ملنے پہنچی۔ اس نے اٹھ کر لوسی کا استقبال کیا۔

"رینی نے بتایا کہ تم اس سے ملنے گئے تھے؟" بیٹھنے کے بعد لوسی بولی۔

"ہاں' میں اس سے ایک نظم کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا جس میں ایک عورت کا ذکر ہے جس کا شوہر اس سے پہلے کئی شادیاں کرچکا تھا۔ عورت نے اسے قتل کردیا۔" گریب نرم لہجے میں بولا۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رینی کی شاعری... بلکہ اکثر ہی شاعروں کی شاعری ان کے تخیل کی پیداوار ہوتی ہے۔" لوسی بولی۔

"ہاں لیکن کبھی کبھی ان میں حقیقی زندگی کے تجربات بھی جھلک آتے ہیں۔" گریب کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

"لیکن کیا اتنی سی بات سے کوئی جیوری قائل ہوسکتی ہے؟"

"رینی میرے سامنے تمہارے منصوبے کا بھی اعتراف کرچکا ہے۔"

"محض اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کی بنیاد پر تو مجھے سزا نہیں ہوسکتی۔" لوسی کی خود اعتمادی برقرار تھی۔

تب گریب نے میز پر رکھا ہوا ڈبا کھولا اور اس میں سے ایک پتلون قمیص نکالی۔ لوسی نے پہچان لیا' وہ قمیص اور پتلون اس کے شوہر نے زندگی کے آخری لمحوں میں پہنی ہوئی تھی۔

"میں نے یہ کپڑے آپ کو واپس کرنے کی پیش کش کی تھی لیکن آپ نے انہیں لینے سے انکار کردیا۔ اگر آپ نے لے لیے ہوتے تو آپ کے حق میں بہتر ہوتا۔ آپ انہیں جلا بھی سکتی تھیں۔"

"اگر میں نے ایسا نہیں کیا تو کیا ہوا؟"

"اب یہ آپ کے خلاف ثبوت بن گئے ہیں۔ ان سے ثابت ہوگا کہ آپ کے شوہر سیڑھیوں سے خود نہیں گرے تھے بلکہ آپ نے نہایت بے رحمی سے انہیں قتل کیا تھا۔ اس قمیص کے کالر کا اور پتلون کا پچھلا حصہ دیکھ رہی ہیں آپ؟ ان پر کسی چیز کے دھبے نظر آرہے ہیں۔ میں نے لیبارٹری میں ان کا تجزیہ کرایا تو پتا چلا کہ یہ دھاتوں کو چمکانے والی پالش کے دھبے ہیں۔"

لوسی اب کچھ نہ بولی۔ اس کے منہ میں کڑواہٹ پھیل رہی تھی۔

گریب بات جاری رکھتے ہوئے بولا "آپ نے مجھے بتایا تھا کہ جب آپ نے اپنے شوہر کے گرنے کی آواز سنی تو آپ ٹرافیاں وغیرہ پالش کررہی تھیں۔ اب میرے لیے اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اصل میں کیا ہوا تھا۔ جب وہ آپ کے دھکا دینے سے نہیں مرا تو آپ اسے دھکیلتے ہوئے دوبارہ اوپر لے گئیں اور دوبارہ اسے دھکا دے دیا۔"

● لوسی کے پاس اب کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کا سر شکست خوردہ انداز میں جھک گیا۔ چند لمحے بعد وہ گلوگیر آواز میں بولی "وہ اسی کا مستحق تھا۔ اس کی ایک بیوی نے اسے طلاق دے دی... دوسری بھاگ گئی... تیسری نے خودکشی کرلی... اب وہ مجھے بھی ایسے ہی کسی انجام کی طرف لے جارہا تھا۔"

"میں مانتا ہوں کہ وہ ایک خبیث آدمی رہا ہوگا۔" گریب بدستور نرمی سے بولا "لیکن اگر ہم اسی طرح ایک ایک کرکے سارے خبیثوں کو مارنا شروع کردیں تو دنیا کا نظام کون چلائے گا؟"

مختصر مختصر

★ "ڈاکٹر صاحب! جلدی سے میری دائیں ٹانگ کا معائنہ مکمل کرلیجئے۔ آدھے منٹ بعد بائیں ٹانگ دکھانے کے لیے میرا دوسرے اسپیشلسٹ کے ساتھ وقت طے ہے۔"

★ ہالی وڈ کے ایک فلم اسٹار کی وصیت:

"میری لاش کو جلا دیا جائے اور اس کی راکھ فیصد میرے ایجنٹ کے منہ پر مل دی جائے۔"

★ گوالے کو دیکھ کر ایک گائے نے دوسری گائے سے کہا "وہ سرد انگلیوں والا کمینہ پھر آرہا ہے۔"



موت کا بلاوا

نجمہ مودی

اُس چالاک مجرم کا قصہ جس نے سارے شہر میں خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا۔ کئی عمارتیں اُس نے دھماکے سے اُڑا دی تھیں جن کے سبب مالی نقصان کے ساتھ جانی نقصان بھی بہت ہوا تھا۔ پولیس کو اس تک پہنچنے میں سخت ناکامی ہوئی تھی۔ اب اُس کا ٹارگٹ پولیس والے ہی تھے۔ وہ اُنھیں ایک جگہ جمع کر کے ختم کر دینا چاہتا تھا۔

ایک سفاک صیاد کے خود اپنے ہی دام میں آجانے کا سنسنی خیز واقعہ

پولیس آفیسر بیکر اور ٹمن جب پولیس کار میں اس تیس منزلہ عمارت کے قریب پہنچے تو انہیں صرف اوپر کی منزل پر روشنی دکھائی دی۔ وہ مکمل طور پر دفتری عمارت تھی۔ رات میں تمام دفاتر بند ہوتے تھے۔ اصولاً اس وقت سب سے اوپر کی منزل پر بھی روشنی نہیں ہونی چاہیے تھی۔

ٹمن گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ روشنی دیکھ کر تھوک نگلتے ہوئے بولا "اوہ میرے خدا۔ لگتا ہے وہ واقعی تیسویں منزل پر موجود ہے۔"

"ہاں۔۔۔ لگتا تو یہی ہے۔" بیکر نے دھیمے لہجے میں تائید کی اور جیب سے موبائل فون نکال لیا۔ وہ اس عمارت کے نگران سے فون پر رابطہ کرنا چاہتا تھا۔

پچھلے چند ماہ میں کوئی شخص یکے بعد دیگرے کئی بڑی عمارتوں میں بم رکھ کر انہیں زمیں بوس کر چکا تھا۔ مالی نقصان اپنی جگہ تھا لیکن جانی نقصان بھی بہت ہوا تھا جو ناقابلِ تلافی تھا۔ شہر میں خوف و ہراس الگ پھیلا ہوا تھا۔ پولیس پر لعن طعن جاری تھی۔ سنسنی پھیلانے والے اور اس قسم کی

صورتِ حال سے لطف اندوز ہونے والے اس موقع پر بھی باز نہیں آئے تھے۔ پہلے دھماکے کے بعد سے ہی آئے دن پولیس کو ٹیلی فون کالز موصول ہونے لگی تھیں کہ فلاں عمارت میں بم رکھ دیا گیا ہے یا فلاں جگہ اتنے بجے دھماکا ہونے والا ہے۔ تمام اطلاعات غلط ثابت ہوئی تھیں۔ دھماکے جہاں ہونے تھے' ہوگئے۔

... لیکن آج کی اطلاع ٹھوس اور صحیح معلوم ہوتی تھی۔ چند منٹ پہلے ہیڈکوارٹر میں فون آیا تھا۔ نہایت سرد اور دو ٹوک لہجے میں کہا گیا تھا "بم رکھنے والے کا اگلا نشانہ ریمنگٹن ٹاور ہے۔ وہ اس وقت وہاں ٹاپ فلور پر موجود ہے۔"

بیکر کا موبائل فون پر بلڈنگ کی لابی میں موجود سیکیورٹی گارڈ سے رابطہ ہوچکا تھا۔ اس کا نام ہینڈرکس تھا۔ بیکر اس سے کہہ رہا تھا "ہینڈرکس! ویسے تو تم ہمیں بتاچکے ہو کہ تیسویں منزل سے بھی سب لوگ رخصت ہوچکے ہیں... آنے جانے والوں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے... لیکن تیسویں منزل پر ہم نے چند سیکنڈ پہلے روشنی ہوتے دیکھی ہے۔ اس کا مطلب ہے' وہاں کوئی موجود ہے... ہمارے پاس توقع سے بھی کچھ کم وقت ہے۔ ہم ابھی عمارت سے کچھ دور ہیں... کیا قریبی پولیس اسٹیشن سے دو سرے دو آفیسر پہنچ چکے ہیں؟... کیا نام ہیں ان کے؟... پال اور رائس؟ میری ان سے بات کراؤ۔"

ان کی گاڑی ابھی ٹریفک میں پھنسی ہوئی تھی اور وہ عمارت سے کئی بلاک کے فاصلے پر تھے لیکن وہ ملگجے اندھیرے میں اس کا ہیولا دیکھ سکتے تھے جس کی سب سے اوپر کی منزل پر روشنی نظر آرہی تھی۔

چند لمحے بعد بیکر کو فون پر ایک نئی آواز سنائی دی۔ بولنے والے نے اپنا نام رائس بتایا۔ بیکر جواباً بولا "میرا نام بیکر ہے... میرا تعلق ہیڈکوارٹر سے ہے..."

چند لمحے وہ دوسری طرف سے کچھ سنتا رہا پھر بولا۔ "صورتِ حال امید افزا ہے۔ ہم بلڈنگ سے زیادہ دور نہیں ہیں... پھر بھی شاید ہمیں پہنچنے میں دس منٹ لگ جائیں... تم لوگ یونیفارم میں ہو نا؟... ہم بھی یونیفارم میں ہیں... یہ بھی اچھا ہی ہے ورنہ ہم غلط فہمی میں ایک دوسرے پر بھی گولیاں چلاسکتے تھے کیونکہ شکل سے ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں..."

بیکر نے فون بند کیا تو اس کے سر میں دھمک سی ہورہی تھی۔ ٹمن ٹریفک میں سے گاڑی نکالنے کی کوشش کررہا تھا۔

بیکر گہری سانس لے کر بولا "رائس نامی بدنام پولیس آفیسر اس وقت اس لحاظ سے مجھ سے بہتر ہے کہ اس کے پاس عملی قدم اٹھانے کے لیے کوئی منصوبہ موجود ہے۔ ہم تو منہ اٹھا کر یونہی دوڑ پڑے ہیں۔ ہم نے تو اب تک سوچا ہی نہیں تھا کہ ہمیں کرنا کیا ہوگا..."

وہ ہولسٹر سے اپنا ریوالور نکال کر چیک کرنے لگا۔ ٹمن نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ بیکر نے محسوس کیا کہ ٹمن اس وقت خوف زدہ تھا۔

بیکر بولا "رائس بلڈنگ کے گارڈ سے ضروری معلومات حاصل کرچکا ہے اور اس نے تیسویں منزل کا نقشہ بھی سمجھ لیا ہے۔ بلڈنگ کے مشرقی کنارے پر دو لفٹیں اور سیڑھیاں ہیں۔ اس طرح دو لفٹیں اور سیڑھیاں دوسری طرف مغربی کنارے پر ہیں۔ رائس اور پال لفٹ کے ذریعے انتیسویں منزل تک جائیں گے۔ وہاں سے وہ سیڑھیوں کے ذریعے تیسویں منزل یعنی آخری منزل تک جائیں گے جہاں روشنی نظر آرہی ہے۔ وہ سیڑھیوں کا دروازہ باہر کی طرف مقفل کرکے واپس انتیسویں فلور پر اتر آئیں گے اور درمیانی طویل راہداری طے کرکے دوسری طرف یعنی مغربی سیڑھیوں کے ذریعے تیسویں منزل کے دروازے تک جائیں گے اور وہیں رک کر ہماری کال کا انتظار کریں گے۔ یعنی وہ دوسری طرف سے اس شخص کے فرار کا راستہ بند کرچکے ہوں گے۔ گارڈ لفٹوں کو نیچے ہی روک لے گا۔ ان آفیسرز کے پاس ہم سے رابطے کے لیے موبائل فون نہیں ہے لیکن انہوں نے گارڈ سے ایک واکی ٹاکی لے لیا ہے۔ گارڈ کے پاس دوسرا واکی ٹاکی موجود ہے اور وہ فون کے پاس موجود رہے گا۔ ہم فون پر اس سے بات کریں گے تو وہ واکی ٹاکی پر پال اور رائس کو بتادے گا۔ انہوں نے گارڈ سے اس منزل کے تمام دفاتر کی ڈپلیکیٹ چابیاں بھی لے لی ہیں۔"

ٹمن نے ایک لمحے کے لیے گویا صورتِ حال پر غور کیا پھر خود کلامی کے سے انداز میں بولا "دو وہ ہیں... دو ہم ہیں... اور ہمارا تعلق دو مختلف پولیس اسٹیشنوں سے ہے... وہ ہمیں اور ہم ان کو پہچانتے بھی نہیں... ہمیں یہ بھی اندازہ نہیں کہ اس عمارت میں کس قسم کی صورتِ حال سے واسطہ پڑے... کیا ہمارا مزید کمک کے بغیر اس بلڈنگ میں گھس پڑنا ٹھیک ہوگا؟"

"اگر ہم کمک کا انتظار کرنے لگے تو وہ اس مرتبہ بھی بلڈنگ میں بم نصب کرکے نکل جائے گا... ہم اسے یہ موقع نہیں دے سکتے۔" بیکر نے ریوالور واپس ہولسٹر میں رکھتے

ہوئے کہا۔

ٹمن خاموش رہا۔ اس کی نظر ٹریفک پر جمی ہوئی تھی۔ بیکر بولا "رائس کا منصوبہ اچھا ہے۔ اس سے وقت بچے گا۔ اس منزل پر ایک طرف سے وہ اور دوسری طرف سے ہم داخل ہوسکتے ہیں۔ لفٹیں رک چکی ہوں گی۔ مجرم کے لیے فرار کا راستہ نہیں رہے گا۔"

ٹمن اب بھی خاموش رہا۔ شاید وہ بیکر سے متفق ہوچکا تھا۔ بیکر کھڑکی سے باہر ٹریفک کو دیکھنے لگا۔ اس کی بدقسمتی تھی کہ آج کی یہ کال اس کے حصے میں آئی تھی۔ کل سے اس کی ڈیوٹی ڈیسک پر لگنے والی تھی جس میں کسی خطرے سے واسطہ نہیں پڑتا تھا۔ دوسری بدقسمتی یہ تھی کہ آج نئے پولیس کمشنر کی تقریبِ حلف برداری تھی جو شہر کے ایک دور افتادہ ہوٹل میں منعقد ہورہی تھی۔ زیادہ تر پولیس والے وہاں گئے ہوئے تھے۔ اگر ٹمن کی تجویز کے مطابق کمک منگوانے کی کوشش بھی کی جاتی تو اس میں اچھا خاصا وقت ضائع ہوجاتا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ٹمن بولا "بم کی اطلاع دینے والے کے بارے میں تم ڈیسک سارجنٹ سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کررہے تھے۔۔۔ کوئی کام کی بات معلوم ہوئی؟"

"کوئی خاص نہیں۔۔۔" بیکر نے جواب دیا "اس نے بتایا کہ اطلاع دینے والا آواز سے جوان اور لہجے سے سفید فام معلوم ہوتا تھا۔۔۔ پس منظر سے کچھ دھمک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔۔۔ یہ سب کچھ ریکارڈ ہوچکا ہوگا۔ ہم بعد میں جاکر اس کال کی ریکارڈنگ سن لیں گے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ اگر زندہ واپس آئے تو۔۔۔" ٹمن نے کہا۔

اس سے پہلے کہ بیکر اس پر کوئی تبصرہ کرتا، گاڑی اس بلڈنگ کے دروازے پر جارکی۔ وہ دونوں بجلی کی تیزی سے اترے۔ دروازے پر شکن آلود یونیفارم میں ایک بھاری بھرکم گارڈ نے ان کا استقبال کیا جس کے سینے پر "ہینڈرکس" کے نام کا بیج نظر آرہا تھا۔ وہ سخت دہشت زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ بیکر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس قسم کا آدمی بھلا سیکیورٹی گارڈ کے فرائض کس طرح ادا کرتا ہوگا؟

وہ تیز تیز قدموں سے ان کے ساتھ لابی میں داخل ہوتے ہوئے بولا "دوسرے دونوں پولیس آفیسر اب اپنی جگہ پر پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ دو منٹ پہلے انہوں نے لفٹ نیچے بھیجی ہے۔"

نقشہ اب بھی گارڈ کی میز پر پھیلا ہوا تھا جس سے عمارت کی ساخت کو سمجھا جاسکتا تھا۔ اس کا جائزہ لیتے ہوئے

حقیقت حال

ایک بوڑھا شخص بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی بیٹھی تھی، مگر وہ کھانے کے بجائے اس کا منہ تک رہی تھی۔ ایک شخص نے بوڑھے سے کہا "تمہیں شرم آنی چاہیے تم اپنی بیوی کے سامنے بیٹھ کر کھا رہے ہو اور اسے کھانے کے لیے پوچھتے تک نہیں۔"

بوڑھے نے کہا "معاملہ یوں نہیں ہے جیسے تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ ہم دونوں کے پاس صرف ایک پلیٹ ہے اور میری بیوی میری پلیٹ کے فارغ ہونے کا انتظار کررہی ہے۔"

مرسلہ: سید شکیل حیدر بخاری۔ فیصل آباد

بیکر نے مزید معلومات کے لیے چند سوالات کیے پھر پوچھا۔ "تیسویں منزل پر لائٹس کا نظام کیسا ہے؟"

"لفٹ کے قریب ایک سوئچ ہے۔ اسی سے راہداری کی اور تمام دفاتر کی لائٹس آن ہوتی ہیں۔" گارڈ نے بتایا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بیکر نے پوچھا "تیسویں منزل پر کسی قسم کی آوازیں سنائی دیتی ہیں؟ پنکھوں کی۔۔۔ جنریٹرز کی۔۔۔ یا چھتوں میں چھپے ہوئے اسپیکروں سے میوزک وغیرہ کی آوازیں۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ صرف ائرکنڈیشنگ کی کچھ آواز آتی ہے۔ اس کا پلانٹ بہت بڑا ہے۔"

"اس کا کنٹرول کہاں ہے؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔۔۔ لیکن ضرورت پڑی تو میں اس کا مین سوئچ تلاش کرلوں گا۔" گارڈ بولا۔

"شاید میں اسے بند کرانے کے لیے تمہیں فون کروں۔" بیکر نے گویا اسے خبردار کیا پھر پوچھا "تمہارے پاس دفتروں کی ڈپلیکیٹ چابیوں کا دوسرا سیٹ ہے؟"

گارڈ نے تقریباً پچاس چابیوں کا ایک گچھا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "ان پر دفتروں کے نمبر پڑے ہوئے ہیں۔"

"کوئی ایک ماسٹر کی نہیں ہے؟" بیکر نے دریافت کیا۔

"نہیں۔۔۔ پچھلے ہفتے کمپنی سے کچھ لوگوں کو نکالا گیا تھا اور اس کے بعد شاید احتیاطاً تالے تبدیل کردیے گئے تھے۔" گارڈ نے بتایا۔

بیکر نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر اسے اپنے موبائل فون کا نمبر لکھ کر دیتے ہوئے کہا "تم صرف اس صورت میں مجھ سے رابطہ کرنا جب اشد ضروری ہو۔ تمہیں جب یہاں لفٹ کے دروازے پر جلنے بجھنے والے نمبروں سے معلوم ہو جائے کہ ہم تیسویں منزل پر پہنچ چکے ہیں تو تم پال اور رائس کو واکی ٹاکی پر بتا دینا کہ ٹھیک پانچ سیکنڈ بعد وہ اپنی طرف کے دروازے سے داخل ہوں۔ ہم اپنی طرف کے دروازے سے داخل ہو رہے ہوں گے۔ جو لفٹ ہم واپس نیچے بھیجیں گے' اسے تم نیچے ہی روک لینا۔ سمجھ گئے؟"

گارڈ نے اثبات میں سر ہلایا اور بیکر لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ٹمن اس کے پیچھے تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔

لفٹ میں بیکر نے اپنی چیزوں کا جائزہ لیا۔ اس کے پاس ریوالور' موبائل فون' ٹارچ اور ہتھکڑیاں موجود تھیں۔ ٹارچ کی تو شاید ضرورت نہیں پڑی تھی پھر بھی اس کی موجودگی بہتر تھی۔

"میں نے سنا ہے انسان بم کے دھماکے میں مرتا ہے تو اسے کچھ زیادہ تکلیف کا احساس نہیں ہوتا؟" ٹمن بولا۔ بیکر نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں دیکھ رہا تھا اور اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے دکھائی دے رہے تھے۔

"مطمئن رہو.... ہم بم دھماکے میں نہیں مریں گے۔" بیکر نے اسے تسلی دی "اگر یہ وہی شخص ہے جو اس سے پہلے بھی کئی عمارتوں میں بم رکھ چکا ہے۔ تو اس کے بارے میں ماہرین نے رائے قائم کی ہے کہ یہ بہت آہستگی سے کام کرنے کا عادی ہے۔ اگر آج اطلاع دینے والا بھی یہی ہے تو اس کی یہاں موجودگی کو پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں گزرے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ابھی اسے بم نصب کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ہم اس کے اندازوں سے زیادہ جلدی آن پہنچے ہیں۔ فرض کرو' وہ اسے کہیں نصب بھی کر چکا ہے تب بھی اسے تلاش کرنے کے لیے ہمارے پاس کم از کم آٹھ گھنٹے ہیں کیونکہ اس نے بم پر صبح کا وقت سیٹ کیا ہو گا تاکہ اس وقت دفتروں میں لوگ آ چکے ہوں اور زیادہ سے زیادہ ہلاکتیں ہوں۔ اب تک اس نے اپنی ہر واردات میں یہی کوشش کی ہے۔ بہت ہی خبیث فطرت کا مالک معلوم ہوتا ہے.... چنانچہ ٹمن.... میرے دوست....! فی الحال ہمارے بم دھماکے میں مرنے کے امکانات کم اور گولی سے مرنے کے زیادہ ہیں۔"

اس لمحے لفٹ تیسویں منزل پر جا رکی اور دروازہ کھل گیا۔

ان کے سامنے ایک طویل راہداری تھی جس کے دونوں طرف دفاتر کے دروازے تھے۔ راہداری کے دوسرے سرے پر انہیں دو باوردی افراد کی جھلک نظر آئی۔ ٹمن نے ہاتھ ہلا کر انہیں اشارہ دیا۔ ان میں سے ایک نے اپنی طرف کا سیڑھیوں کا دروازہ مقفل کر دیا۔ ٹمن نے اپنی طرف کا دروازہ مقفل کر دیا اور لفٹ بھی واپس چلی گئی۔ اب اس منزل سے نیچے جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

لائٹس آن تھیں۔ بیکر نے پوری راہداری کا جائزہ لیا۔ دوسرے سرے پر ریسپشن بنا ہوا تھا۔ راستے میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کی آڑ لی جا سکتی۔ اس کا مطلب تھا کہ اگر اس منزل پر پولیس والوں کے علاوہ واقعی کوئی موجود تھا تو وہ کسی آفس میں تھا۔

اس نے دیکھا' دوسری طرف کے پولیس والوں نے ایک دفتر کا تالا کھول بھی لیا تھا اور اندر جا رہے تھے۔ بیکر نے اپنی طرف سے آغاز کر دیا۔ اس طرف پہلے آفس کا نمبر تین ہزار ایک تھا۔ اس نے گچھے میں سے اس نمبر کی چابی منتخب کی' ٹمن کو الرٹ کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور تالا کھول لیا۔ ریوالور ان کے ہاتھوں میں تھے۔

دبے قدموں وہ اندر پہنچے۔ ٹمن دروازے پر ہی رک گیا۔ بیکر نے آگے بڑھ کر ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ آفس کافی بڑا تھا اور وہاں آڑ لینے کے لیے بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ بیکر نے پورے آفس کی تلاشی لی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ واپس باہر جانے سے پہلے اس کی نظر عقبی کھڑکی کے شیشے پر پڑی تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ باہر کافی دور تک اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ کسی عمارت کی روشنیاں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

اس نے متجسس ہو کر آگے بڑھ کر شیشے پر ناک ٹکاتے ہوئے نیچے جھانکا تو بہت غور سے اسے دیکھنے پر چند مدھم سرخ روشنیوں کی وجہ سے اسے اندازہ ہوا کہ ادھر کوئی بڑی بلڈنگ بننے والی تھی۔ اس کے لیے کھدائی اور ابتدائی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ بہت بڑا گڑھا کھودا جا چکا تھا۔ گڑھے میں اور اس کے آس پاس اوپر کئی بڑی بڑی تعمیراتی مشینیں بھی موجود تھیں جن کے صرف نہایت دھندلے ہیولے ہی بیکر دیکھ سکتا تھا۔ ادھر چونکہ کوئی عمارت موجود نہیں تھی' صرف کنسٹرکشن سائٹ تھی اس لیے کافی دور تک اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔

مطمئن ہو کر بیکر باہر آ گیا اور ٹمن سے مخاطب ہوا "ایک آفس تو دیکھ لیا۔ اب دوسرا دیکھتے ہیں۔"

اسے شبہ ہوا کہ شاید ٹمن نے اس کی آواز سنی ہی نہیں تھی کیونکہ رات کے سناٹے میں ائرکنڈیشننگ کی آواز اچھی

خاصی تیز محسوس ہو رہی تھی۔ مسلسل ایک گھوں گھوں سی سنائی دے رہی تھی جس میں کبھی کبھی ایک قسم کی کھڑکھڑاہٹ سی بھی سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز گویا چاروں طرف سے سنائی دے رہی تھی۔ اگر بم ڈسپوزل اسکواڈ والے ٹک ٹک کی آواز کی مدد سے ٹائم بم تلاش کرنا چاہتے تو انہیں یقیناً ائرکنڈیشننگ سسٹم بند کرانا پڑتا۔

اگلے چند منٹ کے دوران میں وہ مزید چند دفاتر کی تلاشی لے چکے تھے اس وقت وہ دفتر نمبر تین ہزار آٹھ میں تھے جب ائرکنڈیشننگ رک گئی اور یکدم گہرا سکوت چھا گیا۔ یہ سکوت اس شور سے بھی زیادہ پریشان کن محسوس ہونے لگا جو ائرکنڈیشننگ کی وجہ سے پیدا ہو رہا تھا۔ نہ جانے ائرکنڈیشننگ کا سوئچ آف کیا گیا تھا یا وہ خود ہی معمول کے مطابق کچھ دیر کے لیے بند ہوئی تھی۔

.... اور اسی سکوت کے دوران میں انہوں نے فائروں کی آواز سنی۔ یکے بعد دیگرے دو فائر ہوئے تھے۔ اس کے بعد ایک لمحے کے توقف سے کوئی بڑا شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا سنائی دیا۔ یہ آوازیں راہداری کے دوسرے سرے کی طرف سے سنائی دی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے بیکر اور ٹمن دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے پھر تیزی سے باہر آگئے۔ فطری طور پر تو ان کا دل یہی چاہا کہ تیزی سے دوڑ کر آگے جائیں اور دیکھیں کہ کیا ہوا تھا لیکن انہوں نے خود کو باز رکھا اور دیوار سے چپک کر کئی سیکنڈ تک منتظر سے انداز میں کھڑے رہے کہ شاید اس کے بعد بھی کچھ ہو۔ بیکر کا دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔ اس کے جس ہاتھ میں ریوالور تھا اس سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ آخر اس نے ٹمن کو اشارہ کیا اور دونوں آہستگی سے آگے بڑھے۔

راہداری کے دوسری طرف پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ پانچ دفتروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ بہتر یہی تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنے قریب ترین دفتر میں جھانکتے کیونکہ دوسرے دونوں پولیس والے دوسری طرف سے شاید تلاشی لیتے آرہے تھے اور زیادہ امکان یہی تھا کہ جو کچھ ہوا ہوگا' وہ ان دفتروں میں سے آخری میں ہوا ہوگا جن کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اس دفتر کا نمبر تین ہزار چھیالیس تھا۔

اس کے کھلے دروازے کے قریب وہ چند لمحے دیوار سے چپکے رہے۔ بیکر سوچ رہا تھا کہ شاید دوسرے دونوں پولیس والوں میں سے کوئی زیادہ ہی گھبراہٹ زدہ طبیعت کا مالک ہو اور اس نے کسی معمولی جھٹکے پر ہڑبڑا کر دو گولیاں داغ دی ہوں پھر کسی لیمپ وغیرہ سے الجھ کر گر پڑا ہو۔

عجیب اتفاق تھا کہ جب وہ ریوالور تانے انتہائی محتاط اور ڈرامائی انداز میں کمرے میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اس کی نظر کمرے میں پڑے ہوئے ایک لیمپ ہی پر پڑی۔ وہ اسٹینڈ والا لیمپ تھا جیسے عام طور پر کمروں کے کونوں میں کھڑے کردیے جاتے ہیں۔ لیمپ دیوار کے قریب پڑا تھا اور اس طرف کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اسی کھڑکی کے نیچے ایک باوردی پولیس والا اوندھا پڑا تھا۔ اس سے ذرا ہی فاصلے پر ..... ایک میز کے قریب دوسرا پولیس والا ایک بریف کیس کھولے اس میں ہاتھ مار رہا تھا۔ بیکر اور ٹمن ریوالور تانے کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے تینوں پولیس والے کچھ مطمئن ہوگئے اور انہوں نے اپنے جسم ڈھیلے چھوڑ دیے۔

بیکر نے ریوالور جھکا لیا۔ قدرے اطمینان کے ساتھ وہ کچھ الجھن بھی محسوس کر رہا تھا۔ آخر وہ شخص کہاں تھا جس کی انہیں تلاش تھی۔

وہ اپنی جگہ دم بہ خود سا ہی کھڑا رہا۔ ٹمن نے آگے بڑھ کر اس کے قریب سے گزر کر فرش پر پڑے پولیس والے کا جائزہ لیا۔

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی دوسرے پولیس والے نے اعلان کیا "یہ مر چکا ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر بریف کیس کی تلاشی لینے لگا۔

بیکر نے دیکھا اس کی قمیص کا پچھلا حصہ پتلون سے باہر تھا۔ ٹوپی ایک طرف گری پڑی تھی اور اس کے سینے پر "پال" کے نام کا بیج موجود تھا۔ وہ میز پر چند لمحے بریف کیس میں ہاتھ مارتا رہا پھر اسے بند کر کے ناگواری سے میز کے نیچے کھسکاتے ہوئے بولا "بم اس میں نہیں ہے.... بلکہ یہیں کہیں.... کسی اور جگہ چھپایا گیا ہے۔ ہم اچانک اس کے سر پر آن پہنچے تھے جس سے وہ بدحواس ہو گیا۔"

ٹمن مردہ پولیس آفیسر کے پاس سے ہٹا تو بیکر نے آگے بڑھ کر اسے ذرا سیدھا کرتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔ اس کے سینے پر "رائس" کے نام کا ٹیگ آویزاں تھا۔ بیکر گو کہ اسے جانتا نہیں تھا لیکن اسے اپنے حلق میں آنسوؤں کی نمکینی کا احساس ہوا۔ تقریباً بیس منٹ پہلے اس نے اس شخص سے فون پر بات کی تھی اور اب وہ اس کے سامنے مردہ پڑا تھا۔

اس نے سیدھا ہوتے ہوئے ریوالور سے کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا "مجرم نے یہاں سے باہر چھلانگ لگا دی تھی؟"

پال نے اثبات میں سرہلایا۔ اس نے جب بات کی تھی تو اس کی آواز پُرسکون تھی لیکن اس کا چہرہ زرد دکھائی دے رہا تھا اور ہاتھوں میں لرزش تھی۔

بیکر اور ٹمن نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر بیکر اپنا ریوالور ہولسٹر میں رکھتے ہوئے کھڑکی کے قریب پہنچا۔ اس نے ٹوٹے ہوئے شیشے سے نیچے جھانکا۔ کنسٹرکشن سائٹ اس طرف نہیں تھی۔ اس طرف فٹ پاتھ تھی' سڑک تھی اور دوسری طرف عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ بیکر کو نیچے فٹ پاتھ پر ایک گٹھری سی پڑی دکھائی دی جس کے گرد ہجوم جمع ہو رہا تھا۔ چند منٹ پہلے تک یہ ساکت گٹھری یقیناً ایک زندہ سلامت انسانی جسم تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے مجرم ٹینس کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ بیکر نے اسے اپنا واہمہ قرار دیا اور کھڑکی سے ہٹ گیا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ٹمن سہارا دے کر پال کو ایک کرسی پر بٹھا رہا تھا۔ بیکر نے اپنا موبائل فون نکال کر نیچے لابی میں موجود گارڈ ہینڈرکس کو صورتِ حال سے آگاہ کیا پھر پال کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ وہ خالی خالی سی نظروں سے ہوا میں تک رہا تھا۔ آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ وہ ابھی تک دھچکے کے اثر سے نہیں نکل سکا تھا۔

"مجھے صحیح طرح بتاؤ کہ ہوا کیا تھا۔" بیکر نے نہایت ملائمت سے کہا۔ اسے خفیف سا احساس تھا کہ ائرکنڈیشنگ سسٹم دوبارہ آن ہو چکا تھا۔

"اس نے رائس کو گولی مار دی۔۔۔" پال کا لہجہ سپاٹ ہونے کے باوجود وحشت زدہ سا تھا پھر اس نے مجھ پر بھی گولی چلائی لیکن میں اچھل کر میز کے پیچھے چھپ چکا تھا۔

"پھر کیا ہوا؟" بیکر نے دریافت کیا۔

پال نے شکستہ شیشے کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا "پھر اس نے وہاں سے چھلانگ لگا دی۔۔۔ غوطہ لگانے کے انداز میں۔۔۔ زندگی میں اس سے پہلے میں نے کبھی اس قسم کا نظارہ نہیں دیکھا۔"

"تم چند لمحے آرام کرو اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔" بیکر نے تسلی دینے کے انداز میں کہا "میں تمہیں نیچے بھجوانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

اس نے ایک بار پھر موبائل فون پر گارڈ کا نمبر ملایا اور کہا "ہینڈرکس! ایک لفٹ اوپر بھیج دو۔۔۔ وہ جو دوسرے پولیس اسٹیشن سے دو پولیس آفیسر آئے تھے' ان میں سے ایک کو نیچے آنا ہے اس لیے ایک لفٹ کو چھوڑ دو۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ وہ بم اسکواڈ والے آئے یا نہیں۔۔۔؟ اچھا۔۔۔ جونہی آئیں انہیں اوپر بھیج دینا اور فی الحال ذرا اس ائرکنڈیشننگ سسٹم کو بند کر دو۔ ہمیں اپنے طور پر بم کو تلاش کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اگر کہیں سے اس کی مدھم سی ٹک ٹک کی آواز آ رہی ہو گی تو وہ ہم اس گھوں گھوں میں نہیں سن سکیں گے۔"

اس نے فون بند کیا اور پال کی طرف متوجہ ہوا "لفٹ آ رہی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں تمہارے آفیسر کو بتاؤں گا کہ تم نے بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔"

"شکریہ۔" اس نے کمزور سی آواز میں کہا اور چند لمحے بعد جب باہر لفٹ رکنے کی آواز سنائی دی تو وہ اٹھا اور باہر کی طرف چل دیا۔

اس کے جانے کے چند سیکنڈ بعد ٹمن بولا "اور یہ دوسرے آفیسر کی لاش کا کیا بنے گا؟"

"اسے ایک ہیرو کے سے اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ فی الحال ہمیں بم تلاش کرنا ہے۔" بیکر نے جواب دیا۔

"انہوں نے آفس کا جائزہ لیا۔ وہاں کچھ ایسی زیادہ بے ترتیبی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بس فرش پر لیمپ پڑا تھا اور ایک طرف شیلفوں سے کچھ کتابیں نکلی ہوئی تھیں جو فرش پر پڑی تھیں۔ شاید مجرم وہاں بم اور اس کا ٹائم وغیرہ چھپانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

پھر بیکر کی نظر لیمپ پر جم کر رہ گئی۔ اس کے ذہن میں کوئی خلش سی تھی۔ ذہن کے کسی تاریک گوشے میں کوئی بات چبھ رہی تھی۔ رخصت ہونے والے آفیسر پال کے بیان سے ظاہر ہوتا تھا کہ کمرے میں ہاتھاپائی یا کشمکش کی نوبت نہیں آئی تھی۔۔۔ تو پھر لیمپ اس طرح کیوں پڑا تھا اور ٹوٹا ہوا کیوں تھا؟ کیا مجرم نے اپنی دانست میں راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی' وہ اس وقت لیمپ سے الجھ کر گر پڑا تھا؟ یا صرف لیمپ ہی اس کے پاؤں میں الجھنے کی وجہ سے گر کر ٹوٹ گیا تھا؟ وہ ایک مضبوط آرائشی لیمپ تھا۔

اسی اثنا میں موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ بیکر فون میز پر رکھ چکا تھا۔ اس نے اسے نہیں اٹھایا۔ وہ بدستور گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ٹیبل لیمپ نہ صرف ٹوٹا ہوا تھا بلکہ کمرے کے تقریباً وسط میں پڑا تھا اور اس کا پلگ بھی نکلا ہوا تھا۔

ٹمن نے اسے خیالوں میں محو دیکھ کر فون اٹھا لیا اور چند سیکنڈ سننے کے بعد اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "چیف تم سے بات کرنا چاہتا ہے سارجنٹ۔۔۔!"

بیکر چیف کا نام سن کر بھی فون کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ وہ اب ایک دیوار کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس میں بالکل پاس

پاس گولیوں کے دو سوراخ نظر آرہے تھے۔ بیکر نے زور سے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ جب اس کمرے میں داخل ہوا تھا تو کوئی چیز اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ شاید وہ چیز کمرے میں ہی موجود تھی۔۔۔ شاید اس کا تعلق پال کے بیان سے تھا۔

اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نظروں کے سامنے گویا بجلی سی کوندی تھی۔ اسے یاد آیا تھا کہ پال کی قمیص کا پچھلا حصہ پتلون سے نکلا ہوا تھا اور ٹوپی دور پڑی تھی جبکہ اس نے بتایا تھا کہ کمرے میں کوئی ہاتھا پائی یا مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ درحقیقت پال کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اس نے عجلت میں کپڑے بدلے تھے اور اس کا یہ عمل مکمل ہونے میں کچھ کسر رہ گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ نیچے فٹ پاتھ پر پڑی لاش کا ٹینس کے کپڑوں میں نظر آنا بھی قابلِ غور تھا۔

"اوہ میرے خدا۔۔۔۔!" ایک امکان نے بیکر کو دہشت زدہ سا کردیا۔ اس نے موبائل فون ٹمن کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"یس چیف۔۔۔؟" وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"یہاں کیا ہورہا ہے؟" پولیس چیف ولبرن نے جاننا چاہا۔ وہ یقیناً نیچے پہنچ چکا تھا۔ فون پر پس منظر سے ٹریفک کا شور سنائی دے رہا تھا "یہاں پہنچتے ہی مجھے فٹ پاتھ پر ایک لاش ملی ہے اور اس بلڈنگ کا گارڈ بتارہا ہے کہ ایک لاش اوپر بھی موجود ہے۔"

"ذرا میری گارڈ سے بات کرائیں۔" بیکر مضطربانہ انداز میں بولا۔ پولیس چیف نے یقیناً اس کے لہجے کے اضطراب کو محسوس کرلیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے فون پر گارڈ کی آواز سنائی دی۔ بیکر تیزی سے بولا "ہینڈرکس! یہ جو شخص فٹ پاتھ پر گر کر مرا ہے اگر اس کا چہرہ قابلِ شناخت ہو تو اسے ذرا اچھی طرح دیکھو۔"

چند سیکنڈ بعد بیکر کو فون پر اس کی تیز تیز سی سانسوں کی آواز سنائی دی تو اس نے پہلے سے زیادہ مضطربانہ لہجے میں پوچھا "کیا تم اس چہرے کو پہچانتے ہو ہینڈرکس؟"

"جی ہاں۔" ہینڈرکس کی بیٹھی بیٹھی سی آواز سنائی دی۔

"یہ انہی دو پولیس والوں میں سے ایک کا چہرہ ہے نا۔۔۔ جو اوپر آئے تھے؟" بیکر نے تصدیق چاہی۔

"جی ہاں۔۔۔" ہینڈرکس کی آواز اب خوف زدہ سی محسوس ہوئی۔

"یہ وہ پولیس والا ہے جس نے آپ سے فون پر بات نہیں کی تھی۔۔۔ یعنی پال۔۔۔ آپ سے بات کرنے والے کا نام رائس تھا۔۔۔ اور یہ بنیان اور انڈرویئر میں کیوں ہے؟ اس کے قریب کپڑوں کا ایک گولا سا بھی پڑا ہے۔۔۔ پینٹ کی ایک ٹانگ میں لپٹا ہوا اور بندھا ہوا۔۔۔"

بیکر اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولا "غور سے میری بات سنو ہینڈرکس! میں نے تم سے کہا تھا کہ لفٹ کے ذریعے ایک پولیس والا نیچے آرہا ہے۔۔۔ کیا تم نے اسے لفٹ سے نکلتے دیکھا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ میں نے نہیں دیکھا۔۔۔ اب تک شاید وہ نکل چکا ہو۔" ہینڈرکس نے جواب دیا پھر مزید بتایا "مجھے عمارت کی دیکھ بھال کرنے والا ایک آدمی مل گیا تھا۔۔۔ میں نے اس سے ائرکنڈیشنگ بند کرنے کے لیے کہہ دیا ہے۔۔۔ اس کے علاوہ بہت سے پولیس والے اوپر آپ کے پاس آرہے ہیں۔"

"کیا وہ بم اسکواڈ والے ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ عام پولیس والے ہیں۔۔۔۔ کئی پولیس اسٹیشنوں سے آئے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ تم فون واپس چیف کو دو۔" بیکر بولا۔

جب فون پر چیف کی "ہیلو" سنائی دی تو بیکر ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولا "چیف! یہاں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ فٹ پاتھ پر آپ جو لاش دیکھ رہے ہیں یہ ایسٹ سائڈ اسٹیشن کے ایک پولیس آفیسر کی ہے۔ بم رکھنے والے مجرم نے اسے اور اس کے ساتھی کو گولی مار دی ہے اور اس کی وردی پہن کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا ہے۔ چند لمحے پہلے ہی وہ یہاں سے لفٹ کے ذریعے روانہ ہوا تھا۔ پولیس کی جتنی بھی گاڑیاں آس پاس موجود ہوں انہیں اس کے حلیے سے آگاہ کردیں۔ حلیہ یہ ہے۔۔۔"

اس نے اس شخص کا حلیہ بیان کیا جسے انہوں نے پولیس والا سمجھ کر خود رخصت کردیا تھا۔ فون بند کرکے وہ ٹمن کی طرف مڑا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یعنی اس نے دونوں ہی پولیس والوں کو گولی مار دی تھی؟" وہ وحشت زدہ سی آواز میں بولا۔

"وہ دونوں جب اچانک اس کے سر پر آن پہنچے۔۔۔ تو غالباً رائس کو تو اس نے فوراً ہی گولی مار دی تھی۔۔۔" بیکر پُرخیال سے لہجے میں بولا "پال کو البتہ وہ شاید کسی طرح بے ہوش کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اس نے اس کی یونیفارم اتار کر پہن لی۔ پال کو اس نے چونکہ گولی نہیں ماری

تھی اس لیے اس کی یونیفارم پر ہمیں خون دکھائی نہیں دیا تھا جو مجرم نے اتار کر پہنی ہوئی تھی۔"

"لیکن ہم نے یکے بعد دیگرے دو فائروں کی آواز سنی تھی۔" ٹمن بولا۔

"وہ گولیاں درحقیقت اس نے دیوار پر چلائی تھیں۔۔۔" بیکر نے دیوار پر موجود نشانات کی طرف اشارہ کیا "اور یہ گولیاں شاید اس نے ان میں سے کسی ایک کے ریوالور سے چلائی تھیں۔ اصل کام تو شاید وہ اس سے پہلے ہی کر چکا تھا۔ اس کے پاس یقیناً سائلنسر والا ریوالور ہوگا جس سے وہ رائس کو گولی مار چکا تھا اور پال کو بے ہوش کر چکا تھا۔ دو فائر اس نے صرف ہمیں سنانے کے لیے کیے تھے تاکہ جب ہم اس کے سر پر پہنچیں تو اس کی کہانی سن کر ہمیں فوراً ہی یقین آجائے اور ہم اس کی ڈرامے بازی سے لازماً دھوکا کھا جائیں۔ اس لیمپ کو اس نے کھڑکی کا شیشہ توڑنے کے لیے استعمال کیا ہوگا اور پھر اسی ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے پال کو باہر پھینکا ہوگا۔"

"لیکن اسے ہمارے بارے میں معلوم کیسے ہوا؟ اسے کیسے یقین تھا کہ ہم اس کے سر پر آن پہنچیں گے؟" ٹمن نے الجھن سے پوچھا۔

"شاید وہ کسی کھڑکی سے اس وقت ہمیں دیکھ رہا ہو جب ہم اس فلور پر پہنچے تھے۔۔۔" بیکر سوچتے ہوئے بولا "اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے پال کو بے ہوش کرنے سے پہلے پستول وغیرہ کے ذریعے دھمکا کر پوری صورتِ حال معلوم کر لی ہو۔"

"میں اس لیے پریشان ہوں کہ شاید میرا یہ خیال غلط ہو۔ مجھے اب خیال آرہا ہے کہ آخر اسے اس فلور کی لائٹس آن کر کے اور اپنی موجودگی کی اطلاع دے کر اپنا کام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہی ہلاک کرنا چاہتا تھا تو خاموشی سے فلیش لائٹس جلا کر بم نصب کر کے اس پر صبح کا ٹائم سیٹ کر کے جا سکتا تھا۔ کیا اسے خود نمائی کا شوق تھا یا پھر وہ بے پروا تھا؟"

"ممکن ہے وہ صرف احمق ہو۔" ٹمن نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں۔" بیکر وثوق سے بولا "اسے خود نمائی کا شوق ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ نفسیاتی مریض ہو سکتا ہے لیکن احمق نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر۔۔۔؟" ٹمن کے لہجے میں الجھن تھی۔

"ذہن پر زور دو۔" بیکر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

اچانک ٹمن چونکنے کے سے انداز میں بولا "کہیں اس کا مقصد زیادہ سے زیادہ پولیس والوں کو یہاں جمع کرنا تو نہیں تھا؟ وہ زیادہ سے زیادہ پولیس والوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا؟"

"ہاں۔۔۔ مجھے یہی امکان نظر آتا ہے اور اس کا مطلب ہے بم پھٹنے کا وقت بہت زیادہ دیر بعد کا نہیں ہوگا۔ ہمیں جلد از جلد اس بم کو تلاش کرنا ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ وہ اب کسی بھی لمحے پھٹنے والا ہو۔"

عین اسی لمحے ائرکنڈیشننگ کی گھوں گھوں بند ہو گئی اور انہوں نے قدرے سکون کی سانس لیتے ہوئے اِدھر اُدھر تلاشی لینا شروع کی۔ اچانک بیکر کے ذہن میں ایک اور جھماکا سا ہوا۔

"بریف کیس۔۔۔!"

اسے یاد آیا کہ جب وہ آفس میں داخل ہوئے تو مجرم پال کی یونیفارم پہنے' بریف کیس کھولے بیٹھا تھا۔ رخ ایسا تھا کہ بیکر اور ٹمن یہ نہیں دیکھ سکے تھے کہ بریف کیس میں کیا تھا۔ بیکر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جب وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ پولیس والا بم کی تلاش میں بریف کیس چیک کر رہا ہے تو کیا اس وقت وہ درحقیقت بم اس میں نصب کر کے ٹائم وغیرہ سیٹ کر رہا تھا؟

اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹنے لگا۔ بلڈنگ کا سکوت اب خوفناک محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ میز کے قریب پہنچا اور جھک کر اس نے یوں احتیاط سے میز کے نیچے سے بریف کیس نہایت آہستگی سے نکالا جیسے وہ بلبلے سے زیادہ نازک کوئی چیز ہو پھر وہ اپنا کان اس کے قریب لے گیا۔

بند بریف کیس میں ٹک ٹک کی آواز محسوس ہو رہی تھی!

سینے میں مقیّد دل کی دھڑکنوں کی طرح۔۔۔!

بیکر کا دل اچھل کر گویا حلق میں آگیا۔ اس نے ٹمن کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ ہلے مگر کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔ وہ ٹمن سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ باقی پولیس والوں کو۔۔۔ دوسرے لوگوں کو خبردار کر دے کہ وہ اس عمارت سے۔۔۔ یا کم از کم تیسویں منزل سے جتنا بھی دور رہ سکتے ہوں' رہیں لیکن۔۔۔ اب دیر ہو چکی تھی۔

راہداری میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ پوری عمارت میں۔۔۔ اور آس پاس بھی نہ جانے کتنے لوگ موت کے منہ میں تھے اور انہیں اس کا علم بھی نہیں تھا۔ صرف بیکر اور ٹمن اس خطرے سے آگاہ تھے۔ مجرم کو رخصت ہوئے بھی دس منٹ گزر چکے تھے۔ اس نے یقیناً زیادہ دیر ٹائم سیٹ نہیں کیا ہوگا۔ اس نے صرف اتنی ہی

گنجائش رکھی ہوگی کہ وہ خود عمارت سے نکل سکے۔

عین اس وقت جب یہ تمام خیالات بیکر کے ذہن میں قیامت برپا کررہے تھے' ایک پولیس والے نے اندر جھانکا اور پوچھا "تم دونوں کا تعلق بم اسکواڈ سے ہے؟"

بیکر گہری سانس لے کر بولا "تعلق تو نہیں ہے لیکن اس وقت ہمیں خود ہی بم اسکواڈ بننا پڑے گا۔۔۔"

اس نے تھوک نگلا۔ اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ حتی الامکان اونچی آواز میں بولا "دروازے سے ہٹ جاؤ اور دوسرے لوگوں کو بھی خبردار کردو کہ جو جہاں ہے' وہیں سینے کے بل لیٹ جائے۔۔۔"

پولیس والے کے ہٹتے ہی بیکر نے ٹمن کو اشارہ کیا اور یہ دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ ٹمن اس کے اشارے کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ آفس سے نکل کر راہداری عبور کرتے ہوئے دوسری طرف والے آفس کے دروازے کی طرف لپکا۔ ریوالور نکال کر فائر کرکے اس نے دروازے کا تالا توڑا' کندھے سے ٹکر مار کر دروازہ کھولا اور اندر جاگھسا۔ بیکر بریف کیس اٹھائے اس کے پیچھے لپکا۔

راہداری میں اس نے دیکھا' بہت سے پولیس والے سینے کے بل فرش پر لیٹ چکے تھے اور گردنیں اٹھائے خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے مگر ان کا خوف شاید اس خوف کا عشرِ عشیر بھی نہیں تھا جو اس وقت بیکر محسوس کررہا تھا۔

وہ جب تک دوسری طرف کے آفس میں عقبی دیوار تک پہنچا' ٹمن ایک بھاری کرسی مار کر کھڑکی کا شیشہ توڑ چکا تھا۔ کھڑکی کی جگہ اب ایک بڑا شگاف دکھائی دے رہا تھا اور باہر کچھ دور تک تاریکی تھی۔ بیکر کو یہ تاریکی اس وقت بڑی جاں فزا محسوس ہورہی تھی۔ اسے بہت بروقت یاد آیا تھا کہ اس طرف کنسٹرکشن سائٹ تھی اور وہاں ایک بہت بڑا' کافی گہرا گڑھا موجود تھا۔ اس سے زیادہ مناسب جگہ اس وقت میسر نہیں آسکتی تھی۔

اس نے بریف کیس نیچے پھینک دیا اور اسے گرتے ہوئے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اور ٹمن سینے کے بل فرش پر گرگئے۔ دونوں بازو انہوں نے سر کے گرد لپیٹ لیے اور انتظار کرنے لگے۔

بیکر دل ہی دل میں گنتی کررہا تھا۔ وہ سات تک گن پایا تھا جب ایک ہولناک دھماکا ہوا اور عمارت لرز کر رہ گئی۔ باقی تمام کھڑکیوں کے شیشے بھی ٹوٹ گئے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ اس وقت راہداری میں لیٹے ہوئے تمام پولیس والوں کے حلق سے گھگھیائی ہوئی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

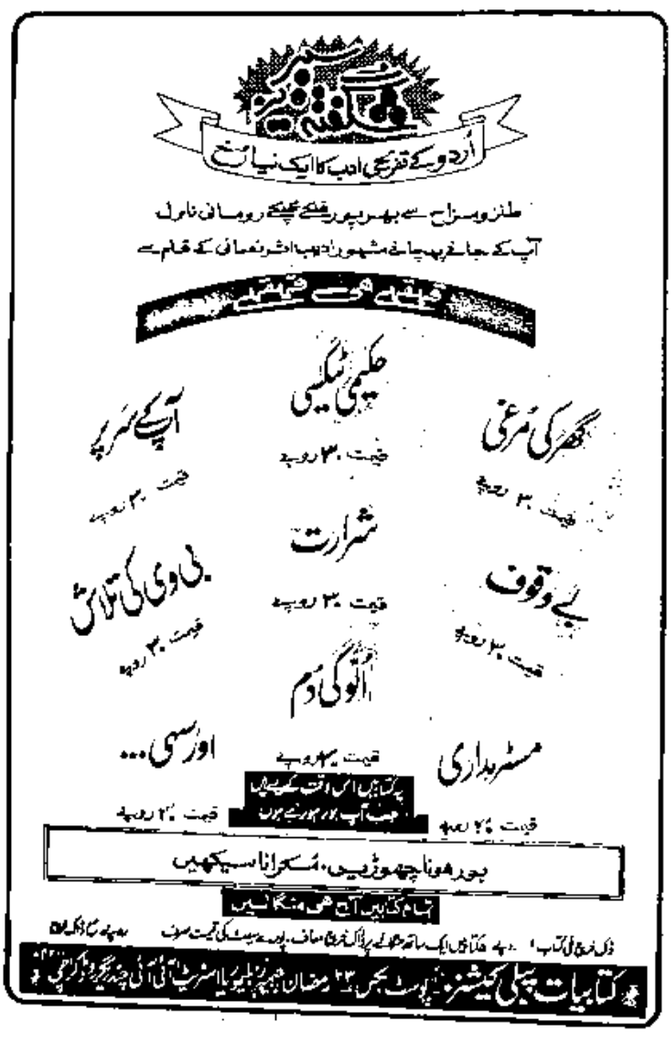
جب دھماکے کی گونج ختم ہوئی تو ٹمن آہستگی سے اٹھتے ہوئے اوپر گری ہوئی شیشے کی کرچیاں جھاڑنے لگا۔

○☆○

دو گھنٹے بعد بھی بیکر اور ٹمن اسی بلڈنگ میں موجود تھے۔ لابی میں اس دوران میں اس کی بات چیت متعدد افراد سے ہوئی تھی جن میں پولیس چیف' ان کا کیپٹن' تین ٹی وی رپورٹر اور دو ایف بی آئی ایجنٹ شامل تھے۔ اس کے علاوہ فون پر کئی بار پولیس کمشنر اور میئر سے بھی بات ہوچکی تھی۔

یہ معلوم ہونے کے بعد انہوں نے گہری سانس لی تھی کہ بم دھماکے سے بلڈنگ میں یا آس پاس کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ کوئی زخمی بھی نہیں ہوا تھا حتیٰ کہ عمارت کو بھی کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا تھا۔ بیکر کی توقع کے مطابق تیس فٹ گہرے گڑھے اور اس کی گولائی میں موجود زیرِ زمین پتھروں نے دھماکے کے اثرات کو وہیں تک محدود رکھا تھا۔ پھیلنے نہیں دیا تھا۔

اس کے باوجود بہرحال وہاں اتنے لوگوں کا ہجوم تھا جیسے بہت بڑی تباہی پھیل گئی ہو۔ ہنگامی حالات میں کام کرنے والے تمام محکموں کے لوگ اتنی تعداد میں موجود تھے کہ بیکر کو



حیرت ہو رہی تھی۔ پولیس کی نہ جانے کتنی گاڑیاں' ایمبولینس' ٹی وی والوں کی گاڑیاں' فائر بریگیڈ کی گاڑیاں اور نہ جانے کون کون سی گاڑیاں موجود تھیں۔ دھماکے کے بعد سے بیکر اور ٹمن کو آپس میں بات کرنے کا موقع کم ہی ملا تھا۔

آخر کار فضا کا ہیجان کچھ کم ہوا تو ٹمن بولا "آج کے دن بہت بڑی تباہی کو روکنے کا سہرا تمہارے سر ہے۔"

بیکر تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولا "دو پولیس والے مر چکے ہیں اور ان کا قاتل بچ نکل گیا..... میں اسے کامیابی نہیں سمجھتا۔"

"لیکن چیف تو تمہیں ہیرو قرار دے رہا ہے..... اور ساتھ مجھے بھی....." ٹمن مسکرائے بغیر نہ رہ سکا "مجھے بھی ان پولیس والوں کی موت کا واقعی افسوس ہے لیکن اس بات کی خوشی بھی ہے کہ تمہارے ساتھ ساتھ کچھ کریڈٹ مجھے بھی مل گیا۔"

باہر اب بھی اِکا دُکا گاڑیوں کے سائرن بج رہے تھے اور بیکر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وقوعے کے دو گھنٹے بعد بھی سائرن بجاتے رہنے کی کیا تک تھی؟

چند لمحے وہ دونوں خاموش رہے۔ بیکر اس وقت خود کو جتنا تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا' اتنا اس نے زندگی میں نہیں کیا تھا۔ ٹمن الجھن زدہ لہجے میں بولا "یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پولیس والوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا اور اس نے خود ہی انہیں بم کی اطلاع دے کر ایک طرح سے گھیر گھار کر یہاں بلانے کی منصوبہ بندی کی ہوئی تھی لیکن وہ خود تو پولیس کی آمد سے پہلے نکل سکتا تھا۔ وہ کیوں یہاں پھنسا رہ گیا تھا؟"

"میں بھی اس پر غور کر رہا تھا....." بیکر ٹھنڈی سانس لے کر بولا "میرا خیال ہے' وہ آج دن میں کسی وقت اس بلڈنگ میں موجود تھا اور سب کے جانے کے بعد چھپا ہوا تھا۔ رات ہوئی تو وہ تیسویں منزل پر جا پہنچا۔ وہاں موجود ریسپشن سے اس نے پولیس کو فون کر دیا۔ اس کا منصوبہ غالباً یہ تھا کہ اس کے بعد وہ کسی بھی آفس میں گھس کر بریف کیس چھپا کر نکل جائے گا۔ اس کے پاس غالباً ماسٹر کی... موجود تھی جس سے وہ کسی بھی آفس کا تالا کھول سکتا تھا لیکن گارڈ نے ہمیں بتایا ہے کہ چند دن پہلے تمام تالے تبدیل کر دیے گئے تھے۔ یہ بات یقیناً مجرم کو معلوم نہیں تھی۔ اس لیے اسے ہنگامی طور پر اس آفس کا تالا کسی اور طرح کھولنا پڑا ہو گا جس میں اس کے اندازے سے زیادہ وقت لگ گیا۔ اس دوران میں پال' رائس اور پھر میں اور تم آن پہنچے۔ وہ پھنس کر رہ گیا لیکن تم نے اس کی چالاکی اور حاضر دماغی دیکھی۔ وہ پھر بھی نکل گیا۔"

ٹمن پُر خیال لہجے میں بولا "ہینڈرکس نے یہ بھی تو بتایا ہے کہ پچھلے دنوں کچھ لوگوں کو ملازمت سے نکالا گیا تھا۔ ممکن ہے وہ انہی میں سے ایک رہا ہو۔ جس آفس میں وہ گھسا ہوا تھا' ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ اس میں کام کرنے والا کوئی شخص نکالے جانے والوں میں تو شامل نہیں تھا۔"

بیکر کی تھکن زدہ آنکھوں میں چمک سی اُبھر آئی "یہ تو تم نے بڑے کام کی بات کی ہے..... عین ممکن ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔ بہرحال..... اب تو وہ نکل گیا۔ اسے پکڑنا کم از کم مجھے تو اپنے بس کی بات نہیں لگتی۔ ویسے بھی کل سے میری ڈیوٹی تو ڈیسک پر لگ جائے گی۔"

"اب اسے پکڑنے کی ضرورت نہیں رہی۔" اچانک ان کے عقب سے آواز آئی۔

دونوں نے بیک وقت گھوم کر دیکھا۔ پولیس چیف ان کے عقب میں آن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کوئی چیز ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "ایک فائرمین کو یہ ابھی ابھی کنسٹرکشن سائٹ کے قریب سے ملا ہے۔"

بیکر اور ٹمن نے دیکھا' وہ کسی پولیس والے کے نام کا شکستہ اور جھلسا ہوا ٹیگ تھا۔ اس کا کچھ حصہ غائب تھا لیکن پھر بھی پال کا نام پڑھا جا سکتا تھا۔

پولیس چیف بولا "مجرم اس عمارت سے بچ کر نکلنے میں کامیاب تو ہو گیا تھا لیکن شاید غلط سمت میں نکل گیا اور کنسٹرکشن سائٹ کے گڑھے میں اتر گیا..... یا پھر شاید وہ اسے محفوظ جگہ سمجھ کر وہاں بیٹھ کر ہماری ہلاکت اور تباہی و بربادی کا نظارہ کرنا چاہتا تھا لیکن تم نے بریف کیس اسی گڑھے میں پھینک دیا۔ یہ کام شاید قدرت نے تم سے کرایا تھا..... انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے اس کے اپنے ہی عجیب و غریب اور حیران کن طریقے ہیں۔ اس کی لاش کے کچھ بچے کھچے حصے مل چکے ہیں۔"

بیکر ایک ٹک اس شکستہ اور جھلسے ہوئے ٹیگ کو دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ قدرت کا انصاف واقعی عجیب تھا۔ مجرم تمام تر شاطرانہ پن اور حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل چکا تھا مگر پھر بھی موت نے اسے جا دبوچا..... اور اسے موت بھی کس چیز سے آئی.....؟ اس کے اپنے ہی بم سے.....!

پولیس چیف انہیں دم بہ خود سا چھوڑ کر یہ نئی خبر رپورٹروں کو سنانے چل دیا۔



میرا قتل

نجمہ مودی

وہ قتل ہو چکی تھی اور اس کے قاتل کو عمر قید کی سزا سنا دی گئی تھی لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ اپنے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے ساری منصوبہ بندی اُس نے خود ہی کی تھی۔

جُرم اور انتقام کے موضوع پر ایک یادرہ جانے والی کہانی

اس نے مجھے قتل کر دیا۔ اسے موت کی سزا ہونی چاہیے تھی لیکن اسے صرف عمر قید کی سزا ہوئی ہے۔ پہلے تو مجھے یہ سن کر بڑا غصہ آیا تھا لیکن جب مجھے غور کرنے کی مہلت میسّر آئی تو میں نے بڑی خوشی محسوس کی۔ اچھا ہی ہوا کہ چارلی کو موت کی سزا نہیں ہوئی۔ اس طرح تو وہ صرف چند لمحوں ہی کی اذیت برداشت کرتا لیکن وہ زندگی بھر کوٹھری میں بند رہے گا تو زیادہ اذیت اٹھائے گا کیونکہ اب اس کے پاس دولت نہیں ہوگی جس سے وہ پُر تعیش اور پُر آسائش زندگی گزار سکے۔ کوئی اثر و رسوخ والا دوست نہیں ہوگا جو اسے ضمانت پر رہا کرا سکے۔

صرف میں چارلی کی دوست تھی!

میں وہ احمق تھی جو اس سے محبت کرتی تھی..... اور اس نے مجھے قتل کر دیا۔ موت کو سامنے پا کر میرے چہرے پر جو دہشت اور خوف نمودار ہوا ہوگا' اس کا نظارہ کر کے وہ بے حد محظوظ ہوا تھا۔ یہ بات میرے لیے موت سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ یہ انکشاف

میرے لیے زیادہ کربناک تھا کہ وہ مجھے قتل کرتے ہوئے بے پناہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔

میں اس کی بیوی تھی۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا تھا اور مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ افسوس کہ میں آخری وقت تک اس کے اصل احساسات سے بے خبر رہی۔ اس نے مجھ سے شادی صرف اس لیے کی تھی کہ میں اس کے بارے میں ایسی بہت سی باتیں جانتی تھی جو اسے بجلی کی کرسی تک پہنچا سکتی تھیں۔

یہ احساس غالباً اسے اس چھوٹے سے بینک کو لوٹنے کے بعد ہوا تھا۔ اسے چھوٹا بینک کہنا ٹھیک نہیں۔ ہمیں یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ وہ چھوٹا سا بینک ہے۔ بینک کو اچھی طرح تاڑنے کا کام میں نے انجام دیا تھا اور مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ فیڈرل بینک ہے۔ کوئی بھی صحیح دماغ کا آدمی فیڈرل بینک کو کسی سخت مجبوری کے بغیر لوٹنے کی حماقت نہیں کرتا۔

اس واردات کے بعد ہم نے جلدی سے شادی کر لی تھی تاکہ ایک بیوی کی حیثیت سے میں کبھی چارلی کے خلاف گواہی نہ دے سکوں۔ چارلی کو معلوم تھا کہ میں پہلے بھی تھوڑی بہت گواہیاں وغیرہ دے چکی تھی۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب میں اپنے سابق بوائے فرینڈ پیٹر کے ساتھ ملک بھر میں آوارہ گردی کر رہی تھی اور ہم راستے میں پیٹرول پمپوں وغیرہ کو لوٹ کر گزارا کر رہے تھے۔ جب ہم پکڑے گئے تو میں پیٹر کے خلاف وعدہ معاف گواہ بن گئی تھی۔

اسے لمبی سزا ہوئی۔ مجھے صرف ایک سال کی قید ہوئی اور اس میں سے بھی مجھے پانچ ماہ ہی جیل میں گزارنے پڑے۔ بظاہر اس کی وجہ میرا "اچھا رویہ" تھا لیکن یہ رویہ درحقیقت ڈسٹرکٹ اٹارنی کے ساتھ تھا۔ وہ مجھے خاصا پسند کرنے لگا تھا۔ ان دنوں میں زیادہ اسمارٹ، زیادہ پُرکشش تھی۔ بے قاعدگی سے کھانے کی وجہ سے میں دُبلی پتلی تھی۔ میرے بال سرخ تھے۔

خوبصورتی مجھے باپ کی طرف سے ملی تھی جو ایک کارخانے میں خون تھوکتا مر گیا لیکن اس کی موت کو کسی نے قتل قرار نہیں دیا۔ سرخ بال مجھے ماں سے ورثے میں ملے تھے جسے ان خوبصورت بالوں کو سنوارنے کا بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔ غربت کے باعث اسے تن ڈھانپنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی تھی لیکن وہ شراب کی تلاش میں دیوانوں کی طرح پھرتی رہتی تھی اور آخر کار کوئی نہ کوئی بندوبست کر ہی لیتی تھی۔ جبکہ بچے گھر پر بھوکے مرتے رہتے تھے۔ خیر..... بے چاری اچھی ماں تھی!

جوان ہوتے ہی میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس جیسی عورت نہیں بنوں گی چنانچہ اپنی پہلی فرصت میں، میں پیٹر کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی۔ ہم نے بہت اچھا وقت گزارا۔

اس میں شک نہیں کہ میں نے بعد میں اسی پیٹر کے خلاف گواہی دی تھی۔ یہ بات میرے شوہر بن جانے والے دوسرے بوائے فرینڈ اور محبوب، چارلی کو معلوم ہو گئی تھی۔ نہ جانے کس طرح! لیکن چارلی کو اصل وجہ نہیں معلوم ہو سکی کہ میں نے کیوں پیٹر کے خلاف گواہی دی تھی۔ وہ بدبخت مجھ سے بے وفائی کر رہا تھا۔ ایک اور لڑکی کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ یہ بات اگر چارلی کو معلوم ہوتی تو وہ زیادہ محتاط رہتا۔ اسے نہیں معلوم تھا، مجھ میں رقابت کا جذبہ کتنا شدید تھا۔

مجھے چارلی کی دوسری محبوبہ کے بارے میں بھی معلوم ہو گیا تھا اور میں اسی کے بارے میں غور و خوض کر رہی تھی کہ اسے کیسے سبق سکھایا جائے۔ میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ میرے اور چارلی کے درمیان حائل ہونا بڑا مہنگا سودا تھا۔

لیکن اس روز نیشنل پارک میں بیٹھی میں اس لڑکی کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔ نیشنل پارک ایک بہت ہی اونچے پہاڑ پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی ساخت کی تشریح کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس میں بہت ہی قدیم قسم کے درخت موجود ہیں۔ یہ اتنی خوبصورت جگہ ہے کہ یہاں پہنچ کر دنیا کی ساری بدسلوکیاں بھول جانے کو جی چاہتا ہے۔

نیشنل پارک میں سیر کے لیے جانے کی تجویز چارلی نے پیش کی تھی اور میں بہت خوش ہوئی تھی۔ آخر میں اب ایک شادی شدہ عورت تھی اور شادی شدہ عورت کو یقیناً کبھی کبھار چاقو، پستول ایک طرف رکھ کر اور مار دھاڑ کا خیال ذہن سے نکال کر اپنے شوہر کے ساتھ شرفا اور معززین کی طرح سیر و تفریح کے لیے بھی جانا چاہیے۔

چارلی مجھے اپنے ساتھ گھمانے پھرانے لے جانا بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ صاف کہتا تھا۔ "تم گاؤں کی پلی بڑھی ایک اُجڈ، گنوار اور بدتہذیب لڑکی ہو۔ تمہاری عادتیں، اندازِ گفتگو اور حرکات و سکنات سب گھٹیا ہیں۔ تم میں اونچے درجے کی عورتوں والی کوئی بات نہیں۔ مجھے تمہارے ساتھ تفریح کے لیے یا تقریبات میں جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

ظاہر ہے یہ سن کر میرا کافی خون جلا تھا۔ کپڑے وغیرہ تو میں بھی اچھے پہنتی ہوں اور بڑی تمیز داری سے بات چیت کرنے کی بھی کوشش کرتی ہوں لیکن انسان بہرحال انسان ہے، بہک ہی جاتا ہے۔ چارلی کو نہیں بھولنا چاہیے کہ میں نے کن حالات میں پرورش پائی ہے اور کس طرح زندگی گزاری ہے۔

وہ بڑا سلجھا ہوا اور شائستہ ہے۔ اس کے انداز و اطوار اونچے طبقے کے لوگوں والے ہیں۔ اس نے جب مجھے سیر کے لیے نیشنل پارک چلنے کو کہا تو میں نے بڑی تمیز داری اور سلیقے سے تیار ہونے کی کوشش کی۔ اسی عورت کی طرح شریفانہ اور معززانہ لباس پہنا جس کے ساتھ وہ پھنسا ہوا تھا۔

وہ ایک بیوہ تھی۔ اس کا شوہر نمونیے میں مبتلا ہو کر انشورنس

وغیرہ کی کافی رقم چھوڑ کر مرا تھا۔ اس کی بچی بھی مر چکی تھی۔ وہ بہت غمزدہ اور اداس نظر آنے کی کوشش کرتی تھی۔ چارلی اس کے حسن سے زیادہ اس کی اُداسی پر مرمٹا تھا اور اس بے چاری کا احساسِ تنہائی دور کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ چارلی کی اس سے ملاقات ایک اونچے درجے کی تقریب میں ہوئی تھی جہاں وہ اس خیال سے گیا تھا کہ کسی چُغد قسم کے دولت مند کے ہاتھ ایک جعلی آئل کمپنی کے شیئر سرٹیفکیٹ بیچ سکے گا لیکن وہاں میری ہیگن نامی اس عورت سے مل کر وہ سب کچھ بھول گیا۔ شیئر سرٹیفکیٹ اس کی جیب میں رکھے رہ گئے۔

چارلی کی یہی بات مجھے مضحکہ خیز لگتی تھی کہ وہ مجرم بننا نہیں چاہتا تھا۔ جرم کرکے وہ لطف اندوز نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس وقت واردات کرنے نکلتا تھا جب اس کی جیب میں آخری سو ڈالر رہ جاتے تھے۔ وہ ہر وقت اپنے پاس ریوالور رکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا اور مجرموں سے دوستی بھی نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بجائے وہ جہاں جاتا تھا' کچھ نہ کچھ معززین کو دوست بنا کر آجاتا تھا۔

میں اس سے کہتی۔ ''معززین سے دوستی کرنے کا کیا فائدہ؟ ہم مجرم ہیں' مجرم ہی رہیں گے۔''

تب وہ حقارت سے میری طرف دیکھتا اور کہتا ''تم واقعی فطرتاً مجرم ہو۔''

شاید اپنے اسی مزاج کی وجہ سے وہ مقدمے کی سماعت کے دوران بہت سخت اذیت میں مبتلا رہا۔ میں نے اخباروں میں اس کے انٹرویوز پڑھ کر اندازہ لگایا کہ پکڑے جانے پر اسے سب سے زیادہ دُکھ اس بات کا تھا کہ وہ معززین کی نظر میں رُسوا ہوگیا۔ اس نے یہ کہہ کر عدالت کی ہمدردیاں بھی حاصل کرنے کی کوشش کی کہ وہ جرم کی زندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے پہلے مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری تھا۔ حالانکہ بغیر محنت کے' عیش و عشرت سے زندگی گزارنے کا اسے بھی شوق تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرم کے جراثیم اس میں بھی موجود تھے۔

اس روز ویران نیشنل پارک میں پہاڑی کی بلندی پر چڑھتے ہوئے بھی وہ مجھے ڈانٹ رہا تھا۔ ''اس بینک والی واردات میں کیشیئر نے خوب اچھی طرح تمہاری شکل اور تمہارے سرخ بال دیکھ لیے تھے۔ معلوم نہیں تم اندر آئی کیوں تھیں؟ جبکہ میں نے تم سے باہر کار میں ہی بیٹھے رہنے کے لیے کہا تھا۔''

''اب اس بات کو بھول بھی جاؤ چارلی! میں کب سے بال بھورے ڈائی کرچکی ہوں۔ کوئی مجھے نہیں پہچان سکتا۔ کچھ دنوں سے تم زیادہ ہی پریشان رہنے لگے ہو۔'' میں نے کہا۔

باتوں باتوں میں ہم درختوں سے گھرے ہوئے پُرپیچ راستوں پر چلتے ہوئے یک دم ہی ایک نہایت بلند و بالا مسطح چٹان پر جا پہنچے۔ پورا راستہ ویران اور نہایت دشوار گزار تھا۔ میں نے اپنا پرس راستے میں چارلی کو پکڑا دیا تھا۔ اس چٹان سے نشیب کا منظر اتنا



ایک لڑکی نے مذہبی اختلاف کی بنا پر منگنی توڑ دی۔ وہ دولت کی پجارن تھی جب کہ لڑکا تجارت میں دیوالیہ ہوگیا تھا۔

☆☆☆

سن بلوغ تک پہنچتے ہی ایک لڑکے نے لڑکیوں کے نام اور پتے لکھنے کے لیے ایک خوب صورت سی نوٹ بک خریدی اور نوٹ بک کے پہلے صفحے پر لکھا ''حصہ اول۔''



خوبصورت نظر آرہا تھا کہ میں مبہوت رہ گئی۔ بلندی اتنی زیادہ تھی کہ ایک لمحے کے لیے سر بھی گھوم سا گیا۔

چارلی مجھے چٹان کے کنارے کی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔ ''مرنے کے بعد تو تمہیں جہنم میں ہی جلنا ہے۔ اس سے پہلے زندگی میں اس دنیا کی خوبصورتی کا نظارہ تو کرلو۔''

میں جیسے ہی مسطح چٹان کے کنارے پر پہنچی' اس نے اچانک لات گھمائی اور میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں چٹان سے نیچے گرنے لگی لیکن کنارہ میرے ہاتھوں میں آگیا۔ سیکڑوں فٹ کی گہرائی میں نوکیلی چٹانیں اور ٹنڈ منڈ درخت گویا میرے منتظر تھے اور میں صرف انگلیوں کی مدد سے چٹان کے کنارے پر ٹنگی' ہوا میں جھول رہی تھی۔ میرے بازو گویا کندھوں پر سے اُکھڑے جارہے تھے۔ پسینے کے باعث انگلیاں چٹان کے کنارے سے دھیرے دھیرے پھسل رہی تھیں۔ اسی عالم میں' میں نے چارلی کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہاں ایک ناقابلِ بیان مسرت اور لذت کے تاثرات نظر آئے۔

پھر اس نے دیوانوں کی طرح قہقہہ لگایا اور جیب سے ماچس نکال کر ایک ساتھ بہت سی تیلیاں جلائیں۔ اکڑوں بیٹھ کر اس نے بھڑکتی ہوئی تیلیاں میری انگلیوں پر رکھ دیں۔ شعلے میری انگلیوں کو کھانے لگے۔ ایک اذیت ناک چیخ کے ساتھ چٹان کا کنارہ میرے ہاتھوں سے نکل گیا اور میں تیزی سے نیچے جانے لگی۔

☆○☆

میری آنکھ کھلی تو مجھے اپنے چہرے پر دھوپ کا احساس ہوا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے مجھے سیمنٹ کی تہوں میں لپیٹ کر سمندر کی گہرائیوں میں پھینک دیا تھا لیکن سمندر کی گہرائیوں میں بھلا دھوپ کا کیا کام؟

میں نے گردوپیش کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو احساس ہوا کہ

وہ کسی اسپتال کا کمرا تھا اور ایک نرس مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے دھوپ میرے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے؟" نرس نے پوچھا۔

"اچھی ہے۔" میرے حلق سے عجیب' کھرکھراتی سی آواز نکلی جو خود مجھے بھی اجنبی محسوس ہوئی۔ اسی دوران ایک ڈاکٹر بھی نرس کے برابر آن کھڑا ہوا اور بولا۔ "..... ہاں تو مسز....." وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا۔ "ہمیں تمہارا نام تو معلوم ہی نہیں۔ تمہیں بلندی سے گرنے کا حادثہ پیش آیا ہے لیکن تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے تمہاری شناخت میں مدد مل سکتی۔ اس لیے ہم تمہارے کسی دوست' شناسا یا رشتے دار کو اطلاع نہیں دے سکے۔"

میرا سر پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا لیکن ذہن بہرحال کام کر رہا تھا۔ میں نے سوچا' اگر میں نے خودکشی کی کہانی سنائی تو وہ مجھے کسی نفسیاتی علاج گاہ یا پاگل خانے میں نہ ڈال دیں۔ میں نے کہا "میں تو تصویریں کھینچ رہی تھی۔ اچانک میرا پاؤں پھسل گیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"اگر تم ہمیں اپنے شوہر کا نام بتا سکو تو....." ڈاکٹر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میرے ہاتھ میں شادی کی انگوٹھی موجود تھی۔

"میری اپنے شوہر سے علیحدگی ہو چکی ہے۔ میں تو یہاں ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے آئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے کتنی چوٹیں آئی ہیں؟"

"چوٹیں تو خاصی آئی ہیں لیکن تم تیزی سے صحت یاب ہو رہی ہو۔" ڈاکٹر بولا۔ "تمہاری خوش قسمتی تھی کہ تم ایک چٹان سے نیچے دوسری چٹان پر آگریں۔ زیادہ گہری کھائی میں نہیں گریں جہاں نوکیلی چٹانیں اور ٹنڈ منڈ درخت موجود تھے۔ تم کسی دوست یا شناسا وغیرہ کو اطلاع دینا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔" میں نے اپنے لہجے سے دل شکستگی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ "میری کلائی میں ہیرے کا کنگن موجود ہے۔ اسے بیچ کر آسانی سے تمہارے اسپتال میں میرے علاج وغیرہ کے اخراجات ادا ہو جائیں گے۔ میں صرف آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"تمہارا نام؟" ڈاکٹر نے ملازمت سے پوچھا۔

"پیٹریشیا ہومز۔" میں نے جواب دیا۔ یہ نام مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ شاید میں نے کسی فلم میں سنا تھا یا رسالے میں پڑھا تھا۔

اس کے بعد انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ تاہم آنے والے دنوں میں مجھے کریدنے کی کوشش کی جاتی رہی لیکن میں انہیں ٹالتی رہی۔ میں اپنی توانائیاں جمع کر رہی تھی۔ میرے ذہن میں اب بھی چارلی کے قہقہے گونج رہے تھے اور میری نظروں میں اس کی اس وقت کی تصویر محفوظ تھی جب وہ تیلیوں سے میری انگلیاں جلا رہا تھا۔ میں فیصلہ کر چکی تھی کہ چارلی سے ایسا انتقام لوں گی کہ اسے جہنم بھی دنیا سے زیادہ آرام دہ محسوس ہونے لگے گی اور موت' زندگی سے زیادہ خوبصورت دکھائی دے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اس کی محبوبہ میری ہیگن کو بھی نہیں چھوڑوں گی۔

میں جس چٹان پر گری تھی شاید وہ اس چٹان کے نیچے چھپی ہوئی تھی جہاں سے چارلی نے مجھے گرایا تھا۔ اسی لیے شاید وہ اسے نظر نہیں آسکی تھی اور وہ مطمئن ہو کر چلا گیا تھا ورنہ وہ میرے مرنے کی تصدیق کرنے کسی نہ کسی طرح ضرور اس دوسری چٹان پر اُترتا۔ وہ یقیناً اپنے آپ کو بے حد محفوظ محسوس کر رہا ہوگا۔

میں بستر میں لیٹی صرف یہی سوچتی رہتی تھی کہ چارلی سے انتقام کیسے لیا جائے۔ ڈکیتیوں کی منصوبہ بندی کرنے میں' میں نے ہمیشہ ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ چارلی سے انتقام لینے کا بھی ایک عمدہ طریقہ میں نے سوچ ہی لیا۔

مجھے ایک طویل عرصے تک اسپتال میں رہنا پڑا۔ یہ عرصہ میں نے ایک نہایت سعادت مند مریضہ کی طرح گزارا۔ اسپتال سے رخصت کرتے وقت ڈاکٹروں نے مجھے مشورہ دیا کہ مجھے کچھ عرصہ کسی پہاڑی مقام پر صحت مندانہ فضا میں گزارنا چاہیے تاکہ حادثے کے اثرات مکمل طور پر زائل ہو سکیں۔ انہوں نے ایک گاؤں بھی تجویز کر دیا اور میں وہاں چلی گئی۔

جہاں میرے قیام و طعام کا بندوبست ہوا وہ ایک طرح کا فارم ہاؤس تھا جس کی بوڑھی مالکن اپنے ہاں عارضی کرایہ دار رکھ لیتی تھی۔ اس کی ایک بیٹی بھی تھی جس کا بوائے فرینڈ اکثر وہیں نظر آتا تھا۔ بہرحال مجموعی طور پر وہ ایک نہایت پُرسکون جگہ تھی۔ اس لڑکے کا نام ٹام تھا۔

"صحت یاب ہونے کے بعد آپ واپس چلی جائیں گی مسز ہومز؟" ٹام نے پہلے ہی روز مجھ سے پوچھا۔

"نہیں۔ میرا کافی عرصے یہاں رہنے کا ارادہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"فارم ہاؤس میں تو آنٹی کسی کو زیادہ عرصے تک نہیں رکھتیں۔ اگر بعد میں بھی آپ کو یہاں رہنا ہوگا تو گاؤں میں میری بہن کے مکان میں ایک پورشن خالی ہے۔ وہ گزر اوقات کے لیے کرائے دار رکھتی ہیں۔ آپ وہاں آجایئے گا۔"

اس طرح ایک اجنبی جگہ پر میرے قیام کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ جونہی میں بیساکھیوں کے بغیر چلنے پھرنے کے قابل ہوئی' میں نے فارم ہاؤس چھوڑ دیا۔ وہاں کے اخراجات بھی زیادہ تھے۔ اسپتال والوں نے میرا لنکن بیچ کر جو رقم حاصل کی تھی' اس میں سے جو میرے پاس بچی تھی وہ بھی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔

ٹام کی بہن ایک بے کیف قسم کی غمزدہ عورت تھی۔ اس کا شوہر معذور تھا اور وہ ہر وقت کسی نہ کسی مسئلے میں اُلجھی رہتی تھی۔ اس نے بتایا کہ مکان اس کی اپنی ملکیت نہیں تھا۔ وہ صرف اس کا

انتظام چلاتی تھی اور مختلف حصے کرائے پر اٹھاتی تھی۔ اس کا مطالبہ دو ماہ کے ایڈوانس کرائے کا تھا۔

میرے پاس رقم نہیں تھی۔ پانچ ہزار ڈالر میں نے چارلی سے چھپا کر رکھے ہوئے تھے لیکن وہ ایک سیف ڈپازٹ باکس میں تھے اور چابی اس مکان میں تھی جو قریبی وادی میں واقع تھا۔ جہاں میرے "قتل" سے پہلے میں اور چارلی رہ رہے تھے۔ میں نے ٹام کی بہن مسز مارٹن سے کہا کہ میں رقم صبح ایک چیک کیش کرانے کے بعد دے دوں گی۔

مجھے اپنے اخراجات کے لیے بھی رقم کی ضرورت تھی۔ میرے لیے چارلی کے مکان میں گھس کر نہ صرف سیف ڈپازٹ باکس کی چابی بلکہ ایک اور چابی لانا بھی اشد ضروری تھا اور وہ چابی چارلی کے کی رنگ میں ہوتی تھی!

دوسرے روز میں نے ٹام سے اس کی کار مستعار لی۔ میں کار کرائے پر بھی نہیں لے سکتی تھی کیونکہ میرا ڈرائیونگ لائسنس میری دوسری چیزوں کے ساتھ چارلی کے مکان میں ہی تھا۔

ٹام کی گاڑی میں بیٹھ کر میں وہاں پہنچی۔ مکان چھوٹا مگر آبادی سے ذرا ہٹ کر ہی تھا۔ اس میں لان بھی تھا۔ گاڑی میں نے مکان سے ذرا دور ہی چھوڑ دی اور پچھلی طرف سے مکان کے قریب پہنچی۔ معلوم نہیں چارلی اب وہاں رہتا بھی تھا یا نہیں۔ بہرحال بغیر چابی کے بھی مکان میں گھسنے کا طریقہ مجھے معلوم تھا۔

مکان کے پچھلی طرف گیرج واقع تھا اور اس کا شٹر ایک ترکیب سے کھل جاتا تھا۔ گیرج کے اندر سے بھی ایک دروازہ مکان میں جاتا تھا جو غیر مقفل ہی رہتا تھا۔ اس راستے سے میں اندر پہنچی تو نہ صرف یہ تصدیق ہوگئی کہ چارلی ابھی تک وہیں رہ رہا تھا بلکہ جس بے پروائی سے چیزیں ادھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں' اس سے یہ اندازہ کرنا بھی مشکل نہیں تھا کہ وہ نہایت ہی اطمینان سے رہ رہا تھا' اپنی رفیقِ حیات کو قتل کے اسی بیڈ روم میں اطمینان سے سو رہا تھا۔

ڈبل بیڈ کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں بڑی شدت سے یہ خواہش اُبھری کہ کم از کم آج کی رات تو چارلی سکون سے نہ سو سکے۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی پسندیدہ پرفیوم کی شیشی اٹھائی۔ یہ بہت تیز پرفیوم تھی۔ چارلی کو بالکل پسند نہیں تھی۔ میں نے بیڈ کی موٹی چادر ہٹائی اور ساری شیشی دبیز گدّے پر چھڑک دی۔

بستر دوبارہ درست کرتے ہوئے مجھے اس تصور سے ہنسی آرہی تھی کہ آج رات وہ کس طرح خوف اور بے چینی کے عالم میں بستر پر کروٹیں بدلے گا اور وحشت سے سوچے گا کہ آخر ایک مری ہوئی عورت کی پسندیدہ خوشبو اس شدت کے ساتھ اس کے نتھنوں میں کیوں گھسی جارہی ہے؟

اس کے بعد سنگھار میز کی درازیں اور کپڑوں کی الماری وغیرہ کھولنے پر اندازہ ہوا کہ میری کوئی چیز وہاں موجود نہیں تھی۔ بلکہ ایسی کوئی چیز ہی نہیں تھی جس سے پتا چلتا کہ وہاں کبھی کوئی عورت بھی رہتی تھی۔ اس نے غالباً میری ہر چیز جلا دی تھی۔ غصے سے میرا بُرا حال ہوگیا۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی اس کی ہر چیز جلا دوں لیکن پھر میں نے اپنے آپ پر قابو پایا۔ میں وہاں اپنی موجودگی کا کوئی نشان چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔ چارلی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے تھا کہ میں زندہ تھی۔ اس صورت میں میرا انتقام کا منصوبہ ناکام ہوسکتا تھا اور اپنے منصوبے کے لیے میں نے زندگی داؤ پر لگائی ہوئی تھی۔

مجھے امید تھی کہ چارلی نے سیف ڈپارٹ باکس کی وہ چابی نہیں پھینکی ہوگی گو کہ اسے معلوم نہیں ہوسکا ہوگا کہ وہ کس بینک کے باکس کی تھی۔ میں نے ان درازوں کو کھنگالنا شروع کیا جن میں چارلی کا سامان ہوتا تھا۔ اس کے زیرِ جاموں کے نیچے مجھے اپنا وہ پرس رکھا ہوا ملا جو میں اس روز لیے ہوئے تھی جس روز اس نے مجھے "قتل" کیا تھا۔

شاید اس نے اسے جلایا اس لیے نہیں تھا کہ چمڑا جلنے کی بُو پڑوسیوں تک نہ پہنچ جائے اور وہ مشکوک نہ ہوجائیں۔ پھینکا اس لیے نہیں تھا کہ اس میں میرا ڈرائیونگ لائسنس' میرے نام ایک آدھ بل اور خط موجود تھا جو مسز چارلی مورس کے نام تھا۔ اس کے علاوہ پرس پر مسز چارلی مورس کے مخفف حروف بھی چسپاں تھے جو دھات سے بنے ہوئے تھے۔

میں ایک اور دراز کھول کر دیکھ رہی تھی کہ اپنی جگہ بُت بن کر رہ گئی۔ گیرج کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ پھر ایک کار گیرج میں داخل ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس خیال نے مجھے مفلوج کردیا تھا کہ اگر چارلی نے مجھے زندہ دیکھ لیا تو اس بار وہ مجھے اس طرح ہلاک کرے گا کہ میری موت میں ایک فیصد بھی شبہ نہ رہے۔

پھر میں نے سیڑھیوں پر چارلی کے قدموں کی آواز سُنی۔ اب تو کھڑکی کھول کر چھلانگ لگا کر فرار ہونے کا بھی وقت نہیں تھا۔ اگر میں ایسی کوشش کرتی تو وہ یقیناً آواز سن لیتا اور پھر مجھے دیکھ بھی لیتا۔ میں نے دہشت زدہ نظروں سے اردگرد کا جائزہ لیا اور آخر کار دبے قدموں اپنے ہی کپڑوں کی الماری میں گھس گئی۔ دروازہ میں نے بند کرلیا لیکن تالا کھٹکے سے بند نہیں ہونے دیا ورنہ وہی الماری میرا تابوت ثابت ہوتی۔

دروازہ کھولنے کے انداز سے مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ چارلی ہی تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں نے گدّے پر جو پرفیوم چھڑکی تھی اس کی تیز مہک پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ گرد آلود ڈریسنگ ٹیبل پر میری انگلیوں کے نشانات بھی پڑ چکے تھے۔ یہ چیزیں کمرے میں کسی کی موجودگی کی نشاندہی کرسکتی تھیں۔ اس احساس سے میں سُن ہوکر رہ گئی۔

دروازے کی جھری سے میں نے دیکھا' چارلی کمرے میں داخل

ہو رہا تھا۔ اگر اس وقت میرے ہاتھ میں ریوالور ہوتا تو شاید خوف کی شدت کے باعث میں اضطراری طور پر اس پر گولی چلا دیتی۔

وہ میری نظر سے اوجھل ہو گیا تاہم آوازوں سے اندازہ ہوا کہ وہ باتھ روم میں چلا گیا تھا۔ اس نے شاور کھول دیا۔ پھر باہر آکر ریڈیو بھی کھول دیا اور آواز خاصی اونچی کر دی۔ میری رگ و پے میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔ میں اس کا مقصد سمجھ گئی تھی۔ اس نے تیز خوشبو محسوس کر لی تھی اور اسے شبہ ہو چکا تھا کہ کمرے میں کوئی موجود تھا لیکن تلاش شروع کرنے سے پہلے اس نے باتھ روم میں شاور اور پھر ریڈیو اس لیے کھول دیا تھا کہ اگر کوئی چیخ و پکار ہو تو آواز باہر نہ سنی جا سکے۔

میری ٹانگوں سے جان نکلی جا رہی تھی۔ میں نے ایک کھونٹی کا سہارا لیا اور عقبی دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔ میں دل ہی دل میں فریاد کر رہی تھی۔ "خدایا! یہ شخص ایک مرتبہ تو اپنی دانست میں مجھے قتل کر چکا ہے۔ اب دوبارہ تو مجھے اس کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لے تاکہ میں اس سے بدلہ لے سکوں۔"

میں نے بیڈ کی چرچراہٹ سنی تو اندازہ ہوا کہ اس نے "تفتیش" شروع کر دی تھی لیکن پھر میں نے اس کے جوتے پھینکنے کی آواز سنی۔ کیا وہ واقعی نہانے کی تیاری کر رہا تھا؟ اس نے خوشبو کو اہمیت نہیں دی تھی؟ چند لمحے بعد مجھے آوازوں سے اندازہ ہوا کہ وہ واقعی باتھ روم میں جا کر نہانے لگا تھا۔

میں نے آہستگی سے الماری کا دروازہ کھولا۔ اگر میں چاہتی تو سیدھی دروازے سے باہر نکل جاتی' اس میں زیادہ خطرہ نہیں تھا لیکن ڈریسنگ ٹیبل پر مجھے کچھ نوٹ' ریزگاری اور چارلی کا کی رنگ پڑا دکھائی دے رہا تھا۔ اس تک پہنچنے کے لیے مجھے باتھ روم کے دروازے کے سامنے سے گزرنا پڑتا۔ دروازہ ذرا سا کھلا تھا۔ اس کے سامنے سے گزرنا خطرے سے خالی نہیں تھا جبکہ کمرے کے دروازے تک پہنچنے کے لیے باتھ روم کے سامنے سے گزرنا ضروری تھا۔

لیکن یہ میرے لیے واحد موقع تھا۔ چابیاں حاصل کرنا میرے لیے بے حد ضروری تھا۔ آخر کار میں نے پنجوں کے بل ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ مجھے صحیح طور پر احساس نہیں کہ میں نے وہ مختصر سا فاصلہ کس طرح طے کیا۔ میرا ذہن دھندلایا ہوا سا تھا۔

میرے ذہن سے دھندلاہٹ اس وقت دور ہونا شروع ہوئی جب میں نے چابیاں اٹھانے کے بعد اپنے آپ کو مکان سے باہر پایا۔ چارلی نے جو ریڈیو آن کیا تھا اس نے الٹا میری مدد کی تھی۔ میری کوئی آہٹ اور گیرج کا دروازہ تھوڑا سا کھلنے کی آواز اس تک پہنچنے نہیں دی تھی۔

کار میں بیٹھنے کے بعد میں نے اطمینان کی سانس لی اور محتاط انداز میں گاؤں کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ میری مطلوبہ چابیاں

ہیون ٹائیز پرائیویٹ (رجسٹرڈ)

ابٹن

ہربل بیوٹی کریم

لمحوں میں آپ کی شخصیت بدل جائے

گفٹ پیک

ابٹن سوپ کیساتھ



قیمت صرف 28:00 روپے

فیشن ٹریڈرز پی او بکس 1950 لاہور فون: 7667466

اور پرس میرے پاس تھا۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اب میں ایک نئی شخصیت تھی۔ میں کوئی بھی شناخت اختیار کر سکتی تھی۔ میرے سابقہ جرائم کے سلسلے میں اب مجھے پولیس کی طرف سے تعاقب کا خطرہ نہیں تھا کیونکہ کل تک مجھے قانونی اور مصدقہ طور پر "مقتول" قرار پا جانا تھا اور چارلی پر میرے قتل کے الزام میں مقدمہ چلنا تھا۔

ٹام کی کار اس کے حوالے کرنے کے بعد میں نے کھانا وغیرہ کھایا اور اطمینان سے باہر نکل کر ایک اسٹور تک پہنچی جس میں پبلک ٹیلی فون موجود تھا۔ میں نے فون پر ایک نمبر ڈائل کیا جو مجھے زبانی یاد تھا۔ دوسری طرف سے میری ہیگن کی آواز سن کر میں مسکرا دی۔

"تم اکیلی ہو میری ہیگن؟" میں نے اپنی آواز میں پُراسراریت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"ہاں۔ کیوں؟" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے تم سے تمہارے آنجہانی شوہر راجر کے بارے میں بات کرنا تھی۔ اس کا انتقال قطعی اچانک ہو گیا۔ شاید وہ تمہیں میرے اور میرے بچے کے بارے میں نہیں بتا سکا جس کا وہ باپ تھا۔ اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں!" اس کی سانس گویا سینے میں اٹکنے لگی۔

"مطلب کل تمہاری سمجھ میں آجائے گا جب تم مجھ سے ملاقات کرو گی۔ میں تمہارے پاس آنا نہیں چاہتی اور نہ ہی تمہیں بلیک میل کرنا چاہتی ہوں لیکن مجبوراً تم سے رابطہ قائم کر رہی ہوں۔ میرا بچہ بھوکوں مر رہا ہے۔ راجر تمہارے لیے بہت کچھ چھوڑ کر مرا ہے۔ اگر اس طرح اچانک اس کا انتقال نہ ہوتا تو وہ ضرور ہمارے لیے بھی کچھ بندوبست کر کے جاتا۔"

وہ خاموش تھی۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کرنا نہیں چاہتی۔ بس تمہیں اس کے خطوط دکھانا چاہتی ہوں' وہ جگہیں دکھانا چاہتی ہوں جہاں ہم قیام کرتے رہے' ان لوگوں سے ملوانا چاہتی ہوں جو ہمیں میاں بیوی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اگر تم اسکینڈل بنانا چاہتی ہو اور قانونی لڑائی کے بعد میرا حق مجھے دینا چاہتی ہو تو میں کورٹ میں چلی جاتی ہوں۔ خدا حافظ۔" میں نے ظاہر کیا گویا ریسیور رکھنے لگی ہوں۔

"ٹھہرو... میری بات سنو۔" وہ جلدی سے بولی۔ "تم کیا چاہتی ہو؟"

"کل تم مجھ سے ایگل راک پر ملو' وہاں بات کریں گے اور میں تمہیں اس بلند و بالا پہاڑی مقام پر کچھ درخت بھی دکھاؤں گی جن کے تنوں پر میں نے اور راجر نے اپنے نام کندہ کیے تھے۔ اگر گیارہ بجے تک تم نہ پہنچیں تو میں مزید انتظار نہیں کروں گی اور معاملہ کورٹ میں لے جاؤں گی۔ میں بہت مجبوری میں ہوں۔"

"میں آجاؤں گی۔" اس نے کہا اور میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ مجھے اس تصور سے ہنسی آرہی تھی کہ اس کی آج کی رات کیسی گزرے گی۔

دوسرے روز میں نے اپنی مکان مالکن سے کہا کہ میں اس کے لیے کرائے کا انتظام کرنے بینک جا رہی ہوں لیکن اس کے لیے پہلے مجھے جا کر کرائے پر کار حاصل کرنی پڑے گی۔ کاریں کرائے پر دینے والی ایجنسی میں مجھے کافی دیر لگ گئی۔ انہوں نے لمبی چوڑی کارروائیوں کے بعد کار میرے حوالے کی۔ کار میں بیٹھ کر میں مشرق کی سمت سفر پر روانہ ہو گئی۔

راستہ مجھے ابھی تک یاد تھا۔ اس دور اُفتادہ کیبن کا راستہ جہاں ہم اپنی وارداتوں میں استعمال ہونے والی کار اور چند دوسری چیزیں رکھتے تھے۔ چارلی کا کی رنگ میں نے اسی کار کی چابی کے لیے چُرایا تھا۔ اس کار کی چھت کے اندرونی استر میں لوٹ مار کی بیشتر رقم بھی محفوظ رہتی تھی۔

میں جب وہاں پہنچی تو پتا چلا کہ کی رنگ میں کیبن پر لگے ہوئے تالے کی چابی موجود نہیں تھی۔ کار' کیبن کی چوبی چاردیواری کے اندر ہی موجود گیرج نما حصے میں کھڑی تھی۔ تالا کھولے بغیر اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

مجبوراً میں کرائے کی کار کو کیبن کے عقب میں لائی۔ اس طرف دیوار کے ایک حصے میں چوبی تختے کافی کمزور تھے۔ کار کو گیئر لگا کر میں نے دو مرتبہ اس جگہ ٹکرایا۔ دیوار میں خاصا بڑا شگاف پیدا ہو گیا۔ گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی میں اس شگاف کے راستے اندر جا پہنچی۔ اندر پہنچ کر میں نے عقبی دروازہ کھول لیا۔

کار میں لوٹ مار کی خاصی رقم ابھی تک محفوظ تھی جسے ہم ابھی خرچ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ضرورت پڑنے پر سفر میں کافی عرصہ گزارنے کے لیے میرے اور چارلی کے بہت سے کپڑے بھی کار کی ڈکی میں موجود تھے۔ چند جعلی نمبر پلیٹیں بھی تھیں۔ ایک ڈبے میں فاضل پیٹرول بھی موجود تھا۔ چارلی ہر بات کا خیال رکھتا تھا۔

میں دستانے پہن کر اس کار میں جا بیٹھی۔ میں جہاں اس کار کو چھوڑنا چاہتی تھی وہاں پہنچ کر مجھے دستانے اتارنے تھے اور اسٹیئرنگ وہیل پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑنا تھے تاکہ بعد میں ثابت ہو جائے کہ "مسز چارلی مورس" اس کار کو چلا رہی تھی۔

اسی دوران میں نے باہر ہلکی سی چرچراہٹ سُنی جیسے خشک پتوں یا ٹہنیوں پر کسی نے قدم رکھا ہو۔ میں نے سوچا' کہیں کوئی آوارہ گرد اس طرف نہ آنکلے۔ میں نے جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور عقبی دروازے سے نکالی۔ دروازہ چھوٹا تھا' گاڑی اسے توڑتی ہوئی باہر آئی لیکن مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔

میں تیز رفتاری سے واپس روانہ ہوئی۔ راستے میں ایک گاؤں کے قریب پبلک فون نظر آیا تو میں نے گاڑی روک لی۔ فون پر اپنی آواز تبدیل کرنے کے لیے دونوں کلوں میں کچھ دبا لینا بڑا پرانا طریقہ

ہے۔ میں نے بھی یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے چارلی کا نمبر ڈائل کیا۔ اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ ابھی تک سو رہا تھا۔

"تمہاری بیوی کا کیا بنا چارلی مورس؟" میں نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا۔ اس وقت میری آواز کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ زنانہ تھی یا مردانہ۔ دوسری طرف ایک لمحے کے لیے کشیدگی آمیز سکوت چھا گیا۔

"مجھے تو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن دوسرے کچھ لوگوں کو ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہاری بیوی کے پاس کچھ نوٹ موجود تھے۔ لاش گل سڑ گئی ہے لیکن وہ نوٹ ابھی نہیں گلے۔ ان کے سیریل نمبر بالکل محفوظ ہیں۔"

"تمہیں غالباً رانگ نمبر مل گیا ہے۔" چارلی غرایا۔

"اگر تم آج سوا گیارہ بجے سے ذرا پہلے ایگل راک پہنچ جاؤ تو ہم تمہیں دکھا دیں گے کہ ہم رانگ نمبر پر بات نہیں کر رہے تھے۔" میں نے کہا "کسی عورت کو چٹان سے دھکا دینے سے پہلے اس کی تلاشی ضرور لے لینی چاہیے۔ تم سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے چارلی!"

میں نے فون بند کر دیا اور واپس گاڑی میں آ بیٹھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ ضرور آئے گا اور بہت سوچ سمجھ کر آئے گا۔ کسی کو قتل کرنے کے لیے بالکل تیار ہو کر آئے گا۔ یہی میں چاہتی تھی۔

میں ایگل راک کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ ایک پہاڑی سلسلے میں واقع مشہور چٹان تھی۔ وہ ایک طرح کا تفریحی مقام بھی تھا لیکن صرف خطر پسند اور مہم جُو لوگوں کے لیے۔ راستے میں ایک جگہ رینجرز کی چیک پوسٹ بھی آتی تھی جہاں اپنا نام اور گاڑی کا نمبر لکھوا کر جانا پڑتا تھا لیکن جن کے عزائم نیک نہیں ہوتے تھے ان کے لیے دو تین دوسرے راستے بھی تھے جن سے ایگل راک پر پہنچا جا سکتا تھا۔

عزائم ظاہر ہے میرے بھی کچھ ایسے نیک نہیں تھے لیکن میں جان بوجھ کر چیک پوسٹ والے راستے سے گزری۔ چیک پوسٹ پر رک کر میں نے ہنس ہنس کر چند سیکنڈ بات بھی کی۔ گاڑی کے نمبر کے ساتھ میں نے اپنا نام مسز چارلی مورس لکھوایا۔ آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔ میں اپنی شناخت مستحکم کر رہی تھی۔ میری ہیگن کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ مختصر راستے سے آئے گی جس پر اسے کسی جگہ کسی بھی شخص سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ مجھے معلوم تھا' وہ یہاں اپنی آمد کے بارے میں رازداری برتے گی۔ میں نے ہر پہلو کا خیال رکھا تھا۔

پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے گاڑی جھاڑیوں میں چھپا دی۔ اگر کوئی بطور خاص گاڑی تلاش کرتا تو اسے وہ ضرور مل جاتی لیکن ویسے کسی کو نظر نہیں آسکتی تھی۔ میں نے گاڑی میں سے چارلی کا ریوالور نکالا جس پر سائلنسر وغیرہ بھی فٹ تھا۔ اپنا پرس اور وہ

ماہر نفسیات کے کلینک میں موجود دو نفسیاتی مریض تازہ ترین خبروں پر تبصرہ کر رہے تھے' ایک مریض نے کہا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ کراچی میں ہر تیسرے منٹ پر ایک راہ گیر کو کار سے ٹکر ماری جاتی ہے؟"

"چچ چچ" دوسرے مریض نے افسوس کا اظہار کیا "اس راہ گیر کی حالت تو بہت بری ہو گی۔"

ریوالور اپنے کوٹ میں چھپا کر میں نے پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا۔

یہ بڑا عجیب و غریب علاقہ تھا۔ یہاں اونچی نیچی' کھُردری اور مسطح چٹانیں بھی تھیں اور انواع و اقسام کے درخت بھی۔ پُرپیچ راستے بھی تھے اور خطرناک ڈھلانیں بھی۔ میں نے نہایت احتیاط سے چڑھائی جاری رکھی۔ کافی بلندی پر پہنچ کر میں نے نیچے نظر ڈالی تو بل کھاتے راستے پر ایک گاڑی آتے دیکھی۔ وہ یقیناً میری ہیگن کی گاڑی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کچھ حیرتیں اس کی منتظر تھیں۔

ذرا اور بلندی پر پہنچ کر میں نے ایک ایسی جگہ تلاش کی جہاں چھپ کر میں آنے والوں پر نظر رکھ سکتی تھی۔ میں خود زیادہ نمایاں ہونا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ رینجرز طاقتور دوربینوں کے ذریعے اکثر و بیشتر ان پہاڑیوں کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ میں اب ان کی نظر میں آنا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک مسطح اور صاف جگہ تھی۔ میں چاہتی تھی' کچھ دیر بعد رینجرز اگر دوربینوں سے اس جگہ کا جائزہ لیں تو انہیں یہاں صرف دو ہی افراد نظر آئیں۔ میں ایک تنگ کھوہ میں بمشکل سکڑ سمٹ کر بیٹھی تھی۔

بالآخر میں نے میری ہیگن کی آہٹ اور تیز سانسوں کی آواز سُنی۔ وہ ہانپتی ہوئی اوپر آ رہی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ مسطح چٹان تک پہنچی اور سانس درست کرنے لگی۔ جب اس نے اتنی بلندی سے گردوپیش کا نظارہ دیکھا تو مبہوت سی ہو گئی۔ اس کے سر پر بڑا سا ہیٹ تھا۔ وہ گھوم گئی۔ میری طرف اس کی پیٹھ ہو گئی۔ وہ آرام سے بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔

وہ اس وقت بھی اسی طرح بیٹھی تھی جب میں نے اس کے عقب میں چارلی کا سر نمودار ہوتے دیکھا۔ وہ دشوار گزار راستے سے نہایت خاموشی سے وہاں پہنچا تھا۔ اسی طرح دبے قدموں وہ مسطح چٹان پر چڑھ آیا۔ اس کی بغل میں ایک ابھار نظر آ رہا تھا۔ وہ بغلی ہولسٹر کا ابھار تھا۔ جب چارلی ہولسٹر لگا کر نکلتا تھا تو اس کا مطلب ہوتا تھا کہ وہ کام کو قطعی طور پر "ختم" کر کے ہی واپس

جائے گا۔

وہ ایک لمحے ساکت کھڑا رہا۔ اچانک میری ہیگن نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا اور دیکھتی ہی رہ گئی۔ پھر وہ اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چارلی بھی کچھ کم حیرت زدہ نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر دم بخود تھے لیکن بہت تیزی سے حیرت کی جگہ شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ یقیناً یہی سوچ رہے تھے کہ دوسرے نے اسے دھوکا دیا تھا اور اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا تھا۔

"تم.....!" چارلی غرایا۔

"چارلی.... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے خوفزدہ سے لہجے میں بولی۔ "تمہارا اس عورت سے کیا تعلق ہے؟"

"تمہیں میرے معاملات سے دور رہنا چاہیے تھا میری!" چارلی اس کی طرف بڑھتے ہوئے غرایا۔ وہ ایک قدم اور پیچھے ہٹ گئی۔ وہ سخت خوفزدہ تھی۔

اب میرا وقت آچکا تھا۔ میں نے ریوالور نکال کر احتیاط سے نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ میں نے زندگی میں اس سے بہتر نشانہ نہیں لیا تھا۔ میری بری طرح لڑکھڑائی اور اپنا پرس سینے سے لگائے مسطح چٹان سے نیچے کی طرف اُلٹ گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ غائب ہو چکی تھی۔ چارلی دم بخود کھڑا تھا۔ پھر وہ چٹان کے کنارے کی طرف دوڑا اور چلایا۔ "میری.... میری.....!"

اس نے جھک کر دیکھا اور شکست خوردہ سے انداز میں دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بیٹھ گیا۔ لیکن بہرحال وہ ایک شاطر انسان تھا۔ چند لمحے بعد ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ کسی جال میں آن پھنسا تھا۔ اس نے قتل کیا تھا۔ اب اسے میرے ہی قتل کے الزام میں سزا ہونی تھی جبکہ میں زندہ تھی اور وہ عورت مر چکی تھی جس سے چارلی محبت کرتا تھا۔ وہ کوئی بھی مؤقف اختیار کرتا' ہر طرف اس کے لیے ایک پھندا تھا۔

اچانک وہ تیزی سے گھوما اور نیچے اسی راستے کی طرف کود گیا جس سے آیا تھا۔ میں نے گھبراہٹ زدہ انداز میں اس کے واپس جانے کی آواز سنی۔ چند لمحوں بعد میں نے ریوالور اسی راستے کی طرف اچھال دیا جس سے وہ واپس بھاگا تھا۔ میں نے دستانہ پہن کر فائر کیا تھا۔ ریوالور پر میری انگلیوں کے نشانات موجود نہیں تھے۔ ڈھونڈنے والوں کو ریوالور آسانی سے مل سکتا تھا۔ پھر میں نے اپنا پرس مسطح چٹان پر پھینک دیا' گویا چٹان سے گرتے وقت وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

میں نہایت محتاط انداز میں واپس روانہ ہوئی۔ اب مجھے صرف میری ہیگن کی کار تلاش کرنا تھی اور اس میں بیٹھ کر جانا تھا۔ کہیں سے فون پر میں پولیس کو اطلاع دے سکتی تھی کہ ایگل راک پر میں نے ایک مرد اور عورت کو لڑتے دیکھا ہے۔ واپسی پر مجھے رینجرز کی چیک پوسٹ سے نہیں گزرنا تھا۔ پولیس جب میری ہیگن کی مسخ شدہ لاش دریافت کرتی تو یقیناً یہی سمجھا جاتا کہ وہ مسز چارلی مورس تھی۔

یہ انتقام کا ایک پُرذہانت منصوبہ تھا۔ چارلی کو ننانوے سال کی سزائے قید ہوئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ جیل میں تڑپ تڑپ کر زندگی گزارے گا۔ دم توڑتی میری ہیگن کا چہرہ اس کی نظروں میں گھومتا رہے گا جس پر چارلی کے لیے بداعتمادی کے سائے تھے۔ وہ یہی یقین لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئی تھی کہ چارلی نے اس کے اعتماد کو دھوکا دیا تھا اور اسی نے اس پر گولی چلائی تھی۔ چارلی کو صفائی پیش کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ اذیت اسے زندگی بھر تڑپائے گی۔

میرے بارے میں سن لیجئے۔ میں جلد ہی گیس چیمبر میں جانے والی ہوں۔ میں اپنے منصوبے پر سوچ بچار اور عمل درآمد میں کچھ ایسی مگن اور منہمک تھی کہ بہت سی باتوں کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکی تھی۔

میں نے یہ نہیں سوچا کہ جب کوئی ایسی عورت اسپتال لائی جاتی ہے جسے شناخت نہ کیا جا سکتا ہو تو اسپتال والے پولیس کو اطلاع ضرور دیتے ہیں۔ میں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ جب سرخ بالوں والی کوئی عورت اپنے بال بھورے رنگتی ہے تو فوراً مشتبہ نظر آتی ہے اور اسپتال میں میرے بالوں کی جڑیں دوبارہ سرخ ہونے لگی تھیں جن کی طرف میری توجہ ہی نہیں گئی تھی۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں جتنا عرصہ اسپتال میں رہی' میری نگرانی کی جاتی رہی تھی۔ میں نے اسپتال والوں کو جو کنگن بیچنے کے لیے دیا تھا اس کے بارے میں بھی یہ سراغ نہیں لگ سکا کہ وہ کس جیولر سے خریدا گیا تھا۔ اس کے بجائے یہ پتا چل گیا کہ اس پر جڑے ہوئے چھوٹے چھوٹے جواہرات چوری کے تھے۔

گاؤں کا وہ لڑکا نام جس نے میرا اتنا خیال رکھا اور جو قدم قدم پر میرے کام آرہا تھا' بعد میں پتا چلا' وہ ایف بی آئی کا آدمی تھا اور درحقیقت میرے بارے میں تفتیش کر رہا تھا۔ مکان مالکن جو اس کی بہن بنی ہوئی تھی وہ بھی درحقیقت ایک پولیس وومین تھی۔ قدم قدم پر میری نگرانی ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ ایگل راک پر بھی دور سے' طاقتور دوربینوں کے ذریعے میری تمام نقل و حرکت دیکھی جاتی رہی۔

مجھے میری ہیگن کے قتل کے جرم میں سزائے موت ہوئی ہے۔ چارلی کو بینک ڈکیتیوں اور مجھے قتل کرنے کی کوشش وغیرہ کے سلسلے میں عمر قید ہوئی ہے۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ چارلی سے جیل میں ملاقات کے لیے آنے والی یا اس کی میت پر رونے والی کوئی عورت اب اس دنیا میں موجود نہیں!

WITH REVENGE
TID DEVITT



نجمہ مودی

اختیارات کی بدھضمی کا مرض ہمارے ہاں ہی نہیں، غالباً دنیا کے ہر حصّے میں پایا جاتا ہے کیونکہ بدطینت اور لالچی لوگ ہر جگہ، ہر معاشرے میں موجود ہوتے ہیں اور شاید ہر جگہ پولیس کا محکمہ ہی ایسے لوگوں کی جائے پناہ ہے۔

اس بستی کا قصہ جو تین افراد کی مشت میں پھنس گئی تھی

صائمہ چاہتا تو سان آنڈرڈور نامی اس گاؤں میں ہیلی کاپٹر سے پیراشوٹ کے ذریعے بھی چھلانگ لگا سکتا تھا اور وہ بھی اس عالم میں کہ میرے دونوں ہاتھوں سے شعلے اٹھ رہے ہوتے لیکن میں نے یہی سوچا کہ اپنے مطلوبہ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اتنی زیادہ شعبدہ بازی بھی مناسب نہیں۔ اس سے کہیں چھوٹے کرتب یا شعبدے دکھا کر بھی میرا کام چل سکتا تھا۔

چنانچہ میں اپنی بازی گروں والی وگین میں بیٹھ کر سیدھے سادے طریقے سے وہاں پہنچا۔ سان آنڈرڈور ایک ساحلی گاؤں تھا۔ میں نے ساحلی ریستوران کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی کھڑی

کی اور قریب ہی ساحل پر اپنی دکان کھول لی۔

دکان کھولنے سے میری مراد یہ ہے کہ ساحل پر میں نے گوتم بدھ کی ایک سستی سی تصویر اور اس کے ساتھ ہی اپنا بورڈ اسٹینڈ کے سہارے کھڑا کر دیا۔ اس بورڈ کے ذریعے لوگوں کو فربی کھیلنے اور اس کھیل کے داؤ پیچ سیکھنے کی دعوت دی گئی تھی۔

گوتم بدھ کی تصویر اور فربی میں کوئی تعلق نہیں تھا لیکن لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو سجانا ہی پڑتا ہے۔

میں نے فربی کی پلیٹ کو بومی رینج کے انداز میں پھینکنا شروع کر دیا اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی میری طرف متوجہ ہو، کچھ پوچھے اور فربی میں دلچسپی ظاہر کرے۔ میں فربی پلیٹ پھینکتا تھا اور وہ بومی رینج کی طرح ہوا میں ایک لمبا چکر کاٹ کر اس طرح میرے پاس واپس آ گرتی تھی کہ اسے اٹھانے کے لیے مجھے اپنی جگہ سے ایک قدم بھی آگے یا پیچھے ہونا نہیں پڑتا تھا۔

مگر پبلک عموماً ایسے کاموں کی طرف توجہ نہیں دیتی جو بظاہر آسان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ میں نے فربی کو زیادہ دور اور ہوا کی مخالف سمت میں پھینکنا شروع کر دیا۔ اب اسے واپسی میں روکنے کے لیے مجھے ایک فٹ اونچا اچھلنا پڑتا تھا۔ بالآخر میں نے دیکھا کہ دو تماشائی میرے قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔

وہ ویسا ہی ایک کم عمر سا جوڑا تھا جیسے عموماً ساحلوں پر کثرت سے نظر آتے ہیں۔ لڑکا ناک سیکیڑ کر میرے سائن بورڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اے مسٹر! تم میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ لوگ پلے سے کچھ دے کر تمہارے ساتھ فربی کھیلیں؟"

"میرے ساتھ فربی کھیلنا ایک روحانی سا تجربہ ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے اسے بتایا۔ اس دوران فربی میری انگلی کی نوک پر آ رکی تھی اور وہیں گھوم رہی تھی۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں فربی کے کھیل کا بادشاہ ہوں لیکن میں لوگوں کو اس طرح اپنے ساتھ نہیں کھلاتا کہ وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائیں۔ میں انھیں بہت کچھ سکھاتا ہوں۔ بہرحال فربی کے کھیل میں ہار جیت نہیں ہوتی۔ اسی لیے یہ کھیل مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ چاہو تو پانچ منٹ کے لیے آزمائشی طور پر کھیل کر دیکھ لو۔"

لڑکا بدطینت نہیں تھا لیکن اس وقت وہ لڑکی کو متاثر کرنے کی فکر میں تھا اور وہ تھی بھی اس قابل کہ اسے متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی۔ وہ اس گاؤں کی لڑکی نظر نہیں آ رہی تھی۔

لڑکے نے فربی بڑے غلط سلط انداز میں میری طرف پھینکنی شروع کر دی لیکن میں نے ہر بار انگلی پر روک لی۔ بالآخر اس کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ میں نے اسے چند گر بھی سکھائے اور وہ جلد ہی دوست سا بن گیا۔ اس نے مجھے دو ڈالر دیے اور میں نے فربی اسے دے دی۔ وہ پسینے میں شرابور ہو چکا تھا لیکن خوش نظر آ رہا تھا۔

میرے گرد خاصا معقول مجمع نظر آنے لگا تھا۔ لڑکی بھی وہیں موجود تھی اور دلچسپی آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں قد آور نہیں ہوں اور نہ ہی میرا جسم پیشہ ور باڈی بلڈروں جیسا ہے لیکن فربی بہرحال ایک عمدہ ورزش ہے۔ جسم کو خوبصورت بناتی ہے اور شکل بھی میری کچھ ایسی بُری نہیں تھی۔

"تم کھیلنا پسند کرو گی مس؟" میں نے پوچھا۔ "میں مردوں اور عورتوں کو یکساں مواقع دینے کا قائل ہوں۔"

"میرے پاس رقم نہیں ہے۔" وہ سادگی سے بولی۔

"میرے سائن بورڈ پر یہ ہرگز نہیں لکھا ہے کہ رقم دے کر ہی میرے ساتھ کھیلا جا سکتا ہے۔ اس پر تو صرف یہ لکھا ہے۔ 'محبت سے جو دے سکتے ہیں دیجیے اور کھیل میں حصہ لیجیے۔' یعنی اگر کسی کے پاس رقم نہیں ہے تو صرف ایک دوستانہ مسکراہٹ سے بھی کام چل سکتا ہے۔"

وہ مسکرا دی۔ میں بتا نہیں سکتا کہ اس کی مسکراہٹ کتنی خوبصورت تھی۔ ساحل پر گو کہ دن کی روشنی ہی کافی تھی۔ پھر بھی مجھے یوں لگا جیسے میرے ارد گرد ہزاروں قمقمے روشن ہو گئے ہیں اور نقرئی گھنٹیاں سی بجنے لگی ہیں۔ اس مسکراہٹ کا کوئی مول نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی اور چہرے پر ایسے بدمزگی کے آثار پیدا ہو گئے جیسے کسی نے اس کی ناک کے عین نیچے سڑا ہوا لہسن رکھ دیا ہو۔ میں اس تبدیلی پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا لیکن اس کی وجہ کسی حد تک اس وقت میری سمجھ میں آئی جب مجھے عقب سے ایک کھردری آواز سنائی دی۔ "یہ تمہارے ساتھ کبھی نہیں کھیل سکتی ٹھگنے۔"

میں بتا چکا ہوں کہ میں دراز قد نہیں ہوں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مجھے ٹھگنا کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال جب آدمی کسی سے خار کھا رہا ہو تو وہ اسے کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ مجھے مخاطب کرنے والے کا قد کم از کم چھ فٹ چار انچ اور وزن دو سو تیس پونڈ رہا ہو گا۔ جسم کسرتی تھا۔ شکل سے وہ نہایت کمینہ معلوم ہوتا تھا۔ شاید وہ آئینے کے سامنے دانت نکوسنے کی مشق کرتا تھا اور اس وقت موقع مناسب سمجھتے ہوئے مجمع کے سامنے خونخوار انداز میں مجھ پر دانت نکوس رہا تھا۔ شاید یہ اپنے عفیفے سے دوسرے کو ابتدا میں ہی مرعوب کر لینے کا اس کا آزمودہ نسخہ تھا۔ اس کے سینے پر جو بیج آویزاں تھا، اس کے مطابق وہ گاؤں کا شیرف تھا اور اس کا نام اسٹرائیکر تھا۔

"کیا یہاں ساحل پر اچھلنا اور دوڑنا خلاف قانون ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے میرے سوال کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے اپنا سوال جڑ دیا۔ "تمہارے پاس کشتی دکانداری کا پرمٹ ہے ٹھگنے؟"

"مجھے یقین ہے کہ اس کے پاس پرمٹ نہیں ہے آفیسر!" مجمع میں سب سے آگے کھڑا ہوا ایک شخص فوراً ہی بولا۔ اس کی عمر تو کم از کم پچاس سال تھی لیکن تیراکی کے لباس میں نظر آنے والی لڑکیوں کو وہ جس طرح گھور رہا تھا' اس سے اس کی ذہنیت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا۔ اس کے دانتوں پر پیلاہٹ تھی۔

میں نے ملائمت سے اسٹرائیکر کو مخاطب کیا۔ "اگر تم میرے سائن بورڈ پر ایک نظر ڈالنے کی زحمت گوارا کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں کچھ بیچ نہیں رہا۔ میں دکاندار نہیں ہوں اس لیے مجھے دکانداری کے پرمٹ کی ضرورت نہیں۔"

پھر میں اس لڑکے کی طرف مڑا جو تھوڑی دیر پہلے میرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ "میں نے تمہیں فربی اس لیے دی ہے نا کہ تم نے میرے ساتھ کھیل میں حصہ لیا تھا؟ میں نے تمہیں اس کی کوئی قیمت تو نہیں بتائی تھی؟"

"نہیں" وہ نظر چراتے ہوئے منمنایا اور قدرے سکڑ کر ہجوم میں مدغم ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ شیرف اور اس پچاس سالہ سویلین کی جوڑی صرف اجنبیوں ہی کو خوفزدہ نہیں کرتی تھی۔ بلکہ اس نے مقامی آبادی کے دلوں میں بھی اپنا خوف بٹھا رکھا تھا۔

شیرف اسٹرائیکر میری طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔ "تم نے ڈورے ڈالنے کے لیے غلط لڑکی کا انتخاب کیا تھا ٹھگنے!" پھر اس نے لڑکی کو مخاطب کیا۔ "اسے بتا دو تم کون ہو گلینڈا!"

گلینڈا نے یوں اس کی طرف دیکھا جیسے وہ ساحل پر پڑی ہوئی کوئی گندی سی چیز ہو۔ پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ چاہتا ہے میں تمہیں بتاؤں کہ میں یہاں کے پولیس چیف مسٹر بیگرٹ کی بیٹی ہوں۔ تمہیں اس انکشاف سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں پاپا کو بتاؤں گی کہ محض فربی کھیلنے کی پاداش میں یہ لوگ کس طرح تم پر چڑھائی کرنے آگئے تھے۔"

اس کے بال سنہرے اور آنکھیں جامنی تھیں۔ جامنی آنکھیں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہیں۔ خصوصاً سنہرے بالوں والوں میں تو یہ آنکھیں نایاب ہوتی ہیں۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس معصوم صورت لڑکی کے ساتھ فربی ضرور کھیلوں مگر شیرف اور اس کا زرد دانتوں والا ساتھی یقیناً میرے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔ زرد دانتوں والے نے سرگوشی میں شیرف سے کچھ کہا اور وہ دونوں مسکرانے لگے۔

پھر شیرف اعلان کرنے والے انداز میں بولا۔ "خواتین و حضرات! کسی جگہ بھی غیر ضروری ہجوم جمع ہونے سے جھگڑے فساد کا اندیشہ ہوتا ہے اسی لیے ہجوم کو منتشر کرنے کے سلسلے میں مقامی طور پر ایک آرڈیننس موجود ہے اور میں اس آرڈیننس کو استعمال کرتے ہوئے سب کو حکم دیتا ہوں کہ فوراً منتشر ہو جائیں اور اپنا اپنا کام کریں۔"

لوگوں نے نہایت خاموشی اور سعادت مندی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ کوئی بڑبڑایا تک نہیں۔ میں نے اپنے ریگ سے ایک اور فربی نکال لی۔ حالانکہ میرا کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا مگر شیرف میرا کالر پکڑتے ہوئے بولا۔ "یہ حکم تمہارے لیے نہیں تھا ٹھگنے! تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا ذریعۂ معاش کیا ہے؟"

"سردست تو میں صرف فربی کھیلنے میں مصروف ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

یہ جواب گویا اس کی مرضی کے عین مطابق تھا۔ وہ طمانیت سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "بہت خوب۔ یعنی فی الحال تمہارا کوئی باقاعدہ ذریعۂ معاش نہیں ہے۔ اس طرح سان آنٹرا ڈور کے قوانین کے مطابق تم آوارہ گرد قرار پاتے ہو۔ چلو ہمارے ساتھ۔"

میں نے مڑ کر گلینڈا کی طرف دیکھا۔ اس کی جامنی آنکھیں میرے لیے پریشان تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہنی! میرے لیے ایک زحمت کرنا۔ میرا بیگ میری گاڑی میں رکھ دینا۔ چابیاں گاڑی میں ہی موجود ہیں۔ میری گاڑی اور سامان اس وقت تک تمہارے پاس امانت رہے گا

> دوا فروش مجمع سے مخاطب تھا "میری یہ دوا کھانے سے آپ کی عمر بڑھ جائے گی۔ میری طرف دیکھیں۔ میری عمر پانچ سو سال ہے اور میں کتنا طاقت ور اور صحت مند دکھائی دے رہا ہوں۔"
>
> لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ ایک شخص نے دوا فروش کے شاگرد کو بلا کر پوچھا "کیا واقعی اس کی عمر پانچ سو سال ہے؟"
>
> "معلوم نہیں جناب" شاگرد نے سنجیدگی سے جواب دیا "میں تو ان کے ساتھ صرف دو سو سال سے ہوں۔"

جب تک میں ان اچکوں سے چھٹکارا نہ پالوں۔"

معلوم نہیں کس وقت اسٹرائیکر کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ریت پر اوندھا پڑا تھا اور میری کھوپڑی میں دھمک سی ہو رہی تھی۔ یہ اندازہ مجھے اسی وقت ہو گیا کہ میرے خلاف جس قسم کی بھی قانونی کارروائی ہو گی، اس میں میرے پولیس تشدد کی شکایت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

زرد دانتوں والا ایک بار پھر اسٹرائیکر سے سرگوشی میں بات کر رہا تھا۔ اسٹرائیکر ایک بندۂ بے دام کی طرح اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گلینڈا سے مخاطب ہوا۔ "اس کار کو مت چھونا گلینڈا۔ وہ جرم کی شہادتوں میں شامل ہے۔"

"کون سا جرم؟" میں نے ریت پر لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

"اگر مجھ پر آوارہ گردی کا الزام ہے تو مجھے کار کی رجسٹریشن دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ میرا کوئی نہ کوئی ذریعۂ آمدنی موجود ہے۔ تم اپنی ہی ہر بات نہیں منوا سکتے اچکے۔"

لفظ 'اچکے' میں نے زیادہ بلند آواز سے کہا تھا تاکہ منتشر ہوتا ہوا مجمع اسے سن لے۔ مجمع میں سے کسی نے ہنسنے کی جرأت کر لی۔

اسٹرائیکر نے مشورہ طلب انداز میں زرد دانتوں والے کی طرف دیکھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "یہ ٹھیک کہہ رہا ہے شیرف! لیکن ہم کچھ اور سوچ لیں گے۔"

شیرف اسٹرائیکر مزاحمت نہ کرنے والے لوگوں کو بھی اٹھا پٹخ کی طرز پر قابو کرنے میں بڑا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ بظاہر اس نے مجھے سہارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مجھے جھٹکے سے سیدھا کر کے میرے ہاتھ بے رحمی سے گردن کے پیچھے لے جا چکا تھا۔ چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں بدطینت افسروں کو اپنی خباثت کا مظاہرہ کرنے کے مواقع خوب حاصل ہوتے ہیں۔

اس نے مجھے اپنی گاڑی میں ٹھونسا۔ زرد دانتوں والا عقبی سیٹ پر میرے برابر آن بیٹھا۔ شیرف عقب نما آئینے میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "شاید تم سوچ رہے ہو گے کہ تم میری ساری کارروائی کی شکایت جسٹس آف پیس سے کرو گے۔ تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ تمھارے برابر بیٹھے ہوئے صاحب ہی یہاں کے جسٹس ہیں۔ ان کا نام مسٹر ہینسن ہے۔ یہ ریٹائرڈ کرنل ہیں۔"

"میرا جائداد اور گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار بھی ہے۔" جج ہینسن نے اپنے زرد دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے نہایت مسرور لہجے میں مجھے مطلع کیا۔ "تمھیں اس قسم کی کسی چیز کی خرید و فروخت سے دلچسپی تو نہیں؟"

میں اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے حالات کی طرف سفر کے دوران اس گاؤں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ ویسا ہی گاؤں تھا۔ جیسے عام طور پر ساحلی گاؤں ہوتے ہیں مچھلی کے شکار کے لیے چارے کی دکانیں، سمندری خوراک کے ریستوران، موٹیل اور کافی شاپس وغیرہ چاروں طرف نظر آ رہی تھیں۔ اپنی وسعت اور ترقی کے اعتبار سے البتہ سان آنزا ڈور گاؤں کے بجائے چھوٹا موٹا شہر ہی معلوم ہوتا تھا۔ یہاں اونچی اونچی عمارتوں کی تعمیر کے آثار بھی نمودار ہو رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ مستقبل میں یہاں جائداد وغیرہ کی خرید و فروخت کے بہت زیادہ مواقع موجود تھے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی تھا کہ اگر شیرف اسٹرائیکر، جج ہینسن اور پولیس چیف بیگرٹ ہی یہاں کے سیاہ و سفید کے مالک تھے تو ان کا مستقبل کچھ زیادہ ہی روشن تھا۔ بلکہ شاید حال بھی کچھ ایسا کم روشن نہیں تھا۔ اسی لیے مجھے اس ریاست کے دارالحکومت میں کچھ لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ یہاں آ کر ساحل پر فریبی کے کھیل کا سلسلہ شروع کروں۔ کافی عرصہ پیشتر بھی کچھ اسی قسم کے مشورے کے تحت ایک اور شخص سنی کارٹر کو یہاں بھیجا گیا تھا۔ مگر وہ لوٹ کر ہی نہیں آیا اور نہ ہی اس کی طرف سے کوئی اطلاع آئی۔

گاڑی جس عمارت کے سامنے جا کر رکی۔ وہ ایک منزلہ مگر طویل و عریض تھی۔ اس میں ایک بڑا سا احاطہ بھی شامل تھا۔ جہاں ہر قسم کی استعمال شدہ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سب کی سب برائے فروخت تھیں اور سب پر دوسری ریاستوں کی نمبر پلیٹیں موجود تھیں۔

عمارت پر کئی طرح کے سائن بورڈ آویزاں تھے جن کے مطابق یہ جائداد کی خرید و فروخت کا مرکز، نوٹری پبلک آفس، ٹریڈ مارک رجسٹریشن آفس، ڈاکخانہ اور جسٹس آف پیس کی عدالت وغیرہ تھیں۔ گویا ہینسن نے اس امر کا پورا اہتمام کر رکھا تھا کہ اس عمارت کے سامنے سے گزرنے والے ہر شخص کو یہاں کوئی نہ کوئی کام پڑ سکے۔

"یہ سب گاڑیاں برائے فروخت ہیں۔" ہینسن نے بتایا۔ حالانکہ یہ بات میں ایک سائن بورڈ پڑھ کر جان چکا تھا اور اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میری ویگن کب آکران گاڑیوں میں شامل ہو گی۔

پھر ہینسن عمارت کے اندرونی دروازے پر لٹکا ہوا بڑا سا تالا کھولتے ہوئے بولا۔ "آؤ... اب تمھارا معاملہ بھی نمٹا ہی لیں۔"

اندر پہنچ کر اس نے ایک فریج سے بیئر کی دو بوتلیں

نکالیں۔ اس نے اپنی بوتل تو اوپنر کے ذریعے کھولی لیکن اسٹرائیکر نے اپنے دانتوں کی مضبوطی اور طاقت کے اظہار کے لیے بوتل دانتوں سے کھولی۔

میں کمرے کے وسط میں کھڑا تھا اور انھیں اپنا جائزہ لیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ یقیناً یہی چاہتے تھے کہ میں ان کے سکوت اور خاموشی کی وجہ سے کچھ دیر دل ہی دل میں پریشان ہوتا رہوں لیکن میں نے پریشان ہونے کے بجائے کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

تین دیواروں پر شکار شدہ مقامی جانوروں کے سر سجے ہوئے تھے۔ چوتھی دیوار پر شیلفوں میں قانون کی کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ وہ بدستور غور سے میرا جائزہ لیتے رہے اور پیٹر کے گھونٹ بھرتے رہے۔ میں کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ بالآخر میں نے ہی سکوت توڑا۔

"فربہی بظاہر بڑا بچگانہ کھیل نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس میں بڑی مردانہ جرأت کی ضرورت ہوتی ہے۔" میں نے گویا ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔ "یہ کھیل کھیلنے کے لیے انسان میں چیلنج قبول کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ یکسوئی اور پیش بینی کی صلاحیت بھی درکار ہوتی ہے۔ ظاہر ہے مجھ میں یہ صلاحیتیں موجود ہیں تبھی مجھے اس کھیل میں ملکہ حاصل ہے۔ میری پیش بینی کی صلاحیت مجھے بتا رہی ہے کہ تم لوگ کم از کم آج رات کے لیے مجھے ضرور مقامی جیل میں ڈال دو گے۔ میں بھی چاہتا ہوں یہ معاملہ جلد از جلد نمٹ جائے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ الزام کیا ہے؟"

انھیں یہ بات غالباً بہت ناگوار گزر رہی تھی کہ میں ان کی مطلوبہ حد تک خوفزدہ نہیں تھا۔ ہینسن نے بیئر کی بوتل کوئج کے ہتھوڑے کی طرح میز پر پٹخا اور کھنکار کر گلا صاف کرنے کے بعد اپنی آواز کو حتی الامکان بارعب بناتے ہوئے بولا۔ "عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ ملزم کی ہتھکڑی کھول دو شیرف!"

اسٹرائیکر نے میری ہتھکڑی کھول دی اور اس عمل میں مجھے اس سے زیادہ تکلیف ہوئی جتنی ہتھکڑی پہنتے وقت ہوئی تھی۔ اسٹرائیکر واپس اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ تاہم اس نے اپنا ہولسٹر تھوڑا سا ڈھیلا کر لیا تھا۔ میں کتابوں کی شیلفوں کے قریب چلا گیا۔ تاکہ انھیں تھوڑا بہت قانون پڑھ کر سنا سکوں لیکن ابھی میں نے پہلی کتاب ہی اٹھائی تھی کہ ہینسن ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کتاب فوراً رکھ دو اور اپنی جگہ پر واپس آجاؤ۔" وہ چیخا۔

میں نے کتاب بند کر کے شیلف میں واپس رکھ دی۔ ہینسن کے یوں اچانک چیخنے سے اسٹرائیکر بھی کچھ حیران سا ہو گیا تھا۔ حیران تو مجھے بھی ہونا چاہیے تھا۔ لوگ کتابوں میں اپنے مطلوبہ صفحات نکالنے کے لیے نشانی کے طور پر کاغذ کے ٹکڑے وغیرہ رکھتے ہیں لیکن ہینسن نے کچھ عجیب سی نشانیاں رکھی ہوئی تھیں۔

اس کے بعد عدالتی کارروائی میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ اسٹرائیکر نے الزام عائد کیا کہ میں نے اس کی سرکاری تفتیشی کارروائی کے دوران مزاحمت کی تھی اور چونکہ میرا کوئی مستقل ایڈریس وغیرہ نہیں تھا۔ اس لیے میری سماجی حیثیت مشکوک تھی۔ قانون کی نظر میں میں آوارہ گرد تھا۔ بدقماش بھی ہو سکتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

اس فرد جرم کے دوران زیادہ تر ہینسن ہی لقمہ دیتا رہا۔ سزا تین سو ڈالر جرمانہ تھی جس کی عدم ادائیگی پر مجھے تیس دن کی جیل کاٹنا تھی۔

اس ساری عدالتی کارروائی میں صرف اتنی ہی دیر لگی جتنی دیر آپ کو یہ چند جملے پڑھنے میں لگی ہوگی۔ ہینسن نے میری توقع کے مطابق تجویز پیش کی کہ وہ جرمانے کے عوض میری ویگن خریدنے کے لیے تیار ہے۔ میں نے انکار کر دیا اور اسے بتایا کہ میری ویگن تین سو ڈالر سے کہیں زیادہ مالیت کی ہے۔

ہینسن نے بے پروائی سے کندھے اچکانے پر اکتفا کیا۔ اسٹرائیکر نے مجھے دوبارہ ہتھکڑی لگا دی اور جیل کی طرف لے چلا۔ جیل وہاں سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھی۔ عمارت تو پختہ تھی لیکن اس کی مسافت اور رنگ و روغن کچھ ایسا تھا کہ باہر سے جیل کے بجائے ہینسنوں کا بارہ معلوم ہوتی تھی۔

"تمھیں ہماری جیل پسند آئے گی۔" اسٹرائیکر بولا۔ "کیونکہ وہاں ہمارے پولیس چیف اور گلینڈا سے تمھاری ملاقات دن میں تین مرتبہ ہوتی رہے گی۔"

شاید ان کی رہائش جیل کے احاطے میں یا اس کے قریب ہی تھی۔ میں نے اس سلسلے میں کوئی سوال کرنے کے بجائے اس کے ذہن میں ایک اور ہی خلش چھوڑنے کی غرض سے پوچھا۔ "ہینسن کتابوں میں سو سو ڈالر کے نوٹ کیوں رکھتا تھا؟"

اسٹرائیکر نے یہی ظاہر کیا جیسے اس نے میری بات نہیں سنی۔ اس نے مجھے پولیس اسٹیشن کی عمارت میں دھکیل دیا۔ پہلے کمرے میں کریو کٹ بالوں والا ایک موٹا اور ادھیڑ عمر آدمی کوئی عجیب سی شراب پی رہا تھا جس سے سڑے ہوئے بیروں جیسی بُو آ رہی تھی۔ پینے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے بادلِ ناخواستہ کوئی ناگوار فریضہ انجام دے رہا ہو۔ ہمیں دیکھ کر اس نے گلاس

رکھ دیا اور ناگوار سے لہجے میں اسٹرائیکر سے مخاطب ہوا "کیا بات ہے؟"

"آوارہ گردی کا جرم ہے۔" اسٹرائیکر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "جج ہیلسن نے سزا سنائی ہے۔ تین سو ڈالر جرمانہ یا تیس دن کی سزا۔ رقم کا انتظام کرنے کے لیے اسے ایک ٹیلیفون کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔"

پولیس چیف پہلی نظر میں گلینڈا کا باپ ہرگز معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن جیسی گھٹیا شراب وہ پی رہا تھا اگر گلینڈا بھی چالیس پچاس سال تک پیتی رہتی تو اس کی حالت بھی ایسی ہی ہوسکتی تھی۔ اس کے چہرے پر صرف جامنی آنکھیں ہی ایسی نشانی تھیں جو اسے گلینڈا کا باپ ظاہر کرتی تھیں۔

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے نیم بیزاری سے بولا "جیل میں رہنے کے سلسلے میں تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ تمہیں اختیار حاصل ہے کہ جو راستہ چاہو اختیار کرلو۔ جرمانے کا بندوبست ہونے تک تم 'اے' کلاس بھی حاصل کرسکتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں جو کوٹھری ملے گی اس میں دھندلے شیشے والا دروازہ بھی ہوگا۔ واش بیسن اور ٹوائلٹ ہوگا جو صحیح حالت میں ہوگا۔ تین وقت تمہیں میرے گھر سے کھانا ملے گا۔ ان ساری سہولتوں کے عوض تمہیں پندرہ ڈالر روزانہ ادا کرنا ہوں گے۔ اگر تم ان سہولتوں کی ضرورت محسوس نہ کرو تو عام کلاس میں رہ سکتے ہو جس کا مطلب ہوگا صرف سلاخوں والا دروازہ، ٹوائلٹ کی جگہ فرش میں بس ایک سوراخ، بغیر گدے کا بستر اور تینوں وقت کھانے کے لیے کونے والی دکان سے ایک ایک برگر۔"

ابھی میں کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ میری معلومات میں مزید اضافہ کرنے کے لیے بولا "آج تک صرف ایک قیدی عام کلاس میں دس دن گزار سکا ہے۔ وہ بھی اس لیے کہ اس کی جرمانے کی رقم بذریعہ ڈاک آرہی تھی اور ڈاک میں کچھ گڑبڑ ہوگئی تھی۔"

میں نے اے کلاس سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور ایک فون بھی کیا۔ دوسری طرف میری روداد سننے والے نے ہمدردی کا اظہار کیا لیکن پھر شک زدہ سے لہجے میں پوچھا۔ "تمہیں واقعی مدد کی ضرورت ہے یا مذاق کر رہے ہو؟"

"میرا کام تمہیں حالات سے آگاہ کرنا تھا سو میں نے کر دیا۔ تم چاہے اسے مذاق سمجھو یا کچھ اور۔" میں نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ فون رکھ کر میں نے بگیرٹ سے کہا "رقم کا بندوبست ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔ فی الحال تم مجھے کھانا تو کھلاؤ۔"

کچھ دیر بعد گلینڈا کھانا لے کر آگئی۔ وہ کھانا پکانے میں ماہر معلوم ہوتی تھی۔ مجھے جیل میں دیکھ کر اسے کافی افسوس ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ میں شکل صورت اور عادات اطوار سے ایک آزاد پنچھی معلوم ہوتا تھا، مجھ جیسے انسانوں کو جیل میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں اس کے خیال سے متفق تھا۔ کم از کم فرسبی کھیلنے والوں کو چار دیواری میں مقید نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔

"میں خود تمہارا جرمانہ بھر دیتی۔" وہ بولی "لیکن میرے پاس صرف سو ڈالر ہیں اور وہ بھی میں نے بڑی مشکل سے جمع کیے ہیں۔ مجھے کبھی نہ کبھی یہاں سے فرار ہوکر نیو آرلینز جانا ہے۔ یہ رقم میں نے اس مقصد کے لیے بچا کر رکھی ہے۔"

پھر اس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ آگئی جس پر میرا سب کچھ قربان کر دینے کو جی چاہتا تھا۔ میں نے جذباتی ابال سے بچنے کے لیے اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس کوشش میں مجھے خاصی کامیابی ہوئی۔

اس نے بتایا کہ گاؤں میں اندھیر نگری کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا تھا جب جج ہیلسن نے اس کے باپ سے سفارش کی کہ اسٹرائیکر کو پٹرول مین کے طور پر بھرتی کر لیا جائے۔ پٹرول مین سے جلد ہی ترقی کرکے وہ شیرف بن گیا اور پھر اجنبیوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

"کیا یہاں کچھ عرصہ پیشتر اسی طرح سنی کارٹر نامی ایک شخص کو بھی گرفتار کیا گیا تھا؟ وہ ایک پیشہ ور تیراک تھا اور سفید رنگ کی تھنڈر برڈ کار میں یہاں آیا تھا۔" میں نے دریافت کیا۔

"ہاں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اسے بھی یہاں گرفتار کیا گیا تھا لیکن وہ صرف ایک رات... بلکہ چند گھنٹے جیل میں رہا تھا کیونکہ اس کے جرمانے کی رقم کہیں سے آگئی تھی۔ وہ فوراً ہی رخصت ہوگیا۔ حالانکہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے بھی ساتھ لے کر جائے گا لیکن جب اسے رہائی ملی تو اس نے اپنے وعدے کا پاس نہیں رکھا۔ خیر... اس کا بھی کوئی قصور نہیں۔ اس نے سوچا ہوگا۔ یہ بے وقوف سی دیہاتن تو ہر قیمت پر شہر جانے پر تلی ہوئی ہے۔ کہیں اس کی وجہ سے کوئی مصیبت ہی نہ گلے پڑ جائے۔ اس لیے اسے یہیں رہنے دو۔"

پھر وہ گہری سانس لے کر بولی "مجھے خود بھی اندازہ ہے کہ شہر جاکر مجھ جیسی سیدھی سادی دیہاتی لڑکی کا حشر خراب ہوسکتا ہے لیکن یہاں میں اپنی زندگی سے اتنی بیزار ہوں کہ ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔"

اس کی باتوں سے ظاہر ہوا کہ اس کی بیزاری کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ سان آنزا ڈور میں زندگی بڑی بے کیف تھی بلکہ اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسٹرائیکر اس پر آنکھ رکھے

ہوئے تھا۔

فرار کے سلسلے میں ایک مسئلہ یہ بھی حائل تھا کہ جونہی وہ رختِ سفر باندھنے لگتی تھی۔ اس کے باپ کی شراب نوشی کچھ اور بڑھ جاتی تھی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ بدحال نظر آنے لگتا تھا جب سے گلینڈا کی ماں کا انتقال ہوا تھا۔ تب سے ہی اس کے باپ کو بلانوشی کا مرض لگ گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ اس مرض کو اپنی بیٹی کے پیروں میں بیڑیاں ڈالنے کے لیے بھی استعمال کرتا تھا۔

"اگر تم واقعی نیو آرلینز جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں ضرور لے کر جاؤں گا گلینڈا۔" میں نے خلوص سے کہا۔ "اگر ایک شخص وعدہ کرکے غائب ہوگیا تو یہ مت سمجھو کہ دنیا میں سبھی مرد ایسے ہوتے ہیں۔ فرسبی کھیلنے والوں پر اعتبار کرنا چاہیے۔"

اس نے خوشی کے عالم میں یوں میری کوٹھری کے بیرونی دروازے کی سلاخیں پکڑلیں جیسے انھیں موڑ کر فوری طور پر میری رہائی کے لیے راستہ بنا دے گی۔ میرے دل کو قدرے اطمینان ہوا۔ اب اس گاؤں میں میرا ایک ہمدرد اور خیر خواہ موجود تھا۔

میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جاؤ اپنے پاپا سے کہو کہ میں فوری طور پر ان سے ملنا چاہتا ہوں اور اگر راستے میں اسٹرائیکر ملے تو اسے بے دھڑک بتا دینا کہ میرے رہا ہوتے ہی تم میرے ساتھ چلی جاؤ گی۔"

وہ خوشی کے عالم میں دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ تنہائی میسر آتے ہی میں نے اپنی ایک خفیہ جیب سے پانچ سو ڈالر کا نوٹ نکالا۔ اسٹرائیکر وغیرہ نے میری تلاشی لینے کی زحمت نہیں کی تھی اور نہ ہی میرا نام ٹیلی پرنٹر کے ذریعے کہیں بھیج کر یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ میں پولیس کو مطلوب تو نہیں ہوں۔ اس طرح انھیں آسانی رہتی ہوگی۔ ملزم کا کوئی ریکارڈ ہی نہیں بنتا ہوگا۔ اس لیے بعد میں اس میں ردوبدل کی زحمت بھی نہیں کرنا پڑتی ہوگی۔

چند منٹ بعد بیگریٹ گرتا پڑتا میری کوٹھری کے سامنے پہنچا۔ آنسو اس کے رخساروں پر پھیل رہے تھے۔ وہ ملتجیانہ لہجے میں بولا۔ "گلینڈا مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے اس کے سوا میرا دنیا میں ہے بھی کون۔ اسے یہاں سے مت لے کر جانا فرسبی!" انھوں نے میرا نام ہی فرسبی رکھ دیا تھا۔

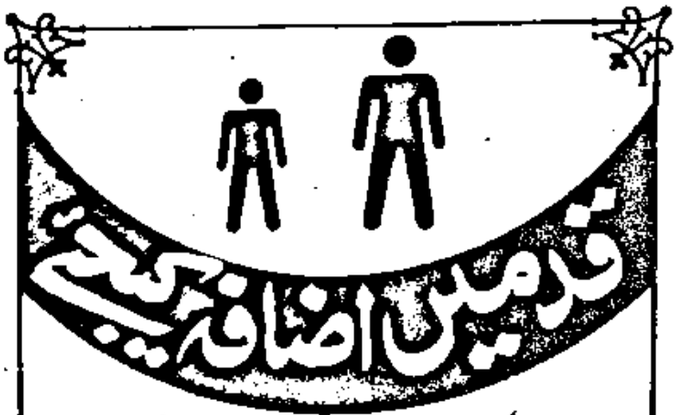
میں نے پانچ سو ڈالر کا نوٹ اس کی رسائی سے ذرا دور رکھ کر لہراتے ہوئے کہا۔ "میں ایک تجویز پیش کر رہا ہوں چیف! میرا جرمانہ تین سو ڈالر ہے اور میرے پاس صرف یہ ایک نوٹ ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ جیل میں میرے قیام کے اخراجات بڑھتے جائیں۔ اگر تم آج رات مجھے یہاں سے چھٹی دے دو تو میں یہ نوٹ تمہاری خدمت میں پیش کردوں گا اور بقایا رقم کا تقاضا نہیں کروں گا۔"

تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد میری یہ تجویز منظور کرلی گئی میں نے جب گلینڈا کو بتایا کہ آج رات میں رہا ہو کر جا رہا ہوں تو اس کا منہ تک گیا لیکن اس کے مزید غمزدہ ہونے سے پہلے ہی میں نے اسے تسلی دی کہ میں گاؤں چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ بلکہ باقی رات میں ساحل پر اپنی ویگن میں گزاروں گا اور صبح چند کام نمٹانے کے بعد اسے ساتھ لے کر نیو آرلینز جاؤں گا۔

میں نے اپنی گاڑی کی چابی لی اور جیل سے چھٹکارا پانے کے بعد گاؤں کے مین بازار کا ایک چکر لگایا۔ مجھے اسٹرائیکر کی تلاش تھی لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ بالآخر میں نے اپنی گاڑی ساحل پر لے جاکر پارک کی اور اس کی پچھلی سیٹ پر سو گیا۔

آج اپنی گاڑی میں سونا مجھے پانچ سو ڈالر میں پڑا تھا لیکن میں پھر بھی خوش تھا۔ آزادی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میری آنکھ کس طرح کھلی تھی۔ بہرحال آنکھ کھلتے ہی مجھے جو چیز سب سے پہلے نظر آئی۔ وہ اسٹرائیکر کا منحوس چہرہ تھا جو کھڑکی کے شیشے پر ٹکا ہوا تھا۔ شاید اس نے کار کا دروازہ دھڑدھڑایا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پرانے



- کیا آپ کی عمر 19 یا 20 سال تک ہے اور آپ کا قد چھوٹا ہے؟
- کیا چھوٹے قد کی وجہ سے آپ احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں اور اس میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں؟
- کیا آپ کے بچے کی نشوونما عمر کے مطابق کم ہے اور اس کا قد چھوٹا ہے؟

ایڈریس لکھے جوابی لفافے کے ہمراہ عمر اور موجودہ قد لکھ کر تفصیلات مفت منگوالیں

اپنے خط پر بھی اپنا مکمل ایڈریس ضرور تحریر کریں۔

پوسٹ بکس 18100 کراچی 33

وقتوں کا ریوالور تھا جو توپ جتنا خطرناک دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس ریوالور سے دروازے کا تالا توڑتا، میں نے دروازہ کھول دیا۔

اس کا دانت نکوسنے کا عمل پورے زور و شور سے جاری تھا لیکن اندر سے وہ خوش معلوم ہوتا تھا۔ شاید اس لیے کہ اسے میری بازیابی کی امید نہیں تھی لیکن میں نہایت آسانی سے دوبارہ اس کے ہاتھ آگیا تھا۔

"ٹھگنے! ہم تو کم از کم تین ریاستوں کی پولیس کو تمہارے فرار کے بارے میں خبردار کرنے لگے تھے لیکن تم آرام سے یہاں پڑے سو رہے ہو۔ یہ ریوالور دیکھ رہے ہو نا؟ اس کی گولی جسم سے پار ہوتے وقت اعضا کو پھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اس لیے کوئی حماقت نہ کرنا۔ آہستگی اور آرام سے گاڑی سے باہر آجاؤ۔" اس نے حکم دیا۔

فریبی کا کھیل انسان کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ حرکات و سکنات میں کبھی چھچھوراپن یا بے توقیری نہیں آنی چاہیے۔ اس لیے میں نے اسٹرائیکر کی ہدایت پر عمل کیا تاکہ اسے کوئی گھٹیا پن دکھانے کا موقع نہ مل سکے۔

ایک بار پھر وہی ڈراما دہرایا گیا۔ یعنی دونوں ہاتھ گدی پر اور ان میں ہتھکڑی، اور پھر تیز رفتاری سے جج ہینسن کی عدالت کی طرف سفر۔

لیکن وہاں پہنچ کر ایک چیز پہلے سے مختلف نظر آئی۔ اور وہ یہ کہ جج ہینسن فرش پر چت پڑا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرانی جامد ہو کر رہ گئی تھی اور سینہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ دیواروں پر سجے ہوئے جانوروں کے سروں اور شیلفوں میں لگی ہوئی کتابوں میں سے بیشتر فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔

پولیس چیف بیگرٹ وہاں موجود تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے ہینسن کے ذخیرے میں سے نکالی ہوئی بیئر کی ایک بوتل خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے مجھے مخاطب کیا "تمہیں اگر موقع مل ہی گیا تھا تو فوری طور پر گاؤں سے فرار ہو جانا چاہیے تھا۔ گلینڈا کو بھگا کر لے جانے کے انتظار میں صبح تک بیٹھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔ اب تم صحیح معنوں میں مصیبت میں پھنس گئے ہو۔"

"ناشتے سے پہلے میں کشت و خون وغیرہ کا سامنا نہیں کر سکتا۔" میں نے متانت سے کہا "یہاں کچھ کافی وغیرہ مل جائے گی؟"

چیف نے میری اس فرمائش پر قطعاً کان نہیں دھرا۔ وہ گزشتہ رات کی طرح نشے میں دھت، دل شکستہ اور اپنے آپ سے بیگانہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسٹرائیکر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ خاصی مستعدی سے بولا "شیرف! تم جا کر اس مسخرے کی ویگن کی تلاشی لو۔ آلۂ قتل یقیناً اس میں موجود ہوگا۔ اچھی طرح تلاشی لینا۔"

اس کے جانے کے بعد بیگرٹ نے میری ہتھکڑیاں کھول دیں اور فریج سے بیئر کی دوسری بوتل نکال کر بیٹھ گیا۔ میں نے فرش سے قانون کی ایک کتاب اٹھا کر دیکھی۔ اس کی جلد چھٹی ہوئی تھی اور اس میں کوئی نوٹ موجود نہیں تھا۔ میں اس کرسی پر جا بیٹھا جس پر بیٹھ کر آنجہانی ہینسن نے مجھے گزشتہ رات سزا سنائی تھی۔

"چیف! قانون کی ان کتابوں نے کل بھی میری مدد کی تھی اور آج بھی یہ میری رہنمائی کر رہی ہیں۔" میں نے کہا "میں نے کل اسٹرائیکر کو بتایا تھا کہ جج ہینسن اپنی قانون کی کتابوں میں سو سو ڈالر کے نوٹ رکھتا ہے۔ آج ایک اہم تبدیلی آگئی۔ کل تک تمہارا، اسٹرائیکر کا اور ہینسن کا ایک مثلث قائم تھا۔ آج یہ مثلث ٹوٹ گیا۔ ہینسن کم ہو گیا۔ اب صرف تم اور اسٹرائیکر باقی رہ گئے ہو۔"

بیگرٹ نے بوتل ایک ہی سانس میں خالی کر کے رکھ دی اور فریج کو گھورنے لگا۔ میں اب اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ بیگرٹ جیسے بلانوش کے بارے میں خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے تھا۔ ویسے بھی آج وہ پوری طرح ہوش و حواس میں دکھائی دے رہا تھا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولا "تم کافی اونچی چیز معلوم ہوتے ہو فریبی! تم نے یہاں آتے ہی حالات کو سمجھ لیا ہے۔ تمہیں یہ بھی اندازہ ہوگا کہ اسٹرائیکر اب باہر سے واپس آئے گا تو اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور ہوگا جس کے بارے میں اس کا دعویٰ ہوگا کہ وہ اسے تمہاری گاڑی سے ملا ہے۔ اب تم مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم اسٹرائیکر کا بندوبست کر سکتے ہو۔ اس کے بعد یہاں میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ سیاہ و سفید کا مالک۔"

وہ میری بات سمجھ گیا تھا اس لیے میں نے اس کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑی سی بیئر پینے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ اس کے بعد میں نے جو کچھ بھی کیا۔ وہ اسٹرائیکر کو خوش کرنے کے لیے کافی تھا۔

اسٹرائیکر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ جھول رہا تھا جس میں عموماً جرم کے ثبوت وغیرہ محفوظ کیے جاتے ہیں۔ اس میں ایک بڑا سا ریوالور موجود تھا جو اس کے دعوے کے مطابق میری ویگن سے برآمد ہوا تھا۔ مجھے دوبارہ ہتھکڑی لگا

دی گئی۔

بیگرٹ نے بیئر کی چوتھی بوتل سے شغل کرتے ہوئے اسٹرائیکر کو مطلع کیا: "ملزم نے اقرارِ جرم کر لیا ہے شیرف! اسے اب کاؤنٹی کی جیل میں رکھا جائے گا اور آلۂ قتل برآمد کرنے کے کارنامے پر تمہیں گولڈ اسٹار دیا جائے گا۔"

اسٹرائیکر کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ مجھے باہر اپنی گاڑی میں لے گیا۔ اس بار اس نے میرے ہاتھ سامنے ہی کی طرف رکھتے ہوئے ہتھکڑیاں لگائی تھیں۔ گاڑی میں مجھے اپنے برابر بٹھانے کے بعد اس نے ڈیش بورڈ سے ایک زنجیر نکالی جس کا ایک سرا ڈیش بورڈ میں ہی فکس تھا۔ دوسرا سرا اس نے ہتھکڑیوں کے درمیان سے گزار کر مقفل کر دیا۔ اب میں گاڑی کے ساتھ بندھ چکا تھا۔

"یہ زنجیر ایک انچ موٹی اسٹیل پلیٹ کے ذریعے گاڑی میں بڑی مضبوطی سے فٹ ہے۔ اب تم بھاگ نہیں سکتے ٹھگنے!" اسٹرائیکر نے مجھے مطلع کیا اور گاڑی اس طرح ہینسن کی عمارت کے احاطے سے نکالی کہ اس کے ٹائر چرچرا اٹھے۔

گاڑی ہائی وے پر پہنچی تو میں نے کہا: "شیرف! تم صرف دیکھنے میں ہی موٹے نہیں، تمہاری عقل بھی موٹی ہے تمہیں اندازہ نہیں کہ بیگرٹ نے تمہیں ذلیل کرانے کا بندوبست کیا ہے۔ اس نے تمہیں آلۂ قتل تلاش کرنے کے لیے اکیلا بھیج دیا اور تم بھول گئے کہ گواہ کی موجودگی کے بغیر جو آلۂ قتل برآمد کیا جائے اسے آلۂ قتل ثابت کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ کل تم ساحل پر بیسیوں لوگوں کے سامنے مجھے گھونسا رسید کر چکے ہو اور سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ گلینڈا کے مسئلے پر تم مجھ سے حسد کرنے لگے ہو۔ تمہاری اس قسم کی کمزور قانونی کارروائیوں کو میرے خلاف رقابت کا شاخسانہ سمجھا جائے گا۔ میرا وکیل عدالت میں تمہارے پرخچے اڑا کر رکھ دے گا۔"

اس نے بے پروائی سے کندھے اچکانے پر اکتفا کیا وہ زیادہ سوچ بچار کا عادی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ میں نے زیادہ وضاحت سے بات کرنا بہتر سمجھا۔

"ایک ماہ پہلے اسٹیٹ اٹارنی کے دفتر سے ایک آدمی کو یہاں بھیجا گیا تھا۔ تاکہ وہ یہاں ہونے والی بے قاعدگیوں کا جائزہ لے۔ اس کا نام سنی کارٹر تھا۔ وہ واپس نہیں پہنچا۔" میں نے کہا۔

اس نے ایک ثانیے کے لیے خوفناک نظروں سے مجھے گھورا اور اختصار سے کہا: "میرا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"ہینسن کو بڑے اور بھاری بھرکم ریوالور سے قتل کیا گیا ہے۔ جیسا تم اٹھائے پھرتے ہو۔" میں نے کہا۔

وہ ہولے سے مسکرایا۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "مجھے معلوم ہے ہر پولیس والے اور شیرف کو ایک جیسے دو ریوالور دیے جاتے ہیں۔ تم چونکہ مجھے بری طرح پھانسنے کے لیے کچھ زیادہ ہی بے تاب تھے۔ اس لیے تم نے اپنا فاضل ریوالور ہی میرے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کرنے کے لیے محفوظ کر لیا۔ یہ تمہاری غلطی تھی۔ یہی ریوالور تم سنی کارٹر کو قتل کرنے کے لیے استعمال کر چکے ہو۔ یہ بات گلینڈا نے مجھے بتائی ہے جس شخص نے اسے اس ماحول سے نکال کر لے جانے کا وعدہ کیا تھا، تم نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ ظاہر ہے اس بات پر وہ خوش نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی لیے اس نے یہ بات مجھے بتا دی ہے۔"

گلینڈا نے ایسی کوئی بات مجھے نہیں بتائی تھی لیکن قیاس لگانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہونے لگا۔ میں نے بات جاری رکھی: "سنی کارٹر کی لاش یقیناً سمندر میں مچھلیوں کی خوراک بن چکی ہوگی۔ اس لیے میں اب اس کے قتل کے الزام میں تو تمہیں نہیں پھنسوا سکتا لیکن میں اور بیگرٹ اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ تمہیں ہینسن کو قتل کرنے کے جرم میں پھانسا جائے۔ اس کے بعد یہاں اکیلے بیگرٹ کا راج ہوگا۔"

اسٹرائیکر اس جینے سے مشابہ نظر آنے لگا تھا جسے تپتی دوپہر میں رنگ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس نے اپنا بڑا سا سر گھما کر صرف ایک لمحے کے لیے میری طرف دیکھا اور

گمشدہ بچوں کی تلاش اور گھر واپسی
بے گناہ قیدیوں کی رہائی
انصار برنی ویلفیئر ٹرسٹ کا مشن



مظلوموں کی مدد
اور ذہنی امراض کے
مریضوں کی فلاح و بہبود کیلئے
ہمارے ساتھ تعاون کیجئے
انصار برنی ویلفیئر ٹرسٹ

نظر دوبارہ سڑک پر مرکوز کر لی۔ گاڑی اس وقت پچھتر میل کی رفتار سے جا رہی تھی۔

وہ غرّانے کے سے انداز میں بولا "تقریباً ایک میل آگے ایک نہر کا پُل ہے جس کی مرمت کی جا رہی ہے۔ اس کا حفاظتی جنگلا آجکل اتار دیا گیا ہے۔ ذرا وہاں تک پہنچ لیں پھر واپس آکر میں بیگرٹ سے بھی نمٹ لوں گا۔"

اب میں سمجھا کہ اس کے ذہن میں کیا تھا۔ وہ اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ آکسیجن پہنچانے کے لیے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اسی لمحے میری نظر اس کے کندھے پر لگے ہوئے ریڈ کراس کے ایک بیج پر پڑی اور تب میری معلومات میں یہ اضافہ ہوا کہ وہ تسلیم شدہ لائف گارڈ بھی تھا۔ کسی کی جان بچانے کی تو خیر اس سے کیا امید رکھی جا سکتی تھی لیکن بیج دیکھ کر یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ تیراکی اور غوطہ خوری میں ماہر تھا۔

میری خواہش کے برعکس کچھ زیادہ ہی جلدی سڑک پر وہ سائن بورڈ نظر آگیا جس کے مطابق آگے پل کی مرمت جاری تھی۔ ڈرائیوروں کو نہایت احتیاط سے گاڑی چلانے کی ہدایت کی گئی تھی۔

اسٹرائیکر نے مجھے میرے انجام سے آگاہ کرنا شروع کر دیا "قصہ کچھ یوں ہو گا کہ تم نے اچانک اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مار کر گاڑی کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔ گاڑی میرے قابو سے باہر ہو گئی اور اس دوران پُل پر جا پہنچی۔ بالآخر گاڑی پل سے گر گئی اور ہم دونوں سمیت نہر میں ڈوب گئی۔ میں تو دروازہ کھول کر تیر کر نہر سے نکل آیا لیکن تمھیں نہیں بچا سکا۔ کیونکہ تم نے میرے ہاتھ سے ہتھکڑی کی چابی بھی چھیننے کی کوشش کی تھی اور وہ تمھارے ہاتھ آنے کے بجائے کہیں گر گئی تھی۔"

میری غرقابی کا یہ قصہ کچھ ایسا برا نہیں تھا۔ اس نے ہتھکڑی کی چھوٹی سی چابی ایکسیلیٹر کے قریب کار کے فرش پر گرا دی لیکن ہاتھ ہتھکڑی اور زنجیر میں بندھے ہونے کی وجہ سے میری رسائی اس تک نہیں ہو سکتی تھی۔

پل کے وسط میں پہنچ کر اس نے تیزی سے اسٹیئرنگ وہیل ایک طرف کو موڑ دیا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے یوں لگا جیسے گاڑی ہوا میں معلق ہو گئی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے زبردست چھپاکا سنائی دیا اور گاڑی دھیرے دھیرے بڑی سی نہر میں ڈوبنے لگی۔

گاڑی میں ہوا آنے کے لیے جو خانے بنے ہوتے ہیں۔ ان سے میں نے پانی اندر آتے دیکھا۔ ریڈیو کے اسپیکروں، ایش ٹرے اور دوسرے راستوں سے بھی پانی گاڑی میں بھر رہا تھا۔ یہ میرے لیے ایک نیا تجربہ تھا لیکن ظاہر ہے کوئی خوشگوار تجربہ ہرگز نہیں تھا۔

گاڑی نہر کی تہ میں بیٹھ گئی۔ اسٹرائیکر نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا۔ پانی زیادہ تیزی سے گاڑی میں بھرنے لگا۔ جب ہم ٹھوڑیوں تک پانی میں ڈوب گئے تو اسٹرائیکر مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولا "میں تو چلا... اب جہنم میں ملاقات ہو گی۔ خدا حافظ فرسبی!"

اس نے دروازہ کھولا اور پانی میں ٹانگیں مارتا ہوا اوپر جانے لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ مجھ سے پہلے اپنی منزل تک پہنچے گا۔ میں نے اپنے آپ کو ذرا آگے جھکاتے ہوئے اپنی سامنے کی جیب سے ہتھکڑی کی دوسری چابی نکالی۔ جو مجھے بیگرٹ نے ازراہِ عنایت... یا یوں کہیے کہ ازراہِ سازشیت دی تھی۔

تھوڑی سی کوشش سے میں ہتھکڑی کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے چونکہ زیرِ آب رہنے کی کچھ زیادہ مشق نہیں اس لیے میں نے آزاد ہوتے ہی اوپر کا رخ کیا۔

سطحِ آب پر سر نکالتے ہی اسٹرائیکر مجھے اپنی توقع کے عین مطابق کنارے پر اوندھا پڑا دکھائی دیا۔ اس کی کمر میں ایک بڑا سا سوراخ دکھائی دے رہا تھا۔ پولیس چیف بیگرٹ کچھ دور شاٹ گن اٹھائے کھڑا تھا۔

مجھے ساحل پر آتے دیکھ کر وہ بولا "میرا خیال ہے اب معاملات سُدھر گئے ہیں۔"

"زیادہ نہیں سُدھرے۔" میں نے کہا "ابھی تو تم باقی ہو۔"

وہ شاٹ گن کا رخ میری طرف کرتے ہوئے بولا "اگر تم میرے ہی بدخواہ ہو گئے ہو تو میں تمھارا بھی پتا صاف کر دیتا ہوں۔ ہینسن کے قتل کے سلسلے میں تم اب بھی مطلوب ہو۔ وہ الزام تمھارے سر سے اترا نہیں ہے۔ تمھیں شوٹ کر کے تمھاری موت کو پولیس مقابلے کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔"

"اپنا الزام دوسرے کے گلے ڈالنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا "تمھیں یہ اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ میں کوئی پیشہ ور مجرم نہیں ہوں۔ میرا تعلق ریاستی پولیس سے ہے۔ اسٹیٹ آفس والوں نے مجھے یہاں معاملات درست کرنے کے لیے بھیجا تھا اور معاملات کو درست کرنے کا میرا اپنا ایک انداز ہے۔ میرے خیال میں سب سے پہلے تم تینوں بدمعاشوں کا مثلث کو توڑنا ضروری تھا۔ اسٹیٹ آفس والوں کو بھی خبر پہنچ چکی ہے کہ تمھارے ہاں کس طرح دھڑا دھڑ جرمانے کیے جا رہے ہیں لیکن یہ جرمانے کبھی سرکاری حساب میں جمع نہیں ہوئے۔ میں نے جب ہینسن کی کتابوں میں بڑے بڑے نوٹ رکھے دیکھے

تو یہ بات اسٹرائیکر کو بتادی لیکن اس نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ اس کی زیادہ دلچسپی دراصل رقم میں نہیں، گلینڈا میں تھی۔ میں نے جب اس پر ہینسن کے قتل کا الزام عائد کیا تو اس نے ذرا سی بھی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اس معاملے میں وہ بے قصور تھا لیکن جب میں نے پچھلے دنوں اسٹیٹ آفس کی طرف سے بھیجے گئے ایک آدمی سنی کارٹر کی گمشدگی کا ذکر کیا تو اسٹرائیکر نے مجھے ڈبونے کی کوشش کر ڈالی۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" بیگرٹ ایک ٹک مجھے گھور رہا تھا۔

"یہی کہ ہینسن کا قاتل تمہارے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔" میں نے وثوق سے کہا۔ "میرا خیال ہے ہینسن اب تمہارا عہدہ اسٹرائیکر کو دلوانے کی فکر میں تھا۔ تمہاری بلانوشی شاید اسے مہنگی پڑ رہی تھی۔ ایک پرانا پولیس والا ہونے کے ناطے تمہیں یہ اندازہ تو تھا کہ ہینسن اپنی نقد رقم آفس میں ہی کہیں رکھتا ہے۔"

"لیکن تم خود ہی کہہ چکے ہو کہ تم نے اسٹرائیکر کو بتادیا تھا کہ ہینسن کتابوں میں نوٹ رکھتا ہے۔ وہ ہینسن کا قاتل کیوں نہیں ہو سکتا؟" اس کی نظر ایک ثانیے کے لیے اسٹرائیکر کی لاش کی طرف چلی گئی۔

"بے شک میں نے اسٹرائیکر کو بتایا تھا۔ میں اس سے کب انکار کر رہا ہوں؟ لیکن یہیں تو ایک باریک سا نکتہ پنہاں ہے۔ اسٹرائیکر کو میں بتا چکا ہوں۔ اس لیے اسے تو کہیں اور دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی جبکہ ہینسن کے آفس میں دیواروں سے مردہ جانوروں کے سر بھی اتار کر پھینک دیے گئے تھے۔ یہ کسی ایسے آدمی کا کام تھا جسے یقینی طور پر معلوم نہیں تھا کہ رقم کہاں ہے۔ ظاہر ہے وہ آدمی تم تھے۔ تم نے سوچا شاید رقم ان سروں کے پیچھے چھپائی گئی ہو۔"

جانوروں کے سروں کا ذکر سن کر بیگرٹ کا منہ حیرت سے کھل گیا لیکن اس نے جلد ہی اپنے آپ پر قابو پالیا۔ شاٹ گن کا رخ میری طرف رکھتے ہوئے اس نے جھک کر اسٹرائیکر کے ہولسٹر سے اس کا ریوالور نکال لیا۔

"صورتِ حال کو ایک اور رنگ بھی دیا جا سکتا ہے۔" وہ گویا مجھ سے کسی نہایت خوشگوار موضوع پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے بولا۔ "اسٹرائیکر کے ریوالور سے تمہیں شوٹ کر کے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسٹرائیکر نے تمہیں شوٹ کر دیا اور مجھے مجبوراً اسٹرائیکر کو گولی مارنا پڑی۔"

"پیٹھ پر گولی عام طور پر مجبوراً نہیں، قصداً ماری جاتی ہے۔ شاید تم بھول رہے ہو کہ اسٹرائیکر کی پیٹھ پر گولی مار چکے ہو۔ اس کے علاوہ تمہیں اس کا بھی جواب دینا پڑے گا کہ میں جو ہتھکڑی اور زنجیر کے ذریعے گاڑی میں بندھا ہوا تھا، باہر کیسے آگیا جبکہ دوسری چابی ڈوبی ہوئی کار سے برآمد ہوگی۔" میں نے اپنا ہتھکڑی والا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔

"ظاہری حالات کے مطابق تم ایک آوارہ گرد ہو۔ سنی کارٹر کی طرح تم بھی تو کہیں غائب ہو سکتے ہو۔" وہ پُرخیال انداز میں چوڑی اور گہری نہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا جس میں پانی زور و شور سے بہہ رہا تھا اور مچھلیاں بھی کثرت سے پائی جاتی تھیں۔

میں نے اس کے عقب میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "مجھے ٹھکانے لگانے کے معاملے میں تو تمہاری بیٹی بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔ اگر تم ایک ایسے شخص کو غائب کر دو گے جو اسے نیو آرلینز لے جانے کا مخلصانہ وعدہ کر چکا ہے، تو وہ یقیناً تمہاری بھی دشمن ہو جائے گی۔ تمہارے خلاف گواہی دینے پر تیار ہو جائے گی۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا گلینڈا؟"

تب بیگرٹ نے مڑ کر دیکھا۔ گلینڈا میری ویگن سے اتر کر ہماری طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے یوں اثبات میں سر ہلایا گویا میری بات کی تصدیق کر رہی ہو۔

بیگرٹ نے غالباً مجھے ٹھکانے لگانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس نے شاٹ گن جھکالی اور بیک بیک وہ پہلے جیسا بوڑھا، شکست خوردہ اور بلانوش نظر آنے لگا۔

گلینڈا اجانے کی تیاری بھی مکمل کر کے آئی تھی۔ میری ویگن میں اس کا بیگ وغیرہ موجود تھا۔ ہم واپس پولیس اسٹیشن پہنچے تو وہاں اسٹیٹ پولیس ہیڈ کوارٹرز سے آئی ہوئی دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اب بیگرٹ سے نمٹنا اور ہینسن اور اسٹرائیکر کی جگہ نئے آدمیوں کا بندوبست کرنا ان کی ذمے داری تھی۔

میں نے تو بس اپنی تفصیلی رپورٹ ٹائپ کر کے ان کے حوالے کی اور گلینڈا کو لے کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ یہ میری زندگی کا ایک حسین اور یادگار سفر تھا کیونکہ اس کے نتیجے میں میں شادی شدہ اور گھر بار والا ہو گیا۔ اب مجھے فربہ گلینڈا کے ساتھ کھیلنی پڑتی ہے۔

اپنے باپ کی طرف سے گلینڈا کو کچھ زیادہ بے اطمینانی نہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ جیل میں اس سے بہتر زندگی گزار رہا ہے جیسی باہر گزار رہا تھا کیونکہ وہاں وہ بلانوشی سے بچا ہوا ہے۔ میں گلینڈا سے متفق ہوں کیونکہ ہم پچھلے ہفتے ہی بیگرٹ سے جیل میں ملاقات کر کے آئے ہیں۔ اس کی صحت پہلے سے بہتر ہے۔

GO WITH THE FLOW
R. D. BROWN



نجمہ مودی

گرفتاری

دُنیا میں ہر مسئلے کا حل صرف طاقت ہی کے ذریعے ممکن نہیں۔ عقل و دانش کو ہر صورت طاقت پر برتری حاصل ہے۔ وہ مستقل مزاج و بہادر سپاہی بھی اپنی ذہانت کے بھروسے پر ایک گوشت پوست کے پہاڑ سے ٹکر لینے نکل کھڑا ہوا تھا۔

ایک گرفتاری کا ماجرا جسے ناممکن سمجھا جاتا تھا

جون کارسن کے سامنے تاحدِ نظر نیم صحرائی سا میدان تھا۔ وہ بلانکو کے جنوب میں محوِ سفر تھا۔ ٹیکساس کی بنجر زمینوں کا سلسلہ اس کے اردگرد پھیلا ہوا تھا۔ ان ویرانوں میں سفر کرتے وقت مسافر کو بار بار یہی احساس ہوتا تھا جیسے کچھ غیر مرئی آنکھیں اُسے دیکھ رہی ہیں۔

سفر کرتے کرتے بالآخر ایک روز کارسن کو اس گزرگاہ کے اختتام پر ایک تنگ سی وادی دکھائی دے ہی گئی جو سفید چٹانوں میں گھری ہوئی تھی۔ اُس کے پہلو طرف ایک گدلی سی نہر بہہ رہی تھی۔ کارسن کو معلوم تھا کہ اس کا نام گرینڈ ریور ہے۔ نہ جانے کس ستم ظریف نے اس کا یہ نام رکھا تھا کیونکہ اس میں نہ تو شوکت و عظمت کی کوئی جھلک تھی اور نہ ہی اُسے صحیح معنوں میں دریا کہا جاسکتا تھا۔ وہ عام نہروں سے ذرا بڑی ایک نہر تھی۔ اس میں سُرخ مٹی کی آمیزش رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا پانی دور سے کچھ زیادہ ہی سُرخ نظر آتا تھا۔ بے شک اس پانی کے بہاؤ میں تیزی، تندی اور غیر معمولی روانی تھی لیکن جون کارسن کے لیے یہ کوئی مرعوب کرنے والا نظارہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی آنکھیں برزدیس جیسے دریا کو عالمِ طغیانی میں دیکھنے کی عادی تھیں اور اس نے خود بارہا نہ جانے کن کن دریاؤں میں طوفانی لہروں کا مقابلہ کیا تھا۔

جون کارسن ایک رینجر تھا۔ رینجر کے طور پر بھرتی ہونے کے لیے ایک تو ویسے ہی انسان کا نہایت سخت جان، بے خوف اور جنگجو ہونا ضروری تھا جبکہ جون کارسن کو رینجرز کے محکمے میں بھی ایک غیر معمولی انسان سمجھا جاتا تھا۔ وہ کوئی بہت قد آور، جسیم یا بے مثال جنگجو نہیں تھا۔ بظاہر چھریرے بدن کا ایک عام سا کاؤ بوائے دکھائی دیتا تھا لیکن اُس کا سب سے قیمتی سرمایہ اُس کی مستقل مزاجی تھی۔ وہ جس راہ پر قدم رکھ دیتا تھا، اپنا مقصد پورا کیے بغیر واپسی کے لیے نہیں مڑتا تھا۔ جو کام اس کے سپرد کر دیا جاتا اس کی تکمیل ہی اس کی زندگی کا واحد مقصد بن جاتی تھی۔ اسی استقلال اور ارادے کی مضبوطی کے باعث وہ ناقابلِ شکست نظر آتا تھا۔

سامنے نظر آنے والی وادی کو اس کے ہیڈ کوارٹر والوں نے 'کدو' کا نام دیا ہوا تھا کیونکہ اس کی ساخت کدو سے ہی مشابہ تھی۔ اسے ٹیکساس کا چور دروازہ بھی کہا جاتا تھا۔

جون کارسن جنوب کی سمت میں تنہا سفر کر رہا تھا اور اس سفر نے بلاشبہ اسے تھکا دیا تھا، بیزار کر دیا تھا۔ ویرانوں اور بے آب و گیاہ میدانوں میں سفر کرتے کرتے تنہا انسان کی ذہنی کیفیات عجیب سی ہو جاتی ہیں۔ اسے وادی کے آثار دیکھ کر بھی کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی تھی کیونکہ منزل کے نشان سامنے آتے ہی اُسے دوسری فکر لاحق ہو گئی تھی — اور وہ یہ کہ اسے اتنا ہی طویل سفر کر کے واپس بھی جانا تھا۔ سفر کے بعد ایک اور سفر درپیش تھا اور واپسی کے سفر کا تصور کارسن کو بڑا صبر آزما محسوس ہو رہا تھا۔

وہ سوالات جو تمام راستے اسے ستاتے آئے تھے اب کچھ اور تیکھے ہو کر اس کے ذہن کی دیواروں کو کھرچنے لگے۔ منزل کے نشانات سامنے دیکھ کر گویا ان سوالوں کی سنگینی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

وہ جس شخص کی تلاش میں اس سرحدی علاقے میں آیا تھا اس کا نام ٹالبوٹ تھا اور وہ جسامت کے اعتبار سے انسان نہیں بلاشبہ ایک دیو تھا۔ اعلیٰ نسل کا کوئی طاقت ور ترین گھوڑا بھی اُسے اُٹھا کر چند میل نہیں چل سکتا تھا۔ کوئی ہتھکڑی اس کی کلائی پر فٹ آجاتی، اس کی اُمید بھی کم ہی تھی۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سانڈ کی گردن بھی توڑ سکتا ہے۔ یہ سرحدی وادی ٹالبوٹ کی محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔

'فرض کیا کہ وہ مجھے یہاں مل گیا اور میں نے کسی طرح اُسے ہتھکڑی بھی لگا لی۔ . . تب بھی آخر میں اس جن کو قابو میں رکھ کر واپسی کا اتنا طویل سفر کیسے کروں گا؟' جون کارسن بار بار یہی سوچ رہا تھا۔

اس کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک پر وہ خود سوار تھا اور دوسرے پر ضروری سامان تھا۔ دونوں ہی گھوڑے اس سفر سے نڈھال اور بے دم ہو چکے تھے۔ کارسن اب نہ تو اُن کی لگام کھینچ رہا تھا اور نہ ہی انھیں مہمیز کر رہا تھا — وہ خود ہی تھکے تھکے سے انداز میں گردنیں جھکائے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہے تھے۔ اسی طرح بالآخر وہ اس خوابیدہ سے گاؤں میں داخل ہو گئے۔

اس گاؤں تک پہنچنے کے لیے جو طویل صحرا اور انتہائی دشوار گزار پہاڑی سلسلہ عبور کرنا پڑتا تھا، اس نے اسے ٹالبوٹ کے لیے انتہائی محفوظ پناہ گاہ بنا دیا تھا۔ یہ دُور افتادہ وادی ایک طرح سے اس کی چھوٹی سی راج دھانی تھی۔ اس طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد کارسن اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ ٹالبوٹ نے اس گاؤں کو پناہ گاہ کے طور پر کیوں منتخب کیا تھا۔ یہاں سے ٹالبوٹ کو گرفتار کر کے واپس لے جانا تو اپنی جگہ ایک مسئلہ تھا ہی — لیکن پہلے تو یہاں تک پہنچنا ہی کارے دارد تھا۔

سفر کی صعوبتوں نے کارسن کی خود اعتمادی کو بھی کافی حد تک متزلزل کیا تھا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر آسٹن میں واقع تھا اور آسٹن سے چلتے وقت ہی اس کے ساتھیوں نے اُسے سمجھایا تھا کہ یہ مہم اپنے سر لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حتیٰ کہ کیپٹن پرسل نے خود تسلیم کیا تھا کہ مذکورہ وادی میں جا کر شراب، عورت، منشیات غرضیکہ ہر چیز حاصل کی جا سکتی ہے، ہر ممنوعہ چیز خریدی جا سکتی ہے لیکن ٹالبوٹ پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔

"وہ بدبخت بہت ہی زیادہ جسیم ہے۔" کیپٹن پرسل نے کہا تھا۔ "عام گھوڑوں کی تو بات ہی چھوڑو، اسے تو کسی جنگلی گھوڑے پر بٹھا کر بھی نہیں لایا جا سکتا۔ میری نظر سے آج تک اس جیسا جسیم آدمی نہیں گزرا۔ اسے تو ہم رینجرز میں سے بھی کوئی قابو میں نہیں کر سکتا۔ اسے لانے کے لیے تو تمھیں کئی ڈبوں والی گھوڑا گاڑی کی ضرورت ہو گی جس میں کافی راشن اور بہت سے آدمی لے کر تم سفر کر سکو۔ اور ہمارے پاس کئی ڈبوں والی کوئی گھوڑا گاڑی نہیں ہے۔ برخوردار! ہمارے پاس تو کوئی فاضل آدمی بھی نہیں ہے، جسے تمھارے ساتھ بھیجا جا سکے۔"

سچی بات تو یہ تھی کہ جوں جوں کارسن کو سمجھایا گیا، توں توں اندر ہی اندر اُس کی ضد بڑھتی گئی تھی۔ کوئی اُس کی کیفیت کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتا تھا۔ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ اُس کے اندر کیسی آگ بھڑک رہی تھی۔

ٹالبوٹ نے لوٹ مار، قتل و غارت اور آتش زنی کی آخری واردات اکیونا کے مقام پر کی تھی۔ اور اس میں دوسرے کئی لوگوں کے ساتھ کارسن کے والدین بھی مارے گئے تھے۔ یہ کوئی آسانی سے بھلا دی جانے والی بات نہیں تھی۔ کارسن ہر قیمت پر کم از کم

ایک کوشش ضرور کرنا چاہتا تھا۔

گاؤں اس وقت اتنا پرسکون نظر آرہا تھا کہ کارسن نے جو کچھ یہاں کے بارے میں سن رکھا تھا وہ محض افسانہ طرازی محسوس ہونے لگا تھا۔ کچے مین بازار میں ویرانی تھی۔ دونوں طرف واقع مکان اور دیگر عمارتیں خاموشی اور سکوت میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ یہاں کی مٹی میں چونا شامل تھا جس کی وجہ سے دیواریں سفید سفید دکھائی دے رہی تھیں۔

بالآخر کارسن ایک بہت بڑے چوبی چبوترے تک جا پہنچا، جس پر اصطبل، کابورڈ آویزاں تھا۔ وہاں اس نے اپنے گھوڑوں کو پانی پلایا اور ان کے سامنے گھاس ڈالی۔ ان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اینٹن سے ملاقات کے لیے روانہ ہوا جو مقامی جیل کا محافظ اور جیلر تھا۔

وہاں پہنچ کر کارسن نے دیکھا کہ جیل بالکل خالی پڑی تھی۔ جیل کی عمارت میں تاریکی تھی۔ چھوٹا سا آفس بھی خالی پڑا تھا ایک کوٹھری کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ خالی جیل کا معائنہ کرتے ہوئے ایک بار پھر کارسن کو یہی محسوس ہوا جیسے عقب سے کچھ غیر مرئی آنکھیں اسے تک رہی ہوں۔

اس نے کوٹھری کے کھلے ہوئے دروازے، اس کے تالے اور قبضوں کا جائزہ لے کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کیا یہ چیزیں کچھ دن کے لیے ٹالبوٹ جیسے جن کو مقید رکھنے میں مدد دے سکیں گی؟ اس کا جواب اسے اثبات میں نہیں ملا۔ ویسے بھی شاید اس جیل کو کافی عرصے سے استعمال ہی نہیں کیا گیا تھا۔ اور اس کے جیلر، اینٹن کی طرف سے بھی اسے کوئی تعاون حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔

کارسن ایک بار پھر گلی میں واپس آگیا۔ وہ اندر ہی اندر اپنے آپ کو مضطرب محسوس کر رہا تھا اور اس کے سر میں دھمک سی ہو رہی تھی مگر وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ کسی خفیہ مقام سے اگر کوئی آنکھ اسے دیکھ رہی ہو تو اسے اس کی اندرونی کیفیات کا اندازہ نہ ہونے پائے۔ پھر اس نے سر اٹھا کر آسمان کا جائزہ لیا۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ آسمان بالکل صاف نظر آرہا تھا لیکن افق پر ایک سفید سی پٹی موجود تھی جو آنے والی بارشوں اور طوفانوں کی خبر دے رہی تھی۔

بالآخر وہ سیلون میں داخل ہو گیا۔ چمکیلی روشنی اور تپش سے یکدم خنکی اور ملگجے اندھیرے میں آجانے کے باعث ایک لمحے کے لیے وہ گویا اندھا سا ہو گیا مگر جلد ہی اس کی آنکھیں اس ماحول میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں۔ ہوا میں مختلف شرابوں کی بو گڈمڈ تھی اور کاؤنٹر کے عقب میں ایک دبلا پتلا گنجا شخص کھڑا تھا۔ اس کے رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں اور پہلی نظر میں وہ کچھ آسیبی سی شخصیت دکھائی دیتا تھا۔

کارسن نے ہیٹ اتار کر اس کی گرد جھاڑتے ہوئے چندھیائی ہوئی سی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یقیناً کرٹ ہو۔" اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس شخص کے سوکھے سے چہرے پر پھیلی ہوئی شکنوں کے درمیان اس سرحدی علاقے کے نہ جانے کتنے لڑائی جھگڑوں اور خون خرابوں کی داستانیں مرقوم ہیں۔

بارٹینڈر نے نہایت آہستگی سے پلکیں جھپکائیں۔ اس کی آنکھیں گویا زندگی کی چمک سے ناآشنا تھیں پھر اس کے سوکھے ہوئے سے ہونٹ آہستگی سے حرکت میں آئے۔ "کیا تم اتنا طویل سفر کر کے محض یہ تصدیق کرنے آئے ہو کہ میرا نام کیا ہے؟" پھر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔ "کیا بیوگے؟"

کارسن کی فرمائش پر اس نے بیئر کا گلاس اس کے سامنے رکھ دیا۔ کارسن بے تابی سے چند گھونٹ بھرنے کے بعد ایک بار پھر بارٹینڈر سے مخاطب ہوا۔ "کسی زمانے میں تم ٹالبوٹ کے نائب تھے۔ اور میرا خیال ہے تم اب بھی اس کے لیے کچھ نہ کچھ کام کرتے ہو۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ موٹا ہاتھی اس وقت کہاں ملے گا؟"



اپنا جائزہ لیں ہو سکتا ہے کہ آپ

- چھوٹے قد میں اضافے (صرف ۲۰ سال تک)
- مٹاپا یا جسمانی کمزوری اور دبلا پن
- چہرے کے کیل مہاسوں اور داغ دھبوں
- خشکی، سکری اور گرتے سفید ہوتے بالوں
- ازدواجی مسائل اور ناآسودگیوں
- چہرے کے فاضل بالوں (صرف خواتین کیلئے)
- کمزور یادداشت اور ناقص حافظہ
- نسوانی سراپا کی رعنائی میں اضافے اور نامکمل جسمانی نشوونما
- تمام نسوانی تکالیف اور شکایات

جیسے اہم مسائل کا شکار ہوں۔ اپنی مکمل کیفیت ایڈریس لکھے جوابی لفافے کے ساتھ لکھ بھیجیں۔ اپنے خط پر بھی اپنا مکمل ایڈریس تحریر کریں۔ آپ گھر بیٹھے ان پریشانیوں سے نجات پالیں گے۔ ہمیں ماہرین کا تعاون حاصل ہے۔ خواتین اپنے خطوط "شعبہ خواتین کی اپنخارج" کے نام لکھیں۔

چیک اپ پوائنٹ پوسٹ بکس 2297 کراچی 18

"یقیناً بتا سکتا ہوں۔" کرٹ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "کیونکہ تمہاری آمد کی خبر سن کر ٹالبوٹ نے اپنا مچھلی کے شکار کا پروگرام ملتوی کر دیا ہے اور تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" کارسن بولا۔ "کہاں ہے وہ؟"

"عین تمہارے پیچھے۔" کرٹ نے اطمینان سے جواب دیا۔

کارسن نے بیئر کے گلاس سے ہاتھ ہٹا لیا اور گھوم کر دیکھا۔ سیلون کے ملگجے اندھیرے میں ٹالبوٹ ایک میز پر تنہا بیٹھا تھا۔ کارسن کے پیٹ میں ایک لمحے کے لیے گرہ سی پڑ گئی۔ اُس کی کیفیت اس شکاری جیسی تھی جو بندوق لیے اس خیال میں چلا جا رہا ہو کہ اس کا مطلوبہ خونی درندہ ابھی بہت آگے ہے لیکن وہ اچانک ہی کسی درخت کے عقب سے نکل کر اُس کے سامنے آ گیا ہو۔

اُس شخص کے ٹالبوٹ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی جسامت ہی اُس کا تعارف تھی۔ وہ میز کرسی کو گویا اپنے جُثے تلے چھپائے بیٹھا تھا۔ اس کے کھلے گریبان سے بالوں کے گچھے اور گوشت کی موٹی موٹی تہیں جھانک رہی تھیں۔ وہ آدمی کیا، گوشت کا پہاڑ تھا۔ گرد و پیش کی ہر چیز ہی اس کی جسامت کے سامنے حقیر نظر آ رہی تھی۔ اس کے بڑے بڑے ہاتھوں میں بیئر کا ایک بڑا گلاس ننھے سے کھلونے کی طرح گھوم رہا تھا۔ کارسن چند لمحے تو سحر زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اس کے بازو شہتیروں سے کم نہیں تھے اور گردن کسی سانڈ کی گردن سے مشابہ تھی۔ کارسن نے سنا تھا کہ اس کا قد تقریباً سات فٹ ہے۔ اسے دیکھنے کے بعد کارسن کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ وہ محض تھل تھل کرتے گوشت کا مجموعہ نہیں تھا۔ کارسن نے اس کے بارے میں جو کچھ بھی سنا تھا وہ اب اُسے سچ محسوس ہونے لگا تھا۔ بعض چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر ان کی صداقت پر یقین نہیں آتا۔

ٹالبوٹ کا ایک جناتی ہاتھ آہستگی سے حرکت میں آیا اور اُس نے کارسن کو اپنے مقابل کرسی پر آ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کارسن بائیں ہاتھ میں بیئر کا گلاس لیے اٹھا۔ ٹالبوٹ کی طرف بڑھتے وقت اس کا دایاں ہاتھ ہولسٹر کو تقریباً چھو رہا تھا اور بوٹ اس طرح چرچرا رہے تھے جیسے دہشت کے عالم میں کسی کے دانت بج رہے ہوں۔

"بیٹھ جاؤ سینیور کارسن!" ٹالبوٹ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ کارسن نے محسوس کیا کہ وہ اپنی آواز کو دبائے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ اگر ٹالبوٹ اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت صرف کر کے آواز نکالتا تو شاید سپاٹ بھی ایک بار تو لرز کر رہ جاتے۔

"اس کا مطلب ہے تم میرے نام سے واقف ہو۔" کارسن بیٹھتے ہوئے بولا۔ ٹالبوٹ نے مبہم سے انداز میں کندھے اچکائے۔ کندھے کیا، گوشت کی دو چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں جو ایک لمحے کے لیے متحرک ہو گئی تھیں۔

"بے شک، میں تمہارے نام سے واقف ہوں سینیور کارسن۔" ٹالبوٹ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔ "صرف یہی نہیں، میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ سفر میں تم کیا کیا تکلیفیں اٹھا کر یہاں تک پہنچے ہو۔ ٹالبوٹ کی نظر بہت دُور تک رہتی ہے اور وہ ہر طرف کی خبر رکھتا ہے۔"

"پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟" کارسن نے اپنی کرسی پر قدرے پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس سلسلے میں میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ٹالبوٹ نے اپنا ہاتھی جیسا سر نفی میں ہلایا۔ "لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کوئی احمقانہ مقصد نہ ہو۔"

"اکیونا نامی گاؤں پر حملے کے دوران تمہارے گروہ نے بہت سے عام اور بے گناہ افراد کو بھی ہلاک کر ڈالا تھا۔ جن کا تعلق نہ تو ملیشیا سے تھا اور نہ ہی گشتی پولیس سے۔ ان میں میرے والدین بھی شامل تھے۔ ٹیکساس والے ایسی دل خراش یادوں کو آسانی سے فراموش نہیں کرتے ٹالبوٹ! سچی بات تو یہ ہے کہ ٹیکساس والے تمہیں جیل کے احاطے میں پھانسی کے پھندے میں لٹکتا دیکھنے کے منتظر ہیں۔"

"شش۔۔۔" ٹالبوٹ نے موٹی سی انگلی سُرخ سُرخ ہونٹوں پر رکھتے ہوئے کچھ یوں اشارہ کیا جیسے کارسن نے کوئی بہت ہی ناروا بات کہہ دی ہو اور وہ اُسے آواز نیچی رکھنے کا مشورہ دے رہا ہو۔ اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غیظ و غضب کی لہر بھی آ کر گزر گئی۔

پھر وہ گویا خود پر ضبط کرتے ہوئے مُربیانہ لہجے میں بولا۔ "پلیز کارسن! ہمیں بچوں جیسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں اور ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں کرنا چاہیے، جیسے ہم ناممکن کو ممکن کر دکھائیں گے۔ ویسے بھی میرے اس چھوٹے سے گاؤں کے لوگوں کو یہ بات بالکل اچھی نہیں لگتی کہ کوئی یہاں آ کر رینجرز کے مخصوص انداز میں بڑی بڑی باتیں کرے۔ یہ سن کر افسوس ہوا کہ اکیونا میں تمہارے والدین بھی موجود تھے۔ اس تصادم میں یقیناً کچھ خونریزی ہو گئی تھی، بہت بُرا ہوا تھا لیکن یہ سب کئی برسے ہوئے مکل کی

باتیں ہیں۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ میرے آدمیوں نے اب ادھر اُدھر حملے کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اب تو میں بالکل خاموشی اور سکون سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ تمھارے لیے بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ اطمینان سے اپنی بیئر پیو اور لاحاصل باتوں میں اپنا دماغ خراب مت کرو ــــ اچھا۔ . . یہ بتاؤ تمھیں مچھلی کے شکار سے دلچسپی ہے؟"

کارسن نے اپنے چہرے کی طرف خون کی گردش تیز ہوتی محسوس کی۔ ایک لمحے کے لیے اُس نے اپنے آپ کو واقعی ایک بے بس اور نادان بچہ محسوس کیا جو اپنی ناسمجھی کے باعث کسی پہاڑ کو ہلانے کا دعویٰ کر بیٹھا ہو۔ اسے اپنی نوجوانی اور ناتجربہ کاری پر افسوس ہونے لگا۔ وہ زیادہ بڑا اور جہاندیدہ قسم کا رینجر نہیں تھا اور وہ ایک ایسے مجرم کے سامنے آ بیٹھا تھا جسے قیدی بنا کر ہیڈ کوارٹر لے جانا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی شخصیت بھی بھاری بھرکم نہیں تھی جبکہ ٹالبوٹ کی موجودگی میں تو وہ اور بھی مختصر الوجود نظر آنے لگا تھا۔

وہ کچھ کر سکتا تھا یا نہیں، اس سے قطع نظر اسے کم از کم رسمی کارروائی تو پوری کرنا ہی تھی، لگے بندھے الفاظ تو بولنا ہی تھے۔

"ٹالبوٹ! تم زیرِ حراست ہو۔ تم پر قتل کا الزام ہے اور میں تمھیں آسٹن لے جانے کے لیے آیا ہوں۔" اس نے کہا۔

ٹالبوٹ اپنے بیئر کے گلاس کو تکتا رہا۔ اس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ پھر وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولا "میری نظروں کے سامنے بہت سے رینجرز آئے اور چلے گئے۔ ان میں سے بعض مر چکے ہیں اور بعض نے بہتر پیشے اختیار کر لیے ہیں۔" یہ توہین آمیز الفاظ اُس نے اتنے دھیمے اور سرسری سے لہجے میں ادا کیے تھے کہ ایک لمحے کے لیے تو کارسن ان کا صحیح اثر محسوس کرنے سے قاصر رہا پھر اُسے اپنی کنپٹیاں تپتی محسوس ہوئیں لیکن اُس نے غصے کی اس لہر کو گزر جانے دیا اور استہزائیہ انداز میں مسکرانے کی کوشش کی۔

ٹالبوٹ ہاتھ ہلا کر بولا "میرا خیال ہے ہمیں رینجرز کے بارے میں باتیں نہیں کرنی چاہئیں اور تمھیں یا مجھے کوئی احمقانہ بات بھی نہیں کرنی چاہیے۔ میں یہاں بیٹھا ہوں اور آسٹن یہاں سے بہت دور ہے۔ میرا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے اس بات کو یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔"

"نہیں، میرے حساب سے بات ختم نہیں ہوئی۔" کارسن بولا "فی الحال میں تمھیں لے جا کر مقامی جیل میں بند کروں گا، جہاں تم اس وقت تک رہو گے جب تک تمھیں لے جانے کے انتظامات مکمل نہیں ہو جاتے۔ میں اور مقامی محافظ قانون اور جیلر جس کا نام اینٹن ہے، مل کر کل یا پرسوں تک تمھیں یہاں سے لے جانے کا انتظام کر لیں گے۔"

"اینٹن؟" ٹالبوٹ نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔ "لیکن اُسے تو ایک نہایت ضروری کام سے وادی سے باہر جانا پڑ گیا ہے اور جیل کی چابیاں بھی اُسی کے پاس ہیں ــــ اور ہاں . . . شاید تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اینٹن اتفاق سے میرا سالا ہے۔"

کارسن کے لیے یہ انکشاف کچھ زیادہ حیرت کا باعث نہیں بنا۔ اس سے محض ہیڈ کوارٹر والوں کی کہی ہوئی باتوں کی تصدیق ہو رہی تھی۔ انھوں نے کارسن کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ اسے وادی میں کسی قسم کی مدد میسر آنے کی توقع ہرگز نہیں رکھنی چاہیے۔

ٹالبوٹ خوش دلی سے بولا "بالفرض میں تمھارے ساتھ جانے کے لیے تیار بھی ہو جاؤں تو کیا کوئی گھوڑا مجھے اپنی پیٹھ پر لاد کر صحرا عبور کر سکتا ہے؟ اس کوشش میں بے چارہ جان تو دے سکتا ہے، منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔ تمھیں شاید اندازہ نہیں ہو سکا کہ اسی لیے تو میں نے گھڑ سواری چھوڑ دی ہے اور آرام سے یہاں زندگی گزار رہا ہوں۔ اب تو میرا ایک ہی مشغلہ رہ گیا ہے۔

اپنی کشتی میں بیٹھ کر دریا میں مچھلی کا شکار کرنا۔"

کارسن کے ہیڈ کوارٹر والوں نے اس سلسلے میں بھی اُسے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ ٹالبوٹ کو لانے کے لیے کئی ڈبوں والی گھوڑا گاڑی اور بہت سے مسلح آدمی درکار ہوں گے جو ادھر اُدھر چھپے ہوئے ٹالبوٹ کے رائفل برداروں کے درمیان سے اُسے نکال کر لا سکیں لیکن کارسن نے یہ سب کچھ سننے کے باوجود اپریل کے مہینے میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے خاص طور پر وسط اپریل کا انتظار کیا تھا۔

کارسن اپنا ہیٹ اُتار کر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔ "میں نے دریا کے کنارے ہی پرورش پائی ہے۔ میں پانی کی روانی اور مچھلی کے شکار کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔"

ٹالبوٹ کی آنکھوں میں قدرے طمانیت کی چمک اُبھر آئی۔ شاید اُسے اطمینان ہو گیا تھا کہ کارسن اس کی گرفتاری کے خیال سے ذہن ہٹا رہا تھا اور دوسرے موضوعات کی طرف آ رہا تھا۔ ٹالبوٹ نے میز پر ہولے سے ہاتھ مار کر بار ٹینڈر کو متوجہ کیا۔ "کرٹ! مہمان کے لیے بہترین شراب لاؤ۔" پھر وہ گونجیلے لہجے میں کارسن سے مخاطب ہوا۔ "کبھی کبھی ماضی کو بھلا دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کل تم میرے ساتھ مچھلی کے شکار پر چلنا۔ مجھے مچھلی کا بہترین شکاری ہونے کا دعویٰ ہے لیکن خیر . . . یہ تو کل کی بات ہے۔ تمھیں آج کی رات بھی تو گزارنی ہے تم ہمارے معزز مہمان ہو رینجر! اور ہمارے ہاں مہمان روز روز نہیں آتے . . . میرا تو کچھ نہیں . . . میری تو تین بیویاں ہیں اور چند دوسری حسیناؤں سے بھی رسم و راہ ہے لیکن تمھارا ابھی کچھ بندوبست کرنا پڑے گا۔ جوان آدمی ہو، کہیں بعد میں یہ نہ کہو کہ میزبانی میں کوئی کسر رہ گئی تھی۔"

کارسن نے مشینی سے انداز میں اثبات میں سر ہلایا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ "میں غلطی پر تھا۔" وہ بڑبڑانے کے سے انداز میں بولا۔ پھر اُس نے مصنوعی سا قہقہہ لگایا۔ "زندگی چار دن کی ہے۔ عیش و عشرت کے مواقع ملیں تو انھیں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میرے حق میں یہی بہتر ہے کہ خوب پیوں، مدہوش ہو جاؤں اور دنیا کی ہر فکر کو ذہن سے جھٹک دوں۔ ہیڈ کوارٹر والوں سے کہہ دوں گا کہ میں تمھیں تلاش ہی نہیں کر سکا۔ جب تک کرٹ میرے لیے شراب لائے میں ذرا اپنے گھوڑوں کو دیکھ آؤں۔" پھر وہ ٹالبوٹ کو آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ "وہ . . . تم لڑکیوں والے معاملے میں سنجیدہ ہو نا؟"

گوشت کے پہاڑ میں ہلچل پیدا ہوئی۔ ٹالبوٹ خوشدلی سے ہنس رہا تھا۔ وہ جواباً آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ "میں مہمانوں سے مذاق نہیں کیا کرتا۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تمھاری کمزوری کیا ہو سکتی ہے۔"

"تم بالکل صحیح سمجھے۔" کارسن نے معنی خیز انداز میں اس جن کا کندھا دبایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر گلی میں عمارت کے کونے تک اس کے بھاری جوتوں کی آواز گونجتی رہی، پھر اُس نے دبے پاؤں چلنا شروع کر دیا اور گھوم کر سیلون کی عمارت کے عقب میں آ گیا۔ سنسان گلی میں ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ عقبی کھڑکی کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

اندر سے ابھی تک ٹالبوٹ کی گڑگڑاہٹ نما ہنسی کی دبی دبی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ہنسی تھمی تو وہ بولا۔ "اب مزہ آئے گا۔ یہ بے چارہ بھی چند دن میرے ساتھ عیش کرے گا۔ شراب . . . شباب . . . اور مچھلی کا شکار۔ پھر اس کے بعد . . ." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

تب کرٹ کی آواز اُبھری۔ "ان چکروں میں زیادہ دن ضائع مت کرنا۔ ممکن ہے وہ تمھارے اندازوں سے زیادہ چالاک ہو۔"

"ہم لوگوں کے سامنے کسی کی چالاکی بھی اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ چند دن اس بے چارے کو میرے ساتھ مچھلی کا شکار کرنے دو۔ پھر اسے مچھلیوں کا چارہ ہی تو بننا ہے۔ میرا خیال ہے اس کی خوب صورت سی گردن کاٹنے کے لیے تم اکیلے ہی کافی ہو . . . بہرحال بہتر یہی ہے کہ ڈنگو کو بھی ساتھ لے لینا۔ ہمارے دریا کی مچھلیاں بھی کیا یاد کریں گی کہ ایک رینجر کے خون اور گوشت سے ان کی تواضع ہو رہی ہے۔" وہ ایک بار پھر گویا محظوظ ہوتے ہوئے ہنسا۔

وہ دوبارہ بولا تو اُس کے لہجے میں درندے کی سی غراہٹ شامل تھی۔ "گدھا کہیں کا! اتنا آسان سمجھ رکھا ہے اس نے ٹالبوٹ کو گرفتار کر کے لے جانا . . . اکیلا ہی چلا آیا بدبخت!"

C

وہ سیلون میں پیانو بجا رہی تھی اور اس کی نظریں کارسن کو ٹٹول رہی تھیں۔ اس کی حسین آنکھوں میں گہرائی تھی اور جسم کے نشیب و فراز میں قیامتیں پنہاں تھیں جن سے اب کارسن کچھ ناآشنا نہیں رہا تھا۔ وہ باریک سا ایک زرد لبادہ پہنے ہوئے تھی۔

کارسن کو وادی میں تین دن گزر چکے تھے اور وہ اپنا اضطراب بمشکل چھپائے ہوئے تھا۔ مگر یہ اضطراب اندر ہی اندر جمع ہو رہا تھا اور اس کا سینہ کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ

پڑنے کو بے قرار تھا۔ ان تین دنوں کے اندر اُس نے ندرولیا دے والی اس حسینہ کی مدھم سے مدھم سرگوشی بھی توجہ سے سُنی تھی کہ شاید غلطی سے ہی کبھی اس کے حسین لبوں سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس سے کارسن کو اندازہ ہو جائے کہ ٹالبوٹ کب چوہے بلی کے کھیل کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حسینہ کا نام لیٹا تھا اور وہ اپنے آپ کو ٹالبوٹ کی بھتیجی بتاتی تھی۔ کارسن عین اس کے مقابل، پیانو کے دوسری طرف بیٹھا تھا۔

"تمھیں ہمارے گاؤں کا ماحول یقیناً پسند آیا ہوگا۔ انکل ٹالبوٹ بڑے کمال کے آدمی ہیں۔ ان کی وجہ سے گاؤں نے بڑی ترقی کی ہے۔" لیٹا مخمور لہجے میں بولی۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔" کارسن نے پُرسکون سیلون کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہاں کے لوگ پُرتعیش زندگی گزار رہے ہیں — لیکن میرے لیے یہ سب کچھ بہت زیادہ ہے — اتنا عیش و آرام۔"

"بہت زیادہ؟" لیٹا کی آنکھیں استہزائیہ انداز میں پھیل گئیں۔ "ابھی تو صحیح معنوں میں تم نے عیاشی شروع ہی نہیں کی۔"

"میں تو اپنی نوکری پر لعنت بھیج کر یہیں سکونت اختیار کر کے باقی زندگی گزارنے کے بارے میں سوچنے لگا ہوں۔" کارسن بولا۔

"انکل کے ساتھ مچھلی کے شکار میں مزہ آ رہا ہے؟" لیٹا نے پوچھا۔

"مزہ تو آ رہا ہے لیکن قسمت کچھ زیادہ ساتھ نہیں دے رہی۔ ٹالبوٹ تو تین دن سے تقریباً اپنی ہی جسامت کی مچھلیاں پکڑ رہا ہے۔ میرے حصے میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں آتی ہیں۔" کارسن ہلکی سی اداسی سے بولا۔

عقب میں ٹالبوٹ کا قہقہہ گونجا اور وہ کارسن کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ نہایت مسرور لہجے میں وہ بولا۔ "شاید ایک روز تم اتنی بڑی مچھلی پکڑ لو جو تم سے کھینچی بھی نہ جائے، میرے جتنی۔" اُس نے قدرے خمار زدہ انداز میں قہقہہ لگایا پھر اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھالتا دروازے کی طرف چل دیا۔

دروازے پر رُک کر وہ مڑتے ہوئے بولا۔ "کل دیکھنا .. کل شاید میں تمھیں گرینڈ ریور کی تاریخ کی سب سے بڑی مچھلی پکڑ کے دکھاؤں۔"

اُسی لمحے کارسن نے کھڑکی کے راستے دیکھا، دور پہاڑوں کے عقب میں بجلی چمک رہی تھی۔ اُس نے کان لگا کر کچھ موہوم سی آوازیں سننے کی کوشش کی جو موسم کا سراغ دیتی تھیں۔ اس کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ جلدی سے دوبارہ لیٹا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سیٹی

کہا جاتا ہے کہ جاپان میں ایک سیٹی ایجاد ہوئی تھی جسے خواتین راستے میں چلتے ہوئے اپنے پرس میں رکھتی تھیں۔ اگر کوئی راہ گیر خاتون کو بُرے ارادے سے دیکھتا تو سیٹی بجنے لگتی اور خاتون اپنی حفاظت کی فکر کرتی۔

ایک صاحب اپنی بیوی کے لیے وہ سیٹی خرید لائے۔ ان کا گھر شرفا کے محلے میں تھا، جہاں ہر شخص اس خاتون کی عزت کرتا تھا اور اسے دیکھ کر نظریں جھکا لیتا تھا، اس لیے بیوی نے اعتراض کیا کہ اسے سیٹی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اگلے روز شوہر گھر پر تھا۔ بیوی سودا لینے نکلی تو اس نے یوں ہی سیٹی کو پرس میں رکھ لیا۔ چند منٹوں کے بعد وہ ہانپتی ہوئی لوٹی اور سیٹی پرس سے نکال پھینکی۔

شوہر نے وجہ پوچھی تو اس نے روہانسی ہو کر بتایا۔ "گلی کے موڑ تک پہنچتے ہوئے یہ سیٹی کوئی دس بار بجی ہو گی۔ آس پاس کوئی اجنبی بھی نہ تھا۔ سارے محلے کے بھائی، ماموں، چچا اور خالو وغیرہ تھے۔"

❁

"آج میں نے کرٹ اور ڈونگو کو بھی شکار پر بلایا ہے۔" ٹالبوٹ نے بوٹ لینڈنگ پر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"تم سمیت چار آدمیوں کا وزن تو شاید اس کشتی کے لیے زیادہ ہو جائے۔" کارسن قدرے تشویش سے بولا۔ "میں تو آج اپنا سفری تھیلا بھی لے آیا ہوں۔ یہ بھی خاصا وزنی ہے۔ میں نے سوچا تھا آج شاید سارا دن ہی کشتی پر گزارنا پڑے۔"

"آج ہمارا مچھلی کے شکار کا آخری دن ہو گا۔" ٹالبوٹ کشتی پر قدم رکھتے ہوئے بولا۔ اس کے وزن سے کشتی ایک طرف کو کچھ زیادہ ہی جھک گئی۔ ٹالبوٹ نے جلدی سے کشتی کے وسط میں ہو کر اسے متوازن کیا پھر سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ "دریا چڑھنا شروع ہو گیا ہے۔ پہاڑوں کی طرف بارشیں ہو رہی ہیں اور ادھر سے پانی کا بہاؤ بڑھ گیا ہے۔ اس کے

ساتھ ہی مٹی بھی زیادہ آنے لگی ہے۔ آج رات تک میرے خیال میں دریا میں کافی طغیانی آجائے گی اور یہ گدلا بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد مچھلی کے شکار کا کوئی لطف نہیں رہے گا۔"

کارسن نے تائید میں سر ہلایا اور کشتی کے رسّے کھولنے لگا۔

"ٹھہر جاؤ"، ٹالبوٹ نے حکم دیا۔ "میں نے بتایا ہے کہ آج میں نے کرٹ اور ڈنگو کو بھی بُلایا ہوا ہے۔ وہ بھی مچھلی کے بہت اچھے شکاری ہیں، آتے ہی ہوں گے۔ آج ہی تو صحیح معنوں میں مقابلہ ہوگا۔" وہ کشتی کے پچھلے حصّے میں، خاص طور پر اپنے لیے تیار کی گئی مضبوط اور کشادہ سیٹ پر جا بیٹھا۔

کارسن اس دوران رسّا بالکل ڈھیلا کر چکا تھا۔ وہ بے پروائی سے سیدھا کھڑا ہو کر گاؤں کی طرف سے آنے والے کچّے راستے پر نظر دوڑانے لگا گویا کرٹ اور ڈنگو کو تلاش کر رہا ہو، لیکن کن انکھیوں سے وہ یہ بھی جائزہ لے رہا تھا کہ پانی اپنے بہاؤ کے ساتھ کشتی کو دھیرے دھیرے کنارے سے دور لے جانے لگا تھا۔ آج ویسے ہی دریا میں تندی تھی۔

پھر کارسن مڑا اور اپنے سفری تھیلے پر جھکتے ہوئے سرسری سے لہجے میں بولا "اب تک انھیں آجانا چاہیے تھا۔ اس وقت ہم شکار کے پہلے ٹھکانے پر پہنچ جاتے تو اچھا تھا۔" اُس نے تھیلا اٹھا کر ایک طرف کو پٹخا۔ اس میں موجود خوراک کے سربند ڈبوں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی آوازیں اُبھریں۔ تھیلے میں اور بھی بہت سامان تھا۔ اس کے وزن کی وجہ سے کشتی کو جھٹکا سا لگا اور وہ رسّے کی برائے نام بندش سے بھی آزاد ہو کر پانی کے بہاؤ پر آگئی۔ کارسن دل ہی دل میں ایک ایک سیکنڈ گن رہا تھا۔

ٹالبوٹ اس وقت سر جھکائے اپنی بنسی اور ڈور ٹھیک کر رہا تھا۔ اس کی کیلے جیسی موٹی موٹی انگلیاں دھیرے دھیرے حرکت کر رہی تھیں۔ اچانک اُس نے سر اٹھایا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر چلّا اٹھا "ارے۔۔۔ کشتی دریا میں جا رہی ہے۔۔۔ جلدی سے رسّا پکڑو۔۔۔" روانی میں وہ کئی موٹی موٹی گالیاں بھی دے گیا۔ اُسی لمحے کارسن نے کچّے راستے پر بہت دُور، صبح کی دُھندلی روشنی میں دو ہیولے نمودار ہوتے دیکھے۔ زیادہ فاصلے کی وجہ سے وہ ابھی چھوٹے نظر آرہے تھے۔

"تم بے فکر رہو۔۔۔ میں ابھی رسّا پکڑ کر اسے باندھتا ہوں"، کارسن نے مڑ کر ٹالبوٹ کو تسلّی دی اور جھک کر بظاہر رسّے کا سرا پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے ہاتھ نہ آیا۔ اور اس کوشش میں درحقیقت اس نے کشتی کو ایک اور جھکولا دے دیا جو اُسے رسّے کی رسائی سے اور دور لے گیا اور کشتی پھر بے ہوئے دریا کی روانی کے ساتھ بہنے لگی۔

"کرٹ۔۔۔! ڈنگو۔۔۔! جلدی بھاگو۔۔۔ جلدی"، ٹالبوٹ چلّایا۔

وہ دونوں دوڑتے دوڑتے کنارے پر آئے اور کرٹ نے ریوالور نکال کر فائر کرنا چاہا لیکن اُس وقت تک کارسن اپنے سفری تھیلے سے ریوالور نکال چکا تھا۔ اُس نے بروقت فائر کیا اور کرٹ گولی چلائے بغیر ریت پر لڑھک گیا۔

ڈنگو نے بے بسی سے ہاتھ ہلا کر دُور سے اپنے آقا کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس کے پاس ریوالور نہیں ہے اور یہ درست ہی تھا۔ ساری وادی جانتی تھی کہ وہ ایک ماہر خنجر زن تھا۔ ریوالور استعمال کرنے کا زیادہ عادی نہیں تھا۔

کارسن ریوالور ہاتھ میں دبائے ٹالبوٹ کی طرف مُڑا جس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

"غصّے میں اُٹھ کر مجھ پر جھپٹنے کا خیال بھی دل میں مت لانا"، کارسن بولا۔ "اگر میں نے تمھیں شوٹ نہ کیا تب بھی تمھارے بے ہنگم وجود کی غلط سلط حرکات سے کشتی اُلٹ جائے گی۔ میں تو پھر بھی تیرتا ہوا کہیں نہ کہیں پہنچ جاؤں گا لیکن تمھارا کسی بھاری پتھر کی طرح ڈوب جانا یقینی ہوگا۔ تمھاری عافیت اسی میں ہے کہ آرام سے اپنی جگہ بیٹھے رہو ویسے بھی تمھیں آرام بہت عزیز ہے نا۔"

ٹالبوٹ کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ کارسن مسکراتے ہوئے بولا "تم لوگ شاید بھول گئے تھے کہ یہ دریا آسٹن سے بھی گزرتا ہے۔ مجھے صرف اس کے طغیانی پر آنے کا انتظار تھا۔ میری تدبیر کی کامیابی کا انحصار صرف صبح وقت کے تعین پر تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے ٹھکانے لگانے کے لیے آج کے دن تک انتظار کر لیا آج کا دن ہی تمھیں کشتی میں ڈال کر لے جانے کے لیے موزوں تھا۔ اب بغیر چپّو چلائے، دریا ہمیں بہاتا ہوا لے جائے گا۔ درحقیقت میں تمھیں خشکی کے راستے لے جانے کا تو خیال ہی دل میں لے کر نہیں آیا تھا۔"

ٹالبوٹ دَم بخود بیٹھا تھا اور بپھرے ہوئے دریا کے سینے پر کشتی ہچکولے کھاتی تیزی سے رواں تھی۔

TOOBIG FOR THE RANGERS
Will C. Brown.

ٹام فریڈی کی عمر انتیس سال تھی اور وہ سات سال سے محکمۂ پولیس میں تھا۔ اپنے تمام عرصۂ ملازمت میں وہ گشت پر ہی مامور رہا تھا اور اس کا شمار بہترین پولیس والوں میں کیا جا سکتا تھا۔ اس کا ریکارڈ اس کی فرض شناسی، مستعدی، دیانت داری اور بے خوفی کا گواہ تھا۔

ایک پولیس مین کا احوال، وہ اپنا پیشہ ورانہ اعتماد کھو بیٹھا تھا

ہر انسان اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں نت نئے تجربات سے دوچار ہوتا ہے اور یہی تجربات منزل کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے معاون و مددگار بنتے ہیں لیکن کبھی کبھی کوئی انتہائی تلخ تجربہ ایک مستقل روگ بن کر ذہن سے اس طرح چمٹ جاتا ہے کہ پھر اس سے نجات حاصل کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔

فیصلے کا لمحہ

نجم مودی

وہ ایک قدآور اور مضبوط آدمی تھا جس کی سرمئی آنکھوں میں اگر کسی کھیلتے ہوئے بچے کو دیکھ کر شفقت اور ملائمت جھلک آتی تھی تو دوسرے ہی لمحے وہ نہایت سختی اور بے خوفی سے شہر کے بڑے سے بڑے بدمعاش کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا تھا۔ لیکن پچھلے دنوں اس کے مضبوط وجود کی عمارت ریزہ



ریزہ ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ وہ کئی ماہ اسپتال میں گزار کر آیا تھا۔ مندمل زخموں کے گلابی، بدنما نشان اب بھی اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

وہ اس وقت پولیس کمشنر کے سامنے بیٹھا تھا۔ اسپتال سے آنے کے بعد آج رات اُسے پہلی بار ڈیوٹی پر جانا تھا۔ اُسے یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ گشت کے لیے جس علاقے کا چاہے انتخاب کر لے۔ اسی سلسلے میں اس کی مرضی معلوم کرنے کے لیے پولیس کمشنر نے اُسے طلب کیا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ اگر وہ واقعہ پیش نہ آیا ہوتا جس کے باعث ٹام فریڈی کو کئی ماہ اسپتال میں رہنا پڑا تھا تو شاید پچھلے دنوں اس کا تبادلہ شعبۂ قتل میں ہو چکا ہوتا جہاں اسے گشت سے چھٹکارا مل جاتا، یونیفارم کے بجائے اپنی مرضی کا لباس پہننے کی آزادی ہوتی، وہ سادہ لباس والا سراغرساں کہلاتا۔ تنخواہ بڑھ جاتی اور مشقت گھٹ جاتی۔

لیکن اب جبکہ وہ کئی دن موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار رہنے، اور کئی ماہ اسپتال میں گزارنے کے بعد واپس آیا تھا تو پولیس کمشنر اندر ہی اندر یہ فیصلہ کرنے میں متذبذب ہو چکا تھا کہ اسے کب ترقی دے کر شعبۂ قتل میں بھیجا جا سکے گا۔

اس کا ریکارڈ چیک کرنے کے لیے پولیس کمشنر کو اس کی فائل دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سارا ریکارڈ اس کے ذہن میں موجود تھا۔ پولیس کمشنر کے دورِ ملازمت کی سب سے بڑی خصوصیت یہی رہی تھی کہ اپنے سیکڑوں ماتحتوں کی تمام اچھائیوں اور برائیوں سے وہ اسی طرح آگاہ رہا تھا جس طرح کسی خاندان کا سربراہ اپنے اہلِ خاندان کی ہر خوبی اور خامی سے واقف ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک کو پیشہ ورانہ سطح پر بھی بہت اچھی طرح جانتا تھا اور انسانی سطح پر بھی۔ دیگر ان گنت ماتحتوں کے بارے میں بھی وہ کم از کم بنیادی معلومات ضرور رکھتا تھا۔

ٹام فریڈی کے ریکارڈ میں تین اہم کارناموں کی تفصیل موجود تھی۔ ایک بار وہ ایک نو منزلہ عمارت کے چھجے پر پہنچا تھا، جہاں ایک نفسیاتی مریض خودکشی کا ارادہ کیے کھڑا تھا۔ ٹام نہایت عمدہ حکمتِ عملی کے ساتھ اسے دلیر کر نیچے پھیلائے گئے جال پر گرا تھا۔ اس اثنا میں ایک انسانی جان بچانے کے بعد اسی رات ٹام اپنے گشت پر بھی موجود تھا۔

ایک اور کیس کے سلسلے میں تو اس کی تصویریں اخبار میں بھی چھپی تھیں۔ اس نے ایک بدنام زمانہ نقب زن جیک کوئنڈن کا اس طرح تعاقب کیا تھا کہ اُسے علم ہی نہیں ہو سکا تھا، اور وہ اس وقت واردات کرنے نکلا ہوا تھا۔ ٹام اس کے پیچھے پیچھے عین موقع واردات پر پہنچ گیا تھا اور اس نے اس وقت جیک کو پکڑا تھا جب وہ ڈرل مشین سے ایک تجوری کے تالے میں سوراخ کر چکا تھا۔ جیک اپنے پکڑے جانے پر اس قدر حیران پریشان تھا کہ اس نے اسے اپنے پیشے کے لیے باعثِ شرم سمجھتے ہوئے پچھلی چودہ وارداتوں کا بھی اعتراف کر لیا اور لمبے عرصے کے لیے جیل چلا گیا۔

تیسرا کیس برک کا تھا۔ برک ایک پیشہ ور قاتل تھا اور بہت ہی اونچے قسم کے بدمعاشوں کے لیے کام کرتا تھا۔ ٹام عین اس وقت اس کے سامنے کودا تھا جب وہ ایک شخص کو گولی مارنے والا تھا۔ وہ ایک انتہائی مشاق اور پھرتیلا نشانے باز تھا لیکن اس کی مشاقی اور پھرتی اس کے کام نہ آسکی اور وہ ٹام کی گولی کا نشانہ بن گیا۔

پولیس کمشنر کو یہ سب باتیں اچھی طرح یاد تھیں، تاہم آج جب اس نے ٹام فریڈی کو طلب کیا تھا تو بات اس کے بیوی بچوں کی خیر و عافیت سے شروع کی تھی۔ ٹام کی بیوی کا نام جولی اور بچوں کے نام جمی اور میریلا تھے۔ پولیس کمشنر انھیں بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

رسمی باتیں ختم ہو چکیں تو چند لمحے کے بوجھل اور صبر آزما سکوت کے بعد بالآخر پولیس کمشنر کو اصل موضوع پر آنا پڑا۔ "اچھا ... تو پھر کس علاقے میں ڈیوٹی دینے کا ارادہ ہے؟"

"وہی ٹرسویں گلی اور اس سے ملحقہ علاقہ سر۔" ٹام نے فیصلہ کُن لہجے میں جواب دیا۔ لیکن یہ جواب دیتے وقت اس کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو چکی تھی۔ اسپتال جانے سے پہلے ٹام اسی علاقے میں ڈیوٹی پر تھا اور وہیں وہ واقعہ پیش آیا تھا جس نے اُسے موت کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے پھر کمرے میں سکوت چھا گیا۔ بالآخر کمشنر نے نپے تُلے سے لہجے میں پوچھا۔ "تم خوفزدہ تو نہیں ہو؟"

ٹام نے پولیس کمشنر کی طرف دیکھتے دیکھتے ایک لمحے کے لیے نظر چُرا لی لیکن حتی الامکان مضبوط لہجے میں جواب دینے کی کوشش کی۔ "نہیں سر!" یہ اس کی پیشہ ورانہ زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی حقیقت کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا تھا۔ اور اسے صحیح طور پر معلوم بھی نہیں تھا کہ اس نے یہ جھوٹ کیوں بولا تھا۔

بوجھل سکوت کے مزید چند لمحے گزرے۔ بالآخر پولیس کمشنر نے قدرے تھکن اور مایوسی کے ساتھ کہا۔ "ٹھیک ہے ... تو پھر ٹرسویں گلی اور اس سے ملحقہ علاقہ ہی سہی۔"

پیٹرول میں ٹام فریڈی کے جانے کے بعد پولیس کمشنر اپنی آرام دہ کرسی میں سمٹ سا گیا۔ اس کے چہرے سے تھکن سی جھلکنے لگی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ٹام فریڈی اندر سے خوفزدہ تھا۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو ضرور خوف زدہ ہوتا۔ لیکن وہ خود اپنی

ذات کے سامنے بھی اپنے خوف کا اعتراف کرنے سے گریزاں تھا۔ اور پولیس کمشنر اس کی فرمائش پر اسے دوبارہ اسی علاقے میں بھیجنا ہی بہتر سمجھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں یہ ایک آزمائشی موڑ تھا۔ اگر ٹام اس آزمائشی موڑ سے کترا کر گزر جاتا تو شاید پولیس کا محکمہ ایک بہترین پولیس والے سے محروم ہو جاتا۔ وہ پولیس والا جو ہر پولیس والے کے اندر چھپا ہوتا ہے۔

بالآخر پولیس کمشنر نے گھنٹی بجا کر اپنے ڈرائیور کو طلب کیا اور حکم دیا۔ "گاڑی نکالو... ہم سیر کو جا رہے ہیں۔"

ڈرائیور 'سیر' کا مطلب بخوبی سمجھتا تھا۔ پولیس کمشنر اپنے محکمے کی کارکردگی کا جائزہ لینے کسی بھی وقت، سادہ لباس اور بغیر نشان والی کار میں کسی بھی جگہ کے دورے پر نکل جاتا تھا۔ محکمے کے لوگ ان دوروں سے بڑے خوف زدہ رہتے تھے۔ پولیس کمشنر انہی دوروں کو 'سیر' کا نام دیتا تھا۔

دوسری طرف ٹام فریڈی زیرِ زمین ٹرین کے ذریعے انیسویں گلی اور اس سے ملحقہ علاقے کے پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ جرائم کے اعتبار سے وہ علاقہ سرِفہرست تھا۔ نچلا طبقہ، پکلے مسلے اور جھنجلائے ہوئے لوگ، نکمے آوارہ اور خطرناک بدمعاش لوگ، اذیت پسند اور سفاک ترین مجرم سب رحم بدمعاش نوجوانوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ... یہ سب اسی علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہاں گشت پر رہنا پولیس کے محکمے میں مشکل ترین اور نہایت صبر آزما کام سمجھا جاتا تھا جس کے دوران جان ہتھیلی پر رہتی تھی۔

باوردی ٹام فریڈی کے سامنے والی لمبی سیٹ پر ایک عمر رسیدہ شخص بیٹھا ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹام کو یوں لگا جیسے بوڑھے کی آنکھوں میں اس کے لیے جذبۂ ترحم جھلک رہا ہو۔ ٹام نے اس طرف سے نظر ہٹا لی۔ پھر ایک گھریلو سی عورت کے چہرے پر اس کی نظر پڑی۔ اس کے چہرے پر ٹام کو اپنے لیے طنز کا سا تاثر نظر آیا۔ ٹام نے اس کے چہرے سے بھی نظر پھیر لی۔ اسی دوران وہ کسی کی ہنسی سن کر اس طرف متوجہ ہوا۔ وہ تیرہ چودہ سال کی لڑکی تھی جس نے ٹام سے نظر ملتے ہی منہ پھیر لیا۔ ٹام کو یوں لگا جیسے وہ اسی کی طرف دیکھ کر ہنسی تھی۔ تب اس نے فرش پر نظر جمانے میں عافیت سمجھی۔

اپنے سامنے خاصی نقل و حرکت محسوس کرتے ہوئے اس نے دوبارہ سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ چھ لڑکوں کی ٹولی تھی اور وہ سب کے سب اس کے عین مقابل براجمان ہو رہے تھے۔ سیاہ بالوں والا ایک لڑکا ان کا لیڈر معلوم ہوتا تھا جس کی مسیں بھیگ رہی تھیں۔ اس کی جیکٹ بھی اس کے بالوں کی طرح سیاہ تھی۔ ٹام اس کی بیلٹ کی جھلک بھی دیکھ سکتا تھا جس کا بکل خاصا بھاری اور بے حد خطرناک تھا۔ ٹام کو معلوم تھا کہ یہ بیلٹس ہتھیاروں کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ سب کے پیروں میں فوجی قسم کے بوٹ تھے جنہیں نوعمر بدمعاشوں کی یہ ٹولیاں 'کِکنے' والے بوٹ کہتی تھیں۔ جن پر بھی وہ نامہربان ہوتے تھے، ان بوٹوں سے حقیقتاً انہیں کِکنے کی کوشش کرتے تھے۔

خوف کی لہر جسے ٹام اب تک دبائے ہوئے تھا، اس کے معدے سے ٹیس کی طرح اٹھی اور تیز حرارت کی طرح رگ و پے میں پھیل گئی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہونے لگیں۔ وہ بلاشبہ نوعمر بدمعاشوں کی ٹولی تھی۔ ٹام کو معلوم تھا کہ ان کے پاس کھٹکے دار چاقو بھی ہوں گے اور آہنی پنجے بھی۔ ناخنوں کے ساتھ وہ لوگ پائپ یا سلاخوں کے ٹکڑے بھی باندھ کر رکھتے تھے۔ بطور ہتھیار استعمال کرنے کے لیے زنجیریں بھی ان کے پاس ہوتی تھیں۔ اس قبیل کے نوعمر بدمعاش ہمیشہ پانچ چھ مل کر اکیلے دکیلے شکار پر حملہ آور ہوتے تھے۔

وہ سب ایک ٹک اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ ٹام نے زندگی میں کبھی خوف محسوس نہیں کیا تھا۔ لیکن چند ماہ پہلے کی اس رات نے کتنا فرق پیدا کر دیا تھا۔ اس رات سے پہلے ٹام نے وردی میں اپنے آپ کو ہمیشہ بے حد محفوظ محسوس کیا تھا۔ اسے تربیت کے دوران بھی یہی احساس دلایا گیا تھا اور اس کا تجربہ بھی یہی تھا کہ اس کی وردی اس بات کی علامت تھی کہ معاشرہ اس کے ساتھ ہے۔ مجرموں کے ساتھ نہیں... اور یہ احساس تنہا پولیس مین کی قوت کو بھی کئی گنا بڑھا دیتا تھا۔ لیکن 'اُس' رات نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔

چھ کے چھ نوعمر بدمعاش ایک ٹک اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ ان کے چہرے بظاہر تاثرات سے عاری تھے، لیکن یہ بھی درحقیقت ایک تاثر تھا جس کی مشق اس قسم کے بدمعاش تہ خانوں کے آئینوں کے سامنے کھڑے ہو کر گھنٹوں کیا کرتے تھے۔ بظاہر بدمعاشوں کے چہرے ہر تاثر سے عاری رہتے تھے، لیکن درحقیقت یہ تاثر اس شخص کو تاؤ دلانے کے لیے ہوتا تھا جو ان کا مرکزِ نگاہ ہوتا تھا۔ جو تاؤ کھانے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا تھا۔ اسے یہ تاثر، یہ نظریں خوف زدہ کر دیتی تھیں۔ اور آج ٹام فریڈی بھی خوفزدہ تھا جو کبھی سب سے زیادہ بے خوف اور سب سے زیادہ سخت جان پولیس والا تھا اور ایسے ہی پولیس مین کا بیٹا تھا۔

ایک اسٹیشن پر ایک شخص ٹام اور ان نوعمر بدمعاشوں کے درمیان آ کر چھت میں لگا ہوا ڈنڈا پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ نوعمر بدمعاشوں کا لیڈر بڑے بارعب انداز میں اُٹھ کر آگے بڑھا اور اس نے اس شخص کو ایک طرف دھکیل دیا۔ اس شخص نے مڑ کر ٹام کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں احتجاج بھی تھا اور مدد کی طلب بھی۔ لیکن

یہ دیکھ کر اُسے یقیناً مایوسی ہوئی کہ باوردی پولیس مین نے اس سے نظر چرا لی۔ مدد تو درکنار اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تشفی بھی نہ دی۔

بدمعاش بدستور ایک ٹک ٹام کی طرف دیکھتے رہے۔ ان کی سپاٹ نظروں میں ایک خاموش پیغام تھا۔ اگر ہمت ہے تو ہم پر ہاتھ ڈال کر دیکھ۔ تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ ہماری نظر میں انسانی زندگی کی کیا اہمیت ہے۔

ٹام اس پیغام کو سمجھ رہا تھا اور اسے اپنی زندگی عزیز تھی۔ اسپتال میں کئی ماہ اس نے زندگی اور موت کی جنگ لڑی تھی اور اب جبکہ وہ جیت چکا تھا تو زندگی سے چمٹے رہنا چاہتا تھا۔ زندگی کی اسے خود اپنے لیے ہی نہیں، اپنی بیوی اور دو بچوں کے لیے بھی اشد ضرورت تھی۔ اس کے بچے ابھی چھوٹے تھے اور اس کی بیوی کا مکمل انحصار اسی پر تھا۔

کمپارٹمنٹ کی اس سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس کا ذہن اس رات کی ہولناکی میں الجھ گیا جو اس کی زندگی کا ناقابلِ فراموش ڈراؤنا خواب بن کر رہ گئی تھی۔ اس رات وہ انیسویں گلی ہی کی ایک اور ملحقہ گلی، مکرشیل اسٹریٹ میں گشت پر تھا جب اس نے اپنے عقب میں ایک کار رُکنے اور دروازے کھلنے کی آواز سُنی۔

وہ مُڑا لیکن کار سے اترنے والوں کو دیکھ نہیں سکا، کیونکہ اُسی لمحے کسی نے اس کے چہرے پر عقب سے جیکٹ پھینک کر اس کا چہرہ گردن تک سختی سے ڈھانپ دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی کئی آدمی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ٹام کے اندازے کے مطابق وہ تعداد میں کم از کم چھ تھے۔ اُسے اپنا ریوالور نکالنے کا موقع نہیں ملا۔ ریوالور نکال کر بھی اس قسم کی یلغار کو نہیں روکا جا سکتا تھا۔

اس نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے پہلے ہی ہلّے میں اس کے بازو اور ٹانگیں قابو میں کر لی تھیں۔ اوپر سے اس کی آنکھیں بھی ڈھانپی جا چکی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ لوگ صرف ہاتھ پاؤں ہی استعمال نہیں کر رہے تھے، ان کے پاس سلاخیں، زنجیریں، خطرناک بکل والی بیلٹیں سبھی کچھ تھا۔ انھوں نے ٹام کو ایک دیوانہ وار درد کی ناقابلِ برداشت لہروں کے درمیان اس کا جسم گویا ہتھوڑوں سے کچلا جا رہا تھا، کُند چھریوں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا تھا۔ بالآخر انھوں نے اُسے چھوڑا تو وہ مُنہ کے بل سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ تب وہ اپنے خوفناک بوٹوں کے ساتھ اس پر چڑھ کر کودنے لگے۔ اس کی پسلیوں میں ٹھوکریں مارنے لگے۔ بے ہوش ہونے سے پہلے ٹام نے ان کی غراہٹیں اور ایک قہقہہ سُنا تھا۔ ان آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس عمل سے کس قدر لذت حاصل کر رہے تھے۔ کتنے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس کے بعد ٹام کچھ سُننے کچھ محسوس کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

بہت بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ علاقے کے پادری فادر فلیمنگ نے سب سے پہلے اسے دیکھا تھا اور مردہ سمجھ کر وہیں فٹ پاتھ کے قریب اس کے سرہانے کھڑے ہو کر وہ تمام دعائیں پڑھ ڈالی تھیں جو جنازے پر پڑھی جاتی تھیں۔

اسپتال میں بھی چار دن تک تو اُسے ہوش نہیں آیا... ہوش میں آنے کے بعد بھی دو دن تک اُسے چیزیں دُھندلی دُھندلی ہی دکھائی دیتی رہیں حتیٰ کہ جولی کا چہرہ بھی... پھر وہ تین ماہ سے زائد اسپتال میں رہا۔ کتنے ہی اس کے آپریشن ہوئے اور جسم کے کتنے ہی حصّوں پر پلستر چڑھا رہا۔ گھر آنے کے بعد بھی کافی دنوں تک وہ صاحبِ فراش رہا اور راتوں کو ڈراؤنے خوابوں نے اس کی نیند حرام کیے رکھی۔

وہ جب دوبارہ چلنے پھرنے اور معمولاتِ زندگی انجام دینے کے قابل ہوا تو ڈاکٹر نے اُسے بتایا کہ باقی زندگی ہر موسمِ سرما اور برسات کے دنوں میں اس کی چوٹیں، اس کے جسم کی شکست و ریخت جس کا بظاہر علاج ہو چکا تھا، اُسے تکلیف دیا کرے گی۔ دبے ہوئے درد اُبھر آیا کریں گے۔ ڈاکٹر کو نہیں معلوم تھا کہ تنہائی میں اکثر ٹام کو اس بھیانک قہقہے کی بازگشت بھی سنائی دیتی تھی جو اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے سنا تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے غیر ارادی طور پر سر اٹھایا۔ بدمعاش بدستور اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں انھوں نے جیسے ایک دوسرے سے پوچھا۔ کیا یہ پولیس والا نرم دل ہے؟ آنکھوں ہی آنکھوں میں انھوں نے گویا ایک دوسرے کو مشورہ دیا۔ آزما کر دیکھنا چاہیے۔

پھر نہایت ڈرامائی سے انداز میں وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ٹام کی طرف بڑھے۔ ٹام کے اعصاب تن گئے۔ اُس نے اپنے آپ کو بالکل تیار محسوس کیا لیکن وہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ وہ مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا یا راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے؟ یہ بدمعاش درندوں کی طرح خوف کی بُو سونگھ لیتے تھے۔ انھیں معلوم ہو جاتا تھا کہ کب ان کا شکار خوف زدہ ہو چکا ہے۔

وہ اس کے قریب آئے اور چھت کے ڈنڈے میں لٹکے ہوئے حلقوں میں ایک ایک ہاتھ پھنسا کر ڈھیلے ڈھالے انداز میں گویا اس کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ ظاہر ہے یہ کوئی جرم نہیں تھا۔ اب وہ زیادہ قریب سے، زیادہ توہین آمیز انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ یہ ان کا مخصوص طریقِ واردات تھا... وہ انسان کی قوتِ برداشت سے کھیلتے تھے۔ کیا یہ وہی تھے جنھوں نے اس رات اُسے انتہائی اذیت ناک انداز میں ہلاک کرنے کی کوشش

ہی تھی؟ کاش اُس رات اس کے جسم پر جیکٹ نہ پھینکی گئی ہوتی۔ لیکن اگر ایسے معلوم بھی ہو جاتا کہ یہ اسی رات والے بدمعاش تھے تو کیا وہ انھیں گرفتار کر سکتا تھا؟ کیا وہ انھیں قابو میں کر کے پولیس اسٹیشن تک لے جا سکتا تھا؟ اپنے دل کی غیر معمولی دھڑکنوں میں اسے اس سوال کا کوئی جواب نہ ملا۔

وہ بار بار اس پریوں گرنے کی کوشش کرتے جیسے ٹرین کی حرکت سے ان کا توازن خراب ہو رہا ہو۔ ٹام کو گھورنے کا مشغلہ انھوں نے اب بھی ترک نہیں کیا تھا۔

خدا خدا کر کے ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی اور وہ سب دروازے کی طرف بڑھے۔ ٹام نے سکون کا سانس لیا۔ اس کا تنا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ دروازے پر رک کر انھوں نے مڑ کر ٹام کی طرف دیکھا، اور ہم آہنگ ہو کر قہقہہ لگایا۔ کیا اس میں وہ قہقہہ بھی شامل تھا جو اس نے اس رات سُنا تھا...؟ اس سوال کا جواب بھی اُسے بے یقینی ہی کی صورت میں ملا۔ وہ بدمعاش ٹرین سے اتر چکے تھے اور پلیٹ فارم پر ایک دوسرے کی کمر پر ہاتھ مارتے، قہقہے لگاتے اور جھومنے کے سے انداز میں اِدھر اُدھر لہراتے جا رہے تھے۔ کمپارٹمنٹ کا خودکار دروازہ بند ہو چکا تھا۔ چند لمحے بعد ٹرین دوبارہ تاریک سرنگ میں داخل ہو گئی۔

دو اسٹاپ مزید گزرے تو وہ اپنے مطلوبہ اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ وہ اپنی آمد کی رپورٹ کرنے متعلقہ پولیس اسٹیشن پہنچا تو سب نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ بیوی بچوں کی خیر و عافیت پوچھی گئی۔ مزاحیہ جملوں کے تبادلے ہوئے، حتیٰ کہ کیپٹن خود اپنے آفس سے نکل کر اس سے ملنے آیا... لیکن ماحول کی اس تمام تر گرمجوشی کے دوران بھی بارہا ٹام نے محسوس کیا کہ وقفے وقفے سے خاموش نظریں اس کا جائزہ لینے لگتی ہیں۔ اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تولا جا رہا ہے اور اس کے محسوسات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ چیزیں ٹام کی توقعات کے خلاف نہیں تھیں۔

بالآخر رسمی کارروائی ختم ہوئی اور وہ اپنے علاقے کے گشت پر نکل کھڑا ہوا۔ ٹریننگ کے دوران اس کے کوچ نے کہا تھا...

"خطرناک علاقوں کے شبینہ گشت پر نکلتے وقت سب ہی پولیس والے خوف محسوس کرتے ہیں لیکن اپنی تمام تر جرأت کو مجتمع رکھتے ہوئے راستے میں نظر آنے والی پہلی گڑبڑ پر قابو پا لیا جائے، پہلے مجرم کو عمدگی سے گرفتار کر لیا جائے تو پولیس پھر سارا خوف دُور ہو جاتا ہے۔ پولیس والے کی خود اعتمادی لوٹ آتی ہے۔"

وہ جانے پہچانے علاقے سے گزرتا رہا جہاں اسے پہچاننے والے بعض لوگوں نے اُسے خوش آمدید بھی کہا۔ بعض نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا اور بعض یوں منتظر سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے جیسے اس کے ساتھ پھر کچھ پیش آنے والا ہے۔

اس علاقے میں گھٹیا شراب خانوں کی بہتات تھی جہاں ہر قسم کی وہسکی سستے داموں ملتی تھی جس کے خمار میں ڈوب کر ہر عمر کے مرد اور عورتیں زندگی کی ناہمواریوں اور ناامیدی کو بھلانے کی کوشش کرتے تھے۔ عورتیں سُتے ہوئے سے چہرے لیے معمولی لباسوں میں عمارتوں کی سیڑھیوں پر بیٹھی رہتی تھیں۔ مفلوک الحال بچے اِدھر اُدھر کھیلتے پھرتے تھے۔ یہ بچے بھی خوشحال علاقوں کے بچوں کی طرح خوب صورت اور گل مٹول ہوتے تھے۔ مگر ان میں سے بیشتر بڑے ہو کر نوعمر بدمعاشوں کے گروہ تشکیل دیتے تھے... محض ہیجان خیزی کے لیے، زندگی میں سنسنی پیدا کرنے کے لیے، وقتی تفریح کے طور پر یا پھر تھوڑی سی رقم حاصل کرنے کے لیے پولیس والوں اور راہ گیروں کو گلیوں میں مارتے تھے۔

چند لمحے بعد ٹام نے خود ہی محسوس کیا کہ اس کی چال میں کچھ تیزی تھی۔ گشت پر نکلنے والے پولیس مین اس رفتار سے نہیں چلتے تھے۔ اچکوں اور بدمعاشوں نے یقیناً یہ فرق محسوس کر لیا ہو گا۔ وہ بعد کوشش کچھ آہستہ چلنے لگا۔ دس بجے کے قریب اس نے ایک منشیات فروش کو رنگے ہاتھوں گرفتار کیا۔ وہ ایک نوعمر لڑکی کے ہاتھ کوکین فروخت کر رہا تھا۔ لیکن اس کامیاب گرفتاری کے بعد بھی اس کی خود اعتمادی بحال نہیں ہوئی۔ وہ اب بھی خوف زدہ تھا۔

گلیوں میں لائٹس کم تھیں۔ لائٹس آئے دن نصب کی جاتی تھیں مگر جرم پیشہ لوگ انھیں سلامت ہی نہیں رہنے دیتے تھے۔ زیادہ تر جگہیں اندھیرے میں ہی گشت کرنا پڑتا تھا۔ اِدھر اُدھر سیاہ سے اور سائے رینگتے نظر آتے تھے۔ ان میں سے نہ جانے کتنے پولیس والے پر جھپٹنے کی تاک میں ہوتے تھے۔ آج ٹام کو ان سایوں سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

تاہم وہ رات عافیت سے گزر گئی۔

اس کے بعد اس کی رات کے گشت کا پورا ہفتہ ہی خیریت سے گزر گیا لیکن اس کا اعصابی تناؤ بڑھتا گیا اور وزن گھٹتا گیا۔ شادی کے بعد اس نے کبھی گھر میں چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا لیکن اب ایسا بھی ہونے لگا تھا۔ اس ہفتے کے دوران سارجنٹ بھی گاڑی میں اس کے علاقے کے کچھ زیادہ ہی چکر لگاتا رہا تھا گویا اُسے بھی اندیشہ رہا ہو کہ ٹام اپنے فرائض صحیح طور پر انجام نہیں دے سکے گا۔

دوسرے ہفتے کے دوران بھی اس کے خوف، اس کے اعصابی تناؤ میں اضافہ ہی ہوا۔ خود اعتمادی کی کمی اور عدم تحفظ کے احساس نے بہت بڑا فرق پیدا کر دیا تھا جو کسی طرح دور ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

دو ہفتے بعد اس کی ڈیوٹی دن کی ہو گئی لیکن اس دوران

گویا علاقے میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ وہ اب پہلا سا ٹام فریڈی نہیں رہا ہے۔ وہ علاقہ جنگل سے کم نہیں تھا اور جنگل میں بات کے ایک سے دوسرے سرے تک پہنچنے کے اپنے ہی انداز ہوتے ہیں۔ جنگل کے اپنے ہی کچھ طریقے ہوتے ہیں جن سے وہ انسان کو آزماتا ہے۔ اس کے حوصلے، اس کی جرأت کو للکارتا ہے۔

ٹام نے ایک کتاب میں افریقہ میں تعینات کسی نوآبادیاتی افسر کا بیان پڑھا تھا۔ اس نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا۔ "اگر میں قبائلی علاقے میں دو مقامی پولیس والوں کی مدد سے امن و امان اور قانون کا احترام برقرار نہیں رکھ سکتا تو پھر اس مقصد کے لیے پوری فوج بھی ناکافی ہوگی۔"

ٹام کا اپنا تجربہ بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ اس کے خیال میں جرم اور لاقانونیت کی مثال سیلاب کی سی تھی، جو بظاہر تیزی سے بڑھتا نظر نہیں آتا لیکن اگر اس کے آگے بند نہ باندھا جائے یا بند میں کہیں دراڑ پڑ جائے تو پھر دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ ڈوب جاتا ہے۔

کم از کم ٹام کی اپنی ذات میں دراڑ ضرور پڑ چکی تھی۔

ایک رات تو اس نے مایوس ہو کر اپنا ریوالور اور بیج بھی گھر میں رکھ دیا اور جولی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے پولیس کی ملازمت چھوڑنی پڑے گی۔ اب سب کچھ بدل گیا ہے... زمانہ بھی بدل گیا ہے۔ میں بھی بدل گیا ہوں۔ پہلے ہم سمجھتے تھے کہ جب ہم اس نیلی وردی میں ہوتے ہیں تو ہمیں ایک بہت بڑی طاقت کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ قانون کی پشت پناہی۔ ہم سمجھتے تھے کہ معاشرہ ہمارے ساتھ ہے۔ مجرموں کے ساتھ نہیں۔ لیکن اب یوں لگتا ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی بھی نہیں۔ ہماری پشت پر کوئی بھی طاقت نہیں۔ مجرموں کے حوصلے بہت بڑھ چکے ہیں۔ وہ قانون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستے ہیں، مضحکہ اڑاتے ہیں۔ اور قانون کی بنیاد صرف احترام پر ہے۔ جب احترام ہی نہ رہا تو قانون کا باقی رہنا بہت مشکل ہے۔ پہلے ہم سمجھتے تھے کہ ہم تعداد میں کم ہیں لیکن مجرموں کے مقابلے میں بہت طاقتور ہیں لیکن اب کم از کم مجھے یہ احساس نہیں رہا۔ کسی کے ساتھ کسی وقت بھی، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں پولیس فورس کو خیرباد کہہ دوں گا۔ ایک آدمی کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

جولی نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ اندر ہی اندر خون کے آنسو پی کر رہ گئی۔ اسے اپنے شوہر کی زندگی عزیز تھی لیکن وہ اُسے زندگی بھر کے لیے ایک شکست خوردہ انسان کے روپ میں بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ بھی ایک پولیس والے کی بیٹی تھی۔

ٹام نے مزید صرف ایک ماہ ملازمت جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ اس ایک ماہ کے بعد وہ زندہ بھی ہوگا یا نہیں۔

اسی دوران پولیس کمشنر نے متعلقہ پولیس اسٹیشن کا دورہ کیا تو کیپٹن نے تخلیے میں اس سے درخواست کی۔ "سر! مجھے کوئی ایسا پٹرول مین دیجیے جس کے دل میں خوف نہ بیٹھا ہوا ہو۔ ٹام کو میں خود بھی پسند کرتا ہوں لیکن اس علاقے کو سنبھالنا بھی میری ذمہ داری ہے۔ ٹام کے علاقے میں وارداتوں میں تھوڑا سا اضافہ ہو چکا ہے... ذرا غفلت کی گئی تو سیلاب اُمڈ پڑے گا۔"

پولیس کمشنر ٹام جیسے پولیس والوں کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ موجودہ تنخواہوں پر پولیس فورس میں ایسے آدمی لانا دشوار تر ہوتا جا رہا تھا جو دیانت دار بھی ہوں، جسمانی طور پر مضبوط بھی ہوں، جان ہتھیلی پر رکھنے کے ہنر سے بھی آشنا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ذہنی اہلیت بڑھانے کے لیے بھی کوشاں رہتے ہوں۔ مثلاً ٹام نے شام کے کالج میں داخلہ لیا ہوا تھا اور قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ پولیس کمشنر نے تو یہی امید رکھی تھی کہ ٹام ایک روز کوئی پولیس اسٹیشن سنبھالے گا... اور مثالی انداز میں سنبھالے گا۔

موجودہ تنخواہوں پر پولیس فورس میں ایسے آدمیوں کا حصول اتنا دشوار ہو گیا تھا کہ پولیس کمشنر نے محکمے کی تاریخ میں پہلی بار ملازمت کی اہلیت کا معیار کم کر دیا تھا، شرائط نرم کر دی تھیں۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے پولیس کمشنر نے ملامت سے کہا۔ "اسے پندرہ دن اور دے دو۔"

ان دنوں دوبارہ ٹام کی رات کی ڈیوٹی شروع ہو چکی تھی اور اسے خود بھی کافی حد تک اندازہ ہو چکا تھا کہ محکمے میں اس کے بارے میں کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔ اس کی لاعلمی میں اسے جو پندرہ دن دیے گئے تھے، بالآخر ان میں سے بھی صرف تین دن باقی رہ گئے۔

اس رات وہ ڈیوٹی ختم کر کے زیرِ زمین ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا تھا۔ یونیفارم بھی اس نے پولیس اسٹیشن کے لاکر میں ہی رکھ دی تھی اور ہلکے پھلکے سادہ لباس میں تھا۔ پچھلے چند دنوں سے اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ یونیفارم پہن کر گھر جانے کا اہل نہیں رہا۔

فضا میں خاصا حبس اور گرمی تھی۔ رات کے اس پچھلے پہر میں وہ جیری کے بار میں ایک گلاس بیئر پینے کے لیے رک گیا... وہ پینے پلانے کا عادی نہیں تھا۔ شاذ و نادر ہی پیتا تھا۔ لیکن اس وقت پیاس سے اس کا گلا خشک ہوا جا رہا تھا... اور پھر جیری کا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت اچھا ہوتا تھا... دوستوں جیسا۔

بیئر کا پہلا گلاس ختم کر کے بھی اس کی درماندگی اور تھکن میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے ہیڈ کوارٹر تبادلے

کے احکامات جاری ہو چکے ہیں لیکن اس کا ہیڈکوارٹر جانے کا کوئی ارادہ نہیں رہا تھا۔ اس کے خیال میں اب اسے پولیس میں کسی کو کچھ کہنے کا کوئی حق نہیں رہا تھا، کیونکہ اب تو بدمعاش بھی کبھار سرِراہ اس پر پھبتیاں بھی کسنے لگے تھے۔ مگر اس طرح کہ قانون کی رُو سے ان پر گرفت نہ کی جا سکتی ہو۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے وہ دل شکستگی کے عالم میں بیئر کا دوسرا گلاس بھی پی گیا اور تیسرے کا آرڈر دینے والا تھا جب وہی چھ لڑکے دروازے کو ٹھوکر مار کر نیم وحشیانہ سے انداز میں بار میں داخل ہوئے جنھیں ٹام ایک بار ٹرین پر دیکھ چکا تھا۔

وہ سیدھے کاؤنٹر پر آئے۔ لیڈر سب سے آگے تھا۔ ایک جھٹکے سے اسٹول کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ جیری سے مخاطب ہوا۔ "بڑے میاں! سب کے لیے ڈرنکس تیار کرو... اور کھانے کے لیے کچھ سینڈوچ وغیرہ ہیں؟"

بار میں پیشگی ادائیگی کر کے کھانے پینے کی چیزیں لی جاتی تھیں۔ جیری نے انھیں قیمتیں بتائیں تو لیڈر نے سفاکانہ سے انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "آج تو ساری خاطر مدارت تم اپنی طرف سے کرو گے بڑے میاں! ہماری جیبیں تو بالکل خالی ہیں۔"

اس نے جیکٹ کھول کر بظاہر تو اپنی جیبیں دکھانے کی کوشش کی لیکن جیری کے تاثرات بدلتے دیکھ کر ٹام نے بھی اس طرف دیکھا اور وجہ سمجھ گیا۔ لیڈر نے دراصل اپنی اندر کی جیب میں موجود ریوالور کا دستہ دکھانے کی کوشش کی تھی۔

لیڈر کی نظر ٹام سے ملی اور اس نے بے مقصد سا سفاکانہ سا قہقہہ لگایا۔ اور اس لمحے ٹام کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ قہقہہ تھا جو اس نے اس بھیانک رات بے ہوش ہونے سے قبل سُنا تھا۔

جیری نے مدد طلب نظروں سے ٹام کی طرف دیکھا لیکن ٹام نے اس سے نظر چُرا لی کیونکہ اس بھیانک رات کی اذیتیں اسے یاد آ گئی تھیں۔ وہ اُٹھ کر دروازے کی طرف چل دیا۔ لیکن ایک بدمعاش اُٹھ کر اس سے پہلے ہی دروازے پر جا پہنچا اور اس نے جلدی سے دروازہ مقفل کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ اس نوعمر بدمعاش کی گردن مروڑ کر دروازہ کھول کر نکل جائے، لیکن وہ محض مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

وہ لڑکا بظاہر تاثر سے عاری چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ استہزائیہ انداز میں چلایا۔ "اوہ... بزرگوار... ہم تو پہلے بھی مل چکے ہیں۔"

ٹام نے مڑ کر لیڈر کی طرف دیکھا۔ وہ ریوالور نکال چکا تھا اور جیری نے وہسکی کی بوتل اسے تھما دی تھی۔ اس نے ایک دو گھونٹ لے کر بوتل اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھا دی۔ اس کی آنکھیں ذہنی طور پر بیمار آدمی کی آنکھیں تھیں اور وہ اس رات یقیناً پہلے بھی کوئی نشہ آور چیز استعمال کر چکا تھا۔ بار میں اس وقت بارہ چودہ گاہک اور بھی موجود تھے لیکن وہ سب جیسے اپنی جگہ بُت بن گئے تھے۔ لیڈر نے ایک بار پھر بے مقصد سے انداز میں قہقہہ لگایا۔ ٹام نے اپنے ہاتھوں کی لرزش چھپانے کے لیے انھیں مٹھیوں کی صورت میں بھینچ رکھا تھا۔

"ہم نے تمھیں پہلے بھی ایک سبق دیا تھا آفیسر ٹام فرمڈی..." لیڈر نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے وہ سبق تم بہت جلدی بھول گئے... خیر... کوئی بات نہیں... ہم تمھیں دوبارہ سبق دیں گے اور اس بار تم بھولنے کے قابل نہیں رہو گے۔"

گویا انھوں نے اعتراف کر لیا تھا کہ پچھلی مرتبہ اس پر حملہ کرنے اور اسے موت کے مُنہ میں پہنچانے والے وہی تھے۔ ٹام کی کنپٹیوں میں دھماکے سی ہونے لگی اور جسم کے مختلف حصوں میں ٹیسیں اُٹھنے لگیں۔ لیڈر کے اعتراف پر بھی اس کے وجود میں غیظ و غضب کا آتش فشاں پھٹنے کے بجائے اس کے ذہن میں بھاگ نکلنے کی خواہش مچل اُٹھی۔ لیکن وہاں کوئی راہِ فرار نہیں تھی۔ ریوالور کا رُخ اس کی طرف تھا اور دروازہ مقفل تھا۔

"بے چارے پولیس والے کا خون خشک ہو رہا ہے۔" لیڈر کے چیلوں میں سے ایک مکروہ سی آواز میں بولا۔

تب ٹام نے ایک طویل سانس لے کر چاروں طرف دیکھا۔



وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ گویا بے جان ہو گئے تھے۔ اس کی پشت پر کوئی طاقت نہیں تھی۔ اس کے جسم پر وہ وردی بھی نہیں تھی جو اب اس کے لیے تقریباً بے مصرف اور بے معنی سی ہو چکی تھی... بیمار ذہن کا ایک نوجوان اس کے سامنے اس پر ریوالور تانے کھڑا تھا۔

اس لمحے ٹام کے اندر گویا ایک نئی قوت نے انگڑائی لی۔ یہ لڑائی ایک پولیس آفیسر اور بدمعاش نوجوانوں کی نہیں تھی۔ یہ ایک انسان اور ایک انسان دشمن کی لڑائی تھی۔ انسانیت اور انسانیت کُش کی جنگ تھی اور ٹام کو اسی لمحے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ کس کی بقا چاہتا ہے۔ بقا کی یہ جنگ بلاشبہ اسے تنہا لڑنی تھی لیکن درحقیقت اس کے سامنے کھڑا ہوا نوجوان بھی تنہا ہی تھا۔ وہ سب کے سب مل کر ایک اکائی بنتے تھے اور ٹام بھی ایک اکائی تھا۔ ایک طرف مثبت اکائی تھی اور ایک طرف منفی اکائی... اسے ثابت کرنا تھا کہ کون سی اکائی زیادہ طاقتور ہے؟

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ آج رات یہاں کوئی بدمعاشی نہیں ہوگی۔" ٹام کو خود بھی اپنی آواز سن کر بے حد خوشی اور بے حد طمانیت محسوس ہوئی۔ اس کے لہجے میں وہ پہلا سا رعب و دبدبہ، وہ گھن گرج اور وہ ٹھہراؤ لوٹ آیا تھا، جو ایک نڈر اور بے خوف پولیس والے کی بنیادی پہچان ہوتا تھا۔

"ہمیں روک کر دیکھو۔" لیڈر نے ریوالور لہرایا۔

ٹام نے گویا سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہ ریوالور تمہارے ہاتھ سے لینے آرہا ہوں۔ ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یہ ریوالور میرے حوالے کر دو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے قدم بڑھایا اور یہ کسی خوف زدہ پولیس مین کا ہچکچاہٹ آمیز قدم نہیں تھا۔ یہ ایک نڈر اور پُراعتماد انسان کا قدم تھا جو ہر متوقع مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔

"اگر تم نے مزید ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں گولی چلا دوں گا۔" لیڈر چلایا لیکن ٹام اسی لمحے دوسرا قدم اُٹھا چکا تھا۔

"رک جاؤ... رک جاؤ... میرے پاس ریوالور ہے۔" بدمعاشوں کا لیڈر چلایا۔ تیسرے قدم پر اس کی آواز پہلے سے تیز ہو گئی تھی لیکن ٹام نے اس میں خفیف سی لرزش محسوس کر لی تھی۔ وہ نوجوان قانون سے ہرگز خوف زدہ نہیں تھا لیکن وہ ایک نڈر اور بے خوف "انسان" کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔

ان کے درمیان پانچ فٹ کا فاصلہ تھا جو گھٹ کر تین فٹ رہ گیا۔ نوجوان بدستور چلا رہا تھا۔ "میں گولی مار دوں گا۔" لیکن اس کی آواز کے ساتھ اس کے ہاتھ میں بھی لرزش آچکی تھی۔ پھر ٹام کا ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے بڑھا اور اس نے بدمعاش کے ہاتھ سے ریوالور کھینچ لیا۔ نوجوان گولی چلانے کے لیے آخری وقت تک اپنی جرأت مجتمع نہ کر سکا۔

ریوالور چھیننے کے بعد ٹام کا ہاتھ اس کے مُنہ پر تھپڑ رسید کرنے کے لیے اٹھا مگر پھر اس نے ہاتھ نیچے کر لیا۔ اس نے اپنی رگ و پے میں مچل اُٹھنے والی نفرت کی آگ کو اپنے وجود میں ہی دبا لیا۔ ریوالور کے اشارے سے اس نے تمام بدمعاشوں کو دیوار کے ساتھ قطار بنا کر کھڑا کر دیا اور جیری نے پولیس اسٹیشن فون کر دیا۔

اب ٹام نے بدمعاشوں کا جائزہ لیا تو وہ اُسے بہت مختلف نظر آئے۔ وہ سب نوعمر سُوکھے سڑے سے، سر پھرے، آوارہ لڑکے تھے جن کی ہمت صرف اس لیے بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوطی سے ان کی طرف بڑھتے اور ان کی گردن پکڑنے کے لیے تیار نظر نہیں آرہا تھا۔ آج اگر چاروں طرف سے لاہیں مسدود پا کر ٹام کی کایا پلٹ نہ ہوتی تو انھوں نے گویا اسے بھی زندگی بھر کے لیے بزدل بنا دیا ہوتا۔ بشرطیکہ وہ زندہ رہتا۔

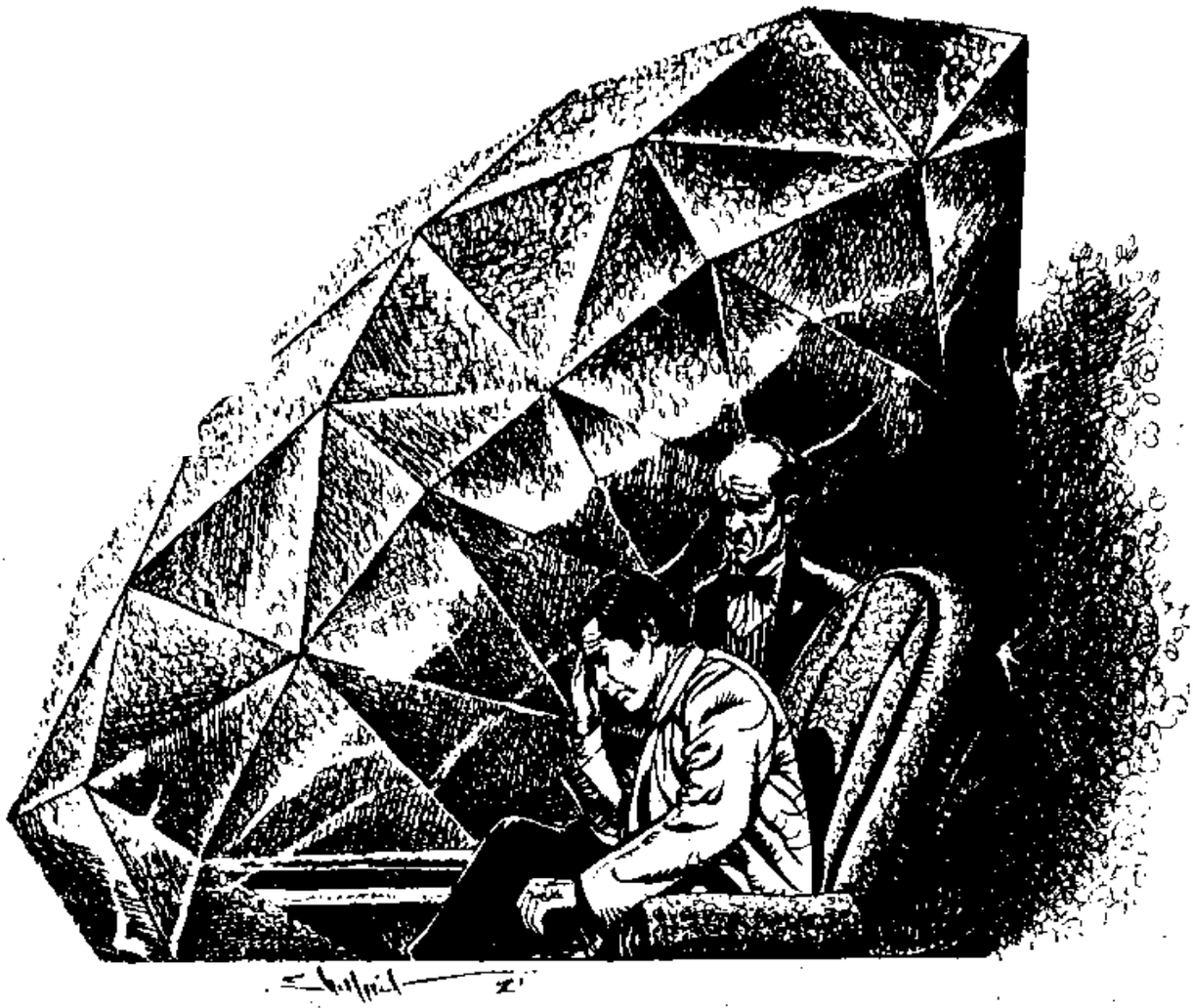
دوسرے روز ٹام ایک بار پھر پولیس کمشنر کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں کوئی بھی بات، اپنی کسی بھی لمحے کی کیفیت چھپائی نہیں تھی۔ اس نے صاف لکھ دیا تھا کہ بدمعاشوں کو گرفتار کرتے سے چند لمحے پہلے تک وہ بھاگ نکلنے کی فکر میں تھا۔

"یہ ایک فطری سی بات تھی۔" پولیس کمشنر نے گویا اسے تسلی دی۔ "لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمیں بالآخر ایک گم گشتہ بہادر پولیس مین واپس مل گیا۔ تمہیں شاید یہ سُن کر خوشی ہو کہ یہ نوعمر بدمعاش قتل کی دو وارداتیں کر چکے تھے جو ہمارے لیے معمہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کے دیگر جرائم کی فہرست بھی کافی لمبی ہے... اور اب ان میں سے ہر ایک دوسرے کے خلاف بڑھ چڑھ کر گواہی دے رہا ہے تاکہ کسی طرح اس کی اپنی گردن بچ جائے۔"

پولیس کمشنر اُٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلتے ہوئے کھڑکی کے قریب جا کر بولا۔ "میں کوئی تقریر کرنا نہیں چاہتا لیکن تمہیں اب معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ بعض اوقات بلاشبہ ہم میں سے کوئی بالکل تنہا ہوتا ہے لیکن اگر وہ صحیح راستے پر ہے تو وہ بہت طاقتور ہوتا ہے... اور پانسا ہمیشہ تنہا لوگ ہی پلٹا کرتے ہیں۔"

"یس سر! میں سمجھ چکا ہوں۔" ٹام نے پُروقار لہجے میں جواب دیا۔ تب پولیس کمشنر نے انٹرکام کا ریسیور اُٹھا کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ پریس فوٹو گرافروں اور رپورٹروں کو اندر بھیج دو... اور فون پر ٹام کی بیوی کو مبارک باد دے دو کہ اس کا شوہر ترقی پا کر سادہ لباس والے سراغرسانوں کے شعبے میں جا رہا ہے۔"





ایک نادر ہیرے کی آرزو اُسے وہاں لے گئی تھی لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ اس عجائب خانے میں موجود تمام اشیاء فتلی میں تو اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ وہ اپنے اصلی ہیرے کے لیے پریشان ہوگیا حالانکہ اُس کا میزبان صرف جعلی نوادرکا حریص اور جعلسازوں کا بڑا قدردان تھا۔

دو شاطروں کے درمیان کھیلی گئی ایک بازی کا قصہ

عالم شوق

نجمہ مسعودی

آخرکار تم آ ہی گئے کاؤنٹ! امید ہے تمہارا سلوف ہیرا اپنے ساتھ لائے ہوگے... اتنے طویل سفر سے تم تھکے تو نہیں؟"

"تھکن سے تو میرا بُرا حال ہے۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ سفر اتنا طویل اور راستے اتنے دشوار گزار ہوں گے۔ سفر کا آخری حصّہ تو بے حد خوفزدہ کردینے والا تھا ایک بہت ہی چھوٹے سے جہاز میں بھی سفر کرنا پڑا جو ذرا ذرا سی دیر بعد ہوا میں غوطے کھا رہا تھا۔ لگتا تھا ابھی جنگل میں گر جائے گا لیکن پائلٹ کو جیسے پروا ہی نہیں تھی۔"

"ان علاقوں کے پائلٹ بڑے بے خوف ہیں۔"

"دریا کے کنارے اُس ذرا سی پٹی پر طیارے کا لینڈ کرنا بھی ایک بھیانک تجربہ تھا۔ اوپر سے یہاں کی گرمی مارے ڈال رہی ہے۔ میرا خیال ہے یہ دنیا کا گرم ترین علاقہ ہے۔"

"تمہارا خیال کافی حد تک درست ہے کاؤنٹ!"

"کافی صبر آزما انتظار کے بعد کشتی آئی اور اس میں دریا عبور کرنا پڑا جو مگرمچھوں اور خطرناک مچھلیوں سے بھرا پڑا تھا۔ کشتی کا سفر بھی ناقابلِ فراموش تھا۔ دوسرے کنارے پر پہنچے تو بوٹ کے کیپٹن نے بتایا کہ راستے میں پھیلے ہوئے بیشتر پودے سخت زہریلے ہیں۔"

"خیر... سفر تو اب گزر چکا۔ اس کا ذکر تو چھوڑو۔ اطمینان کا مقام یہ ہے کہ تم بخیر و عافیت یہاں پہنچ گئے۔ تم نے دیکھا... یہاں ارد گرد پھیلے ہوئے بے ہنگم جنگل کے درمیان اُس دور افتادہ اور ویران مقام پر میں نے کتنا بڑا اور پُرآسائش مکان بنوایا ہے... کتنا عمدہ باغ لگایا ہے۔"

"واقعی... یہ سب کچھ دیکھ کر تو مجھے حیرت ہو رہی ہے تم نے تو یہاں اچھا خاصا چڑیا گھر بھی بنایا ہوا ہے۔ تمہارے باغ میں مجھے چند پرندے تو ایسے نظر آرہے ہیں جو میں نے کبھی چڑیا گھروں میں

بھی نہیں دیکھے۔"

"تم چاہو تو کچھ دیر پرندوں کو دیکھ کر محظوظ ہو سکتے ہو۔ تازہ اور معطر ہوا میں سانس لے کر اپنی تھکن دور کر سکتے ہو۔ بلکہ چاہو تو کچھ دیر آرام بھی کر سکتے ہو۔" کاؤنٹ کے میزبان نے مشورہ دیا۔

بوڑھا کاؤنٹ فنکی واقعی بُری طرح تھکا ہوا تھا۔ اس کے جھریوں بھرے چہرے سے تھکن عیاں تھی۔ ذہن پر غنودگی سی چھا رہی تھی مگر اس وقت وہ اپنے آپ کو پوری طرح چست و مستعد ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے آپ کو ایک اہم سودے بازی کے لیے تیار رکھنا تھا۔ اس کی جیب میں ایک نہایت بیش قیمت ہیرا موجود تھا جو دنیا میں ریسلوف ہیرے کے نام سے مشہور تھا۔ ریسلوف اس کے پہلے مالک کا نام تھا۔ ایسے ہی ایک اور ہیرے کی کشش کاؤنٹ کو یہاں کھینچ کر لائی تھی ورنہ وہ پیرس میں اپنی شاہانہ زندگی کے عیش و آرام چھوڑ کر صعوبتیں برداشت کرتا اس ویرانے میں ہرگز نہ آتا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں آ کر اس نے غلطی تو نہیں کی تھی؟ درحقیقت اسے کسی اور ہیرے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ صرف ایک ریسلوف ہیرے کا مالک ہونا ہی کوئی معمولی بات نہیں تھی جبکہ اس کے پاس تو ہیروں کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔ اس کے باوجود ریسلوف ہیرے کے ایک ثانی کا تذکرہ اسے یہاں کھینچ لایا تھا۔ ہیرے اس کی سب سے بڑی کمزوری تھے۔

"تمہارے ایجنٹ نے بہت ہی تفصیل سے اس ہیرے کے متعلق بتایا تھا جو تمہارے پاس ہے۔" کاؤنٹ بولا۔

"لیکن میرے متعلق اس نے زیادہ تفصیل سے نہیں بتایا ہوگا۔" کاؤنٹ کا میزبان بولا۔

"تمہارا تو اس نے مجھے نام تک نہیں بتایا۔" کاؤنٹ نے کہا۔

"دراصل پیرس میں میرا جو ایجنٹ ہے وہ بعض معاملات میں بہت ہی رازداری برتتا ہے۔ بہرحال کسی کے پیچھے پڑنے اور اپنی بات منوانے کے معاملے میں بھی اس کا جواب نہیں۔ اس کی اسی صلاحیت کا نتیجہ ہے کہ تم یہاں موجود ہو۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ وہ اپنی بات منوانا جانتا ہے۔" کاؤنٹ نے تسلیم کیا۔ وہ اپنے میزبان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا میزبان اچھا خاصا موٹا آدمی تھا اور موٹے آدمیوں پر بھروسا کرنے کو کاؤنٹ کا دل نہیں چاہتا تھا۔ وہ خود دھان پان سا مگر باوقار آدمی تھا۔ اس کے میزبان کی داڑھی اور سر کے بال گھنے تھے۔ وہ اپنے بیش قیمت اور نفیس لباس کے باوجود کچھ کرخت اور کھردرا سا آدمی دکھائی دیتا تھا۔ کاؤنٹ ایسے آدمیوں سے معاملت کرنا پسند کرتا تھا جو نفیس، نازک مزاج اور حلیم الطبع دکھائی دیتے تھے۔

میزبان گویا اس کے خیالات پڑھتے ہوئے بولا۔ "کاؤنٹ فنکی! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم جیسا آدمی مجھ جیسے آدمی کے ہاں مہمان ہے۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ یہاں کے ماحول میں شاید تمہیں کچھ زیادہ دلچسپی محسوس نہ ہو۔ میرے خاص اور اکلوتے ملازم ایگل کے علاوہ یہاں کوئی ایسا فرد بھی نہیں ہے جس سے بات چیت کر کے دل بہلایا جا سکے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ایک قدیم قبیلہ ضرور رہتا ہے لیکن یہاں میری رہائش کے آس پاس کوئی آبادی نہیں۔ اس لیے کبھی کبھار جب آپ جیسا کوئی مہمان یہاں آ کر مجھے شرفِ میزبانی بخشتا ہے تو میرا دل بہت خوش ہوتا ہے۔"

"صاف کوئی معاف... میں یہاں تفریحی دورے پر نہیں آیا۔ اس سے بہتر تھا کہ تم مجھے ریو کے ہوائی اڈے پر مل لیتے اور چند منٹ میں ہم کاروباری معاملات طے کر لیتے۔" کاؤنٹ نے اپنی بیزاری کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"اب میں سفر پر نہیں جاتا۔ کوئی زمانہ تھا کہ میں بڑا سیلانی ہوا کرتا تھا۔ سیاحت سے بڑا شغف تھا مجھے۔ لیکن اب جبکہ میں کبھی کبھار لوگوں کو یہیں بلا لیتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی قسطوں میں دنیا کو یہیں بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر میں تم سے پیرس میں ملتا تو اپنا ذخیرہ... اپنا چھوٹا سا خزانہ تمہیں نہیں دکھا سکتا تھا۔"

"جواہرات کا ذخیرہ؟"

"صرف جواہرات ہی نہیں۔ میں نے اور بھی بہت کچھ جمع کر رکھا ہے۔ تم دیکھو گے تو میری اس رائے سے اتفاق کرو گے کہ یہ چیزیں اس قابل ہیں کہ انہیں دیکھنے کے لیے ایک طویل سفر کیا جا سکتا ہے۔"

"تو چلو... پھر انہیں دیکھ ہی لینا چاہیے۔"

"کچھ صبر کرو کاؤنٹ! تم جیسے لوگوں کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع مجھے کم ہی ملتا ہے۔ تم جیسے خاندانی آدمیوں اور شاہانہ ذوق کے حامل لوگوں کی گفتگو سے مجھ جیسا جاہل آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے۔ میرے لیے تو تمہاری ایک صفت ہی بڑی قابلِ قدر ہے اور وہ یہ کہ تمہیں بیش قیمت اور نادر اشیاء کی پرکھ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس معاملے میں تمہاری سمجھ بوجھ اور تجربے کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔"

'یہ شخص میری تعریف کر کے میرے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ اپنی چیز کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کر سکے۔' کاؤنٹ نے دل ہی دل میں سوچا لیکن یہ اپنی چال میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔'

کاؤنٹ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ "جواہرات کے معاملے میں مجھے دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ میں انہیں دیکھتے ہی ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا لیتا ہوں مسٹر...! معاف کرنا مجھے تمہارا نام ہی نہیں معلوم۔"

"جونز!" میزبان نے جواب دیا اور کاؤنٹ کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر بولا "بہت عامیانہ سا نام ہے۔ کسی اہم آدمی کا نام نہیں لگتا بلکہ فرضی سا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے اپنی اصلیت چھپانے کے لیے رکھ لیا ہو۔ ہے نا؟" وہ اپنی بات سے خود ہی محظوظ ہوتے ہوئے زور سے ہنسا۔ اس کا جسم تھل تھل کرنے لگا۔ اسی لمحے مرطوب ہوا کا ایک تھپیڑا آیا اور تمام تر گرمی کے باوجود کاؤنٹ کو جھرجھری سی آگئی۔ وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ جھرجھری ہوا کی وجہ سے آئی تھی یا جونز کے قہقہے کی وجہ سے۔

"بارش ہونے والی ہے۔" جونز بولا "چلیے اندر چلتے ہیں۔"

وہ باغ کے درمیان بل کھاتے ہوئے کنکریٹ کے راستے پر چلتے ہوئے ہسپانوی طرز کے طویل و عریض مکان کی طرف بڑھے۔ مکان کے پیچھے ایک الگ انیکسی بھی تھی۔

مکان اندر سے انتہائی صاف ستھرا اور ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ جونز بولا "میرے ذخیرے میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جنھیں خراب ہونے سے بچانے کے لیے مجھے خاص طور پر جنریٹرز کے ذریعے یہاں ایئر کنڈیشننگ کا بندوبست کرنا پڑا ہے۔ صفائی ستھرائی اور مکان کے دیگر انتظامات اکیلے ایگل نے نہایت عمدگی سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس سے ہر وقت رابطہ رکھنے کے لیے میں نے انٹر کام سسٹم کا سہارا لیا ہوا ہے۔"

اس نے دیوار میں نصب .... انٹر کام سیٹ کے ذریعے ایگل سے رابطہ قائم کیا جو نہ جانے کہاں موجود تھا۔ "ایگل! ہمارے مہمان کے لیے مشروبِ خاص لاؤ۔"

پھر وہ کاؤنٹ کی طرف مڑتے ہوئے بولا "مجھے دورِ جدید کی یہ ایجادات کچھ زیادہ پسند نہیں ہیں لیکن کیا کریں، وقت کے ساتھ چلنا ہی پڑتا ہے۔ میرے خیال میں تو وہ زمانہ زیادہ اچھا رہا ہوگا جب تم جوان تھے۔ جنگِ عظیم کا زمانہ۔۔۔"

"پہلی عالمی جنگ!" کاؤنٹ نے فوراً تصحیح کی۔ "اب اسے جنگِ عظیم کہنے کا رواج نہیں رہا۔ اس کے بعد بھی کئی بڑی بڑی جنگیں ہو چکی ہیں۔"

"لیکن تم جیسے روسی تارکینِ وطن کے لیے وہ جنگ اب بھی سب سے اہم ہوگی۔ اگر وہ جنگ نہ ہوتی تو کیا ۱۹۱۷ء کا انقلاب آتا؟ اور کیا تم کبھی روس سے پیرس فرار ہونے میں کامیاب ہوتے؟ یہ صرف پہلی عالمی جنگ ہی تھی جس نے تمھاری زندگی کا رُخ بدل کر رکھ دیا ورنہ شاید آج بھی تم زارِ روس کے غلاموں میں سے ایک ہوتے۔"

"براہِ کرم زاروں کا ذکر مت چھیڑو۔" کاؤنٹ بولا "آخری زار میرا فرسٹ کزن تھا۔ اس کی یاد آتی ہے تو دل دُکھتا ہے۔"

"سوری! میرا مقصد تمھاری تکلیف دہ یادوں کو تازہ کرنا نہیں تھا۔ بہرحال تم تو پھر بھی خوش قسمت ہو کہ غربت تمھارا مقدر نہیں ہوئی۔ ورنہ جاگیریں چھن جانے کے بعد تو بڑے بڑے لوگ مفلس و قلاش ہو گئے تھے لیکن تم پر دوبارہ خوشحالی آگئی۔ پیرس بھی تمھیں راس آگیا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں پیرس بہت اچھا شہر تھا۔ تم پر بہت سی حسین عورتیں مہربان رہیں۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ درحقیقت تم حسین عورتوں ہی کی وجہ سے دولتمند ہوئے۔ آج سچ سچ بتا دو کہ ریسلوف، میرا بھی کیا تمھیں کسی عورت سے ہی ملا تھا؟ کیونکہ جب تم روس سے فرار ہوئے تو یہ ہیرا تمھارے پاس نہیں تھا۔ سنا ہے تمھاری بعض غیر معمولی خدمات کے عوض شہزادی ویرونسکی نے یہ ہیرا تمھیں دیا تھا۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" کاؤنٹ کے قدم گویا یک لخت فرش میں گڑ گئے۔ "میں سمجھتا تھا کہ ہیرا مجھ تک پہنچنے کی کہانی ایک راز ہے جو صرف مجھ تک ہی محدود ہے۔"

"ایسا کوئی راز نہیں ہوتا جو صرف ایک انسان تک محدود رہے۔" جونز فلسفیانہ لہجے میں بولا "اور پھر مجھے تو جن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے وہ میں ہر حال میں حاصل کر لیتا ہوں۔"

اب وہ ایک طویل و عریض کمرے میں پہنچ چکے تھے جس کی دیواریں آئینوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ جونز بغور کاؤنٹ کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "تم کچھ پریشان سے دکھائی دینے لگے ہو۔ کہیں تمھیں یہ تشویش تو نہیں ہو گئی کہ شہزادی ویرونسکی کے وارثوں میں سے کوئی ہیرے کا دعویدار نہ نکل آئے؟"

"نہیں۔ اس سلسلے میں مجھے کوئی تشویش نہیں ہے۔" کاؤنٹ بلا تامل بولا "ہیرا میرا ہے! اسے کوئی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔ میں تو ان کے متعلق سوچ رہا تھا۔۔۔" اس نے دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔ دیواروں پر بہت سے جانوروں کے سر آویزاں تھے۔

"اچھے ہیں نا؟" جونز نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

بدخوش خبری

شوہر تھکے ہارے گھر میں گھسے تو بیوی بولیں۔ "ایک خبر سنانی ہے آپ کو۔ سمجھ میں نہیں آتا کیسے سناؤں۔"

شوہر بولے "ارے بھئی، کچھ تو کہو؟"

بیوی بولیں "گھر میں ایک تیسرے فرد کا اضافہ ہونے والا ہے۔"

شوہر خوش ہو گئے "واقعی! سچ؟ ہائے بیگم! تم کتنی اچھی ہو۔"

بیگم نے بتایا "آج ہی اماں جان کا خط آیا ہے۔ وہ پرسوں آرہی ہیں۔ مستقل یہیں رہیں گی۔"

☆---☆---☆

"بہت ہی اچھے ہیں۔ غیر معمولی معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں نے دریا کے کنارے آباد ایک قدیم قبیلے کا ذکر کیا تھا۔ وہ لوگ بہت اچھے شکاری ہیں۔ وہ کوئی اچھی چیز لے کر میرے پاس آتے ہیں تو میں انھیں اچھی ادائیگی کر کے لے لیتا ہوں۔"

کاؤنٹ ایک چیتے کے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ تو بالکل زندہ چیتے کا سر دکھائی دے رہا ہے۔" اس کے لہجے میں خوف کی جھلک تھی۔

"نہیں... یہ سو فیصد مُردہ ہے۔ تم چاہو تو چھو کر دیکھ لو۔" جونز ہنس کر بولا۔ "وہ لو... ایگل تمھارے لیے مشروب لے کر آگیا ہے۔"

ایگل کی جسامت دیکھ کر کاؤنٹ حیران رہ گیا۔ وہ پورا دیو کا دیو تھا۔ اس سے مشروب کا گلاس لیتے وقت کاؤنٹ نے اپنے آپ کو وہ بچہ محسوس کیا جو اپنی نرس کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لے رہا ہو۔

"شکریہ۔" کاؤنٹ نے ملائمت سے کہا۔ ملازم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا چہرہ پتھر کے بُت کی طرح سپاٹ تھا۔

"فی الحال یہی کافی ہے ایگل۔" جونز تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "اب تم لنچ کی تیاری کرو۔"

کاؤنٹ کی نظر اس وقت تک ایگل سے نہیں ہٹی جب تک وہ کمرے سے رخصت نہیں ہو گیا۔ پھر اس نے مشروب کی چسکیاں لینی شروع کیں۔ فوراً ہی اسے فرحت کا احساس ہوا۔

"سب سے پہلے میں تمھیں آرٹ گیلری دکھاتا ہوں۔" جونز بولا۔ "وہ میرے نوادرات کے ذخیرے کا ایک اہم حصہ ہے۔"

کاؤنٹ کا خیال تھا کہ آرٹ گیلری انیکسی میں ہو گی اور شاید اسی غرض سے انیکسی تعمیر کرائی گئی ہو گی لیکن جونز ایک راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "ادھر سے آجاؤ۔"

راہداری کے اختتام پر ایک دروازہ تھا۔ اس دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی کاؤنٹ کی نظر سامنے دیوار پر پڑی۔ مونالیزا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔" کاؤنٹ بے اختیار چلّا اٹھا۔ "مونالیزا کی اصل تصویر تمھارے پاس نہیں ہو سکتی۔"

"تمھارا خیال درست ہے۔" جونز ہنسا۔ "یہ اوریجنل مونالیزا نہیں، اس کی نقل ہے۔"

"نہیں... یہ نقل نہیں ہے۔ میں قسم کھا سکتا ہوں یہ اوریجنل مونالیزا ہے جو لوور آرٹ میوزیم میں آویزاں ہے۔" کاؤنٹ بولا۔

"نہیں۔ یہ اوریجنل پینٹنگ نہیں ہے۔" جونز اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ "لیکن تمھاری حیرت بجا ہے۔ یہ ایک شاہکار نقل ہے۔ نقل مطابق اصل اسے ہی کہتے ہیں۔ میں جب بہترین چیزیں خریدنے کا متحمل ہو سکتا ہوں تو کمتر چیزیں کیوں رکھوں گا؟ چیز بے شک نقل ہو لیکن نقل نہایت اعلیٰ درجے کی ہونی چاہیے۔"

کاؤنٹ مشہورِ عالم مصور ریمبراں کی ایک شاہکار پینٹنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"اسے درحقیقت میلوٹس نے پینٹ کیا ہے۔" جونز نے بتایا۔ "مصوری کی تاریخ میں وہ ریمبراں کا سب سے کامیاب نقال تھا۔ دنیا میں فراڈ کی جو بڑی بڑی وارداتیں ہوئی ہیں ان میں سے چند کا سہرا میلوٹس کے سر ہے۔ اس نے ریمبراں کی کم از کم چھ پینٹنگز اصل کے طور پر فروخت کر دیں اور بڑی دولت کمائی۔ اس کا انتقال جیل میں ہوا لیکن اس نے زندگی بہرحال بڑی بھرپور گزاری۔ یہاں جتنے بھی آرٹسٹوں کی شاہکار پینٹنگز آویزاں ہیں وہ سب جعلساز ہی تھے لیکن سبھی نے سنسنی خیز زندگی گزاری۔ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنا بھی تو ایک بہت بڑا ایڈونچر ہوتا ہے نا۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ ان پینٹنگز میں سے کوئی بھی اصل نہیں ہے؟"

"نہیں۔ سب کی سب شاہکار نقلیں ہیں جن سے پینٹنگز کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی دھوکا کھا سکتا ہے۔ میں چاہتا تو لوور آرٹ میوزیم سے اصل مونالیزا پار کروا کے اس کی جگہ یہ نقل رکھوا سکتا تھا۔ کوئی بھی اس تبدیلی سے آگاہ نہ ہو پاتا۔"

"اب بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آرہی ہے۔ تم غالباً مشہورِ عالم چیزوں کی نقلیں جمع کرنے کے شوقین ہو۔" کاؤنٹ کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔ "کیا میں یہ سمجھوں کہ تمھارے پاس ریسلوف ہیرے جیسا جو دوسرا ہیرا موجود ہے وہ اس کی نقل ہے؟"

"میری توہین مت کرو کاؤنٹ! تمھارا اشارہ غالباً ہیروں کی سستی نقلوں کی طرف ہے جو زرقون یا دوسرے سستے اور شفاف پتھروں سے تیار کی جاتی ہیں لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں گھٹیا اور کم خرچ کام نہیں کرتا۔ میرا ہیرا بھی بالکل اصلی اور بیش قیمت ہے۔ تم اپنے ہیرے کو اس کے برابر رکھو گے تو تمیز نہیں کر سکو گے کہ تمھارا کون سا ہے اور میرا کون سا۔ فرق صرف یہ ہے کہ تمھارے ہیرے کی تاریخ کچھ اور ہے، میرے ہیرے کی تاریخ کچھ اور۔ تمھیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں نے اپنی جمع کی ہوئی چیزوں پر بڑی دولت خرچ کی ہے۔ میرے ایجنٹ دنیا بھر میں مشہورِ عالم..... چیزوں کی نقلیں تلاش کرتے ہیں اور جونہی انھیں کوئی شاہکار نقل نظر آتی ہے تو وہ مجھے مطلع کر دیتے ہیں اور میں ہر قیمت پر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"کیا باغ میں پرندے بھی مشینی تو نہیں تھے؟ اور کہیں پھول بھی مصنوعی تو نہیں تھے؟"

"نہیں۔ وہ تو اصلی تھے۔" جونز بولا۔ "لیکن ان کے علاوہ یہاں

تمہیں ہر قابلِ ذکر چیز جعلی ہی نظر آئے گی کسی نہ کسی چیز کی نقل، کسی نہ کسی کی ثانی۔ ارے۔۔ تمہاری رنگت تو کچھ متغیر ہو رہی ہے۔ پہلی بار جب میرا کوئی مہمان اتنے بہت سے نقلی شاہکار یکجا دیکھتا ہے تو عموماً اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر میں تم سنبھل جاؤ گے۔ اس دوران ذرا پکاسو کے یہ شاہکار دیکھو۔ جس عورت نے انھیں پینٹ کیا ہے وہ بلاشبہ ایک جینئس تھی۔ میں نے ان پینٹنگز کے عوض اسے بھاری رقم ادا کی۔ لیکن میں بھی اس سے تھوڑا سا مذاق کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ میں نے اسے ادائیگی جعلی نوٹوں سے کی۔"

کاؤنٹ اس مذاق سے محظوظ نہ ہو سکا اور قدرے بیزاری سے بولا "کیوں نہ کہیں بیٹھ جائیں؟"

"اتنی جلدی؟" جونز حیرت سے بولا "ابھی تو تم نے میری گیلری کا ایک حصہ بھی نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ فطرت کی تاریخ سے متعلق میرے پاس بہت سی چیزیں موجود ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہر چیز شیشے کے کیس میں محفوظ ہے اور لیبل پر اس کی مختصر سی تاریخ درج ہے۔ ان میں بالوں والی ٹراؤٹ مچھلی بھی ہے۔ کسی زمانے میں اس قسم کی مچھلیوں کے ذریعے لوگوں کو خوب بے وقوف بنایا گیا۔ یہ سرکسوں میں بھی رکھی جاتی تھیں۔ لوگ سمجھتے تھے کہ واقعی بالوں والی مچھلی ہے۔ بہت سادہ سی ترکیب سے لوگوں کو چکر دیا جاتا تھا۔ گم کے ذریعے مچھلی پر بال چپکائے جاتے تھے۔ لوگوں کو بے وقوف بنانا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔"

جونز اسے ایک نشست گاہ میں لے آیا اور کاؤنٹ سکون کی سانس لیتے ہوئے ایک آرام دہ کرسی میں دھنس گیا لیکن فوراً ہی اس کی نظر سامنے تپائی پر پڑی۔ اس پر سونے کی کوئی چیز رکھی تھی۔ اس کے حلق سے تحیر بھری چیخ نکل گئی۔

"تمہیں ہیجان کا شکار نہیں ہونا چاہیے کاؤنٹ!" جونز ناصحانہ لہجے میں بولا "اس عمر میں ہیجان انسان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ وہ طلائی خول ہے جو نوخیز فرعون طوطن خامن کے مرنے کے بعد اس کے چہرے پر چڑھایا گیا تھا۔"

"میں قسم کھا سکتا ہوں یہ اصل خول ہے۔" کاؤنٹ پُرجوش لہجے میں بولا "یہ اس طلائی خول سے زیادہ خوبصورت اور نفیس ہے جو میں نے میوزیم میں دیکھا تھا۔"

"اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔" جونز اطمینان سے بولا "عجائب گھر میں رکھا ہوا خول بھی اصل نہیں ہے اور یہ بھی جعلی ہے۔ تم شاید میری بات کا یقین نہ کرو۔ میں اصل طلائی خول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن میں نے وہ ایک شخص کو دے دیا اور اس سے یہ جعلی خول اس کے بدلے میں لے لیا کیونکہ یہ اصل سے زیادہ خوبصورت تھا اور زیادہ اصلی نظر آتا تھا۔ وہ شخص 'مصریات' کا بہت بڑا ماہر تھا۔

فارسی کے مشہور شاعر مولانا جامی کو ایک فضول گو شاعر نے بڑے فخر سے بتایا کہ وہ حج پر گیا تھا تو اس نے حصولِ برکت کے لئے اپنے اشعار کو حجرِ اسود سے مس کیا تھا۔

مولانا جامی بولے "اگر ایک غوطہ آبِ زمزم میں بھی دے لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

☆ ... ☆

حکیم جالینوس نے ایک حسین نوجوان سے کوئی سوال کیا جس کا نہایت بے ہودہ جواب ملا۔

حکیم بولا "افسوس سونے کے برتن میں سرکہ بھرا ہوا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆

اس نے یقیناً مجھے بے وقوف سمجھا ہوگا کہ میں نے جعلی خول کے بدلے اسے اصل خول دے دیا لیکن میری نظر میں وہ احمق تھا جس نے اتنی خوبصورت چیز مجھے دے دی۔ یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہوتی ہے۔" پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا "کیا میں سگار پی سکتا ہوں؟"

کاؤنٹ کو سگار کا دھواں بُرا لگتا تھا مگر وہ اس کا اظہار نہ کر سکا اور اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

سگار کا طویل کش لے کر جونز بولا "تم حیران ہو گے کہ مجھے جعلی چیزوں ہی کا شوق کیوں ہے؟"

"میرا خیال ہے میں کسی حد تک بات کو سمجھ رہا ہوں۔" کاؤنٹ کمزور سے لہجے میں بولا۔ نہ جانے کیوں وہ بے حد نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

"تو پھر یقیناً تم بہت سمجھدار آدمی ہو۔" جونز بولا "تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ جو لوگ بیش قیمت چیزیں یا نوادرات وغیرہ جمع کرتے ہیں ان کی خواہش دراصل یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں ممتاز اور منفرد نظر آئیں۔ میں بھی ان سے مختلف نہیں ہوں بے شک میں اپنی انفرادیت کی شہرت نہیں چاہتا۔ اخبارات اور ٹی وی وغیرہ کے ذریعے اپنا ڈھنڈورا پیٹنا نہیں چاہتا لیکن کم از کم اپنی نظر میں تو اپنے آپ کو منفرد انوکھا اور دوسروں سے ممتاز محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنی ایک الگ لائن بنالی ہے۔ میں نوادرات جمع کرنے والوں کی دنیا میں ایک الگ ہی مقام رکھتا ہوں۔ مثال کے طور پر دنیا میں درجنوں دولتمند آدمی نایاب ٹکٹ جمع کرتے ہیں۔ اگر میں بھی انھی کی طرح ٹکٹوں کی تلاش میں سرگرداں رہوں تو جلد ہی بور ہو جاؤں گا کیونکہ یہ کام دوسرے بہت سے لوگ کر رہے ہوں گے۔ اس کے برعکس میں کوئی ایسا ٹکٹ تلاش کرنے میں خوشی اور دلچسپی محسوس کروں گا جو لوگوں کی نظر میں شاید بے وقعت ہو مگر وہ اپنی جگہ بہت منفرد اور نایاب ہو گا۔ یعنی کسی نایاب ٹکٹ کی

نقل۔ جسے تیار کرنے والے نے شائقین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھی رقم کمانے کی کوشش کی ہوگی مگر ناکام رہا ہوگا۔ اب بتاؤ انفرادیت مجھ میں ہوئی یا ان بہت سے لوگوں میں جن کا طریق کار یکساں ہے؟ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟"

"بہت اچھی طرح۔"

"میرے گرد جتنے بھی جعلی شاہکار جمع ہوتے جا رہے ہیں اتنی ہی میری انفرادیت بڑھتی جا رہی ہے۔" جونز کے لہجے میں اتنا جوش و خروش تھا کہ کاؤنٹ ایک بے عنوان خوف محسوس کرنے لگا۔

جونز بات جاری رکھتے ہوئے بولا "جعلساز اور فراڈیے درحقیقت بہت ذہین لوگ ہوتے ہیں۔ اصل فنکاروں سے کہیں زیادہ تیز و طرار اور شاطر۔ وہ زندگی بھی بڑی پُرخطر اور ہیجان خیز گزارتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسپنکل کو ہی لے لو۔"

"اسپنکل...؟ یہ کون تھا؟"

"ایک حیرت انگیز آدمی۔ جعلسازوں کا بادشاہ۔ فراڈیوں کا شہنشاہ۔ عام آدمیوں کی بھیڑ کے درمیان اس نے اپنے آپ کو شاہکار بنا لیا۔ انیسویں صدی میں وہ ویانا میں کسی قسم کی تعلیم یا تربیت کے بغیر ڈاکٹر بن بیٹھا اور خوب کامیاب رہا حالانکہ عملی زندگی کا آغاز اس نے بڑھئی کے طور پر کیا تھا۔ وہ جو میز تم سامنے دیکھ رہے ہو، جس پر فرعون طومن خامن کا طلائی خول رکھا ہے... یہ میز اسی کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے۔ جس دن اس کا وارنش خشک ہوا اسی روز وہ اسے ایک قدیم اور نادر میز کے طور پر فروخت کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی صلاحیتوں کا یہ عالم تھا کہ وہ بابائے نفسیات فرائڈ کو بھی دھوکا دینے میں کامیاب رہا۔ جس روز اس کی بنائی ہوئی میز ایک قدیم اور نادر چیز کے طور پر فروخت ہوئی، درحقیقت اسی روز اسے ڈاکٹر بننے کا خیال آیا۔ اس نے سوچا جب وہ لکڑی کو اتنی عمدگی سے تراش سکتا ہے تو مریضوں کی چیر پھاڑ میں کیا حرج ہے۔ تم یقین کرو یا نہ کرو، بہرحال وہ اپنے وقت کا بہت ماہر سرجن شمار ہوا۔ دور دور سے اہم آپریشنوں کے سلسلے میں اسے بلاوے آتے تھے..." یہ سب کچھ بتاتے وقت جونز کی آنکھوں میں ایک عجیب وحشیانہ سی چمک تھی جو کاؤنٹ کو بے چین کر رہی تھی۔

ایک لمحے کے توقف سے جونز بولا "بہرحال اسپنکل کچھ عرصے بعد اس پیشے سے اُکتا گیا۔ اُس وقت وہ ایک بہت بڑے میڈیکل کالج میں پرنسپل کے طور پر بھی فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ اس سنسنی سے اچھی طرح محظوظ ہو چکا تھا کہ اس نے طب اور سرجری کے بڑے بڑے ماہرین کو بے وقوف بنا لیا ہے۔ اب وہ نئے میدانوں میں فتح کے جھنڈے گاڑنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ وہ سرجن کا پیشہ چھوڑ رہا ہے۔ لوگوں نے اس کی منتیں کیں کہ وہ یہ فیصلہ واپس لے لے۔ اس پر انعامات و اعزازات کی بارش کر دی گئی تاکہ وہ اس پیشے میں زیادہ کشش محسوس کرے اور اسے ترک نہ کرے۔ مگر اس نے بہرحال ترک کر دیا۔"

جونز عجیب، سحر زدہ سے انداز میں مسکرایا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گویا ان واقعات کی فلم چل رہی تھی پھر وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اس کے بعد اسپنکل ہالینڈ چلا گیا۔ وہاں کے حکام کو یقین دلانے میں کامیاب ہوگیا کہ وہ فوجی امور کا بہت بڑا ماہر ہے۔ بالآخر وہ ایک بڑے عہدے پر فائز ہوگیا۔ جلد ہی اس کے سینے پر بہت سے تمغے سج گئے۔ جعلی تمغے نہیں۔ حقیقی اور اصل تمغے۔ کاؤنٹ! تم شاید یقین نہیں کرو گے کہ جنگ کے دوران وہ واقعی بہت اچھا جنرل ثابت ہوا۔"

"میرا خیال ہے میں کافی سُن چکا ہوں۔" کاؤنٹ قدرے مضمحل لہجے میں بولا "اگر تم بُرا نہ مناؤ تو اب مجھے میرا دکھا دو۔"

"بات پھر میروں کی آگئی۔" جونز ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک وقت میں ایک ہی شے پر سوچنے کے عادی ہو۔ یہ جان کر مجھے مایوسی ہوئی ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ میرے نقطۂ نظر کو سمجھنے والا ایک آدمی ملا ہے اور وہ میرے جمع کردہ منفرد نوادرات سے بھی محظوظ ہوگا۔ ابھی تو میں تمہیں کچھ قدیم مسودے دکھانا چاہتا تھا۔"

"کیسے مسودے؟" کاؤنٹ نے مُردہ سے لہجے میں پوچھا۔

"بڑے کمال کی چیزیں ہیں وہ بھی۔" جونز نہایت مسرور لہجے میں بولا "ذرا سوچو اس وقت مجھے کیسی سنسنی کا احساس ہوا ہوگا جب ڈبلن میوزیم کے ماہرین نے میرے مسودوں کو آٹھویں صدی کی سینٹ برینڈن کی عبادت گاہ کے پجاریوں کی تحریریں قرار دیا تھا۔ میوزیم والوں نے ان مسودوں کے عوض مجھے پانچ لاکھ پاؤنڈ کی پیش کش کی تھی..."

"اور تم نے مسودے فروخت نہیں کیے؟"

"ہرگز نہیں۔ حالانکہ پانچ لاکھ پاؤنڈ کی پیش کش معقول تھی۔ خصوصاً جبکہ وہ مسودے صرف ایک سال پرانے ہیں۔ ایک شخص نے ہانگ کانگ میں وہ مجھے اپنے ہاتھ سے تیار کر کے دیے تھے۔" پھر ایک لمحے کے توقف سے جونز بولا "اگر تم دلچسپی محسوس کرو تو میں تمہیں ایک بینک فراڈ کی کہانی سناؤں؟"

کاؤنٹ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کا ذہن تو پانچ لاکھ پاؤنڈ میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جونز اگر مسودوں کے لیے پانچ لاکھ پاؤنڈ کی پیش کش ٹھکرا سکتا ہے تو اپنے میرے کے لیے اس کا مطالبہ کتنی رقم کا ہوگا؟

جونز بولا "میرا خیال ہے تمہیں بینک فراڈ وغیرہ کی کہانی تو بور محسوس ہوگی۔ میں نے سنا ہے فسکی خاندان قدیم روس میں نسل در نسل

جاگیروں، ریس کے گھوڑوں اور جواہرات وغیرہ کا مالک رہا ہے۔ انھی چیزوں سے ان لوگوں کو دلچسپی تھی۔ دوسری چیزوں کو تو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔ خاصے مغرور اور نخوت پسند لوگ ہوا کرتے تھے۔ خیر... اب میں تمھیں زیادہ انتظار نہیں کراؤں گا۔ آؤ اس کمرے میں چلتے ہیں جہاں میرا جواہرات کا ذخیرہ موجود ہے۔ راستہ ادھر ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

کاؤنٹ کو وہ راستہ بے حد طویل محسوس ہوا۔ بالآخر وہ اس چھوٹے سے کمرے میں پہنچے جہاں جواہرات موجود تھے۔ اس کمرے کی دیواریں اور فرش ماربل کی ٹائیلوں سے مزین تھا۔ راستے میں بھی کاؤنٹ کو جا بجا نوادرات کے خزانے نظر آئے تھے اور کئی چیزوں کے بارے میں تو اسے یقین سا ہونے لگا تھا کہ وہ نقلی یا جعلی نہیں ہو سکتیں۔

جواہرات کا خزانہ دیکھ کر تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہاں دنیا کا ہر مشہور ہیرا موجود تھا۔ جونز ایک انتہائی خوبصورت اور شفاف ہیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اسے تو تم نے پہچان ہی لیا ہوگا، یہ 'ہوپ ڈائمنڈ' نمبر دو ہے۔ اصل 'ہوپ ڈائمنڈ' کا ثانی کیا ہے؟"

"ایسے شفاف نیلے رنگ کا تو دنیا میں صرف ایک ہی ہیرا ہے۔" کاؤنٹ کی آواز ہیجان سے کانپ رہی تھی۔ "اور وہ ہوپ ڈائمنڈ ہے۔ یہ یقیناً وہی ہے۔ یہ نقلی نہیں ہو سکتا...!"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے کاؤنٹ!" جونز اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ اس گھر میں بیش قیمت اور نادر نظر آنے والی کوئی چیز اصلی نہیں ہے۔ میں اپنا یہ دعویٰ ابھی سچ ثابت کر دیتا ہوں۔ ذرا مجھے اپنا ہیرا دکھاؤ۔"

کاؤنٹ نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہاتھی دانت کی ایک ڈبیا نکالی۔ وہ اس کا ڈھکن کھول رہا تھا جب جونز نے پوچھا۔ "تمھیں پورا یقین ہے نا کہ تمھارا ہیرا ریسلوف ہی ہے؟"

"ہاں۔ سو فیصد یقین ہے۔" کاؤنٹ نے ڈبیا کا ڈھکن کھولا۔ اندر مخملیں سانچے میں ایک عدیم المثال ہیرا جگمگا رہا تھا۔ جونز نے اسے محض سرسری نظر سے دیکھنے پر اکتفا کیا۔ پھر اس نے شیشے کے ایک خانے سے ایک مخملیں تھیلی نکالی اور شیشے پر الٹ دی۔ اس میں سے بالکل ویسا ہی ایک ہیرا باہر لڑھک آیا۔

کاؤنٹ ساری چالاکی، ساری کاروباری مصلحت وغیرہ بھول گیا۔ اس نے اپنی حیرت و بے تابی کو چھپانے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کی۔ غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی۔ دونوں ہیروں میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا۔

"یہ ہیرا ہر حال میں مجھے چاہیے۔" کاؤنٹ تیزی سے بولا۔ بے تابی کے باعث اس کے منہ سے الفاظ صحیح طور پر نہیں نکل رہے تھے۔ "میں تمھیں منہ مانگی قیمت دوں گا۔"

"میرا ہیرا کچھ کم قیمتی نہیں ہے۔ بڑی قیمت ہے اس کی۔" جونز بولا۔

"کوئی بات نہیں۔ قیمت جو بھی ہوگی، میں دوں گا۔ یہ میرے ہیرے کا دوسرا روپ ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے میں کہیں نہ کہیں سے رقم کا بندوبست کر لوں گا۔"

جونز نے قہقہہ لگایا۔ "ڈیئر کاؤنٹ! میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں دھیرے دھیرے اور نرمی سے تمھیں یہ خبر کیونکر سناؤں۔ اس لیے میں یکدم ہی سنا رہا ہوں۔ میرا اس ہیرے کو فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میرا کبھی بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ بہت ہی شاندار نقل ہے۔ میں اسے بیچنا کیونکر گوارا کر سکتا ہوں؟"

"میں سمجھا نہیں! مجھے تو بتایا گیا تھا کہ تم ہیرا فروخت کرنا چاہتے ہو۔ اگر مجھے یہ خبر نہ ملی ہوتی تو کیا تمھارے خیال میں میں اتنا لمبا سفر کر کے یہاں آتا؟"

"دراصل تمھیں یہاں بلانے کے لیے ہی تو میں نے اپنے ایجنٹ کو تھوڑا سا جھوٹ بولنے کی ہدایت کی تھی۔ مجھے تصدیق کرنا تھی کہ میرا ہیرا اصل ریسلوف ہیرے سے سو فیصد مشابہ ہے یا نہیں اور ریسلوف ہیرا چونکہ دنیا میں صرف ایک ہی ہے جو تمھارے پاس ہے، اس لیے کسی نہ کسی طرح تمھیں یہاں بلانا ضروری تھا۔"

"تم مجھے خط لکھ کر اجازت طلب کر سکتے تھے اور میرے ہاں آکر ہیرا دیکھ سکتے تھے۔" کاؤنٹ بولا۔

"تم یقیناً میرا خط پھاڑ کر پھینک دیتے۔ مجھے معلوم ہے تم اجنبیوں کو اپنے ہیرے کے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتے۔"

کاؤنٹ اس احساس سے بے حد بدمزہ ہو چکا تھا کہ اسے بے وقوف بنایا گیا تھا لیکن دل ہی دل میں اسے اعتراف تھا کہ جونز سچ کہہ رہا تھا۔ اگر اسے جونز کا خط موصول ہوتا تو وہ یقیناً اسے پھاڑ کر پھینک دیتا۔ وہ اپنا ہیرا محض از راہِ مروّت کسی اجنبی کو دکھانا ہرگز پسند نہ کرتا۔

"میں تمھیں بہت شاندار کھانا کھلا کر تمھاری بدمزگی دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" جونز مسکراتے ہوئے بولا۔ "ایگل نے کھانا تیار کر لیا ہوگا۔ اس دوران تم یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے سکتے ہو کہ اہمیت بہرحال اصل چیز کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ عام اصول یہی ہے کہ اسی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس کے پاس اصل چیز ہوتی ہے۔ میرا ہیرا بے شک ریسلوف ہی کہلا سکتا ہے لیکن اس کی کوئی تاریخ نہیں۔ اس کا کوئی قابلِ فخر پس منظر نہیں۔ تمھیں اس کو اہمیت نہیں دینی چاہیے۔"

جونز نے اپنا ہیرا اٹھا کر مخملیں تھیلی میں ڈال لیا اور کاؤنٹ نے اپنا ہیرا ہاتھی دانت کی ڈبیا میں رکھ کر ڈبیا جیب میں ڈال لی۔ پھر دونوں اسی

راستے سے واپس چل دیے جس سے آئے تھے۔

جونز بولا: "ریسلوف کی تاریخ کو اس سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ پندرہویں صدی میں یہ ہیرا ہندوستان کی ایک کان سے برآمد ہوا تھا۔ ایک بھکاری اپنی ران چیر کر اس میں یہ ہیرا چھپا کر ایران لے گیا تھا۔"

جونز کے چہرے پر ایک بار پھر وہی ہیجان کی سرخی اور آنکھوں میں وحشیانہ چمک ابھر آئی تھی جس سے کاؤنٹ کو خوف محسوس ہوتا تھا۔ وہ اس سے ذرا ہٹ کر چلنے لگا۔ جونز نے بات جاری رکھی۔

"ذرا سوچو تو سہی کاؤنٹ! ہیرا پورے ایک سو سال تک غائب رہا۔ ایک صدی تک اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ پھر یہ اچانک ہی تبت کے ایک مندر میں کسی دیوتا کے مجسمے کی پیشانی پر لگا ہوا پایا گیا۔ وہاں سے بھی یہ نکالا لیا گیا اور نہ جانے کن کن ہاتھوں میں ہوتا ہوا بالآخر روس پہنچا جہاں ملکہ کیتھرین کے عاشق نے اسے خرید لیا اور ملکہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے اسے روس کے اہم اثاثوں میں سے ایک اثاثہ قرار دیا۔ ۱۹۱۷ء تک اس کی یہ حیثیت برقرار رہی۔ حتیٰ کہ ایک جرأت مند تارکِ وطن اسے اسمگل کر کے پیرس لے گیا جہاں یہ تمھارے ہاتھوں تک پہنچ گیا۔ تم ایک خوش قسمت انسان ہو کاؤنٹ! برسبیلِ تذکرہ... پیرس میں تمھاری ملاقات کبھی مس کیٹی اورک سے ہوئی ہے؟"

"مس کیٹی اورک...؟ میرا خیال ہے میں اس نام کی کسی خاتون کو نہیں جانتا۔" کاؤنٹ نے جواب دیا۔

"اوہ... میں بھی کیسی بے وقوفی کی بات کر رہا ہوں۔ وہ سماجی حلقوں میں اپنے آپ کو مس کیٹی اورک کے نام سے تو متعارف نہیں کراتی ہوگی۔ وہ خود کو میلن خاندان کی دولت و جاگیر کی اکلوتی وارث کہتی تھی۔ بہت خوبصورت عورت تھی۔ بال سرخ اور آنکھیں سبز تھیں۔ اوہ... میں ایک بار پھر بے وقوفی کی بات کر رہا ہوں۔ جس زمانے میں وہ تمھیں ملی ہوگی، اس زمانے میں تو خوبصورت نہیں رہی ہوگی۔ اپنا عروج کا دور گزار چکی ہوگی۔ بہرحال اس کی ایک اور بڑی پہچان یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ کتے ضرور رکھتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کتے گویا اس کا شناختی نشان تھے۔ سفر میں بھی ایک آدھ کتا اس کے ساتھ ضرور ہوتا تھا۔ وہ انھیں ایسے پٹے پہناتی تھی جن پر ہیرے جڑے ہوتے تھے۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر میں ایسی کسی عورت سے ملا ہوتا جس کے کتے ہیروں والے پٹے پہنتے تھے تو میں اسے ضرور یاد رکھتا۔" کاؤنٹ خشک لہجے میں بولا۔

"تمھاری بدقسمتی ہے کہ تمھیں ایسی عورت سے ملاقات یاد نہیں۔ تم اس سے مل کر ضرور محظوظ ہوتے۔ نہایت بذلہ سنج اور ذہین عورت تھی۔ ہیروں کے معاملے میں تمھاری ہم ذوق بھی تھی۔ لیکن ایک لحاظ سے یہ تمھاری خوش قسمتی بھی ہے کہ تم اس سے نہیں ملے۔ وہ تم سے ریسلوف ہیرا کسی نہ کسی طرح ضرور ہتھیا لیتی۔ وہ ایک نہایت ہی بے مثال چالباز عورت تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بوسٹن کے ایک انتہائی غریبانہ علاقے میں ایک تنگ و تاریک کمرے میں پیدا ہوئی ہوگی۔ اس نے درجنوں جاگیرداروں اور دولتمند تارکینِ وطن کو لوٹا تھا لیکن کبھی پکڑی نہیں گئی۔ بڑے جعلساز عموماً پکڑے نہیں جاتے۔ اس کے مرنے تک بھی اعلیٰ سماجی حلقوں کو یہی یقین رہا کہ وہ میلن نامی ایک کروڑ پتی امریکی کی بیٹی تھی۔"

"مجھے کبھی کوئی چکر نہیں دے سکا۔" کاؤنٹ بڑے وثوق سے بولا۔

"ہو سکتا ہے کسی نے تمھیں چکر دیا ہو لیکن تمھیں پتا ہی نہ چلا ہو۔ بڑے جعل سازوں کے طریقِ کار کی یہی تو خوبی ہے کہ ان کی واردات اگر کامیاب رہے تو شکار کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے۔" جونز نے کہا پھر وہ کھانے کے کمرے میں داخل ہو کر میز کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "بہت خوب! معلوم ہوتا ہے ایگل نے کھانے کا کچھ زیادہ ہی غیر معمولی اہتمام کیا ہے۔ بیٹھو!"

ڈائننگ روم کی کھڑکی سے خوبصورت باغیچے کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ کھانا بھی انتہائی لذیذ اور پُرتکلف تھا مگر کاؤنٹ ان چیزوں سے صحیح طور پر لطف اندوز نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

جونز ایک سجی ہوئی طشتری اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ روسی سلاد تو چکھو۔ اتنی عمدہ سلاد غالباً آخری بار تم نے پینسٹھ سال قبل کھائی ہوگی جب تمھارا کزن آئیوان سینٹ پیٹرز برگ گیا تھا۔"

کاؤنٹ کا ہاتھ بُری طرح لرز کر رہ گیا اور اس کا کانٹا پلیٹ میں کھڑکھڑا اٹھا۔ جونز مسکرایا اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا: "تم نے دیکھا میں لوگوں کے بارے میں جو بھی جاننا چاہتا ہوں وہ کتنے حیرت انگیز طور پر معلوم کر لیتا ہوں۔ یہ کال ڈبل روٹی چکھ کر دیکھو۔ میں نے خاص طور پر تیار کرائی ہے۔ قدیم روس کے دہقانوں کی یہ مرغوب خوراک تھی۔ دولتمندوں اور جاگیرداروں کو تو شاید زیادہ پسند نہ ہو لیکن میں نے سوچا شاید تم پرانے روس کی یادیں تازہ کرنا چاہو۔ اس لیے میز پر رکھوا دی تھی۔"

کاؤنٹ نے سعادت مندانہ انداز میں کال ڈبل روٹی کا ایک لقمہ توڑ لیا۔ اس کا سر گویا تیزی سے گھوم رہا تھا۔ جونز بولا: "مجھے پھر مس کیٹی اورک یاد آگئی۔ اگر وہ تم سے کسی اور طرح ہیرا ہتھیانے میں کامیاب نہ ہوتی تو وہی پرانی ترکیب آزماتی۔ یعنی تمھارے سامنے ایسا ہی کوئی معمولی اور نقلی ہیرا رکھتی۔ اس سے تمھارے ہیرے کا موازنہ کرنے کے لیے کہتی اور اس دوران تمھارا ہیرا پار کر لیتی۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ ہاتھ کی صفائی دکھانے میں وہ کیسی ماہر تھی...!"

کاؤنٹ کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا گویا سینے کا قفس

توڑ کر نکل آنے کے لیے بے تاب ہو۔ اب بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ کاؤنٹ فنسکی جیسے ذہین اور شاطر آدمی کو جونز نے نہایت سادگی سے۔۔ نہایت پرانی ترکیب استعمال کرتے ہوئے بے وقوف بنا لیا تھا۔ وہ یقیناً اپنا نقلی ہیرا اس کے اصلی ہیرے سے تبدیل کر چکا تھا۔ اس نے سارا کھڑاگ اسی لیے پھیلایا تھا۔ اس کا اصل مقصد یقیناً یہی تھا۔ کاؤنٹ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جونز نے کس لمحے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہوگی؟ کس لمحے اس کی نظر چوکی تھی؟ ایسا کوئی لمحہ یقیناً آیا ہوگا۔ یہ سوچ کر کاؤنٹ کا گلا خشک ہوا جا رہا تھا۔ یہ احساس اس کی جان نکال دینے کے لیے کافی تھا کہ وہ ریسلوف ہیرے سے ہاتھ دھو چکا تھا۔

دانشمندی کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ خاموشی اور سکون کے ساتھ پیرس لوٹ جاتا لیکن اتنے طویل سفر اور تباہ کن تردد کے بعد کاؤنٹ کے اعصاب اس بوجھ کو آسانی سے برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے تھے اور پھر بات صرف یہ نہیں تھی کہ جونز نے اس سے ہیرا ہتھیا لیا تھا بلکہ اس نے نہایت آسانی سے اسے بے وقوف بنا لیا تھا اور اب وہ یقیناً دل ہی دل میں اس سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ کاؤنٹ فنسکی جیسے آدمی کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیل رہا تھا۔ یہ سب کچھ کاؤنٹ کی برداشت سے باہر تھا۔

"اگر تمھیں ریسلوف ہیرا ہی چاہیے تھا تو وہ تم نے مجھ سے چھین کیوں نہیں لیا؟" کاؤنٹ چلایا۔ "میں ایک بوڑھا اور کمزور آدمی ہوں۔ مزاحمت تو نہیں کر سکتا تھا۔"

جونز نہایت اطمینان سے گلاس میں مشروب انڈیلتے ہوئے بولا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو کاؤنٹ؟"

"تم نے میرا ہیرا چرا لیا ہے۔"

"لیکن میں تو تمھیں بتا چکا ہوں کہ میں صرف نقلی چیزوں میں دلچسپی رکھتا ہوں اور اگر ایسا نہ ہوتا تب بھی کم از کم تم سے ہیرا چھیننے یا چرانے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے معلوم ہے وہ تمھاری سب سے بڑی فتح کی نشانی ہے۔ تمھاری ذہانت اور چالاکی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ اس کی تمھارے نزدیک وہی اہمیت ہے جو اسپنکل کی نظر میں اس کے جیتے ہوئے تمغوں کی تھی۔"

کاؤنٹ کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ اس کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔

جونز نے بات جاری رکھی۔ "کاؤنٹ! بلاشبہ تم بھی جعلسازوں کے شہنشاہوں میں سے ایک ہو۔ کبھی کبھی تمھیں خود بھی یقین سا محسوس ہوتا ہوگا کہ تم ایک مفلس روسی کسان کے بیٹے کے بجائے واقعی شاہی خاندان کے فرد ہو۔ ایک کاؤنٹ ہو۔ دولت اور آسائشیں ہمیشہ سے تمھاری غلام رہی ہیں۔ تم بالکل بھول جاتے ہوگے کہ تم ایک فاقہ کش دہقان زادے تھے اور ۱۹۱۷ء میں ماسکو سے فرار ہو کر پیرس آئے تھے۔ تم نے بڑی عمدگی سے ایک کاؤنٹ کا بہروپ اختیار کیا اور بہت طویل عرصے تک نہایت ہی خوبصورتی سے اس کردار کو نبھایا۔ بورس سے تم کاؤنٹ فنسکی بنے رہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ بورس ہی تمھارا اصلی نام ہے نا؟"

کاؤنٹ کی سانس سینے میں اٹک رہی تھی۔ تب اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کی یہ حالت پل پل کے جذباتی تغیر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ دراصل مر رہا تھا۔ وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔ "تم نے شراب میں مجھے کچھ پلا دیا ہے... میں مر رہا ہوں...!"

زندگی کے بھولے بسرے دنوں کی پرچھائیاں اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتی جا رہی تھیں۔ اس نے اپنی ماں کو دیکھا جو غریب کسان عورتوں والے لبادے میں تھی۔ اسے برف سے ڈھکے ہوئے کھیت دکھائی دیے۔ پھر اسے کالی ڈبل روٹی نظر آئی۔ وہ جب بچہ تھا تو گھر میں کھانے کے لیے صرف کالی ڈبل روٹی ہی میسر ہوا کرتی تھی۔

اسے جونز کی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "میں صرف مشہورِ عالم چیزوں کے جعلی نمونے ہی جمع کرنے کا شوقین نہیں ہوں، دنیا کے کامیاب ترین جعلساز جمع کرنا بھی میرا مشغلہ ہے۔ تمھارا وجود میرے ذخیرے میں ایک عمدہ اضافہ ہوگا۔ شیشے کا ایک خوبصورت صندوق تمھارا انتظار کر رہا ہے جس پر تمھارے نام کی تختی بھی لگ چکی ہے۔ میری اینکسی میا شیشے کے اس صندوق میں تم برس ہا برس تک حنوط شدہ حالت میں اس طرح محفوظ رہو گے کہ دیکھنے والے کو تم پر زندہ آدمی کا گمان گزرے گا۔ تمھارے دائیں بائیں شیشے کے ایسے ہی کیسوں میں اسپنکل اور مس کیٹی اور ک وغیرہ بھی موجود ہوں گے۔ ارے... تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ ویسے بھی تم بھلا کتنے برس اور زندہ رہ لیتے؟ میں تو تمھیں ایک طرح سے دوام بخش رہا ہوں۔"

پھر جونز نے بہ آوازِ بلند پکارا۔ "ایگل! آ جاؤ۔"

کاؤنٹ کی نظر بُری طرح دھندلا چکی تھی۔ اس نے ایگل کو محض ایک پرچھائیں کی صورت میں اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ جونز کی مدھم سی آواز اسے اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ "ایگل جس طرح مزے مزے کے کھانے پکانے میں ماہر ہے اسی طرح یہ جانداروں کو حنوط کرنے میں بھی ماہر ہے۔ چیتے کا وہ سر جس پر تمھیں زندہ چیتے کے سر کا گمان گزرا تھا اسے بھی ایگل نے ہی حنوط کیا تھا۔ میں نے اسے ہدایت کر دی ہے کہ تمھیں تو بڑی خصوصی احتیاط سے حنوط کرے اور ریسلوف ہیرا تمھارے پہلو میں رکھنا نہ بھولے۔ دمِ رخصت میں تمھیں کم از کم یہ اطمینان تو دلا ہی سکتا ہوں کہ تمھارا عزیز ترین ہیرا تمھارے مرنے کے بعد بھی تمھارے پاس ہی رہے گا۔۔"

THE REAL THING
ELIZABETH ST. CLAIR
0304-5503086



دعوے دار

نجمہ مودی

بڑے بڑے دعوے کرنا آسان ہے مگر وقت پڑنے پر اپنے دعوے کے حق میں عملی ثبوت فراہم کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ چند ایسے ہی کردار و دلچسپ ماجرا، اُن کے قول و فعل کا تضاد بڑا نمایاں تھا مگر ایک شخص...؟

دلچسپ پیرائے میں ایک قاتل کی گرفتاری کا ماجرا

بارٹینڈر میک نہایت انہماک سے روزنامہ "دی کوریئر" کے خصوصی ایڈیشن کا مطالعہ کر رہا تھا لیکن انہماک اتنا زیادہ بھی نہیں تھا کہ وہ کاروبار کو بھول جاتا۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا کہ جون کا گلاس خالی ہو چکا تھا۔ اس نے فوراً اخبار ایک طرف رکھا اور جون کا گلاس دوبارہ بھرنے کے لیے حرکت میں آگیا۔

گلاس بھر کر جون کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے بڑی ملائمت سے کہا۔ "ایک بات تو بتاؤ جون! بُرا مت منانا..... ایسے ہی گپ شپ کے طور پر پوچھ رہا ہوں۔ فرض کرو، تمہیں اچانک پتا چلے کہ تمہاری بیوی تمہیں دھوکا دے رہی ہے..... بے وفائی کر رہی ہے..... تو تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟"

"بُرا ماننے کی تو اس میں کوئی بات نہیں۔" جون بولا۔ "کیونکہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ میرا مطلب ہے..... فرض کرو تم شادی شدہ ہوتے تو تمہارا ردِعمل کیا ہوتا؟" میک نے تصحیح کے ساتھ اپنا سوال دُہرایا۔

جون نے گلاس منہ سے لگا لیا تھا اس لیے وہ فوری طور پر جواب نہ دے سکا۔ اس کی جگہ راکی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے گرج دار آواز میں بولا۔ "اگر میں اپنی بیوی کو اس قسم کی کوئی حرکت کرتے ہوئے دیکھ لوں تو مار مار کر اس کا بھُرکس نکال دوں۔ میں ایسی باتیں برداشت کرنے والا آدمی نہیں ہوں۔"

راکی ایک لحیم شحیم ٹرک ڈرائیور تھا۔ اس کا اپنا جسم بھی اس کے ٹرک کی طرح ہی مضبوط تھا۔ اس کی بات سن کر وہاں موجود گاہکوں میں سے اگر کسی کا مسکرانے کو جی چاہا تھا تو وہ اندر ہی اندر مسکرایا تھا۔ راکی کی بات پر اس کے سامنے ازراہِ تمسخر مسکرانے کی جرأت کسی کو بھی نہیں تھی۔ وہ وہاں موجود لوگوں میں سے کسی کا بھی حلیہ نہایت آسانی سے بگاڑ سکتا تھا۔

سامعین کے اندر ہی اندر مسکرانے کی وجہ یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا، پندرہ بیس منٹ بعد راکی کی بیوی بار میں آئے گی اور فوراً

اسے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دے گی۔ لحیم شحیم شوہر اپنا ادھ بھرا گلاس میز پر چھوڑ کر پالتو کتے کی طرح سر جھکائے اس کے پیچھے پیچھے چل دے گا۔

میک کے سوالیہ مفروضے نے اس کے گاہکوں میں دلچسپی کی لہر دوڑا دی تھی۔ برکلے نامی ایک گاہک نے لکڑی کی ایک پچھی کو مزید ننھے ننھے ٹکڑوں میں تقسیم کرتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "لوسی اگر مجھ سے بے وفائی کرے تو میں اسے پیٹوں گا نہیں۔ میں اسے فوراً چھوڑ دوں گا۔ چٹکی بجاتے ہی اس سے طلاق لے لوں گا۔ اتنی جلدی رینو کے علاقے میں بھی کسی کو طلاق نہیں ملتی ہوگی جتنی جلدی میں لے لے لوں گا۔"

پھر وہ پچھی کے ننھے ننھے ٹکڑے بار کے کاؤنٹر سے صاف کر کے نیچے گراتے ہوئے بولا۔ "اِدھر اُدھر منہ مارنے والی بیوی سے فوراً نجات حاصل کر لینی چاہیے۔ ایک لمحے کے لیے بھی سوچنا نہیں چاہیے۔ ایسی عورتیں رواداری کی مستحق نہیں ہوتیں۔"

برکلے اور اس کی بیوی کو نہ جاننے والا کوئی اجنبی شاید اس کے مضبوط، فیصلہ کن لہجے سے متاثر ہو جاتا اور یہی سمجھتا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، کر گزرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے لیکن اتفاق سے مجھے معلوم تھا کہ اس کی بیوی اپنے آشناؤں کے ساتھ تین مرتبہ گھر سے بھاگ چکی تھی۔

ہر بار کچھ عرصہ اِدھر اُدھر کہیں خجل خوار ہونے کے بعد وہ جب بھی واپس آئی تھی، برکلے نے کھلے بازوؤں سے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہے۔ چُغد کہیں کا! اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ عورتیں ہر بات دوسری عورتوں کو بتا دیتی ہیں اور ان کے توسط سے باتیں مردوں تک بھی پہنچ جاتی ہیں۔

میں نے کاؤنٹر پر میک کا اخبار اپنی طرف کھسکا لیا۔ اخبار پر نظر دوڑاتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ میک کو اس خاص موضوع پر گفتگو شروع کرنے کا خیال کیوں آیا تھا۔ پہلے ہی صفحے پر موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ خبر چھپی ہوئی تھی۔

"شوہر نے بیوی اور اس کے آشنا کو ہلاک کر دیا۔"

خبر مختصر ہی تھی۔ شاید آخری لمحوں میں اخبار کو میسّر آئی تھی۔ خبر میں بتایا گیا تھا کہ ڈیلاویئر روڈ پر ایک پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی کار میں پولیس کو ایک مرد اور ایک عورت کی لاشیں ملی تھیں۔ انہیں وحشیانہ انداز میں پیٹا اور کسی چیز سے مارا گیا تھا۔ ان کی شکلیں تک بگڑ گئی تھیں۔ اخبار کو خبر موصول ہونے تک ان کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔

لیکن ایک سراغ بہرحال موجود تھا۔ عورت کے خون آلود بلاؤز پر پن سے ایک چٹ لگی ہوئی تھی۔ کسی گمنام شخص نے پنسل سے اس پر صرف یہ الفاظ گھسیٹے تھے۔

"یہ میری بیوی تھی۔ آئندہ یہ بے وفائی نہیں کر سکے گی۔"

میں نے خبر ختم کی تو اس سنسنی خیز موضوع پر ہیوٹن اظہارِ خیال کر رہا تھا۔ اس کے اختتامیہ الفاظ میرے کانوں میں پڑے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "..... میں بیوی کو معاف کر دوں گا۔ کوئی بھی انسان ہر برائی سے پاک نہیں ہے۔ میں خود اِدھر اُدھر تھوڑے بہت چکر چلاتا رہا ہوں۔ عورت بھی تو آخر انسان ہی ہوتی ہے..... اور انسان خطا کا پُتلا ہے۔"

بہرحال یہ ضروری نہیں ہوتا کہ شراب خانے میں بیٹھ کر انسان جو باتیں کرتا ہو ان پر عمل بھی کرتا ہو، یا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ہیوٹن کے منہ سے یہ رحم دلانہ اور فیاضانہ الفاظ سننا بلاشبہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔

ہیوٹن ایک بدمعاش قسم کا بڑا آدمی ہے۔ خالص دمسکی کے سوا وہ کچھ نہیں پیتا۔ سب کو معلوم ہے کہ وہ ایک سفاک اور سنگدل بزنس مین ہے۔ ایسا کوئی معاملہ کسی کے علم میں نہیں تھا کہ کسی بات پر اس نے کبھی کسی کو معاف کیا ہو۔ ایسی کوئی چیز ریکارڈ پر نہیں تھی۔

"تم کیا کہتے ہو اسمتھ؟" میک نے ایک گلاس میں رائی اُنڈیلتے ہوئے ایک کونے میں بیٹھے گاہک کو مخاطب کیا۔ "اگر تم اپنی بیوی کو کسی اور شخص کے ساتھ ملوث دیکھ لو تو تم کیا کرو گے؟"

اسمتھ اپنے گلاس سے گھونٹ بھرنے کے بعد دانت پیس کر بولا۔ "میں اسے قتل کر دوں گا۔"

اس نے نہایت سنجیدگی سے یہ بات کہی تھی مگر بار میں موجود سب لوگوں کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا کیونکہ اسمتھ کو سب ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ بے چارے نے زندگی میں شاید کبھی مکھی بھی نہیں ماری تھی۔ وہ نہایت مختصرالوجود اور مسکین سا آدمی تھا۔ کوئی اس کی طرف گھور کر بھی دیکھ لیتا تھا تو سہم جاتا تھا لیکن شراب کے دو تین جام حلق سے اترنے کے بعد بعض اوقات چوہا بھی شیر ہو جاتا ہے۔ میں بھی اسمتھ کا دعویٰ سن کر مسکرا دیا۔ سب کو ہنستے دیکھ کر اسمتھ کھسیانا سا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔ اس نے خاموشی سے دوبارہ گلاس پر سر جھکا لیا۔

اسی دوران تین پولیس والے اندر آئے اور اِدھر اُدھر نظر دوڑانے کے بعد اسمتھ کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔ "چلو اسمتھ! ہمارے ساتھ چلو۔"

"بہت بہتر سر!" اسمتھ سعادت مندی سے سر ہلا کر بولا اور اٹھ کر مسکینوں کی طرح ان کے ساتھ ہو لیا۔

انہیں جاتے دیکھ کر میک نے بہ آوازِ بلند پوچھا "آخر اسمتھ نے کیا کیا ہے؟"

"ڈیلاویئر روڈ پر اس نے اپنی بیوی اور اس کے آشنا کو قتل کر دیا تھا۔ شکلیں تک بگاڑ دی تھیں ان کی۔" پولیس والے نے پلٹ کر جواب دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

WIFE KILLER
ROD REED

فرض شناس

نجمہ مسعود

جرائم پیشہ افراد جہاں معاشرے کے لیے ضرر رساں ہوتے ہیں وہاں اُن کی اپنی زندگی بھی صرف پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔ وہ بھی ہمیشہ سر پر لٹکتی ہوئی کسی نادیدہ تلوار کے خوف سے بے چین ہی رہتے ہیں اور پھر کبھی نہ کبھی یہ تلوار اچانک ہی سر پر آ گرتی ہے۔

اس روز میں اور لیو اپنے فلیٹ سے نکلے تو موسم بے حد خوب صورت تھا۔ خوشگوار ہوا چل رہی تھی، سورج چمک رہا تھا، پرندے چہچہا رہے تھے۔ شاید میں شاعری پر اتر آیا ہوں۔ بات یہ ہے کہ انسان کو نوجوانی میں ہی اچھا عہدہ مل جائے تو خواہ مخواہ ہی شاعری کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے۔

مجھے اور لیو کو بگ میکس نے اپنا "اسپیشل ایجنٹ" مقرر کر دیا تھا اور اس روز ہم دونوں میدانِ ملازمت میں پہلا قدم رکھ رہے تھے۔ اس لئے ہر طرف بہاریں رقصاں نظر آ رہی تھیں۔ بگ میکس کا اسپیشل ایجنٹ ہونا ہمارے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ درحقیقت ہمارا کام یہ تھا کہ بگ میکس کے کاموں میں کہیں بھی، کسی بھی وقت



کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو ہم جا کر اسے دور کریں۔

بگ میکس تک ہماری رسائی انتہائی ناخوشگوار حالات میں ہوئی تھی اور میں اسے اپنی بدقسمتی شمار کر رہا تھا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ حالات یکدم پلٹا کھائیں گے اور ہماری بدبختی دیکھتے ہی دیکھتے خوش بدبختی میں بدل جائے گی۔

چھ ہفتے پہلے میں اور میرا پارٹنر لیو موقع انتہائی مناسب دیکھ کر ایک بار میں بارٹینڈر کو ڈرا دھمکا کر لوٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ وہ بار بگ میکس کی ملکیت تھا اور ہم جیسے لوگوں کی دنیا میں بگ میکس کی بڑی دہشت تھی لیکن ایک تو سنہری موقع دیکھ کر ہمارے منہ میں پانی آگیا تھا' دوسرے ہمارے حالات بدتر سے بدترین کی طرف جا رہے تھے۔ اس لئے ہم نے تھوڑی دیر کے لئے اس حقیقت کو بھلا دیا تھا۔ لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ ان نازک لمحات میں بگ میکس خود ہمارے سر پر آن پہنچے گا۔

منظر خاصا عبرت ناک تھا۔ بگ میکس کو دیکھ کر ہماری گھگی بندھ گئی۔ لیو نے اس موقع پر اعترافِ جرم کا راستہ اختیار کرنے میں عافیت سمجھی۔ وہ شاید بگ میکس کے پیروں میں گر پڑتا لیکن نہ جانے کس رقت سے وہ اپنی بچی کھچی متانت برقرار رکھتے ہوئے بولا "آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ حرص اور ترغیب انسان کو کس طرح ورغلاتی ہے مسٹر میکس! بات صرف اتنی ہے کہ ہم حالات انتہائی سازگار دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔"

بگ میکس اس کے موقف سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ اس نے مائیکل اور رینو نامی دو گوریلوں کو طلب کر لیا۔ پہلے اس نے ہماری ٹھکائی کرائی اور بعد میں کہا کہ وہ ہماری جرأت مندی سے بہت متاثر ہوا ہے اور ہم چاہیں تو اس کے گرگوں کے طور پر بھرتی ہو سکتے ہیں۔ شاید ہم اس کے گروہ میں اپنا راستہ بنا لیں اور کچھ ترقی کر جائیں۔

یوں بگ میکس کے گروہ میں ہمارے کیریئر کا آغاز ہوا تھا۔ پھر گزشتہ رات اس نے ہمیں مطلع کیا کہ ہم اسپیشل ایجنٹ کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے۔ ہم نے اپنی اس ترقی سے سب سے پہلے اس بارٹینڈر کو متاثر کرنا ضروری سمجھا جس کے سامنے کچھ عرصہ قبل ہماری پٹائی ہوئی تھی۔ اس کا نام کلیری تھا۔ بار میں داخل ہو کر ہم نے یوں اس کی طرف دیکھا جیسے وہ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی کوئی مکھی ہو۔

"ذرا جلدی سے دو بیئر دے دو۔" لیو نے حکم دیا "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ بے شمار کام نمٹانے ہیں۔"

کلیری ہمارے حکم کی تعمیل کے بجائے کاؤنٹر صاف کرتے ہوئے بولا "پچھلے ایک گھنٹے سے ہر دس منٹ بعد مسٹر میکس فون کر کے تمہارے بارے میں معلوم کر رہے ہیں۔ انہیں شدت سے تمہاری تلاش ہے لیکن تم نہ جانے کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ بیئر کو چھوڑو اور جا کر مسٹر میکس کے سامنے حاضر ہو جاؤ۔"

اسے یہ مشورہ دینے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ میں اس سے پہلے ہی دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا اور لیو مجھ سے بھی پانچ قدم آگے تھا۔ ہمیں ابھی تک صحیح طور پر یہ تو معلوم نہیں تھا کہ بگ میکس کے کاروبار کیا کیا تھے اور کہاں کہاں پھیلے ہوئے تھے لیکن یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ غصے کے عالم میں وہ اپنے ملازمین سے کیا سلوک کرتا تھا۔ ایسے موقعے پر عہدے کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی تھی۔

بگ میکس ایک بھاری بھرکم گٹھا ہوا شخص تھا۔ ہمیشہ بیش قیمت اور نفیس سوٹ میں ہوتا تھا۔ جب ہم اس کے نام نہاد آفس میں داخل ہوئے تو وہ بڑی سی ایک خوب صورت میز کے عقب میں بیٹھا مسکرا رہا تھا' میری جان میں جان آئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے محسوس کیا کہ اس کی سرمئی آنکھیں اس کی مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ تب میرا خون دوبارہ خشک ہونے لگا۔ خصوصاً اس وقت تو میرے سینے میں سانس ہی رکنے لگی جب اس نے اپنے سونے کی چین والی گھڑی میں وقت دیکھا۔

میں نے جلدی سے کہا "ہم معافی چاہتے ہیں مسٹر میکس! آج ہماری آنکھ ذرا دیر سے کھلی۔" لیو نے بھی اس بہانے کو معقول سمجھتے ہوئے جلدی سے تائید میں سر ہلایا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو شاید ہمارا باس ہمارے اس لنگڑے بہانے پر ہمیں بھی لنگڑا بنانے کی کوشش کرتا لیکن اس وقت اس کا ذہن جس مسئلے میں الجھا ہوا تھا وہ جلدی سے اسے زبان پر لے آیا۔

معاملہ یہ تھا کہ فلیکس نامی ایک شخص کو میکس نے اکاؤنٹنٹ کے طور پر ملازم رکھا ہوا تھا۔ نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس نے اچانک ہی ملازمت چھوڑ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ ساٹھ ہزار ڈالر کی رقم وہ غالباً اپنی مستقبل کی تنخواہ کے طور پر ساتھ لے گیا تھا۔ آخری بار اسے بارہ گھنٹے قبل دیکھا گیا تھا۔ کرائے کے جس کمرے میں وہ رہتا تھا اسے چھوڑ کر جا چکا تھا۔

"مجھے ہر حال میں وہ رقم واپس چاہئے۔" میکس گرجا۔ اس نے نوٹوں کی ایک گڈی میز پر پھینک دی "اخراجات کے لئے یہ رقم رکھ لو اور اس وقت تک اسی کام پر لگے رہو جب تک وہ کیچوے کا بچہ مل نہیں جاتا۔"

لیو اور میں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' پھر میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "اس کے بعد کیا کرنا ہے؟"

میکس شعلہ بار نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "اس کے بعد تم پسند کرو تو اسے کسی ایمرجنسی وارڈ میں داخل ہونے کے قابل بنا دینا یا جو دل چاہے کرنا۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تو بس اپنی رقم واپس چاہئے۔"

"یس سر!" لیو نے سعادت مندی سے کہا "لیکن....." اور

اس ایک لفظ کے بعد اس کی زبان کو بریک لگ گئی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ یقیناً یہی پوچھنا چاہتا تھا "لیکن ہم آغاز کہاں سے کریں؟" مگر اس نے عقل مندی کی تھی اور بروقت زبان روک لی تھی۔ اس سوال پر شاید میکس غصے سے پھٹ پڑتا۔

"لیکن کیا؟" میکس نے اسے گھورا۔

"کچھ نہیں سر!" لیو نے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ میری طرف مڑتے ہوئے بولا "ہمیں فوراً حرکت میں آجانا چاہئے۔"

اس سے بہتر تجویز کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ میں خود جلد از جلد میکس کی نظروں سے دور ہو جانا چاہتا تھا۔ ہم مستعدی سے مارچ کرتے ہوئے دروازے کی طرف چل دیے۔ میکس نے با آواز بلند تاکید کی "مجھے حالات سے باخبر رکھنا۔"

یوں ہمارے نئے دورِ ملازمت کی پہلی مہم ہمارے سپرد کر دی گئی۔ کلب کا لاؤنج عبور کر کے واپس جاتے وقت ہم یقیناً حواس باختہ تھے۔ وہ بار اسی کلب کا تھا جس میں کلیری بار ٹینڈر کے طور پر کام کرتا تھا۔ ایک مزید صبر آزما مرحلہ یہ تھا کہ واپسی میں ہمیں کلیری کے سامنے سے بھی گزرنا پڑا۔ وہ طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "خدا حافظ معزز دوستو!"

کمبخت، بے ضرورت طنز کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ ہم نے اسے نظر انداز کر دیا لیکن جو مہم ہمارے سپرد کی گئی تھی اسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں فوری قدم اٹھانے کی ضرورت تھی اور ہمیں نہیں معلوم تھا کہ وہ قدم کہاں سے اٹھایا جائے لیکن کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ اگر ہم بار میں بیئر کے گلاس سامنے رکھ کر سوچ بچار کرتے تو گیگ میکس یقیناً برا مان جاتا۔ اس لئے ہم باہر آگئے۔

ہمارے پاس ایک کھٹارا سی شیورلیٹ تھی۔ اس میں بیٹھ کر ہم برابر کی گلی کے ایک کافی ہاؤس میں چلے گئے۔ وہاں بیٹھ کر غور و خوض کا مرحلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے وہی سوال سامنے آیا جو مسلسل ہمارے ذہنوں میں گردش کر رہا تھا۔

"ابتدا کہاں سے کی جائے؟" لیو نے پوچھا۔

مجھے اس کا ایک ہی ممکن جواب سوجھا "ابتدا ہمیں ذرائع آمد و رفت سے کرنی چاہئے۔ اگر فلیکس نے اپنا کمرا چھوڑ دیا ہے تو زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ شہر سے نکل گیا ہوگا۔ اگر وہ نجی کار میں فرار ہوا ہوگا تب تو سمجھو ہم مارے گئے۔ اس کا سراغ ملنا تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن شاید وہ بس، ٹرین یا جہاز سے گیا ہو۔ اگر ہم خوش قسمت ہوئے تو شاید ان چیزوں کے اڈوں سے ہمیں اس کا کوئی سراغ مل جائے۔"

"کسی اڈے تک پہنچنے کے لئے شاید اس نے ٹیکسی لی ہو۔" لیو ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"ہم ٹیکسیوں کے اڈوں کو بھی چیک کر لیں گے۔" میں نے اسے تسلی دی، پھر وال کلاک کی طرف دیکھ کر کہا "دو گھنٹے بعد تم واپس یہیں آکر مجھے ملو۔ تم ائرپورٹ پر جا کر پوچھ گچھ کرو۔ میں بس اسٹینڈ اور ٹرین اسٹیشن سنبھالتا ہوں۔ اگر ان جگہوں سے کچھ معلوم نہ ہو سکا تو پھر ٹیکسی اسٹینڈز کو ہم مل کر کھنگالیں گے۔"

بس اسٹینڈ اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان صرف تین بلاک کا فاصلہ تھا۔ دونوں جگہ پیدل جانا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن میں نہ ہی جاتا تو بہتر تھا، کم از کم ہوتے تو گھسنے سے بچ جاتے۔ بس اسٹینڈ یا ریلوے اسٹیشن پر کسی ٹکٹ کلرک کو یاد نہیں تھا کہ فلیکس کے حلیے کے کسی شخص نے ٹکٹ خریدا تھا یا نہیں۔

کافی ہاؤس میں واپس آکر لیو نے بھی کچھ اسی قسم کی رپورٹ دی۔ تقریباً ایک درجن ٹیکسی اسٹینڈز پر دھکے کھانے کے بعد بھی نتائج یہی رہے۔

"اب کیا کریں؟" لیو نے دریافت کیا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم" میں نے کہا "لیکن ہمیں کوئی نہ کوئی طریقہ تو سوچنا ہی پڑے گا۔ جب تک ہم سوچنے میں کامیاب نہیں ہوتے تب تک ہمیں کم از کم شہر سے تو نکل جانا چاہئے۔ میکس کو جب معلوم ہوگا کہ ہم گھر سے غائب ہیں تو وہ یہ سمجھ کر خوش ہو جائے گا کہ ہم یقیناً کوئی سراغ پا کر شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"اس نے کہا تھا کہ ہم اسے حالات سے باخبر رکھیں۔" لیو نے کہا۔

"ہم اس کی ہدایت پر عمل کریں گے۔" میں نے بادلِ ناخواستہ کہا۔ یہ ہدایت تو میں بھول ہی گیا تھا۔

ہم شہر سے پانچ میل دور واقع ایک ہوٹل میں جا ٹھہرے۔ اور باقی پورا دن اور رات یہی سوچنے میں گزارا کہ اب کیا کیا جائے؟ اس سوال کا ہمیں کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ ظاہر ہے اس حالت میں سکون کی نیند بھی کیوں کر آسکتی تھی؟

صبح تک البتہ لیو کے ذہن میں ایک تجویز آگئی۔ تجویز تو کوئی خاص نہیں تھی لیکن اس پر عمل کر کے ہم کم از کم کچھ دیر کے لئے تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے بچ سکتے تھے۔ میکس نے ہمیں بتایا تھا کہ فلیکس اپنی رہائش چھوڑ چکا تھا لیکن عین ممکن تھا کہ اس نے چالاکی دکھائی ہو، صرف عارضی طور پر کمرا چھوڑ گیا ہو اور خطرہ ٹلنے کے بعد وہیں آن چھپا ہو۔ وہ اس کے لئے محفوظ ترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی کیوں کہ اسے وہاں تلاش کرنے کا کسی کو خیال نہیں آسکتا تھا۔ کوئی مناسب موقع دیکھ کر وہ صحیح معنوں میں فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا۔

لیکن اس بلند خیالی نے بھی ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ ہم نے دوبارہ شہر جانے کا خطرہ بھی مول لیا اور وہاں سے سوائے ناکامی کے کچھ نہ ملا۔ فلیکس یقینی طور پر فرار ہو چکا تھا۔ وہ کمرے میں واپس نہیں آیا تھا۔ اس کی طرف ایک دن کا بھی کرایہ واجب الادا نہیں تھا۔ اس لئے اس کی مکان مالکن کو کوئی پروا نہیں تھی۔ البتہ اس

نے ہماری تھوڑی سی مدد ضرور کی۔ اس نے ہمیں فلیکس کے چند ٹھکانوں کی فہرست ضرور دے دی جہاں اس کے پائے جانے کا امکان تھا۔ دو دن ہم نے ان ٹھکانوں کو کھنگالنے میں ضائع کئے لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔

تیسری رات موٹیل میں واپس پہنچ کر لیو کی مایوسی کا یہ عالم تھا کہ وہ بیگ اٹھا کر واپس جانے اور میکس کو اپنی ناکامی کی رپورٹ دینے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

"اس کے علاوہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟" وہ بولا۔

"اگر ہم اس خبر کے ساتھ اس کے سامنے گئے تو ہمیں موت سے کون بچائے گا؟" میں نے دردناک لہجے میں کہا۔

"ہاں' یہ بات تو ہے۔" لیو فوراً ہی مجھ سے متفق ہو گیا لیکن ایک لمحے بعد اس کے چہرے پر تھوڑی سی رونق آئی اور وہ بولا "ہم خود بھی فرار ہی کیوں نہ ہو جائیں؟ میکس کو.... ہر چیز کو بھول کر کہیں بھاگ نکلیں؟"

تجویز بری نہیں تھی لیکن اس میں بھی خاصے خطرات پنہاں تھے۔ میکس کے ناپسندیدہ آدمیوں کی فہرست میں شامل ہو کر کہیں بھی فرار ہو جانے میں عافیت نہیں تھی۔ اس کے علاوہ میکس یہ مہم ہمارے سپرد کرنے تک ہمارے حق میں خاصا اچھا آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس نے ہر موقع پر ہماری مدد کی تھی۔ ہمیں ترقی کے مواقع فراہم کئے تھے۔ میں نے یہ نکات لیو کے سامنے رکھے تو وہ بولا "ہاں' یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن پھر کیا کیا جائے؟ میکس تو پروگریس رپورٹ کا انتظار کر رہا ہو گا۔ اس وقت تک اسے کم از کم ایک بار تو رپورٹ مل جانی چاہئے تھی۔"

"ہم جعلی رپورٹ دے دیتے ہیں۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟" لیو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"مطلب یہ کہ..." میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اس سے پہلے کہ میرا حوصلہ جواب دے جاتا میں نے فون اٹھایا اور میکس کے نائٹ کلب "رائل لاؤنج" میں اس سے رابطہ قائم کر لیا۔

میکس کے فون پر آتے ہی میں نے تیزی سے بولنا شروع کر دیا "سر! میں اَرنی بول رہا ہوں۔ میں اور لیو اس وقت کلیولینڈ ائرپورٹ پر ہیں۔ ہمیں پتا چلا ہے کہ فلیکس فرار ہونے کے بعد یہاں پہنچا تھا۔ لیکن یہاں سے آج صبح اس نے ہیوسٹن کے لئے فلائٹ پکڑی ہے۔ ہم نے بھی کل کے لئے ریزرویشن کرا لی ہے۔ آج کی کسی فلائٹ میں جگہ نہیں مل رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کو حالات سے آگاہ رکھوں۔"

میرا انداز یقیناً متاثر کن رہا تھا کیوں کہ صرف ایک آدھ سوال کے بعد میکس نے کہا "شاباش! تمہاری کارکردگی اچھی جا رہی ہے۔ کل مجھے پھر فون کرنا۔"

میں نے ریسیور رکھا تو لیو متاسفانہ انداز میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ پریشانی سے بولا "اب ہم پہلے سے زیادہ پیچیدگی میں پھنس گئے ہیں۔"

مجھے بھی اس سے اتفاق تھا۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ کل کیا ہو گا۔ میکس کو فون کرتے وقت میرے ذہن میں صرف یہ خیال تھا کہ کسی طرح تھوڑی سی مزید مہلت حاصل کر لی جائے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ دوسرے روز دوبارہ فون کرنے کا حکم دے دے گا۔ تاہم میں ابھی تک خوش گمانی کے سحر سے آزاد ہونے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں نے اسے تسلی دی "گھبراؤ مت' کل کا مسئلہ کل دیکھا جائے گا۔"

ہماری خوش قسمتی دیکھئے کہ دوسرے روز اس مسئلے کا حل ہمارے سامنے آگیا۔ وہ سنہرا خیال اس وقت ہمارے ذہنوں کے اُفق پر طلوع ہوا جب ہم ایک سپرمارکیٹ کے سامنے واقع پیٹرول پمپ سے اپنے کھٹارے میں پیٹرول ڈلوا رہے تھے۔ سپرمارکیٹ میں ہر طرح کی دکانیں شامل تھیں۔ ان کے ساتھ ساتھ وہاں ایک فنانس اینڈ لون کمپنی کا دفتر بھی تھا۔

لیو نے اچانک میرا بازو پکڑ کر فنانس اینڈ لون کمپنی کے سائن بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "فرض کرو ہم بھی اس کمپنی سے تھوڑا سا "قرضہ" لے لیں؟"

اس کا مطلب سمجھتے ہوئے میں نے اسے گھور کر دیکھا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے اس تجویز پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا پڑا۔ کمپنی کے دفتر میں ڈاکا ڈالنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن ہمارے مسئلے کا اس کے علاوہ کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس سے پہلے ہم چھوٹی موٹی چھینا جھپٹی تک ہی محدود رہے تھے۔ ہم نے کبھی باقاعدہ ڈاکا نہیں ڈالا تھا۔ لیکن انسان کو کبھی نہ کبھی تو ترقی کی شاہراہ پر قدم رکھنا ہی پڑتا ہے۔

میں نے مسکراتے ہوئے لیو کی طرف دیکھا "شاباش برخوردار! تم نے مسئلے کا حل تلاش کر لیا ہے۔ بگ میکس کو صرف اپنے ساتھ

جدید معیاری نستعلیق اردو کتابت

بذریعہ

شاہکار اردو کمپیوٹرز

انتہائی ارزاں نرخ پر ہم سے کرائیں

طباعت سے متعلق مفت پیشہ ورانہ مشورے

اردو کمپوزرس

۳۴۔ رمضان چیمبرز تیسری منزل

ملوریا اسٹریٹ نزد دفتر اخبار جنگ کراچی

فون نمبر ۲۱۹۹۱۱

ہزار ڈالر کی بازیابی سے غرض ہے۔وہ ہم اسے پہنچادیں گے۔"

اگر ہم زیادہ سوچ بچار کرتے تو شاید ہمارا حوصلہ جواب دے جاتا لیکن منصوبے کی خوب صورتی یہی رہی کہ ہم نے اس پر زیادہ غور نہیں کیا۔ہمارا اندازہ تھا کہ دوپہر کے کھانے کے وقفے میں کمپنی کے دفتر میں کم سے کم عملہ ہوتا ہوگا۔چناں چہ اس وقت ہم دوبارہ وہاں جا پہنچے۔لیو چوں کہ زیادہ اچھی ڈرائیونگ کرتا تھا اس لئے شیورلیٹ وہی چلا رہا تھا۔نمبر پلیٹوں پر ہم نے کیچڑ مل دی تھی۔

دفتر کے سامنے اس نے ایک ایسی جگہ گاڑی روکی جہاں اس کے دوسری گاڑیوں کے درمیان پھنسنے کا امکان نظر نہیں آرہا تھا۔میں نے گاڑی سے اترتے وقت اسے ہدایت کی "انجن اسٹارٹ ہی رکھنا۔"

کھلونوں کی ایک دکان سے ہم ٹوائے گن اور کینوس کے تھیلے خرید چکے تھے۔گن میں نے آستین میں چھپائی ہوئی تھی اور تھیلا بغل میں دبایا ہوا تھا۔آفس میں داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ وہاں کا منظر کم و بیش ہمارے اندازوں کے مطابق ہی تھا۔صرف دو آدمی ڈیوٹی پر تھے۔ایک سفید بالوں والا ناٹا اور موٹا سا آدمی تھا۔دوسرا پتلا دبلا اور مدقوق سا۔ان کے علاوہ سنہرے بالوں اور سرخ ہونٹوں والی ایک کیشیئر تھی جو بہت مصروف نظر آرہی تھی۔کاؤنٹر کے عقب میں ایک دروازہ کھلا نظر آرہا تھا۔اس کمرے میں فرش پر ایک تجوری کھڑی نظر آرہی تھی۔

میں کاؤنٹر پر دونوں بازو ٹکا کر ذرا جھک گیا۔کیشیئر جو یقیناً اپنے آپ کو مس امریکا سمجھ رہی تھی' نپے تلے انداز میں مسکرائی "فرمایئے' میں آپ کی کیا خدمت کرسکتی ہوں؟"

"میں خاصی موٹی رقم نکلوانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور آستین سے گن نکال کر ہاتھ میں لیتے ہوئے قدرے بلند آواز میں اعلان کیا "اگر کسی نے کوئی احمقانہ حرکت کی تو میں گولی چلا دوں گا۔"

مدقوق آدمی نے تو سر اتنا زیادہ جھکا لیا کہ اس کی پیشانی میز کو چھونے لگی۔سفید بالوں والے موٹے پر جیسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔سنہری بالوں والی حسینہ کی سانس جیسے سینے میں اٹک گئی اور اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔کسی کو شک نہیں ہوا تھا کہ میرا پستول کھلونا تھا۔

میں نے خود ہی کاؤنٹر کے اوپر سے چھلانگ لگائی اور تجوری میں سے نوٹوں کی گڈیاں کینوس کے تھیلے میں بھرنی شروع کردیں۔ایک ہاتھ سے یہ کام کرنے میں ذرا دقت پیش آئی تو میں نے مس امریکا کو باقی گڈیاں تھیلے میں ڈالنے کا حکم دیا۔رقم تھیلے میں بھری جا چکی تو میں نے کاؤنٹر پھلانگ کر دروازے کی طرف دوڑ لگادی۔باہر آکر میں نے جونہی شیورلیٹ میں قدم رکھا' لیو نے اس طرح اسے گھما کر واپس موڑا کہ سامنے سے آتی ہوئی ایک اسٹیشن ویگن کے نئے روغن پر لمبی سی ایک گہری خراش پڑتی چلی گئی۔

لیو نے گاڑی کو بے شمار سڑکوں پر گھمایا۔آخر کار آدھے گھنٹے بعد ہمیں اطمینان ہوگیا کہ ہمارا تعاقب نہیں ہو رہا تھا۔تب ہم شہر میں اپنے ٹھکانے پر لوٹ آئے۔مشن خیر و عافیت سے مکمل ہو چکا تھا۔فلیٹ کا دروازہ مقفل کرکے ہم نے تیزی سے رقم گنی۔انسٹھ ہزار ڈالر تھے۔ہماری مطلوبہ رقم سے ایک ہزار ڈالر کم تھے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔اس کا تو معقول جواز پیش کیا جاسکتا تھا۔

اس شام میں نے میکس کو فون کیا۔اسے یہی بتایا کہ میں ہیوسٹن سے بول رہا تھا "آخر کار ہم نے اسے جا دبوچا سر!" میں نے فاتحانہ لہجے میں اسے اطلاع دی "اور اس سے رقم نکلوالی۔"

"بہت خوب! تمہاری کارکردگی بہت شان دار ہے۔" میکس بولا' پھر یکدم اس کے لہجے میں تیزی آگئی "تم نے اس کی کچھ دھنائی بھی کی یا نہیں؟"

"کاہے کی ہے سر!" میں نے سعادت مندی سے کہا "آپ ہی نے کہا تھا کہ اس کی خاطر تواضع بھی ہونی چاہئے۔"

"بہت اچھا کیا" وہ طمانیت سے بولا "تم کب واپس پہنچ رہے ہو؟"

"کل کی ریزرویشن ہے ہماری۔" میں نے جواب دیا "کل دوپہر کا کھانا ہم آپ کے کلب میں کھائیں گے۔"

"ضرور' ضرور" میکس مسرور لہجے میں بولا۔اس کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

وہ رات ہم نے آرام سے سو کر گزاری۔صبح کچھ آوارہ گردی کی اور تقریباً ڈیڑھ بجے رائل لاؤنج کا رخ کیا۔خوشی سے میرا دل خرگوش کی طرح اچھل رہا تھا۔مجھے قوی امید تھی کہ رقم واپس ملنے کی خوشی میں میکس ہمیں معقول بونس دے گا۔

عین اس وقت جب کہ لیو اپنے کھنارے کو پارکنگ لاٹ میں کوئی باعزت مقام دلانے کی کوشش کر رہا تھا' ہماری خوشیوں کا محل اچانک لرز اٹھا۔سڑک کے دوسری طرف سے ہمیں فلیکس آتا دکھائی دیا۔وہ یقیناً سیدھا کلب ہی کی طرف آرہا تھا۔لیو نے زیر لب اسے موٹی سے گالی دی اور گاڑی سے اتر کر گرتا پڑتا اس کی طرف لپکا۔میں اس کے پیچھے تھا۔

ہم نے فلیکس کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ کھانچ کر گاڑی میں ڈالا اور اس طرح وہاں سے روانہ ہوئے کہ سڑک پر ٹائروں کی چرچراہٹ کے ساتھ یقیناً ان مٹ نقوش ثبت ہوگئے ہوں گے۔

فلیکس سیٹ پر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔وہ گنجا سا ایک مختصر الوجود آدمی تھا۔گلاس کے پیندے جتنے موٹے عدسوں والی عینک لگاتا تھا۔ہمیں پہچان کر وہ منمنانے لگا "تم غلط سمجھ رہے ہو دوستو! میں تو رقم واپس کرنے آرہا تھا۔میری بات کا یقین کرو۔"

وہ ہمیں چمڑے کا ایک تھیلا دکھانے کی کوشش کر رہا تھا جسے اس نے اب تک سینے سے لگایا ہوا تھا۔وہ بے چارہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ہم اس کے جرم کی پاداش میں اسے ٹھکانے لگانے کے لئے لے

جارہے تھے۔

"زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں فلیکس!" میں نے اسے تسلی دی "ہم تو تم سے صرف بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔"

ہم اسے اپنے ٹھکانے پر لے آئے۔ جہاں اس نے بے تابی سے اپنی کہانی اُگل دی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ صرف لمحاتی لالچ سے مغلوب ہو کر رقم لے بھاگا تھا۔ وہ تیزی سے بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ ڈھلتی عمر میں وہ زندگی کی کچھ رنگینیوں سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ اس خواہش نے یکدم اس پر قابو پالیا تھا۔ لیکن رقم چرا کر بھاگنے کے بعد وہ چار دن تک ایک گھٹیا سے مقامی ہوٹل میں چھپا رہا تو رفتہ رفتہ نتائج کا خوف ابھر آیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ اس رقم سے وہ زندگی کی کوئی لذت خرید بھی لے گا تو اس سے صحیح معنوں میں محظوظ نہیں ہوسکے گا۔ آخر کار اس نے واپس آکر میکس کا سامنا کرنے اور اپنے جرم کا اعتراف کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کر ہی لیا تھا۔

"تم ایسا نہیں کرسکتے۔" لیو بولا "میکس تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔"

"لیکن جب میں اسے رقم واپس....."

"بکواس بند کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ پھر ہم نے اسے اپنی پوزیشن بتائی۔ اسے بتایا کہ ہم کیا کر چکے تھے۔

"اب اگر تم واپس جاتے ہو تو ہمارے لئے مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔ ہم جھوٹے قرار پائیں گے۔" میں نے کہا "درحقیقت تمہیں اب واپس جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تمہاری پوزیشن تو صاف ہو چکی ہے۔ ہمارے تخلیق کردہ 'حالات' کے مطابق تم سے رقم بھی واپس لی جاچکی ہے اور تمہاری ہڈیاں بھی توڑی جاچکی ہیں۔ میکس اب تمہاری تلاش میں کسی کو نہیں دوڑائے گا۔ وہ اپنی رقم لے کر مطمئن ہوجائے گا۔"

فلیکس کی اب بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم کیا چاہتے تھے۔ وہ بھوکی نظروں سے اپنے چرمی تھیلے کو دیکھتے ہوئے بولا "تمہارا مطلب ہے کہ میں یہ رقم رکھ سکتا ہوں؟"

اسے بھگانے کے لئے یہ لالچ برقرار رکھنا ضروری تھا۔ لیو بولا "کیوں نہیں۔ اب تم اس رقم کو اپنی ہی سمجھو۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم فوری طور پر شہر سے نکل جاؤ۔ جدھر منہ اٹھے بھاگ جاؤ لیکن شکل ذرا چھپا کر ہی رکھنا۔"

ہماری بات پر یقین کرنے میں فلیکس کو مزید چند لمحے لگ گئے لیکن جب اسے یقین آگیا تو اس نے خاصی تیزی دکھائی۔ اس نے صرف باتھ روم جانے میں چند لمحے ضائع کئے۔ اس کے بعد اس نے خلوصِ دل سے ہمیں خدا حافظ کہا۔ ہمارا شکریہ ادا کیا اور غائب ہوگیا۔

آدھے گھنٹے بعد ہم اپنے باس کے سامنے حاضر تھے۔ پگ میکس تمام تفصیلات سننا چاہتا تھا۔ ہم منظرنامہ اور مکالمے تیار کرنے کے سلسلے میں پہلے ہی کافی محنت کرکے آئے تھے۔ اپنی گھڑی ہوئی کہانی ہم نے نہایت متاثر کن انداز میں اسے سنائی۔ وہ بہت خوش ہوا۔

اس وقت تو اس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا جب میں نے کینوس کا تھیلا اس کی طرف بڑھایا۔ میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "اس میں ایک ہزار ڈالر کم ہیں سر! یہ رقم فلیکس نے اِدھر اُدھر دوڑنے بھاگنے کے دوران خرچ کرلی تھی۔"

ہماری توقع کے عین مطابق میکس بے پروائی سے کندھے اُچکاتے ہوئے بولا "کوئی بات نہیں۔ اصل خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ چوہے کا بچہ مجھے زِک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ تم نے اس کی ٹھکائی تو اچھی طرح کی تھی نا؟"

"کم از کم دو ہفتے تک تو وہ بستر سے نہیں اٹھ سکے گا۔" لیو نے اسے یقین دلایا۔

"بہت خوب! پگ میکس کو ہاتھ دکھانے والے کا انجام یہی ہوتا ہے۔" میکس طمانیت سے بولا۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور ہمارے عقب میں آفس کا دروازہ کھل گیا۔ میکس ہمارے عقب میں دیکھتے ہوئے بولا "کیا بات ہے لیری؟ خیریت تو ہے؟"

نووارد اندر آگیا اور بولا "مخل ہونے کی معافی چاہتا ہوں لیکن میں آپ کو اطلاع دینا چاہتا تھا کہ اس ڈکیتی میں جانے والی رقم کا صحیح حساب لگالیا گیا ہے۔ وہ اُچکے پورے انسٹھ ہزار ڈالر لے گئے۔"

ہماری رگوں میں خون خشک ہوگیا۔ ہم نے مڑ کر اس شخص کی طرف دیکھا جسے میکس نے لیری کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ وہ وہی سفید بالوں والا موٹا تھا جسے ہم فنانس اینڈ لون کمپنی کے دفتر میں دیکھ چکے تھے۔ اس وقت تک وہ بھی ہمیں دیکھ چکا تھا۔ کانپتی انگلی سے ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ یکدم چلّا اٹھا "باس! یہی تھے وہ دونوں اُچکے جو آپ کی کمپنی میں ڈاکا مار کر آئے ہیں۔"

ہم میکس کے قانونی اور غیر قانونی کاروباری اداروں کی صحیح تعداد سے واقف نہیں تھے لیکن اب کم از کم ایک کے بارے میں تو جان چکے تھے۔

پگ میکس کی آنکھوں میں ہمارے لئے جو تاثرات ابھرے ان کی تشریح کچھ زیادہ ضروری نہیں۔ بس اتنا بتادینا کافی ہے کہ اس نے انٹرکام کا بٹن دبا کر کہا "مائیکل اور رینو کو اندر بھیج دو۔"

آج کل ہم اسپتال میں ہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ کم از کم دو ہفتے تک ہم اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوسکیں گے۔ اسپتال میں تو خیر پھر بھی وقت اچھا ہی گزر جائے گا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ہم کیا کریں گے؟



حق رفاقت

نجمہ مودی

خود غرضی اور وفا کی جب انسانی مزاج پر غالب آجائیں تو وہ جرم کی ہر سطح تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ تینوں مجرم بھی اپنی اپنی ضرورتوں کے تحت ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے اور خود غرضی و وفا کی میں کوئی کسی سے کم نہ تھا نتیجتاً تینوں کو کسی نہ کسی مرحلے پر ایک دوسرے کے مقابل آنا تھا ــــ اور پھر وہ مرحلہ آ گیا۔

تین ڈاکوؤں کے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا ماجرا

پورکی نے مجھے اور لوسی کو بینک ڈکیتی کا جو منصوبہ بنا کر دیا تھا وہ بالکل سیدھا سادہ اور قابلِ عمل تھا۔ اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے میں اور لوسی جمعے کی صبح قصبے کی اس تقریباً ویران گلی میں ٹہلتے ہوئے داخل ہوئے۔ اس دیہاتی بینک کو دو میاں بیوی چلاتے تھے اور ہمارا ارادہ عین اس وقت بینک کے دروازے پر پہنچنے کا تھا جب وہ اسے کھولنے آتے تھے۔

اس روز وہ میاں بیوی بینک کا دروازہ کھول کر اندر پہنچے تو ان کے پیچھے پیچھے میں اور لوسی بھی داخل ہو گئے۔ دروازہ میں نے اپنے عقب میں لات مار کر بند کر دیا اور انہیں خبردار کیا۔ "شور شرابا مت کرنا۔ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

مرد جو بینک کے منیجر کے فرائض انجام دیتا تھا' ایک دُبلا پتلا زرد رو شخص تھا۔ میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھتے ہی اسے گویا کپکپی کا دورہ پڑ گیا۔ اس کی بیوی ذرا تیز طرار معلوم ہوتی تھی۔ اس نے چیخنے کے لیے منہ کھولا لیکن لوسی نے اپنا ریوالور اس کے سر سے

تقریباً ایک فٹ اونچا کرتے ہوئے گویا دستہ اس کے سر پہ رسید کرنے کا ارادہ کیا اور غرانے کے سے انداز میں کہا۔ "شٹ اپ!"

عورت نے چیخنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اس کے بعد سارا کام آسانی سے ہوگیا۔ تھر تھر کانپتے مرد نے پہلے ہمارے فرار کے لیے عقبی دروازے کا تالا کھول دیا پھر بینک کا سیف کھول کر اس میں موجود تمام رقم میرے کینوس کے تھیلے میں ڈال دی۔

ہم نے ان کے منہ میں کپڑا ٹھونسا' انہیں کرسیوں سے باندھا اور عقبی دروازے سے نکل گئے۔ پورکی منصوبے کے مطابق عین اسی وقت اسٹیشن ویگن ڈرائیو کرتے ہوئے عقبی گلی میں داخل ہوا اور ہم پھرتی سے اس میں سوار ہوگئے۔ پانچ منٹ بعد ہم ہائی وے پر تھے اور درمیانی رفتار سے نہایت پُرسکون انداز میں لیک سٹی کی طرف جارہے تھے۔ لوسی نے اپنی اخروٹی رنگ کے بالوں والی وگ اُتار دی تھی اور میں نے اپنے ہیٹ اور نقلی داڑھی سے چھٹکارا حاصل کرلیا تھا۔

"کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟" راستے میں پورکی نے پوچھا۔

"نہیں۔ سب کچھ تمہارے منصوبے کے مطابق آسانی سے ہوگیا۔" لوسی نے جواب دیا۔

پورکی کو اس جواب سے گویا بے پناہ طمانیت حاصل ہوئی۔ اس کے حلق سے کچھ ایسی آواز برآمد ہوئی جیسے کوئی غرا رہا ہو۔ یہ اس کی مسرت بھری ہنسی تھی۔

"جب سب کچھ جیکی بوائے پر چھوڑ دیا جائے تو غلطی کا امکان نہیں رہتا۔" وہ مسرور لہجے میں بولا۔ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ جیکی بوائے کہتا تھا۔ اس کا اصل نام..... یا یوں کہئے کہ جس نام سے ہم اسے جانتے تھے' جیک بوائڈ تھا لیکن میں دل ہی دل میں یا پیٹھ پیچھے اسے پورکی کہتا تھا کیونکہ یہ نام اس کے لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا۔ وہ سچ مچ کے کسی سؤر سے بھی زیادہ بڑا سور تھا۔

اس کے چار سو پونڈ وزنی تھل تھل کرتے جسم میں جتنا گوشت اور چربی تھی اس سے کہیں زیادہ لالچ بھرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بے پناہ خودپسند بھی تھا۔ مجھے اس سے شدید نفرت تھی لیکن اس کے منہ پر میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس سال میں یہ تیسری واردات تھی جو ہم تینوں نے مل جل کر کی تھی۔ اصل خطرہ ظاہر ہے میں اور لوسی مول لیتے تھے لیکن جس طرح شیر سارا شکار خود کھا جاتا ہے' ہڈیاں دوسرے جانوروں کے لیے چھوڑ دیتا ہے اسی طرح وہ بھی گزشتہ دونوں وارداتوں کا بیشتر مال خود ہڑپ کرگیا تھا۔

اس بار میں نے تہیہ کررکھا تھا کہ اپنے لیے منصفانہ حصہ..... بلکہ ہوسکا تو اس سے بھی کچھ زیادہ وصول کروں گا۔ مجھے معلوم تھا اس پر ہنگامہ ہوگا۔ شاید خون خرابے کی بھی نوبت آجائے لیکن اب مجھے اس کی بھی پروا نہیں رہی تھی۔ میں اب اس کا حقارت بھرا سلوک مزید برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میرا سوٹ کیس میرے ایک کمرے کے فلیٹ میں تیار رکھا تھا۔ میں تہیہ کرچکا تھا کہ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے پورکی اور لوسی کی رفاقت سے جان چھڑا کر نامعلوم منزلوں کی طرف روانہ ہوجاؤں گا۔

لیک سٹی میں ہم ذرا دیر کے لیے رُکے' اس دوران لوسی سودا سلف خرید لائی۔ سودا سلف سے بھرے دو بڑے بڑے تھیلے اس نے پچھلی سیٹ پر میرے پاس رکھ دیے اور خود آگے پورکی کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کے بعد ہم ایک سڑک پر شمال کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سڑک ساحلی علاقے کی طرف جارہی تھی جہاں پورکی نے انشورنس ایجنٹ کی حیثیت سے ایک کیبن کرائے پر لے رکھا تھا۔

اس نے اپنی ویگن پر دونوں طرف جلی حروف میں لفظ "انشورنس" پینٹ بھی کروایا ہوا تھا۔ یہ بھی اچھی حکمتِ عملی تھی۔ اس تفریحی ساحلی علاقے میں قیام پزیر لوگ اس مخصوص ویگن کو وہیں دیکھنے کے اتنے عادی ہوچکے تھے کہ انہیں یقین ہی نہیں آسکتا تھا کہ قریبی قصبے میں بینک ڈکیتی کے دن صبح ہی صبح ویگن کچھ دیر کے لیے کہیں غائب ہوئی تھی۔

اس جھیل کے کنارے ایک دوسرے سے کچھ دور دور بارہ تیرہ کیبن تھے۔ سب کے سب تقریباً ایک ہی جیسے تھے۔ پورکی کا کیبن جھیل سے تقریباً سو گز دور تھا۔

پورکی نے گاڑی ڈرائیوے میں روکی جہاں لوسی کی نیلی گاڑی پہلے سے موجود تھی۔ وہ گاڑی سے اُترا تو اس کے اسپرنگ کم از کم چھ انچ اوپر اُٹھ گئے۔ وہ اطمینان سے اندر چل دیا۔ اسے یقین تھا کہ میں اور لوسی غلاموں کی طرح سودا سلف اور رقم سے بھرے تھیلے اُٹھائے اس کے پیچھے پیچھے آئیں گے۔

کیبن کا تالا کھولنے میں اسے کئی سیکنڈ لگے۔ میں نے دیکھا' تالا نیا اور کچھ خاص قسم کا تھا شاید پورکی نے خود لگایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے پچھلی وارداتوں سے حاصل شدہ مال بھی اندر ہی کہیں چُھپایا ہوا تھا۔

میں اس کیبن میں اس سے پہلے نہیں آیا تھا۔ اس میں عمومی استعمال کا ایک کمرا تھا۔ اسی کا ایک حصہ کچن پر مشتمل تھا۔ اندر کی طرف دو دروازے کھُلتے تھے جو یقیناً بیڈ رومز کے تھے۔ لوسی کے انداز و اطوار سے ظاہر تھا کہ وہ اس کیبن سے اچھی طرح مانوس تھی۔ اس نے پورکی کے سامنے بیئر کا ایک ڈبا رکھا اور بجلی کا چولہا آن کرکے کچھ پکانے کی تیاری کرنے لگی۔ سودا سلف کے تھیلے سے اس نے سؤر کے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا بھی نکال لیا تھا اور اسے بڑی سی چھری سے کاٹ رہی تھی۔

پورکی کے لیے یقیناً یہی مناسب ترین چیز تھی۔ یخ بستہ گوشت جس تھیلی میں تھا۔ اس پر دُکان کا نام "پریمیم ہیم" جلی حروف میں چھپا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ لوسی نے وہ شاپنگ بیگ سامنے ہی میز پر رکھ دیا تھا۔

پورکی نے بیئر کا ڈبا دو گھونٹ میں ختم کردیا تھا۔ بیئر اس کی باچھوں سے بہہ رہی تھی۔ لوسی جلدی سے اس کے لیے دوسرا ڈبا لانے دوڑی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس جانور نما انسان میں اُسے کیا کشش نظر آتی تھی جو وہ ہر وقت اور ہر طرح اس کی خدمت کے لیے مستعد رہتی تھی۔

میں نے بینک سے لوٹی ہوئی رقم کا تھیلا میز پر رکھا اور اسے کھولنے ہی لگا تھا کہ پورکی تحکمانہ انداز میں بولا۔ "پہلے میں کچھ کھالوں پھر رقم گنیں گے۔"

"رقم ابھی گنی جائے گی۔" میں نے کہا۔ "جس کے بعد میں پورا تیسرا حصہ لوں گا اور ہمیشہ کے لیے یہاں سے رخصت ہوجاؤں گا۔"

پورکی کی باچھوں سے کف سا بہنے لگا۔ وہ غرایا۔ "رقم کی تقسیم اسی طرح ہوگی جس طرح طے ہوا تھا۔ یعنی چوتھا حصہ تمہارے لیے۔ چوتھا حصہ لوسی کے لیے۔ باقی رقم میری ہوگی۔ اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔"

میں اپنی کرسی سے اٹھنے لگا۔ میرا ارادہ ریوالور نکال کر اس سے اسٹیشن ویگن کی چابیاں طلب کرنے اور تھیلا اُٹھا کر بھاگ جانے کا تھا لیکن فوراً ہی مجھے احساس ہوا کہ اس طرح کام نہیں چلے گا۔ مجھے روکنے کے لیے وہ کچھ بھی کر گزرے گا۔ میں اگر اس کی گاڑی لے گیا تو وہ فوراً پولیس کو اطلاع دے گا اور جلد ہی راستے میں کہیں نہ کہیں پولیس مجھے چوری کی گاڑی اور رقم سمیت پکڑ لے گی۔

زیادہ سے زیادہ مہلت حاصل کرنے کے لیے انہیں باندھ کر جانا ضروری تھا لیکن یہ کام بھی کچھ کم خطرناک نہیں تھا۔ پورکی نے اپنی توند میز سے تقریباً ایک فٹ پیچھے کھسکالی تھی۔ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب سے دور نہیں تھا اور اس کے کوٹ کی جیب میں ریوالور ہوتا تھا۔ لوسی بھی اس کے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب وحشیانہ سی چمک اُبھر آئی تھی۔ گوشت کاٹنے والی بڑی سی چھری اس کے ہاتھ میں تھی۔

مجھے فوراً احساس ہوگیا کہ رقم کا تھیلا لے کر بھاگنے کے لیے ان دونوں کو ہلاک کرنا ناگزیر تھا۔ میں ریوالور نکالنے میں پورکی سے زیادہ پھرتی دکھا سکتا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور اس بند کمرے میں کسی چھوٹی موٹی توپ جتنی گونج پیدا کرتا۔ آس پاس کے کیبنوں میں اچھی خاصی تعداد میں تفریح کے لیے آنے والے لوگ مقیم تھے۔ وہ یقیناً دوڑے آتے۔

پورکی کو ایک لمحے میں اندازہ ہوگیا کہ مجبوریوں نے میرے قدم روک لیے تھے۔ اس نے غیر انسانی سی آواز میں قہقہہ لگایا۔ میرا جی چاہا بیئر کا خالی ڈبا اُٹھا کر اس کے حلق میں ٹھونس دوں۔

اس کی ہنسی تھمی تو اس نے لوسی کو حکم دیا۔ "بیڈ روم سے بٹوے کا بیگ لاؤ۔"

لوسی نے چھری کچن کے کاؤنٹر پر رکھ دی اور بیڈ روم میں چلی گئی۔ وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پرانے فیشن کا چمڑے کا ایک بڑا سا بیگ تھا۔ پورکی نے کینوس کا تھیلا اس میں اُلٹ لیا اور خالی تھیلا میری طرف پھینکتے ہوئے بولا۔ "اسے لے جاکر بجلی کی بھٹی میں جلا دو۔ اب تک لوگوں کو بینک ڈکیتی کا علم ہوچکا ہوگا۔ تھیلا جلانے کے بعد اس وقت تک مجھے شکل نہ دکھانا جب تک میں آرام و سکون سے کچھ کھا پی نہ لوں۔"

میں اندر ہی اندر کھول رہا تھا لیکن فی الحال میں اپنے جذبات پر قابو رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ تھیلا اُٹھا کر میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لوسی نے بیئر کا ایک اور ڈبا پورکی کے سامنے لا رکھا تھا۔ میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ اس عورت میں عقل اور محسوسات نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ایسی صورت میں کوئی عورت پورکی جیسے جانور کی خدمت گزار ہوسکتی تھی۔

کینوس کے تھیلے کو نذرِ آتش کرنے کے بعد میں اس پُل پر چلا گیا جو گہری جھیل کے کنارے سے پانی کے اوپر خاصی دور تک جارہا تھا۔ میں پُل پر کھڑے ہوکر شفاف نیلے پانی کا نظارہ کرنے لگا۔ میں نے اپنے غصے پر کافی حد تک قابو پالیا تھا لیکن اندر ہی اندر میں اب بھی سُلگ رہا تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ وہ دونوں اندر بیٹھے میری حالت کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے محظوظ ہورہے ہوں گے۔ مجھے یقین تھا انہوں نے رقم کے حصے بخرے کرلیے ہوں گے۔ زیادہ رقم دونوں نے رکھ لی ہوگی۔ میرے لیے تھوڑی سی رقم چھوڑی ہوگی جسے وہ میرا "حصہ" قرار دے دیں گے۔

ان کے خیال میں مجھ جیسے احمق نوجوانوں کو اسی طرح استعمال کیا جانا چاہیے تھا۔ مجھے معلوم تھا جو رقم وہ میرے لیے چھوڑیں گے وہ میرے پاس زیادہ دن نہیں چلے گی۔ مجھے مجبور اور محتاج ہوکر

جرم و سزا کے موضوع پر
ایک چونکا دینے والی سرگزشت

کارلوس کا اُستاد

(علیم الحق حقی کی تحقیق و تحریر)

بدنامِ زمانہ دہشت گرد کارلوس اور اس کے اُستادِ معنوی محمد بُوضیا کے حالاتِ زندگی۔ ساری دنیا کے لیے دہشت کی علامت کارلوس آج کل فرانس کی سب سے خطرناک جیل لاسانتے میں پابندِ سلاسل ہے

ماہنامہ سرگزشت کا تازہ شمارہ ضرور پڑھیے

ایک بار پھر انہی کے پاس آنا پڑے گا۔ میں نے سوچ لیا تھا۔ اب میں مزید بے وقوف نہیں بنوں گا۔ مجھے نہ صرف تازہ ترین ڈکیتی کی پوری رقم حاصل کرنا تھی بلکہ جو کچھ پورکی نے کیبن میں کہیں چھپایا ہوا تھا اس پر بھی ہاتھ صاف کرنا تھا۔

جھیل کا نظارہ کرتے ہوئے مجھے خیال آیا' وہ اتنی گہری ضرور تھی کہ ایک طویل عرصے کے لیے دو لاشیں اس کی تہ میں چھپی رہ سکتی تھیں۔ کنارے پر رسّی سے بندھی ایک چھوٹی سی کشتی بھی دھیرے دھیرے ہلکورے لے رہی تھی اور گویا اشاروں ہی اشاروں میں میری مدد کا وعدہ کر رہی تھی۔

لیکن اس راستے میں بہت سی مشکلات حائل تھیں۔ پہلے تو کسی شور شرابے کے بغیر انہیں قتل کرنا ہی ایک مسئلہ تھا۔ بالفرض یہ کام ہو بھی جاتا تو پورکی جیسے ہاتھی کی لاش میں کس طرح گھسیٹ کر جھیل کے کنارے لا سکتا تھا اور کشتی میں ڈال سکتا تھا؟ لاش' زندہ انسان سے زیادہ وزنی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں اس علاقے میں اتنی بڑی لوہے کی کوئی چیز اور زنجیریں یا رسیاں وغیرہ کہاں سے حاصل کر سکتا تھا جو میں لاش کے ساتھ باندھ دیتا اور وہ عرصے تک تہ میں چھپی رہ سکتی۔

میں واپس کنارے پر آگیا اور ایک درخت کے نیچے بینچ پر بیٹھ گیا۔ مجھے بھوک لگی تھی لیکن کیبن میں جا کر پورکی کے ساتھ ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانے کا تصور میرے لیے کراہیت انگیز تھا۔ صرف ایک بار میں نے اس کے ساتھ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسے کھاتے دیکھا تھا۔ اس وقت کے تصور سے مجھے اب بھی اُبکائی آتی تھی۔

وقت گویا رینگ رہا تھا اور میں وہاں بیٹھا ان دونوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریقوں پر غور کیے جا رہا تھا۔ اچانک ہی ایک خیال میرے ذہن میں لپکا۔ جس طرح میں وہاں بیٹھا ان دونوں سے نجات حاصل کرنے کے طریقوں پر غور کر رہا تھا' یقیناً وہ دونوں اندر بیٹھے مجھ سے چھٹکارا پانے کے بارے میں سوچ بچار کر رہے تھے۔

اس خیال نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ محض دل کی تسلی کے لیے میں نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا' اسے چیک کیا' سلینڈر گھما کر دیکھا۔ وہ یقیناً عمدہ حالت میں تھا۔ میں اسے جیب میں واپس رکھنے ہی والا تھا جب مجھے اپنے عقب میں پختہ روش پر کسی کی آہٹ سنائی دی۔

میں ریوالور ہاتھ میں تھامے ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیزی سے گھوما۔ وہ لوسی تھی جو میری طرف آ رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ گال پر تھا اور اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔

میں نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور اسے بینچ پر بیٹھنے کے لیے جگہ دی۔ اس نے گال سے ہاتھ ہٹایا تو میں نے دیکھا وہ سرخ ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ پورکی نے اپنی گھناؤنی خواہشات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ایک بار پھر اسے بے دردانہ طریقے سے مارا بھی تھا۔

"وہ غلاظت کا انبار ہے۔" میں نے متاسفانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں اس کی ذات میں کیا نظر آتا ہے جو اس کے ساتھ رہتی ہو۔"

"مجھے اس کی ذات میں وہی کچھ نظر آتا ہے جو تمہیں نظر آتا ہے۔ یعنی دولت۔" اس نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"میرا تو خیال تھا کہ..... کہ..... تم اس سے....." میں ہکلا کر رہ گیا۔

"کہ میں اس کی محبت میں گرفتار ہوں۔ یہی سمجھتے تھے نا تم؟" اس نے بات مکمل کی۔ "میں اسے اسی غلط فہمی میں رکھنا چاہتی تھی لیکن اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔"

"تمہارا مطلب ہے تم اسے چھوڑ کر جا رہی ہو؟" میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں وہی حیوانی چمک نظر آئی جو میں نے کچھ دیر پہلے بھی دیکھی تھی۔ وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "ہاں میں اسے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے وہ اپنی رقم کہاں چھپا کر رکھتا ہے۔ اسے چھوڑ کر جاتے وقت میں اس کی رقم بھی ساتھ لے جاؤں گی۔"

"مجھے تم یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟" میں نے جاننا چاہا۔

"میں حقیقت پسندی سے کام لینے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"کچھ دیر پہلے جب تم نے کیبن میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم ساری دولت خود لے جانے کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ خواہ اس کے لیے تمہیں ہم دونوں سے چھٹکارا حاصل کرنا پڑے۔"

میں نے اس کی تردید نہیں کی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں ایسا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ یہ دولت جمع کرنے میں میری بھی بے پناہ محنت شامل ہے اور اس کے لیے میں نے نہ جانے کیا کچھ برداشت کیا ہے۔ اس دنیا میں آگے بڑھنے یا اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے لیے وہ دولت ہی میری واحد اُمید ہے۔ مجھے زندگی بھی چاہیے اور وہ دولت بھی۔ اس دولت کے بغیر میری زندگی میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔"

اس نے اپنے مضروب رخسار پر ہاتھ پھیرا جو دھیرے دھیرے کچھ سوجتا جا رہا تھا۔ اس طرف کی آنکھ میں نمی بھی زیادہ تھی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔ "میرا خیال ہے کہ وہ دولت ہم دونوں کے لیے بھی کافی ہے۔"

میں سمجھ گیا۔ وہ زندگی اور دولت..... یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی ہاتھ دھونے کی نسبت آدھے حصے پر قناعت

کرنے کے لیے تیار تھی۔

"تمہارے ذہن میں اس کے لیے کیا طریقہ کار ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اس وقت سویا ہوا ہے یا بس سونے ہی والا ہے....." وہ بولی۔ "اور ایک بار وہ سو جائے تو کم از کم دو گھنٹے کے لیے گہری نیند سویا رہتا ہے۔ یوں سمجھو ایک بے جان شہتیر کی طرح پڑا رہتا ہے۔ اس کے سوتے ہی میں خفیہ جگہ سے رقم نکال لاؤں گی۔ میری گاڑی میں بیٹھ کر ہم شہر جائیں گے۔ گاڑی وہیں چھوڑ دیں گے اور وہاں سے روانہ ہونے والی کوئی سی بھی پہلی پرواز پکڑ لیں گے۔ اس کے سو کر اُٹھنے تک ہم کم از کم دو سو میل دور نکل چکے ہوں گے۔"

تجویز تو معقول تھی۔ لگتا یہی تھا کہ اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا اور اب دولت کے لالچ میں بھی ذلت کی زندگی گزارنا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ خود پسند پورکی یقیناً اسی خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس کی ذات میں کچھ ایسی کشش، کچھ ایسی خوبیاں پنہاں تھیں جن کی وجہ سے لوسی اسے دھوکا دینے اور چھوڑ کر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ لوسی نے بالآخر اس کی خوش فہمی سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ اپنی آنکھ سے نمی صاف کرتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے گویا یقین ہو چکا تھا کہ میں اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھا۔ نہایت اطمینان سے وہ بولی۔ "تم یہیں ٹھہرنا، اس کام میں مجھے کچھ دیر لگے گی۔ جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ وہ سو چکا ہے تو میں لباس تبدیل کروں گی، اپنی جو دو چار چیزیں یہاں ہیں وہ اُٹھاؤں گی، رقم نکالوں گی اور جانے کے لیے تیار ہو کر آجاؤں گی۔"

میں اسے کیبن کی طرف واپس جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے چلنے کا انداز ہی بتا رہا تھا کہ وہ فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔ اس کے قدم غیر متزلزل تھے۔ حالات میرے حق میں پلٹا کھا رہے تھے۔ صرف لوسی سے نمٹنا میرے لیے ظاہر ہے بہت آسان تھا۔ جس کے بعد ساری رقم میرے قبضے میں آسکتی تھی۔

میں دبے قدموں پختہ روش پر چلتا ہوا کیبن تک پہنچا۔ پورکی کی اسٹیشن ویگن ڈرائیو وے میں کھڑی تھی۔ میں نے نہایت خاموشی سے اس کے انجن کے چند تاروں کے جوڑ علیحدہ کر دیے۔ پھر میں لوسی کی گاڑی میں بیٹھ کر لوسی کا انتظار کرنے لگا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا اضطراب بڑھنے لگا۔ کہیں وہ دونوں اندر بیٹھے میرے بارے میں تو کوئی منصوبہ نہیں بنا رہے تھے؟

میں ایک بار پھر اپنا ریوالور نکال ہی رہا تھا کہ لوسی کیبن سے باہر آتی دکھائی دی۔ اس کا چہرہ ہیجان سے سُرخ تھا لیکن جس گال پر گھونسا یا تھپڑ پڑا تھا وہ اب بھی زیادہ سُرخ دکھائی دے رہا تھا اور اُدھر کی آنکھ بھی انگارہ سی ہو رہی تھی۔ وہ لباس تبدیل کر چکی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پرس اور اپنا مختصر سفری بیگ تھا۔ دوسرے ہاتھ میں وہ چرمی بیگ تھا جس میں، میں نے پورکی کو رقم ڈالتے دیکھا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم ائرپورٹ پہنچ چکے تھے جہاں کچھ دیر پہلے ہی ایک فلائٹ پہنچی تھی اور مسافر باہر آرہے تھے۔ ہم راستے میں صرف چند لمحوں کے لیے رکے تھے اور میں نے اپنے کمرے سے اپنا سوٹ کیس لیا تھا جو پہلے ہی سے تیار رکھا تھا۔

پروازوں کے شیڈول پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوا کہ اگلی فلائٹ ایک گھنٹے بعد روانہ ہونے والی تھی اور اس کے ذریعے ہم سیدھے لاس اینجلس پہنچ سکتے تھے۔ آثار بتا رہے تھے کہ معاملہ بہ خیر و خوبی انجام کو پہنچ جائے گا۔ صرف ایک گڑبڑ کا امکان تھا کہ کہیں پورکی، لوسی کے اندازے سے پہلے بیدار نہ ہو جائے اور ہماری تلاش کے سلسلے میں حرکت میں نہ آجائے۔

"تم ٹکٹ خریدو۔" لوسی چمڑے کا بیگ میرے سوٹ کیس کے قریب رکھتے ہوئے بولی۔ "تب تک میں جلدی سے جا کر اپنے اپارٹمنٹ سے اپنی ضروری چیزیں لے آتی ہوں۔ میں چند منٹ میں واپس آجاؤں گی۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آتے آتے رہ گئی۔ لوسی کے جانے کے بعد میں اپنا سوٹ کیس اور چمڑے کا بیگ اُٹھا کر جہاز کے بجائے کسی اور ذریعے سے بھی رخصت ہو سکتا تھا۔

لوسی کی اس امکان کی طرف یقیناً پہلے ہی نظر تھی۔ وہ جلدی سے بولی۔ "اس دوران ہم یہ دونوں چیزیں لاکرز میں رکھ دیتے ہیں تاکہ میری واپسی تک محفوظ رہیں۔"

ظاہر ہے اسے مجھ پر بھروسا نہیں تھا! میں نے دو لاکروں میں سکّے ڈال کر چابیاں حاصل کیں۔ ایک لاکر میں اپنا سوٹ کیس رکھا اور دوسرے میں چمڑے کا بیگ۔ لاکر ہم نے مقفل کر دیے۔

"بالکل ٹھیک۔" لوسی اطمینان کی سانس لے کر بولی پھر اس نے چابی لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ایک چابی اس کے ہاتھ پر رکھ دی اور وہ تیزی سے رخصت ہو گئی۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اب میں نے اسے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے خاصی صفائی سے چابی اپنے ہاتھ میں تبدیل کر دی تھی۔ اسے اس لاکر کی چابی دے دی تھی جس میں میرا سوٹ کیس رکھا گیا تھا۔ اس لاکر کی چابی میرے پاس رہ گئی تھی جس میں چمڑے کا بیگ تھا۔

ایک جیسی دو چیزوں کو اس طرح تبدیل کر دینا خانہ بدوشوں کا پرانا شعبدہ تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ لوسی اس چکر میں آجائے گی۔ مجھے یہ بھی اُمید تھی کہ جب تک وہ واپس آئے گی میں بہت دور جا چکا ہوں گا۔ اب مجھے صرف یہ کرنا تھا کہ لاکر سے چمڑے کا بیگ نکال لیتا، ائرپورٹ سے نکلتا اور جو پہلی کار ہاتھ لگتی وہ چُرا کر تیز رفتاری سے کسی بھی راستے پر روانہ ہو جاتا۔

میں لاکر کی طرف جا رہا تھا کہ میری نظر دائیں طرف ایک چھوٹی سی میز پر پڑی جس پر تختی لگی تھی۔ "کاریں کرائے پر حاصل کیجیے۔"

محسوس کیا کہ میرے مسئلے کا بہترین حل میرے سامنے موجود تھا۔ کرائے کی کار میں' میں کسی بھی سمت میں سفر جاری رکھ سکتا تھا۔ مجھے اس خوف میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں تھی کہ راستے میں کہیں بھی مجھے کار چوری کے الزام میں پکڑا جا سکتا تھا۔

کاؤنٹر پر موجود' بھورے بالوں والی خوبصورت سی لڑکی کو یہ سمجھانے میں مجھے چند منٹ لگے کہ میں ابھی ابھی شہر میں آیا ہوں۔ قریبی جھیل کے کنارے میرے لیے ایک کیبن ریزرو ہے جہاں مجھے ہفتہ بھر قیام کرنا ہے۔ سیر و تفریح اور مختلف مقامات دیکھنے کے لیے مجھے کار کی ضرورت تھی۔

لڑکی نے میرے جعلی کاغذات اور کریڈٹ کارڈ قبول کر لیے۔ معاہدے کے کاغذات مجھے سائن کرنے کے لیے دیے پھر کہیں فون کرنے لگی۔ بالآخر ریسیور رکھ کر وہ پیشہ ورانہ خوش خلقی سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "آپ کی کار صرف چند منٹ میں یہاں پہنچ جائے گی سر! آپ تشریف رکھیں۔"

"میں ذرا اپنا بیگ لے آؤں۔" میں نے کہا اور جا کر لاکر سے چمڑے کا بیگ نکالا جو لوسی وہاں چھوڑ گئی تھی۔ اپنے سوٹ کیس کی مجھے کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اس میں تو صرف کپڑے اور روز مرہ کے استعمال کی چیزیں تھیں۔ انسان کے پاس رقم ہو تو ایسی چیزیں کسی بھی وقت کہیں بھی خرید سکتا ہے۔

چمڑے کا بیگ لے کر میں واپس "رینٹ اے کار" والی میز پر آگیا اور اس کے قریب ہی پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

بارہ تیرہ منٹ گزر گئے تو مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ شاید میں نے کرائے کی کار حاصل کرنے کا فیصلہ کر کے غلطی کی تھی۔ مجھے بار بار یہ فکر ستا رہی تھی کہ اگر لوسی لوٹ آئی تو مجھے وہاں بیٹھا دیکھ کر کیا سوچے گی؟

دفعتاً ایک نوجوان ہاتھ میں کار کی چابیاں لہراتا آیا اور میز پر موجود لڑکی کے قریب پہنچا۔ اس نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ میرے لیے کار آگئی تھی۔ میں نے سکون کی طویل سانس لی اور چمڑے کا بیگ اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اسی لمحے اچانک ہی دو آدمی نہ جانے کہاں سے نمودار ہوئے اور میرے دائیں بائیں آن کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک میرا بازو تھامتے ہوئے بولا۔ "ایک منٹ پلیز....."

دوسرے نے ایک شناختی کارڈ میرے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ "ہمارا تعلق سٹی پولیس سے ہے۔ ہم تمہارے سامان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس وارنٹ موجود ہے۔"

کاش اس وقت زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی..... میں تو چند منٹ پہلے یہاں پہنچا ہوں آفیسر..... اور....."

"ہمیں ایک گمنام فون کال موصول ہوئی ہے....." ان میں سے دراز قد پولیس آفیسر بولا۔ "وہ کسی کی شرارت بھی ہو سکتی ہے۔ ہمیں اس قسم کے فون موصول ہوتے رہتے ہیں جو محض شرارتاً یا کسی سنکی پن میں کیے جاتے ہیں۔ ایسی اطلاعات اکثر غلط ثابت ہوتی ہیں لیکن ہمیں بہرحال تصدیق تو کرنا ہی پڑتی ہے۔"

اس نے چمڑے کا بیگ میرے ہاتھ سے لے لیا۔ مجھ میں مزاحمت کی سکت نہیں تھی۔

پولیس کی آمد کا مطلب یہ تھا کہ پورکی' لوسی کے اندازے سے کہیں پہلے بیدار ہو گیا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس نے یقیناً پولیس کو میرے اور لوسی کے بارے میں مطلع کر دیا تھا اور غالباً شہر کی ساری پولیس فورس ہماری تلاش میں اس علاقے کو کھنگالتی پھر رہی تھی۔

آفیسر نے چمڑے کا بیگ کھول کر اس میں جھانکا۔ متاسفانہ سے انداز میں سر ہلایا اور بیگ اپنے ساتھی کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ رقم میری ہے..... میری ذاتی رقم ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہ میری عمر بھر کی جمع پونجی ہے....."

میں مزید کچھ کہتے کہتے رُک گیا کیونکہ آفیسر نے بیگ میرے سامنے اس طرح ترچھا کر دیا تھا کہ میں اس کے اندر دیکھ سکوں۔ میری ذہنی حالت گو کہ اس وقت اچھی نہیں تھی تاہم منے کی کرنیاں تو میں جوڑ ہی سکتا تھا۔

لوسی یقیناً بڑی سخت جان اور سفاک عورت تھی۔ بہرحال وہ بے وقوف ہرگز نہیں تھی۔ کیبن سے جتنی بھی رقم اس کے ہاتھ لگی تھی وہ یقیناً اس چھوٹے سے سفری بیگ میں تھی جو پرس کے ساتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ چمڑے کے اس بڑے بیگ سے اس نے رقم نکال لی تھی جبکہ میں اسی خوش فہمی میں تھا کہ رقم اسی بیگ میں ہوگی۔ کیونکہ میں نے پورکی کو تازہ ترین ڈکیتی کی رقم بھی اسی بیگ میں ڈالتے دیکھا تھا۔

اب لوسی پولیس کو میرے بارے میں اطلاع دینے کے بعد یقیناً محوِ سفر تھی اور میلوں دور جا چکی تھی۔ مجھے یقین تھا اس کی آنکھوں میں اس وقت بھی وحشیانہ سی چمک ہوگی اور چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ۔

میں اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ پولیس کو اس کے بارے میں مطلع کرتا یا خود اس کے تعاقب میں روانہ ہوتا۔ قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ پورکی بھی اس پوزیشن میں نہیں تھا۔

لوسی نے نہایت خوبصورتی سے حساب برابر کیا تھا اور کہیں جھول نہیں چھوڑا تھا۔ جس کا ایک ثبوت یہ تھا کہ اس نے پورکی کا سر کاٹ کر شاپنگ بیگ میں ڈال کر چمڑے کے بیگ میں رکھتے وقت ارد گرد ردی اخبار بھی ٹھونس دیے تھے تاکہ وہ ادھر اُدھر لڑھکتا نہ رہے۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ شاپنگ بیگ وہی تھا جس میں وہ سور کا گوشت لائی تھی اور جس پر نمایاں انداز میں "پریمیم ہیم" چھپا ہوا تھا!

PIG IN A POKE
RICHARD .O. LEWIS



پاگل موش

نجمہ مودی

وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کے تقاضے انسان کو اپنی صلاحیت اور استعداد میں اضافے پر مجبور کرتے رہتے ہیں، اس کی مصروفیات و مشاغل میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ یہ اس شوہر کی کہانی ہے جس نے اس بنیادی نکتے کو فراموش کر دیا تھا۔ وہ اپنی بیوی کو جس مقام پر چھوڑ گیا تھا، وہیں سمجھ رہا تھا۔

ایک شعبدہ باز کا قصہ جسے اپنے کمال فن پر ناز تھا

جونسن نے ٹیلیفون پر ڈائنا کو منانے کی بہت کوشش کی کہ وہ اسے طلاق دے دے مگر ڈائنا اس کے لیے کسی صورت آمادہ نہ ہوئی۔ ڈائنا، جونسن کی بیوی تھی مگر ایک عرصہ پہلے وہ اسے لندن میں چھوڑ کر نیویارک بھاگ گیا تھا۔ اب وہ واپس آیا تھا تو ایک لکھ پتی امریکی لڑکی جینی اس کے ساتھ تھی۔ جو نہایت معمولی شکل و صورت کی مالک اور عقل کی اندھی تھی۔ اس کی شخصیت اتنی بے کیف تھی کہ کوئی نوجوان ابھی تک دولت کے لالچ میں بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا جونسن اس کی زندگی میں داخل ہونے والا پہلا مرد تھا۔ جینی اس سے

یں بہتر یہی ہو گا کہ اُس وقت وہاں موجود رہو۔" اس کے لہجے میں دھمکی سی پنہاں تھی۔ دوسری طرف ڈانٹا ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔ جونسن کو یقین ہو گیا کہ وہ الجھن میں پڑ چکی تھی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی کوئی کمزوری اس کے شوہر کے ہاتھ آ گئی ہے۔

"ٹھیک ہے..." بالآخر وہ متذبذب لہجے میں بولی۔ "لیکن تم اس آس میں مت رہنا کہ میں تمھیں طلاق دینے پر آمادہ ہو جاؤں گی۔"

"میں جو کچھ کہوں گا اس کے بعد تم یقیناً آمادہ ہو جاؤ گی۔" جونسن نے بے حد پُراعتماد لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ فون بوتھ سے باہر آیا تو اس کے ہونٹوں پر ملکی سی مسکراہٹ نمایاں تھی۔

اس رات ساڑھے آٹھ بجے وہ جینی کو اپنے ساتھ کار میں بٹھائے فلہم کے علاقے سے گزر رہا تھا۔ "یہ کیٹ فورڈ کا علاقہ ہے۔" اس نے جان بوجھ کر جینی کو غلط بتایا۔ یہ اس کے منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ درحقیقت کیٹ فورڈ کا علاقہ فلہم کے علاقے سے میلوں دور تھا۔

"کیٹ فورڈ..." کوڑھ مغز جینی نے زیرِ لب دُہرایا۔ "پہلی مرتبہ اس علاقے کا نام سُن رہی ہوں۔" اس بے چاری کو پہلی مرتبہ جو بھی بات بتائی جاتی تھی وہ اسے یاد رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتی تھی۔ کیٹ فورڈ کا نام اگر اس نے کبھی نہیں سنا تھا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ وہ پہلی بار لندن آئی تھی۔

چند لمحے بعد جونسن ایک ریستوران کے قریب گاڑی روکتے ہوئے بولا۔ "آؤ کھانا کھا لیں۔"

جینی نے قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک سستا اور معمولی سا ریستوران تھا۔ کینٹن خاندان کا کوئی فرد ایسے ریستوران میں کھانا کھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"دی ایلیرا..." جینی نے نیون سائن پر نظر دوڑاتے ہوئے زیرِ لب ریستوران کا نام پڑھا۔ جونسن کو معلوم تھا کہ اسی نام سے اس ریستوران کی دوسری شاخ کیٹ فورڈ کے علاقے میں بھی تھی۔ دونوں کی عمارت تقریباً یکساں تھی اور دونوں میں اسی طرح رش رہتا تھا۔

جونسن کو معلوم تھا کہ جینی ریستوران میں جاتے ہوئے ہچکچا رہی ہے۔ نہایت محبت سے وہ جینی کو سمجھانے لگا۔ "اگر صحیح معنوں میں لندن کی سیر کرنی ہو تو کم از کم ایک شام ضرور عوامی جگہوں پر گزارنی چاہیے۔ ورنہ سمجھو کہ لندن دیکھا ہی نہیں۔"

"ہاں... یہ بات تو درست معلوم ہوتی ہے۔" جینی بولی۔

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۴۰ روپے ڈاک خرچ ۶ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۶۰ روپے ڈاک خرچ ۶ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ
وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۵۰ روپے ڈاک خرچ ۶ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ
جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۴۰ روپے ڈاک خرچ ۶ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پاکیزگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۶ روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۱۵ روپے ڈاک خرچ ۶ روپے

نک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور سپر نک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چراتا ہے۔
قیمت جلد اول ۱۵، جلد دوم ۲۰
ڈاک خرچ فی جلد ۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پروپرائٹر کیس ۲۲ سید مشین ٹیلرنگ ایریا، سٹریٹ نمبر ۱ ای آئی پیدگیر روڈ کراچی ۱

وہ بہت آسانی سے جونسن کی ہر بات سے اتفاق کر لیتی تھی محبت ان پر اپنا اثر زیادہ دکھاتی ہے جو ذہنی طور پر کمتر ہوتے ہیں۔

ریستوران میں بھیڑ بھاڑ تھی اور کھانا بھی اچھا نہیں تھا۔ لیکن جینی نے کوئی شکوہ نہیں کیا اس کے لیے تو یہی خوشی کافی تھی کہ وہ جونسن کے ساتھ تھی۔

جونسن نے گھڑی دیکھی، نو بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔ ڈائنا کا فلیٹ یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ جونسن کی معلومات کے مطابق ڈائنا دو سال قبل اس فلیٹ میں منتقل ہوئی تھی۔

وہ جینی کی پیالی میں مزید کافی انڈیلنے لگا اور اس دوران اس نے جینی کی توجہ کسی بہانے میز سے ہٹاتے ہوئے کافی کی پیالی الٹ دی۔ کافی جینی کے فراک پر گری تو وہ اچھل پڑی۔ اس کا ہاتھ ایک لمحہ پہلے میز پر ہی تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ پیالی اس کا ہاتھ لگنے کی وجہ سے الٹی ہے۔

"اوہ... میں کتنی بھوہڑ ہوتی جا رہی ہوں۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔" جونسن نے اسے تسلی دی۔ اس کی انگلیاں بڑی مشاق تھیں۔ اس قسم کے چھوٹے موٹے کام تو وہ نہایت آسانی سے اس طرح انجام دے سکتا تھا کہ دوسرا یہی سمجھتا شاید اسی سے غلطی ہو گئی ہے۔ ہاتھ کی صفائی اس کے پیشے کی بنیاد تھی۔ آغوزہ شعبدہ باز تھا۔

"میرا خیال ہے میں پاؤڈر روم میں چلی جاؤں۔" جینی بولی۔ "اس فراک کو صاف کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"ہاں ضرور۔" جونسن بولا پھر اس نے جینی کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے سرسری سے لہجے میں کہا۔ "بہتر ہوگا کہ از سر نو میک اَپ بھی کر لو۔ سارا میک اَپ خراب ہو چکا ہے۔"

میک اَپ کچھ ایسا خراب نہیں ہوا تھا لیکن جونسن کو معلوم تھا کہ اب وہ پاؤڈر روم میں میک اَپ بھی ضرور نئے سرے سے کر کے آئے گی۔ جونسن کی ہر بات اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ دراصل خاصے طویل عرصے کی محنت کے بعد جونسن اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ اس کی دولت کی وجہ سے اس سے محبت نہیں جتاتا بلکہ حقیقتاً اس کی محبت میں گرفتار ہوا ہے۔ اب جینی کے ذہن پر مکمل طور پر اس کا قبضہ تھا۔

"میں جلدی آ جاؤں گی جونی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"جلد بازی کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے۔" جونسن بے پروائی سے بولا۔ اسے معلوم تھا کہ جینی نے اگر اپنی دانست میں پھرتی سے کام لیا تب بھی اسے پاؤڈر روم میں دس منٹ لگ جائیں گے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ ریستوران میں کسی کی توجہ اس کی طرف نہیں۔ وہ چند منٹ کے لیے وہاں سے کھسک جاتا اور پھر واپس آ جاتا تو کسی کو احساس تک نہ ہوتا۔

تین منٹ بعد وہ ڈائنا کے فلیٹ کی کال بیل بجا رہا تھا۔ رات تاریک اور سرد تھی۔ سڑکوں اور گلی کوچوں میں ویرانی تھی، عمارت کی سیڑھیوں میں بھی جونسن کا کسی سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

ڈائنا کے دروازہ کھولتے ہی جونسن اندر پہنچ گیا۔ گرد و پیش کا جائزہ لے کر وہ قدرے حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ فلیٹ کشادہ اور پُرتعیش تھا۔ ڈائنا کے اپنے حلیے سے بھی خوشحالی عیاں تھی۔ وہ اب نچلے درجے کی رقاصہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے جسم پر بیش قیمت مخملیں ہاؤس کوٹ تھا۔ اس کا ہیئر اسٹائل اور میک اَپ کسی اچھے بیوٹی پارلر کا مرہونِ منت نظر آ رہا تھا۔ بڑھتی عمر کے اثرات بڑی خوب صورتی سے چھپ گئے تھے اور وہ دلکش و پُراعتماد نظر آ رہی تھی۔

ڈائنا نے بھی دلچسپی آمیز نظروں سے جونسن کا جائزہ لیا۔ وہ بھی ایک پختہ العمر اور آسودہ حال شخص نظر آ رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات تھی جس نے ڈائنا کو یک لخت خوفزدہ سا کر دیا۔ وہ اس کی طرف بڑھا تو ڈائنا پیچھے ہٹتی چلی گئی اور بالآخر دیوار سے جا لگی۔ تب اچانک ہی جونسن نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ لی۔ ڈائنا نے چیخنا چاہا لیکن اس کے حلق سے صرف خرخراہٹ کی سی آواز برآمد ہو سکی۔ اس کے حلقوم پر جونسن کے مضبوط ہاتھوں کا دباؤ بڑھتا چلا گیا۔

اس کی زندگی کا چراغ چند لمحوں میں گل ہو گیا۔ وہ کوئی خاص مزاحمت بھی نہ کر سکی۔ جونسن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کلائی سے ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکرائی جس کے نتیجے میں ڈائنا کی چھوٹی سی رسٹ واچ کا شیشہ چٹخ گیا اور سوئیاں اپنی جگہ رک گئیں۔ جونسن نہیں چاہتا تھا کہ پولیس کو ڈائنا کی موت کے صحیح وقت کا تعین کرنے میں ذرا بھی دشواری ہو۔

تین منٹ بعد وہ واپس ایلوریا پہنچ چکا تھا۔ ان کی میز پر دوسرے لوگ آ کر بیٹھ چکے تھے۔ وہ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بل وہ جاتے وقت ادا کر ہی گیا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے اپنے دستانے اتارے تو یہ دیکھ کر اسے قدرے حیرت ہوئی کہ اس کی انگلیاں جن پر اسے زبردست کنٹرول حاصل تھا، دھیرے دھیرے کانپ رہی تھیں۔

چند لمحے بعد جینی اس کے پاس آ پہنچی، جینی.... جس سے وہ اب کسی بھی دن بلا خوف و خطر شادی کر سکتا تھا۔ اسے ساتھ لے کر وہ نائٹس برج کے اس کلب کی طرف واپس چل دیا جہاں وہ آج کل اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہاں اس نے اپنے اور جینی کے لیے ڈرنکس منگوائیں۔ اپنے اندر کا اضطراب چھپانے کے لیے وہ بے تکان بولے جا رہا تھا لیکن اسے خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس موضوع پر بات کر رہا ہے۔ دل ہی دل میں بار بار وہ اپنے آپ کو بس یہی تسلی دیے جا رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر جینی حلفیہ بیان دے گی کہ شام سے لے کر رات گئے تک وہ اس کے ساتھ رہا تھا۔ زیادہ امکان یہی تھا کہ باؤڈر روم جانے کے واقعے کا وہ تذکرہ نہیں کرے گی۔ اور اگر تذکرہ کر دیتی تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ظاہر ہے وہ چند منٹ کے اندر رکیٹ فورڈ کے علاقے سے فلیم پہنچ کر ڈاٹنا کو قتل کر کے واپس تو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ چیز ناممکنات میں سے تھی۔

وہ جب اس ہوٹل میں پہنچے جہاں ان کا قیام تھا تو لابی سے دو بھاری بھرکم سے آدمی ان کی طرف بڑھے۔ ان کی چال ڈھال اور وضع قطع دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ پولیس والے تھے۔ ان کی آمد کا مطلب تھا کہ ڈاٹنا کی لاش دریافت کی جا چکی تھی۔ جونسن جان بوجھ کر اس کے فلیٹ کا دروازہ کھلا چھوڑ کر آیا تھا تاکہ آتا جاتا کوئی دوسرا کرائے دار متجسس ہو کر اندر جھانک لے۔

"مسٹر جونسن؟" بڑی عمر والے سراغرساں نے اس کے سامنے اپنا کارڈ لہراتے ہوئے تصدیق چاہی۔

"جی ہاں۔ میں ہی جونسن ہوں۔" اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "اور دنیا کے عظیم ترین جیب کترے کے طور پر بھی معروف ہوں۔ لیکن آپ کو شاید معلوم ہی ہوگا کہ میں اپنے فن کا مظاہرہ صرف حاضرین اور ناظرین کے سامنے کرتا ہوں۔"

جونسن کا مشہور ترین شعبدہ یہی تھا کہ کسی بھی ہال میں وہ چند سیکنڈ کے لیے اسٹیج سے اتر کر حاضرین کے درمیان سے گزرتا تھا اور اسی دوران دو تین آدمیوں کے بٹوے پار کر لیتا تھا۔ انھیں شبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ بعد میں جب تالیوں کی گونج میں اندر کے بٹوے واپس کرتا تھا۔

انسپکٹر نے اس کے تعارف میں ذرا بھی دلچسپی لیے بغیر خشک لہجے میں کہا۔ "سر! میں آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں کہ آپ کی بیوی ڈاٹنا جونسن ڈیڑھ گھنٹے قبل اپنے فلیٹ میں مُردہ پائی گئی ہے۔"

"اوہ... نہیں... یہ کیسی بھیانک خبر سنا دی آپ نے...!"



جونسن نے زیادہ سے زیادہ وحشت زدہ اور پریشان نظر آنے کی کوشش کی۔ "کس طرح مر گئی وہ؟"

"اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے مسٹر جونسن!" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"بے چاری ڈاٹنا...! اس نے بھلا کسی کا کیا بگاڑا تھا...!" جونسن نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"ہمیں امید ہے کہ اس کے قاتل کی تلاش میں آپ ہماری مدد کر سکیں گے۔"

"کاش میں کر سکتا! لیکن مجھے تو اس کے حالات کے بارے میں کچھ علم ہی نہیں۔ دو سال سے میری اس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ میں اس دوران امریکا میں رہا ہوں۔ چند ہی دن پہلے واپس آیا ہوں۔ ہمارے درمیان بہت عرصہ پہلے علیحدگی ہو چکی تھی اور عنقریب طلاق ہونے والی تھی۔ اس سلسلے میں ہماری بات چیت ہو چکی تھی۔"

"کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آج رات ساڑھے آٹھ سے دس بجے کے درمیان آپ کہاں تھے؟"

اس سوال کا جواب جینی نے دیا۔ "جونسن شام سے لے کر اب تک میرے ساتھ تھا۔"

"اس دوران یہ چند منٹ کے لیے بھی آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں گئے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"ساڑھے آٹھ سے دس کے دوران ہم یا تو کار میں رہے ہیں یا پھر کیٹ فورڈ کے علاقے کے ریستوران 'ایلیرا' میں۔" جینی نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔

جونسن متانت سے بولا۔ "اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں آپ کا مطلوبہ آدمی نہیں ہوں انسپکٹر!"

"ہم ابھی مطمئن نہیں ہوئے ہیں سر!" انسپکٹر کے لہجے نے جونسن کے جسم میں خوف کی لہر دوڑا دی۔ کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی؟ اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے پوچھا لیکن اسے کہیں کسی گڑبڑ کا امکان نظر نہ آیا۔

"دیکھو انسپکٹر...!" وہ پُراعتماد بلکہ بارعب لہجے میں بولا۔ "مجھے بھلا اپنی بیوی کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہمارے راستے جُدا ہو چکے تھے اور ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔"

"میں آپ کا بٹوا دیکھ سکتا ہوں؟" اچانک انسپکٹر نے پوچھا۔

"اس کی کیا ضرورت آن پڑی؟" جونسن نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور دوسرے ہی لمحے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ بٹوا اس کے اوورکوٹ یا کوٹ کی کسی جیب میں نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ایلیوریا ریستوران میں بل ادا کرنے کے بعد اس نے بٹوا اوورکوٹ کی اندر کی جیب میں رکھا تھا۔ وہ یقیناً ڈائنا کے فلیٹ میں نہیں گرا تھا کیوں کہ ڈائنا کو ہلاک کرنے کے بعد اس نے چاروں طرف اسی خیال سے اچھی طرح نظر دوڑائی تھی کہ کہیں وہ اپنا کوئی سراغ تو نہیں چھوڑے جا رہا؟ مطمئن ہونے کے بعد ہی وہ وہاں سے واپس آیا تھا۔

"سوری انسپکٹر! میرا خیال ہے میں بٹوا کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں۔" بالآخر وہ بولا۔

"یہ تو نہیں ہے آپ کا بٹوا؟" انسپکٹر نے ایک بٹوا جیب سے نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ مگرمچھ کی کھال کے جانے پہچانے بٹوے کو دیکھ کر اس کا دل ڈوب سا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بٹوا انسپکٹر کے ہاتھ کہاں سے لگ گیا تھا! اس میں ایلیوریا ریستوران کا بل بھی اس نے جلدی میں اڑس لیا تھا۔

انسپکٹر گویا اس کے خیالات پڑھتے ہوئے بولا۔ "آپ نے فلیم والے ایلیوریا ریستوران میں کھانا کھایا تھا۔ کیٹ فورڈ کے علاقے والے ایلیوریا میں نہیں۔ آپ کو جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

جینی اپنی دانست میں اس کے دفاع کے لیے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے بولی۔ "اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے واقعی سمجھا ہوگا کہ ہم کیٹ فورڈ میں ہیں۔ لندن اتنا بڑا شہر ہے، کوئی بھی دھوکا کھا سکتا ہے۔"

انسپکٹر نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور ملائمت سے پوچھا۔ "کیا آپ ریستوران میں تمام وقت مسٹر جونسن کے ساتھ رہیں؟ چند لمحے کے لیے بھی آپ دونوں ایک دوسرے کی نظر سے دور نہیں ہوئے؟"

"صرف چند منٹ کے لیے میں پاؤڈر روم میں گئی تھی۔ میرے کپڑوں پر کافی گر گئی تھی اور جونسن نے مشورہ دیا تھا کہ اس کا کچھ بندوبست کرنے کے ساتھ ساتھ میں اپنا میک اپ بھی درست کر لوں۔ تاہم میں دس منٹ سے زیادہ پاؤڈر روم میں نہیں رہی۔" جینی روانی سے بولتی چلی گئی۔

"احمق کہیں کی!" جونسن اندر ہی اندر کراہ اٹھا۔ "یہ الو کی پٹھی ابھی تک سمجھ ہی نہیں سکی کہ انسپکٹر قتل کے شبہے میں مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہا ہے!"

وہ مُردہ سی آواز میں بولا۔ "تمھیں میرا بٹوا کہاں سے ملا انسپکٹر؟" اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کے لیے اب کوئی راہِ فرار نہیں رہی۔

"آپ کی بیوی کے ہاؤس کوٹ کی جیب سے۔" انسپکٹر نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ بھی انتہائی ماہر جیب تراش تھی۔ مجھے یقین ہے مرتے مرتے اس نے آپ کا بٹوا محض اس لیے پار کیا تھا کہ ہم جان سکیں قاتل کون ہے۔"

"میرا خیال ہے آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" جونسن تیزی سے بولا۔ "جیب تراش وہ نہیں تھی میں ہوں۔ چند سال پہلے میں نے اسے ہاتھ کی صفائی کے کچھ گُر سکھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا اس طرف رجحان نہیں تھا۔ عریاں رقص اسے زیادہ آسان محسوس ہوتا تھا۔"

"مسٹر جونسن! میرا خیال ہے آپ نے بہت طویل عرصے سے اس کا کوئی شو نہیں دیکھا۔ کچھ عرصہ پہلے تو وہ ٹی وی پر بھی آ چکی تھی۔ رقص کے ساتھ ساتھ وہ حاضرین میں سے کسی کا بٹوا پار کرنے کا مظاہرہ بھی کرتی تھی۔ وہ تو اس فن میں بہت طاق تھی۔ شاید آپ کے جانے کے بعد اس نے اس میدان میں محنت کی تھی۔"

اس لمحے جونسن نے اپنے آپ کو قطعی احمق محسوس کیا۔ اسے پہلے ہی معلوم کر لینا چاہیے تھا کہ آخر کس ہنر کی بدولت ماضی کی ایک تھرڈ کلاس رقاصہ بلیو پینتھر جیسے اونچے کلب میں اپنا شو پیش کر رہی تھی۔

پھر اسے سیزیو کا مشورہ یاد آیا۔ سیزیو نے کل ہی تو اس سے کہا تھا۔ "تمھیں ضرور ایک بار جا کر بلیو پینتھر میں اپنی بیوی کا شو دیکھنا چاہیے۔ تم اس پر فخر کیے بغیر نہیں رہ سکو گے۔"

.... اور وہ سوچ رہا تھا کاش اس نے واقعی جا کر اپنی بیوی کے 'فن' کا مظاہرہ دیکھ لیا ہوتا!

RENDEZVOUS WITH A STRIPPER
Louise Hoffman.



ذریعۂ نجات

نجمہ مودی

پولیس ریکارڈ کے مطابق وہ ایک گمشدہ آفیسر تھا۔ نشے کی لت نے اُسے گوشۂ گمنامی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ایک روز اُسے اپنی نجات کا راستہ نظر آ گیا۔

اُس شکاری کا قصہ جو خود شکار ہو گیا تھا

کوئی نادیدہ ہاتھ میرا کندھا ہلا رہا تھا۔ میں نیند سے کچھ اس طرح بیدار ہوا جیسے کوئی رسّی کے سہارے مجھے کسی تاریک دلدل سے باہر کھینچ رہا ہو۔ بیدار ہونے کے باوجود میں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ میرے مُنہ میں گویا گھٹیا وہسکی کی ہزاروں بوتلوں کی کڑواہٹ جمع تھی۔ میں نے تھوک نگلنے کی کوشش کی تو یہ کڑواہٹ اور بھی زیادہ تکلیف دہ محسوس ہوئی۔

آنکھیں کھولے بغیر ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ صبح ہو چکی ہو گی۔ اگر میرے لیے پہلے ہی سے ہیروئن کا انجکشن تیار نہ رکھا ہوتا تو صبح کا وقت ہمیشہ میرے لیے بہت بُرا، بہت بے ہودہ اور منحوس سا ہوتا تھا۔ آج کی صبح بھی میرے لیے بہت بے ہودہ، بہت ہی صبر آزما تھی کیونکہ میرے پاس نہ تو ہیروئن کا انجکشن موجود تھا اور نہ ہی خریدنے کے لیے رقم تھی۔ میں قطعی قلاش تھا۔ اپنا اوور کوٹ تک میں تین دن قبل بیچ چکا تھا۔ اب میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے فروخت کر کے میں ہیروئن خرید سکتا۔

میرے لیے صبحیں دو ہی طرح کی ہوتی تھیں۔ ایک غلط صبح اور دوسری صحیح صبح۔ آج کی صبح میرے لیے ایک انتہائی غلط صبح تھی۔ مجھے ہیروئن کے شاٹ کی اشد ضرورت تھی اور میرے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں تھی۔ بیدار ہوتے ہی مجھے اپنے جسم میں کپکپی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی پرانی، زنگ خوردہ موٹر کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو اور اس کا پُرزہ پُرزہ

لرز رہا ہو۔

میں دوبارہ سو بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ کپکپی مجھے سونے نہیں دے گی۔ اس کے علاوہ وہ ہاتھ بھی میرے کندھے سے نہیں ہٹ رہا تھا۔ وہ مجھے جھنجوڑے جا رہا تھا۔ پھر میں نے ایک آواز سُنی۔ "اٹھو نشے باز! انجکشن کے خواب دیکھنے بند کرو اور آنکھیں کھولو۔"

میں نے آواز پہچان لی اور مجھے اندیشہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ خواب نہ ہو۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور روشنی میری آنکھوں میں خنجر کی طرح اُتر گئی۔ کول فشر کا دھندلا سا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں حتی الامکان پھرتی سے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور آنکھوں کی دُھندلاہٹ دور کرنے کے لیے تیزی سے پلکیں جھپکانے لگا۔ اپنے جسم کی کپکپاہٹ پر قابو رکھنے کے لیے میں نے ڈریسنگ ٹیبل کا سہارا لے لیا۔

"گڈ مارننگ فشر!" میں نے بڑی کوشش سے یہ تین الفاظ ادا کیے۔ انجکشن میسّر آنے سے پہلے صحیح طرح بولنا اور سیدھا کھڑا ہونا' یہ سب میرے لیے مشکل کام تھے۔

"گڈ مارننگ جناب سراغرساں!" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ اس کے ہونٹوں پر تضحیک آمیز سی مسکراہٹ تھی۔ میں آگے بڑھ کر اس کے مُنہ پر گھونسا رسید کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے اپنے آپ کو باز رکھا۔ ایک عقلمند آدمی... یا یوں کہیے کہ ایک عقلمند نشے باز اس شخص کے مُنہ پر گھونسا رسید نہیں کرتا جو اسے منشیات سپلائی کرتا ہو۔ میں نے اس کے لہجے اور اس کی مسکراہٹ کو نظرانداز کر دیا۔

وہ مختصر قد و قامت کا آدمی تھا اور چہرے ہی سے گھٹیا دکھائی دیتا تھا۔ قدرے بیزاری سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے زرد سی آنکھوں سے میرا سراپا جائزہ لیا اور کہا "تمہیں اس وقت انجکشن کی ضرورت ہے نا؟" وہ میری کیفیت کو بھانپتے ہوئے گویا اندر ہی اندر لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ حالانکہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اعتراف ویسے ہی میرے سراپا پر لکھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی کپکپی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "مجھے ایک انجکشن دے دو فشر!" میرے اعصاب پر تناؤ بڑھتا جا رہا تھا اور میں اندر ہی اندر کانپ رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی میرے جسم کو کھینچ کھانچ کر اس کے ٹکڑے کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ دوبارہ آنکھیں کھولیں تو مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

فشر کی آواز مجھے دور کہیں تاریکی سے ابھرتی محسوس ہوئی۔ سپاٹ اور سفاک سی آواز میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے نشے باز! میں ازراہِ مہربانی تمہیں انجکشن دے دوں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔ اس دوران میں تمہیں صرف اتنا ڈوز دوں گا کہ تم چلنے پھرنے اور کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل رہو۔ کام ختم ہونے کے بعد تمہیں بڑا اور تسلی بخش ڈوز ملے گا۔"

"مجھے تو تمہاری صورت بھی دکھائی نہیں دے رہی فشر!" میں نے کہا "بڑے ڈوز کی ضرورت تو مجھے اس وقت ہے۔ تم مجھے ابھی بڑا ڈوز دے دو۔" میرے لہجے میں التجا تھی۔

یادوں کی کچھ تصویریں میری آنکھوں کے سامنے سے گزریں اور فراموشی کے اندھیروں میں گم ہو گئیں۔ ایک وقت تھا کہ میں کول فشر کو تھپڑ مارتا ہوا پولیس اسٹیشن لے جا سکتا تھا اور اس سے جو چاہتا پوچھ سکتا تھا لیکن وہ وقت اب قصۂ پارینہ ہو چکا تھا۔ وہ لمحے ہیروئن کے نہ جانے کتنے انجکشنوں کے انبار تلے دفن ہو گئے تھے۔

"ہرگز نہیں۔" فشر کہہ رہا تھا۔ "تمہیں صرف اتنی خوراک ملے گی جو چلتا پھرتا رکھنے کے لیے کافی ہو۔" اس کے بولنے کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کا دھیان میری طرف نہیں تھا۔ وہ یقیناً سرنج بھر رہا تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹ چکا تھا۔ میرا جسم سوکھی لکڑی کی طرح اکڑا ہوا تھا۔ وقت میرے لیے کسی ایک نقطے پر مرکوز ہو گیا تھا۔

میں نے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی۔ چند لمحے تک میں نے آنکھیں بند ہی رکھیں۔ دوبارہ کھولیں تو مجھے نظر آنے لگا۔ زندگی کی حرارت بھی میری رگوں میں دوڑنے لگی تھی۔ میں نے چند لمحے کے لیے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا پھر خاصے پُرسکون لہجے میں پوچھا "کام کیا ہے فشر؟"

فشر مسکرا دیا۔ اس کے چھدرے دانت پتلے پتلے ہونٹوں کے عقب سے جھانکنے لگے۔ اسے گویا کچھ یاد آ گیا تھا۔ وہ اس یاد سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا "پولیس کے ریکارڈ میں تمہارا اندراج ایک گمشدہ آفیسر کے طور پر ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ انہیں تو شاید علم بھی نہیں کہ تم زندہ ہو۔ ان کا خیال ہے کہ سال بھر پہلے غالباً تم کسی کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہو۔"

"درست ہے۔" میں نے تسلیم کیا۔

"لیکن آج پولیس والوں کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی حیرت کا سامنا کرنا پڑے گا پیارے نشے باز!" فشر خوشگوار لہجے میں بولا۔ "تمہیں ایک قاتل کو تلاش کرنا ہے اور اس کے بعد سیدھا پولیس والوں کے پاس واپس جانا ہے۔"

اس کی طرف سے کسی وضاحت کے بغیر ہی میں سمجھ گیا کہ اس قتل کا تعلق یقیناً اس کی اپنی ذات سے ہوگا ورنہ وہ کبھی اس کا تذکرہ اپنی زبان پر لے کر باہر نہ نکلتا۔ مجھ جیسے بے ضرر آدمی سے بھی اس کا ذکر کرنے کی زحمت نہ کرتا۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں بھی دیر نہ لگی کہ لاش یقیناً 'نیو ایج سینما ہاؤس' میں تھی جس کا مالک وہ خود تھا۔ تب ہی وہ عام پولیس والوں کو اطلاع دینے کے بجائے قاتل کو تلاش کرانے کی غرض سے میرے پاس آیا تھا۔ پولیس کو بلانے کا مطلب یہ ہوتا کہ سینما ہاؤس

کی آڑ میں چلتے ہوئے اس کے اصل دھندے سے بھی پردہ اٹھنے کا امکان پیدا ہو جاتا۔

فشر یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کیونکہ منشیات کے دھندے کے خلاف شہری انتظامیہ کی پالیسی بہت سخت جا رہی تھی۔ اگر ایک بار کوئی ثبوت مل جاتا کہ وہ منشیات کا دھندہ کرتا تھا تو پھر اسے کوئی نہیں بچا سکتا تھا' خواہ وہ کتنے ہی سنیما گھروں کا مالک ہوتا یا پولیس میں اس کا کتنا ہی اثر رسوخ ہوتا۔

لیکن اگر میں قاتل کو تلاش کر کے پولیس تک لے جاتا تو کوئی زیادہ گہرائی میں جھانکنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ میں فشر کی اس مصلحت کو فوراً ہی سمجھ گیا تھا۔ جب نشہ میرے لہو میں شامل ہو کر رگوں میں دوڑ رہا ہوتا تھا تو میرا ذہن بالکل اسی زمانے کی سی عمدگی اور مستعدی سے کام کرتا تھا جب میں نشے کی دلدل میں غرق نہیں ہوا تھا۔

میں یہ کام کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ مجھے قتل و غارت اور اس کی تفتیش' دونوں سے نفرت ہو چکی تھی لیکن نشے باز میں اگر ذرا سی بھی عقل باقی ہو تو وہ اپنے سپلائر کو ناراض کرنے والی کوئی بات نہیں کرتا۔ چنانچہ میں نے ذرا ڈھنگ کی پتلون قمیص پہنی اور مستعدی سے کہا "کیوں نہیں فشر! اگر میں تمہارے کسی کام آسکوں تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"بالکل ٹھیک۔" فشر طمانیت سے بولا "تم جتنے بڑے سراغرساں ہوا کرتے تھے' اسے ذہن میں رکھتے ہوئے مجھے اب بھی امید ہے کہ یہ تمہارے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔" اس کا چہرہ شکنوں سے بھر گیا۔ وہ جب مسکراتا تھا تو اس کا چہرہ ایسا ہی ہو جاتا تھا۔ شاید وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو مبارکباد دے رہا تھا کہ اس نے مجھے اس کام پر آمادہ کر لیا تھا۔

نیو ایج سنیما' براڈوے اسٹریٹ کے قریب واقع تھا اور اس بلاک میں پھیلے ہوئے دوسرے چھ سات سنیما گھروں سے مختلف نہیں تھا۔ اس میں ان ہی فلموں کی نمائش ہوتی تھی جن کے نام کے ساتھ لکھا ہوتا ہے' صرف بالغوں کے لیے۔' ان فلموں کے ناموں سے بھی ان کی نوعیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا۔

میں جب کول فشر کے ساتھ وہاں پہنچا تو میری نظر لابی میں لگی ہوئی نمونے کی تصویروں پر پڑی جن میں فلم کی جھلکیاں دکھائی گئی تھیں۔ میں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ فشر مجھے اپنے ساتھ سنیما کے اگلے حصے میں لے گیا۔

ہال تیز روشنیوں سے منور تھا۔ کرسیاں خالی پڑی تھیں اور اسکرین سادہ تھی۔ آگے ایک سیٹ پر ایک شخص ٹھنڈی سی بنا نظر آرہا تھا۔

"سنیما میں نے آج کے لیے بند کرا دیا ہے۔" فشر نے بتایا۔ "باہر بورڈ لگا دیا گیا ہے کہ مرمت کے سلسلے میں سنیما بند ہے۔ تم اطمینان سے اپنا کام کرو۔"

میں نے ایک قدم بڑھایا لیکن پھر واپس آتے ہوئے کہا "مجھے ایک شاٹ چاہئے فشر!" اس نے جو انجکشن مجھے لگایا تھا اس کا اثر دھیرے دھیرے ختم ہو رہا تھا۔ میرے جسم میں تناؤ ایک بار پھر سر اٹھا رہا تھا اور رگوں میں خطرے کی گھنٹیاں سی بجتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"شاٹ کام ختم ہونے کے بعد ملے گا۔" فشر نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے تو اس وقت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"یوں سمجھو کہ شاٹ تمہیں تمہاری کامیابی پر انعام کے طور پر ملے گا۔ انعام کے لالچ میں انسان زیادہ مستعدی و سرگرمی سے کام کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں' تم بھی اسی لگن میں کام کرو۔" وہ رکھائی سے بولا "قاتل کو تلاش کر لو' پھر جتنا بڑا ڈوز چاہو' لے لینا لیکن اس سے پہلے نہیں۔"

وہ درمیانی راستے سے لاش کی طرف چل دیا۔ میرے لیے اس کی تقلید کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ لاش کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی مجھے اس کا زرد اور گھنے بالوں سے بھرا ہوا سر نظر آگیا اور میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ نہایت منفرد قسم کے بال تھے۔ اس علاقے میں ایسے بال اور کسی کے نہیں ہو سکتے تھے۔

"یہ شوگر چارلی ہے نا؟" میں نے تصدیق چاہی اور فشر نے اثبات میں سر ہلایا۔ چارلی اس شخص کا نام تھا اور شوگر اس کی عرفیت.... لیکن صرف چارلی یا صرف شوگر کہنے سے اس کا تذکرہ مکمل نہیں ہوتا تھا۔

"میں نے اسے گزشتہ شب آخری شو ختم ہونے کے بعد یہاں اس حالت میں دیکھا۔" فشر نے بتایا "کسی نے پیچھے سے چاقو گھونپ کر اسے ہلاک کیا ہے۔ ایک نظر دیکھ لو۔"

میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ شوگر چارلی کے بارے میں میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کس قسم کا آدمی تھا۔ اگر اس کے پاس اتنی رقم ہوتی کہ وہ سامنے والی کتابوں کی دکان میں جا سکتا' جہاں کتابوں کے علاوہ بھی بہت کچھ ملتا تھا' تو وہ اس سنیما ہاؤس میں فلم دیکھنے ہرگز نہ آتا۔ وہ ایک جسیم آدمی تھا' گو کہ ایک عرصے سے اندرونی طور پر کھوکھلا ہو چکا تھا۔ اس وقت گو کہ وہ مُردہ تھا پھر بھی میں اس کے قریب جانا نہیں چاہتا تھا لیکن مجھے نہ صرف اس کے قریب جانا پڑا بلکہ اسے چھو کر بھی دیکھنا پڑا۔

بظاہر وہ ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں گٹھڑی سی بنا ہوا تھا لیکن اسے ذرا ٹٹولنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ لکڑی کی طرح اکڑا ہوا تھا۔ موت کے تقریباً دو گھنٹے بعد لاش کے اکڑنے کا عمل شروع ہوتا ہے اور چھ سات گھنٹے میں وہ مکمل طور پر لکڑی کی طرح اکڑ جاتی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ فشر کے سنیما میں آخری شو ختم ہونے سے کافی پہلے کی بات تھی۔

شوگر چارلی کی پشت پر قمیص میں ایک چھوٹا سا سوراخ موجود تھا جس کے گرد خون جما ہوا تھا۔ چاقو اس کی کمر میں اس وقت پیوست نہیں تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے فشر کی طرف دیکھا تو وہ بولا "چاقو اگر موجود بھی ہوتا تو تم اس کے ذریعے کیا معلوم کر لیتے؟ تمہارے ساتھ اس وقت فنگر پرنٹس کے ماہرین تو موجود نہیں ہیں۔ تمہیں کسی لیبارٹری کی خدمات اور دوسری سہولیات وغیرہ بھی حاصل نہیں ہیں۔ تمہیں ان سب چیزوں کے بغیر ہی' تنہا کام کرنا ہے۔ یہ بات تمہیں یاد ہے نا؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ مجھے تنہا کام کرنا تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ کیوں تنہا کام کرنا تھا۔

"ٹھیک ہے..... جیسے تم کہتے ہو ویسے ہی ہوگا فشر!" میں نے کہا۔ "لیکن بس مجھے ایک ڈوز دے دو۔ اس کے بعد میں بہتر طور پر کام کر سکوں گا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ ڈوز کام کے بعد ملے گا۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ اب اس سے التجا نہیں کروں گا۔

"شوگر چارلی کو قتل کرنے کا خواہشمند کون ہو سکتا تھا؟" میں نے پوچھا۔ میں نے اپنے ذہن کو سوالات میں الجھانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ میرا یہ سوال فشر سے نہیں' اپنے آپ سے تھا۔ فشر سے مجھے جواب کی توقع نہیں تھی۔ اسے جوابات دینے کی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی۔

مجھے اپنے آپ سے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ چارلی کا کوئی دوست نہیں تھا اور جن کے دوست نہ ہوں ان کے دشمن بھی کم ہی ہوتے ہیں۔ وہ خوشحال بھی نہیں تھا کہ اسے رقم کے لیے قتل کیا جا سکتا۔ چند دن پہلے تک وہ خوشحال نہیں تھا اور مجھے یقین تھا کہ ان چند دنوں میں اس کے حالات تبدیل نہیں ہوئے ہوں گے۔ گویا اس طرح قتل کے دو بڑے مقاصد تو خارج از امکان ہو گئے تھے۔

محبت و رقابت کے معاملات سے بھی شوگر چارلی کا واسطہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی شکل ہی اس قابل نہیں تھی۔ اس کی ناک چپٹی تھی' چہرے پر گڑھے سے پڑے ہوئے تھے اور دانت ٹوٹے ہوئے تھے جس کی وجہ سے منہ پوپلا سا دکھائی دیتا تھا۔

فشر حسبِ توقع میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے بولا۔ "یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ شوگر چارلی کو قتل کرنے کا خواہشمند کون ہو سکتا تھا اور کون نہیں۔ اسی طرح سراغرساں بن کر سوچنے کی کوشش کرو جس طرح تم پہلے سوچا کرتے تھے۔"

بدمزگی اور بدمزاجی کا مظاہرہ کرنا میرے حق میں اچھا نہیں تھا لیکن اس وقت میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے فشر کو وہاں سے دفع ہو جانے کے لیے کہا۔ موقع کچھ ایسا تھا کہ وہ میری تھوڑی بہت بدمزاجی کو برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ وہ سعادت مندی سے سنیما ہال سے باہر چلا گیا۔ میں لاش کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

میری آنکھوں میں کچھ اور بھولی بسری تصویریں ابھرنے لگیں۔ مجھے وہ منظر یاد آ رہا تھا جب میں لیفٹیننٹ کے سامنے اپنی آخری رپورٹ پیش کرنے گیا تھا۔ وہ کوئی ایسی خاص رپورٹ نہیں تھی۔ میں نے اسے صرف یہ بتایا تھا کہ نیویارک شہر میں منشیات گردش کر رہی تھیں..... اور یہ کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی' اسے پہلے سے معلوم تھا۔ میں نے اسے اس منشیات فروش کا نام نہیں بتایا جسے میں جانتا تھا کیونکہ میں اس کے جیل جانے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے منشیات ترک کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں پوری طرح نشے کا اسیر ہو چکا تھا۔ اسے چھوڑنا میرے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ نشے کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

پھر ایک اور تصویر میرے ذہن میں ابھری۔ یہ تصویر میرے پولیس بیج کی تھی۔ ایک کاغذ اس بیج کے ساتھ نتھی کر دیا گیا تھا۔ اخبار سے کاٹے گئے حروف اس کاغذ پر چپکا کر ایک مختصر پیغام ترتیب دیا گیا تھا۔

'تمہارے پولیس والے کا صرف یہ نشان بچا ہے'

میرا بیج اس رقعے کے ساتھ بذریعہ ڈاک کول فشر نے میرے پولیس اسٹیشن کو بھجوا دیا تھا۔ میرے بیج کے عوض اس نے مجھے ایک بڑا ڈوز دیا تھا۔

میں ایک اچھا پولیس آفیسر ہوا کرتا تھا۔ اس زمانے میں منشیات فروشی کے خلاف مہم کے دوران کوئی بھی کول فشر تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ کسی کو اگر شبہات تھے بھی' تو اس کے پاس ثبوت نہیں تھا۔ صرف میں اس تک پہنچا تھا اور میں نے اس کے خلاف ثبوت بھی حاصل کر لیے تھے لیکن شاید یہی میری بدقسمتی تھی۔

اس وقت کو یاد کرتے ہوئے میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ڈوز کی طلب ایک بار پھر میرے جسم میں عفریت کی طرح پنجے گاڑنے لگی۔ میں نے آنکھیں کھول لیں اور کام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ سوچ بچار کرنا اس وقت بہت مشکل محسوس ہو رہا تھا لیکن جو کام میرے سپرد کیا گیا تھا وہ مجھے بہرحال کرنا تھا کیونکہ اس کام کے بعد ہی ڈوز ملنے کی امید تھی اور ڈوز کے بغیر میں وقت گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے اپنے کام میں غالباً آدھا گھنٹا لگا جو میرے لیے آدھے ہفتے کے برابر تھا۔ میں ہال سے باہر آ گیا اور لابی میں اس کمرے کے دروازے پر پہنچا جس پر تختی آویزاں تھی۔ 'کول فشر۔ منیجر' اپنے سنیما کا منیجر بھی وہ خود ہی تھا۔ میں نے دروازہ پیٹ ڈالا۔

دروازہ اس نے خود ہی کھولا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ نشے

بازوں کی حالت دیکھ کر وہ بہت محظوظ ہوتا تھا۔ یہ ایک طرح سے اس کی تفریح تھی۔ اندر ہی اندر میری جو حالت تھی' اس کے پیشِ نظر میرا اندازہ تھا کہ اگر دن چڑھے تک بھی مجھے ڈوز نہ ملا تو میں اس کے پاؤں پکڑ کر گڑگڑانے لگوں گا۔ اس نے جو انجکشن دیا تھا' اس کا اثر مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا۔ تاہم کسی نہ کسی طرح میں نے اپنے آپ پر قابو رکھا اور سیدھا کھڑا رہا۔

"بہت جلد قاتل کو تلاش کر لیا تم نے۔" وہ نیم استہزائیہ لہجے میں بولا۔

میں نے اس کے خیال کی تردید یا تصدیق کے بجائے کہا "مجھے ابھی کچھ لوگوں سے ملنا اور ان سے بات کرنی ہے۔ مجھے ایک ریوالور کی بھی ضرورت ہوگی۔"

"ایک نشے باز کے ہاتھ میں ریوالور دے دوں؟" اس نے بے یقینی سے کہا اور قہقہہ لگایا۔ "تمہیں ریوالور دے دوں؟ کیا خوب کام بتا رہے ہو مجھے! گویا اپنے ہاتھوں سے ہی اپنا کام تمام کر لوں؟ لوگوں سے تمہارے ملنے اور باتیں کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جاؤ... جا کر جس سے چاہو مل لو اور بات کر لو۔ جو چاہو کرو لیکن ریوالور کو بھول جاؤ۔ تمہیں بھلا اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں یاد نہیں کہ تم تو بہت عرصہ پہلے مر چکے ہو؟"

"مجھے یاد ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن ریوالور بہرحال میرے لیے ضروری ہے۔ خطرہ صرف میرے لیے نہیں' تمہارے لیے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں سے میں بات کرنا چاہتا ہوں ان میں سے کوئی ایک قاتل ہے۔ اس قتل کے بعد وہ اور بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" میں نے منت یا التجا نہیں کی۔ میرا اب اس کی منت کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔ میں نے اچانک اس کی گردن پر کھڑا ہاتھ رسید کیا اور اس کا قہقہہ ادھورا رہ گیا۔ وہ کرسی سے لڑھک گیا۔ میرے اندازے کے مطابق کچھ دیر کے لیے اس کے حواس ضرور سلب ہو چکے تھے۔ اسے پھلانگ کر میں دوسری طرف پہنچا۔ میز کی دراز میں ریوالور موجود تھا۔ وہ میں نے جیب میں رکھ لیا اور آفس سے نکل آیا۔

میں جب سڑک کے دوسری طرف واقع بک اسٹور میں پہنچا تو فریڈ دکان کے پچھلے حصے میں کاؤنٹر کے پیچھے موجود تھا۔ وہ ایک گاہک کو پیکٹ بنا کر دے رہا تھا اور گاہک ادائیگی کر رہا تھا۔

گاہک کے رخصت ہونے کے بعد فریڈ میری طرف آیا اور آنکھیں سکیڑتے ہوئے بولا "کافی عرصے سے تمہیں یہاں نہیں دیکھا برخوردار! تمہیں کچھ چاہیے؟"

وہ ہر ایک کو ہی 'برخوردار' کہہ کر پکارتا تھا اور ہر بات پر بے پروائی سے کندھے اچکا دیتا تھا۔ اسے پروا کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ اس قبیل کے لوگوں کو اب کم ہی کسی کی پروا ہوتی تھی۔ پس پولیس والے اگر کبھی اس کے بک اسٹور کے کچھ زیادہ ہی چکر لگانے شروع کر دیتے تھے تو وہ کچھ مضطرب ہو جایا کرتا تھا لیکن اضطراب بارش کی طرح ہوتا ہے جو بالآخر تھم ہی جاتا ہے۔

"میں شوگر چارلی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "وہ یہاں تو نہیں آیا؟" اس وقت مجھے سوچنا یا بات کرنا بہت مشکل محسوس ہو رہا تھا لیکن ناممکن بہرحال نہیں ہوا تھا۔ ابھی میرے پاس کچھ مہلت تھی۔

فریڈ نے نفی میں سر ہلایا اور کہا۔ "گزشتہ رات آیا تھا لیکن کافی سامان لے گیا ہے۔ اس لیے مجھے کم از کم ایک ہفتے تک اس کے دوبارہ آنے کی امید نہیں ہے۔"

"بہت سا سامان لے گیا ہے؟" میں نے لفظ 'سامان' پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کے لیے اس کے پاس رقم کہاں سے آئی؟"

"دکاندار گاہکوں سے یہ نہیں پوچھا کرتے کہ وہ رقم کہاں سے لائے ہیں۔" اس نے گویا مجھے کاروبار کا سنہرا اصول سمجھایا۔ "یہ سوال کرنے والے... بلکہ کسی بھی قسم کے سوالات کرنے والے دکانداروں کے پاس گاہک نہیں آیا کرتے۔ بہرحال میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اس سے پہلے شوگر چارلی نے کبھی ایک مشت اتنا مال نہیں خریدا تھا۔ شاید اسے کہیں کوئی اچھا 'کام' مل گیا ہے۔" لفظ 'کام' پر اس نے زور دیا تھا اور پھر اس نے قہقہہ بھی لگایا۔

"شاید۔" میں نے غیر واضح لہجے میں کہا اور مزید کچھ پوچھے بغیر دروازے کی طرف بڑھ گیا لیکن پھر مجھے کچھ خیال آیا۔ دروازے پر رک کر میں نے پوچھا۔ "تمہیں معلوم ہے' چارلی کی رہائش کہاں ہے؟"

اس نے ایک لمحے سوچا پھر ایڈریس مجھے بتا دیا۔ جاتے جاتے میں نے ایک اور سوال کر لینا بہتر سمجھا۔ "بتا سکتے ہو' رات اس نے کتنے کا مال خریدا تھا؟"

فریڈ کا چہرہ ایک بار پھر شکن زدہ سا ہو گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر غالباً اس نے جواب دینے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ ناک کھجاتے ہوئے بولا "تقریباً ساٹھ ڈالر کا۔ اس کی اوقات سے یہ رقم کافی زیادہ تھی۔"

"بہت شکریہ فریڈ!" میں نے کہا اور رابن بک اسٹور سے نکل آیا۔

ساٹھ ڈالر کچھ عجیب' درمیانی سی رقم تھی۔ بہت زیادہ یا غیر معمولی بھی نہیں تھی لیکن یہ زیادہ رقم کی موجودگی کا پتا دیتی تھی۔ میں نے سوچا' شاید شوگر چارلی کی جیبوں میں یا اس کے فلیٹ میں مزید رقم موجود رہی ہو۔ اس کی جیب میں دیکھ چکا تھا' اب فلیٹ کو بھی ایک نظر دیکھ لینا چاہیے تھا۔ اس دوران فشر کو بھی ہوش میں آنے کی مہلت مل جاتی۔

جس عمارت میں شوگر چارلی کا کمرا تھا وہ ہوٹل ٹائپ تھی۔

زیادہ طویل عرصے کے لیے رہائش اختیار کرنے والے یہاں نہیں رہتے تھے۔ اندر پہنچ کر میں نے کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھے ہوئے روم کلرک سے پوچھا۔ "شوگر چارلی کا کمرا نمبر کیا ہے؟"

"وہ اس وقت کمرے میں نہیں ہے۔" اس نے ماربل کے کاؤنٹر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کب واپس آئے گا۔"

"میں نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کمرے میں ہے یا نہیں۔ میں نے اس کا کمرا نمبر پوچھا ہے۔" میں نے ریوالور نکال کر اسے نشانے پر لیتے ہوئے کہا "میں یہ اطمینان بھی کرلینا چاہتا ہوں کہ تم پولیس کو بلانے کی کوشش نہیں کروگے۔"

میرا ہاتھ تھوڑا سا مرتعش تھا۔ اس نے میری آنکھوں کی طرف دیکھا اور ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ "شوگر چارلی کا کمرا نمبر۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب تم اس کے کمرے تک میرے ساتھ ہی چلوگے۔"

"ضرور۔۔۔ ضرور۔" وہ جلدی سے بولا۔ ایک نشے باز، جس کا نشہ اُکھڑ رہا ہو اور اس کے ہاتھ میں ریوالور ہو، وہ یقیناً صورت سے ہی خطرناک دکھائی دیتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی تیز و طرار بننے کی کوشش نہیں کرتا۔ مجھے ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ مجھے بھلا اپنا کام نکالنے کے لیے یا حکم کی تعمیل کرانے کے لیے پولیس کے بیج کی کیا ضرورت تھی؟

تیسری منزل پر پہنچ کر کلرک نے راہداری کے سرے پر واقع کمرے تک میری رہنمائی کی۔ وہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا۔ سنگل بیڈ اور ڈریسنگ ٹیبل وغیرہ موجود تھی۔ میرے کمرے کی طرح یہ بھی ایک ویرانہ نما کمرا تھا۔

"اُدھر کونے میں کرسی پر بیٹھ جاؤ۔" میں نے ریوالور سے اشارہ کرتے ہوئے کلرک کو حکم دیا۔ "اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش مت کرنا۔" اس نے میرے حکم کی تعمیل کی اور کونے میں بیٹھ کر خوفزدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

بظاہر کمرا کچھ ایسا ہی دکھائی دے رہا تھا جیسے وہاں کوئی نہ رہتا ہو۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل کی پہلی دراز کھولی تو اس میں جرابیں اور ٹوپی وغیرہ پڑی نظر آئی۔ دوسری دراز خالی تھی۔ تیسری کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے ان کا جائزہ لیا۔ ان میں سے بیشتر مُڑی تُڑی تھیں۔ چارلی اس طرح کی کتابیں ایک عرصے سے جمع کررہا تھا۔ چند کتابیں نئی تھیں۔ غالباً انہی کی قیمت ساٹھ ڈالر کے قریب تھی۔ سوال یہ تھا کہ اس کے پاس یکدم اتنی کتابیں خریدنے کے لیے رقم کہاں سے آئی؟ وہ کوئی چیز بیچ کر بھی اتنی رقم حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ اپنی ہر قابلِ ذکر چیز وہ دس سال قبل ہی بیچ چکا تھا۔

میں نے پورا کمرا کھنگال مارا۔ کہیں بھی نقدی موجود نہیں تھی۔ چارلی کی لاش کی تلاشی میں نے سرسری طور پر لی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ایک بار پھر جاکر اس کی صحیح طور پر تلاشی لینی چاہیے۔ اگر رقم اس کے لباس میں بھی کہیں نہ ہوئی تو پھر معلوم ہوجائے گا کہ مجھے کہاں ریوالور استعمال کرنے کی ضرورت تھی۔

لیکن سنیما ہاؤس واپس جانے سے پہلے میں دوبارہ رابن بک اسٹور پہنچا۔ فریڈ دُکان میں اکیلا ہی تھا۔ میں نے تیزی سے کہا۔ "فریڈ! چکر کچھ لمبا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم یہاں دُکان میں کھڑا کرنے کے لیے بنی کو بلالو اور خود ذرا میرے ساتھ چلو۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ ایک منٹ ٹھہرو۔۔۔ تم نیو ایج سنیما ہاؤس کے گیٹ کیپر کو جانتے ہو؟"

"ہاں۔ وہ بھی میرا گاہک ہے۔" فریڈ نے دیانتداری سے جواب دیا۔

"ذرا اسے بھی بلالاؤ۔ مجھے یقین ہے، وہ یہیں کہیں آس پاس ہی رہتا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ پڑوسی ہی سمجھو۔" فریڈ نے کہا۔ اس نے بحث و تمحیص یا زیادہ سوالات نہیں کیے اور اوپر سے بنی کو بلالیا۔ اسے دُکان میں چھوڑ کر وہ گیٹ کیپر کو بلانے چلا گیا۔ میں نیو ایج سنیما کے سامنے جاکھڑا ہوا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔

میرا سر گھومنے لگا تھا اور کڑواہٹ ایک بار پھر میرے مُنہ میں جمع ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں دُھندلاہٹ بھی آنے لگی تھی، اس لیے میں غیر ارادی طور پر بار بار پلکیں جھپکا رہا تھا لیکن میں اس خیال سے اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کررہا تھا کہ میرا انتظار زیادہ طویل نہیں ہوگا۔

چند لمحے بعد میں اندر چلا گیا اور ہال میں پہنچ کر ایک بار پھر شوگر کی تلاشی لینے لگا۔ اس کے انڈرویئر میں بھی ایک جیب موجود تھی اور اس میں اُنیس سو ڈالر کی رقم تھی۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ رقم اصل میں دو ہزار ڈالر رہی ہوگی۔ سو ڈالر وہ خرچ کرچکا تھا۔ دو ہزار ڈالر شوگر چارلی کی اوقات سے بہت بڑی رقم تھی۔

چند لمحے بعد فریڈ آن پہنچا۔ اس کے ساتھ چوڑے سے چہرے والا ایک شخص تھا۔ فریڈ نے اس کا تعارف کرایا۔ "اس کا نام ٹیری ولسن ہے۔ یہ یہاں گیٹ کیپر ہے۔"

"یہ۔۔۔ کیا ہو رہا ہے؟" ولسن نے ایک نظر میری طرف اور پھر لاش کی طرف دیکھا۔

فریڈ نے اسے ایک سیٹ پر بٹھادیا۔ اس دوران میں نے ریوالور نکال لیا۔ فریڈ کی آنکھیں پھیل گئیں لیکن وہ خاموش رہا۔ اسی دوران کول فشر سیٹوں کے درمیانی راستے پر آتا دکھائی دیا۔ میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر وہ چند قدم دور ہی رک گیا۔ غالباً میرے چہرے پر وحشت تھی۔

وہ مجھے بچّوں کی طرح پچکارنے لگا۔ "ریوالور پھینک دو۔۔۔ شاباش۔۔۔ مجھے اپنے قریب آنے دو۔۔۔ تمہیں معلوم ہے،

اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو تمہارا کیا حشر ہوگا؟"

میں نے جواب دینے کے بجائے ریوالور بلند کیا اور وہ جلدی سے ایک قریبی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کی زبان بھی فوراً ہی بند ہوگئی۔ میری وحشت اور میرے ہاتھ میں موجود ریوالور نے مجھے طاقتور بنادیا تھا۔ کول فشر جیسا آدمی میرا حکم ماننے..... بلکہ میرے اشارے پر چلنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اس احساس سے مجھے بڑی طمانیت ملی۔ نشے کی طلب کچھ دیر کے لیے کم ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ چند منٹ تک تو میں پُراعتماد رہنے میں کامیاب ہوہی جاؤں گا۔

میں نے بات شروع کی لیکن میں نے محسوس کیا' وہ مجھے محض ایک نشے باز ہی سمجھ رہے تھے جس کے ہاتھ میں ریوالور کی موجودگی کی وجہ سے وہ بات سننے پر مجبور تھے لیکن میں نے وضاحت اور دلیلیں جاری رکھیں۔ میں نے بتایا کہ شوگر چارلی کی جیب میں اُنیس سو ڈالر کی رقم موجود تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے رقم کے لیے قتل نہیں کیا گیا تھا۔

میرے خیال میں چارلی کے پاس اتنی رقم آنے کا ایک ہی ذریعہ ہوسکتا تھا۔ کہ وہ کسی کو بلیک میل کررہا تھا لیکن کیا وہ اپنے 'سپلائر' کو بلیک میل کرسکتا تھا؟ میں بھی نشے باز تھا لیکن میں نے کبھی اس شخص کو بلیک میل کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا جو مجھے ہیروئن سپلائی کرتا تھا مگر چارلی نے یقیناً یہ جرأت رندانہ دکھادی تھی۔ اس کا مطلب تھا' وہ نشے باز نہیں تھا۔

میں نے ٹیری ولسن سے پوچھا۔ "کیا گزشتہ رات چارلی ٹکٹ لے کر ہال میں آیا تھا؟"

بھاری بھرکم گیٹ کیپر نے اپنے باس کی طرف نہیں دیکھا اور رسمی لہجے میں کہا۔ "وہ تو باس سے ملنا چاہتا تھا..... میں نے باس سے پوچھا..... باس نے اجازت دے دی۔ اس لیے میں نے اسے آفس میں جانے دیا....." ٹیری ولسن گویا پوری پوری کوشش کررہا تھا کہ اس کے کسی لفظ سے غصے میں نہ آنے پاؤں۔

کول فشر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "چارلی مجھ سے ملا ضرور تھا لیکن وہ ایک قطعی دوستانہ ملاقات تھی....."

میں نے ریوالور کو حرکت دی اور وہ جلدی سے دوبارہ بیٹھ گیا۔ میں نے سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔ "چارلی نشے باز نہیں تھا۔ اسے صرف فحش تصاویر والی کتابیں جمع کرنے کی لت تھی لیکن اسے معلوم ہوگیا تھا کہ کول فشر ہیروئن کا سپلائر ہے۔ وہ اسے بلیک میل کرنے کا متحمل ہوسکتا تھا کیونکہ وہ خود نشے باز نہیں تھا۔"

پھر میں نے براہِ راست فشر کو مخاطب کیا۔ "وہ تم سے دو ہزار ڈالر تو نکلوانے میں کامیاب ہوگیا لیکن اس کے ساتھ ہی تمہارے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ تم خود ناجائز دھندوں سے اتنی 'محنت' سے دولت کماتے تھے۔ تم بھلا اتنی آسانی سے کسی کو اس میں سے حصہ کیونکر دے سکتے تھے؟ چنانچہ تم نے اسے ٹھکانے لگادیا اور قاتل کو تلاش کرنے کے لیے میری خدمات حاصل کرلیں۔ تمہارا خیال تھا کہ میں اس مقصد کے لیے مناسب آدمی ہوں۔ میں ضرور کسی غلط آدمی کو گھیرلوں گا اور اسے قاتل قرار دے دوں گا۔ تم کچھ ایسے آثار و شواہد پیدا کردو گے اور کچھ ایسے اشارے دو گے کہ میں کسی اور کو قاتل ثابت کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔ غالباً تمہارا اس بے چارے گیٹ کیپر کو قربانی کا بکرا بنانے کا ارادہ تھا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

"شاید۔" فشر پُرسکون لہجے میں بولا "لیکن تم اب بھی میرے خلاف کچھ کرنے کے متحمل کیسے ہوسکتے ہو؟ تمہیں اب بھی میری ضرورت ہے۔ میرے بغیر تمہارا ایک دن بھی گزارا نہیں ہوسکتا۔ یہ بات تم بھولے نہیں ہوگے۔"

ریوالور میرے ہاتھ میں ذرا لرز رہا تھا لیکن میں نے اسے جھکایا نہیں۔ میں نے مُرتعش لیکن فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ٹیری ولسن تم پر نظر رکھے گا اور تمہیں کہیں جانے نہیں دے گا کیونکہ تم نے اسے قتل کے ناکردہ جرم میں پھنسوانے کی کوشش کی تھی۔ فریڈ' ٹیری پر نظر رکھے گا کیونکہ وہ خواہ کیسی بھی کتابوں کا دھندہ کرتا ہے لیکن کم از کم اس حد تک شریف آدمی ضرور ہے کہ کسی کو قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ ٹیری ولسن کے سامنے سے بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ وہ کیسا جسیم آدمی ہے۔ وہ تمہیں خالی ہاتھ بھی جان سے مار سکتا ہے۔ غالباً اس کی جسمانی مضبوطی دیکھ کر ہی تم نے اسے بطور گیٹ کیپر ملازم رکھا ہوگا۔"

ٹیری ولسن اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا لمبا چوڑا وجود غصے سے لرز رہا تھا۔ ظاہر ہے اس کے لیے یہ اطلاع خوشی کا باعث نہیں تھی کہ اس کے باس نے اسے قتل کے معاملے میں قربانی کا بکرا بنانے کا منصوبہ بنایا تھا۔

میں ان تینوں کو اسی طرح ہال میں چھوڑ کر باہر آگیا اور فشر کے آفس میں چلا گیا۔ میں نے فون اٹھا کر پولیس کو اطلاع دی۔ میرے جسم میں کپکپی شروع ہوچکی تھی لیکن مجھے خوشی تھی کہ آج بالآخر میں نے وہ فیصلہ کرہی لیا تھا جسے میں ہربار ناقابل عمل سمجھ کر پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ میں نے اب اپنے سپلائر کے بغیر زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا..... اور اس کا ایک ہی طریقہ ممکن تھا کہ پولیس سال دو سال کے لیے مجھے اٹھا کر جیل میں یا پھر کسی علاج گاہ میں ڈال دے۔ مجھے امید تھی کہ اگر میں کچھ عرصہ سلاخوں کے پیچھے..... بند کمرے میں..... یا بوقتِ ضرورت زنجیروں میں بھی مقید رہا تو میرا ہیروئن کا نشہ چھوٹ جائے گا۔

حیرت تھی کہ اتنا آسان حل آج سے پہلے میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا تھا؟ یا پھر حل تو شاید میرے ذہن میں موجود تھا لیکن جرأت نہیں تھی۔ شاید آج دوبارہ مجھ میں زندگی کی طلب پیدا ہوئی تھی۔ شاید اب وہ حد آگئی تھی جہاں سے واپسی کا سفر شروع ہوتا ہے.....!

THE BIG ONE
WILLIAM LOGAN



نگرانی

نجمہ مودی

قانون کا ایک رکھوالا اُن دو محبت کرنے والوں کے سر پر مسلط ہوگیا تھا لیکن ان کی نگرانی کرتے ہوئے ایک روز اچانک ہی وہ خود ایک مصیبت میں پھنس گیا جس سے نجات ان دونوں کی مدد سے ہی ممکن تھی مگر وہ تو اُسے اپنا دشمن سمجھ رہے تھے۔

ایک ذمہ دار سُراغ رساں کو پیش آنے والی دلچسپ صورتِ حال

گرمی بیزار کُن حد تک بڑھتی جارہی تھی۔ تین کمروں کے اس بند اپارٹمنٹ میں جیسے کچھ زیادہ ہی محسوس ہورہا تھا۔ جینا تھامس برف کے کیوبس کا باؤل اٹھائے کچن سے کمرے میں داخل ہوئی اور کولڈ ڈرنک تیار کرنے لگی۔

وہ بیس سے اوپر کی ایک دراز قد اور متناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد بیاہی نمودار ہوچکی تھی۔ گزشتہ چار دنوں سے اس کے چہرے پر پریشانی اور تناؤ کے آثار تھے۔

"کیا وہ اب بھی وہیں موجود ہے؟" جینا نے پوچھا۔

ٹیڈ ینگ جو کھڑکی میں کھڑا سڑک کا جائزہ لے رہا تھا، پردہ ٹھیک کرکے کھڑکی سے ہٹ آیا اور تلخ لہجے میں بولا... "ہاں... وہ وہیں کھڑا ہے۔ مستقل طور پر وہیں موجود ہے۔ چار راتیں گزر گئی ہیں۔"

جینا نے برف والی چائے کے چند گھونٹ بھرے اور کھڑکی کے قریب جاکر پردے کی اوٹ سے نیچے کا جائزہ لینے لگی۔ عمارت کے سامنے فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے شخص کا نام ڈین کینڈل تھا۔ وہ تقریباً پچاس سال کی عمر کا بھاری بھرکم سا آدمی تھا۔ وہ فٹ پاتھ پر تقریباً ساکت کھڑا تھا۔ بس کبھی کبھار ہونٹوں میں سگار دبانے یا نکالنے کے لئے ہاتھ ہلاتا تھا۔ تمامتر گرمی کے باوجود وہ شکن آلود گرم سوٹ پہنے ہوئے تھا جو اس کے جسم پر کچھ ایسا ہی دکھائی دے رہا تھا جیسے کسی دریائی گھوڑے کے جسم پر اس کی کھال۔ وہ پولیس کا سراغرساں تھا۔ قریبی پولیس اسٹیشن سے اس کا تعلق تھا۔ جینا کھڑکی سے ہٹ آئی۔

"مجھے تو اس پر ترس آرہا ہے۔" وہ بولی "بے چارہ کتنی تکلیف اٹھارہا ہے۔ اس کے چہرے سے بے آرامی ظاہر ہورہی ہے۔"

"تمہارا ابھی کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب تمہارے خیالات میں کیا تبدیلی آجائے۔" ٹیڈ ٹھنڈی سانس لے کر بولا "تمہاری خوبصورت کھوپڑی سے شاید یہ نقطہ محو ہوگیا ہے کہ وہ صرف ایک مقصد کے تحت وہاں کھڑا ہے۔ ہم پہ نظر رکھنے کے لئے تاکہ ہم کہیں فرار نہ ہوجائیں۔ جب وہ محسوس کرے گا کہ مناسب وقت آگیا ہے تو ہمیں قتل کے الزام میں گرفتار کرنے آجائے گا۔"

جینا چائے کا گھونٹ بھر کر اثبات میں سرہلاتے ہوئے بولی "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس سارے معاملے میں مجھے سب سے زیادہ افسوسناک بات یہی لگ رہی ہے کہ وہ لوگ سمجھ رہے ہیں' واقعی تم نے اور میں نے مل کر آنٹی اینی کو قتل کیا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آرہی کہ میں تو آنٹی اینی سے اتنی محبت کرتی تھی۔ مجھے زندگی میں ان جیسی اچھی کوئی اور عورت ملی ہی نہیں۔ انہیں بھی یقیناً مجھ سے محبت تھی' تبھی تو وہ اپنی دولت اور جائیداد میرے نام کرگئی ہیں۔"

"ان کے اسی اقدام نے تو ہمیں پولیس کی نظر میں زیادہ مشکوک بنادیا ہے' انہوں نے مفروضہ قائم کرلیا کہ آنٹی کو قتل کرنے کا سب سے طاقتور جواز ہمارے پاس ہی تھا۔" ٹیڈ ٹھنڈی سانس لے کر بولا "سوئیٹ! معاملہ اس سے بھی زیادہ سنگین ہوچکا ہے۔ جس جنونی نے آنٹی اینی کو قتل کیا تھا وہ دو اور ویسی ہی ضعیف اور تنہا عورتوں کو قتل کرچکا ہے جن کے بارے میں باور کیا جاتا ہے کہ وہ کافی نقد رقم وغیرہ اپنے پاس رکھتی تھیں۔ اگر کہیں پولیس یہ الزام بھی میرے سر تھوپنے میں کامیاب ہوگئی تو..." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"یہ سب کچھ عین اسی وقت ہونا تھا جب ہم شادی کا فیصلہ کرچکے تھے" جینا آہ بھر کر بولی "آنٹی اینی نے جب اپنا چوبیس ہزار ڈالر کا بینک بیلنس اور اپارٹمنٹ میرے نام کیا تو میں سمجھ رہی تھی کہ اب میرے سارے خوابوں کو تعبیر مل جائے گی۔"

ٹیڈ آنکھوں سے کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غصیلے سے لہجے میں بولا "ایسا لگتا ہے جیسے یہ سراغرساں کبھی سوتا ہی نہیں۔ یہ تو گویا صرف اس امید پر زندہ ہے کہ کب مناسب وقت آئے اور کب یہ ہمیں گرفتار کرے۔ اگر میں واقعی قاتل ہوتا تو کم از کم اس کا تو بہت پہلے پتا صاف کردیتا..."

"ویسے ٹیڈ! ایک لحاظ سے وہ ہم پر شک کرنے میں حق بجانب تھے۔" جینا کچھ سوچتے ہوئے بولی "جب وہ پوچھ گچھ کے لئے ہمیں پولیس اسٹیشن لے گئے تھے اور انہوں نے ہم سے الگ الگ کمرے میں سوالات کئے تھے تو ہمارے جوابات میں فرق نکل آیا تھا۔ یہ تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ ہمارے بیانات ایک دوسرے سے ملتے نہیں تھے۔ ہمارا ان کی نظر میں مشکوک ہونا تو لازمی تھا۔"

ٹیڈ ناگواری سے بولا "اب بھلا ہم ایک ہفتے یا دو ہفتے پہلے کی تمام مصروفیات کے بارے میں ہرات ٹھیک ٹھیک کیسے بتاسکتے ہیں؟ انسان کو کہاں یاد رہتا ہے کہ اتنے دن پہلے وہ فلاں وقت کیا کررہا تھا اور اتنے بج کر اتنے منٹ پر کہاں تھا۔ ویسے بھی ڈین کینڈل اچانک ہی آکر ہمیں پوچھ گچھ کے لئے پولیس اسٹیشن لے گیا تھا۔ وہ تو ہم سے پچھلے دو ماہ تک کی باتیں پوچھ رہے تھے' جب قتل کی ان وارداتوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اب اتنے دنوں کی ہرات بالکل ٹھیک ٹھیک کیسے یاد رہ سکتی ہے؟"

"چلو خیر..." جینا گویا اپنے سر سے کوئی بوجھ اتار کر پھینکتے ہوئے بولی "جب ہم مجرم نہیں ہیں تو ہمیں ڈرنے یا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا واقعی ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں؟" ٹیڈ نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "وہ جب چاہیں گے آکر ہمیں حراست میں لے لیں گے۔ اس کے بعد ہمیں وکیل کرنا پڑے گا۔ شاید ہمیں نوکریوں سے بھی جواب مل جائے۔ وکیل کی فیس اور اس طرح کی دوسری پریشانیوں میں وہ رقم بھی دیکھتے دیکھتے اڑجائے گی جو تمہاری آنٹی تمہارے لئے چھوڑ کر گئی ہیں۔ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ کینڈل میرے آفس کے گرد بھی منڈلاتا رہا ہے اور تمہارے آفس کی بھی نگرانی کرتا رہا ہے۔ تمہارے باس کا تو مجھے معلوم نہیں لیکن میرا باس اس بات سے بڑا الرجک ہے کہ پولیس اس کے کسی ملازم کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے دفتر میں آئے۔"

جینا نے گویا موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ "چلو' پیچھے ہنگامی سیڑھیوں پر بیٹھتے ہیں۔ شاید وہاں کچھ تھوڑی ہوا لگے۔ یہاں تو گرمی اور حبس سے مرے جارہے ہیں۔ میں کشن لے کر آتی ہوں' ان پر بیٹھیں گے۔"

کچن کی کھڑکی کے راستے وہ ہنگامی زینے پر اترے اور کشن لے کر بیٹھ گئے۔ سامنے ہی دوسری بلڈنگ کی عقبی دیوار تھی۔ گرمی کی وجہ سے عقبی گلی کے کوڑے سے بُو اٹھنے لگی تھی۔

"واہ... واہ... کیا خوبصورت نظارہ ہے۔ کیسی مسکتی ہوا چل رہی ہے۔" جینا نے خود استہزائی کے سے انداز میں کہا "ساحل

سند پر بیٹھ کر تو زندگی کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ کیوں ٹیڈ!"

ٹیڈ قدرے ناگواری سے بولا۔ "اگر یہ چکر نہ چلتا تو اس وقت شاید ہم سچ مچ ایسی ہی کسی جگہ موجود ہوتے جہاں چاروں طرف خوبصورت نظارے ہوتے۔ مہکتی ہوائیں چل رہی ہوتیں۔ شاید ساحل بھی قریب ہوتا۔"

"بددل ہونے کی ضرورت نہیں ٹیڈ!" جینا سنجیدگی سے بولی۔ "جلد ہی یہ چکر ختم ہو جائے گا۔ پولیس ہمیں پریشان کرنا چھوڑ دے گی۔ آنٹی اینی کی رقم ہمارے نام منتقل ہو جائے گی اور ہماری ملازمتیں تو چل ہی رہی ہیں۔"

ٹیڈ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا "میں جب کہہ رہا تھا کہ میرا باس، پولیس کی پوچھ گچھ سے بڑا الرجک ہے، تو میری بات پوری نہیں ہوئی تھی۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس نے مجھے نوکری سے نکال دیا ہے۔"

"کیا واقعی ٹیڈ؟" جینا ایک جھٹکے سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ہاں۔ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں" ٹیڈ بولا "سراغرساں کینڈل نے کل دوبارہ اس سے میرے بارے میں "معلومات" حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ آج صبح باس نے مجھے بلا کر کہہ دیا کہ وہ اپنے آفس میں ایسے آدمی کو رکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا جس پر قتل کا شبہ کیا جا رہا ہو۔ اس نے معذرت کے ساتھ مجھے فارغ کر دیا۔ معاف کرنا جینا! میں نے تمہیں کوئی اچھی خبر نہیں سنائی۔ آجکل کسی طرف سے کوئی اچھی خبر سننے کو مل ہی نہیں رہی۔"

جینا اس کے قریب کھسک آئی اور حوصلہ دینے والے انداز میں اس کا ہاتھ تھپکنے لگی۔ انہوں نے واقعی بڑے خواب دیکھے تھے، نہ جانے کیا کچھ سوچا تھا۔ لیکن چند دنوں میں ہی سارے خواب بکھر گئے تھے۔ شادی کے سلسلے میں انہوں نے سب پروگرام بنا لئے تھے اور اس مقصد کے لئے روز مرہ اخراجات میں بچت کر کر کے کچھ رقم جمع کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے۔ اس دوران خوشحال بوڑھی عورتوں کے قتل کی وارداتیں شروع ہو چکی تھیں لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان وارداتوں کے اثرات ان کی زندگی اور ان کے مستقبل پر بھی آپڑیں گے۔ ایک رات جینا کی آنٹی بھی قتل ہو گئیں۔ جینا کو معلوم بھی نہیں تھا کہ آنٹی اینی نے اپنی وصیت میں اسے ہی وارث بنایا ہوا تھا۔

جس وقت آنٹی اینی کو قتل کیا گیا اس وقت جینا اپنے اپارٹمنٹ میں تنہا تھی۔ لیکن ظاہر ہے اس بات کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ ادھر ٹیڈ بھی آنٹی اینی سے اچھی طرح واقف تھا اور کبھی کبھار گپ شپ کرنے کے لئے راستے میں ان کے پاس رک جاتا تھا۔ وارادات کے وقت وہ بھی اپنے فلیٹ میں تنہا تھا۔ وہ ایک رومنگ ہاؤس میں ایک کمرے کے فلیٹ میں رہتا تھا۔ کسی نے بھی اسے اندر آتے یا باہر جاتے نہیں دیکھا تھا.... اور پھر اس کی منگیتر کے نام آنٹی اینی کی وصیت کا معاملہ سامنے آگیا تھا۔

ٹیڈ کے خیال میں ابتدا میں تو سراغرساں کینڈل ان پر شک کرنے میں حق بجانب تھا لیکن اب تو شکوک و شبہات اس کے ذہن سے نکل جانے چاہئے تھے۔ ان دونوں سے بڑی طویل پوچھ گچھ کی گئی تھی۔ کبھی انہیں ایک ساتھ بٹھا کر اور کبھی الگ الگ جگہوں پر سوالات کئے گئے تھے۔ ان کے گھروں پر آکر چھان بین کی گئی تھی۔ ان کے ہر ملنے جلنے والے، ہر شناسا سے سوالات کئے گئے تھے جس کے بعد ان لوگوں نے ان دونوں سے ملنا جلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسے لوگوں کا دوست کہلانا نہیں چاہتا جن پر قتل کا شبہ کیا جا رہا ہو۔ قتل بھی ایک نہیں، اکٹھے تین۔

"ہمیں اب کیا کرنا چاہئے؟" جینا نے پوچھا۔

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا" ٹیڈ بولا "میرا خیال ہے ہمیں صرف انتظار کرنا چاہئے اور پولیس کو موقع دینا چاہئے کہ وہ ہمارے ساتھ چوہے بلی کا کھیل جاری رکھے۔ کاش تم اس معاملے میں ملوث نہ ہوتیں۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا ٹیڈ!" جینا نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن اس کے چہرے پر ناگواری تھی۔

قدرے تلخ لہجے میں وہ بولا "شکر ہے کہ آج تک کم از کم تم نے تو نہیں پوچھا کہ کیا واقعی میں نے آنٹی اینی کو قتل کیا ہے۔"

"میں نے تو کبھی ایسا سوچا تک نہیں۔" جینا تیزی سے بولی، "میرے ذہن میں ایک بار بھی..."

جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ جھک کر نیچے گلی میں جھانکنے لگی۔ اسے جھانکتے دیکھ کر ٹیڈ بھی جھک گیا۔ نیچے گلی میں ایک شخص چلا جا رہا تھا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ شاید وہ ذرا نشے میں تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کے پیچھے تین لڑکے دبے قدموں چلے آرہے تھے۔

لڑکے حلئے سے ہی آوارہ اور لٹیرے نظر آرہے تھے۔ وہ سیاہ جیکٹوں میں تھے۔ گریبان کھلے تھے۔ جوتے ایسے تھے کہ چلنے سے آواز پیدا نہ ہو۔ بال لمبے لمبے اور چال آوارہ گردوں والی تھی۔ تینوں ایک جیسے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کوڑے دان پر سے اینٹ اٹھالی۔ اس سے پہلے کہ جینا یا ٹیڈ چیخ کر اس شخص کو خبردار کر سکتے، وہ تینوں نوجوان لٹیرے اس شخص پر جھپٹ پڑے۔

ان کا شکار چیخا لیکن دوسرے ہی لمحے اینٹ اس کی کھوپڑی پر پڑی۔ اس کی کھوپڑی پر ایک نہیں، کئی ضربیں لگائی گئیں۔ وہ ڈھیر ہو گیا تو دو لڑکوں نے جھک کر اس کی جیبیں کھنگالیں۔ یہ سب کچھ چند سیکنڈ میں ہو گیا۔ جینا اور ٹیڈ دم بخود سے بیٹھے رہ گئے۔

اچانک ٹیڈ نے ہیجان زدہ سے انداز میں جینا کا ہاتھ دبایا۔ سراغرساں ڈین کینڈل ان لڑکوں اور ان کے شکار کی طرف دوڑا چلا آرہا تھا۔ اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ ایک لڑکا تو پھرتی سے

بھاگ نکلا لیکن باقی دو بھاگنے میں خاطر خواہ پھرتی نہ دکھا سکے۔ انہوں نے کینڈل کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اور اس کی للکار سن کر ہاتھ اٹھا دیئے۔ تیسرا لڑکا گلی کا موڑ عبور کر گیا۔

ٹیڈ بولا "ایک تو بھاگ گیا۔"

"نہیں، وہ بھی نہیں بھاگ سکے گا" جینا نے سرگوشی کی "وہ جس طرف مڑا ہے ادھر گلی بند ہے۔ کوئی راستہ نہیں ہے، اسے واپس آنا ہوگا۔"

ٹیڈ کچھ اور جھک کر نیچے دیکھتے ہوئے بولا "لیکن شاید کینڈل کو یہ بات معلوم نہ ہو۔"

اس وقت تک دونوں لٹیرے لڑکے، کینڈل کی ہدایت کے مطابق اوندھے لیٹ چکے تھے۔ دونوں ہاتھ ان کی گردنوں پر تھے اور کینڈل ان کے شکار کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ گلی کے موڑ کی طرف دیکھ رہا تھا جدھر تیسرا لٹیرا غائب ہوا تھا۔ جلد ہی وہ لڑکا موڑ پر نمودار ہوا اور دوسری گلی کی طرف دوڑا۔

"رک جاؤ۔" کینڈل نے اسے للکارا مگر لڑکا نہ رکا۔ کینڈل نے ہوائی فائر کیا۔ تب بھی لڑکا نہ رکا۔ آخر کار کینڈل نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے فائر کیا اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ کینڈل باقی دونوں لٹیروں کے پاس ہی رکا رہا۔

جلد ہی پولیس کار کے سائرن کی آواز سنائی دینے لگی اور ایک پٹرول مین دوڑتا ہوا جائے وقوعہ پر پہنچا۔ کینڈل نے اپنی جگہ اسے کھڑا کیا اور خود قدرے لڑکھڑاتے قدموں سے اس طرف بڑھا جہاں تیسرا لڑکا غیر معمولی سے انداز میں ساکت پڑا تھا۔ کم از کم ظاہری طور پر تو اس میں زندگی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

کینڈل نے اوپر دیکھا۔ جینا کو یہی محسوس ہوا جیسے وہ اسی ہنگامی زینے کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر وہ اور ٹیڈ بیٹھے تھے۔ وہ جھرجھری سی لے کر، سکڑ کر ایک طرف کو ہو گئی۔ ٹیڈ نے حوصلہ دینے والے انداز میں بازو اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔

"ٹیڈ! وہ لڑکا جس طرح ساکت پڑا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ وہ مر چکا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

ٹیڈ اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر اٹھتے ہوئے بولا "آؤ اندر چلیں۔"

انہوں نے تقریباً ایک گھنٹا اندر کے حبس زدہ ماحول میں گزارا۔ آخر کار پچھلی گلی سے سنائی دینے والی آوازیں معدوم ہو گئیں۔ یقیناً وہاں ضروری کارروائی ختم ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد ٹیڈ نے سامنے والی کھڑکی سے جھانک کر سڑک کا جائزہ لیا جہاں کینڈل فٹ پاتھ پر کھڑا رہتا تھا۔

چند لمحے بعد وہ مڑتے ہوئے بولا۔ "نیچے ہماری نگرانی کے لئے کوئی موجود نہیں ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔"

جینا پُرخیال لہجے میں بولی "شاید آج کے واقعے کے بارے میں وہ ہمیں گواہ کے طور پر بلانا چاہیں۔"

"ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔" ٹیڈ فیصلہ کن لہجے میں بولا "ہم اب ایسی کسی چیز میں ملوث نہیں ہوں گے جس کا تعلق پولیس سے ہو۔ انہوں نے ہم سے جو سا اچھا سلوک کیا ہے ہم ان کے لئے دعا ہی دیتے پھریں۔ ہم اس معاملے سے بالکل لاتعلق رہیں گے۔ ٹھیک ہے؟"

"لیکن اگر انہوں نے ہم سے پوچھا..."

"وہ ہم سے زبردستی تو نہیں منوا سکتے کہ ہم نے لیا دیا ہے۔ وہ جانیں ان کا کام۔ میں پولیس کو جتنا بھگت چکا ہوں وہ میری باقی زندگی کے لئے بھی کافی ہے۔ کیا تم انہیں ابھی کچھ اور بھگتنا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔" جینا مُردہ سے لہجے میں بولی۔

"بس تو پھر جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو" ٹیڈ بولا "اب میں چلتا ہوں۔ صبح جلدی اٹھ کر مجھے نوکری کی تلاش میں نکلنا ہے۔ مجھے کینڈل اور پولیس کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ میں تو اب واقعی اپنے آپ کو سزا یافتہ مجرم محسوس کرنے لگا ہوں۔"

دوسرے روز حسب معمول شام کو ٹیڈ، جینا کے ہاں پہنچا۔ اسے آئے ابھی آدھا گھنٹا بھی نہیں ہوا تھا کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ جینا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ بھاری بھرکم کینڈل سامنے کھڑا تھا۔

"اچھا ہوا تم دونوں بچے گھر میں موجود ہو۔" وہ بولا "میں اندر آسکتا ہوں؟"

"اگر تم ہمیں گرفتار کرنے آئے ہو تو اندر آنے کی بھی کیا ضرورت ہے؟" ٹیڈ تلخ لہجے میں بولا "ہم تو کئی دن سے تیار بیٹھے ہیں۔"

"کون کہتا ہے میں تمہیں گرفتار کرنے آیا ہوں۔" کینڈل اندر آکر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولا "میں تو ذرا کل کے واقعے کے بارے میں بات کرنے آیا تھا۔ تم دونوں اس وقت ہنگامی زینے پر موجود تھے۔"

"ہم تھوڑی دیر کے لئے باہر گئے تھے۔" ٹیڈ نے محتاط اور غیر واضح لہجے میں کہا۔

"جس شخص کو ان لڑکوں نے اینٹ سے مارا تھا، اس کی حالت نازک ہے۔ اس کے زندہ بچنے کی امید بہت کم ہے۔" کینڈل بولا "اور جس پر میں نے گولی چلائی تھی وہ پہلے ہی مر چکا ہے لیکن اصل قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ وہ دونوں بدمعاش اپنے جرم سے صاف مکر رہے ہیں۔ جس شخص کو انہوں نے اینٹ مار مار کر تقریباً ہلاک کر دیا ہے اس کے بارے میں وہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اسے کبھی دیکھا تک نہیں تھا۔ پہلی بار انہوں نے اسے گلی میں پڑے ہوئے دیکھا جہاں سے انہیں حراست میں لے لیا گیا۔"

"تو پھر ہم کیا کریں؟" ٹیڈ نے رکھائی سے پوچھا۔

"میں گولی چلانے کے سلسلے میں ذرا مشکل میں پھنس گیا ہوں۔" کینڈل نے اعتراف کیا "میں نے اس لڑکے کو مناسب وارننگ دی تھی لیکن وہ نہیں رکا۔ اتفاق سے وہ مارٹن راس کا بیٹا تھا جو بڑی توپ قسم کی چیز ہے.... میرا مطلب ہے شہر کا آسودہ حال' معزز آدمی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کا بیٹا تو ان دونوں آوارہ لڑکوں کو جانتا تک نہیں تھا۔ دراصل مارٹن ان دونوں لڑکوں سے مل چکا ہے اور ان کے درمیان ایک قسم کی سودے بازی سی ہوگئی ہے۔ اس نے لڑکوں سے کہا ہے کہ اگر وہ بیان دے دیں کہ وہ اس کے لڑکے کو ہرگز نہیں جانتے تھے تو وہ ان کے دفاع کے لئے بھی بہترین قسم کے وکیل کا انتظام کردے گا۔"

"معاف کرنا' ہمیں تو اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں۔ ہم تو فائر کی آواز سن کر باہر گئے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس سے پہلے کیا ہوا اور کس طرح ہوا۔" ٹیڈ رکھائی سے بولا۔

کینڈل ایک لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ "کیا واقعی تمہارا یہی بیان ہے؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"بالکل۔ ہمارا یہی بیان ہے" ٹیڈ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اب میں جارہا ہوں۔ خدا حافظ ... غالباً اب تم معمول کے مطابق میرے گھر تک میرا تعاقب کرو گے؟"

"نہیں' آج رات نہیں" کینڈل نے جواب دیا "مجھے افسوس ہے کہ حالات نے یہ رخ اختیار کیا۔ ویسے تم دونوں اچھے بچے ہو۔"

"ہاں' واقعی بہت اچھے بچے ہیں ہم..." ٹیڈ تلخی سے بولا۔ "غالباً اسی قدر شناسی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تم میرے آفس کے چکر لگاتے رہے اور میری ملازمت چلی گئی۔"

"کیا واقعی؟" کینڈل چونکا "مجھے کسی نے نہیں بتایا۔ مجھے بہت افسوس ہے۔"

وہ جھکے جھکے کندھوں کے ساتھ رخصت ہوگیا۔ سیڑھیوں پر اس کے بھاری قدموں کی آواز معدوم ہوچکی تو جینا بولی "کاش ہم سچ بول دیا ہوتا۔"

"معلوم ہے اس کے بعد کیا ہوتا؟ وہ ہمیں پھر پولیس اسٹیشن لے جاتے۔ گھنٹوں پوچھ گچھ کرتے۔ ہمیں عدالت میں پیش ہونا پڑتا۔ مارٹن راس کے خرانٹ وکیل عدالت میں اپنے سوالات کے نشتروں سے ہماری چیر پھاڑ کرتے۔ پہلے ہی ہم قتل کے سلسلے میں مشکوک قرار پاچکے ہیں۔ اس نئے سلسلے کے بعد تو ہماری "شہرت" میں چار چاند لگ جاتے۔ اس شہر میں تو ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ نہ بابا... میں بھرپایا ان پولیس والوں سے۔"

"ہاں' یہ تو صحیح ہے" جینا آہستگی سے بولی۔

آئندہ ہفتے کے دوران وہ بڑی توجہ سے اخبارات میں اس کیس کی تفصیلات پڑھتے رہے۔ سراغرساں کینڈل کو گولی چلانے



کے معاملے میں بہت جلد باز قرار دیا جارہا تھا۔ یہ الزام ثابت ہونے کا مطلب ایک پولیس والے کا اپنی ملازمت کے لئے نااہل قرار پانا ہوتا۔ یہ اس کی بہت بڑی نااہلی تھی کہ اس نے ایک "غیر متعلقہ" نوجوان کو گولی ماردی تھی۔ دونوں گرفتار شدہ نوجوانوں نے حلفیہ بیان دے دیا تھا کہ تیسرا لڑکا ان کے ساتھ نہیں تھا' نہ وہ اسے جانتے تھے اور نہ ہی زندگی میں اس سے پہلے انہوں نے کبھی اسے دیکھا تھا۔

"حیرت ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں اب تک زحمت کیوں نہیں دی جارہی!" ٹیڈ بولا۔ "کیا واقعی کینڈل نے معاملہ ہمارے ضمیر پر چھوڑ دیا ہے؟"

"میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ کینڈل کا بنے گا کیا؟"

"تھوڑے عرصے کے لئے معطل ہوجائے گا اور کیا ہوتا ہے۔" ٹیڈ بے نیازی سے بولا اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ اب کھڑکی میں کھڑے ہونا اسے بھلا لگتا تھا۔ یہ احساس بڑا سکون بخش تھا کہ کوئی ان پر نظر رکھنے کے لئے نہیں کھڑا ہے۔

جینا ایک اخبار دیکھتے ہوئے بولی "اس میں لکھا ہے کہ کینڈل کو ابھی تک اس کے اچھے ریکارڈ کی وجہ سے معطل نہیں کیا گیا۔ وہ تیس سال سے پولیس ڈپارٹمنٹ میں ہے۔"

ٹیڈ اس کی طرف مڑتے ہوئے ناگواری سے بولا "اور لگتا ہے وہ ابھی تیس سال تک اور اس ڈپارٹمنٹ میں رہے گا۔ اسے معطل کرنے کا غالباً کسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ وہ اس وقت بھی باہر کھڑا ہے۔"

جینا لپک کر کھڑکی پر پہنچی۔ کینڈل واقعی فٹ پاتھ پر موجود تھا۔ سگار اس کے ہونٹوں میں جھول رہا تھا۔ جینا کو بھی غصہ آگیا۔ "یہ شخص ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتا؟ آخر ہم نے کیا کیا ہے؟ یہ ہماری بات پر یقین کیوں نہیں کرتا؟"

"پولیس والے کا کام یہی ہے کہ وہ کسی کی بات پر یقین نہ کرے۔ لیکن خیر' چھوڑو اس قصے کو۔ میرے پاس تمہارے لئے ایک اچھی خبر ہے۔ مجھے جب ملازمت سے نکالا گیا تو میں ایک اس سے بھی اچھی جگہ ملازمت کی درخواست لے کر گیا تھا لیکن انہوں نے میری بات تک نہیں سنی۔ مگر آج سہ پہر ان کے پرسنل مینیجر نے خود مجھے بلایا اور کہا کہ میں پیر سے ملازمت پر آسکتا ہوں۔"

جینا کو یہ خبر سن کر اتنی خوشی ہوئی کہ وہ کینڈل کو بھول گئی۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب انہوں نے دیکھا کہ کینڈل اپنی جگہ سے غائب تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی اتنی جلدی رخصت نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے یہی سوچا کہ شاید کینڈل نے ناامید ہو کر ان کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اس بار انداز ہچکچاہٹ آمیز سا تھا۔ جینا نے دروازہ کھولا۔ اُجڑی اُجڑی اور عام سی شکل صورت کی ایک عورت دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ پرانا سا ایک ہینڈ بیگ اٹھائے ہوئے تھی۔ اس کا سیاہ لباس بھی پرانا اور معمولی سا ہی تھا لیکن شاید وہی اس کا بہترین لباس تھا۔

"کیا تم جینا تھامس اور وہ ٹیڈ بینک ہے؟" اس نے کمرے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں.... تم کون ہو؟" جینا نے دریافت کیا۔

"میں لوسی کینڈل ہوں۔ سراغرساں ڈین کینڈل کی بیوی۔"

"کیا بات ہے؟" جینا نے اکھڑے اکھڑے سے لہجے میں پوچھا۔

"تم دونوں اتنے اچھے بچے معلوم ہوتے ہو۔ کیا تم مجھے اندر آنے کے لئے بھی نہیں کہو گے؟ میں ایک بہت بڑی درخواست لے کر آئی ہوں۔"

ٹیڈ آگے آتے ہوئے بولا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ آپ مشکلات میں گرفتار ہیں مسز کینڈل! لیکن ہم بھلا آپ کی کیا مدد کرسکتے ہیں؟ ہماری طرف سے تو معذرت ہی قبول فرمایئے۔"

"آپ اندر آجایئے مسز کینڈل!" جینا نے اس کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔

مسز کینڈل اندر آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور مضطربانہ انداز میں اپنے ہینڈ بیگ کو ٹٹولنے لگی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔ "میرے شوہر کو پولیس فورس سے نکال دیا جائے گا۔ دیکھو' یہ مت کہنا کہ تمہیں افسوس ہے۔ مجھے اپنی بات ختم کرلینے دو۔ میں تمہاری ہمدردیاں حاصل کرنے نہیں آئی۔ پولیس میں بعض اوقات بڑے اچھے اچھے اور دیانتدار لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہوجاتا ہے۔ وہ اور ان کی بیویاں اس دن کے لئے تیار رہتے ہیں۔"

"آپ ہم سے کیا چاہتی ہیں؟" ٹیڈ نے پوچھا۔

"میں تمہیں صرف سچ بولتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم صرف اس لئے غصے میں ہو کہ تمہیں کینڈل کی پوچھ گچھ سے پریشانی اٹھانا پڑی۔ صرف اس لئے تم اس کی مدد کرنا نہیں چاہتے لیکن تم یہ نہیں سوچ رہے کہ وہ صرف دیانتداری سے اپنا فرض ادا کررہا تھا۔ وہ کسی ذاتی معاملے میں تو تم سے پوچھ گچھ نہیں کررہا تھا۔"

"مجھے صرف کوئی ایک وجہ بتادو کہ آخر ہم کیوں کینڈل کی مدد کریں؟" ٹیڈ بولا۔

"وجوہات تو بہت سی ہوسکتی ہیں لیکن میں بحث میں نہیں پڑوں گی۔ سچ بذات خود ایک بہت بڑی وجہ ہوتا ہے۔ سچ ہوتا ہی صرف اس لئے ہے کہ اسے مناسب موقعوں پر بولا جائے۔ میں تم سے صرف سچائی کا مطالبہ کرتی ہوں' چاہے اس سے کسی کو فائدہ پہنچے یا نقصان۔ اگر تم نے لٹیروں والا واقعہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو مجھے بتادو' میں ابھی چلی جاتی ہوں لیکن اگر دیکھا ہے تو آگے بڑھ کر وہ سچ سچ بیان کردو۔ تمہاری ایک انسانی اور معاشرتی ذمے داری بھی پوری ہوجائے گی۔ میری اور کینڈل کی مدد بھی ہوجائے گی۔"

"مسز کینڈل!" جینا بولی "تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا شوہر

راتوں کو بھی ہماری نگرانی کرتا تھا؟ ہماری زندگی میں مداخلت کرتا تھا۔ ہمارے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھرتا تھا جس سے ہمیں شرمندگی ہوتی تھی۔ اس نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اس کی روز روز کی پوچھ گچھ کی وجہ سے ٹیڈ کی ملازمت جاتی رہی۔"

مسز کینڈل نے اثبات میں سر ہلایا۔ "شروع میں مجھے معلوم نہیں تھا لیکن جب اس نے نگرانی شروع کی تو مجھے معلوم ہو گیا کیونکہ وہ راتوں کو گھر سے غائب رہتا تھا۔ وہ گھر پر اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتا لیکن جب کسی کی نگرانی شروع کرتا ہے تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے لیکن تم یہ بھی تو دیکھو کہ راتوں کو نگرانی کرنا اس کی دفتری ذمے داری نہیں ہوتی۔ ایسا وہ صرف اپنی مرضی سے کرتا ہے اور اس کے لئے اسے کوئی اوور ٹائم نہیں ملتا۔ وہ سونا' کھانا پینا' سب کچھ بھول جاتا ہے۔ نیند اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ وہ بغیر معاوضے کے' کس کے لئے کرتا ہے؟ اپنی دانست میں وہ صرف اس معاشرے کی بھلائی کے لئے' انسانوں کی بہتری کے لئے ایسا کرتا ہے۔"

"کیا واقعی اسے اس اضافی کام کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا؟" جینا نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔ ڈپارٹمنٹ صرف اس صورت میں معاوضہ ادا کرتا ہے جب وہ قائل ہو جائے کہ فلاں شخص کی اگر نگرانی نہ کی گئی تو وہ فرار ہو جائے گا۔" مسز کینڈل نے بتایا۔

"یہ جان کر تو ہمیں اس سے اور بھی نفرت محسوس ہو رہی ہے کہ وہ ڈپارٹمنٹ کی مرضی کے بغیر' خود ہی غیر ضروری طور پر ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ لیکن...." جینا نے یہ کہتے ہوئے ٹیڈ کا ہاتھ تھام لیا اور اس کی طرف دیکھ کر بولی۔ "مجھے آج تک یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ پولیس والوں کے بھی بیوی بچے ہوتے ہیں۔ کوئی ان سے بھی محبت کرتا ہے۔ ٹیڈ! کیا خیال ہے؟"

وہ غصیلے سے انداز میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میرے خیال میں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ چنانچہ اب حقیقت بیان کر ہی دیتے ہیں۔ اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھ کر میں بھی کچھ زیادہ سکون محسوس نہیں کر رہا۔"

"تو پھر پولیس اسٹیشن چلتے ہیں اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے بیان کر دیتے ہیں۔" جینا بولی۔

ٹیڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ واپس آ رہی تھی۔ وہ استہزائیہ سے لہجے میں بولا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے؟ ذرا زور سے کینڈل کو آواز دو۔ وہ دوڑا دوڑا یہیں آ جائے گا۔"

"تمہیں یاد نہیں رہا.... وہ نیچے موجود نہیں ہے۔" جینا بولی۔

"نیچے موجود نہیں ہے!" مسز کینڈل چونکتے ہوئے بولی۔ "تو پھر ضرور کوئی بات ہوگی۔ وہ تو ایک لمحے کے لئے بھی تمہارے اپارٹمنٹ کے سامنے سے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ نامعلوم قاتل ضرور کسی اور بڑھیا کو بھی قتل کرے گا... اور ایک بار پھر تمہارے پاس جائے واردات سے اپنی غیر موجودگی کا کوئی ٹھوس گواہ موجود نہیں ہوگا۔ تمہاری نگرانی لرکے درحقیقت وہ تو تمہاری بے گناہی کا گواہ بنا رہا تھا۔"

بات پہلے جینا کی سمجھ میں آئی۔ وہ بے یقینی سے بولی۔ "یعنی... تمہارا شوہر اس لئے ٹیڈ کی نگرانی کر رہا تھا کہ اگر اس دوران کہیں قتل کی واردات ہو جائے تو وہ گواہی دے سکے کہ ٹیڈ قاتل نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ اس کی نظروں کے سامنے موجود تھا؟"

"ہاں۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی؟" مسز کینڈل بولی۔ "اسے یقین تھا کہ تم دونوں بے قصور ہو لیکن وہ اسے ثابت نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی تمہارے پاس اپنی بے گناہی کے لئے کوئی ثبوت تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ قاتل ایک مخصوص انداز میں ساری وارداتیں کر رہا تھا۔ اگر اس دوران وہ کسی اور بڑھیا کو قتل کر دیتا اور ثابت یہ ہوتا کہ تم جائے واردات کے قریب تک نہیں گئے تھے' تو پہلے والی وارداتوں سے بھی تمہاری لاتعلقی ظاہر ہو جاتی۔ بہت سے کیسوں میں پولیس اسی طرح کام کرتی ہے۔ کینڈل تمہیں پریشان کرنے کے لئے نہیں' تمہاری بھلائی کے لئے تمہاری نگرانی کر رہا تھا۔"

ٹیڈ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

مسز کینڈل بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "کینڈل کو یہ جان کر بڑا افسوس ہوا تھا کہ تمہاری ملازمت چلی گئی تھی۔ اس نے ایک دوسری اور اس سے اچھی کمپنی میں بات کی تھی۔ اس کی تھوڑی بہت شناسائی تھی اور اس نے حقیقت بیانی سے کام لے کر تمہاری پوزیشن بھی صاف کی تھی۔ اسے امید تھی کہ تمہارا کام بن جائے گا۔ شاید بن ہی گیا ہو۔ تمہارے خیال میں کیا پولیس والے' لوگوں کو صرف گرفتار ہی کرتے ہیں؟ معاشرے میں ان کا اور کوئی کردار نہیں ہوتا؟ ان کا اصل کام تو شہریوں.... اور خصوصاً شریف شہریوں کے جان و مال اور مفادات کی حفاظت کرنا ہے۔ کینڈل یہی کر رہا تھا۔"

انہوں نے مسز کینڈل کو ٹیکسی میں بٹھا کر گھر بھیج دیا اور خود فوراً پولیس اسٹیشن پہنچے۔ ڈین کینڈل وہاں موجود تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ وہاں ایک نئی خبر بھی ان کی منتظر تھی۔ اس رات قاتل نے ایک اور ضعیفہ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ایک طویل ڈراؤنا خواب آخر کار ختم ہو گیا تھا۔

پولیس اسٹیشن پر کسی نے ٹیڈ اور جینا سے یہ نہیں کہا کہ وہ سخت احمق اور غیر ذمے دار تھے جو انہوں نے حقیقت کو اتنی دیر تک چھپائے رکھا۔ کسی کے کہے بغیر انہیں خود ہی اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔



THE TRAP
NORMAN DENIELS

مشہورِ زمانہ اسپائی ایجنٹ جیمز بانڈ کا کردار آئن فلیمنگ نے تخلیق کیا تھا۔ اس سے لوگوں کے ذہن میں یہ تاثر قائم ہوگیا کہ شاید اچھے اسپائی ایجنٹ نہایت ہینڈسم' خوبرو اور وجیہہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ناول پڑھنے اور فلمیں دیکھنے والوں کے لاشعور میں یہ بات بھی بیٹھ گئی کہ اسپائی ایجنٹ یا جاسوس عورتوں کا بھی نہایت خوبصورت' دلکش اور جاذبِ نظر ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے کافی حد تک برعکس ہے۔ حسن عام طور پر بہت سی جگہوں پر..... بہت سے معاملات میں عورت کے کام آتا ہے لیکن جاسوسی کے کاموں میں نہیں..... ایک اسپائی ایجنٹ..... اور خاص طور پر خاتون اسپائی ایجنٹ کا حسین اور دلکش ہونا تو اس کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کرسکتا ہے۔ خاتون اسپائی ایجنٹ کی شخصیت نہایت عام' بے کشش اور غیر نمایاں ہونا اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ سر جھکائے' آرام سے اپنا کام کرتی رہتی ہے اور کسی کی بھی توجہ اس کی طرف نہیں جاتی۔ جبکہ حسین لوگ ہمیشہ دوسروں کی نظر میں رہتے ہیں۔ نگاہیں ان کے تعاقب میں رہتی ہیں اور ضرورت پڑنے پر بعد میں بھی لوگوں کو آسانی سے یاد آجاتا ہے کہ انہوں نے فلاں موقع پر فلاں حسین عورت کو فلاں جگہ دیکھا تھا۔ اسی لیے میری رائے ہے کہ ادھیڑ عمر' بے کشش اور نہایت ہی عام سی شخصیت کی مالک عورتیں بہترین اسپائی ایجنٹ ثابت ہوتی ہیں۔ کوئی ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا..... اور اگر دیکھ بھی لے تو ان کے بارے میں کسی کو کچھ

خفیہ ایجنسیوں میں کام کرنے والوں کے روز و شب، مغرب سے درآمد کردہ نئی سوغات

کمزوری

نجمہ مودی

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اپنی زندگی کے بیشتر سال کسی کی تھوڑی سی توجہ حاصل کرنے کے لئے صرف کردیتے ہیں مگر تب بھی ان کا دامن خالی ہی رہتا ہے۔ اور بعض اوقات کسی کی معمولی سی ادا ہم کو اپنا اسیر بنالیتی ہے۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے دور بے کیف لمحوں کی زد میں آئے لوگوں کی زندگی کا ایک ورق۔



یاد نہیں رہتا۔ ان کے بارے میں یہ بھی خطرہ نہیں ہوتا کہ کوئی مرد ان پر ڈورے ڈالنے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے انہیں لبھانے کی کوشش کرے گا اور اس چکر میں وہ اپنے پیشہ ورانہ مفادات کے خلاف کوئی کام کر جائیں گی..... کیونکہ ان پر کوئی ڈورے ڈالنے کی کوشش ہی نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی انہیں متاثر کرنے یا ان کا دل لبھانے والی باتیں کرتا ہے۔

میں اٹھاون سال کی ایک ایسی ہی عورت ہوں..... اور اس پیشے میں چالیس سال کامیابی سے گزار کر بھی زندہ سلامت ہوں۔ یہ بھی میرے نظریے کی صداقت کا ایک ثبوت ہے۔ میں ایک بہت ہی عام سی دکھائی دینے والی عورت ہوں۔ میک اپ کر کے اور عمدہ لباس پہن کر بھی میں محض ایک عام اور گھریلو سی عورت نظر آتی ہوں۔ بس' غنیمت یہ ہے کہ میں کوشش کر کے ایک بدشکل اور کراہت انگیز عورت نظر آنے سے بچی رہتی ہوں کیونکہ بدصورت عورتیں بھی لوگوں کو یاد رہ جاتی ہیں۔ دوسرے ان پر زیادہ تر لوگ اعتبار نہیں کرتے اور انہیں کسی اہم جگہ پر پہنچنے اور وہاں قدم جمانے میں بھی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

مردوں میں مجھے صرف پروفیسر اسمتھ ہی ایسا شخص نظر آیا تھا جو نہایت بدشکل ہونے کے باوجود بڑی اہم پوزیشن کا مالک تھا اور سرکاری سطح پر اس پر بہت اعتماد کیا جاتا تھا۔ وہ بہت اہم ذمے داریاں انجام دے رہا تھا۔ وہ سیاہ فام تھا اور ایسا لگتا تھا کہ اس کے جسم پر کچھ زیادہ ہی بال تھے۔ اس کے کانوں تک پر بال تھے اور وہ آدمی سے زیادہ جانور نظر آتا تھا۔ اوپر سے وہ بے ڈھنگے جسم کا مالک تھا۔ چہرے کا جتنا حصہ بالوں سے بچا ہوا تھا' اس پر شکنیں نظر آتی تھیں اور اس کی ناک چپٹی تھی۔ کان خرگوش کی طرح بڑے بڑے تھے۔

لوگوں کے خیال میں اس کی شخصیت سیاہ فاموں کے لیے فخر کا باعث تھی کیونکہ قدرت نے اسے اس کی تمام تر بدصورتی سے قطع نظر ایک نہایت غیر معمولی ذہن عطا کیا تھا۔ وہ اربن اسٹیٹ یونیورسٹی میں پروفیسر تھا اور ایک بہت ہی اہم سرکاری پراجیکٹ پر تحقیقی کام کر رہا تھا۔ ویسے تو میں بھی سیاہ فام ہوں لیکن بظاہر میری شخصیت سیاہ فاموں کے لیے نہ تو فخر کا باعث تھی اور نہ ہی رسوائی کا سبب تھی۔ میری تو ایک ایسی شخصیت تھی جو کسی بھی شمار قطار میں نہیں تھی۔ میں جب ملازمت حاصل کرنے کی غرض سے اربن اسٹیٹ یونیورسٹی میں داخل ہوئی تھی تو اس کے طویل و عریض برآمدوں اور پُرشکوہ راہداریوں میں میری شخصیت اور بھی زیادہ عام اور بھی زیادہ غیر نمایاں دکھائی دی تھی۔

پروفیسر اسمتھ کو یونیورسٹی میں ہی نہیں' نہایت خاص علمی حلقوں میں بھی ''گریٹ مین'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اس کے لیے تین کمپیوٹر ٹائپسٹ عورتیں کام کرتی تھیں جن میں سے ایک کی جگہ خالی ہوئی تھی۔ میں اسی اسامی کے لیے انٹرویو دینے آئی تھی اور جب میں پہلی بار لوہے کی میز کے دوسری طرف پروفیسر اسمتھ کے مقابل بیٹھی تھی تو مجھے گردن ٹیڑھی کر کے اس کی طرف دیکھنا پڑ رہا تھا کیونکہ کمپیوٹر کا ایک بڑا سا مانیٹر اور دوسرا کاٹھ کباڑ ہمارے درمیان حائل تھا۔ بے شمار موٹی موٹی تاریں میز سے نیچے جا رہی تھیں۔ پروفیسر کی میز پر کاغذات نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور نہ ہی اس کے کمرے کے شیلفوں میں کسی قسم کی کتابیں تھیں۔ کمرے کی کسی دیوار پر کسی قسم کا کوئی پوسٹر یا تصویر نہیں تھی۔

پروفیسر اسمتھ کوئی بھی چیز کاغذات پر محفوظ رکھنے کا قائل نہیں تھا۔ اس کے خیال میں کمپیوٹر کی آمد کے بعد اب اس چیز کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے اس نظریے پر عمل کر کے دکھاتا تھا۔ اس کا سارا علمی اور تحقیقی سرمایہ کمپیوٹر میں محفوظ تھا۔ اس کا اپنا وجود بھی بس گویا ایک کمپیوٹر ہی تھا اور دنیا سے..... یا یہاں کے لوگوں سے اس کا رابطہ بھی الیکٹرونک قسم کا ہی تھا۔ اس کے پاس جذبات نام کی شاید کوئی چیز نہیں تھی اور شاید اسی لیے اس نے نہ تو شادی کی تھی اور نہ ہی کوئی عورت اس کی دوست تھی۔ اس کا کوئی اسٹوڈنٹ بھی نہیں تھا۔ وہ اب پڑھاتا نہیں تھا۔ صرف تحقیقی کاموں پر مامور تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ وہ ٹائپ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اسے اپنی تمام تحقیق کمپیوٹر پر محفوظ کرنے کے لیے ٹائپسٹ کی ضرورت پڑتی تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ میں جو الفاظ بولوں..... جن خیالات کا اظہار کروں..... انہیں جوں کا توں ٹائپ کیا جائے..... ایک حرف کا بھی فرق نہیں ہونا چاہیے۔'' پروفیسر اسمتھ نے میرا انٹرویو لینے کے دوران کہا ''ٹائپ کرنے والے کو خواہ کوئی چیز غلط بھی لگے' وہ اسے صحیح کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کی کوشش ہرگز نہ کرے۔ کوئی لفظ ادھر سے ادھر نہ کرے۔ کہیں اپنی ذہانت جھاڑنے کی کوشش نہ کرے۔ کیا تم اس طرح ٹائپ کر سکتی ہو؟ تم سے پہلے جو ٹائپسٹ تھی' وہ ان ہدایات پر عمل نہیں کر سکی تھی۔''

مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ کتنی ہی ٹائپسٹ خواتین کو برخاست کر چکا تھا۔ کوئی بھی اس کے پاس چند دن سے زیادہ نہیں گزار پائی تھی۔ آخری ٹائپسٹ نے چھ ہفتے گزارے تھے..... جو لوگوں کے خیال میں ٹائپسٹ کا ایک کارنامہ تھا۔

''یس سر! میں آپ کی ہدایات پر پورا عمل کروں گی۔ مسئلہ صرف یہ ہے۔'' میں نے اپنے لہجے میں تھوڑا سا خوفزدگی کا تاثر پیدا کیا لیکن پروفیسر نے شاید اس پر توجہ ہی نہیں دی۔ وہ ایک بار پھر اپنے کمپیوٹر مانیٹر کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ وہ بے خیالی کے سے عالم میں اپنی مونچھوں کے چکنائی زدہ بالوں کو مروڑ رہا تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں بے مقصد سے انداز میں کی بورڈ پر حرکت کر رہی تھیں۔

میں کہتے کہتے چپ ہوگئی تو اس نے بے توجہی سے کہا ''ہاں..... ہاں..... بولو..... کیا بات ہے؟''

''وہ دراصل..... بات یہ ہے کہ میں کمپیوٹر کو پوری طرح آپریٹ کرنے میں ماہر نہیں ہوں۔'' میں نے صفائی سے جھوٹ بولا ''میں صرف ایک اچھی ٹائپسٹ ہوں..... اور بہت تیزی سے ٹائپ کر لیتی ہوں..... لیکن کمپیوٹر سے متعلق دوسرے کاموں سے مجھے کچھ زیادہ واقفیت نہیں ہے۔ دوسرا کوئی کام کرتے ہوئے میں الجھ جاتی ہوں.....'' یہ جھوٹ بہت اہم تھا۔ ضرورت اور مصلحت کے تحت بولا جا رہا تھا۔

مانیٹر کا رخ گو کہ پوری طرح میری طرف نہیں تھا لیکن میں دیکھ چکی تھی کہ پروفیسر کے سامنے اس وقت دنیا کے ایک انتہائی حساس اور پیچیدہ کمپیوٹر سسٹم کی ونڈو کھلی ہوئی تھی۔ امریکا کے محکمۂ دفاع کی اہم ترین رپورٹس اس کے سامنے آ رہی تھیں۔ وہ ان دنوں چھوٹے سٹیلائٹ سسٹم کے ایک نئے منصوبے پر کام کر رہا تھا جو امریکی محکمۂ دفاع کے لیے بہت اہم تھا۔ امریکی حکومت اس کا تحقیقی کام مکمل ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہی اس ساری تحقیق اور منصوبے پر عملدرآمد کے لیے بھاری سرمایہ فراہم کر رہی تھی۔ یہ بدشکل اور بے ہنگم پروفیسر اس وقت امریکی حکومت..... اور خصوصاً اس کے محکمۂ دفاع کی نظر میں ایک نہایت اہم شخصیت تھا۔ توقع یہ تھی کہ چند ماہ میں وہ اپنی مختصر، حتمی اور جامع رپورٹ پیش کر دے گا جو اس کے فارمولے پر مبنی ہوگی۔

''میں نے اپنے لیے ایک ٹائپسٹ ہی مانگی تھی۔'' پروفیسر اسکرین سے نظر ہٹائے بغیر بولا ''اور نیچے والوں نے اگر تمہیں میرے پاس بھیجا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تم مطلوبہ معیار پر پوری اترتی ہو..... جو کوالیفکیشن مجھے چاہیے وہ تمہارے پاس موجود ہے۔ کل صبح تمہیں یہاں ہونا چاہیے۔ اب جاؤ۔''

میں فوراً وہاں سے اٹھ آئی۔ اس نے میرا نام تک نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی صحیح طور پر میری طرف دیکھا تھا۔ مجھے امید بھی نہیں تھی کہ وہ میری پوری ملازمت کے دوران کبھی میرا نام پوچھے گا یا نظر بھر کر میری طرف دیکھے گا۔

میرا خیال درست ہی ثابت ہوا..... اور یہ اچھا ہی تھا۔ میری خواہش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ جس شخص کو ہلاک کرنا میری مہم کا ایک حصہ ہو اس سے میری شناسائی کم سے کم ہو۔

☆☆☆

چار ماہ سے میں کام کے دنوں میں روزانہ پانچ نمبر کی بس پکڑ کر یونیورسٹی پہنچتی تھی۔ یونیورسٹی کے سبزہ زاروں اور درختوں کی قطاروں کے درمیان سے گزرتی میں پُروقار عمارات کے سلسلے کو پیچھے چھوڑتی ایک جدید عمارت تک پہنچتی تھی۔ یہ ''ایروا سپیس انجینئرنگ بلڈنگ'' تھی جو تمام جدید حفاظتی انتظامات اور آلات سے مزین تھی۔ پروفیسر یہاں اپنا تحقیقی کام کر رہا تھا۔ عمارت میں داخلے کا نظام کمپیوٹرائزڈ تھا۔ راستوں میں ہر جگہ کیمرے لگے ہوئے تھے۔ متعلقہ افراد کو یہاں داخل ہونے کے لیے کمپیوٹرائزڈ کارڈ ملتا تھا۔ اسی کی مدد سے اس کے لیے دروازے کھلتے تھے لیکن وہ صرف اتنے ہی حصے میں جا سکتا تھا جس میں اس کا جانا ضروری ہوتا تھا۔ مجھے

آپ بھی بھرپور طاقت کے مالک بنیے طبی دنیا میں کامیاب اور لاجواب نسخہ

مرد حضرات ہی پڑھیں۔

برسہابرس سے ہمارے ماہر طب خصوصاً ایسے مریضوں کے لیے جو اپنی نامعلوم کی بنا پر پیچیدہ امراض میں مبتلا ہو کر طرح طرح کے علاج سے مایوس ہو گئے تھے انکے لیے اپنے تجربے و تحقیقات انتھک محنت لگن اور کاوشوں سے ایسا نسخہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جس نے کئی ناکارہ بوڑھوں کو بہت کم دنوں میں جوان مرد بنا دیا اور مایوس گئے گزرے کمزور نوجوان ایک ایک ہفتے آزما کر یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ جوہر واقعی بے پناہ قوت کا سرچشمہ ہے آپکی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہمیں فخر محسوس کر رہے ہیں کہ اس کے استعمال سے جسم میں نیا اور تازہ خون پیدا ہونے لگتا ہے چہرے پہ سرخی ہاتھ پیروں میں چستی توانائی ظاہر کر کے صحت کو قابل رشک بنا دیتا ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہو جائینگی جسکے لیے آپ ایک مدت سے محروم رہے ہیں آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائے گا۔

حکیم اینڈ سنز

پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی 74600 پاکستان

بھی ایک کارڈ ملا تھا اور کیبن نما ایک چھوٹا سا کمرا دیا گیا تھا۔ اس عمارت میں فضائی اور خلائی تحقیق سے متعلق نہ جانے کتنے سائنسداں اپنے اپنے تحقیقی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اس میں بہت سے دفاتر اور بہت سی تجربہ گاہیں تھیں۔ میرا چھوٹا سا کمرا پروفیسر کے بڑے سے کمرے اور لیبارٹری سے ملحق تھا۔ پروفیسر اس جدید لیبارٹری کو نہایت بے کار، ناکافی اور دقیانوسی قرار دیتا تھا۔ وہ اس کی بیشتر چیزوں پر ناک بھوں چڑھاتا رہتا تھا۔

پروفیسر سے اپنی پہلی ملاقات کے بعد سے اب تک میں نے اپنے حلیے اور وضع قطع میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ میرے کپڑے ہمیشہ نہایت عام، ڈھیلے ڈھالے اور ہلکی سی دقیانوسیت کی جھلک لیے ہوتے تھے۔ میرا پرس پرانا اور ذرا بڑا ہوتا تھا۔ میں اتنی عام سی عورت نظر آتی تھی کہ کوئی بھی میری طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔ پروفیسر تو بالکل ہی نہیں دیتا تھا۔

میں جتنے عرصے سے اس کے لیے کام کر رہی تھی، میں نے اسے صرف دو چیزوں میں دلچسپی ظاہر کرتے دیکھا تھا۔ ایک تو اپنے تحقیقی کام میں..... اور دوسرے اس لیبارٹری میں جو پروفیسر چن کو الاٹ تھی۔ وہ بہت بڑی اور نہایت جدید لیبارٹری تھی۔ پروفیسر اسمتھ اس کا ذکر کچھ ایسے ہی انداز میں کرتا تھا جیسے کوئی رنگین مزاج آدمی اپنے پڑوسی کی حسین اور شعلہ صفت بیوی کی بات کر رہا ہو۔ اس کے بارے میں وہ رشک کی انتہا پر دکھائی دیتا تھا اور لگتا یہی تھا کہ ایسی لیبارٹری حاصل کرنے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اس روز میں اپنی میز پر جا کر بیٹھنے کے بعد کافی پی رہی تھی جب پروفیسر آن پہنچا۔ میری میز کے قریب سے گزرتے وقت اس نے چٹکی بجائی۔ اس کے بیک وقت دو مطلب تھے۔ ایک تو اس نے گویا مجھے ''گڈ مارننگ'' کہا تھا اور دوسرے اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا تھا۔ میں کافی کا کپ رکھ کر اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں پہنچی اور سیدھی اس کے کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھی۔ وہ میرے پیچھے کھڑے ہو کر مجھے ڈکٹیشن دیتا تھا اور میں ٹائپ کرتی رہتی تھی۔ وہ میرے کندھے کے اوپر سے تمام ٹائپ شدہ مواد اسکرین پر دیکھتا رہتا تھا۔ اس طرح اسے اطمینان رہتا تھا کہ اس کے بولے ہوئے کسی لفظ میں کوئی معمولی سی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔

اسکرین پر پہلے ہی بہت سی چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے ظاہر کیا جیسے میں انہیں دیکھ کر پریشان ہو گئی ہوں اور ڈکٹیشن ٹائپ کرنا شروع نہیں کر پا رہی ہوں۔ جب اس نے مجھے بدحواس بیٹھے دیکھا تو زیرِلب بڑبڑایا ''احمق عورت.....!''

پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ماؤس سے چھیڑ چھاڑ کر کے اسکرین کو صاف کیا اور ڈکٹیشن دینا شروع کی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آج اس نے یہ خط ٹائپ کرانا شروع کیا تھا جس کا میں چار ماہ سے انتظار کر رہی تھی۔ وہ یونیورسٹی کے ڈین اور محکمۂ دفاع کے پروجیکٹ ڈائرکٹر کو ایک مشترکہ خط میں مطلع کر رہا تھا کہ اس کی تحقیق کامیابی سے مکمل ہو گئی..... تھی۔ وہ اپنا فارمولا بیان کرنے جا رہا تھا جس پر عمل کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے۔ تاہم ابھی وہ مکمل ڈیٹا انہیں نہیں بھیج رہا تھا۔ اس نے خط میں یہ درخواست بھی کی تھی کہ اب اسے پروفیسر چن والی لیبارٹری الاٹ کی جائے اور پروفیسر چن کو تہ خانے میں کسی چھوٹی لیبارٹری میں بھیج دیا جائے۔ کمپیوٹر پر ڈین کا جواب فوراً ہی آ گیا۔ اس نے پروفیسر کو اس کے تجربات کی کامیابی پر مبارکباد دی تھی لیکن اسے پروفیسر چن والی لیبارٹری الاٹ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

پروفیسر کا غم و غصے سے برا حال ہو گیا۔ میں اسے اسی حال میں چھوڑ کر باہر آ گئی۔ راہداری میں مشین رکھی ہوئی تھی جس میں پیسے ڈال کر کچھ چیزیں خریدی جا سکتی تھیں۔ میرے لیے آج گویا جشن کا دن تھا۔ میرا کام گویا ختم ہو گیا تھا۔ مجھے جس چیز کا انتظار تھا وہ آج تقریباً سامنے آ گئی تھی۔ اس خوشی میں، میں نے اپنے بڑھے ہوئے وزن کے باوجود بدپرہیزی کا ارادہ کر ڈالا اور مشین سے ایک بڑی سی چاکلیٹ نکال کر کھالی۔

دوسرے روز جب پروفیسر لنچ کے لیے گیا تو میں نے اس کی رپورٹ تمام جزئیات سمیت اس کے کمپیوٹر سے اپنے چھوٹے سے لیپ ٹاپ کمپیوٹر پر کاپی کر لی۔ یہ لیپ ٹاپ میں اپنے بڑے سے پرانے اور دقیانوسی پرس میں چھپا کر لائی تھی۔ اس رات میں نے وہ تمام ڈیٹا ایک انٹرنیٹ کیفے سے اپنے حکام کو بھجوا دیا۔ ہزاروں میل دور میرے ملک میں ہمارے سائنسداں اور انجینئر بے چینی سے اس رپورٹ کا انتظار کر رہے تھے۔ امریکا سے پہلے چھوٹے سیٹلائٹ کے اس نظام کو دنیا میں عام کر کے اربوں ڈالر کا فائدہ بھی حاصل کیا جا سکتا تھا، کریڈٹ بھی لیا جا سکتا تھا اور دنیا میں ہلچل بھی مچائی جا سکتی تھی۔ امریکی حکومت اور خصوصاً محکمۂ دفاع کے انسان اپنے بال نوچتے رہ جاتے۔

بدھ کی شام کو مجھے انٹرنیٹ سے اطلاع مل گئی کہ میری رپورٹ مطلوبہ شعبے میں پہنچ گئی تھی اور تمام متعلقہ مشینری حرکت میں آ گئی تھی۔ میں نے اپنا مشن عمدگی سے مکمل کر لیا

تھا۔ صرف ایک کام باقی رہ گیا تھا..... یا یوں کہنا چاہیے کہ ایک کام کے دو حصے باقی رہ گئے تھے۔ ایک تو مجھے پروفیسر کے کمپیوٹر سے اس پروجیکٹ کا ڈیٹا صاف کرنا تھا۔ دوسرے پروفیسر کو قتل کرنا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے اس کے گھر میں ہی قتل کروں گی اور اس واردات کو حادثے کا رنگ دینے کی کوشش کروں گی۔

اس شام میں چھٹی کرنے کے بعد بھی یونیورسٹی کے سبزہ زاروں میں منڈلاتی رہی اور شام کے سائے پھیلے تو درختوں کے درمیان روپوش ہوگئی۔ پروفیسر کو میں ایروا سپیس بلڈنگ میں ہی چھوڑ کر آئی تھی۔ آخر کار میں نے اسے بھی اس عمارت سے نکل کر آتے دیکھ لیا۔ وہ یونیورسٹی سے گزر کر باہر کی طرف جا رہا تھا۔ حسبِ معمول اس کے ہاتھ میں کوئی بریف کیس وغیرہ نہیں تھا۔ وہ کوئی کاغذ وغیرہ اپنے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔ اس کی ساری ریسرچ کا ڈیٹا یا تو اس کے دماغ میں ہوتا تھا یا پھر اس کے کمپیوٹر میں۔

اس کے جانے کے بعد میں دوبارہ ایروا سپیس بلڈنگ میں داخل ہوئی اور اپنے کمرے میں پہنچی تو مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔ میری میز پر ایک گلدستہ رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت کارڈ منسلک تھا جس پر ہاتھ سے لکھا تھا:

''ڈیئر کوریلا! بہت شکریہ..... تمہارے بغیر شاید میں اپنا کام اتنی آسانی سے مکمل نہ کر پاتا..... سالگرہ مبارک..... پروفیسر اسمتھ۔''

دوسرے روز پچیس اپریل تھی..... اور مجھے خود بھی یاد نہیں تھا کہ یہ میری سالگرہ کا دن تھا۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ پروفیسر کو میرا نام بھی معلوم نہیں ہوگا۔ اس نے کبھی پوچھا ہی نہیں تھا..... لیکن اسے تو میری تاریخ پیدائش بھی معلوم تھی اور اس نے یہ دونوں چیزیں یاد بھی رکھی تھیں۔ شاید میری آمد کے وقت میرا بائیو ڈیٹا اس کی نظر سے گزرا ہو۔ ویسے تو یہ مراحل نیچے ہی طے ہو گئے تھے۔ یونیورسٹی والوں نے میرا انٹرویو لے کر میرے کاغذات دیکھ کر بہت سے امیدواروں میں سے مجھے منتخب کرنے کے بعد اس کے پاس بھیجا تھا لیکن شاید اس کے بعد کسی رسمی کارروائی کے دوران میرا سی۔ وی کمپیوٹر پر اس کی نظر سے گزرا ہو۔ اس کے باوجود میرے لیے یہ ناقابلِ یقین سی بات تھی کہ اس نے میرا نام اور سالگرہ کا دن یاد رکھا تھا۔

☆☆☆

بس میں گھر واپس جاتے وقت میں غور کر رہی تھی کہ طے شدہ پروگرام سے ہٹ کر کیا کچھ ہو سکتا تھا؟ گھر پہنچ کر میں نے اپنی نئی کار نکالی جو میں ڈیوٹی پر جانے کے لیے استعمال نہیں کرتی تھی۔ اس کار میں بیٹھ کر جب میں پروفیسر کے گھر کی طرف روانہ ہوئی تب بھی میرا ذہن سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔

میں اس کے تاریک لان سے گزر کر عقبی دروازے پر پہنچی تب بھی میرے ذہن میں کشمکش جاری تھی۔ میں نے جب اپنی مخصوص ترکیب سے تالا کھولا اور اندر پہنچی تو میرا ذہن ایک فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ چند لمحے بعد میں اس کے بیڈروم میں بیڈ کے کنارے پر بیٹھی تھی۔

''اسمتھ!'' میں نے اسے نام لے کر پکارا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور سانس گویا اس کے سینے میں اٹک گئی کیونکہ میرے پستول کی نال اس کی چپٹی ناک کو تقریباً چھو رہی تھی۔

''اوہ..... میرے خدا..... کوریلا! یہ تم کیا.....'' وہ جملہ مکمل نہیں کر سکا لیکن کمبخت نے بہر حال غیر ارادی طور پر مجھے میرے نام سے پکارا تھا۔

''تمہیں یہیں موت آسکتی ہے..... اور کوئی تمہارا سوگ نہیں منائے گا۔'' میں نے کہا۔

وہ گن کی نال سے تھوڑا سا پیچھے کو کھسک گیا۔ اس کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی رو دے گا۔

میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''دوسری صورت یہ ہے کہ تم میرے ساتھ آج رات ہی میرے ملک چلو..... ہم تمہیں اس سے زیادہ فنڈز دیں گے جتنے تمہیں یہاں تحقیقی کام کے لیے مل رہے ہیں..... اور پروفیسر چن کی لیبارٹری سے بھی کہیں زیادہ شاندار لیبارٹری دیں گے..... ایسی لیبارٹری جس کا تم نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔''

پہلے تو اس کے چہرے پر تذبذب اور الجھن نظر آئی جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو لیکن جب میں نے دوبارہ لیبارٹری کی بات کی تو اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر نرمی آگئی۔

''ٹھیک ہے..... میں تمہارے ساتھ تمہارے ملک جانے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے کہا اور میں گہری سانس لے کر رہ گئی۔

میرے مشن میں اسے ہلاک کرنا شامل تھا لیکن کمبخت نے صرف میرا نام، میری سالگرہ کی تاریخ یاد رکھ کے اور ایک گلدستہ پیش کر کے نہ صرف اپنی جاں بخشی کرالی تھی بلکہ اپنے لیے ناقابلِ تصور مراعات بھی حاصل کر لی تھیں۔ اس روز مجھے اندازہ ہوا کہ عورت خواہ اٹھاون سال کی ہو..... اور خواہ ایک منجھی ہوئی سفاک اسپائی ایجنٹ ہی ہو..... اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی!



آگہی

نجمہ مودی

جذبہ محبت کا ہو یا نفرت کا..... اظہار ضروری ہوتا ہے۔ اظہار نہ ہو تو تشنگی اور گھٹن انسان کو گھائل کردیتی ہے۔ اسی گھٹن کے شکار کچھ کرداروں کا احوال جو اپنے جذبوں کے آگے بند باندھنے پر مجبور تھے۔

مغرب سے درآمد شدہ تازہ سوغات، محبت آفرین جذبوں کا مظہر

بہت سے حادثات جب وقوع پذیر ہوجاتے ہیں' اس کے بعد کئی لوگ یہ دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ انہیں اس کے بارے میں پہلے ہی خواب آگیا تھا یا کسی اور ذریعے سے آگاہی ہوگئی تھی۔ مثلاً کوئی جہاز گر کر تباہ ہوجائے تو کئی لوگوں کے منہ سے آپ یہ بات سنیں گے کہ وہ بھی اس جہاز سے کہیں جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن پرواز سے ایک رات پہلے انہیں خواب آیا کہ جہاز گر کر تباہ ہوگیا..... یا ان کی فلاں آنٹی جو خاصی پہنچی ہوئی بزرگ ہیں' انہوں نے فون کرکے کہا کہ تم فلاں جہاز سے ہرگز پرواز نہ کرنا..... اور انہوں نے آنٹی کی بات مان لی اس لیے وہ بچ گئے۔ کوئی بھی حادثے کے بارے میں پیشگی خبردار نہیں کرتا جس کا کچھ فائدہ ہوسکتا ہے۔ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کا کیا فائدہ؟ مگر لوگ ایسا کرتے ہیں..... اور اگر موقع ملے تو اس سلسلے میں اخبارات اور ٹی وی چینلز وغیرہ کو بیان دینے سے بھی باز نہیں آتے۔

والٹر ایش نے بھی اپنی موت کے بارے میں میرے اخبار کو خبردار کرنے کے لیے کوئی فون نہیں کیا تھا۔ میں ''اسٹار ری پبلک'' کے لیے کام کرتا ہوں جو انڈیانا پولس کا خاصا ممتاز اخبار ہے۔ جب ہمارے اخبار میں والٹر ایش کی موت کی رسمی خبر اور اس کے بارے میں مختصر سا تعزیت نامہ چھپا تو ہمیں کئی افراد کے فون آئے کہ والٹر ایش نے اپنی موت سے

پہلے ہی اس کے بارے میں اشارے دینا شروع کر دیے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے دبے پاؤں اپنی طرف بڑھتی موت کے بارے میں کچھ آگاہی مل گئی تھی۔ کم از کم اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مرتے وقت کون اس کا ہاتھ تھامے ہوگا۔ ان اطلاعات میں میرے ایڈیٹر صاحب نے اتنی دلچسپی لی کہ انہوں نے مجھے ہدایت کی میں اس معاملے کی تھوڑی بہت تحقیقات کرلوں۔ شاید اس سے کوئی دلچسپ خبر تیار کرنے کے لیے مواد مل سکے۔

میں اس سلسلے میں سب سے پہلے کلارا کونرز سے ملا۔ اس خاتون کو تجہیز و تکفین کا کاروبار ورثے میں ملا تھا۔ یہ کام کرنے والی وہ تیسری نسل تھی۔ وہ شہر کے شمال میں پرانی سی ایک حویلی میں رہتی تھی اور وہیں یہ کام ہوتا تھا۔ حویلی ہی کے ایک کمرے میں اس کا آفس تھا۔ کلارا چھوٹے قد کی گول مٹول سے چہرے والی ایک ملنسار سی عورت تھی۔ میں اس کے آفس میں پہنچا تو وہ مجھ سے خوش خلقی سے پیش آئی۔ شہر میں ہونے والی اموات کے بارے میں زیادہ تر وہی ہمیں اطلاع دیتی تھی۔

''مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں بھی ''اسٹار ری پبلک'' کے لیے کام کرتی ہوں۔'' وہ بولی ''مرنے والوں کے لواحقین سے ضروری معلومات حاصل کر کے میں ہی تمہارے اخبار کو فراہم کرتی ہوں۔ والٹر ایش کے بارے میں میں نے اس کی بیوی سے معلومات حاصل کی تھیں۔ اس کا نام جوائس ہے۔ اس نے اپنے شوہر کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس سے توہم پرستی کا اظہار ہوتا یا یہ پتا چلتا کہ اس کا شوہر اپنی موت کے بارے میں پیشگی آگاہ ہو گیا تھا۔ اس نے بس یہ بتایا کہ اس کی عمر اکیاون سال تھی۔ پیشے کے اعتبار سے وہ اسکول ٹیچر تھا۔ پسماندگان میں اس نے صرف بیوہ ہی کو چھوڑا تھا۔ تکفین کے بعد جب والٹر ایش کی میت لوگوں کو آخری بار چہرہ دکھانے کے لیے میرے پارلر میں رکھی گئی تب لوگوں کی زبانی عجیب عجیب باتیں سننے میں آئیں۔ خاص طور پر جب بیری کلارک اسے دیکھنے آیا تب تو گویا ہلچل ہی مچ گئی۔''

میری آنکھوں میں سوالیہ کیفیت دیکھ کر کلارا بولی ''شاید تمہیں معلوم نہیں کہ بیری کلارک کون ہے۔ تم اسے کلارکسن کے نام سے جانتے ہوگے۔ اس نام سے وہ ساٹھ کی دہائی میں ریڈیو پر کام کرتا تھا۔ اپنے وقت کا بڑا مشہور اناؤنسر تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ والٹر نے مرنے سے ایک ہفتہ پہلے ہر ایک سے کلارکسن کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات مجھے سب سے پہلے والٹر کے اسکول کے ایک ساتھی ٹیچر نے بتائی تھی۔ والٹر نے ایک روز اسکول آتے ہی اچانک اسی ٹیچر سے پوچھا تھا کہ کیا اسے ساٹھ کی دہائی کے اس مشہور ریڈیو اناؤنسر کلارکسن کے بارے میں کچھ معلوم ہے جس نے اپنے وقت میں ریڈیو پر بیٹلز اور اسٹونز کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ ریڈیو پر ان کے سب سے زیادہ ریکارڈ چلاتا تھا۔ والٹر جاننا چاہ رہا تھا کہ کیا کلارکسن کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہے؟ مثلاً یہ کہ وہ آج کل کہاں ہے..... کس حال میں ہے..... کیا کر رہا ہے؟ اس کا کہنا تھا کہ وہ اس روز سو کر اٹھا تو اس کے ذہن میں نہ جانے کیوں مسلسل کلارکسن کا نام گونج رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اپنی بیوی سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ بیوی نے بعد میں اس بات کی تصدیق کی..... تمہیں معلوم ہے ہم جیسے لوگوں کی نوجوانی کے زمانے میں ریڈیو کی شخصیتیں بھی کتنی مقبول ہوا کرتی تھیں۔ وہ ان کی بھی نوجوانی ہی کا دور تھا اور وہ بے چارے آج کے اسٹارز کی طرح دولت مند نہیں ہوتے تھے۔ معمولی تنخواہوں پر کام کرتے تھے۔''

ایک چھوٹے مقامی اخبار کا صحافی ہونے کی حیثیت سے تنخواہ کا ذکر میرے لیے ذرا تکلیف دہ تھا اس لیے میں نے کلارا کو اس سے ہٹا کر دوبارہ اصل موضوع پر لانے کی کوشش کی۔ میری کوشش کامیاب رہی اور وہ بولی ''اس پورے ہفتے کے دوران میں والٹر نے کئی لوگوں سے کلارکسن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر اسے کسی سے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد وہ عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا۔''

کلارا نے خاموش ہو کر گہری سانس لی اور ایک لمحے کے توقف کے بعد سلسلۂ کلام جوڑا ''والٹر ان لوگوں میں سے تھا جو صحت کے خیال سے روزانہ بڑی باقاعدگی سے لمبی واک کرتے ہیں۔ اس شام بھی وہ واک پر نکلا۔ وہ اپنے گھر سے کافی دور ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک اسے دل کا دورہ پڑا اور وہ ایک مکان کے عین سامنے فٹ پاتھ پر گر پڑا۔ اس کی صحت عمدہ تھی اور اس سے پہلے اسے دل کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اس مکان میں رہنے والا شخص اتفاق سے اس وقت باہر نکل رہا تھا۔ اس نے والٹر کو گرتے دیکھ لیا۔ وہ اس کی کوئی اور مدد تو نہیں کر سکا لیکن اس نے فوراً اپنے سیل فون کے ذریعے ایمبولنس بلوالی۔ ایمبولنس جلد ہی آ گئی اور والٹر کو فوراً اسپتال لے جایا گیا..... لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا..... وہ مر چکا تھا۔''

ایک لمحے کے لیے کمرے میں سوگوار سی خاموشی طاری رہی پھر کلارا بولی ''پولیس نے ضابطے کی کارروائی کرتے ہوئے اس شخص کا نام بھی دریافت کیا جس نے آخری لمحوں

میں والٹر کو سنبھالا تھا' اس کے لیے ایمبولنس منگوائی تھی اور اسپتال تک اس کے ساتھ آیا تھا۔ تمہیں شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ وہ شخص بیری کلارک عرف کلارکسن تھا جس کے بارے میں والٹر اپنی موت سے کئی دن پہلے سے پوچھتا پھر رہا تھا۔ ہے نا عجیب بات؟ شاید اسے ایک قسم کی آگاہی حاصل ہو چکی تھی کہ اس کی موت کے وقت کون اس کے قریب ہوگا۔''

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولی ''میرا وہ بڑا سا کمرا یا پارلر..... جس میں میت کو آخری دیدار کے لیے رکھا جاتا ہے..... اس کا نام ''گارڈینیا روم'' ہے۔ والٹر کی میت بھی اس میں دو گھنٹے کے لیے رکھی گئی ہے..... اور تمہیں معلوم ہے سب سے آخر میں اس کا چہرہ دیکھنے کون آیا؟ وہی بیری کلارک عرف کلارکسن .....! جس زمانے میں اس کی تصویریں اخباروں' رسالوں میں چھپتی تھیں..... اس کے مقابلے میں اب وہ بہت بدل گیا ہے۔ اس کے باوجود کئی افراد نے اسے پہچان لیا اور اس کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ کلارکسن کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ گئی تھی کہ مرنے سے پہلے والٹر اس کے بارے میں پوچھتا پھر رہا تھا۔ اسی لیے وہ اس کی بیوہ سے تعزیت کے لیے چلا آیا تھا۔ میں نے ان کا تعارف کرایا اور وہ گویا ایک بہت ہی خاص لمحہ تھا! ایسا..... لگا کہ بس تعارف کی دیر تھی اسی لمحے سے ان کے درمیان گویا ایک خاص تعلق کی بنیاد پڑ گئی۔ اب معلوم نہیں کہ والٹر کو یہ احساس ہوا تھا کہ موت کے وقت کون اس کے ساتھ ہوگا..... یا اس کے لاشعور میں کہیں یہ آگاہی اتری تھی کہ اس کی موت کے بعد اس کی بیوی کا خیال رکھنے والا کون ہوگا۔ ممکن ہے اسے لاشعوری طور پر بھی ان میں سے کسی ایک بات کا بھی احساس نہ ہو..... کلارکسن کا نام بس کوئی غیبی طاقت ہی اس کے منہ سے نکلوا رہی ہو..... ہم یقین سے تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔''

کلارا سے بس یہی کچھ معلوم ہو سکا۔ اس کے بعد میں والٹر کے اسکول کے اس ساتھی ٹیچر سے ملنے پہنچا جس سے والٹر نے سب سے پہلے کلارکسن کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس نے وہی کچھ بتایا جو کلارا مجھے پہلے ہی بتا چکی تھی البتہ اس نے اتنا اضافہ ضرور کیا کہ کلارکسن کو فون کر کے یہ بات اسی نے بتائی تھی کہ والٹر مرنے سے پہلے اس کے بارے میں پوچھتا پھر رہا تھا۔ شاید اس کے بعد کلارکسن نے اس کے جنازے پر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''مجھے محسوس ہوا تھا کہ کلارکسن کو یہ بات بتانا اہم ہے۔'' ٹیچر نے مضطربانہ لہجے میں کہا ''میں نے سوچا شاید مرنے والے کی بھی یہ خواہش رہی ہو۔''

میرے خیال میں اسٹوری تیار کرنے کے لیے کچھ مواد تو مل رہا تھا۔ اب کلارکسن سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا فون نمبر معلوم کر کے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے گھر میں کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ البتہ آنجہانی کی بیوہ جوائس سے رابطہ ہو گیا اور اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد مجھ سے ملنے کی ہامی بھی بھر لی۔ لنچ کے بعد میں اس کے ہاں جا پہنچا۔

وہ چھریرے جسم کی ایک خوش شکل اور جاذبِ نظر عورت تھی اور میرے اندازے کے مطابق اپنے آنجہانی شوہر سے کم از کم دس سال چھوٹی تھی۔ اس اعتبار سے وہ گویا جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ وہ کچھ اداس اور کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی تھی تاہم جب میں نے والٹر کے جنازے پر کلارکسن کی ڈرامائی سی آمد کا ذکر چھیڑا تو اس کے چہرے پر کچھ رونق آ گئی۔

''وہ کتنا اچھا اور انسان دوست آدمی ہے۔'' وہ عقیدت بھرے لہجے میں بولی ''وہ والٹر کو جانتا تک نہیں تھا لیکن اس نے اس کے لیے ایمبولنس منگوانے کی زحمت کی..... اس کے ساتھ اسپتال تک گیا..... اور پھر اس کے جنازے پر بھی آیا۔ ایسی ہی باتوں سے انسان کی اچھی فطرت کا پتا چلتا ہے۔''

جسم موٹا چہرہ خوبصورت بنائیں

ڈائنا کلک

جسم موٹا اور چہرہ خوبصورت بنانے والی پاکستان کی واحد تسلیم شدہ دوا جسکے استعمال سے ایک دفعہ بڑھنے والا وزن اور حاصل ہونے والی جسمانی خوبصورتی ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ کیونکہ "ڈائنا کلک" مصنوعی اجزاء کی بجائے خالص اجزاء سے تیار کردہ ہے۔ "ڈائنا کلک" ہر عمر کے افراد جسم موٹا اور چہرہ خوبصورت بنانے کیلئے بلا خوف و خطر استعمال کر سکتے ہیں۔ "ڈائنا کلک" کے 4 ہفتوں کے استعمال سے جسم کے ہر حصے پر متناسب طریقے سے گوشت میں اضافہ کرتا ہے۔ چہرے کے داغ دھبے، چھائیاں جھریاں لکیریں دُور کر کے گال بھرے بھرے خوبصورت شاداب بناتا ہے۔ جسمانی کمزوری خون نہ بننا خوراک بدن کو نہ لگنا، ایسے امراض کو دُور کر کے جسم کو موٹا، طاقتور اور خوبصورت بناتا ہے۔ مکمل طور پر قدرتی اجزاء سے تیار کردہ گارنٹی کیساتھ مضر اثرات سے پاک قدرتی یونانی مرکب "ڈائنا کلک" قیمت 400 روپے (90 کیپسول) جو چار ہفتوں کی مکمل خوراک ہے۔ ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P. منگوائیں۔ (نقل کرنے والوں سے ہوشیار رہیں)

DIANA (UANANI) LABORATORIES
P.O. BOX 102 (SHAIGAN) ISLAMABAD.

اس کے خیال میں یہ محض ایک اتفاق تھا کہ والٹر نے اپنی موت سے چند دن پہلے کلارکسن کے بارے میں پوچھنا شروع کردیا تھا۔ وہ اس بات کو کوئی اور رنگ دینے یا اس میں کوئی روحانی پہلو ڈھونڈنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ میں نے اس کے عقب میں لگی ہوئی اس کے شوہر کی پورٹریٹ کی طرف دیکھا۔ تصویر میں اس کی بڑی بڑی اور پرانی وضع کی مونچھیں تھیں۔ میرے اندازے کے مطابق وہ شاید مکمل طور پر ہی پرانی وضع کا..... اور کچھ ضدی سا آدمی تھا۔

جوانس بھی گردن گھما کر ایک نظر اپنے شوہر کی تصویر پر ڈالنے کے بعد گویا اس کی یاد تازہ کرتے ہوئے بولی ''والٹر ایک وضعدار آدمی تھا۔ اسے اپنی عزت اور وقار کی بڑی فکر رہتی تھی۔ اس کی اپنی ایک وضع قطع اور اپنا ہی ایک رنگ ڈھنگ تھا اور اس سلسلے میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتا تھا۔ اسکول میں اگر لڑکے لڑکیاں اس کی وضع قطع یا انداز و اطوار کا مذاق اڑاتے تھے تو وہ اس پر کڑھتا نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے اسے تیز قدمی سے واک کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تب سے وہ مخصوص انداز میں تیز تیز چلتا ہوا لمبی سیر کے لیے نکلتا تھا۔ بعض لوگ اس کا انداز دیکھ کر مضحکہ اڑانے کی کوشش کرتے تھے لیکن وہ ان کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔''

میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ یہ باتیں وہ تعریفی انداز میں کررہی تھی یا دل ہی دل میں ان پر شرمندہ تھی۔ بہرحال میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

میں نے ایک بار پھر کلارکسن کو فون کیا لیکن اس بار بھی کوئی جواب نہ ملا۔ میں فون بک میں اس کا ایڈریس دیکھ چکا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے گھر کا ایک چکر بھی لگا ہی لینا چاہیے۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ پرانی ساخت کا ایک عمدہ مکان تھا۔ مکان ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ میں دیر تک کال بیل بجاتا رہا لیکن کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا۔ آخر میں سڑک پر نشیب کی طرف واپس چل پڑا لیکن پھر میری نظر اس عورت پر پڑی جو یقیناً برابر کے مکان میں رہتی تھی اور اس وقت اپنے لان کو پانی دے رہی تھی۔ وہ میری طرف متوجہ تھی۔ میں نے فوراً ہی اس سے مدد لینے کا فیصلہ کیا اور اپنا پریس کارڈ اسے دکھاتے ہوئے مدعا بیان کیا۔

''اچھا..... تو تم اس آدمی کے بارے میں بات کرنے آئے ہو جو اس مکان کے سامنے گر کر مر گیا تھا؟'' وہ بولی ''وہ تو کم از کم تین راتوں سے مسلسل اس سڑک پر آرہا تھا۔ ہر رات وہ کلارکسن کے مکان کے سامنے کھڑے ہو کر دیر تک اسے دیکھتا رہتا تھا۔ معلوم نہیں وہ کیا چاہتا تھا؟ میں نے کئی بار سوچا کہ باہر نکل کر اس سے پوچھوں..... مگر میری ہمت نہیں پڑی اور نہ ہی میں اس سلسلے میں کسی پولیس سے رابطہ کرسکی۔''

پھر اس نے بات ادھوری چھوڑ کر میرے عقب میں دیکھا اور خود کلامی کے سے انداز میں بولی ''اوہ..... آج تو مدت بعد کلارکسن اکیلا نظر آرہا ہے۔'' اس نے ہاتھ ہلایا اور اسی طرف دیکھتے ہوئے بہ آواز بلند ''ہیلو'' کہا۔

میں نے جلدی سے گھوم کر دیکھا۔ ایک پورش کار کلارکسن کے ڈرائیوے میں داخل ہورہی تھی۔ یقیناً کلارکسن باہر کہیں سے واپس آیا تھا۔ میں جلدی سے اس کی گاڑی کے تعاقب میں لپکا۔ اس نے شاید مجھے آتے دیکھ لیا تھا کیونکہ جب میں اس کے ڈرائیوے میں پہنچا تو وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر منتظر انداز میں کھڑا تھا لیکن اس کے چہرے پر بیزاری تھی۔ وہ کم از کم تیس برس پہلے اپنے عروج کا دور گزار چکا تھا لیکن اس کی شخصیت میں اب بھی دلکشی تھی اور وہ زیادہ عمر کا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ اب بھی وجیہہ اور جاذبِ نظر تھا۔

میں نے جب اپنا تعارف کرایا تو اس کے چہرے سے بیزاری غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ایک دلکش مسکراہٹ نے لے لی۔

''آؤ..... اندر آجاؤ..... آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں.....'' وہ خوش خلقی سے بولا ''میں نے تمہیں جب اپنی پڑوسن مسز گورمن سے بات کرتے دیکھا تو میں سمجھا تھا کہ شاید تم گھر گھر جا کر چیزیں فروخت کرنے والے کوئی سیلز مین ہو۔ مسز گورمن بہت اچھی خاتون ہیں..... لیکن بے چاری شاید الزہیمر کی مریضہ ہیں۔ انہیں باتیں صحیح طرح یاد نہیں رہتیں۔ کبھی کچھ کہنے لگتی ہیں..... کبھی کچھ..... اپنی کہی ہوئی باتیں اکثر بھول جاتی ہیں..... کچھ انہیں گڈمڈ کردیتی ہیں اور کبھی ایسے واقعات بیان کرنے لگتی ہیں جو رونما ہی نہیں ہوئے ہوتے۔ معلوم نہیں بے چاری کے دماغ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔''

وہ مجھے اپنی اسٹڈی میں لے گیا جہاں دیواروں پر اس کے عروج کے دور کی یادگار تصویریں سجی ہوئی تھیں۔ ایک گوشے میں کچھ ایوارڈ بھی رکھے تھے۔ مجھے ان کا جائزہ لیتے ہوئے دیکھ کر وہ بولا ''آج کل میں کچھ اشتہاری ایجنسیوں اور کمپنیوں کے لیے کام کرتا ہوں جن میں معاوضہ تو زیادہ ملتا ہے لیکن پہلے کی طرح شہرت نہیں ملتی۔''

''لیکن جو شخص آپ کے گھر کے سامنے گر کر مر گیا' اس نے گویا آپ کو گمشدہ شہرت میں سے تھوڑی سی واپس دلا دی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں..... وہ بھی عجیب اتفاق تھا۔'' وہ تائید میں

سر ہلاتے ہوئے بولا'' مجھے ایک شخص نے فون کر کے اطلاع دی کہ مرنے والا مرنے سے چند دن پہلے میرے بارے میں پوچھتا پھر رہا تھا۔ میں یہی دیکھنے اس کے جنازے پر چلا گیا کہ اس بات میں کتنی صداقت تھی؟ کہیں کوئی مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہا تھا؟ وہاں آنجہانی کی بیوہ نے اس بات کی تصدیق کر دی۔ وہ بہت اچھی عورت ہے۔ بے چاری بہت غمزدہ تھی۔ میں نے تو یکدم ہی اپنے آپ کو اس کے بے حد قریب محسوس کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اس سے بہت متاثر ہو گیا ہوں۔''

''مسز گورمن کا کہنا ہے کہ وہ شخص تین راتوں سے آپ کے مکان کے سامنے رک رہا تھا..... اور کم از کم دس منٹ تک کھڑا مکان کو دیکھتا رہتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں..... یہ بات انہوں نے مجھے بھی بتائی تھی..... لیکن ان کی ذہنی حالت کے بارے میں میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اس لیے میں ان کی کسی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ کسی اور پڑوسی نے مجھے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔'' کلارکسن بے پروائی سے بولا'' اس کے علاوہ جوائس نے مجھے بتایا ہے کہ اس کا شوہر ہر رات واک کے لیے نئے راستے پر جاتا تھا۔ وہ کبھی مسلسل دو رات کے لیے ایک ہی روٹ اختیار نہیں کرتا تھا۔''

میں نے دیکھا کہ بات کرتے کرتے وہ کن انکھیوں سے گھڑی دیکھنے لگا تھا۔ میرے لیے اشارہ کافی تھا۔ میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تاہم میں نے اس سے اس کی ایک تازہ تصویر مانگ لی کہ شاید خبر کے ساتھ لگانی پڑ جائے۔ اس نے مجھے تصویر تو دے دی لیکن مجھے رخصت کرتے ہوئے بولا'' ویسے میرا زیادہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں..... میرا خیال ہے یہ کوئی ایسا خاص معاملہ نہیں تھا..... اور پھر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میری بساط بھر کوشش کے باوجود اس شخص کی جان تو نہیں بچ سکی۔''

باہر آ کر میں نے دیکھا کہ مسز گورمن ابھی تک اپنے لان میں مصروف تھیں۔ میں ایک بار پھر ان کے پاس جا پہنچا۔ میری کار وہاں سے کچھ دور کھڑی تھی۔ مسز گورمن کی نظر مجھ پر پڑی تو بولیں'' ارے..... تم ابھی تک یہیں ہو!'' اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کی یادداشت کچھ ایسی خراب بھی نہیں تھی۔ مجھے ان کی آنکھوں میں بھی دماغی خلل یا حافظے کی خرابی کی کوئی علامت محسوس نہیں ہوئی۔

''آپ کو دوبارہ زحمت دینے کی معذرت چاہتا ہوں.....'' میں نے کہا'' کلارکسن کی آمد سے ہماری گفتگو میں خلل پڑ گیا تھا۔ آپ نے اسے آتے دیکھ کر کہا تھا'' مدت بعد وہ اکیلا نظر آ رہا ہے..... اگر آپ برا نہ منائیں تو اس بات کی کچھ وضاحت کر سکتی ہیں؟''

''میرا کوئی خاص مطلب نہیں تھا۔'' وہ اپنے سفید بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں'' بات صرف اتنی ہے کہ کلارکسن عورتوں میں بہت مقبول ہے۔ عورتیں اب بھی اس پر مرتی ہیں اور وہ بھی ہمیشہ کھلی بانہوں سے ان کا استقبال کرتا ہے۔ نت نئی عورتیں روز اس کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ اسے غالباً سنہرے بالوں والی عورتیں پسند ہیں۔ ہمیشہ کسی سنہرے بالوں والی عورت کے ساتھ ہی نظر آتا ہے لیکن کسی بھی عورت کے ساتھ اس کی دوستی دو چار دن سے زیادہ نہیں چلتی..... لیکن ایک ماہ سے میں یہ تبدیلی دیکھ رہی ہوں کہ وہ ایک ہی عورت کے ساتھ نظر آ رہا ہے اور وہ سنہرے بالوں والی بھی نہیں ہے..... اس کے بال سیاہ ہیں..... مونا لیزا ٹائپ عورت ہے۔ کلارکسن کا مسلسل ایک ماہ تک کسی ایک ہی عورت کی زلفوں کا اسیر رہنا بہت بڑی بات ہے..... یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی عام آدمی کسی عورت کے ساتھ دوستی کے پچیس سال گزار دے۔''

میں آج دوپہر ہی ایک ایسی عورت سے ملا تھا جس کے بال سیاہ تھے اور جو مونا لیزا ٹائپ تھی۔ میں نے اس کی دو چار اور نشانیاں بیان کیں تو مسز گورمن نے ان کی تصدیق کر دی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ عورت جوائس تھی..... والٹر ایش کی بیوی..... اور اب بیوہ!

میں نے مسز گورمن کا شکریہ ادا کیا اور اپنی کار کی طرف چل دیا لیکن جب میں کار کے قریب پہنچا تو میں نے اچانک ہی ایک طرف سے کلارکسن کو نمودار ہوتے دیکھا۔ وہ میرے

اپنی انتخابی مہم کے دوران ایک سیاست دان شہر کے مضافاتی علاقے میں پہنچے تو ان کا وہاں کے معززین سے تعارف کرایا۔ لب سے ایک صاحب کا تعارف کراتے ہوئے استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین نے کہا'' سر! یہ قادر صاحب ہیں۔ یہ اس علاقے کے سب سے قابل آدمی ہیں۔''

''بہت خوب.....! تو کیا ان کے پاس بہت ڈگریاں ہیں؟'' سیاست دان نے خوش خلقی اور گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ارے صاحب! ڈگریوں کا تو کچھ مت پوچھیں۔'' تعارف کرانے والے نے کہا'' ان کے پاس اتنی ڈگریاں ہیں کہ ہم انہیں انسان کے بجائے تھرمامیٹر کہتے ہیں۔''

اور کار کے درمیان حائل ہوگیا۔

''میرا خیال ہے تم ساری بات سمجھ گئے ہو.....'' وہ بولا۔ ''تم جب دوبارہ اس بڑھیا کے پاس رکے جو پاس پڑوس کی ہر چیز پر نظر رکھتی ہے تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ تم زنجیر کی کڑیاں ملالو گے..... چلو میرے گھر چلو..... اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

میں نے اس کی دعوت مسترد کردی۔ میرے خیال میں بات کرنے کے لیے وہی جگہ مناسب تھی جہاں دور سے مسز گورمن ہم پر نظر جمائے ہوئے تھیں۔

''میرا تمہیں ڈرانے دھمکانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے..... میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔'' اس نے گویا میری غلط فہمی دور کی ''میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میرا اور جوائس کا موقف بھی سن لو۔ میں اسے فون کرکے بلا چکا ہوں۔ وہ آنے ہی والی ہے۔ ہم نے نہ تو والٹر کی موت کا سامان کیا اور نہ ہی اسے قتل کیا۔ تم ڈاکٹروں سے تصدیق کرسکتے ہو کہ وہ ہارٹ اٹیک سے مرا تھا۔ اس کے دل میں غصے اور نفرت کا جتنا زہر جمع ہوگیا' اسے اس کا دل برداشت نہیں کرسکا۔ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ میرا اور جوائس کا تصور صرف اتنا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوگئے۔ یہ جاننا تمہارے لیے غیر ضروری ہے کہ ہماری پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی..... بہرحال والٹر کو ہمارے تعلق کا پتا چل گیا..... مجھے نہیں معلوم کہ اسے کیسے پتا چلا۔ اس نے جوائس سے بات نہیں کی۔ اسے اپنی عزت کا بہت خیال تھا۔ وہ جھگڑا کرنا' بات بڑھانا..... یا بات پھیلانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سرسری انداز میں جوائس سے صرف اتنا پوچھا کہ کیا اسے یاد ہے ریڈیو پر کبھی کلارکسن نامی ایک مشہور اناؤنسر ہوا کرتا تھا۔ اس طرح وہ صرف جوائس پر جتانا چاہتا تھا کہ وہ ہمارے تعلق سے واقف ہوچکا ہے۔ شاید اس کا خیال تھا کہ اس انکشاف سے خوفزدہ ہوکر ہی جوائس راہِ راست پر آجائے گی اور مجھ سے تعلق ختم کرلے گی..... لیکن جب اس کی یہ توقع پوری نہیں ہوئی تو اس نے رات کو یہاں آنا شروع کردیا۔ وہ تین رات مسلسل میرے گھر کے سامنے آکر کھڑا ہوتا رہا تاہم اسے دستک دینے یا مجھ سے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ویسے میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اسے صرف اسی رات دیکھا تھا جس رات وہ مرا ہے۔ اس سے پہلے اس کے آنے کی بات مجھ تک بھی مسز گورمن کے ذریعے ہی پہنچی ہے۔ بہرحال تیسری رات اس کا کمزور دل اس کے غم و غصے کا ابال برداشت نہیں کرسکا۔''

''یہ سب تو ٹھیک ہے..... لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی'' میں نے کہا ''اگر جوائس کے دل میں چور تھا تو اسے مجھ سے ملنے سے گریز کرنا چاہیے تھا..... لیکن اس نے مجھ سے ملاقات کی اور اس بات کی پروا نہیں کی کہ میں تفصیلات جمع کررہا ہوں۔''

''اس نے مجھ سے مشورے کے بعد ہی تم سے ملنا منظور کیا تھا۔'' وہ بولا ''میرے خیال میں حالات ہمارے حق میں سازگار ہوتے جارہے تھے۔ والٹر کی موت گو کہ ایک غیر متوقع اور ناخوشگوار واقعہ تھا لیکن اس نے ہمارے لیے نئی راہیں بھی کھول دی تھیں۔ والٹر کے اسکول کے ٹیچر نے جب مجھے فون کرکے بتایا کہ والٹر مرنے سے پہلے میرے بارے میں پوچھ رہا تھا..... اصل میں تو وہ میرا ایڈریس معلوم کرنے کے چکر میں ہوگا..... لیکن اس کے ساتھی نے کچھ اور مطلب لیا اور پھر وہ عین میرے مکان کے سامنے گر کر مرگیا تو میں نے سوچا لوگ اس بات کو جس رنگ میں لے رہے ہیں' ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں انسانی ہمدردی کا علمبردار بن کر والٹر کے جنازے پر پہنچ گیا اور لوگوں کی نظر میں جوائس اور میں وہاں پہلی بار متعارف ہوئے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ لوگوں کے سامنے ہم یہ تاثر تخلیق کریں گے کہ عجیب و غریب حالات میں ہونے والی یہ ''پہلی ملاقات'' رفتہ رفتہ محبت میں ڈھل گئی۔ ہمارا ارادہ تھا کہ یہ تاثر پختہ ہونے کے بعد ہم شادی کرلیں گے..... اور یہ بات کسی کو زیادہ عجیب نہیں لگے گی۔ ہم دونوں چھپ چھپ کر ملتے ملتے تنگ آچکے تھے۔ ہمارا شادی کا ارادہ برقرار ہے۔ اگر تم ہمارے اس ارادے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنو گے اور اس میں دشواریاں پیدا نہیں کرو گے تو ہم تمہارے شکرگزار ہوں گے۔''

میں نے چند لمحے سوچا۔ ایک رنگین مزاج اور بھوزا صفت شخص اپنے معمولات چھوڑ کر معقول زندگی اختیار کرنے جارہا تھا۔ ایک بیوہ کو محبت کرنے والے ساتھی کی رفاقت میسر آنے والی تھی۔ میں اگر ایک خبر کی قربانی دے دیتا..... اس میں نمک مرچ لگانے سے پرہیز کرتا اسے اپنے ذہن کے کسی گوشے میں دفن کردیتا تو ان کے لیے آسانیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ مستقبل میں ان کی زندگی پر شکوک و شبہات کے بادل نہ چھاتے۔ یہ کوئی بڑی قربانی نہیں تھی۔ خبروں کا کیا ہے..... سنسنی خیز خبریں تو ایک صحافی کو ملتی ہی رہتی ہیں۔

آخر میں نے ایک گہری سانس لی..... کلارکسن کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا..... اسے متوقع نئی زندگی کی مبارکباد دی اور وہاں سے چلا آیا!

"بات دراصل یہ ہے کہ انسان ہو یا جانور۔ ان کا ہر قبیلہ' ہر گروہ اپنی مخصوص عادات کا غلام ہوتا ہے۔" وہ کسی پروفیسر کی طرح لیکچر دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے بازو پر موٹا اور لمبا سانپ لٹکا ہوا تھا۔

'اس وقت یہ کمینہ' خبیث اور الو کا پٹھا اپنے آپ کو بہت بڑا عالم فاضل سمجھ رہا ہے۔' میں نے دل ہی دل میں سوچا لیکن پھر اپنے آپ کو سمجھایا کہ میرے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے' خاموشی سے سنتی رہوں۔ میری پوزیشن ہی کچھ ایسی تھی کہ اس کا مذاق اڑانا یا اسے کوئی نامناسب جواب دینا میرے حق میں مزید نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔

میں اس کی قیمتی کار جیگوار چراتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اور میری ذرا سی غفلت کی وجہ سے وہ منحوس مجھے قابو کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس خبیث کے پاس ہتھکڑی بھی موجود تھی جو اس نے میرے ہاتھوں میں ڈال کر مجھے اسی جیگوار کی ڈکی میں لیٹنے پر مجبور کر دیا تھا جسے میں نے چرانے کے لیے تاڑا تھا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ میں سعادت مندی سے جیگوار کی بڑی سی ڈکی میں لیٹی تھی۔ میرے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہتھکڑیوں کے دوسرے سرے پر بھی ہتھکڑیاں تھیں

ایک کار چور دوشیزہ کی نئی اور دلچسپ واردات کی انوکھی روداد

انسان دولت کے حصول کے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے اور ایسے ایسے ہنر ایجاد کرتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ چند افراد کا قصہ انہوں نے دولت مندوں سے دولت نکلوانے کے لئے عجیب دھندا شروع کر رکھا تھا۔ ایک جرم پیشہ لڑکی اچانک ان سے ٹکرا گئی۔

انوکھی تجارت

نجمہ مودی



جنہیں اس نے میرے سرہانے ذرا بلندی پر رکھے ہوئے ایک آہنی پنجرے سے منسلک کردیا تھا۔ اس پنجرے میں بڑے بڑے چند بچھو موجود تھے۔ ان کی وجہ سے میں حرکت کرتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔ بچھو گو کہ پنجرے میں بند تھے لیکن اس جالی دار پنجرے کے سوراخ کم از کم اتنے بڑے ضرور تھے کہ وہ اپنا ڈنک والا حصہ باہر نکال سکتے تھے۔

اوپر سے وہ خبیث جس نے مجھے قابو میں کیا تھا' خود اپنے بازو پر سانپ لٹکائے سامنے کھڑا مجھے لیکچر دے رہا تھا۔ میں جب جیگویر کو چرانے لگی تھی تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ گاڑی میں یہ جانور موجود تھے۔ معلوم نہیں اس شخص کا کیا پیشہ تھا۔ میں ابھی تک اندازہ نہیں کرسکی تھی کہ وہ شوقیہ طور پر اس قسم کے جانور رکھتا تھا یا ان کا ہی کاروبار کرتا تھا۔

میں نے تو اپنی دانست میں ایک بہترین جگہ پر کھڑی ہوئی بہترین گاڑی چرانے کے لیے تاڑی تھی۔ ائرپورٹ اس علاقے سے قریب تھا لیکن یہاں بہت بڑی تعداد میں پرانے گودام پھیلے ہوئے تھے اور اس حصے میں ویرانی نظر آتی تھی۔ اس لیے بھی میں نے اس جگہ کو اپنی واردات کے لیے نہایت مناسب سمجھا تھا اور جب ایک گودام کے عقب میں ایک اجاڑ سے گوشے میں وہ نئی اور بیش قیمت جیگویر مجھے لاوارث سی حالت میں کھڑی نظر آئی تھی تو میری رال ٹپک پڑی تھی۔ لیکن بعض اوقات قسمت انسان کا ساتھ نہیں دیتی اور واقعات اس کی توقع کے مطابق پیش نہیں آتے۔

جیگویر کا مالک لیکچر جھاڑنے کے دوران سگریٹ کے کش بھی لے رہا تھا۔ اس نے اپنا سانپ والا بازو بلند کیا اور سگریٹ کا دھواں سانپ کے منہ پر چھوڑا۔ سانپ نے اپنا سر پیچھے نہیں کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سگریٹ کے دھوئیں کا عادی تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اس سے لطف اندوز بھی ہو رہا ہو۔

جیگویر کے مالک نے میرے ہینڈ بیگ سے میرا بٹوا بھی نکال لیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اب وہ اس میں سے ساری رقم نکال کر اپنی جیب میں رکھ رہا تھا۔ خالی بٹوا اس نے بے پروائی سے سڑک پر پھینک دیا۔ میرے دل میں درد کی لہر سی اٹھی۔ میرے بٹوے میں گو کہ زیادہ رقم نہیں تھی لیکن جتنی بھی تھی' بہرحال بڑی "محنت" کی کمائی تھی۔ اسے یوں ایک شاطر قسم کے آدمی کی جیب میں جاتے دیکھنا میرے لیے صدمے کا باعث تھا۔

میں کسمسا کر رہ گئی۔ جیگویر کی ڈکی میں چت لیٹنا ویسے ہی خاصا تکلیف دہ تجربہ تھا حالانکہ میں خاصی سخت جان ہوں اور ورزش کے ذریعے میں نے اپنے آپ کو بہت فٹ رکھا ہوا ہے۔ اس کے باوجود میں خاصی دیر سے جس حالت میں اور جس جگہ لیٹی ہوئی تھی' وہ میرے لیے تکلیف دہ ثابت ہونے لگی تھی۔

اپنے سرہانے رکھے ہوئے بچھوؤں کے پنجرے کی وجہ سے میں نے نہایت ہی غیر محسوس انداز میں اپنے جسم کو خفیف سی حرکت دے کر کچھ آرام پہنچانے کی کوشش کی۔ میرے پیروں میں لمبی اور نہایت نکیلی ایڑی والے جوتے تھے۔ آہنی فرش پر ان کی وجہ سے ذرا سی آواز پیدا ہوئی تو جیگویر کے مالک اور اس کے سانپ' دونوں نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ شاید دونوں میری حالت سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"لگتا ہے میری پیاری سی کار چور کچھ بے آرامی محسوس کر رہی ہے۔" وہ کاہلی آمیز سی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر مرکنٹائل روڈ تھی جس پر ٹریفک چلنے کی آوازیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔ نہ جانے کتنے لوگ اس سڑک پر مختلف گاڑیوں میں جا رہے تھے لیکن شاید کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر ایک لڑکی کس مشکل میں گرفتار تھی۔ میں کار چراتے ہوئے زندگی میں شاذونادر ہی پکڑی جاتی تھی اور اس طرح پکڑے جانے کا تو میں کبھی تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ یہ بھی بتاتی چلوں کہ میں کار چرانے کو کبھی کار چرانا نہیں کہتی تھی۔ میں اسے ملکیت تبدیل کرنے کا عمل کہتی تھی۔

سانپ ایک ٹک میری طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ بلندی سے گزرنے والے دو جیٹ جہازوں کی گرج نے بھی اس کے اس طرح دیکھنے میں کوئی خلل نہیں ڈالا۔ اسی دوران میں کار کا مالک میری طرف کو ذرا جھکا تو مجھے اس کی قمیص کی سامنے والی جیب کا ابھار کچھ نمایاں ہوتا دکھائی دیا۔ مجھے اب اندازہ ہوا کہ اس جیب میں چابیوں کا گچھا تھا۔ میرے خیال میں اب میرے لیے اس مصیبت سے نجات کے سلسلے میں ہاتھ پاؤں مارنے کا وقت آگیا تھا۔ خطرات تو میرے لیے ویسے بھی تھے۔ بہتر تھا کہ نجات کی کوشش کرتے ہوئے خطرات کا سامنا کیا جاتا۔

میں محبت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی۔ اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک پیدا ہوئی اور وہ بولا "لگتا ہے ہم دونوں میں کچھ باتیں مشترک ہیں۔ مثلاً میرا نام چارلی ہے۔ تمہارا نام چارلٹ ہے۔ مختصراً تمہیں بھی

چارلی کہا جاسکتا ہے۔"

"لیکن میں چارلٹ ہی کہلانا پسند کرتی ہوں۔" میں نے مٹھاس سے کہا۔

اس نے ذرا اور جھک کر میرے منہ پر سگریٹ کا دھواں چھوڑا جو بچھوؤں کے پنجرے میں بھی گیا۔ پنجرے میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ میرا واقعی ایک عجیب آدمی سے پالا پڑا تھا۔ اس کے زہریلے جانور بھی اسی کی طرح سگریٹ کے دھوئیں کے عادی تھے۔ اس کے جھکنے کی وجہ سے اس کے سانپ کا سر میرے قریب آگیا تھا اور میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑ رہی تھی۔

اس نے دوسرے ہاتھ کی انگلی مجھے ایک خاص جگہ سے چھونے کے لیے آگے بڑھائی اور اسی لمحے میری ٹانگ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آئی۔ میں نے اپنے جوتے کی نہایت نکیلی ایڑی کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہی۔ نکیلی ایڑی سانپ میں سے گزرتی ہوئی غالباً اس کے بازو میں بھی پیوست ہوئی۔ میرا جوتا وہیں رہ گیا۔

اس کے ساتھ ہی میرے ذرا اوپر اٹھے ہوئے اور ہتھکڑیوں میں پھنسے ہوئے بازو پوری قوت سے حرکت میں آئے۔ بچھوؤں کا پنجرہ ہوا میں قوس بناتا ہوا اس کی گدی سے ٹکرایا۔ بچھو اپنے مالک کا وفادار نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے سانپ اور بچھو' دونوں کا شمار وضع دار جانوروں میں نہیں ہوتا۔ چنانچہ عین اسی لمحے جب بچھوؤں کا پنجرہ' کار کے مالک کی گدی سے ٹکرایا' ایک بچھو نے اس کی گردن کے نرم حصے پر ڈنک بھی مار دیا۔

ویسے تو اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس کے حلق سے جتنی دردناک چیخیں برآمد ہوئی تھیں وہ میرے جسم میں ہی نہیں' روح میں بھی تازگی کی لہر دوڑانے کے لیے کافی تھیں۔ قدرت نے اس دوران میں میری ایک اور مدد یہ کی کہ وہ بری طرح لڑکھڑایا تو اس کی جیب سے چابیوں کا گچھا بھی نکل کر تقریباً میرے ہاتھ میں ہی آگیا۔ میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جیگوپر کی ڈکی سے چھلانگ لگا کر باہر آچکی تھی۔ مجھے اس کی صرف تھوڑی سی خاطر تواضع اور کرنی پڑی۔

پانچ منٹ بعد میں ہتھکڑیوں سے نجات پا چکی تھی اور کپڑے جھاڑ کر صاف کرنے کے بعد جیگوپر میں بیٹھ کر روانہ ہو چکی تھی۔ کافی دور تک عقب نما آئینے میں چارلی مجھے سڑک پر اوندھا پڑا نظر آتا رہا۔ اس کے جسم کو تشنجی سے انداز میں جھٹکے لگ رہے تھے۔ سانپ اس کی کلائی سے ہی لپٹا سرپٹخ رہا تھا۔ میری جوتی وہیں رہ گئی تھی۔ ایڑی کی نوک اسی طرح سانپ کے جسم اور چارلی کے بازو میں پیوست تھی۔

یہ منظر میری آنکھوں سے اوجھل ہونے لگا تو میں نے گنگنانے کے سے انداز میں کہا "خدا حافظ چارلی! شاید اب تمہیں پتا چل گیا ہو کہ کچھ انسان دوسروں سے بہت مختلف بھی ہوتے ہیں۔"

میرا ایک جوتی کا نقصان تو ہوا تھا لیکن میں نہ صرف اپنا بٹوا اور رقم واپس حاصل کر چکی تھی' بلکہ چارلی کا بٹوا' اس کا پاسپورٹ' اس کی اپائنٹمنٹ بک اور اس کی جیگوپر بھی میرے پاس تھی۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر بڑا سا ایک دبیز خاکی لفافہ بھی پڑا نظر آرہا تھا جس پر ایک کونے میں "رٹز ہوٹل" کا نام اور پتا چھپا ہوا تھا۔ رٹز ایک اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا۔

میں نے ڈرائیونگ جاری رکھتے ہوئے ہی لفافہ کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک خط اور چند تصویریں موجود تھیں۔ خط پر بھیجنے والے کا نام چارلی پارکر درج تھا اور اس کے دستخط بھی موجود تھے۔ یہ دستخط اس ڈرائیونگ لائسنس اور کریڈٹ

جسم موٹا چہرہ خوبصورت بنائیں

ڈائنا کلک

جسم موٹا اور چہرہ خوبصورت بنانے والی پاکستان کی واحد تسلیم شدہ دوا جسکے استعمال سے ایک دفعہ بڑھنے والا وزن اور حاصل ہونے والی جسمانی خوبصورتی ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ کیونکہ "ڈائنا کلک" مصنوعی اجزاء کی بجائے خالص اجزاء سے تیار کردہ ہے۔ "ڈائنا کلک" ہر عمر کے افراد جسم موٹا اور چہرہ خوبصورت بنانے کیلئے بلا خوف و خطر استعمال کر سکتے ہیں۔ "ڈائنا کلک" کے 4 ہفتوں کے استعمال سے جسم کے ہر حصے پر متناسب طریقے سے گوشت میں اضافہ کرتا ہے۔ چہرے کے داغ دھبے، چھائیاں جھریاں لکیریں دور کر کے گال بھرے بھرے خوبصورت شاداب بناتا ہے۔ جسمانی کمزوری خون نہ بننا خوراک بدن کو نہ لگنا، ایسے امراض کو دور کر کے جسم کو موٹا، طاقتور اور خوبصورت بناتا ہے۔ مکمل طور پر قدرتی اجزاء سے تیار کردہ گارنٹی کیساتھ مضر اثرات سے پاک قدرتی یونانی مرکب "ڈائنا کلک" قیمت 400 روپے (۹۰۰ سو گرام) جو چار ہفتوں کی مکمل خوراک ہے۔ ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P. منگوائیں۔ (نقل کرنیوالوں سے ہوشیار رہیں)

DIANA (UANANI) LABORATORIES
P.O. BOX 102 (SHAIGAN) ISLAMABAD.

کارڈز پر بھی موجود تھے جو میں چارلی کے بٹوے میں دیکھ چکی تھی۔

چارلی پارکر...! یہ نام میرے ذہن میں کچھ کھٹک سا رہا تھا۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ پچاس یا ساٹھ کی دہائی میں اس نام کا ایک شخص بہت بڑا موسیقار ہوا کرتا تھا۔ وہ جاز کے بہت مشہور ماہرین میں سے ایک تھا... لیکن اب جس قسم کے آدمی نے اس کا نام اپنایا ہوا تھا' اس پر یقیناً اس کی روح تڑپتی ہوگی۔

لفافے میں موجود تصویریں انسانوں کی نہیں' جانوروں کی تھیں۔ ایک تصویر بڑے سے سانپ کی تھی' ایک زرافے کی تھی' ایک پانڈا ریچھ کی تھی' ایک برفانی ریچھ کی... اور ایک تصویر میں کمیاب نسل کے' چھوٹی جسامت کے نازک اندام سے بارہ سنگھوں کی جوڑی نظر آرہی تھی۔ ہر تصویر کے پیچھے سیریز نمبر اور کچھ دوسرے اعداد و شمار بھی درج تھے۔ شاید چارلی ایک بدمعاش قسم کا آدمی ہونے کے ساتھ ساتھ جنگلی حیات کا ماہر بھی تھا یا اس کے پیشے کا تعلق کسی نہ کسی اور انداز میں جنگلی جانوروں سے تھا۔

یہ باتیں تو اپنی جگہ تھیں لیکن اس وقت سب سے پہلے مجھے ایک جوڑی جوتوں کی ضرورت تھی۔ سورج غروب ہونے کو تھا اور افق پر پھیلتے ہوئے رنگ موسم کی تبدیلی کی خبر دے رہے تھے۔ مجھے امید تھی کہ میں دکانیں بند ہونے کے وقت سے پہلے ساحلی علاقے کی سپر مارکیٹس تک پہنچ جاؤں گی جہاں ضرورت کی ہر چیز بڑی اعلیٰ درجے کی ملتی تھی۔

ضروری نہیں تھا کہ میں صرف جوتے ہی خریدتی۔ میں چارلی کے بٹوے میں امریکن ایکسپریس کا ایک پلاٹینم کارڈ دیکھ چکی تھی جس پر لامحدود خریداری کی جاسکتی تھی۔ اس تصور سے ہی میرے دل میں ترنگ سی پیدا ہو رہی تھی اور میں ڈرائیونگ کے دوران میں بار بار گنگنانے لگتی تھی۔

◎✻◎

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد میں رٹز ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچی تو میرا حلیہ کافی بدلا ہوا تھا۔ میرے پیروں میں اب بھی نیلی ایڑیوں کی جوتیاں تھیں لیکن یہ نئی اور قیمتی تھیں۔ ناک پر قیمتی سن گلاسز ٹکے ہوئے تھے اور لباس بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ میں نے تاریک شیشوں کے اوپر سے استقبالیہ کلرک کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی جیب سے ذرا اوپر جو ٹیگ آویزاں تھا اس کے مطابق اس کا نام کارٹر تھا۔

"جی۔ فرمایئے؟" اس نے کہا۔

"میں مسز چارلی پارکر ہوں۔" میں نے ہاتھ اس طرح غیر محسوس سے انداز میں اس کے سامنے کیا کہ وہ میری انگلی میں شادی کی انگوٹھی دیکھ لے۔ یہ انگوٹھی بھی میں نے دوسری چیزوں کی طرح کچھ دیر پہلے ہی ایک معیاری دکان سے خرید کر پہنی تھی۔

میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میرے شوہر نے مجھ سے کہا تھا کہ یہاں میرے لیے اس کے کمرے کی چابی موجود ہوگی۔"

"اوہ...!" کارٹر کی آنکھوں میں کچھ الجھن جھلک آئی "مسٹر پارکر نے ذکر نہیں کیا تھا کہ ان کی بیوی ان سے ملنے یہاں آئیں گی... لیکن ٹھہریئے۔ شاید وہ ہیڈ ویٹر کو اس سلسلے میں کچھ بتا کر گئے ہوں۔ میں ایک منٹ میں آیا۔"

وہ بے آواز قدموں سے ایک طرف کو غائب ہو گیا۔ اس کے پیروں میں شاید کریپ سول کے جوتے تھے۔ کریپ سول کے جوتوں کے بارے میں مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ نہ جانے یہ کس نے ایجاد کیے ہوں گے۔ میں اس دوران میں اپنے کانوں میں موجود نئے بندوں کو ٹٹولنے لگی جو ہیروں کے تھے۔

کلرک جب مجھے جلدی واپس آتا دکھائی نہ دیا تو میں نے پارکر کی اپائنٹمنٹ بک نکالی اور اس کے صفحے پلٹ کر دیکھنے لگی۔ آج رات نو بجے اس کی ملاقات اسی ہوٹل کی لابی کے بار میں کسی سے طے تھی۔ اس شخصیت کا نام وہاں نہیں لکھا تھا۔ اگر پارکر کے بجائے میں اس شخص سے ملنے پہنچ جاؤں تو کیسا رہے؟ میں نے اپنے آپ سے پوچھا اور یہ تصور مجھے دلچسپ محسوس ہوا۔

کارٹر کئی منٹ بعد واپس آیا۔ مجھے اندیشہ محسوس ہوا کہ مجھے چارلی پارکر کے کمرے میں داخلے کی اجازت نہیں ملے گی۔ میں نے اپنے آپ کو ذرا جذبات خیز انداز میں کاؤنٹر پر جھکایا اور اسے تھوڑا سا نظارے کا موقع دیا۔

وہ تھوک نگل کر بولا "مسٹر پارکر نے یہ تو کہا تھا کہ کوئی ان سے ملنے آئے گا۔ اسے نو بجے لابی کے بار میں بھیج دیا جائے اور بتا دیا جائے کہ وہ پیانوے کے پاس بیٹھے۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا تو میں نے کہا "چابیاں تو دے دو۔"

اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی اور اس نے دراز سے ایک مخصوص کارڈ نکالا۔ کمروں کا تالا تو کارڈ سے کھلتا تھا لیکن اس کے ساتھ کچھ چابیاں بھی تھیں۔ وہ کارڈ اور چابیاں میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا "مسٹر پارکر گاڑی کی چابیاں

بھی چھوڑ گئے تھے۔ یہ آپ ہی انہیں دے دیجئے گا۔"

"شکریہ۔" میں نے ایک بار پھر کہا اور کوشش کی کہ میرے چہرے سے حیرت ظاہر نہ ہونے پائے کیونکہ پارکر کی کار تو چابیوں سمیت میرے پاس تھی۔ کلرک نے جو چابیاں مجھے دیں ان کے ساتھ کی رنگ میں ننھا سا ایک کھلونا برفانی ریچھ جھول رہا تھا۔ چابیاں دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک شیورلیٹ وین کی چابیاں تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ چارلی پارکر کے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ میرا تجسس بڑھتا جارہا تھا۔

تاہم میں گاڑیوں کے بارے میں سوچ کر وقت ضائع کرنے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے اپنی نئی رولیکس گھڑی میں وقت دیکھا۔ نو بجنے میں بیس منٹ تھے۔ بیس منٹ بعد مجھے لابی کے بار میں کسی نامعلوم شخصیت سے ملاقات کرنی تھی۔ میرا ذہن اس وقت بھی تیزی سے کام کررہا تھا جب میں لفٹ میں چارلی پارکر کے کمرے کی طرف جارہی تھی۔

◎✲◎

ٹھیک نو بجے میں لابی میں ایک ایسی جگہ بیٹھی تھی جہاں میں ہر آتے جاتے کو اچھی طرح دیکھ سکتی تھی۔ میں جنگلی حیات کے بارے میں ایک میگزین کی ورق گردانی کررہی تھی۔ یہ میگزین بھی مجھے پارکر کی گاڑی میں ہی ملا تھا۔ اتفاق سے اس وقت لابی میں پرانے موسیقار چارلی پارکر ہی کا ۱۹۵۱ء میں تیار کیا ہوا نغمہ "برڈ آف پیراڈائز" دھیمی آواز میں سنائی دے رہا تھا۔ یہ نغمہ مجھے ماضی کی وادیوں میں لے گیا۔ یہ میرے والد کا پسندیدہ ترین نغمہ تھا۔ میں جب چھوٹی سی تھی تو وہ گرمجوشی سے مجھے ایک بازو کے حلقے میں بھینچ کر موسیقی کی چھوٹی چھوٹی ابتدائی باتیں اور کاریں چرانے کے گر سکھایا کرتے تھے۔

میں نے ماضی کی یادوں کو ذہن سے جھٹک کر ایک بار پھر لابی میں موجود شخصیات کا جائزہ لیا۔ ان میں شوبزنس کی چند جانی پہچانی شخصیات بھی شامل تھیں۔ دو آدمی بار سے اٹھ کر رخصت ہورہے تھے۔ ان کی تصویریں بھی اکثر مقامی اخبارات کے سماجی و ثقافتی سرگرمیوں کے صفحے پر چھپتی رہتی تھیں۔ ان میں سے ایک تو ذرا لمبے چوڑے مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اس کا نام جیرارڈ تھا۔ وہ شہر کے ایک بہت مہنگے ریستوران کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ وہ ورائٹی شو اور اسی طرح کے دوسرے تفریحی پروگرام بھی آرگنائز کرتا تھا۔ وہ بہت دولت مند آدمی تھا۔

اس کے ساتھ چلتا ہوا لمبی لمبی ٹانگوں والا گنجا سا آدمی جیرارڈ کے ریستوران کا خانساماں جیکس تھا۔ وہ اتنا اونچے درجے کا خانساماں تھا کہ اسے محض خانساماں ہی نہیں، شہر کی ایک اہم سماجی شخصیت سمجھا جاتا تھا۔ وہ بار سے رخصت ہوتے وقت نہایت انہماک سے آپس میں گفتگو کررہے تھے۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ جس شخصیت کو پارکر سے ملاقات کے لیے آنا تھا وہ ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اسے پیانو کے قریب جس مخصوص جگہ پر ہونا چاہیے تھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ آخر کار نو بج کر سترہ منٹ پر قیمتی سوٹ اور چمکیلے جوتوں والا تقریباً چالیس کی عمر کا ایک دراز قد شخص تیزی سے لابی میں داخل ہوا اور متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوب صورت بریف کیس تھا۔ یقیناً یہی وہ شخص تھا جس کا مجھے انتظار تھا۔

وہ جب پیانو کے قریب میز پر بیٹھ چکا تو میں اس کے پاس پہنچی اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی "میں معذرت چاہتی ہوں کہ کچھ لیٹ ہوگئی... لیکن مجھے امید ہے آپ زیادہ دیر سے انتظار نہیں کررہے ہوں گے۔"

اس نے کچھ حیران پریشان سا ہو کر میری طرف دیکھا۔ میں ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ اپنے مختصر اسکرٹ کو میں نے تھوڑا سا اوپر ہوجانے دیا اور کہا "میں چارلٹ پارکر ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں اصل میں چارلی پارکر سے ملنا تھا لیکن وہ ایک جگہ پھنس گیا ہے۔ امید ہے تم اس بات کا برا نہیں مناؤ گے کہ اس کی جگہ میں تم سے ملنے آگئی ہوں۔"

"نہیں۔ نہیں۔ ٹھیک ہے۔" اس کے لہجے میں اب بھی ہلکی سی الجھن برقرار تھی "ویسے یہ میرے لیے غیر متوقع سی بات ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ پارکر شادی شدہ ہے۔ میرے لیے یہ ایک سرپرائز ہے۔" اس نے غیر محسوس سے انداز میں میرا سرتاپا جائزہ لیا۔

میں دھیرے سے ہنس دی۔ میں وقت گزاری کی کوشش کررہی تھی۔ اس نے اپنا تعارف نہیں کرایا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے مخاطب کروں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس سلسلے میں یہاں آیا تھا۔

میں نے ویٹر کو دو ڈرنکس لانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "تمہارے پاس اپنا کوئی بزنس کارڈ ہے؟"

اس نے ایک لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھا پھر جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا "یعنی تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں؟"

میں نے جواب میں مبہم انداز میں سر ذرا جھکایا تاکہ

بال میرے چہرے کے کچھ حصے کو چھپالیں۔ کوئی غیر متوقع صورتِ حال سامنے آنے پر اپنے تاثرات چھپانے کا یہ ایک اچھا طریقہ تھا۔

وہ بولا "مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے... لیکن اس صورتِ حال میں کچھ دلچسپ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔"

ڈرنکس آچکی تھیں۔ میں نے اپنے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھانے میں عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا حالانکہ مجھے شدت سے اس کی طلب ہورہی تھی۔ میرا دن بڑی مشکلات میں گزرا تھا۔

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" میں نے تسلیم کیا "دراصل پارکر آج صبح بہت جلدی میں کہیں گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔ مجھے معلوم تھا کہ کسی سے اس کی ملاقات طے ہے۔ اب یہ مجھے اچھا نہیں لگا کہ ملاقاتی کو یہاں اکیلے بیٹھ کر انتظار کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔"

یہ کہتے ہوئے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا ہینڈ بیگ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے میں نے کہا "اگر تم اکیلے ہی بیٹھ کر انتظار کرنا پسند کرو تو تمہاری مرضی۔"

وہ دھیرے سے ہنسا اور جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا "نہیں۔ نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ پلیز بیٹھ جاؤ۔" پھر وہ اپنا بزنس کارڈ میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا "مجھے مائلز ڈیوس کہتے ہیں۔"

یہ بڑی عجیب سی بات تھی۔ چارلی پارکر کے بارے میں تو میں نے سوچ لیا تھا کہ یہ محض ایک اتفاق تھا' اس کا نام جاز کے ایک پرانے اور بہت بڑے موسیقار کے نام پر تھا لیکن ایک ہی دن میں' میں دوسرے ایسے آدمی سے مل رہی تھی جس کا نام جاز کے ویسے ہی ایک اور بڑے موسیقار کے نام پر تھا۔ مائلز ڈیوس بھی تقریباً چالیس سال پہلے اس میدان کا ایک نہایت معروف فنکار تھا۔ نئے چارلی پارکر اور مائلز ڈیوس میں آپس میں کیا تعلق تھا؟ اس تعلق کی بنیاد موسیقی تھی یا کچھ اور...؟ ان سوالوں کے جواب میرے پاس نہیں تھے۔

"کیا تم مجھ سے سودے کے بارے میں بات کرو گی؟" ڈیوس نے اچانک ہی مجھ سے پوچھا۔

"سودا...؟ کیسا سودا؟ میں تو برائے فروخت نہیں ہوں۔" میں نے معصومیت کی اداکاری کی۔

"دلچسپ جواب ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا "خاص طور پر ہمارے کلائنٹس کے عجیب و غریب ذوق اور ان کی دولت مندی کو دیکھتے ہوئے۔"

پھر اس نے اپنے خوب صورت بریف کیس کو تھپتھپایا اور میز پر اسے میری طرف کھسکاتے ہوئے بولا "بنی گڈمین کا سنسنی سے برا حال ہے۔"

یہ میرے لیے ایک اور جھٹکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان دنوں بنی گڈمین کس کا نام تھا لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ یہ بھی ماضی کے ایک معروف موسیقار کا نام تھا جس کا خصوصی شعبہ جاز ہی تھا۔ بہرحال ڈیوس کے مجھے بریف کیس دینے کا مطلب تھا کہ پارکر نے اس کے ہاتھ کوئی چیز بیچی تھی اور اس معاملے میں دولت مند کلائنٹس بھی ملوث تھے لیکن میں یہ اندازہ نہیں کرپارہی تھی کہ سودا کس چیز کا ہورہا تھا۔

میرا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ بریف کیس اٹھا کر دوڑ پڑوں لیکن مجھے معلوم تھا کہ میری یہ حرکت ڈیوس کو شک میں مبتلا کردے گی اور وہ چوکنا ہوجائے گا۔ معلوم نہیں مائلز ڈیوس اس کا اصلی نام تھا بھی یا نہیں؟ میرے لیے یہ جاننا اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ میں تو اب تک اس سے کہیں بڑے مسئلوں کو خود دعوت دے چکی تھی۔

"میں یہ پارکر کو پہنچادوں گی۔" میں نے حتی الامکان آہستگی سے بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا "دراصل آج سہ پہر میرا اس سے جھگڑا ہوگیا تھا۔ اب بریف کیس دینے کے بہانے صلح ہوجائے گی۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے تم نے کہا تھا کہ وہ آج صبح روانہ ہوگیا تھا اور وہ بھی بہت جلدی میں۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"جھگڑا فون پر ہوا تھا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ ایک جھوٹ کو نبھانے کے لیے دوسرا اور پھر تیسرا جھوٹ تو بولنا ہی پڑتا ہے۔

اس نے کرسی سے ٹیک لگالی اور شک زدہ سے انداز میں میری آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم اس معاملے میں کہاں فٹ ہوتی ہو؟"

"دراصل تمہارے کلائنٹس کی طرح میں نے بھی عجیب ذوق اور مہم جو طبیعت پائی ہے۔" میں نے مبہم جواب دیا۔

معلوم نہیں اس نے میرے جواب سے کیا مطلب اخذ کیا۔ تاہم وہ مزید میری طرف دیکھنے کے بجائے گھڑی دیکھتے ہوئے بولا "کیا چابیاں تمہارے پاس ہیں؟"

میں نے ایک بار پھر سر جھکا کر بالوں کو اپنے چہرے پر پھیلنے دیا اور سوچنے کی کوشش کی کہ وہ کن چابیوں کی بات کررہا تھا؟ ڈیوس کچھ مضطرب ہورہا تھا۔ میں نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا لیکن اس پر کوئی اثر

نہ ہوا۔ اچانک ہی اس نے میرا پرس اٹھالیا اور اسے کھول کر میز پر الٹ دیا۔ میں اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

میرے اس طرح اٹھنے اور میز پر چیزوں کے گرنے کی کھڑ کھڑاہٹ کی وجہ سے لوگ ہماری طرف متوجہ ہوگئے۔ ڈیوس نے شیورلیٹ وین کی چابیاں اٹھالیں جو مجھے ہوٹل کے استقبالیے سے ملی تھیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ وہ انہی چابیوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میرے اعصاب کچھ پُرسکون ہوئے۔

"مجھے اب چلنا چاہیے۔" میں نے اپنی چیزیں سمیٹ کر پرس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ پرس اٹھا کر میں حتی الامکان نارمل انداز میں چلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اب بھی شک میں مبتلا تھا یا مطمئن ہوچکا تھا۔

میں اس وقت لفٹ میں سوار ہوچکی تھی اور دروازہ بند ہونے لگا تھا جب میں نے ڈیوس کو تیزی سے لفٹ کی طرف آتے دیکھا۔ وہ میرے تعاقب میں آرہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ تھی۔ میں نے اس فلور کا بٹن دبایا جس پر پارکر کا کمرا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی کہ ڈیوس کے پہنچنے سے پہلے لفٹ روانہ ہوچکی تھی۔

میں مطلوبہ فلور سے ایک فلور نیچے ہی لفٹ سے نکل آئی۔ میری قسمت میرا کچھ زیادہ ہی ساتھ دے رہی تھی۔ میں نے دیکھا' ایک بوڑھا جوڑا اپنے کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف جارہا تھا۔ انہوں نے اپنے عقب میں خود کار دروازہ بند ہونے کے لیے چھوڑ دیا تھا اور پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ دروازہ پوری طرح بند نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس کے سامنے پاؤں رکھ کر اسے بند ہونے سے روک دیا اور جونہی بوڑھا جوڑا سیڑھیوں کی طرف مڑا' میں دروازہ کھول کر ان کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ بھاری دروازہ کلک کی آواز کے ساتھ میرے عقب میں بند ہوا تو میں نے سکون کی سانس لی۔

اب میں پارکر کے کمرے میں نہیں جاسکتی تھی چنانچہ میں نے وہیں بریف کیس کھول کر دیکھا۔ وہ بڑے نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں ایک لیٹر ہیڈ پر ٹائپ شدہ ایک لسٹ بھی موجود تھی۔ لیٹر ہیڈ "ایکو سسٹم کارپوریشن" کا تھا جس کا علامتی نشان یا لوگو ایک برفانی ریچھ تھا۔ کمپنی کا ایڈریس مرکنٹائل روڈ کے قریب واقع انہی گوداموں میں سے ایک کا تھا جن کے قریب میں چارلی پارکر کو قریب المرگ چھوڑ کر آئی تھی۔

غروب آفتاب

سیٹھ قاسم نے مہمان کو اپنے گھر میں دیوار پر آویزاں ایک پینٹنگ دکھاتے ہوئے بتایا "یہ میری بیٹی نے بنائی ہے..... سورج ڈوبنے کا منظر ہے....." پھر انہوں نے فخر سے مزید بتایا "میری بیٹی ملک سے باہر مصوری کی تعلیم حاصل کررہی ہے....."

"پھر تو ٹھیک ہے....." مہمان نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا "ورنہ اپنے ملک میں تو میں نے آج تک اس طرح سورج ڈوبتے نہیں دیکھا تھا۔"

فہرست زیادہ تر انہی جانوروں کی تھی جن کی تصویریں میں نے پارکر کی گاڑی میں ملنے والے لفافے میں دیکھی تھیں۔ بعض جانوروں کے ناموں کے ساتھ صحیح کا نشان لگا تھا اور بعض کے ناموں کے آگے "این اے" لکھا ہوا تھا جس سے عام طور پر مراد یہی لی جاتی تھی کہ وہ آئٹم دستیاب نہیں ہیں۔

کیا پارکر کچھ خاص اور کمیاب جانوروں کی تجارت میں ملوث تھا؟ لیکن ان جانوروں کا خریدار کون تھا؟ کیا کسی بڑے شہر کا کوئی چڑیا گھر یا مائیکل جیکسن؟ اور کیا یہ تجارت غیر قانونی نہیں تھی؟

میں نے فیصلہ کیا کہ ان سوالوں پر زیادہ غور کیے بغیر فی الحال اس کمرے سے نکل لینا بہتر تھا پھر مجھے خیال آیا کہ اپنے بکلی ایڑی والے جوتوں میں اگر مجھے بھاگنا پڑا تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ مجھے امید تھی کہ اس کمرے میں مقیم بڑی عمر کی خاتون کے پاس آرام دہ جوتے موجود ہوں گے۔

میں نے الماری کھول کر دیکھی۔ نچلے خانے میں واقعی کئی آرام دہ جوتوں کی جوڑیاں موجود تھیں۔ میں نے اپنے لیے کریپ سول کے جوتے منتخب کیے جو مجھے پورے بھی آگئے۔ انہیں پہن کر میں نے بڑا سکون محسوس کیا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ ایک کام اور کرتی چلوں۔ میں نے بریف کیس میں سے ایک گڈی سے ایک نوٹ نکالا اور الماری میں ان جوتوں کی جگہ رکھ دیا جو میں پہن چکی تھی۔ ایمان داری بھی آخر کوئی چیز ہے۔ مجھے امید تھی کہ اس نوٹ کی وجہ سے خاتون کو جوتوں کی چوری کا صدمہ ہونے کے بجائے خوشی ہوگی۔

○*○

میں جیگویر میں مرکنٹائل روڈ پر محو سفر تھی۔ میرا رخ گوداموں کی طرف تھا۔ میں قریبی ائرپورٹ سے ہوائی سفر کے لیے ایک ٹکٹ خرید چکی تھی لیکن ابھی میری فلائٹ میں ایک گھنٹا باقی تھا اور یہ گھنٹا میں انتظار گاہ میں بیٹھ کر گزارنے کے بجائے کسی "تعمیری" مصروفیت میں گزارنا چاہتی تھی۔ میں یہ بھی دیکھنا چاہتی تھی کہ کیا چارلی پارکر ابھی تک وہیں پڑا تھا جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا؟

وہاں پہنچنے سے ذرا دیر پہلے ہی میں نے ہیڈلائٹس آف کردیں اور رفتار بالکل کم کردی۔ جیگویر کے انجن کی آواز بلی کی خرخراہٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ ایک گودام پر کچھ نقل و حرکت دیکھنے میں آرہی تھی۔ ایک شیورلیٹ وین گودام کے لوڈنگ پلیٹ فارم سے الٹی لگی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے پچھلے دروازے کھلے تھے۔ میرے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ یہ وہی وین تھی جس کی چابیاں میں نے ڈیوس کو دی تھیں اور وہ یہاں پہنچ چکا تھا۔

میں نے گاڑی گودام کے پیچھے لے جاکر ایک اندھیری جگہ پر کھڑی کردی۔ گودام میں کافی نقل و حرکت محسوس ہورہی تھی۔ وہ جتنی اونچی چھت کا گودام تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس میں تو زرافے بھی رکھے جاسکتے تھے۔

مجھے پچھلا دروازہ تھوڑا سا کھلا نظر آیا۔ میں دبے قدموں اس تک پہنچی۔ کریپ سول والے جوتے اب بڑے کام آرہے تھے۔ ان کی وجہ سے ذرا بھی آہٹ پیدا نہیں ہورہی تھی۔ اندر کریٹوں کی دیواریں سی کھڑی تھیں۔ میں ان کی آڑ لیتی کچھ آگے پہنچی۔

اچانک مجھے فرانسیسی لہجے میں کوئی انگریزی میں بات کرتا سنائی دیا "مجبوری ہے۔ اژدہا نہیں مل رہا۔ انہیں بڑے سانپ پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔"

پھر مجھے وہ شخص نظر بھی آگیا۔ گو کہ میں اس کے چہرے کا کم ہی حصہ دیکھ سکتی تھی لیکن میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ شہر کے ایک بہت مہنگے ریستوران کا مالک اور پروگرام آرگنائزر مسٹر جیرارڈ تھا۔ وہ موبائل فون پر کسی سے بات کررہا تھا۔ تاہم مجھے گودام میں ابھی تک کوئی جانور دکھائی نہیں دیا تھا۔

جیرارڈ فون پر مزید کہہ رہا تھا "جیکس! تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ بالکل غیر متوقع طور پر نیوگن سے وہ چار پرندے "برڈز آف پیراڈائز" بھی آگئے ہیں جن کے ملنے کی امید نہیں تھی۔ ہاں۔ پارکر نے ان کا انتظام کرلیا۔ ہاں۔ پارکر ابھی ایمرجنسی وارڈ میں ہی ہے۔ اس کی حالت تو کافی خراب تھی لیکن ڈاکٹروں نے کہا ہے وہ بچ جائے گا۔ ہاں۔ ڈیوس نے سودا مسز پارکر کے ذریعے مکمل کرلیا۔ ہاں۔ ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کی کوئی بیوی بھی ہے۔ ہاں زرافہ بھی آگیا ہے۔"

پھر میں نے دیکھا' ڈیوس اور دوسرے کچھ آدمی ایک بڑا سا پلاسٹک بیگ ٹرالی پر رکھے لے جارہے تھے۔ جیرارڈ نے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اچانک بات میری سمجھ میں آئی تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ لوگ نہ صرف کمیاب اور خاص قسم کے جانوروں کی تجارت کررہے تھے بلکہ انہیں ذبح کرکے' ان کے ٹکڑے کرکے ان سے نہ جانے کون سی ڈشیں تیار کرکے لوگوں کو کھلا بھی رہے تھے۔ انہوں نے یقیناً دولت مند گاہکوں کا ایک بڑا حلقہ پیدا کرلیا تھا جو نہ جانے کس کس چکر میں اس قسم کے جانوروں کی ڈشیں کھاتے ہوں گے۔ بہت سے جانوروں کے گوشت اور اعضا وغیرہ کے خواص کے بارے میں بے شمار افسانوی سی باتیں مشہور تھیں۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ درست بھی رہی ہوں۔ بعض انسانوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان کی فطرت کا گھناؤنا پن کہاں تک جاسکتا تھا۔

میں جس طرح دبے قدموں اندر آئی تھی' اسی طرح دبے قدموں واپس چل دی۔

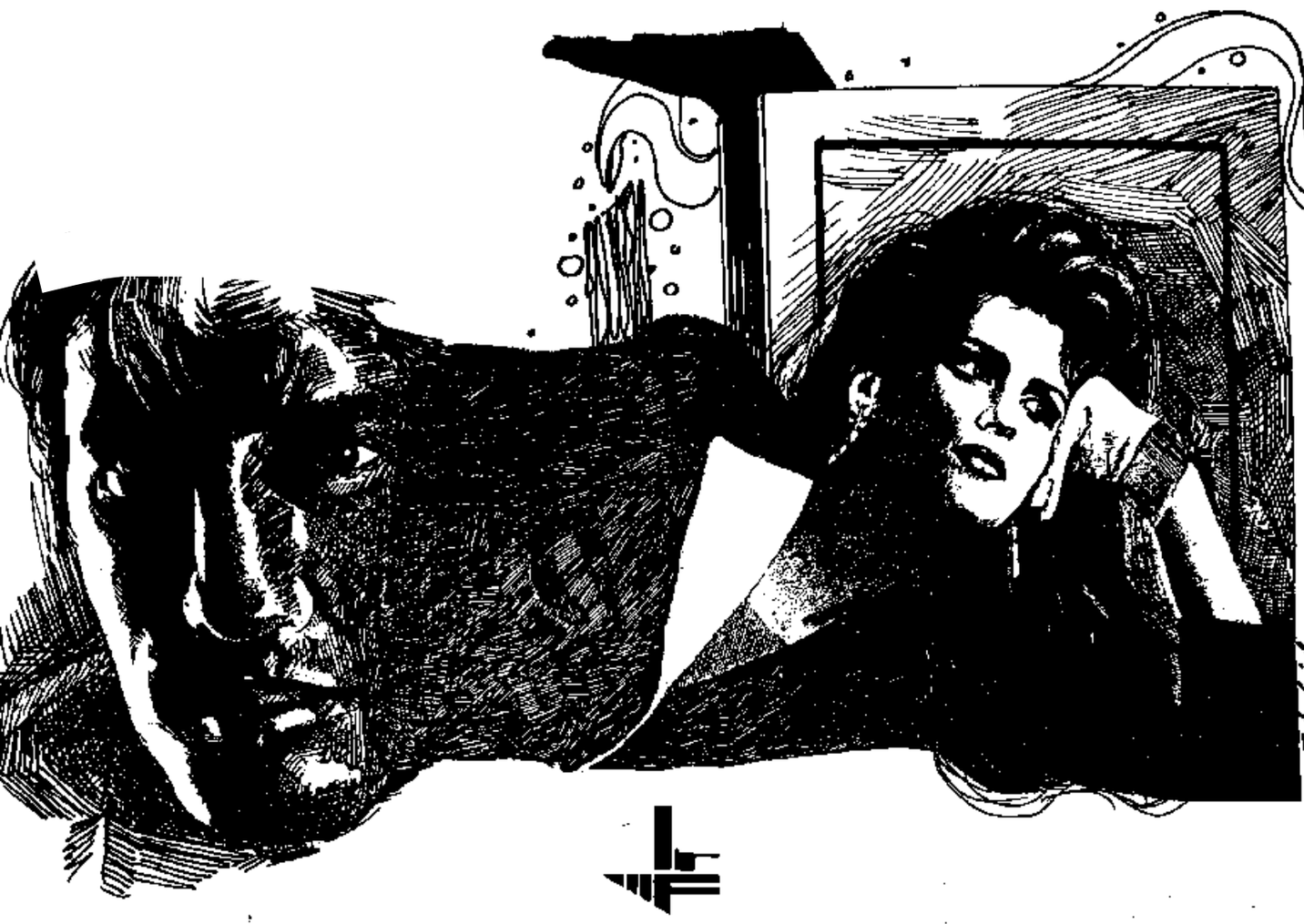


تفریحی مقام کے خوب صورت ساحل پر رنگین چھتری تلے بیٹھ کر میں موسم سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اخبار دیکھ رہی تھی۔ اس میں پہلے ہی صفحے پر بڑی سی ایک تصویر میں تین آدمی کھڑے نظر آرہے تھے جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور ان کے دائیں بائیں دو پولیس آفیسر کھڑے غصیلی نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

یہ تین آدمی جیرارڈ' ڈیوس اور جیکس تھے۔ متعلقہ خبر میں بتایا گیا تھا کہ ان تینوں کے علاوہ اسپتال میں چارلی پارکر کو بھی حراست میں لے لیا گیا تھا لیکن اسے باقاعدہ طور پر گرفتار کرنے کے لیے اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار کیا جارہا تھا۔ اسکینڈل وہی تھا جس کا مجھے اندازہ ہوچکا تھا۔

ان لوگوں کی گرفتاری ایک گمنام ٹیلی فون کال کی بنا پر عمل میں آئی تھی۔ میرا خیال ہے آپ لوگ آسانی سے اندازہ لگاسکتے ہیں کہ وہ گمنام فون کال کس کی ہوگی!





نجمہ مودی

ایک کہانی کار کی کہانی۔ اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ کوئی شخص اس کا خیال چرا رہا ہے۔ اس نے ایک سراغ رساں کی خدمات حاصل کر لیں تاکہ چور کا سراغ لگایا جا سکے۔

ایک منظم سازش کا احوال جس کے تانے بانے بہت الجھے ہوئے تھے

شاید میری عمر اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ مجھے پرائیویٹ سراغرساں کے طور پر کام کرنا چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ یہ احساس اس قسم کے کلائنٹس سے ملنے کے بعد بڑھ جاتا تھا جیسی اس روز میرے دفتر میں داخل ہوئی۔ وہ سنہرے بالوں والی ایک سروقد اور خوبصورت عورت تھی۔ وہ کسی فیشن ماڈل کی طرح چلتی ہوئی آفس میں آئی تھی۔ اس کا سیاہ لباس اس کے دلکش خدوخال پر دستانے کی طرح فٹ تھا۔

مجھے دیکھ کر شاید اسے مایوسی ہوئی اور وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی "یہاں ایک اور صاحب ہوتے ہیں جو آپ سے کافی کم عمر ہیں.... میں ان سے ملنے آئی ہوں۔"

"آپ شاید میرے پارٹنر مائیک ٹریپ کی بات کر رہی ہیں۔ وہ نیچے کافی پینے گیا ہے۔ آتا ہی ہوگا۔ آپ بیٹھیں۔" میں نے کہا۔

اس نے میز کے سامنے پڑی ہوئی دونوں کرسیوں کا جائزہ لیا اور جو ذرا کم پرانی نظر آئی، اس پر بیٹھ گئی۔

"آپ غالباً مسٹر ڈارلن ہیں؟" وہ بولی۔

"ہاں... ہماری سراغرساں کمپنی کا نام ڈارلن اینڈ ٹریپ ہے۔ ٹریپ دس سال سے میرے ساتھ ہے۔ اس سے پہلے میں اکیلا ہی کام کرتا تھا۔" میں نے بتایا۔

میں اب بھی اُن دنوں اکیلا ہی کام کرتا تھا جب ٹریپ اور اس کی بیوی چھٹیاں منانے کہیں چلے جاتے تھے۔ اس کے پاس خاندانی دولت تھی۔ وہ جب میرے پاس آیا تو میرے مالی حالات کافی خراب تھے۔ اس نے وکالت کا امتحان پاس کیا تھا لیکن وہ باپ کی طرح وکالت کرنے کے بجائے پرائیویٹ سراغرساں بننا چاہتا تھا۔ میں نے اسے تربیت دی جس کے بعد اسے لائسنس مل گیا۔ اس کا شوق اور لگن دیکھتے ہوئے میں نے اسے پارٹنر بنالیا۔

"میں سوچ رہی ہوں... پتا نہیں میرا یہاں آنے کا فیصلہ درست بھی ہے یا نہیں..." عورت متذبذب لہجے میں بولی "میرا مطلب ہے... جس کام کے لیے میں آئی ہوں اس کے لیے کسی پرائیویٹ سراغرساں کی خدمات حاصل کرنا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔"

"مسئلہ کیا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"دراصل میں ایک رائٹر ہوں..."

عورت نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دروازہ کھلا اور ٹریپ اندر آگیا۔ وہ دراز قد تھا۔ اس کے بال سنہرے اور عمر مجھ سے پچیس سال کم تھی۔

"ہیلو مس ایمی جورڈن...!" وہ گرمجوشی سے بولا۔

وہ بیٹھ چکا تو چند رسمی جملوں کا تبادلہ ہوا پھر میں نے ایمی جورڈن کو مخاطب کیا "اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو بات چیت یہیں میری موجودگی میں بھی ہوسکتی ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" وہ بولی اور فوراً ہی اصل موضوع پر آگئی "میں ایک فکشن رائٹر ہوں۔ نیویارک کے ایک معروف پبلی شنگ ہاؤس سے میرے تین ناول چھپ چکے ہیں..."

"رومانی ناول...؟" میں نے وضاحت چاہی۔

اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی "خاتون رائٹر کو دیکھ کر زیادہ تر لوگوں کے ذہن میں یہی خیال آتا ہے کہ وہ رومانی ناول لکھتی ہوگی لیکن میرے تینوں ناول بہرحال جرائم کے بڑے منصوبوں کے گرد گھومتے تھے۔ یوں سمجھئے میرے ہر ناول میں ایک بڑی ڈکیتی کی کہانی تھی۔ میں کسی اصل شہر میں، اصل جگہ اور وہاں کی اصل سرگرمی اور معمولات کو دیکھتی ہوں پھر ان کے گرد اپنی کہانی کا تانا بانا بنتی ہوں۔ اس لیے میرے ناول فرضی اور سنسنی خیز ناولوں سے کچھ بہتر ہوتے ہیں۔"

"آپ اپنے اصل نام سے لکھتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں..." اس نے جواب دیا "میرا پہلا ناول ریلے کے مقام پر ڈکیتی کے بارے میں تھا۔ اس پر مجھے پہلے کامیاب ناول کا ایوارڈ بھی ملا تھا۔ میرا دوسرا ناول لوئیس ول کے مقام پر ایک بہت بڑی چوری کی واردات پر مبنی تھا۔ تیسرا ناول چارلسٹن کے ماحول میں تھا۔ وہ دو ماہ پہلے جون میں چھپا تھا۔ فروخت کے اعتبار سے وہ بھی کامیاب رہا تھا۔ اس کی فروخت کی مہم کے سلسلے میں، میں خود بھی کئی شہروں میں کتابوں کی بڑی اور مشہور دکانوں پر گئی تھی اور خریداروں کو کتاب اپنے دستخط کے ساتھ دی تھی۔"

اس کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین تھا کہ اس کی کتاب کے خریداروں میں زیادہ تعداد مردوں کی ہوگی اور ان میں سے بیشتر نے اسے باہر کھانے پر مدعو کیا ہوگا۔

"کیا آپ نے اپنا اگلا ناول لکھنا شروع کردیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں... اور درحقیقت میں اسی سلسلے میں یہاں آئی ہوں۔ میں اپنے ناولوں کے سلسلے میں پہلے تحقیقی کام کافی کرتی ہوں۔ کوئی جگہ منتخب کرکے باقاعدہ کچھ دن وہاں قیام کرتی ہوں۔ مشاہدہ کرتی ہوں۔ معلومات جمع کرتی ہوں۔ میرے پاس لیپ ٹاپ کمپیوٹر ہے جو میں اپنے ساتھ لے جاتی ہوں اور اس پر ابتدائی شکل میں ناول لکھنا شروع کردیتی ہوں۔ بعد میں اس کی نوک پلک درست کرتی ہوں۔ میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ مجھے اندازہ ہوا ہے کوئی میرے آئندہ ناول کا پلاٹ چرانے کی کوشش کررہا ہے۔"

"اب یہ نوبت آگئی ہے...؟" میں نے حیرت سے کہا "لوگ اگر کچھ لکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے اپنا پلاٹ بھی نہیں سوچ سکتے... وہ بھی دوسرے کا چرانے کی فکر میں ہیں؟"

میرے پارٹنر مائیک نے قدرے ناگواری سے میری طرف دیکھا گویا میرا تبصرہ اسے کافی احمقانہ لگا ہو پھر وہ ایمی سے مخاطب ہوا "آپ نے اپنے اگلے ناول میں مقامات اور ماحول دکھانے کے لیے کس شہر کا انتخاب کیا ہے؟"

"اس بار میرے ناول کی کہانی کا تعلق سارا ٹوگا نامی شہر سے ہوگا جہاں کاروں وغیرہ کی ریس منعقد ہوتی ہے۔ میں ناول میں ریس ہی کا سیزن دکھاؤں گی۔ میرے ناولوں میں دو یا دو سے زیادہ مجرم جمع ہوکر کسی بڑی ڈکیتی کا منصوبہ بناتے ہیں۔ میں تمام چیزوں کے مشاہدے کے لیے سارا ٹوگا کی رائٹرز کالونی میں ایک ماہ سے ٹھہری ہوئی ہوں۔ وہاں کی یہ کالونی تخلیق کاروں کے کام کے لیے بڑی آئیڈیل جگہ ہے۔ میں اپنے ناول کے لیے اس شہر کا انتخاب تو پہلے ہی کرچکی تھی

لیکن وہاں قیام کے بعد مجھے ناول کا پلاٹ تیار کرنے میں بڑی مدد ملی۔ اس وقت میں اپنے پچھلے ناول کی فروخت کی مہم کے سلسلے میں عارضی طور پر یہاں اپنے گھر آئی ہوئی ہوں۔ جلد ہی میں واپس چلی جاؤں گی اور اگست کا باقی پورا مہینہ سارا ٹوگا کی رائٹرز کالونی میں ہی گزاروں گی۔ وہاں قیام کے لیے جو کمرا ملتا ہے' اسے اسٹوڈیو کہا جاتا ہے۔ میرا اسٹوڈیو وہاں میرا منتظر ہے۔"

"کیا اس دوران میں اسٹوڈیو کی چابی آپ کے پاس ہی ہے؟"

"نہیں.... کہیں جاتے وقت چابی حویلی میں استقبالیہ پر جمع کرانی پڑتی ہے۔ واپسی پر مجھے پہلے وہیں جانا پڑے گا۔"

"رائٹرز کالونی میں قیام کے دوران میں رائٹرز کیا کرتے ہیں؟" میں نے پوچھا "کیا وہ ایک دوسرے سے اپنی تخلیقات کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہیں؟"

"ایسا تو کم ہی ہوتا ہے...." وہ بولی "صورت حال کچھ یوں ہے کہ مضافاتی علاقے میں بڑی سی ایک حویلی ہے جو ایک طرح سے رائٹرز کالونی کا ہیڈ کوارٹر یا کنٹرول کرنے کی جگہ ہے۔ اس کے گرد جنگل میں چالیس کمرے بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ اصل میں رائٹرز کالونی ہے۔ یہ کمرے مصنفوں' شاعروں' موسیقاروں اور مصوروں وغیرہ کے لیے مخصوص ہیں جہاں وہ کسی کی مداخلت کے بغیر اپنی تخلیقی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے ہیں....."

ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولی "میرے کمرے کے دروازے پر غروب آفتاب کا خوبصورت منظر نظر آتا ہے۔ یہ منظر وہاں پہلے قیام کرنے والا کوئی آرٹسٹ پینٹ کر گیا تھا۔ کالونی کی حدود میں خوبصورت باغات بھی ہیں جو پبلک کے لیے کھلے رہتے ہیں لیکن حویلی اور اسٹوڈیوز میں عام لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ ناشتے اور رات کے کھانے پر ہم چاہیں تو ایک کنبے کے افراد کی طرح جمع ہو سکتے ہیں لیکن دوپہر کا کھانا باسکٹوں میں ہمارے اسٹوڈیوز کی دہلیز پر رکھ دیا جاتا ہے۔ کالونی کے قریب ہی گھوڑوں کا ریس کورس ہے لیکن بیچ میں گھنا جنگل حائل ہے تاہم اگر کبھی ہوا کا رخ کالونی کی طرف ہو تو ریس کے شائقین کا مدھم سا شور سنائی دے جاتا ہے۔"

"یہ تو واقعی آئیڈیل جگہ معلوم ہوتی ہے۔" مائیک بولا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ جب سے میں سارا ٹوگا سے واپس آئی ہوں مجھے یہ لگ رہا ہے کہ میں کمپیوٹر پر جو کچھ بھی نوٹ کر رہی ہوں' کوئی اسے چرانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"آپ یہ یقین سے کیسے کہہ سکتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں جب اپنے لیپ ٹاپ کمپیوٹر پر کام ختم کرتی ہوں تو ہمیشہ اسے صندوق کی طرح ڈھکنا گرا کر بند کر دیتی ہوں۔ یہ میری پختہ عادت ہے۔ پچھلے جمعے کو میں باہر سے واپس آئی تو مجھے کمپیوٹر کھلا ملا۔ گو کہ وہ آن نہیں تھا لیکن یقیناً کوئی اندر آیا تھا اور اس نے میرا لکھا ہوا پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ دوبارہ میں نے مزید یقین کرنے کے لیے سنیچر کو باہر جاتے وقت کمپیوٹر کے اوپر اور نیچے والے حصے کو فولڈ کر کے بند کرتے وقت منہ پر ایک بال بھی باندھ دیا جو سرسری نظر میں کسی کو دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ واپسی پر مجھے بال کھلا ہوا ملا جس کا مطلب تھا کہ کسی نے کمپیوٹر کو کھولا تھا۔"

میں نے ستائشی انداز میں سر ہلایا۔ جرائم پر ناول لکھنے والی شخصیت سے اس قسم کی ترکیبوں کی توقع کی جا سکتی تھی۔

"آپ کو اپنی کمپیوٹر فائلز تک پہنچنے کے لیے کسی کوڈ ورڈ کی ضرورت نہیں پڑتی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال تھا کہ مجھے اس احتیاط کی ضرورت نہیں۔ اس لیے میں نے کوڈ ورڈ مقرر نہیں کیا تھا۔ میں اکیلی رہتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ اگر کوئی چرانا چاہے گا تو کمپیوٹر چرائے گا۔ چنانچہ میں احتیاطاً روزانہ اپنے لکھے ہوئے کا پرنٹ نکال کر ایک اور جگہ تالے میں محفوظ کر لیتی ہوں۔"

مشہور معروف مصنف جناب ایم اے راحت کی زیر نگرانی

کہانی کلب پاکستان کی جانب سے ہر ماہ شائع ہونے والا

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ کہانی گھر

شائع ہو گیا ہے

ملک بھر سے ایسے نوجوان خواتین و حضرات کی ضرورت ہے جو اپنے علاقے میں میگزین کی نمائندگی اور اشتہارات کی پختگی کر سکیں خواہشمند فوراً رابطہ کریں۔

نیز پاکستان کے ہر شہر سے ایجنسی ہولڈر درکار ہیں

کہانی کلب پاکستان 7861 ٹائٹل ڈیزائننگ مفت

ہر ماہ کے پہلے ہفتے میں

کالی دنیا کی کالی کہانی

کالا دائرہ

مصنف: ایم اے راحت

قیمت 25 روپے

ایک خوبصورت لڑکی کی داستان جو تقدیر کے آگے بے بس تھی

ناد یدہ دشمن

مصنف: ایم اے راحت

قیمت 40 روپے

جنت کی خوبصورت وادی سے آگے والے پہاڑ کی داستان اس کے پار دوسری دنیا آباد تھی

دوسرا آدمی

مصنف: ایم اے راحت

قیمت 30 روپے

عمران کے لافانی کردار پر ایک نئے انداز کا ناول

مفلوج نسل

مصنف: منور صدیقی

قیمت 25 روپے

مائیک نے یہ باتیں نوٹ کیں اور پوچھا "آپ کے اپارٹمنٹ کی چابی آپ کے علاوہ بھی کسی کے پاس ہے؟"

"میری رہائش اپارٹمنٹ میں نہیں' اوسط درجے کے ایک مکان میں ہے۔ اس کی چابی صرف میرے پاس ہے۔" ایمی نے جواب دیا۔

"زبردستی اندر گھسنے کی تو کوئی نشانی نظر نہیں آئی؟" مائیک نے پوچھا۔

"نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں آپ کے پاس آنے کے بجائے پولیس کے پاس جاتی۔" اس نے جواب دیا۔

"ملاقاتیوں کے بارے میں کچھ بتائیں..." میں نے کہا "پچھلے ایک ہفتے کے دوران میں کون کون گھر میں آیا؟"

"صرف میرا بوائے فرینڈ رکی... اور میری بہن کیٹ..." اس نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ بتایا۔

"کیا وہ دونوں ایک ساتھ وہاں موجود رہے تھے؟"

"نہیں... الگ الگ اوقات میں آئے تھے۔ درحقیقت کیٹ کبھی رکی سے نہیں ملی۔"

"رکی کا پورا نام کیا ہے؟"

"رکی بیلے... دو ماہ پہلے کتابیں دستخط کرکے دینے کی ایک مہم کے دوران میں اس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ بعد میں وہ اپنی کار میں رائٹرز کالونی بھی آن پہنچا اور میں اس کے ساتھ کھانا کھانے باہر چلی گئی۔ بہرحال اس سے میرے تعلقات بہت گہرے یا بہت سنجیدہ نوعیت کے نہیں۔" اس نے بتایا۔

"کیا وہ کبھی رات کو بھی آپ کے پاس ٹھہرا؟" میں نے پوچھا۔

اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی تاہم وہ ہموار لہجے میں بولی "نہیں... ویسے میں یہ بتادوں کہ اس معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں... وہ نہ تو کبھی یہاں رات کو میرے پاس ٹھہرا... اور نہ ہی رائٹرز کالونی میں..."

مائیک کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا "اگر آپ ہمیں اس کا اور اپنی بہن کا ایڈریس دے سکیں تو بہت اچھا ہوگا۔"

"ضرور..." اس نے کہا اور کاغذ قلم لے کر دونوں کے پتے لکھ دیے۔

مائیک بولا "میرے خیال میں فی الحال آپ کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے گھر کی نگرانی کروں اور اگر کوئی گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اسے پکڑوں؟"

"ہاں..." ایمی بولی "ان دنوں میرا لکھنے کا کام بہت اہم مرحلے میں ہے اور مجھے یقین ہے کہ جو کوئی بھی میرے ناول کے پلاٹ کے چکر میں ہے وہ ایک بار پھر میرے گھر میں گھسنے کی کوشش کرے گا۔"

اس کے بعد فیس کے معاملات طے پائے پھر مائیک نے پوچھا "آپ کا اب زیادہ دیر کے لیے گھر سے نکلنے کا پروگرام کب ہے؟"

"کل..." ایمی نے جواب دیا "مجھے اپنے آئندہ ناول کے کنٹریکٹ کے سلسلے میں اپنے ایجنٹ کے پاس جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے... میں آپ سے رابطہ رکھوں گا اور جو قدم اٹھانا ضروری ہوا وہ اٹھاؤں گا۔" مائیک نے کہا۔

اس کے جانے کے بعد مائیک نے اس سلسلے میں مجھ سے رائے طلب کی تو میں نے کہا "میرے خیال میں آج رات تم ایمی کے بوائے فرینڈ کے بارے میں کچھ تحقیقات کرلو اور صبح مکان کی نگرانی کرو۔"

○☆○

دوسری صبح بڑی خوشگوار تھی۔ مائیک' ایمی کے مکان کی نگرانی کے لیے جاچکا تھا۔ دن چڑھے میں نے سوچا کہ مجھے بھی جاکر دیکھنا چاہیے کہ مائیک کی کارگزاری کیسی جارہی تھی۔

ایمی کا مکان پارک کے سامنے تھا جس میں کھیل کا میدان' حوض اور پکنک منانے والوں کے لیے بینچیں بھی تھیں۔ کافی لوگ وہاں موجود تھے۔ انہی میں شامل ہوکر مکان کی نگرانی کرنا آسان تھا۔ نگرانی کرنے والے پر کسی کو شک نہیں ہوسکتا تھا۔ مائیک بظاہر بینچ پر بیٹھا سستا رہا تھا۔ میں کچھ اس طرح اس سے ملا جیسے وہ میرا پرانا شناسا تھا اور کافی عرصے بعد پارک میں اچانک اس سے ملاقات ہوگئی تھی۔

"کیا خبر ہے؟" میں نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی تک تو کوئی خبر نہیں..." اس نے یوں مسکراتے ہوئے جواب دیا جیسے میں نے کسی بات پر اسے چھیڑا ہو "بس پوسٹ مین آیا تھا۔"

"پچھلی رات تم نے ایمی کے بوائے فرینڈ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں... کسی حد تک..." مائیک نے جواب دیا "میں اس کے گھر اس کا تعاقب کرتا ہوا قریبی بار تک گیا جہاں میں نے بظاہر اتفاقاً اس سے متعارف ہوکر کچھ دیر بات چیت بھی کی۔ آدمی تو معقول معلوم ہوتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ کمپیوٹر پر شیئرز کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔"

"بہت خوب....! آج کی دنیا میں عجیب عجیب کاروبار ایجاد ہو رہے ہیں...." میں نے کہا۔ اسی لمحے ایک خیال نے میرے ذہن میں سر ابھارا اور میں اس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکا "کہیں یہ ایمی جورڈن اپنے ناولوں کو شہرت دینے کے لیے کوئی چکر تو نہیں چلا رہی؟"

"نہیں.... میرے خیال میں تو وہ سچ ہی بول رہی ہے۔" مائیک میرے خیال سے متفق نہ ہو سکا۔

"رکی نے ایمی کا ذکر تو نہیں کیا؟" میں نے دریافت کیا۔

"میں نے اسے اس طرف لانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو شہر میں اجنبی ظاہر کرتے ہوئے اس سے پوچھا کہ یہاں ایسی کوئی جگہ ہے جہاں عورتوں سے متعارف ہونے کے مواقع زیادہ ہوں۔ اس پر اس نے ہنس کر بتایا کہ وہ تو کتابوں کی ایک دکان میں ایک رائٹر سے متعارف ہو گیا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس رائٹر کی ایک خوش شکل بہن بھی ہے اور اگر میں چاہوں تو وہ مجھے اس سے متعارف کرا سکتا ہے لیکن پھر بات ہنسی مذاق میں ہی ختم ہو گئی۔ ہمارے کلائنٹ کے بارے میں وہ بھی مجھے کچھ زیادہ سنجیدہ نہیں لگتا۔"

"ایمی نے ہمیں بتایا تھا کہ رکی اس کی بہن سے کبھی نہیں ملا لیکن رکی کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمی کی بہن کو جانتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں.... یہ بات کچھ عجیب سی ہے۔" مائیک نے تسلیم کیا "لیکن فی الحال اس سلسلے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔"

"میرا خیال مجھے بہن کے بارے میں تحقیقات کرنی چاہیے۔" میں نے کہا اور اسے خدا حافظ کہہ کر آفس واپس آ گیا۔

ابھی میں آفس پہنچا ہی تھا کہ مائیک کا فون آ گیا۔ وہ اپنے موبائل فون کے ذریعے بات کر رہا تھا "میں نے کچھ دیر پہلے بھی تمہیں فون کیا تھا۔ ایک عورت ایمی کے مکان میں گئی ہے۔ شاید وہ ایمی کی بہن کیٹ ہو۔ میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ وہ چابی سے تالا کھول کر اندر گئی ہے یا اس نے تالا کسی اور طریقے سے کھولا تھا۔" اس نے بتایا۔

"کیا وہ اب بھی اندر ہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں.... لیکن جب وہ اندر جا رہی تھی تو میں نے دُور سے بظاہر کسی اور چیز کی تصویر اتارتے ہوئے اس کی تصویر اتار لی ہے۔ میں تم سے بات کرنے سے پہلے اس پر ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔"

"تم نے اچھا ہی کیا۔" میں نے کہا "ہمیں اس پر ہاتھ ڈالنے کی ضرورت بھی نہیں.... ہماری خدمات ایمی نے صرف اس لیے حاصل کی ہیں کہ اسے معلوم ہو جائے اس کی عدم موجودگی میں کون اس کے گھر میں گھس رہا ہے۔ تم تصویر ڈیولپ اور انلارج کرلو۔ وہ ہم کل اپنی کلائنٹ کو دکھا دیں گے۔"

○☆○

دوسرے روز مائیک نے صبح نو بجے ایمی کو فون کیا اور دس بجے ہم اس سے ملنے جا پہنچے۔ کال بیل بجانے کے بعد جب ہم دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے تھے' مائیک جھک کر تالے کا معائنہ کرتے ہوئے بولا "اس پر کچھ مخصوص قسم کی خراشیں پڑی ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر وہ آٹو میٹک آلہ استعمال کیا گیا ہے جس سے زیادہ تر تالے کھل جاتے ہیں۔"

اس قسم کے آلات کے بارے میں مائیک کی معلومات مجھ سے زیادہ تھیں۔ چند لمحے بعد ہماری کلائنٹ نے دروازہ کھولا اور ہم اس کی رہنمائی میں اندر جا پہنچے۔

"میرے گھر میں گھسنے والی عورت کی جو تصویر تم نے اتاری ہے وہ مجھے دکھاؤ۔" ایمی بلا تمہید بولی۔

مائیک نے لفافے سے تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ زوم لینس کے ذریعے تصویر بہت صاف آئی تھی۔ عورت تالا کھول رہی تھی۔ وہ عمر میں ایمی سے ذرا بڑی اور قدرے بھاری جسم کی تھی لیکن تصویر میں چہرہ جس حد تک بھی نظر آ رہا تھا اس میں بہرحال ایمی کی مشابہت موجود تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں اوسط درجے کی الیکٹرک اسکریو ڈرائیور سے مشابہ کوئی چیز نظر آ رہی تھی۔

تصویر دیکھ کر ایمی ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی پھر سرسراتی آواز میں بولی "یہ تو میری بہن کیٹ ہے۔"

"اس نے چابی سے آپ کے گھر کا تالا نہیں کھولا...." مائیک بولا "اس کے ہاتھ میں جو چیز نظر آ رہی ہے' یہ تالے کھولنے کا آٹومیٹک آلہ ہے۔"

"میرے خدا....! اس طرح بات کرنے سے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میری بہن پیشہ ور چور ہے۔"

"اس قسم کی چیزیں یا تو چور استعمال کرتے ہیں یا پھر تالے مرمت کرنے والے...." مائیک بولا پھر اس نے معصومیت سے پوچھا "کیا آپ کی بہن تالے وغیرہ ٹھیک کرنے کا کام کرتی ہیں؟"

"نہیں.... لیکن وہ بہرحال چور بھی نہیں ہے...." ایمی

دھیمے لہجے میں بولی "اور پھر اسے میرے آئیڈیاز چرانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"وہ دیکھ رہی ہوگی کہ آپ ناول لکھ کر اچھا خاصا کما رہی ہیں۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ وہ بھی اس طرح کچھ رقم کما سکتی ہے۔"

"نہیں۔۔۔" ایمی نے پُرزور انداز میں نفی میں سر ہلایا "مجھے اس کا امکان نظر نہیں آتا۔ ویسے بھی اگر اسے رقم کی ضرورت ہو تو وہ براہ راست مجھ سے مانگ سکتی ہے۔ لکھنے لکھانے کے کام میں اس نے کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اکاؤنٹنٹ ہے۔"

"شادی شدہ ہے؟" مائیک نے پوچھا۔

"اس نے طلاق لے لی تھی۔ وہ ایک ایسے شخص سے شادی کر بیٹھی تھی جس نے اس کی زندگی کافی خراب کی۔۔۔ لیکن اب بہرحال وہ کافی حد تک ٹھیک طریقے سے زندگی گزار رہی ہے۔"

"اس بات کا پتا تو اس تصویر سے بھی چل رہا ہے۔۔۔" میں طنزیہ انداز میں کہے بغیر نہ رہ سکا "وہ اس آلے کو خاصی پیشہ ورانہ مہارت سے استعمال کرتی دکھائی دے رہی ہے۔"

"اس کے پاس اپنی اس حرکت کا کوئی نہ کوئی جواز ہوگا۔ میں اس سے بات کرتی ہوں۔ کیا تم دونوں میں سے کوئی میرے ساتھ چل سکتا ہے؟ وہ گھر ہی بیٹھ کر کمپیوٹر کے ذریعے اکاؤنٹس کا کام کرتی ہے۔ امید ہے گھر پر ہی مل جائے گی۔۔۔ لیکن وہ کچھ اچھے علاقے میں نہیں رہتی۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے مائیک کے کچھ بولنے سے پہلے کہا۔

میں اور ایمی جب کار میں اس علاقے تک پہنچے تو میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا "کیٹ ایسے علاقے میں کیوں پہنچ گئی؟"

"اصل میں وہ نشے کی عادی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے اس کی ملازمت بھی چھوٹ گئی اور مالی حالات بھی کافی خراب ہوگئے لیکن اب وہ سنبھل چکی ہے۔ علاج بھی کرا چکی ہے۔۔۔ اور حال ہی میں اسے ایک قسم کی ملازمت بھی مل گئی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے حالات بہتر ہو جائیں گے لیکن ابھی اس نے نشہ مکمل طور پر نہیں چھوڑا۔ اس لیے اس کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔ بہرحال میں ممکن حد تک اس کا خیال رکھتی ہوں۔ میرے پاس اس کے اپارٹمنٹ کی چابی بھی ہے۔"

کیٹ کا اپارٹمنٹ ایک نسبتاً ذرا بہتر عمارت کے گراؤنڈ فلور پر تھا۔ دو مرتبہ کال بیل بجانے کے باوجود کوئی جواب نہ ملا تو میں نے کہا "شاید وہ گھر میں نہ ہو۔"

"اس کی گاڑی تو پارکنگ ایریا میں کھڑی ہے۔" ایمی بولی۔

جب تیسری مرتبہ بیل بجانے پر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا تو ایمی کو آخرکار چابی ہی استعمال کرنا پڑی۔ ہم اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے اور ایمی بلند آواز میں بولی "کیٹ کہاں ہو؟ میں آئی ہوں۔۔۔"

اب بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا۔ اپارٹمنٹ میں سکوت پھیلا ہوا تھا۔ آخر جب ایمی نے بیڈ روم کا دروازہ کھولا تو اس کے منہ سے خوفزدہ سے انداز میں نکلا "کیٹ۔۔۔!" اس کی گویا اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔

میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر دیکھا، کمرے میں ایک عورت بیڈ سے آدھی نیچے لٹکی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے بازو پر انجکشن کے کئی تازہ نشانات ابھرے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

"ہنگامی نمبر پر فون کرو۔۔۔" میں نے فوراً ایمی کو ہدایت کی "یہ مجھے نشے کے اوورڈوز کا معاملہ لگتا ہے۔۔۔"

○☆○

ایمبولینس کے عملے کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ کیٹ مر چکی تھی لیکن انہوں نے منہ سے یہ بات نہیں کی اور اس کی لاش کو ایمبولینس میں ڈال کر تیزی سے اسپتال روانہ ہوگئے جب کہ پولیس والے اپارٹمنٹ کی تلاشی لینے لگے لیکن انہیں وہاں کسی قسم کی منشیات، سرنج، یا اس قسم کی کوئی اور چیز نہیں ملی۔ دس منٹ بعد اسپتال سے فون پر اطلاع آگئی کہ کیٹ کی موت ہیروئن کے اوورڈوز سے واقع ہوئی تھی۔

"کیا آپ کی بہن نشے کی لعنت میں مبتلا تھی مس ایمی جورڈن؟" گلین وڈ نامی سراغرساں نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" ایمی نے تسلیم کیا "دو مرتبہ اس کا علاج بھی ہوا تھا۔۔۔ اب وہ بہت بہتر تھی۔"

ہمیں تفصیلی بیان لکھوانے کے لیے سراغرساں گلین وڈ کے ساتھ پولیس اسٹیشن جانا پڑا۔ وہاں ایمی نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ اس کی بہن کو اس کی لاعلمی میں چوروں کی طرح اس کے گھر میں داخل ہوتے دیکھا گیا تھا۔ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں نے ایمی کے ساتھ نظر آنے کی وجہ یہ بتائی کہ میں جرم و سزا پر مبنی اس کے ناول کے پلاٹ کے سلسلے میں اس کی مدد کر رہا تھا۔ ایک طرح سے یہ بات درست بھی تھی۔

اس دوران میں ایمی بہن کی موت کے صدمے سے

سنبھل چکی تھی۔ اس وقت تک کیٹ کی موت کے بارے میں ابتدائی طبی رپورٹ بھی آگئی تھی جس میں تصدیق کردی گئی تھی کہ کیٹ کی موت ہیروئن کے اوورڈوز سے ہوئی تھی۔

تب گویا ایمی کو کچھ یاد آیا اور وہ الجھن آمیز افسردگی سے بولی "لیکن میری معلومات کے مطابق تو کیٹ کوکین کا نشہ کرتی تھی۔ ہیروئن تو اس نے کبھی استعمال نہیں کی۔"

گلین وڈ نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن جب ہم پولیس اسٹیشن سے باہر آئے تو میں اپنا خیال ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکا "میرے خیال میں تمہاری بہن نے خود ہیروئن استعمال نہیں کی تھی۔ کسی نے اسے قتل کرنے کے لیے ہیروئن کا اوورڈوز دیا تھا۔"

"یہ تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" ایمی بولی۔

"کیونکہ اس کے گھر سے اس سلسلے میں استعمال ہونے والی کوئی چیز نہیں ملی۔" میں نے جواب دیا "جس شخصیت نے اسے ہیروئن کا اوورڈوز دیا' شاید اسی نے اسے چوروں کی طرح تمہارے گھر میں داخل ہونے پر مجبور کیا ہو کیونکہ پولیس کو اس کے اپارٹمنٹ میں تالا کھولنے والا آلہ بھی نہیں ملا۔ وہ آلہ بھی اسے شاید کسی اور نے ہی استعمال کرنا سکھایا ہو۔"

"لیکن کیوں؟" ایمی نے جاننا چاہا۔

"تم نے بتایا تھا کہ تم اپنے ناولوں کے پلاٹ کے لیے بہت زیادہ تحقیقی کام کرتی ہو اور حقیقی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہو۔ میرے خیال میں جس شخص یا اشخاص نے کیٹ کو قتل کردیا ہے' وہ محض کوئی ناول لکھنے کے لیے تمہارا پلاٹ چرانا نہیں چاہتے تھے۔ میرے خیال میں وہ اس پلاٹ پر عمل کرکے سچ مچ ویسی واردات کرنا چاہتے ہیں جس پر تم ناول لکھ رہی ہو۔"

ایمی کی آنکھیں پھیل گئیں پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی "لیکن واردات کرنے کے لیے تو وہ میرا پہلے سے چھپا ہوا کوئی ناول بھی استعمال کرسکتے ہیں۔"

"ناول چھپ جانے کے بعد ان جگہوں پر حفاظتی انتظامات زیادہ سخت کردیے گئے ہوں گے جن کا تم نے اپنے ناولوں میں ذکر کیا ہوگا لیکن نیا ناول چونکہ ابھی منظر عام پر نہیں آیا اس لیے اس میں جس لوکیشن پر فرضی واردات دکھائی گئی ہوگی وہاں اصلی واردات کرنا آسان ہوگا۔" میں نے مدلل انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرا آئندہ ناول سارانوگا کے مقام پر گھوڑوں کی ریس کے سیزن کے دوران میں واردات پر مبنی ہوگا۔ یہ بات کوئی راز نہیں ہے۔"

"تم ریس ٹریک میں ڈکیتی دکھاؤ گی؟" میں نے دریافت کیا۔

"نہیں... بات اس سے ذرا مختلف ہے۔" ایمی مبہم لہجے میں بولی۔

"ہم تمہارے گھر واپس چلتے ہیں۔ میں تمہارے کمپیوٹر پر وہ نوٹس دیکھنا چاہتا ہوں جو تم نے ناول کے بارے میں تیار کیے ہیں تاکہ پتا چلے کیٹ کون سا مواد چرا کرلے گئی تھی۔"

○☆○

ہم جب ایمی کے مکان کے ڈرائیو وے میں داخل ہوئے تو وہاں ایک نیلی کار پہلے سے کھڑی تھی اور ایک شخص کال بیل کا بٹن دبا رہا تھا۔ میں سمجھا کہ وہ سادہ لباس والا کوئی اور سراغرساں ہوگا جو کیٹ کی موت کے سلسلے میں تحقیقات کررہا ہوگا لیکن ایمی کراہنے کے سے انداز میں بولی "اوہ... میرے خدا... یہ تو کار موڈی ہے... کیٹ کا سابق شوہر... مجھے اندیشہ تھا کہ کیٹ کی موت کی خبر ملتے ہی یہ ضرور آن دھمکے گا۔"

ہمارے پہنچنے پر اس نے پلٹ کر ہماری طرف دیکھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس کا سوٹ ڈھیلا ڈھالا' شکن آلود اور موسم کے اعتبار سے کچھ ناموزوں تھا۔

ایمی پر نظر پڑتے ہی وہ بولا "خدا کا شکر ہے تم آگئیں ایمی! تمہیں کیٹ کے بارے میں پتا چلا؟ ریڈیو اور ٹی وی پر اس کے بارے میں خبر آئی ہے۔"

ایمی ٹھنڈی سانس لے کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "ہم ابھی پولیس اسٹیشن سے ہی آرہے ہیں..." پھر اس نے میرا تعارف کرایا۔ "یہ پرائیویٹ سراغرساں ڈارلن ہیں۔"

"پرائیویٹ سراغرساں...؟" کار موڈی کے ذہن میں یقیناً یہی خیال ابھرا کہ ایمی نے میری خدمات اپنی بہن کی موت کی تفتیش کے سلسلے میں حاصل کی ہیں۔ وہ ذرا الجھن سے بولا "لیکن کیٹ کی موت تو ہیروئن کے اوورڈوز سے واقع ہوئی ہے نا؟"

"ہاں... لیکن یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس کے پاس ہیروئن کیسے آئی تھی۔" ایمی نے جواب دیا۔ وہ یقیناً اسے اصل بات سے آگاہ نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میری خدمات کس سلسلے میں حاصل کی گئی تھیں۔

"کیا جنازے کے انتظامات تم کررہی ہو؟" کار موڈی

نے پوچھا۔
"یقیناً... وہ میری بہن تھی۔ میرے سوا اس کا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔"
"اگر میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ میں اب بھی اس سے قریبی تعلق محسوس کرتا تھا... بلکہ ہم تو دوبارہ یکجا ہونے کے بارے میں بھی سوچ رہے تھے۔"
"اچھا...؟ یہ بات تو مجھے معلوم نہیں تھی۔" ایمی عدم دلچسپی سے بولی۔
اندر پہنچ کر ایمی اپنے سابق بہنوئی کو کچھ پلانے اور جنازے کے بارے میں بات چیت کرنے کے لیے کچن میں لے گئی جب کہ میں نے کمپیوٹر سے اس کے تازہ ترین ناول کے بارے میں نوٹس کے پرنٹ نکال لئے۔ ان نوٹس میں مندرجہ ذیل معلومات موجود تھیں۔
"ریس کے سیزن میں سارا ٹوگا کے ریس ٹریک میں منگل کے سوا ہفتے کے تمام دنوں میں ریس ہوتی ہے۔ ریس ٹریک یونین ایونیو پر واقع ہے۔ ریس کے تمام دنوں میں ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ریسنگ ایسوسی ایشن کی بکتر بند گاڑی قریبی چوراہے پر ٹریفک کو روک دیتی ہے اور دوسری بکتر بند گاڑی ٹرسٹ بینک سے کیش لے کر آتی ہے جس کے پیچھے پولیس کی دو گاڑیاں ہوتی ہیں۔ یہ کیش ریس ٹریک کے لیے آتا ہے اور دن بھر کے لین دین میں کام آتا ہے..."
نوٹس میں ان گاڑیوں کا مکمل روٹ اور دیگر بہت سی معلومات درج تھیں تاہم ابھی ایمی نے یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ ڈکیتی کو کیونکر کامیاب ہوتے دکھائے گی۔
جب وہ کار موڈی کو رخصت کر چکی تو میں نے اس سے پوچھا "تم نے بتایا تھا کہ جب تم سارا ٹوگا سے آئیں تو تمہاری بہن تم سے ملنے آئی تھی۔ کیا تم نے اسے ناول کے پلاٹ کے بارے میں بتایا تھا؟"
ایمی نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی "میں اپنے ناولوں کے پلاٹ کے بارے میں اپنی بہن سے بھی بات نہیں کرتی۔ اسے بس یہ معلوم تھا کہ اس کے لیے میں نے سارا ٹوگا کا مقام منتخب کیا ہے۔ تم نے کمپیوٹر میں موجود مواد تو پڑھ لیا ہوگا۔ جب میں نے اپنے گھر کا تالا کھولے جانے کے بارے میں سنا تھا تو آخری صفحہ کمپیوٹر سے غائب کر دیا تھا۔ تاہم اس کا پرنٹ میرے پاس موجود ہے۔"
"غالباً اس صفحے پر ہی بتایا گیا ہوگا کہ مجرم کیش لے جانے والی بکتر بند گاڑی کو کس طرح لوٹیں گے اور کس طرح فرار ہوں گے اور میرے خیال میں تم نے گاڑی کو ریس ٹریک کی طرف آتے وقت لٹتے دکھایا ہوگا لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ اگر مجرم گاڑی کو شام کے وقت ریس ٹریک سے واپس آتے وقت لوٹیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا؟ اس وقت گاڑی میں زیادہ کیش ہوگا۔"
اس کے جواب میں ایمی نے پُراسرار انداز میں صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ وہ مجھے بھی بتانا نہیں چاہتی تھی کہ اس کے ذہن میں کیا تھا۔

○☆○

جمعرات کو طے پایا کہ مائیک جمعے کی شام تک ہماری کلائنٹ ایمی کے ساتھ رہے گا جو اس دوران میں جنازے کے انتظامات کرے گی اور میں سارا ٹوگا کا ایک چکر لگا کر آؤں گا جو ہمارے شہر نیویارک سے تین گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا۔
"شاید وہاں کچھ معلومات حاصل ہو سکیں..." میں نے کہا "اس کے علاوہ ریسنگ سیزن کے صرف دو ہفتے باقی رہ گئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے اگر ایمی کے ناول کے پلاٹ کے مطابق وہاں سچ مچ کوئی ڈکیتی ہونی ہے تو وہ اب کسی بھی دن ہو سکتی ہے۔ اگر ہم ڈاکوؤں کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو سمجھ لو کہ کیٹ کے قاتل بھی ہمارے ہاتھ آجائیں گے۔"
"ہماری خدمات کیٹ کے قاتل کو تلاش کرنے کے لیے حاصل نہیں کی گئی تھیں..." مائیک نے نکتہ اٹھایا "ہمیں تو صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ ایمی کے گھر میں داخل کون ہوتا تھا۔ وہ ہم نے معلوم کر لیا۔"
"کیٹ کو اس کے گھر میں داخل ہونے کے لیے کسی اور نے آمادہ کیا ہوگا۔ اسی نے اسے تالا کھولنے کے آٹومیٹک آلے کا استعمال سکھایا ہوگا اور غالباً وہی اسے منشیات مہیا کر رہا ہوگا۔ اگر ہم اسے پکڑ لیتے ہیں تو پورا کیس حل ہو جائے گا اور ہمیں بہرحال اب مکمل حقائق ہی معلوم کرنے چاہئیں۔ پیشہ ورانہ دلچسپی بھی آخر کوئی چیز ہے۔" میں نے کہا۔
آخر کار مائیک کو قائل ہونا پڑا۔
میں جب سارا ٹوگا پہنچا تو کیش کی بکتر بند گاڑی کی آمد کا منظر دیکھنے کا تو وقت نہیں رہا تھا۔ میں نے پرانی طرز کے ایک ہوٹل میں کمرا لیا اور ریس ٹریک دیکھنے نکل کھڑا ہوا۔ ریس کے سیزن کی وجہ سے اس چھوٹے سے شہر میں رش تھا اور ٹریک پر بھی خوب ہجوم تھا۔ درختوں پر ٹی وی سیٹ لگے ہوئے تھے جن پر شائقین ریس کا منظر دیکھ سکتے تھے۔
واپسی پر میں رائٹرز کالونی کے اس پارک کی طرف مڑ گیا

جو پبلک کے لیے کھلا تھا۔ پارک طویل و عریض اور خوبصورت تھا۔ بلندی پر وہ پرانی حویلی نظر آرہی تھی جو ایک طرح سے رائٹرز کالونی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ راستے میں ایک جگہ بورڈ نصب تھا جس پر لکھا تھا کہ اس سے آگے عام افراد کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ تمام علاقہ خوبصورت درختوں، فواروں، سبزے اور مجسموں وغیرہ سے آراستہ تھا۔ بورڈ کے قریب سے رائٹرز کالونی کے ایک آدھ کاٹیج کی جھلک بھی نظر آئی۔ وہاں سے واپسی پر میں نے اس روٹ کا بھی جائزہ لیا جس سے کیش کی بکتر بند گاڑی آتی تھی۔ تمام صورت حال اور علاقے کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد میں مطمئن ہو کر ہوٹل واپس آگیا۔

اب میری سمجھ میں یہ بھی آگیا تھا کہ ایمی نے ڈکیتی اس وقت کیوں دکھائی تھی جب کیش کی گاڑی بینک سے آرہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گاڑی کو لوٹنے کے بعد مجرموں کا ٹریک کی طرف فرار ہونا آسان تھا جب کہ اگر وہ گاڑی کو ٹریک سے واپسی پر لوٹتے تو انہیں بینک کی طرف فرار ہونا پڑتا جو زیادہ خطرناک تھا۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ ڈکیتی آئندہ روز ہی ہونے والی تھی۔

دوسرے روز میں گاڑی گزرنے کے راستے پر سڑک کے کنارے ایک بینچ پر بیٹھا بظاہر موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے میرے سامنے پولیس کی ایک گاڑی آئی۔ اس نے ٹریفک روکا پھر پولیس کی دو گاڑیوں کی حفاظت میں کیش کی گاڑی گزری۔ لوگوں کے لیے یہ ایک مانوس سا منظر تھا اس لیے کسی نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ میں بھی اٹھ کر ایک بار میں چلا گیا۔

ایک بجے کے قریب میں گاڑی میں بیٹھ کر ریس ٹریک پہنچا تو وہاں مجھے وہی ہلچل محسوس ہوئی جس کی توقع تھی۔ پتا چلا کہ ڈکیتی کی وجہ سے باقی ریسز ملتوی کر دی گئی تھیں۔

میں نے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ریڈیو پر مقامی اسٹیشن سے ڈکیتی کی تفصیلات سنیں۔ پتا چلا کہ دو پولیس آفیسرز جب کیش کی گاڑی کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر پہنچنے کے لیے بینک کی طرف آرہے تھے تو ڈاکوؤں نے راستے میں اسلحے کے زور پر انہیں قابو میں کر لیا۔ ان کے منہ پر پٹی باندھ دی اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک ویران عقبی گلی میں چھوڑ دیا جب کہ ان کی وردیاں اتار لی گئیں۔

ان وردیوں میں پولیس کے اسلحے کے ساتھ ڈاکو بکتر بند گاڑی کے پیچھے دوسری گاڑی میں بینک سے روانہ ہوئے۔ راستے میں انہوں نے گاڑی کے فون پر کیش کی گاڑی میں موجود آفیسرز کو مطلع کیا کہ انہیں اوپر سے ہدایت ملی ہے کہ گاڑیوں کا روٹ بدل دیا جائے۔ وہ گاڑی کو ٹریک کے پہلو میں ایک ایسی ویران جگہ پر لے گئے جہاں سے رائٹرز کالونی اور پبلک پارک وغیرہ بھی قریب پڑتے تھے۔

وہاں انہوں نے دوسری پولیس کار میں موجود پولیس آفیسرز کو یرغمال بنالیا اور فون پر بکتر بند گاڑی کے عملے کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے بکتر بند گاڑی کا دروازہ اور اندر کا والٹ وغیرہ نہ کھولا تو وہ پولیس آفیسرز کو ہلاک کر دیں گے۔ بکتر بند گاڑی والوں کو ان کا حکم ماننا پڑا۔ گاڑی کھلنے پر دونوں ڈاکو کیش لے کر فرار ہو گئے اور تمام حفاظتی انتظامات دھرے کے دھرے رہ گئے۔ بکتر بند گاڑی کے عملے اور پولیس آفیسرز کو ڈاکو ہتھکڑیوں کے ذریعے گاڑی کے اندر ہی باندھ گئے اور کرنسی کے چار بیگ لے کر پیدل ہی جنگل میں غائب ہو گئے۔ پولیس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید جنگل کے اطراف میں ڈاکوؤں کے فرار کے لیے کوئی گاڑی ان کی منتظر رہی ہو۔ بہرحال علاقے کی تلاشی لی جا رہی تھی۔

میں گاڑی میں اس مقام پر پہنچا جہاں رائٹرز کالونی میں جانے والے اپنی گاڑیاں پارک کرتے تھے۔ وہاں چند گاڑیاں اور ایک پولیس کار موجود تھی۔ دو پولیس آفیسر پبلک پارک میں موجود لوگوں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ رسمی سے سوالات کرنے میرے پاس بھی آئے پھر میں نے انہیں حویلی کی طرف جاتے دیکھا۔ پارک میں سیر کرنے والے دوبارہ اپنے مشاغل میں منہمک ہو گئے۔ ایک نوجوان خوبصورت اور رنگا رنگ پودوں وغیرہ کی تصویریں کھینچ رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو خاتونِ خانہ نے پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی۔ "ہم آپ کے لیے بہت بری خبر لائے ہیں۔ آپ کے شوہر کے اوپر سے روڈ رولر گزر گیا ہے۔ ہم ان کی لاش لے کر آئے ہیں۔"

"بہت شکریہ۔ دروازے کے نیچے سے اندر کھسکا دیجیے۔" خاتون نے ہدایت کی۔

○☆○

میں وہاں سے واپس روانہ ہوگیا۔ کافی دیر بعد میں پیدل واپس آیا۔ میں نے دیکھا بیشتر لوگ جا چکے تھے لیکن فوٹو گرافی کرنے والا شخص اب بھی موجود تھا اور بدستور تصویریں کھینچتا ادھر ادھر پھر رہا تھا۔ اب میرے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ دکھاوے کے لیے یہ شغل اختیار کیے ہوئے تھا۔ میں اس کی نظر میں آئے بغیر ایک باڑھ کی اوٹ سے اس پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ آخر اس نے تصویریں کھینچنے کا سلسلہ ترک کرکے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور موبائل فون جیب سے نکال کر کسی سے بات کرنے کے بعد فون دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔

پانچ منٹ بعد دو افراد نمودار ہوئے۔ وہ چار خاکی لفافے اٹھائے ہوئے تھے جو بھرے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ میں نے جلدی سے اپنا موبائل فون نکالا اور ہنگامی نمبر ملا کر مختصر سی بات کی۔ اس دوران میں کیمرے والے شخص نے نووارد دوں سے دو خاکی لفافے لے لیے۔ لفافے کافی بڑے بڑے تھے۔

میں نے موبائل فون جیب میں رکھنے کے بعد پشت پر بیلٹ میں اڑسا ہوا اپنا ریوالور نکالا اور باڑھ کے عقب سے نکل آیا۔ فوٹو گرافی کرنے والا شخص کافی وجیہہ تھا اور اس کی رنگت سنولائی ہوئی تھی۔

"ہیلو رکی بیلے...!" میں نے اسے پکارا۔

وہ بری طرح چونکا۔ خاکی لفافے اس کے ہاتھوں سے گر گئے اور ان میں سے نوٹوں کی گڈیاں نکل کر بکھرتی دکھائی دیں۔ میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اس نے پھرتی سے جیکٹ کی اندرونی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مجھے معلوم تھا اس کی جیب سے کیا باہر آئے گا۔ مجبوراً مجھے اس کی ٹانگ پر فائر کرنا پڑا۔ وہ گھاس پر لڑھکتا چلا گیا۔ دوسرے دونوں آدمی خوفزدہ انداز میں اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گئے۔

○☆○

دوسرے روز ایمی اور مائیک میرے سامنے آفس میں موجود تھے۔

"کیا مجھے ساری بات کی وضاحت کرنی پڑے گی؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً..." ایمی نے اصرار کیا "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ جس شخص نے کتابوں کی دکان میں ملاقات کے بعد مجھ سے دوستی استوار کی' اسی نے میری بہن کو قتل کیا اور اسی نے ریس ٹریک کی کیش کی گاڑی لوٹی... پھر جا کر رائٹرز کالونی میں میرے کاٹیج میں چھپ گیا؟ حتیٰ کہ تم نے اس وقت اس کی ٹانگ میں گولی ماری جب وہ لوٹ کی رقم کے ساتھ فرار ہونے لگا تھا؟"

"ہاں..." میں نے کہا "وہ تمہاری بہن کو پہلے سے جانتا تھا اور اس نے باقاعدہ منصوبے کے تحت تم سے تعارف حاصل کیا تھا۔ وہ تمہارے ناولوں کے انداز سے واقف تھا اور اس نے سوچا کہ اپنے دو دوستوں کو ساتھ ملا کر وہ تمہارے آئندہ ناول کے پلاٹ کو حقیقت کی شکل دے سکتا تھا۔ اس نے رائٹرز کالونی میں تمہارے قیام کے دوران میں بھی تم سے مل کر کاٹیج' کالونی اور گردونواح کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ یہ تمام چیزیں اس کے منصوبے پر عمل درآمد کے سلسلے میں بہت کارآمد تھیں۔ تم سے اور تمہاری بہن سے دوستی کی وجہ سے وہ تمہارے تمام پروگرام اور معمولات سے بھی آگاہ رہتا تھا۔ اس نے کیٹ کو تمہارے کمپیوٹر سے مواد چرانے پر مجبور کیا۔ مائیک نے ایک بار میں رکی سے ملاقات کی تھی اور میں اس بات پر چونکا کہ اس نے مائیک سے تمہارا ذکر کرتے وقت کہا کہ تمہاری ایک خوش شکل بہن بھی ہے جب کہ تمہارا کہنا تھا کہ تم نے اسے کبھی اپنی بہن سے نہیں ملوایا۔ یہیں سے میں اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہوا۔ کیٹ سے کام نکالنے کے بعد اس نے ہمیشہ کے لیے اس کی زبان بند رکھنے کی غرض سے اسے قتل کر دیا۔ کل چونکہ تم کیٹ کے جنازے کی وجہ سے یقینی طور پر یہیں رہتیں اور کاٹیج میں تمہارے واپس جانے کا ایک فیصد بھی امکان نہیں تھا اس لیے میں نے اندازہ لگایا کہ ڈکیتی کے لیے رکی یہی دن منتخب کرے گا۔"

ایمی متاسفانہ سے انداز میں گہری سانس لے کر بولی "وہ سؤر کا بچہ اتنا سفاک اور سنگدل تھا... اور مجھے دیکھو... میں تو اسے تھوڑا تھوڑا پسند بھی کرنے لگی تھی۔"

مائیک جو اب تک خاموش تھا' میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "رکی رائٹرز کالونی میں ایمی کے کاٹیج میں داخل کیسے ہوا؟"

"تم بھول گئے ہو کہ اس کے پاس تالے کھولنے والا آٹومیٹک آلہ موجود تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

ایمی نے ٹھنڈی سانس لی اور ہمارے لیے مزید رقم کا چیک لکھنے لگی۔ ادھر ریس ٹریک والوں نے ڈاکوؤں کو پکڑوانے اور رقم بازیاب کرانے پر پولیس کے توسط سے ہمیں معقول رقم انعام کے طور پر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لگتا یہی تھا کہ کم از کم کچھ عرصے کے لیے تو حالات کافی بہتر ہونے والے تھے!

○ ○

شام ڈھل رہی تھی جب ٹورنٹو کے نواحی علاقے میں ایک وین ایک اچھے اور کشادہ مکان کے سامنے آکر رکی۔ وین کے ایک طرف جلی حروف میں "کوزی ڈ-پوزل" لکھا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے بڑی عمر کا ایک اسمارٹ سا شخص بریف کیس اٹھائے اترا۔ گاڑی کے دوسری طرف جاکر اس نے دروازہ کھولا اور ایک عورت بھی اتر آئی تھی۔ اس کی عمر مرد سے چند سال کم معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بال سرخی مائل تھے اور وہ چہرے مہرے سے خاصی خوش مزاج معلوم ہوتی تھی۔

وہ دونوں چند لمحے تک مکان کا جائزہ لینے کے بعد دروازے کی طرف بڑھے۔ ان کے دستک دینے یا کال بیل بجانے سے پہلے ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی ایک میانہ قامت عورت تھی جس کی انگلیوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ اس کے سنہرے بالوں میں سفیدی جھلک رہی تھی۔

"مسٹر اینڈ مسز کوزی؟" اس نے تصدیق چاہی۔

"اکثر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم میاں بیوی مسٹر اینڈ مسز

خدمات

نجمہ مودی

مغرب میں معمر جوڑوں کی ایک دوسرے سے بے زاری کے واقعات عام ہیں۔ ایسے ہی دو میاں بیوی کا قصہ جو ایک دوسرے کو قتل کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے مگر اچانک ہی انھیں ایک نیا اور دلچسپ کام مل گیا جس نے انھیں ایک نئی زندگی دے دی۔

مغرب کی بوالعجبیوں کا دلچسپ نظارہ، ایک مسکراتی ہوئی تحریر



کوزی ہوں گے۔۔۔" مرد نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے کہا "لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ میرا نام ملن اور میری بیوی کا نام میورل ہے۔ "کوزی" تو اصل میں ہمارے کاروبار کا نام ہے۔ یہ لفظ ہمارے کاروبار کی نوعیت اور معنویت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یوں سمجھ لیں اسی ایک لفظ میں ہمارا کاروباری فلسفہ چھپا ہوا ہے۔"

پھر وہ ڈرائیو وے میں کھڑی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "اگر آپ کے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں تو ہم پھر کسی وقت آجائیں گے۔"

خاتون خانہ اپنے سگریٹ والے ہاتھ سے کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے پروائی سے بولی "یہ ہماری اپنی کار ہے۔ ہمارے ہاں کوئی مہمان وغیرہ نہیں آئے ہوئے ہیں۔ میرا شوہر لینڈر اس وقت کچن میں رنگ و روغن کر رہا ہے۔۔۔"

پھر وہ گھڑی دیکھتے ہوئے قدرے تحسین آمیز لہجے میں بولی "آپ لوگوں نے فون پر جو وقت دیا تھا۔۔۔ بالکل ٹھیک اسی وقت پر پہنچے ہیں۔"

"ہم وقت کی پابندی کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں۔" مرد نے مسکراتے ہوئے کہا "لیکن کاروبار اتنی تیزی سے پھیل رہا ہے کہ بعض اوقات تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کہیں سے آرہے ہیں یا کہیں جارہے ہیں۔۔۔"

خاتون خانہ مسز لینڈر کی رہنمائی میں دونوں میاں بیوی اندر پہنچے تو ملن نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں کہا "مکان تو آپ کا بہت خوب صورت ہے۔ بہت اچھی کلر اسکیم کے ساتھ پینٹ کیا گیا ہے۔"

مسز لینڈر نے سر ہلایا اور ہال سے گزرتے ہوئے نیچی آواز میں بولی "باغیچے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ وہاں ہمیں تخلیہ میسر ہوگا۔ پودوں کی آڑ میں بیٹھ کر ہم اطمینان سے بات کرسکیں گے۔"

راستے میں ایک میز پر رکھے ہوئے بڑے سے گلدان کو دیکھ کر میورل قدرے حیرت سے بولی "یہ تو راک وڈ گلدان معلوم ہوتا ہے جس کا شمار نوادرات میں ہوتا ہے۔"

"آپ نے ٹھیک پہچانا۔۔۔" مسز لینڈر بولی "مجھے نوادرات جمع کرنے کا شوق ہے۔ یہ راک وڈ گلدان ہی ہے۔"

ملن بولا "یہ کوزی ڈسپوزل والا کام شروع کرنے سے پہلے میری بیوی انٹیریئر ڈیکوریٹر تھی۔ اس نے کافی نوادرات دیکھے ہیں۔ اس لیے اسے ان کی پہچان ہے۔"

فرنچ ڈور سے گزر کر وہ باغیچے میں پہنچے۔ پھولوں سے لدے پودوں کی ایک باڑھ کے پیچھے چار لان چیئرز اور لوہے کی تپائی پڑی تھی۔ وہ تینوں لان چیئرز پر جا بیٹھے۔ اب کوئی انہیں آسانی سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ملن نے اپنے بریف کیس سے ایک آرڈر بک اور ایک خوب صورت کی چین نکالی جس کے ساتھ ننھا سا ایک فریم شدہ آئینہ بھی منسلک تھا۔

کی چین وہ اپنی میزبان خاتون کے سامنے ایش ٹرے کے قریب رکھتے ہوئے بولا "آپ نے ہماری کوزی ڈسپوزل سروس سے ہماری خدمات کا تخمینہ طلب کیا ہے۔ فی الحال صرف اسی بات پر ہماری طرف سے اس خوب صورت کی چین کا تحفہ قبول فرمائیں۔ آپ ہماری خدمات سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں' یہ بعد کی بات ہے۔"

مسز لینڈر نے کی چین اٹھالی اور آئینے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے ایک سلوگن سا درج تھا "کوزی ڈسپوزل' کو بلانے کا وقت آن پہنچا۔"

"اسی پر ہمارا فون نمبر بھی درج ہے۔" میورل نے بتایا "آپ ہمیں رات یا دن میں کسی بھی وقت بلا سکتی ہیں۔"

"میں ایک بات واضح کردوں۔۔۔" مسز لینڈر بولی "ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ میں آپ کی خدمات سے استفادہ کروں۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ میں کوئی قدم اٹھا ہی لوں۔ فی الحال تو میں نے بس ویسے ہی سوچا ہے کہ کیوں نہ آپ سے بات کرکے دیکھی جائے۔۔۔ تخمینہ وغیرہ لیا جائے۔۔۔ گو کہ اجنبیوں سے اپنے نجی معاملات کے بارے میں بات کرتے ہوئے مجھے اچھا محسوس نہیں ہوتا۔ بہرحال آپ لوگوں کے سامنے میں اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ جب سے میرے شوہر نے اپنا بزنس فروخت کیا ہے اور ریٹائرمنٹ کی زندگی گزارنی شروع کی ہے۔۔۔ تب سے ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ گزارا کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا۔۔۔"

"تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔" ملن مربیانہ انداز میں بولا۔

میورل ایک نظر اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر بولی "تاہم کبھی کبھی تفصیل بیان کرنا بہتر بھی ہوتا ہے۔ ویسے۔۔۔ بر سبیلِ تذکرہ۔۔۔ جو بات آپ کر رہی ہیں' ان مرحلوں سے ہم بھی گزر چکے ہیں۔"

"بلکہ ہمارے موجودہ پیشے کا آغاز ہی درحقیقت اسی طرح ہوا تھا۔۔۔" ملن بولا "ریٹائرمنٹ کا بہت سے لوگ بے تابی سے انتظار کرتے ہیں لیکن درحقیقت ریٹائرمنٹ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ اپنے شریکِ

تک برداشت کرسکتا ہے؟"

"میں اس معاملے میں آپ سے متفق ہوں۔" ملن بولا "میں نے خود ریٹائرمنٹ کی زندگی کا صرف ایک سال گزارا تو میرے دل سے بیوی کی محبت ہوا ہوگئی۔ میں اس کا گلا گھونٹ کر اسے تہ خانے میں دفن کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔ حتیٰ کہ میں نے اس سامان کی فہرست بھی بنالی جو اس سلسلے میں مجھے درکار تھا۔ اس رات میں دل ہی دل میں اس منصوبے کو حتمی شکل دیتے ہوئے کھانے کی میز پر بیٹھا تو میورل نے اپنی زندگی کی خوب صورت ترین بات کی۔" ملن نے محبت سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔

میورل مسکراتے ہوئے بولی "میں نے اس وقت اصل میں بے اختیار اونچی آواز میں کہا تھا "ملن! سویٹ ڈش مت کھانا۔"

ملن بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا "میں نے اس وقت سویٹ ڈش کھانے کے لیے چمچ سنبھالا ہی تھا۔ چمچ میرے ہاتھ سے یوں گر گیا جیسے میں نے غلطی سے دہکتا ہوا کوئلہ اٹھالیا ہو۔ میورل نے فوراً ہی اعتراف کرلیا کہ وہ ہر وقت مجھے گھر میں دیکھ دیکھ کر اور میری باتیں سن کر اتنی بیزار ہوچکی تھی کہ اس نے مجھے زہر دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ زہر سویٹ ڈش میں ملا ہوا تھا۔ میں نے بھی اعتراف کرلیا کہ میں اس کے بارے میں کیا منصوبہ بنا رہا تھا۔"

ملن نے ایک طویل سانس لے کر بات جاری رکھی "اسی وقت اور اسی لمحے ہم نے فیصلہ کیا کہ اگر ہمیں اپنی گھریلو زندگی کو بچانا ہے تو ہمیں کوئی ایسا کام' کوئی ایسی مصروفیت تلاش کرنی ہوگی جس میں ہم گھر سے باہر سرگرم رہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم اپنا کوئی کام' کوئی کاروبار شروع کریں گے۔ میورل نے کہا کہ ہمیں کوئی ایسا کام کرنا چاہیے جو کوئی دوسرا نہ کر رہا ہو۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ایسا کیا کام کیا جائے پھر اچانک ہی یہ بات ہمارے ذہن میں آئی کہ ہم ان لوگوں کے کام آسکتے تھے جو ہمارے ہی جیسے حالات کے شکار تھے۔ یوں "کوزی ڈسپوزل" کا آئیڈیا کھٹ سے واضح ہوگیا۔"

میورل بولی "ملن کو ڈر تھا کہ اس کام کی زیادہ مانگ نہیں ہوگی لیکن میں نے کہا "تم خدمات فراہم کرنی تو شروع کرو' مانگ خود بخود پیدا ہوجائے گی۔"

"اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ وہ بھی صرف زبانی ایک سے دوسرے آدمی تک بات پہنچنے سے ہی کاروبار پھیلنا شروع ہوگیا۔" ملن بولا۔

"اصل میں آپ کا کام ہی ایسا ہے۔" مسز لینڈر مسکراتے ہوئے بولی "آپ تو درحقیقت دوسروں کے کام آتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں اپنی ہی مثال دوں گی۔ آج صبح جب میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے لینڈر کو قتل کرنا ہے تو مجھے یہ فکر قطعاً لاحق نہیں ہوئی کہ میں لاش کا کیا کروں گی اور اسے کس طرح ٹھکانے لگاؤں گی..... کیونکہ میں "کوزی ڈسپوزل" کے بارے میں سن چکی تھی۔"

"چلیے یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ نے ہمیں خدمت کے قابل سمجھا۔" ملن نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی آرڈر بک میں سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "یہ ہمارا ریٹ کارڈ ہے۔ سب سے اوپر ہماری عمومی سروس کا معاوضہ لکھا ہے۔ اس رقم میں ہم مسٹر لینڈر کی لاش ٹھکانے لگائیں گے اور اس کے بارے میں آپ کو کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔"

مسز لینڈر بغور کارڈ کو دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔ "معاوضہ تو کافی زیادہ ہے۔ آپ کی سروس کافی مہنگی معلوم ہوتی ہے۔"

"شاید آپ نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آج کل ذرا ڈھنگ سے تکفین اور تدفین پر کیا خرچ آرہا ہے۔" ملن بولا۔

مسز لینڈر گویا اس کی دلیل سے قائل ہو کر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولی "لاش کا کیا ہوتا ہے؟"

"اس کے بارے میں جو بھی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اس میں بہرحال لاش کے احترام کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔" میورل نے گویا اسے تسلی دی۔ ملن نے گویا بیوی کی نظر بچا کر اپنے ہاتھ مسز لینڈر کو دکھائے۔ اس کے ہاتھوں میں گٹے پڑے ہوئے تھے جو نشان دہی کر رہے تھے کہ وہ پُرمشقت کاموں کا عادی تھا پھر اس نے ہاتھوں سے بیلچے کے ذریعے زمین کی کھدائی کا اشارہ بھی کیا۔ مسز لینڈر گویا اس کا مطلب سمجھ گئی۔

اسی دوران میں میورل خاصے محتاط انداز میں مسز لینڈر سے مخاطب ہوئی "اس سارے معاملے کا جو سب سے خراب یا ناخوشگوار مرحلہ ہوتا ہے۔ کیا وہ آپ خود سرکریں گی؟"

"ہاں..... بشرطیکہ میں نے یہ کام کرنے کا بالکل حتمی فیصلہ کرلیا۔ اس قسم کی ذمے داریاں اجنبیوں پر نہیں چھوڑی جاسکتیں۔" مسز لینڈر نے جواب دیا۔

ملن اس کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا "دراصل میورل نے اس لیے اس بات کی تصدیق کرلی ہے کہ اگر آپ

کو یہ کام مشکل محسوس ہو تو ہم ایک آدمی سے آپ کا رابطہ کرا سکتے ہیں جو اس قسم کے کام مناسب معاوضے پر کرتا ہے اور "کوزی ڈسپوزل" کی خدمات سے فائدہ اٹھانے والوں کے ساتھ وہ خصوصی رعایت کرتا ہے۔ اس پیشکش کے سلسلے میں ہم آپ سے کوئی معاوضہ نہیں لیں گے۔ ہمیں اس شخص کی طرف سے کچھ طے شدہ کمیشن مل جاتا ہے۔"

"وہ ہمارے طریقۂ کار سے بھی واقف ہے۔۔۔" میورل بولی "اس لیے کام نہایت صاف ستھرے۔۔۔ باعزت اور امن پسندانہ انداز میں کرتا ہے۔ شرفا اور معززین کے تمام کام شریفانہ اور معززانہ انداز میں ہی ہونے چاہئیں۔ گھر میں قتل بھی ہو جائے تو کسی قسم کا شور شرابا یا خوف و دہشت کی فضا نہیں ہونی چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ گھر کے دروازے پر ایک کانسٹیبل آکر کھڑا ہو جائے۔ دو چار لوگ ماتمی لباس میں نظر آجائیں۔ قریبی چرچ میں خاموشی سے آخری رسوم انجام پا جائیں۔"

ملن نے مزید وضاحت کی "میورل کا مطلب اصل میں یہ ہے کہ ہمارا مذکورہ شخص اس طرح کام نہیں کرتا کہ لاش کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہوں یا وہ گولیوں سے چھلنی ہو۔۔۔ یا ایسا معلوم ہو رہا ہو کہ مقتول پر مجنونانہ انداز میں ہتھوڑے برسائے گئے تھے۔ وہ شخص ایسی سفاکی اور بربریت کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ صفائی، نفاست پسندی اور رحم دلی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کام کرتا ہے۔"

"اگر ہمارا گاہک اپنا کام اپنے ہاتھوں سے ہی کرنا چاہے تو ہم عام طور پر سیڑھیوں وغیرہ سے دھکا دینے کی سفارش کرتے ہیں۔ اگر اپ چرچ جاتی ہوں تو وہاں کے کسی مینارے وغیرہ سے بھی یہ کام کیا جا سکتا ہے۔ ایسی لاش بھی ہم قبول کر لیتے ہیں جس میں چھوٹے پستول کی اور کم طاقت کی گولی پیوست ہو۔۔۔ یا قریبی دیوار سے کوئی آرائشی خنجر اتار کر گھونپا گیا ہو۔ ویسے دس میں سے نو لاشیں ہمیں ایسی ملتی ہیں جنہیں زہر دیا گیا ہوتا ہے یا پھر سر پہ کوئی ٹھوس چیز ماری گئی ہوتی ہے۔ عورتیں زیادہ تر زہر دیتی ہیں اور مرد عموماً اپنے ہدف کو کسی ٹھوس چیز کی ضرب سے ہلاک کرتے ہیں۔ شاید یہاں بھی صنف کا فرق آڑے آجاتا ہے۔"

"میں کچن میں ذرا کم ہی جاتی ہوں۔" مسز لینڈر نے اعتراف کیا "میرے ذہن میں یہی تھا کہ کسی چیز سے ضرب لگا کر لینڈر کا کام تمام کروں گی۔"

"کیوں نہیں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ اس میں بھی کیا حرج ہے۔" میورل مشفقانہ سے انداز میں مسکرائی اور معاملے کے دوسرے پہلو کی طرف آتے ہوئے بولی "ہمارے گاہک کو ایک اور مرحلہ بھی سر کرنا ہوتا ہے۔ آپ نے یہ سوچا کہ اپنے شوہر کے غائب ہونے کا کیا جواز پیش کریں گی؟"

"میرے ذہن میں یہ تھا کہ میں لوگوں کو بتاؤں گی کہ وہ وینکوور میں اپنی بیمار بہن کے پاس گیا ہوا ہے اور اس کی تیمارداری کر رہا ہے۔ لینڈر اس قسم کا آدمی ہے کہ اگر وہ دو چار دن نظروں سے اوجھل رہے تو لوگ ویسے ہی اسے بھول جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ چند دن بعد کوئی اس کا ذکر بھی نہیں کرے گا۔"

"لیکن بہرحال اس میں خطرات ہیں۔۔۔ خدشات ہیں۔" میورل بولی۔

ملن نے اس کی تائید میں سر ہلایا اور ریٹ کارڈ پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے بولا "اس ضمن میں بھی کوزی ڈسپوزل کی طرف سے کچھ خصوصی خدمات فراہم کی جاتی ہیں۔ یہ ایک جگہ لکھا ہے نا، 'پارٹی ریٹ'۔۔۔ اس کے آگے کچھ رقم لکھی ہے۔۔۔"

اس سے آگے وضاحت کا کام میورل نے سنبھالا اور بولی "اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر آپ اس رقم کے عوض یہ خدمات بھی حاصل کرنا چاہیں تو پھر یوں ہوگا کہ میں کہیں آپ کے شوہر سے ٹکراؤں گی اور اسے پورا پورا موقع دوں گی کہ وہ مجھ سے دوستی استوار کر لے۔ ہم اکثر ایسی جگہوں پر گھومتے پھرتے اور کھاتے پیتے دیکھے جائیں گے جہاں آپ کے جاننے والے اور آپ کے حلقہ احباب کے لوگ بھی ہمیں دیکھ لیں۔ اس طرح گویا ڈرامے کے لیے اسٹیج تیار ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ بس اعلان کر دیجئے گا کہ آپ کا شوہر کسی اور عورت کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔۔۔"

پھر میورل اپنے شوہر کا بازو تھپتھپاتے ہوئے بولی "اور اگر معاملہ اس کے الٹ ہوتا ہے۔۔۔ یعنی ہمارا کلائنٹ مرد ہوتا ہے اور اسے اپنی بیوی کو ٹھکانے لگانا ہوتا ہے تو ملن اپنے بال رنگ کر۔۔۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں لگا کر اپنے اچھے اچھے سوٹ پہن کر عورت سے پینگیں بڑھاتا ہے اور ان کا حلقہ احباب یہ سب کچھ اچھی طرح دیکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد عورت غائب ہوتی ہے تو دو اور دو چار کی طرح بات سب کی سمجھ میں آجاتی ہے۔"

مسز لینڈر چند لمحے سوچ میں ڈوبے انداز میں کارڈ کو تکتی رہی پھر قدرے متفکرانہ لہجے میں بولی "یہ سب کچھ کافی مہنگا ہے۔" پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا اور وہ پُرامید سے لہجے میں بولی "مجھے بہرحال بیوہ ہونا ہے۔ تو کیا آپ ہونے والی بیواؤں

ہدایت کی "اس کے علاوہ ہمیں بلانے سے پہلے یہ یقین بھی کرلیجئے گا کہ مذکورہ شخص۔۔۔ یعنی آپ کا شوہر واقعی مرچکا ہے۔ یہ جو ہم نے کی چین تحفتاً آپ کی خدمت میں پیش کی ہے۔ اس کے ساتھ یہ جو ننھا سا آئینہ منسلک ہے۔ یہ اسی موقع پر کام آتا ہے۔ اسے آنجہانی کی ناک کے نیچے رکھ کر دیکھیے گا۔ اگر اس پر بھاپ کی سی دھندلاہٹ نمودار نہ ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ موصوف کی سانس واقعی رک چکی ہے۔ وہی کوزی ڈسپوزل والوں کو بلانے کا صحیح وقت ہے۔ اگر آئینے پر ذرا بھی دھندلاہٹ آگئی تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ ابھی سانس لے رہا ہے۔ اس صورت میں آپ کو اپنا کام صحیح طور پر کرنے کے لیے مزید ایک آدھ کوشش کرنا ہوگی اور ہاتھ سخت رکھنا ہوگا۔ کئی بار ہمارے ساتھ ایسا بھی ہوا ہے کہ ہم "بنڈل" اٹھا کر روانہ ہوگئے اور راستے میں ہمیں بنڈل میں سے کراہیں یا خرخراہٹ سنائی دینے لگی۔ ایسی صورتِ حال میں ہمیں بنڈل لے کر کلائنٹ کے پاس واپس آنا پڑا کہ وہ اپنے حصے کا کام ہمیں صحیح طور پر ختم کرکے دے۔"

"۔۔۔ تو یہ ہے ساری صورتِ حال۔۔۔!" میورل گہری سانس لے کر بولی "اب آپ اطمینان سے سوچ کر فیصلہ کرلیں۔" وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ ملن کی انگلیاں آرڈر بک پر رقصاں تھیں۔

مسز لینڈر نے سر جھکا کر چند لمحے سوچنے کے بعد سر اٹھایا اور ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی "میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ لوگوں نے میرے بلاوے پر یہاں آنے کی زحمت کی اور یہ چھوٹا سا تحفہ بھی دیا۔۔۔ لیکن میں بہت معذرت چاہوں گی۔ ایسا لگتا ہے کہ میں آپ کی خدمات سے فائدہ نہیں اٹھا سکوں گی۔۔۔ مسئلہ اخراجات کا نہیں ہے۔ اصل میں مجھے اندیشہ محسوس ہورہا ہے کہ میں اپنے حصے کا "کام" نہیں کرسکوں گی۔"

"ابھی ہم نے آپ کو اپنی کچھ دیگر سہولیات کے بارے میں نہیں بتایا جو ہم اپنے کلائنٹس کو فراہم کرتے ہیں۔" ملن حوصلہ بڑھانے والے انداز میں بولا "ہمارے پاس اپنا تیار کردہ بہت عمدہ قسم کا زہر ہے جو سویٹ ڈش میں نہایت اچھے طریقے سے حل ہوتا ہے۔ یہ وہی زہر ہے جو میورل نے مجھے دینے کی کوشش کی تھی لیکن ہم نے مزید تحقیق کے بعد اس کا فارمولا اور بھی بہتر بنایا ہے۔ اس کے علاوہ ضرب لگانے کے لیے ہم خاص طور پر اپنی تیار کردہ ایک ٹھوس چیز بھی فراہم کرتے ہیں جس کا استعمال نہایت آسان ہے اور جو ہمیشہ بے حد مؤثر ثابت ہوتی ہے۔۔۔"

اس نے بریف کیس کھول کر نائیلون کا ایک لمبا موزہ نکالا جس کے اگلے تقریباً آٹھ انچ حصے میں سیمنٹ بھرا ہوا تھا جس میں غالباً پانی ڈالا گیا تھا جس سے وہ ٹھوس ہوگیا تھا۔ اس حصے پر گرہ لگادی گئی تھی۔

ملن نے لمبے موزے کا باقی خالی حصہ اپنے ہاتھ کے گرد لپیٹ کر اس چیز کو مضبوطی سے گرفت میں لیتے ہوئے کہا "آپ اس طرح اسے پکڑ کر گھما کر کسی کے سر پر رسید کریں تو ایک ہی ضرب کسی بخش نتائج کی حامل ہوگی۔ اس مقصد کے لیے آپ کو اپنا وہ نادر قسم کا گلدان استعمال کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بعد میں آلۂ قتل کے طور پر فوراً پولیس کی نظر میں آسکتا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ تو اس چیز کا یہ مصرف ہے۔" مسز لینڈر کا لہجہ یک دم بدل سا گیا۔ وہ ایک ٹک سیمنٹ بھرے موزے کو تک رہی تھی پھر اس نے اپنی کرسی کا کشن اٹھایا اور اس کے نیچے سے بالکل ویسا ہی سیمنٹ بھرا ایک اور لمبا موزہ نکالا۔

"یہ مجھے مہینوں پہلے لینڈر کی الماری کی اس دراز میں سے ملا تھا جس میں وہ اپنی جرابیں رکھتا ہے۔ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔۔۔ لیکن بہرحال یہ مجھے کچھ مشکوک لگی تھی۔ میں نے اٹھا کر اسے چھپا دیا تھا اور بعد میں بھول گئی تھی۔ میں نے لینڈر سے اس کے بارے میں پوچھا بھی نہیں۔۔۔ یہ مجھے آج اس وقت یاد آیا جب میں نے فیصلہ کیا کہ میں لینڈر کے سر پر کسی ٹھوس چیز سے۔۔۔۔۔ ضرب لگا کر اس کا کام تمام کروں گی۔ اسی لیے میں نے اسے نکالا تھا۔۔۔"

"خدا کی پناہ۔۔۔!" ملن اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "کاروباری مصروفیات بڑھ جانے کی وجہ سے ہماری تو یادداشت بھی متاثر ہوتی جارہی ہے۔ میں تم سے کہہ رہا تھا کہ شاید اس گھر میں ہم پہلے بھی آچکے ہیں۔۔۔ مگر وہ دن کا وقت تھا۔۔۔ اور سردیوں کا موسم تھا۔ گیرج میں بیٹھ کر ہم نے ایک مرد سے بات چیت کی تھی۔ دن میں۔۔۔ اور سردیوں کے موسم میں یہ گھر کافی مختلف لگا تھا اس لیے آج ہمیں صحیح طرح یاد نہیں آسکا۔ میرا خیال ہے اس وقت شرمندگی سے ہمارے چہرے سرخ ہورہے ہوں گے؟"

"ہاں۔ اب مجھے یاد آگیا۔" میورل بولی "اس نے اپنی بیوی کو دنیا کے سفر پہ بھیجنے والا پروگرام پسند کیا تھا اور سمپنہ سے آنے والے ڈیتھ سرٹیفکیٹ پر بھی اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس چڑیل کی بچی کے لیے یہی پروگرام ٹھیک رہے گا۔"

"اس نے مجھے چڑیل کی بچی کہا تھا۔۔۔؟" مسز لینڈر غراتے ہوئے اچھل کر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی "میں

ابھی بتاتی ہوں اس سؤر کے بچے کو....." وہ لمبے موزے کا خالی حصہ اپنے ہاتھ کے گرد لپیٹتے ہوئے بولی "میرا خیال ہے اس وقت وہ اندر گھر میں یہی چیز تلاش کر رہا ہوگا.... لیکن یہ میرے پاس ہے...."

ملن تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا راستہ روکتے ہوئے بولا "مسز لینڈر! پہلے میری پوری بات سن لیں۔ شاید آپ دونوں میاں بیوی کے لیے اب بھی ایک موقع ہے۔ میں آج ہی میورل سے بات کر رہا تھا کہ ہمیں اب اپنا کوزی ڈسپوزل کا کاروبار بیچ دینا چاہیے یا کسی کو اس میں شریک کرلینا چاہیے تاکہ بوجھ کچھ کم ہوسکے۔ بہت اچھا اور منافع بخش کاروبار ہے۔ آپ کو زیادہ رقم نہیں لگانی پڑے گی اور آپ دونوں میاں بیوی مصروف بھی ہوجائیں گے۔ آپ کی ازدواجی زندگی بچ جائے گی۔ ہم میاں بیوی کی مثال آپ کے سامنے ہے۔"

"اب بہت دیر ہوچکی ہے مسٹر ملن! اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا...." مسز لینڈر بدستور غضب ناک تھی "اب تو اس دنیا میں وہ رہے گا.... یا میں...."

اسی لمحے ملن کے بریف کیس میں گھنٹی کی سی آواز گونجی۔ اس نے جلدی سے بریف کیس سے اپنا موبائل فون نکالا اور کان سے لگاتے ہوئے مخصوص پیشہ ورانہ لہجے میں بولا "کوزی ڈسپوزل.... میں ملن بول رہا ہوں۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟.... ہاں.... ہاں.... میں سمجھ گیا۔ نہیں.... ایڈریس بتانے کی ضرورت نہیں.... آپ کا ایڈریس ہمارے ریکارڈ میں موجود ہے سر! ہم آدھے گھنٹے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوجائیں گے۔ کوزی ڈسپوزل کو فون کرنے کا بہت شکریہ...."

فون بند کرکے وہ غم زدہ سے انداز میں مسز لینڈر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "یہ آپ کے شوہر کا فون تھا۔ بے شک اسے یہ سیمنٹ والا موزہ تو نہیں ملا ہوگا لیکن اس نے یقیناً اس کی کوئی متبادل چیز ڈھونڈلی ہے کیونکہ وہ فوری طور پر کوزی ڈسپوزل کو یاد کر رہا ہے۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔" مسز لینڈر پہلے سے زیادہ غضب ناک لہجے میں بولی۔

میورل پُرخیال انداز میں اس کا بازو تھامتے ہوئے بولی "ڈیئر مسز لینڈر! کوزی ڈسپوزل والے یہاں اس وقت خود کو بے حد شرمندہ محسوس کر رہے ہیں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ ہمارے دو معزز کلائنٹس کے مفادات کے ٹکراؤ کی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ چونکہ اس کاروبار میں فوری فیصلے کرنے کا شعبہ میرا ہے اس لیے میں ایک تجویز پیش کر رہی ہوں۔

دخل اندازی

"بابو جی! اللہ کے نام پر دس روپے دے دیں۔"

"خدا کی پناہ! اکٹھے دس روپے! اگر تم روپیہ دو روپیہ مانگو تو شاید کوئی دے بھی دے۔"

"بابو جی! آپ دس روپے دیں یا نہ دیں... یہ آپ کی مرضی ہے لیکن مجھے یہ سکھانے کی کوشش مت کریں کہ مجھے اپنا کاروبار کیسے چلانا چاہیے۔"

آپ اندر جاکر ہمارا کوئی ذکر نہ کریں۔ آپ دونوں میاں بیوی اپنی اپنی صلاحیتیں آزمانے کے لیے آزاد ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارا معاہدہ آپ دونوں کے ساتھ ہوچکا ہے۔ اب دونوں میں سے جو بھی زندہ سلامت ہمارے پاس پہنچ گیا' ہم اس کی خدمت بجالائیں گے۔ امید ہے آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔" مسز لینڈر سیمنٹ والے موزے کو دھیرے دھیرے اپنے دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے بولی اور محتاط انداز میں گیرج کی طرف چل دی۔

ادھر وہ گیرج میں گئی' ادھر اس کا شوہر فرنچ ڈور سے برآمد ہوا۔ اس کی بغل میں موٹا سا ایک ڈنڈا دبا ہوا تھا۔ وہ سر جھکائے' آنکھیں سکیڑے لان پر اپنی بیوی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ ملن اور میورل جلدی سے ایک دوسری باڑھ کی اوٹ میں ہوگئے۔ لینڈر نے آکر خالی کرسیاں دیکھیں تو سر ہلا کر ڈنڈا ہاتھ میں تھام کر گیرج کی طرف چل دیا۔

ملن نے بیوی کی طرف دیکھا اور سرگوشی میں بولا "لینڈر کی تو رگ رگ میں زہر بھرا ہوا لگ رہا ہے۔"

"لیکن میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ کامیاب اس کی بیوی ہوگی۔" میورل بولی۔

"چلو.... دیکھ لیتے ہیں۔ ویسے بھی ہمیں اس سے کیا کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔" ملن ٹھنڈی سانس لے کر بے پروائی سے بولا "ہمیں تو اپنے کاروبار سے غرض ہے۔ ہمیں تو کام ملنا چاہیے۔ دونوں میں سے جو بھی ہمارے پاس پہنچ گیا' ہماری خدمات اس کے لیے حاضر ہیں۔"

وہ دونوں دوبارہ کرسیوں پر آن بیٹھے اور نہایت تحمل سے انتظار کرنے لگے....!



ایک بے حد مصروف شخص کی کہانی۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات میں اتنا اُلجھ گیا کہ کسی دوسری بات کا اُسے ہوش ہی نہ رہا۔ جب اُس نے بیوی سے نجات حاصل کرنے کے لیے اُس کے قتل کا منصوبہ بنایا تو وہ بہت خوش تھا کیوں کہ وہ ایک بے داغ منصوبہ تھا۔ دلچسپ انجام کی ایک پُرتجسّس تحریر۔

اس مصنف کا قصہ جو جُرم کی کہانیاں لکھتے لکھتے جُرم پر آمادہ ہوگیا تھا

پیشہ ور اسیر

نجمہ مودی

جب ایرک بیکر نے اپنی بیوی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اسے یقین تھا کہ اسے اس جرم میں پکڑا نہیں جا سکے گا۔ اس کا یہ اعتماد بے بنیاد نہیں تھا۔ آخر وہ جرم و سزا کی کہانیاں لکھنے والا ملک کا کامیاب ترین مصنف تھا۔ اس کی ہر کہانی میں مرکزی کردار کو کسی قتل ہی کا معمّا درپیش ہوتا تھا۔

ہر چھ ماہ بعد اس کا ایک مسٹری ناول مارکیٹ میں آتا تھا جس کا مرکزی کردار پرائیوٹ سراغرساں پیٹر ایلیٹ ہوتا تھا جو ہمیشہ قتل کا ایک نہایت ہی پُرپیچ کیس نہایت عمدگی اور کامیابی سے نمٹاتا تھا۔ ہر ماہ کسی نہ کسی رسالے میں بھی ایرک بیکر کی کہانی شائع ہوتی تھی جو کسی نہ کسی کے قتل کے گرد ہی گھومتی تھی۔

صرف یہی نہیں، ہر ہفتے ٹی وی پر اس کی سیریز بھی چلتی تھی جس کا نام ہی "قتلِ عمد" تھا۔ نیویارک میں یہ ٹی وی پر پیش کی جانے والی اپنی نوعیت کی پہلی سیریز تھی جس میں ہر ہفتے ایرک نہایت ذہانت سے ایک قتل کا تانا بانا بُنتا تھا۔ سیریز کا مرکزی کردار برنی زیوک اسی عمدگی سے سازش کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیتا تھا اور آخر میں ہر بار کیمرے کی طرف منہ کر کے ایک تقریر کرتا تھا جس

میں ڈرامے کے کرداروں اور ٹی وی کے ناظرین کو تفصیل سے بتایا جاتا کہ قتل کس نے کیا، کیوں کیا اور کس طرح کیا۔

لیکن اب صورتحال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ بیکر کے لیے اپنی بیوی کو قتل کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

اس کی بیوی کا نام ملڈرڈ تھا۔ اسے وہ دن یاد تھے جب وہ پیار سے ملڈرڈ کو ملی کہا کرتا تھا اور اپنا ایک بازو اکثر ہی اس کی گردن میں حمائل رکھتا تھا لیکن اب یہ باتیں بھولی بسری سی ہو گئی تھیں۔ ملی دوبارہ ملڈرڈ بن چکی تھی اور عموماً بیکر کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اس سے دس بارہ ہاتھ کے فاصلے پر ہی رہے۔ اپنی اس کوشش میں وہ زیادہ تر کامیاب ہی رہتا تھا لیکن اتنے فاصلے سے بھی ملڈرڈ کے گلے شکوے اور چخ چخ، بک بک مسلسل جاری رہتی تھی۔

"ہر وقت تم جرم و سزا کی کہانیوں میں ہی الجھے رہتے ہو۔" وہ منمناتی۔ "یاد ہے جب ہماری شادی ہوئی تھی تو تم کیا کہا کرتے تھے؟ تم کہتے تھے کہ آگے چل کر تم سیاسی کالم اور تجزیے و تبصرے لکھا کرو گے۔ تمہاری تحریریں ہر نئے صدر کے انتخاب تک میں اہم کردار ادا کیا کریں گی۔"

"تم کسی ایک سیاسی کالم نویس یا تبصرہ نگار کا نام بتا دو جو مجھ سے زیادہ کماتا ہو۔" بیکر فرمائش کرتا۔

"کوئی کالم نگار اتنا "یس سر... یس سر" بھی نہیں کرتا ہو گا جتنا تم کرتے ہو۔" ملڈرڈ جوابی حملہ کرتی۔ "تمہارے ایڈیٹر، پروڈیوسر، پبلشر یا ایجنٹ، کسی کا بھی فون آجائے تو تمہاری "یس سر یس سر" کی گردان شروع ہو جاتی ہے۔ کوئی کہتا ہے اس بار قتل ذرا نئے انداز میں ہونا چاہیے۔ "تم کہتے ہو یس سر! کوئی فرمائش کرتا ہے، اس مرتبہ سراغ ذرا مختلف ہونے چاہئیں۔ تم کہتے ہو "یس سر! یہ تو کوئی مسئلہ نہیں، اور اگر میں غلطی سے تمہیں آواز بھی دے لیتی ہوں تو تم میری بات سننے سے پہلے ہی کہہ دیتے ہو۔ "شٹ اپ! میں اس وقت مصروف ہوں۔ اس مسودے پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ اگر میں کہتی ہوں کہ میں نے تھیٹر کی سیٹس منگوا رکھی ہیں تو تمہارا جواب ہوتا ہے۔ "میرا دماغ مت چاٹو۔ اتنے بجے مجھے یہ مسودہ دینا ہے۔ اس کے سوا تمہارے منہ سے کچھ سننے کو ہی نہیں ملتا کہ فلاں تاریخ کو فلاں کہانی دینی ہے، فلاں تاریخ کو فلاں ڈراما دینا ہے، اتنے بجے اس مسودے کی تصحیح کر کے دینی ہے، فلاں مسودے کی ڈیڈ لائن قریب ہے۔ تم میں اتنی جرأت نہیں کہ کبھی ان لوگوں سے یہ کہہ سکو کہ وہ بھاڑ میں جائیں، تمہیں زندگی میں لکھنے کے علاوہ بھی کوئی کام کرنا ہے۔"

اس قسم کی چخ چخ ہی سابقہ ملی اور حالیہ ملڈرڈ کو قتل کرنے کے لیے کافی معقول جواز تھی لیکن کچھ عرصے سے ایک اور خوبصورت جواز بھی ایرک بیکر کے ہاتھ آگیا تھا۔ اس جواز کا نام فنی لوجوائے تھا۔ یہ ایک انوکھا اور چٹخارے دار نام تھا۔ ایرک بیکر تمام تر ذہنی زرخیزی اور تخلیقی صلاحیتوں کے باوجود اپنی کسی پچپٹی کہانی میں کسی چنچل لڑکی کے لیے ایسا چٹخارے دار نام نہیں سوچ سکا تھا۔

فنی، فلم اسٹوڈیو کے بیرونی آفس میں ریسپشنسٹ تھی، تاہم وہ اپنی میز پر کم ہی پائی جاتی تھی۔ عام طور پر وہ میز کے آس پاس ہی کسی گوشے میں کسی نہ کسی سے نہایت اپنائیت کے ساتھ مصروفِ گفتگو ہوتی تھی۔ اس کی خوش کلامی سے استفادہ کرنے والوں میں ایرک بیکر بھی شامل تھا۔

بیکر دراز قد نہیں تھا۔ فنی اس سے بھی دو انچ چھوٹی تھی۔ بیکر کے خیال میں ایک لڑکی کے لیے یہ مناسب ترین قد تھا۔ وہ جب اٹھ کر اس کی طرف آتی تھی تب بیکر کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں اور جب اسے خدا حافظ کہہ کر جا رہی ہوتی تھی تب تیز تر ہو جاتی تھیں۔ وہ کچھ ایسے ہی خوبصورت اور تھرتھراتے نشیب و فراز کا قیامت خیز مجموعہ تھی۔

اپنے خوبصورت ظاہری اثاثوں کے علاوہ بھی اس کی ذات میں بڑی خوبیاں یکجا تھیں۔ مثلاً اگر بیکر کہتا کہ اسے بیس بال سے دلچسپی تھی۔ تو وہ اپنی لمبی لمبی پلکوں والی خوبصورت آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے رسیلے انداز میں کہتی۔ "اوہ... یہ کیا کہہ دیا تم نے۔ میں تو خود بیس بال کی دیوانی ہوں۔ جب بیس بال کا میچ ہوتا ہے تو لوگ کس طرح تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ میدان کے کنارے کنارے کیسے خوبصورت بینر لگے ہوئے تھے اور لڑکے کیسے گرما گرم لذیذ برگر بیچتے پھر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ.... کتنا مزہ آتا ہے۔ کیا عمدہ کھیل ہے بیس بال بھی۔"

اسٹوڈیو میں ٹی وی کے لیے بیکر کی جس کہانی پر بھی فلم بنتی تھی وہ فنی کی پسندیدہ ترین کہانی ہوتی تھی۔ اسکرپٹ کی ایک کاپی اس کے پاس بھی ہوتی تھی اور ہر نیا اسکرپٹ ملنے پر وہ کہتی تھی۔ "میں پڑھ رہی ہوں تمہارا اسکرپٹ۔ کیا خوبصورت کہانی ہے۔ ابھی میں تیسرے صفحے پر پہنچی ہوں۔ ہر بار، ہر نئے اسکرپٹ کے وہ تیسرے صفحے پر ہی رہتی تھی۔

فنی اس کے ساتھ کئی مرتبہ آفس سے باہر اور ایک موٹیل کے اندر بھی جا چکی تھی جو اسٹوڈیو کے قریب ہی واقع تھا۔ وہاں فنی نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ واقعی بیکر سے محبت کرتی تھی۔ اظہارِ محبت کے اپنے اپنے انداز ہوتے ہیں۔ بیکر کو فنی کے اظہارِ محبت کے انداز بہت اچھے لگے تھے۔

اس کے علاوہ یہ خوبی کیا کم تھی کہ وہ ہر وقت ملڈرڈ کی طرح کان نہیں کھاتی تھی۔ یہ نہیں پوچھتی تھی۔ "تم کب کوئی اہم اور ٹھوس کام کرو گے؟ تم کب اپنے ایڈیٹروں، پبلشروں اور پروڈیوسروں سے کہو گے کہ تم ہر وقت گدھوں کی طرح کام نہیں کر سکتے۔ کچھ وقت تمہیں اپنی نجی زندگی کے لیے بھی چاہیے۔"

فنی اس قسم کی کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ وہ تو زیادہ تر تحسین آمیز باتیں کرتی تھی۔ مثلاً ایک بار اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو

مزید پھیلاتے ہوئے کہا تھا۔ "اوہ بیکر...! میں نے تو اتفاق سے اسٹوڈیو میں تمہارے معاونوں کی اداکیگی کا گوشوارہ دیکھا۔ خدا کی پناہ! تم تو ہیں ہال کے کھلاڑیوں جتنا ہی کماتے ہو۔"

اس کے بعد بیکر سے اس کی محبت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

لیکن اس کے چند دن بعد ہی جب وہ ایک بار پھر موٹیل میں گئی تو نفی نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ کہا۔ "بیکر ڈارلنگ! ہم کب تک اس طرح چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے۔ یہ تو بہت بڑی اخلاقی برائی ہے... گناہ ہے۔ تم اس کا کوئی حل نہیں نکال سکتے؟"

"ہم... میں اس کے بارے میں سوچوں گا۔" اس نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

لیکن اس کے ساتھ ایک مسئلہ اور تھا۔ اس کی تربیت کچھ ایسے ماحول میں ہوئی تھی اور کچھ اس کی ماں نے بھی بچپن میں اس کے ذہن میں بٹھا دیا تھا کہ طلاق بہت ہی بُری اور معیوب چیز تھی۔ اس کے علاوہ ملڈرڈ کو طلاق دینے میں مالی نقصان بھی بہت تھا۔ چنانچہ اب اگر وہ باقی زندگی کے لیے نفی کی سنہری زلفوں کو اپنے شانوں پر پریشان رکھنا چاہتا تھا تو اس کے لیے ملڈرڈ کو قتل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس نے قتل کی منصوبہ بندی شروع کردی۔ ظاہر ہے قتل کے منصوبے بنانے میں اس کا ذہن بے پناہ مشاق تھا۔ پہلے اس مشاقی و مہارت کا مظاہرہ وہ ٹائپ رائٹر پر کیا کرتا تھا۔ اب ٹائپ رائٹر کی جگہ کمپیوٹر نے لے لی تھی لیکن جو پلاٹ وہ اب تیار کر رہا تھا اسے فی الحال کمپیوٹر پر منتقل کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ پلاٹ اس کے "ذاتی استعمال" کے لیے تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس پلاٹ کو اس کی پیشہ ورانہ مہارت کا شاہکار ہونا چاہیے۔

اسے اپنی ذہانت پر فخر تھا۔ اس ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے اس نے یہ فیصلہ تو کر لیا تھا کہ جائے واردات پر اس کی عدم موجودگی کا ثبوت اسے خود ملڈرڈ فراہم کرے گی اور ملڈرڈ نے واقعی اس کام میں اس کی مدد شروع کردی تھی۔

دراصل بیکر نے نہایت سنجیدہ سی صورت بناتے ہوئے ملڈرڈ کو بتایا تھا کہ آئندہ موسم گرما میں وہ کنکٹی کٹ کے ساحلی اور تفریحی علاقے ویسٹ پورٹ میں کوئی خوبصورت کاٹیج کرائے پر لیں گے اور کچھ عرصہ تعطیلات منائیں گے۔

ملڈرڈ کے لیے یہ خوش خبری ناقابلِ یقین تھی۔ ویسٹ پورٹ میں اس کی کئی دوست خواتین تعطیلات گزارنے جاتی تھیں لیکن بیکر اور ملڈرڈ کی زندگی میں تو تعطیلات کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ یہ خوشخبری سن کر اس نے بے یقینی سے آنکھیں پھیلائیں۔ "کیا واقعی؟"

بیکر نے نہایت سنجیدگی سے سر ہلاتے ہوئے اسے یقین دلایا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا۔ ملڈرڈ نے فوراً جا کر ٹیلیفون سنبھال لیا اور گنگنانے کے انداز میں اپنی دوستوں کو مطلع کرنے لگی۔ "راکیل!

"ڈاکٹر صاحب! میری بیوی کا ایک جبڑا اکڑ گیا ہے۔ وہ بے چاری بول نہیں سکتی۔"

"آپ انہیں ساتھ نہیں لائے، کیا انہیں گھر جا کر دیکھنا ہے؟"

"کوئی جلدی نہیں ہے ڈاکٹر صاحب، مہینے دو مہینے میں اگر ہمارے گھر کی طرف سے گزر ہو تو دیکھ لیجئے گا۔"

تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں...؟"

پھر دوسرا نمبر ڈائل کیا گیا اور یہ "راز" گویا ریڈیو سے نشر ہونے لگا۔ ملڈرڈ اپنی دوسری دوست سے کہہ رہی تھی۔ "سیلی! تمہیں معلوم ہے ہم اپنی آئندہ موسم گرما کی تعطیلات کہاں گزاریں گے؟"

پھر ایک اور دوست کا نمبر آیا۔ "ڈیبی! تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آئندہ موسم گرما کی تعطیلات کے دوران ویسٹ پورٹ میں ہم تمہارے پڑوسی ہوں گے..."

یوں گویا جائے واردات سے بیکر نے اپنی عدم موجودگی کے ثبوت کی بنیاد تو رکھ دی تھی۔ اب بیکر نے اس بنیاد کو مضبوط بنانے کا کام شروع کر دیا۔ اس نے اپنے ہر دوست، شناسا اور پڑوسی کو بتانا شروع کر دیا کہ آئندہ جمعرات کو وہ ویسٹ پورٹ جائے گا تاکہ کسی ایجنٹ کے توسط سے کچھ مکانوں اور کاٹیجز کا معائنہ کر کے ان میں سے کوئی اپنی تعطیلات کے لیے ریزرو کروا سکے۔

جمعرات کو ملڈرڈ اپنی دوستوں کے ہاں برج کھیلنے جاتی تھی، یہ اس کا پرانا معمول تھا۔ بیکر نے آئندہ جمعرات کو اپنے ویسٹ پورٹ جانے کی خبر پبلشنگ کمپنی، اسٹوڈیو اور رسالوں کے ملازمین تک کو سنا دی تھی۔ انہی لوگوں کی گواہی سے، بعد میں بیکر کی بے گناہی کا ثبوت پختہ ہونا تھا۔ صرف یہی نہیں، بیکر نے کچھ اور شہادتوں کا بندوبست کرنے کا طریقہ بھی سوچ رکھا تھا۔ کچھ لوگ نہایت دیانتداری اور صدقِ دل سے کہہ اٹھتے کہ جس وقت ملڈرڈ کو قتل کیا گیا اس وقت بیکر تو وہاں سے میلوں دور موجود تھا اور انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

اب بیکر نے اپنی میز کی اس دراز کو کھنگالا جس میں وہ چھوٹی موٹی، بے کار اور نیم بے کار اشیا ڈالتا رہتا تھا۔ اس دراز میں برابر والی بلڈنگ کے دروازے کی فاضل چابی پڑی تھی۔ وہ ایک پرانی بلڈنگ تھی اور اس کے فلیٹ معمولی قسم کے تھے۔ بیکر پر جب خوشحالی نہیں آئی تھی تو وہ اسی بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں کرائے پر رہتا تھا۔ پھر آسودہ حالی کا دور شروع ہوا تو برابر میں ہی ایک نئی اور جدید بلڈنگ بننے لگی۔ بیکر نے اس میں ایک کشادہ اور پُرتعیش اپارٹمنٹ خرید لیا لیکن پرانی بلڈنگ کی ایک فاضل چابی وہ مالک مکان کو واپس کرنا بھول گیا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی

کیوں کہ وہ چابی بیکر نے خود بنوائی تھی۔

دوسرے روز علی الصباح چار بجے وہ اپنی عمارت سے نکلا اور خراٹے لیتے ہوئے چوکیدار کے قریب سے گزر کر برابر والی پرانی بلڈنگ کا تالا کھول کر اندر چلا گیا جہاں سرے سے کوئی چوکیدار تھا ہی نہیں۔ تین چار سیڑھیاں چڑھ کر وہ واپس آگیا۔ اسے بس یہی اطمینان کرنا تھا کہ بلڈنگ کے تالے میں اب بھی وہی چابی لگتی تھی۔ اس نے شکر ادا کیا کہ گزشتہ برسوں میں بلڈنگ کا تالا تبدیل نہیں کیا گیا تھا۔

دروازے کو مقفل کر کے وہ اپنے موجودہ اپارٹمنٹ میں واپس آگیا جو ٹاپ فلور پر واقع تھا۔ اس اپارٹمنٹ میں آج کل وہ اور ملڈرڈ الگ الگ بیڈ رومز میں سوتے تھے۔ بیکر نے آج محض تجربے کے طور پر اپنی پرانی بلڈنگ میں جا کر دیکھا تھا۔ آج اسے جاتے اور واپس آتے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ اس کے منصوبے کے سلسلے میں ایک اور اہم پیش رفت تھی۔ اب اسے صرف جمعرات کا انتظار کرنا تھا۔ اس روز ملڈرڈ زمین نامی اس سیارے کو الوداع کہنے والی تھی جس کے بارے میں بیکر کو یقین تھا کہ ملڈرڈ کی عدم موجودگی میں وہ اسے کافی خوبصورت نظر آئے گا۔

بیکر کو یہ انتظار بہت طویل محسوس ہوا لیکن بالآخر جمعرات آ ہی گئی۔ بیکر کو کچھ ایسا ہی لگا جیسے اس بار جمعرات تقریباً سال بھر بعد آئی تھی۔ اس روز ناشتا کرتے ہوئے اور ملڈرڈ کی باتیں سنتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ ملڈرڈ کے ساتھ اس کا آخری ناشتا ہے اور آخری ہی مرتبہ وہ اس کی بک بک سن رہا ہے۔

ملڈرڈ کہہ رہی تھی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم ویسٹ پورٹ جا رہے ہو۔ کوئی اچھا سا مکان ڈھونڈنا جہاں سے سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا ہو۔ باتھ روم دو ہوں اور مکان ہر لحاظ سے آرام دہ ہو۔ سمجھے؟ اور ہاں۔ کرایہ نامہ اس وقت تک سائن نہ کرنا جب تک میں مکان کو دیکھ نہ لوں کیوں کہ مجھے تمہاری فطرت کا پتا ہے۔ تم تو صرف یہ دیکھو گے کہ اس میں تمہارا کمپیوٹر رکھنے اور کام کرنے کا کمرا ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ تو کسی چیز پر تمہاری نظر جائے گی ہی نہیں۔"

پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولی۔ "ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کل تم سارا دن اس اسکرپٹ پر کام کرتے رہے۔ تم ان سے کہہ سکتے تھے کہ تم ایک دن کے بجائے دو دن کے لیے ویسٹ پورٹ جا رہے ہو۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی؟ مجھے وہ اسکرپٹ کل شام ساڑھے پانچ بجے دینا تھا۔ معاہدہ تو آخر معاہدہ ہوتا ہے۔" بیکر بولا۔

"معاہدے تو اصل میں تم نے خود کو اور اپنی بیوی کو سیرو تفریح سے دور رکھنے کے لیے کیے ہوئے ہیں۔" ملڈرڈ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "میں یہ بات اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اگر تم کل مکان دیکھنے گئے ہوتے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی کیوں کہ کل مجھے برج پارٹی میں نہیں جانا تھا۔ اب آج تو برج پارٹی کا دن ہے۔ خیر۔ چار بجے تک تو تم آجاؤ گے۔ مجھے چار بجے برج پارٹی میں جانا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم سے مکان کے بارے میں خبر سن کر ہی جاؤں۔"

"نہیں۔ میں چار بجے تک واپس نہیں آسکوں گا۔ مجھے خاصی دیر ہو جائے گی۔" بیکر نے جواب دیا۔ اندیشہ تھا کہ جلدی واپسی کا سن کر ملڈرڈ اس کے ساتھ ہی نہ چل دے۔

"لعنت ہے!" ملڈرڈ بے زاری سے بولی۔ "کاش کل تم اس اسکرپٹ سے نہ چمٹے رہتے تو اچھی بھلی میں تمہارے ساتھ جا سکتی تھی۔"

"بھئی، مجھے ہر حال میں کل وہ اسکرپٹ ختم کرنا تھا۔" بیکر تحمل سے بولا۔

"اسکرپٹ... ناول... کہانی! ان کے علاوہ بھی تمہیں کبھی کچھ سوجھتا ہے؟ مجھے یقین ہے، تم ویسٹ پورٹ میں بھی کام کرتے رہو گے اور سمجھو گے کہ تم تعطیلات گزار رہے ہو۔ کام۔ کام! کام کے علاوہ بھی تمہاری زندگی میں کچھ ہے؟"

بیکر نے کوئی جواب نہ دیا۔ آج اسے بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آج وہ اسے بک بک کا آخری دن سمجھ کر برداشت کرنے کے لیے تیار تھا۔ کل سے تو اسے اس بک بک سے نجات مل ہی جانی تھی۔ وہ آج ہی اپنے آپ کو آزاد آزاد سا محسوس کر رہا تھا۔

ساڑھے نو بجے اس نے ناشتا ختم کیا، نو بج کر اڑتیس منٹ پر اس نے گیراج سے کار نکالی، دس بج کر نو منٹ پر اس نے کار ایک سو پچیسویں اسٹریٹ کے ریلوے اسٹیشن کے قریب لے جا کر پارک کر دی اور ٹیکسی کے ذریعے گرینڈ سینٹرل اسٹیشن پر واپس آگیا۔ اس وقت دس بج کر بیالیس منٹ ہو چکے تھے۔

دس بج کر چوالیس منٹ پر اس نے پبلک بوتھ میں داخل ہو کر ایک مسٹری میگزین کے ایڈیٹر کو فون کر کے بتایا کہ اس وقت وہ گرینڈ سینٹرل اسٹیشن پر ہے اور ویسٹ پورٹ جانے کے لیے ٹرین پکڑنے والا ہی تھا لیکن اسے اچانک خیال آیا کہ اس نے میگزین کو جو کہانی دی تھی اور جو اسی ہفتے پریس میں جا رہی تھی، اس میں ایک تبدیلی کرنا بہت ضروری ہے۔

ایڈیٹر بولا۔ "میرے خیال میں تو کہانی اچھی خاصی ہے۔ تم نے کیا چیز تبدیل کرنے کا سوچا ہے؟ میرے خیال میں تو اس کا کوئی حصہ تبدیل کرنا ضروری نہیں۔"

"کہانی میں قاتل جس شخص کو گولی مارتی ہے وہ تو وہی ہے جس سے وہ کالج کی زمانے میں پیار کرتی تھی۔ جذباتی نقطۂ نظر سے یہ کچھ غلط لگتا ہے۔ عورت اس شخص کو اتنی بے دردی سے گولی نہیں مار سکتی جس سے اس نے نوجوانی میں پہلی محبت کی ہو۔ خواہ اس کا مقصد اس کی ساری جائیداد حاصل کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ میں

نے سوچا ہے کہ وہ محض شرارتاً اس عورت کو حیران کرنے کے لیے میک اپ میں اس کے گھر میں گھسے گا اور عورت خوفزدہ ہو کر غلطی سے اسے گولی مار بیٹھے گی۔ بعد میں اسے پتا چلے گا کہ وہ تو اس کا کالج کے زمانے کا محبوب تھا جسے اس نے پہچانا نہیں تھا۔ اس طرح ٹریجڈی کا رنگ کچھ اور گہرا ہو جائے گا۔ ذرا جذبات انگیز قسم کا سین بھی تخلیق کیا جا سکے گا۔ کیا خیال ہے؟ اچھی تبدیلی نہیں ہے؟"

"ہاں... میرا خیال ہے' اچھی تو ہے۔" ایڈیٹر متذبذب لہجے میں بولا۔

"لیکن میں یہ تبدیلی کر کے کل رات تک مسوّدہ تمہیں دے دوں تبھی کہانی پریس میں جا سکتی ہے جب کہ میں اس وقت ویسٹ پورٹ روانہ ہو رہا ہوں۔ چنانچہ تم ایسا کرو کہ ہنگامی کوریئر سروس کے قاصد کے ذریعے مسوّدہ مجھے ایک سو پچیسویں اسٹریٹ کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچوا دو۔ میری ٹرین جب وہاں رُکے گی تو قاصد میرے نام کا پلے کارڈ لے کر کھڑا ہو جائے گا یا میرے بارے میں اعلان کروا کر مجھے تلاش کر لے گا اور مسوّدہ میرے حوالے کر دے گا۔"

"اوہ... خدا کی پناہ... ہمارے پاس کتنا وقت ہے؟" ایڈیٹر بے چارہ اس اُفتاد سے یکدم ہی پریشان ہو گیا تھا۔

"ٹرین پونے بارہ بجے ایک سو پچیسویں اسٹریٹ کے اسٹیشن پر پہنچے گی۔" پھر بیکر نے گویا کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بلکہ تم ایسا کرو' قاصد سے بھی رابطہ کرنے میں وقت ضائع مت کرو۔ اپنی سیکریٹری کو مسوّدہ دے کر بھیج دو۔ وہ مجھے پہچانتی بھی ہے۔ وہ گاڑی میں ٹرین سے پہلے ایک سو پچیسویں اسٹریٹ کے اسٹیشن پہنچ جائے گی۔"

"اوہ... ہاں... ہاں... میرا خیال ہے یہ ٹھیک ہے۔" ایڈیٹر ابھی تک متذبذب تھا لیکن ریسیور رکھنے سے پہلے ہی اس نے اپنی سیکریٹری مس میلکن کو آوازیں دینا شروع کر دیں تھیں۔ بیکر نے مسکراتے ہوئے ریسیور رَیک پر لٹکا دیا۔ یہ کام بھی عمدگی سے ہو گیا تھا۔ آخر وہ دنیا بھر میں قتل کی بہترین کہانیاں لکھنے والے مصنف کا پلاٹ تھا جس پر اس وقت کام جاری تھا۔

بیکر نے ویسٹ پورٹ جانے والی ٹرین پکڑ لی۔ اپنے مقررہ وقت پر ٹرین ایک سو پچیسویں اسٹریٹ کے اسٹیشن پر جا رُکی۔ بیکر جان بوجھ کر اس ڈبے میں بیٹھا تھا جس میں سب سے زیادہ مسافر تھے۔ اس نے پیچھے والے کسی ڈبے میں مس میلکن کی آواز سنی۔ وہ چلّا رہی تھی۔ "مسٹر ایرک بیکر... مسٹر ایرک بیکر! آپ کہاں ہیں؟"

اس نے چند لمحے انتظار کیا۔ حتیٰ کہ مس میلکن اس کے ڈبے کی کھڑکی کے قریب پہنچ گئی۔ تب وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "کیا کوئی ایرک بیکر کو پکار رہا ہے؟" سوال اس نے بہ آوازِ بلند کیا تھا تاکہ سب سن لیں۔

ایک مسافر چونکتے ہوئے بولا۔ "تو کیا ایرک بیکر آپ ہی ہیں؟ مشہور مصنف ایرک بیکر...؟"

"جی ہاں۔ میں ہی مصنف ایرک بیکر ہوں۔" بیکر نے خوش خلقی سے جواب دیا اور دل ہی دل میں کہا۔ "اور تم اس ٹرین میں میری موجودگی کے گواہ ہو۔"

اس دوران مس میلکن ڈبے میں آ گئی لیکن وہ فوری طور پر بیکر کو نہیں دیکھ سکی کیوں کہ اسے کئی مسافروں نے گھیر لیا تھا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ "مسٹر بیکر! آٹوگراف پلیز..."

کوئی کہہ رہا تھا۔ "مسٹر بیکر! مجھے آپ کی کہانیاں بہت ہی پسند ہیں..."

"کوئی جاننا چاہ رہا تھا۔ "آپ کا نیا ناول کب آئے گا؟"

تاہم مس میلکن اس مختصر ہجوم کو چیرتی' ہانپتی کانپتی اس تک آ پہنچی اور اس نے مسوّدے کا پیکٹ اس کے حوالے کر دیا۔ "شکر ہے میں مسوّدہ آپ کو پہنچانے میں کامیاب ہو گئی مسٹر بیکر! میرا خیال ہے مجھے اب اُتر جانا چاہیے' ٹرین چلنے ہی والی ہو گی۔"

"حضرات! مجھے راستہ دیجئے گا۔ میں ذرا اس خاتون کو نیچے تک چھوڑ آؤں۔ ویسے بھی مجھے اب آگے کسی پرسکون ڈبے میں جانا ہو گا۔ مجھے ذرا یہ کہانی دیکھنی ہے۔" وہ مسوّدہ بریف کیس میں رکھ کر اٹھتے ہوئے بولا۔ لوگوں نے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا اور وہ مس میلکن کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

دروازے پر پہنچ کر مس میلکن نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور ٹرین سے اُتر گئی۔ بیکر ڈبوں کے درمیانی راستے پر آگے بڑھتا چلا گیا۔ آہستگی سے چلتا ہوا وہ دو ڈبے آگے چلا گیا پھر پلیٹ فارم پر اتر گیا۔ اس کے اترتے ہی ٹرین نے رینگنا شروع کر دیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' مس میلکن کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے غائب ہو چکی تھی۔ چند لمحے

ایک صاحب اپنے بچّے کو لینے کے لیے اسکول کے دروازے پر کھڑے چھٹی کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے چپراسی سے بچّے کو باہر بھیجنے کے لیے کہا۔ چپراسی چونکہ ان کے بچّے کو نہیں جانتا تھا اس لیے معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا "معاف کیجئے گا' میں آپ کے بچّے کو نہیں جانتا۔ حلیہ بتائیں تو کچھ پتا چلے۔"

وہ صاحب حیران ہو کر بولے "کمال ہے بھئی' میرے بچّے کو نہیں پہچانتے۔ ارے بھئی پوری کلاس میں جس بچّے نے سب سے زیادہ میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے ہوں گے وہی میرا بچّہ ہو گا۔"

چپراسی ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "اچھا آپ اسی بچّے کا ذکر کر رہے ہیں نا! آپ نہ بھی بتائیں خوشبو بتا جائے۔"

بعد ہی وہ پلیٹ فارم پر ایک پول کے قریب تنہا کھڑا تھا۔
وہ بہت خوش تھا۔ ہر کام اس کی توقع کے عین مطابق نہایت عمدگی سے ہو رہا تھا۔ اس نے چند لمحے انتظار کیا۔ وہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ جب وہ اسٹیشن سے نکلے تو مس میکن اپنی گاڑی یا ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں سے رخصت ہو چکی ہو۔ بالآخر وہ باہر آیا۔ اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر اس کی کار موجود تھی جہاں وہ صبح اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف واپس چل دیا۔

کار اس نے اپنی رہائش گاہ سے چند بلاک کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی پبلک پارکنگ لاٹ میں چھوڑ دی۔ اس پارکنگ لاٹ کا بہت کم لوگوں کو پتا تھا۔ کار چھوڑنے سے پہلے اس نے سیٹ کے نیچے چھپایا ہوا ریوالور نکال کر بریف کیس میں رکھ لیا تھا۔ وہی بریف کیس جس میں اس کی کہانی کا مسودہ بھی رکھا ہوا تھا۔ بریف کیس اُٹھا کر وہ اپنی رہائش گاہ کی طرف چل دیا جہاں اسے قتل کی وہ واردات مکمل کرنی تھی جو اس کے خیال میں اس کی ذہانت کا شاہکار تھی۔ اتنی طمانیت اسے اپنی کسی کہانی کے پلاٹ سے حاصل نہیں ہوئی تھی۔

اپنی پرانی بلڈنگ پر پہنچ کر اس نے مناسب موقع دیکھ کر بھولی بسری چابی سے صدر دروازے کا تالا کھولا اور لفٹ کے ذریعے چھت پر پہنچ گیا۔ برابر ہی میں وہ نئی بلڈنگ تھی جس میں آج کل وہ رہائش پذیر تھا۔ دونوں عمارتیں سترہ منزلہ تھیں اور دونوں کی چھتیں تقریباً جُڑی ہوئی تھی۔ دونوں کی منڈیروں کے درمیان بہ مشکل دو فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس فاصلے کو پھلانگنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی وہ نئی بلڈنگ کی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ چھت پر صرف اسی کا اپارٹمنٹ تھا۔ یعنی وہ اپنی عمارت کے چوکیدار کی نظر میں آئے بغیر اپنے گھر پہنچ چکا تھا۔ بلکہ صرف چوکیدار ہی کا کیا ذکر' وہ کسی کی بھی نظر میں آنے سے محفوظ رہا تھا۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ کی چابی نکالتے ہوئے نہایت طمانیت سے مسکرا دیا۔

لوگ قسم کھا کر گواہی دے سکتے تھے کہ وہ ویسٹ پورٹ گیا تھا۔ درحقیقت اس کا ویسٹ پورٹ جانے کا ارادہ بھی تھا لیکن اپنا کام ختم کرنے کے بعد۔ اور ٹرین سے نہیں' بلکہ اپنی کار کے ذریعے تاکہ بعد میں ویسٹ پورٹ سے بھی گواہ میسر آسکیں کہ وہ وہاں دیکھا گیا تھا۔ مس میکن اور اس کے آٹوگراف لینے والے تصدیق کر سکتے تھے کہ انہوں نے دن چڑھے اسے ٹرین میں ویسٹ پورٹ جاتے دیکھا تھا جب کہ قتل کے وقت کا جو تعین میڈیکل ایگزامنر کو کرنا تھا اس وقت تو اندازاً بیکر کو ویسٹ پورٹ کے راستے میں ہونا چاہیے تھا۔

اس نے اپنی ذہانت پر خود کو داد دی اور ریوالور بریف کیس سے نکال کر جیب میں ڈال لیا' پھر اس نے نہایت احتیاط سے اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا اور اندر پہنچ کر کان لگا کر سننے لگا۔

اپارٹمنٹ کے پچھلے حصے سے ملڈرڈ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے زیادہ توجہ سے سنا تو اندازہ ہو گیا کہ ملڈرڈ اس کمرے میں تھی جسے وہ آفس کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

بیکر پنجوں کے بل راہداری میں آگے بڑھا۔ اس کا ہاتھ جیب میں ریوالور کے دستے پر تھا۔ اسے امید تھی کہ ملڈرڈ ایک آدھ منٹ میں فون پر بات ختم کر لے گی اور پھر...

وہ اب ملڈرڈ کی آواز صاف طور پر سُن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "نہیں... مس لوجوائے... نہیں..."

"اوہ...! تو یہ لوجوائے یعنی فنی سے بات ہو رہی ہے!" بیکر نے سوچا اور مزید توجہ سے سننے لگا۔ ملڈرڈ کہہ رہی تھی۔ "دیکھیں مس لوجوائے! وہ تو ویسٹ پورٹ روانہ ہو چکا ہے۔ آپ کی کمپنی کو تو پہلے سے معلوم تھا کہ اسے ویسٹ پورٹ جانا تھا... ہاں... اب آپ اپنے باس مسٹر سین فورڈ کو بتا دیں کہ وہ ویسٹ پورٹ جا چکا ہے... جی نہیں... اس سے رابطہ قائم کرنے کا اب کوئی طریقہ نہیں۔"

پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولی۔ "ہاں' اب یہی طریقہ ممکن ہو سکتا ہے... اس دوسرے رائٹر کا نام کیا بتایا آپ نے؟... میں لکھ لیتی ہوں۔ آج رات میرا شوہر واپس آئے گا تو میں اسے بتا دوں گی۔ ظاہر ہے اب وہ شہر میں نہیں ہے تو یہی کیا جا سکتا ہے۔ مجھے امید ہے وہ بُرا نہیں منائے گا اور آپ لوگوں کی مجبوری کو سمجھ لے گا۔ ٹھیک ہے... شکریہ... خدا حافظ۔"

"یہ دوسرے رائٹر کا کیا چکر ہے؟" بیکر نے کمرے کے دروازے پر کھڑے کھڑے حیرت سے سوچا۔ پھر وہ یکدم دروازہ کھول کر اپنے آفس میں جا پہنچا اور تیزی سے بولا۔ "یہ دوسرے رائٹر کی کیا بات ہو رہی تھی؟"

"ارے... تم کہاں سے آگئے بیکر؟" ملڈرڈ حیرت سے بولی۔

"میں پوچھ رہا ہوں' یہ دوسرے رائٹر کی کیا بات ہو رہی تھی؟"

"کیا تمہاری ٹرین چھوٹ گئی؟" ملڈرڈ نے اپنے سوالات جاری رکھے۔

"تم لعنت بھیجو ٹرین پر اور جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔ یہ دوسرے رائٹر کا ذکر کس سلسلے میں ہو رہا تھا؟" وہ تیزی سے بولا۔

"اس رائٹر کا نام نام ایلسن ہے۔ تم نے اس ہفتے کی ٹی وی فلم کے لیے جو اسکرپٹ دیا تھا' وہ اسے ری رائٹ کرے گا کیوں کہ انہیں بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر کل ہی سے اس کی شوٹنگ کرنی پڑ رہی ہے اور اس میں ابھی تصحیح کا کام باقی تھا۔ تم آج شہر میں نہیں تھے' اس لیے ظاہر ہے مجبوری تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کسی اور سے اسے ٹھیک کرا لیں۔"

"میں شہر ہی میں ہوں۔ لاؤ فون مجھے دو۔" وہ برہمی سے بولا۔

ملڈرڈ نے جب اس کی ہدایت پر عمل نہیں کیا تو وہ اسے ایک طرف دھکیل کر آگے بڑھا اور خود ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ملڈرڈ التجائیہ لہجے میں بولی "خدا کے لیے انہیں فون مت کرو۔ انہیں یہ ہی سمجھنے دو کہ تم ویسٹ پورٹ میں ہو۔"

لیکن بیکر نمبر ملا چکا تھا۔ وہ فون پر بولا۔ "مسٹر سین فورڈ سے بات کراؤ۔ جلدی۔ ضروری کام ہے۔"

وہ لائن ملنے کے انتظار میں مضطربانہ انداز میں میز کو انگلیوں سے کھٹکھٹانے لگا۔ ملڈرڈ اس کی منت کیے جا رہی تھی۔ "خدا کے لیے فون بند کر دو۔ ہر وقت ان ہی لوگوں کے اشاروں پر مت ناچتے رہا کرو۔ کبھی اپنی خوشی' اپنے سکون کے لیے بھی کوئی کام کر لیا کرو۔ برسوں میں جا کر تو تعطیلات کا پروگرام بنا تھا' اسے تباہ مت کرو۔ انہیں یہی سمجھنے دو کہ تم ویسٹ پورٹ میں ہو....."

اسی دوران فون پر سین فورڈ کی آواز ابھری اور بیکر جلدی سے بولا۔ "میں ایرک بیکر بول رہا ہوں۔ اسکرپٹ کو کیا ہوا؟ میں نے تو نظرِ ثانی کر کے مکمل اسکرپٹ دیا تھا۔"

"بیکر.... تم! مجھے تو پتا چلا تھا کہ تم شہر سے باہر کہیں گئے ہوئے ہو۔"

"نہیں۔ میں نہیں جا سکا۔ تم اسکرپٹ کے بارے میں بتاؤ۔ ایسی کیا ضرورت آن پڑی جو تم اسے دوسرے رائٹر کے حوالے کرنے لگے؟ میرے اسکرپٹ کو اب ٹام ایلسن ری رائٹ کرے گا! اس میں اتنی اہلیت ہے؟" بیکر غرایا۔

"بات اہلیت کی نہیں' ضرورت اور مجبوری کی ہے ڈیئر بیکر! ہمیں مجبوری آن پڑی تھی اور اس وقت ٹام ایلسن ہی ایک ایسا رائٹر دستیاب تھا جو راتوں رات اسکرپٹ میں کچھ ضروری ترامیم کر کے دے سکتا تھا۔ اسکرپٹ میں ترامیم کی ضرورت اس لیے نہیں پڑی کہ تم نے کوئی چیز خراب لکھی ہے بلکہ اس لیے آن پڑی ہے کہ ہم لوکیشن تبدیل کر رہے ہیں اور شوٹنگ بھی کل سے شروع ہونی ہے۔ دراصل قصہ یہ ہے کہ تم نے اسکرپٹ میں فلوریڈا کا ماحول دکھایا ہے لیکن اتفاق کچھ ایسا ہوا کہ بین کوئین ہمارے ہتھے چڑھ گیا اور ہم نے اسے کاسٹ کر لیا۔ ذرا تصوّر کرو.... اس بار ہماری فلم میں بین کوئین ہو گا۔ باکس آفس پر ہٹ ہونے والی شخصیت ہے۔"

بین کوئین برف پوش پہاڑوں پر پھسلنے کے کھیل اسکی اِنگ SKING کا چیمپئن تھا۔ اولمپک مقابلے جیت چکا تھا۔

"اسے اداکاری بھی آتی ہے؟" بیکر نے متذبذب لہجے میں پوچھا۔

"اداکاری کو گولی مارو۔ اس کا نام چلے گا۔ اب مسئلہ یہی تھا کہ تم نے فلوریڈا میں کار چیزنگ کے جو سین دکھائے تھے ان سب کو بدل کر رومونٹ کے علاقے میں اسکی انگ کے سین بنانا ہے۔ ظاہر ہے اسکرپٹ کو ری رائٹ تو کرنا پڑے گا۔"

"تم نے ابھی ٹام ایلسن سے بات تو نہیں کی؟"

"نہیں۔ میں اسے فون کرنے ہی والا تھا۔"

"کوئی ضرورت نہیں اسے فون کرنے کی۔ وہ میرا اسکرپٹ ہے' اسے میں ہی ری رائٹ کروں گا۔ ٹام اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ میں ابھی اس پر کام شروع کر دیتا ہوں۔ کل سہ پہر تک اسکرپٹ تمہیں مل جائے گا۔ اتفاق سے ابھی اس کی کاپی میرے پاس محفوظ ہے۔ میں نے ضائع نہیں کی۔"

اس نے فون بند کیا اور لائٹ کا زاویہ درست کر کے اپنی میز پر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔ ملڈرڈ رد دینے والی آواز میں بولی۔ "اس کا مطلب ہے' تم کل بھی ویسٹ پورٹ نہیں جاؤ گے؟"

"ہرگز نہیں۔" بیکر نے بلا تامل جواب دیا۔ ملڈرڈ غصے میں پاؤں پٹختی کمرے سے باہر چلی گئی۔ دروازہ اس نے اتنے زور سے بند کیا کہ دیواریں لرز اٹھیں۔

بیکر نے اسکرپٹ کی نقل سامنے رکھ کر ابھی پہلا سین ہی دوبارہ لکھنا شروع کیا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف اس کی کتابوں کا پبلشر ہیری ولسن تھا۔

رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد ہیری بولا۔ "بیکر! تم نے نئے ناول کا جو مسوّدہ دیا ہے' میں نے بڑی توجہ سے پڑھ لیا ہے۔ کہانی تو عمدہ ہے لیکن ایک جگہ مجھے اس میں جھول محسوس ہوا ہے۔ قاتل کو تم نے اتنی آسانی سے پولیس کے شکنجے سے چھڑوا دیا۔ جائے واردات سے اس کی عدم موجودگی کا ثبوت صرف اس کا اپنا بیان ہی تھا۔ اس کا کوئی گواہ تو موجود نہیں تھا۔ اگر قتل کسی ایسے طریقے سے ہو جاتا کہ جائے واردات سے اس کی عدم موجودگی کی گواہی دینے والے کچھ لوگ بھی سامنے آ جاتے تو کہانی لاجواب ہو جاتی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں۔ بات تو تمہاری معقول ہے...." بیکر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "چلو پھر ایسا کرتے ہیں کہ قاتل کو ٹرین پر سوار کرا دیتے ہیں۔ بتایا یہ جائے گا کہ وہ خاصا مشہور آدمی ہے۔ لوگ اسے ٹرین پر دیکھ لیتے ہیں جو شکاگو یا کسی اور طرف جا رہی ہے لیکن وہ راستے میں اتر جاتا ہے۔ بذریعہ کار گھر واپس آ کر قتل کرتا ہے اور بعد میں ہوائی جہاز کے ذریعے شکاگو پہنچ جاتا ہے۔ وہاں کا کوئی پراپرٹی ڈیلر وغیرہ تصدیق کر دیتا ہے کہ اس روز وہ شکاگو میں موجود تھا اور مکان تلاش کر رہا تھا۔ کیسا ہے؟"

"بہت اچھا ہے۔ تو پھر دو تک تم یہ ترمیم کر دو گے؟"

"ضرور.... ضرور...." بیکر نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

دوبارہ کام شروع کرنے سے پہلے اس نے ریوالور جیب سے نکال کر اسی دراز میں ڈال دیا جس میں وہ غیر ضروری چیزیں ڈالتا رہتا تھا۔ پھر اس نے آستینیں چڑھائیں اور گہری سانس لے کر سر جھکا کر ٹائپ کرنے لگا۔

ONCE A WRITER
ROBERT CENEDELLA



مکڑی صفت

نجمہ مودی

ماحول اور رفاقت انسان پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس عورت کا قصہ جو مکڑیوں کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ وہ ایک سائنس داں تھی اور مکڑیوں کے طرز زندگی کے بارے میں تحقیق کررہی تھی کہ اچانک ایک شخص نے اس کا ذہنی سکون تباہ کردیا۔

انسانوں سے لاتعلق رہ کر زندگی گزارنے والی ایک عورت کی دلچسپ کتھا

ڈاکٹر لیزا اینڈرس اس طرح اپنی لیبارٹری سے برآمد ہوئی جیسے کوئی ملکہ شاہانہ انداز سے اپنے دربار سے باہر آتی ہے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی نے اس وقت اسے ڈسٹرب کیا تھا جب وہ ایک ساؤتھ امریکن مکڑی کے بنے ہوئے جالے کا محدب عدسے کے ذریعے معائنہ کررہی تھی۔ اس قسم کی مکڑی اس ملک میں بہت کم پائی جاتی تھی۔

لیزا ایک دراز قد اور نازک اندام عورت تھی۔ گھنٹوں مائیکرو اسکوپ پر جھکے رہنے اور مکڑیوں پر ریسرچ کرنے کے علاوہ اس کی زندگی میں کسی دوسری مصروفیت کا دخل نہیں تھا۔

"کس کا فون ہوسکتا ہے؟" اس نے سوچا۔ وہ بہت کم لوگوں سے واقف تھی اور گنتی کے چند ایک افراد سے اس کی دوستی تھی۔ دوسری طرف سے کوئی مرد بول رہا تھا۔ اس نے لیزا کے نام سے اسے مخاطب کیا تھا۔

"یس؟" اس نے اپنا نام سن کر خوش اخلاقی سے کہا۔

"کیا تمہارا شوہر گھر پر ہے؟" دوسری طرف سے اس آدمی نے پوچھا۔ وہ عجیب کھرکھراتی ہوئی سی آواز میں بول رہا تھا۔

"اوہ، میرا خیال ہے تم نے غلط نمبر ڈائل کرلیا ہے۔" لیزا نے کہا "میرا کوئی شوہر نہیں ہے۔"

تب اس آدمی نے بڑے اطمینان سے سوال کیا "کیا میں تمہارے پاس آجاؤں اور۔۔۔"

آخر میں اس نے جن الفاظ میں اپنا مقصد بیان کیا وہ اس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی نہیں سنے تھے لیکن وہ اس شخص کا مطلب بخوبی سمجھ گئی تھی۔ یہ درست تھا کہ وہ ایک شرمیلی اور پارسا عورت تھی لیکن بہرحال' وہ اس دنیا کی باسی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ تم کون ہو۔" چند لمحے بعد وہ اس وقتی شاک سے سنبھلتے ہوئے بولی جو کہ اس شخص کی بے ہودہ تجویز سن کر اسے لگا تھا "میں نے سنا ہے کہ آج کل کوئی شخص عورتوں کو فون کرکے ان سے بے ہودہ قسم کی گفتگو کرتا ہے۔ تم ذہنی بیمار ہو مسٹر! تمہیں کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔"

اس آدمی نے کہا "ٹھیک ہے' تم بھی تو ایک ڈاکٹر ہو۔ میں تم سے مشورہ کرنے کے لیے آؤں گا۔" وہ آہستہ سے ہنسا۔

"میں ایک الگ قسم کی ڈاکٹر ہوں۔ صرف مکڑیوں پر ریسرچ کرتی ہوں اور تمہیں ایک ماہرِ نفسیات کی ضرورت ہے۔"

اس شخص نے جواب میں ایک اور بے ہودہ سا لفظ ادا کیا پھر کہنے لگا "کیا خیال ہے گڑیا؟ یہ سب کچھ ہم دونوں کے لیے بہت پُرلطف رہے گا۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ تمہارا کوئی شوہر نہیں ہے اور اتفاق سے میری کوئی بیوی نہیں ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" لیزا نے درشتی سے کہا اور ریسیور پٹخ دیا۔ اسے کسی مرد کی ضرورت نہیں تھی۔ خصوصاً ایسے کسی ذہنی مریض کی جیسا کہ وہ شخص تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ شخص اسے دوبارہ کال کرے۔ اس لیے نہیں کہ وہ نہایت اعلیٰ کردار کی مالک تھی اور ان سب باتوں سے دور تھی۔ وہ جس ماحول' جس دنیا میں رہتی تھی وہاں کردار کی بلندی یا پستی کے متعلق سرے سے کوئی تصور ہی موجود نہیں تھا لیکن ایسی ٹیلی فون کالز محض پریشانی میں مبتلا کرتی تھیں اور وہ پریشان ہونا نہیں چاہتی تھی۔ سکون سے اپنے کام میں مصروف رہنا چاہتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ وہ ایک پُرسکون گلی میں واقع اس بڑے سے مکان میں تنہا رہتی تھی۔ اس کی عمر پینتیس سال تھی۔ تقریباً بیس سال پہلے اس نے اپنی زندگی کو سائنس کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لیزا کے والدین کا انتقال ہوچکا تھا اور وہ اس کے لیے اچھی خاصی رقم چھوڑ گئے تھے۔ اب وہ بالکل تنہا تھی' کوئی عزیز یا رشتے دار بھی موجود نہیں تھا۔ جس یونیورسٹی سے اس نے تعلیم حاصل کی تھی اور ڈگریاں لی تھیں وہاں سے اسے ملازمت کی پیشکش ہوئی تھی لیکن اس کے گھر میں اس کی شان دار ذاتی لیبارٹری موجود تھی جہاں اس کے کام میں کوئی مداخلت کرنے والا نہیں تھا۔

کم از کم اب تک تو کوئی نہیں تھا۔

لیب میں واپس جاتے ہوئے' ہال سے گزرتے وقت وہ ہال میں لگے قدِ آدم آئینے کے سامنے ٹھہر گئی۔ اس نے خود کار انداز میں آئینے پر انگلی پھیری۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ آئینے پر گرد تو نہیں۔ کیونکہ اس کے گھر کام کرنے والی جز وقتی ملازمہ کلیئر' اکثر لاپروائی سے کام کرتی تھی۔ اس وقت آئینہ بالکل صاف تھا۔ لیزا اس کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لینے لگی۔

وہ بدصورت تو بالکل نہیں تھی۔ بلکہ اسے بلاشبہ خوب صورت قرار دیا جاسکتا تھا۔ ڈاکٹر لیزا کے خیال میں لفظ "ہینڈسم" اس کی شخصیت کی بہتر ترجمانی کرسکتا تھا لیکن یہ لفظ عام طور پر عورتوں کے لیے مناسب خیال نہیں کیا جاتا تھا۔

"کس قدر حیرت انگیز بات ہے!" اس نے اپنے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کے خوب صورت وجود پر آج تک کسی مرد کا سایہ نہیں پڑسکا تھا۔ وہ آج تک ان چھوئی تھی۔ باوجود اس کے کہ اس کا چہرہ بغیر کسی میک اپ کے چمک دار تھا اور اس کے ہونٹ لپ اسٹک کے بغیر بھی سرخ نظر آتے تھے۔ وہ سوچتے سوچتے کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگی "لیکن میں یہ سب کچھ کیوں سوچ رہی ہوں؟" اس نے سر کو جھٹکا اور اپنے اندر کی بے چینی کو دباتے ہوئے لیبارٹری میں چلی گئی۔

وہ ساؤتھ امریکن مکڑیاں جن کا وہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے سے پہلے معائنہ کررہی تھی' کئی وجوہ سے غیر معمولی اور قابلِ توجہ تھیں۔ جن میں سے ایک غیر معمولی بات یہ تھی کہ یہ مکڑی اپنے جالے کے تار کو چھ یا سات مرتبہ چکر دیتی تھی جبکہ ایک عام مکڑی کے جالے میں چار یا پانچ چکر ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کی ٹانگوں کے چار جوڑے تھے اور اس کے اگلے دانت جن کے ذریعے وہ اپنے شکار کی چیر پھاڑ کرتی تھی' غیر معمولی طور پر لمبے اور پرندے کے پنجے سے مشابہ تھے۔

زیادہ تر لوگ' مکڑیوں کو بدصورت اور کریہہ مخلوق تصور کرتے ہیں لیکن ڈاکٹر لیزا اینڈرس ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ اس کی چھوٹی سی سائنس کی دنیا میں خوب صورتی کا معیار مختلف

تھا۔ اسے اپنے کام سے بے حد دلچسپی تھی لہٰذا کام سے متعلق ہر چیز اس کے لیے دلچسپ اور خوب صورت تھی اور وہ اپنی دنیا میں مگن تھی' مکڑیوں کی لاتعداد انواع پر تحقیق میں شب و روز مصروف تھی۔

دفعتاً باغ کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے' پھولوں کی خوشبو سے معطر ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ لیزا اچھل پڑی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے چھوا ہے۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

"میں بھی کتنی بے وقوف ہوں!" وہ بڑبڑاتے ہوئے مسکرائی۔ وہ محض ہوا کا ایک جھونکا تھا لیکن ایک لمحے کے لیے اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے ہولے سے اس کی پنڈلیوں کو چھوا تھا۔

اس نے سر جھٹکا اور دوبارہ مائیکرو اسکوپ کی طرف متوجہ ہوگئی لیکن ایک ہی لمحے بعد وہ بے چینی محسوس کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔ وہ سوچنے لگی' آخر کس وجہ سے اس کے ذہن میں یہ عجیب سا خیال پیدا ہوا؟ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ آخر کیا چیز تھی جو اسے اس طرح سوچنے پر مائل کر رہی تھی؟

تب اچانک اس تبدیلی کی وجہ اس کے ذہن پر منکشف ہوئی۔ اس خیال کے آتے ہی سارے جسم کا خون سمٹ کر گویا اس کے چہرے پر آگیا۔ یہ سب کچھ اسی شخص کی وجہ سے تھا جس کی آواز اور بے ہودہ تجویز اس نے ٹیلی فون پر سنی تھی۔ اس شخص کی فضول گوئی کی وجہ سے اس قسم کے خیالات اس کے ذہن میں جگہ بنا رہے تھے لیکن کچھ دیر بعد جب اس نے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اور ذہن کو جذبات سے عاری رکھ کر سوچا تو اسے احساس ہوا کہ اس شخص کی خواہش کوئی اتنی غیر معقول اور غیر فطری تو نہیں تھی۔ خصوصاً جس معاشرے میں وہ رہتی تھی وہاں تو یہ سب عام تھا۔ بس اس شخص کا انداز اور بات کرنے کا طریقہ غلط تھا۔ ورنہ یہ تو فطرت کے عین مطابق تھا۔ ایک مرد کے لیے ایک عورت کی خواہش ایک فطری امر تھا۔

"لیکن کیا عورت کے معاملے میں ایسا نہیں تھا؟" اس کے ذہن میں سوال ابھرا "کیا اسے اپنا جوڑا مکمل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی؟"

"یقیناً ہوتی ہے۔" اس نے دل میں اعتراف کیا "اسے بھی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف میرے ہی معاملے میں اب تک ایسا نہیں ہوا۔"

اچانک ہال میں لگے ہوئے کلاک کا گھنٹا بج اٹھا۔ اس وقت دس بجے تھے اور آج بدھ کا دن تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ آج اسے بینک جانا تھا۔ ڈاکٹر لیزا نے کھڑکیاں بند کیں' پردے برابر کیے اور اس بات کا اچھی طرح یقین کرلیا کہ گیس بند ہے پھر اس نے اپنا ہیٹ سر پر رکھا' اپنا پرس لیا اور گھر سے باہر نکل آئی۔ باہر آکر اس نے ڈور لاک کی ٹاپ دبائی اور اس بات کا اچھی طرح یقین کرلیا کہ دروازہ مقفل ہوگیا ہے۔ وہ ہر کام پوری ذمے داری سے انجام دینے کی عادی تھی۔

لیزا کبھی بس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہروں پر توجہ نہیں دیتی تھی لیکن آج وہ ان سب چہروں کے پیچھے جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نہ جانے وہ ان چہروں کے پیچھے کسے تلاش کر رہی تھی؟ اس کی نگاہیں [illegible] سے دوسرے چہرے پر بھٹک رہی تھیں۔

صرف چہرے پر ہی نہیں۔ بلکہ جسم پر بھی۔

وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو دیکھنے لگی۔ اس کے بھورے' کرلی کٹ بال تھے اور دھوپ میں سنولایا ہوا سا چہرہ تھا جس پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ بازو بھی دھوپ میں سنولائے ہوئے اور مضبوط تھے۔ وہ سوچنے لگی۔ کیا یہ وہی

جسم موٹا چہرہ خوبصورت بنائیں

ڈائنا کلک

جسم موٹا اور چہرہ خوبصورت بنانے والی پاکستان کی واحد تسلیم شدہ دوا جسکے استعمال سے ایک دفعہ بڑھنے والا وزن اور حاصل ہونے والی جسمانی خوبصورتی ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ کیونکہ "ڈائنا کلک" مصنوعی اجزاء کی بجائے خالص اجزاء سے تیار کردہ ہے۔ "ڈائنا کلک" ہر عمر کے افراد جسم موٹا اور چہرہ خوبصورت بنانے کیلئے بلا خوف و خطر استعمال کر سکتے ہیں۔ "ڈائنا کلک" کے 4 ہفتوں کے استعمال سے جسم کے ہر حصے پر متناسب طریقے سے گوشت میں اضافہ کرتا ہے۔ چہرے کے داغ دھبے، چھائیاں جھریاں لکیریں دور کر کے گال بھرے بھرے خوبصورت شاداب بناتا ہے۔ جسمانی کمزوری خون نہ بننا خوراک بدن کو نہ لگنا، ایسے امراض کو دور کر کے جسم کو موٹا، طاقتور اور خوبصورت بناتا ہے۔ مکمل طور پر قدرتی اجزاء سے تیار کردہ گارنٹی کیساتھ مضر اثرات سے پاک قدرتی یونانی مرکب "ڈائنا کلک" قیمت 400 روپے (۹۰۰ سو گرام) جو چار ہفتوں کی مکمل خوراک ہے۔ ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P. منگوائیں۔ (نقل کرنیوالوں سے ہوشیار رہیں)

DIANA (UANANI) LABORATORIES
P.O. BOX 102 (SHAIGAN) ISLAMABAD.

ہو سکتا ہے؟ یا پھر وہ بوڑھا آدمی جو سیاہ سوٹ میں اس نوجوان کے برابر بیٹھا ہے۔ جس کے چھڑی پر جمے ہوئے ہاتھ پر نسیں اُبھری ہوئی نظر آرہی ہیں۔

نہیں۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ اس نے خود کو جواب دیا۔ کیونکہ نوجوان کو یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے یقیناً بہت سے دوست ہوں گے۔ گرل فرینڈز ہوں گی۔ وہ کسی بھی دشواری کے بغیر اپنی ہر خواہش پوری کرنے کا اہل نظر آتا ہے۔

اور وہ بوڑھا آدمی۔ بہت ہی بوڑھا ہے۔ وہ تو اس قسم کی باتوں سے بہت پہلے ہی بے نیاز ہو چکا ہوگا۔ وہ تو کوئی اور ہی شخص ہے۔ ان سب سے مختلف....

اس کی سوچیں اسے مزید الجھا رہی تھیں۔ وہ ذرا جھنجلائی' اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر سے صرف مردوں کا جائزہ لے رہی تھی اور صرف اسی ٹیلی فون والے شخص کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لاشعوری طور پر اس شخص کی تلاش میں تھی۔

اس وقت بھی اس شخص کی آواز لیزا کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"کیا میں تمہارے پاس آجاؤں اور۔۔۔"

"تمہارا کوئی شوہر نہیں' اور اتفاق سے میری کوئی بیوی نہیں۔"

ابھی لیزا کا مطلوبہ اسٹاپ نہیں آیا تھا لیکن وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ بھورے بالوں والے نوجوان کے قریب سے گزری۔ نوجوان نے اس کی طرف دیکھا بلکہ سر سے پاؤں تک لیزا کا جائزہ لیا۔ اس کی آنکھوں میں لیزا کے لیے ستائش تھی۔ ان کی نظریں ملیں اور وہ مسکرایا۔ یہ ایک بے ساختہ اور دوستانہ قسم کی مسکراہٹ تھی لیکن لیزا نے اسے نظرانداز کر دیا۔

بس سے اتر کر بینک کی طرف جاتے ہوئے اس نے اپنے منتشر حواس کو یکجا کیا۔ وہ اب تک ایک منظم زندگی گزارتی آئی تھی اور خود پر قابو رکھنا اس کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ بینک میں اس کا کام ہو گیا تو وہ گوشت لینے کے لیے مارکیٹ چلی گئی۔ وہ ہمیشہ کاؤنٹر کے پیچھے موجود شخص کو اپنے لیے گوشت بناتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی۔ اس کی توجہ گوشت پر ہوتی تھی لیکن آج گوشت کے بجائے اس آدمی کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس آدمی کا چہرہ سرخ تھا' جبڑا مضبوط اور بازو۔۔۔

مارکیٹ سے نکل کر وہ نیوی کے ایک سیلر کے قریب سے گزری' اس کا سفید ہیٹ ترچھا سر پر رکھا ہوا تھا اور ایک جانب سے اس کے بھورے بال ماتھے پر پڑے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ ایک دراز قد اور ہینڈسم آدمی تھا۔ لیزا اس کی جانب دیکھ رہی تھی کہ وہ بھی اسی لمحے اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر دلچسپی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ مسکرایا لیکن لیزا تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ گئی۔

گھر واپس پہنچ کر اس نے اپنے چہرہ گردن کو ٹھنڈے پانی سے دھویا لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔

صفائی ستھرائی کرنے والی جز وقتی ملازمہ' کلیئر دوپہر کے وقت آئی۔ لیزا اس وقت تک خود کو اپنے کام میں مصروف کر چکی تھی۔ ڈاک کے ذریعے بہت سے سائنسی میگزین آئے ہوئے تھے اور وہ مکڑیوں سے متعلق نئی دریافتوں کے بارے میں مطالعہ کرنا چاہتی تھی۔ مثال کے طور پر وہ اس شکاری مکڑی کے بارے میں مزید جاننا چاہتی تھی' جو جست لگا کر اپنے شکار پر جھپٹتی تھی۔

اس مکڑی کے بارے میں پڑھتے پڑھتے وہ چشم تصور سے خود پر ایک آدمی کو جست لگاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ ایک ایسا آدمی جس کے لمبے لمبے بازو اور لمبی لمبی ٹانگیں تھیں' اس پر جھپٹ رہا تھا۔

اس نے میگزین ایک طرف پٹخا اور اپنا دھیان بٹانے کی غرض سے کچن میں آگئی جہاں کلیئر کھڑکیاں صاف کر رہی تھی۔ وہ ایک جاذبِ نظر' خوش اخلاق... بلکہ باتونی قسم کی عورت تھی۔ مالکن کو دیکھتے ہی اس نے اپنا راگ شروع کر دیا۔

"مجھے ایک نیا ساتھی مل گیا ہے' مس لیزا!" اس نے خوشی سے معمور لہجے میں تقریباً چلا کر لیزا کو بتایا۔ وہ لیزا کو ڈاکٹر لیزا کے بجائے مس لیزا ہی کہتی تھی اور لیزا نے کبھی کلیئر کو ٹوکنا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ کلیئر کے خیال میں ڈاکٹر صرف مریضوں کا علاج کرنے والے کو کہتے تھے۔

"اس پرانے والے کا کیا ہوا؟" لیزا نے پوچھا۔ وہ کلیئر کی پل پل بدلتی آشنائیوں کو اسی تناظر میں دیکھتی تھی جیسے مکڑیاں ایک دوسرے سے ملنے کے بعد جدا ہو جاتی ہیں۔ دن رات اپنے کام میں غرق رہنے کے باعث وہ ہر معاملے کو اسی تناظر میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھی۔

کلیئر اس سے اپنی کوئی بات نہیں چھپاتی تھی۔ کہنے لگی "اوہ' وہ آدمی!" اس کی آواز سے ناگواری جھلک رہی تھی "میں نے اسے بھگا دیا۔ بالکل فضول آدمی تھا۔ سارا دن بیٹھا

کچھ نہ کچھ کھاتا رہتا تھا اور میری لائی ہوئی بیئر پیتا رہتا تھا۔ دن رات اس کی یہی مصروفیت تھی اور بس....."

پھر وہ بھونڈی سی آواز میں ہنسی اور کہنے لگی "اور یہ نیا والا' دن میں کام پر جاتا ہے اور میرا بہت خیال رکھتا ہے....."

اس نے لیزا کی طرف شرارت سے دیکھا "آپ بھی کوئی اچھا سا آدمی کیوں نہیں تلاش کرلیتیں مس لیزا؟ آپ اتنی خوب صورت ہیں' اور آپ کا فگر بھی اتنا اچھا ہے۔"

لیزا نے مسکراتے ہوئے سرہلایا "میرا کسی شوہر قسم کی چیز کے ساتھ گزارا نہیں ہو سکتا۔" اس نے کہا۔

"میں کسی شوہر کے بارے میں بات نہیں کر رہی ہوں!" اس نے ناگواری کے ساتھ وضاحت کی "میں تو ایک آدمی' ایک ساتھی کے بارے میں بات کر رہی تھی۔"

اور اس طرح کلیئر کی گفتگو سے لیزا کے دل و دماغ پر بوجھ مزید بڑھ گیا۔ حالانکہ وہ اپنا دھیان بٹانے کی غرض سے کلیئر کے پاس آئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد لیزا خود کو دوبارہ کام میں مصروف کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ سالوں سے یہی کام کر رہی تھی اور بہت خوش تھی۔ مکڑیوں کی خصوصیات اور عادات کا مطالعہ کرکے اسے ایک انوکھی سی مسرت حاصل ہوتی تھی اور وہ صرف انہی کے متعلق سوچتی تھی۔

لیکن اب اس کی تمام تر سوچیں صرف اور صرف مردوں پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔ بس میں بیٹھا ہوا وہ نوجوان۔ قسائی کی دکان پر گوشت کاٹتا ہوا وہ آدمی۔ راستہ چلتا ہوا وہ سیلر۔ اس کی سوچیں ایک ہی محور پر گھوم رہی تھیں۔ اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ اس نے ایک جھرجھری سی لے کر سوچا' میرے ساتھ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا..... اور تب ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

وہ چند لمحوں تک یونہی اپنی جگہ بیٹھی رہی لیکن جب گھنٹی مسلسل بجتی رہی تو وہ آہستگی سے ٹیلی فون کی جانب بڑھی۔

اس شخص کی آواز سننے سے پہلے ہی اسے معلوم تھا کہ یہ وہی ہے۔ وہ سارا دن اس کال کی توقع کرتی رہی تھی۔ بلکہ وہ صرف توقع ہی نہیں' اس بات کی خواہش بھی کرتی رہی تھی..... اور اس وقت بھی وہ اس انتظار میں تھی۔ لیزا نے

فون پر دوسری طرف اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا "ہیلو...؟"

"ہیلو، گڑیا!" وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا "یہ میں ہوں۔ تمہارا چاہنے والا۔ میں نے سوچا تمہیں دوبارہ فون کروں اور..."

"ہاں۔" وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولی "کہو..."

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے بے بی؟ کیا میں تمہارے پاس آجاؤں اور...؟"

اس نے بھاری بھاری سانسوں کی آواز سنی لیکن وہ نہیں جان پائی کہ یہ کس کی سانسوں کی آواز تھی۔ اس شخص کی یا خود اس کی اپنی۔

خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا پھر وہ بولی "ہاں۔ آجاؤ۔"

خاموشی کا ایک اور وقفہ آیا۔ بالآخر وہ بولا "کیا واقعی؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی "کیا تم نے پولیس کو بلایا ہے؟" اس نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں!" لیزا چلائی "یہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں اکیلی ہوں... اور میں تنہا رہتے رہتے تھک گئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم یہاں آؤ۔ میں چاہتی ہوں کہ تم..."

اور لیزا نے اس شخص کے الفاظ دہرا دیے۔

یہ الفاظ سن کر اس شخص کو لیزا کی بات پر یقین آگیا۔ کوئی بھی شریف اور معزز عورت جس کا پولیس سے رابطہ ہو اور جس کا فون ٹیپ کیا جارہا ہو، اس قسم کے الفاظ کبھی ادا نہیں کرسکتی تھی۔

"میں آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔" اس نے وعدہ کیا اور فون بند کرنے سے پہلے اپنے گندے ذخیرۂ الفاظ میں سے مزید چند بے ہودہ الفاظ سے لیزا کو نوازا۔

لیزا فون کے پاس کھڑی سوچ رہی تھی کہ وہ اب بھی پولیس کو بلا سکتی ہے... لیکن وہ ایسا کرنے کے بجائے غسل کرنے چلی گئی پھر اس نے ایک اچھا سا لباس منتخب کرکے پہنا، ہلکا سا میک اپ کیا اور خوشبو بھی لگائی جو وہ شاذ و نادر ہی لگاتی تھی۔

ڈاکٹر لیزا وقت کی پابند تھی۔ اس نے تیار ہونے اور نیچے آنے میں صرف آدھا گھنٹا ہی لگایا تھا لیکن اس کا مہمان شاید اس سے بھی زیادہ وقت کا پابند تھا وہ پہلے ہی سے سیڑھیوں کے نیچے کھڑا تھا۔

"تم نے پچھلی کھڑکی کھلی چھوڑ کر اچھا کیا۔" وہ اسے دیکھتے ہی بولا "میں دروازوں کی نسبت کھڑکیوں سے آنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اس طرح زیادہ لطف آتا ہے۔"

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر عجیب سے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ اس سے پہلے لیزا کو کبھی کسی نے اس طرح نہیں دیکھا تھا۔ نہ بس میں بیٹھے ہوئے اس نوجوان نے، نہ ہی اس سیلر نے اور نہ ہی کسی اور نے۔

وہ سیڑھیوں کی ریلنگ پر ہاتھ ٹکائے کچھ جھکا ہوا سا کھڑا تھا، جب وہ سیدھا ہوا تو لیزا نے دیکھا کہ وہ خاصا دراز قد تھا۔ بال سیاہ تھے، دہانہ کافی کشادہ اور ٹھوڑی کچھ نکیلی سی تھی۔ لباس صاف ستھرا اور معقول تھا لیکن ٹائی وغیرہ باندھنے کا تکلف اس نے نہیں کیا تھا۔ کھلے ہوئے گریبان سے بالوں کا گچھا جھانک رہا تھا۔ بازو اور ٹانگیں لمبی تھیں۔ اس کے ہونٹ مرطوب اور سرخ ہورہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ انہیں دانتوں سے کاٹتا رہا ہو۔

لیکن اس کی آنکھیں ایسی تھیں کہ لیزا کی ساری توجہ ان کی جانب مرکوز ہو کر رہ گئی تھی۔ دو گہرے گڑھوں سے جھانکتی ہوئی یہ آنکھیں لیزا کو گھور رہی تھیں اور ان میں عجیب وحشت آمیزی چمک اور بھوک نظر آرہی تھی۔

وہ اپنی زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کہنے لگا "میرا خیال تھا کہ کوئی عمر رسیدہ اور بدصورت قسم کی چیز میری منتظر ہوگی، لیکن..."

لیزا خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی "تمہارا بیڈ روم کہاں ہے؟" اس نے بدتمیزی سے پوچھا "اوپر ہے؟"

لیزا نے اثبات میں سر ہلایا اور اوپر جانے لگی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے تھا اور بے آواز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

"آج تمہیں فون کرنے سے پہلے مجھے کامیابی کی کچھ زیادہ توقع نہیں تھی۔" وہ اسے کہتے ہوئے سن رہی تھی۔ "حقیقت یہ ہے کہ ایسی کالوں کے جواب میں مجھے لعنت ملامت ہی نصیب ہوتی ہے۔" وہ بھونڈی آواز میں ہنسا "جب میں عورتوں کو بتاتا ہوں کہ میں کیا چاہتا ہوں تو وہ جواب میں مجھے ایسی ایسی باتیں سناتی ہیں کہ بس غمزہ آجاتا ہے۔ کچھ تو باقاعدہ چیخنے چلانے لگتی ہیں۔"

ذرا دیر کو لیزا کو یہ احساس ہوا کہ اب پولیس کو فون کرنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ مگر شاید وہ ایسا کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

بیڈ روم کے دروازے پر پہنچ کر وہ اس کی طرف پلٹی... اور اسی لمحے اس شخص نے لیزا پر جست لگائی۔ بالکل اسی شکاری مکڑے کی طرح جو ایک جست لگا کر اپنے شکار پر جھپٹتا

اپنا مطلب نکل جانے کے کچھ دیر بعد وہ باتیں کر رہا تھا۔ لیزا اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے رہی تھی مگر وہ بغیر کسی وقفے کے نہ جانے کیا کچھ بولے جا رہا تھا۔ جبکہ لیزا کو اس کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا دھیان کسی اور جانب تھا۔

"سنو!" اچانک لیزا نے کہا۔

وہ ایک دم خاموش ہو گیا اور اس کی طرف مڑا۔ کمرے کی لائٹ بند تھی لیکن ہال کی لائٹ آن تھی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"باہر ہال میں کوئی ..." لیزا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

وہ اٹھا' دروازے کی طرف گیا اور پھر وہ سیڑھیوں سے نیچے جھانکنے لگا۔ لیزا پنجوں کے بل دوڑتی ہوئی الماری تک گئی اور اسی طرح پھرتی سے واپس آ گئی' اسی لمحے وہ پلٹا اور دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہارا وہم ہو گا۔" وہ کہنے لگا "وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ ایک تو تم عورتیں بہت وہمی ہوتی ہو۔ بہرحال اب تمہیں کسی بات سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تم نے مجھے پالیا ہے' اب تو ہم دونوں ملتے رہیں گے۔ میں اکثر یہاں آتا رہوں گا۔ تم بھی یہی چاہتی ہو نا؟"

"نہیں۔" لیزا نے درشتی سے کہا "میں ہرگز یہ نہیں چاہتی۔"

اچانک اس نے چادر کے نیچے سے شاٹ گن نکالی' اسے سیدھا کیا اور اس شخص پر فائر کر دیا پھر اس نے دوبارہ فائر کیا۔

چند لمحوں بعد وہ اس شخص کی لاش کو پھلانگتی ہوئی باتھ روم گئی اور پھر نیچے پولیس کو فون کرنے چلی گئی۔ انہوں نے اس کی بات سن کر کہا کہ وہ فوراً پہنچ رہے ہیں۔

وہ اپنے پھٹے ہوئے لباس کے دونوں سروں کو تھامے ہوئے پولیس کے انتظار میں کھڑی تھی کہ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ کچھ بھول رہی تھی پھر اسے فوراً ہی وہ بات یاد آ گئی اور وہ لیب میں چلی گئی۔

لیب کی کھڑکی ابھی تک کھلی ہوئی تھی۔ وہ اکثر دوپہر کے وقت اسے کھلا چھوڑ دیتی تھی تاکہ مکھیاں اندر آ سکیں۔ اندر مکھیاں پکڑنے کے لیے ایک پھندا تھا جس پر شکر کا شیرہ لگا ہوتا تھا۔ مکھیاں اس میں زندہ پھنس جاتی تھیں۔ وہ پھندے کو شیشے کے پنجروں کے قریب لے گئی' جن میں مکڑیاں موجود تھیں اور ہر پنجرے میں بہت سی مکھیاں ڈال دیں۔

پولیس کو اس نے یہی بتایا کہ ایک اجنبی اس کے گھر میں گھس آیا تھا جس نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا تھا۔ موقع ملتے ہی اس نے اس شخص کو ہلاک کر دیا تھا۔ اسے اپنے کیے پر کوئی افسوس نہیں تھا۔ وہ ایک سائنس داں تھی اور اس نے ایک سیدھا سادہ سا تجربہ کیا تھا۔ ایک سائنسی تجربہ۔ جو کہ اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ جہاں تک پولیس کا تعلق تھا تو اس نے انہیں یہی بتایا تھا کہ سب سے پہلے تو اس شخص نے ایک بے ہودہ قسم کا فون کیا اور پھر موقع پا کر کھلی ہوئی کھڑکی سے اندر آ گیا اور اس پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی۔

"میں خود کو چھڑا کر بھاگی تو وہ میرے پیچھے آیا اور میں نے اسے شوٹ کر دیا۔" لیزا نے واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

سب کچھ ٹھیک ہو گیا تو وہ پنجروں کے قریب آئی۔ اس نے دیکھا' مکھیاں جالوں کے اندر بھنبھنا رہی تھیں۔ مکڑیاں آہستہ آہستہ ان تک پہنچ رہی تھیں۔ ایک پنجرے میں مادہ مکڑیاں تھیں' نر مکڑیوں کو ان سے علیحدہ رکھا گیا تھا۔ اگر انہیں ایک ساتھ رکھا جاتا تو وہ اپنے جوڑے بنا لیتیں۔ جو کہ ایک فطری بات تھی۔ تمام جانداروں کا یہی طریقہ تھا۔ سوائے انسان کے۔ جو کبھی کبھی ایسا نہیں بھی کرتا۔

لیکن مکڑیوں کی دنیا کا اپنا ایک اصول تھا۔ جب ان کا ملاپ ختم ہو جاتا تھا تو مادہ مکڑی نر مکڑی کا پیچھا کرتی تھی' اگر وہ اسے پکڑ لیتی تھی.... اور اکثر ایسا ہی ہوتا تھا.... تو وہ اسے مار ڈالتی تھی اور کھا جاتی تھی۔ شاید فطری عمل مکمل ہونے کے بعد نر مکڑی کے زندہ رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا تھا۔

ڈاکٹر لیزا اینڈرس مکڑیوں کی دنیا سے بہت متاثر تھی' لہٰذا اس نے بھی وہی سب کچھ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا یہ تجربہ کامیاب رہا تھا۔

اب وہ بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ یہ سوچ رہی تھی کہ اس تجربے کو آئندہ بھی کسی وقت دہرایا جا سکتا ہے۔ اس کے اردگرد بہت سے دلچسپ اور موزوں افراد موجود تھے' جن تک پہنچنا بہت آسان تھا۔ مثلاً۔ بس میں نظر آنے والا وہ نوجوان اور راہ چلتا ہوا وہ سیلر۔

لیکن اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اگلی مرتبہ وہ انجام میں تبدیلی لائے گی.... اور شاٹ گن استعمال کرنے کے بجائے دوسرے طریقے بھی آزمائے گی۔

نجم عثمانی

پراسی دولت کی داستان جو انسان کے دل سے ہر جذبے اور ہر احساس فنا کر دیتی ہے۔ ایک عجلت پسند اور حیلہ باز شخص کی روداد جس نے ریڈیو سے نشر ہونے والی پوری خبر سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

کانڑائے عرنے پہاڑ کی چوٹی پر واقع مکان کی کھڑکی سے دیکھ لیا کہ ایک کار بتدریج بلند ہوتے ہوئے پہاڑی راستے پر اوپر آ رہی تھی۔ وہ فوراً حرکت میں آ گیا۔ اس نے دوربین الماری میں رکھ دی۔ سگریٹ بجھا دی اور مستعدی سے ہال کی طرف چل دیا۔ تپائی پر رکھا ہوا ریڈیو ابھی تک آن تھا۔

ہال سے گزر کر کچن میں پہنچ کر اس نے ڈیپ فریزر کھولا اور اس میں اوپر تک بھرے ہوئے کھانوں وغیرہ پر نظر ڈالی اور مطمئن ہو کر ڈھکن بند کر دیا۔ پھر اس نے میز پر رکھے ہوئے پیکٹوں کا جائزہ لیا، برتن دھونے کی مشین میں جھانکا اور واپس چل دیا۔ ہال سے گزرتے وقت اس نے دائیں طرف بیڈروم میں پھر بائیں طرف باتھ روم میں جھانکا اور ان دونوں کے دروازے بند کر دیے۔ ہال سے نکلتے وقت اس نے ہال کا دروازہ بھی بند کر دیا اور رہائشی کمرے میں آ کر مصنوعی میز کے قریب وہیل چیئر روک لی۔ آخری بار اس نے ناقدانہ نظروں سے رہائشی کمرے کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو گیا۔

اب وہ بالکل تیار تھا۔ نہایت احتیاط سے اس نے موٹا سا کمبل یوں ٹانگوں پر پھیلایا کہ دائیں کولہے کے قریب نظر آنے والا ریوالور کا ابھار بھی چھپ گیا۔ ہتھیلیوں کو کمبل پر رگڑ کر اس نے پسینہ پونچھا اور پائپ نکال کر اسے سلگانے کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دستک دوبارہ دی گئی۔ تب اس نے کہا: "آجاؤ... دروازہ کھلا ہے"۔ اور اس وقت وہ پائپ کو تیلی سے شعلہ دکھا رہا تھا جب ایک شخص اندر آیا اور دروازہ بند کر کے اسی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ اوورکوٹ کی جیبوں میں تھے۔

"پچھلے دو گھنٹوں میں کوئی شخص یہاں سے گزرا ہے؟" نووارد نے تیکھے تلے لہجے میں ملائمت سے پوچھا۔

کانڑائے نے تیلی کو ہلا کر بجھایا: "اس سوال کا جواب تو یہ معلوم ہونے کے بعد ہی دیا جا سکتا ہے کہ تمھیں کس کی تلاش ہے اور کیوں؟" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

ہیٹ کے پچھلے تلے نووارد کی آنکھیں شاطرانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں پھر اس کی نظر کانڑائے پر جم کر رہ گئی۔ وہ اس کا سرتاپا جائزہ لے رہا تھا۔ کانڑائے کے بال بہت چھوٹے اور قلمیں اونچی تھیں۔ چہرہ کچھ پھولا پھولا سا تھا اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔

اجنبی نے اس کمبل کو بھی بغور دیکھا جس کے نیچے کانڑائے

کا دھڑ چھپا ہوا تھا۔ پھر اُس کی نظریں ریڈیو گرام سیٹ، میز، ہال کے بند دروازے، دیوار سے لگے ہوئے ورزش کے کچھ سامان وغیرہ سے پھسلتی ہوئی دوبارہ کانرائے پر آن ٹھہریں۔ وہ کانرائے کے مضبوط، لمبے لمبے بازوؤں اور چوڑے سینے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم خبریں سنتے رہے ہو؟" اجنبی نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں" کانرائے نے جواب دیا۔ "کیوں؟"

دفعتاً ہال میں چوبی فرش کا کوئی تختہ چرچرایا جیسے کوئی دبے قدموں اُس پر چل رہا ہو مگر اُس کی موجودگی کا راز کھل گیا ہو۔ نووارد کے دونوں ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے اوورکوٹ کی جیبوں سے باہر آگئے۔ اُن میں سے ایک میں ریوالور تھا۔ وہ چیتے کی طرح ہال کے دروازے کی طرف لپکا۔ کانرائے یوں مسکراتے ہوئے اُس کی حرکت دیکھ رہا تھا جیسے کوئی اسٹیج ڈرامہ دیکھتے ہوئے کسی کی اداکاری سے محظوظ ہو رہا ہو۔

دفعتاً وہ یوں چلا اٹھا جیسے کسی کو خبردار کر رہا ہو۔

"بھاگ جاؤ" پھر اُس نے کمبل کے نیچے ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ اُس وقت تک اجنبی کا ہاتھ دروازے کی ناب تک پہنچ چکا تھا مگر اسی لمحے دروازہ اتنی تیزی سے کھلا اور اس طرح اجنبی سے ٹکرایا کہ وہ الٹ کر دُور جا گرا۔ اُس کا ریوالور بھی ہاتھ سے نکل گیا۔

ایک اور شخص نے دروازے سے اندر چھلانگ لگائی۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور یوں تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کر رہا تھا جیسے کوبرا پھن ہلا رہا ہو۔ فرش پر گرا ہوا شخص جھنجلائے ہوئے انداز میں دوسرے اجنبی پر جھپٹا۔ اُن میں زور آزمائی ہونے لگی اور اس کے دوران ریوالور کا ٹریگر دب گیا۔ گولی اُن میں سے کسی کے نہیں لگی تاہم ریوالور دوسرے اجنبی کے ہاتھ سے بھی چھوٹ گیا اور پہلے اجنبی نے ٹھوکر مار کر اُسے کمرے کے ایک کونے میں پہنچا دیا۔

کانرائے کمرے میں بارود کی بُو محسوس کرتے ہوئے نہ جانے کیوں مسکرایا پھر اُس نے آواز زیادہ بلند کیے بغیر حکم دیا۔ "بند کرو یہ دھینگا مشتی"

وہ ایک دوسرے کو چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کانرائے نے اپنے ریوالور کا رُخ اُن کی طرف رکھتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ "آج تو گویا مہمانوں کی آمد کا دن ہے لیکن مہمان یوں ریوالور بدست تو نہیں آیا کرتے" اُس نے دوسرے نووارد کا جائزہ لیا جو ہانپ رہا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت کوتاہ قد اور نوجوان تھا۔

"اب اپنا اپنا تعارف کراؤ اور آمد کی وجہ بیان کرو" کانرائے نے حکم دیا۔

دوسرے نووارد نے شعلہ بار نظروں سے ریڈیو کی طرف دیکھا جس سے اِس وقت کسی پاپ سنگر کا گانا نشر ہو رہا تھا۔ اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں، اپنا مفلر درست کیا اور پہلے اجنبی کی طرف دیکھتے ہوئے برہمی سے بولا۔ "آخر اتنی دیر تم کیا کرتے رہے؟ دروازہ بند تھا.... پھر میں نے اس شخص کو چیختے سنا.... مجھے یقین ہو گیا کہ تم نے مطلوبہ آدمی کو قابو کر لیا ہے...."

پہلے اجنبی نے کسی قسم کی جوابی برہمی کا اظہار نہیں کیا گویا وہ دوسرے نووارد کو حق بجانب سمجھ رہا ہو۔ وہ یقیناً ایک دوسرے سے اچھی طرح شناسا تھے۔ اُس نے نظر کانرائے ہی پر رکھتے ہوئے ملائمت سے جواب دیا۔ "میرے خیال میں ہم دونوں نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا تھا"

دوسرے اجنبی نے فرش پر نظر دوڑائی حتیٰ کہ اُسے دونوں ریوالور نظر آگئے۔ تب اُس نے متاسفانہ سے لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے کچھ پھرتی دکھائی ہوتی تو صورتِ حال مختلف ہوتی" پھر وہ کانرائے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ انسان نہیں کہیں اُگا ہوا بڑا سا اسپرنگ ہے جو ذرا سے اشارے سے اچھل پڑے گا۔

"تمہارا نام کانرائے ہے؟" اُس نے کاٹ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

"اگر ہے تو پھر؟" کانرائے نے ملائمت سے کہا۔

"ہمیں تمہارے بھائی جیک کی تلاش ہے۔ کیا وہ یہاں ہے؟" دوسرے اجنبی نے پوچھا۔

"نہیں" کانرائے نے جواب دیا۔

"کیا وہ یہاں تھا؟" اجنبی نے لفظ تھا، پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں" کانرائے نے تشکفتہ لہجے میں فوراً ہی جواب دیا۔

"تو پھر تمہیں کسی کو خبردار کرنے کے انداز میں چیخنے اور ریوالور نکالنے کی کیا ضرورت تھی؟" دوسرے اجنبی کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔

کانرائے نے قہقہہ لگایا۔ "تم لوگوں کا خیال ہے کہ میں چونکہ ٹانگوں سے معذور ہوں اس لیے تم جب چاہو گستاپو کی طرح دندناتے ہوئے یہاں گھس سکتے ہو؟ میرا جب جی چاہے گا میں یہاں چیخوں گا اور جب دل چاہے گا ریوالور

نکالوں گا۔ کیونکہ یہ میرا گھر ہے اور تم یہاں اس طرح دھینگا مشتی نہیں مچا سکتے.... اور اب میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم ہو کون ذات شریف؟"

"میرا نام پیری ہے اور میں ایکمی انشورنس کمپنی کا نمائندہ ہوں۔" دوسرے اجنبی نے یوں فخر سے بتایا گویا وہ انشورنس کمپنی کا نہیں کسی بہت بڑی سلطنت کا نمائندہ خاص ہو۔ سر کی ہلکی سی جنبش سے اس نے پہلے آنے والے شخص کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ڈیوڈسن ہے۔ ریورسٹی پولیس سے اس کا تعلق ہے۔ تمہارا بھائی جیک جیل سے فرار ہو گیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں نے ریڈیو پر سنا تھا۔ لیکن میں کیسے یقین کر لوں کہ تم لوگ قانون کے نمائندے ہو؟"

"گویا... تمہیں شبہ ہے؟" پیری نے گویا زبردست توہین محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میرا شناختی کارڈ میرے پاس..."

"اپنے ہاتھ جیبوں سے دور ہی رکھو۔" کانرائے نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں۔ اس عینک کی وجہ سے مجھے کچھ زیادہ اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی جیبیں ٹٹولو۔ غالباً دوسرا ریوالور نکالنے کے لیے۔"

پیری غصے سے ڈیوڈسن کی طرف مڑا۔ "تم کس خوشی میں بت بنے کھڑے ہو؟" اس نے برہمی سے کہا۔ "تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ محض وقت گزاری کر رہا ہے۔ جیک یہاں آیا تھا... ہر طرف ایسے آثار موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہاں آیا تھا اور خطرے کی بو سونگھتے ہی نکل گیا ہے۔ اب یہ ہمیں اسی لیے روکے ہوئے ہے کہ اس کے بھائی کو زیادہ سے زیادہ دور نکل جانے کے لیے وقت مل سکے۔" اس نے ایک قدم بڑھایا۔

"تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" کانرائے نے خبردار کیا۔ "یہ درست ہے کہ میں نے کافی عرصے سے گولی نہیں چلائی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اتنے قریب سے بھی میرا نشانہ خطا ہو سکتا ہے۔"

ڈیوڈسن ساکت کھڑا مسلسل کانرائے کو تک رہا تھا۔ ہیٹ کے چھجے تلے اس کی شاطر آنکھیں مدھم روشنی میں زرد سی نظر آ رہی تھیں۔ گردن گھمائے بغیر وہ پیری سے مخاطب ہوا۔ "کون سے آثار ہیں جن سے تمہیں جیک کی موجودگی کا احساس ہوا؟"

"پیچھے کچن میں ایک ڈیپ فریزر خشک خوراک کے ڈبوں سے بھرا پڑا ہے...." پیری نے جوشیلے اور فخریہ لہجے میں بولنا شروع کیا جیسے اس کے اپنے سوا دنیا کے تمام انسان ناقص العقل ہوں۔ "کچھ ڈبے اور دیگر چیزوں کے پیکٹ میز پر بھی رکھے ہیں۔ لگتا ہے کہ جیک کسی لمبے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ اسٹوو پر کافی کا برتن ابھی تک گرم ہے۔ برتن دھونے کی مشین کام کر رہی تھی۔ میں نے اسے بند کیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ہر چیز ہر برتن دو دو کی تعداد میں موجود ہے جیسے یہ جیک کے ساتھ کھاتا پیتا رہا ہو۔ باتھ روم کا فرش گیلا ہے اور تولیے بھیگے ہوئے ہیں اور.... اور یہ دیکھو...." اس نے ڈرامائی انداز میں بغلی میز پر رکھی ہوئی ایش ٹرے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا لیکن ڈیوڈسن اور کانرائے میں سے کسی نے بھی اس طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ "یہ ایش ٹرے سگریٹ کی راکھ سے بھری ہوئی ہے جبکہ یہ پائپ پتیلے۔"

کانرائے نے گویا اس کی بات کی تصدیق کے لیے پرسکون انداز میں پائپ ہونٹوں سے نکالا اور ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا انداز گفتگو سراغرسانوں ہی جیسا ہے پیری۔ لیکن احمق سراغرسانوں جیسا۔ کیا کافی میں اپنے لیے نہیں بنا سکتا تھا؟ کیا ڈیپ فریزر سے ڈبے میں اپنا کھانا تیار کرنے کے لیے نہیں نکال سکتا تھا؟ کیا غسل خانے میں خود غسل نہیں کر سکتا تھا اور کیا بیڈ پر ہینگر میں خود نہیں پھینک سکتا تھا؟ کیا میں بیک وقت سگریٹ اور پائپ دونوں ہی کا عادی نہیں ہو سکتا؟ یا پھر یہ سب آثار اس بات کے نہیں ہو سکتے کہ کوئی مجھ سے ملنے آیا تھا؟ کیا ضروری ہے کہ وہ جیک ہی تھا؟"

ڈیوڈسن بدستور خاموش رہا۔ پیری ناگواری سے تقریباً چلا اٹھا۔ "تو پھر تمہیں وہ 'بھاگ جاؤ' کا نعرہ لگانے کی ضرورت کیا تھی؟ اور یہ ریوالور کس لیے ہے؟ اسے جیب میں رکھو اور یہ احمقانہ ڈرامے بازی بند کرو۔" اس نے ایک بار پھر بڑھنے کی کوشش کی لیکن کانرائے نے جس انداز میں ریوالور کو جنبش دی اسے دیکھ کر وہ اپنی جگہ رک گیا۔

"مجھے اپنے حقوق معلوم ہیں۔" کانرائے نے نرمی سے کہا۔ "تم اپنے ساتھ تلاشی کا وارنٹ لائے ہو؟"

پیری غضب ناک انداز میں ڈیوڈسن کی طرف مڑا۔ "آخر تم اتنے صبر و سکون سے کیوں کھڑے ہو؟" وہ چلایا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں جیک کو گرفتار کرنے کی کوئی عجلت نہیں یا پھر سرے سے اس معاملے سے ہی کوئی دلچسپی نہیں۔ بہرحال مجھے عجلت بھی ہے اور دلچسپی بھی۔ کیونکہ میں اتنا بوڑھا یا ریٹائر ہونے کے قریب نہیں ہوں میرے ریکارڈ کی فائل

ابھی بند نہیں ہوئی۔ مجھے تم سے پہلے جیک تک پہنچنا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس شخص کو....."

ڈیوڈسن اس کی تقریر پر مطلق دھیان دیے بغیر کانرائے سے مخاطب ہوا۔ "آثار مصنوعی بھی ہو سکتے ہیں۔"

"مصنوعی؟" پیری نے بے یقینی سے دہرایا۔

ڈیوڈسن نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کانرائے ہی سے بات جاری رکھی گویا پیری وہاں موجود ہی نہیں تھا۔

"وہ کھڑکی مغرب کی طرف کھلتی ہے اور اس سے نیچے گاؤں اور پہاڑ کی ڈھلان کا سارا منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ تم نے ہمیں آتے دیکھ لیا ہوگا جبکہ کافی پہلے ہی سے چولہے پر رکھی ہوگی۔ غسل خانے کا فوارہ تم نے چلا دیا ہوگا اور چند لمحے بند کر کے کچن میں ڈبے وغیرہ فریزر سے نکال کر رکھ دیے ہوں گے۔ سگریٹوں کی راکھ بھی تم نے بہت پہلے ہی سے ایش ٹرے میں بھری ہو گی اور پائپ تم نے عین میرے اندر آتے ہی اس لیے سلگایا تھا کہ میں اس کی طرف متوجہ ہو سکوں۔"

ڈیوڈسن ہر لفظ یوں احتیاط سے ادا کر رہا تھا جیسے بوسیدہ سیڑھیوں سے اترتے وقت پہلے ہر سیڑھی کو آزما کر دیکھ رہا ہو۔ "تمہیں معلوم تھا کہ ہم دو ہیں۔ ہال کے چوبی فرش کا تختہ چرچرانے کی آواز سن کر تم اچھی طرح جان چکے تھے کہ آنے والا میرا ہی ساتھی ہے لیکن تم جان بوجھ کر خبردار کرنے کے انداز میں چلائے تھے تاکہ ہمیں یہی تاثر ملے کہ تم آنے والے کو جیک سمجھ رہے ہو۔ ریوالور نکالنا بھی اسی ڈرامے کا ایک حصہ تھا۔ تم ہمیں یہ سوچنے پر ہی مجبور کرنا چاہتے تھے کہ تم ہمیں روک کر ہمارا وقت ضائع کرنے کی کوشش کر رہے ہو اور ہمیں جلد از جلد تم سے چھٹکارا حاصل کر کے جیک کی تلاش میں کسی اور طرف دوڑ پڑنا چاہیے۔"

کانرائے کے ظاہری صبر و سکون میں کوئی فرق نہ آیا تاہم اسے احساس تھا کہ اس کی ہتھیلیوں سے ایک بار پھر پسینہ پھوٹنے لگا ہے۔ "اور مجھے یہ سب تردد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے بڑی رسانیت سے پوچھا۔

ڈیوڈسن نے اس کے سوال اور پیری کے حیرت زدہ چہرے پر توجہ دیے بغیر بات جاری رکھی۔ "پیری نے جیک کی موجودگی کے آثار کے بارے میں بات کرتے وقت بیڈ پر کپڑوں کا ہینگر پڑا ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا لیکن جوشِ خطابت میں تم یہ نشانی بھی گنوا گئے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں تمہاری ہی پیدا کردہ تھیں۔ اگر تم واقعی اپنے بھائی کو تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے تو درحقیقت تم نے اس قسم کی نشانیوں کو مٹانے کی کوشش کی ہوتی لیکن اس کے بجائے تم یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم ان کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہو۔"

"تو پھر؟" کانرائے نے بدستور تحمل سے کہا۔

"کئی امکانات ہیں۔" ڈیوڈسن نے محتاط لہجے میں کہا۔ "ممکن ہے تمہیں اپنے بھائی کی آمد کی توقع ہو اور تم یہ ثابت کر کے کہ وہ پہلے ہی یہاں آ کر جا چکا ہے، جلد از جلد ہم سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو۔"

کانرائے نے وہیل چیئر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے جسم قدرے ڈھیلا چھوڑ دیا اور ہموار ہتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔ "جیک یہاں آنے کی حماقت کبھی نہیں کر سکتا۔ اسے معلوم ہے کہ انشورنس کمپنی والے میری نگرانی کر رہے ہوں گے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ جیک نے تین سال قبل جو ڈاکا ڈالا تھا اس میں ہاتھ لگنے والی لوٹ کی رقم میرے ہی پاس چھپائی ہوگی۔ اسی امید پر وہ رقم کی بازیابی کے لیے میری نگرانی کر رہے ہیں حالانکہ جیک نے لوٹ کی رقم میرے پاس چھپانا تو درکنار اس وقت سے کبھی مجھے شکل بھی نہیں دکھائی۔"

اس کا لہجہ کچھ دوستانہ اور کچھ رازدارانہ سا ہو گیا۔ "میں تمہیں حقیقت بتاؤں، جیک کی مجھ سے کبھی نہیں بنی۔ اب جیل سے فرار ہونے کے بعد اگر اسے دنیا میں کہیں پناہ نہ ملی تب بھی شاید ہی وہ ادھر کا رخ کرے۔"

"ہمیں چکر دینے کی کوشش کر رہے ہو۔" پیری بول اٹھا "اس کا مطلب ہے کہ ہم یہیں موجود رہیں اور جیک کی آمد کا انتظار کریں۔"

"تمہارا انتظار آخری سانسوں تک جاری رہے گا۔" کانرائے نے کہا۔ "کیونکہ جیک یہاں کبھی نہیں آئے گا۔"

"تمہارا رہن سہن خاصا شاہانہ ہے۔" ڈیوڈسن نے گویا معاملے کا ایک نیا پہلو چھیڑا۔ "اور اس قسم کے رہن سہن کے لیے خاصی رقم درکار ہوتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تین سال قبل جیک نے لوٹ کی جو رقم تمہارے پاس رکھوائی ہو اس کے سلسلے میں تم نے اسے ڈبل کراس کیا ہو اور اب وہ اسی کا حساب چکانے یہاں آیا ہو؟"

"چچ... چچ... چچ..." کانرائے نے ترحم آمیز انداز میں کہا۔ "تمہارے تصور کے گھوڑے تو کچھ زیادہ ہی دور تک دوڑنے لگے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے کار سے ٹکر مار کر مجھے زندگی سے معذور کیا تھا اسی نے میری کفالت کا بندوبست

کیا ہے۔ میں جب اسپتال سے فارغ ہو کر نکلا تو بنک والوں نے مجھے مطلع کیا کہ کسی نامعلوم شخص نے میرے حساب میں پچاس ہزار ڈالر جمع کرائے ہیں۔ تم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ نامعلوم شخص اس کے علاوہ کون ہو سکتا ہے جو حادثے کے بعد بھاگ نکلا تھا۔ وہ اس جرم کی سزا تو بھگتنا نہیں چاہتا تھا لیکن ضمیر کی خلش نے غالباً اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور اس نے جنت کا حقدار بننے کے لیے میری خاصی شاندار کفالت کا بندوبست کر دیا۔" کانرائے خاموش ہو گیا۔

اس نے ایک نظر اپنے ریوالور کو دیکھا اور کندھے اچکا کر اسے گود میں رکھ لیا۔ "تم قانون کے نمائندے ہو یا کسی اور ادارے کے۔ میں نے تم دونوں کو اپنے گھر سے نکل جانے کی ہدایت کی تھی اور میں اس پر عمل درآمد ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ بھئی اگر جیک کا انتظار کرنا ہے تو باہر جا کر کرو۔"

پیری نے آگے بڑھ کر دونوں ریوالور اٹھا لیے اور ڈیوڈسن کا ریوالور اسے تھما دیا۔ ڈیوڈسن نے لاپروائی سے اسے ہاتھ میں الٹتے پلٹتے ہوئے یوں بات جاری رکھی جیسے اس میں کوئی دخل اندازی ہی نہیں ہوئی تھی۔ "اور یہ بھی ممکن ہے کہ جیک ابھی یہیں کہیں چھپا ہو۔ شاید اسی لیے تم ہم سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

کانرائے یک لخت غصیلے انداز میں آگے کو جھک آیا اور پیری کی طرف اشارا کرتے ہوئے بولا۔ "یہ شخص میرے مکان کی تلاشی لے چکا ہے۔ ایسی کون سی جگہ ہو سکتی ہے جہاں جیک چھپا ہوا ہے مگر اسے نظر نہیں آیا۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم خود ہی جیک ہو؟" ڈیوڈسن نے کہا۔

"کیا؟" پیری یوں چلا اٹھا جیسے اس پر اچانک انکشاف ہوا ہو کہ ڈیوڈسن کا دماغ چل گیا ہے۔

کانرائے نے دوبارہ وہیل چیئر کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ "تم کچھ بہکی بہکی سی باتیں کر رہے ہو۔" اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس جیک کی تصویریں اور حلیے کی تفصیلات نہیں ہیں کیا؟"

"معمولی سی تبدیلیوں کے بعد تم جیک کے حلیے پر پورے اتر سکتے ہو۔" ڈیوڈسن نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "جیک کے بال ذرا بڑے تھے جنہیں چھوٹے کرانا کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ آنکھوں پر تم نے تاریک شیشوں کی عینک لگا رکھی ہے اور آدھا جسم کمبل میں چھپا رکھا ہے اس لیے کیا کہا جا سکتا ہے؟"

"اُف خدایا...!" پیری کراہنے کے سے انداز میں بڑبڑایا۔ "تو پھر کانرائے کہاں ہے؟ ہاں... ٹھیک ہے.... اس معذور کو تم بہ آسانی ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ ایکشن فائٹا تم نے باہر کہیں زمین کھود کر دبا دی ہو گی۔ اس کی وہیل چیئر یقیناً ایک محفوظ پناہ گاہ دکھا دی ہو گی تمہیں...." وہ کانرائے کی طرف بڑھا۔ "میں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔"

اس نے کمبل ایک جھٹکے سے اٹھایا۔ کانرائے کا ریوالور ہوا میں اچھلا اور ڈیوڈسن کے قریب سے ہوتا ہوا ہال میں جا گرا۔ کمرے میں سکوت چھا گیا۔ کانرائے گو کہ پتلون پہنے ہوئے تھا مگر صاف دیکھا جا سکتا تھا کہ اس کی ٹانگیں بالکل سوکھی ہوئی اور کچھ ٹیڑھی میڑھی سی تھیں۔ پیری کا منہ لٹک گیا لیکن ڈیوڈسن کے چہرے پر مایوسی کی کوئی علامت دکھائی نہیں دی۔

"تم پولیس والے بڑے شکی ہوتے ہو۔" کانرائے نے احتیاط سے کمبل دوبارہ اپنی ٹانگوں پر پھیلاتے ہوئے کہا۔ "میرے بال اس لیے چھوٹے ہیں کہ اسپتال میں میرا مُنڈن دیا گیا تھا جس کے بعد بال بڑھنے نہیں پائے کیونکہ اسپتال سے مجھے نکلے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ حادثے ہی کی وجہ سے میری آنکھوں میں کچھ ایسا نقص پیدا ہو گیا ہے کہ ذرا سی بھی روشنی برداشت نہیں کر سکتا اس لیے ڈاکٹروں ہی کی ہدایت پر تاریک شیشوں کی عینک لگاتا ہوں۔ یہ وہیل چیئر میں نے ریکا اسٹور سے خریدی تھی۔ میں جیک بھی نہیں ہوں اور نہ ہی جیک نے مجھے ہلاک کر کے زمین میں دفن کیا ہے کیونکہ میں اتنا تر نوالا نہیں ہوں۔ ہفتے میں دو مرتبہ ایک ٹرینر یہاں آتا ہے جو مجھے ورزشیں کراتا ہے اور جس حد تک میرے لیے ممکن ہے مجھے جوڈو سکھاتا ہے جو میں خاصی سیکھ چکا ہوں۔ میں خود بھی روزانہ خوب ورزش کرتا ہوں۔ کوئی شخص اگر میری دسترس میں ہو تو اتنی آسانی سے مجھ پر قابو نہیں پا سکتا۔"

اس نے غصیلے انداز میں وہیل چیئر کے ہتھے پر گھونسا مارا اور اس کی آواز یک لخت ہی بلند ہو گئی۔ "اب تم جلد از جلد کسی فیصلے پر پہنچ جاؤ۔ اگر جیک تمہارے خیال میں یہاں آ کر جا چکا ہے تو تم نے اس کا تعاقب کرنے کے بجائے بیس منٹ یہاں ضائع کر دیے ہیں۔ سورج غروب ہونے لگا ہے اور اگر تمہارے خیال میں وہ یہاں آنے والا ہے تو تم باہر ڈیرہ ڈال کر رات بھر یا چاہو تو سال بھر اس کا انتظار کر سکتے ہو۔"

پیری نے مڑ کر ایک بار پھر ڈیوڈسن کی طرف دیکھا۔ "ہم وہیں پہنچ گئے جہاں سے چلے تھے۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"اور بے پناہ قیمتی وقت بھی ضائع کر دیا۔" کانرائے نے

تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اب تم لوگوں کو جیک کی تلاش کے لیے فلڈ لائٹس اور بلڈ ہاؤنڈز کی ضرورت ہوگی۔" اس نے اپنا پائپ ایش ٹرے میں جھاڑا۔ "اب میں کھانا کھاؤں گا اور چونکہ میں تمہیں مدعو نہیں کر سکتا اس لیے چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

اس کے ہاتھوں کی خفیف سی حرکت سے وہیل چیئر تیزی سے ہال کے دروازے کی طرف بڑھی۔ پیری نے جلدی سے ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا لیکن ڈیوڈسن وہیل چیئر کو نہیں ہٹا۔ کانرائے نے ہینڈ بریک لگائی اور وہیل چیئر ڈیوڈسن سے صرف چند انچ کے فاصلے پر رک گئی۔

"اب کیا بات ہے؟" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"میں ایک اور پہلو پر غور کر رہا ہوں۔" ڈیوڈسن نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میں خود ذرا کمروں وغیرہ کا جائزہ لوں گا۔"

اس سے پہلے کہ کانرائے کوئی احتجاج کرتا، پیری نے ناگواری سے کہا۔ "اب چھوڑو بھی ڈیوڈسن! جیک یہاں نہیں ہے۔ میں دیکھ چکا ہوں اور اگر وہ تھا بھی تو ہم نے کافی وقت ضائع کر کے بہت دور نکل جانے کا موقع دے دیا ہے۔"

"میں جائزہ ضرور لوں گا۔" ڈیوڈسن نے زور دے کر کہا۔ "تم آنکھیں کھلی رکھنا۔" وہ مڑا اور ہال میں داخل ہوا۔ پیری نے بیزاری سے ادھر ادھر دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر بتی کا سوئچ آن کر دیا۔ کمرہ منور ہو گیا۔ کانرائے اپنی جگہ ساکت بیٹھا تھا۔ ڈیوڈسن ہال کی تاریکی میں غائب ہو چکا تھا۔ ریڈیو سے اس وقت ایک المیہ نغمے کی دھن سنائی جا رہی تھی۔

"ایک تو ان پرانے وقتوں کے سراغرسانوں کی سمجھ میں آسانی سے کوئی بات نہیں آتی۔" پیری بڑبڑایا۔ "خدا جانے مجھے اس شخص کے ساتھ کیوں نتھی کر دیا گیا ہے۔"

کچھ دیر بعد ڈیوڈسن اندر سے لوٹ آیا۔ اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ریوالور بھی بدستور اس کے ایک ہاتھ کی ڈھیلی ڈھالی سی گرفت میں تھا۔ کچھ کہے بغیر وہ سیدھا ٹیلیفون اسٹینڈ کی طرف چلا گیا اور اس کے قریب ایک کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔ ریوالور اس نے بائیں ہاتھ میں منتقل کر کے دایاں ہاتھ ریسیور کی طرف بڑھایا۔

عین اسی لمحے کانرائے کی وہیل چیئر تیزی سے حرکت میں آئی اور پیچھے کھڑے ہوئے پیری کی ناف سے اس کی پشت اتنی قوت سے ٹکرائی کہ پیری دہرا ہو کر کانرائے کی گود میں آ گرا۔ کانرائے نے بجلی کی سی تیزی سے اس کی کنپٹی پر جوڈو کا ہاتھ رسید کیا اور پیری کا جسم وہیں ڈھیلا پڑ گیا۔ کانرائے نے اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا اور ڈیوڈسن کی طرف دیکھا۔

ڈیوڈسن کے تاثرات میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی البتہ اس کا دایاں ہاتھ ریسیور کو تھامنے کے بجائے اوورکوٹ کی جیب میں پہنچ گیا تھا۔ بائیں ہاتھ میں موجود ریوالور فرش کی طرف جھکا ہوا تھا اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر کانرائے کو دیکھ رہا تھا۔

"اس حرکت سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔" اس نے ہلکی سی ناگواری سے پوچھا۔

"ریوالور گرا دو۔" کانرائے نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے حکم دیا۔

ڈیوڈسن نے بایاں ہاتھ کچھ اور ڈھیلا چھوڑ دیا اور ریوالور فرش پر جا گرا۔ کانرائے نے بھی ہلکے سے پیری کے ڈھیلے ڈھالے جسم کو فرش پر دھکیل دیا۔ "دیکھا تم نے؟" اس نے فخریہ لہجے میں ڈیوڈسن سے کہا۔ "میں اپاہج ہوں مگر اتنا مجبور بھی نہیں۔ دھڑ سے اوپر میرے ٹھٹھوں میں بڑی جان ہے۔"

"ظاہر ہے بھی تو تم اپنے بھائی جیک کو ڈیپ فریزر میں پہنچانے میں کامیاب ہو سکے ہو گے۔" ڈیوڈسن نے پُرسکون سے کہا۔ "تمہارے جسم کا اوپری حصہ مع کھوپڑی کے واقعی عمدگی سے کام کرتا ہے۔ تفتیش کرنے والوں کی سوچ کو غلط رُخ پر ڈالنے کا تم نے بڑا اچھا بندوبست کیا تھا۔ تم نے ایسے آثار خود پیدا کیے جن سے ظاہر ہو کہ جیک یہاں آیا تھا اور اس وقت فرار ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ جب ہم آن پہنچے۔ فریزر سے خوراک کے ڈبے بھی تم نے اسی انداز میں نکال کر رکھ دیے تھے حالانکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ فریزر میں جگہ ہی نہیں رہی تھی۔ نیچے لاش تھی اور اوپر تم نے ڈبوں کی تہیں سجا دی تھیں۔ لاش تم بعد میں ٹھکانے لگا سکتے تھے... لیکن اب تمہیں دو اور آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں۔" کانرائے عیاری سے مسکرایا۔ "مجھے صرف تم دونوں کو شوٹ کرنا ہوگا، لاش ٹھکانے لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میری کہانی بے حد سیدھی سادی ہوگی کہ تم سامنے والے دروازے سے میرے مکان میں داخل ہوئے جبکہ پیری پچھلے دروازے سے اندر آیا۔ ایک دوسرے کی آہٹ وغیرہ سن کر تم دونوں نے ہی ایک دوسرے کو جیک سمجھا۔ تم دونوں نے بیک وقت ہال کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی اور اسی غلط فہمی اور جلد بازی میں

ایک دوسرے کو شوٹ کر دیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ سب کچھ تقریباً اسی طرح ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔"

"اس وضاحت سے قانون کو مطمئن کرنا بے حد مشکل ہو گا کانرائے!" ڈیوڈسن نے کہا۔ "تین لاشوں کی موجودگی سے تمہاری پوزیشن حد سے زیادہ خراب ہو جائے گی جب کہ صرف ایک لاش۔ یعنی جیک کی لاش کی موجودگی میں عدالت میں تمہارے لیے اپنا دفاع کرنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جیک نے لوٹ کی جو رقم تمہارے پاس رکھوائی تھی تم اس سے شاہانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور آئندہ بھی اپنا یہی رہن سہن برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ تم نے ریڈیو پر جیک کے فرار کی خبر سنی اور جیک کی آمد کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ تم نے جیک کو بیہوش کر کے ہی فریزر میں ڈال دیا تھا اور وہ یخ بستہ ہو کر مرا ہے یا تم نے اسے مار کر ہی ڈالا تھا' یہ سب کچھ تو پوسٹ مارٹم سے معلوم ہو جائے گا۔ لیکن بہرحال اس ضمن میں تم ایک ذہین وکیل کی مدد سے کوئی بھی کہانی گھڑ کے عدالت کو سنا سکتے ہو۔ اسے جھٹلانے کے لیے عدالت کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہو گا۔ سب کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہوں گی کیونکہ تم ایک معذور... اپاہج... اور بے بس انسان ہو جبکہ جیک ایک بے رحم... درندہ صفت.... مفرور مجرم۔ اگر تم اپنے آپ کو عدالت کے رحم و کرم پر چھوڑ دو گے تو جیوری کی تمام تر ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

"تم میری فکر نہ کرو۔" کانرائے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "میں اپنے مسائل سے نمٹنا جانتا ہوں اور مجھے کسی سے رحم کی بھیک مانگنے کی بھی ضرورت نہیں۔"

اس نے ریوالور بلند کیا۔ ڈیوڈسن نے ایک گہری سانس لی جیسے موت کے منہ میں جانے کے لیے تیار ہو چکا ہو لیکن اسی لمحے اس کا ہاتھ اوور کوٹ کی جیب سے باہر آیا جس میں ایک دوسرا ریوالور دبا ہوا تھا جو جیب سے باہر آنے سے پہلے ہی گولیاں اگل رہا تھا۔

کانرائے کے ہاتھ میں موجود ریوالور صرف ایک مرتبہ گرجا پھر فرش پر گر پڑا کیونکہ کانرائے کا ہاتھ ایک لوتھڑے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی ڈیوڈسن کے رخسار کو چھوتی ہوئی گزری تھی اور اس پر ایک سرخ لکیر نمودار ہو چکی تھی لیکن ڈیوڈسن اس سے قطعی بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

"تم اپنے ریوالور کو بھول گئے تھے۔" ڈیوڈسن نے کہا۔

"امی! کیا آج میں بندروں کو دیکھنے چڑیا گھر جا سکتا ہوں؟"

"نہیں بیٹا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ تم بندروں کو دیکھنے کے لیے جانا چاہتے ہو جبکہ تمہارے چچا چچی یہاں مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

ہال میں جاتے وقت میں نے اٹھا کر جیب میں ڈال لیا تھا۔"

کمرے میں ایک بار پھر صرف ریڈیو کی مدھم سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پیری کسمسا رہا تھا لیکن صحیح طور پر ہوش میں نہیں آیا تھا۔

"ایک اور اہم بات ابھی میں نے تمہیں نہیں بتائی کانرائے!" ڈیوڈسن نے کہا۔ "ہم جس کار میں آ رہے تھے اس کے ریڈیو پر بھی ہم نے یہی اسٹیشن لگا رکھا تھا جو تم نے لگایا ہوا ہے۔ ہماری کار جس وقت پہاڑی راستے پر آخری موڑ مڑ رہی تھی اس وقت بھی جیک کے فرار کی خبر جاری تھی لیکن تم نے یقیناً خبر پوری نہیں سنی تھی۔ شاید تم ہمیں مغالطے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ اگر تم نے خبر پوری سنی ہوتی تو تمہیں معلوم ہوتا کہ جیک کو زندہ یا مردہ کسی بھی حالت میں قانون کے حوالے کرنے والے کے لیے پندرہ ہزار ڈالر انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انشورنس کمپنی نے بھی دس ہزار کا انعام اس امید پر شامل کر دیا تھا کہ شاید جیک کے ہاتھ آنے سے لوٹ کی وہ رقم بھی بازیاب ہو جائے جو تین سال پہلے جیک نے کہیں چھپا دی تھی اور جو انشورنس کمپنی کو بھرنی پڑی تھی۔ اسی انعام کی وجہ سے تو میرا یہ نوجوان ساتھی جیک کو پکڑنے کے لیے اتنا پرجوش نظر آ رہا تھا۔

"یہ بہت برا ہوا کہ تم نے خبر پوری نہیں سنی ورنہ جیک کو ہلاک کرنے کے باوجود تم اس کی لاش پولیس کے حوالے کر کے نہ صرف پچیس ہزار ڈالر انعام حاصل کر سکتے تھے بلکہ اطمینان اور خاموشی سے لوٹ کی اس رقم پر بھی قبضہ برقرار رکھ سکتے تھے جس سے اس وقت بھی تمہارے شاہانہ اخراجات چل رہے ہیں۔ کوئی تم پر انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن موجودہ صورت میں...." اس نے ترحم آمیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ دی اور ایک بار پھر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔



پرائے کھلاڑی

نجمہ مودی

بڑی طاقتوں کے سیاسی کھیل اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی اُن کے زیرِدست مُلکوں کے درمیان چپقلش شروع ہوتی ہے وہاں یہ سُپر پاورز بھی اپنی تمام تر طاغوتی قوتوں کے ساتھ اپنے مفادات کی نگرانی کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسے ہی مشن کی روداد ہے

مہم جوئی کے شائق افراد کے لیے ایک سنسنی خیز کہانی

وہ چاروں اس افریقی ملک کے دارالحکومت ے نما کے ایک بازار میں ایک کیفے میں بیٹھے تھے جس کی میزیں فٹ پاتھ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وسطی افریقہ کی گرمی سے ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے اور جسم پسینے میں تر تھے۔

جیکسن رومال سے چہرہ پونچھتے ہوئے بولا "میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ یہ مشن بہت خطرناک ہے۔ مجھے یہ منصوبہ بالکل پسند نہیں آیا۔"

ڈین اپنی بھوؤں سے پسینہ نچوڑتے ہوئے بولا "اس میں کوئی شک نہیں کہ مشن خطرناک ہے لیکن اسلحے کی کھیپ تو ہر حال میں باغیوں تک پہنچنی ضروری ہے۔ ورنہ باغی بھی یہیں دفن ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ ہی وسطی افریقہ کے بارے میں صدر امریکا کی پالیسی کا بھی جنازہ نکل جائے گا۔"

پھر وہ اپنے تیسرے ساتھی کی طرف مڑتے ہوئے بولا "جون! تم بھی تو کچھ بولو۔ تم پائلٹ بھی ہو' اصل کام تو تمہیں ہی انجام دینا ہے۔ تمہارا ہی فیصلہ سب سے اہم ہوگا۔"

جون ٹھوڑی کھجانے لگا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ وہ خاکی وردی میں تھا۔ ہولسٹر اس کی بیلٹ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ ایک لمحے سوچ کر وہ نیچی اور رازدارانہ سی آواز میں بولا "میں بیکسن سے متفق ہوں۔ مشن بہت خطرناک ہے۔ اقوام متحدہ میں صدر امریکا کی پالیسی یہاں کے موجودہ صدر کارٹرما کے خلاف جارہی ہے جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ہمارے صدر کا جھکاؤ باغیوں کی طرف ہے' چنانچہ اب یہاں کی سرحدوں کی نگرانی سخت کردی گئی ہے۔ ائرفورس کے طیارے سرحدوں کے قریب منڈلاتے رہتے ہیں تاکہ ہم امریکی یہاں کے باغیوں کو کوئی مدد نہ پہنچانے پائیں۔"

چوتھے شخص راس نے جون کی طرف دیکھتے ہوئے بے پروائی سے کہا "کیا تمہیں بھی یہاں کی ائرفورس سے ڈرنے کی ضرورت ہے؟ ان بے چاروں کے پاس ہے ہی کیا؟ چند ٹوٹے پھوٹے اور مرمت شدہ طیارے جن سے تم ویت نام میں نمٹ چکے ہو۔ بیکسن اور ڈین کی باتوں پر تمہیں کان دھرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈین کو تو ویسے بھی ہر کام خطرناک لگتا ہے۔ یہ تو صرف رات کی تاریکی میں چھپ کر لوگوں کی خواب گاہوں میں جھانکنا جانتا ہے۔ سی آئی اے میں ایسے لوگوں کو دیکھ کر کم از کم مجھے تو بہت شرم آتی ہے۔"

ڈین کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ قریب سے گزرتے ویٹر کے دور چلے جانے کے بعد گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا "تم ہر جگہ بیٹھ کر بکواس مت شروع کردیا کرو۔ تم ضرور میری اصلیت کو بے نقاب کرکے رہو گے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ بظاہر میں یہاں اپنے سفارت خانے کے اسٹاف میں شامل ہوں۔"

راس' کیفے کے سامنے سے گزرتے ہوئے مفلوک الحال افریقیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "اس کھلی سڑک پر کوئی ہماری باتوں پر کان دھرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ کوئی بھی سازش تیار کرنے کا محفوظ ترین طریقہ یہی ہے کہ ساری باتیں کھلی جگہ پر بیٹھ کر کی جائیں۔"

جون نے راس کی نیوی کی وردی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لئے یہ باتیں کرنی آسان ہیں کیونکہ تم یہاں امریکی نیوی کے بہترین جہازوں کا فلیٹ سنبھالے بیٹھے ہو۔ چھٹا بحری بیڑا تمہاری مدد کے لئے موجود ہے۔ لیکن بیکسن کے اور میرے پاس تو صرف ایک پرانا فوجی طیارہ ڈرگین ہے' ہمیں تو اسی سے سب کچھ کرنا ہے۔"

"ہاں۔" بیکسن بھی اس کی تائید میں غرایا "اور تم کارٹرما کی ائرفورس کو بھی اتنا بیکار مت سمجھو۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے روس سے جدید ترین میزائل حاصل کئے ہیں جو حرارت کی طرف سفر کرتے ہیں اور اسی کے ماخذ کو نشانہ بناتے ہیں۔"

راس بولا "میں تم لوگوں کو یہی تو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہمارا چھٹا بحری بیڑا یہاں صرف کارٹرما کو ڈرانے کے لئے ہی تو لنگر انداز نہیں ہے۔ ہمارا مقصد اس کے ذریعے تمہاری ان کارروائیوں کو تحفظ فراہم کرنا بھی ہے جو تم باغیوں کی مدد کے سلسلے میں کر رہے ہو۔ اس وقت باغی سخت مشکل میں ہیں۔ انہیں اسلحے کی اس کھیپ کی اشد ضرورت ہے۔ تمہیں اور جون کو صرف اتنا کرنا ہے کہ اسلحے سے بھرے ہوئے ڈرگین کو لے کر سرحدی وادی میں نیچی پرواز کرتے ہوئے مطلوبہ جگہ تک جانا ہے تاکہ تم ریڈار کی زد میں نہ آؤ۔ مقررہ جگہ پر تمہیں اسلحے کی پیٹیاں گرادینی ہیں۔ سرحد پر اگر یہاں کی ائرفورس کے طیاروں نے تمہیں مشکوک سمجھ کر کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کی تو تم صرف ہمارے بحری بیڑے کو ریڈیو پر پیغام دے دینا۔ ہم ان طیاروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے یا انہیں سبق سکھانے کا فوری بندوبست کردیں گے۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"اور اسلحہ گرانا کہاں ہے؟" جون نے دریافت کیا۔

ڈین نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں۔ باغیوں کا سربراہ سمولا آج کل اپنے ہیڈ کوارٹر کا محلِ وقوع ہم سے بھی چھپا رہا ہے۔ وہ آخری لمحوں میں اپنا ایک نمائندہ ہمارے پاس بھیج دے گا جو ہماری رہنمائی کرے گا... تاکہ کوئی راز کہیں پہنچنے کا امکان کم سے کم ہوجائے۔"

"اور انکل سام اس مشن کے لئے کتنی رقم خرچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" جون نے دریافت کیا۔

ڈین نے رقم بتائی تو بیکسن کی آنکھیں پھیل گئیں "اوہ....! اتنی رقم ملنے کے بعد تو ہم آرام سے ریٹائر ہوسکتے ہیں اور باقی زندگی شاہانہ انداز میں گزار سکتے ہیں۔"

"بشرطیکہ ہم اس مشن میں زندہ بچ گئے۔" جون نے لقمہ دیا۔

"بہرحال..."

"تو پھر تم تیار ہو؟" ڈین نے جون سے پوچھا۔

اس سے پہلے کہ جون کوئی جواب دیتا' ایک پرانی سی رینالٹ کار تیز... رفتاری سے موڑ پر نمودار ہوئی۔ اس کی رفتار دیکھ کر مقامی لوگ ادھر ادھر بکھرنے لگے۔ کار نے ایک بیل گاڑی کو سائیڈ ماری اور گاڑی والے کو فٹ پاتھ پر پہنچا دیا۔ کیفے میں بیٹھے ہوئے چاروں آدمیوں نے گردنیں گھما کر کار کی طرف دیکھا۔ جیسے ہی کار کیفے کے نزدیک پہنچی اس کی ایک کھڑکی کا شیشہ نیچے ہوا اور ایک گن کی نال باہر جھانکنے لگی۔

"بچنے کی کوشش کرو۔" جون نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا اور کیفے کے اندر کی طرف چھلانگ لگاتے ہوئے سینے کے بل ٹائلوں کے فرش پر لیٹ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی تقلید کی۔

گولیوں کی گرج سے فضا کانپ اٹھی۔ وہ مشین گن کی آواز تھی۔ کیفے میں بیٹھے ہوئے لوگ' راہ گیر' مرد و زن دہشت کے عالم میں ادھر ادھر بھاگے۔ جو گولیوں کی زد میں آئے وہ ڈھیر ہوگئے۔ کسی

کو پناہ میسر آئی اور کسی کو موت۔

جون لڑھکتا ہوا کنکریٹ کے ایک بہت بڑے گملے کی اوٹ میں چلا گیا تھا۔ اس نے جیکسن کو ایک الٹی ہوئی میز کے عقب میں دیکھا' وہ ریوالور نکال چکا تھا۔ جون نے بھی ریوالور نکال لیا اور کار پر تین فائر کئے۔ مشین گن کا رخ اس کی طرف ہوگیا۔ کنکریٹ کے بڑے سے گملے میں موجود پام کے پودے کے پرخچے اڑ گئے اور کنکریٹ کے ٹکڑے جون پر آکر گرے۔

اسی دوران میں جیکسن کو موقع مل گیا اور اس نے نشانہ لے کر کار پر دو فائر کئے۔ مشین گن بھی خاموش ہوگئی اور ڈرائیور والی کھڑکی کا شیشہ بھی چکنا چور ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی کار کے اندر ایک چیخ ابھری۔ دوسرے ہی لمحے وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

لوگ مختلف چیزوں کی اوٹ سے نکل آئے۔ سڑک اور فٹ پاتھ پر لاشیں بکھر چکی تھیں۔ زخمی کراہ رہے تھے۔ جو بچ گئے تھے اور ادھر اُدھر کھڑے تھے انہیں گویا سکتہ ہوگیا تھا۔

"ڈین کہاں ہے؟" دفعتاً جون نے پوچھا۔

"وہ وہاں اس میز کے پیچھے چھپا تھا" اس نے ایک طرف اشارہ کیا" بے چارے کی اب تک وہاں سے نکلنے کی ہمت نہیں پڑ رہی ہوگی' آؤ چل کر اسے نکالیں۔"

وہ میز کے عقب میں پہنچے تو انہوں نے سی آئی اے ایجنٹ ڈین کو وہاں اوندھے منہ پڑے پایا۔ اس کے سر کے نیچے بہت سا خون جمع ہو چکا تھا۔ جون نے اسے سیدھا کیا' اس کی بے نور آنکھیں کھلی تھیں اور پیشانی میں ایک گولی کا سوراخ تھا۔

"حیرت ہے!" جیکسن تقریباً چلا اٹھا "مشین گن سے اس طرح عین آنکھوں کے بیچوں بیچ صرف ایک گولی لگتے میں نے آج پہلی بار دیکھی ہے۔"

اسی اثناء میں پولیس کی گاڑیاں وہاں آن پہنچیں اور پولیس والے بڑی مستعدی سے بندوقیں سنبھالے نیچے اترے۔

"اب ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے!" راس نے ایک سارجنٹ کو مخاطب کیا۔ "ہنگامہ تو ختم ہو چکا' تم ذرا تاخیر سے پہنچے۔"

سارجنٹ نے ایک نظر میں صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے چلا کر اپنے کسی ماتحت کو ایمبولینس اور مہتر گاڑی بلوانے کا حکم دیا' پھر اس کی طرف مڑتے ہوئے بولا "تم لوگ امریکی ہو نا؟" پھر جواب کا انتظار کئے بغیر بولا "مجھے پہلے ہی سمجھ جانا چاہئے تھا کہ تم امریکی جہاں بھی جاتے ہو' وہاں کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آتی ہے۔" پھر اس نے ان تینوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

ابھی سوال و جواب کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ عقب سے ایک تحکمانہ سی آواز سنائی دی "بس اتنا ہی کافی ہے سارجنٹ! اس سے آگے صورتِ حال کو میں خود ہی سنبھال لوں گا۔"

سارجنٹ نے مڑ کر دیکھا۔ عقب میں گٹھے ہوئے جسم کا ایک میانہ قد سفید فام کھڑا تھا جس کی قلمیں سفید تھیں۔ اس نے سارجنٹ کو اپنا سفارتی پاسپورٹ دکھایا اور وہ کندھے اُچکا کر ایک طرف کو چلا گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" جون نے ناگوار لہجے میں نووارد سے پوچھا۔

"میں تمہارے الجھائے ہوئے معاملے کو سلجھانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔" نووارد نے خونریزی کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم اسے جانتے ہو؟" راس نے جون سے پوچھا۔

"ہاں' بڑے افسوس کا مقام ہے کہ میں اسے جانتا ہوں۔" جون منہ بنا کر بولا "اسے فریڈی کہتے ہیں۔ ویت نام میں یہ آرمی انٹیلی جنس میں تھا۔ یہ آرمی کی بدقسمتی تھی۔ یہ ایک دلدل میں ڈوب رہا تھا۔ میں نے ہی اسے بچایا تھا۔ اصل میں ایک مشن میں گڑبڑ ہوگئی تھی اور یہ ویت نامی گوریلوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ کسی طرح ان کے چنگل سے نکل کر تین ماہ سے جنگلوں میں بھٹک رہا تھا' ہوش و حواس ٹھکانے نہیں تھے۔ دلدل میں ڈوبنے سے اسے میں نے بچایا تھا۔ بعد میں یہ میرا ہی افسر بن گیا اور ایک بار اس نے حکم عدولی کے الزام میں مجھے ہی شوکاز نوٹس دے دیا۔ اس کی جان بچانے کا یہ صلہ ملا تھا مجھے۔ میں نے اسے دلدل میں ہی ڈوبنے دیا ہوتا تو اچھا تھا۔" پھر وہ براہ راست نووارد سے مخاطب ہوا۔ "تمہیں فیلڈ میں کس نے بھیج دیا؟"

نووارد بولا۔ "تمہاری زبان تمہیں ایک روز اتنی بڑی مصیبت میں پھنسا دے گی جس سے تم نکل نہیں سکو گے۔"

راس نے قدرے ناگواری سے فریڈی کو مخاطب کیا "پھر بھی ہمیں معلوم تو ہونا چاہئے کہ تم کس لئے آئے ہو؟"

"اب جبکہ ڈین مر چکا ہے تو اس مشن کا انچارج میں ہوں جس کے بارے میں ڈین تم سے باتیں کر رہا تھا۔" فریڈی نے جواب دیا "ڈین تمہارا دوست تھا' وہ اسی سلسلے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ تم اب رقم کے لالچ میں نہ سہی تو کم از کم ڈین کی دوستی کے ناتے مجھ سے تعاون کرو۔"

ان تینوں کی آنکھوں سے فریڈی کے لئے ناپسندیدگی عیاں تھی۔ لیکن شاید مصلحتاً وہ خاموش رہے۔ فریڈی ان کی خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے بولا۔ "کل صبح نو بجے تم لوگ مجھے ائرپورٹ کے باربرداری والے ہینگر نمبر سات پر ملو۔ وہاں سے سامان جہاز پر لادا جائے گا۔ اس کے بعد تم لوگ فون کے قریب جا بیٹھنا۔ جوں ہی سمولا کے بھیجے ہوئے گائیڈ نے مجھ سے رابطہ کیا' میں فوراً تمہیں بلا لوں گا اور ہم روانہ ہو جائیں گے۔" فریڈی جواب کا انتظار کئے بغیر مڑا اور نپے تلے قدم اٹھاتا وہاں سے رخصت ہوگیا۔

○☆☆○

راس ہینگر پر کھڑے ہوئے دو انجن والے اس پرانے فوجی

طیارے کا جائزہ لے رہا تھا جس میں بہت سی تبدیلیاں کرکے اس کا ماڈل تبدیل کر دیا گیا تھا۔ ائرپورٹ کے مزدور اس میں بڑی بڑی پیٹیاں لاد رہے تھے جن پر کچھ لکھا ہوا نہیں تھا اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی نشان تھا۔

راس نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں تو اس کھٹارے میں کسی مہم پر جانے کا خطرہ ہرگز مول نہیں لے سکتا۔"

جیکسن مسکراتے ہوئے بولا "تمہیں ڈریگن پر اعتماد نہیں ہے۔ تم اس کا پرانا پن دیکھ کر اسے کھٹارا مت کہو' اس میں ابھی بہت جان ہے۔"

"ویسے ... بر سبیلِ تذکرہ ... ایک فوجی طیارہ تمہارے ہاتھ کیسے لگ گیا؟" راس نے پوچھا۔

"اس کے لئے ہم نے بڑا ڈراما کیا تھا۔ ہم نے بظاہر اسے باغیوں کے قبضے سے آزاد کرایا ہے۔" جیکسن مسکراتے ہوئے بولا۔

راس بولا۔ "اچھا بھئی' میں تو اب چلتا ہوں۔ میرے بحری جہاز 'آئرن ہاور' پر میرا انتظار ہو رہا ہوگا لیکن جانے سے پہلے میں ایک چیز تمہیں دیتا چلوں۔" وہ جون کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہینگر کے ایک گوشے میں لے گیا اور وہاں رکھی ہوئی بریف کیس جیسی ایک چیز اٹھا کر اس کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔ "یہ ریڈیو کے ساتھ منسلک کرنے کا ایک اضافی ٹرانسمیٹر ہے۔ اس کی فریکوئنسی پہلے ہی سے ہمارے بحری جہاز آئرن ہاور کے ساتھ سیٹ ہے۔ تم اسے اپنے طیارے کے ریڈیو کے ساتھ منسلک کر لینا۔ تم جب بھی اور جہاں سے بھی چاہو گے براہِ راست آئرن ہاور پر مجھ سے بات کر سکو گے۔ اگر تمہیں مدد کی ضرورت پڑے تو مجھے پیغام دے دینا۔ میں کوشش کروں گا کہ ہمارے طیارہ بردار جہاز سے فوری طور پر جنگی طیارے پرواز کر کے تمہاری مدد کو پہنچ سکیں۔"

جون آنکھیں سکیڑتے ہوئے بولا "اس قسم کی حرکت سے یہاں کی حکومت کو بین الاقوامی سطح پر شور مچانے کا موقع نہیں مل جائے گا؟"

"میرے بھیجے ہوئے طیارے کسی طیارے کو مار کر نہیں گرائیں گے۔ صرف انہیں ڈرائیں گے اور بھگانے کی کوشش کریں گے' بعد میں ہم صاف مکر جائیں گے کہ ایسا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں تھا۔" راس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میری دعا تو یہی ہے کہ اس کی ضرورت نہ پڑے۔" جون بولا۔

راس رخصت ہوتے ہوتے ایک بار پھر رک گیا اور بولا۔ "ارے ہاں یاد آیا .... میں نے سنا ہے کہ یہاں سے سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر پہنچنے والی ایک اطلاع نے بڑی کھلبلی مچائی ہے۔ ڈین کی پیشانی سے جو گولی برآمد ہوئی ہے' وہ اس مشین گن کی نہیں تھی جس سے فائرنگ کی گئی تھی۔ اب معلوم نہیں' یہ اطلاع اہم ہے یا نہیں۔"

"بہت اہم ہے۔" جون چونکتے ہوئے بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ دہشت گردی کا اتفاقیہ نشانہ نہیں بنا بلکہ اسے خاص طور پر منصوبے کے تحت قتل کیا گیا ہے لیکن انداز ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ اس کا قتل بھی دوسرے بہت سے بے گناہوں کے قتل میں گڈ مڈ ہو کر رہ جائے۔ جس کسی نے بھی اسے قتل کیا ہے' اسے شاید یہ امید نہیں تھی کہ اس کا پوسٹ مارٹم بھی ہوگا۔"

"لیکن اسے کون قتل کر سکتا تھا؟" راس نے دریافت کیا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم جس قسم کے کام ہم لوگ کرتے ہیں ان میں کوئی بھی کسی کا قاتل ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس اطلاع کا شکریہ!" جون بولا۔

"تم ہوشیار رہنا۔" راس نے جاتے جاتے تاکید کی۔

جون چند لمحے پُرخیال انداز میں اسے جاتے دیکھتا رہا' پھر بریف کیس نما اضافی ٹرانسمیٹر جیکسن کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اسے طیارے کے ریڈیو کے ساتھ منسلک کر دو"

○☆☆○

ہوٹل واپس پہنچ کر جون اور جیکسن ایک دوسرے سے الگ اپنے اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔ ہوٹل شہر کے ایک گھٹیا سے علاقے میں واقع تھا۔ جون نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا۔

"دروازہ بند کر دو مسٹر جون!" کمرے کے اندھیرے گوشے سے ایک آواز سنائی دی۔ "زیادہ آواز نہ پیدا ہونے پائے۔"

دروازے کے ساتھ والی دیوار کے قریب ایک سیاہ فام شخص موجود تھا جو ریوالور سے جون کا نشانہ لئے ہوئے تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" جون نے دروازہ آہستگی سے اس طرح بند کیا کہ تالے کا کھٹکا پوری طرح دبنے نہ پائے۔ اسے ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید جیکسن اس کے کمرے کی طرف آ نکلے۔ اجنبی کی توجہ ایک لمحے کے لئے بھی بٹ جاتی تو وہ اس پر قابو پانے کی کوشش کر سکتا تھا۔

"سوالات میں کروں گا' تم نہیں۔" اجنبی بولا۔ "بیلٹ سمیت اپنا ہولسٹر اتار کر نہایت آہستگی اور احتیاط سے فرش پر ڈال دو۔"

جون اس کی ہدایت پر عمل کر چکا تو اجنبی بولا "بہت خوب! آدمی عقل مند ہو۔ اچانک کوئی حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ پیٹ میں اتنا بڑا سوراخ ہو جائے گا جس سے بازو گزر جائے گا۔ سمجھے؟"

"کیا چاہتے ہو؟" جون نے پوچھا۔

"مجھے اس مہم کے بارے میں کچھ بتاؤ جس کی تم نے منصوبہ بندی کی ہے۔"

"کون سی مہم؟ کیسی منصوبہ بندی؟ میں تو یہاں چھٹیاں گزارنے آیا ہوا ہوں۔" جون معصومیت سے بولا۔

اجنبی خطرناک انداز میں ریوالور کو جنبش دیتے ہوئے بولا۔

"اپنی باتوں سے مجھے غصہ دلانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے اسلحہ کی منتقلی کے بارے میں تمہارے مشن اور سی آئی اے سے تمہارے دوستانہ تعلق کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔"

"تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟" جون بولا۔

"اس طرح کا اندازِ تکلم اختیار کرکے تم میرے صبر کو آزما رہے ہو جون۔" اجنبی سرد لہجے میں بولا "یہ باتیں تو مجھے معلوم ہیں لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس مشن کے پیچھے کون ہے؟ منصوبہ کس نے بنایا ہے؟"

"میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا۔" جون حقیقتاً الجھن زدہ لہجے میں بولا۔

"اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات ہے؟" اجنبی غرّایا۔ "میں..."

اجنبی اپنا جملہ مکمل نہیں کرسکا۔ تنگ کمرے میں گولی کی آواز گونجی اور اجنبی لڑکھڑا گیا۔ اس کے حلقوم سے خون ابل پڑا تھا۔ گرتے گرتے اس نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے میں فریڈی کھڑا تھا۔ سیاہ فام اجنبی کے اذیت زدہ چہرے پر حیرت کے آثار بھی ابھر آئے۔ وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ "تم...؟"

اس کے حلقوم سے ایک دم اور بہت سا خون ابل پڑا۔ فریڈی نے اس پر ایک گولی اور چلائی۔ وہ فرش پر ڈھیر ہوگیا' وہ یقینی طور پر مرچکا تھا۔

فریڈی' جون کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج ہمارا حساب برابر ہوگیا۔ ایک بار تم نے میری جان بچائی تھی' آج میں نے تمہاری جان بچادی۔" وہ سیاہ فام مردہ شخص کی تلاشی لینے لگا۔ اس کی جیبوں میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھی۔ فریڈی سیدھا کھڑا ہوگیا۔ جون خاموش کھڑا ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم اس طرح میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟" فریڈی کے چہرے پر سرخی آگئی۔

اسی لمحے جیکسن ریوالور لئے دَرانہ وار کمرے میں آگیا۔ "کیا ہوا... یہاں کیا ہو رہا ہے؟" وہ تیزی سے بولا۔

فریڈی نے اسے صورتِ حال بتائی اور کہا۔ "میں نے تمہارے دوست کی جان بچائی ہے۔"

جون بدستور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "فریڈی! تمہارے ہاتھوں مرنے والا یہ شخص کون تھا؟ مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ تمہیں جانتا تھا... اور تم یہ عین صحیح موقعے پر کیسے آن پہنچے؟"

"یہ ہمارے سفارت خانے میں کنٹریکٹ کی بنیاد پر ملازم تھا۔ ایک عرصے سے ہمیں اس پر کے جی بی کا ایجنٹ ہونے کا شبہ تھا اور کچھ دنوں سے ہم محسوس کر رہے تھے کہ یہ کارٹرما کے مفادات کے لئے کام کرنے لگا تھا۔" فریڈی مردہ شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اچھا ہی ہوا کہ یہ قصہ اس طرح ختم ہوگیا۔ جہاں تک میرے عین موقع پر پہنچنے کا سوال ہے تو یہ محض ایک اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہیں ایک ضروری پیغام دینے آیا تھا۔ پیغام یہ ہے کہ سمولا کے بھیجے ہوئے ایجنٹ نے ہم سے رابطہ کیا ہے۔ وہ ہمارے لئے گائیڈ کے فرائض انجام دے گا' ہم آج سہ پہر روانہ ہوں گے۔"

پھر وہ جانے کے لئے مڑتے ہوئے بولا۔ "اس لاش کو ٹھکانے کے لئے کارروائی کرلینا' مجھے اس سے زیادہ اہم کام سرانجام دینے ہیں۔"

○☆☆○

غروبِ آفتاب سے تقریباً ایک گھنٹا پہلے وہ ائرپورٹ پر یکجا ہوئے۔ اس بار فریڈی کے ساتھ ایک طویل القامت دُبلا پتلا افریقی بھی تھا۔ وہ میلے کچیلے کپڑوں میں تھا۔ فریڈی اس کا تعارف کراتے ہوئے بولا "یہ ہے ہمارا گائیڈ' قابوت تیموری۔"

گائیڈ حیرت انگیز طور پر صاف اور شستہ انگریزی میں بولا۔ "سمولا اور اس کے تمام حامی دستے آپ لوگوں سے تعاون اور مدد کے لئے تیار ہیں۔"

سب سے پہلے فریڈی طیارے میں سوار ہوا' پھر جیکسن اور جون اندر پہنچے۔ انہوں نے حفاظتی بیلٹ باندھی اور جون نے تیزی سے تمام آلات کو چیک کیا' پھر اس نے اگنیشن سوئچ دبایا اور دو چار جھٹکے سے لے کر انجن بیدار ہوگیا۔ اس نے ٹاور سے کلیئرنس لی۔ وہ ایک چارٹرڈ طیارے کے طور پر یہ پرواز لے کر جارہے تھے۔ چند لمحے بعد وہ اونچی فضاؤں میں پہنچ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوچکے تھے۔ فریڈی اور تیموری نامی گائیڈ کاک پٹ میں ہی جون اور جیکسن کے عقب میں جمپ سیٹس پر بیٹھے تھے۔ سب اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔ چھوٹے سے کیبن میں عجیب سے تناؤ کی فضا تھی۔

"اس طیارے کا نام کیا ہے؟" تیموری نے گویا سکوت توڑنے کے لئے پوچھا۔

"ڈریگن۔" جیکسن نے جواب دیا۔ "ان طیاروں کو یہ نام ویت نامیوں نے دیا تھا کیونکہ ہم ان طیاروں سے ہر وقت ان پر آگ برساتے رہتے تھے۔ یہ طیارے ہمارے اصل بمبار طیاروں کی حفاظت کے لئے ان کے پیچھے چلتے تھے۔ اس کی راہداری کے نیچے گن شپ ہیلی کاپٹر کی طرح ایک گن نصب ہے جو عام حالت میں نظر نہیں آتی' دیکھنا پسند کروگے؟"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس قسم کے احمقانہ مظاہروں کی۔" فریڈی نے اسے ڈانٹا "اس طیارے پر اس طرح کی گن کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

جیکسن پلٹ کر خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "فریڈی! جب سے ہماری ملاقات تم سے ہوئی ہے' تب سے ہم تمہاری بکواس برداشت کر رہے ہیں۔ اگر اب تم نے ذرا بھی اپنا غلیظ منہ کھولا تو میں تمہیں اٹھا کر جہاز سے باہر پھینک دوں گا۔"

"اور میں اس کام پر جیکسن کو شاباش دوں گا۔" جون جلدی

سے بولا۔ اس نے طیارے کو آٹو پائلٹ سسٹم پر سیٹ کیا اور جیکسن کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں تیموری کو اپنے ساتھ طیارے کے پچھلے حصے میں لائے۔ انہیں گویا تیموری کو اپنے طیارے کی خصوصیات دکھانے کا بڑا اشتیاق ہو رہا تھا۔

کارگو ایریا میں پہنچ کر جیکسن نے ایک لیور دبایا اور راہداری کے فرش میں ایک بڑا سا چوکور خانہ نمودار ہوا' اس میں ایک ہولناک قسم کی گن نصب تھی۔ نیچے اس کا دہانہ باہر جانے کے لئے ایک چھوٹا سا دروازہ کھل چکا تھا۔

"کان بند کرلو۔" جون نے تیموری کو ہدایت کی "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہمارا یہ بوڑھا شیر اب بھی کتنی گھن گرج رکھتا ہے۔"

تیموری نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ جون نے ایک بٹن دبایا اور توپ نما گن کے خوفناک دھماکے سے بھاری بھرکم طیارہ لرز اٹھا۔

"واہ...! کیا طیارہ ہے۔" تیموری کی آنکھیں رشک آمیز انداز میں پھیل گئیں۔

جون کاک پٹ میں لوٹ آیا۔ طیارہ تقریباً پون گھنٹے تک تیموری کی رہنمائی میں محو پرواز رہا۔ جون اسے بہت نیچا اڑا رہا تھا' صرف اتنی بلندی پر کہ وہ چوٹیوں سے نہ ٹکرائے۔ پھر انہیں ایک دریا طلائی پٹی کی طرح بل کھاتا نظر آیا اور پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہوا تو وہ اسے اور نیچے لے آیا۔

اب گویا فریڈی سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ چلا اٹھا۔ "تم اتنی نیچی پرواز کیوں کر رہے ہو؟ میں تمہیں بلندی پر پرواز کرنے کا حکم دیتا ہوں۔"

"تمہیں کیوں تشویش ہو رہی ہے؟" جون کے بجائے جیکسن بولا۔ "سرحد یہاں سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے اور وہاں حفاظتی طیارے پرواز کرتے رہتے ہیں۔ کیا تم ہمیں ان سے مروانا چاہتے ہو؟ تمہیں نیچی پرواز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جون بدترین حالات میں جہاز اڑانے والا بہترین پائلٹ شمار ہوتا ہے۔"

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جہاز کو بلندی پر لے چلو۔" فریڈی نے اچانک ریوالور نکال لیا' اس کا رخ جون کی طرف تھا۔ "میں اس مشن کا سربراہ ہوں۔ ہر کام میری ہدایات کے مطابق ہوگا۔"

"مسٹر فریڈی!" تیموری ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ "پرواز کے سلسلے میں ہمیں مسٹر جون کے تجربے پر بھروسا کرنا چاہئے۔"

فریڈی نے پیچھے ہٹ کر تیموری کو بھی ریوالور کی زد میں لے لیا۔ "تم اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔"

جون نے گہری سانس لی اور طیارے کو بلندی پر لے گیا۔ اس وقت وہ اپنے ذہن کو غصے کی شدت سے دھندلانا نہیں چاہتا تھا۔ ڈور کہیں الجھی ہوئی نظر آرہی تھی اور وہ سرا پکڑ کر چلتے چلتے دیکھنا چاہتا تھا کہ الجھاؤ کہاں ہے۔ فریڈی محض چٹانوں کے خوف سے پرواز اونچی رکھنے کا حکم نہیں دے رہا تھا' اس کا مقصد یقیناً کچھ اور تھا لیکن کیا؟

یکدم اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور وہ اپنے غصے کو چھپاتے ہوئے حتی الامکان خوشگوار لہجے میں بولا "اے فریڈی! یہ تمہارے بال سفید کب ہوئے تھے؟"

"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ ویت نام میں سفید ہوئے تھے۔" فریڈی ناگواری سے بولا۔

"ہاں... جب وہ مشن تمہارے سپرد کیا گیا تھا تو تمہارے بال بھورے تھے... اور جب تم ویت نامی گوریلوں کے چنگل سے رہا ہوئے تو بال سفید ہو چکے تھے۔" جون سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "کیا انہوں نے تم پر اتنا تشدد کیا تھا کہ خوف اور دہشت سے تمہارے بال سفید ہو گئے؟"

"میں کہتا ہوں' بکواس بند کرو۔" فریڈی غرایا۔

"ورنہ کیا پائلٹ کو بھی گولی مار دو گے؟" جون نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"گن میرے ہاتھ میں ہو تو میرا کوئی بھروسا نہیں۔" فریڈی بولا۔

"ہاں' یہ تو مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے۔" جون نے تسلیم کیا۔ اسی دوران میں جیکسن سے اس کی نظریں مل چکی تھیں اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہہ چکے تھے۔ جیکسن نے غیر محسوس طور پر اپنی حفاظتی بیلٹ کا کٹکا کھول لیا تھا۔ فریڈی چونکہ اس کی پشت پر تھا اس لئے وہ یہ حرکت نہیں دیکھ سکا۔

جون نے اچانک اسٹک کھینچی اور پیڈل دبا دیے۔ طیارے کی نوک ایک جھٹکے سے فضا میں بلند ہوئی اور اس کی رفتار بھی یکدم بڑھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی جیکسن الٹے رخ فریڈی پر جا گرا۔ ریوالور گرجا اور ونڈ اسکرین میں سوراخ ہو گیا۔ جیکسن فریڈی کا ریوالور والا بازو گرفت میں لے چکا تھا اور اسے موڑ رہا تھا۔ ریوالور ایک بار پھر گرجا۔ جیکسن نے فریڈی کے منہ پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا۔ سی آئی اے ایجنٹ فرش پر گرا اور ساکت ہو گیا۔

اسی دوران تیموری کی کراہ سنائی دی۔

"تیموری زخمی ہو گیا ہے۔" جیکسن نے جون کو اطلاع دی۔

جون نے طیارے کو پہلے والی پوزیشن میں لا کر مڑ کر دیکھا۔ گائیڈ کا گریبان خون میں تر ہو رہا تھا۔ جون نے اپنی جگہ جیکسن کو پائلٹ سیٹ پر بٹھایا اور گائیڈ کا جائزہ لیا۔ وہ قریب المرگ ہی تھا۔

"تم بول سکتے ہو؟" جون نے اس پر جھکتے ہوئے پوچھا۔ "ہمیں کہاں جانا ہے؟"

تیموری ڈوبتی آواز میں بولا "آگے چل کر دریا دو شاخوں میں تقسیم ہو جائے گا' بائیں ہاتھ والی شاخ پر تقریباً پچاس میل تک جانا۔ اس کے کنارے ایک چٹان دکھائی دے گی جس کا کچھ حصہ

سپاٹ ہوگا۔ وہاں سے سمولا تمہیں لائٹ سگنل دے گا۔" اس کی آواز تقریباً معدوم ہوتی جارہی تھی۔

"ایک بات اور..." جون تیزی سے بولا۔ "کیا امریکی سفارت خانے میں تم لوگوں کا کوئی ایجنٹ ملازم تھا؟"

"ہاں!" تیموری نے سرگوشی میں جواب دیا اور اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔ وہ مرچکا تھا۔

"یہ کیا چکر ہے؟" جیکسن الجھن زدہ لہجے میں بولا۔

"ڈین جب اس مشن کے لئے ہماری خدمات حاصل کرنے آیا تھا اور مارا گیا تھا' تب سے ہی مجھے اس میں مسلسل کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔" جون بولا۔ "لاشعوری طور پر میں اس بات سے پریشان ہو رہا تھا کہ ڈین کے مرتے ہی فریڈی کس طرح فوراً جائے وقوعہ پر آن پہنچا تھا؟ اس نے تو پولیس جیسی مستعدی دکھائی تھی۔" ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا "تمہیں یہ بات عجیب نہیں لگی کہ ویت نام کی جنگ کے زمانے میں فریڈی گوریلوں کے چنگل سے نکل کر تین ماہ تک جنگلوں میں بھٹکتا رہا اور دوبارہ نہیں پکڑا گیا جب کہ جنگلوں میں بھی قدم قدم پر ویت نامی گوریلے موجود تھے؟"

اس دوران میں فریڈی ہوش میں آگیا تھا۔ اب اس کا ریوالور جون کے ہاتھ میں تھا۔ جون اسے ٹھوکا دیتے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم ہے' خوف و دہشت کی شدت سے بعض لوگوں کے بال راتوں رات سفید ہو جاتے ہیں لیکن میرا خیال ہے' گوریلوں کی قید کے دوران تمہارے اندر اور بھی تبدیلی آئی تھی۔ سی آئی اے والوں نے تو تمہیں اپنا بازیاب شدہ آدمی سمجھ کر دوبارہ گلے سے لگالیا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے تم خالصتاً ان کے آدمی نہیں رہے تھے۔"

فریڈی خاموش رہا اور شعلہ بار نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جون نے اس کے جبڑے پر گھونسا رسید کیا اور کہا۔ "یہ ڈین کی طرف سے ہے' تم نے اس بے چارے کو کیوں قتل کیا؟"

فریڈی اب بھی کچھ نہ بولا۔ جون ریوالور اس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے بولا۔ "تم چند لمحوں کے مہمان ہو' راز تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ بتا دو تم نے ڈین کو... اپنے ہی آدمی کو کیوں قتل کیا؟"

"مجھے مشن کو اپنے ہاتھ میں لینا تھا اور اس کا مختصر ترین راستہ یہی تھا کہ میں ڈین کو درمیان سے ہٹا دوں۔" آخر کار فریڈی نے اعتراف کیا۔

"تم نے میرے کمرے میں جس سیاہ فام کو ہلاک کیا' وہ بھی سمولا کا ایجنٹ تھا اور تمہارے ہاتھوں مرنے سے پہلے وہ کسی منصوبہ بندی ہی کا ذکر کر رہا تھا۔ شاید اس سوال کا تعلق بھی تم سے ہی تھا' تب ہی تم نے اسے مار ڈالا۔ تم نے اس کے حلق میں صرف ایک گولی مارنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یقینی طور پر اس کی زبان بند رکھنے کے لئے اسے دو گولیاں ماریں۔ وہ ہمیں کیا بتانے والا تھا؟ تم ہمیں ڈبل کراس کرنے کے لئے کس قسم کا کھیل کھیل رہے ہو؟"

فریڈی نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔ دفعتاً جیکسن نے جون کو پکارا اور طیارے کو آسمان کی طرف ذرا ترچھا کرتے ہوئے بولا۔ "وہ دیکھو کیا ہے۔"

بہت بلندی پر پرندے سے منڈلاتے نظر آرہے تھے۔ جون نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یقیناً یہ کارٹرما کی ائرفورس کے طیارے ہیں۔ اب ہمیں فریڈی کا مشن سمجھ لینا چاہئے۔ ہمیں فریڈی نے اس گھوڑے کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی ہے جو لاعلمی میں دشمنوں کو اپنے مالک کے ٹھکانے تک لے آتا ہے۔ یہ چاہتا تھا کہ ہمارا طیارہ کارٹرما کے طیاروں کو سیدھا باغیوں کے ٹھکانے تک لے جائے۔"

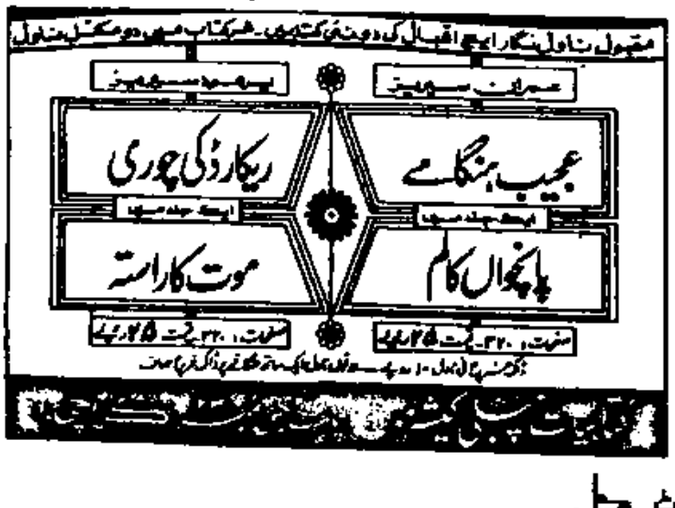
جون نے دانت پیس کر فریڈی کی طرف دیکھا۔ "اسی لئے تم طیارے کو بلندی پر رکھنے کے لئے مرے جارہے تھے تاکہ ہم ان کے ریڈار کی رسائی میں رہیں۔ تم ہم سے اور کیا کچھ چھپائے ہوئے ہو؟"

"بکواس مت کرو۔" فریڈی غرایا۔ جون نے اسے الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا' پھر اس کا سر فرش سے ٹکرا دیا۔ اسے فریڈی کے پیٹ پر کوئی ابھار محسوس ہوا۔ اس نے فریڈی کی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس کے پیٹ پر ایک ٹرانسمیٹر بندھا ہوا تھا۔

"اس کے ذریعے ان طیاروں کو ہمارے طیارے کے بارے میں رہنمائی مل رہی تھی۔" جون ٹرانسمیٹر کھینچتے ہوئے جیکسن سے مخاطب ہوا' پھر اس نے اپنا ریڈیو آن کیا جس کے ساتھ راس کا دیا ہوا بریف کیس نما اضافی ٹرانسمیٹر منسلک کیا جاچکا تھا۔ فوری طور پر اس کا رابطہ آئرن ہارڈ نامی طیارہ بردار جہاز پر راس سے ہوگیا۔ جون نے تیزی سے اسے صورتِ حال بتائی اور کہا۔ "کارٹرما کے طیارے ہمارے سر پر آن پہنچے ہیں' ہمیں مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں دس منٹ بعد فضا میں ہوں گا اور ہم جلد از جلد تم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔" راس نے جواب دیا۔

دفعتاً فریڈی موقع پاکر جون پر جھپٹ پڑا۔ اس نے جون کے ہاتھ سے اپنا بیلٹ میں بندھا ہوا ٹرانسمیٹر چھین لیا اور اسی سے جون پر وار کیا۔ جون فرش پر جا گرا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ فریڈی نے دوسرا وار جہاز کے ریڈیو پر کیا۔ وہ ٹوٹ گیا۔ فریڈی



نے جھپٹ کر ریک سے ایک پیرا شوٹ اٹھایا اور کارگو والی راہداری کی طرف دوڑا۔ جون کے حواس ایک لمحے کے لئے مختل ہوچکے تھے۔ وہ ذرا سنبھلا تو اٹھ کر فریڈی کے پیچھے لپکا۔ فریڈی کارگو کی راہداری کا دروازہ کھول چکا تھا اور پیرا شوٹ اپنی پشت پر باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جون نے اس کے گھٹنے پر ٹھوکر ماری اور دونوں ایک دوسرے سے الجھتے ہوئے راہداری میں لڑھکنے لگے۔ فریڈی نے جون کے پیٹ میں لات ماری' وہ دروازے کے قریب دہرا ہوگیا۔ فریڈی اسے باہر دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک لمحے کے لئے جون کا سر دروازے سے باہر لٹکا رہا' یہ لمحہ اس کے لئے بے حد طویل تھا۔ ہوا اس طرح اس کے کانوں میں سنسنا رہی تھی کہ پردے پھٹتے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ باہر کی طرف پھسل رہا تھا۔ اس نے فریڈی کو پکڑنا چاہا تو اس کا ہاتھ فریڈی کے پیرا شوٹ کو کھولنے والے لیور پر پڑ گیا۔ پیرا شوٹ کھل گیا اور دروازے سے نکل آیا۔ اب طیارے کی رفتار کی وجہ سے اس میں جس طرح ہوا بھری' اس کے دباؤ کے ساتھ فریڈی ایک جھٹکے سے پیرا شوٹ کے ساتھ دروازے سے نکل گیا لیکن اس دوران پیرا شوٹ پچھلے پر میں پھنس کر پھٹ چکا تھا۔

دوسرے ہی لمحے ہوا کے دباؤ سے پیرا شوٹ پر سے تو علیحدہ ہوگیا لیکن پھٹے ہوئے پیرا شوٹ کے ساتھ جس رفتار سے فریڈی نیچے جا رہا تھا' اس سے اس کے انجام کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ جون دروازہ بند کر کے کاک پٹ میں لوٹ آیا۔

"کیا وہ خبیث نکل گیا؟" جیکسن نے دریافت کیا۔

"ہاں بھی اور نہیں بھی" جون نے جواب دیا۔ "وہ اس انجام کو پہنچ گیا جس کا مستحق تھا لیکن ادھر کارٹرما کے طیارے ہمارے قریب آ رہے ہیں۔ انہیں چوں کہ اب رہنمائی کے سگنل نہیں مل رہے' وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے۔"

جون نے دوبارہ پائلٹ سیٹ سنبھال لی اور طیارے کو بالکل نیچے لے آیا۔ وہ دریا سے ذرا سی بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔ ائرفورس کے چھ جیٹ طیاروں نے بھی نیچے آنا شروع کر دیا۔

"مارے گئے۔" جیکسن بولا۔ "کیا ہمارے طیارے میں اب بھی فلیئر گن نصب ہے؟"

"ہاں لیکن اس سے کیا ہوگا؟" جون نے پوچھا۔

"اس کے ذریعے ان کے ان میزائلوں کو دھوکا دیا جا سکتا ہے جو حرارت کی طرف سفر کرتے ہیں۔" جیکسن بولا اور کارگو والی راہداری میں چلا گیا' وہاں سے اس نے انٹر کام پر ہدایت کی۔ "ذرا بائیں طرف موڑو... وہ لوگ پیچھے سے آ رہے ہیں... بلندی کی طرف لے چلو۔"

جون نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ دفعتاً جیکسن کی چیخ سنائی دی... "میزائل آ رہا ہے...."

برابر کی کھڑکی سے جون نے بھی میزائل اپنے طیارے کی طرف بڑھتے دیکھ لیا لیکن قریب پہنچتے ہی حیرت انگیز انداز میں اس کا رخ بدل گیا اور وہ طیارے کے نیچے سے گزرتا چلا گیا۔ فلیئر کی تدبیر کارگر رہی تھی۔ اس نے فلیئر گن سے شعلہ نیچے کے رخ چھوڑ کر میزائل کو مس گائیڈ کر دیا تھا۔ جون نے فاتحانہ نعرہ لگایا۔

"طیارہ واپس موڑ لو۔" جیکسن چلایا۔ "ہمیں کسی طرح تھوڑی سی مہلت حاصل کرنی ہے اور انہیں الجھائے رکھنا ہے۔"

جیکسن کی حکمت عملی سے وہ ایک اور میزائل کو مس گائیڈ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس وقت تک رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ طیاروں نے آخر کار ڈریگن کو گھیر لیا تھا۔ موت اب ان سے زیادہ دور نہیں تھی۔

دفعتاً ٹوٹے ہوئے ریڈیو پر زندگی کی نوید کی طرح تھرتھراہٹ ابھری۔ بیرونی حصے کئی جگہ سے ٹوٹ جانے کے باوجود ریڈیو کام کر رہا تھا۔ اس پر راس کی آواز ابھری "جون! تم زندہ ہو؟"

"ہاں' فی الحال تو ہم زندہ ہی ہیں..." جون چلایا اور اس نے مختلف ڈائل دیکھ کر اپنی پوزیشن بتائی۔

دوسرے ہی لمحے سپرسانک کی آواز سے فضا لرز اٹھی۔ دور سے طیارے روشنیوں کے فوارے چھوڑتے اس رفتار سے آئے کہ ڈریگن ایک سہمے ہوئے پرندے کی طرح لرز اٹھا۔ ائرفورس کے جیٹ طیاروں نے فوراً راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی لیکن ایک سپرسانک طیارے نے ایک طیارے کو مار ہی گرایا۔

ڈریگن واپس گھوم کر دریا کی بائیں شاخ پر پرواز کرتا ہوا اس مقام تک پہنچا جس کا ذکر گائیڈ نے کیا تھا۔ انہیں فوراً روشنی کے سگنل ملنے لگے۔ جون اور جیکسن نے اسلحے کی پیٹیاں گرانے کا عمل مکمل کیا اور شمال کی طرف گھوم کر واپس روانہ ہوئے۔ ریڈیو پر ایک بار پھر راس کی آواز ابھری۔

جون بولا۔ "تم تو کہہ رہے تھے کہ ائرفورس کے جہازوں کو صرف ڈرا کر بھگاؤ گے... مار کر نہیں گراؤ گے؟"

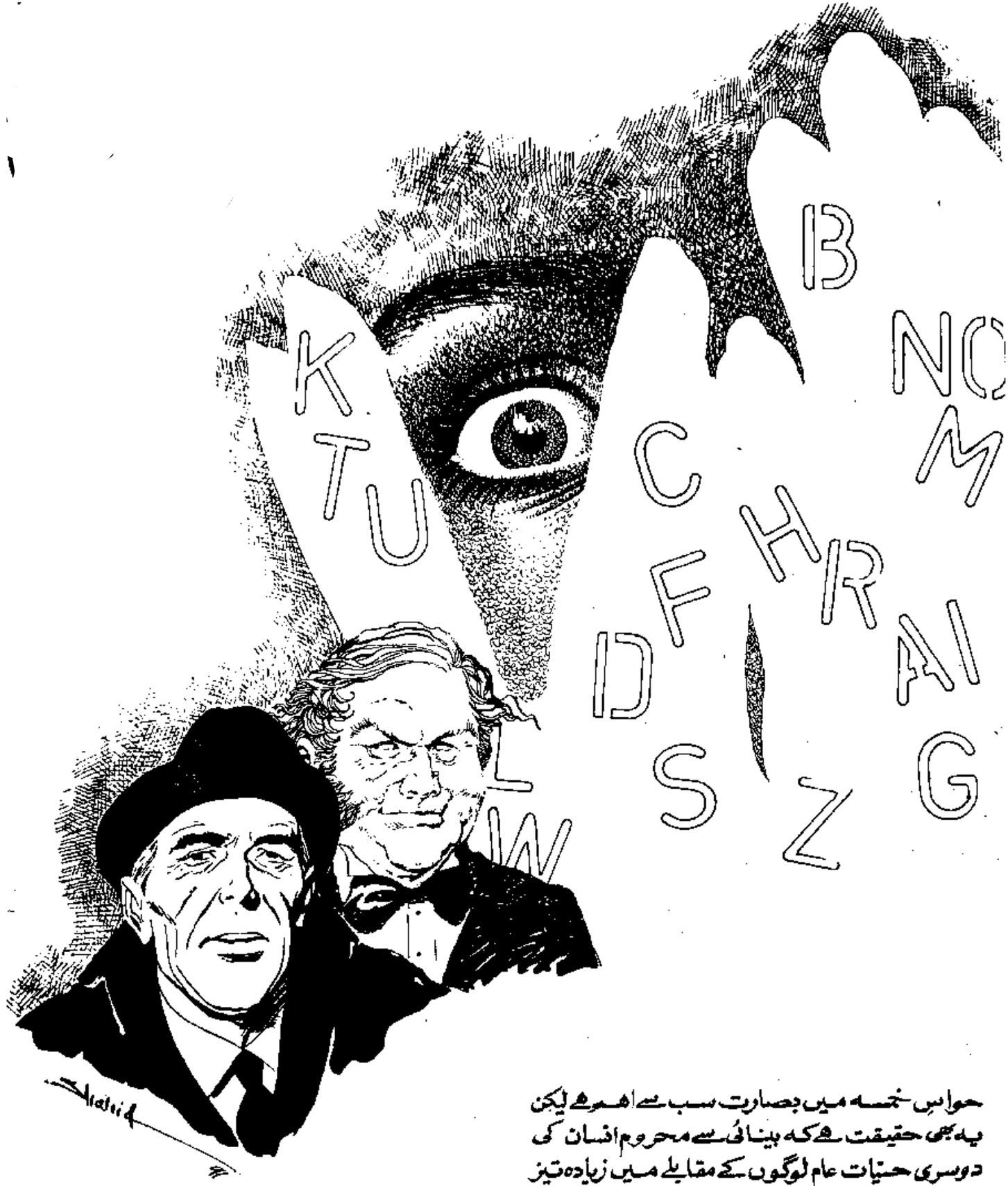
"میں نے جھوٹ بولا تھا۔" راس نے قہقہہ لگایا۔ "اب تم واپس ائرپورٹ تک اکیلے چلے جاؤ گے یا تمہیں اسی طرح گود میں لے کر پہنچانا پڑے گا؟"

"میرا خیال ہے' اب ہم چلے جائیں گے۔" جون بولا۔

"خدا حافظ! کل ملاقات ہوگی۔ جو رقم ہمیں ملنے والی ہے' مل بیٹھ کر اس کا حسین ترین مصرف سوچیں گے۔" راس بولا۔ "ویسے تمہارے اس کھٹارا جہاز ڈریگن کی رفتار سپرسانک سے ذرا ہی کم ہے۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ اس کی ظاہری حالت پر مت جاؤ' یہ بڑے کام کی چیز ہے۔" جون نے کہا اور ہلکا سا قہقہہ لگا کر طیارے کی رفتار ذرا کم کر دی۔

PUFF THE MAGIC DRAGON
MICHAEL W. MASTERS



حواسِ خمسہ میں بصارت سب سے اہم ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بینائی سے محروم انسان کی دوسری حسیات عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ تیز اور طاقت ور ہوتی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں سننے اور دیکھنے میں آئی ہیں۔ انسانی جبلّت اور علومِ باطنی سے بے بہرہ لوگ اسے کرشمہ یا کرامت سمجھتے ہیں

بینائی سے محروم ایک پروفیسر کا قصہ، محسوس کرنے کی قوت سے مالا مال تھا

نجمہ مودی

سسپنس انجسٹ

یونیورسٹی کے شعبۂ ریاضی کا سربراہ پروفیسر ڈین جان مارٹن اس وقت اپنے شعبے کے پروفیسر ہنری کے دروازے پر کھڑا تھا۔ ڈین کو ایک نجی ضرورت اپنے ماتحت کے گھر لے آئی تھی۔ ڈین جان مارٹن نے کبھی نجی زندگی کی الجھنوں کو دوسروں کے سامنے بے نقاب نہیں کیا تھا لیکن آج وہ مجبور ہو کر پروفیسر ہنری کے دروازے پر آیا تھا۔ پروفیسر ہنری سے اسے مکمل رازداری کی امید بھی تھی اور اس کی صلاحیتوں پر بھی بھروسا تھا۔ اسے کامل یقین تھا کہ پروفیسر ہنری اس کا مسئلہ حل کر سکتا ہے۔

بالآخر پانچویں بار کال بیل کا بٹن دبانے کے بعد ڈین کو دروازے کے عقب میں چپلیں گھسٹنے کی آواز سنائی دی۔ پھر

دروازہ کھلا اور پروفیسر ہنری نیند کے خمار سے بوجھل چہرہ لیے نمودار ہوا۔

ڈین معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "ہنری! مجھے احساس ہے کہ صبح ساڑھے نو بجے تمہارے پاس آنا معقول حرکت نہیں' یہ وقت تمہارے سونے کا ہوتا ہے۔ لیکن مجبوری آن پڑی تھی۔ میں ایک ایسے مسئلے سے دوچار ہوں جس کا حل تلاش کرنے میں تاخیر نہیں کی جاسکتی۔"

پروفیسر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے ڈین کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ پروفیسر ہنری کا چہرہ اور حرکات و سکنات دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ شخص بینائی سے محروم ہے۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس کی بے نور آنکھوں سے بھی ذہانت جھلکتی تھی۔

ڈین اندر آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پروفیسر ہنری کافی پاٹ سے کافی نکالنے ایک کونے میں چلا گیا۔ اس کے انداز میں انہی نابینا لوگوں والی خود اعتمادی تھی جو برسوں کی مشق کے بعد اپنے معمولات کے عادی ہو جاتے ہیں۔

"کافی گرم ہونے تک تم مجھے اپنے مسئلے کے بارے میں بتا سکتے ہو ڈین!" پروفیسر ہنری خوشگوار لہجے میں بولا "ویسے مجھے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ تمہیں صبح کی ڈاک میں کوئی چیز موصول ہوئی ہے جس نے تمہیں اتنا پریشان کر دیا کہ تم ناشتا چھوڑ کر اپنے آفس کا رخ کیے بغیر سیدھے میری طرف آگئے ہو۔ بلکہ میں یہاں تک بھی اندازہ لگا سکتا ہوں کہ اس مسئلے کا تعلق یونیورسٹی سے نہیں ہے۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں ناشتا بیچ میں چھوڑ کر آیا ہوں اور اس وقت کافی کی شدت سے طلب ہو رہی ہے۔ لیکن تم نے یہ نتائج کیونکر اخذ کیے؟" ڈین نے قدرے حیرت سے پوچھا۔ حالانکہ وہ پروفیسر ہنری کی ذہانت کے ایسے ایسے مظاہرے دیکھ چکا تھا کہ خود اپنی رائے میں اسے اب اس قسم کی باتوں پر حیران نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"تم عادات کے غلام ہو ڈین!" پروفیسر بولا "تمہارے معمولات لگے بندھے ہیں۔ روزانہ صبح شعبے کے لوگوں کی جو میٹنگ ہوتی ہے اس میں میں نے محسوس کیا ہے کہ تم ناشتا کرنے کے بعد برش کے عادی ہو کیونکہ میٹنگ میں تمہارے منہ سے چائے یا کافی کی مہک نہیں آتی۔ اس کے علاوہ تم آتے وقت عمدہ قسم کا کلون لگا کر آتے ہو۔ آج میں نے تمہارے قریب سے کافی کی خوشبو تو محسوس کی لیکن کلون کی مہک نہیں آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ عین ناشتے کے وقت کسی چیز نے تمہیں پریشان کیا تھا۔ اس علاقے میں اس وقت صبح کی ڈاک آتی ہے۔ اگر وہ دفتری نوعیت کی ہوتی تو تمہیں دفتر میں یا پھر کیمپس کی ڈاک میں سہ پہر کے وقت موصول ہوتی۔ تم اندر آئے تو میں نے آواز سے اندازہ لگایا کہ تم نے اپنا بھاری بریف کیس فرش پر رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم سیدھے یہیں آرہے ہو۔ اگر آفس سے آئے ہوتے تو بریف کیس وہیں رکھ آتے۔ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو خواہ مخواہ غیر ضروری سامان اٹھائے پھرتے ہیں۔ بس انہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے میں نتائج اخذ کرتا ہوں۔ جس طرح شعبدے باز ایک عام سا آدمی ہوتا ہے لیکن وہ بعض چھوٹے چھوٹے کاموں میں مہارت حاصل کر لیتا ہے اور ان ہی وجہ سے ایک غیر معمولی آدمی نظر آتا ہے۔"

"میرے لئے تم بھی کسی عظیم شعبدہ باز سے کم نہیں ہو" ڈین تحسین آمیز لہجے میں بولا "مجھے تمہاری صلاحیتوں پر بھروسا ہے اور یہ بھی اعتماد ہے کہ تم ایک اچھے رازداں ثابت ہو سکتے ہو۔ ...نتائج اخذ کرنے کی جو تم میں بے مثال صلاحیت ہے اس کی مدد سے تم میرا مسئلہ حل کر سکتے ہو۔ صورتِ حال یہ ہے کہ یہ لفافہ ابھی مجھے کچھ دیر پہلے ڈاک میں موصول ہوا ہے۔ اس میں ایک سفید ورق ہے جس پر کسی رسالے سے حروف کاٹ کر چپکائے گئے ہیں اور ان سے ایک پیغام تیار کیا گیا ہے۔ میں یہ پیغام پہلے پڑھ کر تمہیں سنا دوں پھر یہ لفافہ اور کاغذ تمہارے حوالے کرتا ہوں۔"

ڈین نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد خط پڑھنا شروع کیا۔

"ڈیئر ڈین! ایک ڈین کی حیثیت سے تمہیں جتنے دن گزارنا تھے' تم گزار چکے۔ اب تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ پانچ دن کے اندر اندر ڈین کے عہدے سے استعفیٰ دے دو ورنہ تمہیں اپنے کرتوت کا بہت برا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ کو ایک خط کے ذریعے تمہارے کردار سے مطلع کر دیا جائے گا کہ اپنی ایک شاگرد کے ساتھ تمہارا کس نوعیت کا تعلق ہے۔ تمہاری نیک نامی پل بھر میں غارت ہو جائے گی۔ ایک پُرعزم شہری۔"

خط ختم کر کے ڈین نے گہری سانس لی اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہنری! مجھے اعتراف ہے کہ میں تھوڑا سا بہک گیا تھا۔ لیکن صرف چند دن کے لئے۔ اس خط میں جو الزام لگایا گیا ہے اسے صرف کل تک درست قرار دیا جا سکتا تھا۔ میں خود بھی نہیں سمجھ پایا کہ مجھ پر حماقت کا یہ دورہ کیونکر پڑا تھا کہ میرا جھکاؤ اس نوجوان خاتون کی طرف ہو گیا تھا جو میری ہی شاگرد ہے۔ بہرحال ...جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اس کی تلافی تو نہیں ہو سکتی۔ دوستی کے ابتدائی تین ہفتوں میں تو میں انتہائی احتیاط کی وجہ سے اس راز کو راز رکھنے میں کامیاب رہا لیکن کل مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوئی کہ میں مذکورہ خاتون کو اپنے ساتھ کلب میں لنچ کرانے لے گیا۔

میں نے ایک چھوٹا سا پرائیوٹ ڈائننگ روم ریزرو کرا لیا تھا' ...اس کمرے میں اس وقت ہم قدرے بے تکلفانہ حالت میں تھے جب دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ ہم

دروازہ کھولنے والے کی صورت دیکھ سکتے یا اس کے بارے میں کوئی اندازہ قائم کر سکتے' دروازہ تیزی سے بند ہو گیا اور باہر راہداری میں قدموں کی آوازیں دور ہوتی چلی گئی جیسے کوئی دوڑتا چلا گیا ہو۔ اس کے پیروں میں غالباً نرم تلے کے جوتے تھے۔

اس واقعے کی وجہ سے میں گویا فوراً ہی عقل و شعور کی دنیا میں واپس آگیا۔ مجھے احساس ہو گیا کہ جس راستے پر میں چل رہا تھا اس کا انجام تباہی و بربادی اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میرا مطلب مجھے اپنی جذباتی خواہشات کی تکمیل کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ہمارے مراسم سے مجھے ہی نہیں' لڑکی کو بھی بہت نقصان پہنچ سکتا تھا چنانچہ میں نے اسے بھی سمجھایا اور ہم نے ہمیشہ کے لئے تعلق توڑ لیا۔ یہ قدم اٹھا کر میں اپنی نظر میں سرخرو ہو گیا تھا اور دل ہی دل میں بڑا مطمئن تھا لیکن آج صبح کی ڈاک میں یہ آگیا۔"

اس نے خط اور لفافہ پروفیسر ہنری کو تھما دیا جس نے اپنی انگلیاں یوں مشاقی و مہارت سے ان کے ہر حصے پر پھیرنی شروع کر دیں جیسے اس طرح مکمل تصویر اس کے باطن کی آنکھوں تک پہنچ رہی ہو۔

خاصی دیر میں اپنا معائنہ مکمل کرنے کے بعد اس نے کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا کر اپنی بے نور آنکھیں بند کر لیں۔ زیادہ یکسوئی اور توجہ سے سوچ بچار کرنے کے لئے وہ اسی طرح آنکھیں بند کر لیا کرتا تھا۔

چند منٹ بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ "میں تمہارے سامنے ایک عورت کی تصوراتی تصویر پیش کر رہا ہوں۔ شاید تمہارے ذہن میں کسی شناسا عورت کا خاکہ ابھر آئے۔ عمر میں وہ عورت چالیس کے قریب یا اس سے ذرا اوپر ہے۔ نفاست پسند اور بنی سنوری رہنے والی ہے۔ اپنی وضع قطع کا خیال رکھتی ہے۔ معقول حد تک تعلیم یافتہ بھی ہے۔ کم از کم کالج کی پڑھی ہوئی ضرور ہے۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ کھیلوں یا ورزشی کاموں میں دلچسپی رکھتی ہے اور شاید ٹینس کھیلنے میں خاصا وقت صرف کرتی ہے۔ وہ دولت مند نہیں ہے لیکن تنگ دست بھی نہیں ہے۔ اس کا شمار غالباً متوسط اور سفید پوش طبقے میں کیا جا سکتا ہے اور اس کا کسی نہ کسی حوالے سے اپنی یونیورسٹی سے بھی کوئی تعلق ہے۔"

ڈین نے چند لمحے ذہن پر زور دیا پھر ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ "ان نشانیوں سے میرے ذہن میں چار عورتوں کا نقشہ ابھر رہا ہے جو باقاعدگی سے روزانہ سہ پہر کو اسٹاف کلب میں برج کھیلنے آتی ہیں۔ وہ چاروں' پروفیسروں کی بیویاں ہیں۔ وہ صبح گولف یا ٹینس کھیلنے آتی ہیں پھر لنچ کے لئے اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ لنچ کے بعد وہ برج کھیلتی ہیں اور سہ پہر کو اپنے اپنے گھر روانہ ہو جاتی ہیں۔ اب میں ان کے بارے میں سوچنے لگا ہوں تو ایک اور بات کی طرف بھی دھیان جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ اگر مجھ سے ڈین کا عہدہ چھن جاتا ہے تو ان چاروں کے شوہروں کو کچھ نہ کچھ ترقی



ملے گی۔"

"کیا یہ عورتیں کسی مخصوص وقت پر کلب سے رخصت ہوتی ہیں؟" پروفیسر ہنری نے دریافت کیا۔

"ہاں۔ عموماً یہ ساڑھے چار بجے روانہ ہوتی ہیں۔" ڈین نے جواب دیا۔

"تو پھر تمہیں کچھ زحمت کرنا پڑے گی۔ اس معمے کی دو ایک کڑیاں نہیں مل رہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ کلب میں ہی ملیں گی۔ ایسا کرتے ہیں کہ میں سوا چار بجے کلب پہنچ جاتا ہوں۔ تم مجھے وہیں مل جانا اور جیسے میں کہوں ویسے ہی کرتے جانا۔"

"ہنری! تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ تمہارے اس تعاون اور ہمدردی کے لئے میں تمہارا کس قدر شکر گزار ہوں۔ تمہارے بتائے ہوئے وقت پر میں ضرور کلب میں موجود رہوں گا لیکن میرے جانے سے پہلے کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم نے یہ نتائج کیونکر خدا کیے؟"

"یہ سب ظاہری امکانات کی جمع تفریق کا کھیل ہے ڈین! جب میں بینائی سے محروم ہوا تو میں نے بے شمار ایسی چھوٹی چھوٹی جزئیات کو محسوس کرنا شروع کر دیا جن کی موجودگی سے میں پہلے بے خبر تھا۔ پھر میں نے ان تفصیلات سے نتائج اخذ کرنے کا ہنر شروع کیا۔ رفتہ رفتہ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک ورق سے اتنا کچھ پڑھ سکتا ہوں جتنا لوگ ضخیم کتابوں سے بھی نہیں پڑھ سکتے

جبکہ وہ ورق آنکھ والوں کو بالکل بے کار نظر آئے گا اور وہ اس سے بھی معلوم نہیں کر سکیں گے۔

"مثال کے طور پر تم اس لفافے کو ہی لے لو جو تم نے مجھے تھمایا ہے۔ اگر تم اس پر ٹائپ شدہ حروف پر نہایت آہستگی سے انگلیاں پھیرو تو شاید تم محسوس کر سکو کہ ایڈریس الیکٹرک ٹائپ رائٹر کے بجائے میکینیکل ٹائپ رائٹر سے ٹائپ کیا گیا ہے۔ کیونکہ حروف کاغذ میں گڑے ہوئے ہیں اور ان کی گہرائی یکساں نہیں ہے۔ اگر تم مطلوبہ یکسوئی اور مہارت حاصل کر پاؤ تو یہ بھی جان سکو گے کہ جو حروف بائیں ہاتھ سے ٹائپ کیے جاتے ہیں' وہ اس ایڈریس میں زیادہ زور سے دبائے گئے ہیں اور جو حروف ٹائپنگ کے اصولوں کے مطابق دائیں ہاتھ سے ٹائپ کیے جاتے ہیں ان پر کم قوت صرف کی گئی ہے۔

"اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایڈریس کسی ایسی شخصیت نے ٹائپ کیا ہے جو اپنا بایاں بازو زیادہ قوت سے استعمال کرنے کی عادی ہو۔ عموماً کوئی ایسا کھیل کھیلنے والے اس بات کے عادی ہوتے ہیں جس میں زیادہ دارومدار ایک ہاتھ پر ہوتا ہے۔

"اب اس ورق کو لے لو جس پر پیغام تیار کیا گیا ہے۔ بینائی سے محروم ہونے کے بعد مجھ میں خوشبو یا کسی بھی قسم کی بُو کو محسوس کرنے کی غیر معمولی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کاغذ میں مجھے ایک سستی سی خوشبو کا سراغ ملا ہے جس سے میں نے نتیجہ اخذ کیا کہ وہ عورت ہے۔ اور کھیلوں میں عورتوں کا پسندیدہ کوئی ایسا کھیل جس میں ایک ہاتھ پر زیادہ دارومدار ہو' ٹینس ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ جو عورت عام ٹائپ رائٹر اور سستی خوشبو استعمال کرتی ہے اس کا تعلق متوسط اور سفید پوش طبقے سے ہو سکتا ہے۔

"اب کاغذ پر چپکائے گئے حروف کے بارے میں غور کرتے ہیں۔ ان کے لمس سے میں نے محسوس کیا کہ یہ کسی ایسے رسالے سے کاٹے گئے ہیں جو نہایت چکنے کاغذ پر چھپتا ہے۔ اس قسم کے رسالے عموماً معقول حد تک تعلیم یافتہ قارئین کے لیے چھپتے ہیں جو کم از کم کالج میں پڑھ چکے ہوں۔ اس کی عمر کا اندازہ میں نے الفاظ کے انتخاب سے لگایا۔ اس نے جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے ان سے ذہنی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ نوعمری کا کچا پن اور بے ربطی نہیں جھلکتی۔ ٹینس بھی عام طور پر پختہ عمر کی عورتیں اپنے آپ کو فٹ رکھنے کے لیے کھیلتی ہیں۔

اس کے علاوہ حروف جس سلیقے اور صفائی سے تراش کر چپکائے گئے ہیں اس سے شخصیت کی نفاست اور خوش اطواری کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ شخصیت کی جھلک ہر کام میں ہی نظر آتی ہے۔

آخری نکتہ بھی اخذ کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ ہماری یونیورسٹی کا ٹیکساس کے کسی ہول سیلر سے معاہدہ ہے۔ یونیورسٹی کو لکھنے پڑھنے اور دفتری استعمال کے لئے تمام کاغذ وہی سپلائی کرتا ہے۔ میں اب لمس سے ہی فوراً اس کاغذ کو پہچان لیتا ہوں جس کاغذ پر حروف چپکائے گئے ہیں' یہ وہی کاغذ ہے۔ اس سے میں نے اندازہ قائم کیا ہے کہ اس خاتون کا بالواسطہ یا بلاواسطہ یونیورسٹی سے کوئی تعلق بنتا ہے' تبھی اس کے پاس یہ کاغذ موجود تھا۔"

"تمہاری باتیں انتہائی حیرت انگیز ہیں ہنری" ڈین بہ آواز بلند بول اٹھا "لیکن تم نے جو نتائج اخذ کئے ہیں' ان کے بارے میں تم پر یقین کس طرح ہو؟"

"میں پُریقین نہیں ہوں۔ کوئی بھی بات دعوے سے نہیں کہہ رہا ہوں لیکن تجربے نے مجھے سکھایا ہے کہ کم از کم آغاز کرنے کے لئے معقول بنیاد مل جائے' چند نکات ہاتھ آجائیں تو آگے چل کر میں مجموعی طور پر صحیح نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں' خواہ میرے ابتدائی نکات میں سے ایک دو غلط ہی ثابت ہوں۔ اس کے علاوہ ہر شعبدے باز کی طرح مجھ میں بھی ذرا اپنی مہارت اور برتری جتانے کا شوق موجود ہے جس کی وجہ سے میں ایک آدھ نکتہ آخری وقت کے لئے بچا کر رکھتا ہوں۔"

اس شام پروفیسر ہنری حسب وعدہ ٹھیک سوا چار بجے ٹیکسی کے ذریعے اسٹاف کلب پہنچ گیا۔ ڈین اس کے استقبال کیلئے پہلے ہی سے دروازے پر موجود تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پروفیسر کو ٹیکسی سے اترنے میں مدد دی۔

"کیا وہ خواتین حسبِ معمول برج کھیل رہی ہیں؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس وقت اُن کی یہی مصروفیت ہوتی ہے" ڈین نے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ تو پھر تم مجھے اُن کی میز پر لے چلو اور ان سے میرا تعارف کراؤ تاکہ میں ان سے الگ الگ ہاتھ ملا سکوں۔ تم اس دوران میرے برابر کھڑے رہنا اور جو بھی میں کہوں' وہ کرتے جانا۔"

وہ دونوں برج ٹیبل تک پہنچے تو چاروں عورتوں نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ ڈین نے میز کے گرد گھوم کر فرداً فرداً ہر عورت سے پروفیسر کو ملوایا اور پروفیسر نے ہر ایک سے چند رسمی جملوں کا تبادلہ کیا۔ کچھ دن پہلے ہی پروفیسر ہنری نے ایک کیس کی تفتیش کے سلسلے میں پولیس کی مدد کی تھی۔ عورتیں اس کی تفصیل جاننا چاہ رہی تھیں۔ پروفیسر بخوشی اُن کے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ اس ضمن میں پروفیسر کا تذکرہ اخبار میں بھی آچکا تھا۔

ساڑھے چار بجے اُن میں سے ایک عورت گھڑی دیکھتے ہوئے بولی "اتنی دلچسپ گفتگو چھوڑ کر جانے کو دل تو نہیں چاہ رہا

لیکن کیا کروں.... میرا شوہر اور بچے گھر آنے ہی والے ہوں گے اور وہ سب بھوکے ہوں گے۔ مجھے ان کے کھانے کی تیاری کرنا ہے" پھر وہ پروفیسر سے مخاطب ہو کر بولی "کاش ہم بھی آپ کی صلاحیتوں کا کوئی عملی مظاہرہ دیکھ سکتے پروفیسر!"

"میں آپ لوگوں کو مایوس کرنا پسند نہیں کروں گا" پروفیسر فوراً بولا "ایک چھوٹا سا مظاہرہ تو میں ابھی آپ کے سامنے کر سکتا ہوں۔ آپ اندر آتے وقت اپنے اپنے کوٹ کاؤنٹر پر رکھواتی ہیں اور وہاں سے آپ کو ایک کارڈ ملتا ہے جسے دکھا کر آپ اپنا کوٹ واپس لیتی ہیں۔"

"درست ہے" ایک خاتون نے تائید کی۔

"براہِ کرم آپ اپنا اپنا کارڈ میز پر رکھ دیجئے" پروفیسر نے ہدایت کی۔

چاروں خواتین نے اپنا اپنا کارڈ میز پر رکھ دیا۔ پروفیسر نے باری باری ہر کارڈ کو اٹھا کر ٹٹول کر دیکھا اور واپس میز پر رکھ دیا۔ پھر اس نے فرمائش کی "اب ان کارڈوں کو جس طرح چاہیں گڈمڈ کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔"

خواتین اس ہدایت پر بھی عمل کر چکیں تو پروفیسر نے کہا۔ "ڈین! اب تم میرا بازو پکڑ کر اس کاؤنٹر تک لے چلو جہاں کوٹ رکھوائے جاتے ہیں۔"

کاؤنٹر پر پہنچ کر پروفیسر نے چاروں کارڈ اٹینڈنٹ کے حوالے کئے اور اس نے چاروں خواتین کے کوٹ پروفیسر کو دے دئے۔ پروفیسر نے کوٹ کاؤنٹر پر رکھ لئے۔ پھر ان میں سے ایک اٹھا کر یوں پھیلایا جیسے کسی کو پہنانے لگا ہو۔ پھر اس نے کوٹ کی مالکن کو باقاعدہ نام لے کر پکارا۔ اس نے درست نام لیا تھا۔ کوٹ کی مالکن حیرت کے عالم میں کاؤنٹر کے قریب آئی۔ پروفیسر نے اسے کوٹ پہننے میں مدد دی۔ اس طرح اس نے ہر کوٹ اس کی صحیح مالکن کو پہنا دیا۔

چاروں حیرت زدہ تھیں اور ایسے موقعوں پر عام طور پر جو سوال کیا جاتا ہے وہ ان کی زبانوں پر بھی تھا۔ پروفیسر سے ہر ایک یہی پوچھ رہی تھی کہ اس نے کس طرح ایسا کیا؟ پروفیسر نے وہی جواب دے کر انہیں ٹال دیا جو عموماً شعبدے باز دیا کرتے ہیں۔ یعنی میں اپنا کاروباری راز آپ کو نہیں بتا سکتا' بالآخر خواتین رخصت ہو گئیں۔ کلب کا دروازہ بند ہو گیا اور خاموشی چھا گئی۔

پروفیسر گہری سانس لے کر بولا "لو بھئی ڈین! یہ معاملہ تو اختتام کو پہنچا۔ مجھے امید نہیں.... کہ تمہارے علاقے کی وہ شوقیہ بلیک میلر آئندہ تم سے رابطہ قائم کرے گی۔ اس نو آموز کا غنچۂ شوق ابتدا میں ہی مرجھا جائے گا۔"

وہ لاؤنج میں آ بیٹھے اور ڈین ڈرنکس لے آیا۔ بالآخر اس

اُردو ادب کا نیا رُخ

آپ کے جانے پہچانے مشہور ادیب اثر نعمانی کے قلم سے

ننھے ہی ننھے

طنز و مزاح سے لبالب ملکے پھلکے رومانی ناولوں کے دلچسپ سلسلے کی چار کتابیں

گھر کی مرغی

قیمت ۲/۰ روپے ○ ڈاک خرچ ۱/۰ روپے

حکیمی ٹکسی

قیمت ۲/۰ روپے ○ ڈاک خرچ ۱/۰ روپے

بے وقوف

قیمت ۲/۰ روپے ○ ڈاک خرچ ۱/۰ روپے

آپ کے سر پر

قیمت ۲/۰ روپے ○ ڈاک خرچ ۱/۰ روپے

آرڈر بھیجئے ویسکو ڈاک سے منگائیے — یہ ناول آج ہی خرید لیجئے

کوئی بھی دو کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۱۳۰ کراچی

کے ہونٹوں پر بھی سوال آ ہی گیا "ہنری! آخر تم نے بلیک میلر کا کیا بندوبست کیا؟ میں بھی تمام تر وقت تمہارے ساتھ موجود رہا لیکن میں تو کچھ بھی نہیں دیکھ سکا۔"

"سب سے پہلے تو میں نے یہ دریافت کیا کہ ان چاروں میں سے بلیک میلر کون ہے" پروفیسر اطمینان سے بولا "تم اس کا نام جاننا چاہو گے؟"

"اگر تم سمجھتے ہو کہ معاملہ ختم ہو چکا ہے تو پھر میں نام جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر میں نام جان لوں گا تو میرے دل میں اس کے خلاف کینہ بیٹھ جائے گا اور میں اس کا حساب اس کے شوہر سے برابر کرنے کی کوشش کروں گا جو میرا ماتحت ہوگا۔ اور یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہوگی کہ بیوی کے جرم کی سزا اس کے شوہر کو دینے کی کوشش کی جائے۔ لیکن تم نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ ان چاروں میں سے وہ کون تھی؟"

"مجھے جس خاتون کی تلاش تھی سب سے پہلے اس کا ٹینس کا کھلاڑی ہونا ضروری تھا۔ ٹائپ کے غیر متوازن حروف کی وجہ سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا۔ ان خواتین سے تعارف کے دوران معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک صرف گولف کی کھلاڑی تھی چنانچہ اسے تو میں نے فوراً اس فہرست سے نکال دیا کیونکہ گولف کھیلنے والوں کے دونوں بازوؤں پر یکساں دباؤ پڑتا ہے اور وہ کوئی بھی کام دونوں ہاتھوں کی یکساں طاقت کے ساتھ کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔

صبح میں نے جو نکتہ تمہارے سامنے بیان کیا تھا وہ یہ تھا کہ ہماری بلیک میلر بیشتر کام بائیں ہاتھ سے کرنے کی عادی ہے۔ وہ غالباً لکھتی بھی بائیں ہاتھ سے ہوگی۔ رسالے سے جو حروف کاٹ کر کاغذ پر چپکائے گئے تھے۔ ان کے کناروں کی تراش سے میں نے اندازہ لگایا کہ انہیں گھڑی کی سوئیوں کے رخ پر کاٹا گیا تھا۔ کسی چیز کو کاٹنے کا یہ رخ وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جو بائیں ہاتھ سے کام کرنے کا عادی ہو۔ اسی وجہ سے لفافے پر ٹائپ شدہ حروف میں وہ زیادہ گہرے گڑے ہوئے تھے جو بائیں ہاتھ سے ٹائپ کئے گئے تھے۔

یہ معلوم ہو جانے کی وجہ سے ہی میں نے انہیں ان کے کوٹ دینے والا شعبدہ دکھایا تھا۔ اس میں میں نے صرف یہ دھیان رکھا تھا کہ کون سی خاتون میری مدد سے کوٹ پہنتے وقت پہلے بایاں بازو آستین میں ڈالے گی۔ صرف ایک ہی خاتون نے ایسا کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہی بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادی تھی اور وہی ہماری مطلوبہ خاتون تھی۔"

"حیرت ہے!" ڈین تعجب سے بولا "تمہاری وضاحتوں کے بعد ساری بات کتنی سادہ سی لگنے لگی ہے۔ کیا تم اب اپنے ایک اور راز سے پردہ اٹھانا پسند کرو گے۔ تم نے ہر عورت کو اس کا صحیح کوٹ کیونکر منتخب کر کے دیا؟"

"خوشبو کی مدد سے" ڈین بولا "تم نے جب مجھے ہر عورت سے فرداً فرداً متعارف کرایا تو میں نے ہر ایک کے نام کے ساتھ خاص طور پر یہ ذہن نشین کیا کہ اس نے کس قسم کی خوشبو لگا رکھی ہے۔ وہی خوشبو ہر ایک کے کوٹ میں بھی موجود تھی۔ میں ہر کوٹ اٹھاتا گیا اور یاد کرتا گیا کہ اس خوشبو کے ساتھ میں نے کون سا نام سنا تھا۔ ہماری مطلوبہ خاتون کے بلیک میلر ہونے کی تصدیق خوشبو کے ذریعے بھی ہو گئی۔ اس کے کوٹ میں وہی خوشبو موجود تھی جس کا سراغ مجھے خط میں بھی ملا تھا جو تمہیں موصول ہوا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے بلیک میلر کے بے نقاب ہو جانے کے بعد اس کی بلیک میلنگ کی کوشش کو ناکام بنانا زیادہ مشکل کام نہیں؟" ڈین نے جاننا چاہا۔

"یوں سمجھ لو کہ کوشش ناکام بنا دی گئی ہے" پروفیسر وثوق سے بولا "شاید ابتدا میں مجھے دو ایک نکات سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو لیکن نتیجہ میں نے بہرحال درست اخذ کیا تھا۔ اس قسم کے نوآموز بلیک میلر اپنے آپ کو صرف اس وقت تک محفوظ محسوس کرتے ہیں جب تک ان کی شخصیت پردے میں رہتی ہے جیسے ہی انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کا شکار انہیں پہچان چکا ہے' یہ فوراً اپنی کچھار میں دبک جاتے ہیں۔"

وہ دونوں اپنی اپنی ڈرنکس کی چسکیاں لیتے ہوئے اپنے آپ کو بے حد مطمئن اور مسرور محسوس کر رہے تھے۔ ادھر وہ چاروں خواتین پارکنگ لاٹ میں پہنچ کر اپنی اپنی گاڑی کی طرف بڑھیں۔ ان میں سے ایک نے کار کی چابیاں نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک تہ شدہ کاغذ بھی اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے نکال کر اسے کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ اسی قسم کا کاغذ تھا جیسا اس نے ڈین کو ارسال کیا تھا۔ اسی طرح اس پر بھی رسالے سے حروف کاٹ کر چپکائے گئے تھے اور یہ پیغام تیار کیا گیا تھا۔

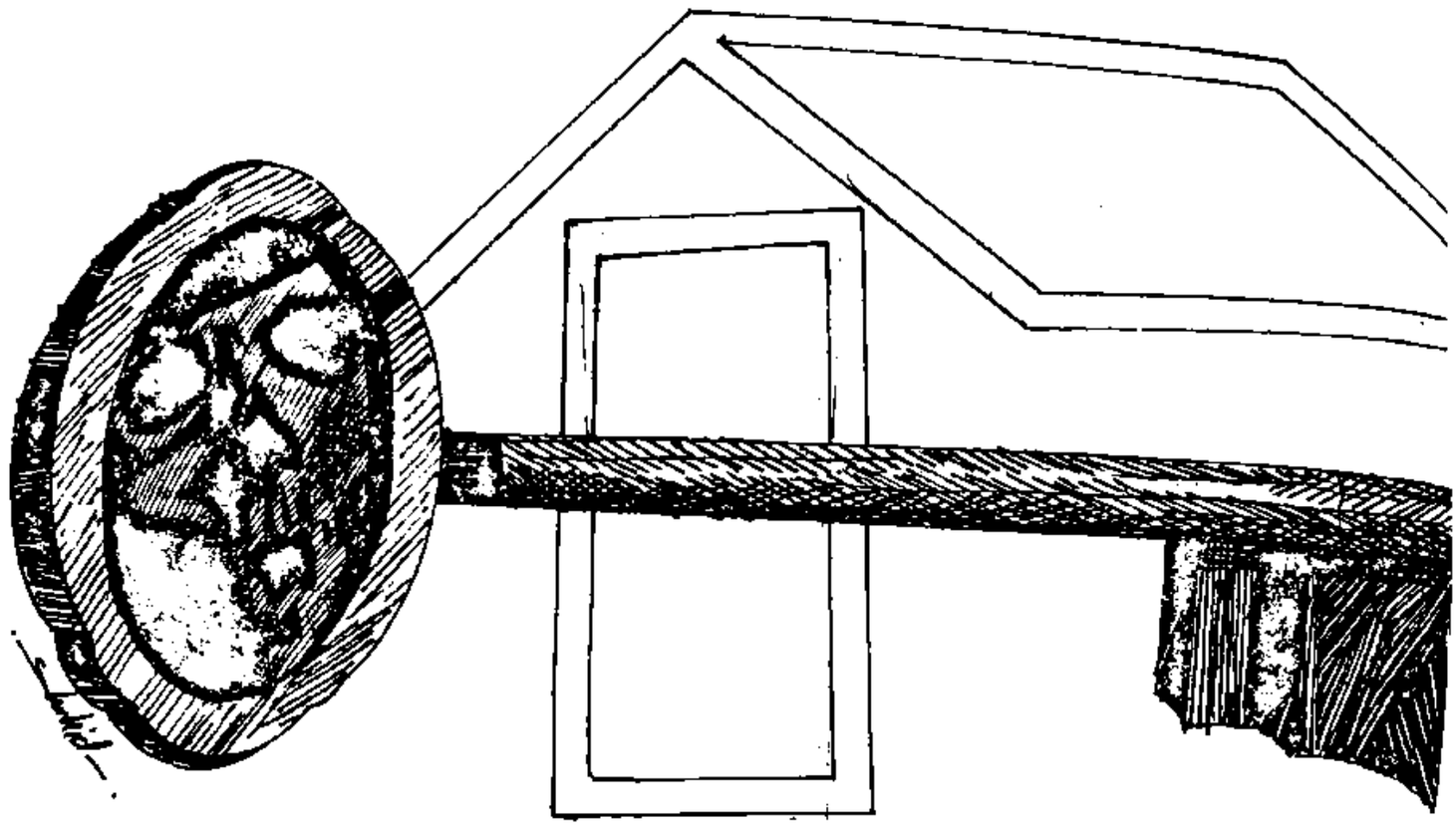
محترم پرعزم شہری!

تمہاری مجرمانہ کوششیں یہیں اختتام کو پہنچ جائیں تو تمہارے حق میں اچھا ہے۔ تمہارے اس کرتوت کی سزا پانچ سال سزائے قید ہے۔ فقط:-

ایک پُرعزم ڈین



BLIND MAN'S BLUFF
JOHN F. DOBBYN



گمشدہ جاپانی

نجمہ مودی

مثل مشہور ہے کہ مردے بھی زندہ ہوجاتے ہیں اور پرانی راکھ میں دبی کوئی چنگاری اچانک شعلہ بن جاتی ہے۔ اس کمرے کی روداد جو ایک طویل عرصے سے بند پڑا تھا مگر جب اسے کھولا گیا تو ایک نئی کہانی کی ابتدا ہوگئی۔

برسوں سے بند کمرے میں بند پڑی ایک واردات کے تازہ ہونے کا ماجرا

فرینک میکس اوزاروں کی مدد سے اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا جو تقریباً چالیس برس سے مقفل تھا۔ فرینک نے خاندان کے لوگوں سے یہی سنا تھا کہ اس تالے کی اکلوتی چابی کہیں کھو گئی تھی جس کے بعد کسی نے اس کمرے کو کھولنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

چھوٹا سا وہ کمرا مکان کی چھت پر بنا ہوا ایک قسم کا فاضل اسٹور روم تھا جس کے بغیر کسی نے کبھی کوئی تنگی محسوس نہیں کی تھی۔ مکان تیس کمروں پر مشتمل تھا۔ چھوٹے سے ایک فاضل کمرے کے بغیر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس لیے کبھی دوسری چابی بنوانے یا دروازے کا تالا توڑنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

کئی برسوں سے ویسے بھی اس گھر میں صرف فرینک میکس، اس کی بیوی اور بچے رہ گئے تھے۔ ان چار افراد کے لیے تو مکان بہت ہی بڑا تھا۔ وہ تو سردیوں میں پورے مکان کو گرم رکھنے کا بندوبست بھی نہیں کر سکتے تھے جبکہ ان کے علاقے میں سال کے بیشتر مہینوں میں سردی ہی پڑتی تھی چنانچہ ان مہینوں میں وہ چاروں صرف کچن اور بیڈ رومز تک ہی محدود رہتے تھے۔ باقی پورا مکان بے مصرف رہتا تھا۔ موسم خوشگوار ہوتا تو وہ لوگ دوسرے کمروں کو بھی تھوڑا بہت استعمال کر لیتے تھے۔

ان دنوں موسم خوشگوار ہی تھا۔ ایک روز فرینک گھر پر تنہا رہ گیا۔ اس کی بیوی اور بچے کچھ ضروری کاموں کے سلسلے

میں قریبی شہر گئے ہوئے تھے۔ فرینک کا مشغلہ کچی مٹی سے برتن بنانا تھا۔ یہی اس کا تھوڑی بہت آمدنی کا ذریعہ بھی تھا لیکن اس روز اس کا یہ کام کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ بیوی بچوں کی غیر موجودگی میں بیٹھے بٹھائے اچانک ہی نہ جانے کیوں اسے اس مقفل کمرے کا خیال آگیا اور لحہ بہ لحہ یہ خواہش اس کے دل میں شدت پکڑتی گئی کہ اسے اس کمرے کو کھول کر دیکھنا چاہیے۔ یہ ایک عجیب سا تجسس تھا جو اس پر بہت تیزی سے غالب آگیا۔

اس نے ٹول شیڈ میں سے کچھ اوزار نکالے اور اوپر جا پہنچا۔ وہ اس قسم کے کاموں میں ماہر تو نہیں تھا لیکن جب اس نے تالے کو دروازے سے نکالنے کی کوششیں شروع کر دیں تو لحہ بہ لحہ اس کا یہ عزم پختہ ہوتا گیا کہ اب وہ اس کام کو ادھورا نہیں چھوڑے گا۔ دروازہ بہت مضبوط اور ٹھوس لکڑی کا تھا۔ دھات کی پلیٹ میں نصب تالا بھی پرانے وقتوں کی روایات کے مطابق نہایت مضبوط تھا۔ فرینک کو اسے کھولنے میں خون گھٹنا لگ گیا۔

دروازہ کھولنے پر ایک ناگوار بو فرینک کے نتھنوں میں گھسی۔ اس نے مکھیاں اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلا کر اس بو سے بچنے کی کوشش کی۔ کمرا چاروں طرف سے بالکل بند تھا اور اس میں ملگجا اندھیرا تھا۔ جب اس کی آنکھیں صحیح طور پر اس اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اسے تھوڑے بہت کاٹھ کباڑ کے درمیان فرش پر ایک لاش پڑی نظر آئی۔

لاش کی حالت خراب ضرور تھی مگر بہت زیادہ خراب نہیں تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی فرینک کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کے والد کی لاش تھی۔ اس کے والد چار سال پہلے اچانک کہیں غائب ہو گئے تھے اور اس کے بعد سے ان کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اگر اسے اپنے والد کی ذرا بگڑی ہوئی شکل صورت کو پہچاننے میں کچھ دشواری ہوتی تب بھی وہ ان کی کلائی پر بندھی ہوئی سنہری گھڑی اور ان کے پسندیدہ سرمئی اونی کوٹ کو تو آسانی سے پہچان سکتا تھا۔۔۔

⊙*⊙

چیف انسپکٹر جارج ہوبرٹ اس چھوٹے سے کمرے کے دروازے پر کھڑا لاش کی طرف دیکھ رہا تھا جبکہ میڈیکل ایگزامنر لیڈی ڈاکٹر لوئیس ایکرے گھٹنوں کے بل لاش کے قریب بیٹھی اس کا معائنہ کر رہی تھی۔ اس نے منہ پر سفید نقاب چڑھایا ہوا تھا۔

معائنہ کرنے کے بعد وہ اٹھ کر جارج کے قریب آئی اور منہ سے نقاب اٹھاتے ہوئے بولی "مجھے یقین ہے کہ اس شخص کو قتل کیا گیا ہے۔ اس کی سانس کی نالی دبی ہوئی ہے۔ بہرحال۔۔۔ پوسٹ مارٹم کے لیے اسے یارک سٹی لے جانا پڑے گا۔"

پھر وہ اپنے باریک دستانے اتارتے ہوئے بولی "کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کا نام چارلس میکس تھا۔۔۔" چیف انسپکٹر جارج نے جواب دیا "چار سال پہلے یہ غائب ہو گیا تھا۔"

اس دوران میں فوٹو گرافر بھی لاش کی تصویریں اتار چکا تھا۔ اس کا اشارہ پا کر جارج نے ڈاکٹر لوئیس کو مخاطب کیا۔ "اب تم اس کی لاش اٹھوا سکتی ہو۔ میں جا کر ذرا اس شخص کے بیٹے سے بات کرتا ہوں۔ لاش اسی نے دریافت کی ہے۔"

وہ دو منزلوں کی سیڑھیاں اتر کر نیچے اس کشادہ کمرے میں آیا جہاں فرینک میکس ایک بڑی سی کھڑکی کے قریب بیٹھا کھوئی کھوئی نظروں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ جارج اس سے اجازت لے کر اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا "مسٹر میکس! کیا آپ خود کو اس قابل محسوس کرتے ہیں کہ میرے چند سوالات کے جواب دے سکیں؟"

"ہاں۔۔۔ یقیناً۔۔۔" فرینک میکس کے ہونٹوں پر افسردہ اور پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ "شاید اپنے والد کے بارے میں باتیں کرنے سے میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو۔۔۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چار سال سے میرے والد کی لاش اسی مکان کے ایک کمرے میں رکھی ہوگی۔۔۔!" اس کا چہرہ زرد اور آنکھیں ویران نظر آ رہی تھیں۔ "اور شاید یہ لاش اب بھی دریافت نہ ہو پاتی۔ وہ تو بس۔۔۔ اچانک بیٹھے بٹھائے میرا جی چاہا کہ برسوں سے مقفل اس کمرے کو کھولنے کی کوشش کی جائے۔۔۔"

فرینک میکس کی عمر چالیس کے قریب تھی مگر وہ اس سے کم کا لگتا تھا۔ اس کے بال لمبے تھے اور وہ لباس کے معاملے میں بے پروا لگتا تھا۔

"وہ کمرا کتنے عرصے سے مقفل تھا؟" جارج نے پوچھا۔

"میں نے تو ہوش سنبھالنے کے بعد سے اسے مقفل ہی دیکھا ہے۔ سنا یہی تھا کہ اس کی چابی کھو گئی تھی لیکن اب اندازہ ہو رہا ہے کہ اس کی کھوئی ہوئی چابی کسی کو مل چکی تھی جس نے چار سال پہلے اسے کھولا اور دوبارہ مقفل کر دیا۔"

"آپ نے اسی گھر میں پرورش پائی ہے؟"

"ہاں..... میں اور میری بہن اسی گھر میں پلے بڑھے تھے۔ والد کی گمشدگی کے بعد یہ مکان مما کا ہو گیا لیکن انہوں نے میرے اور میری بہن کے نام کر دیا تھا۔ میں نے اپنی بہن کو اس کے حصے کے عوض نقد رقم دے دی تھی۔ اب یہ مکان مجھ اکیلے کی ملکیت ہے۔" فرینک میکس نے بتایا۔

"آپ کی والدہ نے خاصی فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔" جارج نے تبصرہ کیا۔

"نہیں اصل میں اپنی پسند کا آدمی مل گیا تھا۔ وہ اس سے شادی کر کے باقی زندگی اس کے ساتھ گزارنے کے ارادے سے جا رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک نہ ایک روز تو یہ مکان مجھے اور میری بہن کو ہی ملنا ہے۔ اگر جلدی مل جائے تو کیا حرج ہے۔"

"اس کے باوجود میں یہی کہوں گا کہ یہ آپ کی والدہ کی فراخدلی تھی۔" جارج بولا۔

"وہ اب اس سے کہیں اچھے مکان میں رہتی ہیں۔ یہ تو صرف مضافاتی علاقے کا ایک بڑا مکان ہے جسے میں اور میری بیوی جدید سہولتوں اور آسائشوں سے مزین کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن مما دولت مندوں کے علاقے میں ایک بہت بڑے اور بہت شاندار مکان میں رہتی ہیں۔ جس میں وہ تمام آسائشیں موجود ہیں جو عام طور پر امیروں کے گھروں میں ہوتی ہیں۔ میں اور میری بیوی تو صرف اس لیے اس گھر میں رہنے کے لیے آ گئے کہ یہ بڑا ہونے کے باوجود ہمیں سستا پڑتا ہے۔ ہم میاں بیوی دونوں ہی آرٹسٹ قسم کے لوگ ہیں لیکن ہمیں پیسے کے پیچھے بھاگنے کی عادت نہیں ہے۔ ہم بس اتنا ہی کام کاروباری نکتۂ نظر سے کرتے ہیں کہ گزر اوقات ہوتی رہے۔ زیادہ تر کام ہم اپنے دل کی خوشی کے لیے کرتے ہیں اور اپنے مشاغل کے لیے ہمیں ذرا بڑی جگہ کی ضرورت رہتی ہے۔"

جارج نے نہایت تحمل اور سکون سے اس کی بات سنی پھر سر ہلاتے ہوئے بولا "مجھے اپنے والد کے بارے میں کچھ بتائیں۔"

"وہ ایک بزنس مین تھے۔ بہت معمولی وسائل سے کام شروع کر کے انہوں نے خاصی ترقی کی تھی جس کا ایک ثبوت یہ مکان ہے جو انہوں نے خریدا تھا۔ سستے وقتوں میں بھی اتنا بڑا مکان خریدنا آسان نہیں تھا۔ چار سال پہلے وہ غائب ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر پینسٹھ کے قریب تھی۔ میں اس وقت یہاں سے دور ایک اور شہر میں رہ رہا تھا۔ میری شادی ہو چکی تھی اور میں دو بچوں کا باپ بھی بن چکا تھا۔ مجھے مما سے اطلاع ملی کہ ڈیڈی غائب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ لنچ کرنے دفتر سے نکلے تھے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہیں نہیں دیکھا گیا۔"

جارج نے قدرے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ فرینک نے بات جاری رکھی "جب دو سال تک ڈیڈی کا کوئی سراغ نہ ملا تو قانونی طور پر انہیں مردہ قرار دے دیا گیا۔ مما نے ان کی جائیداد اور کاروبار کے تمام معاملات سمیٹ دیے۔ مجھے ان چیزوں کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ ڈیڈی کی گمشدگی کے بعد سے تمام معاملات مما کے ہاتھ میں تھے۔ وہ بہت مضبوط شخصیت اور حاکمانہ سی طبیعت کی مالک ہیں۔ میں نے بچپن سے گھر میں انہی کا حکم چلتے دیکھا تھا۔ ڈیڈی بہت نرم طبیعت کے مالک اور سمجھوتا کرنے والے آدمی تھے لیکن بہرحال..... لگتا یہی تھا کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔"

"آپ کے والد کے کاروبار کی نوعیت کیا تھی؟"

"وہ زرعی ضروریات کی تمام چیزیں سپلائی کرنے کا کام کرتے تھے۔ ایک فرم تھی ان کی....." فرینک نے جواب دیا۔

"اور آپ کی والدہ کیا یہاں سے کہیں دور رہ رہی ہیں؟"

"زیادہ دور نہیں..... وہ رچمنڈ میں اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ ایک شاندار مکان میں رہ رہی ہیں۔"

"دوسرے شوہر کے ساتھ.....؟" جارج نے بھویں اچکائیں۔

"ہاں..... جب عدالت نے ڈیڈی کو مردہ قرار دیا تو مما دوسری شادی کے لیے آزاد تھیں..... اور انہوں نے اس کام میں دیر نہیں کی..... گو کہ یہ اچھا نہیں لگا لیکن انہیں ایسی باتوں کی پروا نہیں تھی۔ جس شخص سے انہوں نے شادی کی، اس سے ان کی پہلے سے شناسائی تھی۔ انہوں نے اس بات کو بھی پوشیدہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"کون ہے وہ؟"

"وہ میرے والد کی فرم میں منیجر ہوا کرتا تھا۔ وہ مما سے عمر میں کافی چھوٹا ہے۔ مما اب تقریباً ساٹھ سال کی ہیں اور وہ اب تقریباً چالیس کا ہے۔ یعنی میری عمر کا ہے۔ بہرحال..... وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہیں۔ ایک گھنٹا پہلے تک سب کچھ ٹھیک ہی معلوم ہو رہا تھا۔ مما اور ان کا دوسرا شوہر اپنے گھر میں خوش تھے۔ میری بہن بھی شادی شدہ ہے اور وہ اپنے گھر میں خوش ہے۔ میں بھی اپنی بیوی اور بچوں

کے ساتھ یہاں خوش ہی تھا... لیکن... اب..."

فرینک نے بوجھل سی سانس لی اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولا "ویسے... ڈیڈی کے بارے میں میرے ذہن میں ہمیشہ ایک خلش سی رہی تھی۔ ان کا غائب ہونا مجھے عجیب لگا تھا۔ وہ اپنی خوشی سے اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر جانے والے آدمی نہیں تھے۔ وہ اچھے آدمی تھے اور انہوں نے ہمیشہ اپنی ذمے داریاں پوری کی تھیں۔ کبھی کسی چیز سے فرار حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے مجھے احساس ہوتا رہا کہ ان کے غائب ہونے کے پیچھے کوئی گڑبڑ تھی۔"

"ان کی فرم کا کیا ہوا؟"

"ممانے وہ بیچ دی تھی۔ ڈیڈی نے اپنی وصیت میں ہر چیز ان کے نام کر رکھی تھی۔ اس لیے انہیں کچھ بھی بیچنے یا رکھنے کا اختیار تھا۔ ڈیڈی کو درحقیقت ان سے بہت محبت تھی۔"

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد جارج نے پوچھا "آپ کی بیوی اور بچے اس وقت کہاں ہیں؟"

"وہ یارک سٹی گئے ہوئے ہیں..." فرینک نے جواب دیا پھر گھڑی دیکھ کر بولا "وہ آنے ہی والے ہوں گے۔"

"میں چاہوں گا کہ ابھی دو چار روز تک آپ یا آپ کی بیوی اور بچے اس کمرے میں نہ جائیں جہاں لاش پائی گئی ہے۔ اس جگہ کی حیثیت فی الحال جائے واردات کی ہے۔ ممکن ہے وہاں کوئی سراغ موجود ہو اور کسی کی آمدورفت سے وہ ضائع ہو جائے۔" جارج نے نرمی سے ہدایت کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ جب دوبارہ اوپر آیا تو لاش کو ایک پلاسٹک بیگ میں بند کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر لوئیس اور پولیس فوٹوگرافر وغیرہ جا چکے تھے۔ جب ایمبولینس کا عملہ بھی رخصت ہو چکا تو جارج کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا جو غالباً کسی خاص ضرورت کے بغیر چھت پر بنا دیا گیا تھا۔ اس کا دروازہ فرش سے تقریباً ملا ہوا تھا اس لیے اس کے نیچے سے کیڑے مکوڑے بھی اندر نہیں آ سکتے تھے۔ کمرے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جو سختی سے بند تھی۔ دروازے کے تالے کا سوراخ بھی آر پار نہیں بلکہ اندر کی طرف سے بند تھا۔ دروازہ صرف باہر سے مقفل کیا جا سکتا تھا۔

جارج کو یقین تھا کہ چارلس میکس کو قتل کہیں اور کیا گیا تھا۔ اسے مردہ یا پھر قریب المرگ حالت میں لا کر یہاں ڈالا گیا تھا۔ کمرے میں ایک طرف چھوٹی سی ایک پرانی الماری کھڑی تھی۔ بظاہر کہیں کوئی سراغ نظر نہیں آ رہا تھا۔

ایک ایک چیز کا خوردبینی انداز میں جائزہ لینے کے بعد جارج چاروں ہاتھ پیروں کے بل جھک کر الماری کے نیچے جھانکنے لگا۔

وہ چھوٹے چھوٹے پایوں والی الماری تھی۔ اس کے نیچے جارج کو صرف ایک چھوٹی سی چیز پڑی نظر آئی۔ وہ گتے کی ایک ماچس تھی جس کی تیلیاں بھی گتے کی تھیں۔ وہ الماری کے نیچے کھلی پڑی تھی۔ اس قسم کی ماچس عموماً پبلسٹی کے مقاصد کے لیے بنائی جاتی تھیں اور مفت ملتی تھیں۔ ان پر کسی کمپنی یا ادارے کا نام چھپا ہوتا تھا۔

جارج نے الماری کے نیچے ہاتھ گھسیڑ کر احتیاط سے وہ ماچس نکال لی۔ اس پر "کوکنا کلب۔ ایمسٹرڈیم" کے الفاظ چھپے ہوئے تھے۔ جارج نے جیب سے شفاف پلاسٹک کا ایک لفافہ نکالا اور ماچس کو اس میں محفوظ کر لیا۔

وہ دوبارہ نیچے آیا تو اس نے دیکھا' فرینک میکس کی بیوی اور بچے واپس آ چکے تھے۔ فرینک قدرے وحشت زدہ چہرہ لیے انہیں لاش کی دریافت کا واقعہ سنا رہا تھا۔ دونوں بچے اور ماں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ساری بات سن رہے تھے۔

جارج انگلی سے دروازے پر دستک دے کر اور فرینک سے اجازت لے کر اندر پہنچا۔ فرینک نے اپنی بیوی اور بچوں سے اس کا تعارف کرایا۔ جارج نے فرینک کو مخاطب کیا "کیا آپ کے والد دوسرے ملکوں کا سفر بھی کرتے رہتے تھے؟"

"نہیں..." فرینک نے بلا تامل جواب دیا "اس معاملے میں وہ تقریباً سنکی تھے۔ انہیں صرف اپنے ملک انگلینڈ سے محبت تھی۔ باقی تمام ملک انہیں بغیر دیکھے ہی سخت ناپسند تھے۔ وہ کہا کرتے تھے "زندگی بہت مختصر ہے۔ اسے صرف اس ملک کو اچھی طرح دیکھنے میں گزارنا چاہیے۔ جس سے ہمیں محبت ہو۔" انگلینڈ سے باہر وہ کبھی نہیں گئے۔"

"ان کا ڈچ قومیت کے کسی فرد یا کسی ڈچ کمپنی سے کوئی تعلق تھا؟" جارج نے دریافت کیا۔

"نہیں..." فرینک نے نفی میں سر ہلایا۔

دوسرے ہی لمحے اس کی بیوی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھی "ایرک' ڈچ ہے۔"

"ایرک کون؟" جارج نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"میری ماں کا دوسرا شوہر... میرا سوتیلا باپ..." فرینک نے جواب دیا "میں بتا چکا ہوں کہ وہ ڈیڈی کی فرم کا منیجر تھا۔ تمام معاملات وہی دیکھتا تھا' وہ ڈچ ہے۔"

"پھر تو مجھے اس سے اور آپ کی والدہ سے ملنا ہی پڑے

گا۔" جارج نے کہا اور وہاں سے رخصت ہو لیا۔

○*○

"پوسٹ مارٹم سے تصدیق ہو گئی ہے کہ چارلس میکس کو قتل کیا گیا تھا۔۔۔" ڈاکٹر لوئیس نے جارج کو مطلع کیا "پہلے اس کے سر پر کسی بھاری چیز سے وار کیا گیا۔ عین ممکن ہے کہ وہ اس ضرب سے ہی مر گیا ہو لیکن اس کی موت کو یقینی بنانے کے لیے بعد میں اس کا گلا بھی گھونٹا گیا۔۔۔۔"

جارج خاموشی اور توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔ ڈاکٹر لوئیس سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی "چارلس میکس چار سال پہلے غائب ہوا تھا۔ اگر اسے اسی وقت قتل کر دیا گیا تھا تو اس لحاظ سے اس کی لاش بہت اچھی حالت میں تھی۔ پہلے تو مجھے شبہ ہوا کہ شاید اسے ممی کی طرح محفوظ رکھنے کے لیے اس پر کوئی کیمیکل لگایا گیا تھا لیکن لیبارٹری میں اس کے تجزیے پر اس خیال کی تردید ہو گئی۔ دراصل اس انٹرنائٹ کمرے نے اس کے لیے سرد خانے کا کام دیا اور وہ زیادہ گلنے سڑنے سے محفوظ رہی۔ میں مکمل تحریری رپورٹ تمہارے آفس بھجوا دوں گی۔"

جارج نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے آفس سے نکل گیا۔ اس کا اسسٹنٹ البرٹ اس کے ساتھ تھا۔ جارج نے اسے راستے میں ہدایت کی "ایمسٹرڈیم کی پولیس کو ایک ٹیلکس روانہ کرو جس میں ان سے وہاں کے "کوکنا کلب" کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کی درخواست کی جائے۔ ہو سکتا ہے اس کا کوئی خاص فائدہ نہ ہو لیکن معلومات حاصل۔۔۔۔ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔۔۔۔"

پھر جارج نے اسے اس کمرے سے ملنے والی گتے کی ماچس کے بارے میں بتایا جس سے لاش برآمد ہوئی تھی۔

"شاید محض اتفاق ہو۔۔۔" جارج مزید بولا "کہ مسز چارلس میکس کا دوسرا شوہر ڈچ مین ہے اور وہ اس وقت چارلس کی فرم کا منیجر تھا جب چارلس غائب ہوا۔"

"یوں تو میں بھی ڈچ مین ہوں۔" البرٹ مسکراتے ہوئے بولا۔

"لیکن مجھے تمہارے ڈچ ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" جارج نے سنجیدگی سے کہا "البتہ ہم جلد ہی اس ڈچ مین اور اس کی بیوی سے ملنے ضرور چلیں گے جن کا میں ذکر کر رہا ہوں مگر پہلے اس معاملے سے متعلق کچھ معلومات جمع ہو جائیں تو اچھا ہے۔۔۔۔"

"مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔۔۔" مسز ایرک نے ہموار لہجے میں کہا "چارلس کو کسی کے ساتھ لنچ کرنا تھا۔ وہ اسی مقصد سے ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوا تھا۔ اس کے بعد ہم نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کس کے ساتھ۔۔۔ یا کہاں لنچ کرنے جا رہے تھے؟" جارج نے دریافت کیا۔

"افسوس کہ مجھے یہ دونوں باتیں ہی معلوم نہیں۔۔۔" عورت نے جواب دیا۔ جارج اس وقت اس کے آفس میں بیٹھا تھا جو ایک شاندار بنگلے میں واقع تھا۔ کھڑکی کے شیشے کے پار خوبصورت سرسبز لان نظر آ رہا تھا۔

مسز ایرک یعنی سابق مسز چارلس مختصر جسامت کی عورت تھی لیکن وہ فولادی اعصاب کی مالک معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بیٹے نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ نہایت مضبوط شخصیت کی مالک تھی۔ اس کے رنگے ہوئے بال اور گہرا میک اپ بتا رہا تھا کہ وہ بڑھاپے سے بھی ہار ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اس کی عمر یقیناً ساٹھ سے اوپر تھی لیکن وہ اس سے کافی کم عمر دکھائی دینے کی کوششوں میں کامیاب تھی۔ اس کا دوسرا شوہر ایرک بھی کمرے میں موجود تھا۔ وہ اس جیسی مضبوط شخصیت کا مالک معلوم نہیں ہوتا تھا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد مسز ایرک نے باری باری جارج اور اس کے اسسٹنٹ البرٹ کی طرف سرد نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "میں جان سکتی ہوں کہ یہ پوچھ گچھ کس سلسلے میں ہے؟ کیا چارلس واپس آ گیا ہے؟"

"ہمیں ان کی لاش ملی ہے۔" جارج نے جواب دیا۔

میاں بیوی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایرک کی رنگت زرد پڑ گئی اور اس کا وجود گویا سکڑ سا گیا۔

"اوہ۔۔۔!" اس نے صرف اتنا کہا۔

جارج نے اسے کمزور اعصاب کا مالک محسوس کرتے ہوئے اس پر توجہ مرتکز رکھنا بہتر سمجھا اور گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "آپ شاید اس سلسلے میں ہمیں کچھ بتا سکیں مسٹر ایرک؟"

"یہ اس سلسلے میں کیا بتا سکتا ہے؟" مسز ایرک نے شعلہ بار سی نظروں سے پہلے جارج کی طرف اور پھر اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ اس کی سرد مہری یکدم ہی گویا خونخواری میں بدل گئی۔

"آپ انہیں بات کرنے دیں۔" جارج نے ملائمت سے کہا۔

"تمہیں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔" مسز ایرک نے سخت لہجے میں اپنے شوہر کو ہدایت کی جس کا وجود اپنی جگہ

مزید سکڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ خود کو مشکوک ٹھہرا رہی ہیں مسز ایرک!" جارج نے خبردار کرنے کے سے انداز میں کہا۔

"وہ کس طرح؟" مسز ایرک نے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے انداز سے کچھ ایسا ظاہر ہو رہا ہے جیسے آپ کچھ چھپانا چاہ رہی ہیں اور اپنے شوہر کو بھی یہی ہدایت کر رہی ہیں۔" جارج بولا۔

"میں ایسی کوئی کوشش نہیں کر رہی۔ ہمارے پاس چھپانے کو کچھ نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں تحکم اور سختی برقرار تھی۔

"میں آپ کی پوزیشن کو سمجھ سکتا ہوں...." جارج بدستور نرمی سے بولا "آپ اس خیال سے خوفزدہ ہیں کہ سچ بولنے کی صورت میں آپ کو اس ساری دولت' جائیداد اور آسائشوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا...." جارج نے گردوپیش کی طرف اشارہ کیا "مجھے پتا چلا ہے کہ قانونی طور پر چارلس کے مردہ قرار پا جانے کے بعد آپ نے اپنے موجودہ شوہر کے ذریعے ان کا سارا بزنس ایک بین الاقوامی کمپنی کو فروخت کر دیا جو "کوکنا کلب" کے نام سے اپنا کاروبار چلاتی ہے اور جس کا ہیڈ آفس ایمسٹرڈیم میں ہے۔ یہ ایک ڈچ کمپنی ہے۔ آپ کا موجودہ شوہر بھی ڈچ ہے۔ اس کے اس کمپنی کے مالکان سے اچھے مراسم تھے۔ چارلس کی فرم کو اس کمپنی میں ضم کرنے سے آپ لوگوں کو بڑا فائدہ ہوا۔ کاروبار نے بہت تیزی سے ترقی کی۔"

ایرک اٹھ کر یوں کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا جیسے وہ اس جگہ سے کہیں دور چلے جانا چاہتا ہو۔ مسز ایرک بدستور شعلہ بار نظروں سے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے احساس تھا کہ اس کے شوہر کی حرکات و سکنات اس کے احساسِ جرم کی نشاندہی کر رہی ہیں۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد جارج ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا "جس مقفل کمرے سے چارلس کی لاش برآمد ہوئی ہے اس میں ہمیں گتے کی ایک ماچس پڑی ملی ہے جس پر سنہرے حروف میں "کوکنا کلب۔ ایمسٹرڈیم" چھپا ہوا ہے۔"

"بے وقوف.... احمق...." مسز ایرک اب پہلے سے زیادہ غضب ناک نظروں سے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بے اختیار چلا اٹھی۔

ایرک گویا کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے جارج کی طرف پلٹا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا "بین الاقوامی کمپنی "کوکنا کلب" میں میرا بھائی کام کرتا ہے۔ وہ بہت اعلیٰ عہدے پر ہے۔ اسی سے کہہ کر میں نے چارلس کی فرم کو کوکنا میں ضم کرایا تھا۔ اب میں اس سے کہہ کر چارلس کا کاروبار اس کے بیٹے کو منتقل کرا دوں گا۔ وہ ایک اچھا آدمی ہے۔"

"میں کہتی ہوں چپ رہو.... تمہیں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں...." اس کی بیوی چلائی۔

"میرا بھائی بھی بہت اچھا آدمی ہے۔ میں اس سے جو کہوں گا وہ وہی کرے گا...." ایرک گویا بیوی کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا اور اس کے چہرے پر بے پناہ تھکن تھی۔ آخر کار اس کی بیوی بھی شکست خوردہ سے انداز میں کرسی میں دھنس گئی۔

تب ایرک بیوی کی طرف مڑا اور پہلے سے بھی زیادہ شکست خوردہ لہجے میں بولا "میں اب اپنے ضمیر پر یہ بوجھ مزید برداشت نہیں کر سکتا' میں جو کچھ کر رہا ہوں وہی بہتر ہے...."

پھر وہ دوبارہ جارج کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے بولا "ہماری شادی سے پہلے بھی تعلقات تھے لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کیا کر گزرے گی۔ اس نے فون کر کے چارلس کو گھر بلایا تھا۔ پھر شام کو آفس ٹائم کے بعد اس نے مجھے بھی فون کر کے گھر بلایا۔ میں جب وہاں پہنچا تو میں نے چارلس کو مردہ پایا۔ اس نے اپنے شوہر کو ہلاک کر دیا تھا تاکہ ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں۔ میرے خیال میں یہ ٹھیک نہیں ہوا تھا.... لیکن میں کچھ بول نہیں سکا۔"

"اور پھر تم نے لاش کو چھپانے میں اس کا ہاتھ بھی بٹایا؟" جارج نے تصدیق چاہی۔

"ہاں.... اس نے بتایا کہ مقفل کمرے کی چابی اسے مل چکی ہے اور کسی کو اس بات کا پتا نہیں۔ اس نے کہا کہ فی الحال لاش کو وہاں چھپاتے ہیں' بعد میں کہیں اور ٹھکانے لگا دیں گے۔ میری غلطی یہ تھی کہ یہ جس طرح کہتی گئی میں اس طرح کرتا گیا حالانکہ مجھے دل میں احساس تھا کہ یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم لاش کو وہاں سے کبھی ہٹا ہی نہیں سکے۔ "آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل" والا معاملہ ہو گیا۔ مجھے اندیشہ تو تھا کہ ایک نہ ایک روز لاش دریافت ہو جائے گی لیکن میں اس خوف کو ذہن کے کسی تاریک گوشے میں چھپائے یہاں اس عورت کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گزارتا رہا...." یہ کہتے ہوئے اس نے اجنبی سی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا۔ گویا اسے اس عورت سے کوئی لگاؤ نہیں رہا تھا۔

اس کی بیوی بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی!



شورش

نجمہ مودی

ایک خوب صورت فیشن ڈائزائنر کے ساتھ پیش آنے والا دلچسپ واقعہ۔ وہ ٹرین میں سفر کر رہی تھی کہ ایک سراغرساں کو اس کی مدد کی ضرورت پڑ گئی۔ ایک مفرور مجرم اس ٹرین میں موجود تھا جسے تلاش کرنا ضروری تھا۔

فرار کی کامیاب منصوبہ بندی کے بعد پکڑے جانے والے مجرم کا ماجرا۔

پولیس کانسٹیبل ڈیرک لین کے بارے میں سارا فرگوسن کا پہلا تاثر یہ تھا کہ شاید محکمۂ پولیس نے اسے کچھ زیادہ ہی کم عمری میں بھرتی کرلیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ قدرے شاطرانہ تھی۔ وہ رات کا وقت تھا اور سارا.... لندن سے ایڈن برگ جانے والی ایکسپریس ٹرین سے سفر کر رہی تھی۔ ٹرین رات کی تاریکی میں تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف رواں تھی۔ جب ڈیرک لین اس کے پاس پہنچا تھا اور اپنا کارڈ اسے دکھاتے ہوئے بولا تھا "میں ایک پولیس آفیسر ہوں میڈم!"

وہ سادہ لباس میں تھا اس لیے اس کی شخصیت کا تاثر وہ نہیں تھا جو ایک باوردی پولیس والے کا ہوتا ہے۔ پلاسٹک کوٹنگ والے کارڈ پر لگی ہوئی اپنی تصویر میں وہ اور بھی کم عمر لگ رہا تھا۔

"کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟" سارا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"امید تو مجھے یہی ہے کہ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا ہوگا۔" ڈیرک لین مسکراتے ہوئے بولا "میں تو اس لیے آپ کے پاس آیا ہوں کہ مجھے آپ کی تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔ سارا کی منتظر نظریں

اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اپنا نام خود بھی بتا چکا تھا اور سارا نے اس کے کارڈ پر بھی پڑھ لیا تھا۔ وہ متلاشی سے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا "اصل میں مجھے سیاہ بالوں والے ایک نوجوان اسکاٹ کی تلاش ہے۔ اس کے گال پر کان کے قریب بڑا سا ایک سرمئی نشان موجود ہے جیسے کسی نے وہاں گریس مَل دی ہو۔" اس نے اپنے رخسار پر انگلی پھیر کر اس جگہ کی نشاندہی بھی کی "آپ نے یہاں کہیں اسے دیکھا تو نہیں؟"

"نہیں۔" سارا نے نفی میں سر ہلایا "اس نے کیا کیا ہے؟"

"پچھلے موسم سرما میں اس نے ایڈن برگ میں ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور کافی بڑی رقم لوٹ لی تھی پھر وہ فرانس کی طرف فرار ہو گیا۔ پچھلے دنوں وہ ڈوور کے مقام سے واپس انگلینڈ میں داخل ہونے لگا تو کسٹم حکام کی نظر میں آ گیا اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ میں اسے اسکاٹ لینڈ واپس لے جا رہا تھا تاکہ اس پر مقدمہ چل سکے۔"

"اور وہ فرار ہو گیا؟" سارا نے تصدیق چاہی۔

"چلتی ٹرین سے وہ فرار تو نہیں ہو سکتا۔ وہ اسی ٹرین میں کہیں چھپ گیا ہے۔" ڈیرک لین نے خیال ظاہر کیا "اس نے مجھ سے واش روم میں جانے کی اجازت لی تھی۔ اسے واش روم میں گئے کافی دیر ہو گئی تو مجھے اونگھ سی آ گئی۔ اسی دوران میں وہ کہیں غائب ہو گیا لیکن ظاہر ہے وہ سو کلو میٹر فی گھنٹا کی رفتار سے چلتی ٹرین سے تو چھلانگ نہیں لگا سکتا اس لیے وہ یہیں کہیں ہو گا۔ میں نے ٹرین کے گارڈ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اگلی طرف سے ٹرین کی تلاشی لیتا ہوا آئے۔ اگر آپ میری مدد کریں تو ہم ٹرین کے پچھلے سرے سے تلاشی لیتے ہوئے آئیں۔ آپ کو ساتھ لینے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی ایسے واش روم کی تلاشی لینے کی ضرورت پیش آئے جس میں کوئی خاتون موجود ہو تو آپ یہ کام کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔" سارا نے بلا تامّل کہا۔ اسکاٹ لینڈ کی سمت میں اس سفر میں ویسے بھی بوریت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ رات کے وقت تو کھڑکیوں کے شیشوں سے بھی باہر پھیلی تاریکی یا پھر کہیں کہیں ٹمٹماتی چند روشنیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسے میں کسی کو تلاش کرنے کی مصروفیت کچھ بُری نہیں تھی۔

وہ ٹرین کے پچھلے سرے کی طرف روانہ ہوئے تو پولیس آفیسر بولا "میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں۔"

"سارا فرگوسن، میں فیشن ڈیزائنر ہوں۔ لندن میں رہتی ہوں۔"

"لیکن اس وقت تو آپ دوسری سمت میں جا رہی ہیں۔"

"میں اپنے والدین سے ملنے اسکاٹ لینڈ جا رہی ہوں۔" سارا نے بتایا پھر پوچھا "کیا پہلے بھی کبھی اس طرح کوئی مجرم تمہیں چکما دے کر فرار ہوا ہے؟"

"نہیں، یہ پہلا اتفاق ہے اور اسی سے مجھے سبق حاصل ہو گیا ہے۔ آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ آئندہ جب بھی میں کسی مجرم کے ساتھ کہیں جاؤں گا تو ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوں گا۔"

"کیا تمہارے کمپارٹمنٹ میں کسی اور مسافر نے بھی اسے فرار ہوتے نہیں دیکھا؟" سارا نے پوچھا۔

"زیادہ تر مسافر سوئے ہوئے تھے یا اونگھ رہے تھے۔ ویسے بھی انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ہم دو مسافروں میں سے ایک مجرم تھا اور دوسرا پولیس آفیسر۔ بظاہر تو ہم دونوں بھی سب کے لیے دوسرے مسافروں کی طرح عام سے مسافر تھے۔" پھر ایک لمحے کے توقف سے اس نے بتایا "اس کا نام ایننگس شرلاک تھا۔"

سارا نے پُرخیال انداز میں نام دہرایا پھر پوچھا "کیا وہ خطرناک مجرم ہے؟ میرا مطلب ہے اگر تم اب اسے گرفتار کرنے کی کوشش کرو تو وہ مزاحمت کرے گا؟"

"ہاں میرا خیال ہے، وہ مزاحمت کرے گا۔" لین نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم مسلح ہو؟" سارا نے دریافت کیا۔

لین نے نفی میں سر ہلایا "لندن میں ٹرین تک ہمیں پولیس کی گاڑی چھوڑ کر گئی تھی۔ مسلح آفیسر بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ایڈن برگ میں ریلوے پلیٹ فارم پر بھی ہمیں لینے کے لیے دو پولیس پارٹی موجود ہو گی۔ اس طرح بیچ میں صرف ٹرین کا سفر ہی رہ جاتا ہے۔ جس کے بارے میں سب یہی سوچتے ہیں کہ چلتی ٹرین سے تو کوئی مجرم فرار نہیں ہو سکتا۔ جب ہم ٹرین میں سوار ہوئے تو میں نے مجرم کو ہتھکڑی لگا رکھی تھی لیکن مجھے ہدایت ملی تھی کہ سفر کے دوران میں مجھے ہتھکڑی استعمال کرنے کی ضرورت نہیں البتہ ایڈن برگ اترتے وقت میں اسے دوبارہ ہتھکڑی لگا لوں۔ مجھے ہتھیار بھی اسی خیال سے رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی کہ اگر کسی طرح وہ مجرم کے ہاتھ میں چلا گیا تو خونریزی بھی ہو سکتی ہے۔"

انہوں نے پچھلے سرے سے مجرم کی تلاش شروع کی اور اس وقت وہ آدھی ٹرین دیکھ چکے تھے جب ان کا سامنا گارڈ سے ہوا۔ اس کا نام مارٹن تھا۔

"کوئی سراغ ملا؟" لین نے پوچھا۔

گارڈ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "چار مسافر ایسے

ملے ہیں جنہیں یہ تو یاد ہے کہ انہوں نے گال پر سرمئی نشان والے ایک شخص کو دیکھا تھا لیکن بعد میں وہ کہاں گیا' کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہی کسی کی توجہ اس کی طرف رہی تھی۔"

"میں ان مسافروں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" لین نے کہا پھر اپنے قریب کھڑی سارا کا تعارف کرانے کے بعد بولا "یہ مجرم کی تلاش میں میری مدد کر رہی ہیں۔"

گارڈ نے سارا کی طرف دیکھ کر سر ہلایا پھر بولا "آپ میرے پیچھے آئیں۔"

مارٹن ان دونوں کو ٹرین کے اگلے ڈبے میں لے گیا۔ لین نے واش روم کے سامنے کی دو سیٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سارا کو بتایا "یہاں ہم دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔"

راستے کے دوسری طرف... سیٹ پر موجود ایک ادھیڑ عمر عورت لین کی طرف دیکھ کر بولی "مجھے تمہاری صورت یاد ہے۔ میں نے تمہیں یہاں دیکھا تھا۔"

عورت کے ساتھ بیٹھا ہوا بوڑھا مرد بولا "تمہارے ساتھ ایک اور شخص تھا جس کے گال پر بڑا سا سرمئی نشان تھا۔"

"ہم اسی کو تلاش کر رہے ہیں۔" لین ٹھنڈی سانس لے کر بولا "وہ ایک قیدی تھا جسے میں اسکاٹ لینڈ لے جا رہا تھا۔ وہ واش روم میں گیا تھا اور اس کے بعد غائب ہو گیا۔ کیا آپ نے اسے تنہا یہاں کہیں دیکھا ہے؟"

دونوں مسافروں نے نفی میں سر ہلایا۔ بوڑھا بولا "ہم اس دوران میں غنودگی میں بھی رہے ہیں۔"

اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی ایک جوان خاتون مسافر نے بھی کم و بیش یہی بات کی۔ اس سے مزید چند سیٹوں کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایک کمسن لڑکے نے بھی انہیں دیکھا تھا لیکن اس کے بعد وہ اپنے اسکول کی ایک کتاب پڑھنے میں منہمک ہو گیا تھا اور اسے نہیں معلوم تھا کہ گال پر سرمئی نشان والا شخص کہاں گیا تھا۔

"بہرحال میں اپنے کام کے ساتھ ساتھ اس کی تلاش میں بھی نظر دوڑاتا رہوں گا۔" گارڈ نے کہا اور رخصت ہو گیا۔

"میرا خیال ہے اینگس شرلاک نے ٹرین سے چھلانگ لگا دی ہو گی۔" سارا نے خیال ظاہر کیا۔

"وہ خودکشی کرنے والا آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا۔" لین بولا۔

"تمہارے خیال میں وہ کس قسم کا آدمی تھا؟ مجھے اس کے بارے میں کچھ بتاؤ۔" سارا بولی۔

"اس کی عمر تقریباً بائیس سال ہے۔ اس کا گزشتہ فروری سے پہلے کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ وہ چھوٹی موٹی وارداتیں کرتا تھا لیکن پھر اس نے کیش کی آٹومیٹک مشین سے رقم نکلواتے ہوئے ایک شخص پر حملہ کیا اور اسے شدید زخمی کر دیا۔ وہ اس کی رقم اور کار چھین کر فرار ہو گیا۔ وہ شخص دوسرے روز زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ اس کی کار دوسرے روز ایک جگہ کھڑی مل گئی جس میں شرلاک کی انگلیوں کے نشانات موجود تھے۔ شرلاک بہت ذہین اور چالاک مجرم تھا لیکن بہرحال اس وقت تک وہ پیرس کا ٹکٹ خرید کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پیرس کی پولیس کو بروقت خبردار نہیں کیا جا سکا اور وہ وہاں کے ائرپورٹ پر اترتے وقت گرفتار نہیں ہو سکا لیکن... بہرحال ہمیں اندازہ تھا کہ اس کے پاس موجود رقم آخر کار ختم ہو جائے گی اور وہ اپنی مجرمانہ سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے یہیں واپس آئے گا۔ ہر جگہ کی کسٹم پوسٹ کو اس کے بارے میں خبردار کر دیا گیا تھا اور کسٹم والے اس کے بارے میں چوکنا تھے۔ آخر کار وہ ڈوور کے مقام پر پکڑا گیا۔ فرانس کی طرف سے آنے والے زیادہ تر افراد اسی مقام سے انگلینڈ میں داخل ہوتے ہیں۔"

"اس کے والدین کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟" سارا نے پوچھا۔

"وہ ایڈن برگ میں ہی رہتے ہیں لیکن شرلاک تین سال سے گھر سے نکلا ہوا ہے اور خود مختاری کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کی ایک بہن بھی ہے لیکن وہ اس سے بھی کبھی ملنے نہیں جاتا۔"

سارا چند لمحے سوچنے کے بعد بولی "شاید گال کے اس بدنما نشان نے اسے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا ہو اور وہ لوگوں سے کٹ کر رہ گیا ہو۔ اس طرح کے لوگ بھی جرم کی راہ پر چل نکلتے ہیں۔"

لین نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "میں کسی کے مجرم بننے کے سلسلے میں اس طرح کے جواز تسلیم نہیں کرتا۔ بے شمار لوگ اپنی شخصیت میں اس سے زیادہ بڑے نقائص کے باوجود شریفانہ اور کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ آج کل تو اس قسم کے نقائص کا لیزر شعاعوں وغیرہ سے علاج بھی ہو جاتا ہے۔"

وہ ذرا دیر ستانے کے لیے دو خالی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ اس دوران میں لین کی قمیص کا کف ذرا اوپر کو کھسکا تو سارا نے دیکھا اس کی کلائی پر ٹیٹو والے طریقے سے لفظ "ٹاریو" TAUREAU گدا ہوا تھا۔ سارا کا دل چاہا کہ وہ لین سے کہے کہ پولیس آفیسر کو اس طرح جسم پر الفاظ یا کچھ اور گدوانا

اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اس نے یہ لفظ پہلے سے گدوایا ہوا تھا تب بھی اسے پولیس میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد اسے چھپانا یا صاف کرانے کی کوشش کرنی چاہیے تھی لیکن پھر اس نے اس موضوع پر بات کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس نے یہی سوچا کہ اسے ایسی باتیں چھیڑنے کی کیا پڑی تھی۔ ویسے بھی آج کل نوجوانوں میں بہت سی عادتیں مشترک تھیں' خواہ ان کی ملازمت کی نوعیت کچھ بھی ہو۔

چند لمحے بعد وہ اٹھ کر ڈائننگ کار میں پہنچے۔ آدھی رات کا وقت تھا اس لیے ڈائننگ کار تو خالی تھی لیکن اس سے متصل بار میں چند مسافر بیٹھے تھے۔ ایک طرف ایک راہبہ بھی بیٹھی تھی مگر وہ کچھ پینے کے بجائے چاکلیٹ کھا رہی تھی۔ اس کے آدھے سے زیادہ چہرے پر نقاب تھی اور وہ اسے ہٹائے بغیر ہی چاکلیٹ کھا رہی تھی۔

فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں ایک نوجوان مسافر ایسا بھی تھا جس کے چہرے پر پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ سارا نے فوراً لین کا بازو دبایا اور سرگوشی میں بولی "اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ شاید یہ پٹیاں گال کا نشان چھپانے کے لیے لپیٹی گئی ہوں۔"

لین نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "گارڈ نے سب سے پہلے اسی کی طرف توجہ دلائی تھی لیکن یہ لندن ہی سے اسی حالت میں ٹرین میں سوار ہوا تھا۔"

"پھر بھی ۔۔۔" سارا نے اصرار کیا "تم فرض کرو کہ تمہاری توجہ پٹیوں کی طرف نہیں ہے کیا اس صورت میں بھی تمہیں اس نوجوان میں شرلاک کی کوئی مشابہت نظر آتی ہے؟"

"نہیں۔" لین نے جواب دیا "اس کا لباس مختلف ہے اور اس کے بال شرلاک کے بالوں سے لمبے ہیں۔"

"عین ممکن ہے کہ اس نے لباس تبدیل کرلیا ہو اور سر پر وگ لگالی ہو۔ میں نے ایک فلم میں دیکھا تھا' اسی طرح ٹرین میں ایک عورت غائب ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھیوں نے اس کا چہرہ پٹیوں میں چھپا کر اسے ایک مریضہ ظاہر کرکے تلاش کرنے والوں کی نظر سے بچا رکھا تھا۔" سارا بولی۔

لین نے ٹھنڈی سانس لی "فلموں اور کہانیوں کی باتیں چھوڑیں۔ بہرحال' میں آپ کی تسلی کے لیے اسے چیک کرلیتا ہوں۔"

نوجوان کے ساتھ والی سیٹ پر ایک بوڑھی عورت تھی۔ انداز ہوتا تھا کہ وہ دونوں ساتھ سفر کررہے تھے۔ لین اور سارا ان کے قریب جاکر رکے تو دونوں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ لین نے بڑھیا کو مخاطب کیا۔ "میں ایک پولیس آفیسر ہوں میڈم اور ایک مفرور مجرم کو تلاش کررہا ہوں۔ کیا میں آپ کی اور اس نوجوان کی شناخت کے لیے کوئی چیز دیکھ سکتا ہوں؟"

"یہ میرا بیٹا ہے اور لندن میں اس کی پلاسٹک سرجری ہوئی ہے۔ ہم گھر واپس جارہے ہیں۔" بڑی بی نے بتایا اور اسے اپنا ڈرائیونگ لائسنس دکھایا۔ نوجوان نے بھی اپنا ڈرائیونگ لائسنس دکھادیا۔ وہ جب بولا تو اس کے لہجے سے اندازہ ہوا کہ وہ اسکاٹ تھا۔ لین نے ایک لمحے بغور اس کی طرف دیکھا پھر دونوں کے لائسنس واپس کرتے ہوئے بولا "شکریہ' معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو زحمت دی۔"

واپس راہداری میں آکر وہ نیچی آواز میں سارا سے مخاطب ہوا "یہ نوجوان شرلاک ہرگز نہیں ہے۔ اب تو میں نے اسے قریب سے بھی دیکھ لیا ہے۔"

پھر اس نے کمپارٹمنٹ کے کونے میں موجود واش روم پر دستک دی۔ "واش روم خالی نہیں ہے۔" اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"سوری میڈم! میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔" لین بولا "اور آپ چند سیکنڈ کے لیے دروازہ کھول دیں تو میری ایک ساتھی خاتون اندر جھانک کر دیکھیں گی۔ ہمیں ایک مفرور قیدی کی تلاش ہے۔"

چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد بولٹ ہٹایا گیا اور عورت نے دروازہ ذرا سا کھولتے ہوئے کہا "اپنا کوئی شناختی کارڈ وغیرہ دکھاؤ۔"

لین نے اپنا کارڈ نکال کر دکھایا اور عورت نے دروازہ اتنا کھول دیا کہ سارا اندر جھانک کر دیکھ سکے۔ سارا نے اچھی طرح اندر جھانک کر دیکھا' عورت کا بھی بغور جائزہ لیا پھر پلٹ کر نفی میں سر ہلایا۔

دونوں آگے روانہ ہوئے تو لین قدرے مایوسی سے بولا "اگر میں شرلاک کو تلاش نہ کرسکا تو یقیناً میری تنزلی ہوجائے گی۔ میں ایک بار پھر کسی چور اچکے پر ٹریفک کنٹرول کررہا ہوں گا۔"

وہ ٹرین کے اگلے سرے پر پہنچ گئے مگر انہیں شرلاک کا کوئی سراغ نہ ملا۔ مارٹن نامی گارڈ سے ایک بار پھر ان کی ملاقات ہوئی۔ وہ بھی بدستور تلاش میں ناکام تھا' وہ لین سے مخاطب ہوا "تم نے مجھے جس آدمی کا حلیہ بتایا ہے' مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اس حلیے کا کوئی شخص اس ٹرین پر سوار ہی نہیں تھا۔"

"لیکن تمہارے سامنے چار آدمی گواہی دے چکے ہیں کہ انہوں نے میرے ساتھ اس حلیے کے ایک آدمی کو دیکھا

تھا۔" لین بولا۔

"ایک منٹ۔" سارا کو جیسے ایک نیا خیال آیا "جن لوگوں نے بھی اس شخص کا تذکرہ کیا ہے' انہیں صرف اس کے گال کا نشان یاد تھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے.... کسی اور چیز کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں گئی۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ نشان مصنوعی رہا ہو؟"

"ایسا کوئی امکان نہیں ہے۔" لین نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "میں نے پولیس ریکارڈ میں اس کی پہلی گرفتاری کے بعد سے اب تک کی تصویریں دیکھی ہیں۔ سب میں وہ نشان موجود تھا۔"

"تو پھر اس نے ضرور وہ نشان کسی طرح چھپالیا ہے۔" سارا بولی۔

"صرف ایک ہی نوجوان کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ وہی جس کے چہرے پر پٹیاں تھیں۔ اسے ابھی ہم نے چیک کرلیا ہے۔" لین بولا۔

"ٹرین میں ایک راہبہ بھی تو موجود تھی جس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔" سارا نے یاد دلایا۔

"اگر ہم فرض کریں کہ شرلاک نے راہبہ کا بہروپ بھرلیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ٹرین میں اس کا کوئی ساتھی پہلے سے موجود تھا جس نے اسے بھیس بدلنے کے لیے تمام ضروری چیزیں دی ہوں گی لیکن ساتھی کو کیسے معلوم ہوسکتا تھا کہ ہم اس ٹرین سے روانہ ہوں گے؟" لین بولا۔

"اسے تمہارا شیڈول معلوم ہونا ضروری نہیں تھا۔" سارا نے سوچتے ہوئے کہا "ممکن ہے وہ پہلے سے پلیٹ فارم پر موجود رہا ہو اور تمہارے پیچھے پیچھے وہ بھی ٹرین میں سوار ہوگیا ہو۔ شرلاک تمہیں نچا دے کر سیدھا اس کے پاس پہنچا ہو۔"

لین ٹھنڈی سانس لے کر گویا بادلِ ناخواستہ بولا "چلیں.... راہبہ کو بھی چیک کرلیتے ہیں لیکن یہ کام آپ کریں گی۔"

راہبہ ابھی تک وہیں بیٹھی ہوئی تھی جہاں انہوں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر مشفقانہ انداز میں سر ہلانے لگی۔ اس نے اپنا نام بنی بتایا۔ مزید سوالوں کے جواب میں سسٹر بنی نے بتایا "میں ایک کمپیوٹر شو میں شرکت کے لیے لندن گئی ہوئی تھی۔ ہمارا کانونٹ جدید ترین کمپیوٹرز خریدنا چاہتا ہے جو میری سفارش پر خریدے جائیں گے۔"

لین اسے اپنا کارڈ دکھاتے ہوئے بولا "ہم آپ کو ایک زحمت دینا چاہتے ہیں سسٹر بنی! اور مجھے امید ہے کہ آپ اس کا برا نہیں منائیں گی۔ میں ذرا دور جاکر کھڑا ہوجاتا

ایک معمر لکھ پتی عموماً لڑکیوں کو یہ بتاتا ہے کہ وہ دل کا مریض ہے اور ڈاکٹروں نے سختی سے اسے نارمل رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ حالانکہ دل کے مرض اور ڈاکٹروں کے مشورے والی بات غلط ہے مگر لڑکیاں اس کے جھوٹ پر اعتبار کرلیتی ہیں۔

پھر جب وہ کسی لڑکی کو گھر لے جاتا ہے تو ایک اور جھوٹ بولتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے وصیت کی ہے کہ میری ساری دولت اسی کو دے دی جائے جو میری موت کے وقت میرے پاس ہو۔

اور تب وہ لڑکی اپنی سی ہر ممکن کوشش کر ڈالتی ہے کہ انتہائی محبت اور انتہائی مہربانی سے اسے اسی رات قتل کردے۔

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

ہوں۔ آپ ذرا نقاب ہٹاکر میری اس ساتھی خاتون کو اپنا چہرہ دکھادیں۔ ہم ایک مفرور مجرم کو تلاش کررہے ہیں۔"

"اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں ہے اور تمہیں دور جانے کی ضرورت بھی نہیں۔ آج کل کے زمانے میں ہم راہبائیں اتنی سختی سے پردہ نہیں کرتیں۔ میں نے صرف سفر کے دوران میں خاص طور پر پردہ کیا ہوا ہے۔" سسٹر بنی نے شیریں لہجے میں کہا۔

اس کے نقاب ہٹانے سے پہلے ہی سارا کو یقین ہوگیا کہ وہ حقیقت میں عورت ہی تھی اور جب نقاب ہٹا تو وہ کہے بغیر نہ رہ سکی "آپ بہت خوب صورت ہیں سسٹر بنی!"

راہبہ کے رخسار بے داغ اور تازہ گلابوں جیسے تھے۔ وہ اپنی مخصوص مشفقانہ سی آواز میں بولی "شکریہ۔"

دوسرے کمپارٹمنٹ میں آکر سارا بولی "اس ٹرین میں آٹھ کمپارٹمنٹ ہیں اور ہم نے سب کی مکمل تلاشی لے لی ہے۔ تمہارا مطلوبہ آدمی کہیں بھی نہیں ہے۔ اس نے یقیناً واش روم سے نکلنے کے بعد دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگادی ہوگی۔ اس کے سوا اس کے غائب ہونے کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔"

"اگر وہ ایسا کرتا تو کوئی مسافر اسے دیکھ لیتا۔" لین بولا۔

"تم خود اسے واش روم سے نکلتے نہیں دیکھ سکے۔ تم بتاچکے ہو کہ تمہیں اونگھ آگئی تھی اور دوسرے مسافر بھی غنودگی میں تھے۔"

لین نے ایک لمحے سوچا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے

بولا "تمہاری بات میں وزن تو ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خیال ذہن میں آتا ہے؟"

سارا ایک لمحے سوچتی رہی پھر بولی "ٹرین میں سب سے آگے کیا ہے؟ کیا سامان کا کمپارٹمنٹ ہے؟"

لین گویا اس کا مطلب سمجھتے ہوئے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا "تمہارے دماغ پر فلموں کا کچھ زیادہ ہی اثر ہے۔"

تاہم اس نے ایک بار پھر گارڈ سے رجوع کیا۔ گارڈ نے بتایا کہ ٹرین میں لگیج کمپارٹمنٹ تو نہیں تھا لیکن سب سے پیچھے ڈاک کا ڈبا ضرور تھا لیکن ساتھ ہی اس نے بتایا "وہ مقفل ہوتا ہے۔ اس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن ہنگامی حالات کے لیے تمہارے پاس اس کی چابی تو ہوتی ہوگی؟" سارا نے پوچھا۔

گارڈ کا جواب اثبات میں تھا "ایمرجنسی میں استعمال کے لیے چابی میرے ڈبے میں موجود تو ہے لیکن ڈاک کے ڈبے میں کوئی جا نہیں سکتا۔"

لین نے ایک بار پھر اپنا کارڈ نکال کر گویا اسے یاد دلایا کہ وہ ایک پولیس آفیسر تھا۔ کارڈ پر اس کی تصویر کا کونا شاید کثرتِ استعمال سے مڑنے لگا تھا۔ وہ متانت سے بولا "اس کارڈ کی موجودگی میں مجھے یہ قانونی حق حاصل ہے کہ کسی جرم کی تفتیش کے لیے میں کہیں بھی جا سکتا ہوں۔ میں تمہیں اطمینان دلاتا ہوں کہ میں ڈاک کے تھیلوں کو نہیں کھولوں گا۔ میں صرف اطمینان کروں گا کہ وہاں کسی جگہ کوئی چھپا ہوا تو نہیں ہے۔"

گارڈ کو اس کی بات ماننا پڑی۔ وہ ان دونوں کو ڈاک کے ڈبے تک لے گیا۔ چابی سے اس نے آہنی دروازے کا تالا کھولا اور لائٹس آن کیں۔ ڈبے میں ڈاک کے خاکی تھیلے رکھے ہوئے تھے لیکن وہ بہ مشکل ڈھائی تین فٹ اونچے تھے اور ان کے ابھار بتا رہے تھے کہ ان میں لفافے اور پارسل وغیرہ ہی بند تھے۔ ان کے منہ پر موٹی ڈوریاں لپٹی ہوئی تھیں اور ان میں کسی پست قامت آدمی کے چھپنے کی گنجائش بھی نظر نہیں آتی تھی۔ سارا مایوس نظر آنے لگی۔

وہ تینوں گارڈ کے ڈبے میں واپس آئے تو لین نے گارڈ سے پوچھا "ٹرین کا اگلا اسٹاپ کون سا ہے؟"

"درحقیقت اس کا راستے میں کوئی اسٹاپ نہیں۔ اسے صبح ایڈن برگ پہنچ کر ہی رکنا ہے۔" مارٹن نے جواب دیا۔

"تم راستے میں نیوکیسل بھی رک سکتے ہو۔" لین بولا۔

"صرف ایمرجنسی کی صورت میں ورنہ یہ ایڈن برگ ایکسپریس ہے۔ اسے ایڈن برگ پہنچ کر ہی رکنا ہے۔" مارٹن نے جواب دیا۔

"یہ ایک ایمرجنسی ہی ہے۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی؟" لین قدرے تیزی سے بولا "مجھے اعلیٰ حکام سے رابطہ کرنا ہے اور اس کے لیے کسی اسٹیشن پر اترنا ضروری ہے۔ میں ان سے اجازت لے کر پیچھے دور تک پٹریوں کا جائزہ لینے کے انتظامات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شرلاک پیچھے راستے میں کہیں مرا نہ پڑا ہو۔ اب میں بھی ان خاتون کے اس خیال سے متفق ہو گیا ہوں کہ اس نے نظر بچا کر ٹرین سے چھلانگ لگا دی تھی۔"

"ٹرین میں بھی ٹیلی فون موجود ہے۔ تم اس پر اعلیٰ حکام سے بات کر سکتے ہو۔" گارڈ بولا۔

"نہیں۔ میں ٹرین کا فون استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ یہ محفوظ نہیں ہے۔ ممکن ہے میری گفتگو سن لی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ شرلاک ابھی زندہ ہو۔ زیرِ زمین دنیا میں اس کے بڑے رابطے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مجھ سے پہلے اس کے ساتھی اس تک پہنچ جائیں اور اسے لے جائیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم مجھے نیوکیسل پر اتارنے کا بندوبست کرو۔"

گارڈ نے چند لمحے سوچا اور آخر کار ٹرین کے فون پر ڈرائیور سے رابطہ کیا اور اسے ساری صورتِ حال سمجھانے کے بعد کچھ دیر جواب سنتا رہا پھر اس نے فون بند کر دیا اور لین سے مخاطب ہوا "چونتیس منٹ بعد ہم نیوکیسل پہنچیں گے لیکن تم اترنے کے لیے تیار رہو۔ ڈرائیور کا کہنا ہے کہ وہ صرف چند سیکنڈ کے لیے گاڑی روکے گا۔"

"میرے لیے چند سیکنڈ ہی کافی ہیں۔" لین بولا "وہ دروازے کے قریب ایک سیٹ پر جا بیٹھا۔ سارا اس کے ساتھ تھی۔ وہ دھیمی آواز میں بولی "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی خاص مدد نہیں کر سکی۔"

"جو کچھ ہمارے بس میں تھا وہ ہم نے کیا۔" لین بولا "یہ بات تو بہرحال طے ہو گئی ہے کہ وہ ٹرین میں موجود نہیں ہے۔"

سارا وقت گزاری کے سے انداز میں مزید کچھ دیر اس سے باتیں کرتی رہی حتیٰ کہ نیوکیسل پر چند سیکنڈ رکنے کے لیے ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی۔ گارڈ دروازہ کھولنے کے لیے دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا اور لین نے اٹھتے ہوئے مصافحے کے لیے سارا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ سارا اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی "میرے ذہن میں اس معمے کا ایک اور حل آیا ہے۔"

"وہ کیا؟" لین کی آنکھوں میں اس کے لیے استہزائیہ سی مسکراہٹ کا تاثر ابھرا۔

"میں نے ایک جگہ مجرم کو تلاش کرنے کی کوشش ہی

نہیں کی۔"

"کہاں؟" لین نے دریافت کیا۔

"عین اپنی آنکھوں کے سامنے۔" سارا نے جواب دیا "دراصل تم اینگس شرلاک ہو اور پولیس کانسٹیبل ڈیرک لین کو تم ٹرین سے دھکا دے چکے ہو۔"

ٹرین اس وقت تک تقریباً رک چکی تھی۔ اگر وہ عقل مند ہوتا تو محض استہزائیہ انداز میں ہنسنے پر اکتفا کرتا اور ٹرین سے اتر جاتا مگر وہ بدحواس ہوگیا۔ اس نے حماقت یہ کی کہ راستے میں کھڑی سارا کو ایک طرف دھکا دیا اور دروازے کی طرف دوڑا۔ گارڈ مارٹن نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ اسے روک تو نہیں سکا مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس سے الجھ کر پلیٹ فارم پر اترتے اترتے شرلاک جو اَب تک لین بنا ہوا تھا' گر پڑا۔ اتفاق سے ایک باوردی پولیس والا قریب موجود تھا۔ اس نے جلدی سے آگر سہارا دے کر اسے اٹھایا۔

وہ جلدی سے اپنا کارڈ نکال کر اسے دکھاتے ہوئے بولا "میں کانسٹیبل ڈیرک لین ہوں۔"

مگر اس وقت تک سارا پلیٹ فارم پر چھلانگ لگا کر اس کا کالر پکڑ چکی تھی۔ وہ چلائی "یہ پولیس والا نہیں' ایک مفرور قاتل اینگس شرلاک ہے۔ اسے بھاگنے مت دینا۔" یہ کہتے ہوئے سارا نے اس کے ہاتھ سے کارڈ چھین لیا اور اس پر چپکی ہوئی تصویر نوچ ڈالی۔ تصویر نہایت آسانی سے اتر آئی۔ وہ دراصل پلاسٹک کی تہ میں چھپی ہونے کے بجائے اس کے اوپر چپکی ہوئی تھی اس کے نیچے سے پلاسٹک میں ملفوف دوسری اصل تصویر نظر آنے لگی جو عمر میں اس سے ذرا بڑے آدمی کی تھی جو پولیس کی وردی میں تھا اور اس کے رخسار پر بڑا سا سیاہی مائل نشان نظر آرہا تھا۔

پولیس آفیسر نے مضبوطی سے شرلاک کی کلائی پکڑلی اور بولا "میرے ساتھ چلو۔ کسی پولیس آفیسر کا روپ دھارنا ہی بہت سنگین جرم ہے جب کہ یہ خاتون تو کچھ اور بھی کہہ رہی ہیں۔ خاتون! آپ بھی میرے ساتھ آئیں۔"

○☆○

اس وقت صبح کا اُجالا نمودار ہو رہا تھا جب نیو کیسل کے پولیس اسٹیشن میں سارا اپنی کہانی ایک پولیس انسپکٹر کو سنا رہی تھی جس کا نام رولنگ تھا۔

"آپ کو اس شخص پر کب شک ہوا مس؟" انسپکٹر نے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"ایک بار جب وہ اپنا کارڈ کسی کو دکھا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس کی تصویر کا کونا مڑ چکا تھا جب کہ پلاسٹک کوٹنگ والے کارڈ میں تصویر اندر محفوظ ہوتی ہے اور اس کا کونا مڑنا نہیں چاہیے۔ اس سے مجھے شبہ ہوا کہ تصویر پلاسٹک کی تہ کے اوپر لگی ہوئی تھی لیکن میں نے اس سے کارڈ لے کر تصدیق کی کوشش نہیں کی کہ مبادا وہ ہوشیار نہ ہوجائے۔ میرا خیال ہے کہ کانسٹیبل ڈیرک لین مجرم کے ساتھ ہی واش روم میں گیا تھا جہاں مجرم نے کسی طرح اسے ہلاک کردیا۔ مسافر غنودگی میں تھے۔ اس کے لیے واش روم سے نکل کر چند فٹ کا فاصلہ طے کرکے لین کی لاش کو دروازے سے باہر دھکیل دینا مشکل نہیں تھا۔ شرلاک نے اس کا کارڈ قبضے میں لے لیا اور اس کی شناخت اپنالی۔ اس کے پاس یقیناً اپنی پاسپورٹ سائز کی تصویر موجود تھی جو اس نے غالباً کسی چپائی ہوئی ٹافی وغیرہ کی مدد سے لین کی تصویر کے اوپر ہی چپکالی۔"

ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولی "اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ ایڈن برگ کے ریلوے اسٹیشن پر اترنا نہیں چاہتا تھا جہاں پولیس پارٹی اسے لینے کے لیے موجود تھی اور وہ لوگ یقیناً اسے پہچانتے بھی تھے۔ اس نے نہایت ذہانت کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے مجھ سے مدد کی درخواست کرکے مجرم کی تلاش شروع کردی۔ سرمئی نشان مقتول پولیس والے کے گال پر موجود تھا لیکن اس نے اسے مجرم کی نشانی کے طور پر بیان کرنا شروع کردیا۔ ظاہر ہے ایسے نشان والا کوئی شخص ٹرین پر موجود نہیں تھا۔ بظاہر اس تلاش میں ناکام ہونے کے بعد اس نے نیو کیسل میں اترنے کا بہانہ تراش لیا۔ اگر ذرا سی گڑبڑ نہ ہوتی تو وہ یہاں اتر کر اطمینان سے فرار ہوجاتا۔"

"یعنی صرف اس کی تصویر کے مڑے ہوئے کونے نے اسے پھنسوادیا؟" انسپکٹر رولنگ گویا محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

"نہیں' ایک چیز اور بھی مجھے نظر آئی تھی' اس کی کلائی پر ٹیٹو کے انداز میں ایک فرانسیسی لفظ گدا ہوا تھا جس کا مطلب سانڈ یا بیل ہوتا ہے جب کہ اس کا کہنا تھا کہ وہ کبھی اسکاٹ لینڈ اور لندن کے سوا... کہیں نہیں گیا۔ باتوں باتوں میں وہ مجھ سے یہ کہہ چکا تھا جب کہ میں پیرس کئی بار جاچکی ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ وہاں نوجوان کلائی پر یہ لفظ گدواتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ جب وہ لوٹ مار کی رقم سے پیرس میں عیش کررہا تھا تب اس نے وہ لفظ کلائی پر گدوایا تھا۔ اب یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ اپنے بہروپ میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے "مجرم" کی پوری اور صحیح کہانی مجھے سناچکا تھا۔"

انسپکٹر مسکرایا اور بولا "آپ کو تو فیشن ڈیزائنر کے بجائے سراغ رساں ہونا چاہیے تھا۔"

★★

تیسرا رنگ

سزائے عیاشی

نجمہ مودی

خوابوں کی اپنی ایک دنیا ہے جیتی جاگتی دنیا۔ اس دنیا میں بھی انسان وہی کچھ کرتا ہے جو حقیقی دنیا میں کر رہا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ خوابوں کے حصار میں اس طرح قید ہو جاتے ہیں کہ خواب اور حقیقت کا فرق مٹ جاتا ہے۔ اس شخص کا قصہ جو خواب میں ایک جرم کر بیٹھا تھا اور آنکھ کھلنے پر اس نے خود کو واقعی اس جرم میں ملوث پایا۔ مصیبت یہ تھی کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی ثبوت بھی نہ تھا۔

اسرار کے پردوں میں چھپی ایک پیچ در پیچ جرم و سزا کی سنسنی خیز داستان

اس کمرے کی ساخت عجیب تھی۔

جب میں اس کمرے میں داخل ہوا تو اس کا ایک دروازہ کھلا ہوا تھا مگر اب چاروں طرف دروازے ہی دروازے تھے۔ ان دروازوں کی تعداد آٹھ تھی جو اس ہشت پہلو کمرے میں ایک دوسرے کے ساتھ نصب تھے اور وہ اس طرح ملے ہوئے تھے کہ سب کی دہلیزیں مشترک تھیں۔ مذکورہ تمام دروازے مقفل تھے۔

یکے بعد دیگرے میں ان تمام دروازوں کو کھولنے کی کوشش کر چکا تھا اور ناکام رہا تھا۔ ہر دروازہ ایک قدِ آدم آئینہ تھا جس میں میرا عکس نظر آتا تھا۔

کمرے میں تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اس میں روشنی کا ایک ہالہ سا تیر رہا تھا جس میں ایک حسین لڑکی کا چہرہ روشن نظر آ رہا تھا۔ وہ لڑکی میرے لیے بالکل اجنبی تھی لیکن میرے ذہن میں کہیں شناسائی کی دھندلی سی کرن ضرور جھلملا رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں.... لیکن ایک نامعلوم خطرہ میرے وجود کے گرد امربیل کی طرح لپٹ رہا تھا اور مجھے مفلوج کرتا جا رہا تھا۔ میں وہاں سے.... اس آئینہ خانے سے فرار ہونا چاہتا تھا۔ وہاں سے کہیں دور جانا چاہتا تھا جہاں اس بے وجود اور نادیدہ خطرے کا سایہ تک نہ ہو۔

لیکن میں قطعی بے بس تھا۔ شدید خواہش کے باوجود میں وہاں سے نہیں نکل سکتا تھا۔ فرار کے تمام راستے بند تھے حتیٰ کہ وہ دروازہ بھی جہاں سے میں اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ میرے لیے کہیں بھی جائے پناہ نہیں تھی۔

رفتہ رفتہ وہ روشنی کے حلقے میں مقید حسین چہرہ غیظ و غضب سے دہکنے لگا۔ گویا وہاں سے نکلنے کی کوشش کر کے میں نے سخت غلطی کی ہو۔ اس کی خوب صورت آنکھوں سے نفرت کا زہر ابلنے لگا۔

اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا روشنی کے ہالے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "اسے زندہ مت چھوڑنا۔"

روشنی مدھم پڑ گئی اور لرزنے لگی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں گہرے پانی میں اترتا جا رہا ہوں' اتھاہ گہرائی میں مجھے خطرے کی بازگشت ہر سمت سے سنائی دینے لگی۔

"تم زندہ واپس نہیں جا سکتے۔" میں بری طرح چونک گیا۔ یہ مردانہ آواز تھی۔ تعجب کے احساس پر یک لخت خطرے کا احساس مادی وجود بن کر ابھرنے لگا۔ تاریکی میں' جہاں وہ حسین چہرہ روشن تھا.... وہاں ایک مردانہ پیکر کے خطوط نمودار ہونے لگے۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی بادل سمٹ کر ایک آدمی کی ہیئت اختیار کر گیا ہو۔

اس کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ وہ شخص میری طرف بڑھنے لگا۔ اس کا سایہ رینگتا ہوا میرے وجود پر پھیلتا چلا گیا۔ پس منظر میں نیلی روشنی کا وہ ہالہ تھا اور اس کی چندھیا دینے والی روشنی میں میرے لیے اس شخص کو دیکھنا ناممکن تھا جو مجھ پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔

ایک بار پھر میں نے سوچا کہ فرار ہو جاؤں مگر میرے لیے ایک قدم اٹھانا بھی محال تھا۔ میرا جسم پتھر ہو گیا تھا اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے ہاتھوں کو اپنی گردن کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اچانک لمبی اور سخت انگلیوں نے شکنجے کی طرح میری گردن کو کس لیا۔ موت کو اپنے سامنے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے جان بچانے کے لیے شدید جدوجہد کی۔ بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن اپنی گردن اس کے آہنی شکنجے سے نہیں چھڑا سکا۔

میری گردن پر دباؤ بڑھتا چلا گیا۔ مجھے یوں محسوس ہونے

لگا کہ کسی بھی لمحے میری گردن چیخ کر ریڑھ کی ہڈی سے الگ ہو جائے گی۔ تکلیف ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ بے رحم انگلیوں کا حلقہ تنگ سے تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ میں نجات کے لیے بدستور جدوجہد کرتا رہا۔ ان قاتل ہاتھوں سے اپنی گردن چھڑانے کے لیے نہ جانے میرے اندر اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ آخر کار میں ایک ہاتھ کی گرفت سے اپنی گردن چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کوشش میں دشمن کی انگلی کے ناخن سے میری کلائی پر گہری خراش آئی لیکن میری بدقسمتی کہ نجات کا یہ وقفہ بہت مختصر تھا۔ وہ ہاتھ دوسرے ہی لمحے دوبارہ میری گردن پر سختی سے جم گیا۔ میں نے اسے نیچے گرانے کے لیے اپنے جسم کی پوری قوت صرف کر دی مگر میں اس میں بھی ناکام رہا۔ مدافعت کا حوصلہ شکست کھانے لگا۔ موت میری آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگی۔ کمزوری کا احساس غالب آنے لگا۔ میں نے اس کا چہرہ نوچنے کے لیے ہاتھ چلائے مگر وہ خود کو بچا گیا۔ اس کوشش میں میرے ہاتھ میں ایک بٹن آ گیا جو شاید اس کے کوٹ کی آستین سے ٹوٹ کر الگ ہو گیا تھا۔

بے بسی اور بے چارگی کی اس کیفیت میں یہ احساس مجھ پر غالب آنے لگا کہ مجھے مرنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اچانک ایک خیال نے مجھے ایک نئی قوت عطا کر دی۔ میری جیب میں پستول تھا۔ کوٹ کی دائیں جیب میں۔ اس وقت یہ خیال میرے ذہن میں کیوں آیا، میں کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ

میں نے کبھی اپنے ساتھ پستول نہیں رکھا تھا اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت تھی لیکن اس وقت میرے ذہن میں آنے والا وہ خیال بڑا پختہ تھا کہ میرے کوٹ کی جیب میں پستول ہے۔ میں نے جلدی سے اپنا دایاں ہاتھ جیب کی طرف بڑھایا لیکن اس خبیث نے جو کسی بدروح کی طرح مجھ سے چمٹا ہوا تھا' میرے جسم کے نازک حصے پر پوری قوت سے گھٹنا مارا۔

میں چیخا اور جھکتا چلا گیا۔ اس نے گھٹنا مارتے ہی میری گردن آزاد کردی تھی۔ میں مضروب جگہ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر فرش پر گر گیا۔ اچانک وہ مجھ پر گویا سوار سا ہوگیا۔ امید کی آخری کرن بھی گھپ اندھیرے میں دم توڑ گئی۔

"مجھے وہ خنجر پکڑاؤ۔" اچانک اس نے چلّا کر کہا "یہ ایسے نہیں مرے گا۔"

زندگی کے آخری لمحات سمٹ کر محدود ہوگئے۔ میری موت یقینی ہوگئی۔ جسمانی تکلیف پر موت کا خوف غالب آگیا۔ میں بُری طرح سے تڑپا۔ میں اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے بری طرح سے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اچانک میرے ہاتھ میں کوئی چیز آگئی۔ میں نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ خنجر تھا۔ اس کا سرد' سفاک اور ٹھوس لمس میرے وجود میں زندگی کی لہر دوڑا گیا۔ خنجر دستے کی طرف سے میری گرفت میں آگیا تھا۔ یقیناً یہ وہی خنجر تھا جو میرے قاتل نے مانگا تھا لیکن گھبراہٹ میں یا غلطی کے باعث ... یا عمداً لڑکی نے خنجر مجھے تھما دیا تھا۔

یقین کی قوت میرے وجود میں بجلی کی طرح دوڑ گئی۔

میرا ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے نیچے آیا اور خنجر' پشت کی جانب سے مجھ پر حاوی دشمن کی پسلیوں کے درمیان گوشت کی نرم تہ کو چیرتا ہوا دل میں پیوست ہوگیا۔ وہ پلٹ کر فرش پر گر گیا۔ اس کا بوجھ سینے پر سے اُتر جانے کے بعد میں نے ایک گہری سانس لی پھر دوسری بار زیادہ قوت اور اعتماد کے ساتھ میں نے خنجر اس کے سینے میں اتار دیا۔

ناف کے نیچے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں لیکن اب وہ قابلِ برداشت تھیں۔ اس کا جسم ساکت ہوگیا تھا۔ میں نے چاروں ہاتھ پیروں پر جسم کو گھسیٹ کر اسے قریب سے دیکھا۔ وہ جو ایک سایہ تھا جس کی صورت میں نہیں دیکھ پایا تھا' اب میں اس کے چہرے کے خدوخال واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ وہ جھلملاتی ہوئی نیلی روشنی میں بے حس و حرکت آنکھیں کھولے پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ عین آخری لمحات میں جب وہ مجھے قتل کرنے ہی والا تھا' اسے احساس ہوا کہ مارنے کے بجائے وہ خود مارا گیا ہے۔ تقدیر نے عین وقت پر اسے مات دے دی تھی۔ اس کے چہرے پر اس بدنصیب شخص کے سے تاثرات نقش ہو کر رہ گئے تھے جو میلوں دور سے' جان لیوا لہروں سے لڑتا ہوا ساحل پر آکر دم توڑ دے۔

میں نے خوف زدہ نظروں سے اس کے ساکت وجود کو دیکھا۔ کسی ارادے اور وجہ کے بغیر میں نے اسے قتل کردیا تھا۔ اگر وہ مجھے مارنا چاہتا تھا تو یقیناً اس کی کوئی وجہ ہوگی لیکن میرے لیے اس کا قتل محض اس لیے ناگزیر ہوگیا تھا کہ میرے سامنے اپنے دفاع کی دوسری کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔ میں اسے جانتا تک نہ تھا۔ وہ میرے لیے بالکل اجنبی تھا۔ میں اس کا دشمن ہرگز نہیں تھا۔ ظاہر ہے' جس شخص کا مجھے نام تک نہیں معلوم جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا' آخر وہ میرا دشمن کیوں بن گیا تھا؟ میری جان لینے کے درپے کیوں تھا؟

اچانک میرے دل میں اس "اجنبی دشمن" کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑک اٹھے جس نے مجھے زندگی جیسی نعمت سے محروم کردینے کی پوری کوشش کی تھی۔ اس کے سینے میں ہنوز خنجر پیوست تھا۔ اشتعال اور دیوانگی کے عالم میں' میں نے خنجر کھینچ لیا اور دوبارہ سینے میں گھونپ دیا۔

کمرے میں نسوانی چیخ گونجی' اس لڑکی نے جس کا حسین چہرہ نیلگوں روشنی کے ہالے میں اب تک معلق تھا' بُری طرح سے چیخنے لگی اور یک لخت وہ روشنی بجھ گئی۔ وہ چہرہ میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ تاریکی میں کسی دروازے کے بند ہونے کی آواز آئی۔

میں نے فوراً پلٹ کر دیکھا کہ وہ کس دروازے سے باہر گئی ہے لیکن اس وقت تک سب دروازے پھر ایک جیسے ہو چکے تھے۔ میں نے اٹھ کر ایک ایک دروازے کو کھولنے کی کوشش کی لیکن آٹھوں دروازے ایک دوسرے سے پہلو ملائے دیوار کی طرح کھڑے تھے اور مجھے باہر جانے کی اجازت دینے پر قطعی آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔ میں ایک لاش کے ساتھ محصور ہوگیا تھا۔ وقتی طور پر تحفظ کا جو احساس پیدا ہوا تھا' وہ اس نئی صورتِ حال سے دوچار ہونے کے بعد مٹ گیا تھا۔

نوعیت بدل جانے کے باوجود خطرے کی سنگینی برقرار تھی۔ تمام دروازے ایک جیسے تھے اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ کس دروازے سے میں کمرے میں داخل ہوا تھا۔ شاید میں نے غور نہیں کیا تھا' یا مجھ سے گننے میں غلطی ہوگئی ... یا شاید

کوئی اور بات تھی۔ ممکن ہے دروازے باہر سے ہی کھولے جاسکتے ہوں لیکن میں نے اپنے آخری خیال کو مسترد کردیا کیونکہ لڑکی اندر سے دروازہ کھول کر باہر گئی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ دروازے اندر سے بھی کھولے جاسکتے تھے ۔۔۔ لیکن کس طرح؟

اچانک میں اپنے خیالات سے چونک گیا۔ ایک دروازہ اچانک کھل گیا تھا۔ دروازے کے پیچھے خلا میں نیلی دھند سی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی الماری ہو۔ وہ الماری اچانک نمودار ہوئی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس غیبی قوت.... جس نے میری زندگی بچائی تھی' اب میرے اس جرم کو چھپانے کے لیے سامان فراہم کردیا ہے۔

میں نے لاش کو فرش پر سے اٹھایا اور اچانک کھلنے والی الماری کے قریب لے گیا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے اندر کا جائزہ لیا پھر اس میں لاش کو سیدھا کھڑا کرنے کی کوشش کی مگر لاش آگے جھک کر مجھ پر گرنے لگی۔ میں نے اسے ایک ہاتھ سے دبا کر پچھلی دیوار سے لگادیا پھر ہاتھ کھینچ کر پھرتی سے دونوں پٹ برابر کردیے مگر لاش کا بوجھ دروازے پر آگرا تھا اور مجھے پٹ بند رکھنے کے لیے خاصی قوت صرف کرنی پڑی۔

دونوں پٹ بند کرنے کے لیے میں نے کنڈی کی تلاش میں نگاہ دوڑائی مگر دائیں پٹ کے کونے پر کنڈی کی جگہ ایک ٹونما ہینڈل دکھائی دیا جس میں تالے کا سوراخ بنا ہوا تھا اور اس سوراخ میں ایک چابی اٹکی ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے چابی گھمائی اور تالا مقفل ہوگیا۔ چابی میرے ہاتھ میں آگئی۔ میں اس جدوجہد میں پسینے پسینے ہوگیا تھا۔ میں نے بائیں ہتھیلی سے چہرے پر بہنے والا پسینہ پونچھا اور پھر چابی کو گھورنے لگا۔

چابی بڑی عجیب ساخت کی تھی۔ اس کے بالائی حصے پر شیشے کا ننھا سا شفاف لٹو بنا ہوا تھا اور اس میں ننھا سا سرخ گلاب کا پھول بنا ہوا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے عموماً گاڑیوں کے گیئر لیور کے سرے پر بنا ہوتا ہے۔ اس لٹو کے اندر مکمل پھول بنا ہوا تھا۔ چابی بہت موٹی اور مضبوط تھی۔ ایسی خوب صورت چابی بازار میں دستیاب عام تالوں کی نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے چابی کو جیب میں ڈال لیا۔

اچانک میں دہشت زدہ ہوکر دو قدم پیچھے ہٹ گیا کیونکہ الماری میں نصب لٹو کا ہینڈل گھوما اور دروازہ کھلنے لگا۔ خوف سے میری گھگی بندھ گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ میں نے بے بسی سے ان آٹھ دروازوں کو دیکھا جو بدستور بند تھے۔ پسینہ میرے جسم پر دھاروں کی صورت میں بہنے لگا۔ میں ساکت کھڑا الماری کے نہایت آہستگی سے کھلنے والے دروازے کو گھور رہا تھا۔

عین اسی لمحے میری آنکھ کھل گئی۔

میرا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا تھا اور دل یوں دھڑک رہا تھا کہ اس کی دھمک میں اپنے پورے بدن میں محسوس کررہا تھا۔ تکیہ فرش پر پڑا ہوا تھا اور میں خود آدھا مسہری پر تھا اور آدھا نیچے کی طرف جھک گیا تھا۔ خود کو سیدھا کرکے میں نے ایک گہری سانس لی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ سب خواب تھا' حقیقت نہیں تھی۔

اس بھیانک خواب نے میرے اعصاب کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ میں جاگنے کے باوجود خوف زدہ تھا۔ میں نے دونوں آنکھیں ملیں' سر جھٹکا اور ایک انگڑائی لے کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے سات بج چکے تھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا' مسہری سے اٹھتے ہی میں لڑکھڑا سا گیا۔ ناف سے نیچے درد سا محسوس ہوا۔ میں نے سوچا کہ شاید نیند کی حالت میں' میں مسہری سے نیچے فرش پر جھک گیا تھا' اسی پوزیشن میں نہ جانے کتنی دیر تک سوتا رہا تھا۔ ممکن ہے جسم کا یہ حصہ مسہری کی پٹی کے دباؤ کے باعث درد کرنے لگا ہو۔

میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا غسل خانے میں داخل ہوگیا۔ میرے ذہن کی اسکرین پر اب بھی وہی منظر جھلملا رہا تھا۔ خواب مجھے اکثر یاد نہیں رہتے لیکن یہ عجیب وغریب اور دہشت ناک خواب تمام جزئیات کے ساتھ مجھے یاد رہا۔ ٹھنڈے پانی کی پھوار نے خاصی حد تک خوفناک خیالات کو دھو ڈالا۔ میں غسل کے دوران میں مسلسل اپنی یادداشت کو کھنگالتا رہا لیکن مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ میں نے اس سے پہلے اس لڑکی کو کہاں دیکھا تھا جس کا چہرہ میں نے خواب میں نیلگوں روشنی کے ہالے میں دیکھا تھا۔ وہ شخص بھی میرے لیے بالکل اجنبی تھا جسے میں نے قتل کرکے الماری میں ٹھونس دیا تھا۔

کہتے ہیں کہ لاشعور میں دبی ہوئی خواہشات نیند کی حالت میں ذہن کی اسکرین پر ابھر آتی ہیں لیکن میں اس شخص کو جانتا تک نہیں تھا جسے میں نے خواب میں قتل کردیا تھا اور وہ لڑکی بھی میرے لیے قطعاً اجنبی تھی۔ کسی ایسے اجنبی کو قتل کرنے کی خواہش میرے لاشعور میں کیسے پروان چڑھ سکتی تھی جسے میں نے عملی اور حقیقی زندگی میں دیکھا تک نہ ہو۔

میں نے سر کو جھٹک کر ان خیالات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ لباس بدلتے ہوئے مجھے اپنی کلائی پر ایک خراش نظر آئی۔ خراش کا یہ نشان گزشتہ شب تک نہیں تھا۔ خواب

میں اس اجنبی سے جدوجہد کے دوران میں ناخن سے کلائی پر خراش آجانے کا واقعہ مجھے یاد تھا۔ یہ نشان عین اسی مقام پر تھا۔

میں نے فرض کیا کہ سوتے ہوئے میرا ہاتھ مسہری کے کنارے سے لگ گیا ہوگا یا میرے اپنے ہی ہاتھ کے ناخن سے یہ لکیر پڑ گئی ہوگی مگر میرے ناخن بالکل بھی بڑھے ہوئے نہیں تھے۔ مسہری کے کنارے سے بھی اس طرح کی خراش نہیں آسکتی تھی۔ لباس پہن کر میں نے مسہری' سائڈ ٹیبل اور دیواروں کا جائزہ لیا مگر مجھے کوئی کیل دکھائی نہیں دی۔ جب ٹائی باندھنے کے لیے میں آئینے کے سامنے کھڑا ہوا تو گرہ باندھتے ہوئے ہاتھ اچانک رک گئے۔ میری نظر ان نشانات پر جم گئی جو واضح طور پر انگلیوں کے تھے۔ یہ نشانات میری گردن پر دونوں جانب نمایاں تھے۔ نہ جانے میں کتنی دیر تک آئینے کے سامنے ساکت و صامت کھڑا رہا۔

"کیا گزشتہ رات جو کچھ میں نے دیکھا محض خواب نہیں تھا؟" میں نے سوچا "یہ بھی ممکن ہے کہ رات چور میرے کمرے میں گھس آیا ہو اور مجھے سوتے میں گلا گھونٹ کر مارنے کی کوشش کی ہو اور بے ہوشی کے بعد وہ مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گیا ہو۔۔۔ اس کے بعد جو کچھ میں نے دیکھا خواب تھا؟"

اس خیال کے تحت میں نے پورے گھر کا جائزہ لیا لیکن میری تمام چیزیں اپنی جگہ پر موجود تھیں اور گھر میں کسی کے داخل ہونے کی بھی کوئی علامت نہیں تھی۔ میں نے اپنی گردن پر ان سیاہی مائل نیلی لکیروں کو چھو کر دیکھا۔ چھونے سے مجھے درد کا ہلکا سا احساس بھی ہوا اور میں حیران نظروں سے اپنے ہی عکس کو دیکھتا رہا جو بات میں نہیں سمجھ سکتا تھا وہ میرا عکس کیسے سمجھتا' وہ مجھے حیرت سے گھورتا رہا۔

مجھے معلوم تھا کہ کچھ لوگ نیند میں چلنے کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں مگر اول تو یہ عارضہ مجھے کبھی لاحق ہی نہیں ہوا تھا۔ دوسرے یہ تصور کرنا کہ میں نے سوتے میں اپنے ہاتھوں سے اپنا ہی گلا گھونٹنے کی کوشش کی' ناممکن تھا۔ اپنی ہی گردن کو اتنی قوت سے دبانا کہ گلے پر نیل پڑ جائیں' عقل میں آنے والی بات بھی نہیں تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں ایسے ہی پراگندہ خیالات میں الجھا رہا تو یقیناً پاگل ہو جاؤں گا۔ عافیت اسی میں تھی کہ میں سب کچھ بھول کر جلد از جلد گھر سے نکل جاؤں۔ میں نے بڑی عجلت میں موزے جوتے اور کوٹ اٹھالیا۔

کوٹ پہن کر میں روانہ ہونے ہی والا تھا اور عادت کے مطابق کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال لیا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے چونک کر ہاتھ جیب سے باہر نکال لیا۔ میں آنکھیں پھاڑ کر اس سیاہ بٹن کو دیکھ رہا تھا جو کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا تھا میرے براؤن رنگ کے کوٹ میں لگے تمام بٹن پورے تھے اور ان کا رنگ بالکل مختلف تھا۔ میں نے وہ بٹن ہتھیلی سے اٹھالیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ یہ وہی بٹن تھا جو خواب میں اس اجنبی کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کے دوران میں ٹوٹ کر میرے ہاتھ میں آگیا تھا۔ میرے لیے اس بات کو جھٹلانا ناممکن تھا کیونکہ اس ساخت اور رنگ کا بٹن میرے کپڑوں اور کوٹ میں تھا ہی نہیں۔۔۔ اور ہوتا بھی تو ٹوٹ کر اس براؤن کوٹ کی جیب میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"پھر یہ بٹن کہاں سے آیا؟ خوابوں کی بے وجود دنیا سے عالم وجود تک کیسے پہنچا؟"

میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات بگولوں کی طرح چکراتے رہے لیکن میری عقل ان کا جواب دینے سے قاصر تھی۔ میں یادداشت کے ذریعے اس بھیانک خواب کو ذہن میں دہرانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس لڑکی کا چہرہ میرے ذہن کی اسکرین پر ابھرا۔۔۔ وہی چہرہ جسے میں نے خواب میں روشنی کے ہالے میں مقید تیرتا ہوا دیکھا تھا۔ مجھے یقین سا ہونے لگا کہ وہ کہیں بھی نظر آئی تو اسے میں فوراً پہچان لوں گا۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے اس مرد کی لاش اٹھا کر پشت پہلو کمرے میں نمودار ہونے والی الماری میں ٹھونس کر دروازہ مقفل کر دیا تھا اور چابی اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔ چابی کی عجیب و غریب ساخت میرے ذہن میں تھی۔

"کیا وہ چابی بھی میری جیب میں ہوگی؟" اچانک یہ خیال میرے ذہن میں ابھرا جسے میں جھٹلا نہیں سکتا تھا لیکن جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بھی ڈرتا تھا۔ خوف کا آسیب میری سوچنے' سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کر رہا تھا۔ مجھے قطعاً احساس نہیں تھا کہ میں ہنوز عالم خواب میں ہوں یا جاگ رہا ہوں۔ نہ جانے کیوں مجھے یقین سا تھا کہ وہ چابی میری جیب میں پڑی ہے لیکن اس یقین کو بے بنیاد ثابت کرنے کے لیے میرا ہاتھ جیب کی طرف نہیں بڑھ رہا تھا کیونکہ چابی کے برآمد ہو جانے کی صورت میں میرے لیے خواب کے واقعات کو حقیقی زندگی کا حصہ سمجھ لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا تھا۔

آخر کار میں نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ عملی زندگی میں بے سبب کچھ نہیں ہوتا۔ ہر واقعے کے پیچھے کوئی پس منظر ضرور ہوتا ہے۔ حقیقت سے آنکھیں چرا کر اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

میں نے اپنا ہاتھ دوسری جیب میں ڈال دیا۔ رومال کے نیچے میری چابیوں کا گچھا موجود تھا لیکن جب میں نے بند مٹھی کھولی تو ہتھیلی پر ایک چابی مجھے سے الگ' تمام چابیوں سے

منفرد اور نمایاں نظر آرہی تھی۔ یہ وہی چابی تھی۔ اس کے بالائی حصے پر شیشے کا ننھا سا شفاف لٹو بنا ہوا تھا اور اس کی تہ میں ایک ننھا سا سرخ گلاب کا پھول بنا ہوا تھا۔ پیتل کی بنی ہوئی دو انچ لمبی چابی بہت خوب صورت تھی اور میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔

میں نے گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ آسمان روشن تھا اور ہر طرف چمکتی ہوئی دھوپ کی اجلی چادر تنی ہوئی تھی۔ اگر رات ہوتی تو میں سمجھتا کہ خواب ہنوز جاری ہے۔ باہر معمولاتِ زندگی کا ہنگامہ برپا تھا اور میں اپنے کمرے میں خواب اور حقیقت کے درمیان بے یقینی کے خلا میں معلق تھا۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کمرا آسیب زدہ ہے اور اس میں کسی مافوق الفطرت شیطانی قوت کا بسیرا ہے جس نے مجھے اپنے طلسم کا اسیر کرلیا ہے۔ مجھے اپنے ہی گھر کی دیواروں سے خوف آنے لگا۔

میں سر تھام کر مسہری کے کونے پر بیٹھ گیا۔ یہ خواب نہیں تھا جو کچھ میں نے دیکھا۔ صدفی صد حقیقت تھی۔ نیند میں یا نشے کی حالت میں رات میں نے کسی کو قتل کردیا ہے لیکن کسے؟ کہاں اور کیوں؟ گزشتہ شام تو میں نے پی ہی نہیں تھی پھر نشے میں اس حد تک مدہوش ہوجانا تو ممکن ہی نہیں کہ کسی نامعلوم مقام پر پہنچ کر میں کسی اجنبی کو بغیر کسی عداوت' بغیر کسی وجہ کے قتل کردوں اور مجھے خبر تک نہ ہو۔

اکثر مے نوشوں کو اپنے بارے میں یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ وہ پی کر مدہوش نہیں ہوتے لیکن میں اپنے بارے میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کیونکہ میں نے ایک حد مقرر کی ہوئی ہے اور اس سے تجاوز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ سکندر اور فرزانہ کے بارہا اصرار کے باوجود میں کرائے کے اس فلیٹ میں تنہا رہتا ہوں۔ میری اپنی ایک دنیا ہے جس میں کسی کی روک ٹوک برداشت نہیں کرسکتا۔ میرے فلیٹ میں اکثر ہم پیالہ و ہم نوالہ دوستوں کی چوپال جمتی تھی' پینے پلانے کا دور چلتا اور خوب انجوائے کیا جاتا تھا۔ سکندر اور فرزانہ کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے اپنی ان سرگرمیوں کو خیرباد کرنا پڑتا جو مجھے منظور نہ تھا۔

بہرحال' میں خیالات کے بے ہنگم' بے ترتیب اور بے سروپا سلسلے کو عقل کی مدد سے منطقی انداز میں سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ یہ تو طے تھا کہ وہ محض خواب نہیں تھا۔ خواب کے آثار حقیقی زندگی میں بالکل نہیں تھے۔ مقتول سے میری دوستی دشمنی تو کیا' میں اس کا صورت آشنا بھی نہیں تھا۔ وہ لڑکی جس کی صورت کے نقوش میرے تصور میں زندہ تھے' قطعاً میرے لیے اجنبی تھی۔ میں کسی کا دشمن نہیں تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ میرا بھی کوئی دشمن نہیں۔۔۔ پھر۔۔۔؟ مجھے قتل کرنے کی کوشش میں خود مقتول ہوجانے والا شخص کون تھا؟

میں نے سنا تھا کہ ہپناٹزم کے ذریعے عامل اپنے معمول سے بے خبری میں بہت کچھ کرا لینے کی صلاحیت اور اختیار رکھتا ہے لیکن میں نے یہ بھی پڑھا اور سنا تھا کہ ہپناٹزم کی کیفیت میں بھی کسی معمول سے کوئی ایسا کام نہیں کرایا جاسکتا جسے لاشعوری طور پر اس کا ذہن قبول نہ کرے۔۔۔ کوئی جرم یا خلافِ قانون کام' یا کوئی غیر اخلاقی فعل۔۔۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ مجھے کسی نے ہپناٹزکیا اور اپنے کسی دشمن کو میرے ہاتھوں مروا دیا۔ یہ بات میرا ذہن قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی نہیں تھی کیونکہ میرا ارادہ کسی کو قتل کرنے کا نہیں تھا۔ صورتِ حال اس کے برعکس تھی۔ یعنی ایک اجنبی مجھے قتل کرنے پر کمربستہ تھا مگر ایک غیر متوقع اتفاق کے باعث خود مارا گیا۔

سوچ سوچ کر میرے سر میں درد ہونے لگا پھر میں یہ سوچ کر اٹھا اور دروازہ مقفل کرکے باہر نکل گیا کہ شاید لوگوں کے ہجوم میں ان اعصاب شکن اور پریشان کن خیالات کی یلغار تھم جائے۔ معمول کے مطابق میں نے ایک ہوٹل میں ناشتا کیا اور دفتر روانہ ہوگیا۔

میں دفتر میں مصروف رہ کر ان پراگندہ خیالات سے خود کو بچانے کی کوشش کرتا رہا لیکن ناکام رہا۔ میرے ذہن میں گویا دو چہرے نقش ہوکر رہ گئے تھے۔ ایک اس لڑکی کا اور دوسرا اس مرد کا جسے لڑکی نے میرے ہاتھوں مروا دیا تھا۔ اس لڑکی نے یقیناً مرد کے اعتماد کو آخری لمحات میں بڑا جان لیوا دھوکا دیا تھا۔ مرنے والے کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ لڑکی کے ذہن میں کیا ہے ورنہ وہ مجھے مارنے کے لیے اس سے خنجر نہ مانگتا جس سے خود اس کی جان چلی گئی۔ وہ مجھ پر تقریباً غالب آچکا تھا۔ عین آخری لمحات میں اس کی فتح شکست میں بدل گئی اور بجائے مجھے مارنے کے خود مارا گیا۔

بار بار میں ان خیالات سے نجات پانے کے لیے خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا کہ خواب کی بات رات کے ساتھ ختم ہوگئی مگر میری کلائی پر خراش کا نشان' میری گردن پر انگلیوں کے سیاہ نشانات' ایک بٹن اور ایک عجیب و غریب چابی' میرے یقین کو متزلزل کررہے تھے۔

لنچ کا وقت ہوگیا لیکن میں دفتر سے باہر نہیں نکلا۔ کچھ کھانے کو میرا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ شام کو میں دفتر کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہی اٹھ گیا۔ باہر نکل کر میں بے مقصد چلتا رہا۔ میرے قدم فاصلے طے کرتے رہے اور ذہن میں خیالات کی جنگ جاری رہی۔ آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ مسئلہ

کسی ہمدرد کے سامنے بیان کرکے اس سے مدد کی درخواست کی جائے۔ میری نظر میں ایسا آدمی صرف ایک تھا' سکندر.... میرا بہنوئی۔ وہ ذہین' صاف گو اور ہمدرد شخص تھا لیکن ایک قباحت تھی۔ وہ خفیہ پولیس میں انسپکٹر تھا لیکن یہ سوچ کر میں نے خود کو تسلی دی کہ آخر وہ میرا بہنوئی بھی تو ہے۔ وہ جو بھی مشورہ دے گا' خلوصِ دل سے اور نیک نیتی سے دے گا۔

○☆○

"جی... فرمائیے؟" دروازہ فرزانہ نے کھولا تھا اور مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اجنبیوں کی طرح پوچھا "آپ کو کس سے ملنا ہے؟" پھر وہ آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے طنز سے مسکرا کر بولی "آپ کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے پہلے بھی کہیں آپ کو دیکھا ہے۔"

میں اس کے طنز کو پی گیا کیونکہ اس کی شکایت بجا تھی۔ قصور سراسر میرا تھا۔ میں ہفتوں اور بعض اوقات مہینوں تک فرزانہ کو نہ اپنی شکل دکھاتا تھا اور نہ اس کی خبر لیتا تھا۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بڑی بہن سے بے خبر رہنا کچھ مناسب بھی نہیں تھا لیکن میں اس سلسلے میں کیا کرتا۔ کچھ تو مصروفیات کے باعث اور دوسرے میرے بہنوئی کی رہائش معمار کمپلیکس میں ہونے کے باعث' کئی بار پروگرام بنانے کے باوجود سستی کے مارے نہیں جا پاتا تھا۔

سکندر ابھی ڈیوٹی سے لوٹا نہیں تھا۔ کافی دیر تک میں فرزانہ کی جلی کٹی سنتا رہا۔ خدا خدا کرکے سکندر کے آنے پر میری گلوخلاصی ہوئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور میں نے رات کے کھانے تک اپنے رویے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں سکندر سے مشورہ لینے کی غرض سے آیا ہوں۔ جب فرزانہ برتن سمیٹ کر باورچی خانے میں چلی گئی تو میں نے سکندر کی طرف جھکتے ہوئے رازدارانہ انداز میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"تو کس نے روکا ہے تمہیں؟" وہ دانتوں میں خلال کرتے ہوئے بے پروائی سے میری بات کاٹتے ہوئے بولا "وہ کیا کہتے ہیں... ہاں... ہمہ تن گوش' ہم ہمہ تن گوش ہیں' فرمائیے؟"

"یہاں نہیں۔" میں نے بدستور سرگوشی میں کہا "کہیں باہر چلیے۔"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا "کیا بات ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا "خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں' میں ایک اہم مسئلے پر مشورہ چاہتا ہوں۔"

"بھئی' ایسا کیا مسئلہ درپیش ہیں تمہیں؟ کھل کر بات کرو۔"

"یہاں نہیں سکندر بھائی۔" میں نے کہا "میں نہیں چاہتا کہ یہ باتیں فرزانہ سنے۔"

"اچھا!" اس نے حیرت سے کہا اور میری صورت کو غور سے دیکھتے ہوئے اندازہ کرلیا کہ معاملہ سنگین ہے۔

"چلو۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا "پارک میں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔"

ہم دونوں سکندر کے گھر کے نزدیک ہی ایک پارک کی طرف چل دیے۔

"سکندر بھائی!"... اس کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے میں نے کہا "میری بات سننے سے پہلے تو آپ یہ وعدہ کیجیے کہ آپ مذاق نہیں سمجھیں گے.... اور میں جو کچھ بھی کہوں گا' یقین کیجیے کہ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہوگا۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"ہوں۔" سکندر نے سگریٹ سلگا کر ہنکارا بھرا اور میری طرف دیکھ کر بولا "اطمینان رکھو کہ میں تمہاری باتیں سنجیدگی سے سنوں گا اور میں نے تو تمہاری صورت دیکھتے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ تم پریشان ہو البتہ تم نارمل نظر آنے کی اپنی سی کوشش کرتے رہے لیکن تمہاری حرکات سے اضطراب واضح تھا۔ بہرحال مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ؟" میں نے گویا اپنے آپ سے کہا۔ پارک کی ایک بینچ پر بیٹھ کر میں نے مناسب الفاظ کے انتخاب کے لیے سر جھکا لیا پھر سگریٹ سلگا کر سکندر کی طرف دیکھا۔ "بات بہت عجیب ہے۔" میں نے کہا "کل رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔"

"خواب!" سکندر گویا اچھل پڑا "تم مجھے اپنا خواب سنانے کے لیے یہاں لائے ہو؟" اس نے گویا سخت برا مناکر کہا۔

"ہاں۔" میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔" میں نے اس کی کیفیت کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "خواب میں' میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کردیا ہے... جو مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔"

سکندر تھوڑی دیر تک مجھے گھورتا رہا پھر بولا "کون تھا وہ شخص؟ جسے تم نے بقول تمہارے' خواب میں قتل کردیا ہے۔ ویسے کہا جاتا ہے کہ خواب ان خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں جو حقیقی زندگی میں پوری نہ ہوں۔"

"وہ شخص میرے لیے بالکل اجنبی تھا۔" میں نے کہا پھر میں نے خواب کے واقعات پوری تفصیل سے' بغیر کسی ترمیم کے سنادیے۔ اس کے بعد صبح کے انکشافات کا ذکر کیا۔ سکندر نے شہادتوں کا تفصیلی معائنہ کیا۔ کلائی اور گردن پر نشانات اب بھی واضح اور نمایاں تھے پھر میں نے جیب سے

بٹن اور چابی نکال کر اسے دکھائی۔
"وہ لڑکی بھی تمہارے لیے اجنبی تھی؟" سکندر نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"جی ہاں۔" میں نے جواب دیا "لیکن خواب میں میرا احساس اس کے برعکس تھا۔"
"یاد کرنے کی کوشش کرو۔ شاید تم اسے کہیں مل چکے ہو یا ممکن ہے تمہاری اس سے "شناسائی" رہی ہو۔"
"اپنی یادداشت کو دن بھر کریدنے کے باوجود میں اس لڑکی سے آشنائی کا کوئی سبب دریافت نہیں کرسکا۔" میں نے اس کے طنز کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "لیکن خواب میں میری کیفیت مختلف تھی ... میرا خیال تھا کہ وہ اجنبی نہیں ہے۔"
"گڑبڑ تمہارے لاشعور میں ہے۔" سکندر نے گویا میرا مکمل نفسیاتی جائزہ لے کر فیصلہ صادر کیا "ممکن ہے وہ کوئی فلم اسٹار ہو جسے تم نے سینما یا ٹی وی کی اسکرین پر دیکھا ہو' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم اس کی تصویر فلمی اخبار میں دیکھ چکے ہو یا وہ لڑکی تمہیں کسی پارٹی میں ملی' تمہارے ساتھ شریکِ سفر رہی یا محض سامنے سے گزر گئی لیکن تمہارے ذہن پر اپنا بھرپور تاثر چھوڑ گئی ... بہرحال' اس مرد کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"وہ بھی میرے لیے اجنبی تھا۔" میں نے جواب دیا "خواب کے دوران میں بھی مجھے یہ احساس تھا کہ میں نے اس شخص کو پہلے کبھی نہیں دیکھا مگر یہ احساس بھی اس وقت ہوا جب میں اس کو قتل کرچکا تھا۔ اس سے پہلے مجھے اس کی صورت واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جب میں نے اس کے جسم کو الماری میں کھڑا کرکے دروازہ بند کردیا تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد الماری کا مقفل دروازہ خود بہ خود دھیرے دھیرے کھلنے لگا۔ تب میں سخت خوف زدہ ہوگیا تھا اور اسی لمحے میری آنکھ کھل گئی اور خواب ٹوٹ گیا۔"
"ہوں۔" سکندر نے سگریٹ کا کش لگا کر ہنکارا بھرا۔ اس کی صورت سے یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ میری بات پر کس حد تک یقین کررہا ہے۔
"میں کسی ایسے کمرے کا تصور بھی نہیں کرسکتا جس کی آٹھ دیواریں اور آٹھ دروازے ہوں اور اس کا ہر دروازہ قدِ آدم آئینہ ہو۔" سکندر نے قدرے توقف کے بعد کہا "ممکن ہے اس قسم کے آئینہ خانے لوگ اپنے گھروں میں بنواتے ہوں۔ تم کبھی اس طرح کے کمرے میں گئے ہو؟"
"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"ممکن ہے کسی فلم وغیرہ میں تم نے ایسا کوئی کمرا دیکھا ہو جو اپنی منفرد ساخت کی وجہ سے تمہارے لاشعور کے ذہن پر اپنا نقش چھوڑ گیا ہو؟"
میں نے پورے یقین کے ساتھ نفی میں سر ہلا دیا۔
سکندر نے آخری کش لے کر سگریٹ اچھال دیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا "خواب کو چھوڑو' مجھے یہ بتاؤ کہ کل شام تم کہاں تھے؟ خواب تم نے سوتے ہوئے دیکھا تھا۔ سونے سے پہلے تم کیا کرتے رہے؟"
"کچھ نہیں۔" میں نے جواب دیا "معمول کے مطابق دفتر سے گھر آگیا تھا پھر ہر روز کی طرح کھانا کھانے کے لیے نکلا اور تقریباً ایک گھنٹے کے بعد لوٹ آیا تھا۔"
خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا۔
"توصیف!" آخر کار سکندر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں خواب کو محض خواب سمجھ سکتا ہوں جو آنکھ کھلنے کے بعد بے وجود ہوجاتا ہے لیکن میں یہ ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ ایک چابی جو تم نے خواب میں دیکھی اور جاگے تو جیب میں پائی۔"
"پھر ... وہ چابی میری جیب میں کیونکر موجود تھی؟" میں نے پوچھا "آپ اس کی کیا توجیہہ کریں گے؟"
"توجیہہ کیا ... طے شدہ طور پر وہ چابی پہلے سے ہی تمہاری جیب میں تھی۔ تم نے غیر ارادی طور پر راہ چلتے ایک چابی دیکھی' تم نے وہ اٹھالی اور جاگے تو وہ جیب میں پائی۔"
"کیا یہ ایسی چابی ہے جسے آدمی راہ چلتے اٹھالے اور حیران نہ ہو؟" میں نے کہا "آپ نے کبھی ایسی چابی دیکھی ہے؟"
"ممکن ہے کسی کی چابی تمہاری جیب میں گر گئی ہو۔" سکندر نے خیال ظاہر کیا "ایسا ہوسکتا ہے کسی بس میں یا کہیں بھی جہاں بھیڑ ہو۔ کسی کے ہاتھ سے چابی گری اور تمہارے کوٹ کی جیب میں۔"
"ان تمام امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے سارا دن گزار دیا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں تمام بعید از قیاس وجوہات پر بھی غور کرچکا ہوں لیکن میرا یقین متزلزل نہیں ہوا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ گزشتہ رات یہ چابی میرے کوٹ کی جیب میں نہیں تھی۔ یہ سوٹ ڈرائی کلین ہوکر آیا تھا۔ جب میں کپڑے دھلنے کے لیے دیتا ہوں تو جیبوں کو خالی کرلیتا ہوں۔ یہ چابی جیب میں ہوتی تو مجھے تین دن پہلے مل گئی ہوتی ... اگر فرض کرلیا جائے کہ چابی رہ گئی تھی یا ڈرائی کلینر کے پلانٹ میں کسی اور کوٹ کی جیب سے میری جیب میں منتقل ہوگئی۔ ایسی صورت میں استری کے وقت چابی دریافت نہ ہوتی تب بھی اوپر کے حصے پر چابی کا نقش ضرور آجاتا لیکن کسی جیب پر بھی باہر سے دیکھنے پر مجھے کوئی نشان نہیں ملا۔"

"میں تمہاری اس بے سروپا بات کو کیسے مان لوں۔" سکندر گویا زچ ہو کر بولا "اگر تم نے خواب میں کسی کو قتل کیا تھا تو پریشانی کا مطلب ہے تمہیں فوراً کسی ماہر نفسیات سے رجوع کرنا چاہیے۔ خواب میں قتل کرنا جرم نہیں ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ یہ بٹن اور چابی تمہارے پاس کہاں سے اور کیسے آئے ... اگر تم نے حقیقی زندگی میں کوئی قتل، کوئی جرم نہیں کیا تو بات ختم!"

"میرا خیال تھا کہ آپ میری پریشانی کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے مایوسی سے کہا "لیکن آپ نے کچھ نہیں کیا۔"

"خدا کے بندے ... آخر تم چاہتے کیا ہو؟" سکندر نے اٹھتے ہوئے کہا "گرفتار کرلوں تمہیں اس اعترافِ جرم پر؟ میرا دماغ تو خراب نہیں ہوا۔"

"دماغ میرا بھی خراب نہیں ہے۔" میں نے بھنا کر کہا۔

سکندر نے میرا دل رکھنے کے لیے اثبات میں یوں سر ہلایا جیسے ضدی بچے کے ساتھ دماغ کھپانے کے بجائے مان لیا جائے کہ وہ دن کو رات کہنے پر مصر ہے تو رات ہی سہی۔

اس رات میں اپنے فلیٹ پر جانے کے بجائے سکندر کے گھر پر ہی ٹھہر گیا۔ رات بھر اسی معاملے پر سوچتے ہوئے سگریٹیں پھونکتا رہا۔ سکندر کے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں خواب کو محض ایک خواب سمجھ کر نظر انداز کرسکتا تھا لیکن وہ چابی ...؟ اگر یہ کسی ایسے تالے کی تھی جو اسی شہر میں ایک ہشت پہلو آئینہ خانہ کی دوشیدہ الماری میں نصب تھا تو اس الماری میں ایک لاش مقفل تھی اور اس نامعلوم شخص کا قاتل میں تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ آئینہ خانہ کہاں ہے؟ وہ شخص کون ہے؟ میں نے اسے قتل کیا ہے تو کیوں کیا ہے؟ اس کی وجوہات کیا ہیں؟

سوچتے سوچتے اور کروٹیں بدلتے رات کے آخری پہر میری آنکھیں بند ہونے لگی تھیں کہ کسی نے میری ٹانگ پکڑ کر مجھے گھسیٹ لیا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سکندر نے قہقہہ لگایا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا "پھر کوئی پُراسرار خواب چل رہا تھا؟" اس نے ٹانگیں میز پر پھیلا دیں۔

میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں نے دیکھا، وہ محض خواب نہیں تھا۔"

"پھر کیا تھا؟" سکندر نے کہا "تمہاری بے وقوفی میں کوئی شک نہیں۔ تم بہت زبردست قسم کے بے وقوف ہو لیکن بہرحال اتنے معصوم بھی نہیں کہ خواب اور حقیقت میں تمیز نہ کرسکو۔ تم نے نشے کی عادت کے باعث بارہا ایسے کام کیے جو تمہارے لیے نہ سہی ہمارے لیے شرمندگی کا باعث ضرور بنے، البتہ وہ بے ضرر قسم کے مسائل تھے لیکن اب تم یہ عجیب و غریب کہانی لے کر میرے پاس آئے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ آخر یہ چکر کیا ہے؟"

"چکر ...!" میں نے گہرا سانس لے کر اٹھتے ہوئے کہا "چکر تقدیر کا ہے بھائی! جس نے آپ کو پولیس انسپکٹر ہی نہیں میرا بہنوئی بھی بنا دیا ہے۔"

"اب کیا ارادے ہیں تمہارے؟" سکندر نے پوچھا۔

"میں نے کچھ دنوں کے لیے آپ کو شرفِ میزبانی بخشنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے میں نے کہا۔ "فون کرکے دفتر سے بھی کم سے کم پندرہ دن کی چھٹی لے لوں گا۔"

"بات صرف خواب کی نہیں ہے بیٹے۔" میں نے عقب میں سکندر کا قہقہہ سنا "کوئی چکر ضرور ہے ورنہ تم اپنے فلیٹ پر جاتے ہوئے نہ ڈرتے۔"

○☆○

ناشتے کے بعد جب سکندر ڈیوٹی پر چلا گیا اور فرزانہ گھر کے کام کاج میں مصروف ہوگئی تو میں نے ایک خیال کے تحت کمرے میں جاکر اخبار میں اشتہار دینے کے لیے بہت سوچ سمجھ کر مضمون تیار کیا۔

"ضرورت ہے۔" کے تحت میں نے اس اشتہار کا مضمون اس طرح تیار کیا۔

"ایک ایسے مکان کی ضرورت ہے جس میں کم از کم ایک ہشت پہلو کمرا ہو اور ہر دروازہ ایک دیوار نظر آتا ہو۔ دروازے کے ہر پٹ پر آئینہ نصب ہونا ضروری ہے۔ محدود مدت کے لیے کرائے پر درکار ہے۔ ایسا مکان فروخت کرنے والے بھی رابطہ کرسکتے ہیں۔ مکان کا سائز، جائے وقوع، قیمت اور کرائے کی اہمیت ثانوی ہے۔ ایک فلم کی شوٹنگ کے لیے یہ کمرا خصوصی ضروریات کے لیے درکار ہے۔"

اپنے نام کی جگہ میں نے پوسٹ بکس نمبر دیا اور اشتہار کو ایک کثیر الاشاعت اخبار میں اگلے روز نمایاں طور پر شائع کرنے کے لیے دے دیا۔ میرے خیال میں اس اشتہار کے جواب میں ضرور کوئی پیش رفت ہوسکتی تھی۔

ڈاک سے موصول ہونے والے دو خطوط مجھے تیسرے دن ملے مگر وہ میری توقعات پر پورے نہیں اترے۔ ایک کمرا چھ دیواروں والا تھا اور خط لکھنے والی خاتون نے مشورہ دیا تھا کہ اس سے کام چلایا جاسکتا ہے۔ دوسرے کمرے کی آٹھ دیواریں تھیں مگر ان میں دروازے صرف چار تھے اور ان میں سے کسی میں بھی آئینہ نصب نہیں تھا مگر دیگر چار دیواریں شیشے سے بنائی گئی تھیں۔ چوتھے روز کوئی خط نہیں ملا لیکن خلافِ توقع پانچویں دن ایک ساتھ چھ خطوط موصول ہوئے جو خاصی حیران کن بات تھی۔

مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ اس شہر میں اتنے سارے لوگوں کے گھروں میں ایسے عجیب و غریب کمرے دستیاب تھے مگر خطوط کھول کھول کر دیکھنے پر میری حیرت رفع ہوگئی۔ تین خطوط تو تعمیراتی فرموں کی جانب سے تھے۔ انہوں نے پیش کش کی تھی کہ وہ کسی بھی مکان میں عین میری ضروریات کے مطابق ایک کمرا کم سے کم لاگت میں تیار کرسکتے ہیں۔ دو حضرات نے لکھا تھا کہ کمرا دستیاب ہو تو وہ اسے بالکل ویسا بنادیں گے جیسا میں چاہتا ہوں۔ چھٹا خط ایک شخص نے لکھا تھا جو نام کا نواب رہ گیا تھا اور نیشنل ہائی وے پر مشرق کی جانب واقع ایک عظیم الشان کوٹھی میں ایک کمرا میری مرضی کے مطابق بنوا کر دینے کے لیے تیار تھا بشرطیکہ وہ محل نما کوٹھی میں خرید لوں جس کی دیکھ بھال اب اس کی بساط سے باہر ہوچکی تھی۔ انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ ان کی کوٹھی میں' میں اسٹوڈیو قائم کرسکتا ہوں۔ وہ محل نما طویل و عریض کوٹھی بہترین لوکیشن میں گھری ہوئی تھی۔

میں نے یہ خطوط بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال دیے۔ اشتہار بے سود ثابت ہوا تھا۔ پانچ دن بعد کامیابی کے امکانات معدوم ہوچکے تھے مگر دسویں دن پھر ایک خط آگیا اور مجھے مایوسی کے اندھیرے میں امید کی ایک کرن کا سہارا مل گیا۔ خط ایک اداکارہ نے لکھا تھا۔ جس کا ذاتی مکان تھا جو اس نے گلشن اقبال میں بڑے شوق سے بنوایا تھا مگر لاہور میں اپنی فلمی مصروفیات کے باعث عرصہ دراز سے خالی پڑا ہوا تھا اور اب اس نے طے کیا تھا کہ اسے فروخت کردینا ہی بہتر ہوگا۔ اس میں ایک کمرا ایسا تھا جس کو ضرورت کے تحت' دروازے سے کھسکا کر سات یا آٹھ دروازوں والا کمرا بنایا جاسکتا تھا۔ کھسکنے والے چار دروازے دیگر چار دیواروں پر فٹ ہوجاتے تھے اور اس طرح ہشت پہلو آئینہ خانہ بن جاتا تھا بس اس میں وہ خفیہ الماری نہیں تھی جس میں خواب کے دوران میں ایک لاش بند کی تھی اور وہ قفل نہیں تھا جس کی چابی مجھے جاگنے کے بعد اپنی جیب میں ملی تھی۔۔۔ مگر اب وہ سکندر کے پاس تھی۔

مایوس ہوکر میں نے اس سلسلے میں مزید تلاش ترک کردی۔ اگلی صبح سکندر نے حسب عادت طلوعِ آفتاب سے قبل ہی میری ٹانگ کھینچ کر گھسیٹا اور مجھے نیند سے بیدار کیا۔

"آپ شریفانہ انداز میں مجھے نہیں جگا سکتے؟" میں نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"شریفانہ انداز میں!" اس نے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے ہلکا سا قہقہہ لگایا "یہ قدرے شریفانہ انداز ہے ورنہ تمہیں جگانے کے لیے مجھے مسہری کو پلٹ دینا چاہیے تھا لیکن افسوس کہ میں مسہری کو پلٹ نہیں سکتا۔۔۔ ویسے تم نے جو اخبار میں اشتہار دیا تھا' اس کا کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے مایوسی سے کہا "آپ نے مجھے اتنی صبح کیوں اٹھادیا؟"

"اتنی صبح!" اس نے مصنوعی حیرت سے کہا "سالے صاحب! سات بج رہے ہیں۔ جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ تمہاری بہن آج پکنک کے موڈ میں ہے اور بدقسمتی سے میں اس کا شوہر ہی نہیں شوفر بھی ہوں اور مزید بدقسمتی یہ کہ تم اس کے بھائی ہو۔ اس لیے میں تمہاری بہن کی فرمائش پر تمہیں مدعو کرنے پر مجبور ہوں۔"

○☆○

ساحلِ سمندر پر پکنک پوائنٹ سکندر نے دریافت کیا تھا۔ بقول اس کے وہ جگہ تفریح کے لیے شاندار تھی لیکن وہاں پہنچنے کے بعد مجھے سخت مایوسی اور کوفت ہوئی کیونکہ چٹانوں میں گھرا وہ ساحلی مقام تفریح کے لیے ہرگز مناسب نہ تھا۔ اس سے کہیں بہتر تھا کہ سفاری پارک یا سینڈزپٹ کا رخ کیا جاتا لیکن سکندر اپنے دعوے سے دست بردار نہ ہوا۔ یہ بعد میں معلوم ہوا کہ سکندر کہیں اور جانا چاہتا تھا لیکن ہائی وے سے ذیلی سڑک پر آنے کے بعد اس کا جغرافیہ غلط ہوگیا اور ہم کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔

سکندر نے چٹانوں کے درمیان کار روکی اور پھر ہم نے مل کر سامان اتارا۔ ہم نے منہ ہاتھ دھویا اور پھر کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے بعد میں اور سکندر ریت پر لیٹے نیلے آسمان کو تکتے رہے اور سگریٹ پھونکتے رہے۔ بس یہی پکنک تھی۔ کوئی قابلِ دید منظر نہیں تھا۔ اگر سکندر کا احترام مدِنظر نہ ہوتا تو میں اسے جی بھر کر گالیاں دیتا۔۔۔ بہرحال اسے گالیاں تو میں اس وقت بھی دے رہا تھا لیکن دل ہی دل میں۔ اس طرح پورا دن گزر گیا اور شام ہوگئی۔

فرزانہ بھی خاصی بور ہورہی تھی۔ اس نے ہمیں افق کے ایک کنارے سے امنڈتی ہوئی گھٹا کی طرف متوجہ کیا۔ بادل سیاہ اور خاصے خطرناک نظر آتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر

انصاف پسندی

سرکاری دفتر میں ایک کلرک دوسرے کلرک سے کہہ رہا تھا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ سیکرٹری صاحب کمینے ہیں مگر وہ انصاف پسند ہیں۔"

"وہ کیسے؟" دوسرے کلرک نے پوچھا۔

"وہ ہر ایک کے ساتھ کمینگی سے پیش آتے ہیں۔" پہلے کلرک نے جواب دیا۔

بعد ہمارے اندیشے درست ثابت ہوئے اور بادل سر پر آپہنچے' یہ برسنے والے بادل تھے۔ محض گرجنے والے نہیں۔ ہم نے بڑی عجلت میں سامان سمیٹا اور واپسی کے سفر کا آغاز کیا۔ سکندر کو اب بھی یقین تھا کہ وہ کسی کی راہنمائی کے بغیر صحیح سمت اور راستے کا تعین کرے گا مگر حسبِ معمول اس کا اندازہ غلط تھا۔ موسم کے تیور دیکھ کر اس نے شارکٹ کٹ اپنایا تھا۔ میں اصرار ہی کرتا رہا کہ اسی سڑک پر چلتے ہوئے ہائی وے کے ذریعے سفر کیا جائے لیکن سکندر نہ مانا۔

بارش اچانک پوری شدت کے ساتھ شروع ہو چکی تھی۔ کچی سڑک پر سفر کرتے ہوئے ہمیں دھندلکے کے باعث چند گز سے آگے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم کراچی کی طرف سفر کر رہے ہیں یا اس کے مخالف سمت میں؟ لیکن رکنے سے چلنا بہتر تھا۔ خدا خدا کر کے ہم آبادی میں داخل ہو گئے لیکن یہ سکندر کا کمال تھا کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ہم کس علاقے میں ہیں جہاں تک میرا اندازہ تھا کہ ہم اونچے نیچے اور تنگ راستوں پر چل کر عن قریب شہر سے پیراڈائز پوائنٹ جانے والی سڑک پر نکلیں گے۔ موسلا دھار بارش اور اندھیرے میں واضح طور پر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔

اچانک میں بری طرح چونک گیا۔ گاڑی اب ہموار سڑک پر رواں تھی۔ ایک موڑ پر کسی ارادے کے بغیر میں نے کہا "سکندر! موڑ ختم ہونے پر بائیں جانب ایک کچا راستہ نظر آئے گا۔ یہ راستہ اسی عمارت کی طرف جاتا ہے۔

"کون سی عمارت کی طرف؟" سکندر نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کا گیٹ پرانے طرز کا بھاری بھرکم اور محراب دار ہے جس پر لالٹین جیسی گیٹ لائٹس روشن ہوں گی۔ اس کے اردگرد دوسری عمارتیں بھی ہوں گی... لیکن..." اچانک میں خاموش ہو گیا۔ میں نے جو کچھ کہا تھا گویا ہیجانی کیفیت میں بلا ارادہ میری زبان سے الفاظ پھسل گئے تھے۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گاڑی سے باہر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"لیکن کیا...؟" سکندر نے سر گھما کر حیرانی سے مجھے دیکھا "اور تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟ کیا تم یہاں آچکے ہو؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا "آیا تو نہیں... لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اس علاقے کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

فرزانہ نے میری طرف یوں دیکھا جیسے میرا یہ بے موقع مذاق اسے بہت برا لگا ہو۔ سکندر نے اس طرح مجھے گھورا جیسے میرا دماغ چل گیا ہے۔ اپنی بات مجھے بھی عجیب لگی تھی۔ اگر وہ کچا راستہ نظر نہ آتا اور بائیں طرف ایک بڑی سی عمارت کا ہیولا نظر نہ آتا تو میرے لیے اپنی بے سروپا بات کی وضاحت ناممکن ہو جاتی۔ نہ جانے کیا سوچ کر سکندر نے گاڑی کچے راستے پر موڑ لی۔ بارش کے پانی کو مسلسل صاف کرنے والے وائپرز کی ان تھک کوشش کے باوجود ونڈ اسکرین پر دھند سی پھیلی ہوئی تھی۔ ہیڈ لائٹس کا اجالا راہنمائی کے لیے قطعی ناکافی تھا۔

کار زنگ خوردہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو میں نے دیکھا' سکندر کی آنکھیں بیک ویو مرر میں سے مجھے گھور رہی ہیں۔ ایک منٹ کے بعد کار پورچ میں جا رکی اور میں نے فرزانہ کی نظروں کو اس وسیع و عریض عمارت کا جائزہ لیتے دیکھا جو ویران اور تاریک پڑی تھی۔ کسی آسیب زدہ مقبرے کی طرح خاموش اور سوگوار لیکن پُرتمکنت!

"یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا۔" فرزانہ نے کہا پھر اس نے پوچھا "کیا ہم اس عمارت کے اندر جائیں گے؟"

"ہاں' جانا تو چاہیے۔" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

سکندر نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ اس وقت گویا مجھے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ میں نے کہا "ایک چابی برآمدے کے سب سے اوپر والے زینے پر دائیں طرف رکھے ہوئے گملے کے نیچے پڑی ہے۔"

میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ میں نے کچھ نہیں کہا اور ایک خیال کسی وجہ کے بغیر میرے ذہن میں آگیا تھا مگر میں نے سکندر کو بارش سے بچنے کے لیے دوڑ کر برآمدے تک پہنچتے اور چابی نکال کر فرزانہ اور مجھے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تو چند لمحے کے لیے میں ہکا بکا رہ گیا پھر میں نے فرزانہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور ہم ایک ہی جست میں برآمدے تک جا پہنچے۔ میں نے سکندر کو دروازے کا قفل کھولتے ہوئے دیکھا۔

"ہمیں بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔" فرزانہ نے ٹوکا۔

"ہم کسی چیز کو نہیں چھیڑیں گے۔" سکندر نے جواب دیا "یہاں بارش تھمنے کا انتظار کر سکتے ہیں۔"

اندر مکمل تاریکی تھی۔ سکندر لائٹ جلانے کے لیے اندھیرے میں دیوار کو ٹٹولنے لگا۔ اس کا ہاتھ لائٹ کا سوئچ تلاش کر رہا تھا۔ اچانک میں نے کہا "ادھر نہیں' دائیں جانب کو پورچ کا سوئچ ہے۔ بائیں ہاتھ والا سوئچ ہال کی لائٹ کا ہے۔"

تاریکی میں' میں سکندر یا فرزانہ کے چہرے کے تاثرات

تو نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن خود میری یہ کیفیت تھی کہ اپنی بات مجھے کسی اور کی کہی ہوئی لگتی تھی۔ مجھے اپنے آپ پر اتنا اختیار بھی نہیں تھا کہ ذہن میں کسی وجہ کے بغیر جنم لینے والے خیال کو لبوں تک آنے سے پہلے روک لوں۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ ایسا کیوں اور کیسے ہو رہا ہے؟ وہ کون سی قوت ہے جو مجھے آگہی عطا کر رہی ہے۔ میری حیرت پر خوف غالب آنے لگا۔

"توصیف! یہ کس کا مکان ہے؟" فرزانہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "اور تمہیں اس سلسلے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تم یہاں آچکے ہو اور اس حد تک واقف ہو تو چھپا کیوں رہے ہو؟"

میں نے بے بسی سے سکندر کی طرف دیکھا۔ اس نے فرزانہ سے مخاطب ہو کر کہا "کبھی کبھی قیاس آرائی بھی درست ثابت ہو جاتی ہے۔ بہرحال، ہم بارش تھمنے تک یہاں رہ سکتے ہیں۔"

میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ سکندر نے خود غیر مطمئن ہونے کے باوجود فرزانہ کو ٹال دیا تھا۔

ہال کا فرنیچر زیادہ قیمتی نہیں تھا۔ ہال کے انتہائی گوشے سے دونوں جانب دائرے کی شکل میں لکڑی کا زینہ اوپر جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ پیتل کی سلاخوں والا جنگلا تھا۔ فرزانہ نے بڑھ کر دائیں جانب کا ایک دروازہ کھول کر دیکھا اور لائٹ جلائی۔ یہ کمرا بہتر طور پر آراستہ تھا مگر عدم توجہی کا شکار تھا۔ فرنیچر اور فرش پر گرد کی تہ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے مکینوں نے مدت سے اس گھر میں قدم نہیں رکھا۔

"کیسی عجیب بات ہے۔" فرزانہ گویا خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی "یہاں رہنے والا کوئی نہیں لیکن گیٹ لائٹس جل رہی ہیں اور چابی موجود ہے مگر....." اس نے میری طرف دیکھ کر جملہ عمداً نامکمل چھوڑ دیا۔ میں خاموش رہا پھر اس نے مجھے اور سکندر کو بیک وقت مخاطب کیا۔ "کچھ وقت گزارنے کے لیے یہ کمرا کافی ہے سارے گھر میں بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔"

سکندر نے دو سگریٹ سلگا کر ایک مجھے دیا اور مجھے اشارہ کیا۔ ہم فرزانہ کے احتجاج کو نظر انداز کر کے، اسے وہیں رہنے کی تاکید کر کے زینے سے اوپر چلے گئے۔ بالائی منزل پر بہت سے دروازے غیر مقفل تھے۔ سکندر بائیں طرف کے زینے سے چڑھا تھا اور باری باری مخالف سمت کے دروازے کھول کر اندر جھانک رہا تھا۔ دائیں طرف کا زینہ ختم ہوتے ہی میں نے پہلا دروازہ کھول کر دیکھا تو مجھے ایک بیڈ روم نظر آیا۔ دوسرا دروازہ بھی بیڈ روم کا تھا۔ تیسرا دروازہ کھولتے ہی میں نے اپنے مقابل خود کو دیکھا اور بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

عکس گو کہ دھندلا اور مبہم تھا مگر آئینے میں اپنے سراپا کو میں نے شناخت کر لیا تھا۔ اچانک میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور جسم پر نامعلوم خوف کے باعث کپکپی سی طاری ہو گئی "ممکن ہے یہ میرا وہم ہو۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے سوچا اور دوبارہ دروازہ کھولا۔

رفتہ رفتہ آئینہ خانہ باہر کی روشنی کے انعکاس سے واضح ہونے لگا۔ میں نے آئینوں کو شمار کیا۔ آٹھویں آئینے تک پہنچتے پہنچتے میری نظر دھندلا گئی۔ نیم تاریک ہشت پہلو کمرے کے ہر گوشے سے میرا عکس مجھے گھور رہا تھا۔ میں سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔

"توصیف!" سکندر نے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا "ہوش میں آؤ۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ یہ وہی جگہ ہے نا؟"

میرے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی اور جواب میں، میں نے بہ مشکل سر ہلایا۔

"خود کو سنبھالو۔" سکندر نے میرا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔

"وہ.... وہ چابی.... آپ کے پاس ہے نا؟" میں نے سکندر سے پوچھا۔ ٹھنڈا پسینہ میرے جسم پر یوں بہہ رہا تھا جیسے میں کھلے آسمان کے نیچے کھڑا بارش میں بھیگ رہا ہوں۔

"خدا کرے، وہ چابی سکندر کے پاس نہ ہو۔" میں نے

انتباہ

جاسوسی ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے جملہ حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لئے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہیں ہوگا۔

دل ہی دل میں دعا مانگی۔ "خدا کرے' وہ چابی کسی تالے کی نہ ہو... اور یہ... یہ بھی خواب ہو۔"

مگر سکندر نے چابی جیب سے برآمد کرلی تھی اور اب اپنے ہی خواب کا آسیب حقیقت بن کر میرے سامنے آنے والا تھا۔ سکندر نے اس دروازے کو چھوڑ دیا جس سے ہم اندر آئے تھے۔ دیگر سات دروازوں میں سے چار فقط آئینے تھے۔ فریم میں لگے ہوئے آئینے جو دروازوں کا تاثر دیتے تھے۔ اصل دروازے چار تھے۔ ایک ہمارے عین مقابل تھا' دو دائیں اور بائیں ہاتھ پر تھے۔ سکندر نے ایک قفل میں چابی لگائی اور گھمادی۔ دروازہ کھل گیا۔ اس کے عقب میں کچھ بھی نہیں تھا۔

"آپ دونوں اوپر کیا کررہے ہیں؟" زینے سے فرزانہ کی آواز آئی "بارش خاصی کم ہوچکی ہے... چلنا نہیں ہے کیا؟"

"ہم آرہے ہیں۔" سکندر نے سرنکال کر کہا "ذرا توصیف کی شرٹ خشک ہوجائے۔"

"حد ہوگئی' آپ لوگ تو ایسے پُرسکون ہیں جیسے اپنے گھر میں ہوں۔" فرزانہ بڑبڑاتی ہوئی لوٹ گئی۔ سکندر نے واپس آکر دوسرا دروازہ کھولا۔

"توصیف!" اس نے چند سیکنڈ کے بعد کہا۔ میرے دل کی دھڑکنیں لمحہ بھر کے لیے گویا رک سی گئیں۔ میرے تصور میں اس شخص کا چہرہ ابھرا جسے میں نے خواب میں قتل کردیا تھا اور الماری میں ٹھونس دیا تھا لیکن دوسرے دروازے کے پیچھے نمودار ہونے والی الماری میں سے کوئی لاش باہر نہیں گری۔

الماری پر سیاہ پینٹ تھا لیکن ڈائل جیسے تالے کا اصل رنگ برقرار تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے فولادی الماری کو ویلڈنگ ٹارچ سے پگھلا کر کاٹنے کی کوشش کی تھی۔ نیلگوں روشنی اور اس لڑکی کے چہرے کے گرد روشنی کے ہالے کا مطلب میری سمجھ میں آنے لگا تھا۔ نیلی روشنی ویلڈنگ کے شعلے سے پیدا ہورہی تھی اور مقتول یقیناً سیف کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا پھر مجھے کچھ اور یاد آیا۔

"سکندر!" میں نے کہا "میں نے اسے قتل کرنے کے بعد اس الماری میں بند کیا تھا۔" میں نے آخری دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سکندر نے چابی سے دروازہ کھولا اور آئینے والا پٹ سرکنے لگا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے زمین میرے قدموں کے نیچے سے نکلتی جارہی ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ دروازہ کھلتے ہی ایک لاش سکندر پر آگرے گی مگر سکندر دروازہ کھولنے کے بعد سیدھا کھڑا اندر کا جائزہ لیتا رہا۔ اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ سکندر نے لائٹر جلایا اور مدھم سی روشنی میں مجھے خون کے وہ دھبے نظر آئے جو خشک ہونے کے بعد سیاہ پڑچکے تھے لیکن لاش غائب تھی۔ سکندر نے لائٹر بجھادیا اور تاریکی میں لہو کے داغ بھی غائب ہوگئے۔

"مم... میں نے کہا تھا نا..." میں نے بہ مشکل ہکلاتے ہوئے کہا "یہ خون کے دھبے..."

"اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔" سکندر نے سپاٹ لہجے میں کہا "فی الحال یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دھبے انسانی خون کے ہیں... اگر انسانی ہے بھی تو یہ ثابت ہونا باقی ہے کہ کیا وہ مرچکا ہے' جس کا یہ خون ہے... یا صرف وہ زخمی ہوا ہے۔"

ہوسکتا ہے کہ سکندر کے ذہن میں شبہات ہوں جن کا اظہار وہ میرے سامنے مناسب نہ سمجھتا ہو لیکن میرے ذہن میں اب شکوک کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود جو ہنوز ناقابلِ فہم معلوم ہوتی تھیں۔

فرزانہ خود ہی کار سے ٹفن نکال لائی تھی اور اس نے باورچی خانہ دریافت کرکے بچا کھچا کھانا گرم کرلیا تھا۔ سب سے اچھا کام اس نے یہ کیا کہ کافی بھی تیار کرلی۔ اس کی اور ہماری ذہنی کیفیت میں بہت فرق تھا۔ چنانچہ اسے بھوک اور تھکن کا احساس تھا لیکن ہم جسم کی ضروریات کو ذہنی پریشانی میں بالکل بھولے ہوئے تھے مگر فرزانہ کو مطمئن رکھنے کے لیے میں نے اور سکندر نے اس کا ساتھ دیا۔

میرا دماغ بری طرح سے الجھ گیا تھا اور میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوچکی تھی۔ کافی پی کر میں نے محسوس کیا کہ میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت لوٹ رہی ہے اور میرا دماغ کام کرنے لگا ہے۔

"اب تم ایک کام کرو۔" سکندر نے اچانک مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "بارش تھم چکی ہے۔ تم فرزانہ کو فلیٹ پر چھوڑ آؤ۔"

"آپ نہیں چلیں گے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا "میں یہیں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔ تمہیں آنے جانے میں زیادہ سے زیادہ چالیس منٹ لگیں گے۔ زیادہ وقت مت لگانا۔" اس نے گاڑی کی چابی میری طرف بڑھادی۔ اس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ فرزانہ متذبذب ہونے کے باوجود کوئی سوال نہ کرسکی۔

فلیٹ کی طرف جاتے ہوئے فرزانہ نے کرید کرید کر سوالات پوچھے لیکن میں اسے ٹالنے کی کوشش کرتا رہا۔

اسے فلیٹ پر چھوڑ کر جب میں واپس آیا تو مجھے تقریباً ایک گھنٹا ہو چکا تھا۔ سکندر صوفے پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس نے خود ہی کافی گرم کی تھی اور ایک مگ اس نے چینی اور دودھ کے بغیر مجھے پلا دیا۔

"توصیف! خواب کی بات تو ختم ہوئی۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا "اب حقیقت کا اعتراف کرلو۔"

"اعتراف؟" میں نے حیرت سے کہا "آپ کا مطلب ہے کہ میں اعتراف کرلوں کہ اب تک جو کچھ میں نے بتایا' اس میں حقیقت نہیں تھی؟ میں جھوٹ بول رہا تھا۔"

"ہاں۔" سکندر نے قدرے سخت لہجے میں کہا "تم اب تک مسلسل جھوٹ بولتے رہے ہو۔ تم کہتے ہو کہ یہاں پہلے کبھی نہیں آئے لیکن ہمیں راستہ دکھانے والے تم خود تھے۔ تمہیں یہ تک معلوم تھا کہ چابی کہاں ہے اور سوئچ کس طرف ہے۔"

"مم ... میں نے جھوٹ..... نہیں بولا تھا۔" میں نے ہکلا کر کہا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اپنی بات کی وضاحت کیسے کروں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا..."

"قسم کھانے سے مجھے تم پر اعتبار نہیں آجائے گا۔" سکندر نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ تم نے دانستہ یا غیر دانستہ کسی شخص کو قتل کردیا ہے۔ اپنے فرائض کے دوران میں میرا واسطہ ہمیشہ پیشہ ور مجرموں سے پڑتا رہتا ہے۔ جرم کرکے تو سب ہی انکار کرتے ہیں مگر تم نے قتل کی پردہ پوشی کے لیے بہترین کہانی گھڑی تھی اور سوچا تھا کہ ہر شخص آنکھیں بند کرکے اس پر اعتبار کرلے گا مگر احمق تم خود ہو کہ تم نے دنیا کو احمق سمجھ رکھا ہے۔ تم نے سوچا ہوگا' تمہاری اداکاری اور مظلوم صورت مجھے متاثر کرے گی اور کیونکہ تم میرے سالے ہو اس لیے میں تمہاری ہر بات پر یقین کرلوں گا۔ اس رشتے کا سہارا لے کر تم میرے سامنے ایک معمار رکھ کر مجھ سے حل طلب کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ بات بالکل فطری نظر آئے گی چونکہ میں ایک ذمے دار پولیس انسپکٹر بھی ہوں' چنانچہ تم نے کہا "سکندر بھائی! میں نے خواب میں کل رات یوں دیکھا... پھر آج یہ ہوا... اور اب بتائیے میں کیا کروں؟"

ایک لمحے کے لیے رک کر سکندر نے مجھے سخت نظروں سے گھورا "توصیف! تم نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی۔ تم نے اپنے تئیں یہ فرض کرلیا کہ میں تمہاری بے سروپا داستان کو سچ مان لوں گا اور اگر یقین نہیں بھی کروں گا تو تمہیں کسی ماہر نفسیات وغیرہ کے پاس لے جاؤں گا اور معاملہ ختم ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوگا توصیف! تمہیں سچ سچ بتانا ہوگا کہ اصل بات کیا ہے؟"

"اصل بات وہی ہے جو میں نے آپ کو بتادی ہے۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا "اس میں جھوٹ کو قطعی دخل نہیں تھا۔"

"بکواس بند کرو۔" سکندر نے دہاڑ کر کہا "وہ کون تھا جسے تم نے قتل کردیا تھا؟ نام بتاؤں اس کا؟ وہ عورت کون تھی؟ تمہارا کیا تعلق تھا ان دونوں سے... اور یہ قتل کیوں ہوا؟ میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ شرافت سے بتادو تو بہتر ہے۔"

"میں تو خود اس سلسلے میں بہت پریشان ہوں۔" میں نے بے بسی سے کہا "جو بات مجھے معلوم ہی نہیں وہ میں کیسے بتا سکتا ہوں؟"

"دیکھو توصیف!" سکندر نے برہمی سے کہا "یا تو مجھے بہنوئی سمجھ کر ساری بات بتادو۔ میں کوشش کروں گا کہ ہر قانونی ذریعے سے تمہاری مدد کروں۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ میں تمہیں قتل کے شبے میں گرفتار کرادوں۔ یقیناً یہاں سے لاش برآمد کی جاچکی ہوگی اور اس سلسلے میں تفتیش بھی جاری ہوگی۔ میں اس تفتیشی افسر سے مل کر تمہیں اس کے سپرد کردوں گا مگر یہ بعد کی بات ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ فرزانہ مجھ سے بدگمان ہو۔ میں خود بھی جانتا ہوں کہ حقیقت کیسے اگلوائی جاتی ہے۔"

سکندر سخت مشتعل تھا۔ اس بات پر نہیں کہ میں نے کوئی قتل کیا تھا بلکہ اس بات پر کہ میں نے اسے بے وقوف بنانے کی احمقانہ کوشش کی۔ جسمانی طور پر وہ مجھ سے بہت بہتر تھا۔ اپنے پیشے میں مار دھاڑ کی مشق کرتے اسے زمانہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے خطرناک تیور دیکھ کر اندازہ کرلیا کہ اب میری خیر نہیں۔ وہ میری طرف بڑھا تو میں بڑی پھرتی سے چکر کاٹ کر میز کے دوسرے کنارے پر جا کھڑا ہوا۔

"دیکھیے... دیکھیے... سکندر بھائی!" محفوظ فاصلے پر پہنچ کر میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی "پلیز! اپنے ہاتھ پاؤں قابو میں رکھیے۔ شرافت سے بات کیجیے۔"

"شرافت کے بچے۔" اس نے غرا کر کرسی اٹھالی لیکن اس سے پہلے وہ کرسی پھینک کر مجھے ناک آؤٹ کرتا۔ دروازہ جو عین میرے عقب میں تھا' اچانک کھلا اور ایک وردی پوش کانسٹیبل رائفل لیے اندر آگیا۔ اس نے دیدے پھاڑ کر

حیرت سے مجھے اور سکندر کو دیکھا۔ سکندر نے کرسی نیچے رکھ دی۔

"اوئے ... اوئے ... یہ ... یہاں کیا ہو رہا ہے؟" کانسٹیبل نے حیرت پر قابو پاتے ہوئے' اپنی آواز کو بارعب بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "کون ہو تم لوگ ... اور اس گھر میں کیا کر رہے ہو۔"

سکندر نے ہاتھ اٹھا کر اس کے سوالات کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے کہا "ہم یہاں کسی بری نیت سے داخل نہیں ہوئے۔ ہم بارش سے پناہ لینے کے لیے یہاں آ گئے ہیں۔"

سکندر کے بے باک اور پُر اعتماد لہجے نے خاطر خواہ اثر کیا پھر اس نے اپنی جیب سے سروس کارڈ نکال کر کانسٹیبل کی طرف بڑھا دیا اور خود پلٹ کر کچن میں چلا گیا اور نل کھول کر منہ دھونے لگا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور سانس پھولی ہوئی تھی۔

کانسٹیبل نے رائفل جھکا دی اور سکندر کے واپس آنے پر خفت اور معذرت آمیز لہجے میں کہا "معاف کیجئے گا' دراصل میں اس گھر کی نگرانی پر مامور ہوں۔ تھوڑی دیر کے لیے کھانا کھانے کے لیے گیا تھا اور بارش کی وجہ سے واپسی میں تاخیر ہو گئی ... آپ لوگ اندر کیسے داخل ہوئے؟"

"چابی سے تالا کھول کر۔" سکندر نے جواب دیا "چابی گملے کے نیچے رکھی تھی۔"

"ایک چابی تو میرے پاس ہے۔" کانسٹیبل نے حیرت سے کہا "میرا خیال تھا دوسری چابی کوئی نہیں۔"

"تمہیں اس گھر کی ذمے داری کیوں سونپی گئی ہے؟" سکندر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"پچھلے ہفتے یہاں قتل کی واردات ہو چکی ہے۔" اس نے بتایا۔ سکندر نے یوں سر ہلایا جیسے اس میں حیرانی کی کوئی بات نہ ہو' وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں میز کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ کانسٹیبل نے ہم سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم کس بات پر باہم دست و گریبان تھے۔ میں عمداً سکندر سے نگاہیں نہیں ملا رہا تھا اور وہ بھی اس بے نیازی سے بیٹھا تھا کہ گویا اسے بھی میری کوئی پروا نہیں۔ قدرے خاموشی کے بعد اس نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"یہ مکان کس کا ہے؟ یہاں کون لوگ رہتے تھے؟"

"سر! یہاں رہنے والے لوگ خاصے دولت مند تھے۔" اس نے تفصیلات بتانا شروع کیں "یہ مکان سرفراز نامی ایک کاروباری شخص کا ہے۔ اس نے یہ مکان اپنی بیوی نوشابہ کے لیے خریدا تھا۔ وہ صاحب خود تو کاروباری دوروں پر اکثر شہر سے باہر رہتے تھے اور جب یہ واردات ہوئی تب بھی وہ لاہور میں تھے۔ اس کی بیوی نوشابہ خاصی حسین عورت تھی ... تفتیش سے معلوم ہوا ہے کہ وہ کچھ رنگین مزاج بھی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کے دوست اختر حسین سے مراسم بڑھا لیے تھے۔ وہ ان کے ہاں اکثر آتا جاتا تھا۔ اختر حسین تو اس گھر میں ہی مارا گیا۔ نوشابہ لاش بعد میں برآمد ہوئی۔"

"دونوں ایک ساتھ مارے گئے تھے؟" سکندر کے چہرے پر حیرت کے تاثرات نمودار ہوئے۔ کانسٹیبل کا آخری جملہ سن کر میں بھی بری طرح چونک گیا تھا۔

"جی ہاں' دونوں ہی مارے گئے تھے۔" کانسٹیبل نے بتایا۔ "لیکن نوشابہ اس گھر سے غالباً نکل بھاگی تھی۔ اسے سب سے پہلے دودھ والے نے دیکھا تھا۔ وہ گھر کے دروازے پر شدید زخمی حالت میں بے ہوش پڑی تھی۔ خون کی لکیروں اور نشانات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ گھسٹتی ہوئی اس مقام تک آئی تھی۔ اس کی ہمت اور جرأت کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ یہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ مکان آبادی سے خاصا ہٹ کر ہے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ یہاں اسے کوئی نہ کوئی بہرحال دیکھ لے گا۔ جہاں سے وہ گھسٹتی ہوئی آئی تھی وہ جگہ گھر اور سڑک سے دور تھی۔ وہاں اس کی چیخ و پکار کوئی نہ سنتا۔ خود نوشابہ کی حالت ایسی نہیں تھی کہ کسی کو متوجہ کر سکتی۔ دودھ والا اسے اسپتال لے آیا تو نوشابہ کی ہڈیاں کئی جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ سر پر بھی شدید ضربات تھیں۔ اس کے زخموں سے اتنا خون نکل چکا تھا کہ اس کا اب تک زندہ رہنا بھی ایک معجزہ ہی لگتا تھا۔ وہ رات بھر اسپتال میں رہی اور صبح مر گئی۔"

میری حالت غیر ہو رہی تھی۔ یہ تفصیلات سن کر میرے جسم پر کپکپی سی طاری ہو گئی تھی۔ میری کپکپاہٹ میں سکندر کی نظروں کا بھی دخل تھا جو مجھے سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"پھر؟" سکندر نے کانسٹیبل سے پوچھا "پولیس کو کس نے اطلاع دی تھی؟"

"پولیس دودھ والے کی رپورٹ پر یہاں پہنچی تھی۔ تفتیش کے دوران میں ہمارے تھانے کے انچارج عبدالقیوم صاحب نے دیکھ لیا تھا کہ کسی نے سیف کو توڑ کر سب کچھ نکال لیا ہے۔ اس سیف کو کھولنا مشکل تھا چنانچہ اسے ویلڈنگ ٹارچ سے پگھلا کر کاٹا گیا تھا۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا۔"

"ہاں' ہم دیکھ چکے ہیں۔" سکندر نے خشک لہجے میں کہا "آگے چلو۔"

"اختر حسین کو غالباً یہ بات معلوم تھی۔" کانسٹیبل مزید تفصیلات بتانے لگا "کہ سرفراز کے پاس کتنی دولت ہے اور اس میں کتنی سیف میں موجود رہتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سرفراز اکثر باہر رہتا ہے۔ وہ نوشابہ سے ملنے آیا اور جب رخصت ہوا تو کسی دوسرے راستے سے پھر اندر آگیا۔ جس کی نوشابہ کو خبر نہ ہو سکی... یا وہ پہلے سے ہی گھر میں چھپا ہوا تھا اور نوشابہ بے خبر تھی۔ بہرحال' جب وہ رات کو سیف کاٹ رہا تھا تو نوشابہ کسی آہٹ پر یا اتفاقیہ طور پر آگئی اور اس نے اختر حسین کو عین ارتکابِ جرم کے وقت پکڑ لیا۔ نوشابہ کو بھی فوراً اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اب اس کی خیر نہیں' اختر حسین اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے واحد چشم دید گواہ کو قتل کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ ممکن ہے اس نے اختر حسین کے عزائم کو اس کے چہرے سے ہی بھانپ لیا ہو۔ وہ جان بچانے کے لیے بھاگی اور گھر سے نکل گئی۔ اختر حسین کو صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہوا تو وہ اس کے تعاقب میں دوڑا۔ نوشابہ نے بدحواسی میں کار لے کر فرار ہونے کے بجائے سڑک پر بھاگنا شروع کر دیا۔ اختر حسین نے کار میں اس کا پیچھا کیا۔ نوشابہ نے بچنے کے لیے سڑک سے ہٹ کر کچے راستے پر دوڑنا بہتر سمجھا مگر اختر حسین نے اسے جالیا اور کار سے ٹکر مار کر کچل دیا۔ کار کے ٹائروں کے نشانات یہ ثابت کرتے تھے کہ اختر حسین نے کس طرح کار کو بار بار آگے پیچھے کیا' گھمایا اور آخر کار نوشابہ کو اس نے مار دیا۔ اس نے ایک بار نوشابہ کو کچلنے کے بعد گاڑی کو ریوس کیا پھر اس پر چڑھا دیا۔ اختر حسین اسے مردہ سمجھ کر وہاں چھوڑ آیا مگر نوشابہ اتنی سخت جان تھی کہ زندہ رہی اور صبح تک گھر کے دروازے پر پہنچ گئی... لیکن بعد میں تمام اندازے غلط ہو گئے... یہ ثابت ہو گیا کہ قاتل اختر حسین نہیں ہے۔"

سکندر نے کانسٹیبل کو گھور کر دیکھا۔ کسی وجہ کے بغیر میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ مجھ پر اس قتل کا الزام ہرگز نہیں آسکتا۔ میں نے اپنی کیفیت پر قابو پا کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"یہ کس طرح ثابت ہوا کہ قاتل اختر حسین نہیں ہے؟" سکندر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا اور ایک سگریٹ اس نے میری طرف اچھال دیا۔

"واقعاتی شہادتیں موجود تھیں اور تفتیش کے نتائج اطمینان بخش تھے اور اس کیس کے تفتیشی افسر عبدالقیوم صاحب کو بھی یقین تھا کہ اختر حسین کو بعد میں خیال آیا ہو گا کہ نشانات ساری کہانی سنا دیں گے۔ چنانچہ وہ کار کو جائے واردات سے بہت دور لے گیا اور گھنی جھاڑیوں میں چھپا کر لوٹ آیا لیکن نوشابہ کو صبح مرنے سے پہلے ذرا سی دیر کے لیے ہوش آگیا اور اس نے سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ اختر حسین تو زندہ ہے نا؟ قاتل نے اسے تو نہیں مار دیا؟

"اس سے ہمارے اندازے غلط ثابت ہو گئے۔ قاتل کوئی اور تھا... جب وہ آئینہ خانے میں داخل ہوا تو وہاں نوشابہ کے ساتھ اختر حسین بھی موجود تھا۔ نوشابہ کے بیان کے بعد ہم نے وہ خفیہ الماری دریافت کی جس میں اختر حسین کی لاش ٹھونسی گئی تھی۔ اس کے دل میں ایک خنجر پیوست تھا۔"

"نوشابہ نے اپنے بیان میں قاتل کا حلیہ لکھوایا تھا؟" سکندر نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ الماری سے برآمد ہونے والی لاش کا ذکر سن کر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا پھیل گیا۔ میں کھلی آنکھوں سے وہ خواب دیکھ رہا تھا جس کی تعبیر سچ ثابت ہو رہی تھی۔

"نوشابہ نے حلیہ بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا۔" کانسٹیبل نے کہا "آپ بیان پڑھنا چاہیں تو میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہم مقامی پولیس اسٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔ تھانے کا ایس ایچ او عبدالقیوم جو متذکرہ کیس کا تفتیشی افسر بھی تھا' روایتی قسم کا تھانے دار تھا۔ پھیلے ہوئے چہرے اور موٹی موٹی مونچھوں کے باعث اس کی صورت خاصی خوف ناک نظر آتی تھی۔ مشکیزے جیسی پھیلی ہوئی توند جس کا حجم خاصا وسیع تھا' نصف میز کے نیچے پوشیدہ تھا لیکن بالائی نصف سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے لیے وردی خصوصی طور پر بنوائی جاتی ہو گی۔

جب وہ بولا تو مجھے ایسے حالات میں بھی اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی۔ اس کی آواز جسامت کے لحاظ سے بہت باریک تھی اور وہ ناک میں بولتا تھا۔ رسمی تعارف کے بعد اس نے اس دہرے قتل کی فائل نکال لی۔

"نوشابہ کاں انٹرویوں میں نے خود لیاں تھاں۔" وہ ناک میں بولا۔ اس کے بیان کے مطابق یہ انٹرویو نما بیان اس کی موجودگی میں حوالدار نے حرف بہ حرف لکھ لیا تھا۔ اس نے بتایا کہ نوشابہ کو کار سے کچل کر مارا گیا تھا لیکن مارنے والا اختر حسین نہیں تھا بلکہ ان دونوں کا قاتل کوئی تیسرا شخص تھا جسے نوشابہ نے ویلڈنگ ٹارچ کی روشنی میں اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔

سکندر نے نوشابہ کا بیان پڑھنا شروع کیا جو سوال و

جواب کی صورت میں تھا۔ قاتل کی عمر تقریباً پچیس برس تھی۔ وہ دبلا پتلا اور خوبرو تھا۔ گالوں کی ہڈیاں کچھ ابھری ہوئی تھیں' بال گھرے سیاہ رنگ کے تھے اور وہ کسی نشے کا عادی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس کی آنکھیں یرقان زدہ اور بے جان سی لگتی تھیں۔

میں حیران کم اور پریشان زیادہ تھا۔ حیران اس لیے کہ نوشابہ نے غیر معمولی قوتِ مشاہدہ سے سنگین حالات میں بھی بہت کچھ دیکھ لیا تھا اور یاد رکھا تھا۔ پریشان اس لیے کہ وہ مرتے مرتے ہو بہو میرا حلیہ بیان کر گئی تھی۔ اس کے بیان کردہ حلیے سے جو تصویر بنتی تھی' وہ میری تھی جس میں فرق کی گنجائش نہیں تھی۔

سکندر نے ٹھوکا دے کر مجھے خیالات کی دنیا سے' حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں دو تصویریں تھیں۔ میں جانتا تھا کہ وہ تصویریں کس کی ہیں لیکن مجھ میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ میں اپنے گردوپیش سے ہوش وحواس کا رشتہ برقرار رکھتا۔ ایک خواب کا آسیب فردِ جرم بن کر میرے سامنے آگیا تھا۔ میرے لیے اس کی تردید ناممکن تھی۔ خوف کا سرطان میرے وجود میں پھیلتا جارہا تھا۔

سکندر اور ایس ایچ او کے درمیان باتیں ہوتی رہیں' مجھے نہیں معلوم۔ میں اپنے خیالات اور تفکرات کی سرگوشیوں کے سوا کچھ نہیں سن رہا تھا۔ میری نگاہیں میز پر رکھی ان دونوں تصویروں پر مرکوز تھیں جو سکندر نے گفتگو کے دوران میں اپنے سامنے رکھ لی تھیں۔ شاید اس نے قصداً ایسا کیا تھا تاکہ میں بھی انہیں دیکھ لوں۔

وہ دونوں تصویریں میز پر رکھی تھیں... میں نے انہیں شناخت کرلیا تھا۔ وہ تصویریں نہیں گویا دو لاشیں میز پر پڑی تھیں۔ رنگ و نور کا وہ ہالہ کہیں نہیں تھا جو مجھے خواب میں نظر آیا تھا مگر لڑکی وہی تھی۔ برگِ گل کی طرح تازہ اور شگفتہ' اپنے حسن پر نازاں' اپنی قوتِ تسخیر سے آشنا... مگر بے جان' بے وجود... سیکڑوں من مٹی کے نیچے دفن مسخ شدہ لاش کی طرح۔ اس کی آنکھیں اپنے روبرو ایک قاتل کو دیکھ رہی تھیں جسے شناخت کرنے میں اس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں مجھے فتح کی چمک نظر آئی۔ اس نے اپنا انتقام لے لیا کیونکہ اپنی حماقت کے باعث قاتل اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ آیا تھا۔

رات کے اندھیرے میں نیلگوں روشنی سی جھلملائی اور میری آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ ایک الماری کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا اور اختر حسین کی لاش مجھ پر گرنے لگی... میں نے خود کو بچانے کی ناکام کوشش کی لیکن میں لاش کے نیچے دبتا چلا گیا۔ میرے لیے اس کا بوجھ سنبھالنا ناممکن ہوگیا۔ میرے اعصاب جواب دے گئے۔

میں نے آخری لمحات میں خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا اور سخت فرش پر گر گیا۔

"اریں... اسیں کیا ہواں؟" ایس ایچ او عبدالقیوم کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔ دوسرے لمحے سکندر کی سخت گرفت نے مجھے کھڑا ہونے میں مدد دی۔ میں کرسی سے نیچے گر گیا تھا۔ سکندر کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی انگلیاں مجھے اپنے بازوؤں میں گڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ تکلیف کی شدت سے بلبلا کر میں ذہنی طور پر حاضر ہوگیا۔ میرے حواس کام کرنے لگے اور میری آنکھوں سے دھند چھٹنے لگی۔

"دراصل یہ جلدی سونے کا عادی ہے... اسے بیٹھے بیٹھے کرسی پر نیند آگئی ہوگی۔" سکندر نے بات بناتے ہوئے ایس ایچ او عبدالقیوم سے کہا پھر اس نے شکرگزاری کے چند الفاظ کہے اور باہر نکل گیا۔ اس نے اب تک میرا بازو تھاما ہوا تھا۔

کار میں ہم نے کوئی بات نہیں کی۔ واپسی کا سفر مکمل خاموشی میں طے ہوا۔

○☆○

"توصیف!" میرے کمرے میں پہنچتے ہی سکندر چلایا "مجھے سب کچھ سچ سچ بتادو۔"

"میں نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے... یقین کیجیے..."

اس نے تیزی سے میری بات کاٹی "میں تمہاری وہ بکواس سن چکا ہوں لیکن اب میں بالکل سچ سننا چاہتا ہوں' سمجھے! فرزانہ کو ابھی تک کچھ نہیں معلوم اور میں خود اسے کوئی بات نہیں بتاؤں گا۔"

"میرے پاس اس کے سوا سنانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔" میں نے گردن جھکا کر کہا "جو کچھ میں بتا چکا ہوں' وہی سچ ہے۔"

"وہی... یعنی تم نے ایک خواب دیکھا اور اس خواب میں تم نے ایک شخص کو قتل کرکے الماری میں ٹھونس دیا۔" سکندر نے دانت پیس کر کہا "تم مجھے بالکل چغد سمجھتے ہو؟ سامنے آنے والے حقائق کو جھٹلا سکتے ہو؟ ایک نہیں دہرا قتل ہوا ہے لڑکی بھی اس رات ماری گئی ہے۔"

میں بے بسی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

سکندر قدرے خاموشی سے مجھے گھورنے کے بعد گہرا

سانس لے کر بولا "ٹھیک ہے' اس صورت حال میں تمہاری اور میری بہتری اسی میں ہے کہ میں تمہیں فرار ہوجانے کا ایک موقع فراہم کروں۔ بعد میں تمہارا کچھ بھی انجام ہو' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ اگر مجھے فرزانہ کا خیال نہ ہوتا تو میں یہ موقع بھی تمہیں فراہم نہ کرتا کیونکہ میری نظر میں یہ بھی جرم ہے۔ میں فرزانہ کو لے کر گھر جارہا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ جب میں واپس آؤں گا تو تم کہیں جاچکے ہوگے پھر میں ہیڈ آفس جاکر وہ سب کچھ بتادوں گا جو مجھے معلوم ہے۔ میں یہ بھی اعتراف کرلوں گا کہ میری غفلت اور نااہلی کے نتیجے میں ایک قاتل فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا... پھر میں مستعفی ہوجاؤں گا... میں تمہارے لیے اس سے کچھ زیادہ نہیں کرسکتا۔"

وہ تیزی سے پلٹا اور میرے کمرے سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں گم صم بیٹھا رہا۔ اس کی آواز کا زہر فضا کو مسموم کرگیا تھا اور میں سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے اپنے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے نظر آنے لگے اور خون کی مہک میرے حواس کو مختل کررہی تھی۔ اب میں خود اپنے آپ کو بھی قائل نہیں کرسکتا تھا کہ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا... اور اس قتل کا الزام بھی قبول نہیں کرسکتا تھا۔ میں دہرے عذاب کے جہنم میں جل رہا تھا۔ مجھے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی۔ دنیا میں' میں جس پر سب سے زیادہ اعتماد کرسکتا تھا جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ اس سلسلے میں وہ میری مدد ضرور کرے گا... وہی ہستی یعنی میرا بہنوئی سکندر بھی مجھے قاتل سمجھنے لگا تھا۔ مجھ سے نفرت کرنے لگا تھا۔

میں زندگی بھر اس بارِ گناہ کو اپنے ضمیر پر لادے پناہ کی جستجو میں دربدر بھٹکنا نہیں چاہتا تھا پھر جب اپنے بھائی آنکھیں پھیرلیں اور پناہ کی جستجو میں ہر دروازہ بند ملے تو جان بچانے کے لیے بھاگتے رہنا موت سے بھی بدتر عذاب بن جاتا ہے۔

ذہنی پراگندگی اور منتشر خیالات کی یلغار میں' میں نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ کم سے کم سکندر کی نظر میں خود کو اس سلسلے میں بے قصور ثابت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے جو فیصلہ کیا' درست تھا یا غلط... بہرحال اس وقت میری ذہنی کیفیت ایسی تھی کہ مجھے اپنا یہ فیصلہ معقول نظر آیا۔

میں نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ خنجر اور پستول کا تو سوال ہی نہ تھا۔ میرے پاس تو خواب آور گولیاں تک نہ تھیں۔ آخر کار باتھ روم میں استعمال شدہ بلیڈ میرے کام آیا۔ اس کی دھار اتنی تیز تھی کہ اگر میں چاہتا تو اپنا گلا بھی کاٹ سکتا تھا مگر مجھے خدشہ تھا کہ شاید یہ مجھ سے نہ ہوسکے اور میں مرنے کی آرزو کے باوجود مر بھی نہ پاؤں اور اس طرح اپنے بارِ گناہ میں خودکشی کے جرم کا بھی اضافہ کرلوں۔ اپنا گلا کاٹنے کے خیال کو رد کرنے میں نے سوچا کہ اپنی کلائی کی رگ کاٹ لوں اور جریانِ خون کے باعث بتدریج موت کی پُرسکون آغوش میں سوجاؤں لیکن یہ بھی مجھ سے نہ ہوسکا۔ میں آسان موت مرنا چاہتا تھا لیکن اس کا حصول میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

میں نے سر کو جھٹک کر ان خیالات کو ذہن سے جھٹکا اور یہ سوچ کر فوراً عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا کہ کہیں اسی سوچ بچار میں بزدلی نہ مجھ پر غالب آجائے۔ چنانچہ میں نے بغیر مزید سوچے سمجھے بلیڈ کو رخسار پر رکھا اور پنسل کی طرح اس کی نوک سے ایک لکیر نیچے کی طرف کھینچ دی۔ رخسار پر سے گوشت کسی تکلیف کے احساس کے بغیر کٹ گیا اور خون کا ایک دھارا پھوٹ نکلا۔ میں نے لرزتے ہاتھ سے دوسرے رخسار پر بھی وہی عمل دہرایا۔

میرا لہولہان واش بیسن میں بہہ رہا تھا اور میں آئینے میں اپنے لہولہان چہرے کو دیکھ رہا تھا جو کبھی اختر حسین کا چہرہ بن جاتا اور کبھی سکندر کا پھر اس کے بعد دوسرا چہرہ نمودار ہوا اور یہ چہرہ کبھی فرزانہ کا نظر آتا اور کبھی نوشابہ کا۔ میں نے واش بیسن کا نل کھول دیا۔ خون آلود پانی نیچے سیوریج لائن میں بہنے لگا۔ اچانک مجھے کمزوری کا احساس ہوا اور میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ آنکھوں کے سامنے نیلے پیلے دائرے سے ناچنے لگے۔ میں زندگی کی انتہائی سرحد پر کھڑا موت کی حدود میں قدم رکھنے والا تھا۔ میرے کپڑے خون سے تر ہوگئے تھے اور اس کا ذائقہ مجھے اپنے لبوں پر محسوس ہورہا تھا۔ مجھے ایک چکر سا آیا اور میں فرش پر گر گیا۔

اسی لمحے کال بیل بجی۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس کے بعد مسلسل کال بیل بجتی رہی جس کی آواز مجھے میلوں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میرے ذہن پر دھند سی چھانے لگی بصد کوشش کے باوجود کھلی آنکھ سے مجھے اپنے سامنے ملگجی سی دھند کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اچانک اس دھند میں سکندر کا وحشت زدہ چہرہ اُبھرا اسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ وہ نہ جانے کس طرح اندر آگیا تھا۔

"توصیف.... بے وقوف... یہ تم نے کیا کردیا...." میں نے سکندر کے چلانے کی آواز سنی پھر ہر احساس مٹ گیا۔

○☆○

مجھے ہوش آیا تو میں اپنے ہی کمرے میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ میرے زخموں پر ٹانکے لگا کر بینڈیج کردی گئی تھی۔ میرے خون آلود کپڑے بھی تبدیل کردیے گئے تھے۔ میں نے ہاتھ لگا کر درد کے مقام پر بینڈیج کی موٹی تہ کو محسوس کیا۔

"کیا میں زیرِ حراست ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"اگر تم فرزانہ کے بھائی اور انتہائی درجے کے بے وقوف نہ ہوتے تو اس وقت یقیناً حراست میں ہوتے۔" سکندر نے غصے سے کہا "قتل کے الزام میں نہ سہی خودکشی کے جرم میں ضرور جیل کی ہوا کھاتے۔ تمہاری حماقتوں کی سزا مجھے مل رہی ہے توصیف! تم احمق اور پست حوصلہ انسان ہو۔ تمہیں ڈھنگ سے جینا آتا ہے نہ مرنا۔ اور میری یہ مجبوری ہے کہ شدید خواہش کے باوجود میں تمہیں قتل نہیں کرسکتا۔"

میں خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ مجھے اپنے کسی جان پہچان کے ڈاکٹر کے کلینک میں لے گیا تھا اور یوں مجھ پر خودکشی کا مقدمہ نہیں بنا تھا۔ خوشی مجھے صرف ایک بات کی تھی کہ سکندر کو میری بے گناہی کا یقین آگیا تھا۔ اس کے بعد وہ روزانہ میری خیریت معلوم کرنے آتا۔ اس نے میری اس "بے ہودہ حرکت" کا ذکر فرزانہ سے نہیں کیا تھا۔

چوتھے دن سکندر حسبِ معمول شام کے وقت نمودار ہوا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا "میرا خیال ہے کہ اب تم ٹھیک ہو۔ مجھے تم سے تفصیلی گفتگو کرنی ہے۔ یہ بتاؤ جس رات تم نے خواب دیکھا تھا اس روز سونے سے پہلے کوئی خاص واقعہ پیش آیا تھا؟ مثلاً کوئی اجنبی تم سے ملنے آیا ہو یا تمہیں کوئی پیغام وغیرہ ملا ہو؟"

"بالکل نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "وہ عام دنوں سے ذرا بھی مختلف نہیں تھا۔ چھٹی کے بعد گھر آگیا تھا۔۔۔ اور۔۔۔"

"اور کیا۔ تم رک کیوں گئے۔"

"اس رات میں نے پی بھی نہیں تھی۔ یقین کیجیے۔" میں نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" سکندر نے مجھے گھورتے ہوئے ہنکارا بھرا جیسے میری بات کا اس نے یقین نہ کیا ہو پھر اس نے پوچھا "گھر آنے کے بعد کیا ہوا تھا؟ اچھی طرح یاد کرکے بتاؤ۔"

"میں قریبی ریستوران میں کھانا کھانے گیا اور واپس آکر لباس تبدیل کیا اور سونے کے لیے بستر پر لیٹ گیا۔" میں نے کہا "مجھے نیند ذرا دیر سے آتی ہے چنانچہ میں لائٹ بجھا کر اندھیرے میں سگریٹ سلگائے پڑا رہا۔ دو سگریٹ پینے کے بعد سو گیا مگر درمیان میں ایک معمولی سا واقعہ پیش آیا تھا۔ اسی بلڈنگ میں رہنے والا ایک شخص میرے دروازے پر آیا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ ایک قدم اندر آکر پوچھنے لگا کہ میرے فلیٹ کی بجلی ہے یا نہیں کیونکہ اس کے فلیٹ کا شاید فیوز اڑ گیا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ کہیں پوری عمارت کی بجلی تو نہیں چلی گئی۔"

"یہ اندازہ تو ویسے بھی لگایا جاسکتا تھا۔" سکندر نے کہا۔ "کسی نہ کسی دروازے یا کھڑکی سے روشنی دکھائی دے جاتی ہے۔"

"اس وقت سب سو چکے تھے۔" میں نے کہا "باہر راہداری میں بھی بالکل اندھیرا تھا۔ راہداری میں جلنے والا بلب بھی شاید فیوز ہوچکا تھا۔ وہ شخص اگر جلتی ہوئی موم بتی لے کر نہ آتا تو راستہ تک نہ دیکھ پاتا۔"

"موم بتی؟" سکندر نے قدرے چونکتے ہوئے کہا "تم اس شخص کو جانتے تھے؟"

"بس اس حد تک جانتا تھا کہ وہ تقریباً ایک ہفتہ پہلے ہی بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں کرائے دار کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس کا نام سلیم ہے۔ آتے جاتے ایک دو بار سلام دعا بھی ہوئی تھی۔ ایک بار میں گیلری میں کھڑا تھا تو وہ آگیا اور کچھ دیر تک ہم دونوں گپ شپ بھی کرتے رہے تھے۔"

"تم نے اس واقعے کا مجھ سے اب تک ذکر کیوں نہیں کیا تھا؟" سکندر نے کہا "میں نے کہا بھی تھا کہ اس روز جو کچھ ہوا تھا وہ سب بتا دو۔"

"یہ کوئی ایسی خاص بات تو نہیں تھی۔" میں نے کہا "جس کا تعلق میرے اس معاملے سے ہو۔ ویسے بھی یہ خواب سے پہلے کا واقعہ ہے۔"

"تعلق ہو یا نہ ہو۔" سکندر نے سختی سے کہا "میں مکمل تفصیلات چاہتا ہوں۔ تم تاریکی میں تھے۔ وہ موم بتی لے کر تمہارے کمرے میں آگیا۔ اچھی طرح سے یاد کرکے بتاؤ کہ تمہارے درمیان کیا گفتگو ہوئی، تم نے کیا دیکھا اور کیا کیا؟"

"میں نے اپنی لائٹ جلا کر دیکھی، لائٹ ٹھیک تھی۔" میں نے کہا "اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور بے وقت تکلیف دینے پر معذرت چاہی اور پھر میں نے لائٹ بجھا دی مگر وہ چند منٹ دروازے پر کھڑا رہا۔ اس نے دوبارہ معذرت کے الفاظ دہرائے اور کہا کہ اگر اسے معلوم ہوتا کہ میں سو چکا ہوں تو وہ مجھے ہرگز زحمت نہ دیتا۔"

"وہ تاریکی میں موم بتی لیے کھڑا تھا اور تم اس کی باتیں سنتے رہے۔" سکندر نے کہا "آگے بتاؤ، پھر اس نے کیا کہا؟"

"وہ کہنے لگا کہ آپ تھکے ہوئے ہیں توصیف صاحب! اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا اس نے خود ہی کہا "ہاں۔ آپ بہت تھکے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آپ واقعی تھکے ہوئے ہیں۔ تھکن کا اظہار آپ کی صورت سے ہو رہا ہے۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔"

"وہ بار بار یہی جملہ دہراتا رہا؟"

"جی ہاں۔"

"تم اس وقت کیا محسوس کر رہے تھے؟" سکندر نے پوچھا۔

"میں نے محسوس کیا کہ میں واقعی بہت تھکا ہوا ہوں۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "یہ احساس پہلے نہیں تھا۔"

"اس دوران میں تم یقیناً موم بتی کو گھورتے رہے ہو گے؟"

"ہاں۔"

"موم بتی کی پوزیشن کیا تھی؟" سکندر نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"موم بتی کا شعلہ اندھیرے میں عین اس کے چہرے کو روشن کر رہا تھا۔" میں نے کہا "اس نے ہاتھ کو کچھ اونچا کر کے موم بتی تھام رکھی تھی۔"

"ہوں۔" سکندر نے ہنکارا بھرا اور سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا "اس نے بار بار کہا آپ تھکے ہوئے ہیں۔ تمہیں یاد ہے کل کتنی بار اس نے یہ جملہ دہرایا تھا؟"

"بالکل صحیح طور پر تو کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ یہ بات اس نے کئی بار کہی تھی۔ کچھ لوگ خبطی ہوتے ہیں اور خواہ مخواہ بڑبڑاتے رہتے ہیں۔"

"اس کے کہنے پر پہلی بار تمہیں تھکن کا احساس ہوا' پھر اس کے بعد تم نے کیا کیا؟" سکندر کے لہجے میں بتدریج تجسس بڑھنے لگا۔

"میں سو گیا تھا۔" میں نے کہا "تھکن کے باعث میرا جسم ٹوٹ رہا تھا اور سخت نیند آرہی تھی۔"

"کیا تم اس کی موجودگی میں ہی سو گئے تھے؟" سکندر کے متجسس لہجے میں حیرت در آئی۔

مجھے اس کے عجیب و غریب سوالات پر الجھن سی ہونے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ اس معمولی اور غیر متعلق واقعے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔

"اچھا' سوچ کر بتاؤ۔" سکندر نے مجھے خاموش پا کر مزید سوالات شروع کر دیے "تم اس کے جانے کے بعد سوئے تھے یا اس کی موجودگی ہی میں سو گئے تھے؟ یاد کرو۔ تم نے دروازہ بند کیا تھا یا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی؟ تم نے اسے اپنے فلیٹ سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا؟"

میں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا "میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرا خیال ہے... دیکھو نا سکندر بھائی! اسے تو جانا ہی تھا اور چلا گیا۔ مجھے بالکل یاد نہیں کہ..."

"بہرحال تم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ چلا گیا تھا یا کھڑا رہا تھا۔" سکندر نے کہا "تمہیں یاد ہی نہیں ہے۔ تم نے فرض کر رکھا ہے کہ وہ چلا گیا تھا اور تم سو گئے تھے۔ تم نے دروازہ بھی بند نہیں کیا ہو گا۔ توصیف! تمہارا خیال ہے کہ تم سو گئے تھے کیونکہ تمہاری آنکھیں بند ہو چکی ہوں گی۔ تمہیں احساس ہوا ہو گا کہ ہر طرف گہرا پُرسکون اندھیرا ہے۔ موم بتی کی روشنی باقی نہ رہی ہو گی اور اس کی آواز نے تمہیں بڑا ہی سکون دیا ہو گا۔" سکندر نے قدرے جھکتے ہوئے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "تم ایک نقطے پر نظریں جمائے سو گئے ہو گے۔ اس نے موم بتی اوپر کر کے تھام رکھی تھی چنانچہ تمہیں اس کی آنکھیں واضح طور پر دکھائی دے رہی ہوں گی؟"

میں نے بے چینی سے پہلو بدلا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں' یہ تو ٹھیک ہے کہ جب تک مجھے اس کی موجودگی کا احساس تھا' میں اس کی آنکھوں کی طرف بغیر پلک جھپکائے دیکھتا رہا تھا مگر اس سے کیا..."

"تم نے بتایا ہے کہ ایک بار اس سلیم نامی شخص سے گیلری میں تمہاری گپ شپ بھی رہی ہے؟" سکندر نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "وہ کس موضوع پر باتیں کرتا رہا تھا؟"

"کسی خاص موضوع پر نہیں' بس عام سی باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے میرے مشاغل اور پسند ناپسند کے بارے میں پوچھا تھا۔ عام سی نوعیت کی باتیں۔ جیسی کہ ایک نیا پڑوسی پہلی ملاقات میں کر سکتا ہے۔"

"معمول کی فطرت اور عادات و اطوار سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کے لیے اسی طرح کے عام سوالات پوچھے جاتے ہیں۔" سکندر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا؟ معمول...!" میں نے قدرے چونکتے ہوئے کہا مگر سکندر اپنے خیالات میں اس طرح مگن تھا کہ اس نے میری بات سنی ہی نہیں۔ اگر سنی بھی تھی تو اسے نظرانداز کر دیا۔

"کبھی ایسا بھی ہوا کہ آتے جاتے اس نے تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف کوئی ایسا کام کرنے پر مجبور کیا ہو جو

تم نہ کرنا چاہتے ہو؟"

"کام۔۔۔ کیسا کام؟" میں نے کہا پھر مجھے اچانک ایک بات یاد آگئی "ہاں' اسی دن جب ہم گیلری میں کھڑے باتیں کررہے تھے۔ اس نے جیب سے پیپر منٹ کی گولیاں نکالیں اور چوسنے لگا۔ اس نے ایک گولی میری طرف بھی بڑھائی۔ میں نے کہا کہ مجھے پیپر منٹ کی گولیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔ ان کا ذائقہ اور بُو مجھے سخت ناگوار محسوس ہوتی ہے۔ اس نے کہا پسند کو چھوڑو' یہ لو اسے منہ میں رکھ لو۔ اس سے گلا صاف رہتا ہے۔ میں نے کہا کہ میرا گلا بالکل ٹھیک ہے لیکن اس کے باوجود وہ بولا کہ چلو میں کہتا ہوں کہ اسے ایسے ہی منہ میں رکھ لو اور بڑی عجیب بات ہے کہ کم ہوتے ہوتے میری مزاحمت بالکل ختم ہوگئی اور میں نے گولی لے لی۔"

"میں سمجھ گیا۔" سکندر نے دھیرے سے کہا۔

"کیا۔ کیا سمجھ گئے آپ؟"

"یہی کہ وہ تمہاری قوتِ ارادی کو آزما رہا تھا۔ جو کہ میں جانتا ہوں' بالکل صفر ہے۔"

"آپ کی ان باتوں کا آخر مقصد کیا ہے؟" میں نے کہا "آپ کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں۔"

سکندر نے اٹھتے ہوئے کہا "ابھی میں کچھ نہیں بتا سکتا لیکن تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ بھول کر سکون سے سوجاؤ۔ خدا نے چاہا تو میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

اس نے مسکرا کر اپنائیت سے میرا کندھا تھپکا تو میں نے زندگی پر اپنے اعتماد کو بحال ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ میری جان دینے کی کوشش نے سکندر کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ پیدا کردیا تھا اور اس کے خیالات اور رویے میں بھی خاصی نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔

"میں آج رات اس آئینہ خانہ میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ اگر حالات موافق رہے تو امید ہے کہ میں اندر سے کوئی نہ کوئی سراغ حاصل کرلوں گا جو اس کیس کی پیچیدگی کو سلجھانے میں مدد دے سکے گی۔" سکندر نے کہا اور رخصت ہوگیا۔

اس کے جاتے ہی میں سوگیا۔ اس رات میں بہت سکون کی نیند سویا۔ جب جاگا تو سورج خاصا اوپر آچکا تھا۔ میں نے غسل کیا اور کافی بنا کر پی۔ اب مجھے سکندر کا انتظار کرنا تھا جو رات کو آئینہ خانہ میں داخل ہوکر کوئی سراغ حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کرکے رخصت ہوا تھا اور ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ وہ تقریباً سہ پہر کے تین بجے نمودار ہوا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور چہرے سے تھکاوٹ عیاں تھی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ رات بھر سو نہیں سکا۔

"رات سے اب تک آپ وہیں تھے؟" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ صوفے پر دراز ہوتے ہوئے مسکرایا۔ "وہاں تو مجھے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ دراصل میں وہاں سے نکل کر ایک دوسری جگہ مصروف ہوگیا تھا۔" اس نے کہا اور پھر وہ ہاتھ میں تھامے ہوئے ایک پیکٹ سے کاغذ ہٹانے لگا۔ پیکٹ سے ایک دُہرا فریم برآمد ہوا جو کتاب کے دو اوراق کی طرح تھا۔ دو فریم درمیان میں گھومنے والے قبضے سے آپس میں ملے ہوئے تھے۔ اس قسم کے فریم میں نے اکثر گھروں میں کارنس' میز یا ٹی وی کے اوپر کھڑے دیکھے تھے۔ جن میں نوبیاہتا جوڑے اپنی تصویریں لگاتے تھے اور بزرگ اپنے بچوں کی۔

سکندر نے فریم کھول کر میرے سامنے کردیا "ان کو پہچانتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ میں ان تصویروں کو پلک جھپکائے بغیر دیکھتا رہا جو فریم میں مسکرا رہی تھیں۔ ایک تصویر نوشابہ کی تھی جو عروسی لباس میں حسن و جمال کا بے مثل شاہکار بنی ہوئی تھی۔ وہ ویسے بھی کم حسین نہیں تھی' کامدار سبز لباس میں وہ مسکراتے ہوئے آسمان سے اترنے والی کوئی اپسرا معلوم ہوتی تھی۔ یہ ایک ہی عورت کا تیسرا روپ تھا۔ پہلی بار میں نے اسے زندہ دیکھا تھا۔ دوسری بار میں نے اس کی وہ تصویر دیکھی تھی جو پولیس نے ریکارڈ میں رکھنے کے لیے اسپتال کے مردہ خانے میں اتاری تھی جس میں زندگی کا احساس مفقود تھا۔ تیسری تصویر میں زندگی کی تمام تر رعنائیاں سمٹ آئی تھیں۔ اس حور کی تصویر کے فریم کے ساتھ والے فریم میں اس لنگور کی تصویر دیکھ کر میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا' جو میرا ہمسایہ تھا۔ جس کا نام سلیم تھا۔

"یہ۔ اس کے ساتھ سلیم کی تصویر ہے؟" میں نے صدمے سے سنبھلتے ہوئے سکندر سے پوچھا۔

"اس کا نام سرفراز ہے۔" سکندر نے بتایا "جو نوشابہ کا شوہر تھا اور اس کے قتل کے وقت کاروباری سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔"

"لیکن اس نے تو مجھے اپنا نام سلیم بتایا تھا۔" میں نے کہا۔

"ممکن ہے اس کا پورا نام سرفراز سلیم ہو یا یہ بھی

ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہیں اپنا نام غلط بتایا ہو۔" سکندر نے کہا "لیکن یہ بات قابلِ تفتیش ہے کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر تمہاری بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں کرائے پر کیوں رہنے لگا تھا۔ بہرحال، تمہیں کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جا سکتا کہ اس رات تم نے ایک قتل کیا اور چونکہ بستر مرگ پر دیے جانے والے بیان کی صداقت شبہے سے بالاتر سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے اختر حسین کے قاتل تم ہی ٹھہرتے ہو۔ الماری سے تمہارے فنگر پرنٹس بھی ملے ہیں لیکن تمہارے جرم میں کوئی اور بھی شریک تھا جس نے نوشابہ کو قتل کیا۔ اگر تمہیں موقع ملتا تو نوشابہ کو بھی تم ہی اپنے ہاتھوں سے مار دیتے مگر وہ بھاگ کھڑی ہوئی اور کسی تیسرے شخص نے، جو باہر موجود تھا مجبوراً اسے قتل کر دیا۔ میں نے لفظ "مجبوراً" اس لیے استعمال کیا کہ میرے اندازے کے مطابق اس تیسرے نامعلوم شخص کو یہی توقع تھی کہ تم دونوں کو قتل کر دو گے لیکن جب نوشابہ کمرے سے نکل بھاگی اور تم اسے پکڑنے کے لیے کمرے سے نہیں نکلے تو اس شخص نے نوشابہ کو قتل کر دیا۔ عین ممکن ہے کہ تمہیں یہی نامعلوم شخص اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ وہ کون تھا... اور اس نے تمہیں کیسے اور کیوں اپنا آلۂ کار بنایا؟ ان تمام سوالات کا منطقی جواب مل گیا تو شاید تم بچ جاؤ۔"

"لل... لیکن۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کسی کا آلۂ کار بن کر، کسی کی خاطر ایک اجنبی کو قتل کر دوں؟" میں نے کہا۔

"اس کی وضاحت اتنی آسان نہیں ہے۔" سکندر نے کہا "تم پر قتل کا الزام آچکا ہے اور محض وضاحت سے یہ الزام ختم نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور اس کی تفتیش اب میں کر رہا ہوں۔ اسی لیے اب تک تم حراست میں نہیں لیے جا سکے۔ اب تمہارے چھٹکارے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ہمیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا تھا۔ ان حالات کا عینی شاہد کوئی نہیں جن میں تم سے قتل کرایا گیا مگر ہم وہ حالات دوبارہ پیدا کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ میں اس کی بات سمجھ نہیں سکا تھا۔

"مطلب یہ کہ اس رات تم نے جو کچھ کیا... یا تم سے کرایا گیا، اس ڈرامے کو دہرایا جائے گا۔"

"آپ کا مطلب ہے میں پھر جاؤں اور دوبارہ کسی اختر حسین کو قتل کروں؟" میں نے بے وقوفوں کی طرح کہا۔

"تمہیں جو کچھ کرنا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ خاصا دشوار کام ہے۔" سکندر نے میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "مگر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے تمہیں یہ سب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں قانون کے تحت ملنے والی سزا سے نہیں بچا سکتی۔"

پھر سکندر نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا "اس وقت چار بجنے والے ہیں۔ نوشابہ کا شوہر بھی کل واپس آگیا تھا۔ پولیس نے تدفین کی اجازت دے دی ہے۔ میں غسل کر کے آتا ہوں۔ تم کافی بناؤ۔ کافی پی کر ہم چلیں گے۔"

"کہاں۔" میں نے گھبرا کر کہا "تدفین کا منظر دیکھنے؟ کیا یہ بھی ناگزیر ہے؟"

سکندر مسکرایا "سالے! اگر زندگی عزیز ہے تو پھر یہ سب کچھ ناگزیر ہے۔ خیر، گھبراؤ مت۔ ہم ابھی اسی آئینہ خانہ جائیں گے جہاں نوشابہ رہتی تھی، جہاں اختر حسین تمہارے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ آج کی رات تم اسی قتل گاہ میں گزارو گے۔ تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہوگا۔ اپنے اندر ہمت پیدا کرو توصیف! تمہیں ہر حال میں یہ کام کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اپنے سامنے دیکھتے ہوئے عزم سے کہا "خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"خوب!" سکندر نے باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "بہادروں کی طرح حالات کا مقابلہ کرنا سیکھو۔"

میں کافی بنانے کے لیے کچن کی طرف چل دیا۔

○☆○

حقیقت کا روپ دھارنے والے آسیب زدہ خیالات اور تصورات کے ساتھ میں اس وقت اسی ہشت پہلو آئینہ خانہ نما کمرے کی اسی الماری میں بالکل یوں بند تھا جیسے اختر حسین کا مردہ جسم بند رہا تھا۔ اندر مکمل اندھیرا تھا۔ وقت کا احساس صرف گھڑی کے روشن ڈائل سے ہوتا تھا۔ میرے اعصاب پر خوف اپنے پنجے گاڑنے لگا تھا۔ الماری کے اندر مجھے اختر حسین کے لہو کی بو محسوس ہو رہی تھی اور میں بار بار الماری کی پشت سے دور ہو جاتا تھا۔ کیونکہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے میرے کپڑے اس کے خون کی نمی کو جذب کر رہے ہیں اور نمی ٹھنڈک بن کر میری ریڑھ کی ہڈی میں اتر رہی ہے۔

اچانک بہت سے لوگوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ غالباً وہ لوگ نوشابہ کی تدفین سے فارغ ہو کر لوٹے تھے۔ ان آوازوں میں کبھی کبھی سرفراز... یا سلیم کی آواز بھی سنائی دے جاتی تھی۔ میں اپنے مدفن میں سانس روکے کھڑا

انتظار کرتا رہا۔

"میں یہیں رہوں گا' جہاں وہ رہتی تھی۔" سرفراز یا سلیم کی آواز آئی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جذباتی وابستگی کو اچانک ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔" کسی نے تائید کی۔

"آپ کو صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے سرفراز صاحب!" تیسری آواز نے کہا "آپ آرام کیجئے' سکون کی نیند سے آپ کے اعصاب کو بھی آرام ملے گا۔ بہتر یہی ہے کہ ذہن پر غیر ضروری بوجھ ڈالنے کے بجائے آپ سوجائیں۔"

"اب ہمیں چلنا چاہیے۔" پہلی آواز نے کہا پھر ملا جلا شور سا ابھرا۔ رخصت ہوتے وقت تمام لوگ سرفراز سے تعزیتی جملے دہرا رہے تھے پھر دروازہ بند ہوا اور ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔ جس میں ایک شخص کے قدموں کی ہلکی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ میرا جسم بری طرح سے اکڑ گیا تھا۔ میں تقریباً دو گھنٹے سے الماری میں بند تھا۔ میں نے الماری کے پٹ کو ذرا سا سرکایا۔ میرے مقابل ایک خواب گاہ کا دروازہ تھا جس کے وسط میں وہ شب خوابی کا لباس پہنے کھڑا تھا اور مسکرا رہا تھا پھر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آئینہ خانے میں داخل ہوا۔ میں نے اسے پس منظر کی روشنی میں سائے کی طرح نمودار ہوتے دیکھا۔ آئینہ خانہ سوئچ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ منور ہوگیا۔ میں بغور اس کی حرکات کا جائزہ لیتا رہا۔

وہ ایک آئینہ نما دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے پٹ کھول کر اندر کا جائزہ لیا۔ وہ پٹ دراصل سیف کا دہرا دروازہ تھا۔ اس نے سیف کے اندرونی دروازے کو ہلا جلا کر دیکھا اور قہقہہ لگایا۔ ڈائل کے نمبروں سے کھلنے والے تالے کو استعمال کیے بغیر ویلڈنگ سے کھولنے کی کوشش میں تجوری تباہ ہوگئی تھی مگر وہ ہنس رہا تھا پھر وہ واپس خواب گاہ کی طرف لوٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد لوٹا تو اس کے ہاتھ میں کئی پیکٹ تھے۔ اس نے وہ پیکٹ تجوری میں رکھنے شروع کیے "ان میں یقیناً قیمتی چیزیں ہوں گی۔ مثلاً ہیرے جواہرات وغیرہ۔" میں نے سوچا۔ پیکٹ رکھ کر وہ دوبارہ کمرے میں لوٹ گیا اور پھر آیا تو اس کے ہاتھوں میں چھوٹے بڑے' مختلف سائز کے لفافے تھے۔ ان میں جائداد کے کاغذات' کرنسی نوٹ یا بانڈز وغیرہ ہی ہوسکتے تھے۔

وہ تمام لفافے بھی اس نے تجوری کے ایک خانے میں ترتیب سے رکھ دیے۔ غالباً اسی جگہ جہاں وہ پہلے موجود رہتے تھے۔ سیف کے دروازے کو اس نے بے نیازی سے بند کردیا۔ جیسے تجوری کے غیر مقفل رہنے سے اب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سکندر کی ہدایات میرے ذہن میں تھیں اور میرے میدانِ عمل میں کود پڑنے کا وقت آگیا تھا۔ سکندر کے دیے ہوئے ریوالور کو ہاتھ میں مضبوطی سے تھام کر میں نے الماری کے دروازے کو کھسکایا اور باہر آگیا۔

مجھے الماری سے برآمد ہوتا دیکھ کر وہ بری طرح سے چونکا۔ اس کے حلق سے حیرت و استعجاب اور خوف و اضطراب میں ڈوبی بے معنی سی صدا بلند ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی جگہ ساکت ہوگیا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور دہشت سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔

سکندر نے مجھے سمجھایا تھا "تمہارا رول بہت مشکل ہے توصیف! مگر مجھے امید ہے کہ تم اسے بخوبی نباہ لوگے۔ خود پر قابو رکھنا' ذرا سی بھول' ذرا سی لغزش سے بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔" سکندر نے مجھے اس طرح ہدایات دی تھیں گویا میں کسی ڈرامے میں مشکل کردار ادا کرنے جارہا ہوں اور وہ اس ڈرامے کا ہدایت کار ہے۔ اس نے یہ بھی تاکید کی تھی "پہلے خود مت بولنا' اس کے بولنے کا انتظار کرنا۔" میں ریوالور پر اپنی گرفت برقرار رکھے کھڑا اسے گھورتا رہا۔

"تت... تم..." اس نے ہکلاتے ہوئے بیٹھی بیٹھی سی آواز میں کہا "تم۔ یہاں۔ یہاں کیسے پہنچے؟"

اس کا یہ سوال میرے لیے متوقع تھا جس کا جواب میں اپنے تئیں پہلے ہی تیار کرچکا تھا۔ میں نے فلمی ہیرو کی طرح قہقہہ لگایا اور ریوالور والے ہاتھ کو خاص انداز میں جھٹکا دیتے ہوئے کہا "ایک بار تم نے راستہ دکھادیا تھا' دوسری بار میں خود آن پہنچا۔ اس میں تعجب کیسا؟"

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "یہ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے... کہ تمہیں راستہ یاد ہو۔"

میں آگے بڑھا اور پیر کی ٹھوکر سے بیڈ روم کا دروازہ بند کردیا "دیکھ لو۔ میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔" میں نے کہا "کیا تمہیں اب بھی شک ہے؟"

"تم۔ تم کب سے یہاں چھپے ہوئے تھے؟" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا "اور کون ہے تمہارے ساتھ؟"

"کوئی نہیں۔" میں نے بدستور فلمی انداز میں کہا "بس یہ ریوالور ہے میرے ساتھ۔ ہم دونوں گزشتہ دو گھنٹے سے تمہارے منتظر تھے۔ تدفین کا ڈراما رچا آئے ہو نا؟ تمہارے دوست تمہیں تسلی دے رہے تھے۔ بڑی محبت تھی تمہیں اپنی بیوی سے اور بے حد رنج ہے تمہیں اس کی موت کا۔

ہے نا؟ دنیا نے بھی یہ دیکھا ہوگا۔"

وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اب وہ اپنے خوف پر قابو پا چکا تھا "تمہیں کیا کچھ یاد ہے؟" آخر کار اس نے پوچھا۔

میں اس کے اس سوال پر معنی خیز انداز میں مسکرایا اور خاموش رہا۔ جیسے بہ زبانِ خاموشی اسے جتلا رہا تھا کہ بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟

"لیکن۔ تمہاری صورت سے تو ایسا معلوم نہیں ہوتا تھا۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑایا "کہ تم ہوش میں تھے... اور اگر ہوش میں تھے تو۔ تو پھر یہ سب کچھ تم نے کیوں کیا تھا؟" وہ شدید الجھن اور تذبذب کا شکار تھا۔

"میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مجھے الو بنا کر تم کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔" میں نے کہا "میں اس فائدے سے اپنا حصہ وصول کرنا چاہتا تھا۔ تم نے میرے ہاتھوں سے ایک قتل کرایا تھا۔ میں نے یہ قتل بھاری معاوضے کی امید میں کیا تھا۔" میں نے لمحے بھر کے لیے ڈرامائی توقف کیا' اس کا جائزہ لیا پھر کہا "اگر تم سیدھی طرح میری "کارکردگی" کا معاوضہ ادا نہ کرتے تو میں تمہیں اس سلسلے میں بلیک میلنگ کی دھمکی دے کر تم سے رقم وصول کر سکتا تھا۔ میں نے یہی سوچ کر وہی کیا جو تم چاہتے تھے۔"

"وہ سب اداکاری تھی؟" اس نے بے یقینی سے کہا "تم حالات سے باخبر تھے... اور... اور اس کے باوجود تم نے وہی کیا جو میں نے کہا تھا؟"

"ہاں' مجھے یقین تھا کہ اس کا معاوضہ معقول ہوگا۔" میں نے کہا "اگر میں انکار کر دیتا تو تم مجھے بھی ٹھکانے لگا دیتے۔ میں نے خوف اور لالچ سے مجبور ہو کر وہی کیا جو تم نے مجھے سمجھایا تھا۔ میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی یہی کرتے۔"

اس نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا "وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن تم نے قتل اس طرح کیوں نہیں کیا جیسے میں نے تمہیں سمجھایا تھا؟ میرا مطلب ہے' میں نے تمہیں پستول دیا تھا۔"

"پستول مجھ سے اندھیرے میں گر گیا تھا۔" میں نے کہا "اختر حسین نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا اور وہ مجھ پر حاوی آ رہا تھا۔ قد و قامت اور جسمانی قوت میں وہ مجھ سے بہتر تھا۔ میں نے انہیں عین اس وقت پکڑ لیا تھا جب وہ تمہارا سیف توڑ رہے تھے۔ ان کے تعلقات کا راز بھی مجھ پر افشا ہو چکا تھا۔ چنانچہ ان کے لیے میرا قتل ناگزیر ہو چکا تھا۔ اختر حسین کی بدقسمتی کہ جو خنجر نوشابہ نے اس کو تھمانے کی کوشش کی تھی وہ میرے ہاتھ آ گیا۔ ہم دونوں گتھم گتھا ہو رہے تھے' اس طرح نوشابہ کا اندازہ غلط ہو گیا کہ جس ہاتھ میں وہ خنجر تھما رہی ہے' کس کا ہے۔"

"اوہ۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا "یہ خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نوشابہ کیوں نکل بھاگی تھی مگر میں نے اسے جانے نہ دیا۔ میں کسی غیر متوقع ناکامی کی صورت میں تمہاری مدد کے لیے تیار کھڑا تھا۔ نوشابہ ڈرائیونگ نہیں کر سکتی تھی ورنہ کار لے جاتی۔"

اپنی سازش کے جرم کا اعتراف اس نے خود ہی کرلیا تھا۔ میری کوشش رائگاں نہیں گئی تھی۔ وہ پہلے صدمے سے سنبھل چکا تھا اور اب مطمئن تھا کہ اسے ایک ایسے شخص سے کوئی خطرہ نہیں جو برابر کا شریکِ جرم تھا۔ سکندر کی ہدایت کے مطابق ڈرامے کے دوسرے ایکٹ میں صورتِ حال کو پلٹ کر مجھے سرفراز کو ایک ذہنی جھٹکا پہنچانا تھا۔

میں نے ایک قہقہہ لگایا "سلیم صاحب۔ یعنی مسٹر سرفراز صاحب! آپ اپنی کوشش میں ناکام نہیں ہوئے تھے۔ مجھے بالکل معلوم نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔"

اس کا رنگ فق ہو گیا "تت۔ تم ابھی جو کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ غلط تھا؟" اس نے بمشکل تمام بھنچی بھنچی سی آواز میں کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا "شاید تم نے ابھی تک غور سے نہیں دیکھا ہے کہ تمہاری خواب گاہ میں سے وہ تصویریں غائب ہیں جو تم نے فولڈ ہو جانے والے ڈبل فریم میں لگا رکھی تھیں۔ اپنی اور نوشابہ کی تصویریں۔ مجھے یہ تصویریں پولیس نے دکھائی تھیں اور میں نے تمہیں سلیم کے نام سے شناخت کر لیا تھا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ تمہارا نام سرفراز ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے مگر پولیس نے جب قاتل کا حلیہ بتایا تو وہ بالکل مجھ پر فٹ بیٹھا تھا۔ میرا حلیہ نوشابہ نے مرنے سے پہلے اپنے آخری بیان میں پولیس کو بتایا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ غیر دانستہ طور پر میں واقعی ایک شخص کے قتل کا ارتکاب کر چکا ہوں۔ بہرحال' میں یہاں تم سے قتل کا معاوضہ وصول کرنے نہیں' تمہارے منہ سے اعترافِ جرم سننے آیا تھا۔ اب اگر تم اس تجوری کی ہر چیز دے کر زندگی کی بھیک مانگو گے تب بھی نہیں ملے گی۔ تم نے مجھے آلۂ کار بنایا تھا۔ کیونکہ میں ایک شریف' بزدل اور خود اعتمادی سے محروم سیدھا سادہ سا آدمی تھا... مگر اب میں قاتل ہوں۔ مجھے قاتل بنانے والے تم ہو سرفراز! تمہیں اب ہر جرم کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے جن کا ابھی تم خود اعتراف کر چکے ہو۔ انصاف تمہارے لیے سزائے موت کا مطالبہ کرتا ہے۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میں نے

ریوالور والا ہاتھ اس کی طرف تان لیا۔

"یہ۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ ٹھہرو' پاگل نہ بنو۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر جلدی سے کہا "اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں زندہ رہوں گا تو تمہیں اتنا دے دوں گا جو تمہیں عمر بھر کے لیے کافی ہوگا۔ باقی مسئلہ رہ جاتا ہے پولیس کا۔ تو تم بحفاظت کہیں بھی جانا چاہو تو میں اس کا بھی انتظام کردوں گا۔"

"میں اپنے ضمیر پر قتل کا بوجھ لیے جلا وطنی کی زندگی گزارنے پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ ایسی دولت جو مجھے سکون نہ دے سکے اور احساسِ جرم سے نجات نہ دلا سکے مجھے کیا خوشی فراہم کرسکتی ہے۔" میں نے کہا اور پھر اس پر ریوالور تان لیا۔

"نہ۔ خدا کے لیے۔ میری بات سنو۔" وہ دہشت سے چلایا۔ اس کا رنگ لاش کی طرح سفید پڑ گیا تھا اور اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے تھے "مجھے چند منٹ کی مہلت دو پھر تمہارا جو دل چاہے کرنا۔" اس نے کانپتے ہاتھوں سے گھڑی اتاری جس کا سنہری رنگ روشنی میں دمک رہا تھا۔ اس نے گھڑی کی پشت یوں میری طرف رکھی کہ منعکس ہونے والی روشنی میری آنکھوں پر پڑے "ادھر دیکھو۔ اس وقت نو بج کر بارہ منٹ ہوئے ہیں۔ میں تم سے صرف تین منٹ مانگتا ہوں۔ جب نو بج کر پندرہ منٹ ہوجائیں تو بے شک تم گولی چلا دینا لیکن اس سے پہلے نہیں۔ گھڑی پر نظر رکھو۔ اسے دیکھتے رہو اور میری بات سنو۔ مجھے امید ہے کہ میں تمہیں تین منٹ کے اندر اندر سمجھا کر قائل کرلوں گا۔"

میں نے اپنی نظر فوراً سرفراز کے چہرے سے ہٹالی جس کے سامنے سنہری گھڑی کا دمکتا ہوا پچھلا حصہ کسی ننھی سی سرچ لائٹ کی طرح روشن تھا۔ سکندر نے مجھے خبردار کیا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے یہ کوشش ضرور کرے گا۔ نظریں جھکی ہونے کے باوجود ریوالور پر میری گرفت کمزور ہونے لگی اور مجھے یہ خیال آیا کہ میں فائر نہیں کرسکوں گا۔ اگر میں نے یہ کوشش کی بھی تو میرا نشانہ خطا ہوجائے گا۔

میں نے خود اعتمادی کی گرتی ہوئی دیوار کو گرنے سے سنبھالنے کی کوشش میں سر کو جھٹکا دیا اور مسلسل پلکیں جھپکاتا رہا لیکن یہ کام آسان نہ تھا۔ میری پلکیں بتدریج بوجھل ہو رہی تھیں۔ سرفراز مسلسل ایک ہی بات کو بار بار دہرا رہا تھا "توصیف! ادھر میری طرف دیکھو۔ کیا تمہیں نیند آرہی ہے؟ تمہاری آنکھیں کیوں بند ہو رہی ہیں؟"

"نہیں۔" میں نے اپنے آپ کو یقین دلایا "میں جاگ رہا ہوں۔ میری آنکھیں کھلی ہیں۔"

اچانک سرفراز نے چٹکی بجائی۔ بالکل غیر ارادی طور پر میری نظریں اٹھ گئیں پھر گھڑی کا وہ چمکتا ہوا حصہ میری آنکھوں کا جلتا ہوا سورج بن گیا۔ اس کی سنہری کرنوں نے مجھے اپنے حصار میں کرلیا۔ میری نگاہ اس کی نگاہ سے ملی اور منجمد ہوگئی۔ مجھے اپنے پورے جسم میں کمزوری کی لہر سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میرا حوصلہ جواب دینے لگا۔

"مم۔ میں تمہیں۔ شوٹ کردوں گا۔" میں نے کسی کامیڈین کی طرح اپنی مضحکہ خیز لڑکھڑاتی ہوئی آواز سنی۔

"نہیں توصیف!" اس کی گونج دار آواز کسی بازگشت کی طرح سنائی دینے لگی "تم مجھے شوٹ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ تم میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے۔ تم بہت تھکے ہوئے ہو۔ تمہارے لیے تو کھڑے رہنا بھی مشکل ہے۔ یہ ریوالور بہت بھاری ہے۔ تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ تمہارے ہاتھوں میں اتنا دم بھی نہیں ہے کہ اسے سنبھال سکو۔"

ریوالور کے گرنے کی آواز مجھے اس طرح سنائی دی جیسے کسی گہرے کنوئیں میں پتھر گرتا ہے تو گونج سی سنائی دیتی ہے۔ تھکن کا شدید احساس مجھ پر غالب آگیا۔ میرے قدم لڑکھڑانے لگے۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میں نے کئی راتیں جاگ کر گزاری ہیں اور اب سونا چاہتا تھا۔ سکون کی گہری نیند اس وقت میری سب سے بڑی تمنا بن گئی۔

یہ آواز نہ جانے کہاں سے آرہی تھی جو میرے ذہن کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی "تم تھکن سے بے حال ہو۔ تمہیں نیند کی اشد ضرورت ہے۔ تم سونے لگے ہو۔ تم سو چکے ہو۔ سٹور کا بچہ' مجھے شوٹ کرنے آیا تھا۔"

غالباً یہ آخری جملہ اشتعال کے عالم میں اپنی کامیابی کا یقین آجانے کے بعد سرفراز کے ہونٹوں سے بے اختیار نکل گیا تھا مگر اس غلطی سے ہپناٹزم کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اس ایک لمحے میں' جب اس کے ہونٹوں سے یہ جملہ ادا ہوا اس وقت اس کی توجہ مجھے ہپناٹائز کرنے پر نہیں رہی تھی۔ اس کے ضبط کا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔ غصے نے اسے مغلوب کرلیا تھا اور اس نے عین اس وقت جب وہ مجھے ٹرانس میں لینے کے عمل سے گزر رہا تھا' ایسی بات کہہ دی جو اسے نہیں کہنی چاہیے تھی۔ ارتکاز ٹوٹا اور میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ اچانک مجھے یاد آگیا کہ میں یہاں کس لیے آیا تھا۔

مگر جب ہوش آیا تو مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں گہرے پانی میں ڈوب رہا ہوں۔ میرے اردگرد تاریکی ہے اور میں

اس کی گہرائی میں اترتا جارہا ہوں۔ میرے لیے سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ پانی میرے پھیپھڑوں میں بھر رہا ہے۔ میرا وجود ہر لمحہ نشیب میں اتر رہا ہے اور میرے لیے زندگی کی مدت تمام ہوتی جارہی ہے۔

یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں تھی کہ اس آئینہ خانے سے میں پانی کے اس بیکراں سمندر میں کیسے پہنچ گیا۔ مجھے تیرنا آتا تھا لیکن میرے ہاتھ پیر میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اچانک اس تاریکی میں ایک سیاہ ہیولا نمودار ہوا۔ "فرشتۂ اجل" میں نے سوچا لیکن اس ہیولے نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور خود سے چمٹالیا۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں آخری احساس یہ تھا کہ میرے سفر کی سمت بدل گئی ہے۔ آخری خیال میرے ذہن میں یہ آیا کہ شاید یہ میری روح ہے جو پستی سے بلندی کی طرف مائل بہ سفر ہے۔

○☆○

یہ احساس کہ میں زندہ ہوں بتدریج بحال ہونے لگا۔ میں الٹا پڑا تھا۔ میرے بھیگے ہوئے بدن پر گیلے بنیان اور انڈرویئر کے سوا کچھ نہ تھا۔ کوئی شخص میری کمر پر سوار تھا اور وقفے وقفے سے میرے جسم پر اس طرح دباؤ ڈال رہا تھا کہ ہر جھٹکے پر میرے منہ سے پانی نکلتا تھا۔

میں نے اپنے کراہنے کی آواز سنی پھر سکندر کی آواز کانوں پر پڑی "شکر ہے اسے ہوش آگیا۔ اب فکر کی کوئی بات نہیں۔"

اس نے مجھے سیدھا کردیا۔ میں نے سکندر کے ساتھ انسپکٹر عبدالقیوم کو کھڑے دیکھا۔ انہوں نے مجھے سہارا دے کر اپنے پیروں پر کھڑا کیا تو مجھے اپنے پیچھے پھنکارتا ہوا سمندر نظر آیا۔ سکندر کے کپڑے بھی پانی میں تر تھے پھر میں نے دیکھا کہ میرے کپڑے ڈھیر کی صورت میں ایک چھوٹی سی چٹان پر رکھے تھے اور ان کے اوپر ایک کاغذ تہ کیا ہوا رکھا تھا۔ کاغذ کو اڑنے سے بچانے کے لیے ایک پتھر سے دبادیا گیا تھا۔

"اس مرتبہ خودکشی کرنے کی کوشش پر تمہیں سزا ہونا لازمی ہے۔" سکندر نے سنجیدگی سے کہا۔ میں اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ سکندر مجھے چھوڑ کر آگے بڑھا اور اس نے میرے کپڑوں کے اوپر رکھا ہوا کاغذ اٹھالیا۔

"اس تحریر کو پہچانتے ہو؟" وہ کاغذ کو میرے سامنے لہراتا ہوا بولا۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھ کر اپنی تحریر کو شناخت کرنے کا اقرار کیا۔ البتہ میں تحریر کو پڑھنے میں ناکام رہا کہ اس پر لکھا کیا تھا۔

سکندر نے ٹارچ جلا کر پڑھنا شروع کیا۔

"میں توصیف احمد' اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اختر حسین اور نوشابہ میرے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں۔ میں قاتل ہوں' پولیس میری تلاش میں ہے۔ میں زیادہ دیر تک آزاد نہیں رہ سکتا۔ آخر کار پولیس مجھے گرفتار کرلے گی۔ میں فرار ہونا بھی چاہوں تو نہیں ہو سکتا۔ میرے لیے جائے پناہ کہیں نہیں ہے۔۔۔ اور آخر میں ان خوف کے سایوں سے کب تک بھاگتا رہوں گا جو دن رات میری زندگی کے ہر لمحے پر مسلط ہوں گے؟ مجھے یقین ہے کہ میں فرار ہو بھی جاؤں تو ایک نہ ایک دن آخر کار پکڑا جاؤں گا پھر مجھے وہی سزا ہوگی جو' اب خود میں نے اپنے لیے تجویز کی ہے۔ اس طرح میں کم از کم انتظار کے دہشت ناک عذاب سے تو بچ جاؤں گا۔ اپنی ذلت و رسوائی اور بے بسی کا تماشا تو نہیں دیکھوں گا۔ میرے ساتھ ہر حال میں یہی ہونا ہے۔ کل کے مقابلے میں آج میری موت زیادہ پُرسکون ہوگی۔ میں خود اپنی موت کا سامان کررہا ہوں۔ اس سلسلے میں کسی کو موردِ الزام نہ ٹھہرایا جائے۔"

سکندر نے خط پڑھ کر جیب میں رکھ لیا۔ تحریر کے نیچے میرے دستخط بھی تھے۔ یہ خط میں نے خودکشی کی کوشش کرنے سے پہلے لکھا تھا جو میرے خلاف ناقابلِ تردید دستاویزی شہادت کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ میں نے اس قسم کی کوشش کیوں کی۔ میں تو سکندر کی ہدایت کے مطابق سرفراز۔۔۔ یا سلیم کی گرفتاری میں مدد کرنے گیا تھا اور اس آئینہ خانہ نما کمرے میں سرفراز کے روبرو کھڑا تھا۔ وہ ریوالور کے سامنے بالکل بے بس تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ رفتہ رفتہ میری یادداشت کام کرنے لگی۔ اس نے سنہری رنگ کی گھڑی دکھائی تھی جو بلب کی روشنی میں کسی ننھے سے سنہری سورج کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کے بعد سرفراز نے یقیناً وہی کچھ کیا جو وہ میرے ساتھ پہلے کرچکا تھا۔ اس نے کہا تھا تم تھکے ہوئے ہو اور میں نے تھکن محسوس کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ ریوالور اتنا بھاری ہے کہ تم سنبھال نہیں سکتے اور ریوالور میرے ہاتھوں سے نکل کر فرش پر گر گیا تھا۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر۔ میں نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ شاید اس نے کہا تھا کہ تم سو رہے ہو۔ کیا میں واقعی سو گیا تھا؟ لیکن اس کے بعد بھی شاید اس نے کچھ کہا تھا۔

مجھے یاد آگیا۔ اس نے کہا تھا "سور کا بچہ' مجھے شوٹ کرنے آیا تھا!" اس جملے کے فوراً بعد ہی مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں ڈوب رہا ہوں۔ کیا یہ آخری جملہ اس نے میرے سو جانے کے بعد کہا تھا؟ نیند میں اس کی آواز مجھ تک کیسے

پہنچی؟ اور میں نیند کی حالت میں خودکشی کرنے کیسے پہنچا؟ یہ ایسے سوالات تھے کہ ایک کے بعد ایک میرے ذہن میں سر اٹھانے لگے۔ نیند کے دوران میں ہی میں نے تحریر کیسے لکھ دی؟ میں الجھ کر رہ گیا۔ ان سوالات کا میرے پاس جواب نہیں تھا۔

میں اب اپنے پیروں پر کسی سہارے کے بغیر کھڑا تھا۔

سکندر نے قہقہہ لگا کر میرے کندھے پر ہاتھ مارا تو میں اپنے خیالات سے چونک گیا "گھبرا گئے" اس نے کہا پھر وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔"

میں نے گہرا سانس لے کر اپنے کپڑے اٹھائے اور پہن لیے۔ تھوڑے فاصلے پر دو کاریں کھڑی تھیں ان میں سے ایک پولیس کار تھی اور دوسری سکندر کی تھی۔ جب ہم کار کی طرف جا رہے تھے تو میری نگاہ اندھیری رات میں ایک سلگتے ہوئے الاؤ پر گئی جو چٹانوں کے سلسلے سے نکلتے ہی نظر آگیا تھا۔ وہ الاؤ سڑک سے ذرا ہٹ کر نشیب میں ایک چٹان کے نیچے روشن تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ سرفراز کی چتا ہے۔" سکندر نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"اس نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس کی کار کے ٹائر کا نشانہ لے کر فائر کیا تھا۔ مگر شاید گولی پیٹرول کی ٹنکی میں جا لگی تھی۔"

"گولی تو میں نے بھی چلائی تھی لیکن میرا نشانہ خطا ہو گیا تھا۔" انسپکٹر عبدالقیوم اپنی گنگناتی ہوئی آواز میں بولا۔

"بہرحال، اس کے مرنے سے تم بھی اس کے سحر سے آزاد ہو گئے۔" سکندر نے کہا۔ "تم اپنی مرضی سے خودکشی کر رہے تھے اور اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم سرفراز کو زندہ پکڑنے کے بعد اسے ہپناٹزم کا اثر ختم کرنے پر مجبور کرتے۔ اس کے مرتے ہی تمہارا ذہن آزاد ہو گیا۔"

کار کی پچھلی نشست پر نیم دراز میں ان واقعات کو اپنے ذہن میں دہرانے لگا جو سرفراز کی شیطانی قوت کے زیر اثر آجانے کے بعد میرے ساتھ رونما ہوئے تھے۔ یہ بات مجھے اب بھی خواب سی معلوم ہوتی تھی کہ میں اپنے ہاتھوں ایک قتل کر چکا ہوں۔ دوسرا قتل بھی مجھے ہی کرنا تھا جو میں نہیں کر سکا تھا تو سرفراز نے کر دیا۔ اب میں موت کی سرحد کو چھو کے لوٹ آیا تھا اور سرفراز اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جل کر خاکستر ہو گیا تھا۔

"کیا واقعی اب میں کسی کی شیطانی قوت کا غلام نہیں رہا؟" میں نے آنکھیں بند کر کے سوچا۔

○☆○

میری آنکھ کھلی تو مجھے معلوم ہوا کہ میں بیس گھنٹے تک سوتا رہا تھا۔ میں نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ میں اپنے کمرے کے بستر پر لیٹا تھا۔ میں خود کو بالکل پُرسکون اور تازہ دم محسوس کر رہا تھا لیکن شدید بھوک کے باعث نقاہت سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں غالباً کار ہی میں سو گیا تھا یا بے ہوش ہو گیا تھا۔

"ہیلو۔" میرے دائیں جانب سے سکندر نے کہا "مجھے پہچانتے ہو؟" وہ کچن کے دروازے پر کھڑا تھا۔

میں مسکرایا "آپ اس وقت سے یہیں ہیں؟"

"ہاں۔" سکندر نے جواب دیا "تم تو گدھے گھوڑے بیچ کر ایسے سوئے کہ پہلے تو میں بھی پریشان ہو گیا تھا۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں سکندر بھائی!" میں نے کہا میرے لہجے میں حقیقی ممنونیت تھی۔

"کافی پیو گے؟"

"جی ہاں۔ کچھ کھانے کو بھی مل جائے تو وہ بھی لیتے آیئے۔ میں شدید بھوک محسوس کر رہا ہوں۔"

سینڈوچ اور اُبلے ہوئے انڈے کھا کر میں نے کافی کا ایک ایک کپ پیا تو مجھے اپنے جسم میں توانائی بحال ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ سگریٹ جلا کر میں نے راحت اور آسودگی کے احساس سے سرشار ہونے کے بعد تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے کوشش کی تھی کہ آپ کی ہدایت کے مطابق اپنا پارٹ ادا کروں۔۔۔ لیکن میں ناکام رہا۔"

"نہیں۔ تم ناکام نہیں رہے۔" سکندر نے کہا "جو کچھ تم نے کیا وہ کافی تھا۔ ویسے بھی ناکامی کے امکانات کو میں نے نظرانداز نہیں کیا تھا۔ اس لیے تم مرنے سے بھی بچ گئے۔ میں نے اپنے طور پر کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے کچھ انتظامات بھی کیے تھے۔ میں نے انسپکٹر عبدالقیوم کی مدد سے آئینہ خانہ میں مائیکروفون بھی لگا دیا تھا۔ ہم اس عمارت سے کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپے تمہاری اور سرفراز کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہے تھے۔ تمہیں جو ریوالور میں نے دیا تھا وہ حفظِ ماتقدم کے طور پر پہلے سے خالی کر لیا گیا تھا ورنہ تمہارا کیا بھروسا کہ اس کا اعترافِ جرم سننے سے پہلے ہی تم اشتعال میں آکر اس پر گولی چلا دیتے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری قوتِ ارادی صفر ہے۔ چونکہ یہ بات تمہیں معلوم نہیں تھی۔ چنانچہ تمہارے اعتماد میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس طرح

سرفراز کو بھی تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تاہم مجھے جس بات کا اندیشہ تھا وہ ہوگئی۔"

سکندر ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا اور خالی کپ میں کافی انڈیل کر میری طرف بڑھا کر اور دوسرا کپ اپنے سامنے رکھتے ہوئے مزید گویا ہوا "وہ ایک بار پھر تم پر ہپناٹزم کا جادو چلانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور جب تم اس کے ٹرانس میں آگئے تو وہ تمہیں کار میں لے کر فرار ہوگیا۔ پہلے تو ہم اس کا پلان سمجھ ہی نہیں سکے تھے۔ جب عمارت سے کار تیز رفتاری سے روانہ ہوئی تو تب ہمیں خیال آیا کہ وہ تمہیں کہیں اور لے جارہا ہے۔ ہم بھاگ کر اپنی گاڑی تک پہنچے اور جب ہم سڑک پر آئے تو سرفراز کی کار اتنی آگے نکل چکی تھی کہ ہمیں نظر نہیں آرہی تھی۔ البتہ ہمیں یہ اندازہ ضرور تھا کہ وہ تمہیں لے کر سمندر کی طرف گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ سرفراز کے عزائم کیا ہیں۔"

"سرفراز نے میرے ہی الفاظ استعمال کرتے ہوئے مجھے گالی دیتے ہوئے کہا تھا۔ سؤر کا بچہ' مجھے شوٹ کرنے آیا تھا! اس کے ساتھ ہی مجھے ہوش آگیا تھا مگر اس وقت میں بے بس تھا۔" میں نے کہا۔

"غالباً تمہیں پانی میں پھینک دینے کے بعد اس نے یہ بات کہی ہوگی۔" سکندر نے کہا "اس سے ہپناٹزم کی قوت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ ہپناٹزم میں پوری توجہ معمول پر مرکوز رکھنی پڑتی ہے۔ میری سمجھ میں تو اسی وقت آگیا تھا کہ یہ ہپناٹزم کا چکر ہے' جب تم نے بتایا تھا کہ سلیم نام کا ایک شخص تمہارے اندھیرے کمرے میں موم بتی لے کر گھس آیا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اسے ثابت کس طرح کیا جائے؟ ہپناٹزم یا سمریزم وغیرہ کے بارے میں باتیں تو ہوتی رہتی ہیں۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا بھی جاچکا ہے لیکن جو لوگ اس کا عملی مظاہرہ دیکھ چکے ہوتے ہیں وہ بھی کسی تذبذب کے بغیر صد فیصد یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں۔ جادو' ٹیلی پیتھی' سمریزم' پامسٹری اور علم نجوم وغیرہ۔ جنہیں صاف طور پر جھٹلایا بھی نہیں جاسکتا اور حقیقت سمجھ کر قبول بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب میرے علاوہ ایک ذمے دار پولیس افسر بھی ہے جس نے سب کچھ دیکھا اور سنا ہے۔ اس کی گواہی بھی تمہاری بے گناہی کے لیے کافی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے تمہاری اور سرفراز کی باتیں صرف سنی ہی نہیں تھیں' انہیں ریکارڈ بھی کرتے رہے تھے۔

"تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لیے یہ چیزیں کافی ہیں۔ جب تم نے جرم کیا تو تم ہوش میں نہیں تھے۔ نشے اور اشتعال کی کیفیت میں بھی کوئی قتل کردے تو قانون اسے قتل عمد نہیں سمجھتا۔ تم تو بالکل معذور اور کسی اور کے کنٹرول میں تھے۔ تمہاری حیثیت قاتل کے ہاتھ میں آلۂ قتل سے زیادہ نہیں تھی۔ قتل کی سزا قتل کرنے والے کو ضرور ملتی ہے۔ مگر آلۂ قتل پر الزام نہیں آتا۔ کیونکہ خنجر' پستول یا ریوالور وغیرہ از خود قتل نہیں کرتے۔ تم بھی محض ایک آلۂ کار تھے۔ منصوبہ کسی اور کے ذہن کا تھا مگر ہاتھ تمہارے استعمال کیے گئے تھے۔ تمہارے ہاتھوں کو کنٹرول کرنے والا سرفراز تھا اور تمہارا اپنا ذہن بھی تمہارے اختیار میں نہ تھا۔"

"سرفراز نے یہ سارا خونی ڈراما کس لیے رچایا تھا؟" میں نے کہا۔

"سرفراز نے تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں تقریباً چار سال انگلینڈ میں گزارے ہیں۔ وہاں ڈاکٹر فالستو برگ نامی ہپناٹسٹ سے اس کی دوستی ہوگئی جو اسٹیج پر ہپناٹزم کرنے کا مظاہرہ کرتا تھا۔ بعد میں سرفراز کو بھی ہپناٹزم سیکھنے کا شوق ہوا۔ اس سلسلے میں اس کے دوست فالستو برگ نے اس کی مدد کی۔ اس نے سرفراز کو بنیادی کتابیں فراہم کیں اور بعد میں باقاعدہ اسے تربیت دیتا رہا۔ یہ تمام باتیں مجھے سرفراز کے گھر سے ملنے والے البم اور خطوط وغیرہ دیکھنے سے معلوم ہوئیں۔ یہ بھی انکشاف ہوا کہ وہ ہپناٹزم میں اعلیٰ قسم کا ماہر فن نہ سہی البتہ کسی حد تک اس علم پر عبور رکھتا تھا۔ بڑے سے بڑا ماہر فن بھی کسی ایسے شخص کو ہپناٹائز نہیں کرسکتا جس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو منطقی ذہن اور مستقل مزاج قسم کے لوگ جو اپنی قوت فیصلہ پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں' محض کسی کے بار بار کہنے سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ تھکن کا شکار ہیں یا انہیں نیند آرہی ہے۔ جب تک کہ حقیقتاً ایسا ہی نہ ہو۔ بدقسمتی سے تمہارے اندر وہ تمام صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں جن کی سرفراز جیسے عامل کو معمول پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے ضرورت پڑتی ہے۔"

"آپ نے کم سے کم وقت میں اتنی معلومات اکٹھی کرلیں۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "لیکن میرا وہ سوال تو تشنہ ہی رہ گیا کہ آخر اس نے یہ خونی ڈراما کس لیے رچایا تھا۔"

"ذرا صبر سے کام لو برخوردار۔" سکندر نے کہا "میں اسی طرف آرہا ہوں۔ انگلینڈ سے واپس آکر اس نے اپنا کاروبار شروع کردیا اور خاصا دولت مند بن گیا۔ ممکن ہے اس نے دولت حاصل کرنے کے لیے اپنے "علم" کو بھی

استعمال کیا ہو۔ بہرحال' پہلی بیوی کے مرنے کے بعد وہ کافی عرصے تک تنہا زندگی گزارتا رہا۔

پھر اتفاقاً اس کی ملاقات نوشابہ سے ہوگئی۔ وہ جو خود پینا ٹرم پر خاصی دسترس رکھتا تھا' نوشابہ کے حسن و شباب میں ایسا سحر زدہ ہوا کہ بندۂ بے دام بن گیا اور اس سے شادی کر بیٹھا۔ نوشابہ نے عمر کے واضح فرق کے باوجود سرفراز سے اس لیے شادی کی تھی کہ وہ خاصی دولت کا مالک تھا۔ نوشابہ کی طرف سے اس شادی پر رضا مند ہونے کا مقصد صرف اس کی دولت کا حصول تھا۔ اس میں محبت کو قطعی دخل نہ تھا۔ اس کا محبوب تو اختر حسین تھا جو ان دنوں بے روزگار اور قلاش تھا۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ نوشابہ اور اختر حسین نے ایک طے شدہ سازش کے تحت سرفراز کو پھانسا تھا۔ اختر حسین نے نوشابہ کو ترغیب دی ہوگی اور اس نے اپنے حسن و شباب کا جال پھیلا کر سرفراز کو کسی دشواری کے بغیر دلنواز اداؤں سے "پینا ٹائز" کرلیا ہوگا پھر اختر حسین نے کسی طرح سرفراز سے آشنائی پیدا کی اور تعلقات کو دوستی کی حد تک استوار کرلیا۔ اب وہ اپنی محبوبہ کو سرفراز کی دولت سمیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"سرفراز کاروباری سلسلے میں اکثر رہتا تھا لیکن اس بار وہ کہیں نہیں گیا تھا۔ غالباً اسے اپنے دوست اختر حسین اور اپنی بیوی کے درمیان تعلقات کی بھنک پڑ گئی تھی یا ممکن ہے کسی اتفاق کے باعث اسے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اختر حسین اور نوشابہ کیا سازش کررہے ہیں۔ مشتعل ہوکر غلط قدم اٹھانے کے بجائے وہ ان دونوں کو سزا دینے کے مختلف طریقوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا رہا۔ جس سے سانپ بھی مرجائے مگر لاٹھی نہ ٹوٹے۔ وہ دونوں کو عبرتناک سزا دینا چاہتا تھا۔ اس شخص کی ذہنی کیفیت کا خود اندازہ کرسکتے ہو جو خود کو بہت چالاک سمجھتا ہو اور دولت مند بھی ہو۔ کسی لڑکی کو نیک نیتی سے چاہتا بھی ہو مگر اچانک کوئی شخص دوستی کا لبادہ اوڑھ کر اس کی زندگی میں داخل ہوجائے اور اس کی تمام دولت مع خوبصورت بیوی کے ہتھیانا چاہتا ہو..... اور وہ بیوی جسے اس نے سب کچھ دیا ہو' محض اس لیے اس سے بیوفائی کرنے پر کمربستہ ہوجائے کہ وہ عمر رسیدہ ہے۔

"سرفراز کا اعتماد اور غرور خاک میں مل گیا۔ اس کی انا کو سخت ٹھیس پہنچی۔ آخری بار جب وہ کاروباری دورے پر لاہور جانے کی تیاریاں کررہا تھا تو اسے معلوم ہوچکا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں نوشابہ اور اختر حسین سب کچھ سمیٹ کر فرار ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس نے احتیاطاً تجوری سے تمام قیمتی اشیا نکال لیں مگر تجوری کو مقفل کرگیا تاکہ انہیں شبہ نہ ہو۔ یہ قفل نوشابہ بھی نہیں کھول سکتی تھی۔ سرفراز بالکل عقل سے پیدل بھی نہیں تھا۔ اس نے کبھی نمبروں والے قفل کا کوڈ نمبر نوشابہ کو نہیں بتایا تھا۔"

سکندر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوا۔ اس نے دو سگریٹ جلا کر ایک مجھے دیا پھر سگریٹ کا کش لے کر مزید تفصیلات بتانے لگا "اس کہانی کے تینوں کردار مرچکے ہیں۔ ہر ایک نے اپنے کیے کی سزا پائی مگر میرا خیال ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہوا' اس کی تمام تر ذمے داری سرفراز پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ بیوی کی بیوفائی اور دوست کی دشمنی نے اسے انسان سے شیطان بنادیا۔ یہ فطری سی بات ہے۔ اس نے دونوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کا ایک سبب تھا مگر اس نے جو طریقہ اختیار کیا وہ انتہائی ظالمانہ اور انسانیت سوز تھا کیونکہ اس نے ایک بے گناہ کو استعمال کیا... یعنی تمہیں۔ اس طرح تمہیں پھانسی بھی ہوسکتی تھی۔ اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بنا کے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا۔ تاکہ وہ خود محفوظ رہے۔ آخری بار وہ کاروباری دورے پر جانے کے بہانے تمہارے پڑوس میں فلیٹ لے کر رہنے لگا۔ وہاں اس کی موجودگی کا شبہ کسی کو نہیں ہوسکتا تھا اور ایسی جگہ پر اس کے کسی شناسا کے پہنچنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ وہاں اس نے اپنے اردگرد بسنے والوں کا جائزہ لیا اور آخرکار تمہیں موزوں ترین پاکر اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے منتخب کرلیا۔ وہ اپنی بیوی اور اس کے چاہنے والے کو تمہارے ہاتھوں قتل ضرور کرانا چاہتا تھا لیکن تمہیں تختۂ دار پر پہنچانا اس کے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔"

"لیکن یہ کس طرح ممکن ہے؟" میں نے پوچھا "کہ دہرے قتل کے بعد بھی میں قانون کی سزا سے بچ جاتا؟"

"اگر تم خواب کو محض خواب سمجھ کر قبول کرلیتے اور دیگر انکشافات کو نظرانداز کردیتے تو بات ختم ہوجاتی۔" سکندر نے جواب دیا "بہت سی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہم سمجھ نہیں پاتے لیکن ذہنی الجھن اور پریشانی سے بچنے کے لیے یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ ان کے بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دیں۔ تمہاری خوش قسمتی اور سرفراز کی بدقسمتی کے باعث تم یہ مسئلہ لے کر میرے پاس آگئے اور میری پیشہ ورانہ حس بیدار ہوگئی۔"

"ہاں' آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" میں نے اعتراف کیا "سچی بات تو یہ ہے کہ آپ میرے بہنوئی ہیں اور میں یہی سوچ کر آپ کے پاس آیا تھا کہ آپ اس سلسلے میں یقیناً سنجیدگی سے

غور کریں گے اور میری مدد کریں گے... ورنہ دوسری صورت میں، میں یہ کیس لے کر پولیس اسٹیشن جا ہی نہیں سکتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہاں میری بات سن کر سب سے پہلے تو میری چھترول کی جاتی کہ میں نے ایک پولیس آفیسر کے ساتھ مذاق کرنے کی جرأت کی ہے اور پھر میرا ذہنی علاج کرانے کی غرض سے مجھے پاگل خانے بھیج دیا جاتا۔ میں پریشان ضرور تھا لیکن بقول آپ کے آخر کار میں ان خیالات کو جھٹک کر ان کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیتا۔"

"بہرحال، یہ اچھا ہی ہوا کہ تم میرے پاس چلے آئے۔" سکندر نے کہا۔

"لیکن پہلے تو آپ نے بھی میری بات سن کر اسے مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی تھی۔"

"بظاہر میں نے تمہاری بات مذاق میں ٹال دی تھی لیکن میں نے یہ اندازہ تو لگا ہی لیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ اس کے بعد کے واقعات نے اس کی تصدیق کردی۔ سرفراز نے اپنے تئیں بہت سوچ سمجھ کر پلان بنایا تھا۔ اس نے ایسے حالات پیدا کردیے تھے کہ اس پر الزام آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر غیر متوقع طور پر واقعات کی شہادت سے پولیس کسی مجرم تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی تو وہ مجرم تم ہوتے۔ نوشابہ کا بچ کر فرار ہونا ایک حادثہ تھا مگر اس کے بروقت فرار نے واقعات کو بالکل مختلف رنگ دے دیا۔ پولیس کے ابتدائی اندازے سرفراز کی توقعات کے عین مطابق تھے کہ اختر حسین تجوری توڑ کر ڈاکا ڈال رہا تھا اور نوشابہ نے اسے دیکھ لیا۔ چنانچہ اس نے نوشابہ کو کار سے کچل کر ہلاک کردیا۔

اس کے بعد خود اختر حسین کی موت کا مسئلہ پولیس کو حل کرنا تھا۔

یہ سرفراز کی بدقسمتی تھی یا قدرت کے نظامِ انصاف کا ایک نمونہ کہ نوشابہ مرتے مرتے قاتل کا حلیہ بیان کر گئی اور پھر واقعات اور شہادت کی کڑیاں یوں ملتی گئیں کہ قانون کی ہتھکڑیاں تمہارے ہاتھ میں پڑ سکتی تھیں۔ سرفراز نے کسی پیشہ ور قاتل کی خدمات حاصل کرنے کے بجائے تمہیں آلۂ کار بنانا بہتر سمجھا تھا مگر وہ خود اپنے پھیلائے ہوئے جال میں گرفتار ہو گیا۔"

"بہرحال۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "سرفراز اپنے ہی پھیلائے ہوئے جال میں گرفتار ہو گیا اور آخر انجام کو پہنچا۔ یہ سوچ کر ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں کہ اگر اس کا پلان کامیاب ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا۔"

"ہوتا کیا..." سکندر نے بے پروائی سے کہا "وہ ایک شعر کا مصرعہ ہے نا کہ... پلاؤ کھائیں گے احباب، فاتحہ ہوگا۔ خیر... سرفراز کے پلان کی ناکامی کے چند غیر اہم اسباب بھی تھے۔ مثلاً، اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ محض تمہیں حکم دے دے اور تم ٹیکسی یا کسی اور ذریعے سے جا کر اپنا کام کر آؤ۔ غالباً ہپناٹزم کرنے والے کی ذہنی قوت کے اثرات کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ تمہیں اس نے صحیح وقت پر صحیح جگہ پہنچا دیا تھا۔ اختر حسین سے جدوجہد کے دوران میں تمہیں سرفراز کا دیا ہوا پستول نکالنے کا موقع نہیں ملا اور گھبراہٹ میں نوشابہ کی غیر دانستہ حماقت کے باعث اختر حسین مارا گیا۔ اگر سرفراز خود باہر نہ ہوتا تو نوشابہ بچ کے نکل گئی تھی۔ باہر نکل کر وہ چیخ و پکار مچاتی تو تم جائے واردات پر ہی پکڑے جاتے لیکن سرفراز کے ذہن نے ناکامی کے اندیشوں کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ اگر صورتِ حال قابو سے باہر ہو جاتی تو وہ خود بھی تمہاری مدد کے لیے آ پہنچتا۔ بالکل اسی طرح جیسے اس نے نوشابہ کے تمہارے دسترس سے نکل جانے کے بعد اس کا کام خود تمام کردیا۔ تم نے ہپناٹزم کے زیرِ اثر سرفراز کا مشن پورا کردیا تو اسی کیفیت میں وہ تمہیں واپس لے آیا۔ اس امید اور یقین کے ساتھ کہ تمہارے ذہن میں کچھ نہیں رہے گا اور ہپناٹزم کا اثر ختم ہو گا تو وہ غائب ہو چکا ہو گا۔

خواتین و حضرات گھر بیٹھے داخلہ لیں

انگلش لینگویج کورس	ایئر ہوسٹس	ہوم اکنامکس	بیوٹی پارلر کورس
ریفریجریشن ایئر کنڈیشننگ	ایئر کمپنگ	ٹیکنیک فیشن	آٹو سروسنگ
ریڈیو ٹی وی سی آپریشن	الیکٹریشن	ڈرافٹس مین	ڈرائنگ ٹیچنگ
اسکول ٹیچنگ میتھڈ	صحافت	فوٹو گرافی	انٹیریئر ڈیکوریشن
امپورٹ ایکسپورٹ / شمسی توانائی / مہر سازی / سلنگ بیوٹی / حکمت / اردو ادب			
موٹر سائیکل مرمت / لائبریرین / کمپیوٹر / کوکنگ ریکنگ / لیڈیز ٹیلرنگ			
ایگریکلچر سپروائزر (جدید زراعت) / میڈیکل ایڈ / آئل پینٹنگ / ڈینٹل میکینشن			
پولٹری ڈیری فارمنگ / نیوز رپورٹر / فلاور میکنگ / پبلک ریلیشن آفیسر			

یہ تمام کورسز اردو میں سینکڑوں تصاویر اور دل آویز اسٹائل کے ساتھ پرنٹیڈ کتب کی صورت میں بذریعہ ڈاک طلبہ و طالبات کو گھر پر کرائے جاتے ہیں۔ کورس کے دوران اور سند لینے کے بعد بھی تمام راہنمائی ایک علیحدہ لیٹر کے ذریعے کی جاتی ہے۔ جوابی لفافے کے ساتھ خط لکھیں۔

اسلام آباد اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر 1237
جی پی او۔ اسلام آباد

"تم نے جو کچھ کیا ایک رات کی بات تھی۔ تم جہاں سوئے تھے وہیں جاگے۔ گزشتہ شب کے واقعات تمہارے لاشعور میں اتر گئے تھے وہ تمہیں محض ایک خواب کی طرح یاد تھے۔ ہمارے خواب لاشعور ہی میں دفن رہتے ہیں اور جب شعور کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے تو بند آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح نظر آنے لگتے ہیں۔ اگر سرفراز کے دیئے ہوئے پستول سے تم اس کی توقعات کے مطابق قتل کر آتے تو صبح تمہیں وہ آثار نہ ملتے جو تمہارے لیے شکوک اور الجھن کا باعث بنے۔ کلائی کی خراش اور گردن کے نشانات اختر حسین سے جسمانی جدوجہد کا نتیجہ تھے جنہیں تم نظر انداز نہیں کر سکے۔ مزید پیچیدگی بٹن اور چابی کی دریافت نے پیدا کر دی اور اس طرح تم یہ مسئلہ لے کر مجھ تک آن پہنچے۔"

"اگر یہ سب کچھ میں نے ہپناٹزم کے زیر اثر کیا تھا تو مجھے یہ احساس کیوں رہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا "صبح جاگنے کے بعد مجھے سب کچھ یاد کیوں آ گیا؟"

"ہپناٹزم شعور کو متاثر کرتا ہے۔" سکندر نے کہا "یہ کیفیت نیند کی طرح ہوتی ہے۔ جس میں شعور کے دروازے بند ہو جاتے ہیں مگر لاشعور بیدار رہتا ہے۔ جو لوگ ہپناٹزم سے متاثر ہوتے ہیں وہ نیند میں چلنے کی طرح زینے اتر جاتے ہیں۔ دروازہ کھول کر باہر نکل جاتے ہیں۔ بازاروں کی بھیڑ بھاڑ سے گزر جاتے ہیں اور پھر لوٹ آتے ہیں۔ کسی حادثے کا شکار نہیں ہوتے کیونکہ لاشعوری طور پر انہیں تمام خطرات کا احساس ہوتا ہے۔ عام آدمی بھی راہ چلتے ہوئے' سوچے سمجھے بغیر مقررہ راستے پر چلتا ہوا منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کا ذہن مختلف مسائل پر سوچتا رہتا ہے مگر قدم خود بخود اٹھتے رہتے ہیں۔ رات بھر میں جو کچھ تم نے کیا وہ لاشعور میں خواب بن کر محفوظ ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم پکنک سے واپسی پر شارٹ کٹ کے بہانے اس راستے پر جا پہنچے جہاں تمہیں ہپناٹزم کی کیفیت میں لے جایا گیا تھا۔ وہ مقام دیکھ کر تمہیں سب کچھ یاد آ گیا۔ تم خود یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ تمہیں وہ سب کچھ کیسے اور کب معلوم ہوا جو تم نے مجھے بتایا تھا۔ مثلاً تم نے چابی کے متعلق بتایا اور لائٹ کے سوئچ کی پوزیشن کے بارے میں بھی۔ یہ سب تمہارے ان تجربات کا نتیجہ تھا جسے تم نے خواب سمجھا تھا۔ خواب بھی پوری طرح یاد نہیں رہتے تھے۔ کچھ باتیں یاد رہ جاتی ہیں' کچھ بعد میں یاد آ جاتی ہیں۔ کسی مخصوص حالات میں۔ کسی کی صورت دیکھ کر نام یاد نہ آتا ہو کہ ملاقات کہاں ہوئی تھی۔ مگر یہ معلوم ہوتے ہی یاد آ جائے کہ تقریب کیا تھی؟ اس میں کون کون شریک تھا' ماحول اور موقع کیا تھا؟"

"مجھے یہ احساس کیوں تھا کہ میں نوشابہ کو جانتا ہوں؟" میں نے پوچھا "حالانکہ میں اس سے کبھی ملا تک نہیں تھا۔"

"اس وقت تمہارا اپنا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔" سکندر نے کہا "تم سرفراز کے دماغ سے سوچ رہے تھے۔ تم وہی کر رہے تھے جو سرفراز کے ذہن میں تھا۔ جسم تمہارا اپنا تھا مگر دماغ سرفراز کا۔ چنانچہ نوشابہ تمہیں اجنبی نہیں لگی کیونکہ وہ سرفراز کی بیوی تھی۔ ویسے بھی ہپناٹزم کے اسرار و رموز کو سمجھنا بڑا مشکل کام ہے۔ میں نے سرسری معلومات حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ میں کوئی ہپناٹزم کا ماہر نہیں ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ کوئی ماہر بھی ہپناٹزم کی کیفیت میں پیش آنے والے واقعات کی منطقی توضیح نہیں کر سکتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ خیر اب جو ہوا سو ہوا' اسے بھول جاؤ۔ یہی سمجھو کہ وہ کوئی خواب تھا جس کا تمہاری عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔"

پھر اس نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا "اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"کیوں' کہیں چلنا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا "میں نے ایس پی صاحب سے وقت لے لیا ہے۔ ہم پہلے ان سے ملیں گے۔ وہ تم سے کچھ سوالات کریں گے۔ انہیں بالکل ٹھیک ٹھیک جواب دینا پھر میں تمہیں پولیس اسٹیشن چھوڑ کر گھر جاؤں گا۔"

"پ۔۔۔ پولیس اسٹیشن۔۔۔ مگر کیوں؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"تم کم از کم ایک قتل کے مرتکب ضرور ہوئے ہو۔" سکندر نے بدستور گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔ اس کی باتیں سن کر میرے جسم پر کپکپی سی طاری ہو گئی "قتل کا ارتکاب تم نے کن حالات اور کیفیات میں کیا۔ یہ بات عدالت میں ثابت کی جا سکتی ہے۔ فی الحال تو تم پولیس کسٹڈی میں رہو گے۔ کل اتوار ہے' پرسوں تمہارا چالان کورٹ میں پیش کر دیا جائے گا۔"

میری کیفیت کے تغیر کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔ اس نے میرے ہاتھ کی پشت کو تھپکتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا "گھبراؤ مت۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ امید ہے کہ دوسری پیشی میں تمہاری ضمانت ہو جائے گی اور جلد ہی کیس بھی ختم ہو جائے گا۔ تم اس معاملے میں براہِ راست ملوث ہو۔ قانونی کارروائی تو ضروری ہے نا!"

تشابہ

نجمہ مودی

کیپٹن مائیک ایک بارودی پولیس مین جم کے ساتھ بیٹھا وقت گزاری کے لیے تاش کھیل رہا تھا۔ محلے کے چند دوسرے افراد ہال میں اِدھر اُدھر بیٹھے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

بازی ختم کر کے جم نے گھڑی دیکھی اور پتّے رکھ کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "دس بج رہے ہیں۔ مجھے اب چلنا چاہیے۔ میرا گشت پر جانے کا وقت ہو رہا ہے۔"

وہ جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑنے لگا تھا کہ اسے گویا کچھ یاد آیا۔ چونک کر وہ کیپٹن مائیک کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم ابھی تک یہاں کیوں موجود ہو؟ میرے خیال میں تو تمہاری ایوننگ سات بجے ختم ہو چکی ہے۔"

"ہاں۔ ایوننگ تو ختم ہو چکی ہے۔" مائیک پائپ سلگاتے ہوئے بولا۔ "لیکن گھر جا کر بھی کیا کروں گا۔ بیوی تو اپنی ماں کے ہاں گئی ہوئی ہے۔"

دروازے کے قریب بیٹھے ہوئے ایک پولیس والے نے تبصرہ کیا۔ "یہ حال ہے میدانِ جنگ میں بہادریاں دکھانے والے کا۔ پندرہ سال تک موصوف اس خاتون کو پانے کی آرزو دل میں لیے

جُرم و سزا کی سرگزشت کا تاثر لیے ایک دل گداز کہانی

وہ پولیس ڈپارٹمنٹ کا ایک قابلِ فخر پولیس آفیسر تھا اور ماہر نشانہ باز بھی۔ ایک مُجرم کی سرکوبی کے لیے پورے محکمے کی نظریں اُسی کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ ایسے عالم میں اچانک ہی اُس کا ہاتھ بہک گیا اور نظر چوک گئی۔



پھرتے رہے اور اب شادی ہوگئی ہے تو انہیں مار مار کر گھر بھیجنا پڑتا ہے۔"

کیپٹن مائیک کے چہرے پر سُرخی آنے لگی تھی۔ ایک اور باردی پولیس آفیسر نے رپورٹ لکھتے لکھتے سر اُٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے تو مردوں کی ناک ہی کٹوادی ہے مائیک! کل دو ہفتے تمہاری شادی کو ہوئے ہیں۔ ہمارا تو خیال تھا کہ کم از کم دو ماہ تک تمہاری بیوی کو ماں کے ہاں جانے کی فرصت نہیں ملے گی۔"

اسکواڈ روم میں موجود سب لوگ ہنس دیے اور کیپٹن مائیک کا چہرہ کچھ اور سُرخ ہوگیا۔ اچانک دروازہ کھلا اور پولیس چیف ڈریک کمرے میں داخل ہوا۔ سب پولیس والے گویا ہنسی مذاق بھول گئے۔

ڈریک کی نظر کیپٹن مائیک پر آ رُکی اور وہ گویا اطمینان کی سانس لے کر بولا۔ "شکر ہے تم ابھی تک یہاں موجود ہو مائیک! ایک مصیبت آن پڑی ہے اور مجھے تمہاری اشد ضرورت ہے۔"

"میں حاضر ہوں چیف!" کیپٹن مائیک مستعدی سے بولا۔ "مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ بہت سنگین ہے۔" ڈریک بولا۔ "ہم نے برٹن کو ڈھونڈ لیا ہے۔ وہ فگارو کے علاقے میں ایک ہوٹل کے کمرے میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا ہے اور اب تک دو پولیس آفیسر اس کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ ہمیں ہر حال میں اس سے نمٹنا ہے۔"

○☆○

فگارو پہنچ کر مائیک نے دیکھا کہ اس علاقے کے ایک مخصوص حصّے کا محاصرہ کیا جا چکا تھا۔ وہ حصّہ عسرت زدہ عمارتوں اور نچلے درجے کے ہوٹلوں پر مشتمل تھا۔ ایک جگہ فٹ پاتھ کے قریب تین پولیس کاریں کھڑی تھیں۔ ان کی چھتوں پر سُرخ روشنیاں گردش کر رہی تھیں۔

"وہ کس کمرے میں چھپا ہوا ہے؟" مائیک نے پوچھا۔

ڈریک نے موٹی سی انگلی کے اشارے سے بتایا۔ "وہ ا -نجلو کا ہوٹل ہے..... اور وہ سامنے جس کھڑکی میں روشنی نظر آ رہی ہے وہ برٹن کے کمرے کی ہے۔"

"اس کے کمرے میں دھاوا بول کر دروازہ توڑ کر اسے قابو کیوں نہیں کیا جا رہا ہے؟" مائیک نے پوچھا۔ اس کی موٹی موٹی بھویں تقریباً جڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"ہم نے کوشش کی تھی۔ اسی کوشش میں تو دو آفیسر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس بدبخت کے پاس اتنا ایمونیشن ہے کہ وہ اچھی بھلی نفری کو گھنٹوں تک روک سکتا ہے۔ ہم بے مقصد طور پر اپنے مزید آدمی مروانا نہیں چاہتے۔"

"ہوٹل خالی کرا کے کمرے میں گیس بم پھنکواؤ۔" مائیک نے مشورہ دیا۔

"کمرے میں بم پھینکنا ممکن نہیں ہے۔" چیف نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں نے کچھ اور سوچا ہے۔ برٹن تمہارا پُرانا دوست ہے نا؟"

کیپٹن مائیک نے متذبذب انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اور جون برٹن لاس اینجلس کے علاقے بوائلڈ ہائٹس میں اکٹھے پلے بڑھے تھے۔ وہ ایک افلاس زدہ اور جرم پرور علاقہ تھا۔ لڑکے مصائب سہنا جانتے تھے اور جوان ہونے تک بڑے سخت جان ہو جاتے تھے۔ جوان ہونے سے پہلے ہی مائیک اور برٹن کے راستے جدا ہو گئے تھے۔

برٹن نے لڑکپن سے ہی چھوٹی موٹی دُکانوں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا اور رفتہ رفتہ بڑی بڑی وارداتیں کرنے لگا تھا۔ جوان ہونے تک وہ ایک درندہ بن چکا تھا جس کے ہاتھ میں گن تھی۔ مائیک کو کبھی کبھی اپنے اور برٹن کے بارے میں سوچ کر حیرت ہوتی تھی کہ کیا ایک ہی علاقے میں پرورش پانے والے دو آدمیوں کے راستے اتنے مختلف، بلکہ متضاد بھی ہو سکتے تھے!

وہ پُرخیال سے لہجے میں بولا۔ "ہاں..... کبھی میں اسے جانتا تھا۔ بہت پہلے۔"

ایک نوجوان اور نو آموز سا پولیس والا قریب آ کر ہیجان زدہ سے لہجے میں بولا۔ "سر! مجھے گارون نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کو تازہ ترین صورتِ حال کی رپورٹ دے دوں۔" پھر اس نے اسپاٹ لائٹس کی تیز روشنی میں نہائی ہوئی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ شخص وہاں ایک طرح سے جشن منا رہا ہے۔"

"جشن.....؟ تمہارا دماغ تو درست ہے؟" ڈریک غرایا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں سر! میں گارون کے ساتھ کسی حد تک اس کمرے کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس کمرے سے کسی عورت کے ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ غالباً فرش پر لیٹی ہوئی تھی۔ برٹن اس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ دونوں نشے میں معلوم ہوتے تھے۔"

ڈریک نے نوجوان پولیس مین کو جانے کا اشارہ کیا اور مائیک سے مخاطب ہوا۔ "اس شخص کی سنگدلی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ہمیں اس کو اس وقت مارنے کی تدبیر کرنی چاہیے جب اس کا دھیان کسی اور چیز میں ہو۔"

مائیک بجھا ہوا پائپ ہونٹوں سے نکالتے ہوئے بولا۔ "میں اسے جانتا ہوں۔ اسے کسی بھی لمحے غافل سمجھنا غلطی ہوگی۔ وہ بیک وقت ایک عورت کے ساتھ بھی مصروف رہ سکتا ہے اور فائرنگ کر کے آدھی پولیس فورس کو بھی ڈھیر کر سکتا ہے۔"

"پھر بھی کوشش تو کرنی چاہیے۔" ڈریک بولا اور ہوٹل کی طرف بڑھا۔ مائیک اس کے پیچھے تھا۔ ہوٹل کی ویران لابی سے گزر کر وہ سیکنڈ فلور پر پہنچے۔ کسی کمرے سے ایک عورت کے مخمور انداز میں ہنسنے کی مدھم سی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ دیوار کے ساتھ لگ کر وہ بلّی کی طرح بے آواز قدموں سے اس کمرے کی طرف بڑھے۔ ریوالور ان کے ہاتھوں میں تھے۔

ڈریک نے دروازے کی ناب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ گولیوں کی بوچھار نے دروازے میں مزید سوراخ کردیے۔ لکڑی اور لوہے کی ٹکڑے دونوں آفیسرز پر آکر گرے۔ گولیوں کی گرج نے ایک دم سکون کو درہم برہم کردیا۔ مائیک اس وقت تک ڈریک کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے قالین پر سینے کے بل گر چکا تھا۔

"پولیس والو.....!" اندر سے ایک کرخت سی آواز اُبھری۔ "میں نے تمہیں خبردار کیا تھا کہ کوئی مجھے پریشان نہ کرے۔ موت تو اب میرا مقدر ہے ہی۔ اس لیے میں کچھ بھی کر گزروں گا۔ کوئی بھی قدم اُٹھانے سے دریغ نہیں کروں گا۔"

دونوں پولیس آفیسر چوپایوں کی طرح چلتے ہوئے واپس ہوئے۔ مائیک کا پرس اور پائپ قالین پر گر گیا تھا۔ وہ کھڑے ہونے لگے تو چیف نے اس کی دونوں چیزیں اُٹھائیں۔ پرس کھل گیا تھا۔ چیف کی نظر اس میں لگی ہوئی ایک عورت کی تصویر پر پڑی۔ وہ پرس مائیک کو دیتے دیتے رُک گیا۔

"یہ تمہاری بیوی کی تصویر ہے نا؟" ڈریک نے پوچھا۔

"ہاں....." مائیک نے قدرے شرمیلے سے لہجے میں کہا۔ اتنی بڑی عمر کے آدمی کا شادی کے نام پر یوں شرمانا عجیب محسوس ہوتا تھا۔ چیف بغور تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ عورت نوجوان نہیں تھی لیکن اس میں نوجوانی کی تمام تر کشش موجود تھی۔ پیشانی پر بھورے بالوں کے نیچے ایک طرف بڑا سا سُرخ نشان نظر آرہا تھا۔

"یہ غالباً کسی زخم کا نشان ہے؟" پولیس چیف نے انگلی سے نشان کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔" مائیک ناگواری سے بولا۔ "یہ زخم اسی خبیث کی وجہ سے آیا تھا جس نے اس وقت مصیبت کھڑی کر رکھی ہے۔ بچپن میں ہم تینوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ برٹن نے اس لڑکی کو' جو اب میری بیوی ہے' اسکول کی ایک بالکونی سے دھکا دے دیا تھا۔ اس کے احسانات ہم پر شروع ہی سے چلے آرہے ہیں۔"

ڈریک نے پُرخیال انداز میں ہنکارا بھرا اور کہا۔ "تم نے اتنی تاخیر سے شادی کیوں کی؟"

مائیک نے کندھے اُچکائے۔ "بس..... انسان اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے کہ ابھی یہ کرلوں' ابھی وہ کرلوں۔ اس چکر میں کئی سنہری سال ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ میں ایک کامیاب سراغرساں اور اچھا پولیس آفیسر بننا چاہتا تھا اور وہ اسٹیج پر اپنا مقام بنانے کے لیے جدوجہد کررہی تھی۔"

وہ دونوں ہوٹل کی عمارت سے نکل آئے۔ سڑک کے دونوں سروں پر جہاں پولیس نے رکاوٹیں کھڑی کرکے سڑک بند کی تھی وہاں لوگ جمع ہونے لگے تھے۔ ڈریک فٹ پاتھ پر تھوکتے ہوئے بولا۔ "ایک تو لوگ ہر جگہ تماشا دیکھنے جمع ہوجاتے ہیں۔"

وہ ایک بار پھر ہوٹل کی بلڈنگ کو گھورنے لگا۔ ہوٹل کی تمام کھڑکیوں میں تاریکی تھی۔ دوسری منزل پر صرف اسی کھڑکی میں

سعودی عرب میں مقیم پاکستانیوں کے لیے خوش خبری

سعودی عرب میں سسپنس ڈائجسٹ' ماہنامہ پاکیزہ، جاسوسی ڈائجسٹ اور دیگر پاکستانی رسائل واخبارات آسانی سے دستیاب ہیں

الادبیہ پبلشرز

ہر زبان کے رسائل واخبارات کے سب سے بڑے تقسیم کار

الادبیہ پبلشرز نے پاکستانی رسالوں کے قارئین کے لیے سالانہ خریداری اور ترسیل کا جنوری ۱۹۹۴ء سے انتظام کیا ہے۔ تفصیل جاننے کے لیے الادبیہ پبلشرز کے ہیڈ آفس "الخوبر" سے بذریعہ خط یا فیکس رجوع کریں اور اپنا مکمل پتا بمعہ پوسٹ بکس نمبر اور کوڈ بھیجیں۔ ہم سعودی عرب کے ہر شہر میں آپ کے پسندیدہ رسائل واخبارات براہ راست بھیج سکتے ہیں

الدار الادبیة للنشر والتوزیع

الخوبر۔ المکتب الرئیسی ؛ تلفون : (۰۳) ۸۶٤ ۵۱۲۱ ـ ٤٨٦٩ ٨٩٥ فاکس : (۰۳) ۸۹۵ ۱۳۵۵ ص.ب : ۱۵۸ دھران ۳۱۹۳۱

المملکة العربیة السعودیة

تقسیم کار براہ راست بھیجیں۔ ریاض۔ تلفون : (۰۱) ٤٧٣١٠١٠ فاکس : (۰۱) ٤٧٣٠١٦١ ص.ب : ٨٧٧٥٤ ریاض ١١٦٥٢

جدہ : (۰۲) ٦٧١ ٥٤٨٨ فاکس : (۰۲) ٦٧١٢٨٢٧ ص.ب : ٤١٠٧٣ جدہ ٢١٥٢١

المدینة : (۰٤) ٨٣٧٠٥١١ فاکس : (۰٤) ٨٣٧٠٥١١ ص.ب : ١٥١٨٦

روشنی نظر آرہی تھی جس کے عقب میں ان کا مطلوبہ شیطان صفت شخص بیٹھا تھا۔ چند لمحے بعد ڈریک نے پُرخیال انداز میں ہوٹل کے مقابل دوسری عمارت کو دیکھا پھر وہ مائیک کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ "مائیک! تم ایک زبردست نشانے باز ہو۔ کیا خیال ہے..... تم سامنے والی بلڈنگ سے دوربین لگی رائفل کے ذریعے اس کھڑکی کے راستے برٹن کا نشانہ نہیں لے سکتے؟"

مائیک نے پائپ سُلگانے کے بعد صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ اس عمارت میں ہوٹل کے مقابل جو کھڑکی آتی تھی وہ تیسری منزل پر تھی۔ یعنی مطلوبہ کمرے کی کھڑکی سے ایک منزل اونچی تھی اور درمیانی فاصلہ تقریباً سو گز تھا۔

"ہاں۔ میرا خیال ہے میں نشانہ لے سکتا ہوں۔" اس نے فیصلہ سُنادیا۔

چیف نے فوراً ایک پولیس مین کو بُلا کر حکم دیا۔ "فوراً جا کر ہیڈ کوارٹر سے ایک ایسی رائفل لاؤ جس پر دوربین نصب ہو۔"

پولیس مین اس کا مطلب سمجھتے ہوئے مائیک کی طرف دیکھ کر مسکرادیا۔ پولیس فورس میں سبھی جانتے تھے کہ نشانہ بازی میں کوئی پولیس والا مائیک کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ آدھ میل دور اُڑتی ہوئی چڑیا کو نشانہ بنا سکتا تھا۔

پولیس مین فوراً ایک اسکواڈ کار میں بیٹھا اور وہ آندھی طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہوگئی۔

○☆○

رائفل مائیک کے ہاتھوں میں تھی اور وہ اپنے آپ کو پُراعتماد محسوس کررہا تھا۔ رائفل ہمیشہ سے اس کا پسندیدہ ہتھیار رہا تھا۔ وہ کبھی دھوکا نہیں دیتی تھی۔

"اطمینان اور سکون سے نشانہ لینا مائیک!" عقب میں ایک گوشے میں چھپے ہوئے ڈریک نے تاکید کی۔ "تمہارے پاس صرف ایک ہی موقع ہوگا۔ اسی میں تمہیں اپنا کام مکمل کرنا ہوگا۔"

جم قریب سے ہی بولا۔ "سر! مائیک کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔"

مائیک اندھیرے میں مسکرایا اور رائفل کی نال اونچی کرتے ہوئے دوربین کو فوکس کرنے لگا۔ روشن کھڑکی سے جلد ہی کمرے کا منظر اس کی نظر میں واضح ہوگیا۔

"برٹن نظر آگیا ہے..... وہ بالکل نشانے پر ہے۔" اس نے چیف کو اطلاع دی۔ وہ ٹریگر دباتے دباتے رُک گیا۔ ایک عورت کا سر اس کے سامنے اُبھر آیا تھا۔ اس کی پشت کھڑکی کی طرف تھی۔ مائیک اس کے سر کا پچھلا حصہ دیکھ رہا تھا۔ وہ عورت برٹن کے سامنے آگئی تھی۔ برٹن کے ایک ہاتھ میں گن تھی لیکن دوسرے ہاتھ سے اس نے عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا پھر وہ کھڑکی سے نیچے ہوگئے۔ مائیک کی نظر سے اوجھل ہوگئے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ کیا کررہے تھے۔

خاموش ڈراما اپنے اختتام کو پہنچا تو وہ دونوں دوبارہ نظر آئے۔ اس بار عورت کا چہرہ کھڑکی کی طرف تھا۔ یہ طویل انتظار چیف کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ تیز سی سرگوشی میں بولا۔ "فائر کرو مائیک! ہم کب تک انتظار کریں گے۔"

مائیک کا چہرہ پسینے سے تر ہوچکا تھا اور اس کے معدے میں گرہیں سی پڑ رہی تھیں۔ اس کی ہتھیلیوں سے بھی پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔

"تم فائر کیوں نہیں کررہے مائیک؟ تمہاری حالت عجیب کیوں ہورہی ہے؟" چیف نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔ "یہ مردود یہاں سے نکلنے کے لیے کہیں اس عورت کو یرغمال نہ بنالے۔" پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا اور اس نے قدرے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "تمہارے خیال میں کیا یہ عورت اپنے مرضی سے وہاں موجود ہے؟"

"ہاں..... یقیناً....." مائیک نے وثوق سے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں زہر تھا۔ اس نے رائفل درست کی اور تقریباً ایک ساتھ دو فائر کیے پھر یکدم ہی وہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ اس کا چہرہ چاک کی طرح سپید تھا۔ پسینے کے قطرے پورے چہرے پر چمک رہے تھے۔ وہ دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر اسے دیوار کا سہارا میسر نہ آتا تو شاید وہ گر پڑتا۔

"برٹن کو گولی لگ گئی؟" ڈریک نے بے تابی سے پوچھا۔

مائیک نے اثبات میں سرہلایا۔

○☆○

ڈریک ہوٹل کے چھوٹے سے کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کے سامنے فرش پر دو لاشیں سفید چادروں سے ڈھکی پڑی تھیں۔ مائیک کھڑکی کے قریب ایک کرسی پر سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

پولیس چیف نے آہستگی سے ایک لاش کے چہرے سے چادر کھسکائی اور کیپٹن کی طرف مڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔ "میں سمجھا تھا تمہارا ہاتھ بہکا ہے۔" اس نے جلدی سے عورت کے بھورے بالوں کی ایک لٹ اس طرح پیشانی پر ذرا نیچے کردی کہ زخم کا بڑا نشان چھُپ گیا۔ کئی لمحے تک وہ ایک ٹک اس بے جان چہرے کو تکتا رہا پھر اس نے چادر دوبارہ چہرے پر پھیلادی۔

تھکے تھکے سے انداز میں قدم اُٹھاتا وہ کیپٹن مائیک کے قریب پہنچا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... تم بے قصور ہو۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا..... میں کوشش کروں گا کہ تمہارے حصے میں نہ رسوائی آئے اور نہ ہی سزا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس جنونی قاتل نے ایک شاندار پولیس آفیسر کی بیوی کو یرغمال بنا رکھا تھا..... آخر تم ایک انسان ہو... نشانہ تو کسی کا بھی چوک سکتا ہے..... ٹھیک ہے نا؟ اٹھو اب دکھ کے بوجھ کو ذہن سے جھٹک دو..... اٹھو..... شاباش۔"

ONE SECOND TO LIVE
HAL KETH

ہمارے شہر میں اس شاندار نائٹ کلب کا اضافہ حال ہی میں ہوا تھا لیکن وہاں کے تمام ویٹر مجھے پہچانتے تھے کیونکہ میں ایسی خاندان کا فرد تھا جو برس ہا برس سے شہر کا نمایاں اور ممتاز ترین خاندان تھا۔ شہر کا میئر میرا بہنوئی تھا۔ اس کے علاوہ بھی مختلف ادوار میں ہمارے خاندان کے افراد اہم عہدوں پر فائز رہے تھے یا پھر کاروبار اور تجارت میں انہیں نمایاں مقام حاصل رہا تھا۔

دولت کا دست شفقت اکثر ہی ہمارے سروں پر رہا تھا۔ اب ایسی خاندان زوال پذیر تھا لیکن اب بھی ساکھ تو برقرار تھی۔

میں نائٹ کلب کے ہال میں داخل ہوا تو ویٹر نے نہایت ادب واحترام سے میری رہنمائی کرتے ہوئے کہا "آپ کے خاندان کے دوسرے لوگ بالائی حصے میں بیٹھے ہیں۔"

"کون سے لوگ؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

سچی رپورٹنگ جرم و سراغ رسی کی ایسی کہانی جس کا انجام پڑھنے والا ہے

سجانی اور دانت کے متلاشی ایک شخص کا ماجرا جس کا بھائی قتل ہو گیا تھا' وہ بھائی جو خاندان بھر میں اس کا آئیڈیل بھی تھا۔ وہ اس کی موت سے وابستہ اسرار جاننا چاہتا تھا لیکن خود ایک ایسے گورکھ دھندے میں الجھ گیا جہاں اپنی زندگی کے لالے پڑ گئے۔

ملی بھگت

نجمہ مودی



"میئر... ان کی بیوی اور دوسرے دو افراد" ویٹر نے بتایا۔

"مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں" میں نے خشک لہجے میں کہا "مجھے تنہا بیٹھنے کے لیے الگ میز دو۔"

میں نے میئر اور اس کی بیوی یعنی اپنی بہن ویولا کو ہال کے بالائی حصے میں بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ میئر کی خوب صورت سیکریٹری سیلی بھی اس کے ساتھ تھی۔ چوتھا فرد ڈسٹرکٹ اٹارنی جارج تھا۔ میئر کا نام ڈرین تھا۔

میری بات سن کر ہیڈ ویٹر نے کندھے اُچکائے اور مجھے ایک میز پر لے گیا۔ وہاں سے بھی وہ چاروں صاف دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے سب سے پہلے میئر کی سیکریٹری سیلی نے دیکھا۔ وہ ساحرانہ انداز میں مسکرائی پھر اس نے دوسروں کو بھی میری موجودگی سے آگاہ کیا۔ سب نے مُڑ کر میری طرف دیکھا اور میری بڑی بہن ویولا نے مجھے اس میز پر آنے کا اشارہ کیا لیکن جب میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی تو وہ اٹھ کر میرے پاس آئی اور خاموشی و برہمی سے مجھے گھورنے لگی۔ وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بارُعب شخصیت کی مالک تھی۔ بچپن ہی سے مجھ پر رُعب جھاڑتی آئی تھی۔

"یہ ناراض بچوں والے طور طریقے اختیار کرنے کی کوشش مت کرو" اس نے مجھے ڈانٹا۔

"میں ناراض نہیں ہوں" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "میں تم لوگوں کے ساتھ بیٹھنا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنی مرضی کے مطابق نشست و برخاست کا اختیار حاصل ہے۔"

"اب ایسی بھی کیا مرضی" وہ کرسی کھینچ کر میرے مقابل بیٹھتے ہوئے بولی "ہمارا خاندان تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اس دنیا میں اب صرف میں اور ڈرین ہی تمہارے رشتے دار باقی رہ گئے ہیں اور تم ہم سے بھی دور دور رہتے ہو۔ جبکہ تم پورے تین سال ملک سے باہر رہنے کے بعد واپس آئے ہو۔"

"میں بدمعاش اور بددیانت لوگوں سے ملنا جُلنا پسند نہیں کرتا" میں نے کہا۔

وہ ایک ٹک مجھے گھورنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت نظر آتی تھی۔ بعض لوگوں کا تو خیال تھا کہ میئر کی کامیابیوں کے پیچھے اسی کا ذہن کارفرما تھا اور یہ ذہانت شاید اسے ہمارے آنجہانی والد سے ورثے میں ملی تھی۔ اس شہر کی سیاست میرے والد کی جیب میں پڑی رہتی تھی۔

ویولا نے بے اختیار قہقہہ لگایا اور استہزائیہ انداز میں مجھے گھورتے ہوئے بولی "تو اب ہم تمہاری نظر میں بدمعاش اور بددیانت ہو گئے! تمہارے اخلاقی معیار اتنے بلند ہو گئے؟ تمہارے ان اعلیٰ اخلاقی پیمانوں کے مطابق ہمارے آنجہانی والد کیا تھے؟"

"وہ بھی بدمعاش اور بددیانت تھے" میں نے تمام وضع داری اور رشتوں ناتوں کے احترام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب!" وہ طنزیہ لہجے میں بولی "انہی کی دولت پر تم اور ہمارا دوسرا آنجہانی بھائی ڈیوڈ پل کر جوان ہوئے' تعلیم حاصل کی' پُرآسائش زندگی گزاری۔ خصوصاً تم نے تو فوج میں جانے سے پہلے ایک سینٹ بھی نہیں کمایا تھا۔ اب بھی تمہارا گزارا ڈیڈی کے بنائے ہوئے ٹرسٹ فنڈ پر ہے۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں کوئی بہت اچھا آدمی ہوں" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "آخر میں بھی ایڈورڈ ایمری کا بیٹا ہوں لیکن مجھے کم از کم احساس تو ہے کہ میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔ میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ ڈیڈی کی ساری دولت جائز ذرائع سے نہیں آرہی تھی' اس پر پلتا رہا لیکن ہمارا بھائی ڈیوڈ ہم سب سے مختلف تھا۔ وہ حساس تھا اور اعلیٰ اخلاقی اقدار رکھتا تھا۔ وہ جونہی جوان ہوا' گھر سے نکل گیا اور اپنی کمائی پر گزارا کرنے لگا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ ڈیڈی کی ناجائز دولت کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ یہ بڑے حوصلے کی بات ہے۔ میری نظر میں اس کا مقام اس سپاہی کا سا ہے جو وردی پہن کر وطن کی حفاظت کے لیے لڑتا ہے۔ دیانت داری کی اسی جنگ میں اس نے جان دے دی۔"

"میں سمجھی نہیں!" ویولا ناک سکیڑتے ہوئے بولی "ڈیوڈ نے تو خودکشی کی تھی کلے ڈیئر!"

"کیوں کی تھی پیاری بہن؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو شاید ہم کبھی نہ جان سکیں" وہ بولی "ہو سکتا ہے اس نے مریلا نامی اس گلوکارہ کے چکر میں جان دی ہو۔ سنا ہے وہ اس کے عشق میں کچھ زیادہ ہی بری طرح گرفتار تھا۔"

"بے کار باتیں مت کرو۔ ڈیوڈ مجھے ہفتے میں دو خط لکھتا تھا۔ وہ ہم دونوں ہی کا چھوٹا بھائی تھا لیکن مجھ سے اس کی قربت زیادہ تھی۔ اس کی کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ جب تمہارا شوہر ڈرین شہر کا میئر منتخب ہوا اور اس نے ڈیوڈ کو اپنے سیکریٹری کے عہدے کی پیش کش کی تو ڈیوڈ نے مجھ سے خط میں مشورہ طلب کیا تھا کہ وہ یہ ملازمت قبول کرلے یا نہیں۔ اسے یقین تھا کہ شہر کے دوسرے محکموں کی طرح میئر کے دفاتر میں بھی گھپلے ہو رہے ہوں گے لیکن اس کا خیال تھا کہ اگر وہ ملازمت قبول کرلے تو اندر کے آدمی کی حیثیت سے وہ زیادہ کام کی باتیں معلوم کر سکے گا۔ میں نے اسے یہی مشورہ دیا کہ وہ اپنے اس خیال پر عمل درآمد کرے... اور اس نے ایسا ہی کیا۔"

"اس کی خودکشی کا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"کیا وہ واقعی خودکشی تھی؟" میں نے اُلٹا اس سے سوال کیا۔

"اب تم بے کار باتیں کر رہے ہو" وہ سگریٹ سُلگاتے ہوئے بولی۔

"میں اس وقت گوام کے سرحدی علاقے میں تھا جب مجھے اس کا آخری خط ملا۔ وہ اسی روز لکھا گیا تھا جس روز اس کی موت واقع ہوئی۔ اس خط میں افسردگی' رنجیدگی' دل شکستگی اور ڈیپریشن کی

کوئی جھلک تک نہیں تھی۔ وہ حسب معمول بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ڈرین کو خستہ حال آبادیوں کی تعمیرِ نو کے لیے راضی کرلیا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک ہاؤسنگ کمیشن تشکیل دیا گیا تھا جس میں ڈیوڈ خود بھی شامل تھا۔ جو شخص خودکشی کرنے جارہا ہو وہ مستقبل کے لیے اتنے لمبے چوڑے پروگرام نہیں بناتا اور اس طرح خوشی خوشی نئی ذمے داریاں قبول نہیں کرتا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" ویولا نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ ڈیوڈ نے غالباً میئر کے آفس میں کوئی بہت بڑی گڑبڑ دریافت کرلی تھی جو شاید میئر اور اس کے پورے عملے وغیرہ کو سٹی ہال سے بے دخل کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ پاپا کے انتقال کے بعد ڈرین ہی شہر کی سب سے بڑی سیاسی شخصیت ہے۔ اسے بُری طرح زوال آسکتا تھا" میں نے کہا۔

ویولا اٹھ کھڑی ہوئی اور ناپسندیدگی سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "یہ حق میں اپنے بھائی کو بھی نہیں دے سکتی کہ وہ میرے شوہر کو قاتل قرار دے۔"

وہ واپس اپنی میز پر چلی گئی۔ میں اپنی ڈرنک کی طرف متوجہ ہوگیا۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا ویولا اور ڈرین ڈانس کررہے تھے جبکہ ڈسٹرکٹ اٹارنی جارج اور ڈرین کی سیکریٹری سیلی کرسیاں قریب کیے بڑے انہماک سے باتیں کررہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں رقابت کی لہر سی اُبھری۔ سیلی ہائی اسکول میں میری کلاس فیلو ہوا کرتی تھی اور ہم ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے۔

کچھ دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ میں واقعی ضدی اور روٹھے ہوئے بچے کا سا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے تھا۔ اس طرح تو معلومات حاصل نہیں کی جاسکتی تھیں۔ مجھے تو اندر کی باتیں معلوم کرنا تھیں۔ چنانچہ جب ڈرین اور ویولا میز پر واپس آئے تو میں بھی اپنی خفگی کو بالائے طاق رکھ کر ان کی میز پر جابیٹھا۔ وہ سب یکدم چُپ سے ہوگئے۔

پھر ڈرین کُہنیاں میز پر ٹکا کر میری طرف جھکتے ہوئے بولا "تو میں تمہارے خیال میں بددیانت اور بدمعاش ہوں؟"

اس کا مطلب تھا کہ ویولا نے مجھ سے ہونے والی گفتگو سے انہیں آگاہ کردیا تھا۔ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا "تو کیا تم ایسے نہیں ہو؟"

وہ خوشدلانہ اور قدرے استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ وہ ہمیشہ خوش رہنے والا آدمی تھا۔ چھوٹی موٹی باتوں پر پریشان نہیں ہوتا تھا۔ وجیہہ اور دراز قد تھا۔ ورزشی جسم کا مالک تھا۔ شہر میں مقبول تھا۔ اسی لیے لوگوں نے دل کھول کر اسے ووٹ دیے تھے اور میئر منتخب کیا تھا۔

"تم تو ظاہر ہے یقین نہیں کروگے..." وہ بولا "لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی ایک پنی کی بھی بے ایمانی نہیں کی۔"

"ضروری نہیں ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے ہی کچھ کرو" میں نے کندھے اُچکا کر کہا "ایک بددیانت مشینری تمہارے لیے کام کررہی ہے۔ اسی نے تمہیں میئر بنوایا ہے۔"

"اس مشینری کے خالق تمہارے آنجہانی والد تھے" ڈرین بولا۔

پھر ڈسٹرکٹ اٹارنی جارج مجھ سے مخاطب ہوا "تمہیں کیا ہوگیا ہے کلے! بیرونِ ملک جانے سے پہلے تو تم ایسے انتہا پسند نہیں تھے۔"

"میری عدم موجودگی میں یہاں میرا چھوٹا بھائی ڈیوڈ مرگیا۔ تمہارے خیال میں یہ واقعہ مجھے انتہا پسند بنانے کے لیے کافی نہیں ہونا چاہیے تھا؟"

اسی دوران مریلا گانے کے لیے اسٹیج پر آگئی۔ وہ ایک سروقد اور پُرکشش لڑکی تھی۔ سیلی پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولی "کلے! سنا ہے آج کل تمہاری مریلا سے بڑی دوستی ہے؟"

"میری اس سے رسمی شناسائی ہے۔ اصل میں تو وہ ڈیوڈ کی دوست تھی" میں نے کہا۔

"اور اس کی دوستی نے ہی ڈیوڈ کی جان لے لی" جارج دھیمے لہجے میں بولا "ڈیوڈ کی موت کے بعد میں نے مریلا سے پوچھ گچھ کی تھی لیکن وہ گویا کھل کر بات کرنے سے خوف زدہ تھی۔ شاید اس لیے کہ میں ڈسٹرکٹ اٹارنی ہوں۔ بہرحال اس کا اصرار یہی تھا کہ ڈیوڈ نے اس کی وجہ سے خودکشی نہیں کی۔ مجھے اس کی بات کا یقین نہیں ہے۔"

"میں بھی اس سے مل کر حقیقت ہی جاننے کی کوشش کررہا ہوں" میں نے کہا۔

ویولا جیسے پھٹ پڑی "کلے! تم اس معاملے کو یہیں کیوں نہیں چھوڑ دیتے، تم ڈیوڈ کو واپس تو نہیں لاسکتے۔ وہ دفن ہوچکا ہے۔"

"ٹھیک ہے، وہ دفن ہوچکا ہے..... لیکن اتنی گہرائی میں نہیں

نشانہ

جج "تم کہتی ہو کہ تم نے غلطی سے اپنے شوہر کو ہلاک کردیا۔ حالانکہ تمہارا اسے ہلاک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا؟"

ملزمہ "جی ہاں، جنابِ عالی!"

جج "کیا تم اپنی بات کی وضاحت کرسکتی ہو؟"

ملزمہ "دیکھیے، جنابِ عالی، ہوا یہ کہ میں بندوق سے اپنی ساس کا نشانہ لے رہی تھی کہ وہ اچانک دوڑ کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔"

کہ حقائق بھی اسی کے ساتھ دفن ہو جائیں" میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

کچھ دیر بعد میں مریلا کو ساتھ لے کر نائٹ کلب سے نکلا۔ میری کار دو بلاک کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ میں اور مریلا پیدل کار تک پہنچے تو دیکھا ایک پولیس والا چالان کا ٹکٹ تیار کر رہا تھا۔ بے خیالی میں مجھ سے پارکنگ کے قوانین کی تھوڑی سی خلاف ورزی ہو گئی تھی۔

میں نے مریلا کو گاڑی میں بٹھایا۔ پولیس والا مجھے نہیں پہچانتا تھا لیکن اسی دوران کیپٹن لیو اس طرف آنکلا۔ وہ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "کیسے ہو کلے! میں نے سنا تو تھا کہ تم بیرون ملک سے واپس آگئے ہو لیکن ملاقات آج ہو رہی ہے" پھر وہ پولیس والے کی طرف دیکھ کر بولا "کلے کا چالان مت کرنا بھئی۔ تم اسے پہچانتے نہیں ہو؟ یہ کلے ایمری ہے۔ چالان کا ٹکٹ پھاڑ دو۔ یہ آنجہانی ایڈورڈ کا بیٹا اور میئر کا برادر نسبتی ہے۔"

پولیس والا فوراً ہی مرعوب ہو گیا اور ٹکٹ پھاڑنے لگا لیکن میں نے اس سے کہا "مجھ میں اور ایک عام شہری میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ اگر میں نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے تو تم میرا چالان کرو۔"

پولیس والے نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ شاید وہ پولیس والوں کی مہربانی کے جواب میں ایسی بات سننے کا عادی نہیں تھا۔ کیپٹن لیو نے اس سے کتاب لے کر خود ٹکٹ پھاڑ دیا اور بولا "تم سے کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔"

میں کار میں بیٹھا اور برہمی کے عالم میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔ میں کوئی بہت دیانت دار آدمی نہیں تھا۔ ہمارے خاندان میں باکردار اور دیانت دار ڈیوڈ ہوا کرتا تھا۔ اسی کی موت نے مجھے اتنا حوصلہ بخشا تھا کہ اب بددیانتی کو قبول کرنے کو میرا دل نہیں مانتا تھا۔ چالان کے ٹکٹ کا معاملہ بہت چھوٹا تھا لیکن ایمری خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے اگر انسان چالان سے بچ سکتا تھا تو شاید قتل کے الزام سے بھی بچ سکتا تھا۔

کافی دیر کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا "کیا ڈیوڈ کی موت واقعی خودکشی تھی؟"

"مجھے نہیں معلوم" اس نے سر جھکا لیا۔ وہ گویا اپنے تاثرات مجھ سے چھپانا چاہتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ سخت خوف زدہ تھی۔ نہ جانے کس سے... اور کیوں؟

"وہ تم سے محبت کرتا تھا، تم سے شادی کرنے والا تھا۔ کیا اس کی موت کے بعد تمہارا کوئی اخلاقی فرض نہیں بنتا؟ اس نے تمہیں ضرور اعتماد میں لیا ہوگا۔ کیا اس نے تمہیں کوئی ایسی بات بتائی تھی جس کا سامنے آنا سٹی ہال میں کام کرنے والوں کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا؟"

"اس کا مطلب ہے تم صرف معلومات حاصل کرنے کے لیے میری ذات میں دلچسپی لے رہے ہو؟" اس نے برہمی سے کہا لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس کی یہ برہمی مصنوعی دکھائی دی۔ وہ شاید اس موضوع سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں تمہیں پسند کرتا ہوں لیکن اگر تمہیں واقعی ڈیوڈ سے محبت تھی تو کیا تم اس کی موت سے متعلق حقائق سامنے لانا پسند نہیں کرو گی؟" میں نے ملائمت سے کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے میرے گھر لے چلو۔" وہ بدستور برہمی سے بولی۔ میں نے اسے زبان کھولنے پر آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم مجھے یہ یقین ہو گیا کہ وہ سخت خوف زدہ تھی۔

آخر میں نے گاڑی اس کے گھر کی طرف موڑ لی۔ وہ نارتھ سائڈ پر ایک عمارت میں، چھوٹے سے فلیٹ میں رہتی تھی۔ گاڑی رُکنے سے پہلے ہی اس نے دروازہ کھولا اور بریک لگتے ہی تیزی سے اُتر گئی۔ اس نے مجھے ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہیں دیا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ چند لمحے بعد میں نے اس کی فلیٹ کی کھڑکی میں روشنی نمودار ہوتے دیکھی۔

میں گھر واپس آگیا۔ یہ ایک خوب صورت کاٹیج تھا۔ درحقیقت یہ مکان اور وہ گاڑی جو آج کل میرے استعمال میں تھی، ڈیوڈ ہی کی تھی۔ مکان تو ڈیوڈ نے اپنی موت سے کچھ عرصہ قبل ہی خریدا تھا۔ گاڑی اور مکان دونوں ہی چیزیں شاندار اور بیش قیمت تھیں۔ ڈیوڈ نے نہ صرف یہ دونوں چیزیں بلکہ اپنا دیگر تمام سازو سامان اور اثاثہ وصیت میں میرے ہی نام کر رکھا تھا۔

میں اسٹڈی میں چلا گیا۔ ڈیوڈ کی تمام چیزیں جوں کی توں تھیں۔ ڈیوڈ اسی کمرے میں مُردہ پایا گیا تھا۔ اس کی کھوپڑی میں گولی پیوست تھی۔ کچھ دیر بے مقصد سے انداز میں وہاں بیٹھے رہنے کے بعد میں بیڈ روم میں آکر سو گیا۔

فون کی گھنٹی نے مجھے جگایا۔ دوسری طرف ویولا تھی۔ پُرسکون لہجے میں وہ بولی "فوراً میرے ہاں آجاؤ۔"

"کیوں، خیریت تو ہے؟ ایسی کیا مصیبت آن پڑی؟" میں نے جماہی لیتے ہوئے پوچھا۔

وہ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولی "تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔"

"کیا معلوم ہونا چاہیے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں فون پر اس سلسلے میں بات نہیں کر سکتی۔ تم فوراً یہاں آجاؤ۔ مجھ سے ملنے سے پہلے تم کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔ خصوصاً پریس رپورٹرز سے ہرگز کچھ مت کہنا" اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت ساڑھے چھ بجے تھے۔ میں لباس تبدیل کرنے لگا۔ اسی دوران کال بیل بج اٹھی۔

میں نے جا کر دروازہ کھولا تو فلیکس ہارٹ کو کھڑے پایا۔ ہارٹ مقامی اخبار "کوسٹ سٹی ریکارڈر" کا بہترین رپورٹر تھا اور لوگوں کے

ذہن میں روایتی صحافی کا جو خاکہ ہوتا ہے وہ اس کے عین مطابق تھا۔ نوجوانی کے زمانے سے وہ میرے اچھے شناساؤں میں تھا۔

سگریٹ اس کے ہونٹوں میں جھول رہی تھی۔ اسے مُنہ سے نکالے بغیر وہ بولا "تم تو آج کل کہیں ملازم بھی نہیں ہو پھر اتنی جلدی تیار ہو کر کہاں جا رہے ہو؟"

میں چونک اٹھا۔ پانچ منٹ پہلے ہی دیولا نے مجھے پریس رپورٹرز کے سامنے زبان بند رکھنے کی ہدایت کی تھی اور پانچ منٹ بعد ہی ایک رپورٹر دروازے پر کھڑا مجھے کُریدنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ کیا چکر تھا؟

"تم سے مطلب!" میں نے جارحانہ لہجے میں کہا۔ وہ اجازت کا انتظار کیے بغیر اندر آگیا اور متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر بولا "کمال ہے! یہاں پولیس والے نظر نہیں آرہے۔"

"پولیس والے یہاں کیا کرنے آتے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"شاید اس گولی کے بارے میں پوچھنے جس نے رات گئے مرلا کے دل کی دھڑکن روک دی" وہ بے پروائی سے بولا "رات کے ڈیڑھ بجے اس کی موت واقع ہوئی ہے۔ تم اس وقت کہاں تھے؟"

میرا جسم ایک لمحے کے لیے بُن سا ہو گیا اور قمیص کے بٹن بند کرتے ہوئے میری انگلیاں کپکپا اٹھیں "جائے وقوعہ سے میری غیر حاضری کا ثبوت مانگنے والے تم کون ہوتے ہو؟"

وہ سگریٹ کو بے پروائی سے آتش دان میں پھینکتے ہوئے بولا "پولیس کو معلوم ہے کہ آج کل تمہاری مرلا سے میل ملاقات تھی۔ گزشتہ رات بھی تم اسی نائٹ کلب میں تھے جہاں وہ گا رہی تھی۔ ڈسٹرکٹ اٹارنی بھی وہیں تھا۔ میں بھی وہیں تھا لیکن مجھے تم نے نہیں دیکھا ہوگا۔ شاید کسی نے تمہیں مرلا کے ساتھ کلب سے رخصت ہوتے بھی دیکھا ہو۔"

"پولیس نے تمہیں کیا بتایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جب معاملہ ایسی خاندان کے کسی فرد کا ہو تو پولیس زبان نہیں کھولتی" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں لباس تبدیل کرنے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ واپس آیا تو ہارٹ ہال میں کھڑا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں دیولا کے ہاں جا رہا ہوں۔ وہ بھی گاڑی میں میرے ساتھ آن بیٹھا۔ وہ گاڑی اور مکان دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "تم ایسی خاندان والے ہر چیز شاندار خریدتے ہو۔"

"یہ چیزیں ڈیوڈ نے میرے لیے چھوڑی ہیں" میں نے کہا "وہ میئر کے سیکریٹری کی حیثیت سے تقریباً آٹھ ہزار ڈالر سالانہ تنخواہ لے رہا تھا اور اکیلا تھا۔"

"تنخواہ تو میں بھی تقریباً اتنی ہی لے رہا ہوں اور میں بھی اکیلا ہوں" وہ خفیف سے طنز کے ساتھ بولا "میں تو ایسی چیزیں خریدنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

پھر وہ یکدم موضوع بدلتے ہوئے بولا "میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ مرلا کو کس نے قتل کیا ہے۔ اگر تم نے کیا ہوگا تو ظاہر ہے تم مجھے تھوڑا ہی بتاؤ گے۔"

دیولا کے ہاں جانے سے پہلے میں نے مرلا کے گھر کا رخ کیا۔ دروازے پر موجود باوردی پولیس والے نے میرا نام سن کر مجھے اندر جانے دیا۔ لاش وہاں سے اٹھائی جا چکی تھی۔ کیپٹن لیو موجود تھا جس نے گزشتہ رات مرلا کو نائٹ کلب سے میرے ساتھ گاڑی میں روانہ ہوتے دیکھا تھا لیکن اس کا رویہ اور سوالات کرنے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اس نے قتل کے سلسلے میں مجھے مشکوک سمجھنے کے بارے میں سوچا تک نہ ہو۔

"یہ کیسے ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"مکان مالکن نے رات ایک بج کر چالیس منٹ پر ایک چیخ اور پھر فائر کی آواز سُنی۔ وہ اوپر آئی تو اس نے مرلا کو مُردہ پایا۔ قاتل کمرے میں داخل نہیں ہوا" لیو نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے شیشے میں سوراخ تھا اور شیشہ اس طرح چٹخا ہوا تھا کہ مکڑی کا جالا سا بنا نظر آرہا تھا۔

لیو بات جاری رکھتے ہوئے بولا "مرلا کی لاش ہمیں اس کھڑکی کے سامنے ہی پڑی ہوئی ملی تھی۔ وہ غالباً لباس تبدیل کر رہی تھی جب قاتل نے کھڑکی کے باہر سے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ مرلا نے اسے دیکھ کر چیخ ماری اور اسی لمحے اس نے گولی مرلا کے سینے میں اتار دی۔ سب لوگ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ قاتل کو نکل جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔"

مجھے یقین تھا کہ مرلا کو بھی آگہی کی قیمت اپنی جان کی صورت میں ادا کرنی پڑی تھی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ہارٹ نے کیپٹن لیو کو مخاطب کیا "تم کلے کا حلفیہ بیان نہیں لوگے؟"

"وہ کیوں؟" لیو نے بلا کی معصومیت سے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ گزشتہ رات قتل کے وقت سے صرف آدھا گھنٹا پہلے اس نے گاڑی میں مرلا کو اس کے گھر چھوڑا تھا۔ اس صورت میں یہ شک کی زد میں آتا ہے اور قانوناً اس کا حلفیہ بیان ضروری ہو جاتا ہے" ہارٹ بولا۔

"لیکن مجھے ڈسٹرکٹ اٹارنی جارج بتا چکا ہے کہ وہ قتل کے وقت کلے کے گھر میں موجود تھا اور وہ دونوں ایک ضروری معاملے پر بات چیت کر رہے تھے۔ جائے وقوعہ سے کلے کی عدم موجودگی کا اس سے اچھا ثبوت کیا ہو سکتا ہے" کیپٹن لیو اطمینان سے بولا۔

میں نے گاڑی کے چالان کے سلسلے میں پولیس کی رعایت قبول کرنے سے انکار کیا تھا لیکن یہ قتل جیسا سنگین معاملہ تھا۔ میں منہ کھولتے کھولتے رہ گیا۔ ہارٹ طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں اسے وہیں چھوڑ کر نکل آیا اور دیولا کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ اپنے شاندار مکان کے ڈرائیو وے میں میری منتظر تھی۔ ڈرین' ڈسٹرکٹ اٹارنی جارج اور سیلی بھی وہیں موجود تھے۔ ان کے جسموں پر وہی لباس تھے جو گزشتہ رات میں نے نائٹ کلب میں دیکھے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم پانچوں میں سے میرے سوا گزشتہ شب کوئی نہیں سویا تھا۔

"تم نے اتنی دیر کیوں لگادی؟" ویولا نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں راستے میں مریلا کے گھر رک گیا تھا۔"

"خدا کی پناہ!" ویولا برہمی سے بولی "احمق کہیں کے! تم نے وہاں کسی سے کوئی بات تو نہیں کی؟"

میں نے ان چاروں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "تم لوگ آخر کیوں یہ فرض کیے بیٹھے ہو کہ مریلا کو میں نے قتل کیا ہے؟"

ڈرین نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے بے پروائی سے پوچھا "کیا تم نے اسے قتل نہیں کیا؟"

"نہیں" میں نے تحمل سے کہا "مجھے اس کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کوئی ضروری تو نہیں کہ میں جس لڑکی کو بھی اپنی گاڑی میں اس کے گھر چھوڑنے جاؤں اسے قتل کرکے ہی واپس آؤں۔"

جارج بولا "دراصل تم نے ڈیوڈ کی موت کا بہت شدید اثر لیا ہے۔ ممکن ہے تمہیں پتا چلا ہو کہ مریلا نے کافی عرصہ ڈیوڈ کو اپنے اشاروں پر نچانے کے بعد ٹھکرادیا تھا اور اسی وجہ سے ڈیوڈ نے دل برداشتہ ہوکر خودکشی کرلی۔ یوں تم نے مریلا کو ڈیوڈ کی موت کا اخلاقی ذمے دار قرار دیا ہو۔ یا پھر واقعی ڈیوڈ قتل ہوا ہو اور اس کی قاتل مریلا ہی رہی ہو۔ تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی ہو اور تم نے اس سے انتقام لیا ہو۔"

سیلی بولی "مجھے یقین ہے' اکیلے کسی عورت کو قتل نہیں کرسکتا۔"

"یقین تو مجھے بھی ہے" ویولا بولی "لیکن قانون اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا۔ ہم اکیلے کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔"

"خواہ میں نے واقعی مریلا کو قتل کیا ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں" ویولا مضبوط لہجے میں بولی "لیکن مجھے یقین ہے' تم نے اسے قتل نہیں کیا۔"

میں نے ان چاروں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "یہ تم لوگوں کو میری اتنی پروا کب سے ہوگئی؟"

"مجھے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہے کہ تمہارا کیا حشر ہوتا ہے" ڈرین نے تسلیم کیا "لیکن ایک تو مجھے اس وجہ سے تمہارے بارے میں سوچنا پڑرہا ہے کہ تم ویولا کے بھائی ہو۔ دوسرے اگر تمہیں قتل کے الزام میں سزائے موت ہوگئی تو میرے سیاسی مخالفین اس نکتے کو خوب اچھال سکتے ہیں کہ شہر کا منتخب میئر ایک قاتل کا بہنوئی ہے۔"

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "گویا سارا مسئلہ اس گندی سیاست ہی کا ہے۔ ڈیوڈ اسی لیے قتل ہوا کہ اس نے سٹی ہال میں مدفون کچھ گندگی دریافت کرلی تھی۔ مریلا کو بھی یقیناً اس سلسلے میں معلومات حاصل ہوچکی تھیں اس لیے اسے بھی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔"

ڈرین کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور وہ آگے جھکتے ہوئے بولا "کیا اس نے تمہیں کچھ بتایا تھا؟"

"نہیں" میں نے جواب دیا "لیکن چند دن سے چونکہ وہ میرے ساتھ دیکھی جارہی تھی اس لیے قاتل نے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کی زبان بند کردی اور وہ بھی ایسا موقع دیکھ کر..... کہ میں قربانی کا بکرا بن سکوں۔ یعنی اس کا قاتل قرار پاؤں۔ شاید وہ اس وقت آس پاس ہی کہیں چھپا ہوا تھا جب گزشتہ رات میں نے مریلا کو اس کے گھر چھوڑا۔ ممکن ہے قاتل کوئی عورت رہی ہو۔ ممکن ہے وہ تم چاروں میں سے کوئی ہو۔" خلافِ توقع ان میں سے کسی نے مجھ پر برہمی کا اظہار نہیں کیا۔ میں نے سوچا' مجھے بھی نرم پڑکر دیکھنا چاہیے۔ شاید اسی طرح مجھے آگے بڑھنے اور کوئی کام کی بات جاننے کا موقع مل سکے۔

ڈرین سگار سلگاتے ہوئے تحمل سے بولا "مریلا کو تمہارے ساتھ جاتے کیپٹن لیو اور پیٹرول مین مورگن کے سوا کسی نے نہیں دیکھا۔ ان دونوں کی زبان بند رکھنا میرے لیے قطعاً کوئی مسئلہ نہیں۔ ان دونوں کو اپنی نوکری پیاری ہے۔ ہم سیلی سے گواہی دلوادیں گے کہ جس وقت مریلا قتل ہوئی ہے اس وقت تم شہر کے دوسرے سرے پر سیلی کو اس کے گھر کے سامنے شب بخیر کہہ رہے تھے۔ صرف سیلی سے ہی نہیں' ہم اس علاقے کے پیٹرول مین ہیگرٹ سے بھی گواہی دلوادیں گے کہ اس نے تم دونوں کو وہاں دیکھا تھا۔"

"فی الحال میں اس پیش کش کو قبول کرلیتا ہوں کیونکہ میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس وقت میں جیل جاکر بے دست وپا ہونا نہیں چاہتا لیکن اس طرح میرے ساتھ ساتھ اصل قاتل بھی بچ جائے گا۔ میں اس کی ڈھال بن جاؤں گا" میں نے کہا اور وہاں سے نکل آیا۔

اسی سہ پہر میں میونسپل بلڈنگ پہنچا۔ ہارٹ اور دوسرے دو تین اخباری نمائندے باہر ہی سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔ ہارٹ نے استہزائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں ان نظروں کا مطلب بخوبی سمجھتا تھا۔ پولیس نے یقیناً اخبار نویسوں کو یہ کہانی فراہم کردی تھی کہ جس وقت مریلا کو قتل کیا گیا اس وقت میں شہر کے دوسرے سرے پر سیلی کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔

میں لفٹ میں پانچویں منزل پر پہنچا جہاں سینٹرل پولیس ہیڈ کوارٹر واقع تھا۔ کیپٹن لیو اپنے آفس میں میز پر پاؤں رکھے بیٹھا تھا۔ وہ سگار کا دھواں میرے منہ پر چھوڑنے کی کوشش کرتے ہوئے

بولا "تم یہاں سے کہیں دور کیوں نہیں چلے جاتے؟"

"کیوں چلا جاؤں؟ میں نے مریلا کو قتل نہیں کیا۔"

"تمہاری فیملی نے تمہیں اس چکر سے نکالنے کے لیے خاصی محنت کی ہے" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ اس سے بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

چنانچہ بحث کرنے کے بجائے میں نے پوچھا "کیا اس بات کا کوئی امکان ہو سکتا ہے کہ مریلا ہی ڈیوڈ کی قاتل رہی ہو؟"

"وہ قتل نہیں تھا۔ صفائی کرنے والی عورت نے ڈیوڈ کی لاش دریافت کی تھی۔ کرسی کے قریب ہی ریوالور پڑا تھا جس کے دستے پر اس کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ ایک ہفتہ قبل ہی اس نے وہ ریوالور خریدا تھا۔ اس کی گولی اس کی کھوپڑی میں پیوست تھی۔"

"چنانچہ یہ طے ہو گیا کہ یہ خودکشی تھی؟"

"ہاں۔ طے ہو گیا" وہ یکدم ہی گویا پھٹ پڑا پھر میز سے پاؤں اُتارتے ہوئے بولا "میں کیا کر سکتا تھا؟ اس منحوس اور غلیظ شہر میں بہت سی باتوں کی طرف سے مجھے انجان بننا پڑتا ہے خواہ وہ میرے حلق میں اٹک جائیں۔ بہت سی چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی مجھے آنکھیں بند کرنا پڑتی ہیں..... لیکن میں سوچتا ہوں' میرے اعصاب کب تک میرا ساتھ دیں گے؟" پھر یکدم ہی وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

میں نے اس کی بات مان لی اور وہاں سے "دفع" ہو گیا۔ میں دو منزل نیچے سیلی کے آفس میں آ گیا۔ اس نے گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔ وہ اب خاصی تازہ دم نظر آ رہی تھی۔ میری سرد مہری میں کوئی فرق نہ آیا تو وہ بولی "کلے! تمہاری تو مدد کرنا بھی ایک دشوار کام ہے۔ تمہیں جیل جانے سے بچانے کے لیے ہم لوگ رات بھر جاگتے رہے ہیں۔"

"مجھے اس قسم کی مدد کی ضرورت نہیں" میں نے کہا "مجھے ڈیوڈ اور مریلا کے قاتل کو تلاش کرنے کے سلسلے میں مدد کی ضرورت ہے" پھر میں نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "پہلے یہی ڈیوڈ کا آفس رہا ہو گا۔ میری رائے میں اس بے ایمان شہر میں وہ اکیلا ہی دیانت دار آدمی تھا۔ تمہیں اس کے ذاتی سامان میں کوئی ایسی چیز تو نہیں ملی جو اس دفتر میں کسی قسم کی گڑبڑ کی نشاندہی کرتی ہو؟"

"میں نے جب یہ دفتر سنبھالا تو ڈیوڈ کا ذاتی سامان ویولا کے حوالے کر دیا تھا" وہ بولی "اگر ایسی کوئی چیز ہوتی تو میرے خیال میں ڈیوڈ اسے یہاں نہ رکھتا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو" میں نے کہا اور وہاں سے نکل آیا۔

شام تک کا باقی وقت میں نے پبلک لائبریری میں گزارا اور "کوسٹ سٹی ریکارڈر" کے پرانے شمارے کھنگالتا رہا۔ ان میں بھی شہر کی ویسی ہی اچھی بری خبریں' نیکیوں اور خباثتوں کے وہی قصے تھے جو اکثر اخبارات میں ہوتے ہیں۔ ایک اسکینڈل ذرا نئے قسم کا تھا۔ فلیکس ہارٹ نے اس سے پردہ اٹھایا تھا۔ ایک پولیس اسٹیشن اس کا مرکز تھا لیکن اس دھندے کے سرے سٹی ہال تک جاتے دکھائی دے رہے تھے۔

رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ کچھ پولیس والے مختلف الزامات میں گرفتار ہونے والے شہریوں' خصوصاً آسودہ حال لوگوں کی ضمانت کے سلسلے میں پرانے اور استعمال شدہ بانڈز کو ہی دوبارہ استعمال کر رہے تھے اور ان کے عوض حاصل ہونے والا زرِ ضمانت سرکاری خزانے میں جمع کرانے کے بجائے اپنی جیب میں ڈال رہے تھے۔

بہت سے لوگ اس اسکینڈل میں ملوث تھے۔ ہارٹ نے تو کئی نام بھی لکھے تھے۔ بعد میں میئر کے سیکریٹری کی حیثیت سے ڈیوڈ نے پریس کے لیے بیان جاری کیا تھا کہ اس معاملے کی تحقیقات کرائی جائے گی۔ اس تحقیقات کے دوران ایک لیفٹیننٹ نے خودکشی کر لی تھی اور دو پولیس افسروں کو معطلی کے بعد سزا ہوئی تھی۔

ڈیوڈ کا نام اخبارات میں صرف اسی سلسلے میں نظر آیا تھا۔ بعد میں اس کی خودکشی ہی کی خبر چھپی تھی۔

میں جب لائبریری سے نکلا تو رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ گھر کے قریب پہنچ کر میں نے گاڑی ڈرائیو وے میں موڑی تو مجھے شبہ ہوا کہ اسٹڈی کی کھڑکی میں ایک لمحے کے لیے روشنی نظر آئی تھی اور شاید پٹ بھی کھلا تھا۔ میں نے گاڑی گیرج میں کھڑی کر کے گلوو کمپارٹمنٹ سے فلیش لائٹ نکالی اور دبے قدموں اس کھڑکی تک پہنچا۔ کھڑکی واقعی کھلی تھی حالانکہ مجھے یاد تھا کہ جاتے وقت میں نے بند کی تھی۔

میں نے فلیش لائٹ آن کر کے اچانک ہی روشنی اندر ڈالی۔ اندر ہارٹ میز کے دوسری طرف کھڑا تھا۔ روشنی براہِ راست اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ ایک موٹی سی کتاب اٹھائے ہوئے تھا۔ اسے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے وہ چلایا "خدا کے لیے فائر مت کرنا۔ پہلے میری بات سن لو۔"

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا" میں نے حکم دیا اور کھڑکی ہی سے اندر کود کر لائٹ آن کی۔ ہارٹ سخت خوف زدہ تھا لیکن مجھے دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی۔ میز کی درازوں سے نکالے گئے بہت سے کاغذات میز پر پھیلے ہوئے تھے۔ میں اس مکان میں آنے کے بعد ان سب کا جائزہ لے چکا تھا۔ وہ مختلف بل اور رسیدیں وغیرہ تھیں۔ ان کا تعلق روز مرہ زندگی کے اخراجات اور مختلف خریداروں وغیرہ سے تھا۔ مجھے ان میں کوئی چیز اہم دکھائی نہیں دی تھی۔ ان میں چیک بکس کے بچے ہوئے آدھے حصے بھی تھے۔

"تمہیں کس چیز کی تلاش تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ڈیوڈ اور مریلا کے قتل کے سلسلے میں کسی ثبوت کی" وہ بولا "میں نے غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ڈیوڈ کی موت خودکشی نہیں ہو سکتی اور مریلا کے قاتل تم نہیں ہو سکتے۔ ان باتوں پر روشنی

ڈالنے والی کوئی چیز اگر ڈیوڈ کے سامان میں ہوتی تو وہ یہیں ہو سکتی تھی۔ یہی سوچ کر میں یہاں آیا تھا۔"

"کچھ ملا؟" کوئی نتیجہ اخذ کیا تم نے؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنی معلومات اپنے اخبار کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتا ہوں" وہ خشک لہجے میں بولا "میں جب قاتل کی نشاندہی کروں گا تو وہ تمہارے لیے کوئی خوشگوار لمحہ نہیں ہوگا۔"

"کون ہے قاتل؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں اس وقت اس کا نام لوں گا جب میں اسے قاتل ثابت بھی کر سکوں گا۔" وہ جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"تم جس چیز کی تلاش میں آئے تھے' آؤ مل کر اسے تلاش کرتے ہیں" میں نے کہا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس اتنا مواد ضرور موجود ہے کہ جو رپورٹیں میں اخبار میں لکھوں گا اس کے بعد گورنر کو ایک تحقیقاتی آفیسر مقرر کرنا پڑے گا اور پھر قاتل بچ کر نہیں نکل سکے گا۔"

میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب تمہیں جانے کی جلدی ہے۔ ایسا لگتا ہے جو چیز تم تلاش کرنے آئے تھے وہ تمہیں مل گئی ہے۔ کیا..."

اسی لمحے کھڑکی کی طرف سے کسی کی آواز ابھری۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اپنی کھانسی کو دبانے کی کوشش کی ہو۔ میں اور ہارٹ ایک ساتھ اس طرف گھومے اور عین اسی وقت ایک فائر کی آواز سنائی دی۔ میں نے ہارٹ کو لڑکھڑاتے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا پھر احساس ہوا کہ خطرہ مجھے بھی لاحق تھا۔

میں نے میز کے عقب میں چھلانگ لگا دی۔ چھپنے کے بعد بھی میں ہارٹ کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ اوندھے منہ گر چکا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ سگریٹ اس کے ہونٹوں کے پاس ہی پڑی سُلگ رہی تھی۔ قاتل کو اتنی مہلت ضرور ملی تھی کہ وہ مجھ پر بھی چار چھ گولیاں چلا سکتا تھا لیکن مجھے چھوڑ دیا گیا تھا... کیوں؟

فی الحال میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں رینگتا ہوا سوئچ بورڈ تک پہنچا اور لائٹ آف کر دی۔ اندھیرا ہونے کے چند لمحے بعد میں نے کھڑکی سے جھانکا۔ باہر کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ ظاہر ہے قاتل کو فرار ہونے کے لیے خاصا وقت مل گیا تھا۔

میں نے دوبارہ لائٹ آن کی اور ہارٹ کی جیبوں کی تلاشی لی۔ اس کی جیبوں میں کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھی۔ میرا جسم پسینے میں بھیگنے لگا۔ اب میری سمجھ میں آگیا تھا کہ قاتل نے مجھے کیوں چھوڑ دیا تھا۔ اس بار اس نے مجھے زیادہ بہتر انداز میں قربانی کا بکرا بنایا تھا۔ اس بار لاش عین میرے گھر میں موجود تھی۔ اب میری بہن کا اثر و رسوخ بھی مجھے نہیں بچا سکتا تھا۔ بلکہ اب وہ کوششیں میرے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھیں جو مجھے مریلا کے قتل کے الزام سے بچانے کے لیے کی گئی تھیں۔

میری نظر اس ضخیم کتاب پر جمی ہوئی تھی جو میری آمد کے وقت ہارٹ نے ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی۔ اس کا نام "کولمبیا انسائیکلوپیڈیا" تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں نے اس کتاب کی طرف تو دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے اس کا ایک ایک ورق الٹنا شروع کیا۔ چار سو صفحے الٹنے کے بعد مجھے دو صفحے جڑے ہوئے دکھائی دیے جس طرح عموماً کٹنے سے رہ جاتے ہیں۔

میں نے ان اوراق کے درمیان انگلیاں ڈال کر دیکھا۔ وہاں پتنگ کے کاغذ جیسا ایک مہین کاغذ موجود تھا۔ میں نے اسے نکال لیا۔ وہ اوپر سے نیچے تک نہایت باریک حروف سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ڈیوڈ کی لکھائی تھی۔ کتاب میں مزید دو جگہ اسی طرح مجھے اوراق جُڑے ہوئے ملے اور ان کے درمیان سے ویسے ہی باریک کاغذ برآمد ہوئے۔ وہ بھی ڈیوڈ کی تحریر سے بھرے ہوئے تھے۔ ڈیوڈ نے واقعی ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک ضخیم اور بہت کم استعمال ہونے والی کتاب کے بغیر کٹے اوراق کے درمیان کچھ تلاش کرنے کا کسے خیال آسکتا تھا؟

ہارٹ نے یقیناً ان کاغذات کو تلاش کر لیا تھا لیکن اس کے انہیں نکالنے سے پہلے میں آن پہنچا تھا۔ اس نے غالباً یہ سوچ کر کتاب رکھ دی تھی کہ بعد میں کوئی اور مناسب موقع دیکھ کر وہ آکر کاغذات نکال لے جائے گا۔ مجھے ان کاغذات کو پورا پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک نظر ڈالنے سے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی نوعیت اور اہمیت کیا تھی۔

اس کے ساتھ ہی خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ میرے لیے ہارٹ کی لاش کو فوری طور پر اس مکان سے کہیں اور منتقل کرنا ضروری تھا۔ خوش قسمتی سے مکان تقریباً ویران علاقے میں ہی تھا اور رات کی تاریکی بھی گہری ہو چکی تھی۔ گولی لگنے کے بعد ہارٹ کے جسم سے خون بھی زیادہ نہیں بہا تھا۔

میں نے اس کی لاش کو اٹھا کر باہر لا کر اپنی گاڑی میں ڈالا اور گاڑی ریورس کرنے لگا لیکن عین اسی وقت ایک اور گاڑی ڈرائیو وے میں داخل ہوئی اور عین میرے پیچھے آن رکی۔ اس نے میرا راستہ روک لیا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی فیصلہ کر سکتا' میں نے ایک باوردی پولیس والے کو اس گاڑی سے اتر کر اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔

یہ وہی پٹرول مین مورگن تھا جو گزشتہ شب میری گاڑی کا چالان کرنے لگا تھا۔ صرف وہی نہیں' دوسرے دروازے سے کیپٹن لیو بھی اُتر آیا۔ وہ دونوں میرے دائیں بائیں دونوں طرف کی کھڑکیوں پر آن جھکے۔ میں ان کے درمیان پھنس کر رہ گیا۔ ان کی نظر ابھی پچھلے حصے پر پڑی ہوئی لاش پر نہیں پڑی تھی۔

کیپٹن لیو بولا "میں نے حالات پر بہت غور و خوض کیا ہے مگر! کافی عرصہ گزر گیا ہے کہ میں نہ جانے کس کس چیز کی طرف سے

آنکھیں بند کرتا آرہا ہوں لیکن اب بہت ہو چکی۔ معاملہ میری برداشت سے باہر ہو گیا ہے۔ ایک قاتل کو نظرانداز کرنا میرے لیے ممکن نہیں رہا۔ مورگن بھی مجھ سے متفق ہے۔ ہم نے گواہی دینے کا فیصلہ کیا ہے کہ ہم نے گزشتہ شب مریلا کو تمہارے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تھا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔"

"ہم آپ کو حراست میں لینے آئے ہیں مسٹر کلے ایری!" مورگن نے گہری سنجیدگی سے کہا "ہم اب میسز ڈرین کی بھی پروا نہیں کریں گے۔"

"جیسے تمہاری مرضی" میں نے مُردہ سی آواز میں کہا۔ کیپٹن لیو نے میری طرف کا دروازہ کھول دیا جس کی وجہ سے کار کی اندر کی لائٹ آن ہو گئی۔ پٹرول مین مورگن کی نظر لاش پر پہلے پڑی اور وہ تقریباً چلا اٹھا۔ میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔

لیو نے بھی جھک کر لاش کا جائزہ لیا اور ریوالور نکالتے ہوئے بولا "اس بار تمہیں میسز کا سالا ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ نیچے آجاؤ۔"

انہوں نے میری اور گاڑی کی تلاشی لی۔ میرے پاس کوئی ریوالور وغیرہ نہ پا کر گویا لیو کو مایوسی ہوئی' مورگن بولا "اس نے ہارٹ کو قتل تو اندر مکان میں ہی کیا ہے۔ اب لاش کو غالباً ٹھکانے لگانے جا رہا تھا۔"

مورگن مجھ پر ریوالور تانے کھڑا رہا اور لیو فلیش لائٹ لے کر مکان کے اردگرد کا جائزہ لینے چلا گیا۔ اسٹڈی کی کھڑکی کے نیچے پہنچ کر وہ فاتحانہ انداز میں بہ آواز بلند بولا "مل گیا.... آلۂ قتل مل گیا۔"

وہ واپس آیا تو اعشاریہ تین آٹھ کا ایک آٹومیٹک پسٹل اس کی ہتھیلی پر رکھا ہوا تھا' وہ بولا "مریلا کو بھی اعشاریہ تین آٹھ کے پسٹل سے گولی ماری گئی تھی' مجھے یقین ہے کہ یہ وہی پسٹل ہے۔"

"اور میں نے تمہاری سہولت کے لیے اسے ایسی جگہ پھینک دیا تھا جہاں سے یہ نہایت آسانی سے تمہیں مل جائے" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس نے اس بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور وہ دونوں مجھے لے کر اندر آگئے۔ لیو نے اسٹڈی میں میز پر بکھرے ہوئے کاغذات وغیرہ کا جائزہ لیا اور مورگن کو حکم دیا "شعبۂ قتل والوں کو فون کرو پھر باہر جا کر لاش کی نگرانی کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔"

مورگن فون کرنے ہال میں چلا گیا۔ لیو کے ایک ہاتھ میں ریوالور اور ایک میں پسٹل تھا۔ پسٹل آلۂ قتل تھا۔ مجھے یقین تھا کہ لیو کے اٹھانے سے پہلے اس پر کسی کی انگلیوں کے نشانات نہیں ہوں گے۔

"تم کوئی بیان دینا پسند کرو گے؟" لیو نے بظاہر بے پروائی سے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

دفعتاً اس کی نظر میز پر پڑی ہوئی "کولمبیا انسائیکلوپیڈیا" پر پڑی اور وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا "یہ موٹی سی کتاب یہاں کیوں رکھی ہے؟"

پھر گویا اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ اس نے پسٹل یعنی آلۂ قتل میز پر رکھ دیا اور اس ہاتھ سے کتاب کے صفحات اُلٹ کر دیکھنے لگا۔ میں نے فی الحال تینوں باریک کاغذ ایک ہی جگہ دو جُڑے ہوئے اوراق کے درمیان رکھ دیے تھے۔ ظاہر ہے وہ اوراق کچھ دبیز ہو گئے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ باریک کاغذ اسے مل جائیں گے۔

میں نے دیکھا پسٹل میز پر مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا تاہم زیادہ قریب بھی نہیں تھا۔ لیو بظاہر کتاب کا جائزہ لینے میں منہمک تھا اور میری طرف سے غافل ہو چکا تھا۔

میں نے پُرسکون لہجے میں کہا "یہ ڈراما بند کرو۔ جو تم چاہ رہے ہو وہ میں نہیں کروں گا۔"

"کیا نہیں کرو گے؟" اس نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ جھپٹ کر پسٹل اٹھانے کی کوشش کروں۔ مجھے معلوم ہے تم بہت پھرتیلے ہو اور تمہارا نشانہ بھی بے خطا ہے۔" میں نے کہا "میں پسٹل اٹھا کر فائر نہیں کرپاؤں گا کہ تم گولی میرے سینے میں اتار دو گے۔ یہ نہایت عمدہ اور بے عیب ڈراما ہو گا۔ تم کہہ سکو گے کہ تمہیں اپنے دفاع میں مجھ پر گولی چلانی پڑی اور مورگن باہر ہونے کے باوجود تمہارے لیے اچھا گواہ ثابت ہو سکے گا۔"

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور ریوالور سیدھا کرتے ہوئے بولا "تم ذہین ہو لیکن زیادہ نہیں۔"

شاید وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں نے کتاب سے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے وہ بات کہہ ڈالی تھی جو میں اب تک سمجھ پایا تھا لیکن اس انکشاف نے میرے اور موت کے درمیان فاصلہ کم کر دیا تھا۔ وہ شاطر انسان تھا۔ میرے بولنے کا مقصد سمجھ گیا' مجھے گھورتے ہوئے بولا "اب تک تم خاموش تھے۔ اب یکدم ہی تم نے دل کی بات کہہ ڈالی۔ ایسا لگتا ہے کہ تم اس کتاب سے میری توجہ ہٹانا چاہتے ہو۔"

اس نے مجھے نشانے پر رکھتے ہوئے کتاب کے صفحے اُلٹے پلٹے اور بالآخر اسے معلوم ہو گیا کہ کہاں کچھ چھپا ہوا تھا۔ اس نے جُڑے ہوئے اوراق کے درمیان سے تینوں باریک کاغذ نکال لیے اور جیب میں رکھ لیے۔

میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا "تم ایک محتاط اور مشاق قاتل ہو۔ تمام جزئیات پر پہلے ہی سے غور کر لیتے ہو۔ پولیس کا کیپٹن ہونے کی وجہ سے تمہیں ویسے ہی بہت آسانی رہتی ہے۔ تم نے ڈیوڈ

کو قتل کیا اور اس قتل کو خودکشی کا رنگ دے دیا پھر خود ہی اس کی تفتیش کرکے اسے حتمی طور پر خودکشی قرار دے دیا۔ تم نے گلوکارہ مریلا کو گولی ماری اور میرے ہمدرد بن کر مجھے اس کے قتل کے الزام سے بچانے کے لیے زبان بند رکھی۔ کچھ دیر پہلے ہارٹ کے ساتھ ساتھ تم مجھے بھی قتل کرسکتے تھے لیکن تم نے زیادہ بہتر اور محفوظ طریقہ تلاش کیا۔ یعنی مورگن کو ساتھ لے آئے تاکہ وہ گواہ رہے کہ میں نے ہی ہارٹ کو قتل کیا تھا۔ اب میں تمہارا چوتھا شکار ہوں۔ تمہارا بیان یہ ہوگا کہ میں پسٹل اٹھانے کے لیے جھپٹا تھا اس لیے تمہیں مجھ پر گولی چلانی پڑی۔"

اس کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہوگیا۔ وہ وحشیانہ سے لہجے میں بولا "میں کسی کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن تمہارے خاندان نے مجھے مجبور کردیا۔ انہوں نے مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑا۔"

"بدمعاشوں اور بددیانتوں کو کوئی ان کے حال پر نہیں چھوڑتا" میں نے کہا۔

"میں بدمعاش اور بددیانت ہوکر بھی تمہارے خاندان والوں سے لاکھ درجے بہتر ہوں" اس کے لہجے کی وحشت بڑھ گئی "ٹھیک ہے' میں نے ہی تمہارے اس منحوس بھائی کو قتل کیا تھا اور اب۔۔۔"

"اس کے بعد بھی ایمری خاندان کا ایک فرد باقی رہ جائے گا کیپٹن لیو!" عقب سے آواز آئی۔ وہ ویولا تھی جو دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ پتھر کی طرح سپاٹ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

لیو ریوالور بلند کرتے ہوئے تیزی سے گھوما۔ یقیناً وہ فائر کرنے جارہا تھا۔ ویولا نے پلک جھپکائے بغیر گولی چلادی۔ وہ پیٹ پکڑ کر دُہرا ہونے لگا تو ویولا ایک قدم آگے آئی اور گھٹے گھٹے لہجے میں بولی "ڈیوڈ کے قاتل کے لیے صرف ایک گولی کافی نہیں۔" اس نے ریوالور لیو پر خالی کردیا۔

باہر مورگن کی آواز سنائی دی۔ وہ دوڑا آرہا تھا۔ ویولا میری طرف دیکھ کر تھکے تھکے لہجے میں بولی "ہم ایمری خاندان والے ایک ہیں۔"

○☆○

صبح کے سات بج چکے تھے۔ ڈسٹرکٹ اٹارنی' میئر' پولیس' اخباری نمائندے اور ویولا سب یکے بعد دیگرے رخصت ہوچکے تھے۔ میری روح پر برف کی تہیں سی جم چکی تھیں۔ میں نے کچن میں آکر اپنے لیے کافی تیار کی اور تین کپ پی گیا۔ چوتھا کپ میرے ہاتھ میں تھا جب کال بیل بجی۔

وہ سیلی تھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو بولی "مجھے معلوم ہے تم کسی سے ملنا نہیں چاہتے لیکن میں ہر حال میں تم سے بات کروں گی۔"

وہ کچن میں آگئی۔ میں نے اس کے لیے کافی انڈیلی' وہ بولی "تم ویولا سے کیوں خفا ہو؟ اس نے تو تمہاری جان بچائی ہے۔ وہ تو اتفاقاً تم سے ملنے اور بات کرنے آئی تھی' جب اس نے اندر تمہیں اور کیپٹن لیو کو باتیں کرتے سن لیا۔ وہ ریوالور بھی جو اس کے پاس تھا' درحقیقت وہ تمہیں ہی دینے کے لیے لائی تھی۔ تم چونکہ ادھر اُدھر گن لیتے پھر رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ تمہیں کسی وقت خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے ان باریک کاغذوں پر کیا لکھا تھا جو ڈیوڈ نے چھپا کر رکھے تھے؟" میں نے پھنسی پھنسی سی آواز میں پوچھا۔

"یہی کہ استعمال شدہ بانڈز پر ضمانت کرانے کا دھندا بظاہر ایک بار ختم ہوجانے کے کچھ عرصے بعد کیپٹن لیو نے سنبھال لیا تھا۔ اس کا ٹولا اس میں خوب دولت کمارہا تھا۔ ڈیوڈ نے اس سلسلے میں تمام معلومات جمع کرکے لکھ کر رکھ لی تھیں۔ یہ بات لیو کو معلوم ہوگئی اور اس نے ڈیوڈ کو قتل کردیا۔"

"یہ بات لیو کو اس لیے معلوم ہوئی کہ خود ڈیوڈ نے جاکر اسے بتائی تھی۔ وہ لیو کو بلیک میل کرکے اس دھندے میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ اس کی یہ خواہش پوری ہوگئی۔ اسے بھی حصہ ملنے لگا لیکن بعد میں شاید اس کے مطالبات بڑھ گئے یا پھر وہ خوف زدہ ہوگیا اور گروہ کے لیے خطرہ بننے لگا۔ اس لیے لیو نے اسے قتل کردیا" میں نے افسردگی سے کہا۔ میں نے ڈیوڈ کے لیے اپنے ذہن میں کردار کی بلندی کا جو بُت تراش رکھا تھا وہ ریزہ ریزہ ہوچکا تھا۔ صدمے سے میری روح شل تھی اور میرے ذہن پر بے پناہ بوجھ تھا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو کلے!" سیلی بے یقینی سے بولی۔

"میں نے ڈیوڈ کی میز کی درازوں سے نکلنے والی رسیدوں' بلوں اور چیک بکس کے بقایا حصوں پر پہلے توجہ نہیں دی تھی کیونکہ اس کے بارے میں میرے ذہن کے کسی گوشے میں بدگمانی کا شائبہ تک نہیں تھا لیکن جب میں نے ان چیزوں پر توجہ دی تو اندازہ ہوا کہ اس کے اخراجات تو شاہانہ تھے۔ آٹھ ہزار سالانہ تنخواہ پانے والا تو اس طرح خرچ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا جبکہ ڈیڈی کے ٹرسٹ فنڈ سے ملنے والا حصہ ابھی اس کے ہاتھ میں نہیں آیا تھا۔ فی الحال وہ اسے لینے سے انکار کرتا تھا اور وہ اس کے نام پر ایک الگ اکاؤنٹ میں جمع ہورہا تھا۔ یہ انکار محض دکھاوے کے لیے تھا۔ اندر سے بہرحال وہ بھی ایمری ہی نکلا۔ بددیانت اور بدعنوان۔ یہ انکشاف میری زندگی کا سب سے بڑا صدمہ ہے۔ میں تو اس کے نقش قدم پر چلنا چاہتا تھا۔ صدمہ اتنا شدید ہے کہ میں نے یہ شہر ہی چھوڑ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"اکیلے ہی جاؤ گے؟" اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

اس کا مطلب سمجھتے ہوئے میرے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی!

DON'T BURRY HIM DEEP
BURNO FISHER



آہٹ

نجمہ مودی

عاشق کے ساتھ مل کر شوہر سے چھٹکارا پانا مغربی معاشرے کی ایک عام روایت ہے۔ نئی بات یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے جو ہتھیار استعمال کیا گیا، وہ بڑا انوکھا اور حیرت انگیز تھا۔

محبت اور جرم کے مابین سفر کرتی ایک انوکھی کہانی

"ایک گندی گلی میں ایک آوارہ گرد شرابی کی لاش پائی گئی۔" لارنس پین نے صبح کے اخبار سے ایک سُرخی اپنی بیوی این کو پڑھ کر سُنائی پھر اس پر تبصرہ کیا۔ "اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ ہمارا قصبہ گرین ول اب پھیلتا جارہا ہے۔ اب ہمارے ہاں بھی بڑے شہروں جیسے جرائم ہونے لگے ہیں۔"

پھر پین نے اپنا چشمہ اُتار کر چہرے کو ہاتھ سے رگڑتے ہوئے قدرے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے میرا جسم معمول سے کچھ زیادہ گرم ہے۔ شاید مجھے حرارت ہو رہی ہے۔ میں نے ڈاکٹر آرتھر کو فون کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ دوپہر سے پہلے کسی وقت ہمارے ہاں ہوتا جائے گا۔"

"اچھا کیا تم نے اسے فون کرلیا۔" این نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ "طبیعت ذرا بھی خراب ہو تو ڈاکٹر سے تصدیق کرالینی

چاہیے کہ تشویش کی کوئی بات نہیں۔"

"میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے یہ محض فلو کے آثار معلوم ہوتے ہیں لیکن اس نے جواب دیا کہ وہ فون پر امراض کی تشخیص کرنا پسند نہیں کرتا۔" پھر جیسے پین کو کچھ یاد آیا اور وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کیا خیال ہے..... جب سے ڈاکٹر آرتھر کے پاس اس کی وہ نئی اسسٹنٹ ڈائنا آئی ہے وہ کافی خوش خوش نظر آنے لگا ہے!"

ڈاکٹر آرتھر نے اپنی مستقل نرس مس پرچرڈ پر سے کام کا بوجھ کچھ کم کرنے کے لیے ایک سال قبل ڈائنا کو ملازم رکھا تھا۔

"ہاں محسوس تو میں نے بھی کیا ہے۔" این بولی۔ "لیکن ان کے درمیان کوئی چکر نہیں ہو سکتا ۔ ڈاکٹر آرتھر عمر میں ڈائنا سے بہت بڑا ہے۔"

"مجھے تم سے اتفاق نہیں ہے۔" پین بولا۔ "ضروری نہیں ہے کہ ان کے درمیان کوئی رومانوی قسم کا ہی چکر ہو۔ عورت کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ جب وہ مہرباں ہونے پر آتی ہے تو عمر وغیرہ نہیں دیکھتی۔ ہو سکتا ہے ڈائنا محض اس کے پُراسرار ماضی کی وجہ سے اس کی ذات میں کوئی بے عنوان سی دلچسپی محسوس کرتی ہو یا اس دلچسپی کی نوعیت پیشہ ورانہ ہو۔ ڈاکٹر کے ماضی کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ پہلے وہ کسی بڑے شہر میں پریکٹس کیا کرتا تھا لیکن اس نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ شہر چھوڑ کر وہ اس چھوٹے سے قصبے میں کیوں آگیا۔"

این اپنے شوہر کے چھیڑے ہوئے پہلے موضوع پر واپس آتے ہوئے بولی۔ "بڑے شہروں والے جرائم ہمارے قصبے گرین ول میں ہمیشہ سے موجود تھے لیکن بات صرف اتنی تھی کہ ان کی "تشخیص" نہیں کی جا سکی تھی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" پین نے وضاحت چاہی۔

"میرا اشارہ ان بے چارے لوگوں کی طرف ہے جو بڑے بڑے کاروبار کی راہ میں مارے جاتے ہیں۔ کاروباری مفادات کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ جو بڑے اور تیز رفتار کاروبار کا ساتھ نہیں دے پاتے اور اس جرم میں، جینے کے حق سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ یہ جرم بھی تو ہمارے ہاں بڑے شہروں سے آیا ہے۔ کیا خیال ہے؟"

پین نے گہری سانس لی۔ وہ انتالیس سال کا تھا لیکن آج اپنے آپ کو اس سے کہیں بڑی عمر کا محسوس کر رہا تھا۔ وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔ "خدا کے لیے آج پھر اپنے بھائی والٹر کا قصہ مت لے کر بیٹھ جانا۔ میری طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں جب اپنے بھائی کے بارے میں سوچتی ہوں تو میری طبیعت بھی خراب ہونے لگتی ہے۔ تم چاہتے تو وہ تمہارے اسٹور پر ملازمت جاری رکھ سکتا تھا۔ وہ تمہارے کاروبار پر کوئی اتنا بڑا بوجھ تو نہیں تھا جسے تمہاری معیشت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔" این زہریلے لہجے میں بولی۔

"ہم یہ سب باتیں پہلے بھی بارہا کر چکے ہیں۔" پین گویا اپنے لہجے کی بیزاری کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "یہ قصہ دو سال پرانا ہو چکا ہے۔ کاش تم معاملات کو حقیقت پسندانہ انداز میں دیکھنا شروع کر دو۔ ظاہر ہے میں نے جب والٹر کو فارغ کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی سی بات اسے خودکشی کی طرف لے جائے گی۔ بلکہ سچ پوچھو تو مجھے یقین ہی نہیں ہے کہ میرے اس کو ملازمت سے فارغ کرنے اور اس کی خودکشی کے درمیان کوئی تعلق موجود ہے۔ اس کے شکستہ ذہن میں یقیناً یہ خیال پہلے سے موجود تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا گیا۔"

"بلاشبہ وقت اور حالات نے اس میں اہم کردار ادا کیا لیکن موت کی دلدل کی طرف اسے پہلا دھکا تم نے دیا۔" این کے لہجے کی تلخی میں کوئی کمی نہ آئی۔ "جب سے اس کی بیوی لوئیس کا انتقال ہوا تھا وہ بکھر کر رہ گیا تھا۔ ہماری طرح اس کے ہاں بھی اولاد نہیں تھی۔ اس لیے لوئیس کے انتقال کے بعد وہ کچھ زیادہ ہی دل شکستہ ہو گیا۔ بے چارے میرے بڑے بھائی کے لیے گویا دنیا میں کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ اس کی ذہنی حالت ایسی نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے کام پر پوری توجہ دے سکتا۔ وہ پورا دن کام کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ خدانخواستہ تم پر صدمہ گزرا ہوتا تو تم کام کر سکتے تھے؟"

پھر یکدم این گویا چونکی اور خود استہزائی کے سے انداز میں بولی۔ "اوہ..... میں یہ سوال غلط آدمی سے کر بیٹھی ہوں۔ اس قسم کے حالات تمہیں بھلا کیا صدمہ پہنچا سکتے ہیں؟ لیکن سب تم جیسے مضبوط اعصاب کے مالک تو نہیں ہوتے نا! کیا اس کی کوتاہیوں اور لغزشوں پر تمہارا اس کو لعن طعن کرتے رہنا ضروری تھا؟ اگر تم ذرا تحمل سے کام لیتے تو وہ اس صدمے سے سنبھل سکتا تھا اور اس کی حالت معمول پر آسکتی تھی۔ میں بارہا تمہیں بتاتی بھی رہی لیکن تم نے کوئی توجہ ہی نہیں دی۔"

"تم کیا بتاتی رہیں؟" پین نے اُلجھن سے پوچھا۔

"ہاں..... اب تو تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا ہوگا کہ میں تمہیں کیا بتاتی رہی تھی۔" این کے لہجے کی لرزش بتا رہی تھی کہ اندر کی اذیت اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ "تم نے جب اسے ملازمت سے نکالا تو وہ میرے پاس آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس نے میری منت کی کہ میں تم سے اس کی سفارش کروں۔ میں نے اپنی سی کوشش کی۔ ہم دونوں نے تمہارے سامنے آنسو بہائے لیکن تم نے اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنے سے انکار کر دیا۔"

پانچ سال قبل لارنس پین کو قصبے کے "ینگ بزنس مین آف دی ایئر" کا ایوارڈ دیا گیا تھا۔ وہ قصبے کا پہلا لکھ پتی تھا۔ اس وقت کو یاد کرتے ہوئے وہ ذرا تلخی سے بولا۔ "میں نے جوانی میں اس قصبے میں سب سے پہلے بزنس میں نمایاں ترین مقام حاصل کیا تھا اور

محض اس ساکھ پر میرا کاروبار نہیں چل سکتا تھا۔ میں نے دولت ہاتھ پر ہاتھ دھر کر' بیٹھ کر نہیں کمائی تھی۔ والٹر میرے لیے مسئلہ بنتا جارہا تھا۔ وہ نہ تو لوئیس کی بیماری کے دوران کوئی کام کررہا تھا اور نہ ہی اس کے انتقال کے بعد۔ کاروبار اس طرح نہیں چلتے۔"

پھر اس کے لہجے میں ذرا نرمی آگئی۔ "دیکھو این! میں کاروباری ضرور ہوں لیکن ساتھ ہی انسان بھی ہوں۔ میں نے تمہارے سامنے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میرے سینے میں ایک دردمند دل ہے لیکن دل بہرحال ہے ضرور۔ میں نے اس سے پہلے کبھی تمہیں یہ بات نہیں بتائی لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی دانست میں والٹر کی مدد کررہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ غم واندوہ کے جس نفسیاتی مخمصے میں پھنسا ہوا ہے' نوکری جانے کے صدمے کے باعث وہ اس سے نکل آئے گا۔ اسے کوئی دھچکا لگے گا تو وہ ہوش میں آجائے گا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے ذہن میں یہی خیال تھا۔ صحیح تھا یا غلط' اس پر میں بحث نہیں کرتا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اسے احساس ہوجائے گا' صدمہ اپنی جگہ ہے لیکن زندگی کی ذمے داریاں تو انجام دینی ہی ہیں۔ میں نے اسے بتادیا تھا کہ اگر وہ اپنی حالت بہتر کرلے تو میں اس کی نوکری کے معاملے پر نظرثانی کروں گا۔ کچھ عرصے بعد میرا اسے اس کی نوکری پر بحال کردینے کا ارادہ تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ میری تدبیر غلط تھی۔ مجھے اس کو نوکری سے نکالنا ہی نہیں چاہیے تھا لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اتنی جلدی اتنا بڑا قدم اُٹھالے گا۔ مجھے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ افسوس اسی غلطی کا رہے گا۔"

این نے بغور اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد تھکا تھکا دکھائی دے رہا تھا لیکن اس نے جو باتیں کی تھیں ان سے اخلاص جھلک رہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی تو اس کا لہجہ بدل چکا تھا۔ "پین! تمہاری طبیعت واقعی خراب معلوم ہوتی ہے۔ اگر تم کہو تو میں کلب فون کرکے تمہاری آج شام کی مصروفیات منسوخ کردوں؟"

"مجھے یقین ہے شام تک تو میری طبیعت بہتر ہوجائے گی اور میں کلب جاکر کچھ لوگوں سے اپنے کاروباری معاملات طے کرسکوں گا۔" اپنی بیوی کے الزامات نے اسے گویا بدمزہ کردیا تھا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔ "اپنے کاموں کو بروقت انجام دینے کا میں جس طرح ہمیشہ پختہ عزم رکھتا ہوں' اس سے میرے اور تمہارے بھائی کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے۔ اس میں اعصاب کی مضبوطی کے علاوہ ڈسپلن کا بھی دخل ہے۔ کوئی بھی کام ڈسپلن کے بغیر نہیں ہوتا۔ طبیعت کی خرابی بھی مجھے مکمل طور پر ناکارہ نہیں کرسکتی۔ میں تو شاید اسٹور پر بھی چلا جاتا لیکن میرا کام چونکہ ایسا ہے جسے میں گھر پر بھی انجام دے سکتا ہوں اس لیے میں نہیں جارہا۔ اگر میرا جانا ناگزیر ہوتا تو میں ضرور جاتا۔"

"تمہیں صرف حرارت نہیں ہے۔ تمہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تم ذیابیطس کے مریض بھی ہو۔" این بولی۔

"میں اپنے دیگر مسائل کی طرح اس پر بھی کنٹرول رکھتا ہوں۔" پین نے جواب دیا۔ "میں خود دن میں دو مرتبہ اپنے آپ کو پابندی سے انسولین کا انجکشن لگاتا ہوں۔"

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اپنی کلب والی مصروفیات ایک آدھ دن کے لیے ملتوی کیوں نہیں کرسکتے۔" وہ ناگواری سے بولی۔ اسی لمحے اسے اپنے لڑکپن کے دن یاد آگئے۔ لڑکپن کے زمانے میں اسے گرین دل کنٹری کلب بہت اونچی چیز لگتا تھا کیونکہ اس کے والدین کی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ وہ وہاں آمدورفت رکھنے کے متحمل ہوسکتے۔

"وہ مصروفیات ایسی نہیں ہیں کہ ملتوی کی جاسکیں۔ سیدھی سی بات ہے۔" پین نے جواب دیا۔ "تمہیں بھی حسبِ پروگرام میرے ساتھ جانا ہے۔ اصل میں شاید تمہارا دل نہیں چاہ رہا۔ اس لیے تم مجھے بھی منع کررہی ہو۔ کوئی وقت تھا کہ تم ہر وقت کلب جانے کے لیے تیار رہتی تھیں اور وہ تمہیں بہت اچھا لگتا تھا۔"

"ہاں شادی کے ابتدائی چند برسوں کے دوران میرے لیے وہاں جانا ایک خوشگوار اور دلچسپ تجربہ ہوا کرتا تھا کیونکہ اس وقت تم مجھ سے باتیں کرتے تھے۔ ہم دونوں اکھٹے وہاں ہر چیز سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے لیکن اب میں محض ایک آرائشی مجسمے کی طرح ایک طرف بیٹھی رہتی ہوں۔ تمہیں لوگوں کے ساتھ اپنے کاروباری معاملات طے کرنے سے فرصت نہیں ملتی۔" این کے لہجے میں اب بھی کچھ تلخی تھی اور وہ خود بھی سوچ رہی تھی کہ کیا وہ اپنے شوہر سے ہمیشہ اسی طرح بات کرتی تھی؟

"تمہیں تو اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔" پین بیزاری سے بولا۔ وہ عام طور پر بیوی کی چخ چخ کے جواب میں خاموش ہی رہتا تھا لیکن آج شاید طبیعت کی خرابی اور بیوی کی نشتر زنی نے مل کر اس کی طبیعت میں کچھ جارحانہ پن سا پیدا کردیا تھا۔

گنجائش

سائنسی ترقی سے بہت دور دراز کے لوگ بھی استفادہ کرنے لگے ہیں۔ ایک آدم خور نے ڈیپ فریزر خرید لیا۔ اس کا پڑوسی آدم خور اسے مبارک باد دینے آیا۔ مبارک باد دینے کے بعد اس نے پوچھا۔ "کتنی گنجائش کا ہے یہ ڈیپ فریزر۔"

پہلے آدم خور نے سر کھجاتے ہوئے کچھ سوچ کر کہا "مجھے صحیح تو معلوم نہیں بہرحال شہر سے جو دو آدمی اسے یہاں پہنچانے آئے تھے وہ اس کے اندر ہی ہیں۔"

"لیکن کبھی مجھے بہت کچھ اچھا لگتا تھا۔" این نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اسے وہ دن یاد تھے جب اس کے ہونٹوں پر کوئی شکایت نہیں آتی تھی۔ چھ سال قبل اس کی شادی قصبے کے اس ذہین، مستعد اور باصلاحیت نوجوان سے ہوئی تھی جس کے بارے میں پیش گوئی تو سبھی کیا کرتے تھے کہ اس کا مستقبل روشن ہے لیکن پین ان کے اندازوں سے کہیں زیادہ آگے نکل گیا تھا۔

پہلے وہ قصبے کا ممتاز ترین تاجر بنا پھر اس نے مقامی شُو فیکٹری بھی خریدلی جو ایک طرح سے گرین ول کی سب سے بڑی صنعت تھی۔ وہ اپنا پورا دن اپنے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں ہی گزارتا تھا۔ فیکٹری کو اس نے سابق مالک ہی کے زیر انتظام رکھا جو اب اس کا ملازم ہوچکا تھا۔ پین کو دیکھ کر سب یہی محسوس کرتے تھے کہ وہ راتوں رات لکھ پتی بن گیا تھا۔

اسے دیکھ کر لوگوں کو حیرت بھی ہوتی تھی اور رشک بھی آتا تھا۔ بہت سے لوگ اس کی برق رفتار دولت مندی کے راز جاننے کے لیے اسے کریدنے کی کوشش کرتے رہتے تھے لیکن وہ نہایت صفائی سے انہیں ٹال جاتا تھا یا گول مول جواب دیتا تھا۔ اسٹور کے بارے میں تو وہ پھر بھی کچھ بات کرلیتا تھا لیکن فیکٹری کے بارے میں خصوصاً زبان بند رکھتا تھا۔

وہ ایک بار پھر قدرے تحمل سے اپنی بیوی سے مخاطب ہوا۔

"میں بتاؤں تمہیں کیا کرنا چاہیے؟"

"مجھے معلوم ہے تم کیا کہوگے۔ تم یہی مشورہ دوگے کہ مجھے....." این کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ کال بیل بج اٹھی تھی۔ این دروازے پر گئی۔ دروازہ کھلا تو پین نے ڈاکٹر آرتھر کی آواز سُنی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "سُنا ہے اس مکان میں ایک شخص رہتا ہے جس نے بالآخر اعتراف کرلیا ہے کہ وہ بیمار ہے؟" اس کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح خوش دلی اور گرمجوشی کی جھلک تھی۔

مستعد قدموں سے چلتا ہوا وہ ڈائننگ روم میں آگیا جہاں پین ابھی تک باتھ روب میں ناشتے کی میز پر موجود تھا۔ ڈاکٹر آرتھر تقریباً پین ہی کی عمر کا تھا لیکن ذرا بھاری جسم کا تھا۔ ہمیشہ ذرا تیز تیز بولتا تھا جیسے اس کا سانس ذرا پھولا ہوا ہو۔

"تمہاری حالت مجھ سے زیادہ خراب ہے آرتھر!" پین بولا۔ "میرا درجۂ حرارت ایک سو ایک ہے لیکن میں تین چار بلاک تک دوڑ لگا کر واپس آسکتا ہوں اور تب بھی اس طرح نہیں ہانپ رہا ہوں گا جس طرح تم ہانپ رہے ہو۔ تم اچھی خاصی فیس کے عوض لوگوں کو مشورے سے نوازتے ہو، کبھی کبھار اپنے مشوروں پر خود بھی عمل کرلیا کرو۔ سب سے پہلے تمہیں اپنا وزن بیس پونڈ کم کرنا چاہیے۔"

پین نے قہقہہ لگایا لیکن وہ کھانسی میں تبدیل ہوگیا۔ آرتھر نے نہایت تحمل سے اس کی کھانسی تھمنے کا انتظار کیا پھر کہا۔ "تمہاری آواز سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ معمولی بخار نہیں۔ تمہاری حالت اچھی خاصی خراب ہے لیکن غنیمت ہے کہ تم کم از کم سانس تو لے رہے ہو۔ آج صبح میں نے ایک شخص کا پوسٹ مارٹم کیا تو میں سوچ رہا تھا۔ کاش یہ شخص زندہ ہوتا، خواہ کھانس ہی رہا ہوتا۔ وہ غالباً نشے میں دھت ہوکر کسی عقبی گلی میں پڑا تھا۔ کچھ بدمعاش لڑکوں نے ڈنڈے مار کر اسے ہلاک کردیا۔ پولیس نے اس کے قتل کے شبے میں ایک نوجوان کو گرفتار کیا ہے۔ اس کی جیب میں صرف تین ڈالر تھے۔"

"صرف تین ڈالر کے لیے قتل! یہ تو کوئی فائدے کا کام نہ ہوا۔" این تلخ لہجے میں بولی۔

"لیکن بعض قاتل بہت چالاک ہوتے ہیں۔" پین بولا۔ "وہ بہت زیادہ فائدے کے لیے قتل کرتے ہیں اور پکڑے بھی نہیں جاتے۔"

ڈاکٹر آرتھر دوبارہ اپنے مریض کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "آج صبح تمہارا پیشاب کا ٹیسٹ کیسا رہا؟"

"فلو کی وجہ سے تھوڑی سی شوگر تھی لیکن میں اپنی طبیعت زیادہ خراب محسوس نہیں کررہا۔" پین نے جواب دیا۔

"خیر.... دیکھتے ہیں۔" ڈاکٹر آرتھر نے اس کا معائنہ شروع کردیا۔

معائنہ ختم کرکے وہ بولا۔ "کوئی خاص بات تو نہیں لیکن ذیابیطس کے ساتھ فلو کے متوقع حملے کا خیال رکھتے ہوئے اگر تم مختصر وقت کے لیے اسپتال میں داخل ہوجاؤ تو کوئی حرج نہیں۔ یہ احتیاط فائدہ مند ہوگی۔"

"مجھے معلوم تھا تم یہی کہوگے۔ تمہارا مشورہ ہمیشہ یہی ہوتا ہے لیکن میرا اس پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ میں نے جب تمہیں فون کیا، اس وقت کی نسبت میری طبیعت اب زیادہ بہتر ہے۔"

"میں اصرار نہیں کروں گا۔ مجھے معلوم ہے گرین ول اسپتال کے بارے میں تمہاری رائے اچھی نہیں لیکن میں وہاں ملازم ہوں۔ میں تو اس کا دفاع کروں گا۔ میں دوائیں دے دیتا ہوں ان سے کام چلاؤ۔ سینے کا درد کیسا ہے؟"

"اب تو رُک گیا ہے، پہلے تو ہر گہری سانس کے ساتھ درد اُٹھ رہا تھا۔ اسی لیے میں نے تمہیں فون کیا تھا۔ مجھے اس لیے بھی تمہاری آمد کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ تم نے آکر مجھے بیوی کی لڑائی سے نجات دلائی۔ یہ تو بتاؤ تمہارے پاس بیویوں کی چخ چخ کا کوئی علاج نہیں ہے؟"

"وہ بات دراصل یہ ہے....." ڈاکٹر آرتھر نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس موضوع سے کترانے کی کوشش کررہا تھا۔

پین اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "تم ڈاکٹر ہو، تم لوگوں کو

مشورے دیتے ہی رہتے ہو لیکن اب ایک حقیر سا مشورہ اپنے اس مریض کی طرف سے بھی قبول کرلو۔ مجھے معلوم ہے تم اپنی اس خوبصورت نئی اسسٹنٹ میں دلچسپی لے رہے ہو اور میرے خیال میں اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں لیکن....."

"پین....!" این نے گویا اپنے شوہر کو اس موضوع پر بات کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔

لیکن اس نے اُن سُنی کرتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "تردید کرنے کی ضرورت نہیں آرتھر! میں کئی بار مشاہدہ کرچکا ہوں کہ تم کتنی محبت سے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہو لیکن ایک اہم بات تو یہ ہے کہ تم عمر میں اس سے بہت بڑے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ شادی کے لیے ڈائنا کی عمر کی لڑکی بھی تمہاری حیثیت اور سماجی مقام کو دیکھتے ہوئے راضی ہوسکتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ شاید تم اس کا دل جیتنے میں بھی کامیاب ہوجاؤ لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ شادی مت کرنا۔ شادی کے بعد سب عورتیں ایک جیسی ہوجاتی ہیں۔ بس یوں سمجھو کہ شادی میں آئے ہوئے مہمانوں کے رخصت ہوتے ہی شکوے شکایات کا سلسلہ اور بک بک جھک جھک شروع ہوجاتی ہے جو زندگی بھر جاری رہتی ہے۔"

"پین....." این خبردار کرنے والے انداز میں بولی۔ پین نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا لیکن وہ گویا خاموش ہونے پر تیار نہیں تھا۔

وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آرتھر! تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ کنوارا رہنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ مجھے لگتا ہے تم اس نعمت کو ٹھکرانے پر تُلے ہوئے ہو۔ بہرحال میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ تمہارا قصور نہیں ہے۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو ڈائنا جیسی لڑکی کو دیکھ کر میں بھی پھسل جاتا۔"

صاف نظر آرہا تھا کہ ڈاکٹر آرتھر خود کو خجالت زدہ محسوس کررہا تھا۔ اس کا چہرہ سُرخ ہوچکا تھا۔ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ "معذرت خواہ ہوں کہ میں میاں بیوی کے جھگڑے کے دوران یہاں پہنچا۔"

"تم جب بھی یہاں پہنچو گے میاں بیوی میں جھگڑا ہی ہو رہا ہوگا۔" این تلخی سے بولی۔ "میں اپنے شوہر کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔"

ڈاکٹر آرتھر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ این اسے چھوڑنے دروازے تک گئی اور تیزی سے ڈائننگ روم میں واپس آگئی۔

"تم نے ڈاکٹر آرتھر کے سامنے اپنی ہی نہیں' میری بھی عزت گھٹائی ہے۔" وہ برہمی سے بولی۔ "تمہاری زبان کا پھوہڑپن دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے۔"

"یہ بھی تمہاری کرامات ہیں۔" پین ترکی بہ ترکی بولا۔ "تمہارے لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ پُرسکون رہنا اور کم بولنا سیکھو۔ اگر تم مجھ سے علیحدگی اختیار کرنا نہیں چاہتیں تو اپنا رویہ بہتر بناؤ۔"

"ممکن ہے میں علیحدگی ہی اختیار کرلوں۔" این بولی۔

"تم یہ بات کئی مرتبہ کہہ چکی ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ اس پر عمل کرنے کی تم میں جرأت نہیں۔ تم زندگی کی آسائشوں کی عادی ہوچکی ہو۔ اب شاہانہ طرزِ زندگی کو ترک کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ بدقسمتی سے اس ریاست کے قوانین کے مطابق' طلاق لینے والی عورت کو ہرجانہ اور مستقل اخراجات وغیرہ نہیں ملتے۔ اس لیے طلاق تمہارے مسئلے کا حل نہیں۔ شادی سے پہلے تم میرے اسٹور پر سیلز گرل تھیں۔ شاید یہ بات تمہیں یاد نہ رہی ہو' بہرحال میں اتنا تعاون کرسکتا ہوں کہ طلاق کے بعد تمہاری پُرانی ملازمت بحال کردوں لیکن یہ عالیشان مکان..... اسپورٹس کار وغیرہ نہیں رہے گی۔"

"یہ باتیں اتنی تفصیل سے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔" این بولی۔ "پچھلے سال جب تم نے اپنی وصیت دوبارہ لکھوائی تو تمہارے نیویارک والے وکیل نے مجھے سب کچھ تفصیل سے سمجھا دیا تھا۔" این بولی۔

"تم ان دنوں اتنی کثرت سے مجھے چھوڑ دینے کی باتیں کررہی تھیں کہ میں نے سوچا' وصیت نامے میں چند ضروری شقیں شامل کرنا اور ان کے بارے میں باضابطہ طور پر تمہیں مطلع کردینا بہتر ہوگا۔ مجھے چھوڑ کر جانے کی صورت میں تمہیں ایک پنی بھی نہیں ملے گی۔ چنانچہ جب تم میرے مرنے تک میرے ساتھ بندھی ہوئی ہو تو اس رفاقت کو تھوڑا سا خوشگوار بنانے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" این بولی۔ "میں تو

معاملہ

امریکا میں دو سرجن آپس میں بات چیت کررہے تھے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا "آخر تم نے اس عورت کا آپریشن کیوں کیا تھا؟"

"دس ہزار ڈالر کے لیے" دوسرے ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"تم میرا مطلب نہیں سمجھے" پہلے نے کہا "میں جاننا چاہتا ہوں اس عورت کے ساتھ معاملہ کیا تھا؟"

دوسرے نے دوبارہ جواب دیا "کہا نا میں نے۔ دس ہزار ڈالر۔"

بقول تمہارے' آسائشوں اور شاہانہ زندگی کے لالچ میں تمہارے ساتھ بندھی ہوئی ہوں لیکن تم جب مجھے اچھی بیوی نہیں سمجھتے تو پھر کیوں برداشت کررہے ہو؟ کیوں زندگی بھر کے لیے اپنے ساتھ باندھے رکھنے پر تُلے ہوئے ہو؟"

"کمال ہے! اتنی سادہ سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔" پین استہزائیہ سے لہجے میں بولا۔ "صرف اس لیے کہ تم خوبصورت ہو۔ اچھی میزبان ہو' محفل میں بیٹھی اچھی لگتی ہو۔ تم میری سماجی زندگی میں کام آنے والا ایک چلتا پھرتا آرائشی مجسمہ ہو۔ میں تمہیں رکھوں یا کسی اور کو۔ بات ایک ہی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میں تمہیں ہی اس مقام پر رہنے دوں۔ بڑھتی عمر میں اب میں کسی اہم اور ہیجان خیز تبدیلی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔" پھر وہ پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "اب میں دو اسپرین کھا کر لیٹوں گا اور ایک گھنٹا آرام کروں گا۔ اس دوران تم بھی اپنی زبان کو آرام دے لو تو بہتر ہوگا۔"

این مٹھیاں بھینچے کمرے سے رخصت ہوگئی۔

○☆○

اس شام وہ اپنے گھر کی نشست گاہ میں بیٹھے تھے اور این سوچ رہی تھی "آج کی شام کا آغاز بھی دوسری تمام شاموں ہی کی طرح ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

پین انسولین کا انجکشن لے چکا تھا اور کچھ دیر بعد انہیں کلب روانہ ہونا تھا۔ آج کا دن البتہ مختلف انداز میں گزرا تھا۔ صرف یہ امر مختلف رہا تھا کہ پین خلافِ معمول دن بھر گھر پہ رہا تھا۔ سہ پہر کے بعد ڈاکٹر آرتھر کی نرس مس پرچرڈ نے فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر آرتھر کو پین کی طبیعت کے بارے میں تشویش تھی اور وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے خیال میں پین نے اسپتال جانے سے انکار کرکے اچھا نہیں کیا تھا۔

اس وقت پین اپنے کچھ کاروباری کاغذات دیکھ رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے چلّا کر این سے کہہ دیا کہ وہ اپنی طبیعت بالکل ٹھیک محسوس کررہا ہے اور فون سُننے نہیں آسکتا' اگر اس نے ضرورت محسوس کی تو وہ خود آرتھر کو فون کرلے گا۔

اس کے بعد وہی روز مرّہ کے یکسانیت زدہ معمولات شروع ہوگئے تھے!

"پین!" دفعتاً این بولی۔ "تمہارے لیے چند باتوں کا جان لینا بہتر ہوگا۔"

پین شام کے اخبارات دیکھ رہا تھا۔ اس نے آنکھ اُٹھا کر این کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ تاہم وہ اندر ہی اندر کچھ بے چین سا تھا۔ عام طور پر وہ اخبارات بڑے صبر و سکون سے پڑھتا تھا لیکن آج جیسے کوئی چیز اسے پریشان کررہی تھی اور اسے اپنی یکسوئی برقرار رکھنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تمہیں اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں چند باتیں بتانا چاہتی ہوں۔" این نے ذرا زور دے کر کہا۔

"آج کے حصے کے گلے شکوے تم کرچکی ہو۔ اب اس موضوع پر مزید باتیں نہیں ہونی چاہئیں۔" پین سر اُٹھاتے ہوئے بیزاری سے بولا۔

"لیکن اب تمہیں ایک نئی بات بتانے لگی ہوں۔ میں نے کچھ فیصلے کیے ہیں اور میرے لیے یہ بات بڑی اہم ہے کہ تم انہیں اچھی طرح سمجھ لو۔" این بولی۔

"بڑی گرمی محسوس ہو رہی ہے کوئی کھڑکی کھول دو۔" پین رومال سے چہرہ صاف کرتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے میری عینک کا نمبر بھی تبدیل ہو رہا ہے۔ الفاظ میری آنکھوں کے سامنے دُھندلانے لگے ہیں۔" اس نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

این کھڑکی کھول کر واپس آبیٹھی۔ ان کا مکان اور باغیچہ قصبے میں سب سے بڑا تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ انسان آرام سے بیٹھ کر ہر طرح کی بات کرسکتا تھا۔ یہ اندیشہ نہیں رہتا تھا کہ کوئی ٹوہ میں رہنے والا پڑوسی کان لگا کر کچھ سُن لے گا۔

وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی۔ "تم نے شروع ہی سے مجھے انسان کے بجائے بازار سے خریدی ہوئی کسی چیز کی طرح سمجھا۔ تم نے اپنی اور میری شادی کو ایک لگا بندھا اور طے شدہ فارمولا سمجھا کہ غریب لڑکی ایک آسودہ حال نوجوان سے شادی کررہی ہے' جس کا مستقبل مزید روشن نظر آرہا ہے' تو اس کا مطلب ہے بس وہ آسائشوں کے عوض بِک رہی ہے۔ تمہارا یہ خیال بہت غلط تھا۔ میں سچ بتا رہی ہوں اس وقت مجھے صرف اور صرف تمہاری ذات سے دلچسپی تھی۔ شاید اس لیے کہ میں تمہیں صحیح طور پر نہیں جان سکی تھی۔ تمہارے اصلی روپ کو نہیں پہچان سکی تھی۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "تمہارا اصل روپ اس وقت ظاہر ہونا شروع ہوا جب تم نے بات بات پر میرے بھائی والٹر کو لتاڑنا اور ذلیل کرنا شروع کیا۔ تمہارے رویّے سے گویا میری آنکھیں کُھل گئیں۔ والٹر کی موت کے بعد مجھ میں اپنے جذبات کے اظہار کی سکت تو نہیں تھی لیکن میں کم از کم ان سے واقف ضرور ہوگئی تھی۔"

"یہ تو تم کوئی نئی بات نہیں بتا رہیں!" پین نے گویا شکوہ کیا۔ اس کے چہرے سے اب زیادہ تیزی سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ "اصل نکتے پر آؤ۔ ان پرانی باتوں کی تکرار چھوڑو۔ میں کلب جانے کا ارادہ ملتوی کررہا ہوں۔ میں آرام کروں گا۔ میرا خیال ہے میرا فلو شدت اختیار کررہا ہے۔"

"بہت بہتر۔" این بولی۔ "اصل نکتہ یہ ہے کہ تم ایک سنگدل اور سفّاک انسان ہو' فطری طور پر بے رحم اور ظالم ہو۔ یہ تمہارے کردار کی ایک فطری خامی ہے جو کسی طرح دور نہیں کی جاسکتی۔ اس کے علاوہ مجھے فیکٹری کے بارے میں بھی معلوم ہوگیا ہے۔"

"فیکٹری کے بارے میں کیا معلوم ہوگیا ہے؟" پین چونکا۔

"یہی کہ تم اسے بند کرنے اور مشینری فروخت کرنے کے سلسلے میں کسی پارٹی سے بات چیت کررہے ہو۔ فیکٹری کی خالی زمین کو تم صرف ٹیکسوں میں بچت کے لیے استعمال کرنے کی غرض سے رکھنا چاہتے ہو جبکہ ملازموں کو فارغ کردوگے کیونکہ فیکٹری بے شک منافع دے رہی ہے.... اور بہت اچھا منافع دے رہی ہے مگر پھر بھی وہ تمہاری توقعات کے مطابق نہیں ہے کیونکہ تمہاری فطرت میں لالچ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ تم نے جو منصوبہ بنایا ہے اس میں تمہیں زیادہ فائدہ ہے اور اپنے فائدے کی خاطر تم یہ دیکھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہو کہ فیکٹری کے بند ہونے سے اس قصبے کی معیشت تباہ ہوجائے گی۔"

پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولی۔ "مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ کاغذات سائن ہوجانے کے بعد تم مجھے ساتھ لے کر کہیں اور سکونت اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہو کیونکہ تم یہاں ان مردوں اور عورتوں کے درمیان رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے جو محض تمہارے لالچ کی وجہ سے بے روزگار ہوجائیں گے اور نہ جانے کن حالات کا شکار ہوں گے....."

"اس کا مطلب ہے تم میری دراز میں رکھے ہوئے کاغذات اور پرائیویٹ ڈاک پڑھتی رہی ہو۔" پین کراہتے ہوئے بولا۔

"یقیناً۔" این نے اطمینان سے جواب دیا۔ "تمہیں یاد ہوگا' آج صبح غالباً ہزارویں مرتبہ تم نے اپنے یہ الفاظ دُہرائے تھے کہ اگر میں حالات سے خوش نہیں ہوں تو تمہیں چھوڑ کر جاسکتی ہوں۔ تمہیں یہ سُن کر خوشی ہونی چاہیے کہ میں نے تمہاری اس پیشکش سے استفادہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

پین نے حیرت اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے بھی وہ بارہا یہ دھمکی دے چکی تھی لیکن وہ دھمکیاں ہمیشہ کھوکھلی ثابت ہوئی تھیں مگر آج اس کے لہجے میں کوئی نئی بات تھی۔ آج اس کا فیصلہ واقعی حتمی اور غیر متزلزل محسوس ہو رہا تھا۔ وہ براہِ راست پین کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی اور عجیب بات تھی کہ پین کو اس کی نظروں سے خوف آرہا تھا۔

اس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن کھڑا نہ ہوسکا۔ اس کی طبیعت شاید اس کے اندازے سے زیادہ خراب تھی۔ شاید اسی لیے اسے ہر چیز بہت مختلف اور بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ حتیٰ کہ این کا لہجہ بھی۔

"تم آسائشوں اور شاہانہ زندگی کو ترک نہیں کرسکتیں۔" وہ کمزور سے لہجے میں بولا۔

"کسی حد تک یہ بات درست ہے۔" این نے تسلیم کیا۔ "لیکن تمہیں چھوڑنے کے باوجود تمہاری دولت میری دسترس میں ہوگی اور میں اسے استعمال کروں گی۔"

"کیا مطلب....؟" پین بھاری آواز میں بولا۔ وہ بولنے میں کچھ دشواری محسوس کررہا تھا جیسے اس نے بہت پی لی ہو۔

این اس کے سوال پر توجہ دیے بغیر بولی۔ "تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ دوسرے مرد بھی مجھ میں کشش محسوس کرتے رہے ہیں۔ ان میں بعض بہت اچھے ہیں۔ خصوصاً ایک تو بہت ہی اچھا ہے۔ اس کا نام ہے ڈاکٹر آرتھر۔ اس کے محسوسات بھی میرے بارے میں ویسے ہی ہیں جیسے میرے اس کے بارے میں۔"

"یہ تم کیا باتیں کررہی ہو؟" پین کی زبان میں اب تتلاہٹ بھی آنے لگی تھی۔

"میں کہہ رہی تھی کہ میں تمہیں چھوڑ رہی ہوں۔ میرے خیال میں اس بات کو یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ تم مجھے چھوڑ رہے ہو اور اپنی دولت بھی میرے لیے چھوڑ کر جارہے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں!"

"مجھے اُمید بھی نہیں تھی کہ تم سمجھو گے۔ میں وضاحت کرتی ہوں۔ تم نے انسولین کی جگہ اپنے آپ کو ایک قسم کے زہر کا انجکشن لگالیا ہے۔ وہ زہر مجھے ڈاکٹر آرتھر نے دیا تھا اور وہ میں نے تمہاری انسولین کی شیشی میں اس وقت ڈالا تھا جب تم سو رہے تھے۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ ڈاکٹر آرتھر کو تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اپنی اسسٹنٹ ڈائنا کے عشق میں گرفتار ہے۔"

"تمہیں جلد از جلد کچھ حقائق جان لینے چاہئیں۔ ڈاکٹر آرتھر کنوارا نہیں' رنڈوا ہے۔ اسے ڈائنا سے اس لیے محبت ہے کہ ڈائنا کا پورا نام ڈائنا آرتھر ہے اور وہ اس کی بیٹی ہے لیکن یہ بات صرف مجھے معلوم ہے۔ اپنی کچھ نجی مصلحتوں کی بنا پر یہ بات اس نے ابھی اپنے مریضوں کو بتانا بہتر نہیں سمجھا۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ تمہاری رگوں میں واقعی زہر اُتر چکا ہے۔ کیا تمہیں چیزیں دھندلی دکھائی نہیں دے رہیں؟ تمہیں گرمی محسوس نہیں ہو رہی؟ میری آواز اونچی محسوس نہیں ہو رہی؟ جسم بے جان ہوتا محسوس نہیں ہو رہا؟"

پھر وہ نہایت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی۔ "میں نے اپنے ذریعۂ قتل کا انتخاب نہایت احتیاط سے کیا ہے۔ یہ مخصوص زہر میرا ہتھیار نہیں ہے جو تمہاری رگوں میں اتر چکا ہے۔ زہر تو اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا وہ یہی کام کرتا۔ میرا آلۂ قتل اصل میں ڈاکٹر آرتھر ہے۔ چھوٹے شہر یا قصبے میں رہنے کا یہی فائدہ ہے۔ وہاں گنے چنے لوگ بیشتر کاموں کے ذمّے دار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر آرتھر تمہارا خاندانی معالج بھی ہے' اسپتال میں بھی ملازم ہے اور میڈیکل ایگزامنر بھی وہی ہے۔ اس کی رپورٹ کے مطابق تمہارا انتقال "ہارٹ اٹیک" سے ہوگا۔"

پین میں اب چیخنے' بولنے یا ہلنے کی سکت نہیں تھی!

THE WEAPON
ROBERT JH. CURTIS

ویانا میں پیٹرو پنک کا وقت بہت اچھا گذرا تھا۔ وہ امریکی فوج کے لیے کچھ خفیہ قسم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کی گزر اوقات اس وقت تک اچھے طریقے سے ہوتی رہی جب تک اسے روسیوں کے لیے جاسوسی کے الزام میں نہیں پکڑ لیا گیا۔ روسیوں کو بھی وہ جو معلومات فراہم کرتا تھا ان کا حقیقت سے شاذ و نادر ہی کوئی تعلق ہوتا تھا تاہم پولیس کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔

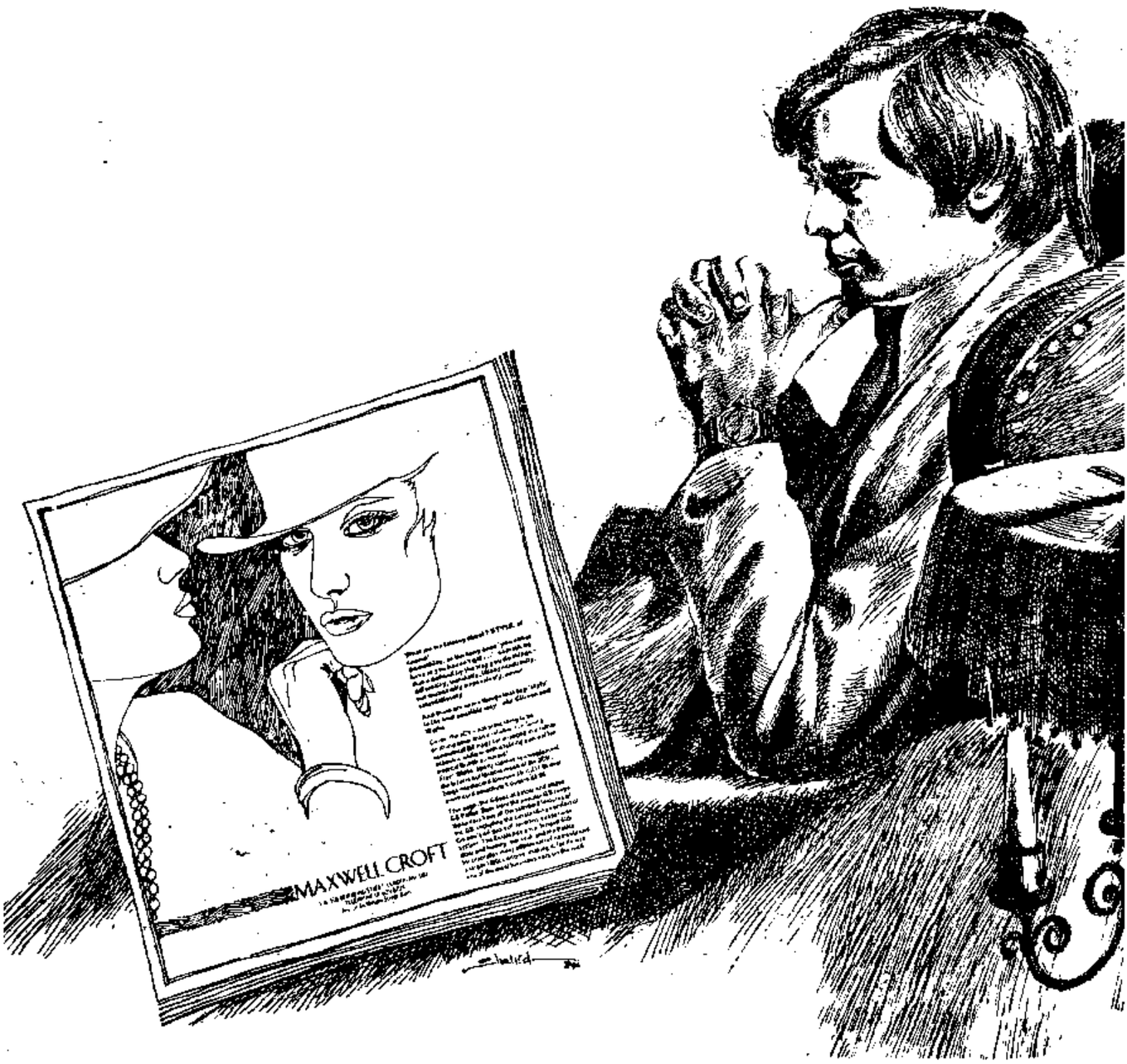
کسی طرح وہ قید سے نکل بھاگا۔ اس کی تمام تر جمع پونجی اور ایک دولتمند سے ہتھیائی ہوئی رقم جعلی پاسپورٹ حاصل کرنے میں صرف ہو گئی۔ پاسپورٹ جعلی تھا لیکن چونکہ بہت ہی مہنگا تھا اس لیے کافی حد تک اصل ہی جیسا تھا۔

بہرحال اب تو اس دور کی صرف یادیں ہی باقی رہ گئی تھیں۔

آپ کسی ہوٹل میں بیٹھے ہوں اور اچانک آپ کو معلوم ہو کہ برابر کے کیبن میں بیٹھی ہوئی دو خواتین قتل کا منصوبہ بنا رہی ہیں تو آپ کی کیا کیفیت ہوگی؟ آپ کو نیئر بھی اندازہ ہو جائے کہ قتل کے اس منصوبے میں انہیں آپ ہی جیسے کسی شخص کی ضرورت ہے تو پھر آپ زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔ ایک مختصر پر تجسس تحریر

مشورہ

نجمہ نوری



اب نیویارک میں تھا جسے دنیا والے سنہری مواقع کی سرزمین کہتے تھے۔ لوگوں کے خیال میں قسمت آزمائی کے لیے اس سے بہتر کوئی میدان نہیں تھا۔ پیڈرو پنک اسی میدان میں آج کل قسمت آزمائی میں مصروف تھا۔

وہ اب کاروں کا سیلز مین تھا۔ وقت اچھا ہی گزر رہا تھا اور وہ موجودہ حالات سے مطمئن تھا۔ آج بھی وہ دو ایم جی کاریں فروخت کر کے اچھا خاصا کمیشن کما چکا تھا اور اس وقت کیفے پریٹر میں بیٹھا وہ جس کے اشتہار میں خاص طور پر لکھا ہوا تھا کہ یہ کیفے دیانا والوں کے لیے ان کے پسندیدہ مشروبات وغیرہ فراہم کرنے میں شہرت رکھتا ہے۔

پیڈرو آج تیسری کار بھی اس احمق سی عورت کے ہاتھ فروخت کر چکا ہوتا جسے سمجھانے میں اس نے بہت سا وقت صرف کیا تھا لیکن بے حد تاخیر سے معلوم ہوا تھا کہ وہ عورت کار میں نہیں، کار فروخت کرنے والے میں زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ بات صرف دلچسپی کی حد تک ہوتی تب بھی پیڈرو کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ وہ کمبخت تو پہلی ملاقات میں ہی شادی پر اتر آئی تھی۔ حالانکہ پیڈرو نے اشارتاً بھی ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہ کیا تھا۔ اسے آمادہ نہ پا کر عورت نے نہایت مہذب طریقے سے اسے نکال باہر کیا تھا۔

اسی واقع کی ناگواری دور کرنے کے لیے وہ درحقیقت اس وقت کیفے پریٹر میں بیٹھا شراب سے شغل کر رہا تھا۔ کیفے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور دھیمی دھیمی موسیقی گویا دیواروں سے پھوٹ رہی تھی۔ پیڈرو آخری میز پر دیوار کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ ریستورانوں وغیرہ میں دیوار کی طرف پشت کر کے بیٹھنا اس کی پرانی عادت تھی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور آگے پیچھے دو عورتیں ہال میں داخل ہوئیں۔ آگے والی دراز قد تھی۔ اس کے بال سیاہ، آنکھیں نیلی اور صورت دلکش تھی وہ سیاہ لباس پر سفید فرکوٹ پہنے ہوئے تھی۔

دوسری عورت قدرے پست قد اور کم خوبصورت تھی۔ اس نے سیاہ ریشمی لباس پر سیاہ فرکوٹ پہنا ہوا تھا۔ نیویارک میں پیڈرو کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ امیر اور غریب سبھی عورتیں سیاہ ریشمی لباس کثرت سے پہنتی تھیں۔ بعض اوقات تو اسے شبہ ہونے لگتا تھا کہ شاید یہ عورتوں کی یونیفارم ہے۔

پیڈرو کو یہ یکسانیت محض اس لیے کھلتی تھی کہ اسے محض لباس کی بنیاد پر فیصلہ کرنے میں دقت پیش آتی تھی کہ کون سی عورت دولت مند ہے اور کون سی قلاش۔ جبکہ یہ جاننا بعض اوقات اسے بے حد ضروری محسوس ہوتا تھا۔ تاہم زیورات اور جواہرات کی موجودگی ایک ایسی نشانی تھی جس کی بنا پر اسے اندازوں میں کچھ آسانی رہتی تھی۔ جواہرات کو دور ہی سے پرکھنے میں وہ ماہر تھا۔

وہ دونوں عورتیں ہیروں کے ہار پہنے ہوئے تھیں۔

ویٹر نے انہیں تعظیم دی اور ایک ایسے گوشے تک ان کی رہنمائی کی جو پیڈرو کی میز سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ وہ پیڈرو کے قریب سے گزریں تو فضا یکدم ہی معطر سی ہو گئی۔ وہ خوشبو کا ایک ایسا جھونکا چھوڑ گئیں جو دیر تک پیڈرو کے آس پاس ہی چکراتا رہا۔

وہ اس وقت گلاس میں کچھ اور شراب انڈیل رہا تھا۔ جب اس نے گوشے سے ایک عورت کی دھیمی آواز سنی۔ وہ ویٹر کو ووڈکا مارٹینی کا آرڈر دے رہی تھی۔ اس کے بعد دوسری عورت نے اس سے بھی مدھم آواز میں پلانٹر کے پنچ کا آرڈر دیا۔

"پلانٹر!" پہلی عورت نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" دوسری نے مضمحل سی آواز میں کہا۔ "میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہی۔ اس لیے میں نے سوچا کہ شاید تیز شراب سے کچھ مدد ملے۔"

"خیر..... اس مسئلے کو ذہن پر سوار مت ہونے دو۔" ووڈکا کی فرمائش کرنے والی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "ہم مل کر کوئی نہ کوئی حل سوچ لیں گے۔ آخر میں بھی تو ایسی ہی صورت حال سے دو چار رہ چکی ہوں۔ اچھی طرح غور و خوض کیا جائے تو کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آتا ہے۔"

"میں نے تو بہت مغز کھپایا ہے لیکن کوئی صورت نظر نہیں آئی۔" پلانٹر جیسے تیز مشروب کی فرمائش کرنے والی نے مایوسی زدہ لہجے میں کہا۔ وہ بہت پریشان اور دل شکستہ معلوم ہوتی تھی۔ پیڈرو اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی پریشانی اور دل شکستگی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس کے تجربے کے مطابق عورتیں عموماً مالی معاملات میں ہی سب سے زیادہ پریشان ہوتی تھیں۔ کیا وہ اپنے اکاؤنٹ سے بہت زیادہ رقم نکلوا چکی تھی یا پھر کوئی زیادہ ہی قیمتی چیز خرید بیٹھی تھی اور اب اس خریداری پر پچھتا رہی تھی؟

پیڈرو کو ان کی گفتگو سے دلچسپی پیدا ہو چلی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور اچانک پستہ قد عورت کا زردی مائل چہرہ ہوا میں معلق نظر آیا۔ اس کے قریب ہی دراز قد عورت کے دلکش چہرے کا ایک حصہ بھی نظر آ رہا تھا۔ پستہ قد عورت کی آنکھوں میں اداسی تھی اور وہ جیسے پیڈرو ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

پیڈرو نے چند لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ دوبارہ آنکھیں کھولنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ درحقیقت ایک چوکور ستون

پر لگا ہوا آئینہ تھا۔ جس میں اسے وہ چہرے نظر آ رہے تھے۔ لیکن روشنی کم ہونے کی وجہ سے یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دھند لکے میں تیر رہے ہوں۔ یہ ایک خوبصورت اور خیال انگیز نظارہ تھا۔

عورتوں کی میز پر جام پہنچ چکے تھے۔ قدرے زرد رو اور پستہ قد عورت جس سے آئینے کے توسط سے پیڈرو کا گویا سامنا ہو رہا تھا۔ سر جھکائے چسکیاں لے رہی تھی چند لمحے بعد اس نے اپنی ساتھی کی طرف دیکھ کر سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔ "اگر میرے سامنے وقت کی کمی کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں کوئی نہ کوئی حل نکال لیتی لیکن یہاں تو ہر کام التوا میں پڑا ہوا ہے اور اس خاص مسئلے کی طرف توجہ دینے کا وقت ہی نہیں مل رہا۔ میرے ذہن میں کوئی ایسا منصوبہ نہیں آ رہا جو بے عیب ہو..... اور منصوبے کا بے عیب ہونا ضروری ہے۔ ورنہ....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور گردن پر ہاتھ پھیر کر ایسا اشارہ دیا جیسے کسی کو ذبح کیا جا رہا ہو۔

پیڈرو کی دلچسپی دوچند ہو گئی۔ اس عورت کی پریشانی کی وجہ غالباً کوئی مالی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ تو کسی اور ہی معاملے میں مائل بہ انتہا نظر آتی تھی۔ پیڈرو ذہن کے گھوڑے کو تیزی سے دوڑا رہا تھا۔ "آخر اس کا مسئلہ کیا ہو سکتا ہے؟" وہ سوچنے لگا۔ "سمجھ گیا۔" اس نے بہ زبانِ خموشی کہا۔ "اس عورت کو یقیناً دل کا معاملہ پریشان کیے ہوئے ہے..... محبوب سے ملنے کی بیقراری ہے اور حاسد شوہر نے ملاقات کو ناممکن بنا رکھا ہے۔"

"وہ عورت یقیناً محبوب سے ملنے کے لیے کوئی بے عیب منصوبہ بنانا چاہتی ہے اور اسی سلسلے میں مشورے کے لیے اپنی دوست کو ساتھ لائی ہے جس نے خود ہی اعتراف کیا تھا کہ وہ اس تجربے سے گزر چکی ہے وہ یقیناً کوئی ماہرانہ مشورہ دے سکتی تھی۔ عورتیں مکار ہوتی ہیں خواہ وہ بخارسٹ کی رہنے والی ہوں یا ویانا کی، ان کا تعلق نیویارک سے ہو یا ماسکو سے۔" پیڈرو نے تلخی سے سوچا۔ شاید اسی لیے وہ آج تک شادی سے باز رہا تھا۔ اسے عورت پر اعتبار نہ تھا۔

وہ ایک بار پھر آئینے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دراز قد اور خوبصورت عورت جس کے چہرے کا صرف ایک حصہ نظر آ رہا تھا، کہہ رہی تھی "دیکھو لارا! تمہیں اس سلسلے میں اپنے ذہن کو مستعد کرنا ہو گا۔ یہ لو کاغذ اور پنسل..... اور ان تمام کاموں کی فہرست بناؤ جو تمہیں مرحلہ وار کرنے ہیں۔"

پیڈرو کو ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ "یہ امریکی ہر معاملے میں قاعدوں ضابطوں کے کتنے پابند ہوتے ہیں۔ دل کے معاملات کو بھی دفتری معاملات کی طرح طے کرتے ہیں۔ مرحلہ وار..... ترتیب سے....." پیڈرو نے سوچا۔

اسی لمحے آئینے میں اس کی نظر اس عورت سے ملی جسے لارا کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا۔ پیڈرو نے آئینے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا جام یوں بلند کیا جیسے اس کے جام سے ٹکرانا چاہتا ہو۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ اپنی ساتھی کی طرف جھک کر کچھ کہنے لگی۔ اسی لمحے موسیقی کچھ تیز ہو گئی اور پیڈرو کچھ نہ سن سکا۔

دوبارہ جب موسیقی دھیمی ہوئی تو پیڈرو کو لارا کی سرگوشی نما آواز سنائی دی۔ "وہ تو ٹھیک ہے مارتھا! لیکن شوہر کو قتل کرنا کچھ ایسا آسان کام بھی نہیں۔"

پیڈرو کے ذہن میں ہلکورے لیتی ہوئی تمام تر رومانویت ہوا ہو گئی۔ اس کے سامنے جیسے کوئی محل مسمار ہو گیا۔ شاید یہ اس کے خیالات کا محل تھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے اپنی سماعت پر شبہ ہوا۔ کیا واقعی وہ بظاہر بے ضرر اور گھریلو سی عورتیں قتل کی منصوبہ بندی کر رہی تھیں؟

چند لمحے کے لیے تو اسے چکر سے آ گئے۔ جب وہ سنبھلا تو اسے مارتھا کی دھیمی آواز سنائی دی..... "لیکن لارا! تمہیں تو صرف یہ سوچنا ہے کہ کس طرح قتل کی اس واردات کو حادثے کا رنگ دیا جائے۔ پہلے تو ہمیں ان تمام نکات کا از سرِ نو جائزہ لینا چاہیے جو تم نے فون پر بیان کیے تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ بیوی کی قمار بازی کی عادت اور ایک شخص سے اسکی آشنائی کے بارے میں اچھی طرح جان چکا ہے اور اس سلسلے میں تمام تر ضروری شواہد بھی حاصل کر چکا ہے۔ گویا کہ وہ چاہے تو بیوی کو نان نفقہ یا کسی بھی قسم کا ہرجانہ ادا کیے بغیر طلاق دے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہی مر جاتا ہے تو اس کا سب کچھ بیوی کو مل جائے گا۔ بشرطیکہ اس کی موت ایک حادثہ نظر آئے۔ اب تمہیں وقت، جگہ اور طریقِ کار کا انتخاب کرنا ہے۔ ایسا طریقِ کار جس میں غلطی کا امکان نہ ہو۔"

پیڈرو نے جام اٹھا کے ایک بڑا سا گھونٹ بھرا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہا ہے۔ عورتوں کی اس قدر غیر جذباتی انداز میں ایسی ظالمانہ گفتگو اس نے پہلی بار سنی تھی۔

"یہی تو اصل مسئلہ ہے۔" لارا کی آواز آئی۔ "طریقے تو میرے ذہن میں بھی کئی آتے ہیں۔ لیکن ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے۔"

"مثلاً" مارتھا نے وضاحت چاہی۔

"مثلاً اسے زہر دیا جاسکتا ہے۔ زہر اگر کسی چٹپٹی چیز میں ملا کر دیا جائے تو اسے شبہ تک نہیں ہوگا۔" لارا نے جواب دیا۔

پیڈرو سحر زدہ سی نظروں سے آبگینے کی طرف دیکھ رہا تھا مارتھا سوچ میں ڈوبی نظر آرہی تھی۔ وہ شاید اس طریقِ کار کے عیوب و محاسن پر غور کر رہی تھی۔ بالآخر وہ سر اٹھاتے ہوئے بولی "نہیں.... یہ طریقہ واقعی مناسب نہیں۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ زہر کہاں سے حاصل کیا جائے گا اور پھر زہر خورانی کے معاملے کو حادثہ ثابت کرنا بہت ہی مشکل ہے.... اس میں خطرات زیادہ ہیں۔"

پیڈرو نے رومال نکال کر اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا۔ لارا کہہ رہی تھی "تم نے بڑا عمدہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ مجھے بہت پسند آیا تھا.... صحیح معنوں میں حادثہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ معاملہ بعید از قیاس نہیں تھا کہ شوہر ایک روز تازہ مٹر کے دھوکے... میں مٹر کے دانوں کا وہ ڈبا کھولے گا جو اس کی ماں کے زمانے سے رکھا ہوا تھا اور جس کے اندر مہلک جراثیم پیدا ہو چکے تھے نہایت پُر ذہانت منصوبہ تھا۔ بالکل فطری سی بات تھی۔"

مارتھا اس خراجِ تحسین پر خوشدلی سے ہنس دی اور بولی "درحقیقت تمہیں بھی کسی ایسے ہی فطری سے طریقِ کار کی ضرورت ہے۔ کوئی ایسا ہی حادثہ جیسے عام طور پر ہماری روز مرہ زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں۔" اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ بھرا اور چٹکی بجاتے ہوئے بولی "میرے ذہن میں ایک منصوبہ آرہا ہے۔ کیوں نہ کار سے کچھ کام لیا جائے۔ سب جانتے ہیں کہ تمہیں ڈرائیونگ نہیں آتی۔ فرض کرو ایک روز تمہارا شوہر گیرج میں کار ٹھیک کر رہا ہو۔ اسے کسی کی مدد کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ وہ تمہیں بلاتا ہے اور ہدایت کرتا ہے — کہ ایکسیلیٹر ذرا سا دبا کر کار کو آگے لاؤ۔ وہ خود گیرج کی دیوار سے لگا کھڑا ہے.... تم کار کو بڑھاتی ہو لیکن پھر بریک دبانے کے بجائے بوکھلاہٹ میں ایکسیلیٹر ہی کو مزید دباتی ہو۔ کار تیزی سے بڑھتی ہے اور شوہر، کار اور دیوار کے درمیان سینڈوچ بن جاتا ہے۔ قصہ ختم۔"

"نہیں.... نہیں۔" لارا نے فوراً احتجاج کیا "میں ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کر سکتی جس میں اتنا خون بہے۔" اس نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا "البتہ کار کے حوالے سے ایک اور خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔ فرض کرو وہ باہر سے واپس آتا ہے اور کار گیرج میں لے جاتا ہے۔ گیرج کا دروازہ بھی بند کر لیتا ہے لیکن نشے میں اتنا بدمست ہے کہ نہ تو اندر آتا ہے اور نہ ہی کار کا انجن بند کرتا ہے۔ وہیں کہیں پڑا رہتا ہے ظاہر بات ہے رات بھر انجن اسٹارٹ رہنے سے بند گیرج میں اسقدر کاربن مونو آکسائیڈ بھر جائے گی کہ اس کی موت یقینی ہوگی۔"

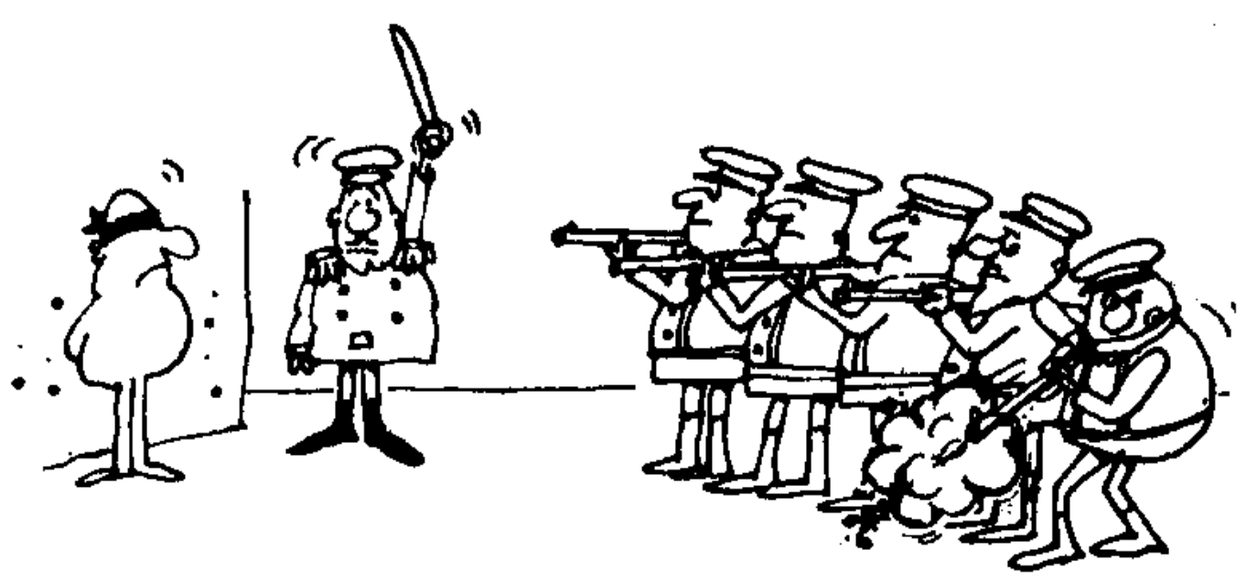
"بہت خوب۔" مارتھا بولی "لیکن یہ مت بھولو کہ تمہیں واردات سے اپنی لاتعلقی ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ جس وقت شوہر گیرج میں دم توڑ رہا ہو، اس وقت بیوی کے قریب کوئی موجود ہو۔ مثلاً کوئی سیلز مین... لیکن سیلز مین ایسا ہونا چاہیے جسے کافی دیر تک بیوی کے قریب رہنے کی ضرورت ہو۔"

"کاروں کے سیلز مین کے بارے میں کیا خیال ہے؟" لارا نے پوچھا "وہ چونکہ ایک مہنگی چیز فروخت کرتا ہے اس لیے گاہک کو قائل کرنے میں کافی وقت لگتا ہے۔"

پیڈرو کے اعصاب میں تناؤ سا پیدا ہو گیا۔

"درست ہے۔" مارتھا بولی "میرے ذہن میں تو منصوبہ واضح بھی ہونے لگا ہے۔ پہلے تم اپنے شوہر کو خوب شراب پلاؤ گی اور صرف یہی نہیں، شراب میں خواب آور گولیاں بھی ملا دو گی۔ پھر تم اسے گیرج میں لے جاؤ گی اور اس وقت تک وہیں رکھو گی جب تک وہ گہری نیند نہ سو جائے اس کے بعد تم وہاں کار ٹھیک کرنے کے اوزار، تیل کے ڈبے، گریس زدہ چیتھڑے اور چند ایک دوسری چیزیں اس طرح پھیلا دو گی جیسے وہ کار ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انجن اسٹارٹ کر کے اور دروازے مضبوطی سے بند کر کے تم گھر میں جاؤ گی اور انتظار کرو گی حتیٰ کہ کاروں کا ایک سیلز مین تمہارے ہاں آن پہنچے گا۔ تم اس کے ساتھ کار کا معائنہ کرنے چل دو گی لیکن گھر سے نکلتے وقت کسی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے یہ ظاہر کرو گی کہ تم اپنے شوہر سے مخاطب ہو۔ تم یہ ضرور کہو گی۔ میں ذرا نئی کار پسند کرنے جا رہی ہوں ڈارلنگ! امید ہے جلد ہی واپس آجاؤ گے۔ اس دوران تمہیں گیرج میں اس پرانے کھٹارے کے ساتھ سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔"

اس سے آگے لارا نے پُرجوش انداز میں بات سنبھال لی "سیلز مین کی تمام تر کوششوں کے باوجود میں کوئی کار پسند نہیں کروں گی اور بالآخر اسی نتیجے پر پہنچوں گی کہ ہمارے لیے پرانی کار ہی ٹھیک ہے۔ تاہم سیلز مین کے ساتھ میرا اتنا وقت گزر چکا ہوگا کہ وہ میرے شوہر کی حادثاتی موت سے میری لاتعلقی کا گواہ بن چکا ہوگا۔ بہت عمدہ منصوبہ ہے... تمہارا





جواب نہیں مارتھا!"

آئینے میں پیڈرو نے مارتھا کو مسکراتے دیکھا اور اس کی رگوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ زندگی میں بہت سی عورتوں سے واسطہ پڑا تھا۔ لیکن ایسی سفاک عورتیں اس نے کہیں نہ دیکھی تھیں۔ حتیٰ کہ روس کی خفیہ پولیس کے افسران کی بیویاں بھی ایسی نہیں تھیں۔

لارا ویٹر کو بلا رہی تھی۔ اس نے نئے جام منگوائے اور اس کے بعد آئینے میں پیڈرو سے اس کی نظر ملی اور پیڈرو کو محسوس ہوا کہ وہ اس سے مخاطب ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ پیڈرو کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"یہ عورت کسی طرح جان چکی ہے کہ میں کاروں کا سیلز مین ہوں۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "اور کمبخت اپنے منصوبے میں مجھے ہی منتخب کرنا چاہتی ہے۔"

یہ خیال ذہن میں آتے ہی وہ یک لخت اٹھ کھڑا ہوا۔ حالانکہ وہ نشست درخواست میں ایک مخصوص تمکنت اور وقار شامل رکھنے کا عادی تھا۔ عورتوں کو متاثر کرنے کے سلسلے میں وہ ایسی تمام باریکیوں کو ملحوظِ خاطر رکھتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ اپنی ساری وضعداری اور رکھ رکھاؤ بھول چکا تھا

وہ ویٹر کو ایک نوٹ تھماتے ہوئے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد لارا نے اپنی ساتھی سے پوچھا۔ "اس شخص کو کیا ہوا جو بیٹھے بٹھائے یوں اٹھ کر دوڑ پڑا؟"

"شاید اسے اچانک یاد آ گیا ہو کہ اسے کوئی ٹرین پکڑنی ہے۔" مارتھا نے خیال ظاہر کیا۔ "بہر حال تمہارا قتل کا منصوبہ تو تیار ہو گیا۔ اب تو تم اتنی مایوس نہیں ہو نا؟"

"نہیں۔" لارا نے جواب دیا۔ "طریق کار کا تعین ہو جائے تو پھر کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ بہر حال میں قتل و غارت کے بارے میں اتنے سرسری انداز میں نہیں سوچ سکتی، جتنے سرسری انداز میں تم سوچتی ہو۔ میں ابھی اس کی عادی نہیں ہوئی۔"

"عادی ہونا ہی پڑتا ہے ورنہ کام کیسے چلے گا۔" مارتھا منہ بنا کر بولی پھر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔ "اور ہاں... اس شخص سے کیا تم کسی خاص مقصد کے تحت آنکھیں لڑا رہی تھیں جو آئینے میں دکھائی دے رہا تھا؟"

"آنکھیں لڑانے کا اب کسے ہوش رہ گیا ہے۔" لارا آہ بھر کر بولی۔ "میں تو اس کا مطالعہ کر رہی تھی۔ تمہیں یاد نہیں جس رسالے کے لیے ہم جاسوسی کہانیاں لکھتے ہیں۔ اس کے ایڈیٹر نے پچھلے ہفتے کیا کہا تھا؟ اس نے مشورہ دیا تھا کہ ہمیں کرداروں کی تلاش میں گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ میں دراصل اسے اپنی کہانی میں فٹ کر رہی تھی۔"

"تمہیں وہ کس کردار کے لیے موزوں نظر آ رہا تھا؟ کاروں کے سیلز مین کردار کے لیے؟" مارتھا نے پوچھا۔

"نہیں... شوہر کے کردار کے لیے۔" لارا نے جواب دیا۔



دشمنِ جاں

نجمہ مودی

بے وفائی یقیناً ناقابلِ معافی جرم ہے۔ وہ بھی اپنے محبوب کا یہ جرم معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور اس سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ اس کی زندگی کا مقصد ہر صورت میں اپنی اس خواہش کی تکمیل تھا۔

انتقام کی آگ میں سلگنے والی ایک عورت کے جذباتی اشتعال کی روداد

لوگ کہتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ہر چیز بدل جاتی ہے مگر میرا خیال ہے کہ بعض چیزیں وقت گزرنے کے باوجود نہیں بدلتیں۔ مثلاً میں ونڈول نامی قصبے میں پیدا ہوا' یہیں پلا بڑھا اور جوان ہوا۔ اس عرصے میں نہ تو اس قصبے میں کوئی تبدیلی آئی اور نہ ہی اس کے مین روڈ پر واقع شراب خانے میں.....!

یہ شراب خانہ یہاں جوزف کے بار کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی ہر چیز جیسی میرے بچپن میں تھی' ویسی ہی آج بھی ہے۔ چیزیں تلنے کا اسٹیل کا بڑا سا توا' کاؤنٹر' گھومنے والے اسٹول' دیوار میں نصب لمبی لمبی میزیں..... سب کچھ وہی ہے جو آج سے تیس سال پہلے جوزف نے یہ شراب خانہ کھولتے وقت بنوایا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت یہ

چیزیں نئی تھیں' اب بہت پرانی دکھائی دیتی ہیں۔ بوتھس میں موجود نشستوں کے کشن سات سال پہلے تبدیل کرائے گئے تھے لیکن ان کا رنگ وغیرہ وہی رہا جو اس سے پہلے تھا اس لیے اس تبدیلی کا بھی شاید کسی کو احساس نہ ہوا ہو۔

تبدیلیاں صرف یہاں آنے والے لوگوں میں آئی ہیں۔ پرانے گاہکوں میں سے بہت سے لوگ اس دنیا میں نہیں رہے۔ بعض قصبہ چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ بعض پرانے گاہک اب بھی پہلے ہی جیسی باقاعدگی سے آتے ہیں لیکن ان میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی تبدیلیاں آچکی ہیں۔

مثلاً ایک پرانا گاہک لارسن ہے۔ جب سے اس کی بیوی مری ہے' وہ یکایک ہی بہت بوڑھا اور شکست خوردہ دکھائی دینے لگا ہے۔ اس کے علاوہ بوڑھا گاروے ہے۔ وہ ٹرین میں کنڈیکٹر ہوا کرتا تھا مگر کچھ عرصے پہلے اسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے شاید اسے زندگی بالکل بے مصرف معلوم ہونے لگی ہے۔ وہ روزانہ ریلوے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اس ٹرین کو جاتے دیکھتا ہے جس میں وہ کبھی روزانہ ڈیوٹی انجام دینے کے لیے سوار ہوا کرتا تھا مگر ٹرین اب اسے لیے بغیر روانہ ہو جاتی ہے اور وہ حسرت سے کھڑا دیکھتا جاتا ہے۔ اس کے بعد گاروے سیدھا جوزف کے بار میں آتا ہے اور لارسن کے ساتھ بیٹھ کر ایک دو پیگ پیتا ہے۔

بار کو اب جوزف نہیں' میں چلاتا ہوں۔ تین سال پہلے میں اکیس سال کا ہو گیا تھا۔ تب سے میں اس بار کو چلا رہا ہوں۔ شکار کے سیزن میں جوزف ہرن کے شکار کے لیے جنگلوں کی طرف چلا جاتا ہے لیکن جن دنوں وہ قصبے میں ہوتا ہے' دن میں ایک مرتبہ بار میں ضرور آتا ہے۔ وہ یہاں بیٹھ کر کافی یا جوس کا ایک گلاس پیتا ہے۔ اس کی کوشش اب بھی یہی ہوتی ہے کہ بار کے معاملات پر کسی نہ کسی حد تک ضرور نظر رکھے۔

میں آج بھی سوچتا ہوں کہ کاش جوزف اس دن بھی ہرن کے شکار پر ہوتا جس دن ایلسی تھامسن آندھی طوفان کی طرح بار میں آئی تھی۔

اس روز بار تقریباً خالی ہی تھا۔ صرف لارسن دروازے کے قریب ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دن چڑھتے ہی آکر پینا شروع کر دیتا تھا۔ اس نے ابھی یہ سلسلہ شروع ہی کیا تھا۔ میں اس وقت کاؤنٹر صاف کر رہا تھا جب وہ پرانی چھکڑا سی فورڈ کھڑکھڑاتی ہوئی شراب خانے کے سامنے آکر رکی۔ اس کی حالت کچھ ایسی ہی تھی جیسے کسی ریلوے انجن کے ساتھ اس کی چار چھ مرتبہ ٹکر ہو چکی ہو۔ اس کے بونٹ کے نیچے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

اس کا گھرگھراتا انجن خاموش ہوا اور ایک عورت گویا چھلانگ لگا کر گاڑی سے اتری۔ میں کاؤنٹر صاف کرنا بھول کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اچھی خاصی عمر کی گول مٹول سی عورت تھی۔ جوانی میں خاصی خوبصورت رہی ہو گی۔ وہ خاکی ڈانگری میں تھی۔ سفید بال مردانہ سے انداز میں کٹے ہوئے تھے۔ حرکات و سکنات سے بھی وہ کوئی مرد مار سی عورت ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بازو پر ہینڈ بیگ لٹکا ہوا تھا اور وہ اس طرح چیونگم چبا رہی تھی جیسے کوئی بھوکا درندہ اپنے شکار کا گوشت چبا رہا ہو۔

"ذرا اس عورت کو تو دیکھو...!" میں نے نہ جانے کیوں قدرے تعجب سے لارسن کو اس عورت کی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن اس نے سر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔

عورت دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ اس کے گرد آلود مردانہ جوتے لکڑی کے فرش پر اچھی خاصی دھمک پیدا کر رہے تھے۔ وہ کاؤنٹر پر پہنچ کر عین میرے سامنے ایک اسٹول پر براجمان ہو گئی۔ چیونگم چبانے کے لیے اس کے جبڑے مشینی انداز میں حرکت کر رہے تھے۔

چند لمحے اس نے خاموشی سے میرا جائزہ لیا پھر اس کا منہ ایک سیکنڈ کے لیے کھلا اور اس سے صرف ایک ہی لفظ برآمد ہوا اور وہ تھا "کافی"۔

"ابھی لایا میڈم!" میں نے سعادت مندی سے کہا اور کافی کی مشین کی طرف چلا گیا۔

"کیا یہ شراب خانہ اسی جوزف لوری کا ہے جو کبھی شکاگو میں رہا کرتا تھا؟" اس نے اچانک پوچھا۔

"جی ہاں....." میں نے جواب دیا اور کافی اس کے سامنے لا رکھی۔

"یہ تو تم نے بہت اچھی خبر سنائی نوجوان!" وہ مسکرائی۔ اس کے تاثرات سے اندازہ ہوا کہ اسے میرا جواب سن کر دلی خوشی ہوئی تھی۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ اپنی گول شیشوں والی عینک کے عقب میں آنکھیں گھماتے ہوئے بولی "میں نے جوزف لوری کی تلاش میں بڑا طویل سفر کیا ہے۔ شکاگو سے لے کر یہاں تک مغربی سمت کی اس پوری پٹی میں ہر چھوٹے سے قصبے یا گاؤں میں جوزف نامی کسی نہ کسی آدمی کا شراب خانہ ضرور موجود تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی جوزف لوری نہیں تھا جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں بہت خوار ہوئی ہوں

لیکن مجھے یقین تھا کہ، آخر کار مجھے شکاگو والے جوزف لوری کا شراب خانہ بھی مل جائے گا۔ تمہیں پتا ہے مجھے یہ یقین کیوں تھا؟"

میں نے نفی میں گردن ہلائی تو وہ بولی "اس لیے کہ میں بڑی زبردست قوتِ ارادی کی مالک ہوں۔ یہ بتاؤ جوزف یہاں کس وقت آئے گا؟"

"وہ..... تم کس سلسلے میں اس سے ملنا چاہتی ہو؟" میں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ یہاں آئے گا نا؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے تصدیق چاہی۔

میں نے اثبات میں سرہلایا تو وہ طمانیت سے بولی "مجھے یہی امید تھی..... ویسے مجھے اس کو کاؤنٹر کے پیچھے موجود نہ پا کر حیرت ہوئی ہے۔"

"تم اسے جانتی ہو؟"

"ہاں..... بہت اچھی طرح جانتی ہوں....." اس کی آنکھوں میں کچھ اداسی اتر آئی "شکاگو میں ہم دونوں ہی کی ایک دوسرے سے بہت اچھی آشنائی تھی۔"

"کیوں نہ میں اسے فون کر کے اطلاع دے دوں کہ تم آئی ہوئی ہو؟"

"اس کی ضرورت نہیں....." اس نے چیونگم کا غبارہ بنا کر اسے پھاڑنے کے بعد مسکرا کر کہا پھر اپنا ہینڈ بیگ کھول کر خوفناک سی ساخت کا ایک اصلی ریوالور نکالتے ہوئے بولی "میں اسے سرپرائز دینا چاہتی ہوں....."

پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا اور وہ ریوالور سے میری پیشانی کا نشانہ لیتے ہوئے بولی "بلکہ یوں کہو... کہ ہم دونوں مل کر اسے سرپرائز دیں گے۔"

میری کچھ بولنے کی ہمت نہ پڑی۔ میں صرف اثبات میں سرہلا کر رہ گیا۔

"وہ کس وقت آئے گا؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"کچھ دیر بعد آجائے گا....." میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "کیا تمہارا اسے گولی مارنے کا ارادہ ہے؟"

وہ گویا میرا سوال اَن سنا کرتے ہوئے بولی "کتنی دیر میں.....؟"

اسی اثنا میں ریلوے اسٹیشن کی طرف سے بارہ بج کر پانچ منٹ پر رخصت ہونے والی ٹرین کی وسل سنائی دی اور میں نے کہا "بس وہ جلد ہی آنے والا ہے۔"

"میں اس کا انتظار کروں گی....." وہ اطمینان سے بولی پھر اس نے لارسن کی طرف اشارہ کیا "یہ ادھر کونے میں کون ہونق بیٹھا ہوا ہے؟"

"اس کا نام لارسن ہے۔" میں نے بتایا۔

"لارسن!" عورت نے اسے پکارا۔ اس نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ کسی بلڈ ہاؤنڈ کی طرح لٹکا لٹکا سا دکھائی دیتا تھا اور ہمیشہ بے تاثر رہتا تھا مگر جب عورت نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کر کے اسے لہرایا تو اس کے چہرے پر فکرمندی سی ابھر آئی۔

"تم جہاں بیٹھے ہو وہیں بیٹھے رہنا....." عورت نے اسے حکم دیا "اگر تم کسی بھی وجہ سے اپنی جگہ سے اٹھے تو میں فوراً تمہیں گولی مار دوں گی..... سمجھ گئے؟"

اس نے مشینی سے انداز میں اثبات میں سرہلایا اور دوبارہ اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہو گیا جو آدھا خالی تھا۔ اس نے گلاس اٹھانے کی کوشش کی تو وہ اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" عورت نے مجھ سے سوال کیا۔

"ویس۔" میں نے جواب دیا۔

"ویس.....! تم لارسن کا گلاس خالی ہوتے ہی بھر دینا..... اسے خالی نہ رہنے دینا..... لیکن اس کام کے دوران میں کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں تمہیں بھی گولی مار دوں گی۔ اگر کوئی اور گاہک بار میں آیا تو میں یہ ریوالور کاؤنٹر کے نیچے کر لوں گی۔ تم یہاں ظاہر کرنا جیسے ہر چیز معمول کے مطابق ہے اور نارمل انداز میں گاہک کے آرڈر کی تعمیل کرنا۔ اس ریوالور میں چھ گولیاں ہیں اور میں ہر گولی سے ایک آدمی کو ڈھیر کر سکتی ہوں مگر مجھے اس پر مجبور مت کرنا۔ میرا مطلوبہ آدمی صرف جوزف لوری ہے۔ اس کے سوا میں کسی کو کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتی..... لیکن اگر تم نے مجبور کیا تو میں اس شراب خانے کو لاشوں سے بھر دوں گی....."

پھر وہ یوں مسکرائی جیسے اسے کوئی اچھا مذاق سوجھا ہو "بعض جگہوں پر وال ٹو وال کارپٹ ہوتا ہے۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو تمہارے شراب خانے میں وال ٹو وال لاشیں نظر آئیں گی۔ سمجھ گئے؟"

"بالکل سمجھ گیا....." میں نے سعادت مندی سے کہا۔ میں نے محتاط انداز میں جا کر لارسن کا گلاس بھرا اور واپس آ کر کہا "اگر تم برا نہ مناؤ تو میں کچھ پوچھوں؟"

"پوچھ لو..... پوچھ لو..... تمہیں بھی حسرت نہ رہ جائے" وہ بیزاری سے بولی۔

"تم جوزف کو کیوں قتل کرنا چاہتی ہو؟"

اس نے ایک لمحے کے لیے چیونگم چبانا بند کردیا اور آنکھیں سکیڑ کر مجھے گھورتے ہوئے بولی "اس نے میری زندگی برباد کردی۔ کیا کسی شخص کو قتل کرنے کے لیے یہ وجہ کافی نہیں ہے؟"

"میرے خیال میں تو کوئی بھی وجہ کم از کم جوزف کو قتل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا..... تمہارا یہ خیال ہے؟" اس نے پہلے سے زیادہ سخت نظروں سے مجھے گھورا۔

میں نے جلدی سے پوچھا "کچھ وضاحت سے بتاؤ..... جوزف نے تمہاری زندگی کس طرح تباہ کردی؟"

"وہ مارتھا ڈین نامی ایک عورت کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔"

"مارتھا.....؟" میں نے دہرایا "وہ تو اس کی بیوی ہے..... میرا مطلب ہے..... تھی۔"

"کیا وہ مرچکی ہے؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سرہلایا۔

"گڈ....." اس نے طمانیت سے سرہلایا۔ اسے گویا یہ خبر سن کر خوشی ہوئی تھی۔ "اب میرا موڈ کچھ اچھا ہوگیا ہے۔ جوزف نے اپنی زندگی میں ایک بہت بڑی غلطی کی تھی..... اور وہ یہ کہ اس نے مجھ سے شادی نہیں کی۔ اس نے مارتھا سے شادی کی..... جو مرگئی۔ مجھے دیکھ لو..... میں ابھی تک زندہ اور تندرست و توانا ہوں۔ اگر اس میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ مجھ سے شادی کرتا اور ہم ابھی تک زندگی کی خوشیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے..... لیکن خیر..... اس میں شروع ہی سے عقل نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر سلسلہ کلام جوڑا "تمہیں معلوم ہے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا تھی؟ صرف یہ کہ شکاگو کے مغربی علاقے میں کسی قصبے میں چھوٹا سا شراب خانہ کھولے۔ بس..... اس چھوٹے دماغ کے آدمی کی یہ چھوٹی سی خواہش بھی اس کی نظر میں بہت بڑی تھی اور وہ اس تصور میں بھی یوں کھو جاتا تھا جیسے یہ کوئی نہایت حسین خواب ہو۔ مارتھا کی ذہنیت بھی اسی طرح محدود تھی۔ اس کے خیال میں بھی یہ بڑا زبردست آئیڈیا تھا۔ اس نے جوزف کی ہاں میں ہاں ملائی۔"

پھر وہ غصیلے انداز میں چیونگم چبا کر بولی "میں نے مارتھا سے کہہ دیا کہ..... ہاں..... ٹھیک ہے..... اگر تمہارے خیال میں کسی مغربی گاؤں یا قصبے میں جا کر چھوٹا سا شراب خانہ کھولنا تمہارے خیال میں اتنا ہی زبردست کام ہے تو تم جوزف کے ساتھ چلی جاؤ اور اس سے شادی کر کے اپنی زندگی گاؤں دیہات میں گنواروں کے درمیان رہ کر ضائع کرلو۔ اگر جوزف اتنا ہی احمق ہے کہ اس قسم کی خواہشوں میں زندگی ضائع کرنا چاہتا ہے تو پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں..... اسے تم ہی سنبھالو۔ دنیا میں اور بھی مرد ہیں..... بلکہ یوں کہو کہ دنیا مردوں سے بھری پڑی ہے۔ مجھے کوئی اور ساتھی مل جائے گا۔ یہ باتیں میں نے تیس بتیس سال پہلے کی تھیں۔"

"اگر تم نے یہ باتیں کی تھیں..... تو پھر تمہیں جوزف کو الزام نہیں دینا چاہیے۔ یوں سمجھو کہ جو کچھ ہوا وہ تمہاری مرضی اور اجازت سے ہوا۔ اس میں جوزف کا تو کچھ ایسا خاص قصور نہیں....." میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ کسی مسلح انسان کی بات کی تردید کرنے کے لیے بڑا حوصلہ درکار ہوتا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا' اس کے لیے بڑی مشکل سے حوصلہ مجتمع کیا تھا۔

اس نے کافی کا کپ کاؤنٹر پر رکھ کر لارسن کی طرف دیکھا۔ لارسن اس وقت ایک ٹک عورت کے ریوالور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عورت پُرخیال سے لہجے میں بولی "میں نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا کہ دنیا مردوں سے بھری پڑی ہے اور مجھے کوئی اور ساتھی مل جائے گا..... لیکن بعض اوقات انسان جس طرح سوچتا ہے اس طرح نہیں ہوتا۔ میں نے بھی جو سوچا تھا وہ نہیں ہوا....."

اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ شاید مجھے دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں درحقیقت ماضی کے دھندلکوں میں بھٹک رہی تھیں جہاں شاید اس کی ناکامیوں کی نشانیاں بکھری ہوئی تھیں۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ دھیمے لہجے میں بولی "میں انتظار کرتی رہی..... ہر روز مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے مجھے جس آدمی کی تلاش ہے وہ بس آنے ہی والا ہے۔ زندگی میں مرد تو بہت ملے لیکن وہ نہیں ملا جس کی مجھے تلاش تھی۔ آخر کار بہت برسوں بعد جا کر مجھ پر انکشاف ہوا کہ مجھے زندگی میں جس قسم کے ساتھی کی تمنا تھی' وہ بس جوزف ہی تھا..... اور اسے میں کھو چکی تھی۔ بس..... اس کے بعد ہی میں نے فیصلہ کیا کہ جوزف کو گولی مار دوں گی۔ اس کی سزا یہی ہونی چاہیے۔ وہ کیوں مجھے چھوڑ کر گیا تھا۔"

"یہ تو پاگل پن ہے۔" میں نے مزید ہمت کر کے کہا۔

"نہیں..... یہ انصاف ہے۔" وہ ضدی سے لہجے میں بولی۔

"شاید تم دونوں اب یکجا ہو سکو....." میں نے کہا "مارتھا

کے مرنے کے بعد سے جوزف بھی اکیلا ہی ہے شاید....."

"نہیں....." وہ میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولی "اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ اب ملاپ کا کوئی فائدہ نہیں..... اس عمر میں' میں شادی کرتی اچھی لگوں گی؟"

عین اسی لمحے لارسن اپنی جگہ سے اچھل کر اٹھا اور بے وقوفانہ انداز میں دروازے کی طرف دوڑا۔ عورت نے اپنا اسٹول گھمایا اور اندھا دھند اس پر گولی چلا دی۔ غنیمت رہا کہ گولی لارسن کے صرف کان کی لو اپنے ساتھ لیتی ہوئی گزر گئی۔ وہ ہلکی سی ایک چیخ مار کر تیزی سے پلٹا اور اپنے کان پر ہاتھ رکھے واپس اپنے اسٹول پر آ بیٹھا۔

"دعا کرو کہ اس فائر کی آواز کسی نے نہ سنی ہو۔" عورت نے گویا ہم دونوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

مجھے امید تھی کہ اوّل تو فائر کی آواز کسی نے نہیں سنی ہو گی۔ شراب خانہ قصبے کے سرے پر واقع تھا۔ اس کے قریب کوئی دکان یا مکان نہیں تھا جبکہ جنگل یہاں سے دور نہیں تھا اور جنگل سے کبھی کبھار کسی شکاری کے گولی چلانے کی آواز آ ہی جاتی تھی۔ کوئی اس پر توجہ نہیں دیتا تھا۔ اگر گولی عین کسی کی ناک کے نیچے چلائی جاتی تب شاید وہ چونکتا۔ یہاں سے تیز رفتاری سے گزرتی ہوئی گاڑیوں کے شور میں بھی بہت سی آوازیں دب کر رہ جاتی تھیں۔

بہرحال گولی چلنے سے میں اندر ہی اندر بوکھلا گیا تھا۔ پانچ منٹ تک ہم تینوں ہی منتظر سے انداز میں خاموش رہے۔ اس دوران میں اگر کوئی آواز ابھری تو وہ صرف عورت کی چیونگم چبا چبا کر غبارے بنا کر انہیں پھاڑنے کی آواز تھی۔

آخرکار وہ مسکرائی اور آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "میرا خیال ہے خوش قسمتی سے کسی نے فائر کی آواز نہیں سنی۔"

"لیکن یہ لارسن یا جوزف کی خوش قسمتی بہرحال نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

لارسن ایک ہاتھ سے اپنا زخمی کان دبائے دوسرے ہاتھ سے گلاس منہ سے لگائے ہوئے تھا۔ عورت بولی "لارسن اور جوزف..... دونوں ہی کی غلطی تھی کہ انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ تم تو بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے نا؟"

"نہیں میڈم!" میں نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو میں تمہیں بھی گولی مار دوں گی..... اور اس مرتبہ میرا نشانہ چوکے گا نہیں..... آج میں ہر اس شخص پر گولی چلا دوں گی جو میرا حکم نہیں مانے گا۔ آج میرا حکم چلانے کا دن ہے۔ آج صرف میری مرضی چلے گی..... ایلسی تھامسن کی مرضی..... آج ایلسی تھامسن کا جوزف لوری سے حساب برابر کرنے کا بھی دن ہے۔"

میں نے ایک بار پھر جا کر لارسن کا گلاس بھرا اور واپس آ کر کہا "میں بھاگوں گا نہیں مادام..... لیکن میں آپ کو جوزف کو گولی مارنے سے باز رکھنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ کسی نہ کسی طرح میں آپ کو روکنے کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"تم مجھے نہیں روک سکتے۔ آج مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ کوئی بھی چیز میرا راستہ نہیں روک سکتی۔ معلوم ہے کیوں..... اس لیے کہ میں زبردست قوتِ ارادی کی مالک ہوں۔" وہ فاتحانہ انداز میں مسکرائی۔

"لیکن جوزف کو مار کر آپ کو بھی عمر قید یا موت کی سزا ہو جائے گی۔" میں نے گویا اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"نہیں..... ایسا نہیں ہو گا....." وہ پراسرار انداز میں مسکرائی "کیونکہ میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی مر جاؤں گی ..... اور جو انسان مرجانے کا تہیہ کر لیتا ہے وہ بہت طاقتور اور بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ سمجھے ویس؟ جوزف کو مارتے ہی میں اس قصبے سے نکلوں گی اور اپنی گاڑی ستر اسی میل فی گھنٹا کی رفتار سے دوڑاتے ہوئے کسی بڑے' مضبوط اور تناور درخت سے ٹکرا دوں گی۔ سمجھے؟"

میں تکلیف زدہ سے انداز میں ہنس دیا۔ وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی "تم سمجھ رہے ہو میں مذاق کر رہی ہوں؟"

"نہیں میڈم! میں یہ نہیں سمجھ رہا کہ آپ مذاق کر رہی ہیں..... بلکہ مجھے قدرت کی ایک عجیب ستم ظریفی کے بارے میں سوچ کر ہنسی آ گئی ہے۔ میں آپ کو اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔ تین سال پہلے اسی سڑک پر..... یہاں سے کچھ فاصلے پر جوزف کی کار بھی ایک درخت سے ٹکرا گئی تھی۔ وہ بھی کافی تیز رفتاری سے جا رہا تھا اور مارتھا بھی اس کے ساتھ تھی۔ مارتھا تو موقع پر ہی ہلاک ہو گئی تھی۔ جوزف کو اسپتال لے جایا گیا تو اس کی بھی حالت اچھی نہیں تھی۔ ڈاکٹر ملز نے کہہ دیا تھا کہ اس کے بچنے کی بھی امید کم ہی ہے..... لیکن بہرحال وہ بچ گیا۔ تاہم اس کی حالت عبرت انگیز ہے۔ اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ جس نے اسے حادثے سے پہلے دیکھا ہو' وہ اسے پہچان نہیں سکتا۔ اس کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہے جس پر اب کپڑے کا ٹکڑا بندھا رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ شرارت کے موڈ میں ہوتا ہے تو چہرہ کسی کے قریب لے جا کر وہ کپڑا ہٹا دیتا ہے اور ایک آنکھ سے اسے گھورتا ہے جبکہ دوسری آنکھ کی جگہ بدنما گڑھا....."

"بند کرو یہ فضول باتیں..." ایلسی کراہیت سے بولی۔

"صرف یہی نہیں..... اس کی ایک ٹانگ بھی کاٹ دی گئی تھی۔ اس کی جگہ اب مصنوعی ٹانگ لگی ہوئی ہے۔ جس سے وہ لنگڑا کر کھٹ کھٹ کرتا ہوا چلتا ہے۔"

"میں اس قسم کی باتیں سننا نہیں چاہتی۔" ایلسی خفگی سے بولی۔

"میں تو صرف آپ کو حقائق سے آگاہ کر رہا ہوں..... اور یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تیز رفتاری سے گاڑی کسی درخت سے ٹکرا کر بھی ضروری نہیں ہوتا کہ انسان کو موت آ جائے۔ بعض اوقات اس کے بعد موت سے بھی بدتر زندگی اس کی منتظر ہوتی ہے۔" میں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"لیکن میں ضرور مر جاؤں گی۔" وہ زور دے کر بولی۔

"یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہو گا۔ ممکن ہے آپ کا انجام بھی جوزف جیسا یا اس سے بدتر ہو۔ ممکن ہے آپ بھی مسخ شدہ چہرہ لے کر..... کالی ہو کر لنگڑاتی ہوئی اِدھر اُدھر پھرا کریں اور آپ کے ماضی کے بہترین دوست بھی آپ کو نہ پہچانا کریں۔"

"اب تم اپنی زبان بند کر لو ویس۔" ایلسی اپنا ریوالور میرے چہرے کے عین قریب لاتے ہوئے غرّائی۔

میں خاموش تو تب بھی نہیں ہوا البتہ میں نے اپنی آواز میں ملائمت اور ہمدردی کا تاثر لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں تو آپ کو صرف مشورہ دینا چاہ رہا تھا۔ اگر جوزف کو ٹھکانے لگانے کے بعد آپ یقینی طور پر مرنا چاہتی ہیں تو قصبے سے باہر دریا پر ایک پل ہے' اس پر سے چھلانگ لگانا زیادہ مناسب رہے گا۔ اس پل سے دریا میں چھلانگ لگانے والے کا بچنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو اور مجھے گرم کافی کا دوسرا کپ دو۔" وہ بچی ہوئی کافی کا کپ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

میں کافی نکالنے کے لیے گھوما تو مجھے باہر سے قدموں کی مخصوص آواز سنائی دی جو دھیرے دھیرے قریب آ رہی تھی۔ میں ایلسی کی طرف پلٹا تو وہ مسکرا رہی تھی۔ قدموں کی آواز اس نے بھی سن لی تھی۔ اس میں ٹھک ٹھک کی ایک مخصوص آواز بھی شامل تھی۔ ایلسی نے تیزی سے چیونگم چبانا شروع کر دیا تھا۔ عینک کے عقب سے اس کی آنکھیں سکڑ کر رہ گئی تھیں۔

دروازہ کھلا اور ایک مسخ شدہ چہرہ نمودار ہوا۔ ایلسی نے اسٹول گھمایا۔ اس وقت تک وہ اندر آ گیا تھا۔ میں خبردار کرنے والے انداز میں چلایا "جوزف..... بچنا....."

اس نے بچنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بے وقوفوں کی طرح الجھن آمیز انداز میں ہماری طرف دیکھتا رہا۔ ایلسی اسٹول سے کودی۔ اس نے ریوالور اس پر خالی کر دیا۔ ایک گولی نے اسے اس کی مصنوعی ٹانگ پر گھما دیا۔ پھر وہ چت گرا اور ساکت ہو گیا۔ اس کی اکلوتی آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی۔ اس آنکھ میں حیرت جامد ہو کر رہ گئی تھی۔

میں ایلسی پر جھپٹا لیکن وہ میری طرف سے بے خبر نہیں تھی۔ اس نے میری پیشانی پر ریوالور کا دستہ رسید کیا۔ میں کاؤنٹر کے پیچھے گر پڑا۔ چند لمحے میرے حواس مختل رہے۔ جب تک میں اٹھنے میں کامیاب ہوا تب تک ایلسی اپنی کار میں بیٹھ کر اس طرح روانہ ہو چکی تھی کہ سڑک پر اس کی گاڑی کے ٹائروں کی رگڑ کے سیاہ نشانات باقی رہ گئے تھے۔

لارسن اپنی جگہ بیٹھا ایک ٹک لاش کو گھور رہا تھا۔ میں نے سگریٹ سلگائی اور اسی طرح میں بھی لاش کو گھورنے لگا۔ چند منٹ بعد شیرف کی گاڑی اور ایمبولینس کے سائرن سنائی دیے مگر یہ گاڑی بار کے سامنے سے گزرتی چلی گئیں۔ وہ آگے جا رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ گاڑیاں آگے دریا کی طرف جا رہی ہیں....." میں نے بہ آوازِ بلند لارسن سے کہا "لگتا ہے ایلسی نے میرے مشورے پر عمل کرتے ہوئے دریا میں کود کر خودکشی کر لی ہے اور شیرف وغیرہ کو اس کی اطلاع تو مل گئی ہے مگر یہاں فائرنگ کی اطلاع نہیں ملی....."

لارسن نے کوئی جواب نہیں دیا اور ایک ٹک لاش کو ہی دیکھتا رہا۔ اچانک دروازہ۔ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک دراز قد آدمی اندر آیا۔ اس نے پہلے میری طرف' پھر لارسن کی طرف دیکھا اور پھر لاش کی طرف دیکھا۔

"اوہ میرے خدایا..... بے چارہ گاروے.....!" لاش کو دیکھ کر اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ گاروے بے چارے کا تین سال پہلے کار کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تب سے اس کا چہرہ مسخ' ایک آنکھ اور ایک ٹانگ ضائع ہو گئی تھی۔ تب سے ہی اسے ریلوے کی نوکری سے فارغ کر دیا گیا تھا اور تب سے بے چارہ زندگی کو اپنے لیے ایک بوجھ سمجھتا تھا۔

نووارد نے' گاروے کی لاش کو غمزدہ سے انداز میں ہولے سے تھپتھپایا پھر کھڑے ہو کر میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "اس غریب کو کس نے مار دیا؟"

"ایک پاگل عورت نے....." میں نے روہانسی آواز میں جواب دیا "اصل میں تو وہ آپ کو مارنے آئی تھی ڈیڈی.....!"

○○



صلۂ بے وفائی

نجمہ مودی

اس عورت کا قصہ جس کے شوہر کو قتل کر دیا گیا تھا لیکن قاتل کے سلسلے میں اُس کا خیال تھا کہ وہ بے قصور ہے۔ اپنی فطری رحم دلی کے سبب وہ اُسے سزائے موت سے بچانا چاہتی تھی لیکن اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ اُس کا شوہر ہلاک ہونے کے دو روز بعد ایک بڑی رقم کا مالک بننے والا تھا اور اس کے قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی تھی۔

مغرب سے تازہ تر درآمد۔ سُراغ رسی کی ایک پُرتجسس اور دلچسپ کہانی

شیرون کو آخری مرتبہ میں نے اس کی شادی پر پانچ سال پہلے دیکھا تھا اور اس وقت کی جو یاد میرے ذہن میں تھی' اب وہ اس سے بہت مختلف تھی۔ وہ خوبصورت' خوش ادا اور پُرنخوت عورت کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی جسے میں جانتا تھا۔ لمبے سیاہ اور گھنگریالے بال یقیناً کافی عرصے سے توجہ اور نگہداشت سے محروم تھے۔ کسی یونانی دیوی کی طرح تراشیدہ سا چہرہ اب کچھ پھولا پھولا سا دکھائی دے رہا تھا اور اس پر جھائیاں بھی نمودار ہو چکی تھیں۔

دودھیا سی رنگت میں اب کچھ مٹیالا پن سا آگیا تھا۔ گزرے وقتوں کی نشانیوں میں سے صرف ایک چیز باقی رہ گئی تھی اور وہ تھی اس کی آنکھوں میں کسی بے عنوان سے جذبے اور گرمجوشی کی چمک۔ مگر اب وہ بھی بات چیت کے دوران میں بار بار معدوم ہو جاتی تھی۔

گزرتے ہوئے ماہ و سال اور زندگی کی ناہمواریاں بھی انسان کی شخصیت پر اپنے بدنما نقشِ قدم چھوڑ جاتی ہیں لیکن کثرتِ شراب نوشی تو اس عمل کو کچھ زیادہ ہی تیز کر دیتی ہے۔ شخصیت کی

جو خوبصورت عمارت دس بیس برسوں میں تباہ ہونی ہو وہ پانچ سات برسوں میں ہی ہو جاتی ہے۔ مجھے معلوم تھا اس کا یہ حال کثرت شراب نوشی نے کیا تھا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ نیلسن سے شادی سے پہلے وہ شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی۔ اسے دیکھ کر بزرگوں کے اس دعوے پر یقین کرنا پڑ رہا تھا کہ بُری صحبت بہرحال اپنے اثرات رکھتی ہے۔

نیلسن کی شراب نوشی کا تو یہ عالم تھا کہ جب وہ پیدا ہوا ہوگا تو شاید اس نے سب سے پہلے ماں سے یہی پوچھا ہوگا "پینے کو کچھ ہے مم؟"

میں نے سُنا تھا کہ شیرون نے کچھ زیادہ ہی جلدی اس کی صحبت کا اثر قبول کرلیا تھا اور بہت ہی کم وقت میں اس سے بھی کچھ آگے نکل گئی تھی۔ بعض لوگ خشک لکڑی کی طرح ہوتے ہیں۔ بہت جلد آگ پکڑ لیتے ہیں.... لیکن اس میں بہرحال آگ کا بھی ایک کردار تو تھا۔

اپنے شوہر کی طرح اس نے بھی شاید کئی بار شراب نوشی ترک کرنے کی کوشش کی تھی.... لیکن پھر نیلسن قتل ہوگیا تھا۔ اس قسم کے المیے کے بعد ایک ایسی عورت بوتل سے کیونکر دور رہ سکتی تھی جسے پہلے ہی اس سے پیچھا چھڑانے میں سخت دشواری پیش آرہی ہو۔

اس نے فون کرکے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ لنچ کرنا چاہتی تھی۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی تھی۔ اگر وہ شوہر کی ناگہانی موت پر مجھ سے ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی تو اس کی یہ توقع فضول تھی۔ میں اس سے اظہارِ ہمدردی نہیں کرسکتا تھا۔ میں منافق نہیں تھا۔ یہ بات اسے بھی معلوم تھی۔ میں ایسے لوگوں پر اپنی ہمدردیاں ضائع نہیں کرتا تھا جو اپنے لیے خود مصائب خریدتے تھے۔ ان کی نسبت ایسے لوگوں کے لیے اپنی ہمدردیاں بچا کر رکھنا میں زیادہ بہتر سمجھتا تھا جو ناگہانی مصائب کا شکار ہوجاتے تھے۔ لیکن اس میں ان کی اپنی کوئی غلطی نہیں ہوتی تھی۔

بہرحال شیرون کی ننھی سی خواہش کو رد کرنا بھی میرے اختیار میں نہیں تھا۔ میں نے اسے لنچ پر مدعو کرلیا تھا اور اس وقت ہم ایک ریستوران میں بیٹھے تھے۔ اس نے کافی کا کپ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اگر وہ ایک ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاتی تو شاید ہاتھ میں کپکپاہٹ آجاتی اور وہ یقیناً نہیں چاہتی تھی کہ میں اس کے ہاتھ میں کپکپاہٹ دیکھوں۔

"نیلسن کے قتل کے معاملے میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" وہ بولی "واقعہ اس طرح نہیں ہے جس طرح بیان کیا جارہا ہے۔ اب مجھ سے یہ مت پوچھنا کہ مجھے یہ بات کیسے معلوم ہے۔ بس.... میں محسوس کرسکتی ہوں۔ میں اور نیلسن ایک دوسرے کے بارے میں محسوس کرلیا کرتے تھے کہ دوسرا اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔ جہاں انتہائی قربت ہو صرف وہاں یہ خاصیت پیدا ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے تم نے کبھی کسی سے اتنی قربت محسوس نہیں کی ہوگی؟"

"نہیں" میں نے اعتراف کیا۔

"تم ہمیشہ سے ٹھنڈے مزاج کے اور غیر جذباتی انسان رہے ہو۔ شاید اسی لیے تم اپنے پیشے میں کامیاب ہو" وہ کافی کا گھونٹ بھرے بغیر کپ واپس رکھتے ہوئے بولی "بہرحال.... نیلسن نے اپنی زندگی کے آخری لمحے میں جو کچھ محسوس کیا ہوگا وہ میں بھی محسوس کرسکتی ہوں۔ میں محسوس کررہی ہوں کہ جس لڑکے کو اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے اس نے اسے قتل نہیں کیا۔ تمہیں شاید یہ کچھ عجیب اور مضحکہ خیز سی بات لگے کہ مقتول کی بیوہ خود کہہ رہی ہے کہ جس نوجوان کو اس کے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے وہ قاتل نہیں ہوسکتا.... اور اس دعوے کی بنیاد محض ایک معمولی سا' بے عنوان سا احساس ہو۔ کہیں میں پاگل تو نہیں ہوگئی ہوں؟"

"عین ممکن ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھو.... اے پرانے دوست!" وہ افسردہ سے انداز میں مسکرائی "اگر تم سچ سننا نہیں چاہتے تو مجھ سے سچ کی فرمائش بھی مت کرو۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہوں بالکل سچ سچ کہوں.... اور میرا سچ یہی ہے جو میں بتا رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں تم اس معاملے کو دیکھو۔ اگر تم مجھ سے کہہ دوگے کہ میں غلط سوچ رہی ہوں' غلط محسوس کررہی ہوں.... تو میں مان لوں گی کہ ہاں' میں غلط ہوں۔ میرے دل کو قرار سا آجائے گا۔ اطمینان ہوجائے گا۔ یہ جو میرے اندر ایک خلش سی ہے جو مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی' یہ دور ہوجائے گی۔ صرف تمہاری زبان سے یہ سن کر مجھے صبر آسکتا ہے۔"

پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور اسی افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "لیکن مسئلہ یہ ہے جونی.... کہ میں بالکل قلاش ہوں۔ میں تمہیں کوئی فیس نہیں دے سکتی۔ قتل سے کچھ عرصے پہلے تک نیلسن کثرت شراب نوشی کے علاج کے لیے خصوصی اسپتال میں داخل رہا تھا۔ جب سے انہوں نے اسے اسپتال سے رخصت کیا تھا تب سے وہ ایک جنرل اسٹور میں رات کی شفٹ میں کام کررہا تھا اور میں ایک سروے کمپنی میں کمپیوٹر آپریٹر کے طور پر کام کررہی تھی۔ کمپنی ہر روز مجھے کسی بھی نئی جگہ پر بھیج سکتی تھی۔ جہاں بھی ان کا کام چل رہا ہوتا تھا مجھے وہاں جانا پڑتا تھا۔ مشکل نوکری تھی لیکن میں نبھا رہی تھی کیونکہ ہمارا بال بال قرضے میں جکڑا ہوا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ نوکری پھر بھی پکی نہیں تھی۔ چھوٹ گئی۔"

پھر وہ سر جھٹک کر بولی "اچھا.... یہ بتاؤ کیا سراغرساں' وکیلوں کی طرح عدالتی کارروائی میں بھی حصہ لیتے ہیں؟"

"کم از کم میں نہیں لیتا" میں نے جواب دیا "بہرحال یہ بات اہم نہیں ہے اور نہ ہی یہ جاننا اہم ہے کہ تمہارے شوہر کو کس نے

قتل کیا کیونکہ اس سے نہ تو تمہارے حالات میں کوئی فرق پڑے گا اور نہ ہی تمہارا کوئی مسئلہ حل ہوگا۔ اہم بات یہ ہے کہ نیلسن مرچکا ہے اور تم مشکلات میں گھری ہوئی ہو۔ تمہارے لیے بقا کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ بقا کے علاوہ ہر چیز تمہارے لیے ایک آسائش' ایک عیاشی ہے جس کی تم متحمل نہیں ہوسکتیں۔ تمہیں کسی سراغرساں کی خدمات کی نہیں' مدد کی ضرورت ہے۔"

میں نے کافی ختم کرکے کپ ایک طرف کھسکایا اور سلسلۂ کلام جوڑا "میں اپنے وقت میں سے چوبیس گھنٹے تمہیں دے سکتا ہوں۔ اگر تمہیں کسی قابل وکیل کی ضرورت ہے تو وہ میں مہیا کردیتا ہوں۔ وہ تمام کاغذی اور عدالتی کارروائی کردے گا۔ اگر تمہیں اچھی ملازمت کی ضرورت ہے تو میں چند جگہوں پر فون کردیتا ہوں۔ کہیں نہ کہیں' کوئی بندوبست ہوجائے گا۔ میرے ساتھ جتنے لوگوں نے بھی سیکریٹری اور معاون کے طور پر کام کیا ہے ان میں تم سب سے زیادہ قابل اور محنتی تھیں۔ اب اگر میں تمہیں کہیں اور ملازمت کے لیے بھیجوں گا تو وہاں بھی تمہیں اسی مستعدی اور وقار سے کام کرنا پڑے گا۔ وقت پر ڈیوٹی پر پہنچنا ہوگا.... اور یہ نہیں ہونا چاہیے کہ نشے میں جھومتی ہوئی پہنچ جاؤ۔ سنجیدگی سے.... صحیح طور طریقوں سے سال چھ مہینے گزار لوگی تو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوجاؤ گی اور کچھ عرصے بعد یہ آج کی باتیں بھولی بسری سی یادیں ہوجائیں گی۔"

وہ قدرے استہزائیہ سے انداز میں مسکرائی "میرا دماغ ابھی ناکارہ نہیں ہوا جونی! یہ سب باتیں مجھے بھی معلوم ہیں۔ تم ابھی تک میرے مسئلے کو نہیں سمجھ سکے جو اصل میں بالکل سیدھا سادہ سا ہے۔ اگر میں نے اس کے سلسلے میں کچھ نہ کیا تو میں گویا ہمیشہ نیلسن کی روح سے شرمندہ رہوں گی۔ میں زندگی بھر یہی محسوس کرتی رہوں گی کہ شاید وہ چاہتا تھا میں اس سلسلے میں کچھ کروں لیکن میں نے اسے مایوس کردیا۔ میں نے حقیقت کی تلاش کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا۔ ایسا کرتے ہیں.... ایک سودا کرلیتے ہیں۔ تم جس طرح کہو گے میں اسی طرح کروں گی لیکن تم وہ کردو جو میں کہہ رہی ہوں۔"

وہ گھیر گھار کر وہیں لے آئی تھی جہاں چاہتی تھی۔ چاہے وہ نشے میں مدہوش ہوتی' چاہے اس کے ذہن پر دھند چھائی ہوتی' چاہے وہ بالکل سنجیدہ اور ہوش و حواس میں ہوتی.... میرا خیال ہے حکمت عملی کے معاملے میں وہ ہر حال میں اپنے آپ کو نپولین کے کسی فوجی جنرل سے زیادہ ماہر ثابت کرسکتی تھی۔ خیر.... اگر وہ کسی بھی طرح اپنے آپ کو بوتل سے دور رکھنے پر آمادہ تھی تو میں اس کی مدد کی ہر ممکن کوشش کرنے کے لیے تیار تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے..... میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ تم جو کچھ کہہ رہی ہو میں اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر اس لڑکے نے نیلسن کو قتل نہیں کیا تو پھر کس نے کیا ہے؟"

ایسا کرو

سنیما ہال میں ایک موٹے آدمی نے اپنے پیچھے بیٹھے لڑکے سے پوچھا "کیوں بھائی' تمہیں فلم صاف دکھائی دے رہی ہے یا نہیں؟"

لڑکے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں جناب' آپ کے بھاری بھرکم جسم کی وجہ سے مجھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا ہے۔"

"پھر ایسا کرو" موٹے آدمی نے اسے سمجھایا "مجھ پر نظریں جمائے بیٹھے رہو اور جب میں ہنسوں تو تم بھی ہنسنا شروع کردینا۔"

"تم سراغرساں ہو۔ یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے" اس نے بلا تامل جواب دیا۔

کچھ دیر بعد ہم نے ریستوران سے نکل کر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ وہ ہلکی ہلکی بارش میں ایک طرف چل دی۔ اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور چال کچھ غیر متوازن سی تھی۔ پانچ سال میں نیلسن نے ایک خوبصورت' ذہین اور باصلاحیت عورت کو برباد کردیا تھا جسے میں جانتا تھا۔

بارش کا ایک ٹھنڈا سا قطرہ میری گدی پر گرا اور کالر میں سے میری کمر پر پھیل گیا۔ شاید اس قطرے نے بھی میرے وجود پر گرنے کے لیے اچھے وقت کا انتخاب کیا تھا۔ میرے اندر بھی اس وقت مدھم مدھم سی بارش ہورہی تھی۔

○☆○

میں فوجداری اور دیوانی' دونوں قسم کے وکیلوں کے لیے کبھی کبھار تھوڑا بہت سراغرسی اور تفتیش کا کام کرتا رہتا تھا۔ میرے اور ان کے پیشے میں سچائی کو تھوڑا بہت دھندلا دینا تقریباً ناگزیر سمجھا جاتا تھا لیکن میں نے کبھی اس مفروضے کا سہارا نہیں لیا تھا اور ہمیشہ اپنی سچائی کو خالص ہی رکھا تھا۔ اس میں جھوٹ یا مبالغے کی آمیزش نہیں ہونے دی تھی اور نہ ہی اسے مصلحتوں کے سائے میں چھپانے کی کوشش کی تھی۔ شاید یہ میری سب سے بڑی کامیابی تھی کہ لوگ مجھ پر بھروسا کرتے تھے۔ میرے کہے ہوئے الفاظ پر یا میری نیت پر شک نہیں کرتے تھے۔ یہ تو حقیقت تھی کہ سچ بول کر کوئی زیادہ دوست نہیں بنا سکتا لیکن سچ بولنے والے کی کچھ اس قسم کی عزت ضرور بن جاتی ہے جس سے وہ اکثر دوستی جیسا ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

دوسری روز شام تک میں نے شیرون کو نیا وکیل مہیا کردیا جس کے بارے میں اسے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اس کی

فیس ادا کرسکے گی یا نہیں؟ اپنی موجودہ یا متوقع مالی حیثیت کا شیرون کو کافی حد تک اندازہ تھا۔ نیلسن اس کے لیے تفکرات کے سوا کوئی قابلِ ذکر چیز چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو صرف آج کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ کل کے بارے میں سوچنا ان کے نزدیک بہت ہی فضول بات ہوتی ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ شیرون کے لیے اس نے جو کچھ چھوڑا ہوگا۔ اس سے برانڈی کا ایک گلاس خریدنا بھی مشکل ہوگا۔

بہت سی عورتیں بہت ذہین، بہت سمجھدار ہونے کے باوجود اس قسم کی صورتِ حال میں اپنے شوہروں کے بارے میں یہ سوچتی ہیں کہ وہ جلد یا بدیر ان کی سوچ بدلنے میں کامیاب ہوجائیں گی یا پھر خود اس کمی کو کسی نہ کسی طرح پورا کرلیں گی۔ گویا انہیں پورا یقین ہوتا ہے کہ تقدیر انہیں اس کی مہلت دے گی اور اگر کبھی ان کے حالات خراب ہونے والے ہوں گے تو اس سلسلے میں انہیں پہلے سے کوئی وارننگ مل جائے گی۔

میں نے شیرون کے لیے دو جگہ ملازمت کے سلسلے میں بھی بات کی۔ دونوں جگہ انٹرویو کے لیے وقت طے ہوگیا تاہم میں نے متعلقہ افراد سے صاف کہہ دیا کہ اگر شیرون تاخیر سے پہنچے یا اس کی آنکھیں خمار آلود نظر آئیں تو وہ بلا تامل اسے باہر جانے کا راستہ دکھادیں اور کھڑے پیروں واپس بھیج دیں۔ میں اس کا بُرا نہیں مناؤں گا بلکہ اسے ایک طرح سے ان کی نوازش سمجھوں گا۔

شیرون کی کہانی میرے خیال میں لاکھوں دوسرے افراد سے مختلف نہیں تھی۔ اس نے تین سال میرے لیے کام کیا تھا۔ پھر وہ اس سے زیادہ کمانے کا ارادہ لے کر رخصت ہوگئی تھی جتنا میں اسے دینے کا متحمل ہوسکتا تھا۔ نیلسن سے شادی سے پہلے اس کی تقریباً اتنے ہی مردوں سے رسم و راہ رہی جتنے عموماً کسی بھی معقول خوش شکل امریکی لڑکی کی زندگی میں آتے ہیں۔

اس کے والدین کا انتقال ہوچکا تھا البتہ چند ایک دور پار کے رشتے دار اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی کزن، کہیں کوئی انکل۔۔۔ لیکن جہاں تک ضرورت کے وقت کسی کے کام آنے کا تعلق تھا تو وہ دنیا میں اکیلی ہی تھی۔

نیلسن سے میں صرف اس کی شادی کے وقت ملا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی ایسے خاندان سے تھا جس کے پاس تھوڑی بہت دولت تھی لیکن خاندان نے اسے یا پھر اس نے خاندان کو چھوڑ رکھا تھا۔ بظاہر وہ ایک اچھا ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ عورتوں کے لیے اس میں کشش تھی اور وہ اپنے آپ کو اس سے زیادہ عقلمند اور ذہین سمجھتا تھا جتنا کہ وہ حقیقت میں تھا۔ یہ کوئی ایسی بڑی خامی نہیں تھی۔ یہ ہم میں سے اکثر میں ہی موجود ہوتی ہے۔

وہ ایک پیپر کمپنی میں منیجر قسم کی چیز تھا۔ ٹشو پیپر، ٹائلٹ پیپر اور نیپکن وغیرہ کے اسٹاک کا حساب رکھنا اس کی ذمے داری تھی۔ یہ ایک الگ شعبہ تھا اور اس کے لیے اسے چند ماتحت بھی ملے ہوئے تھے لیکن پھر ایک روز کمپنی کو احساس ہوا کہ اس کام کے لیے تو صرف ایک کمپیوٹر اور اس کا ایک آپریٹر رکھ دیا جائے تو کافی ہے۔ چنانچہ یہ شعبہ ختم کردیا گیا۔ نیلسن فارغ ہوگیا۔ اچھی بھلی تنخواہ لینے والے اس قسم کے آدمی کی کہیں بھی مانگ نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے ایک ذرا کمتر قسم کی نوکری کرلی اور ایک جنرل اسٹور میں رات کی شفٹ کا منیجر بن گیا۔ منیجر تو بس نام کا تھا۔ درحقیقت وہ ذرا باعزت قسم کا سیلز مین ہی تھا۔ شیرون ایک سروے کمپنی میں کمپیوٹر آپریٹر کے طور پر کام کرنے لگی۔ ظاہر ہے کہ شراب کے خرچ کی وجہ سے ان کے اخراجات دوسروں سے کچھ زیادہ ہی تھے۔

شیرون صرف ایک مرتبہ نیلسن کی فیملی سے ملی تھی۔ اس کے بعد ملنے کی شاید اس کی جُرات نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے شیرون کو پسند نہیں کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ نیلسن نے اپنے معیار سے گر کر شادی کی تھی۔ بہرحال شیرون نے اس بات کا بُرا نہیں منایا تھا کہ نیلسن کی فیملی نے اسے پسند نہیں کیا تھا۔ اس کے خیال میں یہ بات غیر اہم تھی۔ اہم بات صرف یہ تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ دنیا میں ان گنت لوگ اسی قسم کے جذبات اور اسی فلسفے سے متاثر ہوکر نہ جانے کتنی بڑی بڑی حماقتیں کرتے آئے ہیں۔

اب میں سوچ رہا تھا کہ کاش شیرون نے اپنے شوہر کے بارے میں تھوڑا بہت تجسس محسوس کیا ہوتا۔ اس کے خاندانی پس منظر اور اس کے عزیزوں رشتے داروں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات رکھی ہوتیں تو شاید اس کے قتل کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی۔ شیرون کے خیال میں اگر اس لڑکے نے نیلسن کو قتل نہیں کیا تھا جو گرفتار ہوا تھا تو عین ممکن تھا یہ اس کے خاندان یا پھر اس کے ماضی اور حال سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کا کام ہو۔

میں نے نیلسن کے بارے میں تمام ضروری اور غیر ضروری معلومات جمع کرکے تحریری صورت میں آرلو کے سپرد کردیں۔ آرلو ایک کمپیوٹر جینیئس تھا۔ لوگوں کی ذاتیات کے بارے میں ہر ممکن ذریعے سے، زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرنا اور انہیں کمپیوٹر میں محفوظ کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے مختلف قسم کے محکمہ جاتی کمپیوٹرز کے ریکارڈز تک بھی گھر بیٹھے رسائی حاصل کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ عین ممکن تھا کہ نیلسن کے بارے میں وہ میری کوئی خاص مدد نہ کرپاتا لیکن اس وقت میں موہوم سی اُمید کے سہارے بھی کوئی کوشش کرنے کے لیے تیار تھا۔

اسی طرح میں اپنی مدد کے لیے چند ایک ڈوریاں ہلانے کے بعد فلیانو سے ملا۔ فلیانو اس نوجوان کا وکیل تھا جسے نیلسن کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اسے یقیناً وہ تمام معلومات حاصل تھیں جو پولیس کو حاصل تھیں اور میرے لیے پولیس کی نسبت اس سے معلومات حاصل کرنا زیادہ آسان تھا۔ ظاہر ہے استغاثہ والے

ایسے کسی شخص کو تو خوشی سے معلومات فراہم نہیں کرسکتے تھے جو انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے حرکت میں آرہا تھا۔

فلیانو صاف ستھرے چہرے والا ایک نوجوان تھا جس نے شاید اپنی عمر سے بڑا اور بارعب نظر آنے کے لیے موٹی موٹی مونچھیں رکھ لی تھیں۔ اس طرح وہ اپنی عمر سے بڑا اور بارعب تو نہیں البتہ مضحکہ خیز دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ ایک ناتجربہ کار وکیل تھا اور عدالت کی طرف سے ہی ملزم کو اس کی خدمات فراہم کی گئی تھیں۔ سرکاری طور پر ملزموں کو دفاع کے لیے اسی قسم کے ناتجربہ کار وکیل فراہم کئے جاتے تھے تاکہ استغاثہ کی کامیابی کے امکانات زیادہ رہیں اور کیسوں کی تعداد کے لحاظ سے ان کی کامیابیوں کا تناسب زیادہ نظر آئے۔

میں نے فلیانو کو بتایا کہ مجھ سے نیلسن والے کیس کو کھنگالنے کی درخواست کی گئی تھی اور میں اس پر کام شروع کرچکا ہوں۔ پھر میں نے مذاق میں اس سے اپنا کام نکالنے کی غرض سے کہا "اگر تم محض خانہ پُری کے لیے ایک ڈالر رشوت دے دو تو میں تمہارے ساتھ سودے بازی کے لیے تیار ہوں۔ میں اپنا رازداری کا اصول بالائے طاق رکھ دوں گا۔ سودا یہ ہوگا کہ جو کچھ تمہیں معلوم ہوگا وہ تم مجھے بتا دو گے اور جو کچھ میں معلوم کرپاؤں گا وہ میں تمہارے گوش گزار کردوں گا۔"

"منظور ہے" وہ مسکراتے ہوئے بولا "یہ ایک ڈالر میں لاٹری کا ٹکٹ خریدنے سے کہیں بہتر ہے۔"

اس نے جیب سے ایک ڈالر نکال کر مجھے دیا اور کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا کر نہایت پُرسکون انداز میں کیس کا پس منظر مجھے بتانے لگا۔ جس رات نیلسن قتل ہوا اس رات اکیس سالہ ایک نوجوان اسٹور میں داخل ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا نام لارسن تھا۔ اس نے فریج سے بیئر کی چھ بوتلوں والا ایک پیک نکالا اور ادائیگی کرنے کے لیے کاؤنٹر پر پہنچا لیکن اس دوران میں نیلسن جو خود ایک ماہر خماریات تھا دیکھ چکا تھا کہ نوجوان لہراتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کے قدم بُری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ اس نے ایک ایسے نوجوان کو بیئر دینے سے انکار کردیا جو پہلے ہی نشے میں دھت دکھائی دے رہا تھا۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ پارکنگ لاٹ کو بھی صحیح طرح عبور کرسکے گا یا نہیں۔ نیلسن نے بیئر کی بوتلوں کا پیک کاؤنٹر سے اٹھایا اور لے جاکر واپس فریج میں رکھ دیا۔

لارسن نے نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں نیلسن کو بُرا بھلا کہا۔ اسٹینڈز پر سجی ہوئی دو چار چیزوں کو ٹھوکریں ماریں اور دھمکی دی کہ وہ دوبارہ آئے گا اور اس سے نمٹے گا۔ اس وقت اسٹور میں دوسرے دو افراد موجود تھے جو اس امر کے گواہ تھے۔ ان میں سے ایک تو گاہک ہی تھا۔ دوسرا ایک اسٹوڈنٹ تھا جس کی خدمات اسٹور میں کچھ کاموں کے لیے پارٹ ٹائم اور عارضی طور پر حاصل کی گئی تھیں۔ وہ اس وقت شیلفوں میں چیزیں سجا رہا تھا۔ لارسن اپنے غصے اور برہمی کا اچھی طرح اظہار کرنے کے بعد لڑکھڑاتا ہوا اسٹور سے رخصت ہوگیا۔

"نیلسن نے پولیس کو اطلاع نہیں دی؟" میں نے دریافت کیا۔

"شاید کوئی بُری عادت کا مالک اپنے ہی جیسے کسی دوسرے آدمی کے بارے میں دل میں نرم گوشہ رکھتا ہے۔ ایک چور دوسرے چور کی مخبری نہیں کرتا۔ شاید اسی طرح ایک شرابی دوسرے شرابی کے بارے میں شکایت نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہوگا تو بہت ہی ناگزیر حالات میں کرتا ہوگا" فلیانو نے خیال ظاہر کیا "بہر حال نیلسن اپنی شفٹ ختم کرکے صبح چھ بجے اسٹور سے نکلا۔ اسٹور کے ملازمین اپنی گاڑیاں پارکنگ لاٹ کے دوسرے سرے پر، یعنی اسٹور کے دروازے سے تقریباً ساٹھ گز دور کھڑی کرتے ہیں۔ چنانچہ اسٹور میں سے اگر کوئی دیکھ بھی رہا ہوتا تو وہاں تک کا منظر صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ ابھی دن کا اُجالا نمودار نہیں ہوا تھا۔ نیلسن کے اسٹور سے نکلنے کے چند لمحے بعد ہی دوسرے ملازمین نے گولی چلنے کی آواز سنی۔ وہ دوڑ کر پارکنگ لاٹ میں گئے تو انہوں نے نیلسن کو اس کی گاڑی کے قریب پڑے پایا۔ گاڑی کی چابیاں اس کے ہاتھ میں تھیں اور گولی اس کے دل میں اُتر چکی تھی۔ وہ لوگ بعد میں صرف اتنا ہی بتا سکے کہ انہوں نے ایک شخص کو گہرے رنگ کی ایک کار میں بیٹھ کر تیزی سے فرار ہوتے دیکھا۔ کار کے ٹائر سڑک پر رگڑ کے گہرے نشان چھوڑ گئے تھے۔"

وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا "مزید کوئی سراغ....؟"

"کار کے بارے میں تو ظاہر ہے کوئی خاص سراغ نہیں تھا۔ اندھیرے میں سبھی گہرے رنگ یکساں دکھائی دیتے ہیں اور آج کل زیادہ تر کاروں کی ساخت بھی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے باتھ ٹب کو الٹا کرکے ہیڈ لائٹس لگادی گئی ہوں البتہ بھاگتے ہوئے شخص کا جو حلیہ کسی حد تک اسٹور کے دوسرے ملازموں کو نظر آسکا وہ لارسن پر ہی فٹ بیٹھتا تھا۔ وہ شکاریوں کے سے لباس اور فوجی بوٹوں میں تھا۔ یہ دو چیزیں ہی وہ لوگ کچھ صحیح طور پر دیکھ سکے تھے۔ پولیس والوں نے یہ سارا قصہ سنتے ہی دو اور چار کی طرح نتیجہ اخذ کرلیا...."

پھر اچانک فلیانو نے پوچھا "تم نے ایگل شوٹنگ کلب دیکھا ہے؟"

"ہاں۔ چند ایک مرتبہ وہاں نشانے بازی کی مشق بھی کی ہے" میں نے جواب دیا۔

"وہاں ایک ویک اینڈ پر نشانے بازی کا ایک خصوصی مقابلہ دن رات جاری تھا اور جائے وقوعہ سے وہ کلب زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ اس قسم کے حلیوں میں لوگ زیادہ تر وہیں پائے جاتے تھے۔ میری تو خیر آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ اس قسم کے حلیے.... یا کسی بھی خاص قسم کے حلیے سے شوقیہ نشانے بازی پر کون سے بہتر اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ بہر حال.... لوگوں کا اپنا اپنا خیال اور

اپنا اپنا شوق ہے۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ پولیس جب ایگل شوٹنگ کلب پہنچی تو لارسن وہاں موجود تھا اور ویسی ہی گن کے ساتھ نشانہ بازی کے خصوصی مقابلے میں شریک تھا جس گن کی گولی سے نیلسن ہلاک ہوا تھا۔ گولی کافی خراب ہو چکی تھی اور اسے لارسن کی گن سے میچ کر کے سو فیصد یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ گولی اسی گن سے چلائی گئی تھی لیکن بیشتر شہادتیں لارسن کے خلاف جا رہی تھیں۔ مثلاً وہ یا اس کا کوئی دوست یہ بھی وضاحت نہیں کر سکا کہ نیلسن کے قتل کے وقت وہ کہاں تھا۔ اس کی گاڑی بھی گہرے رنگ کی تھی اور گواہوں نے بھی شناخت پریڈ میں نیلسن ہی کو شناخت کیا۔ یہ درست ہے کہ اس کے خلاف تمام شہادتیں صرف واقعاتی ہیں۔ لیکن بہت سے لوگوں کو اس سے بھی کمزور بنیادوں پر سزا مل چکی ہے خصوصاً جب کہ لارسن کی فطرت اور اس کا رویہ بھی لوگوں کے ساتھ سخت خراب ہے۔ اگر اس کے بارے میں کوئی آکر یہ کہے کہ وہ بہت اچھا نوجوان ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں تو مجھے بھی سب سے پہلا شبہ یہی ہوگا کہ وہ شخص رشوت کھا کر یہ بات کر رہا ہوگا۔"

"جائے واردات سے گولی کا خول نہیں ملا؟" میں نے پوچھا۔

"پولیس کا خیال ہے کہ اس نے فائر اپنی گاڑی کے اندر سے ہی کیا ہوگا۔ اس لیے اگر خول گرا ہوگا تو گاڑی کے اندر ہی گرا ہوگا جو اس نے غائب کر دیا ہوگا" فلیانو نے جواب دیا۔

"اس نکتے کے تو تم عدالت میں ایک منٹ میں بخیے ادھیڑ سکتے ہو" میں نے کہا۔ "اگر اس کا ہاتھ کار کی کھڑکی سے باہر ہوتا تو خول جائے واردات پر ہی ملنا چاہیے تھا اور اگر اس نے گن والا ہاتھ گاڑی کے اندر رکھتے ہوئے ہی فائر کیا ہوتا تو دھماکے کی اتنی زبردست گونج پیدا ہوتی کہ تین دن تک اس کے کان جھنجھناتے رہتے اور گاڑی کے اندر بارود کے ذرات بھی پائے جاتے۔ شاید انہوں نے اتنی باریکی سے تجزیہ کرنے کی زحمت ہی نہ کی ہو۔ اس کے علاوہ کلب میں دن جیسی روشنی میں نشانے بازی کی مشق کرنا اور بات ہے اور نشے میں دھت آدمی کا نیم تاریکی میں ایک شخص کے دل میں گولی اُتار دینا کچھ اور بات۔"

"یہ تو تم نے کار آمد پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن لارسن کو بری کرانے کے لیے مجھے اس سے زیادہ مواد کی ضرورت ہے" فلیانو پُر خیال لہجے میں بولا۔

"اپنے سیکریٹری سے کہو تھوڑا سا تحقیقی کام کرے" میں نے مشورہ دیا "تمہیں پتا چلے گا کہ کلبوں اور شوٹنگ رینج وغیرہ میں نشانہ بازی کی مشق کرنے والے اتنے جُرات مند نہیں ہوتے کہ کسی انسان کو قتل کر سکیں۔ تم ذرا نئے زاویے سے لارسن کی شخصیت کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرنا۔ تمہیں بہت سی باتوں کا اندازہ ہوگا۔"

"میں اپنے اندازوں اور نفسیاتی مفروضوں سے عدالت کو قائل نہیں کر سکتا۔" فلیانو منہ بنا کر بولا "اور میں اتنا لائق مقرر بھی نہیں ہوں کہ عدالت اور جیوری کے سامنے بھرپور جذباتی تقریر کر کے انہیں زار و قطار رونے اور اپنے حق میں فیصلہ کرنے پر مجبور کر دوں۔ تم مجھے کوئی ایسی ٹھوس اور حقیقت پسندانہ بات بتاؤ جو پانچ سال کے بچے کے بھی آسانی سے سمجھ میں آجائے اور اس کے لیے قابلِ قبول ہو.... ورنہ پھر میرا ایک ڈالر واپس کر دو۔"

"سوری...." میں نے نفی میں سر ہلایا "آئی ہوئی رقم واپس نہیں کی جاتی۔"

○☆○

میں آفس واپس پہنچا تو وہاں موجود ایک پیغام کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ شیرون کو میں نے جن دو جگہوں پر بھیجا تھا ان میں سے ایک جگہ اس نے ملازمت کر لی تھی۔ یوں اس کے دن گزرنے کا تو بندوبست ہو گیا تھا۔ راتیں فی الحال اسے تنہا ہی گزارنی تھیں یا ان کے بارے میں خود ہی کچھ سوچنا اور فیصلہ کرنا تھا۔

دوسرا پیغام یہ تھا کہ میں ڈینی ڈوگن کو فون کر لوں۔ ڈینی ڈوگن وہ وکیل تھا جس کے ذمے میں نے نیلسن کے مالی اور وراثتی معاملات کو کھنگالنے کا کام لگایا تھا۔ ڈوگن کی پریکٹس کچھ اتنی زور شور سے نہیں چلتی تھی اور وہ بہت مصروف وکیل دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک پرانی سی عمارت میں اس کا دفتر تھا اور ایک پرانی سی کار میں وہ سفر کرتا تھا لیکن جہاں معاملہ مالی' وراثتی اور ٹرسٹ وغیرہ کی چھان بین یا ان کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کا ہوتا تھا تو بڑے بڑے کامیاب اور دولت مند نظر آنے والے وکیل ڈوگن کی مہارت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔

ڈوگن کو میں نے فون کیا تو اس نے مجھے بتایا "شیرون مجھے اپنے شوہر کی کئی موٹی موٹی فائلیں دے گئی تھی جن کے کاغذات ایک دوسرے میں گڈمڈ تھے۔ میں نے پہلے تو انہیں ایک اسسٹنٹ کے سپرد کیا کہ وہ انہیں الگ الگ اور ترتیب سے رکھ دے۔ پھر میں نے ان کا جائزہ لیا۔ اس کی وصیت موثر ہے اور اس پر عمل کرنا پڑے گا لیکن میں تمہیں افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہا ہوں کہ اس کی جو تھوڑی بہت جائداد ہے اس پر بھاری رقمیں واجب الادا ہیں۔ اس کے ذمے بہت سے بل واجب الادا ہیں۔ چنانچہ اس کی جائداد تو واجبات میں ہی برابر ہو جائے گی۔"

"کوئی اچھی خبر بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اسے سُن کر تم حیرت سے گر نہ پڑو۔ اس لیے پہلے سنبھل کر بیٹھ جاؤ" ڈوگن بولا۔

"میں آسانی سے نہیں گرتا ہوں" میں نے اسے مطلع کیا۔

"اس کی فائلوں میں مجھے ایک خط ملا ہے جسے اس نے نہایت غیر اہم کاغذات میں رکھا ہوا تھا۔ اس طرح اس نے گویا اسے چھپایا ہوا تھا۔ غالباً اس نے اپنی بیوی کو بھی اس کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ وہ خط اس کے دادا کے وکیل نے کافی عرصے پہلے اس کے نام لکھا تھا۔ اس میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ اس کے دادا

نے اس کے اور اس کی بہن کے نام پر چھوٹا سا ایک ٹرسٹ فنڈ قائم کیا تھا لیکن وہ موجودہ سال کے اختتام تک اس میں سے ایک ڈالر بھی نہیں لے سکتے تھے البتہ سال کے اختتام پر اس کی جو بھی مالیت ہوتی وہ دونوں میں آدھی آدھی تقسیم ہو جاتی۔ ایک کی موت کی صورت میں خود بہ خود دوسرا اس کا وارث ہو جاتا۔ جس وقت یہ ٹرسٹ قائم کیا گیا اور دادا کے وکیل نے اسے اطلاع دی اس وقت نیلسن بائیس سال کا تھا۔ اس عمر میں انسان عموماً بڑا احمق ہوتا ہے۔ میں نے وکیل بننے کا فیصلہ اسی عمر میں کیا تھا۔ میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ نیلسن نے اس وقت اس اطلاع پر کیا محسوس کیا ہوگا۔ ایک تو وہ رقم بہت کم تھی جس سے ٹرسٹ قائم کیا گیا تھا۔ مزید ستم یہ کہ نیلسن اس میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ شاید اس لیے بھی اس نے اسی وقت سے اس خط کو بیکار اور بے مصرف قرار دے کر ایک طرف رکھ دیا ہو۔ عین ممکن ہے وہ اسے بھولا ہوا ہو۔"

"موجودہ صورتِ حال کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے متعلقہ وکیل کو اس سلسلے میں فون کیا تھا" ڈوگن نے بتایا "یہ ٹرسٹ فنڈ جس منتظم کی نگرانی میں دیا گیا تھا وہ یا تو واقعی ان معاملات کا بہت بڑا ماہر ہے یا پھر وہ جواریوں والی فطرت رکھتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے لمبے داؤ کھیلتا ہے جو اتفاق سے صحیح پڑ جاتے ہیں۔ اس نے اس ٹرسٹ کا معمولی سا سرمایہ نہ جانے کون کون سی اسکیموں میں سرمایہ کاری کے لیے استعمال کیا کہ اس پر خوب منافع ہوتا رہا۔ اس وقت اس ٹرسٹ کی مالیت تقریباً ایک ملین ڈالر ہے۔ جس میں سے آدھا نیلسن کا بنتا تھا۔ یعنی پانچ لاکھ ڈالر۔ اس کی بیوہ کی حیثیت سے شیرون کو تو ایک لاکھ ڈالر بھی مل جاتے تو اس کے سارے مسائل حل ہو جاتے لیکن افسوس کہ وہ اپنے شوہر کی یہ ملکیت حاصل نہیں کر سکے گی۔"

"نیلسن کا حصہ بھی اس کی بہن کو چلا گیا ہوگا؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"نہیں۔ یہاں اس سے بھی بڑی ستم ظریفی ہوئی ہے" ڈوگن نے جواب دیا "نیلسن کو سنیچر کی صبح گولی ماری گئی ہے اور اس کی بہن پیر کی صبح کینسر کے باعث انتقال کر گئی۔ جونہی نیلسن مرا تھا' اس کی بہن پورے ٹرسٹ کی وارث ہو گئی تھی لیکن دو دن بعد پیر کو بہن کے مرتے ہی اس کا شوہر پورے ٹرسٹ کا مالک ہو گیا۔ اگر نیلسن کو تین دن بعد گولی لگتی تو آج شیرون اس پورے ٹرسٹ کی مالک ہوتی۔"

"زندگی اسی قسم کی ستم ظریفیوں کا نام ہے۔ اگر ہم "اگر مگر" پر غور کرتے رہیں تو زندگی نہ جانے کیا سے کیا نظر آئے۔ اگر نیلسن کی وہ بیپر کمپنی والی نوکری ہی نہ چھوٹتی تو پھر شاید اسے گولی ہی نہ لگتی اور وہ کسی اسپتال کے بستر پر طبعی موت مرتا۔ زیادہ امکان یہی ہوتا کہ کثرتِ شراب نوشی کے باعث اس کا جگر ناکارہ ہو جاتا۔ تم شیرون سے اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ اس وقت اس نے شراب نوشی چھوڑی ہوئی ہے۔ کہیں افسوس کے بارے وہ دوبارہ شروع نہ کر لے۔ اس مرتبہ میں اسے الزام بھی نہیں دے سکوں گا۔ تم مجھے نیلسن کی بہن کا نام اور پتا بتا دو۔"

"کیا رنڈوے ہونے والے بہنوئی کو مبارکباد کا پیغام بھجوانے کا ارادہ ہے؟" ڈوگن نے دریافت کیا۔

"ممکن ہے ایسا ہی کرنا پڑے۔ لگتا تو یہی ہے کہ اسے تعزیتی پیغام کی ضرورت نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔ اس نے مجھے نام و پتا لکھوا دیا۔

فلیانو نے مجھے جائے واردات کا نقشہ فراہم کر دیا تھا جس میں دکھایا گیا تھا کہ نیلسن کی کار کہاں کھڑی تھی' گولی لگنے کے بعد وہ کہاں اور کس طرح گرا تھا۔ مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ میں کیا تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن میں وہاں جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف آرلو تھا۔ وہی کمپیوٹر جینیئس جسے میں نے نیلسن کے بارے میں کچھ معلومات کے سارے مزید معلومات جمع کرنے کے کام پر لگایا تھا۔

"جونی' اس شخص کی ملازمت کب ختم ہوئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے.... چھ ماہ پہلے" میں نے جواب دیا۔

"اچھا...." اسے گویا اپنی کسی الجھن کا جواب مل گیا "تبھی اس کے پاس دو الگ الگ پتوں پر ایشو ہونے والے کریڈٹ کارڈز موجود تھے۔ اس کی وہ ملازمت کافی اچھی تھی۔ تنخواہ وغیرہ بھی اچھی تھی۔ اس قسم کی تنخواہ وغیرہ کے ساتھ انسان دو پتوں پر کریڈٹ کارڈ جاری کرانے کا متحمل ہو سکتا ہے۔"

"دو پتے....؟" میں نے قدرے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔ ایک پتے پر کارڈز نیلسن اور شیرون کے نام جاری ہوئے ہیں۔ دوسرے پتے پر صرف نیلسن کے نام" آرلو نے بتایا "پہلے میں یہی سمجھا کہ یہ ایک ہی نام کے دو مختلف آدمی ہیں۔ کریڈٹ کارڈ کمپنیاں اب بھی یہی سمجھ رہی ہوں گی۔ ان کمپنیوں کو اگر گاہے بہ گاہے اتنی رقم بھیجتے رہیں کہ وہ آپ کی طرف سے تشویش میں مبتلا نہ ہوں تو عام طور پر اس قسم کے حقائق سامنے آنے میں بہت وقت لگ جاتا ہے کیونکہ وہ صرف اس صورت میں زیادہ باریکیوں میں جاتی ہیں جب آپ کا ادائیگی کا کارڈ زیادہ ہی خراب ہو جائے۔ بہرحال میرے خیال میں بیوہ کے لیے کوئی اضافی پریشانی پیدا نہیں ہوگی۔ وہ صرف ان کارڈز کے سلسلے میں ادائیگی کی پابند ہے جو ان دونوں کے نام مشترکہ طور پر جاری ہوئے تھے۔ میں ابھی اس شخص کے بارے میں مزید چھان بین کر رہا ہوں لیکن جتنی چھان بین میں کر چکا ہوں اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کچھ ایسا شریف آدمی نہیں تھا۔"

"میں نے تو یہ اسی وقت محسوس کر لیا تھا جب میں نے اس کی

شادی کے موقع پر اس سے مصافحہ کیا تھا" میں نے کہا "بہرحال تم مجھے وہ دوسرا ایڈریس بتاؤ جس پر اس نے کریڈٹ کارڈ جاری کرائے ہوئے تھے۔ میں تمہیں اس کے بہنوئی کا ایڈریس بتاتا ہوں جو مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔ یہ موصوف حال ہی میں رنڈوے ہوئے ہیں۔ تم انہیں بھی اپنی معلومات کے اس چھوٹے سے ذخیرے میں شامل کرلو جو میں نے تمہیں فراہم کیا ہے۔ ان کے بارے میں..... یا پھر ان کے سہارے نیلسن ہی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

اسے نیلسن کے بہنوئی کا ایڈریس لکھوا کر میں نے فون بند کردیا۔ اب میرے سامنے تین ایڈریس تھے جن پر مجھے جانا تھا۔ ایک جائے واردات' دوسرا نیلسن کے بہنوئی کا ایڈریس اور تیسرا ایڈریس وہ تھا جو دراصل نیلسن کا دوسرا ایڈریس تھا۔ عام طور پر کوئی شخص اگر کسی مقصد کے لیے دوسرا ایڈریس استعمال کرتا ہے تو وہ اس کے کسی تعطیلاتی کیبن وغیرہ کا ہوتا ہے لیکن نیلسن کا دوسرا ایڈریس اس کے گھر سے بہ مشکل ڈھائی تین میل دور کا تھا۔ لہٰذا یہ کوئی تعطیلاتی اقامت گاہ وغیرہ تو نہیں ہوسکتی تھی۔

سب سے پہلے میں جائے واردات پر پہنچا۔ یہ ایسا ہی شاپنگ ایریا تھا جیسے ملک میں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ پارکنگ لاٹ کے گرد سبزے کی باڑھ تھی۔ اصل عمارت کو بڑی بڑی لائٹس سے منور رکھنے کا انتظام تھا لیکن گردوپیش کی ساری کھلی جگہ پر ہر وقت روشنی نہیں رہتی تھی۔ یہاں اکثر دکانیں ساری رات کھلتی تھیں اس لیے ڈاکے وغیرہ بھی پڑتے ہی رہتے تھے لیکن کافی طویل عرصے میں قتل پہلی بار ہوا تھا۔

وقوعے کے روز جس جگہ نیلسن کی گاڑی کھڑی تھی' اس وقت نہ صرف وہ جگہ بلکہ اس کے دائیں بائیں بھی دو گاڑیوں کی جگہ خالی تھی۔ اس دوران میں بارش بھی ہوچکی تھی۔ بارش نے پارکنگ لاٹ کے پختہ فرش کو اچھی طرح دھودیا تھا۔ اس کے باوجود میں فرش کا بغور جائزہ لیے جارہا تھا۔ معلوم نہیں میں وہاں کیا پانے کی توقع کررہا تھا۔

یونہی جائزہ لیتے ہوئے میری نظر اس گٹر پر پڑی جس کے ذریعے بارش کے پانی کا نکاس ہوتا تھا۔ اس پر سلاخوں والا ڈھکنا لگا تھا جس سے نہ صرف اندر دیکھا جاسکتا تھا بلکہ ہاتھ بھی ڈالا جاسکتا تھا۔ اس گٹر میں دوسری اطراف سے بھی پائپ آکر مل رہے تھے اور اس وقت بھی پانی قدرے گہرائی میں چکرا رہا تھا۔ اس چھوٹے سے بھنور کے کنارے چاکلیٹ کے ایک ریپر کے ساتھ کوئی ننھی سی چیز جھلملا رہی تھی اور پانی کی چھینٹ چھاڑ کے ساتھ دھیرے دھیرے ہل رہی تھی۔ چاکلیٹ کا کاغذ اور وہ چیز کچھ اس طرح سیمنٹ کے حوض میں اٹک گئی تھی کہ پانی کا ریلا انہیں اپنے ساتھ بہا کر نہیں لے جاسکا تھا۔

میں نے سلاخوں کے درمیان ہاتھ ڈال کر اسے نکال لیا۔ وہ کسی عورت کے کان کا سونے کا رنگ تھا جس میں نیچے کی طرف چھوٹا سا ایک نیلم لگا ہوا تھا اور یہ رنگ اسکریو والا تھا یعنی ایسے کان کے لیے تھا جو چھدوایا نہ گیا ہو۔

میں وہ رنگ لے کر اسی جنرل اسٹور میں پہنچا جس میں نیلسن کام کرتا تھا۔ اس وقت وہاں کاؤنٹر پر ایک عورت موجود تھی جس کے بالوں میں سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ میں نے وہ رنگ اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ اس کا جائزہ لینے کے بعد سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے بولی "میں تم جیسے مردوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ ایک بندا کسی عورت کے سامنے لے جاکر رکھ دیتے ہیں۔ پھر کوشش کرتے ہیں کہ وہ جوڑی مکمل کرنے کے لیے کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔"

میں نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا "میں اس وقت اس چکر میں نہیں ہوں۔ یہ رنگ شاید تمہارے کسی گاہک کا ہو۔ شاید وہ اسے ڈھونڈتی ہوئی واپس آئے اور تم سے بھی اس کے بارے میں کچھ پوچھ لے۔"

"تم صرف عورت کی بات کیوں کررہے ہو" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی "آج کل کے زمانے میں یہ کسی مرد کا بھی ہوسکتا ہے۔ میں اسے چند دن کے لیے رکھ لیتی ہوں۔ اگر اس دوران میں اس کا کوئی دعوے دار نہ آیا تو یہ تمہارا ہوگا۔ آکر واپس لے جانا۔"

"میں اس کا کیا کروں گا۔ میری نظر میں اس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ مجھے ایسا امکان نظر نہیں آتا کہ آنے والے دنوں میں میری ملاقات ایک کان والے کسی مرد یا عورت سے ہوسکے گی اور ایک بندا تو ایک کان والے کو ہی دیا جاسکتا ہے۔"

"اس دنیا میں کچھ بھی بعید نہیں ہے" عورت خوش مزاجی سے بولی "کیا پتا ایک کان والی کسی عورت سے تمہاری ملاقات ہو ہی جائے..... لیکن ایک بات طے ہے کہ اگر وہ سنہرے بالوں والی ہوئی تب تمہارا یہ رنگ وہ قبول کرے گی۔ سیاہ بالوں والی عورتیں عموماً نیلے یا کسی اور گہرے رنگ کے پتھر والا زیور پسند نہیں کرتیں۔ میں نے تمہیں باہر ادھر ادھر کچھ تلاش کرتے دیکھا تھا۔ کیا تم پولیس والے ہو؟ پولیس والے تو کہہ رہے تھے کہ انہوں نے یہاں اپنا کام ختم کرلیا ہے۔"

"میں پولیس والا نہیں ہوں۔ میں ملزم کے وکیل صفائی کے لیے کام کررہا ہوں" میں نے جواب دیا "تم غالباً دن کی شفٹ کی منیجر ہو جس کی ڈیوٹی نیلسن کے فوراً بعد شروع ہوتی تھی؟"

"مسز بائرن" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا "میں ٹھیک صبح چھ بجے یہاں پہنچ جاتی تھی۔ اگر میں ایک منٹ بھی لیٹ ہوجاتی تھی تو نیلسن بہت ناراض ہوتا تھا۔"

"اسے ابھی شراب چھوڑے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور وہ بغیر شراب کے رات کی ڈیوٹی دیتا تھا۔ اس کا چڑچڑا پن قابلِ معافی تھا" میں نے کہا "کاش مجھے تم سے کوئی ایسی نئی حیرت انگیز شہادت

مل سکتی جس سے ہمارے مؤکل کو بری کرانے میں مدد مل سکتی۔"

"مجھے تو کوئی ایسی بات بھی معلوم نہیں جو میں شام کے اخباروں کو بتا کر کچھ رقم کما سکتی... مثلاً یہ کہ قاتل کے، دو سر اور تین کان تھے یا چشم دید گواہ کا بیان۔ مجھے تو بے چارے نیلسن پر ترس آتا تھا۔ اسے جو تنخواہ مل رہی تھی میں تو اس سے دگنی تنخواہ پر بھی یہاں رات کی ڈیوٹی نہیں دے سکتی تھی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح گاڑی دھکیل رہا تھا بلکہ کبھی کبھی اچھے موڈ میں ہوتا تھا تو میری طرف دیکھ کر آنکھ مارتے ہوئے کہتا تھا کہ اس کے لیے یہ ڈیوٹی زیادہ اچھی تھی کیونکہ دن میں جب اس کی بیوی کام پر ہوتی تھی تو اسے اِدھر اُدھر پھیرے اڑانے کا موقع مل جاتا تھا۔ ظاہر ہے وہ مذاق میں یہ بات کہتا تھا۔"

"تم لوگوں نے جائے واردات سے صرف کار کو تیزی سے جاتے دیکھا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم نے تو اس کی بھی بس آواز ہی سنی تھی" مسز بائرن بولی "پولیس کو تھوڑی بہت معلومات بھی دوسرے لوگوں سے حاصل ہوئی ہیں۔ ہم تو جب باہر پہنچے تو گاڑی الٹے ہاتھ کی طرف مڑ چکی تھی اور اسٹریٹ لائٹ سے بھی دور جا چکی تھی جس کی وجہ سے اس کا رنگ وغیرہ بھی صحیح طرح دکھائی نہیں دیا۔"

"حیرت کی بات ہے کہ گاڑی الٹے ہاتھ کی طرف مڑی تھی حالانکہ ملزم لڑکا جہاں رہتا ہے وہاں جانے کے لیے اسے سیدھے ہاتھ کی طرف مڑنا چاہیے تھا۔" میں نے کہا۔

مسز بائرن نے استہزائیہ سی نظروں سے میری طرف دیکھا "یہ کون سا ایسا مسئلہ تھا۔ اس بلاک کا چکر کاٹ کر وہ واپس دوسری سمت میں روانہ ہو سکتا تھا۔ اگر اس قسم کے نکتوں کے ذریعے اپنے کلائنٹ کو بچانے کی کوشش کرو گے تو اس کے حال پر اللہ ہی رحم کرے گا۔ مجھے تو وہ بجلی کی کرسی پر پہنچتا نظر آرہا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہارا کچھ خریدنے کا ارادہ بھی ہے یا یونہی وقت ضائع کرتے رہو گے؟"

"میں ایک خوبصورت خاتون سے باتیں کرنے کو وقت ضائع کرنے کے مترادف ہرگز نہیں سمجھتا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے... تم اسی طرح کی باتیں کرتے رہو۔ شاید میں متاثر ہو ہی جاؤں اور تم سے اس رِنگ کے ساتھ کا دوسرا رنگ حاصل کرنے کے لیے تمہیں شوق کے کچھ مراحل طے کرنے کا موقع دے ہی دوں" وہ بھی جواباً مسکرائی۔

میں نے بات چیت کو مزید طول دینے کے بجائے ہاتھ ہلا کر اسے خدا حافظ کہا اور وہاں سے آنجہانی نیلسن کی آنجہانی بیوی کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے شوہر کا نام گیٹس تھا۔ اس کے ایڈریس پر پہنچ کر میں نے دیکھا وہ درختوں میں گھرا ہوا ایک خوبصورت اور کافی بڑا مکان تھا۔ اس کا مطلب تھا گیٹس مالی طور پر کچھ ایسا گیا گزرا آدمی نہیں تھا۔ میری کال بیل کے جواب میں ایک نیم گنجے اور قدرے بھاری جسم کے سنجیدہ صورت شخص نے دروازہ کھولا۔ اس قسم کی شخصیت کے لوگ عموماً بڑی کمپنیوں وغیرہ میں ایگزیکٹو افسران کی میزوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔

"مسٹر گیٹس! سب سے پہلے میں آپ سے اظہارِ تعزیت کرنا چاہوں گا" میں نے کہا۔

"کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔ لیکن آپ کے سالے کی بیوی مجھے جانتی ہے" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر جا کر اسی سے اظہارِ تعزیت کرو۔ اسے مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے" وہ رکھائی سے بولا۔

وہ غم سے بد حال ہرگز دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا غلط بات تھی۔ بیویوں کی موت پر جو لوگ سینہ کوبی کرتے نظر آتے ہیں اور جن کی آنکھ میں ذرا سی نمی بھی نظر نہیں آتی، ان دونوں ہی کے بارے میں امکان موجود ہوتا ہے کہ چھ ماہ بعد وہ دوسری شادی کر لیں گے۔ دونوں ہی کے بارے میں یہ امکان بھی موجود ہوتا ہے کہ شاید وہ اس غم کو کبھی نہ بھول پائیں اور زندگی بھر کے لیے ان کی شخصیت بکھر کر رہ جائے۔ دکھ ایک بہت ہی نجی سا جذبہ ہے اور کس پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں، اس سلسلے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں معلوم ہے کہ نیلسن کے ساتھ کیا ہوا" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ خبر اخباروں میں خاصی نمایاں سُرخیوں کے ساتھ چھپی تھی اس لیے میری نظر سے اوجھل نہیں رہ سکی۔ بلاشبہ یہ ایک المناک واقعہ تھا لیکن ظاہر ہے میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہاں خود اپنی پریشانیوں میں گرفتار تھا۔ بہر حال... تم بتاؤ... درحقیقت تم کس لیے آئے ہو؟"

"میں ملزم کے وکیلِ صفائی کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

"اس کے باوجود تم نیلسن کی بیوہ کے بھی دوست ہو؟" اس نے قدرے حیرت سے تصدیق چاہی۔

"نیلسن کی بیوہ سے میری دوستی اور واقفیت اپنی جگہ ہے لیکن ملزم کو بہر حال اچھے سے اچھے وکیلِ صفائی کی خدمات حاصل کرنے کا حق حاصل ہے" میں نے جواب دیا۔ "اگر تم بُرا نہ مناؤ تو میں تم سے صرف دو سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں ضرور بُرا مناؤں گا" اس نے سوالات سننے سے پہلے ہی کہا اور دروازہ بند کرنے لگا۔

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے... تمہاری مرضی۔ ہم مقدمے کی سماعت کے دوران میں جب چاہیں گے تمہیں سمن بھیج کر بُلوا لیں گے۔"

وہ دروازہ بند کرتے کرتے رک گیا اور جارحانہ لہجے میں بولا

"کس سلسلے میں؟"

"کئی باتیں پوچھنے کے سلسلے میں" میں نے جواب دیا "خاص طور پر پانچ لاکھ کا ٹرسٹ فنڈ تمہارے نام منتقل ہونے اور نیلسن کے تمہاری بیوی کے انتقال سے ٹھیک دو دن پہلے قتل ہوجانے کے بارے میں.... اس کے علاوہ تم سے یہ بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ نیلسن کے قتل کے وقت تم کہاں تھے۔"

"ٹھیک ہے.... تم مجھے سمن بھیج کر ہی بُلوانا" اس نے خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند ہوگیا۔ میں نے جن تین جگہوں پر جانے کے بارے میں سوچا تھا ان میں سے دو جگہوں پر میں حاضری دے چکا تھا لیکن میری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اب میں نے تیسری جگہ کا رخ کیا یہ نیلسن کا دوسرا ایڈریس تھا۔

یہ ایڈریس ایک بلڈنگ کے سیکنڈ فلور کے اپارٹمنٹ کا تھا جو اس بلاک کے پچھلی طرف واقع تھا۔ میں نے پہلے لابی میں دیکھا۔ اس اپارٹمنٹ کے نمبر کے نیچے ویلکن اور کریمر کے نام کا کارڈ لگا ہوا تھا۔ یہ پورے نام نہیں تھے۔ یہ مردوں کے بھی ہوسکتے تھے اور لڑکیوں کے بھی۔ میں سوچ رہا تھا نیلسن محض دوسرے ایڈریس پر کریڈٹ کارڈ حاصل کرنے کے لیے تو اس اچھی خاصی معقول بلڈنگ میں ایک مہنگا قسم کا اپارٹمنٹ تو کرائے پر نہیں لے سکتا تھا۔ ممکن تھا اس نے ویلکن اور کریمر سے ان کا ایڈریس استعمال کرنے کی اجازت لے رکھی ہو۔ یہ بھی بعید از امکان نہیں تھا کہ اس نے مسز بائرن سے دن میں گلچھرے اڑانے والی جو بات کہی تھی وہ سچ ہی رہی ہو۔

میں نے مطلوبہ اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچ کر کال بیل بجائی اور چند لمحے بعد محسوس کیا کہ دروازے کی خفیہ آنکھ سے میرا جائزہ لیا جارہا تھا۔ میں نے حتی الامکان خوبصورت مسکراہٹ ہونٹوں پر سجانے کی کوشش کی جو درحقیقت کچھ ایسی خوبصورت نہیں تھی۔

"کیا بات ہے؟" ایک نسوانی آواز نے پوچھا۔ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے آواز صاف اور واضح سنائی نہیں دی تھی۔

"میرا نام جونی بونر ہے۔ میں نیلسن کا دوست ہوں" میں نے کہا۔

"نیلسن نے کبھی کسی جونی بونر کا ذکر نہیں کیا" وہ بولی۔

"لیکن اس نے مجھ سے تمہارا ذکر کیا تھا ورنہ میں یہاں کیسے پہنچتا؟"

لڑکی نے دروازہ کھول دیا لیکن مجھے اندر آنے کے لیے نہیں کہا۔ اس کی عمر پچیس سال سے کچھ کم ہی ہوگی۔ اس کے سنہرے گھنگریالے بال کندھوں پر جھکے ہوئے تھے۔ وہ چست قمیص اور جینز میں تھی۔ اس کے نشیب و فراز کی دلکشی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ وہ جیولری بھی پہنے ہوئے تھی۔ کانوں میں بُندے تھے جن میں گہرے سرخ رنگ کے نگینے تھے جو یاقوت بھی ہوسکتے تھے۔ مسز بائرن کی تھیوری ٹھیک ہی معلوم ہوتی تھی کہ سنہرے بالوں والی عورتیں گہرے رنگوں کے نگینے پسند کرتی تھیں۔

گلے میں بُندوں سے میچ کرتا ہوا لاکٹ اور ہاتھوں میں کنگن تھے۔ اس کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تھے اور آنکھیں قدرے متورم سی دکھائی دے رہی تھیں جیسے وہ کافی دیر تک روتی رہی ہو۔ یہ غم کی وہ علامت تھی جو مجھے گیٹس میں نظر نہیں آئی تھی۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" اس نے اکھڑے اکھڑے سے لہجے میں پوچھا۔

"میں نے جھوٹ بولا تھا" میں نے نہایت سادگی سے اعتراف کیا "میں دراصل نیلسن کا دوست نہیں بلکہ پرائیویٹ سراغرساں ہوں اور اس ملزم کے وکیلِ صفائی کے لیے کام کررہا ہوں جس کے بارے میں پولیس کا دعویٰ ہے کہ اس نے نیلسن کو قتل کیا تھا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ میں اس کی مدد کے سلسلے میں کچھ کروں گی؟" وہ برہمی سے بولی "دفع ہوجاؤ یہاں سے۔"

"فرض کرو وہ مجرم نہیں ہے" میں نے کہا۔

"تو پھر کون ہوسکتا ہے؟"

"یوں تو تمہیں بھی مجرم فرض کیا جاسکتا ہے" میں نے کہا۔

اس نے غصے سے سر کو جھٹکا دیا۔ اس کے زیورات اور گھنگریالے بال ایک ساتھ لہرا اٹھے "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ میں اسے کیسے قتل کرسکتی تھی؟ مجھے تو اس سے محبت تھی۔"

"یقیناً ہوگی" میں نے تسلیم کیا "محبت تھی تبھی تو تم ایک شادی شدہ مرد کے ساتھ دوسرا گھر بسائے بیٹھی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ دفتری رومان کے طور پر شروع ہوا ہوگا۔ تم بھی اسی پیپر کمپنی میں کام کرتی تھیں جس میں پہلے وہ کام کرتا تھا۔ اس وقت وہ اتنا کما رہا تھا کہ تمہیں آرام و آسائش سے رکھ سکتا تھا۔ مجھے یقین ہے اس نے تم سے یہ وعدہ بھی کررکھا ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا اور تم سے شادی کرلے گا لیکن پھر تم دونوں کی نوکری ختم ہوگئی اور اخراجات پورے کرنا بہت بڑا مسئلہ بن گیا۔ وہ اب بھی تمہارے پاس آرہا تھا لیکن تمہیں معلوم تھا کہ قطع تعلق اب کسی بھی لمحے کی بات تھی اور بیوی کو طلاق دینے والی بات بھی خواب و خیال ہوچکی تھی۔ تمہیں یقین ہوچکا تھا کہ وہ اب کسی بھی دن تمہیں خدا حافظ کہہ جائے گا۔ عین ممکن ہے اس نے گزشتہ جمعے کو خدا حافظ کہہ بھی دیا ہو چنانچہ ہفتے کی صبح تم نے اسے گولی مار دی۔ کیا میری یہ تھیوری غلط ہے؟"

"تم.... تم کوئی بہت مکار.... شیطان اور سفاک قسم کے آدمی ہو۔"

"درحقیقت میں بہت سچا، حساس اور جذباتی آدمی ہوں" میں نے کہا۔

"فوراً یہاں سے دفع ہوجاؤ ورنہ میں پولیس کو بُلالوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے یہ ثابت کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے کہ یہ قتل تم نے ہی کیا ہے لیکن میں تمہاری پوزیشن تم پر واضح کردینا چاہتا ہوں۔ اگر تمہارے پاس جائے واردات سے اپنی عدم موجودگی کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے تو لارسن کا وکیل تمہیں گواہوں کے کٹہرے میں بُلوا سکتا ہے اور یہ ساری صورت حال جیوری کے سامنے رکھ کر فیصلہ ان پر چھوڑ سکتا ہے کہ تمہارے قاتل ہونے کے امکانات زیادہ ہیں یا غصے میں بھرے ہوئے ایک شرابی لڑکے کے۔"

"تم دفع ہو جاؤ" وہ میری اس دھمکی سے بھی متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"تم شاید کبھی نہ جان سکو کہ تم سے مل کر مجھے کتنی خوشی ہوئی" میں نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

اس وقت بھی بارش ہو رہی تھی۔ وہاں سے میں ڈوگن کے آفس پہنچا۔ وہ آفس میں نہیں تھا لیکن اس کے معاون نے میری فرمائش پر نیلسن کی فائلوں میں سے مجھے اس کے کریڈٹ کارڈز کے اخراجات کا کچھ ریکارڈ نکال دیا۔ وہیں سے میں نے آرلو کو فون کیا اور دریافت کیا کہ گیٹس کے مالی معاملات کے بارے میں کچھ پتا چلا یا نہیں۔

"جہاں تک مختلف اداروں کا مقروض ہونے کا سوال ہے.... تو تمہارا یہ گیٹس تو نیلسن کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے" آرلو نے بتایا پھر پوچھا "کیا تم یہی معلوم کرنا چاہتے تھے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر گیٹس ہفتے کی صبح اپنی قریب المرگ بیوی کا ہاتھ تھامے اس کے سرہانے نہیں بیٹھا تھا تو پھر فلپائنو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کے مالی معاملات کے بارے میں یہ نکتہ عدالت کے سامنے اٹھا سکتا ہے اور اس کا کوئی کار آمد نتیجہ بھی سامنے آسکتا ہے۔"

"اب اگر تم میری جان چھوڑ دو تو میں کچھ وقت ان کلائنٹس کے کام میں بھی صرف کرلوں جو مجھے معاوضہ دیتے ہیں" آرلو بولا۔

"بس یہ خیال رکھنا کہ جو کچھ تم اپنے کمپیوٹر کے ذریعے کرتے ہو وہ تمہیں جیل میں نہ پہنچوادے۔ دنیا کو ابھی تمہاری ضرورت ہے" میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

بارش اب بوندا باندی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ میں شیرون سے ملنے کے لیے اس کے ہاں پہنچا۔ نیلسن نے جو مکان خریدا ہوا تھا وہ اس کے خوشحالی کے دنوں کے وسائل سے بھی بڑھ کر تھا اور ان میاں بیوی کی ضرورت سے بھی زیادہ نظر آرہا تھا۔ میں نے گاڑی مکان کے عقب میں لے جاکر روکی تھی۔ پولیس نے نیلسن کی کار کو تفتیش سے فارغ کردیا تھا۔ سرخ رنگ کی وہ کار گیرج میں کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے شیرون کی سیاہ کار کھڑی دکھائی دے رہی تھی جس پر بارش کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے مجھے آتے دیکھ لیا۔ ابھی میں عقبی برآمدے کے راستے پر ہی تھا کہ وہ کچن کا

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے

روشنی کے مینار

قیمت ۱۲۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ

عظمت کے مینار

قیمت ۱۲۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔

ایمان کا سفر

قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔

کچرا گھر

قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو باکیزگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں

آدھا چہرہ

قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۰ روپے

جرائم، جادو، شیطان ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں

کالی کہانیاں

قیمت ۳۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

مشہور چور نک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چراتا ہے۔

نک ویلوٹ کی چوریاں

قیمت جلد اول بہ جلد دوم ۴۰۰ روپے

ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس ۲۲ سیدھنس ٹیلیفونز ایکسچینج آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۱

دروازہ کھول کر بولی "اگر تم میرے بارے میں تحقیقات کرنے آئے ہو تو میں پہلے ہی بتادوں کہ میرا ملازمت کا پہلا دن بہت کامیاب گزرا ہے۔ اندر آجاؤ۔ میں نے ابھی ابھی کافی بنائی ہے۔"

باہر کی ہوا مرطوب تھی اور فضا میں حبس تھا۔ ائرکنڈیشنڈ کچن میں پہنچ کر خنکی کا احساس ہوا۔ اس نے میرے لیے کافی انڈیلی۔ چند لمحے بعد جب ہم کافی کی چسکیاں لے رہے تھے تو اس نے پوچھا "کچھ معلوم ہوا؟"

"میرے پیشے میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے اور کچھ معلوم ہونے سے رہ جاتا ہے" میں نے جواب دیا "بہرحال میں اپنی بھاگ دوڑ کے دوران میں ایک بات حیرت سے سوچتا رہا.... اور وہ یہ کہ آخر تم نے کیوں مجھے اس معاملے کو کھنگالنے کے لیے کہا؟"

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے...."

"جیسے ایک بے گناہ شخص پر قتل کا الزام عائد کیا گیا ہے" میں نے اس کا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم میں غیبی معاملات کو دیکھنے اور جاننے کی روحانی طاقت پیدا ہو گئی ہے۔ ویسے بھی تم جتنے مسائل میں گھری ہوئی تھیں ان میں تمہیں لارسن کی بے گناہی کی فکر ستا رہی تھی' یہ بڑی عجیب بات تھی۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب میں اس کی اصل وجہ سمجھ سکتا ہوں" مجھے کافی کچھ تلخ محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے دن بھر میں کچھ کھایا نہیں تھا۔

"اصل وجہ....؟" اس نے قدرے حیرت سے دہرایا۔

"تم نے غالباً کچھ عرصے کے لیے شراب نوشی چھوڑ کر دوبارہ شروع کی تھی۔ اس لیے تمہارے اعصاب کچھ زیادہ ہی منتشر تھے۔ ایسے میں تمہیں اس دوسری عورت کے بارے میں معلوم ہوا ہو گا تو تم پر قیامت سی گزر گئی ہو گی۔ تمہارے اعصاب اس قسم کا صدمہ برداشت کرنے کے قابل ہرگز نہیں ہوں گے" میں نے خیال ظاہر کیا۔

اس نے میری بات کی تردید نہیں کی اور سر جھکا لیا۔ چند لمحے وہ اس طرح کافی کے مگ میں جھانکتی رہی جیسے اس میں اپنی قسمت کا حال دیکھ رہی ہو۔ پھر سر اٹھائے بغیر نہایت دھیمی آواز میں بولی "کریڈٹ کارڈز کے جو بل نیلسن کو موصول ہوتے تھے میں کبھی انہیں توجہ سے نہیں دیکھتی تھی لیکن ایک بار میری ایک ایسی دکان کے بل پر نظر پڑی جو عورتوں کی ضرورت کی چیزوں کے لیے مخصوص تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے اس دکان سے کبھی کچھ نہیں خریدا تھا۔ میری بے وقوفی دیکھو' میں پھر بھی یہی سمجھی کہ شاید ہماری لاعلمی میں کسی نے ہمارا کریڈٹ کارڈ استعمال کر لیا ہے۔ یہی سمجھ کر میں نے اس معاملے میں چھان بین کی کوشش کی تب مجھے اس لڑکی کے بارے میں پتا چلا۔ واقعی وفا شعار بیویاں اپنے شوہر کی بے وفائی کے بارے میں سب سے آخر میں آگاہ ہوتی ہیں۔"

"شاید نیلسن نے یہی سوچ کر کریڈٹ کارڈ استعمال کیا ہو گا کہ دوسرے ایڈریس والا ہے... یا پھر شاید اس نے اس بات کی پروا ہی نہ کی ہو کہ وہ کس مقصد کے لیے کون سا کارڈ استعمال کر رہا ہے۔"

"کاغذی اور تحریری ثبوت آدمی کو ہمیشہ پھنسوا دیتے ہیں" میں نے کہا "اسی لیے منجھے ہوئے اور پیشہ ور مجرم ہمیشہ نقد لین دین کرتے ہیں۔"

"تم تصور کرنے کی کوشش کرو کہ میں نے کیا محسوس کیا ہو گا" وہ بولی "مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ اس کے کسی اور عورت سے تعلقات تھے۔ اس معاملے کو ہمارے حالات کے تناظر میں دیکھو۔ میں اِدھر اس کی لگائی ہوئی عادت یعنی شراب نوشی چھوڑنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اسے قرقی اور نیلامی سے بچانے کے لیے ایک مشکل نوکری کر رہی تھی اور گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹانے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔ ایک ایک ڈالر ہمارے لئے قیمتی تھا اور ایسے میں وہ کسی چنچل حسینہ پر رقم خرچ کر رہا تھا۔ اس کی آسائشوں اور عیاشیوں کے اخراجات برداشت کر رہا تھا۔"

آخری الفاظ پر پہنچ کر اس کی آواز پھٹ سی گئی تھی۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ مجموعی طور پر وہ اس لڑکی پر کتنا کچھ خرچ کر چکا تھا تو شاید وہ اب بھی اس کی لاش قبر سے نکلوا کر اس کے ٹکڑے کرنے پر تل جاتی۔

"اس نے تم سے کبھی کسی ٹرسٹ فنڈ کا ذکر کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ٹرسٹ فنڈ....؟" اس کے لہجے سے حقیقی حیرت عیاں تھی۔

میں نے اسے ٹرسٹ فنڈ کے بارے میں سب کچھ بتایا جو بڑی مشکل سے اس کی سمجھ میں آیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ کس طرح چند دن بعد نیلسن ایک بڑی رقم کا مالک بننے والا تھا لیکن وہ رقم دو دن کے لیے اس کی بہن کو.... اور پھر دگنی ہو کر بہنوئی کو منتقل ہو گئی تھی تو اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ چند لمحے وہ اسی عالم میں بیٹھی رہی پھر یکدم اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور غضبناک لہجے میں بولی "اب تم یہ سب کچھ مجھے کس لیے بتا رہے ہو؟ میری بدقسمتی سے لطف اندوز ہونے کے لیے؟ کیا تم اتنے ہی کمینے آدمی ہو؟ میں نے تو تم سے صرف اتنا کہا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

وہ بیٹھ گئی لیکن غصے سے اس کے جسم پر لرزہ سا طاری تھا "تم کیا سمجھتی تھیں کہ کوئی چیز اگر میرے علم میں آئی تو میں اسے مخفی رکھوں گا؟"

"نہیں" وہ برہمی سے بولی "تمہارے بارے میں مشہور ہے کہ اگر تمہیں یقین ہو جائے کسی معاملے میں تمہاری ماں مجرم تھی تو تم اسے بھی پولیس کے حوالے کر دو گے۔"

"تو پھر تم نے کیوں اس معاملے کی چھان بین کرنے کے لیے

مجھ سے کہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

وہ ایک لمحے خاموش رہی پھر گہری سانس لے کر نسبتاً پُرسکون لہجے میں بولی "مجھے نہیں معلوم۔ شاید میں توقع کر رہی تھی کہ تم صرف اس بے گناہ لڑکے کو شک کا فائدہ دلوانے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور بات بس یہیں تک رہے گی۔"

پھر اس کے لہجے میں کہیں ایک خفیف سی اُمید جھلک آئی "اس ٹرسٹ فنڈ والی خبر سے دل میں پچھتاوے کا ایک خنجر تو پیوست ہو گیا ہے لیکن کیا اس سے نیلسن کے بہنوئی کی طرف کچھ شبہات منتقل نہیں ہوتے؟"

"یقیناً ہوتے ہیں۔ خصوصاً اس لیے کہ بیوی کی بیماری نے مالی طور پر اس کی کمر توڑ دی تھی" میں نے تائید کی "لیکن میری خدمات حاصل کرتے وقت تمہارے ذہن میں یہ نہیں تھا۔"

"تو پھر میرے ذہن میں کیا تھا؟" اس نے جارحانہ.... لہجے میں سوال کیا۔

"تم نیلسن کی داشتہ کو اس قتل کے الزام میں پھنسوانا چاہتی تھیں۔ اس لیے تم نے بُندوں کی ایک جوڑی خریدی تھی اور ان میں سے ایک جائے واردات کے قریب اس وقت گرا دیا تھا جب تم نے نیلسن کو گولی ماری۔ تم اس لڑکی کا پتا چلا چکی تھیں اور دیکھ چکی تھیں کہ وہ جیولری کی شوقین ہے" میں نے اپنی جیب سے کانوں کے رنگ کی ساخت کا وہ بُندا نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا جو میں نے مسز بائرن سے نہ صرف واپس لے لیا تھا بلکہ اس کے بارے میں تحقیق بھی کر لی تھی کہ وہ کب' کہاں سے اور کس نے خریدا تھا۔ اس وقت بُندا پلاسٹک کی ایک شفاف تھیلی میں تھا اور اس کے ساتھ ایک کاغذ منسلک تھا جس پر کچھ ضروری تفصیلات درج تھیں۔

"تمہیں کوئی ایسی چیز خریدنی چاہیے تھی جو اس لڑکی کے اسٹائل سے میل کھاتی.... وہ اتنے معمولی سے بُندے پہننے والی معلوم نہیں ہوتی.... لیکن شاید اس سے زیادہ مہنگی چیز خریدنے کی تم متحمل نہیں ہو سکتی تھیں" میں نے کہا "بہرحال تمہارا خیال تھا کہ پولیس کو جائے واردات پر یہ بُندا ملے گا اور باریک بینی سے تفتیش کے بعد جب وہ نیلسن کی داشتہ کا پتا چلا لیں گے تو قتل کے الزام کا پھندا اس کی گردن میں فٹ ہو جائے گا لیکن تمہاری بدقسمتی تھی کہ یہ بُندا انہیں نہیں مل سکا۔ غالباً کسی کی ٹھوکر لگ کر کہیں جا اٹکا۔ اس کے علاوہ لارسن ان کے ہتھے چڑھ گیا جس کے خلاف واقعاتی شہادتیں موجود تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے باریک بینی سے تفتیش بالکل ہی ضروری نہیں سمجھی۔ یوں تمہارا منصوبہ بالکل الٹ پلٹ ہو گیا۔"

وہ خاموش رہی تو میں نے سلسلۂ کلام جوڑا "رقابت سے مغلوب ہو کر تم نے اس لڑکی کو قتل کے الزام میں پھنسوانا تو گوارا کر لیا تھا لیکن اب ایک بالکل ہی بے گناہ لڑکے کو موت کے منہ میں جاتے دیکھ کر شاید تمہارے ضمیر کی خلش نے تمہیں بے چین کیا۔ تم نے ایک متبادل نسخہ سوچا اور میری خدمات حاصل کیں۔ تمہیں اُمید تھی کہ میں اس لڑکی تک جا پہنچوں گا اور ملزم لڑکے کو کم از کم شک کا فائدہ تو مل جائے گا اور شبہات لڑکی کی طرف کسی نہ کسی حد تک تو منتقل ہوں گے جو تمہارا اصل مقصد تھا لیکن تم نے سوچا بھی نہیں ہو گا کہ بُندا اب مجھے مل جائے گا اور میں اس سے تمہارا تعلق بھی دریافت کر لوں گا۔"

میں اپنے آپ کو بہت ذہین' بہت باصلاحیت تو شمار نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ میرے ذہن میں بعض اوقات بڑے عجیب عجیب شبہات جنم لیتے ہیں اور میں ان کی تصدیق یا تردید کے لیے بہت تردد کرتا ہوں۔ بس میری اسی عادت نے مجھے ان نتائج تک پہنچایا تھا اور حقیقت کا اندازہ ہونے کے بعد جو کچھ میرے دل پر گزری تھی۔ اس کا صرف مجھے ہی پتا تھا۔

میں نے بُندا اٹھا کر واپس اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے کہ یہ حقیقت میرے ذریعے بے نقاب ہوئی۔ مجھے یہ ناگوار فریضہ انجام دے کر خوشی نہیں ہوئی لیکن یہ کام تم نے ہی میرے سپرد کیا تھا۔ بہرحال.... عین ممکن ہے شک کا فائدہ تمہیں بھی مل سکے تاہم سرِدست تمہیں جہاں بھیجا جائے گا وہاں تمہیں پینے پلانے کی اجازت نہیں ہو گی۔"

میں باہر آ گیا جہاں ڈسٹرکٹ اٹارنی کا نمائندہ ایک دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہماری ساری باتیں سن رہا تھا۔ میں نے بُندا اس کے سپرد کر دیا اور تھکے تھکے قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف چل دیا۔ ایک ایسی عورت کے بارے میں ایسی صورتِ حال میں دیانتداری سے کوئی فیصلہ کرنا واقعی بہت بڑی اور تھکا دینے والی آزمائش تھی جس سے آپ کسی نہ کسی حد تک دل ہی دل میں محبت کرتے رہے ہوں!

شاید شراب نے اس کے حواس کو دھندلا دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے رخصت ہوتے ہی اس نے ایک بار پھر بوتل نکال لی ہو گی لیکن مجھے یہ بھی یقین تھا کہ آنے والے دنوں میں جب بھی چند لمحوں کے لیے اس کا ذہن صاف ہوا اور وہ صحیح طور پر کچھ سوچنے کے قابل ہوئی تو وہ یہ پچھتاوا ضرور محسوس کر سکے گی کہ اگر اس نے نیلسن کو گولی مارنے کے بجائے اسے طلاق دے دی ہوتی تو اسے ملنے والے پانچ لاکھ ڈالر میں سے ڈھائی لاکھ ڈالر اسے ملتے اور وہ جیل میں سڑنے والی ایک قابلِ رحم بیوہ کے بجائے کسی خوبصورت اور زندگی کی حرارت سے معمور ساحل پر لیٹ کر دھوپ سینکتی ہوئی ایک پُرکشش مطلقہ ہوتی!





تماشائی

نجمہ مودی

معذوری انسان کی زندگی کو یکسر تبدیل کردیتی ہے۔ وہ شخص بھی معذور ہونے کے بعد اپنے اپارٹمنٹ تک محدود ہوگیا تھا اور کھڑکی سے باہر کی دنیا کا ادھورا نظارہ کرنا اس کا مشغلہ بن گیا تھا۔ یہ مشغلہ ایک روز رنگ لے آیا، اس نے ایک عجیب تماشا دیکھ لیا۔

اس مریض کا قصہ جس کی نرس اس کے سامنے قتل کردی گئی تھی

ایسے اپارٹمنٹ میں رہنا ایک عجیب وغریب تجربہ ہے جو سطح زمین سے کچھ نیچے واقع ہو۔ میں ایسے ہی اپارٹمنٹ میں رہتا ہوں۔ یہ ایک طرح کا تہ خانہ ہے۔ اس کی کھڑکیاں جتنی اونچائی پر بنی ہوئی ہیں اور میں اپنے کمرے میں جس جگہ بیٹھا یا لیٹا ہوتا ہوں، وہاں سے مجھے فٹ پاتھ پر سے گزرتے لوگ پورے دکھائی نہیں دیتے۔ مجھے ان کی ٹانگیں زیادہ سے زیادہ گھٹنوں تک دکھائی دیتی ہیں۔

میرے کمرے کی کھڑکی گو کہ خاصی بڑی ہے۔ اگر میں اس کے عین قریب جاکر اپنی ناک شیشے پر ٹکا کر اوپر دیکھنے کی کوشش کروں تو مجھے باہر کا منظر کچھ بہتر دکھائی دے سکتا ہے لیکن باہر چیزوں کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ پورے انسانوں کو میں پھر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ پہلے تو میں کبھی کھڑکی کے قریب جاکر اس طرح کی کوشش کر بھی لیا کرتا تھا لیکن جب سے میں معذور ہوکر اپنی آرام کرسی تک محدود ہوا ہوں تب سے میں یہ بے فائدہ کوشش کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔

اب میں صرف کھڑکی کے سامنے سے گزرتے ہوئے پیروں کو دیکھتا ہوں اور انہی کی مدد سے انسانوں اور ان کی کیفیات کے بارے میں اندازے لگاتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں اس کام میں کافی ماہر ہوچکا ہوں۔ جوتوں میں پورے یا جزوی طور پر چھپے ہوئے پاؤں دیکھ کر میں تخیل کی مدد سے جسم اور چہرہ مکمل کرتا ہوں یعنی میں صرف پاؤں دیکھ کر اپنے آپ کو بتانے کی کوشش کرتا ہوں کہ اس وقت کس قسم کا انسان، کس قسم کی کیفیت میں فٹ پاتھ سے گزر رہا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ باہر سے میرے کمرے کی کھڑکی کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ کسی کو اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا۔ باہر سے گزرنے والوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کہیں سے جزوی طور پر انہیں دیکھا جارہا ہے۔ اپنے اس مشغلے کے دوران میں مجھے اندازہ ہوا کہ جوتے بھی بہت سی اقسام کے ہوتے ہیں اور وہ انسانوں کی شخصیت کا تعارف ہوتے ہیں۔ جوتوں کی ہر جوڑی گویا کسی نہ کسی حد تک اپنے مالک کی کہانی سنا رہی ہوتی ہے۔

میں ان گزرتے ہوئے پیروں کو دیکھ کر باقی شخصیت کے

بارے میں جو اندازے لگاتا ہوں' مجھے ان کی تصدیق کا موقع نہیں ملتا لیکن شاید یہ میرے حق میں اچھا ہی ہے۔ مجھے اپنے اندازوں کے غلط ثابت ہونے کی اذیت نہیں اٹھانا پڑتی ورنہ عین ممکن ہے کہ میں جس شخص کے جوتے اور چال دیکھ کر سمجھتا کہ وہ ایک خوش شکل' خوش اطوار اور خوش مزاج شخص ہوگا' وہ بدصورت' بداطوار اور بدمزاج نکلتا۔

ویسے میں تصور ہی تصور میں پیروں کی مدد سے لوگوں کی شخصیات کے اچھے ہی خاکے تخلیق کرنے کی کوشش کرتا ہوں' اپنے ذہن میں تعمیری اور مثبت پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کرتا ہوں' منفی باتوں کو نظرانداز کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں اپنی قوتِ سماعت بھی کھو چکا ہوں۔ میں لوگوں کے قدموں کی چاپ بھی نہیں سن سکتا' اس کے بارے میں بھی صرف اندازے ہی لگاتا ہوں اور ان اندازوں کو بنیاد بنا کر جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ گزرنے والا اس وقت کس کیفیت' کس موڈ میں جا رہا ہے یا اسے کس قسم کے حالات درپیش ہو سکتے ہیں۔

میں جس بم دھماکے میں معذور ہوا تھا' اس میں میری سماعت بھی چلی گئی تھی لیکن تصور ہی تصور میں' میں ہر قسم کی آواز سن سکتا ہوں۔ آوازیں درحقیقت مجھے باہر سے سنائی نہیں دیتیں۔ وہ میری کھوپڑی کے اندر سے ہی ابھرتی ہیں۔ میں چونکہ پیدائشی بہرا نہیں ہوں اس لیے میرے ذہن میں ہر قسم کی آوازیں' بلکہ موسیقی کی بہت سی دھنیں بھی محفوظ ہیں۔ مجھے ہر قسم کے ساز کے بارے میں بھی معلوم ہے کہ اس کی آواز کس قسم کی ہوتی ہے۔

میں جب بم دھماکے سے جانبر ہوا تو کافی دنوں تک میرے کانوں میں صرف گونج کی سی آواز آتی رہی۔ اس آواز کو مسلسل سنتے رہنا ناقابلِ برداشت تھا۔ شاید اسی لیے ان دنوں دو ایک مرتبہ مجھے یہ خیال بھی آیا کہ اس سے تو بہتر تھا' بم دھماکے میں میری بینائی چلی جاتی.... لیکن اب جبکہ وہ آواز معدوم ہو چکی ہے تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ انسان کو اگر سماعت یا بصارت دونوں میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنے کے لیے کہا جائے تو اس کا جواب کیا ہونا چاہیے۔

اگر میں بہرا ہونے کے بجائے اندھا ہو گیا ہوتا تو شاید میں اسی آرام کرسی پر لیٹا قدموں کی آواز سن کر یا پھر ان کے ساتھ ساتھ لوگوں کے گنگنانے' ہنسنے یا گانے کی آوازیں سن کر ان کی شخصیت تصور میں تراشا کرتا۔ اس صورت میں' میں لوگوں کی باتیں اور ریڈیو بھی سن سکتا تھا۔ شاید اس صورت میں میری زندگی میں دلچسپیاں زیادہ ہوتیں لیکن.... بہرحال.... میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کون سی صورتِ حال قابلِ ترجیح ہوتی۔

آنکھوں کا سلامت رہ جانا بھی اچھا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ان کی مدد سے میں صرف کھڑکی کے سامنے سے گزرتے ہوئے پاؤں ہی نہیں دیکھتا' دوسری بہت سی چیزیں بھی دیکھتا ہوں۔ اپنی نرس پامیلا کو مختلف کام کرتے ہوئے بھی دیکھ سکتا ہوں۔ ٹی وی بھی دیکھ سکتا ہوں اور اندازے لگا سکتا ہوں کہ اسکرین پر اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے' کیوں ہو رہا ہے اور کردار ایک دوسرے سے کیا کہہ رہے ہیں۔

بینائی بچ جانے کی وجہ سے میں پڑھنے کے قابل بھی ہوں.... گو کہ فی الحال میں نہیں پڑھ سکتا کیونکہ ابھی میرے ہاتھوں کے زخم مندمل نہیں ہوئے اور میں کتاب تھامنے یا ورق الٹنے کے قابل نہیں ہوں۔ میرے ہاتھوں پر ابھی پٹیاں لپٹی رہتی ہیں۔ اس حالت میں پڑھنے کی کوشش تو کر سکتا ہوں لیکن یہ ایک مشکل کام ہوگا۔

میرے قریب پتائی پر ایک ٹیلی فون بھی رکھا رہتا ہے۔ اس پر کال آتی ہے تو گھنٹی بجنے کے بجائے ایک سرخ بلب جلتا بجھتا ہے۔ نرس پامیلا نے ریسیور میں ایک تار باندھ کر اس کا حلقہ سا بنا دیا ہے۔ اپنا پٹیوں میں لپٹا ہاتھ میں اس حلقے میں پھنسا کر ریسیور اٹھا سکتا ہوں اور کہہ سکتا ہوں "میں ٹھیک ہوں... فون کرنے کا شکریہ.... امید ہے آپ بھی خیریت سے ہوں گے.... خدا حافظ۔"

اگر میری نظر جلتے بجھتے سرخ بلب پر نہ پڑے تو میں فون ریسیو بھی نہیں کر سکتا لیکن فون آتا ہی شاذونادر ہے۔ میں تو فون اپنے قریب رکھنے کے حق میں بھی نہیں تھا لیکن میرا علاج کرنے والے ڈاکٹر نے اصرار کیا تھا کہ فون میری رسائی میں ضرور ہونا چاہیے تاکہ ضرورت پڑنے پر میں اپنی نرس کو بلا سکوں۔ گو کہ وہ میری فل ٹائم نرس ہے لیکن اس کا ہر وقت میرے پاس رہنا ضروری نہیں ہوتا اور اس کا فلیٹ اسی بلڈنگ کے کسی دوسرے حصے میں ہے اس لیے وہ دن میں کبھی کبھار اس سہولت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے گھر چلی جاتی ہے۔

اگر میری حالت زیادہ تشویش ناک ہوتی تو میں ابھی تک اسپتال میں ہی ہوتا۔ اب میں کم از کم اس قابل ضرور ہوں کہ وہ دن میں کچھ دیر کے لیے اپنے گھر جا سکے۔ صرف دو مرتبہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ وہ اپنے گھر گئی ہوئی تھی اور مجھے اس کی ضرورت پڑ گئی۔ ایک مرتبہ فون کرنے پر وہ آ گئی۔ دوسری مرتبہ کرنے پر نہیں آئی۔ بعد میں اس نے اشاروں

سے مجھے بتایا کہ وہ چند منٹ کے لیے گھر سے نکلی تھی اس لیے فون ریسیو نہیں کر سکی تھی۔ ظاہر ہے مجھے تو پتا نہیں چلتا کہ اگر میں کسی کو فون کر رہا ہوں تو وہ دوسری طرف ریسیو کر رہا ہے یا نہیں..... میں تو صرف اپنی ہی ہانک سکتا ہوں۔

بم دھماکے میں بری طرح زخمی ہونے کے کئی دن بعد جب میں سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو زیادہ تر میں اس شخص کے بارے میں سوچتا رہتا تھا جس نے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں بم رکھا تھا۔ وہ کوئی عورت بھی ہو سکتی تھی۔ اس دھماکے میں کئی افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ کئی میری طرح شدید زخمی ہوئے تھے۔ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ بم رکھنے والے کو اس سے کیا حاصل ہوا تھا۔ اس کے کون سے مقاصد پورے ہوئے تھے۔ نہ جانے وہ کس قسم کا انسان رہا ہوگا..... یا رہی ہوگی!

کئی بار میں نے بھی سوچا کہ خدا نے مجھے نہ جانے کیوں بم دھماکے کے متاثرین میں شامل کر دیا تھا۔ مجھے تو اس ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے کوئی خاص چیز خریدنی بھی نہیں تھی۔

میں تو چلتے چلتے یونہی اس اسٹور میں گھس گیا تھا اور ملبوسات کے شعبے میں جا کر ایک شیلف سے ٹائیاں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا تھا حالانکہ میرے پاس پہلے ہی جو ایک درجن ٹائیاں موجود تھیں، ایک طویل عرصے سے میں نے ان میں سے بھی کوئی استعمال نہیں کی تھی۔

کیسا عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والا اتفاق تھا کہ عین اس لمحے پر میں وہاں جا کھڑا ہوا تھا جب بم پھٹنے والا تھا۔ کھڑے ہونے کے لیے میں نے جگہ بھی وہ منتخب کی تھی جس کے آس پاس ہی کہیں بم چھپایا گیا تھا۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ ایک قیامت خیز دھماکا ہوا تھا اور نہایت تیز سرخ روشنی کے جھماکے سے گویا میری بینائی جاتی رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔

ہوش آیا تو میرا وجود گویا سرتاپا اذیت تھا اور حواس پر جہنم کی سی تپش غالب تھی۔ میرا رواں رواں گویا بھیانک شعلوں کی لپیٹ میں تھا اور کانوں میں ایک تیز گونج مستقل

الرجی معلومات

علاج سے پہلے ضروری سب کیلئے **یا خریب خانہ ملاج** !!! کینسر کے بعد سب سے زیادہ خطرناک اور ضدی یہ پرابلم (الرجی) پیدا کیسے ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبان خاص توجہ دیں۔ جدید (۲۱ سالہ) تحقیقاتی رپورٹ **اصل وجہ** کروڑوں اعصاب اور نسوں (ریسپٹر) کے کئی مختلف گروپ (سگمنٹ) ہیں، جو بھوک پیاس غم خوشی ذائقوں اور آوازوں کی برقی اطلاعات جسم کے اعضا میں بھیج کر ان سے مخصوص کام لیتے ہیں۔ ناک کی جھلیوں کے پیچھے موجود ۲۴ سے ۳۰ تک ایسے سگمنٹ جو ہوا کے ارتعاش سے ایسی برقی اطلاعات پیدا کر کے ہمارے خامرے (انزائم سسٹم) متحرک کرتے اور غذا کے انتہائی باریک ذرات امینو ایسڈ، فیٹی ایسڈ اور کچھ وٹامن وغیرہ کو ایک خاص ترتیب میں جوڑ کر ایسے پروٹین بناتے ہیں جن سے ہمارے جسم کی نشوونما اور مرمت صحیح سمت میں جاری رہتی ہے۔ جبکہ اسکے برعکس اسی انزائم سسٹم کو متحرک کرنے والی ان برقی اطلاعات میں آنیوالی ردوبدل سے پیدا ہونے والی نئی قسم کی پروٹین ہمارے جسم کی پروٹین سے الٹ ہوتی اور (الرجن) کہلاتی ہیں۔ اور چھینکیں، دمہ، چھپاکی جیسی دو (۲) درجن سے زائد دائمی ضدی علامات جہاں عام دوا (علامات دبانے کیلئے) ویکسین (جسمانی الرجن کو غیر مؤثر بنانے والی) بار بار بے سود / مضر ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان مریضوں کیلئے (سٹیبلائزیشن، الرجن بنانے والے انزائم سسٹم کو مستحکم کرنا) ایک منفرد، براہ راست، انسان دوست، آسان، مؤثر، نسبتاً سستا اور بہتر حل ہے۔ باری تعالیٰ سب کو شفا دے۔ آمین !!!

الرجی کی ان علامات کے چھ گروپ ہیں | ۱۔ حسیاتی sensory : خارش، چنبل، چھپاکی، چھینکیں، کھانسی، الرجی آنکھ، گلا وغیرہ

۲۔ بلغمی PRODUCTIVE: نزلہ، زکام، ناک بہنا، ناک / حلق کا کیڑا، دمہ | ۳۔ موٹر MOTOR : مرگی، دورے، جھٹکے، وغیرہ۔ | ۴۔ کیمیکل CHEMICAL : سر درد، درد شقیقہ، بار بار بخار، ٹانسلز، کان بہنا، پتھر گردہ، قبض، نشوونما اور قد پر اثر۔

PRESSURE دباؤ : خراٹے، ناک بند، پالپ، نکسیر، لقوہ | ۶۔ الیکٹریکل ELECTRICAL : دل کی دھڑکن، گھبراہٹ، سانس، چکر، مکی، نیند پر اثر تفصیلات جوابی لفافہ ویب اردو یا ملاقات موبائل نمبر: 0320-4641188

ڈاکٹر کیپٹن (ر) میاں مسلم ملانہ ایم بی بی ایس، ایف سی جی پی سپیشلسٹ ان الرجی سٹیبلائزیشن

نامہ کلینک: 9 پوسٹ روڈ چوبرجی لاہور Ph: 0333-4244727, 042-7550349 www.smamah.com.pk

اسلام آباد: پشاور موڑ G9-4 سٹریٹ 55 H-63 فون نمبر: 051-2853821 موبائل: 0300-9565571

سنائی دے رہی تھی۔ جلد ہی مجھے احساس ہوگیا کہ میں اسپتال میں ہوں۔ میں نرسوں اور ڈاکٹروں کو اپنے آس پاس چلتے پھرتے دیکھ رہا تھا۔ مجھے یہ احساس بھی ہوگیا کہ میں اپنی سماعت کھوچکا ہوں کیونکہ میں ڈاکٹروں اور نرسوں کو تیزی سے ایک دوسرے سے باتیں کرتے دیکھ رہا تھا لیکن کوئی آواز مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی....

خیر.... میں اپنی کھڑکی کے سامنے سے گزرنے والے لوگوں کی بات کررہا تھا جن کے میں صرف پاؤں اور جوتے دیکھ پاتا ہوں۔ میں بتاچکا ہوں کہ ان کے صرف جوتے یا پاؤں اور چلنے کا انداز دیکھ کر میں نے ان کے بارے میں اندازے قائم کررکھے ہیں اور اپنے ذہن میں ان کی شخصیت مکمل کر رکھی ہے حتیٰ کہ میں نے اپنی اس تصوراتی شخصیت کی مناسبت سے انہیں نام بھی دے رکھے ہیں۔

مثلاً اس وقت میرے سامنے سے مس جولی یا "مس زندہ دل" گزر رہی ہے۔ اس خاتون کے پھولے پھولے سے سفید پاؤں سیاہ رنگ کے پمپ شوز میں پھنسے ہوتے ہیں۔ اس کی چال سے ہی زندہ دلی کا اظہار ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ عجلت اور جوش و خروش کے عالم میں کسی ایسی جگہ کی طرف جارہی ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہے کہ وہاں کوئی خوش خبری اس کی منتظر ہوگی۔ اس کا چلنے کا انداز ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے اس لیے میں نے اس کا نام "مس زندہ دل" رکھا ہوا ہے۔

مس زندہ دل کے بعد فٹ پاتھ سے کوئی نہیں گزر رہا اس لیے میرا ذہن ایک بار پھر یادوں میں بھٹکنے لگا ہے۔ اسپتال میں ڈاکٹروں اور نرسوں نے میرے علاج اور نگہداشت کے سلسلے میں نہایت تندہی، خلوص اور غیر معمولی فرض شناسی کا مظاہرہ کیا۔ صرف اسپتال کا عملہ ہی نہیں وہاں آنے والے دوسرے تمام لوگ بھی میرے ساتھ نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آتے رہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ میں خود کو اس سلوک کا مستحق نہیں سمجھتا تھا کیونکہ میں زندگی بھر کافی حد تک خود سر، خودپسند اور لیے دیے رہنے والا شخص رہا تھا۔ میں لوگوں میں گھلتا ملتا ہی نہیں تھا اسی لیے مجھے کم ہی لوگوں کے ساتھ مہربانی و شفقت سے پیش آنے کا اتفاق ہوا تھا لیکن مصیبت اور تکلیف کے وقت میں مجھے لوگوں سے توجہ، محبت اور شفقت ملی تھی۔ یوں اگر بم دھماکے کا شکار ہونا میری بدقسمتی تھی تو.... اس میں بھی گویا خوش قسمتی کا ایک پہلو نکل آیا تھا کہ مجھے بہت اچھا علاج اور تمام لوگوں کی محبت بھری توجہ میسر آگئی تھی۔

کافی دنوں بعد میرا جلا ہوا گوشت اور جھلسی ہوئی ہڈیاں اس قابل ہوگئیں کہ مجھے گھر بھیجا جاسکے۔ مزید ٹھیک ہونے کے لیے اب مجھے گھر پر ہی لیٹ کر انتظار کرنا تھا۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ اسپتالوں میں کسی مریض کو زیادہ لمبے عرصے تک بیڈ پر نہیں رکھا جاسکتا۔ نئے مریضوں کے لیے ہر وقت بیڈز کی ضرورت رہتی ہے۔

میں ابھی بہت کمزور اور مجبور و معذور ہوں لیکن نرس پامیلا میرا سہارا ہے۔ ہر صبح آکر وہی مجھے بیڈ سے اٹھاتی ہے، باتھ روم لے جاتی ہے، میری صفائی ستھرائی کرتی ہے حتیٰ کہ میرے دانت بھی وہی برش کرتی ہے پھر وہ مجھے میری بڑی سی کرسی پر بٹھا کر ناشتا کراتی ہے۔ وہی میرے لیے چائے، دوپہر اور رات کا کھانا وغیرہ لے کر آتی ہے اور مجھے کھلاتی پلاتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے خود یقین نہیں آتا کہ وہ میرے لیے کیسی کیسی مشکل خدمات انجام دیتی ہے۔ آخر کار وہ رات کو مجھے بستر پر لٹا کر رخصت ہوجاتی ہے۔ خدا نے نرس پامیلا کی صورت میں مجھے معذوری کی حالت میں ایک ایسا تحفہ عطا کیا ہے جس کا میں قطعی مستحق نہیں تھا۔

مزید اچھی اور خوش کن بات یہ ہے کہ نرس پامیلا میرے تمام کام ذرا سی بھی ناگواری ظاہر کیے بغیر کرتی ہے۔ ناگواری ظاہر کرنا تو خیر دور کی بات ہے، اس کا انداز کچھ اس طرح کا ہوتا ہے جیسے میری خدمت کرنا اس کے لیے ایک نہایت ہی خوش گوار فریضہ ہے جس سے وہ لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس کے مزاج میں بلا کا تحمل ہے اور وہ خوش طبع بھی ہے۔ وہ تقریباً نوجوان ہی ہے۔ تیس سال کے قریب اس کی عمر ہے۔

وہ خوب صورت تو نہیں.... چہرے مہرے اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے ایک اوسط درجے کی عورت ہے لیکن اپنی خوش مزاجی اور ہنستے ہوئے چہرے کی وجہ سے بہت اچھی لگتی ہے۔ اس نے میرے کمرے میں ایک بلیک بورڈ اور چاک بھی رکھی ہوئی ہے تاکہ ان کی مدد سے وہ مجھ سے باتیں کرسکے۔ اسے جو کچھ کہنا ہوتا ہے، بلیک بورڈ پر لکھ دیتی ہے۔ میں بول کر جواب دیتا ہوں۔ اسی طرح وہ مجھ سے لطیفے بازی، گپ شپ اور ہنسی مذاق بھی کرلیتی ہے۔

بے شک اسے ان کاموں کا معاوضہ ملتا ہے لیکن آج کے دور میں کوئی معاوضہ لے کر بھی اس قسم کی مشکل خدمات خوش اسلوبی اور خوش مزاجی سے انجام دے تو یہ بڑی بات ہے۔ اسی وجہ سے میں پامیلا کے لیے اپنے دل میں شکر گزاری کے جذبات محسوس کرتا ہوں۔ اپنی شکر گزاری کا

اظہار میں اس طرح کرتا ہوں کہ پامیلا کو کم سے کم زحمت دینے کی کوشش کرتا ہوں حالانکہ میں اس مزاج کا آدمی نہیں ہوں۔

کم از کم بم دھماکے سے پہلے میں اس مزاج کا آدمی نہیں تھا۔ جن لوگوں پر میرا بس چل سکتا تھا' میں انہیں زیادہ سے زیادہ دوڑانے بھگانے کا عادی تھا اور انہیں ڈانٹنے ڈپٹنے کا بہانہ ڈھونڈتا تھا۔ میں کسی ریستوران میں جاتا تھا اور ویٹریس مجھ سے آرڈر لینے میں یا میری مطلوبہ چیزیں لانے میں دیر کردیتی تھی تو میں یہ اندازہ ہونے کے باوجود اسے ڈانٹنے سے نہیں چوکتا تھا کہ وہ کام کی زیادتی سے تھکی ہوئی ہے۔

اب اگر رات کو میرے جسم میں کہیں کوئی تکلیف شروع ہوجاتی ہے تو میں کوشش کرتا ہوں کہ فون کرکے پامیلا کو بلانے کے بجائے اس تکلیف کو برداشت کرلوں۔ اس طرح بظاہر تو بم دھماکے نے مجھے نقصان ہی نقصان پہنچایا ہے لیکن شاید یہ فائدہ بھی پہنچایا ہے کہ مجھے زندگی کو ایک مختلف زاویۂ نظر سے دیکھنے اور مختلف چیزوں کے بارے میں پہلے سے مختلف انداز میں سوچنے کا موقع ملا ہے....

لیجئے.... اب فٹ پاتھ سے براؤن گزر رہا ہے۔ اس کے براؤن جوتوں کی وجہ سے میں نے اسے مسٹر براؤن کا نام دیا ہے۔ اس کے جوتے فیشن ایبل یا شوخ قسم کے نہیں.... لیکن آرام دہ ضرور ہیں۔ ان کا چمڑا نرم لیکن مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ ان کے تلے موٹی ربڑ کے ہیں اور تھوڑا سا گھس چکے ہیں لیکن جوتے اب بھی کافی حد تک نئے ہی معلوم ہوتے ہیں۔

مسٹر براؤن کی چال سے ہلکی سی تھکن ظاہر ہوتی ہے۔ میں نے اس کے بارے میں فرض کررکھا ہے کہ سڑک کے کونے پر اس کی چھوٹی سی دکان ہوگی جہاں سے یہ اس وقت واپس گھر جارہا ہے۔ اس کی بیوی نے اس کے لیے کھانا تیار کررکھا ہوگا۔ کھانا کھانے کے بعد دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر لاؤنج میں نیم دراز ہوکر پرسکون انداز میں ٹی وی پر کوئی پرتشدد قسم کی فلم دیکھیں گے۔

میں جس صورتِ حال سے نبرد آزما ہوں' اس میں سوچنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔ میں جب معذور ہوکر بستر پر گرا تو تھوڑے دنوں میں ہی مجھے احساس ہوگیا کہ میرے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں ہر وقت اپنی حالت پر جلتا کڑھتا رہوں اور دل ہی دل میں تقدیر کو کوستا رہوں۔ دوسرا یہ کہ جو کچھ ہوچکا تھا اسے خوش دلی سے قبول کرلوں اور صبر و تحمل سے اپنا وقت گزارنے کی کوشش کروں۔

مجھے معلوم تھا کہ اگر میں صبر و تحمل سے صرف انتظار کرتا رہوں تو آخر کار اس حد تک ضرور ٹھیک ہوجاؤں گا کہ چل پھر سکوں اور اپنی روز مرّہ کی زندگی کے کام کرسکوں۔ ڈاکٹروں نے امید دلائی تھی کہ رفتہ رفتہ میرے زخم بھر جائیں گے۔ سماعت کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ وہ اب کبھی بحال نہیں ہوگی۔ اس کے بارے میں مجھ پر ہی دارومدار تھا کہ اس محرومی کے بارے میں بھی سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہوں یا اس کے بھی کچھ روشن پہلو تلاش کرنے کی کوشش کروں اور انہی کے سہارے خوش رہوں۔ میں نے دوسرا راستہ منتخب کیا تھا۔ میرا یہ مشغلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا کہ میں کھڑکی کے سامنے سے گزرتے ہوئے پیروں کو دیکھ کر باقی شخصیت کے بارے میں خیالوں کے گھوڑے دوڑاتا رہتا تھا۔ میں ان لوگوں کے معمولات اور ان کی زندگی کی کہانیوں کے بارے میں بھی زیادہ تر خوش کن باتیں ہی ذہن میں لانے کی کوشش کرتا تھا....

اب میری کھڑکی کے سامنے سے ایک پہی جوڑا گزر رہا تھا۔ دونوں کے پیروں میں سینڈل ہیں۔ عورت کے سینڈل نیلے اور پیروں کے ناخن پر سرخ نیل پالش ہے۔ مرد کے سینڈل سیاہ اور پرانے سے ہیں۔ اس کے ناخن بڑھے ہوئے ہیں' پاؤں گرد آلود اور جینز کے پائنچے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ جوڑا یہاں سے باقاعدگی سے گزرنے والوں میں شامل نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں دوبارہ یہ پاؤں نہیں دیکھوں گا اس لیے میں ان کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں سوچوں گا اور نہ ہی

"پابندی"

فلاڈلفیا کے ایک سرکاری اسکول میں ایک صاحب لیکچرر کے طور پر ملازم تھے۔ صرف اس موضوع پر لیکچر دینا ان کے ذمّے تھا کہ "ٹریفک کے قوانین کی پابندی کیوں ضروری ہے۔"

آٹھ برس بعد انہیں اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے کیونکہ ایک روز وہ بغیر لائسنس کار چلاتے پکڑے گئے تھے۔ تفتیش پر پتا چلا کہ ان کے پاس تو لائسنس کبھی تھا ہی نہیں۔

اپنے ذہن میں کوئی کہانی گھڑنے کی کوشش کروں گا۔

میں نے اصرار کرکے نرس پامیلا کو شام کے وقت دو تین گھنٹوں کے لیے باہر جانے پر مجبور کردیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ جوان ہے' اسے سیر و تفریح کی ضرورت ہے' اس لیے وہ شام کو جہاں چاہے' چلی جایا کرے۔ شام کے وقت کافی دیر کے لیے مجھے نگرانی کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ وہ میری پیش کش قبول کرتے ہوئے کچھ ہچکچا رہی تھی لیکن میں نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی اور میں کوئی بے احتیاطی نہیں کروں گا۔ میری فرمائش پر وہ میری آرام کرسی اس طرح کھڑکی کے قریب سیٹ کرکے مجھے تقریباً لٹا گئی تھی کہ میں آتے جاتے پیروں کا نظارہ آسانی سے کرتا رہوں۔ شام ہوجانے کے بعد بھی فٹ پاتھ پر خوب روشنی تھی۔ میں ہر چیز صاف دیکھ سکتا تھا۔ باہر طاقت ور اسٹریٹ لائٹس نصب تھیں۔

میں یہاں لیٹے لیٹے اپنے مشغلے میں دو گھنٹے گزار چکا ہوں۔ میرے سامنے سے باقاعدگی سے گزرنے والے بیشتر لوگ گزر چکے ہیں۔ مس زندہ دل اور مسٹر براؤن کے علاوہ "مس گلیمر" بھی گزر چکی ہے جس کی سڈول ٹانگوں پر باریک نائیلون کے لمبے موزے چڑھے ہوتے ہیں۔ اس کے سینڈل ہمیشہ منگے قسم کے ہوتے ہیں۔ "مسٹر نخرے باز" بھی گزر چکے ہیں جو یقیناً اپنے کپڑوں اور جوتوں کے سلسلے میں بڑا اہتمام کرتے ہیں۔

اب وہ خاتون گزر رہی ہے جسے میں نے "ماتا ہری" کا نام دیا ہوا ہے۔ یہ اتنے لمبے بوٹ پہنے ہوتی ہے کہ مجھے وہ پورے دکھائی بھی نہیں دیتے۔ صرف بوٹوں کو دیکھ کر ہی میرے ذہن میں اس خوب صورت روسی جاسوسہ کا تصور آجاتا ہے جسے ماتا ہری کا لقب ملا ہوا تھا۔ اسے گزرتے دیکھ کر مجھے یہی محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی اعلیٰ فوجی افسر پر ڈورے ڈالنے جارہی ہے۔ تصور ہی تصور میں چند لمحوں کے لیے میں برسوں پرانے دور میں چلا جاتا ہوں۔

مختلف پاؤں یونہی اپنی اپنی کہانیاں لیے میرے سامنے سے گزر چکے ہیں۔ اب مجھے ان پیروں کا انتظار ہے جو ان دنوں میری خصوصی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ انہیں پہلی مرتبہ میں نے دس دن قبل دیکھا تھا۔ تب سے وہ روزانہ نظر آرہے ہیں۔ یہ ایک جوڑے کے پاؤں ہیں۔ مرد عموماً ہلکے بھورے رنگ کے سوئیڈ کے جوتوں میں ہوتا ہے۔ کئی بار اس کی پتلون نسواری اور دو تین مرتبہ ہلکی براؤن نظر آئی ہے۔

عورت کے خوب صورت پاؤں نائیلون کے موزوں اور نکیلی ایڑی والے کورٹ شوز میں ہوتے ہیں جن کا رنگ نیلا ہوتا ہے۔

یہ پاؤں کھڑکی کے سامنے سے گزرتے نہیں چلے جاتے بلکہ رک جاتے ہیں۔ ان کی ایڑیوں کا رخ میری طرف ہوجاتا ہے۔ وہ یقیناً کھڑکی کی طرف پیٹھ کرکے' فٹ پاتھ کے جنگلے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ وہ کیا باتیں کرتے ہیں؟ اس سلسلے میں جس طرف چاہوں اور جتنی دور تک چاہوں' تخیل کے گھوڑے دوڑا سکتا ہوں۔

ان کی باتیں دس پندرہ منٹ جاری رہتی ہیں پھر وہ لمحہ آتا ہے جس کا میں قدرے اشتیاق سے انتظار کرتا ہوں۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب دونوں کے جوتوں کا رخ ایک دوسرے کی طرف ہوجاتا ہے پھر عورت کے جوتوں کی ایڑیاں فٹ پاتھ سے ذرا اوپر اٹھ جاتی ہیں۔ میں سمجھ جاتا ہوں کہ اب ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا جارہا ہے۔

اس کے بعد وہ دونوں مڑتے ہیں اور یہاں سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ میں یہ سوچ کر حیران ہوتا تھا کہ آخر وہ شہر کی ساری جگہیں چھوڑ کر یہیں کیوں رکتے ہیں؟ پھر مجھے اس کی یہی وجہ ممکن نظر آئی کہ شاید عورت یہیں کہیں قریب ہی رہتی ہے۔ شاید وہ گھر میں اپنے غصیلے والدین یا پھر کسی روم میٹ وغیرہ کی موجودگی کی وجہ سے مرد کو اپنے گھر کے دروازے پر خدا حافظ نہیں کہتی تھی۔

پھر ایک دن میں نے دیکھا کہ یہ پاؤں کھڑکی کے سامنے پہنچے مگر وہاں زیادہ دیر نہیں رکے۔ اس کا مطلب تھا کہ مرد اور عورت کے درمیان زیادہ باتیں نہیں ہوئیں اور جتنی دیر باتیں ہوئیں' اس میں بھی شاید زیادہ وقت بحث و تمحیص اور جھگڑے میں گزرا کیونکہ دو مرتبہ عورت نے پاؤں زمین پر پٹخا۔ اس کے بعد جب وہ رخصت ہوئے تو ایک دوسرے کو خدا حافظ کہنے کا وہ انداز بھی دیکھنے میں نہ آیا جو اس سے پہلے دیکھنے میں آتا تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ شاید تعلق اور محبت کی یہ مختصر سی کہانی ختم ہوگئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اب ان پیروں کو نہیں دیکھوں گا لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا..... یا یوں کہیے کہ آدھا غلط ثابت ہوا کیونکہ دو دن کے وقفے کے بعد نیلے زنانہ جوتے دوبارہ نمودار ہوئے مگر اب ان کے ساتھ مردانہ جوتے دوسرے تھے۔ معمول اب بھی وہی رہا لیکن میرے لیے یہ جاننا مشکل نہیں تھا کہ مرد ساتھی بدل چکا تھا۔

میرے لیے یہ بھی خوشی کی بات تھی۔ عورت کی زندگی

میں کم از کم کوئی خلا نہیں آیا تھا۔ کوئی روگ اس کے دل کو نہیں لگا تھا۔ اس نے اپنی خوشیوں کے لیے ایک متبادل دل ڈھونڈ لیا تھا۔ اس کی خوشی کا تصور کرکے میں بھی اتنا خوش تھا کہ رات کو اس وقت بھی گنگنا رہا تھا جب نرس پامیلا اپنی مخصوص نرسوں والی یونیفارم میں' مجھے کھانا کھلانے اور بیڈ پر لٹانے کی غرض سے دوبارہ میرے ہاں آئی۔ اس نے بلیک بورڈ پر لکھ کر مجھ سے پوچھا بھی.... کہ میں اتنا خوش کیوں نظر آرہا ہوں.... لیکن میں نے اسے اپنی خوشی کی وجہ نہیں بتائی۔

یہ سلسلہ دو دن جاری رہا۔ تیسرے دن جب میں اشتیاق سے ان خاص پیروں کا انتظار کررہا تھا تو وہ مقررہ وقت سے ذرا تاخیر سے پہنچے۔ جب میں نے ذرا توجہ سے دیکھا تو بری طرح چونک اٹھا۔ زنانہ جوتوں کے ساتھ آج ایک بار پھر پہلے ہی والے جوتے تھے۔ وہی ہلکے براؤن' سوئیڈ کے جوتے....!

میرے دل میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی تھی۔ مرد اور عورت دونوں کے پیروں کی حرکات وسکنات ان کے اضطراب کی نشاندہی کررہی تھیں۔ میں صرف پاؤں دیکھ کر اندازہ کرسکتا تھا کہ وہ دونوں افراد پرسکون نہیں تھے' تناؤ کا شکار تھے۔ ان کے درمیان کشیدگی تھی۔

پھر اچانک جوتوں کا رخ ایک دوسرے کی طرف ہوگیا یعنی اب مرد اور عورت ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے لیکن زنانہ جوتوں کی ایڑیاں فٹ پاتھ سے اوپر نہیں اٹھیں بلکہ گویا کچھ اور سختی سے فٹ پاتھ پر جم گئیں پھر اچانک میں نے دیکھا کہ عورت فٹ پاتھ پہ پاؤں پٹخ رہی تھی پھر میں نے اس کے گھٹنے مڑتے اور اس کا جسم نیچے آتے دیکھا۔

صحیح معنوں میں مجھے چند سیکنڈ بعد اندازہ ہوسکا کہ باہر فٹ پاتھ پر درحقیقت کیا ہورہا تھا۔ مرد اس عورت کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ عورت دھیرے دھیرے فٹ پاتھ پر ڈھیر ہورہی تھی اور مرد اس کی گردن کو بدستور اپنی گرفت میں دبائے اس کے ساتھ ساتھ جھک رہا تھا۔ وہ اتنا جھکا کہ اس کا چہرہ بھی میری کھڑکی کے سامنے آگیا۔

میں دہشت کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میرے چہرے پر بھی پٹیاں لپٹی ہوئی ہیں جن کے درمیان سے میری آنکھیں اور چہرے کا تھوڑا سا حصہ جھانکتا ہے۔ اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ اگر اس وقت کوئی مجھے دیکھتا تو اندازہ کرسکتا تھا کہ میں کتنا دہشت زدہ تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو مجھے یوں لگا جیسے وہ نامعلوم قاتل براہِ راست میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس نے یقیناً مجھے دیکھ لیا تھا۔ اسے شاید پہلی بار وہاں کسی کھڑکی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

اسے شاید جھٹکا سا لگا۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت کی وجہ سے عورت کا چہرہ بھی میری طرف گھوم گیا۔ وہ چھونیلا پڑ چکا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے ابل پڑی تھیں اور زبان منہ سے باہر لٹک رہی تھی۔ میں پہلے سے دگنا دہشت زدہ ہوگیا۔ میری دہشت زدگی میں اضافے کی وجہ صرف اس چہرے کی حالت نہیں تھی۔ زیادہ بڑی وجہ یہ تھی کہ میں نے اس حالت میں بھی اس چہرے کو پہچان لیا تھا۔ وہ نرس پامیلا کا چہرہ تھا!

میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اسے قتل ہوتے دیکھا تھا.... اور قاتل نے مجھے دیکھ لیا تھا....!

میں نے جلدی سے فون کا ریسیور اٹھایا۔ میری عقل مند نرس نے صرف ریسیور پر تار سے حلقہ ہی نہیں بنایا تھا بلکہ پٹیوں میں لپٹے ہوئے میرے دوسرے ہاتھ پر پنسل کا ایک ٹکڑا بھی باندھا ہوا تھا تاکہ میں صحیح نمبر پنچ کرسکوں۔ میں نے پولیس کا ہنگامی نمبر نو سو ننانوے ملایا یعنی صرف نو کے ہندسے کو ہی تین مرتبہ پنچ کیا اور ایک لمحے کے توقف کے بعد ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"مجھ سے کوئی سوال مت کیجئے گا کیونکہ میں سن نہیں سکوں گا۔ میں بہرا ہوں۔ یہاں سیلون اسٹریٹ کے فٹ پاتھ پر ایک عورت کو قتل کردیا گیا ہے۔ پولیس اور ایمبولینس جلد از جلد بھجوائیے...."

میں نے یہ پیغام تین مرتبہ دہرا کر ریسیور رکھ دیا۔ چند سیکنڈ بعد میں نے پھر ریسیور اٹھا کر یہی عمل دہرایا۔ میں اس وقت تک بار بار اسی طرح کرتا رہوں گا جب تک پولیس پہنچ نہ جاتی....

میں دیکھ رہا ہوں کہ کوئی میرے دروازے کا ہینڈل گھمانے کی کوشش کررہا ہے لیکن میری عقل مند نرس میرے کمرے کا دروازہ مقفل کرکے گئی تھی۔ میں دعا کررہا ہوں کہ اس نامعلوم قاتل کو یہ معلوم نہ ہو کہ جس عورت کو اس نے قتل کیا ہے' وہ میری نرس تھی.... اور اگر اسے یہ معلوم بھی ہو تو کم از کم یہ معلوم نہ ہو کہ نرس کے پرس میں اس دروازے کی چابی بھی موجود ہوتی ہے۔ کہیں یہ شخص وہ چابی نکال ہی نہ لایا ہو....

لگتا ہے اس کے پاس چابی نہیں ہے.... وہ ابھی تک مقفل دروازے کے ہینڈل پر ہی زور آزمائی کررہا ہے.... خدا کرے پولیس جلد ہی آجائے.... میں تو پولیس کار کا سائرن بھی نہیں سن سکوں گا.... کاش میں سن سکتا.... کاش....!



تیرے بغیر

نجمہ مودی

پسند کی شادی کے بعد جدائی کا مرحلہ بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ اس نے اپنے محبوب شوہر کے بغیر زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور ایک نئی زندگی کے بارے میں منصوبہ بندی کررہی تھی۔ اس سلسلے میں اسے ایک کارآمد شخص بھی مل گیا تھا۔

مغرب سے تازہ درآمد۔ مغربی روایات کے عین مطابق ایک ازدواجی ڈراما

ماریا کوپر نے ہائی وے پر اپنی کار بندرگاہ کی طرف موڑ لی جو تقریباً بیس میل دور رہ گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر خیالوں میں الجھ گئی۔ یہ اس کے جانے پہچانے راستے تھے۔ ان راستوں پر جوناتھن کے ساتھ اس کی سیکڑوں مرتبہ آمدورفت رہتی تھی۔ سات برس پہلے وہ اس شہر میں منتقل ہوئے تھے اور ایک بار پھر اسی سڑک کے راستے مضافات سے واپس آرہے تھے تو انہیں وہ مکان دکھائی دیا تھا جو انہیں اپنے خوابوں کے گھروندے کی طرح محسوس ہوا تھا اور انہوں نے اسی لمحے اسے اپنے لیے پسند کرلیا تھا۔ اسی سڑک سے گزر کر وہ گزشتہ مئی میں اپنی شادی کی سالگرہ منانے ایک ساحلی ہوٹل میں گئے تھے۔

لیکن اب سب کچھ بدل چکا تھا۔ اب تو گویا سارے راستے ایک ہی سمت میں جارہے تھے۔ ایک ایسی زندگی کی سمت جو اسے جوناتھن کے بغیر گزارنی تھی۔ وہ اس اذیت ناک خیال سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی لیکن خیال تھا کہ ذہن سے چمٹ کر رہ گیا تھا۔ جوناتھن کے بغیر بھی زندگی بھلا کوئی

زندگی تھی؟

اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ اب اسے زندگی جوناتھن کے بغیر ہی گزارنی تھی اور اس کا مطلب زندگی تج دینا ہرگز نہیں تھا۔ دنیا بہت خوب صورت تھی۔ اس کے گردوپیش کا منظر بہت خوب صورت تھا۔ ڈوبتے سورج کی سنہری کرنوں میں دیہی علاقہ جنت کی تصویر پیش کررہا تھا۔ پھر اس نے خود اپنے بارے میں سوچا۔ اس کی عمر ابھی چونتیس سال ہی تو تھی۔ یہ کوئی زندگی تج دینے کی عمر تو نہیں تھی۔

"تمہیں بہرحال زندگی جوناتھن کے بغیر بھی گزارنی ہے ..... اور اسی طرح گزارنی ہے جس طرح زندگی گزارنی چاہیے ....." اس نے دل ہی دل میں خود کو حکم دیا لیکن اس حکم پر عمل کے بارے میں سوچتے وقت اس کے دل سے درد کی ایک لہر سی اٹھی۔

وہ ایک سگنل پر رکی تو اس کی نظر بائیں طرف ایک دکان پر چلی گئی اور اس کا دل اچھل کر گویا حلق میں آگیا۔ دکان کے شیشے پر باہر کی طرف ایک رنگین پوسٹر چسپاں تھا جس پر ایک خوب صورت موٹر بوٹ کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ جوناتھن کے پاس ایسی ہی بوٹ تھی۔

پانچ سال پہلے جب جوناتھن نے وہ بوٹ خریدی تھی تو ماریا کا خیال تھا کہ جلد ہی اس کا دل اس سے اسی طرح بھر جائے گا جس طرح بچوں کا نئے کھلونوں سے بھر جاتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ ہر ویک اینڈ پر اپنی بوٹ پر سمندری سفر اور مچھلی کے شکار کے لیے نکل جاتا تھا۔ ماریا اس کی لائی ہوئی مچھلیاں صاف کرتی تھی اور پکاتی تھی۔

اس یاد نے ایک بار پھر اس کا دل درد سے بھر دیا۔ اسے احساس بھی نہ رہا کہ سگنل کھل چکا تھا۔ اس کے عقب میں ایک گاڑی نے ہارن دیا تو وہ چونکی اور اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔ وہ جوناتھن کی موت کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ فی الحال اسے جوناتھن کے بجائے پیٹر اوبرائن کے بارے میں سوچنا چاہیے جس کے ساتھ وہ ساحل کے ایک ریستوران میں ڈنر کرنے جارہی تھی۔ ایک رسالے میں ایک اشتہار پڑھ کر ماریا کا اس سے رابطہ ہوا تھا۔ کچھ دن تک دونوں کے درمیان فون پر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہی تھیں پھر بات کچھ آگے بڑھی تھی اور آخر یہ طے پایا تھا کہ انہیں ملاقات کرنی چاہیے۔

ملاقات کے لیے پیٹر نے ساحلی علاقے کے ایک ریستوران کا نام تجویز کیا تھا لیکن ماریا گزشتہ مئی میں شادی کی سالگرہ منانے اسی ریستوران میں جاچکی تھی۔ اس کا دل نہ مانا کہ وہ پیٹر سے اس ریستوران میں ملاقات کرے چنانچہ وہ ایک دوسرے ریستوران میں ملنے پر متفق ہوگئے تھے۔ اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو کیسے پہچانیں گے؟

ماریا کو یاد آیا، پچھلی رات فون پر پیٹر نے بتایا تھا "میں دراز قد اور ورزشی جسم کا مالک ہوں البتہ میرے سر پر گنج نمودار ہورہا ہے۔ میں سیاہ رنگ کے سوٹ میں ہوں گا۔"

پھر ماریا نے کسی سولہ سالہ لڑکی کی طرح نروس سے انداز میں بتایا تھا "میرا قد پانچ فٹ پانچ انچ اور بال سنہرے ہیں۔ میں جامنی رنگ کے لباس میں ہوں گی۔"

ماریا کو امید تھی کہ انہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں دقت نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اسے جوناتھن سے اپنی پہلی ملاقات یاد آگئی تھی۔ وہ بھی اس سے کچھ ملتے جلتے سے حالات میں ہوئی تھی۔ جوناتھن اس وقت میڈیکل کا طالب علم تھا اور ماریا اکیس سال کی تھی۔ اس کے بعد سے آج تک ماریا نے کسی دوسرے مرد کی طرف التفات کی نظر سے نہیں دیکھا تھا لیکن اب وہ سوچ رہی تھی کہ جوناتھن کے بغیر تو وہ ساری زندگی اس طرح نہیں گزار سکتی تھی۔ اسے امید تھی کہ آخر کار یہ زخم بھر جائے گا اور وہ نئے سرے سے زندگی گزارنے کے قابل ہوجائے گی جس میں وہ مردوں کی دوستی اور رفاقت سے بھی لطف اندوز ہوسکے گی۔ اسے امید تھی کہ وہ اپنی باقی تمام زندگی خود کو بیوہ محسوس کرتے ہوئے نہیں گزارے گی۔

اس نے عقب نما آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ خود پرستی سے قطع نظر وہ اب بھی ایک خوب صورت اور پرکشش عورت تھی جس کے چہرے پر کوئی شکن نمودار نہیں ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اب بھی مردوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوسکتی تھیں تاہم اسے اپنے آپ سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ دوبارہ اس طرح کسی مرد کی محبت میں گرفتار ہوسکتی تھی جس طرح وہ کبھی جوناتھن کی محبت میں گرفتار ہوئی تھی۔

ماریا نے معقول تعلیم حاصل کی تھی۔ کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کچھ عرصے اسکول میں پڑھایا بھی تھا۔ اسے ٹیچنگ کے پیشے سے محبت تھی لیکن بعد میں جوناتھن کے اصرار پر اس نے ملازمت چھوڑ دی تھی۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ شہری علاقوں میں گزرا تھا لیکن اس کے اندر کہیں ایک دیہاتی لڑکی چھپی ہوئی تھی۔ اس نے پرورش دیہی علاقے میں پائی تھی جہاں اس کے دادا اسے اپنے ساتھ

گھوڑے پر بٹھا کر گھوڑے کو بہت دور دور تک دوڑاتے پھرتے تھے۔ ماریا نے بھی بچپن میں ہی گھڑ سواری سیکھ لی تھی۔

بچپن سے لے کر شادی کے بعد تک وہ بہت ہنس مکھ اور زندہ دل لڑکی رہی تھی۔ بات بات پر قہقہے لگانا اس کی عادت تھی لیکن اب تو جیسے عرصے سے وہ ہنسنا ہی بھول گئی تھی۔ ایک بار پھر جوناتھن کا تصور اس کے ذہن میں ابھرا اور اس کی آنکھیں بری طرح دھندلا گئیں۔ اس کے دل میں کچھ ایسا ابال سا آیا کہ اس نے گھبرا کر گاڑی ایک طرف کر کے روک لی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ چند لمحے وہ خاموشی سے روتی رہی۔

دل کا غبار نکلا تو اس نے ٹشو پیپر سے آنکھیں خشک کر کے گاڑی آگے بڑھائی۔ ڈوبتے سورج کی شفق رنگ روشنی میں دور سے سرمئی سمندر دکھائی دینے لگا تھا۔ بندرگاہ پر پہنچ کر اس نے ریستورانوں اور دکانوں کے قریب ایک جگہ گاڑی پارک کی اور گھڑی دیکھی۔

ابھی صرف ساڑھے چھ بجے تھے۔ پیٹر اوبرائن نے اسے بتایا تھا کہ سات بجے تک وہ ایک جگہ کام میں مصروف ہوگا۔ سات بجے وہاں سے فارغ ہو کر ساڑھے سات بجے تک وہ ماریا سے ملنے آئے گا۔ ماریا جان بوجھ کر ایک گھنٹا پہلے آئی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ پہلے وہ تھوڑی سی شاپنگ کر کے اپنے آپ کو بہلانے اور متوقع ملاقات کے لیے تیار کرنے کی کوشش کرے گی۔ آج اسے اپنے آپ کو صرف اس ملاقات کے لیے ہی نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کے لیے بھی تیار کرنا تھا۔

○☆○

ساحلی علاقے میں وہ خوش حال لوگوں کی ہاؤسنگ اسکیم تھی جو زیادہ تر خوب صورت بنگلوں پر مشتمل تھی۔ جوزف بین مستریوں والا کور آل پہنے اور ایک ہاتھ میں ٹول بکس اٹھائے ایک بنگلے کے قریب گاڑی سے اترا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ تھا جس پر ایک بنگلے کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ احتیاط سے نمبر دیکھتا ہوا وہ ایک بنگلے کے سامنے جا رکا اور کال بیل بجائی۔

چند لمحے بعد ایک عورت نے دروازہ کھولا۔ اس کی عمر پینتیس سے اوپر تھی۔ اس کے بال گو کہ کچھ بکھرے ہوئے تھے، لباس اور انداز و اطوار سے بھی کچھ بے پروائی عیاں تھی لیکن وہ اس عالم میں بھی خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔

تعمیل ارشاد

کہا ایک بیوی نے اپنے شوہر سے "یاد ہے... جب ہماری نئی نئی شادی ہوئی تھی اور تمہیں مجھ سے کوئی بات منوانا ہوتی تھی تو تم میری ٹھوڑی چھو کر درخواست کیا کرتے تھے؟"

"ہاں.... مجھے یاد ہے۔" شوہر نے جواب دیا۔

"اب بھی ایسا ہی کرو نا...." بیوی نے فرمائش کی۔

"اچھا.... کون سی ٹھوڑی چھونی ہے.... اوپر والی یا نیچے والی؟" شوہر نے دریافت کیا۔

وہ چست جینز اور سفید سویٹر میں تھی۔ جوزف کے اور اس کے درمیان گو کہ اب بھی ایک جالی دار دروازہ حائل تھا لیکن وہ اس کی سانسوں میں الکحل کی بو محسوس کر سکتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" عورت نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں خمار کی جھلک تھی۔

"جی کیبل کمپنی سے آیا ہوں...." جوزف نے اپنا شناختی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا "آپ نے شکایت کی تھی کہ آپ کے کیبل سسٹم میں کچھ خرابی ہے۔ میں کیبل باکس چیک کرنے آیا ہوں۔"

"شکایت تو میں نے کل کی تھی۔" عورت نے پلٹ کر لاؤنج میں رکھے بڑے سے ٹی وی کی طرف دیکھ کر کہا "اب تو ٹی وی ٹھیک چل رہا ہے۔"

"بہرحال چینل آدھے چل رہے ہیں۔ باقی چینلز کے لیے مجھے آپ کے گھر میں لگے ہوئے سارے کیبل باکس دوبارہ سیٹ کرنے پڑیں گے۔ اگر آپ یہ کام نہیں کرانا چاہتیں تو میں چلا جاتا ہوں.... یا اگر آپ مجھے کسی اور وقت بلانا چاہیں تو وہ بتا دیجیے۔" جوف مودبانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں.... ٹھیک ہے.... آجاؤ...." عورت نے دروازہ کھول دیا۔

جوف اندر پہنچا تو عورت نے گہری نظر سے اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔ وہ کچھ ایسا وجیہہ آدمی نہیں تھا لیکن دراز قد تھا اور باقاعدگی سے ورزش کرتا تھا۔ اس کا جسم خوب صورت تھا اور اس کی شخصیت سے مردانگی جھلکتی تھی۔ بعض عورتیں

اسے اس طرح گہری نظروں سے دیکھتی تھیں۔ جوزف کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔

"کوئی ڈرنک لوگے؟" عورت نے پوچھا۔

"میں کام کے دوران میں نہیں پیتا۔"

"واقعی؟"

"ہاں ... واقعی ..." جوزف نے جواب دیا حالانکہ اس کا ڈرنک لینے کو جی چاہ رہا تھا لیکن اس وقت اور اس جگہ اس نے کچھ پینا مناسب نہ سمجھا۔

"میرا نام باربرا ہے۔" عورت نے اپنا تعارف کرایا۔

"ہیلو باربرا ...! میں جوزف ہوں۔" وہ خوش خلقی سے بولا۔

باربرا اپنا گلاس اٹھائے اسے کیبل باکس دکھانے لگی۔ جوزف نے اندازہ لگایا کہ وہ خالص واڈکا پی رہی تھی۔ لاؤنج میں ایک میز پر دو بچوں کی فریم شدہ تصویر رکھی تھی۔

جوزف تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ غالباً آپ کے بچے ہیں ... بہت پیارے ہیں۔"

"بچے کیا ہیں ... خون چوسنے والی جونکیں ہیں۔" عورت خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔ جوزف کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں لیکن عورت نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔

جوزف لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے کیبل باکس کو کھول کر بٹن وغیرہ سیٹ کر چکا تو اس نے پوچھا "کوئی اور باکس بھی ہے؟"

"ہاں ... ایک باکس بیڈ روم میں ہے ... ٹھہرو ... میں دکھاتی ہوں۔" عورت نے کہا اور بوتل سے اپنا گلاس دوبارہ بھرنے کے بعد اسے اپنی رہنمائی میں اوپر لے چلی۔ سیڑھیوں کے اختتام پر اس نے ایک بار پھر جوزف کا سرتاپا جائزہ لیا۔ اس بار اس کی آنکھوں میں کھلی دعوت تھی لیکن جوزف انجان سا بن گیا۔

"آپ کے بچے آج کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"وہ جونکیں ان دنوں اپنے خبیث باپ کے پاس ہیں۔" وہ زہریلی سی ہنسی کے ساتھ بولی "ہمارے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ عدالت نے بچوں کو باری باری ہم دونوں کے پاس رہنے کا حکم دیا ہے۔"

"یعنی اس وقت اتنے بڑے گھر میں آپ اکیلی ہیں؟"

"ہاں ... ہے نا قابلِ رحم سی بات؟" عورت استہزائیہ سے لہجے میں بولی۔ وہ یقیناً خود کو قابلِ رحم ہرگز نہیں سمجھ رہی تھی۔

جوزف اس کی رہنمائی میں بیڈ روم میں داخل ہوا۔ اس نے وہاں کا کیبل باکس بھی سیٹ کیا پھر ٹی وی آن کرتے ہوئے بولا "اسے ریموٹ سے چلا کر دیکھیں۔"

عورت ریموٹ تلاش کرنے کے لیے مڑی تو جوزف کا ہاتھ پتلون کی جیب سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں نائیلون کی ڈوری تھی۔ عورت کے عقب سے اس نے نہایت پھرتی سے ڈوری عورت کی گردن میں لپیٹی اور پھندا کس دیا۔ عورت کی چیخ اس کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ واڈکا کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ پر گر گیا۔

چند منٹ بعد وہ مر چکی تھی۔

جوزف لاش کے قریب بیٹھ کر اپنی سانس درست کرنے لگا۔ باربرا نے کافی زور آزمائی کی تھی۔ اسے قابو میں رکھنے کے لیے جوزف کو اپنی پوری طاقت صرف کرنا پڑی تھی۔ دستانے وہ باہر سے ہی پہن کر آیا تھا۔ اپنے ہاتھوں کا جائزہ لے کر اسے اطمینان ہوا کہ اس کے باریک دستانے پھٹے نہیں تھے۔

گہری سانس لے کر وہ باربرا کی لاش اور اس کے لباس کو کچھ ایسی حالت میں لانے لگا جیسے کسی نے گھر میں گھس کر اس پر مجرمانہ حملہ کیا تھا۔ اس کام سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے گھڑی دیکھی۔ سات بجنے کو تھے۔ اس نے اپنا کام بالکل صحیح وقت پر ختم کر لیا تھا۔ اب اسے ایک مقررہ جگہ پر ماریا کوپر سے ملنے جانا تھا پھر اس نے اپنے آپ کو یاد دلایا کہ ماریا کوپر کو اس نے اپنا نام پیٹر اوبرائن بتایا تھا۔

○☆○

ماریا کوپر سرد سمندری ہوا میں سکڑی سمٹی پارک کی ایک بینچ پر بیٹھی تھی۔ سامنے کچھ دور کھاڑی میں چند موٹر بوٹس لکڑی کے پل سے بندھی نظر آ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک بوٹ کے سامنے والے حصے میں روشنی تھی اور ماریا اس میں موجود مرد اور عورت کو دیکھ سکتی تھی جو ایک دوسرے کے نہایت قریب بیٹھے شیمپئین سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

وہ ایک خوب صورت جوڑا تھا۔ مرد کے بالوں میں گو کہ سفیدی نمودار ہو رہی تھی لیکن اس کا جسم ورزشی اور خوب صورت تھا۔ سنہری بالوں والی عورت بھی خوب صورت اور مرد سے خاصی کم عمر تھی۔ شیمپئین کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتے ہوئے وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ انہیں یقیناً گماں بھی نہیں تھا کہ کچھ دور شام کے سرمائی اندھیرے میں سبزہ زار کی ایک بینچ پر کوئی عورت بیٹھی تھی اور انہیں دیکھ رہی تھی۔

شمپین ختم کرکے وہ اٹھے اور پیچھے کیبن میں چلے گئے۔ دروازہ ان کے عقب میں بند ہوگیا۔ ماریا کو پیٹر اوبرائن سے اپنی متوقع ملاقات کا خیال آیا۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس کی آج کی رات کیسی گزرے گی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کے اندر ایک عجیب سی اداسی پھیلنے لگی تھی لیکن ریستوران میں پہنچ کر ایک میز پر بیٹھنے کے بعد جب اس نے اپنے لیے وائن کا آرڈر دیا تو اداسی کا دائرہ دھیرے دھیرے سمٹنے لگا۔ وائن کا گلاس ختم کرنے کے بعد اس نے خود کو کافی بہتر محسوس کیا۔ اس نے ایک اور گلاس کا آرڈر دیا۔ پیٹر اوبرائن ابھی آتا دکھائی نہیں دیا تھا۔

ماریا اپنا دھیان بٹائے رکھنے کے لیے اپنے حالات کے بارے میں غور کرنے لگی۔ اسے کوئی مالی مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ مکان ذاتی تھا۔ بینک میں کافی رقم تھی۔ جوناتھن کی انشورنس پالیسی کی وارث بھی وہی تھی۔ اس کے باوجود وہ سوچ رہی تھی کہ محض خود کو بہلائے رکھنے کے لیے وہ مستقبل قریب میں کوئی ملازمت کرلے گی۔

ریستوران کا ماحول خاصا رومانوی تھا لیکن ماریا کی کیفیات میں اس وقت مدّوجزر سا برپا تھا۔ ایک بار اسے خیال آیا کہ پیٹر کو فون کرکے آج کی ملاقات ملتوی کردے۔ اس سے یہ کہہ کر معذرت کرلے کہ ابھی وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے اپنے موبائل فون کی طرف ہاتھ بھی بڑھایا مگر پھر ارادہ ملتوی کردیا۔ اچانک ہی اپنے بچپن کی ایک یاد اس کے ذہن کے پردے پر ابھر آئی۔

اس وقت وہ کمسن تھی اور اپنے دادا کے ساتھ گھڑ سواری کررہی تھی۔ دونوں الگ الگ گھوڑوں پر تھے اور ایک جگہ ستانے کے لیے رکے تھے۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ اس کے دادا کی نظر زمین پر ایک جگہ جم کر رہ گئی تھی۔

ماریا نے آہستگی سے گردن گھما کر دیکھا اور لہو اس کی رگوں میں سرد ہوگیا۔ ایک بڑا سا سانپ اس کے گھوڑے کے قریب پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ ماریا جس گھوڑے پر سوار تھی وہ اسے بہت عزیز تھا اور سانپ اسے ڈسنے کے لیے تیار تھا۔ کسی بھی لمحے وہ گھوڑے کی ٹانگ پر جھپٹنے ہی والا تھا۔

اس کے دادا کا ہاتھ آہستگی سے ہولسٹر کی طرف گیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک دھماکا ہوا اور ماریا نے دیکھا، سانپ کے پھن سمیت بالائی حصہ غائب ہوچکا تھا اور باقی خون آلود ملغوبے میں لتھڑ کر ساکت ہوچکا تھا۔ دادا نے پلک جھپکتے میں

خدمتِ انسانیت ایک عظیم عبادت ہے
ارشاد نبوی ﷺ

آپ
پریشان
آخر کب تک؟

اگر خدانخواستہ آپ کسی بھی اندرونی بیماری
اعصابی کمزوری، تبخیر معدہ یعنی گیس ٹربل
شوگر یا دیگر قابل غور امراض
کی پریشانی میں مبتلا ہیں تو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ مایوسی گناہ ہے۔ ہمارا بلند معیار۔ بااصول مستند ادارہ آپ کو سستا، آسان، اصولی، تسلی بخش مستقل اور مختصر علاج فراہم کرے گا۔

ہمارا طریقہ علاج

دوسرے اداروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے جس بفضلہٖ تعالیٰ مرض جڑ سے ختم ہوجاتی ہے اور دوبارہ علاج کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

ادویات بذریعہ ڈاک منگوائی جاسکتی ہیں

اندرون و بیرون ملک حضرات اپنے تمام حالات مفصل لکھ کر مشورہ حاصل کرسکتے ہیں۔ صیغہ راز ایک امانت ہوگی۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنی مرض کو لمبی پرانی یا لاعلاج نہ بنائیں بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنا اصولی، تسلی بخش اور مستقل علاج کروائیں۔ کیونکہ اگر صحت اچھی ہوگی تو تب ہی ساری خوشیاں بھی اچھی لگیں گی

تندرستی ہزار نعمت ہے

منیجر مستند ادارہ النجم الصحت

شریف دواخانہ قائم شدہ ۱۹۴۱ء

پوسٹ بکس نمبر 9 حافظ آباد پوسٹ کوڈ 52110 پاکستان

اسے گولی ماردی تھی۔

وہ جب واپس روانہ ہوئے تو ماریا چپ چپ سی تھی۔ دادا نے محسوس کیا کہ شاید واقعے نے اس کے ذہن پر ناخوش گوار اثر ڈالا ہے اور سانپ کی کراہیت انگیز موت شاید اس کے ذہن پر نقش ہو کر رہ جائے۔

وہ گویا اسے بہلانے کے لیے بولے "تمہیں سانپ کی موت کا افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی روح اس وقت جنت کی سیر کر رہی ہوگی۔"

"جنت کی سیر۔۔۔؟" ماریا نے حیرت سے کہا تھا "میرے خیال میں تو اس منحوس کی روح کو جہنم میں ہونا چاہیے تھا۔"

تب اس کے دادا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے تھے اور انہوں نے گھر میں اعلان کر دیا تھا کہ ان کی پوتی ایک باہمت اور مضبوط دل والی لڑکی تھی۔

ماریا کی یادوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ایک شخص ریستوران میں داخل ہوتا دکھائی دیا تھا اور وہ اس کے خیال میں پیٹر اوبرائن کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اندر آ کر متلاشی انداز میں ادھر ادھر دیکھا تو ماریا نے ہاتھ ہلا دیا۔ وہ دلکش انداز میں مسکرایا اور اس کی میز کی طرف آ گیا۔

"مس ماریا کوپر؟" اس نے تصدیق چاہی۔ ماریا نے اثبات میں سر ہلایا تو پیٹر نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے مضبوطی سے مصافحہ کیا اور وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

ان کی میز کھڑکی کے قریب تھی اور وہاں سے سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا لیکن ماریا سمندر کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ادھر دیکھتی تھی تو اسے اپنے شوہر جوناتھن کوپر کا خیال آ جاتا تھا اور کم از کم کچھ دیر کے لیے وہ اس خیال کو ذہن سے دور رکھنا چاہتی تھی۔

وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ ڈرنکس کا سلسلہ چلتا رہا۔ رفتہ رفتہ ان کے درمیان اجنبیت کا احساس معدوم ہو گیا۔ پیٹر نے بتایا کہ اس کی شادی ہوئی تھی مگر اب طلاق ہو چکی تھی۔ اس کا کوئی بچہ نہیں تھا۔ ماریا نے بتایا کہ جوناتھن کوپر سے اس کی بھی کوئی اولاد نہیں تھی۔

باتوں میں وقت گزرنے کا ماریا کو کوئی خاص احساس نہیں ہوا۔ وہ پیٹر سے زیادہ پی چکی تھی اور اسے اس کا احساس بھی تھا مگر جوناتھن کے خیال۔۔۔ اور اس خیال کی وجہ سے ابھرنے والے درد دل کو دبانے کے لیے وہ غیر ارادی سے انداز میں پیے جا رہی تھی۔ دس بجے کے قریب اسے احساس ہوا کہ ریستوران خالی ہونے لگا ہے۔

"کیوں نہ باہر چلیں؟" پیٹر نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ چلتے ہیں۔" ماریا نے مضبوط لہجے میں کہا۔

باہر آ کر وہ شانہ بشانہ ٹہلتے ہوئے سمندر کے کنارے چل دیے۔ آخر کار وہ کھاڑی کے قریب کھلے پارک کی اسی بینچ کے سامنے جا پہنچے جہاں ماریا شام کو بیٹھی رہی تھی۔ ماریا نے بینچ کی طرف اشارہ کیا اور وہ دونوں اس پر بیٹھ گئے۔ وہ بوٹ اب بھی وہیں موجود تھی جسے ماریا نے شام کو دیکھا تھا۔

کچھ دیر دونوں ہی خاموش رہے۔ اچانک ماریا کی نظر پیٹر کی پتلون کی جیب پر پڑی۔ اس جیب سے نائیلون کی ایک ڈوری جھانک رہی تھی۔

"تمہاری جیب سے کوئی چیز نکل کر گرنے والی ہے۔" ماریا نے خبردار کیا۔

پیٹر نے ڈوری جیب سے نکال ہی لی اور اسے صحیح طرح سمیٹ کر اس کا چھوٹا سا گچھا بنانے لگا۔

"یہ کس لیے ہے؟" ماریا نے تجسس سے پوچھا۔

"پیشے کے سلسلے میں کام آنے والا اوزار سمجھ لو۔" پیٹر نے اطمینان سے جواب دیا اور بوٹ کی طرف دیکھنے لگا جس میں موجود جوڑا کیبن سے باہر آ چکا تھا۔ اب وہ دونوں ڈیک پر بیٹھے شمپین پی رہے تھے اور پہلے ہی کی طرح ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

"یہ تمہارا شوہر ہے؟" پیٹر نے ڈیک پر موجود مرد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔!" ماریا نے جواب دیا اور جھرجھری لی۔ سردی اسے باہر سے نہیں، اندر سے محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ اور شاید نفرت بھی۔

"تم کب اپنا کام کرو گے؟" چند لمحے کی خاموشی کے بعد ماریا نے پوچھا۔

"اس کا دارومدار حالات پر ہے۔" پیٹر نے جواب دیا "مجھے ذرا اچھی طرح صورتِ حال کا جائزہ لینے دو۔۔۔ اس کے ساتھ عورت کون ہے؟"

"اس کی بدمعاش نرسوں میں سے کوئی ہوگی۔۔۔ میں نہیں جانتی۔" ماریا نے جواب دیا۔

"کیا یہ تمام رات بوٹ پر اس کے ساتھ رہے گی؟" پیٹر نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ ایک مہینے سے تو میں چھپ کر اپنے شوہر کی نگرانی کر رہی ہوں۔ وہ ساری رات کے لیے کسی کو ساتھ نہیں رکھتا۔ آدھی رات کے قریب وہ اسے رخصت کر دے گا۔ کل شام کوئی دوسری آ جائے گی۔"

پیٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا "تو پھر میں اپنا کام آج رات ہی انجام دے دوں گا۔ اس عورت کے جانے کے

بعد۔" پھر وہ ماریا کی طرف دیکھ کر بولا "کام میں اسی طرح کروں گا جس طرح میں نے تمہیں بتایا تھا۔ جب تمہارا شوہر سو جائے گا تو میں اسے قابو میں کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دوں گا اور بوٹ کو گہرے پانی میں لے جاؤں گا۔ پھر اسے بے ہوش کر کے میں سمندر میں پھینک دوں گا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ شاید اس کا پاؤں لنگر کی رسی میں پھنس گیا تھا اور وہ عرشے سے سمندر میں گر گیا تھا۔"

ایک لمحے کے توقف سے اس نے پوچھا "غالباً یہ کافی دیر سے پی رہا ہے؟"

"یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" وہ تلخی سے بولی۔

"یہ اور بھی اچھا ہے.... اس طرح اس واقعے پر حادثے کی چھاپ اور بھی گہری ہو جائے گی۔" پیٹر نے طمانیت سے سر ہلایا "میں جزیرے کے قریب بوٹ سے اتر جاؤں گا۔ اسے سمندر میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دوں گا اور خود کرائے کی بوٹ میں واپس آجاؤں گا۔"

"تم جسے بھی قتل کرتے ہو، کیا اس کی موت کو حادثے کا رنگ دے دیتے ہو؟" ماریا نے غیر ارادی طور پر پوچھا اور فوراً ہی اسے اندیشہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ کرائے کے کسی قاتل سے اس قسم کا کوئی سوال کر کے ان لوگوں کے ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہی تھی؟

"زیادہ تر تو میں یہی کوشش کرتا ہوں۔" پیٹر نے برا منائے بغیر جواب دیا "اس عورت ہی کی مثال لے لو جسے میں آج شام ٹھکانے لگا کر آیا ہوں۔ وہ خود اپنے سگے بچوں سے برا سلوک کرتی تھی۔ انہیں اذیت دیتی تھی۔ اس کے باوجود انہیں تحویل میں رکھنے کے حق سے دست بردار نہیں ہوتی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ بچوں کے ذہن پر اس نے اپنا ایسا خوف بٹھا رکھا تھا کہ وہ بے چارے پولیس کے سامنے اصل بات کہتے بھی نہیں تھے ورنہ شاید فیصلہ باپ کے حق میں ہو جاتا اور بچے مکمل طور پر اسے ہی مل جاتے۔ چنانچہ باپ نے میری خدمات حاصل کیں۔ میں اس کی موت کو کچھ ایسا رنگ دے آیا ہوں جیسے وہی نامعلوم جنسی جنونی، موقع پا کر اس کے گھر میں گھس آیا تھا جو اس سے پہلے بھی دو عورتوں کو ہلاک کر چکا ہے اور ابھی تک پکڑا نہیں گیا۔"

ماریا نے جھرجھری سی لی اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولی "تمہیں یہ سب کچھ مجھے بتاتے ہوئے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ میں کوئی پولیس وومین ہوں اور میں نے تمہیں پھانسنے کے لیے یہ سارا جال پھیلایا ہو؟"

"جب انسان اپنے کام میں پرانا ہو جاتا ہے تو اسے بہت سی باتوں کا تجربہ ہو جاتا ہے۔ اس کی چھٹی حس بھی اسے بہت کچھ بتا دیتی ہے.... اور تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں پچھلے چند دنوں میں تحقیقات بھی کر لی ہیں۔ تم واقعی ضرورت مند ہو۔ تمہیں واقعی مجھ جیسے آدمی کی خدمات کی ضرورت ہے۔ میں نہایت گول مول سے الفاظ میں اس محدود سی اشاعت کے رسالے میں اشتہار دیتا ہوں۔ صرف تم جیسے ضرورت مند ہی اس کا اصل مطلب سمجھتے ہیں۔"

ماریا نے سر ہلایا پھر گویا اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے پرس سے ایک پھولا پھولا سا لفافہ نکال کر پیٹر کے حوالے کیا جو اس نے فوراً ہی جیب میں رکھ لیا۔

"پیٹر تمہارا اصل نام تو نہیں ہوگا؟" ماریا نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے دیانت داری سے جواب دیا "فی الحال جو کام درپیش ہے.... صرف اس کے سلسلے میں میرا نام پیٹر ہے۔"

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ماریا ہچکچاتے ہوئے بولی "جوناتھن کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی نا؟"

"پانی ان دنوں بالکل یخ ہے اور اس نے بہت پی رکھی ہوگی۔ اسے تو شاید پتا بھی نہ چلے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔" پیٹر نے گویا اسے تسلی دی۔

دوسرے ہی لمحے ماریا کو اپنے آپ پر افسوس ہوا کہ اس نے یہ سوال کیوں کیا۔ اب دل میں کوئی نرم گوشہ رکھنے کا کیا فائدہ تھا.... اور جوناتھن کب اس کا مستحق تھا؟ جوناتھن.... جو ہر ویک اینڈ پر اسے بتا کر جاتا تھا کہ وہ دوستوں کے ساتھ سمندر کی سیر اور مچھلی کے شکار کے لیے جا رہا ہے مگر اس کا ہر ویک اینڈ اس گوشۂ تنہائی میں بوٹ پر کسی نئی لڑکی کے ساتھ گزرتا تھا۔ وہی جوناتھن جس نے بیوی کی آبائی دولت سے اپنا ذاتی چھوٹا سا اسپتال بنایا تھا اور اب اس کی کمائی آوارہ عورتوں پر لٹاتا تھا۔

وہی جوناتھن جس نے ماریا کی وہ ملازمت چھڑا دی تھی جو اسے بہت پسند تھی۔ وہی جوناتھن جو شادی سے پہلے کہتا تھا کہ اسے بچے بہت پسند ہیں مگر شادی کے بعد اس نے کبھی ماریا کو ماں بننے نہیں دیا حتیٰ کہ دو سال سے تو اس نے اس کے قریب ہی آنا چھوڑ دیا۔ وہی جوناتھن جو بات بات پر لڑتا جھگڑتا تھا۔ تین ماہ پہلے تو اس نے غصے میں ماریا کو سیڑھیوں سے دھکا دے دیا تھا۔

اب ماریا اس جوناتھن کے بغیر زندگی گزارنے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکی تھی!



سودائے دل

نجمہ مسعودی

وہ دونوں اپنے اپنے پیشے میں ایک شہرتِ خاص رکھتے تھے۔ ایک اپنی زبان کو پتھر بنانے کا فن جانتا تھا تو دوسرا پتھر کو موم کرنے کا ماہر کہلاتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے مقابل آگئے تھے مگر اس بات سے بے خبر تھے کہ اس بار فیصلہ کن کردار ایک تیسری ہی شخصیت کو ادا کرنا ہے۔

جرم کی سفاکی اور قانون کی سختی کے درمیان ہونے والا دل کا سودا

"یہاں بیٹھ جاؤ۔" سارجنٹ ہنری راس نے اپنی میز کے دوسری طرف، اپنے مقابل رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "چاہو تو اپنا کوٹ اتار لو۔"

جس نوجوان کو وہ بیٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا اس کی عمر اٹھارہ سے اوپر تھی لیکن راس کی نظر میں وہ بچہ ہی تھا۔ وقت سے پہلے بڑا ہو جانے والا، بگڑا ہوا بچہ۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ جسم چھریرا اور ناک طوطے کی چونچ سے مشابہ تھی جس کی وجہ سے بعض لڑکے اسے چڑانے کے لیے صرف "چونچ" کہہ کر بھی پکارنے لگے تھے۔ وہ موٹے عدسوں والی بھاری سی عینک لگاتا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پرانا اور پیشہ ور مجرم تھا مگر اس کا ریکارڈ یہی بتاتا تھا۔ اس کا نام اولیور براؤن تھا۔

براؤن بیٹھ چکا تو راس بھی بیٹھ گیا۔ اسے جو کام انجام دینا تھا

وہ اس کی نظر میں کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ مجرموں اور گواہوں کی زبان کھلوانے کے سلسلے میں' اسے اس پولیس اسٹیشن کا ماہر ترین آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس سلسلے میں وہ شہری حقوق کی خلاف ورزی بھی نہیں کرتا تھا۔ وہ شہری حقوق کا احترام کرتا تھا اور تشدد کے ذریعے زبان نہیں کھلواتا تھا۔ اس کا علاقہ بدنام' سخت جان اور جرائم پیشہ لوگوں کا علاقہ تھا جو اپنے شہری حقوق سے اچھی طرح واقف ہی نہیں تھے بلکہ ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں بھی ماہر تھے۔

"میں مختصر ترین الفاظ میں گفتگو کروں گا۔" راس بولا۔ "آج صبح ایک گندی گلی میں ایک بڑی سی کار کھڑی پائی گئی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر شہر کا ایک بدنام گروہ باز اور بدمعاش جون میکس موجود تھا۔ اس کی کھوپڑی میں ایک گولی پیوست تھی۔ اس کے ساتھ جینا نامی ایک خوبصورت اور پُرکشش عورت بھی تھی جس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ وہ بھی مُردہ تھی۔ اس کی گدی میں گولی ماری گئی تھی۔ اس واقعے پر کسی کو حیرت نہیں ہوئی کیونکہ جون میکس جیسے لوگوں کا انجام عموماً یہی ہوتا ہے۔ وہ تو خوش قسمت تھا کہ تیس سال سے انجام سے بچتا آرہا تھا۔ جینا کی بدقسمتی تھی کہ وہ برے وقت میں جون میکس کے ساتھ تھی۔ کار میں انگلیوں کے نشانات صاف کردیے گئے تھے' حتیٰ کہ خود میکس کے نشانات بھی نہیں تھے۔ صرف پچھلے دروازے کے ہینڈل پر ایک چکنائی زدہ اور بالکل صاف نشان موجود تھا اور وہ تمہارے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا تھا۔ اب بتاؤ... تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟"

"تم باقاعدہ الزام عائد کیے بغیر مجھے اڑتالیس گھنٹے کے لیے یہاں روک سکتے ہو۔ اس کے بعد یا تو تمہیں مجھ کو عدالت میں پیش کرنا ہوگا یا چھوڑنا ہوگا۔" براؤن نے عینک کے موٹے شیشوں کے عقب میں تیزی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "میں اڑتالیس گھنٹے کے لیے یہاں بیٹھ کر تمہاری ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں۔"

"مجھے یقین ہے' تم ایسا کرسکتے ہو۔" راس نے اس سے اتفاق کیا۔

"پچھلی مرتبہ اسی طرح ایک دوسرے علاقے کے پولیس اسٹیشن میں مجھ سے اڑتالیس گھنٹے پوچھ گچھ کی گئی۔ میں نے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ انہوں نے ہر حربہ آزما لیا۔ دو ماہ بعد میں دوبارہ اسی پولیس اسٹیشن میں موجود تھا اور دوبارہ پوچھ گچھ کے اسی سلسلے سے گزر رہا تھا لیکن میرے پاس جواب میں اس بار بھی خاموشی تھی۔ چھ ماہ قبل' میں یہاں... عین اسی کمرے میں تمہارے سامنے موجود تھا لیکن میں نے اس وقت بھی زبان نہیں کھولی تھی۔ اب بھی نہیں کھولوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" راس تحمل سے بولا۔ "میں تمہاری حکمت عملی سے واقف ہوں۔ تم سے خواہ کچھ بھی پوچھا جائے' تم چُپ سادھ لیتے ہو لیکن چُپ سادھنے سے پہلے صرف میرے تجسس کی تسکین کے لیے' دو ایک چھوٹی چھوٹی باتیں بتا دو۔ تم درحقیقت بدمعاش نہیں ہو۔ کسی گروہ سے تمہارا واسطہ' تعلق نہیں ہے۔ تم ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کرچکے ہو۔ تم آج جہاں ہو' ممکن ہے اس میں تمہارا قصور نہ ہو۔ شاید تمہیں حسب خواہش حالات میسر نہ آئے ہوں۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو سارجنٹ؟" براؤن نے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے کیوں خود ہی زندگی کو اپنے لیے بوجھ بنا لیا ہے؟ تم نے کیوں سوچ لیا ہے کہ بغیر محنت کیے کبھی .... پانچ ڈالر یہاں سے' کبھی دس ڈالر وہاں سے' حاصل کرکے تم زندگی گزار لوگے؟ معاشرے میں انسان کی کچھ ذمے داریاں ہوتی ہیں..."

راس کو خود بھی احساس تھا کہ اس کی گفتگو کسی نتیجہ خیز موڑ کی طرف نہیں جارہی تھی اور پولیس اسٹیشن کے ایک "مایہ ناز" تفتیشی آفیسر کی حیثیت سے اسے کچھ نہ کچھ کامیابی تو حاصل کرکے دکھانا تھی۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "ٹھیک ہے... ہم یہ نہیں کہتے کہ تم نے جون میکس اور اس کی محبوبہ کو قتل کیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تم قاتلوں کے ساتھ تھے لیکن ہمارا خیال ہے کہ تم جائے واردات کے قریب ہی ایک کباڑ خانے کے چوکیدار کی خالی اور متروک کُٹیا میں سوئے ہوئے تھے۔ تم نے غالباً جون میکس کو کار ڈرائیو کرکے وہاں آتے دیکھا تھا۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ اس وقت کسی نے اس کی کنپٹی پر ریوالور رکھا ہوا تھا۔ تم نے گولیوں کی آواز سنی' کسی کو جون میکس کی کار سے اترتے اور فنگر پرنٹس صاف کرتے دیکھا۔ شاید کوئی دوسری کار اس کی منتظر تھی۔ تم نے اسے اس میں بیٹھ کر رخصت ہوتے دیکھا۔ ہمارا خیال ہے کہ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد تم جون میکس کی کار تک گئے اور تم نے پچھلا دروازہ کھول کر دیکھا۔ تمہیں معلوم تھا کہ اندر کوئی لاش ہی دیکھنے کو ملے گی لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ جون میکس کی لاش ہوگی۔ اس قبیل کے بدمعاش اور گروہ باز کی لاش دیکھتے ہی تم نے اس معاملے سے بالکل لاعلم ہوجانے کا فیصلہ کیا اور وہاں سے غائب ہوگئے۔ کیا خیال ہے؟"

"اس سے بہتر کہانیوں پر مبنی ڈرامے میں ٹی وی پر دیکھ چکا ہوں۔" براؤن بے نیازی سے مسکرایا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔" اس نے تسلیم کیا۔ "بہرحال اب میں اصل سوال کی طرف آتا ہوں۔ تم نے جون میکس کی کار سے کسے اترتے دیکھا تھا؟"

"خدا حافظ سارجنٹ! مجھ پر ابھی ابھی انکشاف ہوا کہ میں گونگا اور بہرا ہوچکا ہوں۔ اب میں مزید کچھ نہیں سن سکوں گا' کسی بات کا جواب نہیں دے سکوں گا۔" اس نے سختی سے دانت

بھینچ لیے اور کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

راس لمحہ بھر سانس لے کر بولا۔ "تمہارے سوا ہمارے پاس کوئی گواہ نہیں ہے براؤن! ہم سب کو معلوم ہے کہ جون میکس کوئی فرشتہ نہیں تھا۔ دوسرے بہت سے بدمعاشوں کی طرح وہ بھی ہمارے لیے محض دردِ سری تھا لیکن پولیس اور قانون کے معاملات بھی عجیب ہیں۔ جب کوئی بدمعاش ٹھکانے لگایا جاتا ہے تو ہماری نئی ذمے داریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ معلوم کرنا ہمارا فرض بن جاتا ہے کہ اسے کس نے قتل کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میکس کے قتل پر ہمارے دل خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ وہ پرلے درجے کا خبیث تھا لیکن ہمیں بہرحال اس کے قاتل کو تلاش کرنا ہے۔ لو... سگریٹ پیو۔"

راس نے خود ایک سگریٹ لینے کے بعد پیکٹ براؤن کی طرف بڑھایا لیکن اس نے سگریٹ لینے کے لیے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ اس کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل تھا کہ اس نے راس کی بات سنی بھی ہے یا نہیں؟ راس کو اپنے مقصد میں کامیابی کی کوئی اُمید نظر نہیں آ رہی تھی لیکن وہ کوشش ترک نہیں کر سکتا تھا۔

براؤن دراصل یہ نکتہ بہت اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ خاموشی میں ہی اس کے لیے عافیت ہے۔ چار سال قبل وہ جس اسکول میں پڑھ رہا تھا وہاں کئی چوریوں کے اعتراف کے بعد اسے ایک اصلاحی ادارے میں بھیج دیا گیا تھا۔ اگر اس نے اعتراف نہ کیا ہوتا تو اسے نو عمر مجرموں کی عدالت میں پیش کرنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ جس پولیس آفیسر نے اسے گرفتار کیا تھا اس نے حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے یہ بات اسے بتا بھی دی تھی۔ براؤن نے یہ نکتہ گرہ میں باندھ لیا تھا۔

وہ پوچھ گچھ کے دوران ایسا بن جاتا تھا جیسے اسے کوئی انسانی آواز سنائی ہی نہیں دے رہی۔ وہ کوئی چیز نہیں مانگتا تھا۔ پانی تک نہیں پیتا تھا۔ اس مخصوص کمرے میں آنے سے پہلے ہی وہ بہت سا پانی پی لیتا تھا۔

پولیس اسٹیشن میں لائے جانے والے بیشتر مشتبہ افراد سے پوچھ گچھ کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور نکلتا تھا۔ وہ بظاہر سیدھے سادے سوالات کے جوابات دیئے جاتے تھے اور بار بار انہیں دہراتے وقت کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کر جاتے تھے۔ ان کا کوئی چھوٹا موٹا جھوٹ پکڑا جاتا تھا جسے نبھانے کے لیے وہ کوئی دوسرا جھوٹ بولتے تھے۔ شاطر اور منجھے ہوئے پولیس آفیسرز انہیں سوالات کی چکی میں پیستے رہتے تھے حتیٰ کہ صحیح تصویر سامنے آجاتی تھی۔ یہ ایک مشکل اور صبر آزما کام تھا لیکن راس جیسا پولیس آفیسر آخر کار مشتبہ شخص کی زبان کی لغزش سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو ہی جاتا تھا۔ وہ ہمت نہیں ہارتا تھا۔

لیکن براؤن کا معاملہ بہرحال مختلف تھا۔ وہ جب زبان بند کر لیتا تو یہ امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ سامنے کوئی انسان بیٹھا ہے یا مجسمہ۔ راس دعا کیا کرتا تھا کہ کہیں ہر ملزم براؤن کی حکمت عملی نہ اپنا لے۔ بہت سادہ سا طریقہ تھا کہ نہ کچھ بولو، نہ کوئی غلطی پکڑی جائے گی۔

راس نے کوشش جاری رکھی۔ وہ ایک گھنٹے سے اسی نکتے پر زور دے رہا تھا۔ "ہمیں تم پر جون میکس اور اس کی محبوبہ کے قتل کا شبہ نہیں ہے اور نہ ہی ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں مُردہ دیکھ کر تم نے ان کی کوئی چیز چُرائی ہے۔ بے شک تم چھوٹے بدمعاش ہو لیکن اتنے نیچ نہیں ہو۔ اس کے علاوہ تمہیں کسی نے یہاں آتے نہیں دیکھا۔ کسی کو نہیں معلوم کہ تمہیں پولیس اسٹیشن لایا گیا ہے۔ جون میکس کے قاتلوں کو ذرا بھی شبہ نہیں کہ انہیں کسی نے دیکھا تھا اور اگر انہیں یہ بات معلوم ہو بھی گئی تو بہت تاخیر سے معلوم ہوگی۔ اس وقت وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ تمہارا زبان کھولنا تمہارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں بنے گا۔ تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آ رہی براؤن؟"

براؤن نے کوئی جواب نہیں دیا۔

راس بولا۔ "میرے یہ کہنے کا تو کوئی فائدہ نہیں کہ تمہیں جو کچھ معلوم ہو، وہ قانون کے محافظوں کے علم میں لانا تمہاری معاشرتی ذمے داری ہے کیونکہ تمہیں علم ہی نہیں، معاشرت کیا ہوتی ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ تمہیں تمہاری اخلاقی ذمے داریوں کا احساس دلانا بھی فضول ہوگا کیوں کہ اخلاقیات نام کی کوئی چیز تمہارے اندر ہے ہی نہیں۔ ایک بے زبان چڑیا شاید اخلاقیات کو تم سے بہتر سمجھتی ہو۔ مذہب کا واسطہ دینا بھی فضول ہے۔ مذہب کا تو غالباً تم نے کبھی نام بھی نہیں سنا ہوگا۔"

براؤن کے جبڑوں کے عضلات کچھ اور نمایاں ہو گئے۔ اس کے علاوہ کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا۔

"ٹھیک ہے۔" آخر کار راس اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہم تمہیں صرف اتنی ہی دیر روکیں گے جتنی ہمیں قانوناً مہلت حاصل ہے۔ اس کے بعد ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ ہماری فائلوں میں ایک اور



دُہرے قتل کے کیس کا اضافہ ہو جائے گا جس میں ہم ناکام کہلائیں گے۔ صرف اس لیے کہ ایک نچلے درجے کے بدمعاش نے ہم سے تعاون نہیں کیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے نا' تم کون ہو؟ صرف ایک گھٹیا سے بدمعاش۔ تم صرف اس لحاظ سے فائدے میں ہو کہ تمہیں ضمیر کی خلش نہیں ستاتی کیونکہ تمہارے پاس ضمیر ہے ہی نہیں۔ تمہارے دل اور دماغ کی جگہ صرف خلا ہے۔ جاؤ' دفع ہو جاؤ۔"

براؤن نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ راس کا اس کے بارے میں خیال درست تھا۔ اس نے کوئی ایسا طریقہ دریافت کرلیا تھا جس سے وہ اپنے گردوپیش کی آوازیں سُننا بند کردیتا تھا۔ شاید وہ اتنی شدت سے کسی اور چیز کے بارے میں سوچنے لگتا تھا کہ آس پاس کی آوازوں کے لیے اس کے ذہن اور سماعت میں کوئی جگہ ہی نہیں رہتی تھی۔

اسے اس کی جگہ سے اٹھانے کے لیے راس کو اسے جھنجوڑنا پڑا۔ تب وہ گویا کسی اور دنیا سے واپس آیا اور اس کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ رینگ آئی۔ راس نے اسے ایک پٹرول مین کے حوالے کردیا تاکہ اسے حوالات میں بند کردیا جائے۔

شام ہو چکی تھی۔ اب کیپٹن کے سامنے پیش ہو کر زبانی رپورٹ دینے کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیپٹن کا نام مورگن تھا۔ وہ ایک دُبلا پتلا اور خوش لباس شخص تھا۔ وہ تحریری رپورٹوں کے خلاف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ایک سراغرساں کو اپنے افسر کے سامنے جا کر سب کچھ زبانی بتانا چاہئے۔ خصوصاً ناکام رہنے کی صورت میں تو ضرور افسر کا سامنا کرنا چاہئے۔

مورگن نے اس کی پوری بات سن کر ہنکارا بھرتے ہوئے کہا "اگر تم اس کی زبان نہیں کھلوا سکے تو پھر کوئی بھی نہیں کھلوا سکتا۔ کیا ہم اسے چھوڑ دیں؟"

"ابھی نہیں۔" راس بولا۔ "مجھے کچھ مُہلت دیں۔ شاید میں کوئی نئی بات سوچنے' کوئی نیا زاویہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"اگر اسے کسی وکیل کی خدمات حاصل ہوتیں تو اب تک وہ رہا ہو کر جا چکا ہوتا۔" مورگن بولا "بہرحال تم اپنی سی کوشش کر دیکھو۔ ہمیں جائے واردات سے اس کار کے ٹائروں کے نشانات ملے ہیں جس میں بیٹھ کر غالباً قاتل وہاں سے رخصت ہوا تھا۔ بڑے صاف اور واضح نشانات ہیں' ذرا الگ ہی قسم کے معلوم ہو رہے ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ نشانات کس کار کے ہیں تو جون میکس کے قاتل کو تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"میں کوشش جاری رکھوں گا۔" راس بولا لیکن ظاہر ہے وہ مسلسل چوبیس گھنٹے کام نہیں کر سکتا تھا۔ خصوصاً جب کہ اس کی خوبصورت اور محبت کرنے والی بیوی گھر پر بے تابی سے اس کا انتظار کرتی تھی۔ وہ ایک گھریلو سی عورت تھی۔ کوئی ملازمت وغیرہ نہیں کرتی تھی۔ پوری توجہ اور لگن سے گھر سنبھالتی تھی' اس کے لیے اچھے اچھے کھانے پکاتی تھی جن کے اثرات اس کے پیٹ پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔

اس روز بھی لارا نے گرمجوشی اور محبت سے اس کا استقبال کیا۔ اگر معاملہ زیادہ سنگین اور خطرناک نہیں ہوتا تھا تو عام طور پر راس اسے ضرور تفصیل سے بتا دیتا تھا کہ دن بھر وہ کیا کرتا رہا۔ آج اس نے لارا کو اپنی ناکامی کے بارے میں بتایا۔

آخر میں وہ بولا۔ "براؤن ایک عجیب و غریب نوجوان ہے۔ بیشتر نوجوان مجرموں کی طرح وہ صرف شاطر نہیں ہے بلکہ اس کے پاس ایک خاندانی ذہانت بھی ہے۔ وہ بس سامنے بیٹھا رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں بولتا۔ بلکہ وہ کچھ سنتا بھی نہیں۔ میں زبان کھلوانے کا ماہر سمجھا جاتا ہوں لیکن یہ بدبخت براؤن میرا ریکارڈ خراب کر کے چھوڑے گا۔ وہ اس قسم کا آدمی ہے کہ تپتے لوہے سے اس کا جسم داغ دیا جائے تب بھی زبان نہیں کھولے گا۔"

"کیا وہ بہت بدخصلت نوجوان ہے؟" لارا نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کہ کیا وہ خطرناک' ظالم اور تشدد پرست ہے؟"

"بدخصلت تو وہ ضرور ہے۔" راس بولا۔ "لیکن خطرناک' ظالم یا تشدد پرست نہیں ہے۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"اس کے طرزِ عمل میں اس کے خاندانی پس منظر کا دخل ضرور ہوگا۔ اس کا خاندانی پس منظر کیا ہے؟"

"بکھرے ہوئے گھر کی پیداوار ہے۔ ماں گھر چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ باپ ایک بے حس شرابی ہے۔ کام کرتا ہے مگر ساری کمائی شراب میں اُڑا دیتا ہے۔ براؤن کا کوئی بھائی بہن نہیں ہے۔ صحیح معنوں میں اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔ دو سال ہائی اسکول میں گزارے ہیں لیکن باقی تعلیم اصلاحی اسکول میں مکمل کی تھی جہاں اصلاح کے بجائے لڑکے چھوٹے موٹے جرائم کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔"

لارا گوشت کے ایک ٹکڑے پر مسالا لگاتے ہوئے بولی۔ "اس نوجوانی اور کم عمری میں کوئی بھی اپنے گرد ایسا آہنی خول تیار نہیں کر سکتا جس میں کوئی سوراخ نہ ہو۔"

"مجھے تو اس کی ذات پر چڑھے ہوئے خول میں کوئی سوراخ نہیں ملتا جس سے میں اس تک رسائی حاصل کر سکوں۔" راس پیٹ بھر چکنے کے باوجود ندیدوں کی طرح کھاتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس تصور سے ہی نفرت محسوس ہوتی ہے کہ براؤن جیسے نوجوان کے سامنے میری بہترین صلاحیتیں بے کار ہو جائیں۔ اس طرح انسان کا حوصلہ پست ہوتا ہے۔ ویسے بھی اگر جون میکس کے قتل کا معما حل ہو جائے تو ہمارا ریکارڈ اچھا ہو جائے گا۔ مجھے لیفٹیننٹ کے عہدے پر ترقی حاصل کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔"

چند لمحے بعد لارا بولی۔ "مجھے ایک دلچسپ ناول ختم کرنا ہے اور ٹی وی پر ایک شو بھی دیکھنا ہے۔ اسی قسم کا شو جنہیں تم بے کار

کیا کرتے ہو' جن میں کوئی پلاٹ نہیں ہوتا مگر عورتوں کے ملبوسات خوبصورت ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے' تم تو اب واپس پولیس اسٹیشن جاؤ گے کیونکہ تمہیں تو اس براؤن کے بچے سے نمٹے بغیر چین نہیں آئے گا۔"

راس جب اپارٹمنٹ سے نکلا تب بھی براؤن ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اب ایک نئے زاویے سے قسمت آزمائی کرنا چاہتا تھا' اسی لیے اس نے اپنا راستہ بھی بدل لیا۔ اس کا رُخ اب اس علاقے کی طرف تھا جہاں براؤن کا باپ رہتا تھا۔

وہ تھرڈ ایونیو پر واقع دو کمروں کا ایک فلیٹ تھا۔ ان کمروں میں بیئر اور چٹپٹی چیزوں کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ کچن کی میز بیئر کی بوتلوں اور کھانے پینے کی چیزوں کے خالی ڈبوں سے بھری ہوئی تھی۔

اولیور براؤن کا باپ لیری براؤن اپنے بیٹے کے مقابلے میں چھوٹے قد کا آدمی تھا۔ راس کی باتیں سننے کے بعد وہ بولا۔ "مجھے کیا معلوم کہ براؤن کے ساتھ کیا نفسیاتی مسئلہ ہے؟ وہ تو اس وقت سے ہی اپنے لیے کوئی نہ کوئی مصیبت مول لیتا آیا ہے جب وہ اتنا بڑا ہوا تھا کہ پھلوں کے ٹھیلے سے ایک آدھ پھل اُڑا سکے۔ اس کی ماں بھی اسے سدھارنے کے لیے کچھ نہیں کر سکی۔ اسے بھی وہ پاگل کیے رکھتا تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ اسی کی وجہ سے گھر سے بھاگ گئی تھی۔"

راس نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ اس کی جو حالت نظر آرہی تھی' وہی ایک عورت کو گھر سے بھگا دینے کے لیے کافی تھی۔ پینے کے علاوہ شاید اسے دنیا کی کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

راس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ "اس بار اس نے خود کوئی حرکت نہیں کی۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ ایک کُٹیا میں ٹھہرا ہوا تھا اور ایک کار۔"

لیری براؤن اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "اس کے پاس کار موجود ہے؟ دیکھو۔ اگر لڑکے کے پاس کوئی کار ہے تو وہ میری ہوگی۔ ابھی وہ بچہ ہے' وہ کار نہیں رکھ سکتا۔ اس آوارہ بدمعاش کو جیل میں ڈالو' جو اس کا اصل مقام ہے لیکن اس کی کار سرکاری تحویل میں لینے کی ضرورت نہیں' وہ میرے حوالے کردو۔ مجھے بہت عرصے سے کار کی ضرورت تھی۔"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کے پاس کار ہے۔" راس تحمل سے بولا۔ "میں کسی اور کار کے بارے میں بات کر رہا تھا۔"

"اوہ۔ تو پھر یوں کہو نا۔" لیری براؤن مایوسی سے بولا "دیکھو' میں نے اس لڑکے کو پال پوس کر جوان کیا لیکن اس نے کبھی میرے لیے کچھ نہیں کیا۔ ذرہ برابر میری خدمت نہیں کی۔ تم اس کار کی چابیاں جہاں چاہے پھینک دو' میری بلا سے۔ وہ تو ہے ہی نکما اور آوارہ۔ پیدائشی نکما ہے۔"

راس نے اسے بیئر کا چوتھا ڈبا کھولتے دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی اگلی منزل ایک متوسط علاقے میں واقع صاف ستھرا



اپارٹمنٹ تھا' جس کے دروازے پر مس بیسی کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ خاتون کی عمر دیکھنے کے بعد اسے مس کہنا کچھ زیادتی سی محسوس ہوتی تھی۔ اس نے بالوں کا جوڑا کس کر باندھا ہوا تھا۔ چہرے سے سخت گیر معلوم ہوتی تھی۔

راس کی پوری بات سننے کے بعد وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی "اولیور براؤن ہائی اسکول میں دو سال میرا شاگرد ضرور رہا ہے لیکن اس کے بعد میری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ برسوں گزر گئے۔"

"لیکن آپ اس کا ذکر سنتی رہی ہیں۔" راس بولا "اس کا اصلاحی اسکول وغیرہ کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ وہ جب کسی معاملے میں ملوّث ہوا' اس ضمن میں آپ کا بھی انٹرویو لیا گیا۔ اس بار وہ کسی جرم میں ملوّث نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس پوزیشن میں ہے کہ چاہے تو معاشرے کی کچھ خدمت انجام دے سکتا ہے بشرطیکہ یہ بات اس کی سمجھ میں آسکے کہ معاشرتی ذمے داریوں کی اہمیت کیا ہوتی ہے۔"

"مجھے اُمید نہیں کہ تم اسے یہ بات سمجھا سکو گے۔" مس بیسی نے کہا۔ "اولیور براؤن میں احساس ذمے داری تو کبھی بھی نہیں رہا۔ وہ ہمیشہ بڑی مشکلوں سے پاس ہوتا تھا۔ اس کا رویّہ مایوس کن تھا۔ غیر حاضریوں کے معاملے میں اس کا ریکارڈ آج تک کوئی نہیں توڑ سکا۔ مختصراً یہ کہ اس لڑکے کے بارے میں اسی زمانے سے یہ پیش گوئی کی جاسکتی تھی کہ وہ غلط راستوں پر ہی چلے گا۔"

"کیا آپ نے کبھی اس کو سدھرنے میں مدد دینے کی کوئی کوشش کی؟" راس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی۔ مجھے تمہارا لہجہ پسند نہیں آیا آفیسر! میں تو اپنے ہر شاگرد کو ہی سیدھے راستے پر چلانے کی کوشش کرتی ہوں۔ خصوصاً انہیں' جن میں کچھ مجرمانہ رجحانات نظر آتے ہیں۔ میں نے طلبا کے تفریحی دوروں پر بھی اسے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی جن کے اخراجات کے لیے طلبا کو چندہ کرنا ہوتا تھا۔ براؤن کے پاس چندہ دینے کے لیے رقم نہیں ہوتی تھی۔ اس کا حل میں نے یہ نکالا کہ میں معاوضے والا کوئی کام اس کے ذمے لگا دیتی۔ مثلاً وہ طلبا کا سامان اٹھاتا تھا۔ ایک بار وہ ایسے ہی ایک تفریحی اور مطالعاتی دورے میں واشنگٹن تک تو سامان اٹھاتا رہا اور اپنی دوسری ذمے داریاں انجام دیتا رہا۔ مگر وہاں سے بغیر اطلاع دیے غائب ہوگیا۔ وہ کسی نہ کسی طرح گھر تو واپس پہنچ گیا لیکن اس کے بعد میں نے اسے دوروں پر مدعو کرنا چھوڑ دیا۔"

"ہنہ..... یہ تو میں بھی کہوں گا کہ اس میں تعاون کا جذبہ نہیں ہے۔" راس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تعاون کا جذبہ بھی نہیں ہے اور تشکّر کا جذبہ بھی نہیں ہے۔" مس بیسی ناک سکیڑ کر بولی۔ "اس کے لیے خواہ کچھ بھی کرلو مگر وہ کبھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ اب مجھے ہی دیکھ لو' میں نے اس کے لیے کیا کچھ نہیں کیا مگر وہ کبھی ممنون نہیں ہوا۔"

راس نے تضحیکی انداز میں سر ہلایا تاہم وہ ابھی اپنی کوششیں ترک کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے سوالوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ اس کے ساتھیوں میں سے کسی ایسے لڑکے کا نام بتا سکتی ہیں جس سے اس کا دوسروں کی نسبت ذرا زیادہ میل جول رہا ہو؟ جسے وہ زیادہ پسند کرتا ہو؟ شاید وہ مجھے کوئی ایسی بات بتا سکے جس کی طرف ایک ٹیچر کی حیثیت سے آپ کا دھیان نہ گیا ہو؟"

"اس کے کچھ دوست تو تھے سارجنٹ! لیکن زیادہ تر وہ اکیلا رہنا ہی پسند کرتا تھا۔ اس کا کوئی خصوصی دوست تو غالباً نہیں تھا۔" پھر اس نے یوں آنکھیں سکیڑیں گویا شاہراہ ماضی پر ذرا دُور تک دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ "ہاں۔ ایک لڑکی تھی۔ اس کا نام ویوین ارجنٹ تھا۔ عجیب سا نام ہے نا؟ وہ بھی براؤن ہی کی طرح شرمیلی اور تنہائی پسند سی تھی تاہم اس نے کبھی اسکول کے ڈسپلن وغیرہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ وہ اس میں دلچسپی لیتا تھا۔ تمہیں معلوم ہی ہوگا' اس عمر میں لڑکے بہرحال کسی نہ کسی لڑکی میں دلچسپی لیتے ہیں۔"

"ویوین ارجنٹ۔۔۔!" راس نے دہرایا۔ "واقعی یہ ذرا مختلف سا نام ہے۔ شاید اسی لیے اسے تلاش کرنا میرے لیے آسان ثابت ہوگا۔"

راس کا خیال درست ہی تھا۔ اس نام کی مدد سے پہلے وہ اس کی ماں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوا جس سے اسے پتا چلا کہ ویوین ارجنٹ کی شادی ہو چکی تھی اور اب وہ ویوین بیلر کہلاتی تھی۔ اس کا شوہر زیر زمین چلنے والی ٹرین کا کنڈکٹر تھا۔ وہ خاصے بڑے اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔ جس علاقے میں وہ بلڈنگ تعمیر ہوئی تھی' وہ کبھی نیم پختہ اور نہایت عُسرت زدہ سی گلیوں پر مشتمل تھا۔

ویوین عام سی شکل و صورت کی تھی اور بہت ہی احتیاط پسند معلوم ہوتی تھی۔ اس نے اس وقت تک دروازے کی حفاظتی زنجیر نہیں ہٹائی جب تک جھری میں سے راس کا شناختی کارڈ اچھی طرح نہیں دیکھ لیا۔ اگر وہ ہائی اسکول کے زمانے میں براؤن کی تمامتر بری شہرت کے باوجود اس کی دوست رہ چکی تھی تو شاید اس کی وجہ یہی رہی ہوگی کہ وہ بہت معمولی شکل و صورت کی مالک تھی۔

"اوہ..... براؤن پھر مصیبت میں ہے!" وہ راس کی بات سن کر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "میں جب بھی اپنے پرانے علاقے میں جاتی ہوں' یہی سنتی ہوں کہ براؤن نے یہ کردیا' براؤن نے وہ کردیا لیکن میری تو اس سے تقریباً پانچ سال سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں اس کی تازہ ترین حرکتوں کے بارے میں تمہیں کیا بتا سکتی ہوں؟"

"اس کی تازہ حرکتوں کے بارے میں تو میں پوچھنا بھی نہیں چاہتا۔" راس نے ملائمت سے بولا۔ "اگر ہو سکے تو مجھے صرف یہ بتانے کی کوشش کرو کہ وہ کس قسم کا لڑکا تھا؟ میں اسے بہتر طور پر سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"میں جو جانتی ہوں وہ بتا رہی ہوں۔ وہ دُہری شخصیت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ وہ جب چاہتا اچھا بن جاتا تھا۔ ابتدائی ملاقاتوں میں وہ میرے ساتھ اچھا ہی رہا لیکن جب اس نے مجھے تفریح کے لیے باہر لے جانا شروع کیا تو بدلا بدلا سا نظر آنے لگا۔ جن جگہوں پر وہ مجھے لے جاتا تھا وہ بھی بہت گھٹیا اور معمولی ہوتی تھیں۔ سنیما گھر' کلب یا ڈانس ہال' سب گھٹیا سے ہی ہوتے تھے اور ان میں بھی وہ سب سے نچلے درجے کے ٹکٹ ہی لیتا تھا۔ وہ اچھے درجے میں بیٹھنے کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ جب کہ میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر لڑکا لڑکی کو شاندار تفریح گاہ میں نہ لے جا سکے اور اچھے درجے میں نہ لے جا سکے تو اسے لڑکی سے دوستی کرنی ہی نہیں چاہیے اور اگر دوستی کر بھی لے تو اسے تفریح کے لیے مدعو نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ پھر میں نے خود اسے اچھی جگہوں پر لے جانا شروع کیا۔ میں ٹکٹ وغیرہ بھی اچھے درجے کا خریدتی تھی۔ بہرحال ان کوششوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اسے خراب نکلنا تھا' خراب ہی نکلا۔"

راس نے ویرین سے مزید کچھ نہیں پوچھا اور گھر لوٹ آیا۔ ایک ڈرنک لے کر کچھ دیر وہ اپنے کمرے میں بیٹھا سوچتا رہا۔ لارا کمرے میں آئی تو اس نے اسے سب کچھ بتاتے ہوئے کہا۔ "اس طرح کے بیشتر نوجوانوں کی طرح اس کی کہانی بھی یہی ہے۔ اسے سُدھرنے کا اور اپنی ذات کو قابلِ فخر بنانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ پیدائش کے بعد سے ہی وہ ایک مسترد شدہ سے انسان کی طرح رہا۔ ماں اسے اور گھر کو چھوڑ کر بھاگ گئی۔ باپ کو صرف اس چیز سے دلچسپی رہی کہ لڑکا گھر میں کچھ لے کر آئے' خواہ وہ چوری کر کے یا ڈاکا ڈال کر ہی لائے۔ پھر وہ ٹیچر اسے ملی جو اپنی دانست میں اس کے ساتھ بھلائی کر رہی تھی کہ تفریحی دورے کے اخراجات نکلوانے کے لیے اس سے اس کے ساتھیوں کا سامان اٹھواتی تھی لیکن اس طرح درحقیقت وہ اسے مزید احساسِ کمتری میں مبتلا کر رہی تھی۔ ذرا تصور کرو... اس کے سب ساتھی لڑکے لڑکیاں تفریحی دورے پر روانہ ہوتے ہوں گے اور اس کے لیے حکم ہوتا ہو گا کہ اگر وہ ساتھ جانا چاہتا ہے تو ان سب کا سامان ڈھوئے' ان کے بھاری کام کرے۔ اس پر بھی ٹیچر بے چاری سمجھتی تھی کہ وہ اس پر احسان کر رہی ہے۔ پھر اس کی گرل فرینڈ کو دیکھو۔ وہ اسے بتاتی تھی کہ جن جگہوں پر وہ اسے لے جاتا ہے وہ اس کے شایانِ شان نہیں ہیں.... اور اگر ایک لڑکا اچھی جگہوں پر جانے کا متحمل نہیں ہو سکتا تو اسے کسی سے دوستی رکھنے کا حق ہی حاصل نہیں۔ کوئی بعید نہیں کہ اسے متاثر کرنے کے لیے ہی اس نے چوریاں شروع کی ہوں۔"

"عین ممکن ہے۔" لارا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "کبھی کبھی تو اچھے خاصے کھاتے پیتے گھروں کے لڑکے محض اس وجہ سے چوریاں شروع کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی گرل فرینڈز کو متاثر کرنا چاہتے ہیں۔" پھر ایک لمحے کے توقف سے لارا بولی۔ "راس! کیا وہ واقعی بُرا لڑکا ہے؟"

"اب تو یہی کہا جا سکتا ہے۔ وہ ان راستوں پر اتنا آگے نکل چکا ہے کہ اب اسے بُرا ہی کہا جا سکتا ہے۔"

"تم اب اس کے ساتھ کیا کرو گے؟"

"ظاہر ہے' اسے چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کا کوئی جرم تو ہے نہیں' سوائے اس کے کہ جو کچھ اسے معلوم ہے وہ ہم سے چھپا رہا ہے۔ اس بار میرا ریکارڈ ضرور خراب ہو گا۔ میرے بارے میں اب تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ میں کسی کی بھی زبان کھلوا سکتا ہوں اور کسی کا بھی جھوٹ پکڑ سکتا ہوں۔ پچھلے ماہ میں نے ایک بینک کیشیئر سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس نے رقم چرا کر کہاں چھپائی ہے۔ اس کا پروگرام تھا کہ سزا کاٹنے کے بعد اس رقم سے عیش کرے گا۔ تین سال اس نے اس واردات کی منصوبہ بندی کی تھی اور میں نے بیس منٹ میں اس سے اس کا راز اگلوا لیا تھا۔ صرف سیدھی سادی منطق کے سہارے۔ اسی طرح میں نے بیوی کو قتل کرنے والے ایک شخص سے اعتراف کرا لیا تھا حالانکہ اس کے خلاف کوئی ثبوت موجود نہیں تھا۔ لیکن آج ایک نوجوان کے ہاتھوں میرا ریکارڈ خراب ہو رہا ہے جو صحیح معنوں میں مجرم بھی نہیں ہے۔"

"تم جب اسے رہا کرو تو اسے کھانے پر مدعو کر لینا۔ اسے گھر لے آنا۔ میں اس لڑکے سے ملنا چاہتی ہوں۔" لارا بولی۔

راس ہنس دیا۔ "تم اسے بلا کر پچھتاؤ گی۔ کوئی بعید نہیں کہ وہ ہمارے چھری کانٹے ہی چرا کر لے جائے۔"

"میں یہ خطرہ مول لوں گی۔ تم اسے گھر ضرور لانا۔ میں دیکھوں تو سہی' آخر وہ کیسا نوجوان ہے جس نے ہنری راس کا ریکارڈ خراب کر دیا ہے۔" لارا فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

چنانچہ دوسرے روز شام کو راس ڈیوٹی سے گھر پہنچا تو براؤن اس کے ساتھ تھا۔ وہ اس دعوت پر شکوک و شبہات میں مبتلا تھا لیکن کھانا اس نے اسی طرح کھایا جیسے مہینوں سے بھوکا ہو۔ لارا کو گویا اندازہ تھا کہ وہ بے تحاشا کھائے گا۔ اس نے طرح طرح کی چیزیں تیار کر رکھی تھیں۔

کھانے کے دوران براؤن کے مُنہ کو... کھانا چبانے سے بہ مشکل چند لمحے فرصت ملی تو وہ بولا "یہ میری زندگی کا بہترین کھانا ہے۔ میرا خیال ہے مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہئے مسز راس!"

مطالعہ کرنے اور امتحان میں زیادہ دلچسپی بڑھانے کیلئے ایک بے حد کارآمد نفسیاتی کتاب
امتحان میں کامیابی کیسے حاصل کریں
قیمت ۱۰ روپے ڈاک خرچ ۵ روپے
مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴ کراچی نمبر ۱

پھر وہ اپنے مقابل بیٹھے ہوئے راس کی طرف دیکھ کر بولا' "لیکن اس خوش خلقی نوازش اور عنایت کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا سارجنٹ! نرمی اور شفقت کے یہ حربے مجھ پر بارہا آزمائے جا چکے ہیں۔ میں ان تمام ہتھکنڈوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

راس مسکرایا۔ "میرا تم سے سوال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں برخوردار! میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اچھے سلوک کے عوض تم سے کوئی توقع رکھوں۔"

کھانے کے بعد راس اسے چھوڑنے گلی تک گیا اور بولا' "دیکھو برخوردار! میں زیادہ عقلمند بننے کی کوشش نہیں کر رہا۔ صرف سیدھی سادی بات کروں گا۔ مجھے معلوم ہے' تمہاری جیب میں اس وقت اتنی رقم بھی نہیں ہے کہ ایک رات کے لیے ہی کہیں کمرا کرائے پر لے سکو' اس لیے میں تمہیں بیس ڈالر ادھار دے رہا ہوں۔ میں یہ رقم دینا افورڈ نہیں کر سکتا لیکن ہم نے تمہیں اڑتالیس گھنٹے تحویل میں رکھا ہے۔ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ تمہیں اس عالم میں دھکا دے دوں کہ تمہاری جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ ہو۔ اگر زندگی میں کبھی تم نے جائز طریقے سے بیس ڈالر کما لیے تو میرا یہ قرض ادا کر دینا ورنہ اسے بھول جانا۔"

"میں تم سے یہ رقم نہیں لوں گا۔" براؤن اکھڑے اکھڑے سے لہجے میں بولا۔ "میں نے رقم لے لی تو تم مجھ سے پھر سوالات کرنے لگ جاؤ گے۔"

"میں نے پولیس اسٹیشن میں ہی تم سے سوالات کا سلسلہ ختم کر دیا تھا براؤن!" راس تحمل سے بولا۔ "میں تمہیں سچی بات بتا دوں۔ دراصل میری بیوی نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ تمہیں کچھ رقم بھی دے دوں ورنہ جہاں تک میرے محسوسات کا تعلق ہے۔۔۔ میں تو تمہاری کمر پر ایک لات رسید کرنا زیادہ پسند کرتا۔ تم نے جس طرح میرا دماغ ہلایا ہے اس کے بعد تمہاری خدمت میں رقم پیش کرنا میرے نزدیک پاگل پن ہی ہوتا۔ بہرحال تم تو جو ہو وہی رہو گے' اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ یہ رقم رکھ لو۔ اس کے عوض تمہیں کچھ نہیں کرنا ہے۔ حتیٰ کہ زبان بھی نہیں ہلانی ہے۔ ٹھیک ہے؟"

"اگر مسز راس نے مجھے رقم دینے کی سفارش کی ہے تو پھر ٹھیک ہے۔" براؤن نے اثبات میں سر ہلایا۔ راس نے پہلی بار اس کے چہرے پر حقیقی مسکراہٹ دیکھی۔ "شکریہ سارجنٹ! جیل میں تم سے دوبارہ ملاقات ہوگی۔"

"ہاں۔ امید تو یہی ہے۔" راس نے کہا اور گھر لوٹ آیا۔

ایک ڈرنک لے کر اس نے لارا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"رقم تو اس نے لے لی۔ گو ہچکچاہٹ کے ساتھ لی بہرحال لے لی۔ اب ہم کیا کریں گے؟"

"اب ہم انتظار کریں گے۔ شاید زندگی بھر۔" لارا نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

اس کے دو ہفتے بعد راس کو براؤن کی صورت نظر آئی۔ شام ڈھلے وہ اس کے آفس میں داخل ہوا۔ دس دس ڈالر کے دو مڑے تڑے نوٹ جیب سے نکال کر سیدھے کرتے ہوئے اس نے راس کی میز پر رکھ دیے۔ راس پوری کوشش کر رہا تھا کہ اس کے چہرے سے حیرت کا اظہار نہ ہو۔

"یہ میں نے جائز طریقے سے کمائے ہیں۔" براؤن نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اب ہمارا حساب برابر ہو گیا۔ نہ تمہارا مجھ پر کوئی احسان ہے' نہ میرا تم پر۔"

"ہاں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں۔" راس نے تسلیم کیا۔

"لیکن اب میں تمہیں زیر احسان کر سکتا ہوں۔" براؤن نے کہا اور میز سے کاغذ قلم لے کر نہایت احتیاط سے ایک نمبر لکھنے کے بعد بولا۔ "یہ اس کار کا نمبر ہے جس میں وہ لوگ جون میکس اور اس کی محبوبہ کو گولی مارنے کے بعد رخصت ہوئے تھے۔ اب مجھ سے سوالات شروع نہ کر دینا۔"

"صرف ایک سوال کرنے کی اجازت تو دو۔" راس بولا۔ "تم نے مجھ پر یہ کرم کرنے کا فیصلہ کیوں کر لیا؟"

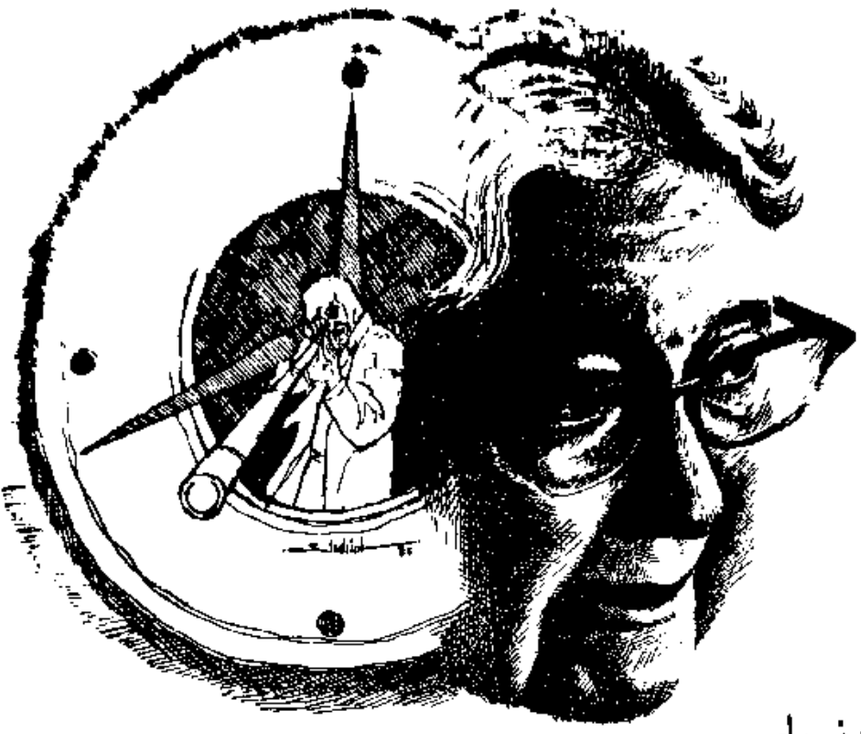
"مجھ میں کوئی تبدیلی' کوئی انقلاب نہیں آیا ہے۔ میں وہی اولیور براؤن ہوں جو پہلے تھا۔ ہوا صرف یہ ہے کہ زندگی میں پہلی بار کسی نے میرے ساتھ اس طرح بھلائی کی کہ اس کے عوض کچھ طلب نہیں کیا' اس کا کوئی صلہ نہیں چاہا۔ ورنہ زندگی میں جب بھی کسی نے میرے لیے کچھ کیا تو اس کے جواب میں میری بساط سے زیادہ مجھ سے توقعات رکھیں۔ صرف تمہاری بیوی نے بغیر کسی غرض کے مجھ سے اچھا سلوک کیا۔ میں نے دو ہفتے انتظار کیا لیکن اس دوران تم میرے قریب نہیں پھٹکے۔ تم نے اپنے احسان کے بدلے مجھے کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ تمہارے اچھے سلوک کی بنیاد بے غرضی پر تھی تو میں نے سوچا کہ اب مجھے بھی جواباً تم پر احسان کر دینا چاہیے۔ یہ لو اس منحوس کار کا نمبر اور ان دو منحوس قاتلوں کو جا پکڑو۔ جس مشکل میں گرفتار ہو' اس سے نکل آؤ گے۔"

"میں تمہارا احسان مند ہوں۔" راس بولا۔

"تمہیں ہونا بھی چاہیے لیکن آئندہ مجھ سے اس قسم کی مہربانیوں کی توقع مت رکھنا۔ میری کوشش یہی ہوگی کہ میں آئندہ تمہیں نظر بھی نہ آؤں۔ مجھے ایک ملازمت مل گئی ہے اور مجھے وہ اچھی معلوم ہو رہی ہے۔ خدا حافظ سارجنٹ!" اس نے مضبوطی سے مصافحہ کیا اور رخصت ہو گیا۔

راس نے فون اٹھایا اور گرفتاری کی تیاریوں کے سلسلے میں احکامات دیتے ہوئے سوچنے لگا کہ ایک اچھی بیوی بھی ایک پولیس آفیسر کی کامیابیوں میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

CHINK IN THE ARMOR
NORMAN DANIELS



وقت پیما

نجمہ مودی

اس عمر رسیدہ عورت کی شہادت پر ایک نوجوان کی زندگی کا دارومدار تھا جس کی بصارت بھی مشکوک تھی اور سماعت بھی۔ مگر اس نے منصفانہ فیصلے کو ممکن بنا دیا!

ایک عمر رسیدہ مگر خوش عقیدہ عورت کی مختصر سی کہانی

کمرۂ عدالت میں بے پناہ شور تھا۔ ہر شخص اسٹیو کی طرف سے گواہی کے لیے پیش ہونے والی بوڑھی مینی پر جرح سننے کے لیے بے چین تھا۔ اسٹیو پر الزام تھا کہ اس نے ۲۵ جولائی کو علی الصباح سوا پانچ بجے براڈ کو قتل کیا تھا۔ ملزم کے دفاع کا تمام تر انحصار بوڑھی مینی کی مشتبہ یادداشت پر تھا۔

اٹارنی نے چڑچڑی اور تُرش مزاج بڑی بی سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا تو عدالت میں موجود لوگوں میں جوش و خروش کی نئی لہر دوڑ گئی۔

مینی عمر کے اس دور میں تھی جہاں انسانی مزاج اور اطوار طفلانہ ہو جاتے ہیں۔ وہ سات لڑکوں کی ماں تھی جو ادھیڑ عمری کی دہلیز پر پہنچ چکے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کارن ویلی میں ہر دل عزیز اور پسندیدہ شخصیت کا مالک تھا۔

ملزم اسٹیو ایک سلیم الطبع سنجیدہ اور شرمیلا سا نوجوان تھا۔ اس نے اپنی زندگی اپنے خاندان کی بھلائی اور بہتری کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس کے پاس قتل کا جواز تھا لیکن یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ اس نے قتل کیا ہوگا۔ دوسری طرف مقتول براڈ ناپسندیدہ شخصیت کا مالک تھا۔ جہاں تک جواز کا تعلق تھا کارن ویلی کے بیشتر لوگوں کے پاس اسے قتل کرنے کا معقول جواز موجود تھا۔ اس نے گزشتہ کئی برسوں میں بڑی عیاری سے سیکڑوں ایکڑ ممبر اسٹیٹ پر قبضہ جما کر اپنی کاغذ فیکٹری کی ضروریات پوری کی تھیں۔ لوگ اس بددیانتی پر اس سے سخت نالاں تھے۔

ایک مرتبہ اسٹیو اچانک ہی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے براڈ نے اسٹیو کی ..... بیوی کو اسٹیو کی بیوی نے بھی سوچا کہ اسٹیو کے لوٹ کر آنے تک اسے کسی ایسے علاقے میں منتقل ہو جانا چاہیے جہاں ضروریاتِ زندگی نسبتاً ارزاں ہوں۔

جیسے ہی اسٹیو کی بیوی نے اپنے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے اپنے وسیع و عریض فارم کو خیرباد کہا، ایک سوا ایکڑ پر محیط ممبر اسٹیٹ پر براڈ نے قبضہ کر لیا۔ وہ جائیداد اسے کوڑیوں کے مول ملی تھی۔

پھر ایک روز اسٹیو لوٹ آیا۔ اس نے دیکھا کہ سب کچھ براڈ کے قبضے میں جا چکا ہے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے براڈ کو پیشکش کی کہ وہ رقم، جو براڈ نے اس کی بیوی کو دی تھی، لے کر زمین واپس کر دے لیکن براڈ نے وہ سب کچھ اس لیے نہیں کیا تھا کہ آخر میں زمین واپس کر دے گا۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ اسٹیو اپنی محنت پر بہرحال یقین رکھتا تھا اس نے کسی نہ کسی طرح دوسری زمین خرید لی۔

استغاثہ کا کیس یہ تھا کہ ۲۵ جولائی کو جنگلی سوروں کو ہلاک کرنے کے بہانے اسٹیو نے براڈ کو قتل کر دیا۔ وکیل استغاثہ یہی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ بوڑھی مینی صفائی کی طرف سے اہم ترین گواہ تھی۔

جنگلی سوروں کے شکار کا مقصد یہ تھا کہ ان دنوں جنگلی سوروں نے فصلیں تہس نہس کرنا شروع کر دی تھیں۔ قصبے والوں نے فیصلہ

کیا کہ ہل کر اس فتنے کا سدِ باب کیا جائے۔ اس روز آٹھ آدمیوں نے دو دو کی ٹولی بنا کر سوّروں کا تعاقب شروع کیا۔ اسٹیو اور براڈ ایک ہی ٹولی میں شامل تھے۔ وہ دونوں ایک ساتھ سوّروں کی ہلاکت میں مصروف تھے۔

دوسرے لوگوں کا بیان تھا کہ شام کے وقت کافی فائر کیے گئے تھے اور اَن گنت سوّر ہلاک کر دیے گئے تھے لیکن اسی دوران کئی گولیاں براڈ کو بھی چھلنی کر گئی تھیں۔ یہ بات طے تھی کہ اسے بھٹکی ہوئی گولیوں کا شکار قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اگلے روز اس کی لاش جھاڑیوں میں پڑی پائی گئی تھی۔ اس کا چہرہ ناقابلِ شناخت ہو چکا تھا۔

استغاثہ کا کہنا تھا کہ اسٹیو نے پرانی دشمنی کے پیشِ نظر براڈ کو قتل کیا ہے۔ وکیلِ صفائی کے نزدیک یہ اتفاقی حادثہ بھی ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ گولیاں کسی اور کی چلائی ہوئی ہوں۔

اسٹیو سخت پریشان اور آزردہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ براڈ کے قتل سے اس کا دور کا تعلق بھی نہیں۔ اس نے حلفیہ بیان دیا تھا کہ وہ تو فائرنگ کے آخری راؤنڈ میں شریک بھی نہیں تھا۔ وہ تھک چکا تھا' اس لیے آخری فائرنگ کے آغاز سے پہلے ہی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

مینی نے اسٹیو کے حق میں بیان دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آخری فائرنگ سے چند لمحے پہلے وہ اس کے مکان کے قریب آ کر رُکا تھا۔ ظاہر ہے' اگر مینی کا بیان درست تھا تو اسٹیو قاتل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جائے واردات سے مینی کے گھر تک کا فاصلہ آدھے گھنٹے سے کم کا نہیں تھا۔ مینی کے بیان کے مطابق آخری فائرنگ کی آواز سنائی دینے سے ایک منٹ پہلے اس نے اسٹیو کو دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ مینی نے مقتول براڈ کو ایک گندہ آدمی قرار دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اسٹیو نے اسے قتل کیا ہے تو بڑا نیک کام کیا ہے۔ اس کا یہ تبصرہ بہرحال ریکارڈ سے حذف کر دیا گیا۔

گواہوں کے کٹہرے میں داخلے کے لیے عدالت کے ایک ملازم نے مینی کی مدد کی۔ آج جرح کا دن تھا۔ کمرۂ عدالت میں حاضرین کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ مینی نے کٹہرے میں داخل ہوتے ہی پہلے تو عجیب سی نظروں سے جج کو دیکھا' پھر اپنی عینک کے سیلے ہوئے عدسوں کو رومال سے صاف کیا اور اپنے بھورے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

وکیلِ استغاثہ رینڈل پستہ قد مگر گٹھے ہوئے بدن کا مالک تھا۔ حاضرین کے شور و غل کی وجہ سے وہ جھلّایا ہوا تھا۔ کیا۔ آپ میری بات سن رہی ہیں مسز مینی؟" اس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے پوچھا۔

مینی نے بے اختیار اپنی کمر سیدھی کی۔ "نوجوان!" اس نے دانت پیس کر کہا۔ "میرے پاس بھی تمھاری طرح دو کان ہیں اور سننے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔" اس برجستہ جواب پر کمرۂ عدالت میں دبی دبی ہنسی کی آوازیں سنائی دیں۔

رینڈل نے اُس شور کو نظر انداز کر دیا۔ "اگر آپ بُرا نہ مانیں مسز مینی..." اس نے محتاط انداز میں کہا۔ "تو اپنا بیان دُہرائیں کہ آپ نے ۲۵ جولائی کو کیا سنا... کیا دیکھا تھا؟"

مینی نے رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا' اثبات میں سر ہلایا اور بڑی خوش دلی سے بولی۔ "ٹھیک ہے لیکن میرا بیان سچ پر مبنی ہے۔"

"ہاں... ہم جانتے ہیں۔" رینڈل نے ذرا جھنجلا کر کہا۔ "لیکن آپ پھر بتائیں کہ اُس صبح کس وقت بیدار ہوئی تھیں؟"

"چار بج کر چالیس منٹ پر... دراصل میں اس رات ٹھیک سے سو ہی نہیں سکی تھی۔ میری ٹانگوں میں شدید درد تھا۔ اگر خدانخواستہ تم میری عمر کو پہنچے تو تمھیں یہ درد مجھ سے بھی زیادہ ستائے گا۔"

"ہاں ہاں' ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے کافی بنائی اور پورچ میں آ کر بیٹھ گئیں؟"

"درست ہے۔"

"پھر آپ اونگھ گئی ہوں گی؟"

"میں بے وار تھی نوجوان۔" مینی نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "جو تم کہنا چاہتے ہو' میں خوب سمجھ رہی ہوں۔ یہ جواب شاید زیادہ بہتر رہے گا کہ میرا دماغ اس وقت ٹھیک کام کر رہا تھا۔"

کمرۂ عدالت میں پھر قہقہے گونجے اور رینڈل کو اپنا اگلا سوال چند لمحوں کے لیے روکنا پڑا۔ "پورچ میں بیٹھنے کے بعد کیا ہوا؟" بالآخر اس نے پوچھا۔

"اسٹیو اس طرف آ نکلا۔ اس نے بتایا کہ وہ جلدی چلا آیا ہے اور گھر جا رہا ہے۔"

"پھر؟"

"پھر میں نے شاٹ گن کی آوازیں سُنیں۔"

"آوازیں کس طرف سے آ رہی تھیں؟"

"جنگل کے جنوبی حصّے سے۔"

"وہ آوازیں اسٹیو کے آنے کے کتنی دیر بعد سنائی دی تھیں؟"

"چند لمحے بعد... میرا مطلب ہے' زیادہ سے زیادہ ایک منٹ ہوا ہوگا۔"

رینڈل معنی خیز انداز میں مسکرایا' پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ "مسز مینی' آپ جانتی ہیں کہ ایک منٹ کتنا وقت ہوتا ہے؟"

"جی ہاں جانتی ہوں۔" مینی نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ایک منٹ میں ساٹھ سیکنڈ ہوتے ہیں۔"

پھر کچھ قہقہے سنائی دیے۔ جج نے اپنا ہتھوڑا میز پر زور سے مارا تو خاموشی چھا گئی۔

"مسز مینی!" رینڈل نے اپنا ہاتھ لہراتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا کہ اسٹیو کے آنے کے ایک منٹ بعد فائرنگ ہوئی؟"

مینی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "بے تُکا سوال ہے۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔ "بس میں جانتی ہوں۔ مجھے یقین ہے۔"

"کیا آپ نے گھڑی دیکھی تھی؟"

مینی کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا' وہ کچھ گھبرا گئی۔ "نہیں... میں نے گھڑی نہیں دیکھی تھی۔" اس نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

"ممکن ہے... وقفہ ایک منٹ سے زیادہ یا کم ہو؟"

"نہیں۔ نوجوان' میں جھوٹی نہیں ہوں۔ میں نے کہا' نا کہ وقفہ صرف ایک منٹ کا تھا۔"

"مسز مینی' بغیر گھڑی کے تم ایک منٹ کا اندازہ کیسے لگا سکتی ہو؟"

"بس میں اندازہ لگا سکتی ہوں اور وہ درست ہوتا ہے۔" مینی نے کہا اور جج کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی حمایت کی متمنی ہو۔

رینڈل نے اپنے ہاتھ جادوگروں کے سے انداز میں بلند کیے اور جج کی طرف پلٹا۔ "یور آنر' خاتون کا بیان بہت اہم ہے۔ میں اس اہم ترین شہادت کو اپنے طور پر جاننا چاہتا ہوں۔ میں خاتون کے اندازے کی تصدیق کرنا چاہوں گا۔"

مینی دہشت زدہ ہو گئی۔ اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ کمرۂ عدالت کے ماحول میں کچھ کشیدگی محسوس ہونے لگی۔ جج نے تفکر آمیز انداز میں سر ہلایا لیکن رینڈل کی درخواست قبول کر لی۔

رینڈل نے مینی کے ہاتھ سے گھڑی اتروا کر اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مینی اس دوران نفی میں سر ہلاتی رہی تھی۔

"ایک منٹ کا وقفہ پورا ہو جائے تو آپ ہاتھ بلند کر کے اشارہ کر دیجیے گا۔" رینڈل نے کہا۔

"لیکن میں ابھی تیار نہیں ہوں۔" مینی نے احتجاج کیا۔

"ٹھیک ہے' میں ہاتھ گرا کر اشارہ کروں گا اور آپ کے اندازے کی آزمائش شروع ہو جائے گی۔" کمرۂ عدالت میں موجود تمام حاضرین کی نظریں رینڈل کے ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر رینڈل نے اپنا ہاتھ گرایا' اس کے ساتھ ہی مینی نے جیسے آنکھیں موند لیں اور مراقبے میں چلی گئی۔ اب سب کی نظریں مینی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی سانسیں روکے ہوئے بیٹھے تھے۔ مینی مبہوت سی دکھائی دے رہی تھی۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ مینی جیسی بوڑھی خاتون کے اندازے کی بنیاد پر کسی مقدمے کا فیصلہ کرنا احمقانہ کام ہو گا۔

سیکنڈ کا کانٹا حرکت کرتا رہا' کمرۂ عدالت کا تناؤ بڑھتا رہا۔ معاً... مینی کے چہرے پر شادابی جھلک اٹھی۔ ٹھیک اٹھاون سیکنڈ بعد وہ بے جان سی ہو کر اپنی کرسی پر گر پڑی۔ "بس... ہو گیا ایک منٹ۔" اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

مقدمے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ہر شخص مینی کے اندازے کا قائل ہو گیا تھا۔ اس کے اندازے نے ایک بے گناہ شخص کی جان بچا لی تھی۔ اب اسٹیو آزاد تھا۔

اسی شام مینی مکان کے پورچ پر بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ اسٹیو بے قدموں اس کی طرف بڑھا تو اس کے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسٹیو نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"تم نے حیرت انگیز کام دکھایا مینی۔" اس نے پُرجوش لہجے میں مینی کو داد دی۔

مینی کی بوڑھی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "لڑکے' میں تو خاموشی سے آنکھیں بند کیے تمھارے حق میں دعائیں کر رہی تھی۔" وہ بولی۔ "مجھے بہت سی دعائیں یاد ہیں' تمھیں بھی یاد ہونا چاہئیں۔ ایک دعا ایسی ہے' جس میں بیس سیکنڈ لگتے ہیں۔ بس' میں نے وہ دعا تین مرتبہ کی... پھر ایک منٹ ہو گیا۔ دعا کیا کرو' لڑکے دعا..."

A MATTER OF TIME

فرسٹ ایڈ



وہ فرسٹ ایڈ کا کورس مکمل کر کے گھر جا رہی تھی کہ بیچ فٹ پاتھ پر ایک آدمی اوندھا پڑا نظر آیا۔ اُسے دیکھتے ہی ذہن میں فرسٹ ایڈ کے سارے اسباق گھوم گئے اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس شخص کو مصنوعی تنفس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تیزی سے اس کے قریب پہنچی اور اس کی پیٹھ زور زور سے دبانے لگی۔ چند لمحے بعد وہ شخص پلٹا تو محترمہ نے سوچا کہ میں نے اسے بچا لیا۔

وہ شخص کچھ دیر تو اُسے گھورتا رہا، پھر غصّے سے بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی اس حرکت کو کیا نام دوں لیکن آپ نے میرا اس مین ہول میں ایک تار جوڑنا دوبھر کر دیا تھا۔"

محمد نواز — رائے ونڈ



سات سال

نجمہ مودی

ازدواجی زندگی میں ہر لمحہ کچھ نہ کچھ تغیر رونما ہوتا رہتا ہے۔ کبھی دھوپ کی تپش..... تو کبھی چھاؤں کی نرم نرم ٹھنڈک۔ کسی پل خزاں چھائی رہتی ہے تو کبھی بہاریں اپنے عروج پر ہوتی ہیں۔ ان دونوں میاں بیوی کی رفاقت کو بھی ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا کہ اچانک ان کی مطمئن زندگی میں ایک بھونچال آگیا۔

ایک معمولی واقعے کے بڑے طوفان بننے کا عبرت انگیز ماجرا

پریسٹن کو اپنے بیڈروم کی ہر چیز کا خوب اندازہ تھا اس لیے وہ گھپ اندھیرے میں بھی اس میں آسانی سے چل پھر سکتا تھا مگر گزشتہ سات برسوں سے وہ اس کمرے میں اجنبی سا بن کر رہ گیا تھا۔ جب سے فینی نام کی کتیا کو اس کی بیوی اینی خرید کر لائی تھی۔ اس وقت سے پریسٹن کی زندگی عذاب بن گئی تھی۔ یہ کتیا ہر وقت اینی کے ساتھ رہتی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ پریسٹن کمرے میں داخل ہوتے ہی لات مار کر فینی کو بیڈ سے بھگا دیا کرتا تھا مگر وہ بیڈ کے نیچے بیٹھی مسلسل کبھی اینی کو مدطلب نظروں سے دیکھتی تھی اور کبھی پریسٹن کو نفرت انگیز نظروں سے گھورتی تھی۔

تاریکی میں بھی پریسٹن کو اس منحوس فینی کی نظریں اپنے جسم میں چبھتی محسوس ہوتی تھیں۔ اگر رات میں کبھی کبھار پریسٹن کو واش روم جانا پڑتا تو فینی لپک کر اپنی مالکن کے برابر میں لیٹ جاتی۔ وہ اینی کے ساتھ لیٹنا اپنا حق سمجھتی تھی مگر جیسے ہی پریسٹن واپس آتا اور اس کو پکڑ کر بستر سے نیچے دھکا دیتا تو فینی نفرت انگیز آوازیں نکالتی ہوئی نیچے جا بیٹھتی مگر پریسٹن بقیہ رات سو نہیں پاتا تھا۔

اسے فینی سے شدید نفرت تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ اس کتیا کو گولی مار دے مگر وہ بے بسی سے صرف سوچتا ہی رہ جاتا۔ وہ اینی کی اس چہیتی کو جان سے مارنا تو دور کی بات، ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ اگر کبھی اینی پریسٹن کو نفرت انگیز نظروں سے اپنی کتیا کو گھورتے دیکھ لیتی تو قیامت کھڑی کر دیتی تھی۔

پریسٹن ایک ریٹائرڈ آدمی تھا۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی جبکہ اینی اس سے پورے بارہ سال چھوٹی تھی۔ وہ اڑتالیس برس کی تھی مگر اپنی خود کو بہت کم عمر سمجھتی تھی۔ پریسٹن ساٹھ سال کا ہونے کے باوجود بالکل تندرست اور صحت مند تھا۔ اس عمر میں بھی اس کی توند نہیں نکلی تھی۔ وہ نظر کی عینک صرف اخبار پڑھتے ہوئے استعمال کرتا تھا۔ اس کا جسم توانا اور کمر سیدھی تھی۔ وہ ہر روز صبح واک کرنے جاتا تھا اور رات کو بھی واک کیا کرتا تھا۔ اس دوران اینی کی محبوب کتیا فینی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ بس یہ وہ موقع تھا جب پریسٹن کو فینی قابل برداشت لگتی تھی۔ ورنہ اسے اس کتیا کی رفاقت بالکل پسند نہیں تھی۔

اینی چھریرے جسم کی مالک تھی۔ ہر روز صبح پابندی سے ورزش کرتی تھی، یوگا کی مشقیں بھی کرتی تھی۔ وہ اپنے جسم اور اپنے لباس پر خصوصی توجہ دیتی تھی۔ پریسٹن محسوس کر رہا تھا کہ چند برسوں سے اینی کو اپنے حسن اور جوانی کا بڑا خیال رہنے لگا تھا اور وہ رنگ برنگے لباس پہننے لگی تھی۔ ایسے لباس عموماً تین

ایجرز پہنتے تھے۔ وہ اکثر گنگناتی بھی رہتی تھی۔ وہ پریسٹن کی طرف سے کچھ زیادہ ہی بے پروا ہوگئی تھی۔

وہ دونوں کسی زمانے میں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے مگر جیسے جیسے ان کی عمر بڑھتی چلی گئی' ان کے درمیان محبت کی جگہ سرد مہری نے لے لی۔ ان کے دو ہی بچے تھے۔ دونوں بڑے ہوکر زیادہ ترقی یافتہ شہروں میں اپنا مقام بنانے چلے گئے تھے۔ لہٰذا اب گھر میں صرف اینی اور اس کا شوہر پریسٹن تھے۔

پریسٹن اب پہلے کی طرح چاق و چوبند' متحرک اور پُرجوش نہیں رہا تھا۔ سات سال سے وہ اینی کی طرف سے کچھ زیادہ ہی بے رغبتی برتنے لگا تھا۔ ان کے درمیان اَن دیکھی سی خلیج حائل ہوتی چلی گئی تھی۔

سات سال پہلے ایک روز پریسٹن نے اینی سے کہا کہ اسے نئے جوتوں کی ضرورت ہے۔ اینی فوراً ہی مارکیٹ جانے کو تیار ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں شاپنگ مال پر دکانوں کے درمیان چہل قدمی کررہے تھے۔ پریسٹن کو اپنے لیے جوتے خریدنے تھے جبکہ اینی کو ایک نئے ڈریس کی ضرورت تھی۔ وہ اسکول میں پڑھاتی تھی۔ جہاں اسے آئے دن نئے ڈریسز کی ضرورت پڑتی تھی۔ پریسٹن کی نظریں جوتوں کے شوروم دیکھ رہی تھیں اور اینی ملبوسات کے شوروم کی طرف متوجہ تھی۔

یکایک پریسٹن نے محسوس کیا کہ اینی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اینی پالتو جانوروں کی ایک بڑی سی دکان کے سامنے کھڑی تھی جس کے اندر مختلف پنجروں میں کتے' بلیاں' طوطے وغیرہ نظر آرہے تھے۔ اینی کو پالتو جانوروں کی طرف متوجہ دیکھ کر پریسٹن حیران رہ گیا۔ کیونکہ اسے پالتو جانوروں سے نفرت تھی۔ کئی مرتبہ پریسٹن نے اینی سے کہا تھا 'ہنی! ہم کوئی پیارا سا کتا یا معصوم سی بلی لے آتے ہیں۔ اس سے ہمارے گھر کا سناٹا بھی ختم ہوجائے گا اور تمہاری دلچسپی کا سامان بھی ہوجائے گا۔'' مگر اینی نے اس خیال کو مسترد کردیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ پالتو جانور گھر میں ہر جگہ گھستے ہیں' جگہ جگہ گندگی کرتے ہیں' قالین اور بستر خراب کردیتے ہیں..... مگر اس وقت اینی کو اس دکان کی طرف متوجہ دیکھ کر پریسٹن حیران رہ گیا۔

''ڈارلنگ! کیا کوئی جانور پسند آگیا ہے؟''

''ہاں..... دیکھو نا' وہ کتیا کتنی پیاری ہے۔'' اینی نے سامنے اشارہ کیا۔ جہاں سفید اور سیاہ رنگ کی ایک کیوٹ سی کتیا ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی اور معصوم آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔

''مگر تمہیں تو پالتو جانور پسند نہیں تھے.....''

''لیکن فینی کی بات اور ہے۔'' اینی بولی۔

''کون فینی؟'' پریسٹن نے حیرت سے کہا۔

''یہ کتیا..... میں نے اس کا نام فینی رکھ دیا ہے۔'' اینی نے کہا۔

.....اور اس طرح وہ کتیا اس دکان سے اٹھ کر ان کے گھر چلی آئی۔ فینی کو خریدنے کی خاطر پریسٹن کو جوتوں سے محروم رہنا پڑا اور اینی کو نئے ڈریس سے۔ یہ گویا اس کتیا کی وجہ سے پریسٹن کے ساتھ ہونے والی پہلی بے انصافی تھی۔

فینی گھر میں کیا آئی' اینی نے پریسٹن کو بالکل ہی بھلا دیا۔ اب وہ تھی اور فینی۔ دونوں ساتھ ساتھ رہتی تھیں۔ جیسے وہ سہیلیاں ہوں یا ماں بیٹی.....! اینی نے اپنے حسن' اپنے جسم' لباس اور اپنی آرائش پر زیادہ ہی توجہ دینی شروع کردی تھی۔ وہ ایک سے بڑھ کر ایک بھڑک دار اور فیشن ایبل ڈریس پہن کر اسکول جاتی تھی۔ ہر وقت میک اپ میں رہتی تھی۔ یہ سب دیکھ کر پریسٹن حیران بھی تھا اور فکرمند بھی۔ اڑتالیس سال کی عورت یکایک جوان اور کم عمر بننے کی کوشش کرے تو بوڑھے شوہر کا فکرمند ہونا فطری بات تھی۔

☆☆☆

رات کو پریسٹن بیڈ سے اٹھ کر واش روم کی طرف گیا تو حسبِ معمول فینی نے آواز نکالی۔ وہ اسے نظرانداز کرتا ہوا آگے بڑھا اور راستے میں الماری کے کھلے ہوئے پٹ سے ٹکرا گیا۔ اس کی ٹانگ میں درد کی شدید لہر اٹھی' اس نے جھک کر اپنی ٹانگ پکڑ لی۔

''نہ جانے اینی کو کیا ہوگیا ہے۔'' وہ بڑبڑایا ''پہلے تو وہ ایسی بے پروا نہیں تھی۔ الماری کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور میں.....''

وہ ٹانگ سہلاتا ہوا آگے بڑھا اور سوچنے لگا کہ جب سے یہ منحوس فینی اس گھر میں آئی ہے۔ اس وقت سے اینی زیادہ بے پروا ہوگئی ہے ورنہ وہ گھر کی ہر چیز کا بہت خیال رکھتی تھی۔ برسوں کی بات تھی۔ وہ کمرے میں آیا تو اینی کے ڈریسر کی باہر نکلی ہوئی دراز سے ٹکرا گیا۔ اس کے گھٹنے میں کافی چوٹ آئی تھی' جب اس نے اینی سے اس کی شکایت کی تو وہ ٹال گئی ''ڈارلنگ! میں بہت مصروف رہتی ہوں۔ شاید بے خیالی میں دراز کھلی رہ گئی ہو۔''

دو روز پہلے بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہوا تھا۔ جب وہ نہانے کے بعد باتھ ٹب سے باہر نکلا تو ٹب کے پاس رکھا ہوا باتھ میٹ غائب تھا۔ ننگے فرش پر پیر رکھنے سے پریسٹن پھسل گیا

اور دھم کی آواز کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ آواز سن کر اینی بھاگی ہوئی آئی۔

''کیا ہوا.....؟ کیسے گر گئے.....؟'' اس نے پوچھا تو پریسٹن نے ناگواری سے کہا۔

''خود دیکھ لو.....''

''ڈارلنگ! انسان کو حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔'' اس نے ہمدردی کا اظہار کرنے کے بجائے الٹا اسے تنقید کا نشانہ بنایا ''اب تم بوڑھے ہو گئے ہو' نہ تمہارے بازوؤں میں دم باقی رہا ہے اور نہ تمہیں خود پر کنٹرول ہے۔ اس عمر میں ایسا ہو جاتا ہے۔''

پریسٹن دیکھ رہا تھا کہ یہ کہتے ہوئے اینی کے چہرے پر فتح مندی تھی اور کتیا کی آنکھیں بھی گویا مسکرا رہی تھیں۔ وہ جھنجلا کر رہ گیا۔

دوسری رات پریسٹن واش روم سے کمرے میں آ رہا تھا کہ فرش پر پڑی ہوئی کسی نرم اور گدگدی سی چیز پر اس کا پیر پڑا تو وہ گرتے گرتے بچا۔

''کیا نحوست ہے!'' پریسٹن نے غصے سے کہا اور لائٹ آن کر کے فرش کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں روئی کی گڑیاں پڑی تھیں۔

''کیا ہوا؟ کیوں شور مچا رہے ہو؟'' اینی نے کہا ''لائٹ کیوں آن کر دی؟ میری نیند خراب ہو رہی ہے۔''

''یہ..... یہ کیا ہے.....؟'' پریسٹن نے لرزتے ہوئے کہا تو اینی نے خوابیدہ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اوہ.....! یہ.....؟ یہ میری فینی کے کھلونے ہیں۔''

''یہ فرش پر کیوں پڑے ہیں؟'' وہ گرجا۔

''چیخو مت! فینی کے کھلونے یہاں نہیں پڑے ہوں گے تو اور کہاں ہوں گے؟'' اینی نے کہا اور کروٹ بدل کر سو گئی۔

پریسٹن نے لائٹ بند کرنے سے پہلے پلٹ کر دیکھا تو فینی اس کی طرف استہزائیہ سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پریسٹن کو اچانک ہی خیال آیا کہ اینی جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہے۔ وہ اس کی راہ میں ایسی چیزیں پھینک دیتی ہے..... یا ضروری چیزیں اٹھا لیتی ہے جن کی وجہ سے وہ گر جائے' زخمی ہو جائے یا اس کی موت واقع ہو جائے مگر وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ اسے اچانک اس سے نفرت کیوں ہو گئی ہے؟ اس پر جان چھڑکنے والی اس کی جان کی دشمن کیوں ہو گئی ہے؟ کیا اس کے اور اینی کے درمیان کوئی اور آ گیا ہے؟ کون ہے وہ؟ فینی؟ نہیں' ایک جانور کی خاطر وہ اس کی موت کی خواہاں نہیں ہو سکتی تو پھر کون ہے وہ؟ پریسٹن سوچتا رہا' پھر آگے بڑھ کر بستر پر بیٹھ گیا مگر اچانک ہی وہ اچھلا۔ بیڈ کا تیز کنارہ اس کے چبھ گیا تھا۔ اس منحوس فینی نے اپنے نکیلے پنجوں سے بیڈ کے کنارے چھیل دیئے تھے۔ صرف بیڈ ہی کیا' گھر کی ساری کرسیاں' ڈائننگ ٹیبل اور الماریاں سب اس کے پنجوں کا نشانہ بن چکی تھیں۔ سب کا حلیہ خراب ہو چکا تھا۔ ان میں تیز اور نوک دار ابھار پیدا ہو گئے تھے۔ پریسٹن نے کئی بار اینی کی توجہ اس طرف کرائی مگر اس نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ اسے صرف اپنی فکر تھی۔ اس کا وزن نہ بڑھ جائے' اس کی فیگر خراب نہ ہو جائے۔ اس کا حسن ماند نہ پڑ جائے۔

اس روز پریسٹن بیدار ہوا تو اس کا سر دکھ رہا تھا۔ اس نے حسب معمول گزشتہ رات بھی بے آرامی سے بستر کی تھی جبکہ اینی اور فینی مزے سے سوتی رہی تھیں۔ وہ اٹھ کے ہال میں آیا تو اس نے اینی کو فرش پر یوگا کا آسن جمائے دیکھا۔ اس کے قریب ہی فینی بھی بیٹھی تھی اور پُرشوق نظروں سے اپنی مالکن کو دیکھ رہی تھی۔

''اینی! بہت ہو گیا' اب پانی سر سے اوپر ہو چکا ہے۔'' پریسٹن زور سے بولا تو اینی نے ناگواری سے آنکھیں کھول دیں۔

''کیا بات ہے؟ کتنی بار کہا ہے کہ جب میں یوگا کی مشق کر رہی ہوں تو مجھے ڈسٹرب مت کیا کرو مگر تم تو بچے بنے ہوئے ہو۔ کیا ہوا ہے؟'' اس نے غصے کے عالم میں سوال کیا۔

''تم بہت بے پروا ہوتی جا رہی ہو۔ گھر کی چیزوں پر دھیان نہیں دیتیں۔ میں ہر روز زخمی ہو رہا ہوں۔ کبھی کرسی سے' کبھی ڈائننگ ٹیبل سے' کبھی کھلی ہوئی الماری سے۔ نہ جانے تم گھر کا خیال کیوں نہیں رکھتیں۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا مگر اب.....''

''سب کچھ ویسا ہی ہے۔'' اینی نے کہا ''پہلے تم جوان تھے' بہت سے کام خود بھی کر لیا کرتے تھے مگر اب بوڑھے ہو گئے ہو۔ میرے محتاج ہوتے جا رہے ہو۔ چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہر کام کروں' تمہارے بڑھاپے میں تمہاری ملازمہ بن کر رہوں مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میری جاب بھی ہے۔ اسے دیکھوں یا گھر کو دیکھوں؟''

''یہ دیکھو!'' یہ کہہ کر پریسٹن نے اینی کو اپنی سوجی ہوئی کلائی' چھلا ہوا گھٹنا اور زخمی پنڈلی دکھائی ''یہ سب.....''

''اوہ ڈارلنگ تم تو خاصے زخمی ہو۔'' اینی نے ہمدردی سے کہا ''مگر کیا کروں؟ صرف تم ہی بوڑھے نہیں ہو رہے' تمہارے ساتھ میں بھی ہو رہی ہوں۔ اسی لیے تو اتنی ورزش

کرتی ہوں تاکہ خود کو بڑھاپے سے ہر ممکن حد تک دور رکھ سکوں۔''

''ڈیئر! تم ایک کام تو کر سکتی ہو۔'' پریسٹن نے کہا ''کم از کم الماریوں کے دروازے' میزوں کی درازیں اور اسی طرح کی دوسری چیزیں بند کر دیا کرو جن کی وجہ سے میں زخمی ہوتا ہوں۔ نہ اپنے جوتے بے پروائی سے جگہ جگہ پھینکو اور نہ اپنی چہیتی کتیا کے کھلونے راستے میں رکھو۔ اس سے ہم کسی بھی متوقع حادثے سے بچ سکتے ہیں۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں حادثات سے محفوظ رہ سکوں تو فینی کے بجائے مجھ پر توجہ دیا کرو۔''

اینی چند لمحوں تک پریسٹن کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے کہا ''کاش! میں ایسا کر سکتی۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ رونے والی ہو۔ اس کی کیفیت دیکھ کر پریسٹن شرمندہ ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اینی ایک دم اس قدر آزردہ ہو جائے گی۔ وہ احمقوں کی طرح اپنی کو دیکھتا رہا اور وہ سیڑھیوں کی طرف مارچ کرتی چلی گئی۔ فینی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں دکھ پہنچایا.....'' پریسٹن نے کہا ''دراصل میں کئی راتوں سے ٹھیک طرح سے سو نہیں پا رہا تھا اس لیے چڑچڑا ہو گیا ہوں۔ شاید اسی وجہ سے تمہیں نہ جانے کیا کیا کہہ گیا۔ مجھے معاف کر دو ڈیئر!''

''مجھے اسکول کو دیر ہو رہی ہے۔ ابھی تیار بھی ہونا ہے۔'' اینی نے کہا اور فینی کے ساتھ اوپر چلی گئی۔

اینی جب اسکول جا رہی تھی تو پریسٹن نے اسے خدا حافظ کہا مگر اینی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اب پریسٹن کی صبح کی واک کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ ہر روز واک کرنے جاتا تو فینی لازمی طور پر اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ اس نے فینی کو ڈھونڈا تو وہ کافی کی میز کے نیچے ملی۔

''آؤ ڈیئر! آ جاؤ' واک پر چلنا ہے۔'' پریسٹن نے فینی سے کہا تو کتیا نے نخرے دکھانے شروع کر دیئے۔ وہ پریسٹن کو پسند ہی نہیں کرتی تھی۔ آج شاید وہ اس کے ساتھ واک پر جانے کے لیے بھی تیار نہیں تھی مگر پریسٹن کو بھی ضد چڑھ گئی تھی کہ اس کے بغیر واک پر نہیں جائے گا لہٰذا اس نے بیٹھ کر میز کے نیچے ہاتھ ڈالا اور فینی کو بے رحمی سے باہر گھسیٹ لیا۔ فینی احتجاجی آواز نکالتی ہوئی باہر آ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ پریسٹن اسے ساتھ لے جائے بغیر نہیں رہے گا۔

دونوں واک پر گئے مگر اسی طرح جیسے دو روٹھے ہوئے دوست جاتے ہیں۔ فینی کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ بحالتِ مجبوری اس کے ساتھ جا رہی ہے۔ راستے میں پریسٹن مسلسل اینی کے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں اینی کا ہاتھ ہے۔ وہ اس کی موت کی خواہاں ہے' اس سے جان چھڑانا چاہتی ہے۔ شاید اینی کا اس کے ساتھ رہتے رہتے دل بھر چکا ہے۔

اسے یاد آیا کہ ایک روز جب وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو قالین کا کونا مڑا ہوا تھا جس سے ٹکرا کر وہ فرش پر گر گیا تھا۔ وہ تو خدا کا شکر تھا کہ اس کے زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی۔ بعد میں اس نے اندازہ لگایا کہ کسی نے جان بوجھ کر قالین کا وہ کونا موڑا تھا۔ سوچتے سوچتے پریسٹن کا سر دکھنے لگا۔ ہر چیز بالکل عیاں تھی۔ اینی اسے مار ڈالنا چاہتی تھی۔ اگر وہ اس سے شکوہ کرتا تھا تو اینی اسے بڑھاپے کے طعنے دینے شروع کر دیتی تھی۔ اس دوران وہ کئی مرتبہ پریسٹن سے یہ پوچھ چکی تھی کہ آیا وہ اپنی بیمہ پالیسی کا پریمیم باقاعدگی سے ادا کر رہا ہے یا نہیں؟ اس دوران ان کے درمیان ہلکے پھلکے طنزیہ فقروں کا تبادلہ بھی ہوتا تھا اور بات ختم ہو جاتی۔ پریسٹن جانتا تھا کہ اس کی حادثاتی موت کی صورت میں اینی کو انشورنس کی دگنی رقم ملے گی۔

پریسٹن نے اگلے چند ہفتے اس حالت میں گزارے کہ وہ اینی کی ہر حرکت پر نگاہ رکھ رہا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ اینی کسی بھی وقت اسے ہلاک کر دے گی۔ اینی کی نگرانی کرتے کرتے وہ پاگل سا ہو گیا تھا۔ وہ ہر وقت اپنے دفاع کی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا اور سوتے جاگتے دونوں صورتوں میں دانت کچکچاتا رہتا تھا۔

دوسری جانب اینی بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ وہ ہر وقت لہراتی' بل کھاتی اور گنگناتی رہتی۔ اس دوران فینی گویا اپنی مالکن کی حفاظت بھی کر رہی تھی اور پریسٹن پر نگاہ بھی رکھ رہی تھی۔ اینی جب تک گھر میں موجود رہتی، فینی اس کے قدموں میں لوٹ لگاتی رہتی۔ وہ پریسٹن کی طرف مشتبہ نظروں سے دیکھتی..... بلکہ اسے گھورتی رہتی تھی۔ اکثر پریسٹن اور فینی کے درمیان ایک دوسرے کو گھورنے کا مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ جس میں جیت ہمیشہ فینی کی ہی ہوتی تھی۔ ایک روز اینی نے یہ مقابلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ وہ پریسٹن پر چڑھ دوڑی۔

''پریسٹن! تمہیں شرم نہیں آتی۔'' اس نے چیخ کر کہا ''معصوم جانور کو ایسے گھور رہے ہو جیسے اسے کھا جاؤ گے۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' پریسٹن نے کہا ''میں اپنے خیالوں میں گم تھا۔''

''بکو مت! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے

تمہیں۔'' اینی نے غصے سے کہا۔

''اینی! آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے؟'' پریسٹن تحمل سے بولا۔

''تم بتاؤ' تمہیں کیا ہوا ہے۔'' اینی بولی ''میں کئی روز سے تمہیں عجیب عجیب حرکتیں کرتے دیکھ رہی ہوں۔ تمہارا کھانا تو ٹھیک طرح سے ہضم ہو رہا ہے نا؟''

''کھانا؟ کیوں..... تمہیں کھانے کا خیال کیسے آ گیا؟'' پریسٹن نے معنی خیز انداز سے کہا ''کیا تمہارے خیال میں تم مجھے جو کھانا کھلاتی رہی ہو اس میں کچھ گڑبڑ تھی؟''

''بکواس..... مت..... کرو.....'' اینی غصے سے کھڑی ہوگئی ''کیا میں تمہیں زہر دے رہی ہوں؟''

''اگر دے رہی ہو تو اس میں کوئی حیرت کی بات بھی نہیں ہے۔'' پریسٹن نے کہا۔

اینی کی حالت قابل دید تھی۔ اس کے گلے کی رگیں تن گئی تھیں اور آنکھیں گویا ابلی پڑ رہی تھیں۔

''تم انتہائی ذلیل اور گھٹیا انسان ہو۔'' اس نے چیختے ہوئے کہا ''تمہیں ایسی بات سوچتے ہوئے شرم نہیں آتی؟''

اینی کی کیفیت دیکھتے ہوئے پریسٹن ایک دم خوف زدہ ہوگیا۔ وہ اپنی شادی شدہ زندگی میں پہلی بار اینی سے ڈرا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا جو آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ اینی کی چہیتی کتیا فینی بھی خونی نظروں سے پریسٹن کو دیکھ رہی تھی۔ اگر اینی اشارہ کر دیتی تو وہ شاید پریسٹن پر جھپٹ پڑتی۔

''میں جا رہی ہوں۔'' اچانک اینی نے اعلان کیا۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' پریسٹن بولا۔

''اسکول..... وہاں اساتذہ اور والدین کی میٹنگ ہونے والی ہے۔'' اینی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''میٹنگ..... اور آج؟'' پریسٹن نے حیرت سے کہا۔

''ہاں برسوں سے میں جمعرات کی رات کو ان میٹنگوں میں جاتی رہی ہوں مگر تمہیں شاید کبھی اس بات پر توجہ دینے کی فرصت نہیں ملی۔'' اینی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی کتیا بھی غائب ہوگئی۔

پریسٹن نے پورے پندرہ منٹ تک انتظار کیا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور اینی کے تعاقب میں چل پڑا۔ وہ اس عمارت کی طرف جا رہا تھا جہاں اینی کے بقول اساتذہ اور والدین کی میٹنگ ہو رہی تھی مگر وہ عمارت مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور اینی کی کار بھی پارکنگ میں موجود نہیں تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہاں کوئی میٹنگ نہیں ہو رہی تھی۔ گویا اینی نے جھوٹ بولا تھا۔ پریسٹن واپس چلا آیا اور تاریک بیڈ روم میں اینی کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا ذہن سُن ہو چکا تھا۔

آخر کار اینی کی کار رکنے کی آواز آئی اور تھوڑی دیر بعد وہ سیڑھیوں پر کھٹ کھٹ کرتی ہوئی اوپر آ گئی۔ اس نے اندھیرے بیڈ روم میں جھانک کر دیکھا اور آواز دی ''پریسٹن کہاں ہو؟ سو گئے کیا؟'' اینی کے ساتھ فینی بھی مسلسل آوازیں نکال رہی تھی۔

''پریسٹن! تم نے اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟'' اینی نے پھر آواز دی ''لائٹس کیوں نہیں جلائیں؟'' اس کے ساتھ ہی ''چٹ'' کی آواز آئی اور کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

''تم..... سو رہے ہو.....؟'' اینی نے بستر پر لیٹے ہوئے پریسٹن سے پوچھا تو اس نے انکار میں ہاتھ ہلایا پھر وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور تیز روشنی سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''کہاں گئی تھیں؟ کس سے مل کر آ رہی ہو؟ مجھے اس کا نام بتاؤ۔''

''کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟'' اینی نے غصے سے کہا ''تم پاگل تو نہیں ہوگئے ہو؟''

''میں نے پوچھا ہے کہ کس سے مل کر آئی ہو تم؟'' پریسٹن نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

''بتا چکی ہوں کہ اساتذہ اور والدین کی میٹنگ میں.....'' وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکی کیونکہ پریسٹن نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا تھا۔

''میں سچ سننا چاہتا ہوں۔''

''پریسٹن! کل صبح میں پہلا کام یہ کروں گی کہ تمہیں ڈاکٹر شون کو دکھاؤں گی۔'' اینی نے کہا۔

''تم میری بات کا جواب دو..... کون ہے وہ؟ کوئی ساتھی ٹیچر..... پرنسپل یا کوئی اور.....؟'' پریسٹن نے کہا ''یقیناً تمہارا یہ عشق سات سال پرانا ہے۔ سات سال پہلے ہی تم نے اپنا رنگ ڈھنگ بدلا تھا۔ تم اپنے لیے فینی خرید لائی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی تم نے اپنے حسن اور لباس پر بھی توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ گویا اسی وقت سے تمہاری بے وفائی کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ تم ضرورت سے زیادہ وقت اسکول کو دینے لگی ہو۔ گھر میں تمہارا دل نہیں لگتا۔ یہ سب کیا ہے..... اور کیوں ہے؟''

''پریسٹن! تم پاگل ہوگئے ہو۔'' اینی نے کہا ''تمہاری آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔ مجھے تم سے ڈر لگ رہا ہے.....

وحشت ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر!''

''اینی! میں خود بھی وحشت زدہ ہوں..... ڈرا ہوا ہوں۔'' پریسٹن نے کہا ''تم نے مجھے خوف زدہ کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا' یہ اسی کی کڑی ہے۔''

''دیکھو..... میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا۔'' اینی نے کہا ''جو کچھ ہوا' وہ محض اتفاق تھا۔''

''تم میری جان کی دشمن ہو' مجھے مار ڈالنا چاہتی ہو تاکہ اپنے عاشق.....''

''نہیں پریسٹن! یہ جھوٹ ہے۔ الزام ہے مجھ پر!'' اینی نے پریسٹن کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''ہاں یہ سچ ہے کہ میں گھر سے اور اپنی گھریلو ذمے داریوں کی طرف سے بے پروا ہوگئی تھی جس کا مجھے افسوس ہے۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ آئندہ میں تمہارا بھی خیال رکھوں گی اور اس گھر کا بھی۔ میں نے اسکول کو کچھ زیادہ ہی وقت دینا شروع کر دیا تھا مگر اب نہیں دوں گی۔ جہاں تک بات ہے میری ورزش کی تو میں وہ ضرور کروں گی تاکہ فٹ رہوں بلکہ تمہیں بھی اس ورزش میں ساتھ شامل کروں گی۔ تمہیں بھی فٹ رہنے کی ضرورت ہے۔ اب میں نہ زیادہ فیشن کروں گی اور نہ نوخیز لڑکیوں جیسے بھڑکیلے لباس پہنوں گی' یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ آئندہ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔'' پریسٹن نے کہا ''میں تمہاری اس تقریر سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا ہوں۔ کون ہے وہ شخص جسے تم نے مجھ پر ترجیح دی ہے؟ جس سے تم چھپ چھپ کر ملنے جاتی ہو؟ میں اس کا نام جاننا چاہتا ہوں۔''

''تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟'' اینی نے سوال کیا۔

''میں اسکول گیا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا نہ کوئی میٹنگ ہو رہی تھی اور نہ کوئی فرد موجود تھا۔'' پریسٹن نے کہا ''پوری عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی بتاؤ۔ تم کہاں گئی تھیں؟ کس کے پاس گزارا ہے تم نے یہ وقت؟'' یہ کہہ کر وہ غضب کے عالم میں اینی کی طرف بڑھا تو اینی دہشت زدہ ہوگئی، وہ پلٹ کر بھاگی۔ پریسٹن اس کے پیچھے لپکا۔ اس کا غصے سے برا حال ہو رہا تھا۔

''رک جاؤ اینی.....! آج تم میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکو گی۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ تم کہاں گئی تھیں؟''

اینی گھبراہٹ میں سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ پریسٹن بھی اس طرف بھاگا۔ اینی پہلی سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر قدم رکھ رہی تھی کہ پریسٹن اپنی جھونک میں بھاگتا ہوا آیا اور سیڑھی پر قدم رکھتے ہی اس کا پیر مڑ گیا' اسے پورا گھر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ زوردار آواز سے ریلنگ سے ٹکرایا اور اینی کے پاس سے ہوتا ہوا سیڑھیوں پر قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے کی طرف گرتا چلا گیا۔ اینی خوف کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اس سیڑھی کی طرف دیکھا جہاں پریسٹن کا پیر مڑا تھا۔ وہاں اس کی کتیا فینی کی گڑیا پڑی تھی۔ پریسٹن گڑیا پر پاؤں پڑنے کی وجہ سے توازن کھو بیٹھا تھا۔ یہ دیکھ کر اینی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پریسٹن نے جس خدشے کا اظہار کیا تھا' وہ درست ثابت ہوا تھا۔ گھر میں بکھری ہوئی چیزوں سے وہ ڈرتا تھا اور آج فینی کی گڑیا کی وجہ سے ہی یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ پریسٹن نے آخری آواز اینی کی چیخ کی سنی تھی۔ اس کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

جب پریسٹن کو ہوش آیا تو اسے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس حادثے کو کتنا وقت گزر گیا ہے۔ البتہ یہ اندازہ ہوا کہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے جسم کو ٹٹولنے کی کوشش کی تو اس کے ہاتھوں نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنی ٹانگوں کو حرکت دینی چاہی تو اس کی دائیں پنڈلی اور بائیں ٹانگ کے گھٹنے میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ اس کے حلق سے کراہ نکل گئی پھر اسے اندازہ ہوا کہ اس کی بائیں پسلی کے ساتھ بھی کچھ ہوگیا ہے۔ شاید وہ ٹوٹ گئی تھی۔ جسم کے حرکت نہ کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں چوٹ آئی ہو۔ وہ اپنے آپ کو مفلوج محسوس کر رہا تھا۔

پھر اسے اینی نظر آئی۔ وہ پریشان نظروں سے پریسٹن کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف بھی نمایاں تھا۔ پریسٹن سوچ رہا تھا کہ اگر وہ سیڑھیوں سے نہ گرتا اور اینی اس کی گرفت میں آجاتی تو شاید وہ اس کا کام تمام کر دیتا۔ اس کی آنکھوں میں اینی کے لیے شدید نفرت تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اٹھ کر اس کا گلا دبا دے مگر پھر یاد آیا کہ سوائے اس کے سر کے اس کے جسم کا اور کوئی حصہ حرکت نہیں کر رہا تھا۔

وہ بے بس و لاچار فرش پر پڑا تھا جبکہ اینی سامنے کھڑی اسے تکے جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر نظر آنے والا خوف آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا گیا۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ پریسٹن حرکت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پریسٹن کے لیے ہمدردی نہیں بلکہ نفرت تھی۔ پریسٹن نے ایک بار پھر اپنے پیر کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

''اینی! میری مدد کرو۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ یا مجھے اسپتال پہنچواؤ۔'' پریسٹن نے بڑی مشکل سے کہا۔

''بکواس مت کرو' چپ چاپ پڑے رہو۔'' اینی نے

جواب دیا تو پریسٹن حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ بات اینی نے..... اس کی بیوی نے کہی ہے۔

''اینی.....! میرا..... سارا..... جسم..... مفلوج..... ہو چکا ہے..... ایسا لگ رہا ہے..... جیسے کسی نے مجھے..... رسی سے باندھ دیا..... ہے.....''

اینی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھے کسی ملکہ کی طرح کمرے میں ٹہلتی رہی۔ وہ دور چلی جاتی تو پریسٹن کو نظر نہیں آتی تھی اور قریب آتی تو نظر آجاتی تھی۔ پریسٹن محسوس کررہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر نفرت نمایاں تھی۔ وہ بار بار اپنے ہونٹ بھینچ رہی تھی

''پریسٹن!'' آخر وہ بولی ''تم اس وقت ایک معذور اور اپاہج ہو۔ تمہارے جسم میں نہ جانے کہاں کہاں ٹوٹ پھوٹ واقع ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے تم جس طرح اور جس زاویے سے گرے تھے' اس کے بعد تمہارا زندہ رہ جانا بھی کوئی معجزہ ہی ہے۔ اب تم بالکل بے بس اور لاچار ہو۔ تمہارا جسم حرکت کرنے کے قابل نہیں ہے۔''

''.....ڈاکٹر.....'' پریسٹن نے کہنا چاہا ''اینی! اچھا ایسا کرو کہ ایمرجنسی نمبر پر فون کردو..... وہ.....'' کہتے کہتے پریسٹن کی آواز ٹوٹ گئی۔

اینی کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔ وہ بولی ''میں یہ کیسے کرسکتی ہوں؟ پولیس والے سمجھیں گے کہ یہ سب میں نے پلان کیا تھا..... اور تم بھی تو بکواس کرسکتے ہو کہ میں نہ جانے کب سے تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔ تم نے تھوڑی دیر پہلے مجھ سے جو باتیں کی تھیں' اگر وہ سب تم نے ان لوگوں کے سامنے دہرا دیں تو میں پھنس سکتی ہوں..... نہیں پریسٹن!''

پریسٹن بے بسی سے اینی کی باتیں سن رہا تھا۔

وہ بولی ''میں آج رات واقعی اساتذہ اور والدین کی میٹنگ میں تھی مگر یہ میٹنگ ہمارے اسکول کے بجائے ہائی اسکول میں ہوئی تھی۔ تم ہمارا اسکول دیکھ کر چلے آئے اور یہ تصور کرلیا کہ میں نے میٹنگ کے حوالے سے تم سے جھوٹ بولا تھا۔

یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لیے رکی پھر بولی ''ہاں..... یہ ٹھیک ہے کہ اس گھر میں فینی کی آمد کے بعد ہمارے رویوں میں تبدیلی آئی تھی۔ بہرحال وہ جانور ہے۔ اگر میں نے الماری کھلی چھوڑ دی تو اس نے اسے مزید کھول دیا۔ گویا ہم دونوں نے مل کر تمہارے لیے مسائل پیدا کیے۔ میں بے پروا ہوگئی تھی' اس کا مجھے اعتراف ہے۔ میں تمہاری بھی پروا نہیں کرتی تھی' یہ بھی ٹھیک ہے..... جب میری فینی ہی تمہیں پسند نہیں کرتی تو میں کیوں کروں؟ وہ جانور ضرور ہے مگر اس کی پسند اور میری پسند ایک ہے۔ وہ جس سے محبت کرتی ہے میں بھی اس سے محبت کرتی ہوں۔ وہ جس سے نفرت کرتی ہے۔ میں بھی اس سے نفرت کرتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اینی خاموش ہوگئی اور خلا میں کچھ تکنے لگی۔

''بہرحال فینی تم سے نفرت کرتی ہے' وہ تم سے حسد کرتی ہے۔'' یہ کہہ کر اینی آگے بڑھی تو پریسٹن نے اسے آواز دی۔

''اینی! کہاں جارہی ہو؟ خدا کے واسطے مجھے اس حال میں چھوڑ کر مت جاؤ۔''

اینی اس کے قریب آگئی تو پریسٹن نے دیکھا کہ اس کے کندھے پر ایک بڑا سا سفری بیگ تھا۔

''پریسٹن! تمہارا شک بالکل صحیح تھا۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی ''میرا اور اسکول کے پرنسپل رچرڈ کا رومان آج کل زوروں پر ہے..... بلکہ یہ سمجھ لو کہ جب سے تم بوڑھے ہوئے ہو' اس وقت سے میں نے رچرڈ کا سہارا لے رکھا ہے۔ جب تم سیڑھیوں سے گر کر بے ہوش ہوئے تو میں نے رچرڈ کو فون کیا۔ اس نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم تین چار روز کے لیے کسی تفریحی مقام پر چلے جاتے ہیں۔ اس دوران اگر تمہاری قسمت اچھی ہوئی اور ادھر کوئی آگیا تو تم بچ جاؤ گے ورنہ میری واپسی تک.....'' اس نے جملہ معنی خیز انداز میں ادھورا چھوڑ دیا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولی ''لوگ جب گھر میں اکیلے ہوتے ہیں تو بعض اوقات انہیں حادثہ پیش آجاتا ہے۔ تمہاری موت بھی ایسا ہی ایک حادثہ ہوگی۔'' یہ کہہ کر اینی نے جلدی سے باہر نکل کر دروازہ بند کردیا۔

پریسٹن نے جب بیرونی دروازے کے لاک میں چابی گھومنے کی آواز سنی تو اس کی آنکھوں میں دہشت نمایاں ہوگئی۔ اب وہ تھا اور اس تاریک گھر کی تنہائی تھی۔ وہ بے بس اور مجبور تھا پھر اس نے زمین پر کسی کے پنجے مارنے کی آواز سنی۔ پریسٹن نے بڑی مشکل سے اپنا سر گھما کر دیکھا تو کچن کے دروازے پر اسے فینی نظر آئی۔ جو اس وقت کسی شیرنی کی طرح تنی کھڑی تھی۔ اس کے جسم کے سارے بال کھڑے ہوئے تھے۔ وہ زمین پر اس طرح پنجے مار رہی تھی جیسے شیر اپنے شکار پر حملہ کرنے سے پہلے مارتا ہے۔

پریسٹن نے آخری بار فینی کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔

جنگلی بھینسوں کے شکار کا سیزن ختم ہونے کو تھا جب ایک روز اچانک ڈون رافیل ہماری بستی بنیلو بینڈ میں داخل ہوا۔ پہلی بار ہم نے اُسے 'چائنا مین سیلون' میں دیکھا تھا۔ وہ ایک وجیہہ آدمی تھا۔ اُس کی کلائی میں چاندی کے کڑے کھنکھنا رہے تھے اور پہلو میں چھ گولیوں والا پستول جھول رہا تھا۔ وہ سیدھا کاؤنٹر پر پہنچا اور خالص مُرغ شراب کا ایک جام طلب کر کے ایک ہی سانس میں چڑھا گیا۔

ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ میں وہ برسوں سے مصروف تھے لیکن کبھی یہ طے نہ ہو سکا کہ برتری کسے حاصل ہے اور جب فیصلے کی گھڑی آئی تو لوگ حیران رہ گئے۔

نجمہ مودی



پھر وہ ایک میز پر پہنا جہاں پوکر کھیلی جا رہی تھی۔ کسی سے اجازت طلب کیے بغیر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ سوتے کے چند سکے اُس نے میز پر بکھیر دیے اور بے دھیانی کے سے عالم میں کھیل میں حصہ لینے لگا۔ اُس کا دل گویا کھیل میں نہیں لگ رہا تھا مگر پھر بھی وہ جیتتا چلا گیا۔

بڈکوتر، بارٹ مارٹن اور دوسرے چند آدمی جنھیں ہماری بستی میں بہت اکھڑ، تند خو اور لڑاکا سمجھا جاتا تھا بڑی توجہ اور ناپسندیدگی سے اس نووارد کا جائزہ لے رہے تھے۔

"یہ کھیل تو بہت ہی آسان تھا۔" دفعتاً ڈون رافیل اپنی کرسی پیچھے کھسکاتے ہوئے بولا۔ پھر اُس نے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈالی، بے پروائی سے مسکرایا اور ملائمت سے بولا۔ "تم میں سے کون سب سے پہلے مجھ سے لڑنے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا ہے؟"

"یہاں لڑائی کی کیا ضرورت آن پڑی؟" جج گورمن نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ ہمارے جسٹس آف پیس تھے۔ غالباً انھوں نے سوچا ہوگا کہ امن و امان قائم رکھنے کے سلسلے میں کم از کم زبان ہلانے کی حد تک تو انھیں اپنا فرض ادا کر دینا چاہیے۔

"لڑائی اس لیے ہوگی کہ یہاں موجود لوگوں میں سے کچھ کا خیال ہے کہ میں نے بے ایمانی کی ہے۔ ان کے خیالات ان کے چہروں پر لکھے نظر آ رہے ہیں۔" ڈون رافیل بولا۔

"لوگوں کا خیال غلط نہیں ہے۔" بل فینی بہ آوازِ بلند بولا۔ بل ہماری بستی میں فساد کی جڑ تھا۔ لوگوں کے درمیان جھگڑا کرانا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے ہاں کھیل میں بے ایمانی کرنا ناقابلِ معافی حرکت ہے۔ بارٹ ایک ایسا جوان ہے جو اس طرح کی گھٹیا حرکتیں کرنے والوں کو بڑی عمدگی سے سبق سکھا سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ خود ایک طرف ہٹ گیا اور بارٹ ایک بپھرے ہوئے بھینسے کی طرح اس اجنبی ہسپانوی نوجوان ڈون رافیل پر حملہ آور ہوا۔ وہ تھا بھی بھینسے ہی کی طرح مضبوط اور جسیم۔

مگر پھر ہماری آنکھوں نے ایک ناقابلِ یقین نظارہ دیکھا۔ ڈون جھکائی دے کر بارٹ کے ہر وار سے بچتا رہا، چھلاوے کی طرح اس کے گرد چکراتا رہا۔ اور اس کی پٹائی کرتا رہا۔ زندگی میں بارٹ کی اتنی پٹائی شاید کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے لیے مزید المیہ یہ تھا کہ وہ خود ایک بھی ڈھنگ کا ہاتھ رسید کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ بالآخر وہ زخمی بھینسے کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

فرش پر لیٹے ہی لیٹے وہ اپنا ایک ٹوٹا ہوا دانت بائیں آنکھ انگلیوں میں دبا کر افسوس زدہ نظروں سے اس کا جائزہ لینے کے بعد ڈون رافیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بے شک میں نے تم سے مار کھائی ہے لیکن اپنی رائے نہیں بدلی۔ مجھے اب بھی یقین ہے کہ تم نے بے ایمانی ضرور کی ہے، لیکن یہ اعتراف میں ضرور کروں گا کہ میں نے تمھیں بے ایمانی کرتے ہوئے دیکھا نہیں۔"

رافیل خوش دلی سے مسکرایا۔ اس نے بارٹ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ اُس کے کپڑے جھاڑے، پھر اُسے کاؤنٹر پر لے گیا۔ اس نے سیلون میں موجود تمام لوگوں کے لیے ڈرنکس کا آرڈر دیا۔ ماحول رفتہ رفتہ خوشگوار ہو گیا اور وہ شام کافی حد تک یادگار بن گئی۔ رافیل کی آمد پر بستی کے دادا گیروں میں جو اشتعال پیدا ہوا تھا وہ کافی کم ہو گیا۔

دوسرے روز خوف ناک صورت والا ایک اور اجنبی بدمعاش ہماری بستی میں پہنچا۔ اس نے سب سے پہلے ایک بے ضرر سے چرواہے کی پٹائی لگائی۔ پھر سیلون میں موجود سب لوگوں کو چیلنج دے دیا۔ کہ جو بھی تین آدمی چاہیں اس کے مقابلے پر آ سکتے ہیں۔ ڈون رافیل نہایت پُرسکون انداز میں تنہا اس کے سامنے آیا اور جونہی اجنبی نے اپنے ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا، ایک دھماکا گونجا اور دوسرے ہی لمحے وہ فرش پر چت پڑا تھا۔ گولی اس کے دل میں اُتر چکی تھی۔ رافیل کی پھرتی ناقابلِ یقین تھی۔ کوئی صحیح طور پر نہیں دیکھ سکا تھا کہ اجنبی کا ہاتھ حرکت میں آتے ہی رافیل کا ہاتھ کس طرح اپنے ہولسٹر تک پہنچا، کس طرح پستول نکالا اور کس طرح بے خطا نشانہ لیا۔ کوئی رافیل کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ دسیوں گواہ موجود تھے کہ اُس نے ایک چیلنج دینے والے کے سامنے اپنے دفاع میں گولی چلائی تھی۔ اس واقعے کے بعد اُس کی کچھ زیادہ ہی دھاک بیٹھ گئی۔

لیکن مونیکا مارٹن کی اس کے بارے میں رائے اچھی نہیں تھی۔ مونیکا پکی عمر کی ایک جہاں دیدہ اور نڈر عورت تھی۔ وہ "چائنا مین سیلون" کی نئی مالکن تھی۔ اس کا کہنا تھا۔ "رافیل کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک معزز اور شریف آدمی ہے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ وہ پرلے درجے کا جھوٹا، چور، اچکا اور بدمعاش ہے۔ جس طرح مجھے یقین ہے کہ میں کسی بھینسے کو دُم سے اٹھا کر نہیں پھینک سکتی اُسی طرح مجھے یقین ہے کہ میں کبھی اس پر بھروسا نہیں کر سکتی۔" پھر وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔ "لیکن جو آدمی اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر دو ناقابلِ یقین

کارنامے انجام دے چکا ہو یعنی ہارٹ جیسے شخص کی پٹائی کر چکا ہو اور ایک خوفناک قسم کے میکسیکن بدمعاش کو ٹھکانے لگا چکا ہو، وہ کچھ نہ کچھ رعایتوں کا مستحق ضرور ہے۔ مثلاً ایک رعایت اُسے یہ دی جا سکتی ہے کہ اس سے یہ کوئی نہ پوچھے کہ تاش کھیلتے وقت اس کے پاس اتنے پتے کہاں سے آجاتے ہیں۔"

"اس ضمن میں صرف اُس وقت تک زبان بند رکھی جا سکتی ہے جب تک وہ بے ایمانی کرتے ہوئے پکڑا نہ جائے۔" جج گورمن نے لقمہ دیا۔

اس کے بعد رافیل ہماری بستی ہی کا ایک باسی بن گیا۔ کوئی اُسے پسند کرنے لگا۔ کوئی اس کی عزت کرتا تھا اور کوئی اس سے خوف کھاتا تھا۔ تاش کی میز پر تھوڑی بہت بحث و تکرار سے قطع نظر وہ ایک امن پسند آدمی ہی کی طرح روز و شب گزار رہا تھا۔ یوں ایک ماہ گزر گیا۔ پھر ایک روز ٹینی گرانٹ ہماری بستی میں آپہنچا۔

ٹینی تقریباً ڈون رافیل ہی کی عمر کا تھا۔ اس کے کندھے چوڑے اور کمر پتلی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں ہلکی سی محرومیت اور یاس کے سائے تھے جیسے اُس نے خاصا طویل عرصہ تکلیف کے عالم میں گزارا ہو۔ جائنا مین سیلون میں داخل ہوتے ہی وہ یوں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے اُسے کسی کی تلاش ہو۔

ڈون رافیل اس وقت مونیکا کے ساتھ تاش کھیل رہا تھا۔ اُس کی نظر نووارد پر پڑی تو وہ پتے میز پر رکھ کر لپک کر اُس کے پاس پہنچا اور بغلگیر ہوتے ہوئے چلایا۔ "میرے دوست، میرے بھائی! کتنی مدت بعد تم سے ملاقات ہو رہی ہے۔"

ٹینی کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے چمک نمودار ہوئی اور معدوم ہو گئی۔ وہ نہایت سنجیدگی سے بولا۔ "بے شک، ہماری ملاقات بہت طویل عرصے کے بعد ہو رہی ہے۔ پورے پانچ سال بعد۔"

"لیکن جب بچھڑے ہوئے مل جاتے ہیں تو جدائی کی اذیتیں فراموش کر دی جاتی ہیں۔" ڈون رافیل باچھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ "آؤ۔۔۔ آؤ میرے دوست! اس ملاپ کی خوشی میں ایک ایک جام ہو جائے۔"

وہ مُرغ شراب کا ایک ایک جام حلق سے اُتار چکے تو۔۔۔ ڈون رافیل مشفقانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔۔۔ اب بتاؤ برخوردار! اس گاؤں کی طرف کیسے آنا ہوا؟"

"ظاہر ہے، تمھیں قتل کرنے کے لیے۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟" ٹینی نے ملامت سے کہا۔

ڈون رافیل نے متانت سے سر ہلایا۔ "مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تمھاری کھوپڑی میں اس قسم کا کوئی احمقانہ خیال جاگزیں ہوگا۔" وہ بڑے ٹھہراؤ سے بولا۔ "بہرحال۔۔۔ اگر تم نے مجھے اس اعزاز سے نوازنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ واقعہ کب پیش آئے گا؟" اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ پوری طرح چوکنا تھا لیکن اُس نے ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔

"اس کا انحصار تم پر ہے ڈون رافیل!" ٹینی بولا۔ "جس لمحے بھی تم اپنی گن کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے اُسی لمحے فیصلہ ہو جائے گا۔"

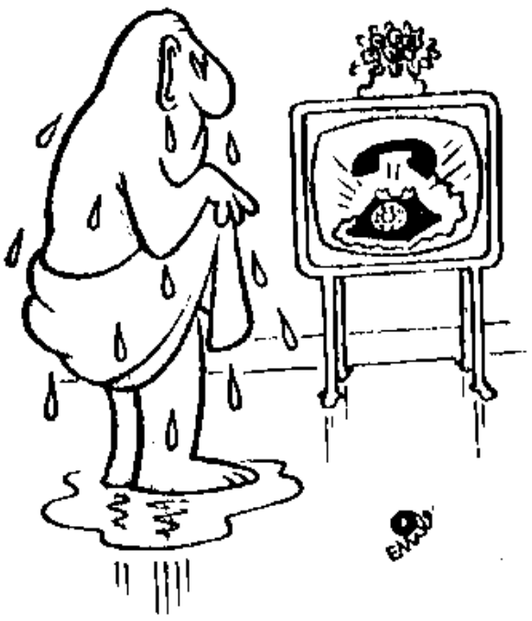
"لیکن مجھے تم سے محبت ہے برخوردار!" ڈون رافیل رقت آمیز لہجے میں بولا۔ "تمھیں یہ شبہ کیونکر گزرا کہ میں تم پر کوئی ہتھیار اٹھانے کی کوشش کروں گا؟"

"اس لیے کہ تم ایک بے صبرے، مضطرب اور متجسس آدمی ہو۔ تمھیں ہمیشہ تجسس رہا ہے کہ پستول نکالنے کے معاملے میں تم مجھ سے زیادہ پھرتیلے ثابت ہو سکتے ہو یا نہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میری طبیعت میں تجسس ہے۔ لیکن اس کی کچھ حدود ہیں۔ میں تجسس کے ہاتھوں اتنا بے تاب نہیں ہوں کہ تمھیں قتل کرنے کی سوچنے لگوں۔"

"میرے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں دوست!" ٹینی بولا۔ "جنازہ تو تمھارا اُٹھے گا۔"

ریل فینی جو بڑی توجہ سے دونوں آدمیوں کی باتیں سن رہا تھا، بے تابی سے بولا۔ "کیا ساری جنگ زبانی کلامی ہی ہوتی ہے



گی؟ تم میں سے کوئی گولی کیوں نہیں چلا رہا؟"

"بے صبرے مت بنو پیارے!" ٹینی نے ناصحانہ انداز میں کہا پھر وہ ڈون رافیل کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں اپنے پیارے دوست کو یہ اندازہ لگانے کے لیے پوری پوری مہلت دینا چاہتا ہوں کہ جیل میں پانچ سال کس طرح گزرتے ہیں۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ تم سزا یافتہ ہو؟" ہل فینی نے ٹینی سے پوچھا۔

ٹینی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔ "ایک مرتبہ میں کیلیفورنیا کے نواح میں سونے کی ایک چھوٹی سی کان میں ایک شخص کا پارٹنر تھا۔ کان سے بہت معمولی مقدار میں سونا نکل رہا تھا۔ میرا پارٹنر بے صبرے پن پر اتر آیا۔ اُس نے جاکر ایک بینک میں ڈاکا ڈالا اور بیس ہزار ڈالر لوٹ لیے۔"

"سولہ ہزار ڈالر۔" ڈون رافیل نے تصحیح کی۔ وہ پوری توجہ سے ٹینی کی بات سن رہا تھا۔

"خیر۔۔۔ بینک والے تھوڑا بہت مبالغہ تو کرتے ہی ہیں۔" ٹینی معذرت خواہانہ سے لہجے میں بولا۔ "خیر۔۔۔ قانون کا ایک محافظ میرے پارٹنر کے پیچھے لگ گیا۔ اُس نے کسی طرح بھی پیچھا نہ چھوڑا اور بالآخر میرے پارٹنر کو لوٹ کی رقم سے چھٹکارا حاصل کرنا پڑا۔"

ڈون رافیل نے باقی قصہ خود سنانے کا فیصلہ کیا اور متاسفانہ سے لہجے میں بولا۔ "میں نے وہ رقم اپنے پیارے کزن، اپنے دوست اور اپنے برخوردار ٹینی گرانٹ کے سامان میں ڈال دی۔ بلاشبہ میری یہ حرکت بہت ہی گھٹیا تھی۔ میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"معاف تو میں بھی تمھیں نہیں کروں گا۔" ٹینی ٹھوس لہجے میں بولا۔

"لیکن تمھیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حالات نے مجھے کچھ زیادہ ہی مجبور کر دیا تھا ڈیئر!" ڈون رافیل ملائمت سے بولا۔ "تمھیں تو انھوں نے صرف پانچ سال کی سزا سنائی۔ مجھے وہ پھانسی پر ہی لٹکا دیتے۔ تمھیں شاید یاد نہیں کہ جیوری نہایت ہی تنگ نظر قسم کے شادی شدہ مردوں پر مشتمل تھی اور ان کم بختوں کی کھوپڑیوں میں یہ بے ہودہ شک بیٹھا ہوا تھا کہ میں ان کی پیاری پیاری بیویوں سے مراسم رکھتا ہوں۔"

"یہ تو مجھے معلوم ہے۔" ٹینی نے اس شخص کے سے انداز میں سر ہلایا جو اپنے دشمن کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا چاہتا ہو۔ "لیکن پھر بھی۔۔۔ پانچ سال کا عرصہ بہت طویل ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی کے پانچ سنہرے برسوں کی قربانی محض اس لیے نہیں دے سکتا کہ جن حسین خواتین کے ساتھ تم گلچھرے اڑایا کرتے تھے، تمھیں معلوم نہیں تھا کہ ایک روز ان کے شوہر کسی عدالت میں جیوری کے فرائض انجام دیں گے۔"

دفعتاً سیلون کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک لڑکی دوڑتی ہوئی اندر آئی جو پہلی نظر میں سولہ سال سے زیادہ کی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ جم جوزف اس کے تعاقب میں تھا۔ جم ایک بگھی کا کوچبان تھا جو مسافروں کو دور دراز علاقوں تک لے جایا کرتی تھی۔

ٹینی کا ایک بازو بجلی کے کوندے کی طرح حرکت میں آیا اور اُس نے لڑکی کو اس بازو کی پناہ میں لے لیا۔ دایاں ہاتھ اسی برق رفتاری سے ہولسٹر تک پہنچا۔ دوسرے ہی لمحے وہ پستول سے جم کا نشانہ لیے ہوئے تھا۔ پھر وہ خونخوار نظروں سے جم کو گھورتے ہوئے غرایا۔ "تم کس قسم کے آدمی ہو جو ایک کم سن لڑکی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک چلے آئے ہو جہاں ہر قماش کے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں؟"

لیکن لڑکی نے اس کی حمایت کا یہ صلہ دیا کہ اسی پر لاتیں چلانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "چھوڑ دو مجھے۔۔۔ میں کوئی کمسن لڑکی نہیں ہوں۔"

وہ بالآخر ٹینی کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی اور تب ہم نے دیکھا وہ واقعی کمسن نہیں تھی۔ اُس کا جسم کسی اعلیٰ نسل کی گھوڑی کی طرح سڈول تھا۔ اُس کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات تھی جس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ وہ سولہ سال سے کہیں زیادہ بڑی تھی یعنی کم از کم اٹھارہ سال کی ضرور تھی! ہمارے ہاں یہ دو سالوں کا فرق بہت اہم ہوتا تھا۔

وہ یکدم سیلون کی مالکن مونیکا سے مخاطب ہوئی۔ "میں تمھیں پہچانتی ہوں، تم اس سیلون کی مالکن ہو۔ میں نے اس سیلون کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ میں یہاں ملازمت کرنا چاہتی ہوں۔"

جم بول اٹھا۔ "اور میں نہایت معذرت کے ساتھ کہوں گا مونیکا۔۔۔ کہ اس لڑکی کا یہ خیال نہایت ہی بے ہودہ ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی شریف گھرانے کی لڑکی یہاں کام کر سکتی ہے۔ اس لڑکی کا نام کورا لارکن ہے اور یہ برابر کے گاؤں سے آئی ہے۔"

میں سمجھ گیا اس کا اشارہ اس گاؤں کی طرف تھا جو ریڈ گلچ یعنی سرخ وادی کے نام سے مشہور تھا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں اس کے والدین کو جانتا تھا۔ ان کا اب انتقال

ہو چکا ہے، بڑے شریف لوگ تھے، کورا نے نہایت پُر تحفظ ماحول میں پرورش پائی ہے۔ مونیکا میں ایک بار پھر معذرت چاہتے ہوئے کہوں گا کہ اس سیلون میں کام کرنا اس کے حق میں ہرگز اچھا نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں کی آئے دن کی لڑائیوں میں یہ بے موت ماری جائے۔ میں تو اسے اپنی بگھی میں اولیری لے جا رہا تھا جہاں سے اسے ٹرین پکڑ کر اپنی خالہ کے ہاں جانا تھا۔ اسے اب اپنی خالہ ہی کے ساتھ رہنا ہے، لیکن جب میں یہاں دوسرے مسافروں کو بگھی میں بٹھانے کے لیے رُکا تو یہ بگھی سے اُتر کر بھاگ لی۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ تو رقاصہ بنے گی۔"

جم کا بیان صفائی سن کر ٹینی کی آنکھوں میں نرمی جھلک آئی۔ کورا پُر احتجاج لہجے میں بولی "میں اپنی آنٹی کے پاس جانا نہیں چاہتی، وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے وہ مجھ سے صرف نوکرانی کے طور پر دن رات کام لینے کے لیے مجھے اپنے پاس بُلا رہی ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ میرے ساتھ بہت بُرا سلوک کرے گی مس مونیکا! پلیز، آپ مجھے اپنے پاس رکھ لیجیے۔"

"تم میرے لیے کیا کام کر سکتی ہو؟" مونیکا نے پوچھا۔

"میں عام انسانوں کی طرح زندہ رہنا اور زندگی کو سمجھنا چاہتی ہوں۔ زندگی کے حقائق کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں پُر تحفظ ماحول میں، لوگوں کی نگرانی میں زندگی گزارتے گزارتے تنگ آ چکی ہوں۔ میں زندگی کی دلچسپیوں اور ہیجان خیزی کے لیے ترس رہی ہوں۔ میں اچھا خاصا گا سکتی ہوں اور ڈانس تو بہت ہی اچھا کر لیتی ہوں مس مونیکا مارٹن! دیکھیں . . . میں آپ کو ابھی دکھاتی ہوں۔"

اُس نے بازو لہرائے اور آس پاس کھڑے لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ خاصی جگہ خالی کرانے کے بعد اُس نے ڈانس شروع کیا۔ اس کے اپنے خیال میں شاید وہ ڈانس ہی رہا ہو لیکن ہمیں یہی محسوس ہوا تھا جیسے کوئی بھوکا بچھڑا پاؤں پٹختا اپنی ماں کے پیچھے دوڑا جا رہا ہو۔

اُس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی اپنی گلوکارانہ صلاحیتوں کا بھی اظہار کر ڈالا۔ اس کے ہونٹ بے حد خوب صورت تھے اور عام بول چال میں آواز بھی کھنک دار تھی مگر جب اس نے ہاتھ اُٹھا کر تان لگائی تو اُن خوب صورت ہونٹوں سے جو آواز برآمد ہوئی اُسے سن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے وہ کچھ ایسی ہی آواز تھی جیسے کوئی گائے اُدھ کٹی گردن لیے قصائی کی گرفت سے نکل کر ڈکراتی ہوئی بھاگ نکلی ہو۔

شوگر کے مریضوں کیلئے
خوراک ○ پرہیز ○ اور ادویات

گوجرانوالہ..... شوگر انتہائی خطرناک اور پریشان بیماری ضرور ہے مگر لاعلاج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آج تک ایسی کوئی بیماری پیدا نہیں کی جس کا علاج نہ ہو ویسے شوگر سے جتنا مریض پریشان ہوتا ہے اتنا دوسری بیماری سے کم ہی ہوتا ہے کیونکہ اگر شوگر کے مریض کو زخم ہو جائے تو جلدی ٹھیک نہیں ہوتا ویسے بھی شوگر انسان کو کمزور کر دیتی ہے اگر کسی مریض کو کسی اور بیماری کا آپریشن کروانا ہو تو بڑی مشکل درپیش آتی ہے اگر آپ شوگر کی وجہ سے پریشان ہوں اور کوئی بھی دوا اثر نہ کرے تو آپ یہاں قیمہ کالی مرچ کریلے بکرے کا بلبلہ اور سلاد بلکہ غذا پکا کر روٹی کیساتھ کھائیں انشاء اللہ شوگر کنٹرول ہو گی اور آپ کو یقینی فائدہ پہنچے گا۔ ان خیالات کا اظہار شوگر کے معروف معالج حکیم محسن صاحب نے ایک ملاقات میں کیا۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ شوگر سے معدہ جگر، آنتوں، گردوں کی بیماریوں اعصابی دماغی امراض گیس ٹریبل، ہارٹ اٹیک بلڈ پریشر نظر کی کمزوری اور ایسی قسم کی دوسری امراض دوسرے مریضوں کی نسبت بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات انسان کی زندگی کے لیے خطرہ بن جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شوگر ایک ایسی مرض ہے جب کسی مریض کو پتہ چلتا ہے کہ وہ اس ناہمرار بیماری کا شکار ہے تو وہ اچانک بہت ہار جاتا ہے اور اپنے دل و دماغ پر اس کا خوف اس طریقہ بٹھا لیتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ شاید وہ پوری زندگی اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا کیونکہ یہی الفاظ معالجوں نے اس کے دماغ میں ڈال دیئے ہوتے ہیں کہ وہ پوری زندگی اس مرض سے نجات حاصل نہیں کر سکتے انہوں نے کہا کہ مریض کو مایوس کرنا کسی معالج کی شایان شان نہیں کیونکہ الشفاء قرآن و حدیث ہر مرض قابل علاج ہے اور دوسرا یہ کہ مایوسی بہت بڑا گناہ ہے انہوں نے بتایا کہ حکیم اور معالجین اپنے نسخہ جات کو چھپا کر لکھتے ہیں جو کہ اچھی روایت نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے نہ تو آئندہ آنیوالے معالجین اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی مریض صحت یاب ہو سکتے ہیں انہوں نے کہا کہ وہ شوگر کے مریضوں کو اس سے چھٹکارا دلانے کیلئے ایک سے بڑھ کر ایک قابل اعتماد نسخہ پیش کر رہا ہوں جسکے استعمال سے شوگر کا مرض انشاء اللہ چند دنوں میں صحت یاب ہو جاتا ہے اور تمام ادویات سے بھی چھٹکارا مل جاتا ہے نسخہ یہ ہے جوہر جامن گل فارسی شاہ بلوط، طباشیر، نقرہ، سماق بیدمشک، مرغ، تخم کاہو گل ارمنی، افاقیہ، کیکر کے پھل اور پھول، صندل سفید گلدار بوٹی، گل اربی تخم ریحان، تخم تروبیم کے پھل تخم ساداب، تخم تمر ہندی ہر ایک سو گرام لیکر کسی معالج سے تیار کروائیں خوراک چھ ماشہ صبح و شام دہی کے ساتھ کھائیں انشاء اللہ افاقہ ہو گا۔ انہوں نے بتایا کہ اس نسخہ کے استعمال کرنے سے بہت سے مریض شفا پا چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج وہ حکیم شوگر والے کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے بتایا کہ شوگر کو جڑ سے ختم کرنے والی کمزوری کو دور کرنے کیلئے کشتہ چاندی، نقرہ، مروارید، کشتہ سونا، کشتہ ہیرا، زعفران، عنبر، کستوری اور مرجان استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ سیر بھی کریں اس سے نہ صرف تمام کمزوریوں کا خاتمہ ہو گا بلکہ مرجھایا ہوا چہرہ کھل اُٹھے گا اور چہرہ سرخ مائل ہو جائیگا ویسے بھی یہ نسخہ ہر موسم میں قابل استعمال ہے اور اس سے کسی قسم کا نقصان بھی نہیں ہوتا انہوں نے کہا کہ کمی صرف اس بات کی ہے کہ ہم ملتی اصولوں کیمطابق نسخہ تیار نہیں کرتے اور پوری طرح پرہیز بھی نہیں کرتے حکیم صاحب نے بتایا کہ اس نسخہ کو استعمال کرنیوالے یہ خوراک استعمال کریں چوہے گاں سبز یاں، ترکاریاں، ثمار، کریلے، قیمہ گوشت، مچھلی، مرغا، سلاد، مگ، پنیر دودھ، دہی، لسی، بین کی اشیاء والیں چھاتی شوربہ بکائی، چنے، پھل، فروٹ وغیرہ اور ان اشیاء سے پرہیز ضروری ہے آلو، چاول، چینی، میٹھی اشیاء گوبھی اور زمین میں اگنے والی سبزیاں وغیرہ۔

رابطہ کریں | حکیم محسن صاحب | ۵۹ مرکز بلاک گوجرانوالہ فون: ۸۰۲۱۲

غالباً ہمارے تاثرات سے اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کے رقص اور گلوکاری کے بارے میں ہم کیا رائے قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس نے گانا بند کر دیا۔ اس کا سر جھک گیا اور کندھے گویا یک دم ڈھیلے پڑ گئے۔ ایک لمحے کے لیے وہ بے حد دل گرفتہ نظر آئی مگر دل گرفتگی کو اس نے اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سر اٹھا کر جرأت مندانہ لہجے میں بولی "بہرحال . . . میں جوان اور پُرعزم ہوں۔ کیا یہاں کوئی بھی کام ایسا نہیں جو میں کر سکوں؟"

ڈون رافیل آگے بڑھا اور تعظیماً اس کے سامنے گردن کو خم دیتے ہوئے بولا "کیوں نہیں، بہت سے کام ایسے ہیں جو تم کر سکتی ہو۔ تم رقص نہیں کر سکتیں مگر تمہاری چال میں شاخِ گل کی سی لچک ہے۔ تم گانا نہیں جانتیں لیکن عام گفتگو میں تمہاری آواز میں بلبل کی سی نغمگی ہے۔ بس تم ہمارے درمیان گھوما پھرا کرو، ہم سے باتیں کیا کرو اور اپنے حسین ہونٹوں کی ہر جنبش سے ہمارے دلوں میں ہلچل مچایا کرو۔ ہم تمہارے اعزاز میں جام پر جام لنڈھایا کریں گے۔"

کورا نے پہلے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا مگر پھر اُس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ڈون رافیل کی شخصیت اور خصوصاً اس کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی۔ شاید اسی کشش کا کمال تھا کہ چند لمحے بعد جب ڈون رافیل نے اسے بازو سے پکڑ کر قریب کھینچا تو اس نے نیم دلی سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی اور ظاہر ہے، اس میں ناکام رہی۔

دفعتاً ٹینی نے اس کا کالر پکڑ کر اسے پیچھے کھینچا اور ایک گھونسا رسید کیا۔ ڈون رافیل فرش پر جا گرا۔ نہایت اطمینان سے وہ فرش سے اٹھا اور کپڑے جھاڑتے ہوئے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولا "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہاتھوں کی لڑائی کے معاملے میں تم مجھ پر فوقیت رکھتے ہو لیکن اگر تمہارا اس لڑکی کو محبوبہ بنانے کا ارادہ ہے تو تمہیں اپنی گن سے کام لینا پڑے گا کیونکہ میں تمہیں مس کورا کے نزدیک آنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مجھے تم بہت عزیز ہو لیکن تم ایک سزا یافتہ آدمی ہو۔ مس کورا کے لیے تمہاری رفاقت مناسب نہیں۔"

ٹینی گویا بمشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا "کیا تم اسی وقت اپنی گن نکالنا پسند کرو گے؟"

دفعتاً مونیکا مارٹن درمیان میں آ گئی۔ اس نے ٹینی کو ایک طرف دھکیلا، ڈون رافیل کو دوسری طرف کھینچا پھر کورا کی طرف مڑتے ہوئے بولی "دیکھا تم نے؟ تمہیں آئے ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے اور تمہارے لیے خون خرابا شروع ہونے لگا ہے۔ کیا اب بھی تم رقاصہ بننا چاہتی ہو؟"

"نہیں" کورا نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"شکر ہے تمہیں جلدی عقل آ گئی" مونیکا بولی۔ "سڑک کے دوسری طرف میرا چھوٹا سا ریستوران ہے۔ میری خانسامن استعفا دے کر جا چکی ہے۔ کیا تم اس کی جگہ کام کرنا پسند کرو گی؟"

کورا کی آنکھوں میں جھلملاتے خواب یکدم راکھ ہو گئے۔ چہرہ بجھ گیا مگر وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "اپنی آنٹی کے پاس جانے کے مقابلے میں میں ہر کام کو ترجیح دوں گی۔"

بعد کے حالات سے ثابت ہوا کہ کورا کو کھانا پکانا بھی نہیں آتا تھا۔ وہ چاپنیں تلتی تھی تو اتنی سخت ہو جاتی تھیں کہ چھوٹی چھوٹی ہاکیاں معلوم ہونے لگتی تھیں۔ اس کے تیار کیے ہوئے بسکٹ اگر کسی کے سر پر مارے جاتے تو وہ زخمی ہو سکتا تھا۔ ان بسکٹوں کو اگر دریائی گھوڑا بھی کھا لیتا تو وہ مرض میں مبتلا ہو جاتا مگر یہ اس کے حسن و جمال کا کمال اور اس کی معصومیت کی کشش تھی کہ دُور دُور سے مرد اس ریستوران میں کھنچے چلے آنے لگے۔ کورا کے ہاتھوں سے تو وہ کنکر پتھر بھی چبا جانے کو تیار رہتے تھے۔ کورا کی توجہ اور محبت جیتنے کے لیے ٹینی اور ڈون رافیل میں مسابقت بدستور جاری تھی۔

ٹینی سنجیدگی سے اس سے شادی کرنے، فارم خریدنے اور ہونے والے بچوں کے بارے میں باتیں کرتا تھا جبکہ ڈون رافیل کو موقع ملتا تھا تو وہ اسے دنیا بھر کے سفر پر لے جانے اور ایک ہنگامہ خیز زندگی گزارنے کے خواب دکھاتا تھا۔ کورا کا رویہ دونوں کے ساتھ تقریباً یکساں تھا۔ وہ ان کی چپقلش کے بارے میں جان چکی تھی اور ہماری طرح اسے بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ ایک نہ ایک دن اُن کے درمیان معرکہ آرائی ضرور ہو گی لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ محض اس کی وجہ سے فیصلے کا دن جلد آ جائے۔

مونیکا مارٹن دونوں دشمنوں کی وضع داری اور تحمل کی داد دیتی تھی اور بل فنی کہتا تھا "اس طرح تو میں بھی بہادر نظر آ سکتا ہوں، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرا دشمن کبھی مجھ پر گن نکالے گا ہی نہیں۔"

چند ہفتے بعد ایک روز اچانک ڈون رافیل غائب ہو گیا۔ انہی دنوں قریبی علاقے میں ایک بگھی سے کچھ سرکاری سامان لُوٹ لیا گیا تھا۔ سنا تھا کہ اس ڈکیتی کے سلسلے میں ایک مارشل تلاشی وغیرہ کا وارنٹ لے کر گاؤں میں پہنچنے والا تھا۔ عین ممکن تھا کہ ڈون رافیل کی روپوشی کا تعلق مارشل کی آمد سے رہا ہو لیکن

اس وقت تک ہمیں حقیقت نہیں معلوم تھی۔

اس کی عدم موجودگی میں ٹینی، کورا کی نظر میں زیادہ بہتر مقام حاصل کرنے اور اس کے زیادہ قریب آنے میں کامیاب ہو گیا لیکن پھر بھی کورا نے اس پر یہ واضح نہیں کیا تھا کہ وہ اس سے شادی کا فیصلہ کر چکی ہے یا نہیں۔

پھر ایک روز چک ہمارے گاؤں میں آن پہنچا۔ چک دوغلی نسل کا ایک ریڈ انڈین نوجوان تھا۔ چک نے پہلے تو سیلون میں بیٹھ کر تمام اقسام کی شراب جی بھر کے پی۔ آخر میں اُس نے بیئر ٹانک کی وہ شیشی بھی آدھی سے زیادہ معدے میں انڈیل لی جو وہ مقامی جنرل اسٹور سے پار کر کے لایا تھا۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ وہ سر میں لگانے کی چیز ہے۔ وہ اسے بھی کوئی اعلیٰ قسم کا مشروب سمجھا تھا۔

بالآخر چک سامنے والے ریستوران میں کھانا کھانے پہنچ گیا۔ وہاں بیٹھ کر بہت دیر تک کورا کو گھورنے کے بعد وہ غالباً اسی نتیجے پر پہنچا کہ ریستوران کی سب سے لذیذ ڈش وہی ہے۔ اُس کی چندھی چندھی سیاہ آنکھوں میں زبردست چمک آگئی۔ تعارف کا مرحلہ طے کرنے کے لیے اس نے کورا کو کوئی تحفہ پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنے جرمی لبادے میں ہاتھ ڈال کر اُس نے اپنی قیمتی ترین چیز نکالی اور لے جا کر کورا کی خدمت میں پیش کر دی۔ یہ خاص عمل کے ذریعے سکیڑی ہوئی ایک انسانی کھوپڑی تھی۔ ایک لڑائی کے دوران یہ کھوپڑی چک نے خود دشمن کے تن سے اُتار کر بطورِ یادگار..... اپنے پاس محفوظ رکھی تھی۔

لیکن افسوس کہ کورا اُس کے اس قیمتی تحفے کو دیکھ کر چیخیں مارنے لگی۔ اس کی چیخیں سُن کر چک بدمزہ ہو گیا۔ بدمزگی کی ایک وجہ شاید وہ بیئر ٹانک بھی تھا جو اس کے معدے میں پہنچا ہوا تھا۔ اُس نے کورا کو بالوں سے پکڑ کر کاؤنٹر کے عقب سے کھینچ لیا۔ پھر اسی طرح گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا اور اپنے بغیر زین کے گھوڑے پر لاد کر نامعلوم ارادوں کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اتفاق سے ٹینی گرانٹ اُس وقت اپنے گھوڑے پر مخالف سمت سے آ رہا تھا۔ اُس نے گھوڑا موڑا اور چک کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ ایک میل دور اُس نے چک کو جا لیا۔ اُسے گھوڑے سے اُتارا۔ اُس کے تین خنجر اور ایک پستول چھین لیا اور مار مار کر اُسے ادھ موا کر دیا۔ فرصت پا کر اُس نے کورا کی طرف دیکھا تو وہ خوشی کے آنسو بہاتی ہوئی اُس کے بازوؤں میں آ سمائی۔

چک کچلے ہوئے قریب المرگ سانپ کی طرح زمین پر بل کھا رہا تھا اور خوف ناک انتقام کی دھمکیاں دے رہا تھا اور کورا، ٹینی کی باہنوں میں سرگوشی کے سے انداز میں کہہ رہی تھی: "مجھے تم سے محبت ہے ٹینی! اور میں تم سے شادی کروں گی۔ . . . لیکن . . . مجھے ایک اعتراف کرنا ہے۔ . . . میں نے تنہائی میں ڈون رافیل سے چند ملاقاتیں کی ہیں۔ . . ."

ٹینی کی آنکھوں میں تکلیف کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ مجروح سے لہجے میں بولا: "وہ تو ویسے ہی ایک دن میرے ہاتھوں مرنے والا تھا لیکن یہ بتا کر تم اُس کی موت کو اور قریب لے آئی ہو۔"

کورا جلدی سے بولی: "میں نے اُس کی باتوں سے متاثر ہو کر اُس سے ملاقاتیں ضرور کی ہیں لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں کہ محبت مجھے شروع سے تم سے ہی رہی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے مارنے کے بجائے تم جلد از جلد مجھ سے شادی کر لو۔ اسے قتل کرنے کی نسبت یہ کام زیادہ ضروری ہے۔"

پھر اُس نے کچھ اس انداز میں ٹینی کو اپنی چاہت اور گرمجوشی کا یقین دلایا کہ ٹینی باقی سب باتیں بھول گیا۔ اُس نے چک کو وہیں چھوڑا اور کورا کو گھوڑے پر بٹھا کر قریبی قصبے میں لے گیا، جہاں چرچ کے پادری نے دونوں کی شادی کرا دی۔

دوسرے روز وہ چائنا مین سیلون میں آیا۔ شادی کی خوشی میں اُس نے سب لوگوں کو شراب پلائی اور ساتھ ہی ڈون رافیل کے لیے معافی کا اعلان کر دیا: "تم لوگ اسے میرا پیغام پہنچا سکتے ہو کہ پانچ سال قبل اُس نے میرے ساتھ جو زیادتی کی تھی وہ میں نے معاف کر دی۔ اب اُسے خوف اور اندیشوں کے سائے میں دن گزارنے کی ضرورت نہیں، لیکن یہ میں بتا دوں کہ اگر وہ کبھی میرے گھر کے قریب منڈلاتا پایا گیا تو میں فوری طور پر اُسے قتل کر دوں گا۔"

ٹینی نے گاؤں کے نواح میں ایک کھیت خرید لیا اور کورا کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگا۔ انھیں وہاں رہتے ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز ڈون رافیل لوٹ آیا۔ وہ چائنا مین سیلون میں آیا اور کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر یوں اطمینان سے پینے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا اور وہ کہیں گیا ہی نہیں تھا۔

"تمھیں معلوم ہے ایک مارشل تمھیں تلاش کر رہا تھا؟" بل فینی نے پوچھا۔

وہ مجھے تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔" ڈون رافیل نے نہایت اطمینان سے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر اس نے جیب سے ایک طلائی بیج نکالا اور کاؤنٹر پر پھینک دیا۔ یہ مارشل کا بیج تھا اور اس کے عین وسط میں گولی کا سوراخ نظر آرہا تھا۔ اس کا مطلب صاف ظاہر تھا۔

مونیکا بولی۔" امریکی حکومت اپنے کسی ملازم کے قتل کا بہت سختی سے نوٹس لیتی ہے۔ اس سے پہلے کہ فوجی اس علاقے کو کھنگالنے آئیں، تم فرار کے لیے کوئی راستہ پکڑ لو۔"

"ہر کام اپنے وقت پر اچھا لگتا ہے۔" ڈون رافیل متانت سے بولا۔" سب سے پہلے تو میں اپنے دوست ٹینی کو اس دلربا نازنین کورا کے ساتھ شادی پر مبارکباد دوں گا۔"

"تو تمھیں یہ خبر بھی مل چکی ہے؟" مونیکا گہری سانس لے کر بولی۔

"یہاں آتے وقت اتفاق سے میرا گزر ان کے گھر کے قریب سے ہوا تھا۔ ٹینی گھر پر نہیں تھا اور کورا نے خود اپنے حسین ہونٹوں سے یہ خبر مجھے سنائی تھی، لیکن میں یہ واضح کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کے لہجے میں ہلکے سے پچھتاوے کی جھلک تھی۔" ڈون رافیل مسکراتے ہوئے بولا۔

"لیکن اگر تمھارے اس تاڑ کے درخت جیسے وجود میں شرافت اور شائستگی کی کوئی رمق باقی ہے تو تمھیں فوراً یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" مونیکا بے لچک لہجے میں بولی۔

اس سے پہلے کہ ڈون رافیل کوئی جواب دیتا اس کی نظر دروازے کی طرف اٹھ گئی اور وہ بازو پھیلاتے ہوئے اور زیادہ خوش دلی سے چہک اٹھا۔" آؤ۔ . . آؤ۔ . . ٹینی! میرے دوست . . . میرے پیارے کزن!"

ٹینی اندر آچکا تھا مگر دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔ ڈون رافیل بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھا مگر پھر راستے میں ہی رک کر بولا۔" میں تمھیں شادی کی مبارکباد دینا چاہتا ہوں۔ میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔"

"شکریہ۔" ٹینی ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔" امید ہے تم مجھے گن نکالنے پر مجبور نہیں کرو گے کیونکہ کورا اب کسی المیے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔"

"میں خود اُسے غمزدہ نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لیے تو میری کوشش تھی کہ تم میرے ہاتھوں مارے نہ جاؤ۔" ڈون رافیل بولا۔ "میں تو اب تم سے خلوص دل کے ساتھ صرف الوداعی مصافحہ کرنے آیا ہوں۔ اس کے بعد میں ہمیشہ کے لیے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔"

اُس نے مصافحے کے لیے ہاتھ پھیلا دیا۔ ٹینی مسکرایا پھر اُس نے بھی ہاتھ پھیلایا اور ڈون رافیل کی طرف بڑھا۔ اچانک ڈون رافیل سانپ کی طرح لہرایا اور اُس کا ہاتھ بجلی کے کوندے کی طرح ہولسٹر کی طرف لپکا۔ دوسرے ہی لمحے بیک وقت دو فائر گونجے۔ مگر فرش پر صرف ڈون رافیل گرا۔ ٹینی اس کے سر پر کھڑا تھا اور اس کے پستول کی نال سے دھوئیں کی لکیر بلند ہو رہی تھی۔ یہ فیصلہ آج تک نہیں کیا جا سکا کہ درحقیقت پہلے فائر کرنے میں کون کامیاب ہوا تھا۔

"تم ہمیشہ سے میری صلاحیتوں کے بارے میں متجسس تھے ڈیئر رافیل!" ٹینی متاسفانہ سے لہجے میں بولا۔" لیکن اب تو تمھیں میری ہچکچاہٹ کا یقین آگیا ہوگا؟"

"بے شک۔" ڈون رافیل مسکراتے ہوئے نحیف سی آواز میں بولا۔

"مجھے حقیقتاً افسوس ہے۔" ٹینی بولا۔

"افسوس کی کوئی بات نہیں برخوردار!" ڈون رافیل کی آواز ڈوبتی جا رہی تھی مگر اس کے ہونٹوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔" موت تو ایک نہ ایک روز آنی ہی ہوتی ہے۔"

دفعتاً کورا دوڑتی ہوئی سیلون میں آئی اور ٹینی کے بازوؤں میں سمٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ ہمارا اندازہ تھا کہ اُس کے بیشتر آنسو خوشی کے آنسو تھے کیونکہ ٹینی مرنے سے بال بال بچ گیا تھا لیکن چند آنسو ان تشنہ تعبیر خوابوں کے لیے بھی تھے جو ڈون رافیل کے ساتھ ہی مر گئے تھے۔

اسی لمحے بڈ کوئر سیلون میں داخل ہوا اور بہ آواز بلند بولا۔" باہر کھڑکی کے قریب چک مُردہ پڑا ہے۔ ایک بھری ہوئی شارٹ گن اس کے قریب ہی پڑی ہے۔"

سب دوڑے دوڑے باہر گئے اور تب ہم پر یہ عقدہ کھلا کہ جب رافیل اور ٹینی مصافحے کے لیے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے تو رافیل نے درحقیقت ٹینی کو گولی مارنے کے لیے اپنے پستول کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا بلکہ اس نے کھڑکی میں چک کو دیکھ لیا تھا جو ٹینی کو بے خبری کے عالم میں پیچھے سے گولی مارنے لگا تھا۔ اگر ڈون رافیل نے بروقت چک پر فائر نہ کیا ہوتا تو سیلون میں یقیناً رافیل کی جگہ ٹینی کی لاش پڑی ہوتی۔

اس شام ہم نے مونیکا مارٹن کی آنکھوں میں بھی آنسو دیکھے جو زندگی میں کبھی نہیں روئی تھی۔



جہنم

نجمہ مودی

جہنم کی حقیقت سے انکار نہیں مگر کسی کسی کو اس دنیا میں ہی جہنم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک مظلوم عورت کا ماجرا جس کی زندگی جہنم بن چکی تھی۔

مغرب سے درآمد کردہ ایک مختصر سلگتی جھلستی تحریر

''میں گرفتاری دینے آئی ہوں۔'' عورت نے پولیس آفیسر ڈی کوک کے سامنے کرسی پر تقریباً ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر ڈی کوک کے آفس میں آئی تھی۔ اس لیے اس کی سانسیں ذرا منتشر تھیں۔ وہ پولیس اسٹیشن ایمسٹرڈیم کے سب سے پرانے علاقے میں واقع تھا اور وہاں لفٹ نہیں تھی۔

''میں گرفتاری دینے آئی ہوں۔'' عورت نے اپنی بات دہرائی پھر اس میں اضافہ کیا ''میں نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔''

اس نے کئی گہری گہری سانسیں لیں اور کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ گو کہ قدرے تمتمایا ہوا تھا لیکن اس پر شکست خوردگی تھی۔

ڈی کوک خاموش رہا۔ پولیس کی تیس سال کی نوکری میں اس نے ایک بات یہ بھی سیکھی تھی کہ اس قسم کے اعترافات سن کر فوری طور پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔

''میں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرنے آئی ہوں۔'' اس نے ایک بار پھر کہا ''میں نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔''

''کیسے؟'' اب ڈی کوک نے سوال کیا۔

عورت نے کوئی جواب نہ دیا تو ڈی کوک نے قدرے وضاحت سے اپنا سوال دہرایا ''تم نے کیسے اپنے شوہر کو قتل کیا؟''

''ہتھوڑے سے.....'' عورت نے جواب دیا۔

اب ڈی کوک نے اس کا ذرا زیادہ غور سے جائزہ لیا۔ وہ

مضبوط جسم کی عورت تھی۔ ڈی کوک کے اندازے کے مطابق اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ اس کے بالوں میں سفیدی تھی اور وہ گھریلو قسم کی عورت معلوم ہوتی تھی۔ ڈی کوک نے اس کی سرمئی آنکھوں میں جھانکا لیکن اسے ان میں دیوانگی یا سنکی پن کی کوئی علامت دکھائی نہیں دی۔

''اس وقت تمہارا شوہر کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''امید ہے' جہنم میں ہوگا۔'' عورت کے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ ڈی کوک کو اندر ہی اندر جھرجھری سی آ گئی۔

''میرا مطلب تھا کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟'' ڈی کوک بولا۔

''گھر پر..... بیڈ روم میں.....'' عورت نے جواب دیا اور اپنے اوورکوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور اسے قدرے زور سے میز پر رکھتے ہوئے بولی ''جاؤ جا کر دیکھ لو۔''

ڈی کوک نے عورت کو ڈیسک سارجنٹ کی نگرانی میں چھوڑا اور اپنے ساتھی پولیس آفیسر ولیڈر کے ہمراہ عورت کے مکان کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ درحقیقت ایک تنگ سی گلی میں ایک پرانی عمارت کی دوسری منزل پر واقع اپارٹمنٹ تھا۔ سیڑھیوں میں اندھیرا تھا۔ ولیڈر نے فلیش لائٹ روشن کی اور ڈی کوک نے دروازے کی صحیح چابی تلاش کی۔ اس نے دیکھا' دروازہ کئی جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ یقیناً اسے کئی مرتبہ توڑ کر کھولا گیا تھا اور پھر اس کی جیسی تیسی مرمت کر کے کام چلایا گیا تھا۔

اندر پہنچ کر ڈی کوک کو گھر کی حالت عبرت ناک نظر آئی۔ ہر جگہ شیشے کے ٹکڑے اور ٹوٹے ہوئے برتن بکھرے پڑے تھے۔ زیادہ تر فرنیچر ٹوٹی پھوٹی حالت میں تھا۔ صوفوں کے اسپرنگ باہر نکلے ہوئے تھے اور کٹے پھٹے کپڑے سے فوم باہر جھانک رہا تھا۔ ایک سائیڈ بورڈ جو کبھی بہت اچھا رہا ہوگا۔ اس کے آئینے ٹوٹے ہوئے تھے اور خانوں کے دروازے ٹوٹے ہوئے قبضوں پر جھول رہے تھے۔ جو چینی کے برتن کبھی اس میں رکھے جاتے ہوں گے وہ بھی فرش پر ٹوٹے پڑے تھے۔

بیڈ روم میں سائیڈ لیمپ کی روشنی میں بیڈ پر بھاری جسم کا ایک شخص اوندھا پڑا تھا۔ اس کے جسم پر میلے اور داغ دار کپڑے تھے۔ اس کا چہرہ تکیے میں دھنسا ہوا تھا اور سر کے پچھلے حصے پر خون جما ہوا تھا۔ ڈی کوک نے جھک کر ذرا قریب سے دیکھنا چاہا تو اسے لاش میں سے گھٹیا شراب کی بو بھی آتی محسوس ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ آدمی مر چکا تھا۔ عورت نے غالباً اس وقت اس کے سر پر ہتھوڑے سے وار کیا تھا جب وہ نشے میں دھت پڑا تھا۔

ڈی کوک نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ بیڈ کے قریب ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس گھر کی واحد کرسی تھی جو کافی حد تک صحیح حالت میں تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی اس کرسی پر لاش کے قریب بیٹھ کر گھنٹوں اسے دیکھتا رہا تھا۔ کرسی کے قریب ہی' ہاتھ کی رسائی میں سائیڈ ٹیبل پر ایک خون آلود ہتھوڑا رکھا تھا۔ یقیناً وہی آلۂ قتل تھا۔

☆☆☆

پولیس فوٹو گرافر تصویریں لے کر جا چکا اور میڈیکل ایگزامنر نے اس شخص کو باضابطہ طور پر مردہ قرار دے دیا تو لاش کو مردہ خانے بھجوا دیا گیا۔ ڈی کوک نے احتیاط سے اپارٹمنٹ کو تالا لگایا۔ ولیڈر نے اسے سیل کیا اور دونوں انسپکٹر' پولیس اسٹیشن کی طرف واپس روانہ ہوگئے۔

وہ ایک سیدھا سادہ کیس تھا۔ اپارٹمنٹ کی حالت ساری کہانی سنا رہی تھی۔ ایک جنگلی اور وحشی شوہر نے عورت کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ ایک اذیت ناک اور ناقابلِ برداشت زندگی سے نجات پانے کے لیے آخرکار اسے قتل کر ڈالے۔

☆☆☆

ڈی کوک' عورت کو پوچھ گچھ کے لیے مخصوص کمرے میں لے گیا۔ وہ اب پہلے کی نسبت پُرسکون نظر آ رہی تھی۔

''کافی پینا پسند کرو گی؟'' ڈی کوک نے پوچھا۔ عورت نے شکرگزارانہ سے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

ڈی کوک خود اس کے لیے کافی لینے چلا گیا اور اس دوران میں اپنے خیالات کو مجتمع کرنے اور یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ عورت سے بات چیت کیسے شروع کی جائے؟ مختلف گھروں میں ازدواجی زندگی کے بحران مختلف انداز میں مختلف نکات سے شروع ہوتے تھے اور مختلف انداز میں اپنے انجام کو پہنچتے تھے۔

واپس آ کر وہ چند لمحے عورت کو کافی کی چسکیاں لیتے دیکھتا رہا پھر اس نے ہچکچاہٹ آمیز انداز میں بات شروع کی ''وہ..... میں تمہارے گھر گیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''گھر کی حالت بہت خراب ہے۔''

''وہ مہینوں سے ایسی ہی ہے۔'' عورت تلخ سے انداز میں مسکرائی۔ اس کے چہرے پر اداسی تھی۔

''مہینوں سے.....؟'' ڈی کوک کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں ''میرا خیال تھا کہ توڑ پھوڑ تو حال ہی میں ہوئی ہوگی۔''

عورت نے نفی میں سر ہلایا ''پہلے جب چیزیں ٹوٹتی

تھیں۔ گھر کا برا حال ہوتا تھا تو میں صفائی کرتی تھی اور گھر کی حالت دوبارہ ٹھیک کرنے کی اپنی سی کوشش کرتی تھی لیکن آخر کار مجھے احساس ہوا کہ یہ سب بیکار ہے۔''

چند لمحے کے لیے خاموش ہو کر وہ ہوا میں گھورتی رہی پھر بولی ''پچیس تیس مرتبہ گھر اس حال کو پہنچ چکا اور اتنی ہی مرتبہ میں اسے ٹھیک کر چکی تو پھر آخر کار میری ہمت جواب دے گئی۔ آخری مرتبہ جب گھر کا یہ حال ہوا تو میں نے اسے اسی طرح چھوڑ دیا۔ میرا شوہر درحقیقت اسی طرح رہنا چاہتا تھا جس طرح جانور کھوہ میں رہتے ہیں۔ اس کے نزدیک انسانوں کے گھر اور سوروں کے باڑے میں کوئی فرق نہیں تھا۔''

وہ کرسی پر قدرے آگے کو جھک آئی اور اپنے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے بولی ''اسے معلوم تھا کہ میں چیزوں کو صحیح سلامت اور گھر کو صاف ستھرا رکھنا چاہتی ہوں۔ تم نے گھر میں ایک سائیڈ بورڈ دیکھا ہوگا۔ وہ میری پسندیدہ ترین چیز تھی۔ میں نے وہ اپنی محنت کی کمائی میں سے برسوں بچت کر کے خریدا تھا۔ میں علی الصباح ہاکر کے طور پر گھروں میں اخبار پھینکنے جاتی تھی۔ اپنی قلیل سی آمدنی میں سے معمولی بچت کر کے میں برسوں میں وہ چیز خریدنے کے قابل ہوئی تھی۔ وہ سائیڈ بورڈ نوادرات میں شمار ہوتا تھا اور جب میں اسے خریدنے میں کامیاب ہوئی تو میں بتا نہیں سکتی کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی تھی۔ میں اپنے ہاتھوں سے اسے چمکاتی تھی۔ اس پر پالش کرتی تھی اور جب بھی میرے شوہر کو غصہ آتا تھا' وہ توڑ پھوڑ شروع کرتا تھا تو سب سے پہلے اسی کی شامت آتی تھی۔ وہ اس کی درازوں کے دروازوں کو کھول کر انہیں لاتیں مارتا تھا۔ ماربل کی ایک ٹھوس اور وزنی ایش ٹرے اس نے خاص طور پر اسی پر ضربیں لگانے کے لیے رکھی ہوئی تھی جس سے وہ سائیڈ بورڈ کی ٹھوس اور قیمتی لکڑی میں ڈینٹ ڈالتا تھا۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کا مزاج کیا تھا۔ جیسے ہی اسے اندازہ ہوتا کہ مجھے کوئی چیز پسند ہے..... اس کے ساتھ میری جذباتی وابستگی ہے..... تو اسے تباہ و برباد کرنا گویا اس کا اولین فرض بن جاتا تھا۔''

ڈی کوک ایک لمحے کے لیے تو دم بخود سا رہا پھر سر کھجاتے ہوئے بولا ''لیکن یہ جواز تو کسی کی کھوپڑی توڑ دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو.....'' وہ زہریلے انداز میں مسکرائی ''اگر صرف یہی بات ہوتی..... اور میں صرف اسی جواز کو کافی سمجھتی تو کم از کم دس سال پہلے اسے قتل کر چکی ہوتی۔''

معیاری نفسیاتی و علمی کتابیں

ان کتابوں کا مطالعہ آپ کی شخصیت کے نکھارنے، آپ کو صحت مند رکھنے اور کامیابیاں حاصل کرنے لیے مدد گار ثابت ہوگا۔

ٹیلی پیتھی مستقبل بینی	40/-	دست شناسی کے نئے رُخ	40/-
ٹیلی پیتھی کی جدید تحقیقات	40/-	تحریر اور شخصیت	30/-
ہپناٹزم	30/-	مسائل اور حل	40/-
ہپناٹزم کے عملی طریقے	50/-	باخبری	25/-
ہپناٹزم کی جدید تحقیقات	60/-	چھ حیرت انگیز علوم	25/-
ذاتی ہپناٹزم	25/-	احساسِ کمتری	30/-
خوابوں کے اسرار	30/-	سگریٹ نوشی چھوڑیے	25/-
عورتوں کی نفسیات	60/-	کامیابی	25/-
مقناطیسیت	50/-	کرائے	50/-
ازدواجی نفسیات	60/-	مٹاپا اور اس کا سدباب	45/-
خوف و شرم اور اس کا سدباب	50/-	امتحان میں کامیابی	30/-

اندرونِ ملک ڈاک خرچ ایک یا دو کتابوں کا 23 روپے

3 یا 4 کتابوں کا ڈاک خرچ 29 روپے ہوگا

رقم صرف پیشگی منی آرڈر یا ڈرافٹ یا کراس چیک کے ذریعے ارسال کریں

بیرون ملک اخراجات

بیرون ملک ڈاک خرچ: مشرقِ وسطیٰ -/200 روپے فی کتاب، یوروپ و مشرقِ بعید -/300 روپے فی کتاب آسٹریلیا و امریکا -/400 روپے فی کتاب رقم پیشگی بذریعہ ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔ کسی قسم کی نقد رقم لفافے میں نہ رکھیں۔ ڈرافٹ اس نام پر بنوائیں۔

خطوط و کتابت کا پتہ

پوسٹ بکس 944 کراچی 7200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kehkashan1970@yahoo.com

''لیکن تم نے اتنا انتظار کیا۔'' ڈی کوک نے مبہم سے انداز میں تبصرہ کیا۔

''ہاں..... اور میں مزید کتنا انتظار کرتی؟'' وہ تقریباً چلا اٹھی ''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ میں کس جہنم میں زندگی گزار رہی تھی؟ کیا میں انتظار کرتی کہ یہ کام میرا بیٹا کر گزرے؟''

''تمہارا بیٹا.....؟'' ڈی کوک کو جھٹکا سا لگا۔

''ہاں..... میرا سب سے بڑا بیٹا..... اس کا نام ہینک ہے۔'' عورت نے کرسی کے پشتے سے ٹیک لگالی ''میرے چار بچے ہیں۔ دو بیٹے..... دو بیٹیاں..... ان میں سے کوئی بھی اب میرے ساتھ نہیں رہتا۔ میرے شوہر نے ایک ایک کر کے ان سب کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ وہ مجھ سے ملنے بھی نہیں آتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک آپ اس آدمی کے ساتھ رہیں گی، ہم آپ سے ملنے نہیں آئیں گے۔'' ایک لمحے کے لیے خاموش ہو کر اس نے تھوک نگلا..... یا پھر شاید اپنے آنسو پیے۔

''صرف میرے پوتے وپی نے مجھ سے وابستگی نہیں توڑی۔ وہ میرے بڑے بیٹے ہینک کا بیٹا ہے۔ بہت ہی پیارا بچہ ہے۔ اس نے کسی بھی وجہ سے مجھ سے لاتعلق ہونا گوارا نہیں کیا۔ حتیٰ کہ جب اس کے باپ نے اسے سختی سے منع کر دیا کہ وہ دادی سے ملنے نہ جایا کرے، تب بھی وہ چھپ چھپ کر مجھ سے ملنے کے لیے آتا رہا۔''

عورت رونے لگی۔ موٹے موٹے آنسو اس کے رخساروں پر پھسلنے لگے۔ ڈی کوک نے ایک صاف رومال اسے دیا تو اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں۔

''پچھلے ہفتے میرے شوہر نے پوتے کی بھی پٹائی کر ڈالی۔ بغیر کسی وجہ کے۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''تمہارے شوہر نے وپی کو مارا.....؟'' ڈی کوک نے بے یقینی سے پوچھا۔

وہ ایک بار پھر رونے لگی۔ جب اس کے آنسو تھمے تو وہ بولی ''ہاں..... اس نے وپی کو بھی مارا۔ کاش تم اس وقت اس بے چارے معصوم بچے کی حالت دیکھتے۔ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ میں اسے بچا کر باہر لے گئی۔ اسے آئس کریم اور چاکلیٹ دلائی اور اس کی منتیں کیں کہ وہ یہ بات اپنے باپ کو نہ بتائے۔''

اس نے آنکھیں پونچھیں اور ایک لمحے کے توقف سے بولی ''ہینک میرا بیٹا ہے اور مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میرے شوہر نے وپی کو مارا ہے تو وہ آ کر اسے۔ یعنی اپنے باپ کو قتل کر دے گا۔ اسی لیے میں زیادہ خوف زدہ تھی۔ میں دعا کرتی رہی کہ وپی اپنے باپ کو کچھ نہ بتائے۔''

''لیکن؟''

''وپی آخر بچہ تھا..... اور اس کے چہرے پر طمانچوں کے نشان تھے۔ ہینک نے اس سے معلوم کر ہی لیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔'' عورت کی آواز گویا حلق میں اٹک گئی۔

''پھر.....؟''

عورت نے اداس سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بیٹھی بیٹھی سی آواز میں بولی ''تب سے ہینک میرے گھر کے دو چکر لگا چکا تھا۔ وہ غصے سے آگ بگولا تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ میرے شوہر کو قتل کر دے گا..... اور وہ محض گیدڑ بھبکی نہیں دے رہا تھا۔ میں ہینک کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں۔ آخر میں اس کی ماں ہوں۔ میرے شوہر کی خوش قسمتی تھی کہ دونوں مرتبہ جب ہینک آیا تو وہ گھر پر نہیں تھا..... لیکن ہینک کہہ گیا تھا کہ وہ پھر آئے گا۔''

عورت ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ گویا بولتے بولتے تھک گئی ہو۔ ڈی کوک بھی چند لمحے خاموش رہا۔ اس کے ذہن میں گویا عورت کے ہر لفظ کی بازگشت گونج رہی تھی۔

''یہ واقعہ کس وقت رونما ہوا؟'' آخر اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''پچھلی رات..... شاید دو بجے کے قریب.....''

''یعنی اس بات کو تقریباً بیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔'' ڈی کوک نے حیرت سے کہا ''اس دوران میں تم کیا کرتی رہیں؟''

''میں اپنے شوہر کے بیڈ کے قریب بیٹھی رہی۔'' عورت نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرگوشی کے سے انداز میں کہا ''ہتھوڑا میرے ہاتھ میں رہا۔''

''لیکن کیوں؟'' ڈی کوک نے حیرت سے پوچھا۔

عورت نے آنکھیں بند کر لیں۔ گویا کسی تکلیف دہ یاد سے بچنا چاہ رہی ہو پھر پہلے سے بھی دھیمی آواز میں بولی ''میں انتظار کرتی رہی۔ دیکھتی رہی کہ کہیں میرا شوہر ہوش میں نہ آ جائے۔ کہیں وہ زندہ نہ ہو۔ محض بے ہوش ہی ہوا ہو۔''

''لیکن وہ ہوش میں نہیں آیا؟'' ڈی کوک نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے تصدیق چاہی۔

عورت نے نفی میں سر ہلایا۔ ڈی کوک نے سر جھکا لیا۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اگر شوہر نے ذرا بھی حرکت کی ہوتی تو عورت کیا کرتی.....!

سارجنٹ ہیری، عدالت سے نکلا تو پیگی اس کے ساتھ تھی۔ وہ خوب صورت سی پُرجوش اور کمسن لڑکی ہاتھ ہلا ہلا کر سارجنٹ سے باتیں کررہی تھی۔

''میں نہیں مان سکتی..... میں مان ہی نہیں سکتی۔ ٹھیک ہے، عدالت نے اسے بے گناہ قرار دیتے ہوئے باعزت بری کردیا ہے مگر میری نظر میں کارڈیل مجرم ہے۔ وہ اپنی بیوی کا قاتل ہے۔ یہ محض حادثہ نہیں تھا بلکہ کارڈیل نے جان بوجھ کر اسے ہلاک کیا ہے اور اسے اتفاقی حادثے کا رنگ دے دیا۔'' پیگی بڑے جوش سے بول رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔

''مگر اس شک کی کوئی وجہ یا بنیاد بھی تو ہو۔'' سارجنٹ ہیری نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا ''ہم خواہ مخواہ تو کسی

قتل کی ایک واردات کا انوکھا طریقہ، غیر متوقع انجام کی دلچسپ کتھا

ماہر سراغرساں پیچیدہ سے پیچیدہ کیس بھی حل کرلیتے ہیں۔ مگر کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجرم ہر مراحل سے باآسانی گزر جاتا ہے۔ ایک ایسے ہی مجرم کا قصہ جسے کسی مقام پر الجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

باریک بین

نجمہ مودی



پر الزام نہیں لگا سکتے۔ عدالت ٹھوس ثبوت مانگتی ہے۔ محض اندھیرے میں تیر چلانے سے کام نہیں چلتا۔''

''کارڈیل نے اپنی بیوی کو قتل کیا ہے۔'' پیگی نے چلتے چلتے اصرار کیا ''اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے۔''

''اچھا اب اس ذکر کو چھوڑو..... کوئی اور بات کرو۔'' سارجنٹ ہیری نے پیگی کو سمجھایا ''عدالت اسے رہا کر چکی ہے۔''

''میری بات مانو ڈارلنگ!'' پیگی نے کہا ''کارڈیل کو بھاگنے مت دو۔ وہ واقعی مجرم ہے۔ اگر وہ نکل گیا تو تم ساری زندگی پچھتاتے رہو گے۔''

''تم کیوں میرا موڈ خراب کر رہی ہو۔'' ہیری نے کہا ''میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ عدالت سے فارغ ہو کر کہیں گھومنے پھرنے جائیں گے مگر تم پھر کارڈیل کا قصہ لے بیٹھیں۔ میرے خیال میں اس واقعے نے تمہارے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے!''

''ہاں..... تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہیری!'' کہتے کہتے پیگی کا لہجہ بدل گیا۔ اس کی نظریں ایک شخص پر جمی ہوئی تھیں جو لفٹ سے باہر آ رہا تھا۔ وہ کارڈیل تھا۔ سارجنٹ ہیری بھی اسے دیکھ چکا تھا۔

''ہیری! تم یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آئی۔'' یہ کہہ کر پیگی تیزی سے کارڈیل کی طرف بڑھی۔ ہیری نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

کارڈیل ایک دراز قد، دبلا پتلا انسان تھا۔ اس کے نقوش سے اس کے شاطر ہونے کا پتا چلتا تھا۔ کارڈیل ایک سیلز مین تھا اور ائر کنڈیشنر کے فاضل پرزے فروخت کرتا تھا۔ چند روز پہلے اس کی بیوی ایک پہاڑی سے گہرے کھڈ میں گر کر ہلاک ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ اس کی تصویر کھینچ رہا تھا۔ کارڈیل کی بیوی ایک سست اور کاہل عورت تھی۔ وہ اکثر غنودگی کی حالت میں رہتی تھی۔ خواب آور دوائیں استعمال کرتی تھی۔

کارڈیل اسے گھمانے پھرانے کی غرض سے فیئر ماؤنٹ پارک لے گیا تھا کہ شاید وہاں جا کر اس کی طبیعت بحال ہو جائے اور وہ غنودگی اور سستی کی کیفیت سے نجات حاصل کر لے۔ اسی جگہ ایک خوب صورت پہاڑی پر..... جس کے پس منظر میں برف پوش چوٹیاں نظر آ رہی تھیں..... کارڈیل نے اس کی تصویر بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کے نیچے پچاس فٹ گہرا کھڈ تھا۔ جب وہ تصویر بنا رہا تھا تو نہ جانے کیسے اس کی بیوی کا پیر پھسل گیا۔ ممکن ہے اسے غنودگی آ گئی ہو۔ بہر حال وہ پچاس فٹ گہرائی میں جا گری اور موقع پر ہی ہلاک ہو گئی۔

وہی کارڈیل اس وقت لفٹ سے باہر نکلا تھا کہ پیگی نے اسے جا لیا۔ دونوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں۔ پیگی اس سے بھی جوش وخروش کے عالم میں ہاتھ ہلا ہلا کر باتیں کر رہی تھی جبکہ کارڈیل سکون سے بول رہا تھا اور مسکراتے ہوئے اس کے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ اس دوران کئی بار سارجنٹ ہیری کا دل چاہا کہ وہ اس منحوس شخص کا منہ توڑ دے۔ وہ جانتا تھا کہ کارڈیل مجرم ہے، اس نے اپنی بیوی کو جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے مگر مشکل یہ تھی کہ سارجنٹ کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا پھر عدالت نے بھی کارڈیل کو بری کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کارڈیل چل دیا۔ سارجنٹ کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی پھر انجان بن کر آگے بڑھ گیا۔ سرخ بالوں والی پیگی سارجنٹ ہیری کے پاس واپس پہنچی تو یوں لگ رہا تھا گویا اس کے اندر کوئی مچل رہا ہو۔

''مسئلہ کیا ہے؟ تم کارڈیل کے پاس کیوں گئی تھیں؟'' سارجنٹ ہیری نے غصے سے سوال کیا تو پیگی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔

''خاموش رہو۔ ہمیں کارڈیل کا تعاقب کرنا ہے۔ وہ نکل نہ جائے۔ وقت کم ہے، تم جلدی کرو۔ میں راستے میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔'' پیگی نے کہا اور سارجنٹ ہیری کا بازو پکڑ کر باہر کی طرف کھینچنے لگی۔

☆☆☆

سارجنٹ ہیری، پیگی کے ساتھ کھنچا چلا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کے بعد کیسے نبھے گی؟ یہ تو ہر وقت غصے میں ہوتی ہے یا پھر ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتی ہے۔ عدالت کے باہر احاطے میں بھی پیگی کو چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سر گھما گھما کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ زور سے بولی ''وہ رہا..... وہ سبز کار میں جا رہا ہے۔ جلدی کرو ہیری!'' یہ کہتے ہی اس نے سارجنٹ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی کار کی طرف دوڑ لگا دی۔ سارجنٹ نے اپنی کار کا دروازہ کھولا تو پیگی جلدی سے اس میں بیٹھ گئی اور بولی ''جلدی اسٹارٹ کرو..... اگر وہ نکل گیا تو مشکل ہو جائے گی۔''

''مگر کیوں؟'' ہیری نے زچ ہو کر سوال کیا۔

''دیکھو ہیری! کارڈیل یہ سمجھ رہا ہے کہ عدالت نے

اسے بری کردیا اور کیس ختم... مگر میرے حساب سے اس کا کیس ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ ہمیں اس کا تعاقب کرنا ہے اور اصل حقائق تلاش کرنے ہیں۔''

سارجنٹ ہیری نے کار اسٹارٹ کی اور سبز کار کا تعاقب شروع کردیا۔ سبز کار سرخ سگنل پر رکی ہوئی تھی۔

''اب میں اس کا پیچھا کروں گا... تمہارے اشاروں پر ناچوں گا۔ عجیب مصیبت ہے۔'' سارجنٹ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''اچھا..... اب زیادہ باتیں مت بناؤ میرے ہونے والے بوڑھے شوہر!'' یہ کہہ کر پیگی نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا۔

''تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آئی پیگی!'' سارجنٹ ہیری نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

''آجائے گی۔'' پیگی نے کہا ''میں تمہاری مدد کررہی ہوں اور چاہتی ہوں کہ کارڈیل کو بے نقاب کرنے کا سہرا تمہارے سر بندھے۔ تم اتنی سی بات نہیں سمجھ رہے؟''

سبز کار آگے بڑھی تو ہیری نے فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرنا شروع کردیا۔ پھر وہ پیگی کی طرف گھوما اور اس نے پوچھا۔ ''تم نے کارڈیل سے کیا باتیں کی تھیں؟''

''میں نے اسے بتایا کہ میں اس کی اداکاری کو تسلیم کرچکی ہوں۔ عدالت کے کٹہرے میں اس نے جس معصومیت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ واقعی قابلِ داد ہے۔ میں نے اس کے اسٹائل اور اعتماد کی تعریف کی تو اس نے فوراً ہی مجھے لاطینی جواخانے لے جانے کی پیش کش کردی۔''

''کیا؟'' سارجنٹ ہیری تقریباً چیخ پڑا ''اب تم اس کے ساتھ جواخانے جاؤ گی؟''

''ہاں۔'' پیگی نے اطمینان سے جواب دیا ''میں اسے خوب شراب پلاؤں گی۔ یہاں تک کہ اس کی زبان سچ اگلنے لگے گی۔''

''مگر میں تمہیں اس فضول حرکت کی اجازت نہیں دوں گا۔'' سارجنٹ نے غصے سے کہا ''زیادہ ماتا ہری بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس معاملے میں دخل مت دو۔ سن لیا؟''

''اور تم بھی سن لو ہیری!'' پیگی نے ضدی لہجے میں کہا ''میں جو کچھ کررہی ہوں، مجھے کرنے دو۔ تم نے اس معاملے میں ہار مان لی مگر میں نے نہیں مانی۔''

''تم جواخانے نہیں جاؤ گی۔'' سارجنٹ نے برہمی سے کہا۔

''اگر روک سکتے ہو تو روک لو۔'' پیگی نے کہا

''اچھا... باتیں چھوڑو اور اپنی توجہ ڈرائیونگ پر رکھو۔ کارڈیل کی کار دائیں طرف گھوم رہی ہے۔ اسے نظر سے اوجھل نہ ہونے دینا ورنہ تم زندگی بھر پچھتاؤ گے۔''

''آخر تمہارے دماغ میں کیا سمائی ہے کہ تم کارڈیل کے رہا ہونے کے بعد بھی اس کا تعاقب کررہی ہو؟'' ہیری نے سرد آہ بھرتے ہوئے سوال کیا اور اپنی کار سبز کار کے پیچھے دائیں طرف گھمادی۔

''دیکھو ہیری!'' پیگی نے سنجیدگی سے کہا ''عدالت کے کٹہرے میں کارڈیل ایک غم زدہ شوہر کے روپ میں خود کو پیش کررہا تھا مگر میں نے اس کی آنکھوں میں بھیڑیے والی چمک محسوس کی تھی۔ اس کے انداز میں بڑا سکون تھا جیسے وہ اپنی بیوی سے نجات حاصل کرکے خوش ہو۔ اس کے محسوسات کا اندازہ ایک عورت ہی کرسکتی ہے..... اور میں نے اس کے دوغلے پن کو محسوس کرلیا تھا۔ اپنی تسلی کے لیے میں نے بعد میں اس سے بات بھی کی تھی اور اس کی باتوں سے اندازہ لگالیا کہ وہ بہت بڑا فراڈ اور دغاباز ہے۔ اس کے آنسو اور اس کا رونا دھونا، سب اداکاری تھی۔ اس نے اپنی بیوی کو چٹان پر سے دھکا دے کر ہلاک کیا تھا۔''

''اچھا..... تو تم نے اس حد تک محسوس کرلیا؟'' سارجنٹ ہیری نے مسکراتے ہوئے کہا ''تمہیں تو پولیس اسکواڈ میں ہونا چاہیے تھا۔''

آگے جانے والی سبز کار دائیں طرف گھومی تو پیگی نے کہا ''یہ شخص کہاں جارہا ہے؟''

''اپنے گھر..... آگے ویسٹ فلی کا علاقہ ہے اور کارڈیل وہیں رہتا ہے۔'' سارجنٹ نے جواب دیا۔

''کارڈیل نے عدالت میں یہ بات تسلیم کی کہ اس کے اپنی بیوی سے اچھے تعلقات نہیں تھے۔ دونوں میں اکثر بحث و تکرار ہوتی رہتی تھی۔ اس کی گواہی کارڈیل کے پڑوسیوں نے بھی دی تھی۔'' پیگی نے سارجنٹ ہیری سے کہا ''پھر اس کے بقول، وہ اپنی بیوی کو تفریح کے لیے فیئر ماؤنٹ پارک لے گیا اور ساتھ ہی اپنا کیمرا بھی لے گیا۔ وہاں اس نے ایک خوب صورت پہاڑی منظر دیکھ کر کار روکی اور ایک چٹان پر اپنی بیوی کو کھڑا کردیا تاکہ اس کی یادگار تصویر بنا سکے۔ ادھر اس نے تصویر کھینچی اور ادھر اس کی بیوی کا پیر چٹان پر سے پھسل گیا۔ کارڈیل نے اس وقت کی کھینچی ہوئی تصویر بھی بطور ثبوت عدالت میں پیش کی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس نے وہ تصویر ثبوت کے لیے عدالت میں کیوں پیش کی؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟'' یہ کہہ کر پیگی سارجنٹ ہیری کی طرف سوالیہ

نظروں سے دیکھنے لگی۔

''ہاں..... واقعی..... یہ بات تو قابلِ غور ہے۔'' ہیری نے کہا ''اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی چکر تھا۔''

''کاش! میں وہ تصویر دیکھ پاتی۔'' پیگی نے کہا ''اس تصویر سے کوئی سراغ ہی مل جاتا۔''

''تصویر دیکھنی ہے؟ وہ تو میرے پاس ہے۔'' یہ کہہ کر سارجنٹ ہیری نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکال کر پیگی کی طرف بڑھادی۔

پیگی نے بے قراری سے وہ تصویر جھپٹ لی اور اس پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولی ''چلو، اس سے ایک بات تو ثابت ہوگئی۔ وہ یہ کہ تم بھی اس کیس سے مطمئن نہیں ہو جبھی تو یہ تصویر ساتھ لیے پھر رہے ہو۔ تمہاری نظر میں کارڈیل مجرم ہے..... ہے نا؟''

''ہاں پیگی! کئی چیزیں ایسی تھیں جنہوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔'' سارجنٹ نے بوجھل سی آواز میں کہا۔

''پیگی خاموشی سے تصویر کا جائزہ لیتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ ''کتنی اچھی اور پیاری عورت تھی۔ ظالم کارڈیل نے اسے کیوں مار ڈالا؟''

''شاید انشورنس کے لالچ میں.....'' ہیری نے کہا ''مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔''

''کہیں دوسری عورت کا چکر تو نہیں تھا؟'' پیگی نے کہا ''اس قسم کے مردوں کی عادت ہوتی ہے۔ وہ دوسری عورت کی خاطر ہر انتہا کو چلے جاتے ہیں۔''

''پتا نہیں کیا چکر ہے؟'' ہیری نے کہا ''مگر کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔''

''ہیری! مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ تصویر حادثے والے دن کی نہیں ہے۔'' پیگی نے کہا تو ہیری اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا ''یہ تصویر سال بھر یا کم از کم مہینہ بھر پہلے کی ہے یا اس وقت کی ہے جب دونوں میاں بیوی کے درمیان اچھے تعلقات تھے۔ اس تصویر میں مسز کارڈیل جس طرح خوش نظر آرہی ہے اور ہنس رہی ہے..... وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تصویر ان کے اچھے دنوں کی ہے۔''

''تمہارے خیال میں کارڈیل نے اسے کیسے مارا ہوگا؟'' سارجنٹ ہیری نے پیگی سے سوال کیا۔

''یا تو اس نے اپنی بیوی کو گھر پر ہلاک کیا ہے یا کار میں۔'' پیگی نے جواب دیا ''ممکن ہے کارڈیل اسے مارنا نہ چاہتا ہو مگر وار زوردار پڑ گیا ہو جس سے وہ ہلاک ہوگئی ہو۔

اس کے بعد اس نے ایک پرانی تصویر نکالی جس میں وہ پہاڑی پر کھڑی مسکرا رہی تھی اور یہ کہانی بنادی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی بیوی کی لاش پہاڑی سے نیچے کھڈ میں گرادی اور کہانی کا اختتام بھی کردیا۔'' یہ کہہ کر پیگی نے سبز کار کی طرف دیکھا جو چھوٹے اپارٹمنٹس والے علاقے میں داخل ہوگئی تھی۔ پھر وہ بولی ''تم نے لاش کے لباس کو دیکھا تھا؟ کیا وہ اس تصویر والا لباس پہنے تھی؟''

''بالکل۔ یہ میں چیک کر چکا ہوں۔'' سارجنٹ ہیری نے جواب دیا۔

''اگر اس نے اپنی بیوی کو ہلاک کرنے کے بعد تصویر والا لباس لباس کو پہنایا ہے تو سلیقے سے نہیں پہنایا ہوگا۔'' پیگی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''کہیں نہ کہیں کوئی غلطی کی ہوگی۔''

''میں نے مردہ گھر میں لاش کا تصویر کے ساتھ پورا موازنہ کیا تھا۔ لاش پر وہی لباس تھا جو تصویر میں تھا۔'' سارجنٹ نے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے..... مگر تم ایک مرد ہو۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کمی چھوڑ گئے ہوگے۔'' پیگی نے کہا ''اگر میں تمہارے ساتھ ہوتی تو شاید زیادہ باریکی سے دیکھتی۔''

تھوڑی دیر تک تصویر کا جائزہ لینے کے بعد پیگی نے کہا ''ان چھوٹے بٹنوں کی قطار کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا یہ قطار اس کے کوٹ پر اس وقت تھی جب اس کی لاش مردہ گھر لائی گئی تھی؟''

''ہاں..... بالکل..... یہ قطار موجود تھی۔'' ہیری نے جواب دیا۔

''اس کے کوٹ کے دائیں طرف والے کالر کے قریب؟'' پیگی نے کہا۔

''ہاں۔'' ہیری نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کیا یہی جوتے پہنے ہوئے تھی؟'' اس نے تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے دریافت کیا تو ہیری نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے زور سے بریک لگائے کیونکہ سبز کار رک چکی تھی اور ایک احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔ سارجنٹ ہیری نے بھی خالی جگہ دیکھ کر اپنی کار ادھر گھمادی۔ کارڈیل غالباً ان دونوں کو دیکھ چکا تھا۔ اپنی کار روک کر وہ اترا اور ان کی طرف آیا۔ اس کے چہرے پر برہمی تھی۔

اس نے آتے ہی کہا ''تم میرا پیچھا کر رہے ہو؟''

سارجنٹ ہیری نے جواب میں کچھ نہیں کہا تو وہ بولا ''عدالت

نے مجھے بے قصور قرار دے کر بری کر دیا ہے پھر بھی تم میرا پیچھا کر رہے ہو..... کیوں؟ میں تمہارے خلاف ہتکِ عزت کا مقدمہ کروں گا۔''

''زیادہ طیش میں آنے کی ضرورت نہیں۔'' سارجنٹ بولا ''ہم کسی اور کیس کے سلسلے میں آئے ہیں۔ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''اچھا..... تو یہ لڑکی عدالت میں میرے پیچھے کیوں آئی تھی؟'' کارڈیل نخوت سے بولا ''وہاں اس نے میرے ساتھ دل لبھانے والی گفتگو کیوں کی تھی؟''

''میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' سارجنٹ ہیری نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا اور گھوم کر پیگی کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو ''میں نہ کہتا تھا کہ اس کے پاس مت جاؤ۔''

''تم میرا تعاقب کر رہے ہو۔ میں اس کی شکایت کروں گا۔ میرا وکیل ڈی اے آفس سے رابطہ کرے گا۔'' کارڈیل نے ہیری اور پیگی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کارڈیل! عدالت نے تمہیں بری کر دیا تو کیا ہوا..... ہماری نظر میں تم اب بھی مجرم ہو۔ تم بچ نہیں سکو گے۔'' یہ بات پیگی نے کہی تھی کیونکہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

اس کی بات سن کر کارڈیل کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس نے درشت لہجے میں کہا ''آخر دل کی بات زبان پر آ گئی نا! مجھے شک تھا کہ تم میرے پیچھے لگی ہوئی ہو۔''

''ہاں میں تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہوں۔'' پیگی نے تقریباً چیختے ہوئے کہا ''تم نے عدالت میں اپنی بیوی کی جو تصویر پیش کی ہے وہ جادو کے والے دن کی نہیں ہے۔ تم نے یہ تصویر پہلے بھی کھینچی تھی۔ بتاؤ تم نے وہ تصویر عدالت میں پیش کر کے کیا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے؟ جواب دو!''

پیگی کی بات سنتے ہی کارڈیل کے چہرے پر دھواں سا اڑنے لگا۔ وہ پریشان نظروں سے پیگی کو دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے گویا بڑی مشکل سے کہا۔ ''میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا کیونکہ عدالت میں سوال جواب ہو چکے ہیں۔ اب جو بھی بات کرنی ہے، میرے وکیل سے کرنا۔'' یہ کہہ کر وہ گھوما اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ وہ عمارت قدیم طرز کی تھی اور براؤن پتھروں کی بنی ہوئی تھی۔

''میرے خیال میں ہمیں کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکا۔'' سارجنٹ ہیری نے پیگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے..... تم نے دیکھا نہیں کہ میری باتیں سن کر اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔'' پیگی بولی ''مگر میں اس شخص کو ایسے نہیں چھوڑوں گی۔ اسے اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہوگا۔'' پیگی کہہ رہی تھی اور اپنے کوٹ پر لگے ہوئے بٹن کو غیر ارادی طور پر گھما رہی تھی۔

''ایک منٹ!'' ہیری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''تم نے اس وقت مجھے ایک آئیڈیا دیا ہے۔ میں ذرا اس تصویر کو دوبارہ دیکھوں.....'' یہ کہہ کر ہیری نے پیگی سے وہ تصویر لے لی اور اس پر نظریں دوڑانے لگا۔ پھر وہ جوش کے عالم میں بولا ''تم ٹھیک کہتی ہو..... ثبوت مل گیا۔'' یہ کہہ کر وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' پیگی نے حیرت سے سوال کیا۔

''مجرم کو پکڑنے..... اگر میں نے ذرا بھی دیر کی تو وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے گا۔'' سارجنٹ نے جواب دیا۔

''میں بھی آ رہی ہوں۔ ایک منٹ رکو!'' پیگی نے اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہا۔

لابی میں ہیری نے ناموں کی تختیوں پر نظر دوڑائی تو اسے ایک تختی پر کارڈیل کا نام لکھا نظر آیا۔ اس کے فلیٹ کا نمبر 12 تھا اور منزل دوسری تھی۔ پیگی اور ہیری تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دوسری منزل پر پہنچے۔ وہاں فلیٹ نمبر 12 تلاش کرنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہر فلیٹ کے دروازے پر اس کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ اس نے فلیٹ نمبر 12 کے دروازے پر دستک دینے کے بجائے زوردار ٹھوکر ماری۔ دروازہ کھل گیا اور وہ دونوں آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہو گئے۔ کارڈیل بیڈ پر ایک سوٹ کیس رکھ کر اس میں جلدی جلدی سامان رکھ رہا تھا۔

ان دونوں کو دیکھتے ہی وہ چیخا ''کیوں آئے ہو؟ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟''

سارجنٹ ہیری نے اس کی نظروں کے سامنے اس کی بیوی کی تصویر لہراتے ہوئے کہا ''تمہارے لیے ایک بری خبر لائے ہیں۔''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے..... ورنہ میں.....''

سارجنٹ ہیری نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا ''یہ لڑکی خاصی عقل مند ہے۔ اس نے تو کمال کر دیا۔ مجھے بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بیوی کو یہاں اس گھر میں ہلاک کیا تھا۔ پھر اس کی لاش اپنی کار میں اس پہاڑی پر لے گئے اور وہاں سے گہرے کھڈ میں دھکیل دی، ہے نا؟''

''دیکھو سارجنٹ!'' کارڈیل نے کہا۔ اس کی آواز میں اب اکڑ کے بجائے نرمی تھی ''مقدمے کا فیصلہ سنایا جاچکا ہے اور اسی تصویر نے یہ ثابت کردیا ہے کہ.....''

''اس تصویر نے ہی تو تمہیں جھوٹا ثابت کیا ہے۔'' ہیری نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''تم نے یہ تصویر کافی عرصے پہلے اتاری تھی۔ پھر تم نے اپنی بیوی کو قتل کیا تو اسے حادثے کا رنگ دینے کے لیے اس کی لاش کو تصویر والا لباس پہنادیا۔ اس کے فوراً بعد ہی جبکہ لاش پولیس کی تحویل میں آئی تو تمہیں احساس ہوا کہ لاش کو تم نے جو کوٹ پہنایا تھا تم سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔ اس میں بٹنوں کی قطار دائیں طرف تھی جبکہ تصویر میں یہ بائیں طرف نظر آرہی ہے۔''

''تم اندھے ہو..... تصویر کو غور سے دیکھو۔'' کارڈیل نے غصے سے کہا۔

''میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔'' سارجنٹ نے کہا۔ ''جب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو تم نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا کہ اس تصویر کا نیگیٹو لیا اور اسے پلٹ دیا یعنی ریورس کردیا اور نئی تصویر ڈیولپ کردی۔ اس نئی تصویر میں مرنے والی کے کوٹ کے دائیں کالر کے نیچے بٹنوں کی قطار نظر آرہی ہے۔ یہی تصویر تم نے ہمیں دی تھی مگر تم یہاں بھی غلطی کرگئے۔ تم نے جب نیگیٹو کو ریورس کیا تو کوٹ کے کالرز کے ساتھ بھی کچھ الٹا ہوگیا۔ تم خود دیکھ لو۔ ہمارے ہاں کا رواج یہ ہے کہ مرد کے کوٹ کے دائیں کالر کی طرف بٹن ہوتے ہیں جبکہ عورت کے کوٹ کے بائیں کالر کی طرف.....''

ابھی اس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ کارڈیل نے سارجنٹ ہیری پر چھلانگ لگادی۔ یہ دیکھ کر پیگی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ سارجنٹ ہیری نے کارڈیل کے بازو کو پکڑا اور اسے گھماتے ہوئے دیوار سے دے مارا۔ پھر اس نے کارڈیل کو اٹھایا اور اس کے کھلے ہوئے سوٹ کیس کے اوپر پھینک دیا۔

''اچھا مسٹر کارڈیل! اب مان لو کہ تمہاری کہانی ختم ہوگئی۔'' سارجنٹ ہیری نے کہا۔

کارڈیل آہستہ آہستہ اٹھا اور یکایک اس نے اپنا پستول نکال کر ہیری اور پیگی پر تان لیا۔ ''تم دونوں..... اپنے ہاتھ سر سے بلند کرلو۔ جلدی..... میں کوئی..... مذاق نہیں کررہا۔ ذرا بھی ہوشیاری دکھائی تو گولی ماردوں گا۔''

یہ کہتے ہوئے کارڈیل نے اپنے دوسرے ہاتھ سے کھلا ہوا سوٹ کیس بند کیا اور بولا ''میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ میں مزید لاشیں اپنے نام کے ساتھ نتھی نہیں کرانا چاہتا۔ جلدی کرو۔'' اس نے پستول کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''بے وقوف! تم زیادہ دور نہیں جاسکو گے کیونکہ میں نے تمہاری کار میں گڑبڑ کردی ہے۔ وہ اسٹارٹ نہیں ہوسکے گی۔'' سارجنٹ ہیری نے کہا تو کارڈیل نفرت سے اسے گھورنے لگا۔

''ٹھیک ہے..... میں تمہاری کار لے جاؤں گا۔'' کارڈیل بولا ''لاؤ اس کی چابی میرے حوالے کردو۔''

''ٹھیک ہے۔'' سارجنٹ ہیری نے کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر چابی نکالنے لگا۔

''خبردار..... جیب میں ہاتھ مت ڈالنا۔ مجھے بتاؤ کہ کس جیب میں چابی ہے۔ میں خود نکال لوں گا۔ کارڈیل نے کہا۔

''میرے کوٹ کی دائیں جیب میں ہے۔'' اس نے سادگی سے کہا تو کارڈیل نے اس کے کوٹ کی طرف ہاتھ بڑھادیا۔ اسی وقت فائر ہوا جس کی آواز سے کمرا لرز اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی کارڈیل بوکھلا کر دور جا گرا اور پیگی زور زور سے چیخنے لگی۔

وہ فائر کارڈیل نے کیا تھا مگر چونکہ بوکھلاہٹ میں کیا تھا اس لیے بے کار ہوگیا۔ پھر وہ غلط فہمی کا بھی شکار ہوگیا اور خوف کی وجہ سے دور جا گرا تھا۔ ہیری کے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ کی کھڑی ہتھیلی کارڈیل کے کندھے پر ماری تو وہ چیخ اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی سارجنٹ کی فلائنگ کک کارڈیل کے سینے پر پڑی وہ اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا اور فرش پر گر گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور سینہ زور زور سے پھول پچک رہا تھا۔

سارجنٹ ہیری نے پہلے مجرم کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں پھر پیگی کو اٹھا کر بیڈ پر بٹھایا۔ اسے تسلی دی اور کچن سے پانی لاکر پلایا۔ تھوڑی دیر بعد لرزتی کپکپاتی پیگی کی حالت سنبھل گئی۔ ہیری نے کہا ''سنو پیگی! پہلے تو میں نے محض مذاق میں کہا تھا کہ تم جیسی لڑکی ہمارے پولیس اسکواڈ میں شامل ہونی چاہیے مگر اب میں پوری سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہمارے اسکواڈ کی اہم ضرورت ہو۔ اگر تم ہمارے ساتھ شامل ہوگئیں تو نہ جانے کتنے مزید کیسز حل ہوجائیں گے۔ مجرم قانون کی گرفت میں آجائیں گے اور شاید کچھ بے قصور لوگوں کو رہائی مل جائے گی۔''

اس کی بات سن کر پیگی مسکرادی۔

جولیس، بھرے باون سال کا ایک دُبلا پتلا، نفیس، خاموش طبع، سکون پسند آدمی تھا۔ اس کے بالوں میں سفیدی غالب آنے لگی تھی۔ زیادہ تر اس کی نبض، دل کی دھڑکن اور بلڈ پریشر وغیرہ اعتدال پر رہتا تھا۔ وہ اپنے معمولاتِ زندگی میں بڑا باقاعدگی پسند تھا۔ سات بج کر بیالیس منٹ پر ٹرین سے گرینڈ سینٹرل اسٹیشن جانے کے لیے وہ ہمیشہ ایک مخصوص سیٹ پر بیٹھتا تھا۔ اس کا سفر سکون و اطمینان سے طے ہوتا تھا لیکن کچھ عرصے سے اس کا سکون و اطمینان غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی پچھلی سیٹ پر ایک بہت ہی بے ہودہ اور اپنے گردوپیش کی پروا نہ کرنے والا شخص بیٹھنے لگا تھا۔

سیٹ سنبھالتے ہی وہ موبائل فون کان سے لگا لیتا اور گویا دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر بلند آواز میں یکے بعد دیگرے نہ جانے کس کس سے باتیں شروع کر دیتا۔ سب سے پہلے گفتگو کا آغاز عام طور پر ریٹا نام کی کسی خاتون سے ہوتا تھا۔ اس روز بھی اس نے سیٹ سنبھالتے ہی نمبر ملایا اور شروع ہو گیا۔

"ہاں... ریٹا... میری جان! یہ میں ہوں... بس... کچھ کہنے کی ضرورت نہیں... صرف ہاں یا نہ میں جواب دو... کیا

زمانے کی تیز رفتار ترقی، معاشرے کی قدروں کو بھی نہیں، پرانی چیزوں کو بھی تیزی سے تبدیل کر رہی ہے۔ اس شریف آدمی کا احوال جو ان تبدیلیوں سے خائف تھا۔

سکون کے خواہش مند، پرانی روایات کے عادی ایک شخص کا کارنامہ

عادت

نجمہ مودی



تم ابھی تک بستر میں ہو؟ اچھا ... تو اس وقت کیا پہنے ہوئے ہو؟ اوہ ... ریٹا ... میری جان! یہ بتا کر تو تم نے مجھے مار ہی ڈالا ہے ... اب میں دن بھر صرف تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہوں گا ... اور کچھ سوچ ہی نہیں سکوں گا ..."

جولین کو معلوم ہو چکا تھا کہ موبائل فون کے اس شیدائی کا نام بیری ایکرمین تھا۔ اس کا قد ساڑھے پانچ فٹ اور عمر تیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کی ٹھوڑی پر مختصر سی داڑھی تھی اور جسم ورزشی تھا۔ ہر روز وہ اعلیٰ درجے کی ایک ایسی کمپنی کا نئے سے نیا سوٹ پہن کر آتا تھا جس کے ملبوسات صرف اونچے طبقے کے لوگ ہی خرید سکتے تھے۔ اس شخص نے تین مہینے پہلے اس ٹرین سے سفر کرنا شروع کیا تھا۔ وہ ہمیشہ جولین کے پیچھے والی سیٹ پر ہی بیٹھتا تھا اور فون پر ہمیشہ بہت اونچی آواز میں بات کرتا تھا۔ اس شخص نے گویا جولین کی زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔

"ریٹا ... فی الحال تو مجھے تم سے بات ختم کرنی پڑے گی۔" وہ فون پر کہہ رہا تھا "لیکن ٹھیک پانچ بجے میں تمہارے گھر پر ہوں گا۔ تمہیں معلوم ہے دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں روک سکتی۔"

اس کے بعد اس کی کاروباری کالز کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ وہ جہاں بھی فون کرتا' اپنا نام بتانے کے بجائے یہی کہتا "ہائے ... یہ میں ہوں۔" گویا وہ جس سے بھی مخاطب ہوتا تھا' وہ اسے آواز سے پہچانتا تھا۔

جولین کو صحیح طور پر تو معلوم نہیں تھا کہ بیری ایکرمین کا پیشہ یا کاروبار کیا تھا لیکن وہ کچھ اسی قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا جو اپنا تعارف ڈاٹ کام اور ویب سائٹ وغیرہ جیسی جدید اصطلاحوں کے ساتھ کراتے تھے۔ وہ کمپیوٹر انڈسٹری کے کسی ایسے شعبے سے وابستہ تھا جو مواصلاتی ذرائع کو تیز سے تیز تر بنانے کے سلسلے میں مصروفِ عمل رہتا تھا۔ جولین کی بدقسمتی یہ تھی کہ اسے قیامت کی چال چلنے والے نئے زمانے کی ان نت نئی ایجادات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ درحقیقت اسے تو اس بات سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی کہ بیری کی محبوبہ ریٹا صبح صبح اپنے بستر میں کیا پہنے لیٹی ہوئی تھی۔

بیری کی ٹیلی فون کالز کا سلسلہ بدستور جاری تھا:

"ہائے ... میں بول رہا ہوں۔ میری ٹرین آٹھ بج کر چھتیس منٹ پر پہنچے گی ... ذرا مارسی کو بتا دینا کہ میرے ذہن میں ایک نیا آئیڈیا آیا ہے جس پر میں اس سے بات کرنا چاہوں گا۔ مجھے یقین ہے وہ میرے اس آئیڈیے کو بھی پسند ... کرے گی ... بہت خوب ... بہت خوب ... یہ تو بہت اچھی بات ہے ..."

"ہائے ... میں بول رہا ہوں ... کیا وہ ہمارا ساتھ لنچ کرنے کا پروگرام برقرار ہے؟ ویری گڈ ... میں پھر فون کراؤں گا ..."

"ہائے ... میں بول رہا ہوں ..."

جولین محسوس کرتا تھا کہ بیری اس کی زندگی خراب کر رہا ہے۔ اس نے اس کی زندگی کا سکون تباہ کر دیا تھا۔ جولین نہایت دھیمی آواز میں بات کرنے اور سننے کا عادی تھا۔ ایسے انسان تو اسے انسان ہی نہیں لگتے تھے جو گردوپیش سے بے نیاز ہو کر ہر قسم کی گفتگو اونچی آواز میں کرتے تھے۔ سولہ سال سے وہ اسی ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ وہ اسے "اپنی ٹرین" محسوس کرتا تھا۔ اسٹیشن پہنچ کر وہ ایک مخصوص جگہ پر اپنی کار پارک کرتا تھا۔ وہ گویا اس کی "اپنی جگہ" تھی۔ وہ ایک مخصوص سیٹ پر بیٹھتا تھا۔ یہ گویا اس کی "اپنی سیٹ" تھی۔

بیٹھنے کے بعد وہ کوٹ اتار کر نہایت نفاست سے تہ کر کے اوپر ریک میں رکھتا' بریف کیس کھول کر اپنے کاغذات اور سوئی کی نوک جیسی نکیلی چار پینسلیں نکالتا اور اپنے لکھے ہوئے پر نظرثانی شروع کر دیتا۔ ٹرین کے سفر میں جو وقت صرف ہوتا تھا' جولین کی نظر میں وہ بہت اہم تھا۔ اس کے خیال میں تو ٹرین میں بیٹھتے ہی اس کے کام کا وقت شروع ہو جاتا تھا۔ وہ اس دوران میں نہایت یکسوئی اور انہماک سے اپنا کام کرتا تھا کیونکہ کوئی اسے ڈسٹرب نہیں کرتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس دوران میں اسے کسی کا فون بھی نہیں آسکتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ وقت بہت قیمتی تھا۔

لیکن تین ماہ سے سب کچھ بدل گیا تھا۔ اس کا معمول گویا تباہ ہو گیا تھا۔ اس کے دن کا آغاز ہی گویا نحوست زدہ انداز میں ہوتا تھا۔ بیٹھتے ہی اس کے کانوں میں ایک کھردری اور ناپسندیدہ آواز سوراخ کرنے لگتی تھی "ہائے ... یہ میں ہوں ..."

پہلے جولین نے سوچا کہ وہ کسی اور ڈبے میں بیٹھنا شروع کر دے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ جس اسٹیشن سے وہ سوار ہوتا تھا' وہاں پہنچنے تک اسی ڈبے میں دو چار سیٹیں خالی رہ جاتی تھیں جس میں جولین برسوں سے سفر کرتا آرہا تھا۔ یعنی جولین کا "اپنا ڈبا۔"

پھر جولین نے سات بج کر اٹھائیس منٹ والی ٹرین پکڑنے کے بارے میں سوچا لیکن وہ ایک سست رفتار ٹرین تھی۔ وہ بعد میں چلنے والی ٹرین سے بھی سولہ منٹ کی تاخیر سے جولین کو منزل پر پہنچاتی۔ جولین نے تو یہ بھی سوچا کہ پہلے وہ اپنی کار میں الٹی سمت میں سفر کر کے ایک دور اسٹیشن سے ٹرین پکڑ لیا کرے تاکہ کسی دوسرے ڈبے میں جگہ مل سکے

لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ معمول سے ایک گھنٹا پہلے گھر سے نکلتا اور ایک گھنٹا تاخیر سے گھر پہنچتا۔ اس کے علاوہ اس کے سفر کے اخراجات میں ساٹھ ڈالر کا اضافہ بھی ہو جاتا۔

اگلی فون کال میں اس نے بیری کو اپنا نام استعمال کرتے سنا۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا "ہائے۔۔۔ میں بیری ایکرمین بول رہا ہوں۔۔۔ ذرا لیو کو میرا یہ پیغام دے دینا کہ جتنی جلد ممکن ہو مجھے فون کرلے۔۔۔ وہ اصل میں ہمارے جو گیسٹ بیڈ رومز ہیں۔۔۔ ان میں سے ایک کا ٹوائلٹ خراب ہوگیا ہے اور اسے فوری طور پر ٹھیک کرنا ضروری ہے۔۔۔ بالکل ہی بند ہوگیا ہے۔۔۔ لیو کو ذرا تاکید سے کہہ دینا۔۔۔ بہت شکریہ۔۔۔"

جولین مزید حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ شخص پلمبر سے اپنا ٹوائلٹ ٹھیک کرانے کی بات بھی اتنی اونچی آواز سے کررہا تھا پھر اسے خیال آیا کہ اسے حیران ہونے کی تو کچھ ایسی ضرورت نہیں تھی۔ بیری ایکرمین تو روزانہ ہی اس شان اور نخوت سے آکر اپنی سیٹ پر بیٹھتا تھا جیسے اس ڈبے میں موجود تمام لوگ اس کی رعایا اور اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ نہایت عقیدت و احترام سے سننے کے لیے بے تاب بیٹھے ہوتے تھے۔

بیری کے جسم پر گو کہ روزانہ نفیس اور قیمتی سوٹ ہوتا تھا اور اس کے وجود سے کلون کی مہک بھی پھوٹ رہی ہوتی تھی لیکن جولین کو یقین تھا کہ وہ کسی نہایت ہی گھٹیا خاندان کی پیداوار تھا۔ جولین خود اپنے بارے میں سوچتا کہ کاش وہ بھی کسی گھٹیا خاندان کی پیداوار۔۔۔ یا پھر ایک اجڈ، گنوار اور بدمعاش قسم کا آدمی ہوتا تو کسی روز بیری کی بک بک سے تنگ آکر اپنی سیٹ پر گھوم کر غرا کر اس سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اپنا منحوس منہ بند رکھے ورنہ اسے اٹھا کر ٹرین سے باہر پھینک دیا جائے گا۔

مسئلہ یہ تھا کہ یہ جولین کا مزاج نہیں تھا۔ اسے بچپن سے تہذیب، شرافت اور شائستگی کا سبق پڑھایا گیا تھا۔ اس لیے وہ چپ بیٹھا اندر ہی اندر کھولتا رہتا تھا۔ وہ کام پر توجہ دینے کی کوشش کرتا تھا مگر اس کی کنپٹیاں سنسناتی رہتی تھیں۔

یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد جولین تین سال تک "دی نیو یارکر" نامی اخبار میں اسسٹنٹ رپورٹر رہا تھا۔ اس دوران میں وہ ایک مشہور عالم رپورٹر بننے کے خواب دیکھتا رہا پھر اس کی ملاقات اور شادی سلویا سے ہوگئی۔ اب ان کے جڑواں بیٹے جیسن اور جیری خود یونیورسٹی میں تھے۔ سلویا کو ورثے میں کافی کچھ ملا تھا جس کی وجہ سے بچوں کی اعلیٰ تعلیم ممکن ہو سکی تھی۔

سلویا ان دنوں لائبریرین کے طور پر کام کررہی تھی۔ جولین ایک اشاعتی ادارے سے وابستہ تھا جہاں وہ پروف ریڈر کی حیثیت سے ملازم ہوا تھا مگر اب سینئر ایڈیٹر تھا۔ اس نے غیر معروف مصنفوں کی جدید کہانیوں کا ایک مجموعہ بھی چھاپا تھا جو زیادہ ضخیم نہیں تھا۔ اس کی صرف پونے دو ہزار کاپیاں بکی تھیں۔

جولین میں خود بے شک کوئی معرکہ آرا چیز لکھنے کی صلاحیت نہیں تھی لیکن سنسنی خیز ناولوں کے انتخاب میں اسے کمال حاصل تھا۔ اس میں یہ خداداد صلاحیت موجود تھی کہ ایک مخصوص انداز کے ناولوں کا مسودہ پڑھتے ہی وہ بتا سکتا تھا کہ وہ کس حد تک مقبولیت حاصل کرے گا۔ وہ پیش گوئی کرسکتا تھا کہ کون سا ناول "بیسٹ سیلر" ثابت ہوگا۔ اس کے پبلشنگ ہاؤس میں اس کی رائے کو بڑی وقعت بھی دی جاتی تھی۔

جب کسی ناول کے مسودے کے بارے میں محسوس کیا جاتا تھا کہ اس میں کوئی خامی ضرور ہے۔۔۔ لیکن کوئی صحیح طور پر نشاندہی کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا تو وہ مسودہ جولین کو

پڑھنے کے لیے دیا جاتا۔ پلاٹ کی باریکیوں' اس کی خوبیوں اور خامیوں کو اس سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ ایک اچھا پلاٹ سوئٹزرلینڈ کی بنی ہوئی گھڑی کی مشینری کی طرح ہوتا تھا۔ اس میں باریک سے باریک پرزہ صحیح طور پر اپنی جگہ بیٹھا ہوتا تھا۔ تب ہی گھڑی چلتی تھی۔ کسی پرزے کی معمولی سی گڑبڑ سارا کام خراب کردیتی تھی۔ اس نے بڑے بڑے کامیاب مصنفوں کو بروقت ان کے پلاٹ کی خامیوں سے آگاہ کیا تھا اور ان کے ناولوں کو فلاپ ہونے سے بچالیا تھا۔

اس کے خیالات کا سلسلہ بار بار بیری کی آواز سے درہم برہم ہورہا تھا۔ وہ اس وقت ایک مصنفہ کا مسودہ دیکھ رہا تھا اور اس کے بارے میں اپنے لکھے ہوئے اہم نوٹس پر نظرثانی کررہا تھا۔ پیچھے بیری فون پر مصروف گفتگو تھا "ہنی! میں اپنا سوٹ ڈرائی کلینرز کے ہاں پہنچانا بھول گیا... پلیز تم پہنچا دینا... ہاں... میں نے ٹوائلٹ کے بارے میں لیو کو فون کردیا تھا... ابھی وہ اپنی دکان پر پہنچا نہیں تھا... بہرحال میں نے پیغام چھوڑ دیا تھا... جونہی اس کا فون آیا' میں تمہیں اطلاع دے دوں گا۔"

جولین اس وقت جو مسودہ دیکھ رہا تھا' وہ مصنفہ کا پہلا ناول تھا۔ اس کا عنوان "اسکینڈ" تھا۔ وہ ایک جمبو جیٹ کے کمرشل پائلٹ کی کہانی تھی جو بین الاقوامی گروہوں کے لیے یکے بعد دیگرے بہت سی مشہور شخصیات کو قتل بھی کرچکا تھا۔ ناول کی ہیروئن کی نقشہ کشی ابتدا ہی سے بڑے چٹخارے دار انداز میں کی گئی تھی اور اس کی شخصیت پر ایک ایسی مشہور فلمی ہیروئن کی چھاپ صاف نظر آتی تھی جو جذبات کو برانگیختہ کرنے والی فلموں میں کام کرنے کے سلسلے میں خاص طور پر مشہور تھی۔

مصنفہ ایک کامیاب وکیل تھی اور خود بھی بڑی زبردست شخصیت کی مالک تھی۔ اس کے لمبے سنہرے بال اس کے کولہوں تک پہنچتے تھے اور اس نے موجودہ دور میں بھی انہیں کٹوایا نہیں تھا جبکہ لمبے بال رکھنے کا رواج عورتوں کے بجائے مردوں میں نظر آتا تھا۔ اس کی باقی شخصیت بھی قدم قدم پر فتنے جگانے والی تھی۔

صرف یہی نہیں' اس نے ناول کی اشاعت کے معاملات طے کرنے کے لیے ایجنٹ بھی نہایت اونچے درجے کی پکڑی تھی۔ اس کا نام لبی گوتھم تھا۔ وہ بھی شخصیت کے اعتبار سے ناول کی مصنفہ سوزن تھارن سے کچھ کم نہیں تھا لیکن شخصیت سے قطع نظر اپنے کام کے سلسلے میں اس کی ساکھ بھی بہت اچھی تھی اور وہ اشاعتی حلقوں میں زبردست اثر رسوخ کی مالک تھی۔

اس کی اچھی ساکھ کی وجہ سے' اس کے توسط سے آنے والے ہر ناول کو پبلشرز خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ناول ابھی اپنی ابتدائی شکل میں زیرِ غور تھا مگر جولین کا ادارہ "سی گرووپریس" اس کے لیے ڈھائی ملین ڈالر کی پیشگی ادائیگی بھی کرچکا تھا اور تین فلم اسٹوڈیوز ابھی سے نہایت بے تابی سے انتظار میں بیٹھے تھے کہ انہیں ناول کو ایک نظر دیکھنے کا موقع ملے۔

ناول میں جنس' تشدد' مار دھاڑ اور سنسنی خیزی وغیرہ موجود تھی۔ یہی وہ لوازمات تھے جو جدید زمانے کی مارکیٹ میں بکتے تھے۔ اس کے باوجود جولین کی نظر میں کاروباری نکتۂ نظر سے بھی ناول کی اس شکل میں اشاعت مناسب نہیں تھی۔ اس کے پلاٹ میں بہت سے جھول تھے اور مصنفہ کا اناڑی پن بہرحال کئی جگہوں پر نمایاں تھا۔

کبھی کبھی رات گئے تک جولین کو نیند نہیں آتی تو وہ یہی سوچا کرتا کہ اس قسم کا پلاٹ اس کے ذہن میں آجائے تو وہ اسے زیادہ بہتر اور بے عیب انداز میں لکھ سکتا تھا۔ اس کے پاس ہنر موجود تھا لیکن کسی چیز کی کمی تھی جس کی وجہ سے وہ کوئی بھرپور ناول لکھ نہیں پاتا تھا۔ شاید اس میں وجدان اور تخیل کی کمی تھی جو ان لوگوں میں فطری طور پر موجود ہوتا تھا جو صحیح معنوں میں رائٹر ہوتے تھے۔ کبھی کبھی یہ حسرت بڑی شدت سے اس کے دل میں ابھر آتی تھی کہ اگر وہ بھی ایک بیسٹ سیلر ناول لکھنے میں کامیاب ہوجاتا تو شاید اس کی زندگی کا رخ ہی بدل جاتا۔ شاید اس کے بعد اسے روزانہ سات بج کر بیالیس منٹ والی اس ٹرین سے سفر کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور وہ گھر بیٹھ کر ہی کام کرنا شروع کردیتا۔

ادھر وہ اپنے کام اور ان سوچوں کی اذیت میں گرفتار رہتا تھا' ادھر بیری ایکرمین کے موبائل فون نے اس کی زندگی اجیرن کررکھی۔ اب اس کے فون کی مکروہ سی گھنٹی بجے جارہی تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ خبیث فون سن ہی نہیں رہا تھا۔ جولین کی کنپٹیاں پہلے سے زیادہ سنسنانے لگی تھیں۔

خدا خدا کرکے بیری نے فون کان سے لگایا اور اس کی آواز جولین کے کانوں میں زہر گھولنے لگی "ہیلو... اوہ... اچھا... تو یہ تم ہو لیو... میں نے ایک گیسٹ روم کے ٹوائلٹ کے سلسلے میں فون کیا تھا... ہاں... وہ بالکل بند ہے... پتا نہیں کیا چکر ہے... آج نہیں کرسکتے؟ کوشش تو کرو... اچھا خیر... چلو کل آکر ٹھیک کردینا... ارے ہاں یاد آیا... کل میری

بیوی تو گھر پہ نہیں ہوگی ... وہ ہر جمعرات کو غریب اور ضرورت مند لڑکیوں کو مفت کھانا پکانا سکھانے کی کلاس لینے جاتی ہے۔"

وہ خیراتی اور رفاہی کام میں اپنی بیوی کے حصے لینے کا ذکر بھی کچھ یوں کر رہا تھا جیسے دنیا بھر کے غریبوں پر کیے جانے والے کسی احسان عظیم کی بات کر رہا ہو۔ جولین کے لیے اب اپنے کام پر ذرا سی بھی توجہ دینا ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ ایک مجبور سے غصے اور نفرت کا آتش فشاں اس کے وجود میں کھول رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پلٹ کر پچھلی سیٹ پر چھلانگ لگائے اور دونوں ہاتھوں سے بیری کا گلا دبوچ کر اس وقت تک دباتا رہے جب تک اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نہ آجائیں اور اس کی سانس نہ رک جائے۔

بیری کی بات جاری تھی "... لیکن دیکھو... میری بیوی اور میں گھر پر ہوں یا نہ ہوں لیکن تمہیں ہر حال میں کل ٹوائلٹ ٹھیک کرنا ہے... ہم ویک اینڈ تک انتظار نہیں کر سکتے ... میں ایسا کروں گا کہ کچن کا پچھلا دروازہ تمہارے لیے کھلا چھوڑ دوں گا... نہیں... نہیں... میں الارم سسٹم بھی بند کر دوں گا... بس تم کل آکر کسی بھی وقت ٹوائلٹ ٹھیک کر جانا... بہت شکریہ... مجھے معلوم ہے تم اپنے کام میں بہت ماہر ہو لیو!"

جولین کو اس بات پر بہت حیرت ہوتی تھی کہ بیری کی اس مسلسل بکواس پر اس کے ساتھی مسافروں کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان میں سے کسی کو بھی اونچی آواز میں بیری کی مسلسل بک بک سے ذرا بھی کوفت نہیں ہوتی تھی۔ کوئی بیزاری سے ہونٹ نہیں سکیڑتا تھا' کوئی چھت کی طرف دیکھ کر آنکھیں نہیں گھماتا تھا۔ کوئی اس کی طرف گھور کر نہیں دیکھتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ تمام تر کوفت صرف جولین کے لیے ہی رہ گئی تھی۔

اسے یقین ہو چلا تھا کہ اگر یہ سلسلہ مزید جاری رہا تو وہ پاگل ہو جائے گا۔ اس کے خیال میں اس ڈبے میں اب صرف وہ سفر کر سکتا تھا یا پھر بیری ایکرمین...! دونوں میں سے ایک کا جانا قطعی ناگزیر ہو گیا تھا۔

"سی گرو دو پریس" کے دفاتر گرینڈ سینٹرل اسٹیشن سے کچھ دور تھے۔ وہاں تک جانے کے لیے جولین کو شٹل سروس استعمال کرنا پڑتی تھی۔ دفاتر ایک چمکتی دمکتی' بلند و بالا نئی بلڈنگ میں تھے۔ اس میں زیادہ تر رسالوں اور پبلشنگ اداروں ہی کے دفاتر تھے لیکن گراؤنڈ فلور پر ایک ٹی وی چینل کا دفتر بھی تھا جس کے باہر ہمیشہ نوعمر لڑکے لڑکیوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی جو روزانہ چلنے والے ایک مقبول پروگرام میں دو چار سیکنڈ کے لیے اپنی جھلک دکھانے کی غرض سے اسکولوں سے چھٹی لے کر آئے ہوتے تھے۔ جولین کو روزانہ ان کی بھیڑ بھاڑ میں سے اپنا راستہ بنانا پڑتا تھا۔

جولین جب دفتر پہنچا تو اس کی سیکریٹری ابھی نہیں آئی تھی۔ اس کی میز پر موجود ریکارڈنگ سروس سے اسے پیغام ملا کہ راجر پارکر فوری طور پر اس سے ملنا چاہتا تھا۔ راجر پارکر کی عمر تو صرف اٹھائیس سال تھی لیکن اس کا خاندانی اور تعلیمی پس منظر کچھ ایسا تھا کہ کمپنی کے بڑوں نے اسے ایڈیٹوریل چیف بنا دیا تھا۔ اس کے ماتحت کام کرنے والوں میں جولین بھی شامل تھا۔

جولین اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ چائے کا کپ تھامے اپنی میز پر کمپیوٹر سے نکلے ہوئے کچھ کاغذات کے پلندے پر جھکا ہوا تھا۔ مسٹر جونز صوفے پر مسودوں کے انباروں کے قریب استراحت فرما رہے تھے۔ مسٹر جونز در حقیقت راجر کے چہیتے پالتو بلے کا نام تھا۔ راجر کا اصرار ہوتا تھا کہ اس کے پالتو بلے کو مسٹر جونز کے نام سے اسی طرح پکارا جائے جس طرح کسی انسان کو پکارا جا سکتا تھا۔

"آج علی الصباح مجھے لبی گوتھم نے فون کر کے جگایا ..." راجر نے جولین کو مطلع کیا "اور وہ پورے بیس منٹ تک مجھ پر چیختی رہی۔ تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ جس شخص پر لبی بیس منٹ تک چیختی رہے' اس کا کیا حال ہوتا ہے؟"

"ہاں... میں اندازہ کر سکتا ہوں۔" جولین دھیمے لہجے میں بولا "پچھلی رات دس منٹ تک وہ مجھ پر چیخی تھی۔"

راجر نے کئی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لیں۔ وہ بے حد غم زدہ نظر آرہا تھا۔ راجر ایک نہایت دبلا پتلا مجہول سا نوجوان تھا جس کی گردن کی رگیں اور نرخرے کی ہڈی بہت ابھری ہوئی تھی۔ وہ موٹے موٹے شیشوں کی عینک کے ساتھ ایک ایسا دانش ور نظر آتا تھا جو بہت زیادہ غور و فکر کی وجہ سے قبل از وقت بوڑھا ہو گیا تھا۔ تاہم وہ لباس ہمیشہ جدید تراش خراش کا پہنتا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس کے کپڑوں پر ہمیشہ اس کے بلے کے بال لگے ہوتے تھے۔

جولین نے زندگی میں وہ پہلا آدمی دیکھا تھا جو اپنے بلے کو آفس میں بھی ساتھ رکھتا تھا اور توقع رکھتا تھا کہ آفس میں آنے والے لوگ بلے کو دیکھ کر اس کے ساتھ لاڈ جتائیں۔ حد تو یہ تھی کہ اس نے اپنی میز کے عقب میں ایک ڈبا رکھا ہوا تھا جسے مسٹر جونز "فراغت" کے لیے استعمال کرتے تھے۔ بلڈنگ کی صفائی کرنے والے عملے نے اس ڈبے کے قریب

جانے سے مستقل طور پر انکار کر رکھا تھا اس لیے وہ جیسا تھا اور جہاں تھا' اسی طرح وہیں رکھا رہتا تھا۔ لگتا یہی تھا کہ راجر اس بدبو سے قطعی بے نیاز تھا اور وہ یہی توقع رکھتا تھا کہ اس کے کمرے میں آنے والے کسی بھی شخص کو بدبو کا ذرا بھی احساس نہیں ہونا چاہیے۔

"لبی کو غصے میں چیختے ہوئے سننا بہت ہی تکلیف دہ کام ہے جولین ...!" راجر نے پہلے سے زیادہ غم زدہ لہجے میں کہا "اگر انسان مسوڑھا سن کروائے بغیر ڈاکٹر سے دانت نکلوالے تو اس میں شاید کم تکلیف ہو۔ تم نے رات اس سے ایسی کیا بات کہہ دی جو اس طرح چیخ رہی تھی؟"

"وہ مجھ سے "اسکنڈ" کے بارے میں رائے جاننا چاہ رہی تھی۔"

"تو پھر تم نے کیا کہا؟" راجر نے اداس سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس ناول پر مزید بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔" جولین نے تحمل سے کہا "مصنفہ نے قدم قدم پر ناول نگاری کے اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ وہ ماضی اور حال کی طرف بار بار اس طرح پلٹتی ہے کہ پڑھنے والا الجھن محسوس کرنے لگے گا۔ پلاٹ میں کئی جگہ جھول ہے۔ مصنفہ کو یہ تک احساس نہیں ہو سکا کہ اس نے ایک ہی وقت میں ولن سے دو مختلف براعظموں میں دو مختلف شخصیات کو قتل کروا دیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ اس قسم کی باتیں' قارئین کے حلق سے نہیں اتریں گی۔"

"دیکھو بھئی ... وہ ایک سنسنی خیز ناول ہے ... اور سنسنی خیز ناول کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کو قدم قدم پر ایک نیا جھٹکا لگتا رہے۔" راجر بولا۔

جولین اس عجیب استدلال پر ایک لمحے کے لیے راجر کی طرف دیکھتا رہ گیا پھر بولا "لیکن یہ پڑھنے والوں کے ساتھ دھوکا ہے ... اور میرا خیال ہے پڑھنے والے اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ آسانی سے دھوکا کھا سکیں۔"

راجر اب اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ دولت مند اور بارسوخ ماں باپ کا بیٹا تھا۔ اسے اس کرسی تک پہنچانے میں اس کے خاندانی پس منظر کا بھی بڑا دخل تھا۔ راجر کو خود بھی اس کا احساس تھا اور وہ اپنی پوزیشن سے پورا پورا استفادہ کرتے ہوئے دل ہی دل میں یقیناً لطف اندوز بھی ہوتا تھا۔

"جولین! تم اصل میں ماضی میں زندہ ہو۔" اس نے لیکچر شروع کیا "تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ زمانہ کتنا تیز رفتار ہو گیا ہے۔ اب لوگ اتنی باریکیوں میں نہیں جاتے۔ وہ صرف تیز رفتار کہانیاں پڑھنا چاہتے ہیں۔ فلموں کی طرح کہانیوں میں بھی لوگ پل پل میں منظر بدلتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے یہ ناول صرف شروع کے دو باب پڑھ کر اس لیے خرید لیا تھا کہ اس میں موجودہ دور کے قاری کی دلچسپی کے سب مسالے موجود تھے۔ جن خامیوں کا تم ذکر کر رہے ہو' یہ پڑھنے والوں کا نہیں' یہ تم جیسے لوگوں کا مسئلہ ہے۔ لوگوں کو صرف تفریح چاہیے ... اور میرا خیال ہے تمہیں تو تفریح کا صحیح مفہوم بھی معلوم نہیں۔"

جولین ایک لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ راجر کو گویا احساس ہوا کہ کہیں وہ زیادہ ہی برا نہ منا گیا ہو۔ وہ جلدی سے قہقہہ لگا کر بولا "میں تو تمہیں کسی ماہرِ نفسیات کی طرح لیکچر دینے لگا ... مسئلہ اصل میں یہ ہے جولین ... کہ ہم اس ناول میں بہت بڑی رقم بھی پھنسا چکے ہیں۔"

"اسی لیے تو میں اس کے بارے میں زیادہ فکر مند ہوں۔" جولین بولا۔

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن راجر ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے تم ایڈیٹر کے طور پر اس ناول کو مت پڑھو اور اس پر مغز ماری مت کرو۔ میں اس ناول کو گلوریا کے سپرد کر دیتا ہوں۔"

جولین کے دل پر جیسے گھونسا سا لگا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اسے اپنے جس ہنر پر ناز تھا' اب اس کی کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔ ناول کے بارے میں اس کی رائے کو حرفِ آخر سمجھے جانے کا زمانہ شاید گزر گیا تھا اور اب شاید اسے استعمال شدہ ٹشو پیپر کی طرح ایک طرف پھینکا جا رہا تھا۔

"لیکن گلوریا نے تو اب تک صرف کھانے پکانے کی کتابیں ایڈٹ کی ہیں۔" جولین بہ مشکل بول پایا "اس نے کبھی کوئی سنسنی خیز ناول ایڈٹ نہیں کیا ... اس کے بارے میں رائے نہیں دی ... مجھے تو شبہ ہے کہ شاید اس نے زندگی میں کبھی کوئی سنسنی خیز ناول پڑھا بھی نہیں ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے اسی لیے تو میں اس ناول کا کام اس کے سپرد کر رہا ہوں۔ وہ ایک عام قاری کی حیثیت سے اس ناول کو پڑھے گی اور ہماری کتابیں ... ظاہر ہے عام آدمی ہی خریدتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ وہ مصنفہ کو اچھے ریستوران میں لے جا سکتی ہے۔ اس کا دل خوش کرنے والی باتیں کر سکتی ہے۔"

جولین خاموش بیٹھا ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ راجر کا سلسلۂ کلام جاری تھا "اصل مسئلہ کتاب کا نہیں ہے

۔۔۔ اصل مسئلہ مصنفہ کی ایجنٹ لبی گوتھم کا ہے۔ تمہیں معلوم ہے وہ صرف اسی مصنفہ کی ایجنٹ نہیں ہے بلکہ بہت سے مقبول اور معروف مصنفوں کی ایجنٹ کے فرائض انجام دے رہی ہے جن کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں۔ ہم اس ناول پر ایڈوانس رقم بھی دے چکے ہیں۔ اب اگر ہم پیچھے ہٹتے ہیں اور بات بگڑتی ہے تو لبی اپنے دوسرے مصنفوں کو بھی کسی اور پبلشر کے پاس لے جائے گی پھر ہم کہاں جائیں گے؟ ہمارا ادارہ تو بیٹھ جائے گا۔"

مسٹر جونز بیدار ہو کر صوفے سے چھلانگ لگا کر کھڑکی میں پہنچ چکے تھے اور وہاں گملے میں لگے ہوئے ایک پودے کو غالباً شوقیہ طور پر چبا رہے تھے۔ جولین کو معلوم تھا کہ جلد ہی وہ منہ میں نکلے ہوئے پودے کو قالین پر تھوک دے گا۔ راجر کو اپنے بلے کی اس قسم کی حرکتوں سے ۔۔۔ بلکہ کسی بھی قسم کی حرکتوں سے کوئی تکلیف یا الجھن نہیں ہوتی تھی۔

○☆○

جولین اسی شام ڈاکٹر گولڈ مین کے آفس میں بیٹھا تھا۔ ایک ہفتے پہلے اس نے ڈاکٹر گولڈ مین سے ملاقات کا وقت لیا تھا۔ اسے اپنے سینے میں کبھی کبھی کھنچاؤ کا سا احساس ہونے لگتا تھا اور اپنے اعصاب تو اسے ہر وقت ہی کشیدہ سے محسوس ہوتے تھے۔ ڈاکٹر گولڈ مین تقریباً تیس سال سے جولین کا ڈاکٹر چلا آرہا تھا اور وہ اسکول کے زمانے میں اس کا کلاس فیلو رہا تھا اس لیے ذرا آرام اور سکون سے بیٹھ کر جولین سے تفصیلی بات کرلیا کرتا تھا۔

اس نے پہلے تو چیک اپ اور کچھ ٹیسٹوں کے ذریعے یہ اطمینان کیا کہ جولین کا دل ٹھیک کام کررہا تھا پھر اس نے مزید کچھ ٹیسٹ لیے جن میں اس کے جسم سے خارج ہونے والے تمام مادوں کے ٹیسٹ بھی شامل تھے۔

کمپیوٹر سے تمام رپورٹیں موصول ہونے کے بعد اس نے کچھ اس طرح گفتگو شروع کی جیسے کوئی جج فیصلہ سنانے لگا ہو "جولین! تمہارا مسئلہ صرف یہ ہے کہ تم گھبراہٹ، اضطراب اور غصے کا شکار ہو۔ میں تمہیں صرف مسکن دوا لکھ کردے رہا ہوں۔ ضرورت محسوس کرو تو لے لینا ورنہ مت لینا۔"

پھر اس نے دونوں ہاتھ اپنی بڑی سی توند پر رکھتے ہوئے مربیانہ لہجے میں پوچھا "کیا ان دنوں کوئی چیز تمہیں پریشان کررہی ہے؟ کوئی مالی مسئلہ ہے؟"

"نہیں ۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"گھر میں حالات ٹھیک ہیں؟ تمہارا کوئی معاشقہ وغیرہ تو نہیں چل رہا؟"

"ارے نہیں بھئی ۔۔۔ وہ ۔۔۔ دراصل ۔۔۔ بس ۔۔۔" جولین الجھ کر رہ گیا۔

"دیکھو ۔۔۔ جو کچھ بھی تمہارے دل میں ہے، صاف صاف کہہ دو۔ ذہن پر جو بوجھ ہے وہ اتار پھینکو ۔۔۔ ورنہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔" ڈاکٹر گولڈ مین نے اصرار کیا۔

"اصل میں میری تربیت کسی اور طرح ہوئی جس کی وجہ سے زندگی کے بارے میں میرے نظریات اور طور طریقے کچھ اور ہیں جب کہ آج دنیا کچھ اور ہے۔ میں نے جس دنیا میں آنکھ کھولی وہاں تہذیب، شرافت اور شائستگی کی قدر تھی۔ لوگ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو اہمیت دیتے تھے۔ چیزوں کے معیار کی قدر تھی اور ہر معاملے میں اچھے سے اچھا معیار حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ہنر والے کے ہنر کی قدر تھی۔ اب شاید دنیا میں لوگ صرف اس لیے زندہ رہ گئے ہیں کہ وہ جلد سے جلد جو کچھ جھپٹ سکتے ہیں، جھپٹ لیں۔ ان کی بلا سے، دوسرے جہنم میں جائیں۔ ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہے۔"

"ہاں ۔۔۔ اس میں تو شک نہیں کہ دنیا تیزی سے بدل

نفسیاتی مسائل سے جان چھڑائیے

اپنے اور اپنے پیاروں کے نفسیاتی مسائل، روزمرہ فکر و پریشانیوں، ٹینشن، ڈپریشن سے نجات اور نفسیاتی

رہنمائی اور مشورہ حاصل کیجئے

پی او بکس 2330 لاہور

Email: ahbilal2330@yahoo.com

اپنا مسئلہ کاغذ کے ایک طرف لکھ کر جوابی لفافے کے ساتھ بھیجئے

رہی ہے۔۔۔ اور بہتری کی طرف نہیں جارہی۔" ڈاکٹر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"زمانے کے یہ انقلابات مجھے کچھ زیادہ ہی متاثر کرنے لگے ہیں۔۔۔ بھاگتی دوڑتی دنیا۔۔۔ ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے سفاک اور خود غرض لوگ۔۔۔ بدتمیز اور اپنے زعم میں مبتلا نوجوان نسل۔۔۔ کرخت اور اونچی آوازوں میں موبائل فون پر تکبر اور شیخی سے باتیں کرنے والے لوگ۔۔۔ ان سب چیزوں کا میرے ذہن پر جتنا اثر ہونے لگا ہے اتنا دوسروں پر نہیں ہوتا۔۔۔ اور یہ چیز مجھے خوف زدہ کرتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ مجھے اسی دنیا میں رہنا ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا میں کسی ماہرِ نفسیات سے ملوں؟"

"ملنا تو چاہیے۔۔۔ لیکن اس حد تک جانے کا مشورہ دینے سے پہلے میں ایک اور راستہ تجویز کرنا چاہوں گا۔ میں خود بھی کبھی انہی کیفیات سے گزر چکا ہوں جن سے تم گزر رہے ہو۔۔۔ اور جو علاج میں بتانے لگا ہوں' وہ خود میرے لیے تو کارگر رہا تھا۔"

"کیا ہے وہ علاج؟" جولین نے اشتیاق سے پوچھا۔

"اپنے خوف کا سامنا کرو۔"

"سامنا کروں۔۔۔؟ کیسے۔۔۔؟" جولین نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے کبھی غوطہ خوری کی ہے؟"

"غوطہ خوری۔۔۔؟" جولین کا منہ چند لمحے کے لیے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "نہیں۔۔۔ میں نے غوطہ خوری کبھی نہیں کی۔"

"میں نے کی ہے۔۔۔ اور میں تمہیں مزے کی بات بتاؤں۔۔۔ اس سے پہلے میں پانی میں پاؤں ڈالتے ہوئے بھی ڈرتا تھا۔ غوطہ خوری کا تجربہ بھی بڑا عجیب ہوتا ہے۔ جب آپ پانی میں بیس فٹ نیچے پہنچ جاتے ہیں تو گویا دنیا سے آپ کا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے اور لمحہ بہ لمحہ پانی کا دباؤ بڑھتا جاتا ہے۔ آپ کو صرف آپ کی کمر سے بندھا ہوا آکسیجن کا ٹینک زندہ رکھے ہوتا ہے۔ آپ کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اعصاب کو پُرسکون رکھیں اور ہموار انداز میں دھیرے دھیرے سانس لیں۔ شروع میں آپ کو احساس ہوتا ہے کہ شاید آپ ایسا نہیں کرسکیں گے لیکن تقریباً ہر آدمی بہرحال ایسا کرلیتا ہے اور دھیرے دھیرے اسے احساس ہوتا ہے کہ اسے تو اپنے اعصاب پر پوری طرح قابو حاصل ہے۔ یہ چیز اسے بے پناہ خود اعتمادی بخشتی ہے۔ جب وہ گہرے پانی کی تہ کو چھو کر واپس آتا ہے تو ایک نیا انسان ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر نے ایک لمحے خاموش رہ کر سلسلۂ کلام جوڑا "اس لیے میرا مشورہ ہے کہ تھوڑے بہت خطرات سے کھیلو۔ خطرات تمہارے لیے ہوا نہیں رہیں گے۔ کشتی رانی کرو۔۔۔ پہاڑوں پر چڑھو۔۔۔ جس حد تک بھی ممکن ہو' ایڈونچر میں حصہ لو۔ تمہیں احساس ہوگا کہ ابھی تم ایسے گئے گزرے نہیں ہو۔۔۔ تمہارے اندر کچھ ہے۔ تم ابھی اپنے ہی پیروں پر کھڑے ہو۔ میری اور تمہاری عمر کو پہنچنے کے بعد انسان کو یہ یقین دہانی حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیا میری بات تمہاری سمجھ میں آرہی ہے؟"

"بہت زیادہ۔۔۔" جولین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "بلکہ میں نے تو ابھی سے خود کو بہتر بھی محسوس کرنا شروع کردیا ہے۔"

○☆○

دوسری صبح جولین نے پون گھنٹا اپنے کمرے میں پرانے اخباروں اور رسالوں سے کچھ حروف کاٹ کر جمع کرتے ہوئے وقت گزارا۔ اس کی بیوی سلویا اپنی ڈیوٹی دینے کے لیے لائبریری جاچکی تھی۔ جولین نے اسے بتایا تھا کہ اس پر فلو کا حملہ ہوگیا ہے اس لیے وہ آفس نہیں جائے گا۔ اس نے سلویا کو یہ نہیں بتایا تھا کہ دفتر میں ناول "اسکڈ" اس کے ہاتھ سے لے لیا گیا تھا۔ اس نے سلویا سے اس بات کا بھی ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ ڈاکٹر گولڈ مین سے ملنے گیا تھا۔

کچھ عرصے پہلے اس نے گھر میں رنگ وروغن اور مرمت کا کچھ کام کیا تھا۔ اس وقت اس نے سبز رنگ کی ایک ڈانگری خریدی تھی۔ آج اسے پھر اس کی ضرورت آن پڑی تھی۔ ساڑھے نو بجے اس نے ڈانگری پہنی۔ گیرج سے اپنا اوزاروں کا تھیلا اٹھایا اور اپنی پک اپ میں بیٹھ کر روانہ ہوگیا۔ اس وقت وہ کمپنک' پلمبر یا مستری ٹائپ کی کوئی شخصیت دکھائی دے رہا تھا۔

سفر خاصا طویل تھا لیکن راستے میں بیشتر علاقے خوب صورت تھے۔ جولین کو سفر میں کوفت نہیں ہوئی۔ موبائل فون پر وہ بیری کو دو تین مرتبہ کسی کو اپنا ایڈریس بتاتے سن چکا تھا۔ اس کا مکان تلاش کرنے میں جولین کو زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ آسودہ حال لوگوں کے علاقے میں واقع وہ ایک پُرتعیش مکان تھا۔

اس نے پک اپ نہایت اطمینان سے گھر کے ڈرائیوے میں لے جاکر روکی اور اوزاروں کا بیگ اٹھائے اتر آیا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر کسی پڑوسی نے اسے دیکھ بھی لیا تو یقینی طور پر یہی سمجھے گا کہ وہ کوئی مستری وغیرہ تھا اور گھر میں کسی قسم کی مرمت کا کام کرنے آیا تھا۔

وہ مکان کے عقب میں جا پہنچا۔ اس طرف ایک جھلملاتا ہوا سوئمنگ پول' باربی کیو اور خوب صورت طویل د

عریض لان موجود تھا۔ اس طرف سے مکان درختوں میں گھرا ہوا تھا اور کوئی پڑوسی جولین کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عقبی دروازہ اسے کھلا ہی ملا۔ جولین نے بیری کو فون پر پلمبر سے کہتے سنا تھا کہ وہ اس کے لیے عقبی دروازہ کھلا چھوڑ جائے گا۔ وہ اپنا وعدہ بھولا نہیں تھا۔ جولین نے ربر کے پلے دستانے پہن کر دروازہ کھولا تھا اور اس کے نتیجے میں کسی قسم کا حفاظتی الارم آن نہیں ہوا تھا۔

اندر پہنچ کر جولین نے دروازہ اپنے عقب میں بند کردیا اور اوزاروں کا تھیلا فرش پر رکھ کر گہری سانس لی۔ زندگی میں اس نے کبھی ٹریفک کے کسی معمولی سے قانون کی بھی خلاف ورزی نہیں کی تھی' اس سلسلے میں اسے کبھی کوئی ٹکٹ نہیں ملا تھا' اس نے کبھی انکم ٹیکس کا گوشوارہ بھرتے ہوئے کوئی معمولی سی بات بھی غلط نہیں لکھی تھی' اس نے زندگی میں کبھی اونچی آواز میں کسی سے بات تک نہیں کی تھی ... اور آج وہ ماہر چوروں اور نقب زنوں والا طریقۂ کار استعمال کرتے ہوئے کسی کے گھر میں کھڑا تھا۔

اس نے اپنے آپ کو تسلی دی کہ وہ یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ بیری کو سبق دینے کے ساتھ ساتھ اسے اپنے آپ پر ثابت بھی کرنا تھا کہ ابھی وہ کچھ ایسا گیا گزرا نہیں تھا۔ اس میں جرأت' ہمت' بے خوفی ... سب کچھ موجود تھا۔

مکان بہت عالی شان تھا اور اس میں زندگی کی تمام آسائشیں موجود تھیں۔ تصویروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اتنے بڑے مکان میں صرف میاں بیوی رہتے تھے۔ جولین نے خوب اچھی طرح گھوم پھر کر مکان کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے رگ وپے میں ایک عجیب سی سنسنی محسوس کررہا تھا جو اس نے صرف بچپن میں پکنک وغیرہ پر جاتے اور کسی قسم کی کوئی مہم سرانجام دیتے ہوئے محسوس کی تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ عمر کے اس حصے میں وہ اس قسم کی سنسنی محسوس کرسکے گا۔

مکان میں میوزک روم' جمنازیم حتیٰ کہ فلمیں دیکھنے کا ایک کمرا بھی موجود تھا جو چھوٹے سے سینما گھر سے مشابہ تھا۔ ان سب چیزوں کے نہایت اعلیٰ درجے کے جدید ترین لوازمات بھی موجود تھے۔ بیری اور اس کی بیوی ڈارلا کے الگ الگ ڈریسنگ روم بھی تھے۔ رشک سے ہر چیز کا جائزہ لینے کے بعد جولین نے چونک کر گھڑی دیکھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔

وہ جلدی سے کچن میں گیا اور وہاں سے لمبی سی ایک چمکتی دمکتی' تیز دھار چھری اٹھالایا۔ اس نے ایک بیڈ کی چادر اٹھاکر دور پھینک دی پھر اپنی جیب سے ایک بڑا سا کاغذ نکال کر اس کی تہیں کھولیں۔ پرانے اخباروں اور رسالوں سے جلی حروف کاٹ کر اس کاغذ پر چپکا کر اس نے پیغام تیار کیا تھا:

"بیری! ریٹا سے دور رہو ورنہ اگلی مرتبہ چھری تمہارے سینے میں پیوست ہوگی!"

کاغذ تکیے پر رکھ کر جولین نے چھری اس میں گھونپ دی اور اسے وہیں چھوڑ دیا۔ چند لمحے کے لیے اس نے اپنی کارکردگی کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا اور مطمئن ہوکر جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس ہولیا۔ پک اپ میں واپس جاتے وقت اس نے عقب نما آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ وہ بظاہر وہی جولین تھا لیکن اندر ہی اندر وہ اپنے آپ کو ایک نیا انسان محسوس کررہا تھا۔ ڈاکٹر گولڈ مین نے جو کچھ کہا تھا' ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ اس کی مسیحائی کا قائل تو پہلے ہی سے تھا لیکن اب اس کی ذہانت' نفسیات دانی اور معاملہ فہمی کا بھی قائل ہوگیا تھا۔

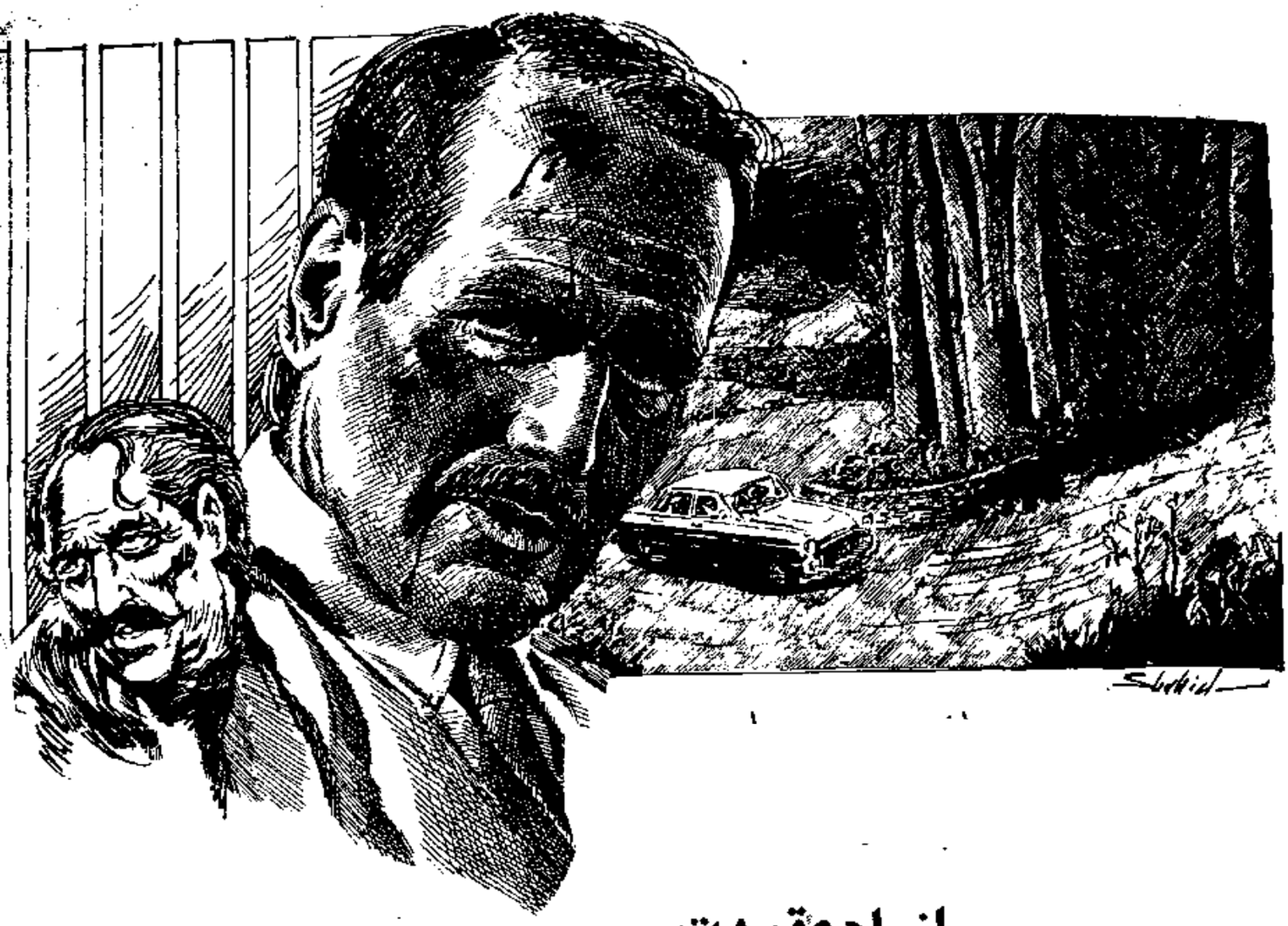
دوسرے روز ٹرین میں بیری ایکرمین موجود نہیں تھا اور جولین کی زندگی میں گویا سکون ہی سکون تھا۔ وہ بے اختیار مسکرائے جارہا تھا۔ اس نے گویا کوئی جنگ جیت کر اپنی ٹرین' اپنا ڈبا' اپنی سیٹ اور اپنا سکون واپس حاصل کرلیا تھا۔

اس کی نبض معمول پر آچکی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کی تخلیقی صلاحیت جاگ اٹھی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک سنسنی خیز ناول کا خاکہ ابھرنے لگا تھا اور وہ اپنے آپ کو اس قابل بھی محسوس کررہا تھا کہ دھیرے دھیرے اس خاکے میں رنگ بھرسکے۔ اگر وہ بڑے کامیاب ناول نگاروں کو ان کے نقائص دور کرنے اور بہتر سے بہتر ناول لکھنے کے سلسلے میں مشورے دے سکتا تھا تو خود ایک اچھا ناول کیوں نہیں لکھ سکتا تھا؟

پلاٹ خود بہ خود جیسے تہ در تہ اس کے سامنے کھلتا جارہا تھا۔ اب اسے صرف یکسوئی سے آہستہ آہستہ اسے لکھنا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ ایک زبردست ناول لکھنے میں کامیاب ہوگیا تو شاید آئندہ اسے "سی گرو دپریس" میں ملازمت اور باس کے کمرے میں جاکر غلاظت کی بدبو سونگھنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

ایک فیصلہ اس نے یہ بھی کیا تھا کہ آج ہی ایک موبائل فون خریدے گا اور کنکشن حاصل کرے گا۔ یہ کھلونا کچھ اتنا مہنگا تو نہیں تھا لیکن ساتھ ہی اس نے اپنے آپ کو یہ تاکید بھی کی تھی کہ وہ کبھی موبائل فون پر شیخی بھرے انداز میں یا اونچی آواز میں بات نہیں کرے گا!

○ ○



ازراہِ عقیدت

نجمہ مودی

تقدیر کا ایک مخالف جھونکا انسان کی زندگی بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ کہانی کار بھی ایک حادثے کے سبب جیل پہنچ کر ایک نئے ماحول میں آگیا تھا۔ ایسا ماحول جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا لیکن یہاں بھی اسے چاہنے والے مل گئے تھے اور وہ اپنا وقت اچھی طرح گزار رہا تھا مگر ابھی ایک حادثہ اور اس کا منتظر تھا۔

قسمت کی نیرنگی کا عجب تماشا، آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا کی مثال

راشد رضا اپنی پرانی مگر اچھی کنڈیشن کی گاڑی میں سپرہائی وے کے ذریعے کراچی سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہوا تھا۔ حیدر آباد میں اسے ایک دوست کی بیٹی کی شادی میں شرکت کرنا تھی اور ایک رات وہیں قیام کرنا تھا۔ وہ سرِشام کراچی سے روانہ ہوا تھا۔ اس سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی تھی کہ روانہ ہونے سے پہلے اس نے پرائیویٹ ٹی وی پروڈکشنز کرنے والے اپنے چند دوستوں کے ساتھ ان کے دفتر میں بیٹھ کر تھوڑی سی پی لی تھی۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ سنیچر کی شام وہ عام طور پر تھوڑی بہت پی ہی لیتا تھا پھر دوستوں کے ساتھ باہر کہیں کھانا کھالیتا تھا۔ ڈھلتی عمر میں اب گویا یہی اس کا ویک اینڈ منانے کا انداز تھا۔ وہ رنڈوا تھا اور دوسری شادی نہ کرکے اس نے اپنی دانست میں بڑی عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی عمر پچاس سے اوپر تھی۔ شادی کی اب اس کے دل میں کچھ ایسی زیادہ امنگ بھی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کی ایک بیٹی شادی شدہ تھی اور بیٹا یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ اتنے بڑے بچوں کی موجودگی میں دوسری شادی کا تصور اس کے دل میں کچھ جچتا نہیں تھا۔

ویسے بھی اب وہ بے فکری اور آزادی کی زندگی سے تھوڑا سا لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ اسے یہ زندگی اچھی محسوس ہوئی تھی جس میں کوئی روک ٹوک کرنے والا اور چخ چخ کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈنے والا نہیں تھا۔ گھر کے کام کاج کے لیے ایک پرانا اور منجھا ہوا ملازم موجود تھا۔ اسے کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں تھی۔

وہ جس فیلڈ میں تھا اس میں خاصی رنگینیاں تھیں۔ روز نت نئے لوگوں کو جاننے اور ان سے رسم و راہ بڑھانے کے مواقع موجود تھے۔ اس کی عمر خاصی ہونے کے باوجود مہرباں نظریں اس کا تعاقب کرتی تھیں اور بعض تو اچھی خاصی جوان عمر کی عورتیں۔۔ حتیٰ کہ لڑکیاں بھی اس سے شناسائی بڑھانے کے سلسلے میں خود پیش قدمی کرتی نظر آتی تھیں' تعارف کے بعد دوسرے دن سے ہی اسے گھر پہ یا اس کے موبائل پر فون کرنا شروع کردیتی تھیں۔

موقع محل اور اپنے موڈ کی مناسبت سے راشد رضا ان عورتوں یا لڑکیوں کے التفات سے فائدہ بھی اٹھالیتا تھا لیکن ان مراسم کو وہ ذرا بھی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ مطلب کے رشتے تھے اور جس قسم کی لڑکیاں یا عورتیں اس کی طرف پیش قدمی کرنے میں سرگرمی دکھاتی تھیں' ان کے مطلبی اور خود غرض ہونے میں اسے ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اصل میں شوبزنس کی عورتیں ہوتی تھیں اور راشد رضا شوبزنس کی عورتوں کو اچھی طرح جانتا تھا' سمجھتا تھا۔ وہ اپنے بارے میں کسی خوش فہمی میں۔۔ اور ان کے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہیں رہتا تھا۔

وہ خاصا جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس کے کام میں تخیل پرستی کا کافی دخل تھا لیکن وہ بذاتِ خود اپنی عملی زندگی میں تخیل پرست آدمی نہیں تھا۔ وہ ایک کامیاب اور پیشہ ور رائٹر تھا۔ برسوں تک اس نے ڈائجسٹوں اور دوسرے ایسے رسالوں میں لکھ کر دھوم مچائی جو ملکی حالات کی مناسبت سے کم از کم اتنا معاوضہ ضرور دیتے تھے کہ سفید پوشی کی زندگی گزارنا ممکن ہوسکے۔

اس کی شہرت بڑھی تو ٹی وی والے بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے سرکاری چینل کے لیے دو چار سیریلز لکھیں۔ اسی دوران میں پرائیویٹ چینل قائم ہونے لگے اور پرائیویٹ پروڈکشنز کو عروج ملنے لگا۔ راشد رضا اس طرف متوجہ ہوگیا۔ پرائیویٹ پروڈکشن والوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ شروع شروع میں بہت اچھا معاوضہ بھی دیا۔ اس کا شمار اچھے خاصے آسودہ حال لوگوں میں ہونے لگا۔

پرائیویٹ پروڈکشنز کا سیلاب زیادہ عرصے جاری نہیں رہا۔ راشد رضا پر جس رفتار سے روپیا برسنا شروع ہوا تھا وہ رفتار نہ رہی۔ راشد کے لیے شاید اس سے کچھ زیادہ فرق نہ پڑتا لیکن ایک حادثے نے اس کی زندگی کی بساط الٹ کر رکھ دی۔

وہ تھوڑی سی پی کر حیدر آباد کے لیے روانہ ہوا تو ڈرائیونگ کے بارے میں اسے ذرا سی بھی فکر نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی اس نے رات کے اندھیرے میں بارہا اس سے بھی زیادہ پی کر ہائی وے پر ڈرائیونگ کی تھی اور خیر و عافیت سے کراچی سے حیدر آباد یا حیدر آباد سے کراچی پہنچ گیا تھا۔ پی کر ڈرائیو کرنا اس کے لیے کبھی کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا۔۔ اور اس روز تو وہ جس وقت کراچی سے روانہ ہوا' اچھی خاصی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

ایک بات کو البتہ اس نے اہمیت نہیں دی تھی اور شاید وہی اس کے حق میں خطرناک ثابت ہوئی۔ ایک سیریل کا آخری حصہ نمٹانے کے سلسلے میں اسے مسلسل تین راتوں کے لیے دیر تک جاگنا پڑا تھا اور دن میں بھی سونے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ چنانچہ جب وہ حیدر آباد کے لیے روانہ ہوا تو بری طرح نیند کی کمی کا شکار تھا لیکن اس نے اپنی طبیعت پر اس کا کوئی خاص اثر محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ رت جگوں کا عادی تھا۔

اسے صحیح طور پر احساس بھی نہیں ہوسکا تھا کہ ہوا کیا تھا؟ وہ کراچی کی حدود سے نکلنے بھی نہیں پایا تھا۔ سہراب گوٹھ سے ڈیڑھ دو کلومیٹر آگے پہنچا تھا۔ ابھی گلشن معمار والا موڑ بھی نہیں آیا تھا۔ شاید دو چار سیکنڈ کے لیے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ شاید اس میں نشے کی لہر کو بھی کچھ دخل تھا۔ وہ اس وقت چونکا جب گاڑی نے کئی ہچکولے کھائے۔ اس نے آنکھیں پوری طرح کھولنے کی کوشش کی۔ اسے مبہم سا احساس ہوا کہ گاڑی شاید سڑک سے اتر گئی تھی۔ اس نے ونڈ اسکرین کے سامنے چند رنگین گٹھڑیاں سی ہوا میں اچھلتے اور ادھر ادھر بکھرتے دیکھیں۔

اسے کچھ مبہم سا احساس ہوا کہ شاید اس نے بہت سی چیخیں بھی سنی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ سمجھ پاتا کہ درحقیقت کیا ہوا تھا' گاڑی ایک بڑے سے پتھر سے ٹکرائی۔ اس نے شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا سنا۔ اسے گویا کسی نادیدہ طاقت نے بہت زور سے آگے دھکیلا۔ اسے اپنے سینے میں بڑی تکلیف کا احساس ہوا مگر دوسرے ہی لمحے شاید اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا اور تکلیف کا احساس معدوم ہوگیا۔ اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔ اس کے گرد گہرا سکوت چھاگیا۔ کائنات گویا خاموش ہوگئی تھی۔

اسپتال میں ہوش میں آنے کے بھی ایک دن بعد اسے صحیح طور پر معلوم ہوسکا تھا کہ درحقیقت کیا ہوا تھا۔ ایک مشہور اسکول کے کافی بچے گلشن معمار کے قریب ایک تفریحی مقام پر پکنک منانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر ان کی

بس خراب ہوگئی تھی۔ ڈرائیور کوئی پرزہ لینے سراب گوٹھ تک گیا ہوا تھا۔ بچے اور ان کی ٹیچرز سڑک کے کنارے کچے میں بس کے قریب اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ کچے میں ہی کچھ بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ راشد رضا کی گاڑی لہراتی ہوئی سڑک سے اتر کر بچوں کے ہجوم پر چڑھ دوڑی تھی۔ چار بچے موقع پر ہی ہلاک ہوگئے تھے۔ کئی زخمی ہوئے تھے۔

اگر معاملہ ایک بڑے اسکول کا نہ ہوتا تو شاید راشد پولیس، میڈیکو لیگل آفیسر اور دوسرے افسران کو کچھ کھلا پلا کر اور کچھ اپنے اثر رسوخ کو کام میں لاتے ہوئے بچ نکلتا لیکن ایک تو اسکول کی انتظامیہ نے اس کے خلاف محاذ بنالیا' دوسری بات یہ کہ بچے بھی غریب اور معمولی گھرانوں کے نہیں تھے۔ راشد رضا کی گردن بہت بری طرح پھنس گئی۔

اسکول کی ٹیچرز نے جب اس کی گاڑی کو لہراتے اور کچے میں اترتے دیکھا تھا' اسی وقت ان کے ذہنوں میں پہلا خیال یہی ابھرا تھا کہ ڈرائیو کرنے والا نشے میں دھت تھا۔ وہ نشے میں دھت نہ سہی لیکن اس کی بے ہوشی کے دوران میں ہی اس کا بلڈ ٹیسٹ وغیرہ کرالیا گیا تھا اور یہ حقیقت ریکارڈ پر آگئی تھی کہ حادثے کے وقت وہ نشے میں تھا۔ اسے بھی چوٹیں آئی تھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی خطرناک نہیں تھی۔

صرف یہ ثابت ہونا کہ حادثے کے وقت وہ نشے میں تھا' اس کے گلے کا پھندا بن گیا ورنہ شاید اس پر صرف قتلِ خطا کا مقدمہ بنتا جس کی زیادہ سے زیادہ سزا پچاس ہزار روپے جرمانہ اور چھ ماہ کی قید تھی۔ حادثات کے ذمے دار ڈرائیوروں کو اتنی سزا بھی نہیں ملتی تھی۔ اکثر کی اس سے کہیں کم میں ہی جان چھوٹ جاتی تھی۔

... مگر راشد رضا کو پندرہ سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ سپریم کورٹ نے بھی اس کی سزا برقرار رکھی تھی۔ اس کی ضمانت بھی نہیں ہوسکی تھی۔ گرفتاری کے بعد سے وہ جیل میں ہی تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی کی تقدیر یوں بھی پلٹا کھاسکتی ہے۔ اس کی سزا پر نظرِ ثانی کی اپیل فل بینچ کے پاس گئی ہوئی تھی لیکن کچھ ملکی حالات اور دیگر عوامل کی وجہ سے بہت سی اپیلوں کے ساتھ وہیں اٹک کر رہ گئی تھی۔ سال سے اوپر ہوگیا تھا کہ اس کا کوئی فیصلہ ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

اب تو اسے قرار سا آگیا تھا۔ وہ صبر و سکون سے جیل میں روز و شب گزار رہا تھا۔ اپنی اپیل کے سلسلے میں بھی اسے ناامیدی سی ہوچکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ فل بینچ نے اگر اس کی اپیل سماعت کے لیے منظور کرلی تب بھی سپریم کورٹ کے کراچی رجسٹری کا فیصلہ برقرار رہے گا۔

اس کی خوش قسمتی تھی کہ جیل میں اسے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اس کا نام' تعلقات اور روپیا کم از کم جیل میں ضرور کام آگیا تھا۔ وہ باقاعدہ طور پر اے یا بی کلاس میں تو نہیں تھا لیکن اسے بہت سے خاص قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا تھا جن پر جیل حکام کی نظرِ کرم تھی۔ وہ فوجی بیرک سے مشابہ بہت لمبی سی ایک بیرک تھی جس میں تقریباً ڈیڑھ سو قیدی فوجیوں ہی کے انداز میں رہتے تھے۔

فرق صرف یہ تھا کہ فوجیوں کی بیرک میں فوجیوں کی تعداد کم ہوتی تھی اور انہیں سونے کے لیے عموماً آہنی چارپائیاں ملی ہوتی تھیں جبکہ ان قیدیوں کے بستر فرش پر ہی لگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روحانی اسکالر محمد علی قادری، کا قرآنی آیات سے دم کیا ہوا

R.No.2002/0054

ثوم کیپسول®

کولسٹرول، بلڈ پریشر، امراض قلب اور موٹاپے میں مفید ہے۔ اس کیپسول کو دن میں دو مرتبہ استعمال کریں۔ ایک مہینے کی دوا 200 روپے، مکمل کورس (تین ماہ کی دوا یکمشت منگوانے کی صورت میں) 500 روپے۔ یہ کیپسول قریبی ڈاک خانے سے منی آرڈر کرکے منگوایا جاسکتا ہے۔ رقم موصول ہونے کے سات یوم کے اندر روانہ کردی جائے گی۔

ثوم جی کیپسول®

جوڑوں کے درد، دائمی قبض، شوگر، ابتدائی کینسر اور ٹی بی میں مفید ہے۔ اس کیپسول کو دن میں دو مرتبہ استعمال کریں۔ ایک مہینے کی دوا 200 روپے، مکمل کورس (تین ماہ کی دوا یکمشت منگوانے کی صورت میں) 500 روپے۔ یہ کیپسول قریبی ڈاک خانے سے منی آرڈر کرکے منگوایا جاسکتا ہے۔ رقم موصول ہونے کے سات یوم کے اندر روانہ کردی جائے گی۔

A-924 بلاک B-11 فیڈرل بی ایریا کراچی

فون نمبر 021-6974840

تھے۔ سب کے سرہانے ایک دو ٹرنک' کنستر وغیرہ رکھا ہوا تھا جن میں ان کی ضرورت کی ذاتی چیزیں تھیں۔ اس بیرک میں گیس کا چولہا بھی لگا ہوا تھا جس پر قیدی اپنی چائے وغیرہ بنا سکتے تھے۔ فارغ وقت میں قیدیوں کا دل بہلانے کے لیے ٹی وی بھی لگا ہوا تھا۔ یہاں کے بیشتر قیدیوں کو مشقت سے بھی نجات ملی ہوئی تھی لیکن وہ خود ہی دکھاوے کے لیے کام کے اوقات میں جیل کے مختلف حصوں میں ادھر ادھر چلے جاتے تھے۔ بعض کو کام سیکھنے کا شوق تھا۔ وہ کسی نہ کسی ورکشاپ میں چلے جاتے تھے۔ اب تو کسی مخیر ادارے کی وجہ سے جیل میں کمپیوٹر بھی آگئے تھے۔ بعض قیدی کمپیوٹر بھی سیکھ رہے تھے۔

جیل راشد کی توقعات سے کافی مختلف ثابت ہوئی تھی۔ اس نے سنا تھا کہ نئے سپرنٹنڈنٹ کے دور میں جیل کے ماحول میں بہت بہتری آئی تھی۔ اسے کچھ شرمندگی بھی ہوئی تھی کہ وہ اپنے کئی ڈراموں میں جیل کا اس سے بہت مختلف اور لرزہ خیز ماحول دکھا چکا تھا۔ اس نے کبھی جیل دیکھی ہی نہیں تھی۔ دوسروں کی فلموں اور ٹی وی ڈراموں میں دیکھے ہوئے مناظر اور سنی سنائی روایتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے کچھ تبدیلیوں کے ساتھ اپنے سین لکھ ڈالے تھے۔

تاہم اسے کچھ قیدیوں نے بتایا تھا کہ غریب' نادار' اثر رسوخ نہ رکھنے والے اور پیسا بھی خرچ نہ کرسکنے والے قیدیوں کے ساتھ جیل میں تقریباً ویسا ہی سلوک ہوتا تھا جیسا اس کے ذہن میں تھا۔ ان قیدیوں کی بیرکیں جس طرف تھیں' ادھر جیل کے دورے پر آنے والے صحافیوں' وکیلوں اور سماجی تنظیموں کے نمائندوں کو نہیں لے جایا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ان قیدیوں کو بھی ادھر جانے کی اجازت نہیں تھی جن پر جیل حکام کی نظرِ کرم تھی۔ راشد رضا کو اب ان کے حالات جاننے سے کوئی ایسی خاص دلچسپی رہی بھی نہیں تھی۔

وہ تو اسی پر خدا کا شکر کرتا تھا کہ وہ ان قیدیوں میں شامل نہیں تھا۔ اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ زندہ جیل سے باہر جاسکے گا۔ وہ یک دم ہی اندر سے ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ مضمحل سا ہوگیا تھا۔ اسے یوں لگنے لگا تھا جیسے اس کی زندگی زیادہ دن کی نہیں رہ گئی تھی۔ جیل میں اسے فرصت ہی فرصت میسر تھی۔ وہ چاہتا تو بہت کچھ لکھ بھی سکتا تھا لیکن لکھنے سے بھی اس کا دل اچاٹ ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی اپنے اس ڈپریشن سے وہ خود بھی خوف زدہ ہوجاتا تھا۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ حادثے کا منظر اس کے لاشعور میں گویا نقش ہوکر رہ گیا تھا۔ اکثر اسے خواب میں وہ منظر دکھائی دیتا اور ہر بار اسے ایسا ہی لگتا جیسے سچ مچ پہلی بار اسے وہ حادثہ پیش آرہا ہو۔ یہ خواب دیکھ کر وہ چیخ مار کر بیدار ہوتا۔ عام طور پر اس کے برابر کے بستر والا قیدی ریاض احمد ایسے موقعے پر اسے سنبھالتا۔ راشد کو خاصی شرمندگی ہوتی۔ اسے احساس ہوتا کہ ایسے موقع پر دوسرے قیدی عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے تھے۔

ریاض احمد حالانکہ ایک جسیم' اکھڑ اور تند خو آدمی تھا مگر وہ یہ جاننے کے بعد راشد کی عزت کرنے لگا تھا کہ وہ ایک رائٹر' ڈراما نویس اور پڑھا لکھا آدمی تھا۔ یوں تو بیرک کے تقریباً سبھی قیدی راشد کی عزت کرتے تھے لیکن ریاض احمد کا صرف بستر ہی اس کے نزدیک نہیں تھا' وہ گویا ذہنی طور پر بھی راشد کے قریب آگیا تھا حالانکہ راشد اس میں اور اپنی ذات میں کوئی قدر مشترک محسوس نہیں کرتا تھا۔

ریاض احمد نہایت کم پڑھا لکھا' نیم قبائلی اور اجڈ سا آدمی تھا۔ وہ دہرے قتل کے جرم میں عمر قید کاٹ رہا تھا۔ اس نے راشد کی کوئی کہانی نہیں پڑھی تھی البتہ دو ایک ڈرامے دیکھے تھے۔ وہ موڈ میں ہوتا تو کبھی کبھی راشد کا دماغ کھانے بیٹھ جاتا۔ شوبزنس کی دنیا کے بارے میں الٹے سیدھے سوال کرتا۔

اس روز سرِ شام ہی بیرک میں راشد کی آنکھ لگ گئی تھی۔ تمام قیدی مختلف مصروفیات کے سلسلے میں کہیں باہر تھے۔ صرف ریاض ہی اس کے قریب موجود تھا۔ ایک بار پھر حادثے کا خواب دیکھ کر راشد چیخ مار کر بیدار ہوا تو ریاض نے ہی اسے سنبھالا۔ اکثر ایسے موقع پر ریاض ہی اسے سنبھالتا تھا۔ راشد کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا اور اس کے جسم میں ارتعاش سا تھا۔

اس کی حالت سنبھلی تو ریاض ہمدردانہ لہجے میں بولا "لگتا ہے آپ نے پھر وہی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔"

"ہاں۔" راشد کمزور سی آواز میں بولا "اور ہر بار ایسا لگتا ہے جیسے وہ حادثہ سچ مچ پیش آرہا ہے۔ خواب کا تو اس پر گماں بھی نہیں گزرتا۔"

"خواب تو جاہے انتہائی بے تکے ہوں تب بھی ان پر خواب کا گماں نہیں گزرتا۔" ریاض احمد مدبرانہ انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سر ہلا کر بولا "ہم کوئی بھی خواب دیکھ رہے ہوں۔ لگتا یہی ہے جیسے وہ واقعہ سچ مچ پیش آرہا ہے۔"

"ہاں۔ واقعی۔" ریاض نے اثبات میں سر ہلایا۔

ریاض کچھ اور مدبرانہ انداز میں بولا "آپ کے لیے تو

ڈبل سزا ہوگئی۔ قید تو آپ کاٹ ہی رہے ہیں۔ یہ خواب بھی سزا سے کم نہیں ہے۔"

"شاید میں دہری سزا کا ہی مستحق تھا۔" راشد نہایت آہستگی سے بولا "میری وجہ سے چار معصوم زندگیوں کے چراغ گل ہوگئے۔ ایک معصوم بچہ ہمیشہ کے لیے معذور ہوگیا۔ ان کے والدین نے نہ جانے مجھے کتنی بددعائیں دی ہوں گی۔"

"ایسا ہوتا رہتا ہے راشد صاحب!" ریاض نے بے پروائی سے یہ کہتے ہوئے گویا راشد کو تسلی دینے کی کوشش کی "آپ نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا تھا۔ آپ نے اس حادثے کا اپنے دماغ پر بہت ہی زیادہ اثر لے لیا ہے۔ شاید اسی لیے بار بار آپ کو وہ سب کچھ خواب میں بھی نظر آتا رہتا ہے۔"

وہ دونوں گفتگو میں محو تھے۔ انہیں احساس نہیں ہوسکا تھا کہ ہیڈ کانسٹیبل راجا بابر اس دوران میں دروازے کے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اندر جھانکا تو ان دونوں کو اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔

راجا بابر اپنے مخصوص جھٹکے دار لہجے میں سنجیدگی سے بولا "راشد صاحب! آپ اتنی بری طرح چیخیں نہ مارا کریں۔ کوئی باہر کا بندہ اگر جیل کے دورے پر آیا ہوا ہو تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہاں قیدیوں پر دن دہاڑے تشدد ہوتا ہے۔"

راجا بابر ایک سخت گیر ہیڈ کانسٹیبل تھا اور اس وقت اس بیرک کی طرف عام طور پر وہی گشت پر ہوتا تھا۔ اس کی شخصیت بارعب ہرگز نہیں تھی لیکن اسے اپنا رعب داب قائم رکھنے کا بڑا شوق تھا۔ تاہم راشد کی وہ بھی خاصی حد تک عزت کرتا تھا ورنہ عام قیدیوں کو تو وہ چھوٹی موٹی بات پر فوراً بید رسید کردیتا تھا۔

"بے فکر رہو۔ تمہارے خلاف کوئی انکوائری نہیں ہوگی۔" ریاض اس کی طرف دیکھ کر ناگواری سے بولا "تم بس آرام سے اپنی ڈیوٹی دیتے رہو۔"

راجا بابر نے قہر آلود نظروں سے ریاض احمد کی طرف دیکھا۔ ریاض احمد کا شمار خطرناک قیدیوں میں ہوتا تھا۔ راجا بابر نے کبھی عملی طور پر اس پر رعب جمانے یا ہاتھ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ صرف آنکھوں ہی آنکھوں میں اس پر رعب قائم رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے قہر آلود نظروں سے ریاض کو دیکھنے پر اکتفا کیا اور آگے بڑھ گیا۔

○☆○

دوسرے روز راشد رضا کی اپنی بیٹی رابعہ سے ملاقات ملے تھی۔ وہ راشد پر نظر پڑتے ہی بولی "ڈیڈی! آپ بہت اداس اور تھکے تھکے دکھائی دے رہے ہیں۔ لگتا ہے آپ میرے مشورے پر عمل نہیں کرتے اور ساری ناگوار باتوں کا خیال ذہن سے جھٹک کر خوش رہنے کی کوشش نہیں کرتے۔"

"اگر یہ انسان کے بس میں ہوتا تو اس دنیا میں ہر انسان خوش نظر آتا بیٹا!" راشد مسکراتے ہوئے بولا۔

ملاقات کے بڑے سے کمرے میں سلاخوں کے پیچھے قیدی کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے کچھ فاصلے پر موٹے پائپوں سے اس طرح پارٹیشن بنے ہوئے تھے جس طرح ریلوے اسٹیشن پر ٹکٹ کی کھڑکیوں کے سامنے بنے ہوتے ہیں۔ ملاقاتی ان پائپوں کے درمیان قطاریں بنا کر کھڑے ہوتے تھے اور سب کے سب دور ہی سے بیک وقت چیخ چیخ کر اپنے قیدی سے باتیں کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن راشد کو جیل میں جو رعایتیں حاصل تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس کی بیٹی سلاخوں کے بالکل قریب آکر اس سے اطمینان سے بات کرسکتی تھی۔

"آپ نے تو اس حادثے کی یاد کو ایک روگ کی طرح دل سے لگالیا ہے۔" رابعہ بولی۔ وہ کم عمر تھی مگر اس کا اندازِ گفتگو اکثر بزرگانہ ہوتا تھا حتیٰ کہ باپ کے ساتھ بھی۔ اسی طرح سمجھ داری اور تدبّر سے وہ دوسروں کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتی تھی.... یا کم از کم کوئی حل تلاش کرنے کی کوشش ضرور کرتی تھی اور متعلقہ شخص کے سامنے اپنی تجویز رکھ دیتی تھی۔

"میں نے یہ روگ دل سے نہیں لگایا' خود بہ خود لگ گیا ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ ان بچوں کے والدین مجھے کس طرح کوستے ہوں گے۔" راشد بولا۔

"میرا خیال ہے آپ زیادہ پریشان اس لیے رہتے ہیں کہ یہاں سوچنے کے لیے آپ کو گھوم پھر کر یہی ایک موضوع ملتا ہوگا۔" رابعہ گویا مسئلے کی تہ تک پہنچتے ہوئے بولی "آپ کے سامنے سوچ بچار کے لیے دوسری چیزیں بھی ہونی چاہئیں۔ میں اگلی مرتبہ آؤں گی تو آپ کے لیے بہت سے رسالے لاؤں گی جن میں آپ کی کہانیاں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ وہ رسالے پڑھا کیجئے۔ اپنی کہانیوں کے علاوہ دوسروں کی کہانیاں بھی پڑھا کیجئے گا۔ وقت اچھا گزرے گا۔"

"ہاں.... آئیڈیا تو اچھا ہے۔" راشد بولا "میری آخری کہانی چھپے بھی کئی برس گزر گئے ہیں۔ جب سے میں ڈراموں کی طرف متوجہ ہوا' رسالوں میں لکھنا تو میں نے چھوڑ ہی دیا

تھا حالانکہ وہ کام مجھے زیادہ پسند تھا۔ ڈرامے لکھنا تو مجھے مستریوں والا کام لگتا تھا۔ فلاں پرزہ فلاں جگہ فٹ کرنا ہے۔ فلاں پرزہ فلاں جگہ فٹ کرنا ہے.... لیکن زیادہ مالی فائدے اور زیادہ شہرت کی وجہ سے میں اس طرف آگیا تھا۔"

"بس تو پھر.... آپ اپنی اس دور کی کہانیاں پڑھا کیجئے گا جب آپ دوسروں کی فرمائش پر نہیں' اپنی پسند کی چیزیں لکھا کرتے تھے۔ آپ کو ایک اچھا مشغلہ مل جائے گا۔ میں جیل سپرنٹنڈنٹ صاحب سے رسالے یہاں لانے کی اجازت لے لوں گی۔"

راشد بیٹی سے ملاقات کے بعد بیرک میں واپس پہنچا تو ریاض وہاں موجود تھا۔ وہ بغور راشد کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا "لگتا ہے بیٹی کوئی خوش خبری سنا کر گئی ہے۔ بہت خوش نظر آرہے ہیں۔"

"نہیں.... ایسی تو کوئی بات نہیں۔" راشد دھیمے لہجے میں بولا "بیٹی نے تو صرف اتنا ہی کہا ہے کہ وہ وقت گزاری کے لیے مجھے پرانے رسالے لاکر دے گی جن میں میری کہانیاں چھپتی تھیں۔"

ریاض ایک لمحے خاموش رہ کر گویا کچھ سوچنے کے بعد بولا "راشد صاحب! آپ کو پتا ہے ہم پڑھنے لکھنے والے لوگ تو ہیں نہیں.... میں نے زندگی میں رسالے صرف دو چار ہی پڑھے ہیں۔ وہ بھی فلمی قسم کے لیکن مجھے ایک بات معلوم ہے کہ کہانیوں میں بھی.... اور فلموں میں بھی.... اکثر یہی دکھایا جاتا ہے کہ برے آدمیوں کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ کیا آپ نے بھی اپنی کہانیوں میں ایسا ہی دکھایا ہے اور کیا سچ مچ دنیا میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے؟"

راشد اپنی یادوں کو کھنگالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "میری زیادہ تر کہانیوں میں تو برے آدمیوں کا انجام برا ہی ہوا ہے لیکن کبھی کبھی اچھے آدمی بھی برے انجام سے دوچار ہوجاتے ہیں۔ میری بعض کہانیوں میں بھی ایسا ہوا ہے۔ یہ تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں۔ شاید اس میں قدرت کی کوئی مصلحت ہوتی ہو جسے ہم سمجھ نہ پاتے ہوں۔"

"جیسے آپ اچھے آدمی ہیں مگر برے حالات میں آن پھنسے ہیں۔" ریاض اپنے مخصوص خمار زدہ سے انداز میں مسکرایا۔

"خیر.... میں کچھ اتنا اچھا آدمی بھی نہیں ہوں۔" راشد بھی مسکرایا "اور مجھے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں کچھ ایسے زیادہ برے حالات سے بھی دوچار نہیں.... میں اس جیل میں سزا کاٹنے والے دوسرے بہت سے لوگوں سے بہت بہتر حال میں ہوں۔ میں اب یہاں کوئی خاص تکلیف محسوس نہیں کرتا البتہ دنیا سے کٹ جانے کا احساس ہے جو کبھی کبھی اداس کردیتا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں راشد صاحب!" ریاض اس کے بالکل قریب ہوکر دوستانہ اور معنی خیز انداز میں اس کا کندھا دباتے ہوئے بولا "ایک نہ ایک دن میں آپ کو آپ کی دنیا میں واپس لے جاؤں گا۔"

پھر وہ خود ہی گویا اپنے خیال کی نفی کرتے ہوئے بولا "لیکن.... نہیں آپ اپنی دنیا میں واپس جائیں گے تو آپ کا پیچھا کیا جائے گا۔ آپ کو تلاش کرلیا جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ آپ میرے ساتھ میری دنیا میں چلئے گا۔ کوئی آپ کو تلاش نہیں کرسکے گا اور آپ کو زندگی گزارنے کا پہلے سے زیادہ مزہ آئے گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ آپ جیسے لوگ ہم جیسے لوگوں کے لیے بڑے کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں کیونکہ آپ جیسے لوگوں کے پاس دماغ ہوتا ہے۔ ہم جیسے لوگ دماغ کی طرف سے ذرا مار کھاتے ہیں۔"

راشد ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کا مطلب پوری طرح نہیں سمجھا تھا تاہم جس حد تک سمجھ پارہا تھا' وہ بھی اس کے خیال میں محض ایک بدمعاش کی "بڑک" ہی تھی۔ اس سے لطف اندوز ہونے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ریاض ایک جسیم' اکھڑ اور بدمزاج آدمی تھا مگر راشد کے لیے نہیں۔ راشد کے ساتھ اس کا رویہ مؤدبانہ تھا اور راشد اپنے آپ کو اس کی موجودگی میں بڑا محفوظ سا محسوس کرتا تھا۔ اس کے مضبوط وجود سے گویا راشد کو بھی تقویت میسر آتی تھی۔

ریاض ایک بار پھر دوستانہ انداز میں اس کا کندھا دبا کر بولا "آپ یقین کریں جب آپ ہمارے ساتھ ہماری دنیا میں چلیں گے تو آپ کو پہلے سے زیادہ زندگی کا مزہ آئے گا بلکہ شاید آپ محسوس کریں گے کہ زندگی شروع ہی اب ہوئی ہے.... اس سے پہلے تو میں جھک مار رہا تھا۔"

"خیر.... ایسی تو بات نہیں ہے۔" راشد مربیانہ انداز میں مسکرایا "لیکن تم جو کچھ کہہ رہے ہو.... ان سوچوں سے دل بہلانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔"

○☆○

رابعہ نے سارے پرانے ڈائجسٹ اور دیگر رسالے ٹین کے ایک ٹرنک میں بھر کر اسے لادیے تھے اور اپنے دوسرے دو ٹرنکوں کے ساتھ اس نے وہ ٹرنک بھی سرہانے رکھ لیا تھا۔ ان رسالوں کا مطالعہ کرنے سے اس کی کیفیات

میں واقعی بڑی تبدیلی آئی۔ اس کا ڈپریشن بہت کم ہوگیا۔ اس نے پرانے ترین رسالے سے پڑھنا شروع کیا تھا اور ایک ایک مہینہ کرکے آگے کی طرف آنا شروع کیا تھا۔

ان رسالوں میں وہ رسالہ بھی شامل تھا جس میں اس کی پہلی ایسی کہانی چھپی تھی جس کا اسے معاوضہ ملا تھا۔ وہاں سے گویا اس کے پیشہ ور رائٹر بننے کی بنیاد پڑی تھی۔ اس بات کو تیس برس گزر چکے تھے۔ اس وقت وہ نو آموز تھا لیکن اب تنقیدی نظر سے بھی اپنی کہانی پڑھ کر اسے احساس ہوا کہ رسالے والوں نے خواہ مخواہ ہی اسے نہیں چھاپ دیا تھا۔ اس کی تحریر میں اس وقت بھی بڑی جان تھی اور وقت کے لحاظ سے پلاٹ میں بھی بڑا نیا پن تھا۔ کہانی اس نے گویا کسی الہامی سی کیفیت میں لکھی تھی۔ مزید چند کہانیاں پڑھنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ درحقیقت وہ پیدائشی طور پر رائٹر ہی تھا۔ لکھنے کی صلاحیت اسے قدرت کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی۔ اس نے کسی سے کچھ سیکھا نہیں تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی تحریر میں خود بہ خود مزید پختگی اور نکھار آیا تھا۔

ہیڈ کانسٹیبل راجا بابر کو بھی معلوم ہوچکا تھا کہ راشد کے پاس اس کے پرانے رسالوں کا ذخیرہ آیا ہے۔ اس نے ایک ایک کرکے رسالے اس سے مانگ کر لے جانے شروع کردیے تھے۔ تمام رسالے پرانے ہونے کے باوجود اچھی حالت میں تھے۔ راشد نے گو کہ برسوں سے انہیں کھول کر نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے انہیں رکھا بڑی حفاظت سے تھا۔ اب راجا بابر کو بھی اس نے رسالے اس وعدے پر دینے شروع کیے تھے کہ وہ انہیں خراب نہیں کرے گا' حفاظت سے رکھے گا اور اسی حالت میں واپس لا کر دے گا۔

راجا بابر نے حیرت انگیز طور پر اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔ وہ راشد سے رسالہ لے جانے کے بعد اس پر کاغذ سے کور چڑھا لیتا تھا اور اسی طرح بہ حفاظت واپس لا کر اس کے حوالے کرتا تھا۔ راشد کو ہیڈ کانسٹیبل کے عہدے کے کسی پولیس والے سے اتنے سلیقے کی امید نہیں تھی۔ راشد نے بھی محسوس کیا کہ راجا بابر جوں جوں اس کے رسالے پڑھتا جارہا تھا' اس کی نظر میں گویا اس کی عزت بڑھتی جارہی تھی۔ اب تو اسے اپنی ڈیوٹی کی فکر کم ہی ہوتی تھی۔ ڈیوٹی کے دوران میں بھی وہ زیادہ تر راشد ہی کے آگے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ اس کی ضروریات کا خیال رکھتا تھا اور داروغہ سے کہہ کر اسے زیادہ سے زیادہ سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

آخر کار ایک روز اس کی عنایات میں اضافے کی وجہ راشد کی سمجھ میں آگئی۔ ایک شام جبکہ راشد اپنی بیرک کے سامنے لگے ہوئے پودوں کی قطار کے ساتھ ٹہلتا ہوا ذرا دور تک چلا گیا تھا اچانک ایک طرف سے راجا بابر نمودار ہوا اور راشد کے ساتھ چلتے ہوئے بولا "مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔"

"ضرور کرو بھئی۔ تمہیں کون روک سکتا ہے؟" راشد نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

راجا بابر نے دزدیدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا گویا اطمینان کررہا ہو کہ کوئی ان کی طرف متوجہ تو نہیں تھا پھر وہ قدرے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "وہ .... راشد صاحب.... بات دراصل یہ ہے کہ مجھے بھی لکھنے کا شوق ہے .... کہانیاں لکھنے کا...."

"اچھا....؟ واقعی....؟" راشد نے حیرت اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

راجا بابر کچھ اور شرما گیا۔ اس کے گالوں پہ سرخی دوڑ گئی اور مونچھیں پھڑپھڑانے لگیں۔ بید اس کی بغل میں دبا ہوا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں مروڑتے ہوئے بولا "مگر کوئی رسالہ میری کہانی نہیں چھاپتا۔ میں نے کئی ڈائجسٹوں اور دوسرے رسالوں کو کہانیاں بھیجی ہیں مگر چھاپنا تو درکنار.... کسی نے میرے خط کا جواب تک نہیں دیا۔"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر گویا نئے حوصلے سے سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا "میرا دل ٹوٹ گیا تھا.... میں مایوس ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی مجھے غصہ بھی بہت آتا تھا۔ میں دعا کرتا تھا کہ کبھی ان رسالوں میں سے کسی کا ایڈیٹر کسی چکر میں پھنس کر جیل آجائے تو اس کی ذرا اچھی طرح خبر لوں گا۔"

پھر گویا اسے کچھ یاد آیا۔ چونکتے ہوئے بولا "ہاں.... صرف ایک مرتبہ ایک رسالے کے ایڈیٹر نے مجھے خط لکھ کر مشورہ دیا تھا کہ ایک تو میں مزید کافی عرصے تک رسالوں کو اچھی طرح مطالعہ کروں اور دوسرے یہ کہ اپنی کہانیاں کسی پرانے' تجربہ کار اور منجھے ہوئے رائٹر کو دکھا لیا کروں۔ اب بتائیے بھلا.... پرانے' تجربہ کار اور منجھے ہوئے رائٹر جیل میں بھلا کہاں ملتے ہیں؟ ادھر اپنے دن رات تو زیادہ تر جیل میں ہی گزرتے ہیں۔ میرا تو کوارٹر بھی یہیں جیل کی چاردیواری میں ہی ہے.... اور ڈیوٹی اکثر اتنی لمبی اور سخت قسم کی ہوتی ہے کہ ادھر ادھر کہیں جانے کا وقت ہی نہیں ملتا.... اب یہ شاید آپ کی بدقسمتی لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ اللہ میاں نے آپ کو جیل بھیج دیا۔ اگر آپ ایک نظر میری کہانیاں دیکھ لیا کریں.... انہیں ٹھیک ٹھاک کردیا کریں اور لکھنے لکھانے

کے سلسلے میں مجھے کچھ مفید مشورے دے دیا کریں تو میں آپ کی اور بھی زیادہ خدمت کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"بھئی ... میں جس قابل ہوں اس حد تک ضرور تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔" راشد نے انکساری سے کہا۔

"بلکہ ہوسکے تو مجھے کسی ایڈیٹر کے نام سفارشی خط بھی لکھ دیں۔ آج کل تو جی ہر کام میں سفارش چلتی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے راجا... لیکن لکھنے کے کام میں سفارش کا کوئی فائدہ نہیں۔" راشد جلدی سے بولا "اچھے رسالے میں کہانی تبھی چھپ سکتی ہے جب ان کے مطلب کی ہو۔ بے کار قسم کی کہانی اچھی بھلی سفارش کے ساتھ بھی نہیں چھپ سکتی۔ البتہ سفارش کا بس اتنا فائدہ ہوسکتا ہے کہ بعض ایڈیٹر حضرات یا ان کے نائب وغیرہ ڈاک میں آنے والی کہانیوں پر محض سرسری سی نظر ڈال کر ہی ان کے بارے میں اندازہ لگا کر انہیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ سفارش سے بس اتنا ہوجائے گا کہ وہ اسے ذرا توجہ سے پڑھ لیں گے لیکن اگر کہانی میں جان نہ ہوئی تو پھر وہ سفارش کے باوجود نہیں چھپ سکے گی۔"

"چلیں... ٹھیک ہے۔" راجا بابر قدرے مایوسی سے بولا "آپ کم سے کم میری کہانیوں کو کچھ ٹھیک ٹھاک کرنا اور ان کے بارے میں مشورے دینا تو شروع کریں۔ آپ مجھے اپنا باقاعدہ شاگرد سمجھیں۔ شاید آپ کی شاگردی میں ہم نالائق بھی کسی قابل ہوجائیں۔"

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔" راشد نے خلوص سے کہا۔

"ایک کہانی تو میں ابھی آپ کو دے سکتا ہوں۔" راجا اجازت طلب انداز میں بولا۔

"دے دو۔" راشد بولا۔

راجا بابر نے ایک بار پھر محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا پھر جیب سے تہ شدہ کاغذات نکال کر جلدی سے اس کے حوالے کرتے ہوئے رازدارانہ اور منت آمیز لہجے میں بولا "دیکھئے... کسی سے ذکر نہ کیجئے گا... اگر قیدیوں میں بھی آپ نے کسی سے ذکر کیا تو بات میرے ساتھیوں اور افسروں تک ضرور پہنچ جائے گی اور وہ میرا بڑا مذاق اڑائیں گے کہ میٹرک پاس ہیڈ کانسٹیبل رائٹر بننے چلا ہے۔"

"بے فکر رہو۔ میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔" راشد نے اسے تسلی دی۔

دوسرے روز راشد اور چند دوسرے قیدیوں کو دکھاوے کے لیے مشقت کی غرض سے ورکشاپ میں بھیج دیا گیا۔ وہ گاڑیوں کی ورکشاپ تھی جو ایک بڑے سے چھپر کے نیچے قائم تھی۔ وہاں جیل سے عدالت تک آمدورفت کے لیے استعمال ہونے والی اور بعض افسران کے استعمال میں رہنے والی گاڑیوں کی مرمت اور سروس وغیرہ ہوتی تھی۔ بعض قیدیوں کو گاڑیوں کا کام آتا تھا۔ ان سے سچ مچ خوب اچھی طرح کام لیا جاتا تھا۔ بعض ان کی مدد پر مامور ہوتے تھے۔ بعض کو صرف دکھاوے کے لیے وہاں یا کسی دوسری ورکشاپ میں چھوٹے موٹے کاموں پر لگا دیا جاتا تھا۔

راشد کے ساتھ ریاض احمد بھی وہاں موجود تھا۔ کھانے کے وقفے میں اس نے رازدارانہ انداز میں راشد کو مطلع کیا "ہم نے جیل سے بھاگنے کا پروگرام بنالیا ہے۔ دو اور آدمی میرے ساتھ ہیں۔ سارا پروگرام سیٹ ہوگیا ہے.... اور ہم آپ کو بھی اپنے ساتھ بھگا کر لے جائیں گے۔"

"لیکن میرا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں...." راشد حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ وہ کہنا چاہتا تھا "بھائی! کیا میں نے تم سے ایسی کوئی درخواست کی تھی؟"

"آپ کو کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔ بس آپ پروگرام کے مطابق ہمارے ساتھ رہیے گا۔" ریاض احمد نے گویا اس کا کوئی خوف دور کیا۔

"بات کچھ کرنے یا نہ کرنے کی نہیں ہے۔" راشد نرمی سے بولا "میں جیل سے بھاگنا چاہتا ہی نہیں۔"

"لگتا ہے آپ کو جیل کی زندگی کچھ زیادہ ہی پسند آگئی ہے۔" ریاض احمد کے لہجے میں طنز جھلک آیا۔

"جیل کی زندگی پسند تو خیر کسے آسکتی ہے۔" راشد نے نیچی آواز میں بات جاری رکھی "لیکن یہ بات ضرور ہے کہ مجھے یہاں کوئی خاص تکلیف نہیں۔ البتہ بھاگنے کے بعد شاید صرف میرے لیے ہی نہیں، میرے بچوں کے لیے بھی مسائل پیدا ہوجائیں گے۔ پولیس انہیں تنگ کرے گی۔"

"آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ ہمارے ساتھ عیش کریں گے اور یہ بھی میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں کہ پولیس وغیرہ آپ کے بچوں کو بالکل تنگ نہیں کرے گی۔ اگر کوئی انہیں تنگ کرے گا تو ہم اس کی ایسی کی تیسی کردیں گے۔ آپ کو ابھی اندازہ نہیں ہے کہ ریاض احمد کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں.... روٹین کی کارروائی البتہ ضرور ہوگی۔ پولیس بس خانہ پری کے لیے پوچھ گچھ کرنے آپ کے بچوں کے پاس جائے گی۔ اس سے زیادہ کوئی کچھ کرے گا تو ہم اسے دیکھ لیں گے۔"

"تمہاری بڑی مہربانی.... لیکن پھر بھی.... تم مجھے اپنے ساتھ شامل مت کرو۔" راشد ایک عجیب سا اضطراب اور الجھن محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح ریاض کو غصہ دلائے بغیر اس بات پر آمادہ کرلے کہ وہ اپنے پروگرام میں اسے شامل نہ کرے۔

"آپ یہ نہ سمجھیں کہ بھاگنے کے پروگرام میں آپ کو کسی خطرے کا سامنا کرنا پڑے گا۔" ریاض نے گویا ایک بار پھر اسے تسلی دی "آپ کے لیے کوئی خطرہ وغیرہ نہیں ہوگا.... جو کچھ بھی کریں گے ہم کریں گے...." پھر ریاض نے ایک عجیب سے اندرونی جوش کے تحت اپنا سارا منصوبہ اسے بتا بھی دیا۔

"منصوبہ تو اچھا ہے۔" راشد ملائمت سے بولا "لیکن میں نے بتایا نا کہ میرا اس چکر میں پڑنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ مجھے اپنی اپیل کی سماعت شروع ہونے کا بھی انتظار ہے۔ ممکن ہے میں بری ہی ہوجاؤں یا پھر میری سزا بہت کم ہوجائے۔"

"آپ بھی شیخ چلی کے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔" ریاض دھیرے سے استہزائیہ انداز میں ہنسا "فیصلہ سپریم کورٹ کے کسی بھی رجسٹر نے کیا ہو.... فل بینچ کے سامنے جانے سے اس میں کبھی کبھار ہی کوئی فرق پڑتا ہے.... اسی لیے تو ایسے کیس کافی کافی عرصے تک لٹکے ہی رہتے ہیں۔ ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔"

پھر اس نے گویا راشد کی قسمت پر افسوس کرتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لی اور ترحم آمیز لہجے میں بولا "ہم نے تو آپ کے کام آنے کی کوشش کی تھی۔ ہم تو آپ کے قدرداں ہیں۔ بس پتا نہیں کیوں ہمارے دل میں آپ کی بڑی عزت پیدا ہوگئی ہے۔ آپ موقع سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے تو آپ کی مرضی۔" اس نے گویا راشد کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور راشد نے سکون کی سانس لی۔

○☆○

راجا بابر کی کہانی بالکل بے کار تھی۔ انداز تحریر بچکانا تھا۔ املا تک درست نہیں تھا۔ اس نے کہانی جیل کے پس منظر میں ہی لکھی تھی اور یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ تمام قیدی اول درجے کے بدمعاش اور خبیث تھے۔ جیل کے ایک گارڈ کو اس نے ہیرو دکھایا تھا جو بہت ہی نیک اور شریف آدمی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بہادر بھی تھا۔ اس نے تن تنہا ایک مرتبہ جیل میں ہونے والی بغاوت کو بھی ناکام بنادیا تھا۔ کہانی پڑھ کر راشد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں رہا تھا کہ کہانی کے بارے میں راجا بابر کو اپنی رائے سے آگاہ کرنے کے لیے وہ کون سے الفاظ استعمال کرے جن سے راجا کو کم سے کم صدمہ ہو۔ کہانی کے مسودے پر اس کی تصحیح بھی ممکن نہیں تھی لیکن راشد اپنی بے لاگ رائے سے راجا کو آگاہ کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پا رہا تھا۔ راجا نے جتنے شوق سے کہانی اس کے حوالے کی تھی' اسے دیکھتے ہوئے وہ اس کی دل شکنی کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

اس کے علاوہ راشد کے ذہن کے کسی گوشے میں ایک دھندلا سا خیال یہ بھی تھا کہ اگر راجا کوشش کرتا رہا تو کیا پتا کسی روز وہ ایک کامیاب رائٹر بن ہی جائے۔ قدرت کے کاموں کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ خاص طور پر شوبزنس میں تو راشد نے خود دیکھا تھا کہ بعض لوگوں نے ادھر ادھر سے کچھ چرا کر اور کچھ الٹا سیدھا اپنے پاس سے ملا کر کھچڑی سی بنا کر پروڈیوسروں کو دینا شروع کیا تو ان کی زبان و بیان تو کیا' املا تک درست نہیں تھا لیکن جلد ہی وہ مصروف ڈراما نگار بن گئے اس لیے وہ راجا بابر کے بارے میں بھی کسی حتمی رائے کا اظہار کرنا بالکل ہی مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

آخر کار اس نے نہایت سوچ سمجھ کر' نرم ترین الفاظ منتخب کرتے ہوئے اور ان میں ہمت افزائی کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی رائے ایک کاغذ پر لکھنا شروع کی۔ اس کے خیال میں راجا بابر کے سامنے زبانی اپنی رائے کا اظہار کرنے کی نسبت اپنا تبصرہ اور اپنے مشورے تحریری شکل میں اسے دے دینا بہتر تھا۔ زبانی بات کرنے میں کہیں نہ کہیں زبان پھسلنے کا اندیشہ تھا۔

حتی الامکان مختصر اور جامع انداز میں سب کچھ لکھنے کے بعد اس نے وہ کاغذ مسودے کے ساتھ منسلک کردیا اور مسودے کو پہلے ہی کی طرح تہ کرکے جیب میں رکھ لیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ مناسب موقع دیکھ کر جلدی سے مسودہ راجا بابر کے حوالے کرکے وہاں سے کھسک لے گا۔ زبانی کچھ نہیں کہے گا۔

○☆○

ریاض احمد کو دل ہی دل میں بہت افسوس تھا کہ راشد نے اس کی پیش کش قبول نہیں کی تھی۔ وہ نہ جانے کیوں راشد کے لیے اپنے دل میں ایک عجیب سی اپنائیت محسوس کرنے لگا تھا۔ شاید اس میں اس کی محرومیوں کو بھی کچھ دخل رہا ہو۔ گو کہ وہ موٹے دماغ کا آدمی تھا۔ نازک باتوں کو محسوس کرنا یا دل سے لگا کر رکھنا اس کی فطرت نہیں تھی لیکن

لاشعور کی کارستانیوں سے وہ بہرحال بے خبر تھا۔

اسے بس اتنا معلوم تھا کہ باپ کا سایہ بچپن میں ہی اس کے سر سے اٹھ گیا تھا۔ بڑے بھائی نے کسی حد تک اس کا خیال رکھا تھا لیکن بہت زیادہ نہیں۔ بڑا بھائی آگے چل کر اچھا خاصا کامیاب بزنس مین بن گیا تھا لیکن ریاض اس دوران میں پر پیچ حالات اور واقعات کی بھول بھلیوں سے گزرتا ہوا کافی مشہور یا بدنام قسم کا بدمعاش بن گیا تھا۔

بھائی نے اس دوران میں اس سے قطع تعلق کرلیا تھا۔ ریاض جب بدمعاشی کے ابتدائی دور میں دو چار مرتبہ چھوٹے موٹے چکروں میں گرفتار ہوا' بڑے بھائی نے تبھی اس سے تعلق توڑ لیا تھا پھر اس پر بازارِ حسن کی ایک رقاصہ کے اغوا کا مقدمہ بنا اور پولیس نے ایک بار پھر اس سلسلے میں بھی بڑے بھائی کو تنگ کیا تو اس نے باقاعدہ اخبار میں ایک بڑا سا اشتہار دے کر ریاض سے اعلانِ لاتعلقی کیا جس کا ریاض کو زیادہ صدمہ تھا۔ بھائی کی اس حرکت پر ایک بار تو اس کا جی چاہا تھا کہ جاکر اسے بھی شوٹ کردے۔ اس نے بہ مشکل اپنے آپ کو باز رکھا تھا۔ رہ رہ کر اسے یہی خیال آتا تھا کہ بھائی نے تعلق تو بہت عرصے پہلے ہی توڑ لیا تھا لیکن دنیا والوں کے سامنے اتنے توہین آمیز انداز میں اس کا اعلان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر پولیس نے اسے تھوڑا بہت تنگ کرلیا تھا تو اس میں اتنا چراغ پا ہونے کی کیا بات تھی؟ اس کے پاس تو پولیس کو کھلانے کے لیے بہت پیسا تھا۔ ویسے تو اس نے کبھی آڑے وقت میں ریاض کو پانچ دس ہزار روپے بھی نہیں دیے تھے لیکن مصیبت کے وقت میں پولیس کو کھلاتے ہوئے بھی اس طرح اس کی جان جائے گی' یہ ریاض کو توقع نہیں تھی۔

راشد کی صورت میں شاید اسے ان گمشدہ رشتوں کا عکس نظر آتا تھا جنہیں وہ قائم رکھنا چاہتا تھا مگر وہ قائم نہیں رہ سکے تھے۔ جیل سے فرار کے بعد اس نے راشد کو اپنے مربی' سرپرست اور بڑے بھائی کی حیثیت سے ساتھ لے کر چلنے کے بڑے خواب دیکھے تھے لیکن راشد نے اس کے سب خواب چکنا چور کردیے تھے۔ وہ شاید ابھی تک اپنی شرافت کی زندگی اور نہ جانے کون سی موہوم امیدوں کے تصور سے چمٹا ہوا تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس روز ریاض اکیلا خاصی دل شکستگی کے سے عالم میں ورکشاپ سے واپس آرہا تھا۔ اندر ہی اندر اسے کچھ غصے کا ابال بھی اٹھتا محسوس ہورہا تھا۔ اچانک اس کی نظر بیرک کے کونے پر ایک درخت کے قریب کھڑے راشد پر پڑی۔ وہ اپنی جیب سے کچھ تہ شدہ کاغذ نکال کر ہیڈ کانسٹیبل راجا بابر کو دے رہا تھا۔

دونوں کا انداز بڑا رازدارانہ سا تھا۔ راجا بابر نے کاغذات لے کر جلدی سے پتلون کی جیب میں رکھ لیے اور دزدیدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ ریاض جلدی سے دیوار کی اوٹ میں ہوگیا۔ ان دونوں نے ریاض کو نہیں دیکھا تھا۔ ریاض کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے انجانے میں اچانک اس کی نظر میں کوئی ایسا منظر آگیا ہو جسے راز رہنا چاہیے تھا.... مگر راز کی بات کیا تھی؟ یہ اسے اندازہ نہیں ہورہا تھا۔

اس نے جب دوبارہ دیوار کی اوٹ سے سر نکالا تو وہ دونوں غائب ہوچکے تھے مگر ریاض کے ذہن میں وہ ایک عجیب سی الجھن چھوڑ گئے تھے۔

اس شام جب بیرک میں راشد اور ریاض یکجا ہوئے تو ریاض نیچی آواز میں بولا "آج کل آپ راجا بابر کو بڑی لفٹ کرا رہے ہیں۔" لہجہ چبھتا ہوا سا تھا۔

"ہاں.... شاید...." راشد مبہم سے لہجے میں بولا "اچھا آدمی ہے وہ.... اس کی عادتیں عام پولیس والوں سے کافی مختلف ہیں۔"

راشد کو معلوم تھا کہ ہیڈ کانسٹیبل راجا بابر کو ریاض بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ اس ناپسندیدگی کی وجہ شاید خود ریاض کو بھی معلوم نہیں تھی۔ راشد گویا اس وقت راجا کی طرف سے ریاض کا دل صاف کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"پہلے تو راجا آپ کو اتنا اچھا نہیں لگتا تھا۔" ریاض بدستور تیکھے لہجے میں بولا۔

"پہلے شاید میں اسے.... اور وہ مجھے اچھی طرح جانتا نہیں تھا...." راشد نرم لہجے میں بولا "وقت کے ساتھ ساتھ لوگ ایک دوسرے کو بہتر طور پر جاننے لگتے ہیں۔"

"اور وقت کے ساتھ ساتھ لوگ بدل بھی جاتے ہیں۔" ریاض طنزیہ سے لہجے میں بولا۔

"ہاں.... شاید.... کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے...." راشد ایک بار پھر مبہم سے لہجے میں بولا۔ وہ ابھی تک ریاض کے لہجے میں چھپے ہوئے طنز اور تیکھے پن کو محسوس نہیں کرسکا تھا پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا اور وہ سر اٹھاتے ہوئے بولا "تم کس کے بدل جانے کی بات کررہے ہو؟"

"آپ کے بدل جانے کی...." ریاض نے اپنا چہرہ راشد کے قریب لاتے ہوئے سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔

"میرے بدل جانے کی....؟" راشد بے یقینی سے ہنسا

"لیکن میرے خیال میں تو میں بالکل نہیں بدلا....."

"لوگوں کو اپنے بدلنے کا پتا تھوڑا ہی چلتا ہے۔" ریاض دیوار سے ٹیک لگا کر راشد کے اور قریب ہوتے ہوئے بولا پھر اس کا لہجہ کچھ رازدارانہ سا ہوگیا۔ "خیر.... چھوڑیں ان باتوں کو۔ میں تو آپ کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ آئندہ پیر کے دن سے آپ کا یہ خادم آپ کے برابر والے بستر پر آپ کے کان کھانے کے لیے موجود نہیں ہوگا پیر کا دن فائنل ہوگیا ہے۔ اس کے بعد پتا نہیں زندگی میں کبھی ملاقات ہو یا نہ ہو....."

راشد کچھ اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

○☆○

راشد نے محسوس کیا کہ پیر کے دن صبح سے ہی جیل کی فضا میں تناؤ اور کشیدگی تھی۔ ریاض کے فرار کے منصوبے سے خود اس کے اپنے علاوہ صرف اس کے دو ساتھی اور راشد ہی واقف تھے لیکن ارشد نے محسوس کیا کہ کشیدگی جیل کے اس پورے حصے میں پھیلی ہوئی تھی جہاں تک ان کی بیرک کے قیدیوں کی رسائی تھی۔ وہ حصہ جیل کے نصف سے زیادہ رقبے پر محیط تھا۔

راشد اس روز اضطراب کے سے عالم میں اس سارے حصے میں پھرتا رہا۔ راشد سمیت اس بیرک کے تقریباً تمام قیدیوں پر کوئی خاص سختی نہیں تھی۔ وہ اطمینان سے ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہے تھے۔ ان کی ہر وقت نگرانی نہیں ہوتی تھی۔ اس روز بھی انہیں کسی نے روکا ٹوکا نہیں۔ کچھ قیدی کام پر گئے ہوئے تھے۔ کچھ کچن میں ہاتھ بٹانے پر مامور تھے جہاں دو وقت اتنی روٹیاں پکتی تھیں کہ ایک پہاڑ سا بن جاتا تھا۔ دال اتنے بڑے دیگچوں میں بنتی تھی جن میں ایک آدمی کم از کم گردن تک تو ڈوب ہی سکتا تھا۔

دوپہر کا کھانا تقسیم ہوچکا اور قیدی کھانے سے فارغ ہوچکے تو راشد نے خود کو تسلی دی کہ وہ جو اضطراب محسوس کررہا تھا شاید وہ اس کے بے عنوان واہموں کی پیداوار تھا۔ اس سمیت شاید کسی کے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا کہ جیل میں کیا ہونے والا تھا۔ صبح ہی سے ریاض اور اس کے وہ دو خاص ساتھی کہیں نظر نہیں آئے تھے جن کے بارے میں اس نے بتایا تھا کہ وہ اس کے فرار کے منصوبے میں شریک تھے۔ ان کے بارے میں کسی نے کچھ پوچھا بھی نہیں تھا۔

کھانے کے موقع پر بھی وہ غیر حاضر رہے تھے۔ اس کے باوجود کسی گارڈ، حوالدار، داروغہ یا راجا بابر نے ان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا جو ایک خلافِ معمول سی بات تھی۔ راشد کی بھی ان کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑی۔

چار بجے اچانک گودام کی طرف سے فائرنگ کی تڑتڑاہٹ سنائی دی۔ چار دیواری کے کونوں پر برجیوں میں کھڑے گارڈ فوراً الرٹ ہوگئے اور انہوں نے گودام کی سمت میں بندوقیں تان لیں۔ بہت سے باوردی سپاہی گنیں سنبھال کر اس سمت میں بھاگتے دکھائی دیے جدھر سے فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ کچھ افسران چیخ چیخ کر احکامات جاری کررہے تھے۔ یکدم ہی ایک خوف ناک سا ہنگامہ برپا ہوگیا تھا۔

راشد دوسرے چند قیدیوں کے ساتھ اپنی بیرک میں دبک گیا تھا۔ ان میں سے کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کس قسم کا ہنگامہ تھا۔ چند لمحوں کے وقفے کے بعد دوبارہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجی۔ اس کے بعد یکدم ہی ہنگامہ تھم گیا۔ چیخ وپکار اور شور شرابا بھی بند ہوگیا۔ حتیٰ کہ افسران کے چیخ چیخ کر ہدایات دینے کا سلسلہ بھی بند ہوگیا۔ البتہ گارڈز تمام قیدیوں کو ہانکتے ہوئے ان کی بیرک اور کوٹھریوں کی طرف لے گئے۔ دروازوں کو تالے لگادیے گئے۔ لاؤڈ اسپیکر پر اعلان بھی ہوا کہ کوئی قیدی اپنی کوٹھری یا بیرک سے باہر پھرتا ہوا نہ پایا جائے۔

کافی دیر تک مختلف افواہیں گشت کرتی رہیں۔ شام تک پتا چلا کہ ریاض اور اس کے دو ساتھیوں نے دو سپاہیوں کو یرغمال بنا کر فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ وہ دیوار پھلانگ کر بھاگنا چاہتے تھے۔ ریاض کے ایک ساتھی کے پاس نہ جانے کہاں سے ایک ماؤزر بھی آگیا تھا۔ اس نے خود کو محافظوں کے گھیرے میں آتے دیکھ کر فائرنگ کردی تھی جس کے جواب میں محافظوں کی فائرنگ سے وہ ہلاک ہوگیا۔ ریاض اور اس کے دوسرے ساتھی کو پکڑ لیا گیا تھا۔

ان دونوں کو "چکی" میں بھیج دیا گیا تھا۔ "چکی" ان تنگ و تاریک اور بہت ہی تکلیف دہ کوٹھریوں کو کہا جاتا تھا جہاں قیدیوں کو بیڑیاں لگا کر قیدِ تنہائی میں رکھا جاتا تھا۔ راشد کو بھی وہ کوٹھریاں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس نے ان کے صرف قصے ہی سنے تھے جو خاصے لرزہ خیز تھے۔ راشد نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ ریاض کے ساتھ فرار کے منصوبے میں شریک نہیں ہوا تھا حالانکہ ریاض نے جب اسے ساتھ ملانے کی پیش کش کی تھی تو ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا تھا کہ زندگی کے آخری حصے میں وہ اس قسم کے سنسنی خیز تجربے اور عملی ایڈونچر سے بھی گزر کر دیکھ لے۔ اس سے پہلے اس نے صرف کہانیوں اور ڈراموں میں ہی

اس قسم کے واقعات لکھے تھے لیکن اسے معلوم تھا کہ تحریر اور عمل کی دنیا میں بڑا فرق تھا۔ شاید اسی خوف نے یا پھر کسی غیبی طاقت نے اسے باز رکھا تھا اور ریاض کی پیش کش کے جواب میں اس کے منہ سے انکار ہی نکلا تھا۔

○☆○

ریاض چھ ماہ بعد "چکی" سے باہر آگیا۔ اسے واپس راشد والی بیرک میں بھیج دیا گیا۔ اس دوران میں راشد کی نظرِ ثانی کی درخواست سپریم کورٹ کے فل بینچ کے سامنے سماعت کے لیے منظور ہوگئی تھی۔ فل بینچ نے اس کی سزا میں بہت کمی کردی تھی۔ نئے فیصلے کے مطابق وہ ایک ماہ بعد رہا ہونے والا تھا۔ اس نے جو عرصہ جیل میں گزرا تھا وہ بھی اس کی سزا میں شمار ہوا تھا۔ اس دوران میں اس نے اپنے تمام رسالوں کا مطالعہ بھی کرلیا تھا اور رہائی کے تصور سے وہ بہت خوش تھا۔

ریاض چھ ماہ چکی میں گزار کر کافی کمزور ہوگیا تھا لیکن اس کی تند خوئی اور غیظ و غضب میں گویا اور اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کا چہرہ ست سا گیا تھا اور اس پر مزید کرختگی آگئی تھی۔ راشد کا اس سے سامنا کچھ خوش گوار انداز میں نہیں ہوا تھا۔ اسے ایک بار پھر راشد کے ساتھ والا بستر الاٹ ہوگیا تھا۔ ان کا سامنا ہوا تو راشد کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ریاض کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت اور خونخواری تھی۔

"سنا ہے اگلے مہینے آپ کو رہائی مل رہی ہے؟" وہ زہریلے سے لہجے میں بولا۔

"ہاں.... تم نے ٹھیک سنا ہے۔" راشد نے خوش خلقی سے جواب دیا۔

"یعنی آپ کو مخبری کا بہت اچھا صلہ مل گیا۔" ریاض کے لہجے میں کچھ اور زہریلا پن آگیا۔

"مخبری....؟ کیسی مخبری؟" راشد نے حیرت سے پوچھا۔

"اب اتنے معصوم نہ بنیں رائٹر صاحب!" ریاض سانپ کی طرح پھنکارا "آپ کو اچھی طرح معلوم ہے میں کس مخبری کی بات کررہا ہوں.... پھر بھی اگر آپ کو انجان بننے کا اتنا ہی شوق ہے تو کھل کر بات کرلیتا ہوں۔ میں اپنے بھاگنے کے سلسلے میں آپ کی مخبری کی بات کررہا ہوں۔"

"کیا....؟" راشد بھونچکا رہ گیا "تمہارا مطلب ہے کہ تمہارے فرار کے بارے میں، میں نے مخبری کی تھی؟"

"ظاہر ہے.... اور کون کرسکتا تھا۔ مجھے تو یہ بھی اندازہ ہوگیا ہے کہ آپ نے کب اور کس طرح مخبری کی تھی۔" ریاض نے وضاحت نہیں کی کہ اس نے کس طرح

شکریہ

"کل میں آپ کے گھر کے قریب سے گزرا تھا۔"

"بہت شکریہ کہ آپ گزرتے ہی چلے گئے۔"

رازدارانہ انداز میں راشد کو تہ شدہ چند کاغذات ہیڈ کانسٹیبل راجا بابر کے حوالے کرتے دیکھا تھا۔

"کیسی جہالت کی باتیں کررہے ہو...." راشد اپنے غصے پر قابو رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "جیل کے افسران کو اتنا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ سودے بازی کے نتیجے میں کسی قیدی کی سزا کم کرسکیں۔ مجھے تو سپریم کورٹ کے فل بینچ نے نئے سرے سے مقدمے کی سماعت کرکے جلد رہا کرنے کا فیصلہ دیا ہے۔"

"مجھے زیادہ قانون نہ پڑھائیں.... مجھے سب پتا ہے۔ سودے بازیوں کے نتیجے میں سب کچھ ہوجاتا ہے۔" ریاض اڑیل سے انداز میں بولا۔

راشد کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ کسی جاہل آدمی کو کچھ سمجھانا یا کسی بات پر قائل کرنا کتنا مشکل کام تھا۔ ریاض جیسے بدمعاش اور خرد ماغ لوگ کسی خاص وجہ کے بغیر بعض اوقات اتنے مہربان بھی ہوسکتے تھے کہ آپ پر جان قربان کرسکتے تھے اور دماغ الٹنے پر کبھی جان کے دشمن بھی ہوسکتے تھے۔ اس کے لیے بھی انہیں کسی ٹھوس یا معقول وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

"دیکھو.... تم خواہ مخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہورہے ہو۔" راشد نے نہایت رسان سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں بولا "ادھر ادھر کی باتوں سے مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں...." اس کی سرگوشی سانپ کی پھنکار سے کم نہیں تھی "آپ کی مخبری کے نتیجے میں میرے ایک پیارے ساتھی کی جان چلی گئی۔ مجھے چھ مہینے چکی میں گزارنے پڑے اور اب ہر وقت میری نگرانی ہوتی ہے۔ میں اب کبھی جیل سے نہیں بھاگ سکوں گا اور اگر میں نے بہت روپیا خرچ نہ کیا ہوتا تو ابھی میں چکی میں ہی پڑا ہوتا۔ یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا۔ آپ کو یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا.... بہت مہنگا۔" یہ کہہ کر وہ منہ پھیر کر لیٹ گیا۔

راشد کو اس رات بہت دیر بعد جاکر نیند آئی۔

○☆○

اس دن کے بعد ریاض نے راشد سے بات نہیں کی اور نہ ہی اس کے سامنے کسی قسم کی تند خوئی یا خونخواری کا مظاہرہ کیا۔ راشد کی پریشانی رفتہ رفتہ ختم ہوگئی۔ وہ اسی نتیجے پر پہنچا کہ ریاض نے آخری مرتبہ اس سے دھمکی آمیز انداز میں جو باتیں کی تھیں وہ محض گیدڑ بھبکیاں تھیں۔ اس نے اپنے دل کا غبار نکالا تھا۔ حقیقت میں اب وہ بھی دوسرے ہزاروں قیدیوں کی طرح جیل میں پھنسا ہوا ایک پرندہ تھا۔ وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

راشد نے اسے سمجھانے' اس کی غلط فہمی دور کرنے یا اس سے تجدید تعلقات کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ اب اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ چند دن بعد اسے رہا ہوجانا تھا جس کے بعد اس کے پاس جیل کی صرف یادیں اور حقیقی تجربات باقی رہ جاتے جنہیں وہ اپنے ڈراموں میں استعمال کرسکتا تھا۔ اس کی لکھی ہوئی آئندہ کی ایسی باتیں زیادہ مستند ہوتیں۔

اس کی بیٹی رابعہ آخری مرتبہ اس سے ملنے آئی تھی تو اس کا شوہر بھی ساتھ تھا جو ایک فرم میں آرکیٹکٹ تھا۔ رابعہ امید سے تھی۔ وہ جلد نانا بننے والا تھا۔ اس خیال سے جہاں اسے عمر رسیدگی کا احساس ہو رہا تھا وہاں اس تصور سے ایک انوکھی سی خوشی بھی ہو رہی تھی کہ جلد ہی اسے اپنے پہلے نواسے یا نواسی کو گود میں کھلانے کا موقع ملنے والا تھا جبکہ لوگ ابھی خود اسے خاصا اسمارٹ' چاق و چوبند اور اپنی عمر سے کم دکھائی دینے والا شخص قرار دیتے تھے۔

اس کی بیٹی نے آخری ملاقات میں فیصلہ سنادیا تھا کہ رہائی کے بعد وہ اپنا ذاتی مکان بیچ کر بیٹی اور داماد کے ساتھ رہے گا۔ راشد نے اس فیصلے پر سر جھکا دیا تھا گو کہ اسے خفیف سا اندیشہ تھا کہ بیٹی کے ہاں رہتے ہوئے آئندہ زندگی میں اس کی آزادی اور خود مختاری میں کچھ کمی نہ آجائے۔ اس کے باوجود اس کے لیے اس زندگی کا تصور خوش آئند تھا۔

شاید اسی خوشی میں اس روز اس نے جیل کی گاڑیوں کی ورکشاپ میں بیٹھے بیٹھے ایک قیدی سے چرس کا سگریٹ لے کر پی لیا۔ جیل میں اس کی مے نوشی کی عادت خود بہ خود ہی چھوٹ گئی تھی لیکن کئی دن سے اسے کسی نشہ آور چیز کی طلب بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ قیدی نے جب اسے چرس کی سگریٹ کی پیش کش کی تو اس نے فوراً ہی قبول کرلی۔ سگریٹ اس نے بے صبری سے جلدی جلدی گہرے گہرے کش لے کر ختم کی۔

اسے پہلے بھی نیند کی کمی کی وجہ سے کچھ غنودگی محسوس ہو رہی تھی۔ سگریٹ ختم کرکے اس کا سر گھومنے لگا۔ وہ آسمان اور زمین کے درمیان کہیں تیرنے لگا۔ آخر اس نے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں اور نیم دراز ہوگیا۔ جلد ہی وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگیا۔ وہ بڑے خوب صورت اور خوش کن خواب دیکھ رہا تھا۔

اسے احساس بھی نہ ہوسکا کہ کب ورکشاپ میں کام کرنے والے قیدی رخصت ہوگئے۔ کھانے کا وقفہ ہوگیا تھا۔ کسی نے اسے جگانے کی زحمت بھی نہیں کی۔ ایسے عالم میں کسی کی نیند میں خلل ڈالنا قیدیوں میں اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اسی اثنا میں ایک قیدی دبے پیروں چھپر نما ورکشاپ میں آیا۔ اگر راشد جاگ رہا ہوتا تو اس قیدی کو پہچان سکتا تھا۔ اس نے اسے اکثر کونے کھدروں میں ریاض احمد سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ قیدی نے چاروں طرف دیکھ کر اطمینان کیا۔ ورکشاپ میں ایک کونے میں چند ڈبوں میں تھوڑا تھوڑا پیٹرول اور ڈیزل موجود تھا۔ ورکشاپ کا فرش اور بیشتر چیزیں بھی تیل اور گریس میں لتھڑی ہوئی تھیں۔

قیدی نے ڈبے اٹھا کر راشد کے چاروں طرف پیٹرول چھڑکا۔ چکنائی میں لتھڑے ہوئے بہت سے کپڑے بھی ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ لکڑی کی پیٹیاں اور پلاسٹک کے ڈبے' بوتلیں وغیرہ بھی تھیں۔ قیدی نے جب ان چیزوں کو تیلی دکھائی تو انہوں نے پلک جھپکتے میں خوف ناک انداز میں آگ پکڑلی۔ قیدی جلدی سے باہر نکل گیا۔ باہر سے اس نے دروازے کو کنڈی لگادی۔ اسے معلوم تھا کہ اس بات کی تفتیش بہت مشکل تھی کہ کنڈی کس نے لگائی تھی۔ ویسے بھی وہ "کام پکا" ہوجانے کے بعد دوسرے لوگوں کے آنے سے پہلے کنڈی کھول بھی سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد شور شرابے کے دوران میں آگ پر قابو پایا گیا اور راشد کی سوختہ لاش دریافت کی گئی تو اسے ایک حادثہ ہی سمجھا گیا جس کا ذمے دار بھی اسے ہی سمجھا گیا۔ اس نے یقیناً ورکشاپ میں بے پروائی سے سگریٹ پی تھی اور اچانک آگ بھڑک اٹھنے کے بعد وہیں پھنس کر رہ گیا تھا۔

سب قیدی اور عملے کے لوگ اس کی بدقسمتی پر افسوس کر رہے تھے کہ جب جیل سے اس کی رہائی میں صرف تین دن رہ گئے تھے تو اسے زندگی کی قید سے ہی رہائی مل گئی تھی!

اس وقت ریاض احمد اکیلا اپنی بیرک میں بیٹھا مونچھوں پر تاؤ دے رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔

چیف ڈرائنگ روم میں کاؤچ پر نیم دراز اور نیم خوابیدہ تھا جبکہ مونٹی دوسری طرف ایک کرسی پر مستعد انداز میں سیدھا بیٹھا تھا۔ ڈک نے سرسری نظر سے ان دونوں کی طرف دیکھا اور اپنے لیے ڈرنک تیار کرنے لگا۔ اسے خوشی تھی کہ وہ چیف اور مونٹی کی موجودگی میں ڈرنک کرتا تھا تو وہ برا نہیں مناتے تھے۔ وہ ڈرنکس کی بو پر کسی قسم کے ردِعمل کا اظہار بھی نہیں کرتے تھے۔ چیف تو ویسے ہی کسی بھی معاملے میں اپنے جذبات کا اظہار کم ہی کرتا تھا اور مونٹی کو تو ڈک کبھی کبھار بار میں بھی اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور بیئر پلا دیتا تھا۔ مونٹی خوشی خوشی بیئر پی لیتا تھا البتہ سگریٹ کا دھواں اسے ناگوار گزرتا تھا۔ وہ کھانسنے اور چھینکنے لگتا۔ اس لیے ڈک کو اگر سگریٹ پینا ہوتی تھی تو وہ کوشش کرتا تھا کہ اس کی موجودگی میں نہ پیے۔

ڈک نہیں چاہتا تھا کہ مونٹی کو اس عمر میں کھانسی شروع ہو جائے اور مستقل طور پر چمٹ جائے۔ اس کے جوڑوں میں درد تو شروع ہو چکا تھا۔ اس کی ہڈیاں ہلکا سا کڑکڑانے لگی تھیں اور حرکات و سکنات میں وہ پھرتی نہیں رہی تھی جو کچھ عرصہ پہلے تک ہوا کرتی تھی۔ ڈک ہر ممکن کوشش کرتا تھا کہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جو چیف اور مونٹی کے مزاجوں پر ناگوار گزرے۔ ان دونوں کی خوشی اور ان کے آرام و

انسان اور جانور کے باہمی تعلقات پر ایک قابل غور کہانی

جانوروں سے محبت اور انہیں پالنے کا شوق بھی کبھی کبھی عجب رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ کچھ لوگ تو اس حوالے سے خبطی تک مشہور ہوجاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کا قصہ جو کتوں کا شیدائی تھا، کتے اور کتوں کے معاملات و مسائل سے اس کی دلچسپی دیدنی تھی۔

سگ پرست

ترجمہ مودی



آسائش کے لیے ڈک کچھ بھی کر سکتا تھا۔

ڈک نے ان دونوں کے لیے کھانا تیار کرنے کی غرض سے فریج سے گوشت کا بڑا سا ٹکڑا نکالا اور کچن میں چلا گیا۔ چیف بھی کاؤچ سے اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے کچن میں آگیا۔ گوشت کے ٹکڑے کو بوٹیوں میں تقسیم کرنے کے بعد اسے یاد آیا کہ اس نے مونٹی کا کوٹ دھو کر مختصر سے پچھلے برآمدے میں سوکھنے کے لیے لٹکایا ہوا تھا۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اسے خیال آیا کہ کوٹ اب سوکھ چکا ہوگا' اسے الگنی سے اتار لینا چاہیے۔

اس نے عقبی دروازہ کھولا تو اسے ہمیشہ کی طرح اندیشہ تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر اس کا پڑوسی ٹام نکل آئے گا اور بیچ کی چھوٹی سی دیوار پر کہنیاں ٹکا کر گپ شپ کے انداز میں اس سے باتیں شروع کرنے کی کوشش کرے گا۔ ڈک کا اس سے بات کرنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

یوں تو ڈک کو دنیا کے کسی بھی انسان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن ٹام تو اس کے خیال میں بہت ہی زیادہ بور انسان تھا۔ منمناتی ہوئی آواز میں فضول اور بے مقصد قسم کی گفتگو کرتا تھا۔ اوپر سے اس کی شخصیت بھی نہایت مجہول اور مضحکہ خیز سی تھی۔

ڈک عقبی احاطے میں پہنچا اور پلاسٹک کی چمٹیاں ہٹا کر رسی سے مونٹی کا کوٹ اتارنے لگا۔ کوٹ سوکھ چکا تھا۔ یہ چیک دار کوٹ کافی عرصے سے مونٹی کے استعمال میں تھا لیکن اب بھی اچھی حالت میں تھا اور آرام دہ تھا۔ جب بھی سردی بڑھتی تھی' ڈک یہ کوٹ مونٹی کو پہنا دیتا تھا۔ مونٹی کی عمر کے اعتبار سے اس قسم کی احتیاطیں اس کے حق میں بہتر تھیں۔

ڈک کا اندیشہ درست نکلا۔ مکان کے عقب میں اس کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی ٹام درمیانی دیوار پر نمودار ہو گیا۔ حسبِ معمول اس نے منمناتی آواز میں موسم سے بات شروع کی "لگتا ہے آج رات خاصی ٹھنڈ ہو جائے گی۔"

"ہوں۔۔۔" ڈک نے محض ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

"کہیں برف باری ہی نہ شروع ہو جائے۔" ٹام منمنایا۔

اس بار ڈک نے ہنکارا بھرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔

اس دوران میں دروازہ کھلا دیکھ کر چیف اور مونٹی بھی عقبی برآمدے میں آگئے۔ ان کی جسامت اور قد کاٹھ دیکھ کر نیا آدمی تو ڈر ہی جاتا تھا لیکن ٹام جو ان سے اچھی طرح واقف تھا' وہ بھی دیوار درمیان ہونے کے باوجود خوفزدہ سا ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ جاتا تھا۔

"آپ کے یہ دونوں کتے بڑے زبردست ہیں۔۔۔" اس نے ہمیشہ کی طرح قدرے گھبراہٹ زدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ تبصرہ کیا۔

ڈک نے اسے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنے دونوں کتوں کو مخاطب کیا "چیف۔۔۔ مونٹی۔۔۔! اندر چلو۔۔۔ میں ابھی آکر تمہیں کھانا دیتا ہوں۔"

مونٹی نے ترچھی نظروں سے ٹام کی طرف دیکھا۔ چیف نے کاہلی آمیز سے انداز میں انگڑائی لی اور پھر دونوں کتے سر جھکا کر آگے پیچھے چلتے ہوئے اندر چلے گئے۔

"میرا خیال ہے آپ نے ان کتوں کو اولاد کی طرح پالا ہے۔۔۔ اور یہ واقعی بڑے غیر معمولی کتے ہیں۔ بالکل انسانوں کی طرح سمجھدار ہیں۔ آپ ان سے جو بھی بات کرتے ہیں' یہ ایک ایک لفظ سمجھتے ہیں۔۔۔" ٹام نے شاید اپنی دانست میں ڈک کے کتوں کی تعریف کر کے اسے خوش کرنے کی کوشش کی۔

اس بے چارے کو معلوم ہی نہیں تھا کہ ڈک کو سب سے زیادہ غصہ اسی وقت آتا تھا جب لوگ کتوں کا موازنہ انسانوں سے کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے خیال میں جانوروں کو انسانوں جیسا قرار دینا ان کی تعریف کے زمرے میں آتا تھا جبکہ ڈک کے خیال میں جانوروں کا۔۔۔ اور خاص طور پر کتوں کا انسانوں سے موازنہ کرنا کتوں اور دیگر حیوانوں کی توہین تھی۔

خاص طور پر چیف اور مونٹی تو اس کی نظر میں ہر اعتبار سے انسانوں سے بہت بہتر تھے۔ ان کی خصوصیات اور ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کا انسانوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔

ڈک کوئی جواب دیے بغیر واپس اندر آگیا۔ دروازہ اس نے زور سے بند کر دیا۔ اندر آکر اس نے دونوں کتوں کے لیے الگ الگ باؤل میں گوشت ڈالا۔ اس پر وٹامنز کا آمیزہ چھڑکا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ دونوں کتے خاموشی سے' پُرسکون انداز میں اپنے کھانے کی تیاری دیکھتے رہے اور جب ڈک ایک طرف ہٹ گیا تو وہ پُروقار انداز میں باؤلز کے قریب آگئے۔

ڈک کے خیال میں ان کا یہ انداز ہی انہیں انسانوں سے ممتاز ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔ اگر انسانوں کے بچے ان کی طرح بھوکے ہوتے تو وہ شور مچا کر گھر سر پر اٹھا لیتے۔ ماں کو تنگ کرتے اور جب کھانا ان کے سامنے رکھا جاتا تو وہ ندیدوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے۔ جبکہ کتوں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

وہ گوشت کھا رہے تھے اور ڈک محبت بھری نظروں سے

انہیں دیکھ رہا تھا۔ مونٹی کی گوشت کھانے کی رفتار بھی اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ وہ چودہ سال کا ہو چکا تھا اور کتے کے لیے یہ بڑھاپے کی عمر تھی۔

گوشت ختم کر کے وہ باری باری ڈک کے پاس آئے۔ چند لمحے وہ اس کا ہاتھ چاٹتے اور اپنا سر اس کی ٹانگوں کے ساتھ رگڑتے رہے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد وہ اسی طرح تھوڑی دیر کے لیے محبت اور شکر گزاری کا اظہار کرتے تھے۔ ڈک بھی اس دوران میں انہیں خوب پیار کرتا تھا۔

آخر کار چیف دوبارہ کاؤچ پر جا لیٹا اور مونٹی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ ان کے آرام کی مخصوص جگہیں تھیں۔ ڈک نے گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس وقت ساڑھے چھ بجے ہیں۔ مجھے باہر جانا ہے...." اس نے اعلان کیا "میں زیادہ سے زیادہ دس بجے تک واپس آ جاؤں گا۔ تب تک تم دونوں آرام کر لو۔ میں واپس آ جاؤں تو پھر ہم چہل قدمی کے لیے چلیں گے۔ ٹھیک ہے؟"

وہ روانہ ہونے لگا تو مونٹی گویا اسے چھوڑنے دروازے تک آیا۔ مونٹی ہمیشہ ہی ایسا کرتا تھا حالانکہ اسے اب چلنے میں دشواری پیش آنے لگی تھی لیکن اس نے اپنا پرانا معمول ترک نہیں کیا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ڈک حقیقت پسند بن کر سوچنے کی کوشش کرتا تو اسے احساس ہوتا کہ مونٹی اب دنیا میں زیادہ دن کا مہمان نہیں تھا۔ اس خیال سے اس کا دل ڈوبنے لگتا کہ اسے سال ڈیڑھ سال تک مونٹی کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑے گا۔

اس نے رخصت ہوتے وقت جھک کر مونٹی کی شکن زدہ پیشانی پر بوسہ دیا۔ وہ کسی انسان کے ساتھ اس طرح محبت کا اظہار نہیں کر سکتا تھا.... بلکہ وہ دوسرے انسانوں کو بھی اس طرح آپس میں محبت کا اظہار کرتے دیکھتا تو اسے گھن ہی محسوس ہوتی تھی۔ اس کے خیال میں انسانوں کی اس قسم کی حرکات منافقت کے سوا کچھ نہیں تھیں۔ سچی محبت صرف جانوروں میں پائی جاتی تھی۔

مونٹی کے حلق سے مسرت بھری غراہٹ خارج ہوئی پھر وہ اندر چلا گیا۔ ڈک کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کر کے وہ ایک پبلک فون کے قریب جا رکا۔ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے سلسلے میں وہ کبھی اپنے گھر کا فون استعمال نہیں کرتا تھا۔

یہاں بھی اس نے نمبر نہیں ملایا بلکہ گھڑی دیکھی۔ وہ مناسب وقت پر وہاں آن پہنچا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پانچ منٹ بعد اس پبلک فون کی گھنٹی بجے گی اور وہ کال اس کے لیے ہو گی۔ دوسری طرف ایک عورت بول رہی تھی۔ اس سے پہلے اس عورت کا فون کرنے کا پروگرام ایک مرتبہ ملتوی ہو چکا تھا کیونکہ حالات نے اس کی مرضی اور اندازوں سے کچھ مختلف رخ اختیار کر لیا تھا۔

اس وقت ڈک کو اس پر بہت غصہ آیا تھا۔ غصے میں اس نے دل ہی دل میں اس عورت کو عورت ہی کہا تھا۔ اس کے خیال میں لفظ "عورت" ہی ایک گالی تھی۔ وہ غصے میں بھی کسی عورت کو کسی مادہ جانور مثلاً کتیا یا گدھی وغیرہ سے تشبیہ نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ مادہ جانوروں کی توہین تھی۔ عورت کو برا بھلا کہنے کے لیے اسے عورت کہنا ہی کافی تھا۔

اس کے بعد دوبارہ پروگرام بنا تھا اور آج اسے ایک بار پھر اس احمق اور لالچی عورت کے فون کا انتظار تھا جسے وہ جانتا نہیں تھا۔ جسے اس نے دیکھا نہیں تھا اور نہ ہی وہ عورت ڈک سے واقف تھی۔

ٹھیک پونے سات بجے وہ فون بوتھ میں داخل ہو گیا اور چند سیکنڈ بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ غنیمت تھا کہ اس وقت فون استعمال کرنے کا کوئی اور خواہش مند وہاں موجود نہیں تھا۔ ڈک نے ریسیور اٹھایا اور کوڈ ورڈ بولا جس سے عورت سمجھ سکتی تھی کہ فون اس کے مطلوبہ آدمی نے ہی ریسیو کیا تھا۔

عورت کی آواز تیکھی اور گھبراہٹ زدہ تھی۔ ڈک نے اس سے پہلے یہ آواز نہیں سنی تھی۔ اس کے لیے اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ اس عورت کا تعلق نہایت دولت مند طبقے سے تھا۔ وہ طبقہ جس میں ڈک عمر بھر کی جدوجہد کے بعد بھی شامل نہیں ہو سکتا تھا۔

"آج رات اس کام کے لیے حالات ساز گار ہوں گے۔" عورت بولی۔

"ٹھیک ہے.... آج کی رات بھی اس کام کے لیے نہایت مناسب ہے۔" ڈک نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

اس عورت سے ڈک کے تمام معاملات اور بات چیت ایک درمیانی آدمی کے توسط سے ہوئی تھی۔ ڈک کے لیے گاہک وہی آدمی تلاش کرتا تھا اور وہی معاملات طے کرتا تھا۔ گاہک ڈک سے یا ڈک گاہک سے براہِ راست واقف نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اصل بات براہ راست ہوتی تھی۔ براہِ راست تو وہ صرف وقت وغیرہ طے کرتے تھے اور گاہک ڈک کو کچھ ضروری معلومات مہیا کرتا تھا۔ اس عورت کے ساتھ ایک مرتبہ پروگرام ملتوی ہو چکا تھا حالانکہ ڈک کو پیشگی آدھا

معاوضہ بھی مل چکا تھا۔ چھ ہفتے بعد آج دوبارہ اس پروگرام پر عملدرآمد کے آثار پیدا ہوئے تھے۔

"آج رات ہم یہ کام نمٹا دیتے ہیں۔" ڈک نے مزید کہا۔

عورت کھنکار کر گلا صاف کرنے کے بعد مضطربانہ سے لہجے میں بولی "دیکھو..... میں نہیں چاہتی کہ تمہیں ہمارے بارے میں کچھ بھی معلوم ہو..... مثلاً میں کون ہوں..... اور وہ کون ہے جس کے بارے میں کام تمہارے سپرد کیا جا رہا ہے..... ہم کہاں رہتے ہیں..... تمہیں ہمارے بارے میں اس قسم کی کوئی بھی بات جاننے کی ضرورت نہیں ہے..... ویسے بھی یہ سب کچھ ہمارے درمیان پہلے ہی طے ہو چکا تھا۔"

ڈک کے دل میں عورت کے بارے میں غصے کی لہر سی ابھری۔ وہ بدبخت اس طرح تشویش میں مبتلا ہو رہی تھی جیسے ڈک کو ان کے بارے میں جاننے کا اشتیاق تھا۔ وہ کوڑھ مغز عورت یہ بھی نہیں سمجھ سکتی تھی کہ ڈک صرف اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ دوسری باتوں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے ان حالات میں بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی جن کی وجہ سے عورت نے ڈک کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"مجھے صرف وہ کام مکمل کرنے سے دلچسپی ہوتی ہے جو میرے سپرد کیا جاتا ہے۔ باقی باتیں میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔" ڈک خشک لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے....." عورت کے لہجے میں کچھ اطمینان جھلک آیا "وہ کچھ دنوں سے بیمار تھا لیکن اب اس کی طبیعت کافی بہتر ہے اور اس نے اپنے معمول کے مطابق روزانہ چہل قدمی شروع کر دی ہے۔ آج رات بھی وہ سیر کے لیے جائے گا۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکلے گا اور ویسٹ پاتھ کے راستے سے فیلے روڈ کی طرف جائے گا۔ تمہیں معلوم ہو گا کہ اس راستے کا کافی بڑا حصہ زیادہ تر ویران ہی رہتا ہے۔ تم مکانوں سے ہٹ کر کسی مناسب جگہ چھپ سکتے ہو۔"

"یہ سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میں اسے کیسے پہچانوں گا؟" ڈک بولا۔

"اس کی عمر پچاس کے قریب ہے۔ صحت اچھی ہے۔ جسم ذرا بھاری ہے۔ قد درمیانہ ہے۔ بال زیادہ تر سفید ہیں۔ چاندی کی طرح چمکتے ہیں۔ وہ ہیٹ پہنے ہوئے نہیں ہو گا۔ سیاہ رنگ کے اوور کوٹ میں ہو گا جس کا کالر فر کا ہو گا۔ وہ تقریباً نو بجے ویسٹ پاتھ کے درمیان پہنچے گا....."

ایک لمحے کے توقف کے بعد عورت دوبارہ بولی تو اس کے لہجے میں ہلکا سا ارتعاش تھا "تم کیا طریقہ اختیار کرو گے؟ میرا مطلب ہے..... اس کام میں زیادہ خون وغیرہ تو نہیں بہے گا؟"

"تم توقع رکھتی ہو کہ میں یہ باتیں تمہیں فون پر بتاؤں گا....." ڈک نے اپنے لہجے میں ہلکی سی چڑچڑاہٹ کا اظہار ہونے دیا۔ اس کے خیال میں کوئی عورت ہی ایسی احمقانہ بات کر سکتی تھی۔

"نہیں..... نہیں..... یہ تو میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" عورت جلدی سے کچھ کھسیاہٹ سے انداز میں بولی "اور وہاں..... وہ تمہیں ایڈونس پانچ ہزار ڈالر تو مل گئے تھے نا؟"

"ہاں..... ایڈونس ملے ہوئے تو چھ ہفتے ہو گئے ہیں۔"

"بس..... مجبوری آن پڑی تھی..... حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ میں رابطہ نہیں کر سکی..... رابطہ کرنا بے کار ہی تھا..... کام ہو نہیں سکتا تھا۔ اب کام ہو جانے کے بعد باقی آدھی رقم بھی تمہیں اسی طریقے سے مل جائے گی جیسے آدھی پیشگی ملی تھی۔" عورت اٹک اٹک کر بولی۔

"ٹھیک ہے..... تمہیں اور تو کچھ نہیں کہنا ہے؟"

"ہاں..... ایک بات اور..... خیر چھوڑو..... وہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے....." عورت کچھ کہتے کہتے رہ گئی پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد بولی "مجھے امید ہے تم ناکام نہیں رہو گے۔ میں تمہاری ناکامی کی متحمل نہیں ہو سکتی..... اور یہ کام آج رات ہی ہونا چاہیے۔ اگر آج رات نہیں ہو سکا تو پھر کبھی بھی اس کے ہونے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ کل صورت حال بالکل بدل جائے گی۔"

"خدا حافظ۔" ڈک نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اسے صرف اپنے کام اور معاوضے سے دلچسپی تھی۔ وہ کوئی فضول بات سننا نہیں چاہتا تھا۔ عورت کو شاید توقع تھی کہ وہ اس کی الجھی الجھی باتیں سن کر تجسس میں مبتلا ہو کر کچھ پوچھنا چاہے گا لیکن اسے کچھ جاننے کا قطعاً کوئی اشتیاق نہیں تھا۔ اسے تو یہ جاننے سے بھی دلچسپی نہیں تھی کہ عورت جس شخص کے بارے میں بات کر رہی تھی وہ اس کی بیوی تھی یا داشتہ؟

اس نے حقارت سے زمین پر تھوک دیا اور فون بوتھ سے باہر آ گیا۔ چند لمحے بعد وہ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوا تو اس رقم کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اسے کام مکمل کرنے کے بعد ملنا تھی۔ اتنا معاوضہ اسے زندگی میں اس سے پہلے نہیں ملا تھا۔

وہ بہت ہاتھ پاؤں مار کر بھی کوئی اچھا معیار زندگی اختیار نہیں کر سکا تھا۔ وہ ایک گھٹیا سے علاقے میں کرائے کے مکان میں رہ رہا تھا۔ اس علاقے سے نکلنا اس کی دلی آرزو تھی۔ اس نے اپنے اخراجات پر ہمیشہ قابو رکھا تھا۔ اس کا

سب سے بڑا خرچ کتوں کی خوراک کا تھا۔ بہت کوشش کر کے وہ قدرے بہتر علاقے میں ذاتی مکان خریدنے کے لیے رقم جمع کرتا آیا تھا۔

برسوں میں وہ اتنی رقم جمع کرنے میں تقریباً کامیاب ہو گیا تھا کہ ایک ایسا مکان خرید سکتا تھا جو کافی حد تک اس کے آئیڈیل کے قریب تھا۔ اس نے مکان دیکھ بھی لیا تھا۔ پسند بھی کر لیا تھا۔ اس کے خیال میں اس مکان میں اس کا اور اس کے کتوں کا بڑھاپا آرام سے اور آسائش سے گزر سکتا تھا۔ وہاں وہ معززانہ اور صحت مندانہ انداز میں زندگی گزار سکتے تھے۔

اسے خود ایسی زندگی گزارنے سے زیادہ اپنے کتوں کو ایسی زندگی گزارتے دیکھنے کی آرزو تھی اور وہ گویا اسی آرزو کی تکمیل کے لیے جی رہا تھا۔ مکان کی قیمت کے سلسلے میں اب اس کے پاس صرف پانچ ہزار ڈالر کم تھے۔ گویا اسے جو تازہ ترین "کونٹریکٹ" ملا تھا اس کی تکمیل کے ساتھ ہی اس کی زندگی کے حسین ترین خواب کو بھی تعبیر ملنے والی تھی۔ اس اعتبار سے یہ اس کی زندگی کا اہم ترین "کونٹریکٹ" تھا۔ معاوضے کے اعتبار سے بھی یہ ایک یادگار معاہدہ تھا۔ آئندہ وہ نہ جانے کتنے عرصے تک ایسا معاوضہ ملنے کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے رابطے اس طبقے میں نہیں تھے جہاں وہ اپنے کام کا ذرا اونچا معاوضہ ملنے کی امید رکھ سکتا۔ وہ اپنے پیشے میں بہت کامیاب تھا لیکن پھر بھی اس لائن کا ذرا نچلے درجے کا آدمی تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اونچے درجے میں آنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

لیکن جس مکان پر اس نے نظر رکھی ہوئی تھی اس میں پہنچ کر اس کی بہت سی محرومیوں کا ازالہ ہو سکتا تھا۔ وہ کشادہ' شاندار' آرام دہ اور سبزہ زار سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ آبادی سے ہٹ کر بھی تھا۔ یعنی اس میں رہتے ہوئے اسے کم سے کم انسانوں سے واسطہ پڑتا۔ وہ انسانوں کے شر' سفاکی' خودغرضی اور بدتمیزیوں سے زیادہ سے زیادہ محفوظ رہ سکتا تھا۔

بچپن ہی سے انسانوں کے بارے میں.... حتیٰ کے خود اپنے والدین کے بارے میں اس کے تجربات خوشگوار نہیں تھے۔ اسے زیادہ تر انسانوں کی بے حسی' سفاکی' خودغرضی اور شر سے ہی واسطہ پڑا تھا۔ اس کا اپنا باپ اسے اس وقت چھوڑ کر بھاگ گیا تھا جب وہ چھوٹا ہی تھا۔ اس کی ماں کو پینے پلانے اور عیاشیوں سے فرصت نہیں تھی۔ ڈک نے یتیم خانے میں پرورش پائی تھی۔ بڑے ہو کر اس نے جہاں بھی ملازمت کی کوشش کی وہاں اسے اپنی کمتر شکل و صورت اور شرمیلے پن کی وجہ سے تضحیک اور ناانصافیوں سے ہی واسطہ پڑا۔ وہ کہیں بھی زیادہ عرصے ملازمت نہ کر پاتا۔

اپنے ماضی کی ناخوشگوار یادوں کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے اور مستقبل قریب کے سہانے تصورات سے خود کو بہلاتے ہوئے وہ چند منٹ کے سفر کے بعد ایک بار میں جا بیٹھا۔ ایک دو پیگ پینے کے علاوہ وہ ہلکی پھلکی سی چیز کھانا بھی چاہتا تھا۔

بار میں جا کر وہ اسٹول پر بیٹھا ہی تھا کہ بارٹینڈر کی بلی اچھل کر اس کی گود میں آن بیٹھی۔ جانور اس کے بلائے بغیر بھی خود بہ خود اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ انہیں گویا احساس ہو جاتا تھا یا کوئی غیبی قوت انہیں بتا دیتی تھی کہ ان کا حقیقی دوست کون تھا۔

آٹھ بجے وہ بار سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ کام کے سلسلے میں وہ وقت سے خاصا پہلے مطلوبہ جگہ پر پہنچ جانا بہتر سمجھتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ویسٹ ہاتھ کے قریب جا پہنچا۔ چند منٹ وہ کار میں ہی بیٹھا گردوپیش کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ ایک پُرسکون رات تھی۔ آسمان پر تارے بکھرے ہوئے تھے۔

مطمئن ہو کر وہ کار سے اتر آیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس موجودہ کام میں بھی کوئی خاص خطرہ نہیں تھا لیکن احتیاطاً وہ ہر بار کام کے سلسلے میں مقررہ جگہ پر پہنچ کر اچھی طرح گردوپیش کا جائزہ لے لیتا تھا اور تمام امکانات کو ذہن میں رکھتا تھا' گاڑی اس نے وہیں چھوڑ دی اور پیدل اس راستے پر چل دیا جس پر اس کی معلومات کے مطابق اس کے شکار کو آنا تھا۔

اس کے کام کے لیے وہ پورا علاقہ نہایت موزوں تھا۔ یہاں دور دور تک کسی کی آمدورفت نظر نہیں آ رہی تھی۔ مکان بڑے بڑے تھے اور ان کی دیواریں اونچی تھیں۔ اسٹریٹ لائٹس ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھیں اور چوڑی سڑک کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں اور سبزے کی باڑیں موجود تھیں۔ کہیں بھی چھپنا' راستے پر نظر رکھنا اور اپنا کام انجام دینا ڈک کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔

کچھ دور تک جانے اور واپس آنے کے بعد اس نے چھپنے کے لیے ایک جگہ منتخب کر لی اور وہاں ملگجے اندھیرے میں درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو کر صبروسکون سے انتظار کرنے لگا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے آہنی پائپ کے اس ٹکڑے کو بھی ٹٹول کر دیکھ لیا جس پر فوم کی پتلی سی تہ چڑھی ہوئی تھی۔

ڈک خون خرابے والا کام کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کام کے دوران میں اس کے ہاتھوں یا لباس پر خون کی ایک چھینٹ بھی پڑے۔ پائپ کے ٹکڑے سے ایک

نپی تلی سی ضرب لگا کر وہ اپنے شکار کو بے ہوش کرتا تھا اور پھر اس کے گلے میں نائیلون کی باریک ڈوری کا پھندا کس کر اس کا کام تمام کر دیتا تھا۔

آخر کار قدموں کی آواز سن کر اس نے گھڑی دیکھی۔ نو بجنے میں دس منٹ تھے۔ اس احمق عورت نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ تقریباً اس وقت اس مقام پر پہنچے گا۔ لگتا تھا کہ وہ شخص وقت کا بہت پابند تھا اور اس کی عادتیں لگی بندھی سی تھیں۔ اس کی یہ عادت اس کے حق میں مہلک ثابت ہونے والی تھی۔

پھر ڈک نے سڑک کے موڑ پر اسے نمودار ہوتے بھی دیکھ لیا تھا۔ جب وہ ایک اسٹریٹ لائٹ کے نیچے سے گزرا تو اس کے بارے میں عورت کی بتائی ہوئی تمام نشانیوں کی تصدیق بھی ہو گئی۔ جیب میں پڑے ہوئے آہنی پائپ کے ٹکڑے پر ڈک کی گرفت مضبوط ہو گئی اور اعصاب میں قدرے تناؤ آ گیا۔

وہ شخص اطمینان سے اس کے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ اسے شبہ بھی نہیں ہوا کہ کوئی اس کی گھات میں چھپا ہوا تھا۔ شاید اسے اس راستے پر کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ وہ دو قدم ہی آگے گیا تھا کہ ڈک نے بلی کی طرح بے آواز قدموں سے اس کے عقب میں پہنچ کر مشاقانہ انداز میں پائپ کے ٹکڑے سے اس کی کھوپڑی پر ضرب لگائی۔ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

ڈک انسانوں کو ہاتھ لگاتے وقت کراہیت محسوس کرتا تھا لیکن کبھی کبھار اسے مجبوراً انسانوں کا لمس برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اس نے بغلوں میں ہاتھ دے کر اس شخص کو درختوں کے درمیان کھینچ لیا جہاں روشنی بہت کم تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی ضرب اس کے شکار کو زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ کے لیے بے ہوش کرتی تھی لیکن یہ پانچ منٹ پورے ہونے سے پہلے ہی اس کا کام تمام ہو جاتا تھا چنانچہ اسے ہوش میں آنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔

ڈک نے وقت ضائع نہیں کیا۔ اس نے پائپ واپس جیب میں ڈالا اور اس کی جگہ نائیلون کی ڈوری نکالی۔ وہ اس کا پھندا بنا کر شکار کے گلے میں ڈالنے ہی لگا تھا کہ ایک خفیف سی آواز سن کر رک گیا۔ چوکنا ہو کر اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ سڑک کے کنارے ایک کتا خراماں خراماں اسی طرف چلا آ رہا تھا۔

وہ ایک مختصر الوجود مگر نہایت خوبصورت کتا تھا لیکن اس وقت اس جگہ ایک کتے کی آمد بھی ڈک کے لیے سخت ناگواری کا باعث تھی۔ اسے معلوم تھا کہ کتا سیدھا اس کی طرف آئے گا۔ اس کا وجود گویا کتوں کے لیے تو خاص طور پر مقناطیس کی سی حیثیت رکھتا ہے اور اگر وہ اس شخص کا کتا تھا جسے ڈک بے ہوش کر چکا تھا تب بھی اسے یقیناً اسی طرف آنا تھا۔

اب اسے خیال آیا کہ عورت شاید فون پر اسے کتے کے بارے میں ہی بتانے لگی تھی مگر پھر شاید اس بات کو غیر اہم سمجھ کر رک گئی تھی۔ ڈک کا یہ خیال مزید پختہ ہو گیا کہ عورت جیسی احمق مخلوق روئے زمین پر اور کوئی نہیں تھی۔ وہ اس وقت کتے کو تو نہیں، البتہ اپنی قسمت کو کوس کر رہ گیا۔

کتا دم ہلاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ تاہم اپنے مالک کو بے ہوش دیکھنے کے باوجود اس نے بھونکنے یا کوئی اور جارحانہ عمل ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ڈک نے جلدی سے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور وہ اس کے ہاتھ کو سونگھنے کے بعد چاٹنے لگا۔

"شاباش.....! تم بہت اچھے..... بہت پیارے کتے ہو....." ڈک سرگوشی میں بولا "لیکن اس وقت تم جاؤ..... گھر واپس چلے جاؤ....."

لیکن کتا اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے اس کا ہاتھ چھوڑ کر اپنے مالک کا منہ چاٹنے لگا۔ یہ مزید بری بات تھی۔ اس طرح وہ شخص اور بھی جلدی ہوش میں آ سکتا تھا۔ کتا اب حلق سے ہلکی ہلکی سی آوازیں بھی نکالنے لگا تھا۔ ڈک نے ایک اندیشے کے تحت بے ہوش شخص کے اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ ایک جیب میں اسے کتے کی زنجیر مل گئی۔

اب گویا تصدیق ہو گئی کہ وہ اس شخص کا ہی کتا تھا اور یہ بھی طے ہو گیا کہ وہ اپنے مالک کو اس حالت میں چھوڑ کر واپس نہیں جائے گا۔ عورت نے شاید یہ سوچ کر اسے کتے کے بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا کہ جہاں وہ مالک کو قتل کرے گا وہاں کتے کو بھی ہلاک کر دے گا..... لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ ڈک کسی کتے کو ہلاک کرنا تو درکنار اسے معمولی سا گزند پہنچانا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ کتے کے سامنے وہ اس کے مالک کو ہلاک بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کتا بھونکنا شروع کر دے گا۔

ادھر اس کے مالک نے کسمسانا شروع کر دیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے ہوش میں آ رہا تھا۔ اس احمق عورت کی ذرا سی بے وقوفی کی وجہ سے سب کچھ گڑبڑ ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے کتے پر ذرا بھی غصہ نہیں آ رہا تھا۔ اس کی حیثیت چھوٹے

سے اس معصوم بچے جیسی تھی جو والدین کی خلوت کے چند لمحوں میں اچانک کمرے میں آگیا تھا۔ ظاہر ہے والدین ایسے موقع پر ذرا بدمزگی تو محسوس کرتے تھے لیکن وہ بچے کو کوئی سزا تو نہیں دیتے تھے۔

اس دوران میں اس شخص کے ہوش میں آنے کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ ڈک نے نائیلون کا پھندا جیب میں واپس رکھ لیا۔ اسے اس شخص کی جیب میں برانڈی کی ایک چھوٹی سی بوتل بھی ملی تھی۔ اس نے اس بوتل سے کچھ برانڈی اس شخص کے حلق میں انڈیلی۔

جلد ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور کراہ کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا "میں..... میں کہاں ہوں؟ مجھے کیا ہوا تھا؟"

ڈک نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔ وہ شخص گویا ذہن پر زور دے کر خود ہی بولا "ہاں..... میرے سر پر کوئی ضرب لگی تھی..... اُف..... میرا سر کتنا دکھ رہا ہے....." اس کا ہاتھ بے اختیار سر پر چلا گیا پھر وہ اٹھ بیٹھا "شاید کسی نے مجھے لوٹنے کے لیے بے ہوش کیا تھا....."

اس نے ایک جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس کا بٹوا نکل آیا۔ بٹوا دیکھ کر وہ ذرا طمانیت سے بولا "اوہ..... میں لٹنے سے بچ گیا ہوں۔ بروس کہاں ہے؟" اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر کتے پر نظر پڑی تو اسے گویا کچھ اور اطمینان ہوا "اوہ..... یہ رہا بروس! خدا کا شکر ہے کہ اسے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

"اتنے پیارے کتے کو کوئی نقصان پہنچنا بھی نہیں چاہیے تھا....." ڈک ہموار لہجے میں بولا "اب تم کھڑے ہونے کی کوشش کرو۔ میں تمہیں سہارا دیتا ہوں۔ میری کار یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ہے۔"

"تمہارا بہت شکریہ..... تم بہت ہی نیک دل آدمی ہو....." وہ شخص انتہائی ممنونیت سے بولا "تم بہت ہی برموقع پہنچے اور تمہاری وجہ سے میں لٹنے سے..... اور کسی زیادہ شدید جسمانی نقصان سے بچ گیا۔"

ڈک کو اسے سہارا دیتے ہوئے گھن تو محسوس ہوئی لیکن مجبوراً وہ اس طرح اسے کار تک لایا۔ کتے کو اس نے زنجیر ڈال دی تھی۔ دونوں کو کار میں بٹھا کر وہ اس شخص کی رہنمائی میں اس کے مکان تک پہنچا جو کسی حویلی سے کم نہیں تھا۔ اس کی کھڑکیاں روشن تھیں۔

ڈک نے کتے اور اس کے مالک کو کار سے اتارا۔ مالک کو سہارا دے کر اس نے سیڑھیوں پر چڑھایا۔ کتا زنجیر سے بندھا پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ ڈک نے بیل بجائی تو دروازہ ایک باوردی ملازم نے کھولا۔ اس کے پیچھے ہال میں ایک نوجوان عورت نائٹ گاؤن میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں کچھ پھیلی ہوئی سی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں وحشت تھی۔

"ڈیڈی.....!" اس نے اوور کوٹ والے شخص کو بے اختیار پکارا۔ اس کی آواز میں بے تابی بھی تھی اور بدمزگی بھی۔ وحشت بھی تھی اور مایوسی بھی۔ ڈک نے یہ آواز پہچان لی۔ یہی آواز اس نے فون پر سنی تھی۔

اس شخص کو ہال میں پہنچا کر جب اس نے کہا "میں اب چلتا ہوں....." تو عورت نے بھی یقیناً اس کی آواز پہچان لی۔ ان کی نظریں ملیں۔ عورت کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ امیدوں کی شکستگی اور مایوسی نے اسے بدصورت سا بنا دیا تھا۔ حالانکہ وہ اچھی خاصی خوش شکل تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر باپ کو سہارا دیا اور تیزی سے بولی "ہوا کیا تھا؟"

"کسی نے مجھے لوٹنے کی کوشش کی تھی ڈیئر.....!" وہ شخص کمزور سی آواز میں بولا پھر اس نے ڈک کی طرف اشارہ کیا "لیکن یہ جرأت مند اور نیک دل شخص موقع پر آن پہنچا۔ اس کی وجہ سے لٹیرا بھاگ گیا۔ میں ابھی تک صحیح طور پر اس شریف آدمی کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکا....."

اس نے ڈک کی طرف ہاتھ بڑھایا "تم ابھی نہیں جا سکتے۔ کچھ دیر تم رکو۔ ابھی تو میں نے تمہارا نام تک نہیں پوچھا۔ تم میرے محسن ہو۔ اگر تم بروقت نہ پہنچتے تو شاید لٹیرا مجھے جان سے ہی مار ڈالتا۔ تم نے درحقیقت میری جان بچائی ہے۔"

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں....." ڈک نے اس کے کتے کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کتے کی موجودگی میں تم مر نہیں سکتے تھے۔"

"ارے..... چھوڑو..... اس کتے کی کیا بات کر رہے ہو....." کتے کا مالک تاسف اور ناگواری سے بولا "یہ تو محض ایک نمائشی سا کتا ہے۔ یہ تو مجھے لٹیرے کے حملے سے بھی نہیں بچا سکا۔"

ڈک نے جھک کر کتے کو تھپتھپایا اور بولا "شاید تم کبھی نہ جان سکو کہ آج یہ کتا تمہارے کتنا کام آیا ہے!"

پھر وہ اس شخص کے اصرار کے باوجود وہاں مزید نہیں رکا اور تیزی سے باہر آگیا۔ کار میں بیٹھ کر روانہ ہوتے وقت وہ خاصے افسوس کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ اپنے کتوں سمیت اپنے خوابوں کے مکان میں منتقل ہونے کے لیے اسے ابھی مزید نہ جانے کتنا انتظار اور کرنا ہوگا!

○*○

تعاقب

نجمہ مودی

وقت ایک بہتا دریا ہے، کبھی کوئی موج تیز اور کوئی نہایت آہستگی سے ابھرتی ہے۔ انسان کی زندگی بھی ان لہروں کی مانند ہے۔ کبھی اس کے جذبات و احساسات میں تندی آجاتی ہے۔ ایسے ہی چند کرداروں کے گرد گھومتی کہانی جو ایک دوسرے کی خواہشات، تمناؤں سے اچھی طرح آگاہ تھے.... مگر اس کے باوجود ایک دوسرے کی راہوں میں رکاوٹیں کھڑی کررہے تھے۔

نفرت کے دھکے الاؤ میں پروان چڑھنے والی محبت کی لازوال داستان

''ڈاکٹر شارق جلال حیدر آباد جیل سے فرار ہوگیا'' اخبار کے فرنٹ پیج پر یہ خبر پڑھتے ہی نازش فردوسی چونک گئی۔ اس نے خبر کی تفصیل پڑھنی شروع کردی۔ لکھا تھا'' گزشتہ رات چار بجے حیدر آباد جیل سے بدنام مجرم ڈاکٹر شارق فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ چالیس سالہ ڈاکٹر نے کہیں سے جیل کے الیکٹریشن کی وردی حاصل کرلی تھی جسے پہن کر وہ بجلی کے کنکشن چیک کرنے کے بہانے جیل کی چھت پر چڑھا اور پھر دیواروں پر چلتا ہوا آگے پہنچا جہاں سے اس نے پندرہ فٹ کی بلندی سے نیچے چھلانگ لگادی۔ شاید اس نے جسم پر موٹے کپڑے کی وردی کے نیچے کپڑے ٹھونسے ہوئے تھے اس لیے اس کے زیادہ چوٹ نہیں لگی۔

''چونکہ وہ صبح کے چار بجے فرار ہوا تھا اس لیے لوگوں کی نظروں میں نہیں آسکا۔ ویسے بھی جیل سے باہر کے لوگ اسے الیکٹریشن سمجھے تھے اور اسے جیل کے گارڈز کی سستی اور بے پروائی سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔ مجرم ڈاکٹر شارق جلال تین سال سے جیل میں تھا۔ عدالت نے اسے نہایت سنگ دل اور بے رحم مجرم قرار دیتے ہوئے اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی تھی۔

''ڈاکٹر شارق جلال ایک ماہر فزیشن اور سرجن تھا لیکن اس نے اپنے شوق کے تحت خاص طور پر تنویمی عمل کے ذریعے مریض کو سلانے کے شعبے میں مہارت حاصل کی تھی... چونکہ وہ منفی مقاصد کی طرف چلا گیا تھا اس لیے پی ایم اے نے اسے پہلے ہی بلیک لسٹ کردیا تھا۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے دو عورتوں کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا ہے اور درجنوں عورتوں کو بلیک میل کیا ہے۔ عدالت نے تمام الزامات ثابت ہونے پر ڈاکٹر شارق جلال کو بیس سال قید بامشقت کی سزا دی تھی مگر وہ تین سال کے اندر اندر ہی بھاگ نکلا۔''

نازش فردوسی نے پوری خبر پڑھنے کے بعد ایک گہرا سانس لیا اور کسی سوچ میں گم ہوگئی۔ وہ ڈاکٹر شارق جلال کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کی زندگی نازش کے سامنے کھلی کتاب کے مانند تھی۔ جتنا وہ ڈاکٹر شارق کو جانتی تھی اتنا خود ڈاکٹر بھی اپنے آپ کو نہیں جانتا تھا۔

نازش فردوسی اور ڈاکٹر شارق جلال دونوں ہی کسی زمانے میں گہرے دوست اور آئیڈیل پارٹنر تھے۔ دونوں کے اندر گویا شیطان حلول کرگیا تھا۔ ڈاکٹر شارق نے جو بھی جرم کیا' نازش نہ صرف اس کی گواہ بلکہ اس کی شریک بھی رہی تھی مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ اب شارق بری طرح پھنس گیا ہے۔ بیس سال تک جیل سے باہر نہیں آسکتا تو اس نے شارق سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ ویسے بھی ڈاکٹر شارق نے پورے مقدمے کے دوران ایک مرتبہ بھی عدالت کے سامنے یہ ذکر نہیں کیا کہ اس کے جرم میں نازش بھی شریک رہی ہے۔ یہ اس نے اچھا کیا تھا یا برا' یہ وقت سوچنے کا نہیں بلکہ فوری طور پر کوئی حکمتِ عملی تیار کرنے کا تھا۔ خبر میں لکھا تھا کہ پولیس بڑی تندہی سے مفرور قیدی کو تلاش کررہی ہے۔

نازش نے اچانک اس اخبار کو مروڑ دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں شارق اسے تلاش نہ کرلے۔ اگر وہ یہاں تک آن پہنچا تو کیا ہوگا؟ یہ سوچتے ہی اس نے لرزتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس وقت وہ بلال فردوسی کی بیوی نازش فردوسی کی حیثیت سے اس شاندار اور قدیم حویلی میں عزت سے رہ رہی تھی۔ بلال' فردوسی خاندان کا وارث تھا۔ اس حویلی کے علاوہ

وہ خاصی بڑی جاگیر کا بھی مالک تھا۔ بلال فردوسی کے بزرگوں کو یہ جاگیر انگریزوں نے قیام پاکستان سے پہلے دی تھی جو کوئی ایک مربع میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں باغات' زرعی فارم اور پولٹری فارم تھا۔ اسی جاگیر پر فردوسی ہاؤس تعمیر کیا گیا تھا۔

یہ جاگیر کراچی اور حیدر آباد کے درمیان گڈاپ کے علاقے میں واقع تھی۔ سرخ اینٹوں والی اس حویلی کو دیکھ کر پرانا دور یاد آتا تھا۔ حویلی کے ہال میں بلال فردوسی کے دادا کا قدِ آدم پورٹریٹ لگا ہوا تھا۔ ان کے بعد اس کے تایا اور اس کے والد ذیشان فردوسی کے پورٹریٹ تھے۔ حویلی کیا تھی' یادوں کا ایک ایسا دریچہ تھی جس میں سے ماضی نظر آتا تھا تو دورِ جدید بھی دکھائی دیتا تھا۔

سوچتے سوچتے نازش چونک اٹھی۔ اس نے مڑے تڑے اخبار کو مزید موڑا مگر نہ تو وہ اس خبر کو چھپا سکی اور نہ ڈاکٹر شارق جلال کی تصویر کو..... وہ تصویر خبر کے ساتھ چھپی تھی۔ تصویر میں ڈاکٹر شارق یہ کہتا محسوس ہو رہا تھا ''تم چاہے سات پردوں میں چھپ جاؤ مگر مجھ سے نہیں چھپ سکو گی۔ میں آ رہا ہوں۔''

اچانک اسے اپنے شوہر بلال فردوسی کی آواز سنائی دی تو اس نے جلدی سے اس اخبار کو صوفے کے کشن کے پیچھے چھپا دیا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ نو بج چکے تھے۔

''ارے..... بلال! تم کب اٹھے؟'' نازش نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''مجھے پتا بھی نہیں چلا.....''

''ہاں..... دراصل میں ڈاکٹر زین سے بات کر رہا تھا۔'' بلال فردوسی نے کہا ''اس سے مشورہ کر رہا تھا کہ وہ ہماری مدد کرے۔''

''کیسی مدد؟'' نازش نے حیرت سے سوال کیا۔

''تم تو جانتی ہو کہ میری سب سے بڑی آرزو کیا ہے۔'' بلال نے کہا ''ہماری شادی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر میں ابھی تک اس خوشخبری سے محروم ہوں جس کا ہر باپ کو انتظار ہوتا ہے۔''

یہ سنتے ہی نازش فردوسی کے تیور بدل گئے۔ اس نے غصے کے عالم میں اپنے شوہر سے کہا ''تم مردوں کو صرف اور صرف اپنی خواہش پوری کرنے سے مطلب ہوتا ہے۔ پہلے تمہیں عورت کی ضرورت ہوتی ہے پھر تم اس پر جبر کرتے ہو کہ وہ تمہارے لیے بچے پیدا کرے۔ چاہے اس چکر میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' بلال فردوسی نے قدرے سخت لہجے میں کہا ''کیا دنیا کی وہ تمام عورتیں مر گئی ہیں جن کے ہاں ایک ایک' دو دو نہیں' دس دس بچے پیدا ہوئے ہیں؟''

تھوڑی دیر رک کر اس نے کہا ''اور مجھے تو اس حویلی اور جاگیر کے لیے ایک وارث کی زیادہ ضرورت تھی۔ اسی لیے میں نے تم سے شادی کی تھی ورنہ میری زندگی اچھی بھلی پُرسکون گزر رہی تھی۔ میں تم سے یہ کب کہہ رہا ہوں کہ مجھے دو چار بچے چاہئیں؟ مجھے صرف ایک بیٹے کی ضرورت ہے جو اس جاگیر اور تمام دولت و جائداد کا وارث ہو اور اسی کے ذریعے میری نسل آگے چلے۔''

''مگر تمہاری خواہش کے لیے میں اپنی زندگی اور اپنے حسن کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔'' نازش نے حتمی انداز سے کہا ''کبھی نہیں..... میں تمہیں وارث نہیں دے سکتی۔ اس خواہش کو اپنے دماغ سے نکال دو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پیٹھ موڑ لی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کا راز فاش نہ ہو جائے کہ وہ ماضی میں ایک خطرناک مجرم کی پارٹنر رہی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو اس سے یہ شاندار حویلی چھن جائے گی اور یہ ٹھاٹ باٹ ختم ہو جائیں گے۔

بلال فردوسی اپنی بیوی کے ماضی سے بالکل ناواقف تھا۔ اس نے ایک تقریب میں نازش کو دیکھا تو وہ اسے اچھی لگی۔ جب یہ پتا چلا کہ اس کے ماں باپ' بہن بھائی کوئی بھی نہیں..... تو بلال فردوسی نے اسے فوراً شادی کی پیشکش کر ڈالی جسے نازش نے قبول کر لیا اور اس طرح وہ نازش فردوسی بن کر اس حویلی میں آ گئی۔

''دیکھو نازش! بہت ہو گیا..... میں اب مزید برداشت نہیں کروں گا۔'' بلال نے کہا ''تم نہ میری بات مانتی ہو اور نہ ڈاکٹر زین سے چیک اپ کرانے کو تیار ہوتی ہو۔ آخر کیوں؟ بات کیا ہے؟''

''مگر میں.....'' نازش نے کچھ کہنا چاہا تو بلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

''جب میں نے تم سے شادی کی تھی تو تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ مجھے بچوں کی ضرورت تھی بلکہ اب تو میں صرف ایک بچے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ کیا تم مجھے بے وارث رکھنا چاہتی ہو؟''

''بلال!'' نازش نے مسکراتے ہوئے کہا ''تم اس فردوسی خاندان کے واحد وارث نہیں ہو۔ ابھی تمہاری تایازاد بہن ایمن خاتون بھی تو موجود ہیں۔ ایمن فردوسی بھی اس

جاگیر اور حویلی میں اتنی ہی حصے دار ہیں جتنے تم ہو۔''

''مگر ایمن آپا نے صاف کہہ دیا ہے کہ انہیں نہ اس حویلی سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ وہ فردوسی خاندان کی جاگیر میں کوئی دلچسپی رکھتی ہیں۔ وہ فردوسی ہوتے ہوئے بھی اپنے نام کے ساتھ فردوسی نہیں لگاتیں۔ خود کو ایمن خاتون کہلواتی ہیں۔'' بلال فردوسی نے کہا۔

''وہ اپنی این جی او کی دنیا میں مگن ہیں۔ انہوں نے بے سہارا خواتین کے لیے ''ہمارا گھر'' بنایا ہے اور خود کو اس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ وہ اچھی زندگی گزار رہی ہیں۔ انہیں کوئی مالی مسئلہ بھی درپیش نہیں ہے۔''

''سنو بلال! تمہاری بچے والی خواہش میرے لیے روگ بن کر رہ گئی ہے۔'' نازش نے غصے سے کہا۔ ''مجھے تمہاری اس جاگیر کی کوئی پروا نہیں ہے اور نہ میں تمہارے لیے وارث پیدا کروں گی۔ جہنم میں جائے تمہارا وارث..... اور یہ سب!''

''فردوسی خاندان نہ صرف سلامت رہے گا بلکہ اس کا سلسلہ آگے بھی بڑھے گا۔'' بلال نے زیادہ غصے میں آئے بغیر کہا ''اسے اس کا وارث ضرور ملے گا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے لیے بچہ پیدا کرنے میں تمہاری زندگی کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں تم سے کبھی اس خواہش کا اظہار نہ کرتا۔ تم بالکل ٹھیک ٹھاک اور تندرست ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ تمہیں بچوں سے نفرت ہے۔ میں نے زندگی میں پہلی عورت دیکھی ہے جسے ماں بننے کی آرزو نہیں ہے۔''

''ہاں..... مجھے ماں بننے کی کوئی آرزو نہیں ہے۔'' نازش فردوسی نے کہا ''میں کبھی ماں نہیں بنوں گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔''

''میری بات مان لو۔'' بلال نے نرمی سے کہا ''ڈاکٹر زین کو دکھا دو وہ بے اولاد جوڑوں کے معاملات کا ماہر ہے۔ ان معاملات میں اس وقت اس سے بہتر ڈاکٹر شہر میں کوئی

نہیں۔ میں اس سے اپنا مکمل چیک اپ کرا چکا ہوں اور ضروری ٹیسٹ بھی کرا چکا ہوں۔ اب تم بھی کرا لو۔''

''کیا؟ میں اس بے وقوف اور گھامڑ..... مرد ڈاکٹر سے چیک اپ کراؤں گی؟'' نازش نے اچھلتے ہوئے کہا ''نہ میں اسے دکھاؤں گی اور نہ کسی دوسرے ڈاکٹر کو۔ مجھے بچہ نہیں چاہیے۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔''

بلال فردوسی نے بے بسی کے عالم میں اپنی بیوی نازش کی طرف دیکھا اور بولا ''ضرور تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔''

یہ سنتے ہی نازش بوکھلا گئی مگر اس نے خود کو جلد ہی سنبھال لیا۔ بلال بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بلال! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' نازش نے بڑی لگاوٹ سے سوال کیا ''مجھے تم کچھ تھکے تھکے اور پریشان سے لگ رہے ہو!''

''میری تھکن اور پریشانی سے تمہیں کیا مطلب؟'' بلال نے بیزاری سے جواب دیا پھر وہ مڑ کر واپس چل دیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی ویرانی تھی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ سخت اذیت میں مبتلا ہے۔ جاتے جاتے اس نے رک کر نازش سے کہا ''بہر حال تم مجھ سے کچھ چھپا ضرور رہی ہو۔ تم مجھے دھوکا دے رہی ہو۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر مجھے اچانک کچھ ہو گیا تو تم خالی ہاتھ نہیں رہو گی۔ میں نے وصیت نامہ لکھ دیا ہے جس کی رو سے تمہیں میری اچانک وفات کے بعد ایک کروڑ روپے مل جائیں گے۔'' یہ کہہ کر بلال فردوسی مرے مرے قدموں سے باہر نکل گیا۔

نازش تھوڑی دیر خاموش کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں میں نامعلوم سا خوف تھا پھر وہ بڑبڑائی ''اگر بلال کو کچھ ہو گیا تو مجھے ایک کروڑ روپے اس جاگیر سے مل جائیں گے۔ بلال نے یہ کیوں کہا؟ کیا وہ کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہے؟ کہیں اس کے دل کا درد بڑھ تو نہیں رہا؟''

بلال فردوسی کافی عرصے سے دل کی تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس کے سینے میں اس قدر شدید درد اٹھتا تھا کہ وہ تڑپ جاتا تھا۔ اس کے دوست ڈاکٹر زین نے اس کا ہر طرح سے چیک اپ کیا۔ اس کا علاج کیا۔ اسے بدل بدل کر دوائیں دیں اور کارڈیالوجسٹ کے پاس بھی بھیجا مگر بلال فردوسی کے درد میں کمی نہیں ہوئی۔ یہ درد کبھی کبھار ہی ہوتا تھا مگر جب بھی ہوتا تو بلال کو تڑپا دیتا۔

بلال کے باہر جانے کے بعد نازش نے صوفے کے پیچھے چھپایا ہوا اخبار نکالا جس میں ڈاکٹر شارق جلال کے فرار کی خبر بھی تھی اور اس کی تصویر بھی۔ نازش نے ایک بار پھر تفصیلی خبر پڑھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر شارق کے جسم میں شیطان کی روح گھسی ہوئی ہے۔ نازش کو یقین تھا کہ وہ چاہے جتنا چھپنے کی کوشش کرے مگر شارق اسے تلاش کر کے ہی رہے گا۔

وہ اپنے آپ کو ہمیشہ اس کے سامنے بے بس پاتی تھی۔ کمبخت کی آنکھوں میں نہ جانے کیسا سحر تھا کہ وہ اس کے آگے ہار جاتی تھی اور بندۂ بے دام کی طرح اس کے اشاروں پر ناچنے لگتی تھی۔ جرائم کے سبھی کارناموں میں وہ ڈاکٹر کے ساتھ ہمیشہ شامل رہی تھی اور ان میں اسے ایک انجانا سا سرور بھی ملا تھا۔ جرم کی اس لذت کو وہ آج تک نہیں بھلا سکی تھی۔ اس نے ساڑھے تین سال پہلے ڈاکٹر شارق جلال سے شادی بھی کر لی تھی مگر جب اسے معلوم ہوا کہ وہ امید سے ہے تو اس نے شور مچا دیا۔ اس نے ڈاکٹر سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ماں نہیں بنے گی۔ وہ بھی اس معاملے میں نازش کا ہمنوا تھا لہٰذا اس نعمت سے نجات حاصل کر لی گئی جو ان دونوں کو بوجھ محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے بعد نہ جانے ڈاکٹر کو کیا سوجھی کہ اس نے کھڑے کھڑے نازش کو طلاق دے دی مگر ساتھ ہی یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ وہ دونوں پہلے کی طرح جرم کی تمام وارداتوں میں ایک دوسرے کے پارٹنر رہیں گے۔ نازش کی عقل پر بھی پردہ پڑ چکا تھا۔ وہ اس کی بیوی نہیں رہی تھی پھر بھی بیوی کی طرح اس کے ساتھ رہتی تھی۔ ڈاکٹر شارق نے اس طلاق کی یہ وجہ بتائی تھی کہ وہ نہ شادی کے جھنجھٹ میں پڑنا چاہتا تھا اور نہ بچے کے۔ ان چیزوں نے ان دونوں کی کارکردگی کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ اسے شادی کے بعد اندازہ ہوا تھا کہ وہ درحقیقت ایک غلطی کر بیٹھا تھا اور اپنی دانست میں اس نے اس غلطی سے نجات حاصل کر لی تھی۔

بہت بعد میں اس نے نازش کو بتایا تھا کہ پہلے ان چاہے بچے سے چھٹکارا حاصل کرنے کے دوران کچھ ایسی پیچیدگی پیدا ہو گئی تھی کہ اب وہ زندگی بھر کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔ یہ خبر نازش نے خوشی سے سنی تھی۔ اسے ذرا بھی دکھ نہیں ہوا تھا۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ عورت کی تکمیل ہی ماں بننے کے بعد ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں پر تو خود ساختہ فلسفوں کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ طلاق کے بعد بھی وہ بے غیرتی سے نہ صرف شارق کے ساتھ رہتی رہی بلکہ اس کے کام میں بھی اس کا ہاتھ بٹاتی رہی۔

وہ جانتی تھی کہ اب وہ زندگی بھر کبھی ماں نہیں بن سکتی مگر یہ بات وہ بلال فردوسی کو کیسے بتاتی؟ وہ تو بچے کی خواہش میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔ یکا یک اس نے اخبار کے پرزے پرزے

کر دیے اور اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔

رات کو کافی دیر تک وہ بستر پر لیٹی اندھیرے میں گھورتی رہی۔ اس کی سوچوں کا مرکز ڈاکٹر شارق جلال ہی تھا۔ وہ جانتی تھی کہ مفرور ڈاکٹر کبھی بھی اس تک پہنچ سکتا تھا۔ جب نیند نہیں آئی تو وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس کے ذہن میں یہ سوال بھی گردش کر رہا تھا کہ آخر بلال کو ایسا کیا مرض لگ گیا ہے جو وہ بار بار کہہ رہا ہے ''اگر مجھے کچھ ہو گیا تو.....!''

صبح وہ اپنے کمرے سے نکلی اور سیڑھیاں اتر کر بلال فردوسی کے اس کمرے کے سامنے پہنچی جسے اس نے اپنا دفتر بنا رکھا تھا۔ وہ اس کمرے میں کبھی نہیں آتی تھی۔ ویسے بھی اسے زراعت اور باغبانی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کمرے میں بلال نہیں تھا۔ نازش نے اس کی میز پر نظر ڈالی پھر وہ اس کی درازیں چیک کرنے لگی۔ وہ بلال کی بیماری کے بارے میں کچھ جاننا چاہ رہی تھی مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ کوئی ڈائری ور نہ کوئی نجی تحریر..... صرف کاروباری دستاویزات تھیں یا حساب کتاب کے رجسٹر رکھے تھے۔ ویسے بلال فردوسی کے پاس کمپیوٹر بھی تھا جو کمرے کے کونے میں رکھا تھا۔ اس کی نظر ایک فائل پر پڑی جس میں بہت سے کاغذات تھے۔

نازش نے بے خیالی میں وہ فائل اٹھائی تو اس میں سے ایک لفافہ نکل کر باہر گر پڑا۔ نازش نے لفافے پر نظر ڈالی اور اسے کھول کر پڑھنے لگی۔ لکھا تھا ''بلال فردوسی صاحب! پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی آج کل کراچی میں ہیں اور ہفتے میں دو دن مریضوں کو دیکھ رہے ہیں۔ میں نے ان سے آپ کے بارے میں بات کی تھی انہوں نے 18 تاریخ کو صبح گیارہ بجے آپ کو اپنے کلینک پر بلایا ہے۔ اگلے ماہ وہ امریکا چلے جائیں گے اور دو ماہ بعد واپس آئیں گے۔ لہٰذا پہلی فرصت میں ان سے مل لیں۔'' خط کے آخر میں ڈاکٹر زین کا نام لکھا ہوا تھا۔

نازش فردوسی جانتی تھی کہ پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی دل کے امراض کا بین الاقوامی ماہر ہے اور اکثر بیرونِ ملک عالمی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کرتا ہے۔ ڈاکٹر زین نے بلال کو مشورہ دیا تھا کہ وہ فوری طور پر ڈاکٹر اویس عثمانی سے مل لے۔ نازش نے ٹیلی فون اٹھایا اور ڈاکٹر زین کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر اس نے ڈاکٹر زین سے کہا ''بلال کس مرض میں مبتلا ہے؟ آپ نے اسے ڈاکٹر عثمانی سے ملنے کے لیے کیوں کہا ہے؟''

پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دراز قد اور نوجوان جاگیردار بلال فردوسی کو دیکھا پھر اس نے بلال کی فائل کھولی اور اس کی رپورٹیں چیک کرنے لگا۔ ساتھ ہی وہ الٹرا ساؤنڈ اور ایکسرے وغیرہ بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ لگ بھگ ایک گھنٹے تک اس نے بلال سے گفتگو کی۔ اس سے سوالات کیے۔ اس کی کیس ہسٹری کا بغور مطالعہ کیا اور آخر میں سرد آہ بھرتے ہوئے بولا ''میں نے تمام رپورٹس دیکھ لیں۔ تمہارا چیک اپ بھی کر لیا۔ تین ماہ پہلے تک تم بالکل ٹھیک تھے اور بالکل صحت مند زندگی گزار رہے تھے مگر اب.....'' اس نے ایک لمحے کے لیے خاموش ہو کر ایک اور ٹھنڈی سانس لی پھر بولا ''میرا اصول ہے کہ میں مریض سے کچھ نہیں چھپاتا۔ اسے سچ بتا دیتا ہوں تاکہ وہ خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کر لے۔''

بلال فردوسی نے دھڑکتے دل سے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے پاکستان کے نامور ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی زبان سے سچ سننے کے لیے بے تاب تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ تمہاری زندگی کے تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔'' آخر پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی نے وہ بات کہہ دی جس کا بلال کو گمان بھی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب! میرے پاس کتنا وقت ہے؟''

''بہ مشکل ایک سال۔'' پروفیسر عثمانی نے اسے ہمدردی سے دیکھتے ہوئے جواب دیا ''اگر تم قوتِ ارادی سے کام لو تو یہ عرصہ تھوڑا بہت بڑھ جائے گا مگر میں تمہیں ایک مشورہ دینا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ تم دو تین اسپیشلسٹ ڈاکٹروں سے اور مشورہ کر لو۔ شاید.....''

''نہیں ڈاکٹر صاحب! میں بار بار اپنی موت کا اعلان سننا پسند نہیں کروں گا۔'' بلال فردوسی نے عثمانی کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ کوئی میری زندگی کا سال بتائے گا کوئی ڈیڑھ سال اور کوئی دو سال مگر اس سے کیا فرق پڑے گا؟ مجھے بہر حال جانا تو ہے۔''

''فردوسی! میں نے ان تمام رپورٹس ایکسریز الٹرا ساؤنڈز وغیرہ کو دیکھنے..... تم سے سوال و جواب کرنے اور تمہارے فیملی ڈاکٹر زین کی رپورٹ پڑھنے کے بعد ہی یہ نتیجہ نکالا ہے۔''

''ڈاکٹر صاحب! آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔'' بلال فردوسی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

جب وہ کمرے سے نکلا تو اس کی آنکھوں کے سامنے نازش کا چہرہ تھا جس نے اسے اس کی جاگیر اور جائداد کا وارث دینے سے انکار کر دیا تھا مگر اب تو اسے وارث کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت تھی۔

اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے بلال کو یاد آیا کہ کل ہی اسے ایمن آپا کا خط ملا تھا۔ انہوں نے فون بھی کیا تھا مگر اس سے ان کی بات نہیں ہو سکی تھی۔ وہ کراچی آیا تھا تو اس نے سوچا کہ ان سے بھی ملتا چلے۔ ایمن آپا ''ہمارا گھر'' چلا رہی تھیں۔ یہ گھر ملیر میں واقع تھا۔ وہیں ان کی این جی او کا دفتر بھی تھا۔ ایمن آپا نے اپنی زندگی ''ہمارا گھر'' کے لیے وقف کر دی تھی جو بے سہارا عورتوں اور یتیم بچوں کی سرپرستی کر رہا تھا۔ انہیں دکھی انسانیت کی خدمت میں جو راحت ملتی تھی، اس نے باقی تمام چیزوں کو بھلا دیا تھا۔

حالانکہ وہ فردوسی خاندان کی جاگیر، حویلی اور دوسرے کاروبار میں حصے دار تھیں مگر انہوں نے نہ کبھی اس میں دلچسپی لی تھی اور نہ کوئی ایسی خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنے خاندان سے کچھ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ بلال فردوسی ان کا چھوٹا بھائی تھا اور ان کے چچا ذیشان فردوسی کا بیٹا تھا۔ وہ ایمن آپا سے بڑی محبت کرتا تھا۔ ان کی عزت کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آپا ان کے ساتھ چل کر حویلی میں رہیں مگر وہ کبھی ''ہمارا گھر'' چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتی تھیں۔

بلال فردوسی، ایمن آپا سے دس بارہ سال چھوٹا تھا اور ان کا سگی بڑی بہن کی طرح احترام کرتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ اصرار کر کے ''ہمارا گھر'' کے لیے ایمن آپا کو گرانقدر عطیات دیے تھے اور ہر ماہ ایک مخصوص رقم پابندی سے دیا کرتا تھا۔ ایمن آپا اس کے عطیات تو قبول کر لیتی تھیں کیونکہ ان کی این جی او کے دروازے ہر مخیر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے مگر وہ فردوسی فیملی کی حویلی جاگیر یا کاروبار سے اپنی ذات کے لیے کچھ لینے کو تیار نہیں تھیں۔

وہ بلال کو زیادہ فون بھی نہیں کرتی تھیں۔ بلال خود ہی انہیں فون کر لیا کرتا تھا۔ حال ہی میں بلال کو ان کا خط ملا تھا جس میں ایمن آپا نے لکھا تھا کہ وہ پہلی فرصت میں ان سے مل لے، انہیں اس سے کوئی اہم اور ضروری بات کرنی ہے۔ اسی لیے جب وہ پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی کے پاس چیک اپ اور مشورے کے لیے آیا تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایمن آپا کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی ڈاکٹر عثمانی نے اسے جو کچھ بتایا تھا، اس نے بلال کو دل شکستہ کر دیا تھا۔ اس وقت اسے کسی سہارے، کسی ہمدرد کی ضرورت تھی جو اس کو سنبھال سکے..... اور ایمن آپا سے بڑا ہمدرد کون ہو سکتا تھا؟ اسی لیے وہ ان کی طرف جا رہا تھا۔

ملیر میں واقع ''ہمارا گھر'' کی طرف جاتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم تھا۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ نازش اسے وارث دینے کو تیار نہیں ہے جبکہ اس کی زندگی صرف ایک سال کی رہ گئی ہے۔ اس کے بعد تو فردوسی خاندان کی تمام نشانیاں بکھر جائیں گی۔ اس کے بزرگوں کی بنائی ہوئی جائداد، عزت، ساکھ، حویلی، زمین اور دوسرے کاروبار تباہ ہو جائیں گے یا لوگ ان پر قبضہ کر لیں گے یا پھر حکومت انہیں اپنی تحویل میں لے لے گی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اس ضمن میں ایمن آپا سے بات کرے گا اور ان سے کہے گا کہ اس کے بعد وہ فردوسی خاندان کی املاک کو اپنی این جی او میں ضم کر لیں تاکہ وہ یہ سب دکھی انسانیت کی خدمت میں کام آئے اور نیک مقصد کے لیے استعمال ہو۔ وہ اس مقصد کے لیے وصیت لکھنے کو بھی تیار تھا۔

ملیر میں ''ہمارا گھر'' کافی وسیع رقبے پر بنایا گیا تھا۔ اس میں بے سہارا عورتوں اور بچوں کے قیام کے لیے ہر سہولت فراہم کی گئی تھی۔ بلال نے اپنی کار گیٹ کے سامنے روکی تو چوکیدار نے اسے پہچانتے ہی گیٹ کھول دیا اور مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا۔ بلال اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اپنی گاڑی اندر لے گیا اور ایمن آپا کے دفتر کے سامنے روک دی۔

یہ گویا ایک الگ ہی دنیا تھی۔ وہاں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی..... گو کہ انہیں زندگی کی تمام سہولیات میسر تھیں مگر ان کے چہروں پر عجیب سی محرومی اور یاسیت تھی۔ ان بچوں نے گردنیں گھما کر بلال کی شاندار اور چمچماتی کار کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ انہی میں وہ معصوم اور پیاری سی لڑکی بھی تھی جسے بلال اکثر ایمن آپا کے دفتر میں دیکھا کرتا تھا۔ اس لڑکی کی عمر بہ مشکل اٹھارہ یا سترہ سال رہی ہوگی۔ جب بھی بلال وہاں جاتا تو وہ لڑکی اسے چھپ چھپ کر دیکھتی تھی۔ بلال نے یہ بات نوٹ کر لی تھی۔ لڑکی بہت خوب صورت مگر معصوم تھی۔

ایک آدھ بار بلال یکا یک اس کے سامنے پہنچ گیا تو لڑکی گویا ''رنگے ہاتھوں'' پکڑے جانے پر گھبرا گئی اور کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح بھاگ گئی۔ اس نے کئی بار سوچا کہ ایمن آپا سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھے کہ وہ کون ہے اور ''ہمارا گھر'' تک کیسے پہنچی۔ اس کے ماں باپ کون اور کہاں ہیں.....؟ مگر اس کی ہمت نہیں پڑی۔ وہ یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ کہیں ایمن آپا یہ نہ سمجھیں کہ وہ ان کے ادارے کی لڑکیوں پر نظر رکھتا ہے۔

اس وقت جیسے ہی اس کی کار آپا کے دفتر کے سامنے رکی تو وہ لڑکی دوسری عورتوں کے درمیان شامل ہو کر اس کی طرف

دیکھنے لگی۔ بلال فردوسی محسوس کر رہا تھا کہ وہ بھی آہستہ آہستہ اس انجان لڑکی کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ اس وقت اس لڑکی نے سیاہ شال اوڑھ رکھی تھی جس میں اس کا سفید اور روشن چہرہ کسی چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ اس کے ریشمی بال بڑے بھلے لگ رہے تھے۔

بلال کو وہ لڑکی اس لیے بھی اچھی لگی تھی کہ اس کے پاس اس کے ایک عزیز دوست کی تحفتاً دی ہوئی ایک پینٹنگ موجود تھی۔ اس کا وہ دوست آرٹسٹ تھا اور ملک سے باہر چلا گیا تھا جس کے بعد سے اس کا کچھ پتا نہیں تھا۔ یوں وہ پینٹنگ بلال کے پاس گویا اس کی نشانی کے طور پر رہ گئی تھی۔ اس پینٹنگ میں ایک لڑکی کا چہرہ دکھایا گیا تھا جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس پٹی سے ایک گنجے سے شخص کی شبیہ ابھرتے دکھائی گئی تھی جو اپنے کندھے پر ایک گن اٹھائے ہوئے تھا۔ اس پینٹنگ میں جو لڑکی دکھائی گئی تھی وہ بلال کو بہت پسند تھی..... اور ''اپنا گھر'' میں جو لڑکی اسے نظر آتی تھی، وہ پینٹنگ والی لڑکی سے بہت ملتی تھی۔ اس مشابہت کی بنا پر بلال اس سے ایک بے عنوان سی اپنائیت کا رشتہ محسوس کرتا تھا۔

''یقیناً یہ لڑکی کسی اچھے گھرانے کی ہے۔'' بلال نے سوچا ''مگر یہ اس ادارے میں کیا کر رہی ہے؟ ''ہمارا گھر'' تو صرف بے گھر اور بے سہارا عورتوں اور بچوں کے لیے بنایا گیا ہے مگر یہ لڑکی.....!''

دوسری طرف اس لڑکی کی بھی عجیب کیفیت تھی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ یہ شخص بہت اچھا لگتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس سے باتیں کرے، اس کے ساتھ اس کی شاندار کار میں بیٹھ کر سیر کرنے جائے اور..... جب بھی وہ اسے دیکھتی اس کا دل بے قابو ہو جاتا حالانکہ ان دونوں کی عمروں میں دگنا فرق تھا مگر محبت نہ عمروں کا فرق دیکھتی ہے، نہ رنگ نسل اور زبان..... یہی حال اس لڑکی کا بھی تھا۔ ایمن خاتون کے دفتر میں اس نے اس اسمارٹ آدمی کو متعدد بار دیکھا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ ایمن خاتون سے..... جسے ''ہمارا گھر'' کا ہر فرد آپا کہتا تھا..... اس شخص کے بارے میں پوچھے کہ وہ ان کا کون ہے..... اور یہاں کیوں آتا ہے؟ مگر اس کی ہمت نہیں پڑی۔ شرم و حیا نے اسے کچھ کہنے نہیں دیا۔

بلال فردوسی اور وہ لڑکی تھوڑی دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر بلال دفتر کے اندر چلا گیا۔

☆☆☆

ایمن آپا نے بڑی خوش دلی سے بلال کا استقبال کیا۔ انہوں نے بڑے بوڑھیوں کے سے روایتی انداز میں بلال کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی خیریت دریافت کی اور شفقت سے بولیں ''تم بہت کمزور لگ رہے ہو۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا بلال؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' بلال نے تھکے تھکے لہجے میں کہا ''بس لمبا سفر کر کے آیا ہوں نا..... اس لیے آپ کو تھکا ہوا لگ رہا ہوں۔'' اس نے سوچ لیا تھا کہ فی الحال وہ کسی کو اپنے ''راز'' میں شریک نہیں کرے گا۔

''آپا! آپ کا خط ملا تھا۔ آپ نے مجھے بلایا تھا۔'' بلال نے کہا ''کیا بات ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟''

''ہاں۔'' یہ کہہ کر ایمن آپا کچھ دیر خاموش رہیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں اپنی بات شروع کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے ہیں پھر انہوں نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا ''بلال، میرا ایک کام کر دو گے؟''

''ہاں..... ہاں آپا! آپ کہیں تو سہی..... کیا بات ہے؟'' بلال نے ان کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے کہا ''آخر ایسی کون سی بات ہے جو اپنے چھوٹے بھائی سے کہتے ہوئے ہچکچا رہی ہیں؟''

''میرے پاس ایک لڑکی ہے۔'' آخر ایمن آپا نے کہا۔ ''تم اسے اپنے ساتھ حویلی لے جاؤ اور وہاں کسی چھوٹے موٹے کام پر لگا دو۔ ویسے تمہارا زرعی فارم بھی ہے اور پولٹری فارم بھی..... ان میں سے کسی میں بھی اس لڑکی کے لیے جگہ نکل آئے گی۔ ہے نا؟''

''آپا! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں!'' بلال نے محبت بھرے لہجے میں کہا ''آپ نے کہہ دیا..... اور سمجھ لیں آپ کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ وہ حویلی اور جاگیر آپ کی بھی تو ہے۔''

''اس لڑکی کا نام ماہ نور ہے۔'' ایمن آپا نے سنجیدگی سے کہا ''وہ واقعی روشن چاند ہے۔ میں تو چاہتی تھی کہ وہ یہیں رہے..... ''ہمارا گھر'' میں..... میرے ساتھ..... مگر میں اسے اب تمہارے ساتھ بھیجنا چاہتی ہوں۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ یہاں خوش نہیں ہے۔ تم اسے ساتھ لے جاؤ۔ چاہے گھر میں بطور ملازمہ رکھ لو یا فارم پر..... تمہاری مرضی ہے۔''

''مگر یہ لڑکی..... ماہ نور کون ہے آپا؟'' بلال نے سوال کیا ''آپ چاہیں تو بتا دیں ورنہ نہیں..... میں نے ایسے ہی پوچھ لیا۔''

''سولہ سال پہلے اس بچی کو کوئی ''ہمارا گھر'' کے دروازے پر چھوڑ گیا تھا۔'' ایمن آپا نے بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا ''اس وقت وہ صرف تین ماہ کی تھی۔ اس زمانے میں

میرا اس ادارے سے رسمی سا تعلق تھا۔ نہ جانے کون لوگ اس معصوم بچی کو اس طرح ادارے کے دروازے پر چھوڑ گئے تھے۔''

بلال نے کہا ''تو آپ کو اس کا نام..... ماہ نور کیسے پتا چلا؟''

''یہ بعد میں رکھا گیا تھا۔'' ایمن آپا نے جواب دیا ''جس رات یہ بچی اس ادارے کے گیٹ پر ملی وہ چودھویں کی رات تھی۔ پورے چاند کی تیز روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے شاید ان لوگوں نے اسے ماہ نور کہہ کر پکارا۔''

''میں اس لڑکی کو اپنے پولٹری فارم میں رکھ لوں گا۔'' بلال فردوسی نے کہا ''اس میں صرف مقامی عورتیں کام کرتی ہیں۔ وہاں کوئی مرد ملازم نہیں ہے۔ ماہ نور اس جگہ خوش رہے گی۔''

''ٹھیک ہے..... میں اسے بلواتی ہوں۔'' ایمن آپا نے کہا ''وہ آج ہی تمہارے ساتھ چلی جائے گی۔''

''کیا مطلب؟ فوراً.....؟ میرا مطلب ہے کہ آپ اسے پہلے سے بتا دیتیں..... وہ بے چاری مجھے جانتی تک نہیں ہے۔ میرے ساتھ کار میں اتنا طویل سفر کر کے کیسے جائے گی؟'' بلال فردوسی نے ہڑبڑا کر کہا۔

''بلال! تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔ کوئی اجنبی نہیں ہو۔'' ایمن آپا نے سخت لہجے میں کہا ''میں نے فیصلہ کر لیا ہے، وہ تمہارے ساتھ آج ہی جائے گی۔''

یہ دیکھ کر بلال کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا کہ ماہ نور وہی لڑکی تھی جس کی آنکھ میں اسے اپنے لیے ایک بے عنوان سے جذبے کی جھلک نظر آتی تھی۔

ماہ نور، ایمن آپا سے جدا ہونے کو تیار ہی نہیں تھی۔ اس نے آپا کا فیصلہ سنتے ہی رونا دھونا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں بلال کے لیے انسیت سی ضرور ہوتی تھی مگر شاید اس نے ''اپنا گھر'' چھوڑ کر اس کے ساتھ جانے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ ایمن آپا کی آنکھیں بھی بھر آئیں مگر انہوں نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ اسی شام کو چار بجے ماہ نور، بلال کے ساتھ اس کی کار میں ''فردوسی ہاؤس'' کے لیے روانہ ہو گئی۔

اس کے جانے کے بعد ایمن آپا اپنے دفتر میں واپس گئیں اور تھکے تھکے انداز سے اپنی سیٹ پر ڈھیر ہو گئیں۔ ان کی میز کی دراز میں ایک مڑا ہوا اخبار رکھا تھا۔ جس میں ڈاکٹر شارق جلال کی تصویر جھانک کر گویا ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے اخبار نکال کر میز پر پھیلا دیا اور اس خبر پر نظریں دوڑانے لگیں:

''مفرور قیدی ڈاکٹر شارق جلال کا ابھی تک پتا نہیں چلا..... پولیس سرگرمی سے اسے تلاش کر رہی ہے۔ اگر کوئی شخص اس تصویر والے مفرور ڈاکٹر کو دیکھے تو درج ذیل نمبر پر فون کر دے۔ پولیس کی مدد کرنے والے کو انعام بھی دیا جائے گا اور اس کا نام صیغۂ راز میں رکھا جائے گا۔''

ایمن آپا تھوڑی دیر تک اس اعلان اور ڈاکٹر شارق کی تصویر کی طرف دیکھتی رہیں پھر انہوں نے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا ''تم جیل سے..... فرار ہونے میں..... تو کامیاب..... ہو گئے..... مگر..... تم..... تم..... اسے کبھی نہیں ڈھونڈ سکو گے..... میں تمہیں اس تک کبھی نہیں پہنچنے دوں گی..... چاہے اس کی مجھے کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔''

☆☆☆

ادھر فردوسی ہاؤس میں نازش فردوسی بڑی اُداس اور پریشان بیٹھی تھی۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ بلال کا کوئی پتا نہیں تھا۔ وہ بار بار اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر سڑک کی طرف دیکھتی مگر وہاں کوئی کار نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو نازش اچانک اس آواز سے بری طرح اچھل پڑی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور ماؤتھ پیس میں ہیلو کہا۔

دوسری طرف سے کوئی بول رہا تھا مگر اس کی آواز کٹ کٹ کر آ رہی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ ہیلو کہا تو کافی شور کے درمیان آواز آئی ''بلال فردوسی ہیں؟''

''نہیں..... وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔'' نازش نے چیختے ہوئے کہا ''آپ کون ہیں؟''

''آپ کون بول رہی ہیں؟'' ادھر سے سوال کیا گیا۔

''میں نازش فردوسی ہوں..... بلال فردوسی کی بیوی۔'' نازش نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

''میرا نام پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی ہے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا ''دراصل.....''

''میرے شوہر آج آپ کی طرف چیک اپ کرانے گئے تھے۔ اب شام ہو چکی ہے مگر وہ ابھی تک واپس نہیں پہنچے ہیں۔'' نازش نے ڈاکٹر عثمانی سے الٹا سوال کر ڈالا ''وہ آپ کے پاس سے کہاں گئے تھے؟''

''بیگم بلال! آپ مجھے یہ بتائیے کہ میں ان سے کہاں رابطہ کروں؟'' عثمانی نے کہا۔ اس کی آواز میں پریشانی تھی۔

''مجھے ان سے فوراً بات کرنی ہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں۔'' نازش نے کہا ''آپ مجھے بتائیں کہ بات کیا ہے؟ سب خیریت تو ہے نا؟''

دوسری طرف خاموشی رہی تو نازش نے کہا ''میں بلال فردوسی کی بیوی ہوں۔ ان کی شریکِ حیات ہوں۔ مجھے پورا حق ہے کہ ان کے بارے میں آپ سے پوچھوں۔''

''میں جانتا ہوں۔'' پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی نے متذبذب لہجے میں کہا ''دراصل میں بلال فردوسی سے ہی بات کرنا چاہتا تھا۔ خیر..... بات یہ ہے کہ مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے۔ اب آپ آرام اور توجہ سے میری بات سنیں۔''

''میں سن رہی ہوں۔ آپ کہیے۔'' نازش فردوسی نے کہا۔

''آپ کے شوہر بلال فردوسی جو رپورٹس اور ایکسریز میرے پاس لائے تھے اس فائل میں غلطی سے کسی دوسرے مریض کی رپورٹیں اور ایکسرے آگئے تھے جو شدید بیمار ہے اور اس کی زندگی صرف ایک سال کی رہ گئی ہے۔ بلال کے جانے کے بعد ان کی اصل فائل مجھے ملی تو میں حیران رہ گیا۔ میں نے رپورٹس پر درج نام پر توجہ نہیں دی اور بلال کے سامنے غلط تشخیص کردی۔ میں اپنی اس غلطی پر سخت شرمندہ ہوں ان سے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی رپورٹس اور ایکسریز سب کلیئر ہیں اور وہ بالکل تندرست ہیں۔ وہ انشاء اللہ لمبی عمر پائیں گے۔''

پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی نے نازش کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ان کے لہجے میں شرمندگی بھی تھی اور پریشانی بھی۔

''آپ بلال فردوسی سے کہہ دیں کہ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں اور اس غلطی پر میں بے حد شرمندہ ہوں۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ ایک ایسے مرض میں مبتلا ہیں جس کے باعث وہ ایک سال کے اندر اندر دنیا سے چلے جائیں گے۔ میرے الفاظ نے انہیں کتنا صدمہ پہنچایا ہوگا اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہے۔ آپ دونوں مجھے معاف کردیں۔''

''اوہ..... مگر یہ تو بہت.....'' نازش نے کچھ کہنا چاہا تو ڈاکٹر عثمانی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میرا یہ پیغام ان تک فوری پہنچنا چاہیے۔''

''تو پھر بلال بیمار کیوں رہتے ہیں؟ ان کے سینے اور دل میں اکثر درد کیوں ہوتا ہے؟'' نازش نے سوال کیا ''اس سلسلے میں انہوں نے کئی بار ڈاکٹر زین سے مشورہ کیا تو اس نے آپ کی طرف جانے کا مشورہ دیا تھا۔''

''یہ نہ دل کا درد ہے اور نہ سینے کا۔'' ڈاکٹر عثمانی نے جواب دیا ''کبھی کبھار زیادہ کام کرنے اور تھکن کے باعث یہ درد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر انسان مایوس اور اداس ہو اور اس کی کوئی خواہش تشنہ ہو تب بھی اسے اس طرح کے درد کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔''

''نہ جانے اس وقت بلال کہاں ہیں؟'' نازش نے کہا ''آپ نے جب انہیں بتایا ہوگا کہ ان کی زندگی صرف ایک سال کی رہ گئی ہے تو وہ کتنے مایوس ہوئے ہوں گے۔''

''ہاں..... مجھے اس کا اندازہ ہے۔ اسی لیے تو میں شرمندہ ہوں اور بلال صاحب سے رابطہ کرنا چاہ رہا ہوں۔ اسی لیے میں نے فون بھی کیا ہے اور ان کے نام ایک ارجنٹ خط بھی لکھ رہا ہوں جو کل تک آپ کو مل جائے گا۔ خط میں میں پوری طرح وضاحت کر رہا ہوں۔''

''مگر اس خط کی کیا ضرورت ہے؟'' نازش بولی۔

''دراصل کل میں ایک بین الاقوامی طبی کانفرنس میں شرکت کے لیے نیویارک جا رہا ہوں۔'' ڈاکٹر عثمانی نے کہا ''یہ عالمی ادارہ صحت کے تحت ہو رہی ہے۔ میری شرکت اس میں بہت ضروری ہے کیونکہ کانفرنس کی صدارت میں ہی کروں گا ورنہ میں خود آج رات ہی آپ کی طرف آجاتا۔''

''ارے نہیں ڈاکٹر صاحب!'' نازش نے مسکراتے ہوئے کہا ''میں بلال کو پوری بات بتا دوں گی اور ان کی غلط فہمی بھی دور کردوں گی۔ آپ زحمت نہ کریں اور بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں بلال کی بیوی ہوں۔ میرے خیال میں یہ خوش خبری مجھے ہی انہیں دینی چاہیے پھر آپ کا خط بھی کل تک مل جائے گا۔ ٹھیک ہے نا؟''

''آپ کا بہت بہت شکریہ!'' ڈاکٹر عثمانی کی آواز آئی ''میں آپ کا ممنون ہوں گا۔ ویسے میں ڈاکٹر زین.....''

''ارے، آپ چھوڑیے اس بات کو۔'' نازش نے جلدی سے کہا ''ویسے بھی ڈاکٹر زین آج رات کو فردوسی ہاؤس آئیں گے۔ میں اور بلال انہیں خود ہی سب کچھ بتا دیں گے۔'' یہ کہہ کر نازش نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور بڑے بھرپور انداز میں مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی۔

کافی دیر وہ ایسے ہی صوفے پر بیٹھی رہی۔ اس دوران اس نے اخبار نکال کر ڈاکٹر شارق کی تصویر پر کئی بار نظر ڈالی اور عجیب انداز میں مسکرانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد فردوسی ہاؤس کے ڈرائیوے میں بلال فردوسی کی کار داخل ہونے کی آواز آئی تو نازش نے جلدی سے اٹھ کر ہال کی لائٹ جلائی پھر وہ کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگی۔ بلال کی کار رک چکی تھی مگر وہ ابھی تک ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس کے انداز میں تھکن تھی۔ اس کے برابر میں ایک کم عمر نوجوان لڑکی بیٹھی تھی جو

بلاشبہ بہت حسین تھی۔ وہ لڑکی کچھ پریشانی اور خوف کے سے عالم میں بلال کی طرف دیکھ رہی تھی۔

یکا یک بلال نے کندھے جھٹکے اور ماہ نور کی طرف گھوم کر کہا ''لو بھئی..... ہم اپنے گھر آ گئے۔ یہ ہے فردوسی ہاؤس!''

اسی دوران نازش آندھی طوفان کی طرح باہر آئی۔ وہ حیرت اور غصے کے عالم میں ماہ نور کو گھور رہی تھی۔

''کون ہے یہ لڑکی؟'' اس نے غصے سے سوال کیا ''کیا مجھ پر سوکن لے آئے ہو؟''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔'' بلال نے قدرے غصیلے مگر نقاہت بھرے لہجے میں کہا ''یہ ماہ نور ہے۔ ایمن آپا کے ادارے ''ہمارا گھر'' میں رہتی ہے۔ ایمن آپا نے اسے میرے ساتھ بھیجا ہے۔ اب یہ یہیں رہے گی اور گھر کے کام کاج کرے گی۔ ویسے یہ پولٹری فارم پر دوسری عورتوں کے ساتھ بھی کام کر سکتی ہے۔'' بلال کار سے اتر آیا۔

''مگر ایک فلاحی ادارے کی لڑکی کا یہاں کیا کام؟'' نازش نے ماہ نور کو گھورتے ہوئے بلال سے پوچھا تو وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

''میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ صبح سے نکلا ہوا تھا۔ تھک چکا ہوں۔ میرے خیال میں ماہ نور بھوکی بھی ہے۔''

''اسے لانے سے پہلے تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' نازش نے برہمی سے سوال کیا۔

''میں نے فون کیا تھا تمہیں..... مگر فون مسلسل انگیج تھا۔'' بلال نے سرسری لہجے میں کہا۔ یہ سن کر بھی نازش نے بلال کو نہیں بتایا کہ ڈاکٹر اویس عثمانی نے فون کیا تھا۔ وہ اس خبر..... بلکہ خوش خبری کو سرے سے ہی گول کر گئی۔

کھانا کھانے کے بعد نازش نے ماہ نور سے کہا ''اوپر چلی جاؤ۔ راہداری کے آخر میں ایک چھوٹا سا اسٹور ہے۔ اس میں ایک پلنگ بھی موجود ہے۔ وہاں اپنے سونے کا فی الحال بندوبست کر لو۔ کل سوچوں گی کہ تمہیں کہاں رکھنا ہے۔''

''بیگم صاحبہ! آپ کا بہت بہت شکریہ!'' ماہ نور بے حد حسین تو تھی ہی..... اس کی آواز بھی بہت خوب صورت تھی۔

''پتا نہیں ایمن آپا کو کیا ہوا کہ انہوں نے مجھے اچانک ہی صاحب کے ساتھ جانے کا حکم دے دیا۔ میں خود حیران تھی۔ میں نے رو رو کر ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔'' ماہ نور نے کہا۔ اس کے اندازِ گفتگو میں شائستگی تھی۔

''خیر..... اس مسئلے پر میں اپنے شوہر سے کل بات کروں گی۔'' نازش نے سرد لہجے میں کہا ''تم اسٹور میں جا کر آرام کرو۔''

ماہ نور اس کے لہجے سے گویا کچھ سہم گئی۔ وہ چپ چاپ اسٹور کی طرف چلی گئی۔ جب اس نے اسٹور کا دروازہ کھولا تو حیران رہ گئی۔ اس میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا اور ایک جھلنگا چارپائی پڑی تھی۔ ماہ نور نے سرد آہ بھری۔ کچھ دیر اپنی بدنصیبی پر آنسو بہائے اور اس کے بعد اس اسٹور کو رہنے کے قابل بنانے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

مفرور قیدی ڈاکٹر شارق جلال کو حیدرآباد جیل سے فرار ہوئے پورا ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ پولیس پوری تن دہی سے اسے تلاش کر رہی تھی مگر وہ نہیں مل رہا تھا۔ پولیس کی اس ناکامی پر اخبارات نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ پولیس کے محکمے پر تنقید ہو رہی تھی۔ پولیس افسران کو نااہل قرار دیا جا رہا تھا۔

کوئٹہ سے کراچی آنے والی ایک ٹرین ویران علاقے سے گزر رہی تھی۔ اس کے ایک ڈبے میں وہی مفرور قیدی سفر کر رہا تھا مگر وہ ایک فقیر کا روپ دھارے ہوئے تھا اور اس نے سر پر بڑی سی پگڑی باندھ رکھی تھی۔ ٹرین کے مسافروں نے... اسے غریب اور لاچار سمجھ کر کھانا بھی دے دیا تھا جسے ڈاکٹر شارق نے فوراً لے لیا تھا۔ جیل کا لباس ابھی تک اس کے جسم پر تھا مگر اسے چھپانے کے لیے اس نے ایک چادر اوڑھ لی تھی جو اس نے ایک جگہ سے چوری کی تھی ٹرین چلتی رہی، مسافر سوتے جاگتے رہے۔ رات کے تین بجے ٹرین آہستہ ہونے لگی تو ڈاکٹر شارق اپنی جگہ سے اٹھا۔

اس نے پہلے سے تاڑ لیا تھا کہ کس مسافر کا سامان اڑانا ہے۔ وہ مسافر نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ شارق نے اس کا سوٹ کیس اٹھایا اور چادر میں چھپا کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا جہاں تاریکی اور سناٹا تھا۔ ٹرین پوری طرح رکی بھی نہیں تھی کہ شارق نے ٹرین سے باہر پلیٹ فارم پر چھلانگ لگا دی۔ کسی نے اس پر توجہ نہیں دی۔ وہ اٹھا اور پلیٹ فارم سے اتر کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔ ٹرین ایک دو منٹ رکنے کے بعد چل پڑی۔ ٹرین سے اڑائے جانے والے سوٹ کیس میں سے ڈاکٹر شارق کو کچھ چیزیں ایسی ملی تھیں جنہوں نے اس کا دل خوش کر دیا۔ ایک تو اس میں سے شیو کا سامان موجود تھا جس میں چھوٹی سی قینچی بھی شامل تھی۔ صبح کے جھٹ پٹے میں شارق نے آئینہ سامنے رکھ کر پہلے تو اس قینچی کی مدد سے اپنی بڑھتی ہوئی داڑھی کی تراش خراش کی پھر شیو بنائی اور آخر کار کافی حد تک بدلا ہوا انسان نظر

آنے لگا۔ اس نے آئینے میں اپنے عکس پر نظر ڈالی اور مطمئن ہونے کے انداز میں سر ہلا دیا۔

اس سوٹ کیس میں سے شارق کو تھوڑی بہت رقم بھی مل گئی تھی جو اتنی زیادہ تو نہیں تھی مگر کام چلانے کے لیے مناسب تھی۔ اس سوٹ کیس سے شارق کو ایک مردانہ شلوار سوٹ بھی مل گیا جو اس کے جسم پر مناسب لگنے لگا۔

تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد وہ ایک شاہراہ پر آ گیا۔ دور سے اسے ایک ائر کنڈیشنڈ بس آتی نظر آئی۔ اس نے ہاتھ دیا تو بس رک گئی۔

''کہا جانا ہے؟'' دروازے سے کنڈیکٹر نے چیخ کر پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہو تم؟'' شارق نے کہا۔

''کراچی ..... جانا ہے تو جلدی آ جاؤ..... شاباش!'' کنڈیکٹر نے کہا تو شارق نے جلدی سے بس کے دروازے کا ہینڈل تھاما اور اس میں سوار ہو گیا۔ بس چل پڑی۔

''کرایہ دو۔'' کنڈیکٹر نے مطالبہ کیا۔ ڈاکٹر شارق نے ٹرین کے مسافر کے سوٹ کیس سے ملنے والی رقم میں سے کرایہ ادا کیا اور نشست پر بیٹھ کر آنکھیں موند لیں۔

صبح ساڑھے سات بجے وہ بس کراچی پہنچ گئی۔ سہراب گوٹھ کے بس اڈے پر شارق نے ایک چھپر ہوٹل سے چائے پی اور اس مسافر کو دعائیں دینے لگا جس کے سوٹ کیس سے ملنے والی رقم نے اسے نہ صرف کراچی پہنچا دیا تھا بلکہ اس کے پیٹ کی آگ بھی بجھا دی تھی۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد شارق نے بس اڈے پر پوچھا کہ وہاں سے گڈاپ کون سی بس جاتی ہے؟

''یہاں سے ڈائریکٹ تو کوئی بھی بس گڈاپ نہیں جاتی۔'' اسے بتایا گیا ''تم ایسا کرو کہ حیدرآباد جانے والی بس میں سوار ہو جاؤ اور سپر ہائی وے پر اتر جانا۔ وہاں بقائی میڈیکل کالج کے پاس سے اندر سڑک جا رہی ہے، کسی پرائیویٹ گاڑی، سوزوکی یا ٹرک سے گڈاپ جا سکتے ہو۔ ویسے ان میں صرف دو گاڑیاں اندر جاتی ہیں۔''

شارق سر ہلاتا ہوا حیدرآباد جانے والی بسوں کے اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

نازش فردوسی اپنے بیڈروم میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں آئینے میں نظر آنے والے اپنے عکس پر جمی ہوئی تھیں۔ ماہ نور کو اس گھر میں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ بلال فردوسی اکھڑا اکھڑا سا اور بیزار نظر آ رہا تھا۔

نازش نے ابھی تک اپنے شوہر کو وہ بات نہیں بتائی تھی جو ڈاکٹر ادریس عثمانی نے اسے بتائی تھی اور یہ تاکید کی تھی کہ پہلی فرصت میں یہ بات بلال کے علم میں لے آئے۔ اس نے بلال کے نام آنے والا ڈاکٹر عثمانی کا خط بھی بغیر کھولے غائب کر دیا تھا۔ بلال اصل صورتِ حال سے لاعلم تھا اور یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ صرف ایک سال مزید جیئے گا۔ اس کے بعد

مگر بلال کو منانا اور اسے اپنی طرف راغب کرنا وقت کا تقاضا تھا ورنہ وہ ماہ نور کی طرف راغب ہو سکتا تھا۔ نازش نے سوچا اگر ایسا ہو جاتا تو وہ فردوسی ہاؤس میں اپنے ہی شوہر کے ہاتھوں شکست کھا جاتی۔ بلال نے جس طرح اسے نظر انداز کیا تھا، وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ اٹھی اور ایک عزم کے ساتھ آگے بڑھی۔ بلال اپنے کمرے میں تھا۔ نازش نے اس کے دروازے پر دستک دی اور بلند آواز سے کہا ''بلال! پلیز..... دروازہ کھولو، میری بات سنو۔ میں تمہارا یہ رویہ برداشت نہیں کر سکتی۔ تم مجھے اس طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔''

اس نے کئی آوازیں دیں مگر بلال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نازش نے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو پتا چلا کہ وہ لاک ہے۔ اس نے دوسری طرف سے جا کر اس کی کھڑکی سے دیکھا۔ کمرا خالی تھا۔ اس میں بلال نہیں تھا۔ وہ گھومتے ہوئے زینے سے اتر کر نیچے پہنچی مگر جانے سے پہلے اس نے ماہ نور کے اسٹور کے دروازے کے نیچے جھری کی طرف دیکھا۔ وہاں تاریکی تھی۔

نیچے بلال کا کمرا تھا جو اس کی اسٹڈی روم بھی تھا اور اس کا دفتر بھی۔ وہ کمرے کے اندر چلی گئی اس میں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر بلال کہاں چلا گیا ہے؟ اس نے کئی بار نام لے کر اسے آوازیں بھی دیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

تھوڑی دیر وہ وہاں بے حس و حرکت کھڑی رہی پھر کسی نے ہلکی سی سرگوشی میں اس کا نام پکارا ''نازش.....''

نازش نے جلدی سے آگے بڑھ کر کھڑکی پر پڑا ہوا بھاری پردہ ہٹایا۔ کھڑکی میں سے ایک صورت اسے تک رہی تھی۔ دو آنکھیں فاتحانہ چمک کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس چہرے اور ان آنکھوں کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ ''شش..... شا..... ر..... ق..... ت..... تم.....''

''ہاں..... میں..... ڈاکٹر شارق جلال..... ایک مفرور قیدی۔''

یہ کہہ کر شارق بے تکلفی سے کھڑکی پر چڑھا اور کود کر اندر آ گیا۔ ''تم کیا سمجھ رہی تھیں، میں تمہیں تلاش نہیں کر سکوں گا؟ دیکھ لو..... تمہاری مقناطیسی کشش مجھے تمہارے پاس کھینچ کر لے آئی۔''

''چلے جاؤ..... چلے جاؤ یہاں سے..... ورنہ میں ابھی پولیس کو فون کر دوں گی۔'' نازش نے برہمی سے کہا۔ ''میرے شوہر اوپر ہی ہیں۔ میں انہیں آواز دیتی ہوں۔''

''تم ایسا نہیں کرو گی۔ تم ایسا کر ہی نہیں سکتیں۔'' ڈاکٹر شارق نے اپنے مخصوص سحر انگیز انداز میں کہا۔ اس کی تیز چمک دار آنکھیں نازش پر جمی ہوئی تھیں'' میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے محبت تھی..... ہے..... اور ہمیشہ رہے گی۔ ہے نا؟'' اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا تو نازش اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ وہ کوشش کے باوجود اس کی طرف سے اپنی آنکھیں نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے شارق نے اپنی آنکھوں کے ذریعے اسے بے بس کر دیا ہے۔ آخر وہ ہپناٹزم کا ماہر تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا جسم اس کا دل و دماغ، سب مفلوج ہو گیا ہے۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہیں۔'' شارق نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا'' اور ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے۔''

اسی لمحے سڑھیوں پر سے کسی کے اترنے کی آواز آئی۔ شاید بلال آ رہا تھا، نازش نے گویا ہوش میں آتے ہوئے کہا ''میرا شوہر بلال آ رہا ہے۔''

یہ سنتے ہی ڈاکٹر شارق نے متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور بولا'' تم کتابوں کی اس الماری کے پاس کھڑی ہو جانا اور اپنے شوہر سے کہنا کہ تمہیں نیند نہیں آ رہی تھی، اس لیے یہاں آ گئیں۔ اس سے کہنا کہ وہ چلا جائے تم ایک دو منٹ میں آ جاؤ گی..... مگر خبردار! کوئی گڑبڑ مت کرنا ورنہ تم شارق کو جانتی ہو جو محض تمہاری خاطر جیل توڑ کر فرار ہوا ہے۔''

یہ کہہ کر شارق کھڑکی کے سامنے پڑے ہوئے بھاری پردے کے پیچھے چھپ گیا۔

بلال نے بڑی حیرت سے نازش کو کتابوں کی الماری کے پاس کھڑے دیکھا۔ اس کی شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب نازش نے اس کی اسٹڈی روم میں آنے کی زحمت کی تھی اور کوئی کتاب اٹھا کر دیکھی تھی۔

''نازش! خیریت تو ہے..... تم اس وقت یہاں؟'' بلال نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا کوئی اچھی سی کتاب پڑھوں۔ اسی لیے یہاں چلی آئی تھی۔'' نازش نے جواب دیا۔

بلال نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

''مگر تم کہاں تھے؟ میں نے بڑی دیر سے تمہیں نہیں دیکھا تھا'' نازش نے سوال کیا۔

''میرا اسائیس آیا تھا۔ میری گھوڑی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسی کو دیکھنے چلا گیا۔'' بلال نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تمہیں اپنی گھوڑی کا بڑا خیال ہے۔'' نازش نے طنز کیا ''کبھی کسی بے سہارا لڑکی کو گھر لے آتے ہو..... کبھی گھوڑی کی تیمار داری کرتے ہو..... کبھی بھیڑ بکریوں کے لیے فکر مند ہو جاتے ہوں۔ دراصل تمہارا ذہن ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے کہ تمہاری بھیڑ بکریاں بچے پیدا کرتی رہیں۔ تمہاری مرغیاں انڈے دیتی رہیں..... اور اسی طرح تمہاری بیوی بھی تمہارے لیے بچوں کی فوج پیدا کرے..... لیکن بیوی چونکہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس لیے تمہیں اس کی کوئی پروا نہیں رہی۔''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔'' بلال نے بیزاری سے کہا ''تمہاری اس بک بک سے بہتر ہے کہ ہم بے اولاد ہی رہیں۔''

بلال کا بدلا ہوا لہجہ سن کر نازش نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولی'' مگر تمہارا وارث.....؟''

''دفع کرو اس قصے کو۔'' بلال نے غصے میں کہا۔

''اوہ..... تو یہ بات ہے!'' نازش نے اچانک چونکتے ہوئے کہا'' تم اس یتیم لڑکی ماہ نور کو اسی لیے یہاں لائے ہو کہ وہ چپکے سے تمہاری بیوی بن جائے اور تمہیں اس جاگیر اور دولت و جائداد کا وارث دے دے۔ اب سمجھی ہوں میں تمہارا کھیل۔''

یہ بات سن کر بلال ایسے لڑکھڑایا جیسے کسی نے اسے زور دار دھکا دیا ہو۔ وہ حیران تھا کہ نازش کے ذہن میں یہ خیال کیونکر آیا؟ وہ ماہ نور کو پسند کرتا مگر اس سے شادی کے بارے میں اس نے نہیں سوچا تھا۔ نازش نے اسے ایک عمدہ ترکیب سمجھا دی تھی۔

''میری بات سنو۔'' بلال نے آہستگی سے کہا'' آج شام کو میں ڈاکٹر زین سے ملا تھا اس کے اسپتال گیا تھا۔ وہ کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر جا رہا ہے ممکن ہے اسے وہاں تین ماہ لگ جائیں۔ اس نے محکمہ صحت کو۔ چھٹی کی درخواست دیدی ہے۔ اس کی جگہ دوسرا سرکاری ڈاکٹر آئے گا اور اس اسپتال میں بیٹھے گا۔''

''کوئی جائے..... کوئی آئے..... مجھے اس سے کیا؟''

نازش نے کہا ''نہ مجھے ڈاکٹر زین سے کوئی غرض ہے اور نہ اس کی جگہ آنے والے ڈاکٹر سے..... یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو تم؟''

''تم نے شاید اسے ٹیلی فون کر کے پوچھا تھا کہ اس نے مجھے ڈاکٹر ادریس عثمانی کی طرف کیوں بھیجا تھا؟'' بلال نے کہا تو نازش کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے بلال کو دیکھنے لگی۔

''تم اور ڈاکٹر زین جب ملتے ہو تو بوڑھی عورتوں کی طرح اس قدر باتیں کرتے ہو کہ خدا کی پناہ! اور ایسے میں تم مجھے بھی نظر انداز کر دیتے ہو۔ اسی لئے مجھے ڈاکٹر زین سے نفرت ہو گئی ہے۔ ہاں..... میں نے اسے فون کیا تھا اور اس سے پوچھا تھا کہ تمہیں ایسا کون سا مرض لاحق ہو گیا ہے جو وہ تمہیں ڈاکٹر عثمانی کے پاس جانے کا مشورہ دے رہا ہے، میں تمہاری بیوی ہوں اور تمہارے بارے میں پوچھنے کا حق ہے مجھے!'' نازش نے کہا، پھر وہ اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی ''خیر..... تم یہ بتاؤ کہ ڈاکٹر عثمانی نے کیا بتایا ہے؟''

''انہوں نے جو کچھ بتایا ہے اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے..... شب بخیر'' یہ کہہ کر بلال نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اوپر چلا گیا۔ ڈاکٹر شارق جلال آہستگی سے پردے کی اوٹ سے نکلا۔ اسے دیکھ کر نازش چونک اٹھی پھر مسکراتے ہوئے بولی ''میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم بھی یہاں موجود ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ شارق دیکھ رہا تھا کہ نازش کے چہرے پر الجھن تھی۔ وہ اس کی اور بلال کی تمام باتیں سن چکا تھا۔

''شارق! تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیوں میری اچھی بھلی زندگی میں زہر گھولنا چاہتے ہو؟'' نازش نے برہمی سے کہا۔

''سب سن چکا ہوں میں۔'' شارق نے کہا ''جتنی ''اچھی بھلی'' زندگی تم یہاں گزار رہی ہو اس کا مجھے علم ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں بالکل صحیح وقت پر یہاں پہنچا ہوں۔''

''تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں؟'' نازش نے پوچھا۔

''جیل میں اتفاق سے میسر آنے والے ایک اخبار میں، میں نے تمہاری اور بلال کی شادی کی خبر پڑھی تھی۔'' شارق نے جواب دیا۔ ''اس میں تمہاری شادی کی تصویر بھی چھپی تھی۔ بلال ایک مخیر شخص ہے، فلاحی اور رفاہی اداروں کو عطیات دیتا ہے۔ اخبار والے ایسے لوگوں کی مصروفیات پر نظر رکھتے ہیں اور انہیں خوش رکھنے کے لیے ان کی خبریں اور تصاویر چھاپتے رہتے ہیں۔ بس اسی طرح مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم نے فردوسی ہاؤس میں نقب لگائی اور اس کی رانی بن بیٹھیں۔'' پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''اپنی سابقہ بیوی کو کسی دوسرے کی بیوی بنتے دیکھ کر دل پر آری سی چلی تھی..... مگر یہ بتاؤ، کیا بلال جانتا ہے کہ تمہاری پہلے بھی شادی ہوئی تھی اور یہ کہ تم.....''

''بکواس بند کرو۔'' نازش نے اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''چلو..... نہیں بتانا چاہتیں تو نہ بتاؤ۔''

''تم یہ بتاؤ کہ یہاں کیوں آئے ہو؟'' نازش نے پوچھا۔

ظاہر ہے، رقم کے لیے..... اور مستقبل کے تحفظ کے لیے۔'' شارق نے جواب دیا ''اگر تم میرا ساتھ دو تو میرے ذہن میں ایک بہترین منصوبہ ہے اور تم.....''

''نہیں..... نہیں۔'' نازش نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اب میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ ویسے بھی تم اب ایک مفرور مجرم ہو اور بہت خطرناک آدمی ہو..... ایک مفرور قیدی میرے گھر میں موجود ہے، یہ بات تو تمہارے ساتھ مجھے بھی پھنسوا دے گی۔ میں ہرگز.....''

''مجھے اب کوئی نہیں پکڑ سکے گا نازش!'' شارق نے ٹھوس لہجے میں کہا تو نازش قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شارق نے اپنی آنکھوں کا جادو جگاتے ہوئے نازش کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو نازش اس کا ہاتھ بھی نہیں ہٹا سکی۔ وہ ایک بار پھر اس کے سامنے بے بس ہو چکی تھی پھر اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی مگر جلد ہی اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔

''تمہیں یاد ہو گا کہ ہم دونوں ہمیشہ سے ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں۔''

شارق نے خمار آلودی آواز سے کہا ''یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے شادی کی..... مگر پھر میں نے تمہیں طلاق دے دی۔ اس کے باوجود ہمارے درمیان موجود محبت کی ڈور نہیں ٹوٹی۔ یہی تو وہ بندھن ہے جو مجھے تمہارے پاس یہاں تک لے آیا ہے۔ ذرا سوچو کہ میں نے تمہاری خاطر کتنی مشکلات برداشت کی ہے موت کو غچا دے کر یہاں آیا ہوں۔''

وہ بولتا رہا اور اس کے ہاتھ نازش کے ساتھ گستاخیاں کرتے رہے۔ نازش کو تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ اسے یہ احساس تک نہیں تھا کہ اب وہ بلال فردوسی کی بیوی ہے، اس کی عزت ہے اور فردوسی خاندان کی آبرو ہے۔ ان دونوں کے

درمیان دوستی اور محبت کے نام پر جو کھیل جاری تھا، بلال فردوسی اس سے بے خبر اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے ماہ نور کا معصوم چہرہ گھوم رہا تھا۔ وہ لڑکی واقعی بہت اچھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اپنائیت تھی، خلوص تھا جبکہ اس کی اپنی بیوی کی آنکھوں میں اس کے لیے کبھی پیار یا محبت کی کوئی لہر نہیں ابھری تھی۔ دونوں میں کتنا فرق تھا۔

''شارق! اب تم جاؤ۔'' نازش نے اپنی بے ترتیب سانسوں کے درمیان کہا۔ ''کل تم جہاں کہو گے، میں آجاؤں گی۔''

''نازش! یہاں سے کوئی تین میل دور ایک ہوٹل ہے جو زیادہ جدید تو نہیں ہے مگر مناسب ہے۔'' شارق نے کہا ''یہ سمجھ لو، ایک طرح کی سرائے ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... تم ''سومرو جی اوطاق'' کی بات کر رہے ہو!'' نازش نے جلدی سے کہا ''وہ تو میں نے دیکھا ہے۔''

''بس..... میں وہیں ٹھہرا ہوا ہوں۔'' شارق نے کہا۔ ''تم کل سہ پہر میں وہاں آجانا۔ میں نے اوطاق کے مالک بابا سائیں سومرو کو بتایا تھا کہ میں اپنی ایک بہن سے ملنے اس علاقے میں آیا ہوں۔ جب تم میرے پاس آؤ گی تو بابا سومرو سمجھے گا کہ تم میری بہن ہو۔ وہ تمہیں میرے کمرے میں آنے کی اجازت بھی دیدے گا ورنہ مشکل ہو جائی۔''

''مگر میں خود کو تمہاری بہن نہیں کہہ سکتی۔'' نازش نے غصے سے کہا ''آخر کو میں تمہاری سابقہ بیوی ہوں۔''

''ارے سمجھا کرو نا۔'' شارق نے مکاری سے کہا۔ ''یہ رشتہ تو محض ایک بہانہ ہے ورنہ اطراف میں بسنے والے لوگ ہمیں کھلم کھلا ملنے نہیں دیں گے..... اور ہاں ایک کام تمہیں اور کرنا ہے۔'' شارق نے کہا تو نازش نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا ''اس ڈاکٹر کا نام معلوم کرو جو ڈاکٹر زین کی جگہ اس سرکاری اسپتال میں آنے والا ہے۔''

''وہ کیوں شارق؟'' نازش نے چونک کر سوال کیا۔

''دیکھو..... پولیس ڈاکٹر شارق جلال کو پوری تن دہی سے تلاش کر رہی ہے۔'' شارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''کیوں نہ ڈاکٹر شارق کا قصہ ہی ختم کر دیا جائے۔ باقی باتیں کل ہوں گی۔ کل تم ''سومرو جی اوطاق'' پر آؤ گی اور اپنے بھائی طفیل سموں کے بارے میں پوچھو گی۔ میں اسی نام سے اوطاق میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ سمجھ گئیں۔'' یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر شارق جلال نے کھڑکی کھولی اور الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتا ہوا دوسری طرف کود کر غائب ہو گیا۔ نازش نے اسے دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

''میں آؤ گی..... میں ضرور آؤں گی شارق!'' وہ بڑبڑائی اور کھڑکی بند کر دی۔

☆☆☆

ماہ نور کی ڈیوٹی بلال نے پولٹری فارم میں لگائی تھی مگر وہ اپنی مرضی سے ہر جگہ گھس جاتی تھی۔ بھیڑ بکریوں کے فارم پر بھی وہ چلی جاتی تھی۔ وہاں بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کرنے والے کئی بوڑھے تھے جو اسے بہت پسند کرتے تھے۔ ایک آدھ مرتبہ ماہ نور ان کے ساتھ بکریاں چراتی دور بھی نکل گئی تھی۔

ایسا ہی اس روز بھی ہوا۔ وہ بکریوں کے ساتھ چلتی چلتی ''سومرو جی اوطاق'' کی طرف جا نکلی۔ اس کے ساتھ چرواہوں کی دو تین بیٹیاں بھی تھیں۔ وہ آپس میں چہلیں کرتی وہاں جا پہنچیں جب انہیں سامنے سومرو جی اوطاق کی عمارت نظر آئی تو وہ سٹپٹا گئیں اور واپس ہو لیں..... کیونکہ وہاں اکا دکا افراد بھی ادھر ادھر آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں بکریاں انہیں پریشان کرنے لگیں۔ انہیں پکڑنے کے لیے ان لڑکیوں کے ساتھ سڑک پر ماہ نور بھی بھاگی بھاگی پھر رہی تھی۔ گڈاپ کے پولٹری فارم بلال فردوسی کی املاک کے علاوہ بھی کئی پولٹری فارم اور فش فارم وغیرہ تھے۔ یکا یک ماہ نور چونکی۔ اسے اوطاق کے گیٹ میں نازش فردوسی دکھائی دی جس کے ساتھ ایک اجنبی مرد بھی تھا وہ دونوں آپس میں بات کر رہے تھے پھر نازش وہاں سے چل دی اسی دوران بکریوں کا بھاگتا ہوا ریوڑ اس کی طرف آیا اور وہ ان کے درمیان گھر کر سڑک پر گر گئی۔ یہ دیکھ کر ''سومرو جی اوطاق کے باہر بیٹھے ہوئے کئی لوگ اٹھ کر بھاگے۔ ان سب نے نازش کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ دوسری لڑکیاں بھی وہاں پہنچ گئیں۔

اب تو ماہ نور کی جان نکل گئی۔ وہ جانتی تھی کہ نازش اسے پسند نہیں کرتی اور اس کے وجود کو بڑی مشکل سے برداشت کر رہی ہے۔ وہ اس پر الزام عائد کر سکتی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر بکریوں کو اس کی طرف ہنکایا تھا کہ وہ حادثے کا شکار ہو جائے اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''بیگم صاحبہ! وہ..... میں..... یہ..... بکریاں.....''

اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل پا رہے تھے۔ چرواہوں کی لڑکیاں بھی حواس باختہ کھڑی تھیں۔ نازش، سومرو جی اوطاق میں جس اجنبی سے بات کر رہی تھی وہ ایک لمحے کو اس طرف آیا مگر فوراً واپس چلا گیا۔

''تو بڑی کمینی اور بدذات ہے'' نازش نے چیختے ہوئے ماہ نور سے کہا ''بڑی بھولی اور معصوم بنتی ہے۔ جب سے آئی ہے، میرے لیے مصیبت بنی ہوئی ہے۔ تو میری جان لینا چاہتی ہے۔ نہ جانے کس کمبخت کی اولاد ہے، ماں کا پتا ہے نہ باپ کا..... میں تجھے نہیں چھوڑوں گی۔'' نازش سڑک پر پڑی اول فول بکے جارہی تھی۔ دوسرے لوگ حیرت سے کبھی اسے دیکھتے اور کبھی اس معصوم اور پیاری سی لڑکی کو جس کا کوئی قصور نہیں تھا۔

نازش کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ ابھی ماہ نور کو مارنا شروع کردے گی۔ وہ صرف بکریوں سے ٹکرائی تھی اور یہ ٹکر اتنی زور دار بھی نہیں تھی جتنا وہ غصہ ظاہر کررہی تھی۔ اس کے معمولی چوٹ آئی تھی مگر اس نے ماہ نور پر الزام لگادیا تھا کہ وہ اس کی جان کے درپے ہے۔

''یا اللہ! میں کیا کروں؟ میری مدد کر۔'' ماہ نور نے دل ہی دل میں دعا کی جو فوراً قبول ہوگئی لوگوں کے ہجوم کو ہٹاتا بلال فردوسی وہاں آن پہنچا۔

''کیا ہوا؟ تم ..... یہ سب .....'' بلال نے ماہ نور اور دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھا پھر وہاں کھڑے لوگوں سے کہا۔ ''آپ لوگ جائیں بابا! اپنا کام کریں۔''

لوگ وہاں سے چلے گئے تو بلال نے نازش کو سہارا دے کر کھڑا کیا۔ وہ کراہتی ہوئی اٹھی اور ماہ نور کی طرف دیکھ کر بولی ''اس ..... اس لڑکی نے ..... میری ..... جان لینے کی کوشش..... کی..... ہے۔''

''اچھا ..... اچھا ..... اس پر بعد میں بات کریں گے'' بلال نے کہا ''تم گاڑی میں بیٹھو۔ میں تمہیں اسپتال لے چلتا ہوں۔''

''نہیں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' نازش نے غصے سے کہا ''مجھے یہاں سے سیدھے گھر لے چلو۔''

ماہ نور خوف زدہ نظروں سے نازش کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نازش کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ شاید وہ سڑک پر ہی اس کی پٹائی شروع کردیتی۔ نازش بالکل ٹھیک تھی مگر ڈراما کررہی تھی جیسے وہ زخمی ہو یا اسے بہت زیادہ چوٹیں لگی ہوں۔ وہ بار بار کراہ رہی تھی۔

''صاحب جی! میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ بکریاں تو خود ہی .....'' ماہ نور نے بلال سے کہنا چاہا تو نازش زور سے چیخی۔

''دفع ہوجا میری آنکھوں کے سامنے سے..... میں تیری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔''

ماہ نور خوف زدہ ہوکر بکریوں کے پاس چلی گئی۔ دوسری لڑکیوں نے بکریوں کو جمع کرلیا تھا۔ بکریاں اب گویا قابو میں آگئی تھیں۔ وہ سب ایک ساتھ آہستہ آہستہ ٹیلے کی طرف چل دیں۔ بلال اپنی بیوی کو کار میں بٹھا کر فردوسی ہاؤس کی طرف روانہ ہوگیا اس دوران اس کے ذہن میں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ نازش وہاں کیوں آئی تھی اور نہ سومرو جی اوطاق والوں نے اسے کچھ بتایا تھا۔

☆☆☆

جب ماہ نور، فردوسی ہاؤس میں داخل ہوئی تو اس نے بلال اور ڈاکٹر زین کو کھڑے دیکھا۔ وہ دونوں باتیں کررہے تھے۔

''صاحب جی! بیگم صاحبہ کیسی ہیں؟'' ماہ نور نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تو بلال نے بتایا کہ اسپتال جانے سے تو اس نے پہلے ہی انکار کردیا تھا۔ اب ڈاکٹر زین آئے ہیں تو انہیں دکھانے پر بھی راضی نہیں ہورہی۔ نہ جانے کیوں وہ میرے اس دوست سے جلتی ہے۔

''تم ایسا کرو کہ انہیں کسی اور ڈاکٹر کو دکھا دو۔'' ڈاکٹر زین نے بلال فردوسی سے کہا ''کہیں ان کے اندرونی چوٹیں نہ آئی ہوں۔''

''یار زین! تمہارے علاوہ اس علاقے میں اور کون سا ڈاکٹر ہے؟'' بلال نے ''..... تم بھی ویسے تو سرکاری اسپتال کے ڈاکٹر ہو مگر میری خاطر یہاں آجاتے ہو۔''

''بھابی کو اسی لیے میں اچھا نہیں لگتا کہ میں ایک چھوٹے سے سرکاری اسپتال کا ڈاکٹر ہو۔'' زین نے دکھ بھرے لہجے میں کہا ''تم ایسا کرو کہ انہیں کراچی لے جاؤ۔''

''نہیں زین! میں وہاں نہیں جاؤں گا۔'' بلال نے کہا ''ویسے بھی وہ اسپتال جانے سے انکار کرچکی ہے۔''

''تو کل تک انتظار کرلو۔'' ڈاکٹر زین نے کہا ''میری جگہ لینے کے لیے کراچی سے ڈاکٹر منان آرہا ہے ممکن ہے بھابی اس سے علاج کرانے کو تیار ہوجائیں۔''

''مگر تم ایک نظر نازش کو دیکھ لو۔'' بلال نے ڈاکٹر زین سے کہا ''کہیں کوئی شدید چوٹ نہ لگی ہو۔''

''اگر انہوں نے اجازت دی تو .....'' ڈاکٹر زین نے کہا۔

''تم آؤ میرے ساتھ۔'' بلال نے کہا اور ڈاکٹر زین کو ساتھ لے کر اوپر پہنچا۔ اس نے نازش کے کمرے کا دروازہ کھول کر کہا ''ڈاکٹر زین کو ایک نظر دیکھنے دو..... پھر جس سے کہو گی اس سے تمہارا علاج کرادوں گا۔''

''ان سے کہو کہ واپس چلے جائیں۔'' نازش نے کراہتے

ہوئے کہا ''اور کسی بھی ڈاکٹر یا کمپاؤنڈر کو لے آؤ..... میں اسے دکھادوں گی مگر اس ڈاکٹر سے.....'' یہ کہہ کر نازش نے اپنا منہ دوسری طرف کرلیا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور اپنا رول بڑی عمدگی سے انجام دے رہی تھی۔ ڈاکٹر زین نے مجروح سی نظروں سے بلال کی طرف دیکھا۔

''بلال!'' اچانک نازش نے پلٹ کر کہا ''اگر تمہیں مجھ سے..... اپنی بیوی سے اپنے خاندان کی آبرو سے محبت ہے تو اس مجرم لڑکی کو فوراً پولیس کے حوالے کردو۔ وہ نہ جانے کون سے عزائم لے کر یہاں آئی ہے۔ میری جان کو خطرہ ہے۔ اس میں آج تو وہ ناکام ہوگئی مگر ہوسکتا ہے کہ کل نہ ہو اور اس کا وار کام کرجائے۔''

''مگر بھابی! وہ لڑکی آپ کی جان کیوں لے گی؟'' ڈاکٹر زین سے رہا نہیں گیا تو اس نے یہ سوال پوچھ ہی لیا۔

نازش نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔ خصیلی نظروں سے صرف اسے گھور کر رہ گئی۔

''خیر آپ مجھے اپنا معائنہ تو کرنے دیں۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر زین کرسی رکھ کر اس کے بستر کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے نازش کی نبض چیک کی اس کا بلڈ پریشر لیا۔ اس کی آنکھوں میں ٹارچ سے روشنی ڈالی پھر مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''اب ذرا اٹھ کر بیٹھیں۔''

''نہیں..... میں نہیں اٹھ سکتی۔ میری ٹانگیں نہ وزن سہار رہی ہیں اور نہ حرکت کررہی ہیں۔'' نازش نے کہا تو ڈاکٹر زین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ بظاہر تو وہ ہر طرح صحیح لگ رہی تھی مگر اس کی ٹانگیں.....

ڈاکٹر کو نازش کے چہرے اور کلائی پر ایک دو کھرونچیں سی نظر آئی تھیں۔ باقی وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی پھر اس کی ٹانگیں کیوں حرکت نہیں کررہی تھیں۔ یہ سوال اسے مسلسل الجھا رہا تھا۔

اس نے نازش کے پیروں کے تلوؤں پر انگلیاں ماریں اور نازش کی طرف دیکھ کر پوچھا ''آپ نے میری انگلیوں کا لمس اپنے تلوؤں پر محسوس کیا؟''

جواب میں نازش نے انکار میں سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر زین کافی دیر تک نازش کا معائنہ کرتا رہا۔ بلال بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ نازش نے بظاہر آنکھیں بند کررکھی تھیں مگر وہ پلکوں کی آڑ سے ڈاکٹر کو بے وقوف بنتے دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر زین، بلال کو اشارہ کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ ان دونوں کے جاتے ہی نازش اچھل کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے دونوں آنکھیں زور سے بند کیں..... جیسے ڈاکٹر کو بے وقوف بنانے پر خوشی کا اظہار کررہی ہو۔

ماہ نور لان میں بیٹھی تھی جبکہ ڈاکٹر زین اور بلال ڈرائنگ روم میں تھے۔ ماہ نور کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ فردوسی ہاؤس میں نہیں رہ سکے گی اسی لئے اس نے واپس ایمن آپا کے پاس ''ہمارا گھر'' جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ نازش جیسی شکی مزاج اور کینہ پرور عورت کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ ان چند دنوں میں اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ نازش نے بلال جیسے سلجھے ہوئے تعلیم یافتہ اور دولت مند آدمی کی زندگی جہنم بنا رکھی ہے مگر وہ کیا کرسکتی تھی؟ سوائے کڑھنے اور بلال پر ترس کھانے کے!

لان میں بیٹھے بیٹھے وہ اٹھی اور ٹہلنے لگی۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پاس پہنچی تو ڈاکٹر زین کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''بلال! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ڈاکٹر ادریس عثمانی سے کوئی غلطی تو نہیں ہوئی؟ انہوں نے تمہاری رپورٹس اچھی طرح دیکھی تھیں؟''

''ہاں..... میری کیس ہسٹری کی پوری فائل انہوں نے دیکھی..... ایکسرے اور الٹرا ساؤنڈ رپورٹس بھی دیکھیں۔'' بلال نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا ''ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ میرے پاس زندگی کا صرف ایک سال باقی رہ گیا ہے اس کے بعد میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا۔''

یہ سنتے ہی ماہ نور کو ایسا لگا جیسے کسی نے اسے نہایت بلندی سے دھکا دے دیا ہو۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت ہوگئی تھی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''میں نازش کو طلاق دے دوں گا۔'' بلال کی آواز پھر سنائی دی۔ ''اس نے میری خواہش کا گلا گھونٹا ہے مجھے وارث دینے سے انکار کرکے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ ہمارے درمیان عرصے سے محبت کا رشتہ تو ہے ہی نہیں..... رہا سہا تعلق بھی ختم ہو چکا ہے۔ یہ عورت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے جلد از جلد جان چھڑالوں۔ دوسری طرف وہ لڑکی ماہ نور ہے.....''

بلال کی زبان سے اپنا نام سن کر ماہ نور کا دل دھڑک اٹھا۔

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ مجھے شروع سے اچھی لگتی ہے۔ میں اکثر اسے ایمن آپا کے دفتر میں دیکھا کرتا تھا اتفاق سے آپا نے خود ہی اسے میرے ساتھ یہاں بھیج دیا۔ اب نازش بلاوجہ اس سے رقابت میں مبتلا ہوگئی ہے۔ وہ معصوم سی لڑکی اس عورت کی آنکھ میں خار بن کر کھٹک رہی ہے مگر میں ماہ نور کو کبھی یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اگر اسے پتا چل گیا تو میں اس کی نظروں میں گر جاؤں گا۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ میں اس پر بری نظر رکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر بلال نے سرد آہ

بھری اور خاموش ہوگیا۔

باہر کھڑی ماہ نور کا دل یہ سن کر خوشی سے دھڑک اٹھا تھا کہ اس کی محبت یک طرفہ نہیں تھی۔ جس طرح وہ چوری چوری بلال کو دیکھتی تھی اور دل ہی دل میں اسے چاہنے لگی تھی اسی طرح وہ بھی اس کی محبت میں مبتلا تھا۔ ان دونوں کے درمیان خاموش محبت کا تعلق قائم تھا جس سے دونوں ہی بے خبر تھے۔

''اب تو میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔'' ماہ نور نے دل میں کہا۔ حالانکہ تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کیا تھا مگر یہ جاننے کے بعد کہ ایک سال کے اندر اندر بلال مرنے والا ہے، اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا تھا۔

ڈاکٹر زین جانے کے لیے کھڑا ہوا تو بلال نے کہا ''کل آؤ گے؟''

''ہاں..... میں چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر منان میرے سامنے بھابی کو چیک کرے۔ اس کے بعد میں چلا جاؤں گا۔ میں تمہارا علاج بھی کروں گا اور ڈاکٹر منان سے بھی کہہ جاؤں گا کہ وہ تمہیں چیک کرتا رہے۔ ڈاکٹر اویس عثمانی نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے اسے میں نے اپنے ذہن سے نکال کر پھینک دیا ہے۔ میں تمہارا علاج کرتا رہوں گا۔ ہمت نہیں ہاروں گا۔''

بلال نے ہنستے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا اور ڈاکٹر زین اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوگیا۔ بلال اس کی کار کو جاتے دیکھتا رہا پھر بڑبڑایا ڈاکٹر زین! کون جانے کہ جب تم واپس آؤ گے تو میں تمہیں زندہ ملوں یا نہیں۔''

اس نے پلٹ کر ایک نظر فردوسی ہاؤس کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا ''بہت جلد میں ان سب چیزوں چھوڑ جاؤں گا۔''

''صاحب!'' کسی نے آہستہ سے اسے پکارا تو وہ چونک گیا۔ یہ آواز ماہ نور کی تھی۔ وہی اسے کبھی ''صاحب'' اور کبھی ''صاحب جی'' کہتی تھی۔ اس نے نظریں اٹھائیں تو سامنے ماہ نور کھڑی نظر آئی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ بلال کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''تم..... اس وقت یہاں؟ کیا بات ہے ماہ نور؟'' بلال نے اس سے پوچھا ''کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''صاحب جی! میں نے آپ کی اور ڈاکٹر زین کی باتیں سن لی ہیں۔'' ماہ نور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''جو کچھ تم نے سنا ہے، اسے بھول جاؤ۔'' بلال نے کہا۔

میں کچھ نہیں بھول سکتی۔'' ماہ نور نے روتے ہوئے کہا۔

بلال دیکھ رہا تھا کہ کل تک بچی نظر آنے والی ماہ نور اس وقت ایک سمجھ دار لڑکی..... بلکہ عورت لگنے لگی تھی۔

''صرف میں ہی آپ سے محبت نہیں کرتی بلکہ آپ بھی مجھے چاہتے ہیں۔'' ماہ نور نے کہا ''اس راز کو جاننے کے بعد مجھ میں ایک امنگ جاگ اٹھی، ہماری محبت سچی ہے..... بالکل سچی..... ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے خاموش محبت کرتے رہے ہیں مگر اسے زبان آج ملی ہے۔''

''زبان بھی ملی تو کب.....! اب اس کا کیا فائدہ؟'' بلال نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

''صاحب جی! میں آپ کو مرنے نہیں دوں گی۔'' ماہ نور بولی ''آپ کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ اگر نازش بی بی آپ کو وارث دینے کو تیار نہیں ہیں تو میں.....'' یہ کہتے کہتے وہ رک گئی۔ اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

وہ کم عمر اور ناتجربے کار تھی اس لیے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر پا رہی تھی مگر اس نے جتنی بھی بات کی تھی وہ بلال کے لیے کافی تھی۔ وہ اس محبت بھرے دل والی لڑکی کے پیغام کو سمجھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک طرف نازش ہے جس نے اس کی سب سے بڑی خواہش کی کوئی پروا نہیں کی..... حالانکہ اس نے نازش کو فرش سے عرش پر پہنچایا تھا مگر وہ پھر بھی اس کی ممنون نہیں تھی..... اور دوسری طرف یہ لڑکی تھی جو ابھی اناڑی تھی، اسے دنیا کا تجربہ اور سلیقہ بھی نہیں تھا پھر بھی وہ اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوگئی تھی سوچتے سوچتے بلال کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے پُرتشکر..... نظروں سے ماہ نور کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

''صاحب جی! مجھ میں یہ سب باتیں کرنے کی ہمت نہیں تھی.....'' ماہ نور نے کہا ''مگر ایمن آپا نے مجھے سچ بولنا سکھایا ہے اور مصیبت میں گھرے ہوئے لوگوں کی مدد کرنے کی تعلیم دی ہے اسی لیے میں نے آپ سے صاف صاف کہہ دیا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر تمہارے سامنے ایک طویل زندگی پڑی ہے۔'' بلال نے کہا ''بھئی تم بہت چھوٹی ہو۔ سوچ لو کہ.....''

''صاحب جی! آپ کے بغیر میں زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی.....'' ماہ نور نے کہا ''مگر میں آپ سے شادی کر کے آپ کو وہ وارث تو دے سکتی ہوں جس کی موجودگی میں، میں کبھی اکیلی نہیں رہوں گی۔''

''ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔'' بلال نے کہا ''میرے بعد اس جاگیر کی تم ہی مالک ہوگی۔'' مگر ابھی تم نے دنیا نہیں دیکھی۔ تم نہیں جانتیں کہ دنیا میں کیا کیا گورکھ دھندے ہیں اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو.....''

☆☆☆

مفرور قیدی ڈاکٹر شارق جلال نے گڈاپ کے چھوٹے سے سرکاری اسپتال میں ڈاکٹر زین کی جگہ آنے والے ڈاکٹر منان کے بارے میں پوری معلومات جمع کرلی تھی۔ اسے اس کام میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی۔ ایک تو وہ خود پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر تھا۔ دوسرے نہایت شاطر انسان تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس علاقے کے لیے ڈاکٹر کراچی سے بھیجا جائے گا۔ چنانچہ اس نے صوبہ سندھ کے محکمہ صحت سے رابطہ کیا اور ڈاکٹر منان کے بارے میں پوری تفصیل معلوم کرلی۔ ڈاکٹر منان کو دوسرے دن گڈاپ پہنچنا تھا۔ وہ اس سے پہلے ہی منان کے گھر جا پہنچا۔ اس نے اپنا تعارف ڈاکٹر زین کی حیثیت سے کرایا اور اس سے کہا ''میں چاہ رہا تھا کہ آپ کو اپنے ساتھ گڈاپ پہنچادوں اور اپنے سامنے سرکاری اسپتال میں آپ کی سیٹ پر بیٹھادوں پھر میں تین ماہ کے لیے لندن چلا جاؤں گا۔''

یہ سن کر ڈاکٹر منان بہت خوش ہوا۔ وہ گڈاپ جاتے ہوئے پریشان تو تھا مگر جب ڈاکٹر زین اسے خود لینے آگیا تو وہ مطمئن ہوگیا۔

''میں کل صبح چھ بجے روانہ ہوں گا۔ آپ میرے ساتھ میری کار میں چلیں گے۔'' یہ کہہ کر شارق چلا آیا۔

حسبِ وعدہ دوسرے روز وہ صبح چھ بجے سے پہلے ڈاکٹر منان کے گھر پہنچ گیا۔ وہ تیار تھا اسی کا منتظر تھا۔ اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ جس شخص کے ساتھ وہ جارہا ہے وہ ڈاکٹر زین نہیں بلکہ ایک مفرور قیدی اور خطرناک مجرم ہے۔ اس نے پہلے کبھی نہ تو ڈاکٹر زین کو دیکھا تھا اور ڈاکٹر منان کے ڈاکٹر منان ..... اپنے ہم پیشہ کو شک کی نظر سے کیسے دیکھ سکتا تھا؟

ڈاکٹر شارق جلال اور ڈاکٹر منان ایک ساتھ گڈاپ کے لیے روانہ ہوئے۔ موسم خاصا گرم تھا۔ صبح کا وقت تھا اس لیے زیادہ ٹریفک بھی نہیں تھا۔ شارق نے اپنی کار کے شیشے پر ہلال احمر کا اسٹیکر چپکا رکھا تھا۔ اس نے یہ کار ایک ایسے گروہ کے نمائندے سے خریدی تھی جو چوری کی گاڑیوں کا کاروبار کرتا تھا۔ اس کے لیے رقم اسے نازش نے فراہم کی تھی۔ سپر ہائی وے پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا مگر شارق کو جلدی نہیں تھی اس لئے وہ نہایت آرام اور اطمینان سے گاڑی چلا رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب! اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو میں ذرا فیصل گوٹھ سے ہوتا چلوں۔ وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔'' شارق عرف زین نے ڈاکٹر منان سے کہا تو اس نے بڑی خوشدلی سے رضامندی ظاہر کردی۔

''دراصل میں تین ماہ کے لیے باہر جارہا ہوں نا اس لئے سوچا کہ اس سے ملتا چلوں ورنہ وہ بہت ناراض ہوگا۔'' شارق نے مکاری سے کہا۔ ''وہ میرا عزیز دوست ہے۔''

''ضرور..... ضرور! مگر یہ فیصل گوٹھ ہے کہاں؟'' ڈاکٹر منان نے شارق سے سوال کیا۔

''بس سپر ہائی وے شروع ہونے کے بعد دائیں طرف جو راستہ جاتا ہے اس راستے پر کوئی ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔'' شارق نے کہا ''زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ بس تھوڑی سی گپ شپ کریں گے اور واپس روانہ ہوجائیں گے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے کار کی رفتار تیز کردی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا مطلوبہ مقام آگیا تو اس نے کار دائیں طرف موڑ دی، کار ناہموار راستے پر اچھلتی کودتی آگے بڑھنے لگی۔ ''بس تھوڑا سا راستہ ناہموار ہے اس کے بعد صاف راستہ آجائے گا۔'' شارق نے ڈاکٹر منان کی پریشانی بھانپتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''ارے نہیں ..... مجھے اس سے کوئی پریشانی نہیں ہورہی۔'' منان نے کہا ''مجھے تو آپ کی گاڑی کی فکر ہورہی ہے۔ کہیں اس کا کوئی ٹائر پنکچر نہ جائے۔''

''اس کی آپ فکر نہ کریں میرے پاس فاضل ٹائر موجود ہے۔'' شارق نے کہا تو ڈاکٹر منان چپ ہوگیا مگر اسے ایک نامعلوم سی بے چینی ہونے لگی تھی۔ یہ شخص جس نے خود کو ڈاکٹر زین بتایا تھا، اس میں ڈاکٹروں والی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک پُراسراری چمک تھی جو عام طور پر مسیحا کہلانے والوں کی آنکھوں میں نہیں ہوتی۔ وہ تو سراسر شفقت اور پیار کا مظہر ہوتے ہیں اور مریضوں کے دکھوں کا مداوا کرتے ہیں مگر یہ شخص.....!

وہ سوچتا رہا اور کار سے باہر دیکھتا رہا۔ ڈیڑھ میل کا سفر ہوچکا تھا مگر فیصل گوٹھ کے دور دور تک کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ علاقہ ویران اور غیر آباد تھا۔ بالکل خشک زمین تھی۔ ایک جھاڑی تک نظر نہیں آرہی تھی۔ البتہ اونچے نیچے اور ناہموار ٹیلے نظر آرہے تھے۔ وہ سوچتا رہا اور پریشان ہوتا رہا پھر کار ایک دوہچکولے کھانے کے بعد رک گئی۔

''کیوں ..... کیا ہوا ڈاکٹر زین؟'' ڈاکٹر منان نے چونک کر ڈاکٹر شارق جلال سے پوچھا۔

''شاید انجن گرم ہوگیا ہے۔ ابھی دیکھتا ہوں'' یہ کہہ کر وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور بونٹ اٹھا کر خواہ مخواہ تاروں

کو چھیڑنے لگا۔ اس نے یہ جگہ پہلے سے دیکھ لی تھی اور یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ ڈاکٹر منان کو اس جگہ لائے گا۔ اس جگہ وہ اپنی شناخت بدل کر خود ڈاکٹر منان بن جائے گا اور ڈاکٹر منان دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جائے گا۔

چند منٹ تک یونہی کرنے کے بعد وہ کار میں آ بیٹھا اور اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر کار اسٹارٹ نہیں ہوئی۔ ہوتی کیسے؟ اس نے خود ہی تار نکال دیا تھا۔

''ڈاکٹر منان! ذرا سی زحمت ہوگی آپ کو.....'' اس نے شرمندگی سے کہا ''آپ ذرا اتر کر انجن کے تاروں کو چیک کریں۔ میں اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

ڈاکٹر منان خاموشی سے اترا اور جھک کر تاروں کو دیکھنے لگا۔ شارق نے اپنی سیٹ کے نیچے رکھا ہوا پانا نکالا اور خود بھی دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ منان ابھی تار چیک کر رہا تھا کہ شارق نے پانے والا ہاتھ بلند کیا اور پانا پوری قوت سے ڈاکٹر منان کے سر پر رسید کر دیا۔

ڈاکٹر منان کے حلق سے آواز بھی نہیں نکلی وہ زمین پر گر گیا، شارق اس کے جسم کو گھسیٹتا ہوا ایک ٹیلے کی آڑ میں لے گیا۔ وہاں اس نے منان کو چیک کیا۔ وہ مر چکا تھا۔ شارق بھاگ کر کار کے پاس آیا۔ اس نے پچھلا دروازہ کھول کر اس میں سے ایک شاپر نکالا جس میں اس کے وہ مخصوص کپڑے تھے جو جیل سے بھاگتے وقت اس کے جسم پر تھے۔ ان پر اس کا نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ قیدی نمبر چار سو بیس! وہ واقعی پکا چار سو بیس نکلا تھا۔ لباس کے ساتھ قیدی کے پھٹے پرانے جوتے بھی تھے۔ وہ یہ سامان لے کر ٹیلے کے پاس پہنچا۔ اس نے پھرتی سے ڈاکٹر منان کے جسم سے اس کا لباس اتارا اور اسے جیل کے جوتے بھی پہنا دیے۔

سامان واپس شاپر میں رکھنے کے بعد وہ کار کی طرف آیا۔ سامان اندر پھینکا اور کار اسٹارٹ کر کے ڈاکٹر منان کی لاش کی طرف لے آیا۔ اس نے دو تین مرتبہ کار اس کے چہرے پر سے گزار دی۔ ڈاکٹر منان کا چہرہ اس قدر مسخ ہو گیا کہ اب اسے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ صرف اس کی جیل کی یونیفارم اور نمبر بتا رہا تھا کہ وہ مفرور قیدی ڈاکٹر شارق جلال ہے۔

''اب میں ڈاکٹر منان ہوں۔ گڈاپ کے سرکاری اسپتال کا نیا ڈاکٹر..... جبکہ مفرور قیدی اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔'' ڈاکٹر شارق نے خود کلامی کی ''فی الحال مجھے ڈاکٹر زین کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے..... جب وہ واپس آئے گا تو دیکھی جائے گی۔ اب تک تو اس کی پرواز روانہ ہو چکی ہوگی۔''

گڈاپ پہنچنے پر شارق نے بلال فردوسی کو فون کیا اور کہا ''میرا نام ڈاکٹر منان ہے میں اسپتال کا نیا ڈاکٹر ہوں اور ڈاکٹر زین کی جگہ آیا ہوں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ آپ کی مسز کچھ بیمار ہیں.....''

''ہاں..... ڈاکٹر صاحب! آپ کے پاس ٹرانسپورٹ ہے تو تشریف لے آئیے۔ میں فردوسی ہاؤس میں آپ کا منتظر ہوں..... یا اگر آپ کہیں تو میں گاڑی بھجوا دیتا ہوں۔''

''میرے پاس گاڑی ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر شارق نے رابطہ منقطع کر دیا اور مسکرانے لگا۔

''نازش! ہوشیار..... خبردار! مابدولت تمہارے دولت کدے پر تشریف لا رہے ہیں۔'' اس نے زیرِ لب کہا۔

جس وقت شارق، فردوسی ہاؤس پہنچا تو خود بلال نے اس کا خیر مقدم کیا۔ دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ اس وقت ماہ نور لان میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ شارق کو دیکھ کر اسے جھٹکا سا لگا۔ وہ آنکھیں، وہ چہرہ اسے دیکھا دیکھا سا محسوس ہوا۔ وہ حیرت سے اسے تکنے لگی تو بلال نے اس کا تعارف کرایا ''یہ ڈاکٹر منان ہیں۔ اسپتال کے نئے ڈاکٹر..... ڈاکٹر زین کی جگہ آئے ہیں۔''

''مگر..... میں نے..... انہیں کہیں دیکھا ہے۔'' ماہ نور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

شارق کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ماہ نور کی اس بات پر اس کے ہاتھ پیر پھول جاتے مگر وہ شارق تھا..... ایک مکار ڈاکٹر..... جس نے گھبرانا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔

''ممکن ہے آپ نے مجھے کراچی کے کسی اسپتال میں دیکھا ہو۔'' شارق نے اطمینان سے جواب دیا۔

''مگر میں کراچی کے کسی اسپتال میں نہیں گئی۔'' ماہ نور بولی ''میں نے آپ کو کہیں..... حال ہی..... میں دیکھا ہے۔''

''ارے چھوڑو اس بات کو۔'' بلال نے مسکراتے ہوئے کہا ''اور ڈاکٹر منان کو بیگم صاحب کا چیک اپ کرنے دو۔ وہ ان کے منتظر ہیں۔''

ڈاکٹر شارق اور بلال اوپر چلے گئے۔ ماہ نور کھڑی سوچتی رہی۔ وہ مسلسل ڈاکٹر منان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس نے اس شخص کو کہیں دیکھا تھا۔ جتنا وہ اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹکتی، اتنا ہی وہ اس کے ذہن میں اور بھی مضبوطی سے جم رہا تھا۔ اسی وقت بلال اس کے پاس آ گیا اور بولا ''میں ڈاکٹر منان کو نازش کے کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔ اب دیکھو، اسے یہ ڈاکٹر بھی پسند آتا ہے یا نہیں۔''

''میرا خیال ہے بیگم صاحبہ کو یہ ڈاکٹر ضرور پسند آئے

گا۔'' ماہ نور نے بے خیالی میں کہہ دیا۔ بلال چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا اس کی آنکھوں میں کئی سوال تھے۔

''پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ ڈاکٹر .....'' کہتے کہتے ماہ نور چپ ہوگئی۔ اس کے ذہن میں تصویر واضح نہیں ہو رہی تھی۔

''بھئی ..... اگر نازش اس ڈاکٹر سے علاج کرانے پر آمادہ ہوگئی تو سمجھو میری محنت وصول ہوگئی۔'' بلال نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر منان نیچے آ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے بلال سے کہا ''میں نے آپ کی مسز کا مکمل چیک اپ کرلیا ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں اچانک گرنے کی وجہ سے ان کی ٹانگیں وقتی طور پر سُن ہوگئی ہیں آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں انہیں چیک کرنے کل پھر آؤں گا۔ ممکن ہے مجھے کئی روز تک لگاتار آنا پڑے، بہر حال فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔''

''بہت بہت شکریہ ڈاکٹر منان۔'' بلال نے شارق کا ہاتھ پکڑ کر گرمجوشی سے کہا ''وہ آپ سے علاج کرانے پر رضا مند ہوگئی، یہ میرے لیے بہت بڑی خبر ہے۔''

''خدا حافظ!'' یہ کہہ کر شارق آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

گڈاپ کے چھوٹے سے سرکاری اسپتال سے ملحقہ ورکروں کے ایک کوارٹر میں شارق اطمینان سے ڈاکٹر کے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ گھر اب اس کے پاس تھا اس کے سامنے میز پر اخبار رکھا ہوا تھا۔ جس میں یہ خبر نمایاں طور پر چھپی ہوئی تھی ''مفرور قیدی ڈاکٹر شارق جلال کی لاش ویرانے سے ملی۔ اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا جیل کی قیدی نمبر والی قمیص سے اس کی شناخت ہوئی۔''

یہ خبر ڈاکٹر شارق دیکھ چکا تھا مگر اس نے اس کی تفصیل نہیں پڑھی۔ وہ بڑی آسودگی کے عالم میں ڈاکٹر زین کے کمرے کو دیکھ رہا تھا جو اس کے رنگین اور پُر بہار مستقبل کا پڑاؤ تھا۔ وہ وہ ڈاکٹر زین کے قائم مقام ڈاکٹر منان کی جگہ لے چکا تھا۔ نہ کسی کو شک ہوا تھا اور نہ ابھی تک کوئی انکوائری ہوئی تھی۔ اتفاق سے ڈاکٹر منان دنیا میں اکیلا ہی تھا۔ اگر اس کے بیوی بچے یا بہن بھائی ہوتے تو شاید وہ لوگ اس سے رابطہ کرتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ گویا اس وقت قدرت بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ تمام حالات اس کے حق میں ہو چکے تھے۔ وہ اپنی سابقہ بیوی اور محبوبہ نازش کے پاس پہنچ چکا تھا جو ایک بڑی حویلی اور جاگیر کے مالک بلال فردوسی کی بیوی تھی۔ شارق کی نظریں فردوسی خاندان کی دولت اور جائداد پر ہی تھیں جس کے خاطر اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

گڈاپ کے اس اسپتال میں زیادہ کام نہیں تھا۔ معمولی نزلے بخار کے کیسز آتے تھے۔ زیادہ سیریس کیسز اگر آتے بھی تھے تو کراچی بھجوا دیے جاتے تھے۔ گڈاپ کے لوگوں نے بالآخر اسے زین کی جگہ قبول کرلیا تھا مگر وہ زین سے بہت مختلف تھا۔ زین کا انداز دوستانہ تھا جبکہ شارق ..... جو ان دنوں منان بنا ہوا تھا ..... اپنے مریضوں سے اس انداز میں پیش نہیں آتا تھا مگر مریض اسے پسند کرنے لگے تھے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شارق بہر حال ایک اچھا ذہین ڈاکٹر تھا۔

سہ پہر کو چار بجے شارق اپنی کار میں فردوسی ہاؤس پہنچا۔ بلال گھر پر نہیں تھا۔ ملازمہ خالہ برکت نے شارق کو بتایا کہ بیگم صاحبہ بہت بہتر ہیں اور آج اٹھ کر کرسی پر بھی بیٹھی ہیں۔ شارق، خالہ برکت کے ساتھ اندر پہنچا تو دیکھا کہ نازش لاؤنج میں وہیل چیئر پر بیٹھی ہے۔ اس کے پاس تازہ اخبار بھی تھا۔

''مجھے تمہاری موت کا بے حد افسوس ہے شارق! میں صبح سے انتظار کر رہی تھی کہ تم آؤ تو تعزیت کروں۔'' نازش نے ایک مخصوص ادا سے کہا تو شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''یہ کیا بے وقوفی ہے۔ اب شارق مر چکا ہے۔ اس کا باب بند ہو چکا ہے۔ میں ڈاکٹر منان ہوں مجھے آئندہ اسی نام سے پکارنا، سمجھیں؟'' شارق نے دھیمے لہجے میں اسے سرزنش کی۔

''سمجھ گئی۔ فکر مت کرو آئندہ میں تمہیں منان ہی کہہ کر پکاروں گی۔ ٹھیک ہے؟''

تھوڑی دیر تک وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر نازش بولی ''سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم موت اور زندگی کا یہ کھیل کب تک کھیلتے رہیں گے؟''

''جب تک ہماری مراد پوری نہیں ہو جاتی اور ہمارے قبضے میں ڈھیر ساری دولت نہیں آ جاتی۔'' شارق نے کہا۔ ''جیسے ہی ہمیں یہ سب ملا، ہم دونوں اس ملک سے باہر نکل جائیں گے جہاں ہمیں تلاش کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔''

''اس میں تو بہت وقت لگے گا۔'' نازش نے کہا۔

''اور ہاں ..... کل میں کمرے سے باہر نکلوں گی اور چہل قدمی کروں گی۔ بقول تمہارے میں آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہی ہوں۔''

شارق محسوس کر رہا تھا کہ نازش کافی دُبلی اور کمزور ہوگئی

تھی۔ اس کا چہرہ زرد نظر آ رہا تھا اور آنکھوں سے نقاہت کا اظہار ہو رہا تھا حالانکہ اس گھر میں اسے ہر چیز میسر تھی۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی پھر بھی ..... اسی وقت شارق کی نظر کھڑکی سے باہر لان میں پڑی جہاں بلال آتا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ماہ نور بھی تھی۔

''یہ کمبخت جب سے میرے گھر میں آئی ہے، اس نے میرا سکون برباد کر دیا ہے۔'' نازش نے بھی بلال اور ماہ نور کو دیکھ لیا تھا ''میرا شوہر اس کے آگے پیچھے کسی کتے کی طرح دم ہلاتا پھرتا ہے۔ بے غیرت!''

''فکر مت کرو۔ ذرا سا صبر کرو.....'' شارق نے کہا..... ''میں اس کتیا کی لاش اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد ہی میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے گی۔''

''ایسا ہی ہوگا ..... ر یہ دونوں حادثاتی موت کا شکار ہوں گے اور بعد میں تم اس دولت و جاگیر کی مالک ہوگی۔''

شارق نے مسکراتے ہوئے کہا تو نازش الجھن آمیز نظروں سے شارق کی طرف دیکھنے لگی۔

''ہمیں ایک ڈراما کرنا ہوگا جس کے تحت تم پُراسرار انداز میں موت کا شکار ہو جاؤ گی..... مگر تم مرو گی نہیں ..... بلکہ زندہ رہو گی اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ تم سمندر میں ڈوب گئی ہو ..... یا تمہیں اس طرح کا کوئی اور حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اس کے بعد یہ ہوگا کہ تمہاری موت کا ذمے دار بلال اور اس لڑکی ماہ نور کو سمجھا جائے گا۔ ہم اس طرح کے حالات پیدا کر دیں گے کہ ساری دنیا یہ کہے گی، بلال اور ماہ نور نے تم سے نجات حاصل کرنے کے لیے تمہیں قتل کیا ہے تاکہ یہ دونوں شادی کر سکیں۔ اس لڑکی نے پہلے بھی تم کو ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہی۔ تمہارے شوہر بلال کو ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ وہ صرف ایک سال زندہ رہے گا۔ لہٰذا اس نے طے کیا کہ تم سے نجات حاصل کر کے اپنی زندگی کا یہ آخری سال ماہ نور کے ساتھ گزارے۔ ممکن ہے وہ اسے دولت و جاگیر کا وارث دے دے'' شارق نے پوری بات نازش کو تفصیل سے بتائی تو وہ حیرت سے اس شاطر انسان کو تکنے لگی جس نے آج تک کوئی ایسا منصوبہ نہیں بنایا تھا جس میں جھول ہو۔

''مگر میں..... میں کس طرح مروں گی؟'' وہ بولی۔

''تم مرو گی نہیں ..... بلکہ کچھ عرصے کے لئے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاؤ گی۔ لوگ سمجھیں گے تم مر گئی ہو'' شارق نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''اس کے بعد ہم ایسا... پروپیگنڈا کریں گے کہ پولیس کے ذہن میں شکوک و شبہات سر اٹھائیں گے اور بلال اور ماہ نور کو تمہارا قاتل سمجھا جائے گا۔''

''پھر میں دوبارہ کیسے زندہ ہوں گی؟'' نازش نے پوچھا۔

''جب ماہ نور اور بلال کو تمہارے قتل کے جرم میں سزا ہو جائے گی اور بلال پھانسی کے پھندے پر لٹک جائے گا تو تم اچانک منظر عام پر آ جاؤ گی اور اپنی دولت اور جاگیر کے حصول کا دعویٰ دائر کر دو گی۔''

''یہ کیسے ممکن ہے کہ میں مرنے کے بعد دوبارہ نہ صرف زندہ ہو جاؤں بلکہ منظر عام پر بھی آ جاؤں؟'' نازش نے کہا۔

''پولیس اور عدالت مجھ سے یہ نہیں پوچھے گی کہ میں اتنے عرصے کہاں رہی؟''

''ہاں ..... اس کے بارے میں بھی میں نے سوچ لیا ہے۔'' شارق نے کہا ''ظاہر ہے جب تم سمندر میں ڈوبی تھیں تو تمہیں مچھیروں نے بچا لیا تھا مگر اس صدمے سے تمہاری یادداشت غائب ہو گئی تھی۔ بعد میں یادداشت واپس آئی تو تم منظر عام پر آ گئیں۔ میرا پہلا منصوبہ یہ ہے کہ تم نہایت پُراسرار اور مشتبہ حالات میں سمندر میں ڈوب جاؤ گی۔ تمہاری لاش تو نہیں ملے گی البتہ سمندر کے پانی میں تمہاری چند ایک ذاتی چیزیں تیرتی مل جائیں گی جس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ تم ڈوب کر ہلاک ہو چکی ہو۔ ہماری کوششوں سے اس کا شک براہِ راست بلال اور ماہ نور پر جائے گا۔''

''مگر یہ بہت خطرناک منصوبہ ہے۔'' نازش نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں.....''

''تم فکر نہ کرو۔ میں ہر لمحہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔'' ڈاکٹر شارق جلال نے سنجیدگی سے کہا۔

☆☆☆

''صاحب جی! بیگم صاحبہ نئے ڈاکٹر صاحب کے آنے کے بعد خاصی بدل گئی ہیں۔'' ماہ نور نے لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے بلال سے کہا ''وہ اس سے خوش خوش علاج بھی کرا رہی ہیں اور بات بے بات ناراض بھی نہیں ہوتیں۔''

''ہاں ..... میں سوچ رہا ہوں کہ اب اس سے بات کروں۔'' بلال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''اگر وہ آمادہ ہوئی تو ہمارے درمیان طلاق کسی مشکل کے بغیر ہو سکتی ہے۔ میں اسے مہر بھی ادا کروں گا اور کراچی والے بنگلے کے علاوہ پچاس لاکھ روپے بھی دے دوں گا۔''

''وہ کلفٹن والا بنگلا؟ مگر وہ تو.....'' ماہ نور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ کہنا چاہ رہی تھی کہ وہ بنگلا بلال نے کلفٹن کے ساحل پر صرف اس لئے بنوایا تھا کہ وہ وہاں گرمیاں گزارنے

جایا کرے گا۔

''بیگم صاحب اس پر راضی ہو جائیں گی؟'' ماہ نور نے پوچھا۔

''کیوں نہیں ہوگی؟ اسے ہونا پڑے گا۔ اب میں اس کے ساتھ مزید نہیں رہ سکتا۔ اس نے میری زندگی جہنم بنا دی ہے۔'' بلال کی آواز میں تلخی تھی۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا ''ڈاکٹر منان نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ آب و ہوا کی تبدیلی کی غرض سے کچھ روز کے لیے نازش کو سمندر پر لے جاؤں۔ میں اسے کلفٹن والے بنگلے پر لے جاؤں گا اور اسے موٹر بوٹ میں بھی سیر کرا دوں گا۔ وہاں میری ذاتی بوٹ بھی ہے اسی دوران موقع دیکھ کر میں اس سے طلاق کی بات کروں گا۔ اسے سمجھاؤں گا۔ دعا کرو کہ وہ میری جان چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے۔''

''مگر صاحب جی! آپ کے پاس تو بہت کم وقت رہ گیا ہے۔'' ماہ نور نے کہا ''اس طلاق میں بھی کچھ وقت تو لگے گا۔''

''میں اپنے وکیل سے بات کروں گا اچھے وکیل اگر چاہیں تو مقدمات کے فیصلے جلدی بھی ہو سکتے ہیں۔'' یہ کہہ کر بلال اندر چلا گیا۔

☆☆☆

بلال فردوسی، ڈاکٹر منان کے کہنے کے مطابق نازش کو اپنی کار میں کلفٹن والے بنگلے میں لے گیا تھا۔ اس نے ماہ نور کو بھی ساتھ لے لیا تھا اس پر پہلے تو نازش نے منہ بنایا مگر جب بلال نے اسے بتایا کہ اسے کام کاج کے لیے ملازمہ کی ضرورت ہوگی تو وہ خاموش ہوگئی۔

بلال اور نازش ساحل کی طرف جا چکے تھے جہاں کچھ دور کھاڑی میں بلال کی پرانی موٹر بوٹ کھڑی تھی۔ ماہ نور بنگلے کی چھت پر کھڑی ساحل کا منظر دیکھ رہی تھی، ساحل کا یہ حصہ ویران تھا، سیر و تفریح کرنے والے لوگ دوسرے مقامات پر آتے تھے مگر ساحل کے پشتے کے ساتھ ساتھ اس سڑک سے زیادہ تر وہ لوگ ہی اپنی کاروں میں گزرتے تھے جو وہاں رہائش پذیر تھے۔ بلال اور نازش کی کار نظروں سے اوجھل ہوگئی تو ماہ نور نے چھت سے اترنے کا ارادہ کیا مگر ایک کار پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گئی۔

جب کار قریب آئی تو وہ اسے پہچان گئی۔ وہ ڈاکٹر منان کی کار تھی جسے وہ سست رفتاری سے چلاتا ہوا اسی طرف جا رہا تھا جہاں بلال اور نازش گئے تھے۔ ماہ نور جلدی سے نیچے بیٹھ گئی کہ کہیں ڈاکٹر منان اسے دیکھ نہ لے مگر وہ خود حیران تھی کہ وہ منان سے اس طرح ڈر کیوں رہی ہے اور اس کی نظروں سے اس نے چھپنے کی کوشش کیوں کی ہے؟ مگر اس کا مادہ اور معصوم ذہن ان سوالوں کے جواب دینے میں ناکام رہا۔ شاید یہ اس کے اندر کا خوف تھا جس نے اسے اچانک نیچے بیٹھا دیا تھا۔ وہ خود کو بے چین و بے قرار محسوس کر رہی تھی۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ بلال خطرے میں ہے۔ وہ کسی سازش کا شکار ہونے والا ہے۔

ڈاکٹر منان کے پاس اس وقت جو کار تھی وہ ڈاکٹر زین کی تھی۔ ڈاکٹر زین کو وہ کار محکمے کی طرف سے ملی تھی۔ جاتے وقت وہ کار اسپتال کے احاطے میں کھڑی کر گیا تھا۔ اس کار کو وہ خوب اچھی طرح پہچانتی تھی مگر سوال یہ تھا کہ ڈاکٹر منان اسی وقت اس کار میں وہاں کیوں آیا تھا؟ وہ بلال کے پیچھے تھا یا نازش کے؟ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی ذاتی کام سے وہاں آیا ... اور ماہ نور خواہ مخواہ اس پر شک کر رہی ہو۔ مگر اس کے دل و دماغ میں مسلسل دھماکے ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر منان کی وہاں آمد اسے کسی خطرے کا پتا دے رہی تھی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ بلال خطرے میں ہے مگر وہ اسے بچانے کے لیے کیا کر سکتی تھی؟ وہ بے بسی سے رونے لگی۔

☆☆☆

''بلال! آج سب کچھ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔'' نازش نے اپنے شوہر سے کہا۔ اس وقت وہ دونوں موٹر بوٹ میں تھے اور نازش بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی جیسے اس نے پہلی بار سمندر دیکھا ہو بلال اس کے خوشی سے کھلے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اس خوشی میں کتنا ڈراما شامل ہے؟

''ہم دونوں طویل عرصے بعد اس طرح سمندر کی سیر کو آئے ہیں۔ ہے نا بلال؟'' نازش نے کہا کہ تو بلال نے آہستگی سے اقرار میں سر ہلا دیا مگر زبان سے کچھ نہیں کہا۔ اس نے موٹر بوٹ کا انجن اسٹارٹ کیا اور اسے آہستہ آہستہ سمندر کی سطح پر آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ اسے نازش کا خیال تھا اس لئے اس نے رفتار کم ہی رکھی تھی مگر نازش خوشی کے عالم میں کھڑی ہوگئی تھی۔ بلال سمجھ گیا کہ وہ خوف کے حصار سے باہر نکل آئی ہے جبھی اچانک کھڑی ہوگئی ہے۔ نازش کو دوبارہ اس کے قدموں پر کھڑا دیکھ کر بلال کو بہت خوشی ہوئی تھی۔

''بلال! وہیں چلو جہاں ہم پہلے بھی ایک دفعہ گئے تھے۔'' نازش نے بلال سے کہا ''بڑی پُرسکون جگہ ہے وہ! ایک طرف پہاڑ ہیں اور دوسری طرف چھوٹا سا جزیرہ جس پر درخت ہیں۔ وہاں تم نے مچھلیاں بھی پکڑی تھیں۔ وہیں چلو مجھے وہ پُرسکون جگہ بہت اچھی لگی تھی۔ ہم دونوں آج وہاں گئے

دنوں کی یادیں تازہ کریں گے۔'' نازش کسی بچی کی طرح مسلسل چہک رہی تھی۔

بلال نے خاموشی سے اپنی موٹر بوٹ کا رخ اس طرف کر دیا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ ابھی تک اس نے نازش کی کسی بھی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ نازش نے کئی مرتبہ بلال کو مخاطب کیا مگر وہ ہاں ہوں سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکا۔ نازش کو یہ دیکھ کر غصہ تو بہت آیا مگر وہ ضبط کر گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہی ان کی موٹر بوٹ اس مقام پر پہنچ گئی جس کا نازش نے تذکرہ کیا تھا۔ وہ جگہ واقعی بہت پُرسکون تھی۔ سمندر کی لہریں وہاں تک آ رہی تھیں مگر ان کا زور ٹوٹ چکا تھا، مجموعی طور پر وہاں خاموشی تھی وہ حصہ سمندر کے بجائے جھیل معلوم ہو رہا تھا۔ چٹان کے قریب اور جزیرے سے کچھ دور بلال نے موٹر بوٹ روک دی۔ یہ جگہ ساحل سے بہ مشکل دو میل دور ہوگی۔ سمندر میں موجود چٹان نے اس جگہ کو ہلال کی سی شکل دے رکھی تھی اور اس ہلال کے اندر ان کی موٹر بوٹ کھڑی تھی۔ موٹر بوٹ کا انجن بند کر کے بلال بھی سمندر کا منظر دیکھنے لگا ایسے ایسے حسین مناظر کبھی کبھار ہی دیکھنے کو ملتے تھے۔

''ذرا مجھے سہارا دو۔ میں لیٹنا چاہتی ہوں۔'' نازش نے کہا تو بلال نے اسے سہارا دے کر لٹا دیا۔ ویسے اب نازش پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر تھی۔ اس نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں بلال نے کن انکھیوں سے اس کے حسن کا جائزہ لیا۔ کسی زمانے میں وہ بہت حسین تھی مگر اب مسلسل جل کڑھ کر اور بلال سے جھگڑا کر کے وہ چڑچڑی ہو گئی تھی جس سے اس کا حسن بھی ماند پڑ گیا تھا اس کے مقابلے میں معصوم اور ماہ نور واقعی چاند کا ٹکڑا تھی۔ وہ تر و تازہ گلاب کی طرح تھی جس کی مہک اور خوشبو جینے کا پیغام دیتی ہے۔ بلال نے ایک نظر نازش کی طرف دیکھا پھر وہ سمندر کو تکنے لگا۔

اچانک وہ بولا ''نازش! بہت دنوں سے میں تم سے ایک بات کرنا چاہ رہا تھا۔ دراصل میں ایک صاف گو آدمی ہوں۔ لگی لپٹی رکھنے کا قائل نہیں ہوں اسی لیے تم سے صاف صاف بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں..... ہاں..... بولو میں سن رہی ہوں۔'' نازش نے آنکھیں بند رکھتے ہوئے ہی جواب دیا۔

''ڈاکٹر منان نے جس طرح تمہارا علاج کیا ہے اس سے مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔'' بلال نے کچھ رک کر کہا۔

''ڈاکٹر منان..... کون ڈاکٹر منان؟'' نازش نے بے خیالی میں اچانک کہا اور پھر ایک دم اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

بلال جس شخص کو ڈاکٹر منان کہہ رہا تھا، وہ دراصل ڈاکٹر شارق جلال تھا اسی لئے وہ منان کا نام سن کر چونک گئی تھی، شارق نے اسے کئی مرتبہ سمجھایا تھا..... بلکہ اس بات پر ڈانٹا بھی تھا کہ اب وہ اسے صرف ڈاکٹر منان سمجھا اور کہا کرے مگر اس کے دل و دماغ میں تو شارق کا نام بسا ہوا تھا۔ اسی لیے وہ ڈاکٹر منان کا نام سن کر چونک گئی تھی مگر بلال نے یہ بات محسوس نہیں کی تھی، وہ اپنے ہی خیالات میں گم تھا۔

''کچھ عرصہ پہلے میں پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی کے پاس گیا تھا۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ ایک سال زندہ رہوں گا۔'' بلال نے بوجھل لہجے میں کہا ''اس لیے میں..... چاہتا ہوں کہ تمہیں طلاق دے کر آزاد کر دوں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ماہ نور سے شادی کر لوں۔ ممکن ہے میری موت سے پہلے خدا مجھے وارث کی شکل دکھا دے۔ اگر تم تعاون کرو تو یہ ممکن ہے۔''

نازش نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے اور آنکھوں میں نفرت کے گویا الاؤ دہک رہے تھے۔

''تو یہ بات ہے!'' نازش نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آج تمہاری زبان پر تمہاری مکروہ خواہش آ ہی گئی۔''

''یہ مکروہ خواہش نہیں ہے بلکہ میری ضرورت ہے۔'' بلال نے نرم لہجے میں کہا۔ ''مجھے وارث کی ضرورت ہے جو تم مجھے دینے کو تیار نہیں ہو۔ اس لیے میں نے ماہ نور کا انتخاب کیا ہے۔''

وہ خاموشی سے بیٹھی اسے گھورتی رہی تو بلال نے کہا۔ ''اس کے عوض میں تمہیں اپنی جاگیر دولت اور جائداد کا ایک تہائی دینے کو تیار ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ طلاق کا یہ معاملہ قانونی طریقے سے نمٹ جائے ورنہ میں ایک دو تین بھی کر سکتا ہوں..... اور مجھے اس کا حق ہے۔ تمہیں اتنی رقم مل جائے گی جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔''

بلال کی بات سن کر نازش کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ یکا یک اس قدر دولت مند ہو سکتی ہے مگر اس نے اپنی خوشی چھپاتے ہوئے غصے میں کہا ''تو یہ بات ہے! تم ماہ نور کی صورت میں خوشیاں بھی حاصل کرنا چاہتے ہو اور اپنا وارث بھی۔ ٹھیک ہے..... میں تمہارے راستے کی دیوار نہیں بنوں گی۔ ویسے بھی ڈاکٹر عثمانی کے بقول تمہاری پاس وقت کم ہے۔ تم ایک سال کے اندر اندر.....'' یہ کہہ کر اس نے ترحم آمیز نظروں سے بلال کی طرف دیکھا پھر

بولی'' تم طلاق کے کاغذات تیار کراؤ۔ اس میں کتنا وقت لگ جائے گا؟''

''زیادہ وقت نہیں لگے گا۔'' بلال نے خوشی سے کہا'' میں کل ہی اپنے وکیل سے بات کروں گا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ کہ اس مشکل گھڑی میں تم نے میرا ساتھ دیا اور میرے مسئلے کو بھی سمجھ لیا۔ شکریہ نازش!''

''بلال! اب چونکہ ہم نے اس مسئلے کو دوستانہ طریقے سے حل کرلیا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ طلاق کے کاغذات تیار ہونے تک ہم اچھے اور مخلص دوستوں کی طرح رہیں۔'' نازش نے کہا'' میں نے چلتے وقت ماہ نور سے چائے تیار کرائی تھی۔ اس کا تھرماس بھرا ہوا ہے۔ ہمیں اس خوشی میں چائے پینی چاہیے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور موٹر بوٹ کے عقبی حصے میں چلی گئی۔ اس نے وہاں سے چائے کا تھرماس نکالا اور دو پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگی۔ بلال نے اس بات پر توجہ نہیں دی کہ نازش اپنے پیروں پر چل رہی ہے۔ وہ سمندر کی طرف تکے جارہا تھا اور بے حد خوش تھا کہ آخر کار اس کی خواہش پوری ہونے کی امید نظر آنے لگی تھی۔

نازش نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور اپنے پرس میں سے ایک گولی نکال کر بلال کی چائے میں ملا دی پھر وہ دونوں کپ اٹھا کر اس کی طرف آگئی۔ اس نے پوری احتیاط سے گولی والا کپ بلال کی طرف بڑھا دیا۔ بلال کو کچھ پتا نہیں چلا کہ اس کی چائے میں کیا ملایا گیا ہے۔ اس نے چائے کا کپ نازش کے ہاتھ سے لیا اور دھیرے دھیرے چسکیاں لینے لگا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

''اب اتنا اداس چہرہ نہ بناؤ کہ میں بھی اداس ہوجاؤں۔'' نازش نے ہنستے ہوئے کہا'' ہمارے درمیان بڑے طریقے اور سلیقے سے علیحدگی ہورہی ہے۔ نہ کوئی جھگڑا اور نہ ٹنٹا۔ سب کچھ ہنسی خوشی طے ہوگیا ہے۔ ہے نا؟''

بلال نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے نازش کی طرف دیکھا اور خاموشی سے چائے پینے لگا۔ اس وقت اسے وہ دن یاد آرہا تھا جب نازش اس کی دلہن بن کر فردوسی ہاؤس میں آئی تھی۔ نازش نے بلال سے وعدہ کیا تھا کہ وہ زندگی بھر اس کی وفادار بن کر رہے گی اور اس سے کبھی جدا نہیں ہوگی، صرف موت ہی ان دونوں کو جدا کرسکے گی۔

چائے کا کپ خالی کرنے کے بعد بلال نے نازش کی طرف بڑھا دیا جسے اس نے مسکراتے ہوئے لے لیا۔ بلال سوچ رہا تھا کہ اس سے نجات پانے کے خیال سے یہ عورت کس قدر خوش ہے۔ یہ بہت لالچی اور خودغرض ہے۔ دولت ملنے کی خوشی اس کے انگ انگ میں پھوٹ رہی ہے۔ ایسی عورت سے شادی کرکے میں نے گویا زندگی ضائع کردی!

ادھر نازش، بلال کو دیکھتے ہوئے دل میں کہہ رہی تھی۔ ''میری قسمت اچھی تھی جو بلال جیسا مالدار شوہر ملا مگر تھا یہ بے وقوف! اسے یہ بھی پتا نہیں چلا کہ میں نہ صرف پہلے شادی کرچکی ہوں بلکہ اب بھی اس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہوں..... مگر اس نے یہ کام اچھا کیا کہ مجھے معقول رقم دینے کا وعدہ کرلیا۔''

وہ بڑے غور سے بلال کی طرف دیکھ رہی تھی جس کی آنکھیں رفتہ رفتہ بند ہونے لگی تھیں۔ تیز اثر دوا اسے بے ہوش کررہی تھی۔ یہی نازش اور شارق کا منصوبہ بھی تھا۔ بلال نے آنکھیں کھول کر نازش کو دیکھنے کی کوشش کی پھر بولا'' نہ جانے کیوں ایک دم نیند آنے لگی ہے۔ جی چاہ رہا ہے سو جاؤں۔'' یہ کہتے کہتے وہ موٹر بوٹ کی سیٹ پر لڑھک گیا اور گہری نیند میں ڈوب گیا۔ نازش نے اسے دو چار آوازیں دیں ہلا ہلا.... کر دیکھا مگر وہ گہری نیند سو... چکا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ تھوڑی دیر تک اس نے سوتے ہوئے بلال کو دیکھا پھر بولی'' بڑے آئے مجھے طلاق دینے والے۔ سمجھتے تھے میں ایک تنہائی دولت اور جائداد کے لالچ میں آجاؤں گی جب مجھے کبھی کچھ مل سکتا ہے تو میں اتنے پر کیوں قناعت کروں؟ خدا حافظ..... تمہارا اب اللہ ہی حافظ،،

نازش نے موٹر بوٹ میں کھڑے ہوکر غور سے چاروں طرف دیکھا۔ سمندر کا جائزہ لیا۔ پھر اس نے تولیا اٹھایا اور دائیں طرف دیکھتے ہوئے زور زور سے ہلانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ساحل کی طرف سے ایک چھوٹی کشتی بلال کی موٹر بوٹ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس کشتی کو ڈاکٹر شارق جلال چپوؤں کی مدد سے چلا رہا تھا۔ شارق کی کشتی کو دیکھ کر نازش کی جان میں جان آئی۔ وہ بڑی بے قراری سے اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگی۔ آخر شارق کی کشتی موٹر بوٹ کے پاس پہنچ کر رک گئی۔

''سب ٹھیک ہوگیا؟'' شارق نے نازش سے پوچھا تو اس نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

''اب جلدی کرو۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ ہمیں جلد ہی یہاں سے نکلنا ہے۔ ایسا نہیں ہو کہ کوئی ہمیں دیکھ لے۔'' شارق نے کہا'' جلدی کرو۔ کشتی میں سوار ہوجاؤ۔''

نازش جلدی سے شارق کی کشتی میں اتر گئی جبکہ شارق بلال کی موٹر بوٹ پر سوار ہوگیا۔ اس نے نازش کا پرس اس کا

دوپٹہ اس کے سینڈل اور گھڑی پانی میں پھینکی، موٹر بوٹ کا سائیڈ بورڈ توڑا اور مطمئن انداز میں سر ہلاتا ہوا واپس اپنی کشتی میں آ گیا۔ اس نے روانہ ہونے سے پہلے موٹر بوٹ کی وہ رسی بھی کھول دی جو بلال نے ایک ابھری ہوئی چٹان سے باندھ رکھی تھی تاکہ اس کی موٹر بوٹ پانی پر ڈولتی ہوئی آگے نہ بڑھ جائے۔

بلال ابھی تک بے ہوش تھا۔ تھوڑی دیر بعد نازش، شارق کے ساتھ کشتی میں واپس ساحل کی طرف جا رہی تھی جبکہ بلال اپنی موٹر بوٹ میں سو رہا تھا اور موٹر بوٹ رفتہ رفتہ سمندر کی لہروں پر اچھلتی ڈولتی آگے بڑھنے لگی تھی۔

''شارق! تمہاری کار کہاں ہے؟'' نازش نے پوچھا تو شارق نے خوفناک نظروں سے اس کی طرف دیکھا، ان نظروں سے وہ سہم گئی۔

''تم سے کتنی بار کہا ہے کہ میں شارق نہیں ہوں۔ وہ مر چکا ہے۔ اس کا اب کوئی وجود نہیں ہے۔ میں منان ہوں ..... ڈاکٹر منان!'' شارق نے تیزی سے کہا پھر قدرے نرم لہجے میں بولا ''میری کار ادھر کھاڑی کے دوسری طرف کھڑی ہے اس میں تمہارے لئے لباس بھی رکھا ہے۔ تم یہ لباس اتار کر وہ لباس پہن لے نا اور اس لباس کو سمندر میں پھینک دینا۔''

تھوڑی دیر بعد کھاڑی کے دوسری طرف ان کی کشتی کنارے سے جا لگی۔ نازش نے شارق کا ہاتھ پکڑا اور کنارے پر اتر گئی۔ شارق بھی کشتی سے اتر آیا۔ سامنے ہی جھاڑیوں کی آڑ میں شارق کی کار کھڑی تھی۔ نازش پھرتی سے کار کی طرف بڑھی اور تھوڑی دیر بعد وہ کار کے اندر تھی۔ اس کار کے شیشے سیاہ تھے اس لئے نازش کو اندر بیٹھ کر لباس تبدیل کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ دس منٹ بعد نازش کا لباس سمندر کی لہروں پر تیر رہا تھا اور ڈاکٹر شارق جلال، فردوسی گھرانے کی عزت و آبرو کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

☆☆☆

کانفٹن والے بنگلے میں ماہ نور بے قراری سے گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بلال فردوسی اور نازش فردوسی ابھی تک واپس نہیں لوٹے تھے۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ سمندر میں طغیانی بڑھ رہی تھی۔ لہریں گویا دیوانی ہو رہی تھیں۔ بنگلے کی چھت پر چڑھ کر ماہ نور نے ساحل کی طرف دیکھا۔ کچھ لوگ سمندر میں نہاتے نظر آئے۔ کچھ لوگ ساحل کے ساتھ چہل قدمی کر رہے تھے مگر بلال اور نازش کا پتا نہیں تھا۔ اس بنگلے میں دو ملازم بھی تھے۔ دونوں میاں بیوی تھے۔ وہ ماہ نور کی پریشانی دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے ماہ نور کو سمجھایا کہ فکر نہ کرے، صاحب اور بیگم صاحبہ جلدی لوٹ آئیں گے ..... مگر ماہ نور کو تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ اچانک دور سے ماہ نور کو بلال کی موٹر بوٹ آتی دکھائی دی تو وہ خوش ہو گئی مگر اس کی رفتار کافی سست تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بوٹ انجن کے ذریعے نہیں چل رہی ہے بلکہ لہروں کے زور پر آگے بڑھ رہی ہے۔ ماہ نور نے جب یہ بات ان ملازم میاں بیوی کو بتائی تو وہ پریشان ہو گئے۔ ماہ نور ان دونوں کو ساتھ لے کر بنگلے سے نکلی اور ساحل کی طرف بڑھی۔ اس وقت تک لہریں کافی تیز ہو چکی تھیں کبھی وہ موٹر بوٹ کو ساحل کی طرف دھکیلتیں کبھی واپس سمندر میں لے جاتیں۔

کافی دیر کے صبر آزما انتظار کے بعد وہ مرحلہ بھی آیا جب ایک تیز لہر نے موٹر بوٹ کو کنارے پر پہنچا دیا۔ موٹر بوٹ آہستگی سے پشتے سے ٹکرائی مگر یہ ٹکر زیادہ زوردار نہیں تھی۔ اس لیے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ ملازم نے موٹر بوٹ کی رسی پکڑ لی اور اسے کنارے پر لگے ہوئے ایک ہک کے ساتھ باندھ دیا پھر وہ اور ماہ نور موٹر بوٹ پر چڑھ گئے جس کے اندر بلال گہری نیند سو رہا تھا اور نازش موٹر بوٹ میں نہیں تھی۔

''ہیں ..... ! بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟'' ملازمہ نے سوال کیا تو ملازم اور ماہ نور دونوں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''صاحب کو جگاؤ ..... شاید یہ کچھ بتا سکیں کہ بیگم صاحبہ کہاں گئی ہیں۔'' ملازم نے کہا۔

''پہلے صاحب کو باہر لے چلو۔'' ماہ نور نے کہا۔ ملازم، ملازمہ اور ماہ نور نے مل کر بلال کو اٹھایا اور پشتے پر لا کر لٹا دیا۔ اسی دوران بلال کو ہوش آ گیا۔ بے ہوشی جیسی نیند سے جاگنے کے بعد تھوڑی دیر تک وہ خالی خالی نظروں سے ماہ نور وغیرہ کو دیکھتا رہا۔

''صاحب جی! بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟'' ملازم نے پوچھا۔ بلال غنودگی کے سے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''وہ میں یہاں کیسے آیا؟ میں تو موٹر بوٹ پر تھا اور وہ نازش ..... وہ کہاں گئی؟''

''بیگم صاحبہ موٹر بوٹ پر نہیں تھیں۔'' ملازمہ نے کہا۔

''وہ کہاں ہے بلال؟'' ماہ نور نے پہلی مرتبہ بلال کو اس کا نام لے کر مخاطب کیا تھا ورنہ وہ اسے ''صاحب جی'' کہتی تھی۔ ''تم دونوں تو ساتھ گئے تھے مگر تمہاری موٹر بوٹ سمندر کے پانی پر ڈولتی واپس آئی ہے۔''

شاید گھبراہٹ اور پریشانی میں ماہ نور سارے آداب و القاب بھول بیٹھی تھی اور بلال کو ''آپ'' کے بجائے ''تم''

کہہ کر مخاطب کررہی تھی۔ یا پھر اپنائیت کی شدت نے اسے آداب والقاب سے بیگانہ کردیا تھا۔ ''اس کا انجن کس نے بند کیا تھا؟ یہ سب کیا ہے؟ کچھ بتاؤ۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔'' بلال نے خمار آلود سے لہجے میں کہا ''وہ تو مجھے چائے دے رہی تھی..... بس مجھے اتنا یاد ہے ..... اس ..... کے بعد ..... کیا ..... ہوا مجھے نہیں معلوم۔''

یکا یک اس نے ایک جھرجھری لی اور ماہ نور سے کہا ''ایسا کرو..... کوسٹ گارڈ والوں سے رابطہ کرو میرا خیال ہے نازش سمندر میں گر گئی ہے جلدی آؤ میرے ساتھ۔'' یہ کہہ کر وہ ماہ نور اور اپنے دونوں ملازمین کے ساتھ بنگلے پر پہنچا۔ وہاں سے اس نے کوسٹ گارڈز کو فون کیا اور ساتھ ہی ایدھی کے غوطہ خوروں کے لئے بھی فون کردیا۔

فون کرنے کے بعد بلال نے ملازم میاں بیوی کو بنگلے میں ہی رکنے کی ہدایت کی کہ کسی کا فون نہ آجائے پھر وہ خود ماہ نور کے ساتھ دوبارہ ساحل پر پہنچا۔ چلتے چلتے اس نے بنگلے سے اپنا موبائل فون ساتھ لے لیا تھا۔

وہ موٹر بوٹ کی طرف بڑھا تو ماہ نور نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ ''بلال! یہ وقت سمندر میں جانے کا نہیں ہے۔ کوسٹ گارڈ والوں کو آنے دو'' مگر وہ نہیں رکا۔ اس نے موٹر بوٹ میں سوار ہوکر اس کا انجن اسٹارٹ کردیا، ماہ نور کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا وہ دیکھ رہی تھی کہ بلال کا سارا خمار یا غنودگی کافور ہوچکی تھی۔ موٹر بوٹ ایک جھٹکے کے ساتھ بپھرے ہوئے سمندر کے سینے پر دوڑنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی کوسٹ گارڈز بھی آگئے اور ایدھی کے غوطہ خور بھی۔

انہوں نے سمندر چھان مارا مگر نازش نہیں مل سکی البتہ پانی میں سے اس کا لباس، دوپٹا، پرس اور گھڑی مل گئی تھی۔ ایدھی کے غوطہ خوروں اور کوسٹ گارڈز نے مشترکہ کاوش سے یہ سارا سامان ڈھونڈ نکالا تھا۔

''یہ لباس تو نازش نے پہن رکھا تھا۔'' بلال نے کہا ''مگر سوال یہ ہے کہ یہ سمندر میں کہاں سے آگیا اور اور وہ خود کہاں گئی؟''

''ذرا سوچ کر بتاؤ کہ موٹر بوٹ پر کیا ہوا تھا؟'' ماہ نور نے بلال سے کہا ''آخری بار تم نے.....''

''مجھے کچھ یاد نہیں آرہا۔ سب کچھ ذہن میں دھندلا سا رہا ہے۔'' بلال نے جواب دیا ''اس نے مجھے چائے دی تھی اور میں وہ چائے پی رہا تھا۔ بس اتنا یاد ہے۔''

اس وقت ماہ نور اور بلال ساحل پر آچکے تھے اور وہاں کھڑے آپس میں باتیں کررہے تھے۔ کوسٹ گارڈز اور ایدھی کے غوطہ خور اپنی ناکام کوشش کے بعد واپس جاچکے تھے۔ بلال نے ماہ نور کو بتایا ''میں نے اس سے طلاق کی بات کی اور بدلے میں معقول رقم دینے کی پیش کش کی تو وہ فوراً راضی ہوگئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اسے طلاق کا ذرا بھی افسوس نہیں تھا۔ میں خود اس کے رویے پر حیران رہ گیا تھا۔ ممکن ہے اسے دکھ ہوا ہو مگر اس نے اس دکھ کا اظہار نہ ہونے دیا ہو۔''

''تم نے اسے میرے بارے میں بتایا تھا؟'' ماہ نور نے کہا ''میرا مطلب ہے..... اس بارے میں ..... کہ ہم شادی کرنے والے ہیں اور اسی لیے.....''

''ہاں۔ میں نے اسے سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا۔'' بلال نے کہا ''مگر اس نے اس خبر کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ شاید اسے پہلے ہی یہ توقع تھی کہ میں ایسا کرنے والا ہوں۔''

''وہ کب اور کیسے غائب ہوئی؟'' ماہ نور نے سوال کیا۔

''یہ مجھے نہیں معلوم.....'' بلال نے جواب دیا۔ ''خدا کا شکر ہے کہ میری موٹر بوٹ لہروں پر ڈولتی کنارے آن لگی۔ اگر یہ گہرے سمندر کی طرف چلی جاتی تو کیا ہوتا.....؟ میں ایک سال پہلے ہی.....''

خدا نہ کرے بلال!'' ماہ نور نے اچانک اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ واپس بنگلے میں آگئے۔ ایک گھنٹے بعد وہ اپنی کار میں گڈاپ جارہے تھے۔ فردوسی ہاؤس کی طرف..... جہاں اب گھر کی مالکن نہیں تھی۔

☆☆☆

چار روز بعد جب پولیس تفتیش کرنے آئی تو اس موقع پر انسپکٹر نے ڈاکٹر منان کو بھی بلایا جو دراصل ڈاکٹر شارق تھا۔ پولیس نے اسے اس لیے بلایا تھا کہ نازش کی پُراسرار گمشدگی سے پہلے وہی اس کا علاج کرتا رہا تھا۔ اس موقع پر وہ ایک سنجیدہ اور ذہین ڈاکٹر نظر آرہا تھا۔ اس نے انسپکٹر کے تمام سوالوں کے جواب پورے اعتماد کے ساتھ دیے پھر مقدمہ عدالت میں پیش ہوا تو وہاں بھی اسے گواہی کے لیے طلب کیا گیا۔ وہ جس انداز سے عدالت میں پیش ہوا اور جس طرح اس نے وکیل اور جج کے سوالوں کے جواب دیے، ان سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ فولادی اعصاب کا مالک تھا۔

بلال کو موٹر بوٹ میں نازش کے ہاتھوں نشے آور دوا والی چائے پلوانے کے بعد ڈاکٹر شارق، نازش کو اپنے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ پر لے گیا تھا جہاں اس نے نازش کا حلیہ بدل ڈالا۔ اس کے بال سنہرے رنگ دیے۔ آنکھوں میں لینس لگوا دیے

اور اسے اپنے اپارٹمنٹ کے چھوٹے کمرے میں رہنے کو کہا۔ وہ اس کی ہر بات مانتی چلی گئی پھر شارق نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کا اس نے درحقیقت منصوبہ بنا رکھا تھا۔ وہ اسے تسلسل سے نشہ آور دوا دینے لگا جسے استعمال کرنے کے بعد نازش ہر وقت بستر پر پڑی رہتی تھی۔ اسے تھوڑا بہت ہوش آتا تو وہ باتھ روم وغیرہ جاتی، ہاتھ منہ دھوتی، تھوڑا بہت کھاتی، بعد میں شارق اسے پھر چپ چاپ چائے میں نشہ آور دوا ملا کر پلا دیتا تھا اور وہ سو جاتی تھی، چند روز میں ہی اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچا ہو کر رہ گئی۔

ڈاکٹر شارق جلال نے سوچ رکھا تھا کہ وہ نازش کو نشہ آور دوا مسلسل دیتا رہے گا اور اس کا اس قدر عادی بنا دے گا کہ ایک سال کے اندر اندر وہ مر جائے گی۔ اس دوران اس کے مقدمے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا اور وہ بلال کے پھانسی چڑھنے کے بعد اس کی ساری دولت و جاگیر کی مالک بن چکی ہو گی۔ شارق کو یقین تھا کہ نازش سے وہ ساری دولت اور جاگیر ہتھیا لینا اس کے لیے زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔

عدالتی کارروائی جاری تھی۔ عدالت اس بات کا پتا چلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کیا واقعی نازش فردوسی حادثے کا شکار ہوئی ہے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو کس طرح یہ سانحہ رونما ہوا؟ عدالت میں ماہ نور بھی پیش ہوئی اور بلال کے کلفٹن کے بنگلے والے ملازم میاں بیوی بھی۔ بلال نے عدالت میں وہی کچھ کہا جو اس نے دیکھا تھا اور جو سچ تھا۔ سرکاری وکیل نے بلال سے کرید کرید کر سوال کیے۔ وہ یہ تاثر دے رہا تھا کہ بلال اور اس کی بیوی نازش کے درمیان خوشگوار تعلقات نہیں تھے اور بلال نے اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہ سارا ڈراما کیا ہے مگر ابھی تک وکیل اس بات کو ثابت نہیں کر سکا تھا۔ سرکاری وکیل نے ماہ نور سے جرح کرتے وقت یہ تاثر دیا جیسے اس کے اور نازش کے درمیان تعلقات کشیدہ تھے اور اسی وجہ سے کچھ عرصے پہلے وہ ان بکریوں کی زد میں آ گئی تھی جو ماہ نور نے نازش کی طرف ہنکائی تھیں مگر ماہ نور نے وکیل کے اس الزام کو مسترد کر دیا اور کہا کہ یہ محض ایک اتفاق تھا۔ اس نے جان بوجھ کر بیگم نازش فردوسی کے ساتھ ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ تین ماہ تک اس مقدمے کی سماعت ہوتی رہی۔ آخر جج نے فیصلہ سنا دیا۔ اس نے ماہ نور اور بلال کو بے گناہ قرار دیا اور نازش فردوسی کو مردہ قرار دینے کے بجائے گم شدہ قرار دیا۔ اس طرح وقتی طور پر اس مقدمے کا خاتمہ ہو گیا مگر ڈاکٹر شارق جانتا تھا کہ یہ مقدمہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ یہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو گا اور اتنی شد و مد کے ساتھ شروع ہو گا کہ بلال فردوسی کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا دے گا۔

جب بلال عدالت سے باہر نکلا تو ماہ نور نے اس کا بازو تھام لیا۔ وہ کافی تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں سے نقاہت ٹپک رہی تھی۔ وہ دونوں احاطے میں اپنی کار کے پاس آئے تو کسی نے کہا۔ ''وہ جا رہا ہے اپنی بیوی کا قاتل.....!''

''اس لڑکی نے اس بے چاری کو ہلاک کرایا ہے۔'' ایک اور آواز آئی پھر سب لوگ ایک ساتھ بولنے لگے ماہ نور، بلال کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے کار میں بیٹھ گئی۔ بلال نے کار کا انجن اسٹارٹ کیا اور ان کی کار عدالت سے دور نکل آئی۔ پیچھے لوگ آوازے کستے رہے انہیں برا بھلا کہتے رہے۔

''یہ کون لوگ ہیں جو بغیر دیکھے اس طرح کے الزامات ہم پر لگا رہے ہیں؟'' بلال نے ماہ نور سے پوچھا۔

''میں نے ان لوگوں کے پاس ڈاکٹر منان کو کھڑے دیکھا تھا۔'' ماہ نور نے کہا ''یہ شخص مجھے پہلے دن سے ہی اچھا نہیں لگا۔ شیطان ہے پورا!''

''تو کیا وہ لوگ اس کے کہنے پر ایسی باتیں کر رہے تھے؟'' بلال نے حیرت سے کہا۔

''میرے خیال میں تو معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔'' ماہ نور پُرخیال لہجے میں بولی۔

اس مقدمے کی خبریں کراچی کے اخباروں میں مسلسل آ رہی تھیں۔ ان میں نازش، بلال اور ماہ نور کی تصویریں بھی آئی تھیں۔ ماہ نور سوچتی تھی کہ یہ خبریں ایمن آپا کی نظروں سے بھی گزری ہوں گی۔ وہ یہ سب جان کر دکھی ہوئی ہوں گی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ ابھی تک انہوں نے اس سلسلے میں بلال سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

مقدمے کے فیصلے کے بعد بلال نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ اب وہ اپنے اور ماہ نور کے بارے میں کچھ سوچنا چاہتا تھا..... بلکہ ہنگامی بنیادوں پر عملی قدم اٹھانا چاہتا تھا کیونکہ اس کے پاس وقت اور بھی کم رہ گیا تھا۔ اس کے سامنے ماہ نور کی صورت میں امید کی کرن موجود تھی جو اس کے خاندان کے چراغ کو بجھنے سے بچا سکتی تھی۔ ماہ نور نے اسے بڑی طاقت اور توانائی دی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو نہ جانے اس کا کیا حال ہوتا!

☆☆☆

ماہ نور، فردوسی ہاؤس کے لان میں ٹہل رہی تھی۔ اس کا ذہن مختلف خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا مگر ان سب خیالات

پر ڈاکٹر منان کا خیال حاوی تھا۔ ماہ نور نے اس چہرے کو پہلے کہیں دیکھا تھا۔ کہاں دیکھا تھا، یہ اسے یاد نہیں آرہا تھا۔ وہ سوچتی رہی..... ذہن پر زور دیتی رہی کہ اس نے منان کو کہاں دیکھا تھا پھر اسے یاد آیا کہ بلال نے بتایا تھا، اسے نازش نے چائے پلائی تھی جسے پینے کے بعد اسے گہری نیند آگئی تھی۔ کیا اس چائے میں نشہ آور دوا ملائی گئی تھی؟ کیا یہ کام نازش کا تھا؟ مگر کیوں؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟ پھر اسے یاد آیا کہ بلال نے نازش سے طلاق کی بات تھی جس پر وہ فوراً تیار ہوگئی تھی۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک منظر بڑی تیزی سے ابھرا اور اسے یاد آگیا کہ ڈاکٹر منان کو اس نے کہاں دیکھا تھا۔ جس روز وہ چرواہوں کی لڑکیوں کے ساتھ بکریاں چراتی ہوئی ''سرمرو جی اوطاق'' کی طرف نکل گئی تھی۔ اس روز اس نے اوطاق کے دروازے پر ڈاکٹر منان اور نازش کو باتیں کرتے دیکھا تھا۔ انہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ دونوں ایک دوسرے کو طویل عرصے سے جانتے ہوں۔ اس کے بعد ہی نازش وہاں سے چلی گئی تھی وہ بکریوں کے درمیان گر گئی تھی۔

اس نے یہ بات بلال کو بتانی چاہی مگر پھر اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور سوچا کہ کل وہ ''سومرو جی اوطاق'' جاکر بابا طفیل سموں سے بات کرے گی اور پوچھے گی کہ کچھ عرصے پہلے کیا اس کے ہاں ڈاکٹر منان ٹھہرا تھا؟ وہ پروگرام کے مطابق سومرو جی اوطاق پہنچی اور وہاں بابا طفیل سموں سے ڈاکٹر منان کے بارے میں پوچھا تو اس نے انکار میں سر ہلا دیا اور بتایا کہ اس نام کا کوئی شخص کبھی اس کی اوطاق میں نہیں ٹھہرا ہے۔

وہ ''سومرو جی اوطاق'' سے واپس آرہی تھی کہ راستے میں سرکاری اسپتال نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی دو کمروں پر مشتمل ڈاکٹرز زین کا کوارٹر تھا جو اب منان کے پاس تھا اور وہ اسی میں رہ رہا تھا۔

نہ جانے ماہ نور کو کیا ہوا کہ وہ بلا سوچے سمجھے کوارٹر کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو ڈاکٹر منان نے خود دروازہ کھولا۔ اپنے سامنے ماہ نور کو دیکھ کر وہ چونک گیا مگر سنبھل کر بولا ''خیریت؟ بلال صاحب تو ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں..... وہ تو ٹھیک ہیں مگر مجھے یاد آگیا کہ میں نے تمہیں کہاں دیکھا تھا.....'' ماہ نور نے تیزی سے کہا۔

''اچھا! میں بھی تو سنوں تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟'' ڈاکٹر منان نے گہری نظروں سے ماہ نور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم سومرو جی اوطاق'' کے دروازے پر نازش کے ساتھ کھڑے تھے۔'' ماہ نور نے کہا ''اس روز کی بات ہے جب نازش بکریوں سے ٹکرا گئی تھی اور.....''

ڈاکٹر منان نے گہری نظروں سے ماہ نور کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا کہ یہ لڑکی ضرورت سے زیادہ چالاک ہے۔

''جاؤ..... بچے! جاؤ..... تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ ایسی خطرناک باتیں نہ کیا کرو۔'' ڈاکٹر منان نے سرد لہجے میں کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہاری بات پر ہنسوں یا روؤں، بہرحال میں ایک بات واضح کردوں کہ میں سومرو جی اوطاق میں کبھی نہیں ٹھہرا..... میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا، سمجھیں۔''

''مگر میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔'' ماہ نور نے بچوں کی طرح ضد کی ''تم نازش کے ساتھ.....''

''اچھا، اب یہاں سے چلتی پھرتی نظر آؤ۔'' ڈاکٹر منان نے اچانک سفاکانہ لہجے میں کہا تو ماہ نور اس کی طرف دیکھتی رہ گئی شارق نے اپنا دروازہ بند کرلیا تو وہ واپس آگئی۔

دوسری طرف ڈاکٹر شارق دروازہ بند کرنے کے بعد ماہ نور کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ لڑکی اسے پہچان چکی تھی۔ اگر وہ یہ بات پولیس کو بتا دیتی تو بڑی گڑبڑ ہوسکتی تھی۔

''اس لڑکی کا علاج کرنا پڑے گا۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں بستر پر نازش کسی مردے کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ وہ مکمل طور پر ڈاکٹر شارق کے ٹرانس میں تھی اور اس کے کہنے پر عمل کررہی تھی۔ ڈاکٹر اسے ہر روز نشے کا زہر دے رہا تھا۔ اس کی رگوں میں گویا خون کے بجائے نشہ آور دوا دوڑ رہی تھی۔ نازش نے ڈاکٹر شارق کے آنے کی آواز سن کر آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی۔

''نازش! آرام سے سو جاؤ۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔'' شارق نے کہا تو نازش نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں، اس کا دماغ ماؤف تھا۔ اسے ایک کی جگہ کئی شارق ایک ساتھ نظر آرہے تھے۔ اس نے ان سب کو ایک ساتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

☆☆☆

ماہ نور خود کو قصوروار قرار دے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے ڈاکٹر منان کے پاس تنہا جاکر بڑی غلطی..... بلکہ حماقت کی تھی۔ اسے اس سلسلے میں پہلے بلال سے بات کرنی چاہیے تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس نے منان اور نازش کو اس روز ''سومرو جی اوطاق'' پر دیکھا تھا مگر اب وہ اس سے منکر تھا۔ وہ شخص شروع سے ہی ماہ نور کو برا لگا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خباثت ٹپکتی تھی۔ وہ ڈاکٹر کے بجائے شیطان لگتا تھا۔ اس روز وہ بڑی مضمحل اور آزردہ تھی کہ بلال وہاں آگیا۔

''تم یہاں کیوں بیٹھی ہو اور تمہارے چہرے پر بارہ

کیوں بج رہے ہیں؟'' بلال نے آتے ہی سوال کیا۔

''تمہارے..... پاس وقت..... کم..... رہ گیا ہے.....'' ماہ نور نے ہچکچاتے ہوئے بلال سے کہا ''تم نے جو فیصلہ کیا ہے .....اس پر کب..... عمل کرو گے'' یہ کہتے کہتے ماہ نور بلک بلک کر رونے لگی۔

''فکر نہ کرو'' بلال نے ٹھوس اور مستحکم لہجے میں کہا ''میں ایک دو دن میں تم سے شادی کرلوں گا۔ تم سے شادی کرنے میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے، ہم سادگی سے نکاح کرلیں گے اور میں باقی ماندہ.....'' یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ ''زندگی کے دن تمہاری رفاقت میں بسر کروں گا..... مگر یہاں .....فردوسی ہاؤس میں نہیں..... بلکہ کلفٹن والے بنگلے میں..... وہاں ہمیں ڈسٹرب کرنے والا کوئی نہیں ہوگا تم ہوگی..... میں ہوں گا..... اور خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔''

''اور یہ گھر..... اس کی دیکھ بھال کون کرے گا؟'' ماہ نور نے چونک کر پوچھا ''کیا اسے ایسے ہی چھوڑ دو گے؟''

''خالہ برکت اور ان کے شوہر خالو میاں اس دوران فردوسی ہاؤس اور ہمارے فارمز کی نگرانی کریں گے۔ خالو میاں کافی تجربے کار آدمی ہیں۔ وہ باہر کا کام دیکھیں گے اور خالہ برکت اندر کا، بس یہ دعا کرو کہ ہم جس مقصد کے لیے یہ شادی کررہے ہیں اللہ تعالیٰ وہ مقصد پورا کرے۔'' بلال کی یہ بات سن کر ماہ نور مسکرادی اور اس نے شرما کر اپنا سر جھکالیا۔

☆☆☆

شارق نے افواہیں پھیلانی شروع کردی تھیں۔ وہ اسپتال آنے والے گڈاپ کے بھولے بھالے لوگوں کو یہ بتاتا تھا کہ بلال نے نازش کو قتل کردیا ہے۔ دونوں کے درمیان ہر وقت جھگڑا رہتا تھا اسی لیے وہ ایک فلاحی ادارے سے ایک کم عمر لڑکی لے آیا ہے تاکہ اس سے شادی کرسکے۔ نازش نے اس پر اعتراض کیا تھا تو وہ بھڑک اٹھا اور اس نے اسے ہلاک کردیا۔ وہ ایک ایک فرد کو یہ باتیں بتا رہا تھا۔ فارمز پر کام کرنے والے فردوسی خاندان کے ملازمین اور دیگر زمین داروں کے کارندے جان چکے تھے کہ بہ ظاہر شریف اور نیک نظر آنے والا بلال کتنا خطرناک انسان ہے۔ وہ مجرم بھی ہے اور قاتل بھی۔ یہ باتیں ان لوگوں کے ذہنوں میں شارق نے ہی ڈالی تھیں۔ وہ ان افواہوں سے جو مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا، ان میں کسی حد تک کامیاب ہورہا تھا۔ اس نے پورے گڈاپ میں بلال فردوسی کو بدنام کرکے رکھ دیا تھا۔ لوگ اس سے خوف کھاتے تھے۔ اس کے اور ماہ نور کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں کھچڑی سی پکنے لگی تھی۔

اسی دوران بلال، ماہ نور کو ساتھ لے کر فردوسی ہاؤس سے کہیں چلا گیا تو لوگوں کی زبانیں اور بھی کھل گئیں۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر بولنے لگے۔ بلال اور ماہ نور کی کردار کشی کرنے لگے مگر لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال مسلسل گردش کررہا تھا کہ آخر وہ دونوں گئے کہاں ہیں؟ کچھ کا خیال تھا کہ وہ ملک سے باہر نکل گئے اور کچھ کا کہنا تھا کہ وہ ملک میں ہی ہیں اور چھپے ہوئے ہیں..... لیکن انہیں چھپنے کی ضرورت کیا تھی؟ ابھی کسی نے انہیں باضابطہ طور پر مجرم تو قرار نہیں دیا تھا جو وہ لوگوں کی نظروں سے چھپتے پھرتے۔

حویلی اور جاگیر بھی موجود تھی۔ فارمز پر ہمیشہ کی طرح کام ہورہا تھا۔ نہ کوئی چیز فروخت کی گئی تھی اور نہ کوئی کام بند کیا گیا تھا۔ خالہ برکت اور خالو میاں ہر کام کی نگرانی کررہے تھے۔ وہ خرید و فروخت بھی کررہے تھے اور فارمز پر کام کرنے والے مزدور مردوں اور عورتوں کو ان کی اُجرت بھی پابندی سے ادا کررہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔

اس دوران میں پولیس کو کئی گم نام خطوط ملے۔ وہ سب کے سب نازش فردوسی کی پُراسرار گم شدگی کے حوالے سے تھے۔ پولیس نے ان خطوط کا بہ غور جائزہ لیا۔ انسپکٹر وقاص ایک نوجوان پولیس افسر تھا۔ یہ اس کا پہلا اہم کیس تھا اس لیے وہ اس گتھی کو بہر صورت سلجھانا چاہتا تھا اور خاصا پُرجوش نظر آرہا تھا۔

ماہ نور اور بلال کی شادی ہوچکی تھی۔ بلال نے سادگی سے کلفٹن کے بنگلے میں اس سے نکاح کرلیا تھا۔ وہ نہ کہیں بھاگا تھا اور نہ کسی سے چھپا تھا۔ وہ تو اپنی دانست میں زندگی کے بچے کھچے دن ماہ نور کے ساتھ اس امید پر گزارنا چاہتا تھا کہ شاید اس رفاقت کے باعث اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمادے اور اسے وارث عطا کردے۔ ماہ نور بہت خوش تھی۔ بلال بھی خوش تھا مگر جب ان دونوں کو جدائی کا خیال آتا تو ان کے دل ڈوبنے لگتے۔ ان کی شادی کو تین ماہ گزر چکے تھے۔ یہ تین ماہ کس طرح گزرے، انہیں پتا ہی نہیں چل سکا۔

اس وقت ماہ نور بنگلے کے لان میں کرسی پر بیٹھی تھی۔ بلال واک کرنے گیا ہوا تھا۔ اس نے ماہ نور کو بھی ساتھ چلنے کو کہا تو ماہ نور نے منع کردیا۔ وہ کچھ تھکی تھکی سی دکھائی دے رہی تھی۔ آنے والے دنوں کی آزمائش کے خیال نے اسے نڈھال کردیا تھا۔ خالہ برکت اور خالو میاں کو سب کچھ معلوم تھا۔ یہ بھی کہ انہوں نے شادی کرلی ہے اور یہ بھی کہ وہ کلفٹن والے

بنگلے میں ہیں۔ وہ ان کے ساتھ ٹیلی فون پر رابطہ بھی رکھے ہوئے تھے اور بہ وقتِ ضرورت ہدایات لے رہے تھے۔ ماہ نور آج بلال کو وہ خوشی کی خبر سنانے والی تھی جس کے لیے وہ نہ جانے کب سے منتظر تھا۔ وہ امید سے تھی۔ یہ خبر خوشی کی تو تھی لیکن وہ افسردہ بھی تھی کہ پتا نہیں اس کا ہونے والا بچہ اپنے باپ کو بھی دیکھ سکے گا یا نہیں؟ وہ بڑی بے قراری سے بلال کی واپسی کی منتظر تھی۔

پھر بلال واپس آ گیا۔ وہ بے حد پُرجوش تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ اس نے وہ لفافہ ماہ نور کو دکھاتے ہوئے کہا" یہ مجھے ابھی ابھی ٹی سی ایس سے ملا ہے۔ تم اسے پڑھو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔"

بلال کی خوشی دیکھ کر ماہ نور نے اسے اپنے امید سے ہونے کی خبر سنانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور لفافے میں سے خط نکال کر پڑھنے لگی۔ پہلا خط خالہ برکت کا تھا۔ لکھا تھا۔

"صاحب جی! میں نے بیگم صاحبہ کے کمرے کی صفائی کرا دی ہے۔ اس میں سے جو سامان نکلا تھا اس میں یہ لفافہ بھی تھا جس پر آپ کا نام لکھا تھا اس لیے فوراً بھجوا رہی ہوں۔ ماہ نور بیگم صاحبہ کو میرا اسلام کہیے گا۔"

ماہ نور نے دوسرا خط لے کر پڑھنا شروع کیا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے بلال کی طرف دیکھا جو آنسو بھری آنکھوں سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ پروفیسر ڈاکٹر اویس عثمانی کا وہ خط تھا جو انہوں نے بلال کو بھجوایا تھا اور اس میں اپنی غلطی کی معافی مانگتے ہوئے اسے یہ خوشخبری دی گئی تھی کہ۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک اور تندرست ہے۔ یہ خط نازش نے جان بوجھ کر چھپا لیا تھا اور بلال کے ذہن میں یہ بات رہی کہ۔ وہ ایک سال کے اندر اندر مر جائے گا۔

"بلال..... تم..... تم....." یہ کہتے ہوئے ماہ نور اس سے لپٹ گئی اور بے ہوش ہو گئی۔

بلال نے اسے سنبھال کر ڈرائنگ روم میں صوفے پر لٹا دیا اور ملازمہ کو آواز دے کر پانی منگایا۔ اس نے پانی کے چھینٹے مار نور کے چہرے پر مارے تو اس نے آنکھیں کھول دیں پھر وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"بلال! جانتے ہو..... خدا نے مجھ پر رحم کیا ہے۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ اپنے گناہ گار بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ اس نے میرا سہاگ بھی بچا لیا اور میری اولاد....." وہ روتے روتے ہنس پڑی۔

"کیا؟" بلال زور سے چیخ اٹھا" کیا واقعی ماہ نور.....؟"

"ہاں..... بلال!" ماہ نور نے اقرار میں سر ہلایا" تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے والی ہے۔"

"اوہ میرے خدا! آج کا دن کتنا مبارک ہے۔" بلال نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا" دو دو خوشخبریاں ایک ساتھ..... اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

ابھی وہ دونوں ان خوشیوں کو پوری طرح محسوس بھی نہیں کر پائے تھے کہ بنگلے کی کال بیل بجی۔ جب سے وہ اس بنگلے میں آئے تھے یہ بیل شاذ و نادر ہی بجی تھی۔ ملازمہ دروازے پر گئی اور واپس آ کر بولی" صاحب! باہر پولیس کی موبائل کھڑی ہے۔ کوئی انسپکٹر ہے آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے..... یہیں بلا لو۔" بلال نے ایک لمحے الجھن اور حیرت میں رہنے کے بعد کہا تو ماہ نور اٹھ کر اندر جانے لگی۔ بلال نے اسے وہیں بیٹھے رہنے کو کہا تو وہ بیٹھ گئی مگر اس کے چہرے پر پولیس کا نام سن کر پریشانی آ گئی تھی۔ وہ کبھی بلال کو دیکھ رہی تھی اور کبھی دروازے کو..... تھوڑی دیر میں انسپکٹر وقاص ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک تھی اور ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ۔

"اوہ..... تو بلال صاحب اپنی نئی بیوی کے ساتھ موج کر رہے ہیں۔" اس نے آتے ہی کہا" مگر افسوس کہ میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا ہوں۔"

بلال نے حیرت سے انسپکٹر وقاص کو طرف دیکھا۔ یہ وہی انسپکٹر تھا جس نے نازش کی پُراسرار گمشدگی کے کیس کی تحقیقات کی تھیں۔

"بلال صاحب! آپ کو میرے ساتھ سہراب گوٹھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔" انسپکٹر وقاص نے کہا۔

"کس سلسلے میں؟" بلال نے نرمی سے دریافت کیا۔

"بات ذرا لمبی ہے وہیں چل کر کریں گے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"میں بھی ساتھ چلوں گی۔" ماہ نور نے کہا۔

"آپ کی ضرورت نہیں ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"نہیں انسپکٹر! میں چلوں گی اور وہیں سے ہم لوگ گڈ اپ چلے جائیں گے۔" ماہ نور نے کہا تو انسپکٹر مسکرا دیا۔

"کیا ہم دونوں اپنی گاڑی میں آ سکتے ہیں؟" بلال نے انسپکٹر سے سوال کیا تو اس نے اجازت دے دی۔ سہراب گوٹھ پولیس اسٹیشن میں انسپکٹر وقاص نے بلال کو بتایا" نازش فردوسی کا کیس دوبارہ کھل گیا ہے۔ عدالت نے اس معاملے کی دوبارہ تفتیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ دراصل نازش فردوسی کی گمشدگی کا معما ابھی تک حل نہیں ہوا تھا کہ آپ نے ان

خاتون سے شادی کرلی۔ اس پر سبھی کو حیرت تھی کہ ابھی پہلی بیوی کی موت یا زندگی کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا اور آپ گھر بسا کر بیٹھ گئے۔''

یہ کہہ کر انسپکٹر وقاص خاموش ہوا تو بلال نے کہا ''کیا میں نے یہ شادی کر کے کوئی جرم کیا ہے؟''

''میں نے یہ نہیں کہا۔'' انسپکٹر وقاص جلدی سے بولا ''اصل بات یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ کی زندگی کے چند ماہ باقی رہ گئے ہیں۔''

درمیان میں ماہ نور نے کچھ بولنا چاہا تو انسپکٹر نے اسے چپ رہنے کو کہا اور بولا ''ہمیں یہ بات ایک گم نام خط کے ذریعے معلوم ہوئی تھی۔ خط میں لکھا تھا کہ آپ کو ملک کے مایۂ ناز ڈاکٹر اویس عثمانی نے یہ بات بتائی تھی۔ میں نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے بتایا کہ ان سے غلطی ہوئی تھی۔ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ دراصل کسی مریض کے کاغذات آپ کی فائل میں لگ گئے تھے۔ انہوں نے یہ اطلاع آپ کے گھر بذریعہ ٹیلی فون بھی دی تھی اور آپ کو خط بھی لکھا تھا مگر آپ نے یہ سچ چھپالیا۔ اس کی وجہ؟''

انسپکٹر کا سوال سننے کے بعد بلال نے اپنی جیب سے ڈاکٹر عثمانی کا خط نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور بولا ''یہ خط مجھے آج ہی ملا ہے۔ میری ملازمہ نے بھجوایا ہے۔ یہ خط اسے نازش کے سامان میں سے ملا تھا۔ نازش نے نہ مجھے ڈاکٹر عثمانی کے ٹیلی فون کے بارے میں بتایا تھا اور نہ اس خط کے بارے میں۔ ایک گھنٹے پہلے تک میں بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ میری زندگی کے چند ماہ باقی رہ گئے ہیں۔''

انسپکٹر نے خط پڑھنا شروع کر دیا۔

''آپ کی بیوی نے آپ سے اتنا اہم سچ چھپایا!'' انسپکٹر وقاص نے حیرت سے بلال کی طرف دیکھا ''کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟''

''وجہ تو شاید وہ خود ہی بتا سکتی تھی۔'' بلال نے کہا۔

''آپ نے اس خط کے بارے میں ڈاکٹر عثمانی سے بات کی؟'' انسپکٹر وقاص نے بلال سے پوچھا تو اس نے کہا۔

''اس کی مہلت ہی نہیں ملی۔ صبح یہ خط ملا۔ میں نے اپنی بیوی کو اس کے بارے میں بتایا۔ ابھی ہم پوری طرح خوش بھی نہیں ہو سکے تھے کہ آپ آ گئے۔''

''یہاں سے ڈاکٹر عثمانی کو فون کرلیں۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر وقاص نے ٹیلی فون سیٹ بلال کی طرف کھسکا دیا۔

بلال نے ڈاکٹر عثمانی کا نمبر ملا کر ان سے بات کی اور اس خط کی تصدیق چاہی تو ڈاکٹر عثمانی نے نہ صرف اس کی تصدیق کر دی بلکہ شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس غلطی پر معافی چاہتے ہیں۔ دوسرے سیٹ پر انسپکٹر وقاص ریسیور کان سے لگائے بلال اور ڈاکٹر عثمانی کی باتیں سن رہا تھا۔

جب وہ دونوں بات کر چکے تو انسپکٹر نے ہنستے ہوئے کہا ''حیرت ہے! ملک کا اتنا بڑا اور نامور ڈاکٹر بھی غلطی کر سکتا ہے۔''

درحقیقت انسپکٹر وقاص پہلے ہی اس بارے میں ڈاکٹر عثمانی سے بات کر چکا تھا مگر ڈاکٹر عثمانی نے بلال کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

''اب تو آپ کی تسلی ہوگئی؟ میں جا سکتا ہوں؟'' بلال نے انسپکٹر وقاص سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''نہیں۔ عدالت نے اس کیس کی دوبارہ تفتیش کا حکم دیا ہے۔'' انسپکٹر وقاص نے کہا ''اور وہ ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ ہمیں کچھ ایسی باتیں معلوم ہوئی ہیں جن کی روشنی میں ہم اس کیس کی نئے سرے سے تحقیقات کریں گے اور میں فی الحال آپ کو نازش فردوسی کے قتل کے الزام میں حراست میں لے رہا ہوں۔ اس سلسلے میں میں نے عدالت سے پہلے ہی آپ کا پندرہ دن کا ریمانڈ لے لیا ہے۔''

یہ سنتے ہی بلال ہکا بکا انسپکٹر وقاص کی طرف دیکھنے لگا۔ ماہ نور نے احتجاج کرنا چاہا تو بلال نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے تھپکی دی اور اس سے کہا ''میری گاڑی یہیں رہنے دو۔ تم ٹیکسی کے ذریعے گڈاپ چلی جاؤ اور خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمیں اس آزمائش میں کامیابی عطا فرمائے۔''

ماہ نور نے ڈبڈبائی آنکھوں سے بلال کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کی زندگیوں میں خوشی کا لمحہ اتنا مختصر تھا کہ وہ لوگ صحیح طور پر اسے محسوس بھی نہیں کر پائے تھے اور نئی آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے۔

جس وقت ماہ نور فردوسی ہاؤس پہنچی تو وہ بے حد مایوس اور دل گرفتہ تھی۔ خالہ برکت اور خالو میاں نے اس کا بڑی خوشی سے استقبال کیا۔ وہ اس گھر میں پہلی بار فردوسی گھرانے کی بہو کی حیثیت سے داخل ہو رہی تھی..... مگر کن حالات میں.....؟ اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ پہلے اسے بلال کی موت کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ وہ فکر دور ہوئی تو اب یہ مشکل آن کھڑی ہوئی کہ اس پر نازش کی موت کا الزام عائد کر دیا گیا تھا۔

ماہ نور کا اترا ہوا چہرہ اور اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر خالہ برکت گھبرا گئیں۔ انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ وہ ان کے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔ خالہ برکت نے اس کی پشت تھپکتے ہوئے کہا ''کیا ہوا؟ صاحب جی

کہاں ہیں؟ تم رو کیوں رہی ہو؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔''

''ہاں بیٹا!'' خالو میاں نے بھی بڑے پیار سے کہا'' مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔ کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''بلال کو پولیس نے نازش کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے۔'' ماہ نور نے روتے ہوئے انہیں بتایا تو وہ دونوں میاں بیوی حیران ہوکر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

خالہ برکت بھی رونے لگیں اور خالو میاں کی آنکھیں بھی بھر آئیں'' اے خدا! تو نے اس گھرانے کو کس مشکل میں ڈال دیا ہے۔ ہم سب پر..... ہمارے صاحب پر..... اور اس بچی پر رحم فرما۔'' خالو میاں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

خالہ برکت نے اپنے آنسو بھی پونچھے اور ماہ نور کے بھی..... پھر وہ اسے تسلی دیتی ہوئی بلال کے کمرے میں لے گئیں۔ انہوں نے اسے بلال کے بستر پر لٹا دیا اور اس کا سر دبانے لگیں۔ اس دوران انہوں نے اسے چائے بنا کر بھی دی۔ وہ دونوں فردوسی خاندان کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔ خالہ برکت اس گھرانے میں بچپن سے ملازم تھیں۔ ان کی شادی خالو میاں سے یہیں ہوئی تھی اور بلال کے ابو نے کرائی تھی۔

''تم فکر مت کرو میری بچی!'' خالہ برکت نے کہا'' میرے صاحب جی بری ہوجائیں گے۔ ان پر لگا ہوا الزام جھوٹا ثابت ہوگا۔''

ماہ نور نے خالہ برکت کو بلال کی بیماری' ڈاکٹر عثمانی کی غلط تشخیص اور نازش کے وہ خط چھپانے کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔ وہ حیرت سے اس کی باتیں سنی رہیں۔

''مجھے وہ خط دیکھ کر شک تو ہوا تھا کہ اس پر صاحب کا نام لکھا ہوا ہے تو وہ بیگم صاحبہ کے کمرے میں کیوں رکھا ہے؟ اسی لیے میں نے وہ خط انہیں فوراً بھجوادیا۔'' خالہ نے کہا۔

''ہاں..... خالہ! آپ نے بہت اچھا کیا۔'' ماہ نور بولی'' اس خط کی وجہ سے ہی تو بلال کو نہ صرف نئی خوشی ملی بلکہ ان کی بے گناہی بھی ثابت ہوگئی مگر اس انسپکٹر نے پھر بھی انہیں گرفتار کرلیا۔''

وہ دونوں کافی دیر باتیں کرتی رہیں پھر ماہ نور نے خالہ برکت سے کہا'' خالہ! مجھے فردوسی گھرانے کی پرانی تصویریں تو دکھاؤ۔ کوئی البم وغیرہ ہے؟ شاید ان کے ذریعے مجھے کوئی بات معلوم ہوجائے۔''

''ہاں..... ہاں بیٹا! ایک کیا' کئی کئی البمز ہیں۔'' خالہ برکت نے کہا'' صاحب جی کے چچا ابو امی' دادا سبھی کی تصویریں ہیں اس میں۔ اب تو فردوسی خاندان بالکل ہی سکڑ سمٹ گیا ہے۔''

یہ کہہ کر خالہ برکت چلی گئیں اور تھوڑی دیر بعد کئی بھاری بھرکم البمز اٹھا کر اس کے کمرے میں آگئیں پھر ان دونوں نے فردوسی خاندان کی تصویریں دیکھنا شروع کردیں۔ خالہ ان تصویروں کے بارے میں بتاتی جارہی تھیں۔ اس میں بلال کے بچپن کی کئی عمدہ اور واضح تصویریں تھیں۔ خالہ بتارہی تھیں کہ وہ بچپن میں بہت گول مٹول اور شوخ و چنچل ہوا کرتا تھا مگر اب.....

اچانک ایک تصویر پر ماہ نور کی نظر پڑی تو وہ چونک گئی۔ اس نے کئی مرتبہ اس تصویر کو غور سے دیکھا۔ خالہ دوسری البم دیکھ رہی تھیں۔ ماہ نور نے وہ تصویر پھر دیکھی۔ اس تصویر میں ایمن آپا نظر آرہی تھیں۔ اپنی جوانی میں وہ واقعی بے حد حسین تھیں مگر ان کے ساتھ جو نوجوان نظر آرہا تھا اس نے ماہ نور کو چونکا دیا تھا۔ وہ اس چہرے اور ان آنکھوں کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ ڈاکٹر منان تھا..... وہی ڈاکٹر جو اسے شروع سے ہی پسند نہیں تھا۔ جس کے بارے میں اس نے پہلے بھی کہا تھا کہ وہ اسے ''سومرو جی اوطاق'' پر نازش کے ساتھ دیکھ چکی ہے۔ یہ وہی منان تھا جو نازش کی گمشدگی والے دن اپنی کار میں ساحل کی طرف گیا تھا۔

اس آدمی کا انداز ماہ نور کو شروع سے ہی پُراسرار اور مشتبہ سا لگا تھا۔ جبھی وہ اسپتال سے ملحق اس کے کوارٹر تک جا پہنچی تھی۔ یہ شخص ایمن آپا کے ساتھ کیوں تھا؟ ان کے درمیان کیا رشتہ تھا؟ یہ وہ سوال تھے جنہوں نے ماہ نور کے ذہن میں ہلچل مچانی شروع کردی تھی۔

''خالہ! گھر میں دوسری گاڑی تو ہے نا؟'' اچانک ماہ نور نے خالہ برکت سے سوال کیا تو انہوں نے اقرار میں سر ہلادیا۔

''کوئی گاڑی چلانے والا مل جائے گا؟''

ماہ نور نے دوسرا سوال کیا تو خالہ نے کہا'' ہاں..... پولٹری فارم پر کئی ڈرائیور موجود ہیں جو سوزوکیوں اور ٹرکوں میں انڈے مرغیاں کراچی پہنچاتے ہیں۔''

''ان میں سے کسی ایک کو بلادو، مجھے فوراً ملیر جانا ہے۔'' ماہ نور نے کہا تو خالہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں اور بولیں'' بیٹا اتنی دور..... اس وقت؟ کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں' خالہ! خاص بات ہے۔ میں بلال کو رہا کرانا چاہتی ہوں۔ اس لیے میرا فوراً جانا ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے..... میں ڈرائیور کو بلاتی ہوں۔'' خالہ نے کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔ ماہ نور نے البم میں سے وہ تصویر

نکال لی جس میں ایمن آپا' ڈاکٹر منان کے ساتھ بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ اس کے ذہن میں بہت سے سوال تھے جن کے جواب ایمن آپا کے پاس ہی تھے۔

☆☆☆

جب ماہ نور "ہمارا گھر" پہنچی تو رات ہو چکی تھی۔ ایمن آپا اپنے دفتر میں اکیلی بیٹھی تھیں۔ ماہ نور کو اچانک سامنے دیکھ کر وہ چونک اٹھیں۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے۔ انہوں نے ہڑبڑاتے ہوئے کہا "تم! میری بچی..... اس وقت؟ بلال..... میں سب کچھ جانتی ہوں۔ اخبار میں میں نے پڑھ لیا تھا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"پھر بھی آپ نے پلٹ کر میری خبر نہیں لی؟" ماہ نور کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"تم نے نازش کی موت کے فوراً بعد بلال سے شادی کر لی۔ اس سلسلے میں تم نے مجھ سے مشورہ کرنا بھی گوارا نہیں کیا؟" ایمن آپا نے الٹی شکایت کر دی۔

"وہ تو میں بعد میں بتاؤں گی مگر پہلے مجھے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔" ماہ نور نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ایمن آپا کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بڑی بھی ہو گئی ہے اور سمجھدار بھی۔ وہ واقعی شادی شدہ لگ رہی تھی۔

"پوچھو..... کیا پوچھنا چاہتی ہو؟" ایمن آپا نے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا "ویسے آج میں بہت تھک گئی ہوں۔"

ماہ نور نے وہ تصویر نکالی جو اس نے فردوسی ہاؤس کے البم سے نکالی تھی اور جس میں ایمن آپا، ڈاکٹر منان کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ اس نے وہ تصویر آپا کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا "یہ کون ہے اور اس کا آپ سے کیا تعلق ہے ایمن آپا؟"

ایمن آپا نے آنکھیں کھول کر تصویر کی طرف دیکھا اور انہیں ایسا جھٹکا لگا جیسے ان کا ہاتھ بجلی کے ننگے تار کو چھو گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس تصویر کو دیکھ رہی تھیں جس کے رنگ بھی دھندلے پڑ چکے تھے۔ انہوں نے ماہ نور سے کہا "یہ تصویر..... تمہیں..... کہاں سے ملی؟"

"یہ کون ہے آپا؟" ماہ نور نے اپنا سوال دہرایا۔

تھوڑی دیر تک ایمن آپا بے بسی کے عالم میں ہونٹ کاٹتی رہیں پھر سرد آہ بھرتے ہوئے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں جیسے ماضی میں چلی گئی ہوں پھر انہوں نے کہا "ماہ نور! میں تمہیں بتاتی ہوں..... آج سب کچھ بتا دوں گی..... کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ میرے دل پر برسوں سے ایک بوجھ ہے۔ شاید اسے اتارنے کا وقت آ گیا ہے۔"

وہ ایک لمحے کو رکیں پھر بولیں "یہ آدمی تمہارا باپ ہے۔"

"کیا؟" ماہ نور یہ جواب سن کر اچھل پڑی۔ اب وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایمن آپا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ اس نے سنا ہے، وہ سچ ہے۔ اس نے ایک بار پھر تصویر کو دیکھا۔ اس میں ایمن آپا بھرپور جوان نظر آ رہی تھیں اور ان کے ساتھ وہ شخص تھا جس کے بارے میں آپا نے انکشاف کیا تھا کہ وہ اس کا باپ ہے۔ اسے باپ ملا بھی تو کیسا..... جسے وہ ابتدا سے ناپسند کرتی تھی۔

"یہ..... میرا..... باپ..... مگر آپ یہ بات کیسے جانتی ہیں آپا؟" ماہ نور نے رک رک کر سوال کیا۔

"میں یہ بات اس لیے جانتی ہوں کیونکہ میں تمہاری ماں ہوں میری بچی!" ایمن آپا نے کہا اور ماہ نور کے لیے یہ دوسرا جھٹکا برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ بیٹھے بیٹھے اپنی کرسی پر ڈھے گئی۔

ایمن آپا گھبرا کر اس کی طرف بڑھیں۔ انہوں نے ماہ نور کی پیشانی پر ہاتھ رکھا پھر اس کے لیے گلاس میں پانی لائیں۔ ماہ نور نے پانی پیا تو اس کو تھوڑا ہوش آیا۔ وہ حیرت کے عالم میں اس شفیق عورت کو دیکھ رہی تھی جسے اس نے زندگی بھر آپا کہا اور سمجھا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس کی ماں ہے۔ اسے ماں باپ ملے بھی تو کس موڑ پر..... اور کن حالات میں۔

"ایمن آپا! کیا آپ واقعی میری حقیقی ماں ہیں؟" ماہ نور نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے اقرار میں سر ہلا دیا پھر دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے سے لپٹ کر اس قدر روئیں کہ دونوں کی ہی حالت غیر ہو گئی۔

جب آنسوؤں کا سیلاب تھما اور دل کا غبار کچھ کم ہوا تو ایمن آپا نے کہا "میرے ماں باپ بچپن میں ہی مر گئے تھے۔ میری پرورش انکل ذیشان فردوسی نے کی تھی، وہ تمہارے شوہر اور میرے کزن بلال فردوسی کے والد تھے۔ انکل نے میرا بہت خیال رکھا تھا۔ مجھے بہت لاڈ سے پالا تھا اور لوگوں کی پروا نہ کرتے ہوئے مجھے پڑھنے کے لیے شہر بھیجا تھا جہاں میں اس زمانے میں ہوسٹل میں رہتی تھی جب لڑکیوں کا ہوسٹل میں رہنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

یہ کہہ کر ایمن آپا خاموش ہو گئیں۔ اپنی یادوں کو سمیٹتے ہوئے انہوں نے کہا "مگر میں نے انکل ذیشان کے لاڈ پیار کا غلط اور ناجائز فائدہ اٹھایا۔ میں خودسر اور ضدی ہو گئی۔ اسی

دوران میری ملاقات شارق جلال سے ہوئی۔''

''یہ شارق جلال کون ہے؟'' ماہ نور نے سوال کیا۔

''تمہارے ابو..... جن کی تصویر تم ساتھ لائی ہو۔'' ایمن آپا نے جواب دیا۔

''مگر یہ تو ڈاکٹر منان.....'' ماہ نور نے کہنا چاہا۔

''وہ اس طرح نام بدلنے اور دوسروں کو دھوکا دینے میں ماہر ہے۔'' ایمن آپا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''بہرحال..... میری اس سے ملاقات ہوئی تو میں اس کے سحر میں آ گئی اور اس سے شادی کرنے کو تیار ہوگئی مگر شارق کی نظریں مجھ پر نہیں بلکہ فردوسی خاندان کی دولت پر تھیں۔ اس نے مجھے اپنی جھوٹی محبت کے جال میں اسی لیے تو پھانسا تھا۔ اس وقت بلال چھوٹا تھا۔ بہ مشکل دس بارہ برس کا ہوگا۔ میں نے جب انکل ذیشان سے کہا کہ میں نے شارق کو اپنے مستقبل کا ساتھی منتخب کرلیا ہے تو انہوں نے میرے اس فیصلے کی مخالفت کی۔ وہ ایک تجربے کار اور جہاندیدہ آدمی تھے۔ انہوں نے مجھے بہت سمجھایا اور شارق سے دور رہنے کو کہا مگر میں تو شارق کے لیے پاگل ہوئے جارہی تھی۔ یہ بات شارق نے محسوس کرلی تھی لہٰذا اس نے میرے جذبات سے کھیلنا شروع کردیا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ ہم خفیہ شادی کرلیتے ہیں' تمہارے گھر والے بعد میں خود ہی ہمیں قبول کرلیں گے..... اور میں نے اس کا مشورہ مان کر اس سے شادی کرلی۔''

یہ کہہ کر ایمن آپا ٹشو پیپر سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگیں۔ ان کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی۔ زیادہ بولنے کی وجہ سے ان کا سانس بھی پھول گیا تھا۔ ان کے اندر ہونے والی جذباتی کشمکش ان کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

''پھر کیا ہوا آپا.....؟ میرا مطلب ہے امی!'' ماہ نور نے کہا تو ایمن آپا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔

''میری بچی!'' انہوں نے کہا ''بس اس کے بعد میری آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں نے جو غلطی کی تھی، اس کی سزا تو مجھے ملنی تھی۔ لہٰذا وہ ملنی شروع ہوگئی۔ مجھے اس غلطی کی سزا قسطوں میں ملی ہے..... اور اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔''

''آپ نے شادی کی تو بلال کے ڈیڈی آپ سے ناراض ہوئے ہوں گے؟'' ماہ نور نے پوچھا۔

''ہاں۔'' ایمن آپا نے کہا ''مگر مجھے شارق پر بھروسا تھا..... اس کی محبت پر بھروسا تھا۔ جب تم پیدا ہونے والی تھیں تو ایک روز وہ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میرا کیا ہوگا۔ اس نے اپنی اولاد کی بھی پروا نہیں کی جو میری کوکھ میں پل رہی تھی۔ بعد میں' میں اخبارات میں اس کے ''کارنامے'' پڑھتی رہی مگر اس نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ تمہاری پیدائش کا وقت آ گیا۔ میں نے ایک سرکاری اسپتال میں تمہیں جنم دیا۔ اس وقت میں اپنی بے بسی پر بہت روئی۔ میں انکل ذیشان کے پاس اس لیے نہیں گئی کہ ان سے شرمندہ تھی۔''

''تو میں..... اس ادارے ''ہمارا گھر'' میں کیسے پہنچی؟'' ماہ نور نے سوال کیا۔

''ایک رات میں نے تمہیں ایک چادر میں لپیٹا اور ''ہمارا گھر'' کے دروازے پر رکھ دیا۔'' ایمن آپا نے کہا۔

''آپ نے مجھے اپنے پاس کیوں نہیں رکھا؟'' ماہ نور نے کہا ''خود سے دور کیوں کیا؟ آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ شرعی نکاح کیا تھا..... پھر بھی۔''

''اگر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھتی تو شارق کسی بھی وقت تمہیں مجھ سے چھیننے آجاتا۔'' ایمن آپا نے کہا ''آخر کو وہ تمہارا باپ تھا اور اس کا تم پر پورا حق تھا۔ میں اس سے ڈرتی اور اپنی دانست میں تمہیں اس سے بچانا چاہتی تھی۔ اسی لیے تمہیں ''ہمارا گھر'' کے دروازے پر رکھ گئی تھی۔''

''تو آپ نے مجھے دوسروں کے حوالے کردیا؟'' ماہ نور نے تلخی سے کہا ''یہ تک نہیں سوچا کہ میرا کیا ہوگا۔''

''نہیں میں نے تمہیں تنہا نہیں چھوڑا تھا۔'' ایمن آپا بولیں ''میں نے محض تمہارے قریب رہنے کے لیے اس ادارے میں ملازمت کرلی تھی اور ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے تنخواہ نہیں چاہیے۔ میں صرف خدمت کروں گی۔''

ماہ نور نے اپنی ماں کی طرف غور سے دیکھا اور اس کی آنکھیں پھر ڈبڈبا آئیں۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''اس طرح میں تمہارے قریب آ گئی۔'' ایمن آپا نے کہا ''یہ میری سزا تھی کہ میں تمہیں ان سب کے سامنے اپنی بیٹی نہیں کہہ سکتی تھی اور یہ میرا انعام تھا کہ میں نے تمہیں کھو کر بھی پالیا تھا۔''

''نہیں امی! یہ میری سزا تھی۔ میرے نصیبوں کی سزا تھی کہ میں ماں کے ہوتے ہوئے بھی اس کی شفقت سے محروم رہی۔ اس کی گود کے لیے ترستی رہی اور ایک یتیم لڑکی کی حیثیت سے پل کر جوان ہوئی۔'' ماہ نور نے کہا۔

''میری کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی۔'' ایمن آپا نے

کہا ''میں ''ہمارا گھر'' میں کام کرتی رہی..... اور ایک وقت وہ آیا جب میں اس کی سربراہ بن گئی۔ میں نے اس ادارے کو ٹیک اوور کرلیا پھر ایک دن میں نے اخبار میں شارق کے جیل سے فرار کی خبر پڑھی۔ یہ پڑھ کر میں گھبرا گئی اور میں نے تمہیں اپنے آپ سے..... یعنی اس ادارے سے دور بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ یہاں آکر تم پر دعویٰ نہ کردے۔ وہ ایک شاطر انسان ہے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ کچھ بھی کرسکتا ہے چنانچہ میں نے بلال کو بلوایا اور تمہیں اسی کے ساتھ فردوسی ہاؤس بھجوادیا۔ اس امید پر..... کہ وہاں تم شارق کی دسترس سے دور ہوگی۔''

''کیا بلال کو آپ کی یہ کہانی معلوم ہے؟'' ماہ نور نے سوال کیا۔

''نہیں..... اسے کچھ نہیں معلوم۔'' ایمن آپا نے جواب دیا ''وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ اکثر ضد کرتا ہے کہ میں اس کے ساتھ چل کر فردوسی ہاؤس میں رہوں مگر میں ہر بار اسے ٹال دیتی ہوں۔ جب میں نے اسے بلایا تھا اور تمہیں اس کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا تو میں نے سوچا تھا کہ اسے اپنی پوری کہانی سنادوں گی مگر میری ہمت نہیں ہوئی اور میرے دل کی دل میں ہی رہ گئی پھر میں نے اخبار میں خبر پڑھی کہ شارق مرچکا ہے۔ اس کی لاش اس قدر مسخ ہوچکی تھی کہ اسے جیل کی قیدی نمبر والی قمیص کی وجہ سے پہچانا گیا تھا مگر.....!''

''مگر وہ زندہ ہے۔'' ماہ نور نے کہا ''یقیناً مرنے والا کوئی اور ہوگا کیونکہ یہ تصویر والا شخص ڈاکٹر منان کے نام سے گڈاپ کے سرکاری اسپتال میں کام کررہا ہے اور وہیں رہ بھی رہا ہے۔ وہی نازش کا علاج کررہا تھا۔''

وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ ماہ نور نے ایمن آپا کو پوری کہانی سنادی اور یہ بھی بتادیا کہ وہ اس شخص سے کس قدر ڈرتی ہیں۔

''اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔'' ایمن آپا نے کہا ''ہمیں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ شخص ڈاکٹر منان نہیں بلکہ مفرور مجرم شارق جلال ہے..... پولیس کے پاس جانا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔'' ماہ نور نے کہا ''اور انسپکٹر وقاص کو پوری بات بتادیں۔''

ایمن آپا نے اسی وقت تیاری کی اور ماہ نور کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔

☆☆☆

باقی سارا کام بہت آسان ہوگیا۔ ایمن آپا نے انسپکٹر وقاص کو پوری بات تفصیل سے بتائی تو وہ اچھل پڑا۔ پولیس کو شارق کی جو لاش ملی تھی، وہ پولیس کے لیے بھی مشکوک رہی تھی۔ پولیس کو پہلے ہی شک تھا کہ لاش کسی اور کی ہے اور شارق زندہ ہے۔ صرف ایک گھنٹے کے اندر اندر انسپکٹر وقاص اپنے جوانوں کے سات گڈاپ پہنچا۔ اس نے اسپتال اور کوارٹر کو گھیرے میں لے لیا۔ شارق کو کچھ پتا نہیں تھا۔ جیسے ہی وہ باہر آیا دو تنومند پولیس والوں نے اسے پکڑ لیا۔

وہ ہکا بکا سا کبھی ان کی طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی ان کے ساتھ آئی ہوئی ماہ نور کی طرف۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی شروع سے ہی اس کے لیے مصیبتیں کھڑی کرتی آئی تھی مگر جب اس نے ماہ نور کے ساتھ کھڑی ہوئی خاتون کو دیکھا' جس نے چادر اوڑھ رکھی تھی اور اپنا چہرہ اس میں چھپا رکھا تھا تو وہ چونک گیا پھر چادر والی خاتون نے اپنا چہرہ ظاہر کردیا۔

ایمن خاتون کو اپنے سامنے دیکھ کر شارق چونکا۔ اس نے کہا ''تم..... تم..... یہاں..... کیسے آئیں؟''

''میں نہیں آئی..... بلکہ مجھے تمہاری بیٹی لائی ہے۔'' ایمن آپا نے ماہ نور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''پہچانو اسے..... یہ تمہاری بیٹی ماہ نور ہے..... بلال کی بیوی۔''

شارق یہ سن کر سکتے میں آگیا۔ وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے ماہ نور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ماہ نور کو اندازہ نہیں ہو پارہا تھا کہ اس کی نظروں میں باپ کی شفقت اور پیار ہے یا ایک دشمن کی نفرت۔

یکا یک شارق نے ایک پولیس والے سے ریوالور چھینا اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھ پاتا' شارق نے خود کو شوٹ کرلیا۔ ماہ نور نے اپنے باپ کے بے حس و حرکت جسم کی طرف دیکھا اور اپنی ماں سے لپٹ کر رونے لگی۔ پولیس نے اس کے کوارٹر کی تلاشی لی تو ایک کمرے میں اسے نازش فردوسی اس حالت میں ملی کہ اسے اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔ وہ نشے کے زیر اثر تھی۔ اسے فوری طور پر اسپتال منتقل کردیا گیا۔

نازش کے بازیاب ہوتے ہی بلال فردوسی کو رہا کردیا گیا کیونکہ اس پر لگایا گیا الزام غلط ثابت ہوچکا تھا۔ نازش پندرہ روز بعد اسپتال میں چل بسی۔ بلال اور ماہ نور' فردوسی ہاؤس میں تھے۔ ان کے آنگن میں پھول کھلنے والا تھا۔ انہوں نے ایمن آپا کو اپنے ساتھ ہی رہنے کو کہا مگر انہوں نے انکار کردیا کیونکہ ''ہمارا گھر'' میں بہت سے بچے اور عورتیں ان کی منتظر تھیں۔



ہار جیت

نجمہ مودی

ایک بازی ہار کر دوسری جگہ قسمت آزمانے پہنچ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک جگہ ناکامی کے بعد دوسری جگہ کامیابی کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا محبت میں ناکامی کا غم وہ تاش کی بازی جیت کر بھلانا چاہتا تھا۔

ایک پراپیوٹ سُراغ رساں کی نجی زندگی میں آنے والے انقلاب کی روداد

چک مورلسن نے سنا تھا کہ تاش کے پتوں میں قسمت ساتھ نہ دے تو محبت کے معاملے میں ضرور دیتی ہے۔ اس نے سوچا تھا' چونکہ اس کے ساتھ معاملہ الٹ چل رہا تھا اس لیے شاید اس کے لیے یہ مقولہ الٹی طرح صحیح ثابت ہو۔ یعنی وہ محبت کے معاملے میں تو بدقسمت ثابت ہو چکا تھا' اب شاید تاش کے پتوں میں قسمت اس کا ساتھ دے جائے۔ یہ اس شام کی بات تھی جس شام اس کی بیوی آخر کار اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

وہ ایک رقعہ چھوڑ گئی تھی جس میں اس نے وضاحت کی کوشش کی تھی کہ وہ درحقیقت اسے چھوڑ کر نہیں جا رہی تھی بلکہ صرف اس لیے اس کی نظروں سے دور ہو رہی تھی کہ وہ اس کی عادتوں کو مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے رقعہ پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی بیوی نے یہ رقعہ لکھنے کے لیے کئی مرتبہ کوشش کی تھی اور آخر کار یہ مضمون اس کے دل کو لگا تھا۔ ردی کی ٹوکری میں کاغذ کے چند گولے سے پڑے تھے۔ وہ یقیناً مسترد

شدہ رقعے تھے۔ مور یسن نے انہیں ٹوکری سے نکالا اور ایک رقعے کو میز پر رکھ کر سیدھا کیا۔

اس میں اس کی بیوی نے اپنے جانے کی وجہ یہ لکھی تھی کہ وہ اپنے آپ کو کھویا کھویا محسوس کرتی تھی اور اپنی ذات کی تلاش میں جارہی تھی۔ مور یسن نے دوسرا کاغذ کھول کر سیدھا کیا۔ اس پر اس کی بیوی نے لکھا تھا کہ وہ اس کی بہتری کے لیے اسے چھوڑ کر جارہی تھی کیونکہ وہ محسوس کرتی تھی' اگر وہ مزید اس کے ساتھ رہے گی تو گویا اس پر ظلم کرے گی۔

اسی طرح اس نے مزید چند عذر تراشنے کی کوشش کی تھی۔ مور یسن یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان میں سے کون سا رقعہ پہلا تھا' تاہم وہ دل ہی دل میں اپنی بیوی کی کوششوں کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ اس نے کم از کم اسے اس قابل تو سمجھا تھا کہ اسے چھوڑ کر جاتے وقت اس کے لیے اتنے تردد سے ایک رقعہ لکھا تھا... یا پھر شاید وہ نہیں چاہتی تھی کہ مور یسن اس کے پیچھے آئے۔

مسئلہ یہ تھا کہ مور یسن پہلے ہی گزشتہ تین ہفتوں کے دوران میں کئی بار اس کا تعاقب کرچکا تھا اور دیکھ چکا تھا کہ کسی شخص سے اس کا معاشقہ چل رہا تھا۔ مور یسن کے لیے یہ پتا چلانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ ایک پرائیویٹ سراغ رساں تھا اور وہ دوسروں کے لیے بھی زیادہ تر اسی قسم کے کام کرتا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو ایک شخص کے گھر میں جاتے دیکھا تھا۔ وہ بال درست کرتے ہوئے وہاں سے نکلی تھی۔

اس نے چند دن اس شخص کا بھی تعاقب کیا تھا' گو کہ اسے صحیح طور پر معلوم نہیں تھا کہ وہ کیوں ایسا کررہا تھا۔ شاید وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ کس قسم کا مرد تھا جسے اس کی بیوی نے پسند کیا تھا؟ اس کی وہ کون سی خصوصیات تھیں جو اسے اپنے شوہر میں نظر نہیں آئی تھیں؟ لیکن مور یسن بہت جلد ہی اس تعاقب سے بیزار ہوگیا تھا کیونکہ کسی سفاک سے لمحے میں اسے احساس ہوا تھا کہ اسے اپنی بیوی کی بے وفائی کی پروا ہی نہیں رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے اپنی بیوی سے محبت ہی نہیں رہی تھی۔

اس کے باوجود اس کا جانا مور یسن کو کافی تکلیف دہ محسوس ہوا تھا۔ اس نے اسے قتل کرنے کے بارے میں سوچا تھا لیکن اسے اس سلسلے میں سب سے مشکل مسئلے کا علم تھا اور وہ یہ کہ میاں بیوی میں جب کوئی ایک قتل ہوتا تھا تو دوسرے پر سب سے زیادہ شبہ کیا جاتا تھا۔ اسے جائے واردات سے اپنی عدم موجودگی کے لیے کسی نہایت ٹھوس ثبوت کی ضرورت تھی یا پھر وہ قتل کچھ اس طرح کرتا کہ لاش کبھی نہ تلاش کی جاسکتی۔

یہ سب کچھ سوچنے کے بعد اس نے اس خیال کو ذہن کے کسی تاریک خانے میں دھکیل دیا تھا لیکن بیوی کی دی ہوئی اذیت برقرار رہی تھی۔ اس نے جب بھی اپنی گھریلو زندگی کا یہ باب بند کرنے کے بارے میں سوچا تھا تو اس کے ذہن میں یہی خیال آیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر جائے گا اور نئی زندگی شروع کرے گا لیکن بیوی نے اس معاملے میں اسے شکست دے دی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی اور نئی زندگی شروع کررہی تھی۔ وہ گویا اسے گڑھے میں دھکا دے کر چلی گئی تھی۔ یہ بات اسے بالکل اچھی نہیں لگی تھی اور وہ اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہتا تھا۔

فوری طور پر تو اس نے صرف یہ کیا کہ کار میں بیٹھا اور آوارہ گردی پر نکل کھڑا ہوا۔ اس نے کئی شراب خانوں میں بیٹھ کر شراب پی۔ آخری شراب خانے سے اسے سہارا دے کر نکالا گیا۔ تب ہی اس کی نظر شراب خانے کے عقب میں واقع کیسینو پر پڑی اور اس کے دھندلائے ہوئے ذہن میں یہ خیال لپکا کہ وہ محبت کے معاملے میں خوش قسمت ثابت نہیں ہوا تھا تو شاید تاش کے پتوں کے معاملے میں قسمت اس کا ساتھ دے جائے۔

وہ کیسینو میں چلا گیا تھا۔ پہلے تو وہ کچھ دیر اس جگہ سے مانوس ہونے کے لیے اِدھر اُدھر پھر کر محض تماشا دیکھتا رہا۔ اپنے پیشے کے سلسلے میں بھی وہ یہی کرتا تھا۔ وہ اس جگہ کا ایک حصہ بن جاتا تھا جہاں اسے اپنا کام کرنا ہوتا تھا۔ کوئی ایسا جوڑا جن میں سے کوئی ایک اپنی بیوی یا میاں سے بے وفائی کا مرتکب ہورہا ہوتا تھا' اپنی دانست میں ہوٹل کی لابی یا پارکنگ لاٹ کو خالی سمجھ کر بے تکلفانہ انداز میں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہنے لگتا تھا تو کسی کونے کھدرے میں' کسی چیز کی اوٹ میں چھپا ہوا مور یسن اپنے کیمرے سے ان کی تصویر محفوظ کرلیتا تھا۔

لیکن اس رات کیسینو میں مور یسن کچھ ایسا محسوس کررہا تھا جیسے وہ پوشیدہ رہنے کے بجائے لوگوں کی نظر میں آنا چاہتا ہو۔ اس نے کھیلنا شروع کیا تو ابتدا میں سلسلہ نارمل سا ہی رہا۔ کسی میز پر وہ تھوڑا سا ہار گیا' کسی میز پر تھوڑا سا جیت گیا۔ وہ کھیلنا جانتا تھا۔ کھیل کے پیچ و خم سے واقف تھا لیکن بہت ماہر نہیں تھا اس لیے اکثر یہی کہا کرتا تھا کہ جوا قسمت کا کھیل ہے۔

کھیلتے کھیلتے اس نے زیادہ ہارنا شروع کردیا۔ ایک موقع پر اسے چیک بھی لکھ کر دینا پڑا جس کے پیچھے ایک قسم کی گارنٹی بھی لکھنی پڑی۔ اس وقت رات ڈھل چکی تھی۔ بیشتر میزیں

خالی ہو چکی تھیں لیکن ان سے اٹھنے والے کچھ لوگ آکر مور یسن اور اس کے حریف کے گرد کھڑے ہو کر گویا تماشا دیکھنے لگے تھے۔ مور یسن کو احساس تھا کہ اب اسے اٹھ جانا چاہیے تھا لیکن ارد گرد کھڑے لوگوں کی وجہ سے اسے یہ کام بہت مشکل محسوس ہونے لگا تھا۔ ان لوگوں کی حیثیت گویا کسی اکھاڑے کے گرد کھڑے ہوئے تماشائیوں کی سی ہو گئی تھی اور ان کے سامنے سے اٹھ کر جانا مور یسن کو کچھ ایسا محسوس ہونے لگا تھا' جیسے کوئی پہلوان کسی مقابلے میں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائے۔

اب کھیل گویا کھیل نہیں رہا تھا' انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ اس کے مقابل بیٹھے ہوئے شخص کے چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا۔ مور یسن اس کے وجود کی بو' اس کی سانسوں کی حرارت تک محسوس کر رہا تھا۔ وہ میانہ قامت مگر مضبوط آدمی دکھائی دیتا تھا۔ اس کی شخصیت کسی بڑی بین الاقوامی کمپنی کے ایگزیکٹیو آفیسر جیسی تھی۔ اس کے چہرے پر پسینہ گھبراہٹ کی وجہ سے نہیں تھا۔ وہ بڑے سکون اور اعتماد سے کھیل رہا تھا۔ مور یسن کو صحیح طور پر یاد بھی نہیں رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے کتنی بازیاں ہار چکا تھا۔

آخر کار مور یسن کو کھیل سے فرار حاصل کرنے کا ایک باعزت طریقہ سوجھ ہی گیا۔ وہ اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا اور چیخ کر اس نے اپنے حریف پر بے ایمانی کا الزام عائد کر دیا۔ ارد گرد کھڑے لوگ اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ کوئی اسے احساس دلا رہا تھا کہ وہ زیادہ اچھا کھلاڑی نہیں تھا اور کوئی اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ آج رات قسمت اس پر مہربان نہیں تھی لیکن کوئی اور ایسی رات ضرور آئے گی' جب قسمت کی دیوی اس پر مہربان ہو گی۔ اس کا حریف ایک ٹک اس کی طرف دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" مور یسن انگلی اس کی طرف لہراتے ہوئے چلایا۔ کچھ لوگوں نے اسے پکڑ رکھا تھا۔

"میرا خیال ہے' قسمت اس معاملے میں بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔" وہ شخص بدستور استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

اسی اثنا میں سیکیورٹی والے آگئے اور مور یسن کو دھکیلتے ہوئے باہر کی طرف لے چلے۔ مور یسن اس دوران میں بھی گردن موڑ کر اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے چلا کر اپنے غصے کا اظہار کرتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس نے فرار کا جو راستہ تلاش کیا تھا' وہ کچھ زیادہ باعزت ثابت نہیں ہوا تھا۔ خجالت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آج گویا ہر معاملے میں ہی قسمت خراب تھی۔

ایک شخص مور یسن کے حریف کی طرف جھک کر اسے کچھ بتا رہا تھا۔ مور یسن کو اس کا چہرہ معمولی سا شناسا لگا۔ شاید وہ مور یسن کو جانتا تھا اور اس کے حریف کو اس کے بارے میں بتا رہا تھا۔ مور یسن نے محسوس کیا کہ اس وقت خود اپنے بارے میں بتانا زیادہ شان کی بات تھی۔

"چک مور یسن نام ہے میرا۔" وہ دور سے انگلی لہراتے ہوئے چلایا "بھولنا مت اس نام کو۔ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں سؤر کے بچے!"

○☆○

اگلے دو دن اس نے گھر پر اس عالم میں پڑے پڑے گزار دیے کہ فون بھی نہیں اٹھایا۔ اس کے فون کے ساتھ' جواب دینے والی مشین منسلک تھی اور وہ صوفے کے پیچھے ہی رکھی تھی۔ اس پر ریکارڈ ہونے والے پیغام وہ صوفے پر لیٹے لیٹے سن رہا تھا۔

فون کرنے والوں کے پیغام کچھ خاص اہم نہیں تھے۔ اس کے دفتر میں بھی فون کے ساتھ جواب دینے والی مشین لگی ہوئی تھی جو اس کے گھر کا نمبر بھی بتاتی تھی لیکن ساتھ ہی یہ درخواست بھی اس پر ریکارڈ تھی کہ صرف انتہائی ہنگامی ضرورت کے تحت اسے گھر پر فون کیا جائے۔ پیغام ریکارڈ ہو جانے کی وجہ سے بیشتر کلائنٹ اس کے ہاتھ سے جاتے نہیں تھے۔ وہ جب بھی آفس جاتا تھا' ان سے رابطہ کر لیتا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ اس پر دل شکستگی اور اداسی کی جو کیفیت طاری تھی' وہ آخر کار گزر جائے گی۔ وہ آفس جانا شروع کر دے گا اور تمام مصروفیات معمول کے مطابق شروع ہو جائیں گی۔ فی الحال وہ خود کو تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ چھٹیاں منا رہا تھا۔

اس کی بیوی نے اس دوران میں نہ تو رابطہ کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی اطلاع ملی۔ ایک بار اس نے سوچا کہ اس کے آشنا کے گھر جا پہنچے۔ اسے یقین تھا کہ وہ دونوں اسے دیکھ کر حیران رہ جائیں گے لیکن اس نے اس ارادے پر عمل نہیں کیا۔

گھر پر اسے تو دو چار فون موصول ہوئے' اس نے ان کا جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔ ان میں ایک ایسی عورت کی فون کال بھی شامل تھی جو ان دنوں اپنے تیسرے شوہر کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ اس نے یکے بعد دیگرے اپنے تینوں شوہروں کے بارے میں مور یسن سے تحقیقات کرائی تھیں اور مور یسن نے تینوں ہی کے بارے میں دیانت داری سے رپورٹ دی تھی کہ وہ اچھے اور شریف آدمی تھے' اس

کے ساتھ بے وفائی کے مرتکب نہیں ہو رہے تھے لیکن عورت کو گویا تینوں مرتبہ اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

ایک ایسے آدمی کا فون بھی آیا تھا جو اپنی بیوی کو چھوڑ کر بھاگا ہوا تھا۔ بیوی اس سے خرچ کا مطالبہ کر رہی تھی اور اس کا کہنا تھا کہ وہ خرچہ دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اب اس کا خیال تھا کہ اس کی بیوی نے اس کے حالات جاننے کے لیے کسی پرائیویٹ سراغ رساں کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ اس بات کی تصدیق کے لیے شوہر خود بھی ایک پرائیویٹ سراغ رساں کی خدمات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مور یسن حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا کہ جب وہ شخص بیوی کو خرچہ دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اور اپنے دعوے کے مطابق بالکل قلاش تھا تو پرائیویٹ سراغ رساں کو معاوضہ کہاں سے دے گا؟ اپنے پیشے کے سلسلے میں اسے عجیب عجیب لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اور وہ ان کی باتوں پر حیران ہوتا رہتا تھا۔

پھر مور یسن کو مشین پر ایک عورت کا ریکارڈ ہوتا ہوا پیغام سنائی دیا۔ اس کی آواز اور اندازِ گفتگو نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس نے تین مرتبہ ٹیپ ریوائنڈ کر کے اس کا پیغام سنا اور آخر کار اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اس کی خدمات حاصل کرنے کے لیے اس سے ملنا چاہتی تھی۔

○☆○

وہ تقریباً پچاس کی عمر کی ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش اطوار عورت تھی۔ لباس کے سلیقے اور عمدہ میک اپ کی بدولت اس کی عمر پچاس سے کہیں کم اور شخصیت میں کشش زیادہ دکھائی دے رہی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم میرے بُلاوے پر فوراً آ گئے۔" وہ مور یسن کا استقبال کرتے ہوئے بولی۔

وہ اس وقت نہایت شاندار اور قیمتی کاروں کے ایک شوروم کے عقب میں واقع اپنے آفس میں موجود تھی۔ شوروم بند ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی موجود نہیں تھا لیکن عورت نے فون پر مور یسن کو بتایا تھا کہ اسے دروازہ کھلا ملے گا، وہ سیدھا اندر آ جائے۔ مور یسن کو کئی بار وہ شوروم باہر سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا لیکن اس نے اس لیے کبھی اندر گھسنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ وہ وہاں کھڑی ہوئی کاروں میں سے کوئی بھی خریدنے کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ شوروم پر "جے۔ گیمل موٹرز" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

"میں سمجھا تھا، اس شوروم کے مالک "مسٹر" جے گیمل ہوں گے۔" مور یسن نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "مجھے نہیں معلوم تھا، جے گیمل خاتون کا نام ہے۔"

"میرے آفس میں آ کر اکثر لوگ اسی حیرت سے دوچار ہوتے ہیں۔" وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولی "جے دراصل جیکولین کا مخفف ہے۔"

"آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہیں؟" مور یسن نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنی ملکیت کو واپس حاصل کرنے کا کیس ہے۔" جیکولین گیمل نے کہا پھر وضاحت کی "ایک شخص نے قسطوں پر ہمارے ہاں سے لیکسس کار کا مہنگا ترین ماڈل خریدا تھا۔ پچھلے دو ماہ سے اس سے قسط وصول نہیں ہوئی اور اب وہ غائب بھی ہو گیا ہے۔ ان حالات میں ہم فوری طور پر کار اپنے قبضے میں لینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں، تم وہ کار ہمیں واپس لا دو۔ میں اس معاملے کی شہرت بالکل نہیں چاہتی اس لیے میں پولیس کے بجائے تمہاری خدمات حاصل کر رہی ہوں۔ اگر چند لوگوں کو بھی اس قصے کا علم ہو گیا تو خواہ مخواہ یہ تاثر پھیل جائے گا کہ ہمیں بے وقوف بنا کر کار حاصل کرنا بہت آسان کام ہے۔ کچھ اور لوگ بھی قسمت آزمائی کے لیے آن پہنچیں گے اور شاید وہ بھی ہمیں ٹخا دینے میں کامیاب ہو ہی جائیں۔"

پھر جیکولین نے بتایا کہ انورنس کے نواحی علاقے میں واقع ایک پیٹرول پمپ سے اطلاع ملی تھی کہ اس ماڈل اور نمبر کی لیکسس وہاں پیٹرول لینے کے لیے رکی تھی اور کار چلانے والے نے باتوں باتوں میں اٹینڈنٹ لڑکے کو بتایا تھا کہ وہ لوچ نیس کے نواح میں پہاڑوں میں واقع اپنے تعطیلاتی مکان کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے بارے میں آخری اطلاع یہی تھی جو شاید کار آمد ثابت ہو سکتی تھی۔

مور یسن نے اثبات میں سر ہلا کر اس کام کے لیے رضامندی کا اظہار کیا ہی تھا کہ جیکولین نے میز کی دراز کھول کر نئے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور پچاس ڈالر والے دس نوٹ اس سے الگ کر کے مور یسن کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "یہ تمہارا ایڈوانس۔"

پھر گویا وضاحت کی خاطر بولی "میرے پاس بعض گاہک نقد ادائیگی کرتے ہیں اور ہم بھی ٹیکس بچانے کے لیے نقد رقم قبول کر لیتے ہیں اس لیے میرے پاس کبھی کبھی کیش موجود رہتا ہے۔ میں نے سوچا تمہیں بھی نقد ادائیگی ہی کر دوں۔"

مور یسن کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس نے رقم جیب میں رکھ لی اور پوچھا "کار لے جانے والے شخص کا نام کیا تھا؟"

"جیک گروور۔" اس نے اپنے نام کے مخفف والی نمبر پلیٹ بنوائی تھی اس پر "جے۔جی" کے حروف موجود ہیں۔"

پھر وہ تفصیل سے جیک گروور کی شکل وصورت اور جسمانی ساخت کے بارے میں بتانے لگی تو بے اختیار مور یسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ یہ کیس تو گویا قدرت کی طرف سے اسے امدادِ غیبی کے طور پر مل رہا تھا۔ اسے اپنی توہین کا بدلہ لینے کا موقع میسر آتا دکھائی دے رہا تھا۔

"تم اس شخص کو جانتے ہو؟" جیکولین نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار اور پھر معدوم ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"شاید۔" مور یسن نے بے پروائی سے کندھے اچکائے "لوگوں کو جاننا میرے پیشے کا ایک حصہ ہے۔"

اس نے محسوس کیا کہ اس کے انداز نے جیکولین کو متاثر کیا تھا۔ وہ رخصت ہونے لگا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"کسی روز مجھے آزمائشی طور پر کچھ دیر چلانے کے لیے کوئی گاڑی نہیں مل سکتی؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "تم میری لیکسس واپس لے آؤ۔ تم شوروم میں جس گاڑی پر ہاتھ رکھ دو گے' وہ میں کچھ دیر کے لیے تمہیں دے دوں گی۔"

مور یسن شوروم سے نکلتے وقت بہت خوش تھا۔

○☆○

کاروں کا ایک مکینک مور یسن کا واقف تھا جس نے اسے سکھایا کہ چابی کے بغیر لیکسس کار کا تالا کس طرح کھولا جاسکتا تھا اور کس طرح اسے اسٹارٹ کیا جاسکتا تھا۔ مور یسن کو یہ کام سیکھنے میں چند منٹ لگے۔ مکینک نے مور یسن کو بتایا کہ اس کا نوعمر بیٹا چند سیکنڈ میں یہ کام کرلیتا تھا۔

پیش بندی کے طور پر یہ کام سیکھنے کے بعد وہ اپنی پرانی کار میں بیٹھا اور طویل ڈرائیونگ کے بعد وہ لوچ نیس کے علاقے میں جا پہنچا۔ اس نے ٹورسٹ بورڈ کے دفتر میں جاکر علاقے میں موجود تعطیلاتی مکانوں اور کاٹجز کے بارے میں معلومات کیں تو انہوں نے اسے سروے ڈیپارٹمنٹ والوں کا تیار کردہ ایک نقشہ اور مکانات کے نمبروں کی ایک فہرست دے دی۔ ان دونوں چیزوں میں اس کی مطلوبہ تمام معلومات موجود تھیں۔

اسے یقین ہوگیا کہ نقشے میں دکھائی گئی گلیوں اور نقطوں کی صورت میں نظر آنے والے مکانات اور عمارات کے درمیان کہیں نہ کہیں اسے مطلوبہ لیکسس ضرور نظر آجائے گی اور اس کے بعد جیک گروور کا نظر آنا بھی کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہوگا۔ جیک گروور یقیناً وہی شخص تھا جس نے جوئے کی میز پر اسے خوب ہرایا تھا اور جس سے مور یسن کا جھگڑا ہوا تھا۔

علاقے کی سڑکیں کہیں اونچی اور کہیں نیچی تھیں۔ مکانات گنجان نہیں تھے۔ اس نے جان بوجھ کر جگہ جگہ رک کر مختلف افراد سے پوچھنا شروع کردیا کہ کسی نے نقرئی رنگ کی لیکسس میں اس حلیے کے آدمی کو تو نہیں دیکھا تھا؟ وہ یہ بات ریکارڈ پر لے آنا چاہتا تھا کہ اسے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو دھوکے سے لیکسس جیسی قیمتی گاڑی لے کر روپوش ہوگیا تھا۔

دو دن اس نے اسی علاقے میں پوچھ گچھ کرتے گزارے۔ کچھ لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔ کچھ نے نفی میں صرف سرہلایا۔ کچھ نے جواب دینے کی زحمت ہی نہیں کی اور منہ پھیر کر چل دیے۔ پیسے بچانے کی خاطر وہ ان دو راتوں کے لیے کسی ہوٹل یا موٹیل میں بھی نہیں ٹھہرا۔ ایک سڑک کے کنارے' جنگل کے قریب اس نے وہ راتیں کار میں ہی سو کر گزاریں۔

اسے معلوم تھا کہ اسے شیو بنانے اور کپڑے بدلنے کی ضرورت تھی لیکن اس وقت اسے ان باتوں کی پروا نہیں تھی۔ وہ اس وقت تو بیوی والے صدمے کو بھی بھول گیا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں صرف جیک گروور سمایا ہوا تھا اور وہ اسے ذلیل کرنے کے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ جیک کو دکھانا چاہتا تھا کہ وہ کوئی ایسا گیا گزرا آدمی نہیں تھا۔

اس روز وہ انہی سب باتوں کے بارے میں سوچتا ہوا ایک کشادہ گلی سے گزر رہا تھا جب اسے مطلوبہ لیکسس ایک بنگلے کے سامنے کھڑی نظر آگئی۔ اس نے جلدی سے کار روکی اور بنگلے کا جائزہ لیا۔ بنگلا سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے اپنی کار آگے بڑھائی اور کچھ دور پہنچ کر۔۔۔ قدرے محفوظ سی جگہ دیکھ کر اسے وہاں چھوڑ کر پیدل واپس آگیا۔ وہ اپنی کار بعد میں وہاں سے لے جاسکتا تھا۔ فی الحال تو اسے لیکسس لے کر جانی تھی۔

واپس پہنچ کر اس نے چابی کے بغیر لیکسس کا دروازہ کھولا اور اس میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرلیا۔ اب اس نے اپنا کیمرا نکال کر تصویر کھینچنے کے لیے تیار کرلیا۔ اس کا ارادہ کار کو لے کر بھاگنے تھا۔۔۔ لیکن وہ جیک کو گیٹ پر بلا کر اس کی آنکھوں کے سامنے کار لے کر بھاگنا چاہتا تھا تاکہ وہ یہ دیکھ کر

زیادہ بل کھائے کہ کار لے جانے والا کون تھا۔ اسی لمحے وہ جیک کی تصویر بھی کھینچنا چاہتا تھا تاکہ اپنی فتح کے اس لمحے کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر سکے۔ اسے یقین تھا کہ جب وہ پرنٹ نکالے گا تو جیک کے چہرے پر کھسیاہٹ، جھنجلاہٹ اور حیرت دیدنی ہوگی۔

اس نے ہارن بجایا اور چند سیکنڈ انتظار کیا۔ کوئی گیٹ پر نہ آیا۔ اس نے دوبارہ ہارن بجایا اور پھر چند سیکنڈ منتظر رہا لیکن گردوپیش کے سکوت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اسے ایک عجیب سی مایوسی ہوئی۔ وہ گویا کسی خوشی سے محروم رہ گیا تھا۔ آخر کار اس نے کار آگے بڑھادی اور پھر اسے موڑ کر واپس روانہ ہوگیا۔

اس نے ابھی چند میل کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اسٹیئرنگ وہیل میں کچھ ارتعاش اور جھرجھراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے گاڑی ایک طرف روکی اور اتر کر جائزہ لیا۔ اس پر انکشاف ہوا کہ گاڑی پنکچر ہو چکی تھی۔ اس نے زیرلب گاڑی کو کوستے ہوئے پنکچر شدہ ٹائر کو ایک ٹھوکر رسید کی اور پیچھے جاکر ڈکی کھولی تاکہ فاضل پہیا اور جیک نکال سکے۔

دوسرے ہی لمحے وہ ساکت ہو کر رہ گیا۔ ڈکی میں فاضل پہیے اور جیک کے بجائے ایک لاش ٹھنسی ہوئی تھی۔ لاش پرانی نہیں تھی اور وہ بلاشبہ تاش کے اس کھلاڑی کی تھی جس کا نام جیک کی معلومات کے مطابق جیک گرووَر تھا اور جسے وہ تلاش کر رہا تھا۔

اسے ابکائی سی آنے لگی۔ اس نے منہ پر رکھنے کے لیے رومال جیب سے نکالا تو جیب میں موجود نئے نوٹوں میں سے چند نوٹ بھی نکل کر ڈکی میں آن گرے۔ یہ وہی نوٹ تھے جو جیکولین گیمل نے اسے دیے تھے۔ وہ انہیں اٹھانے کے لیے جھکا تو اس کی آنکھوں کے سامنے سے گویا کوئی پردہ سا اٹھنے لگا تھا۔ شاید اسے جان بوجھ کر اور کسی باقاعدہ منصوبے کے تحت نقد رقم دی گئی تھی کیونکہ نقد رقم کے بارے میں یہ ثابت کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے کہ وہ کس نے کس کو دی تھی۔

اس نے جیک گرووَر کی جیبوں کی تلاشی لینا شروع کی۔ اس دوران میں اسے احساس ہوا کہ دور کہیں سے سائرن کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ جیک کی ایک جیب میں اسے بٹوا ملا۔ بٹوے میں کچھ کریڈٹ کارڈز تھے۔ تمام کارڈز پر ایک ہی نام درج تھا اور وہ نام تھا "جیمس گیمل۔"

اس کا مطلب تھا کہ کار کی نمبر پلیٹ پر "جے۔ جی"

دراصل جیک گرووَر کا نہیں بلکہ جیمس گیمل کا مخفف تھا اور تب ایک لمحے میں ساری بات مور یسن کی سمجھ میں آگئی۔ جیک گرووَر کا درحقیقت کوئی وجود نہیں تھا اور نہ ہی کوئی لیکسس دھوکے سے حاصل کی گئی تھی۔ جیمس گیمل اصل میں "جے۔ گیمل موٹرز" کا مالک تھا۔ جیکولین گیمل اس کی بیوی تھی۔ جیمس نے اس روز گھر جاکر باتوں باتوں میں اپنی بیوی سے ذکر کیا ہوگا کہ کیسینو میں اس کا کسی پرائیویٹ سراغ رساں سے جھگڑا ہوا تھا جس نے جاتے جاتے چیخ کر دھمکی آمیز انداز میں اپنا نام چک مور یسن بتایا تھا۔ بیوی یقیناً کسی کی مدد سے اپنے شوہر کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنائے بیٹھی تھی لیکن اس مقصد کے لیے اسے قربانی کے کسی بکرے کی ضرورت تھی۔ اس نے جب اپنے شوہر کے منہ سے جھگڑے کا تذکرہ اور چک مور یسن کا نام سنا ہوگا تو یقیناً یہی محسوس کیا ہوگا کہ اسے قربانی کے جس بکرے کی تلاش تھی، وہ مل سکتا تھا۔

وہ اس عورت کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ کس عمدگی سے اس نے جال تیار کیا تھا۔ سائرن کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ اس نے پُرخیال انداز میں ٹھوڑی مسلی تو اسے بڑھے ہوئے شیو کا احساس ہوا۔ تب ہی اسے یہ اندازہ بھی ہوا کہ اس وقت وہ کتنا بدحال اور وحشت زدہ لگ رہا ہوگا۔ اسے وہ تمام لوگ یاد آئے جن سے وہ اس علاقے میں نقرئی لیکسس والے شخص کے بارے میں پوچھتا رہا تھا پھر اسے وہ لوگ یاد آئے جو کیسینو میں اس کی میز کے گرد جمع تھے۔ ان کے سامنے اس کا جیمس گیمل سے جھگڑا ہوا تھا اور جب مور یسن کو دھکیل کر باہر لے جایا جارہا تھا تو اس نے گردن گھما کر سب کے سامنے جیمس کو دھمکی دی تھی۔ یہ سب لوگ اس کے خلاف کتنے عمدہ گواہ ثابت ہو سکتے تھے۔

جیکولین گیمل نے بلاشبہ نہایت عمدگی سے اپنے ان چاہے شوہر سے چھٹکارا پایا تھا۔ تب مور یسن کو احساس ہوا کہ کسی کو ٹھکانے لگانے کے لیے نہ تو جائے واردات سے اپنی غیرحاضری کے کسی نہایت ٹھوس ثبوت کی ضرورت تھی اور نہ ہی لاش کو غائب کرنے کی۔

اس مقصد کے لیے درحقیقت ایک اچھے سے قربانی کے بکرے کی ضرورت تھی جو محبت کے معاملے میں بھی بدقسمت ثابت ہوا ہو اور جوئے کے معاملے میں بھی۔۔۔!

سائرن کی آواز بہت قریب آچکی تھی!

★★★



تلاش

نجمہ مودی

ہر بات اور ہر صورتِ حال ایک حد تک ہی قابلِ برداشت ہوتی ہے لیکن جب انسان کی قوتِ برداشت جواب دے جائے تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس فوٹو گرافر کا قصہ جسے فرمائشی تصویریں بنانا تھی لیکن یہ فرمائش اس کے لیے تکلیف دہ ہوتی جارہی تھی۔

انسانی جذبات و احساسات کے اتار چڑھاؤ پر ایک قابلِ غور کہانی

اس عالی شان مکان میں قدم رکھنے کے دس منٹ بعد ہی کلے ولسن کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہاں اس کا جتنا بھی وقت گزرے گا' وہ کافی تکلیف دہ اور پُر مشقت ہو گا۔ وہ ایک پیشہ ور فوٹو گرافر تھا اور خصوصی اہتمام کے ساتھ اس گھر کے مالک اور اس کی بیوی کی کچھ تصویریں کھینچنے کے لیے اسے بلایا گیا تھا۔ اس کی اسٹیشن ویگن میں فوٹو گرافی کا کافی سامان لدا ہوا تھا۔ کیمرا' اس کا اسٹینڈ' لائٹس' شیڈز اور دوسری کئی چیزیں تھیں۔

گھر کی مالکن نے اس کے لیے دروازہ کھولا تھا لیکن اس سے سرسری سا مصافحہ کرنے اور اسے رسمی سی مسکراہٹ سے نوازنے کے بعد پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ وہ کچن میں جا کر لمبے سے ایک گلاس سے جوس کی چسکیاں لینے لگی تھی۔ کلے نے اس سے یہ توقع تو بہرحال نہیں رکھی تھی کہ وہ گاڑی سے بڑے بڑے کارٹن اٹھا کر اندر لانے میں اس کی مدد کرے گی لیکن بہرحال وہ کم از کم دروازہ کھول کر کھڑی ہو سکتی تھی تاکہ کلے آسانی سے چند چکروں میں اپنا سامان گاڑی سے گھر میں منتقل کر لیتا لیکن اس نے کوئی ایسی زحمت نہیں کی تھی۔ کلے سامان بھی اٹھا کر لاتا

رہا اور نہایت دقت سے دروازہ بھی کھولتا رہا۔

وہ ایک نہایت شاندار اور طویل و عریض مکان تھا۔ عقبی شیشوں سے سمندر اور مکان کا الگ بوٹ ہاؤس بھی نظر آرہا تھا۔ ابھی مکان کی آرائش مکمل نہیں ہوئی تھی۔ کچھ سامان بے ترتیبی کی حالت میں تھا لیکن کسی بھی چیز سے مکینوں کی دولت مندی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا۔ لگتا تھا کہ وہ حال ہی میں اس نئے مکان میں منتقل ہوئے تھے جس کے آس پاس کوئی دوسرا مکان نظر نہیں آرہا تھا۔

اس نوجوان عورت کا نام کرسی تھا۔ جس نے فون کرکے تصویر کے لیے کلے کو بلایا تھا۔ وہ کچن میں کھڑی جوس کی چسکیاں لیتے لیتے کسی اعلیٰ درجے کی فرنیچر کی دکان کا کٹیلاگ بھی دیکھ رہی تھی۔ کلے گویا اس کے خیال میں آس پاس کہیں موجود نہیں تھا۔ کلے کے لیے اس طبقے کے کچھ مخصوص لوگوں کا یہ رویہ نیا نہیں تھا۔ وہ معاوضے پر جب کسی کام کے لیے کسی کو بلاتے تھے تو وہ ان کے لیے انسان نہیں، محض ایک حقیر سا ہنرمند ہوتا تھا۔ اس کا کام صرف اتنا ہوتا تھا کہ وہ آئے، اپنی ذمے داری انجام دے، معاوضہ لے اور چلا جائے۔ اگر اسے اپنے کام میں کوئی دشواری پیش آرہی تھی تو یہ مکینوں کا دردِ سر نہیں تھا۔ اس کی طرف تو وہ اگر دیکھتے بھی تھے تو اس طرح جیسے وہ بے وجود اور غیر مرئی تھا۔

سامان اندر لانے کے دوران میں کلے نے دیکھا، طویل و عریض ہال میں ایک دیوار کے سامنے نہایت خوب صورت، سجا سجایا کرسمس ٹری موجود تھا۔ وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ کرسمس ابھی بہت دور تھا۔ وہ جون کا مہینہ تھا۔ کرسی کچن سے باہر آئی تو اس نے دیکھ لیا کہ کلے کرسمس ٹری کی طرف متوجہ تھا۔ وہ مسکرا دی مگر اس کی مسکراہٹ مشینی اور رسمی سی تھی۔ وہ گویا ازراہ کرم ایک معمولی اور بے وقعت آدمی کی نظر میں خود کو بااخلاق ظاہر کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ ایک خوب صورت عورت تھی۔ اس وقت ہلکی پھلکی مختصر سی شرٹ، جینز اور اونچی ایڑی کی سینڈلوں میں تھی۔ اپنے خوب صورت تراشیدہ بالوں کی اس نے پونی ٹیل بنا رکھی تھی۔ اس پورے گھر میں اب تک جو سادہ سی چیز کلے کو نظر آئی تھی، وہ یہ پونی ٹیل ہی تھی۔

"یہ تصویر کے لوازمات میں سے ایک ہے۔" کرسی نے کرسمس ٹری کی طرف اشارہ کیا۔

"میں سمجھ گیا مسز ٹیٹ!" کلے نے سپاٹ لہجے میں کہا "اسے معلوم ہوچکا تھا کہ کرسی کے شوہر کا نام ٹیٹ تھا۔

"آپ اس کرسمس ٹری کو پس منظر میں رکھتے ہوئے تصویر کھنچوانا چاہتی ہیں۔"

وہ کاؤچ پر بیٹھ کر چمڑے کی جلد والا ایک البم اٹھا کر گود میں رکھتے ہوئے بولی "تھوڑی دیر میں میرا شوہر بھی نیچے آجائے گا۔ فی الحال وہ ذرا اپنے کمرے میں کام کررہا ہے۔ آج گو کہ سنیچر ہے مگر وہ پھر بھی کام کررہا ہے۔ اپنی سرمایہ کاری کا حساب کتاب اور کمپنیوں میں اپنے شیئرز کی قیمتوں کا جائزہ لے رہا ہے۔"

یہ کہتے وقت کرسی کے لہجے میں تلخی یا زہریلا پن نہیں تھا پھر وہ اسے اپنے قریب آکر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی "آؤ، میں تمہیں دکھاؤں کہ ہم نے تمہیں کس قسم کی تصویر کے لیے زحمت دی ہے۔"

وہ اندر ہی اندر ایک خاص قسم کی ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوئے اس کے قریب جا بیٹھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے جوگرز کچھ پرانے اور جینز بھی گھسی پٹی سی دکھائی دے رہی تھی۔ ڈارک روم میں کام کرتے وقت اس پر کئی بار کیمیکلز کے دھبے بھی لگ گئے تھے جو دھلائی سے بھی دور نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک موٹی سی سیاہ شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ موسم گو کہ کافی گرم تھا اور گھر میں شاید ابھی ائرکنڈیشننگ کے نظام نے صحیح طور پر کام شروع نہیں کیا تھا مگر کلے نے آستینیں نہیں چڑھائی تھیں۔ گو کہ سامان اندر لانے کی مشقت کے دوران میں اس کا دل چاہا بھی تھا کہ آستینیں چڑھا لے مگر وہ باز رہا تھا۔ وہ کبھی اپنی آستینیں نہیں چڑھاتا تھا۔

کرسی نے البم کھولا اور کلے کو اس کے ایک صفحے پر پلاسٹک کی شفاف تہ کے نیچے اس کی تصویر چسپاں نظر آئی۔ اس کے ساتھ گھنی مونچھوں والا ایک پختہ عمر کا ایک شخص بھی تھا جو یقیناً اس کا شوہر تھا۔ تصویر غالباً کسی اور گھر میں کھینچی گئی تھی لیکن اس کے پس منظر میں بھی بہرحال کرسمس ٹری نظر آرہا تھا۔

درحقیقت وہ ایک کرسمس کارڈ تھا۔ ایسا کارڈ جو بھیجنے والے کی تصویر سے آراستہ ہوتا تھا۔ اس کے مقابل دوسرے صفحے پر اسی سے ملتا جلتا سا ایک اور کارڈ تھا مگر اس پر دوسرے جوڑے کی تصویر تھی۔ اس جوڑے میں عورت تو کافی حد تک خوش شکل اور درمیانے جسم کی تھی لیکن مرد کافی موٹا نظر آرہا تھا۔ بہرحال امارت اور دولت مندی ان دونوں کی شخصیتوں سے بھی عیاں تھی۔

کرسی اپنا سرخ پالش سے آراستہ مخروطی ناخن دوسری تصویر پر رکھتے ہوئے بولی "یہ ایمرسن اور اس کی بیوی ٹیری ہے۔ ایمرسن اور میرا شوہر ٹیٹ کالج میں اکٹھے پڑھتے تھے اور تبھی سے دوست چلے آرہے ہیں۔ دونوں نے بزنس میں

بھی ساتھ ساتھ ترقی کی ہے۔ دوستی اپنی جگہ ہے لیکن دونوں میں ایک قسم کا مسابقت کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ ایمرسن کبھی ٹیٹ کو یہ بھولنے کا موقع نہیں دیتا کہ کاروبار میں اس نے ملین ڈالر ٹیٹ سے پہلے کمائے تھے۔"

کلے کو زندگی میں ہمیشہ ایک لاکھ ڈالر کے بارے میں بھی سوچنا بہت مشکل کام لگا تھا لیکن اس وقت اس نے یوں سر ہلایا جیسے ایک ملین ڈالر کا تذکرہ بھی اس کے لیے متاثر کن نہیں تھا۔

گرتی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "جس زمانے میں ان کے درمیان پہلا ملین کمانے کا مقابلہ چل رہا تھا' اس وقت سے اب تک صورتِ حال وہی چلی آرہی ہے بلکہ ایک عرصے سے تو یہ مقابلہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی در آیا ہے۔ کشتی رانی' گھڑسواری حتیٰ کہ جوگنگ تک میں بھی دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ کچھ عرصے سے یہ مقابلے بازی کرسمس کارڈز کے سلسلے میں بھی شروع ہوگئی ہے۔"

اس کی آواز اور لہجے سے کلے کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جوس کے علاوہ بھی بہت کچھ پیے ہوئے تھی۔ البم کا صفحہ پلٹتے ہوئے وہ بولی "میں تمہیں دکھاتی ہوں' یہ دیکھو۔ کسی زمانے میں یہ مقابلے بازی مشکل نہیں تھی۔ اس کرسمس کارڈ میں انہوں نے اپنی جو تصویر لگا کر بھیجی' اس میں وہ اسٹیٹ ہاؤس میں کھڑے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم نے جو کرسمس کارڈ بھیجا' اس کی تصویر میں ہم وہائٹ ہاؤس میں کھڑے ہوئے ہیں۔ اس تصویر میں وہ ہوائی کے ساحل پر کھڑے ہیں' اس سے اگلے سال ہم نے جو کارڈ بھیجا' اس میں ہم سوئٹزرلینڈ کی برف پوش چوٹیوں میں سے ایک پر کھڑے ہیں۔ اس کے جواب میں اگلے سال انہوں نے ہمیں جو تصویر بھیجی' اس میں وہ ماؤنٹ ایورسٹ پر کیمپ لگائے نظر آرہے ہیں اور میں تمہیں سچ بتا رہی ہوں کہ اب معاملہ ٹیٹ کی برداشت سے باہر ہوگیا ہے۔"

کلے کو کچھ محسوس ہو رہا تھا کہ معاملہ اس کی برداشت سے بھی باہر ہونے جا رہا تھا۔ تصویروں میں موجود دونوں جوڑے اسے ابھی سے بُرے لگنے لگے تھے' تاہم وہ اپنی ناپسندیدگی کو دل کی گہرائی تک ہی محدود رکھے ہوئے ہموار لہجے میں بولا "اس کا مطلب ہے آپ میاں بیوی دراصل کرسمس ٹری کے سامنے کھڑے ہو کر تصویر کھنچوانا چاہتے ہیں؟ میں سمجھ رہا ہوں کہ مجھے پورٹریٹس بنوانے کے لیے بلایا گیا ہے۔"

"نہیں۔" وہ البم زور سے بند کرتے ہوئے بولی۔

"پورٹریٹس کی ہمیں ضرورت نہیں۔ ہم تو کرسمس کارڈ کے لیے کوئی انوکھی قسم کی تصویر بنوانا چاہتے ہیں۔ کوئی ایسی تصویر جس سے انہیں شکست کا احساس ہو اور وہ تسلیم کرلیں کہ وہ کم از کم کرسمس کارڈ والے مقابلے میں پیچھے رہ گئے ہیں اسی لیے اس سال ہم اتنے دن پہلے ہی تصویر بنوا کر رکھ رہے ہیں تاکہ ان کا کارڈ آنے سے پہلے ہی انہیں کارڈ بھیج سکیں اور انہیں ہم پر برتری ثابت کرنے کا موقع مل سکے۔"

پھر وہ قدرے ہچکچاہٹ سے مسکرائی اور بولی "میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔ شاید تمہیں کچھ عجیب لگے لیکن تمہیں معلوم ہے کہ اپنی انفرادیت اور برتری ثابت کرنے کے لیے لوگ کیا کیا جتن کرتے ہیں۔ میں نے سوچا ہے کہ تصویر میں مجھے اور ٹیٹ کو کرسمس ٹری کے سامنے مردہ پڑے نظر آنا چاہیے۔"

"مردہ؟" کلے نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی "پس منظر میں سجا سجایا خوب صورت کرسمس ٹری ہو' تحائف وغیرہ بھی سجے ہوں اور سامنے کاؤچ پر ہم میاں بیوی مرے پڑے ہوں۔ نیچے لکھا ہو "اس بار کرسمس کوئی عام کرسمس نہیں... بڑا ظالم کرسمس

مجبوری

ایک صاحب کی آنکھ کھلی تو انہوں نے خود کو اسپتال میں پایا۔ پورے جسم پر پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں اور درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ایک دوست عیادت کے لیے قریب بیٹھا تھا۔

"ہوا کیا تھا؟ میں اتنا زخمی کیسے ہوا؟" ان صاحب نے کراہتے ہوئے اپنے دوست سے پوچھا۔

"رات تمہارے فلیٹ میں پینے پلانے کا شغل چل رہا تھا۔ تم کچھ زیادہ ہی پی گئے اور دعوا کرنے لگے کہ تم اپنے فلیٹ کی کھڑکی سے نکل کر اڑتے ہوئے پوری گلی کا چکر لگا کر واپس آسکتے ہو... اور یہ تو تمہیں اب یاد ہی ہوگا کہ تمہارا فلیٹ تیسری منزل پر ہے۔"

"تم نے مجھے روکا کیوں نہیں؟" وہ صاحب پہلے سے زیادہ کراہ کر بولے۔

"میں بھلا کیسے روک سکتا تھا۔" دوست بولا "میں نے تو تم پر ہزار روپے کی شرط لگا رکھی تھی۔"

تھا۔ "ہم دیکھیں گے کہ وہ میاں بیوی اگلے کرسمس پر اس سے بڑھ کر کیا آئیڈیا لاتے ہیں۔"

کلے کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔ اس دوران میں سیڑھیوں پر کھٹ کھٹ سنائی دی اور ایک شخص اترتا دکھائی دیا۔ وہ یقیناً ٹیٹ تھا۔ عمر میں وہ کلے سے کچھ بڑا اور قد میں تقریباً برابر ہی تھا۔ وہ بہت ہی عام سی شکل وصورت کا مالک تھا لیکن دولت مندی اس کے سراپا سے عیاں تھی۔ وہ نیچے پہنچا تو اس کی بیوی نے یوں اس کا استقبال کیا جیسے وہ برسوں بعد ملے تھے۔

پھر ٹیٹ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کلے سے مصافحہ کیا۔ اس نے مصافحے کے ذریعے کلے کو یہ احساس دلانے کی پوری کوشش کی کہ وہ ایک طاقت ور اور مضبوط آدمی تھا۔ کلے نے اپنا ہاتھ ڈھیلا ہی رکھا اور اس نے خوش فہم شخص کو اس چھوٹی سی بات سے اپنی برتری ثابت کرنے کا موقع دیا ورنہ وہ چاہتا تو اس مصافحے کے دوران میں ٹیٹ کے جوڑ الگ کر سکتا تھا۔

مصافحے سے احساسِ برتری کی خوشی کشید کرنے کے بعد ٹیٹ اپنی بیوی کی کمر میں بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔ "کیا کرسی نے تمہیں اپنے اس احمقانہ آئیڈیے کے بارے میں بتادیا ہے؟"

"ہنی! میرا آئیڈیا احمقانہ تو نہیں ہے۔" کرسی بڑے نازوادا سے بولی پھر کلے سے مخاطب ہوئی "تمہیں اس قسم کی تصویر کھینچنے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئے گی؟"

بظاہر اس نے صرف نفی میں سرہلانے پر اکتفا کیا لیکن درحقیقت وہ سوچ رہا تھا کہ اس عظیم الشان مکان سے صرف ایک میل کے فاصلے پر لوگ جھونپڑیوں اور ہارڈ بورڈ کے مکانوں میں نہ جانے کس کس حال میں رہ رہے تھے۔ انہیں مردہ نظر آنے کے لیے ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنے گھروں میں صرف آنکھیں بند کرکے لیٹ جاتے تو مردہ ہی نظر آتے۔ غربت کے روپ میں موت ہمیشہ ان کے دروازوں پر کھڑی رہتی تھی۔

"نہیں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا "لیکن میں جاننا چاہوں گا کہ اس خیال پر عمل درآمد کے لیے آپ کے ذہن میں کیا تجویز ہے؟"

جواب کرسی کے بجائے اس کے شوہر نے دیا۔ اس نے بازو بیوی کے کندھے سے ہٹالیا اور تیکھے لہجے میں بولا "ہم تمہاری خدمات کا معاوضہ دے رہے ہیں۔ اگر تم دو تین اچھی تجویزیں بھی پیش نہیں کرسکتے تو یہاں تمہاری ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم کسی اور کو بلوالیں گے۔" اس کے لہجے میں تیکھے پن کے علاوہ حقارت بھی تھی۔

کلے کے ہاتھ اس وقت پشت پر تھے۔ غیر ارادی طور پر اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اسے اچھی طرح اندازہ ہونے لگا کہ ٹیٹ کس قسم کے آدمیوں میں سے تھا۔ تاہم دوسرے ہی لمحے اس نے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور ہموار لہجے میں بولا۔ "میرے ذہن میں تو ایک دو تجویزیں پہلے ہی موجود ہیں۔ میں تو صرف واضح طور پر یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔"

کرسی نے گویا فضا میں کشیدگی کو محسوس کرتے ہوئے اسے دُور کرنا چاہا اور جلدی سے بولی "تمہارے ذہن میں جو کچھ ہے' بس اس پر عمل کرو۔ یوں سمجھ لو کہ ہم تو ایک قسم کے ماڈلز ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دس پندرہ منٹ میں اپنا سامان سیٹ کرلوں گا۔ اس کے بعد ہم اپنا کام شروع کرسکتے ہیں۔" کلے ہموار لہجے میں بولا۔

ٹیٹ نے ناگواری آمیز انداز میں سرہلایا اور اپنی بیوی کے ساتھ کچن میں چلا گیا۔ ایک بار پھر ان کے لیے گویا کلے کا وجود اور عدم وجود برابر ہوگیا۔ وہ اس کی طرف سے بالکل لاتعلق ہوگئے۔ کلے اپنا سامان سیٹ کرنے لگا۔ تاریں بچھانا' لائٹس سیٹ کرنا' اسٹینڈ کھڑے کرنا' مختلف زاویوں سے روشنیاں منعکس کرنے والے ریفلیکٹرز کھڑے کرنا' کچھ چیزوں کے ڈبے اس طرح رکھنا کہ ضرورت کے وقت ہر چیز آسانی سے اور کم سے کم وقت میں مل سکے۔ ان سب کاموں میں خاصا وقت لگ جاتا تھا۔

اس دوران میں اس کی پیٹھ پسینے میں بھیگ گئی اور حلق خشک ہونے لگا۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا' وہ دونوں میاں بیوی کچن میں ڈرنکس سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ کلے کا بھی کچھ پینے کو شدت سے دل چاہ رہا تھا لیکن ان میاں بیوی نے رسماً بھی اسے کچھ پینے کے لیے نہیں پوچھا تھا اور اس نے بھی دل میں تہیہ کررکھا تھا کہ وہ پینے کے لیے ان سے از خود پانی بھی نہیں مانگے گا۔

تمام چیزیں سیٹ کرکے آخر وہ سیدھا ہوا۔ اس کی کمر بھی ذرا دکھنے لگی تھی۔ وہ کھنکارا تو میاں بیوی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب وہ گویا انہیں نظر آنے لگا تھا۔

"میں تیار ہوں۔ اگر آپ لوگ بھی تیار ہوں تو کام شروع کیا جائے۔" اس نے کہا۔

دونوں میاں بیوی ڈرنکس چھوڑ کر ہال میں آگئے۔ کلے

نے ضرورت سے کچھ زیادہ سامان ہال میں پھیلا دیا تھا۔ وہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ کام کچھ زیادہ ہی بڑا تھا کیونکہ اس نے اب کام کا اچھا خاص بل بنانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ میاں بیوی ہال میں آگئے تو کلے نے اپنے سامان سے ایک پولرائڈ کیمرا نکالا۔

ٹیٹ نے اس کے ہاتھ میں پولرائڈ کیمرا دیکھا تو ناگواری سے بولا "یہ تم نے اتنا کھٹ راگ پھیلا رکھا ہے اور ہماری تصویریں کیا تم اس کھلونے سے کھینچو گے؟"

کلے کی گرفت کیمرے پر سخت ہوگئی۔ اگر کیمرا اس کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو اس کی مٹھیاں بھنچ جاتیں۔ ٹیٹ کا لہجہ ہی ایسا تھا۔ تاہم اس نے بڑی کوشش سے ہموار لہجے میں جواب دیا "نہیں۔۔۔ اس سے میں صرف نمونے کی تصویریں کھینچتا ہوں تاکہ یقین ہوجائے کہ پوز اور تمام چیزوں کی ترتیب وغیرہ صحیح ہے۔"

"ٹیٹ! تم اس بے چارے کو اپنا کام کرنے دو نا۔" کرسٹی نے کہا پھر کلے سے مخاطب ہوئی "ہمیں کہاں بیٹھنا چاہیے؟"

"کاؤچ پر بیٹھ جائیں۔" کلے نے بڑی سی کاؤچ کی طرف اشارہ کیا "میں تصویر کھینچ کر دیکھتا ہوں۔"

اس نے کافی ٹیبل ہٹائی تاکہ تصویر میں ان کی ٹانگیں بھی پوری نظر آئیں۔ انہوں نے پوز بنایا اور کلے نے کیمرے میں دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کیمرا نیچے کرتے ہوئے بولا "یہ تو بڑا غلط ہوگیا۔"

"تم نے ابھی ایک بھی تصویر نہیں کھینچی اور کچھ غلط بھی ہوگیا۔" ٹیٹ قدرے بگڑ کر بولا۔

کلے نے ایک بار پھر خود پر ضبط کیا اور گہری سانس لے کر بولا "تصویر میں کرسمس ٹری وغیرہ نظر آئے گا اور ہم یہ ظاہر بھی کرنا چاہتے ہیں کہ تصویر کرسمس کے موقع پر کھینچی گئی ہے لیکن آپ لوگوں کے کپڑے موسم گرما کے ہیں۔ تصویر میں لباس بنیادی چیزوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ ہمیں اس کا خیال رکھنا ہوگا۔"

ٹیٹ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر سرخی آگئی اور وہ تیزی سے بولا "یہ بات اگر تم نے دس منٹ پہلے ہمیں بتادی ہوتی تو کافی وقت بچ جاتا۔"

کرسٹی اس کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے بولی "وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے ڈارلنگ! آؤ کپڑے بدل کر آتے ہیں۔"

ٹیٹ کچھ ٹھنڈا پڑتا دکھائی دیا تاہم سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے وہ تنبیہہ کے انداز میں بولا "ٹھیک ہے لیکن بہرحال تم کام جلدی نمٹانے کی کوشش کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

وہ دونوں جب اوپر جاچکے تو کلے اس بڑی سی کھڑکی کے قریب آکھڑا ہوا جس سے عقبی لان اور سمندر دکھائی دیتا تھا۔ اس نے پیشانی تھکے تھکے سے انداز میں کھڑکی کے شیشے پر ٹکا دی۔ اس کی تھکن اور پیاس بڑھ چکی تھی۔ وہ فوری طور پر وہاں سے نکل بھاگنا چاہتا تھا لیکن وہ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے اپنا یہ نیا' جائز اور قانونی کام سیٹ کرنے میں بڑی محنت کی تھی لیکن آمدنی کوئی خاص نہیں تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ محض غصے سے مغلوب ہوکر وہ ایک ایسا کام چھوڑ کر چلا جائے جس کا اسے معقول معاوضہ ملنے کی امید تھی۔ اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ اسے اپنی قوت برداشت سے ذرا زیادہ کام لینا چاہیے۔ صرف ایک گھنٹے ہی کی تو بات تھی۔

وہ نہ جانے کتنی دیر خیالوں میں الجھا رہا۔ کرسٹی کی آواز سن کر وہ چونکا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک قسم کا بیش قیمت کاسٹیوم پہن آئی تھی جو سرد موسم میں اور عام طور پر تہوار وغیرہ کے موقع پر پہننے کے لیے مناسب سمجھا جاسکتا تھا۔

"اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟" کرسٹی نے قریب آکر گویا خود کو معائنے کے لیے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں' یہ ٹھیک لگ رہا ہے۔" کلے کے حلق سے بہ مشکل آواز نکلی۔

"پرنٹ کب تک تیار ہوں گے؟" اس نے نیچی آواز میں پوچھا۔

"پانچ چھ دن تک۔" کلے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بدستور نیچی آواز میں بولی "اگلے جمعے کو پرنٹ یہاں لے آنا۔ ٹیٹ اس وقت کاروباری دورے پر گیا ہوگا۔"

اس کے دونوں ہاتھوں میں دو ٹائیاں تھیں۔ کلے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ آپ کس لیے لائی ہیں؟"

"میں نے سوچا کہ صرف آنکھیں بند کرکے کاؤچ پر لیٹنے سے تو شاید تصویر اتنی متاثر کن نظر نہ آئے۔ ان ٹائیوں کی مدد سے اگر کچھ ایسا تاثر دینے کی کوشش کی جائے جیسے کسی نے ہمارا گلا گھونٹ دیا ہے تو شاید تصویر بہتر نظر آئے۔ تصویر سے حقیقت کا رنگ جھلکنا چاہیے۔"

"ہاں' یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" کلے بولا۔

سیڑھیوں پر قدموں کی آواز اُبھری اور پھر ٹیٹ بھی آن پہنچا۔ وہ سوٹ پہن آیا تھا اور اس کی ٹائی کے ڈیزائن میں سانتا کلاز وغیرہ نظر آرہے تھے۔ اس کے چہرے پر ابھی تک ناگواری کے آثار تھے۔

وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہوا "میں تمہیں بتا رہا ہوں' اگلے سال میں یہ تصویر وغیرہ بھیجنے کے چکر میں نہیں پڑوں گا چاہے ایمرسن اور ٹیری ہمیں ایسی تصویر بھیج دیں جس میں وہ خلائی شٹل میں سفر کرتے نظر آرہے ہوں۔"

وہ کاؤچ پر بیٹھ گئے اور کرسٹی نے ٹائیاں کلے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "تم ذرا ہماری رہنمائی کرو کہ ہم انہیں کس طرح استعمال کریں اور ہمیں کس حالت میں نظر آنا چاہیے۔"

کلے نے دونوں میاں بیوی کو کاؤچ کے درمیان سروں پر آڑا ترچھا لیٹنے کے بارے میں ہدایات دیں اور پھر اپنے خاص کیمرے کے ویو فائنڈر میں ان کا جائزہ لیا۔ کرسٹی کافی حد تک اپنے آپ کو مردہ ظاہر کرنے میں کامیاب تھی جب کہ ٹیٹ کے انداز سے مصنوعی پن عیاں تھا۔

وہ ان کے قریب پہنچ کر بولا "ٹھیک ہے' میں آپ دونوں کی گردنوں کے گرد ٹائیاں ذرا کس رہا ہوں۔ اگر پھندا ذرا بھی تکلیف دہ ہونے لگے تو مجھے بتا دیجیے گا۔"

اس نے ان دونوں کی گردنوں میں پھندے مناسب حد تک کسے۔ اس دوران میں اس نے محسوس کیا کہ کرسٹی کی گردن کے گرد پھندا کستے وقت اس کے ہاتھوں میں لرزش آگئی تھی اور حلق کچھ زیادہ ہی خشک ہوگیا تھا۔ اب اسے پچھتاوا محسوس ہو رہا تھا کہ جب وہ دونوں میاں بیوی اوپر گئے ہوئے تھے تو اس نے کچن میں جا کر پانی کیوں نہیں پی لیا۔ شاید اس کا جسم پانی کی کمی کا شکار ہو رہا تھا۔

اس نے انہیں کچھ چھوٹی موٹی ہدایات دیں اور ایک بار پھر کیمرے پر پہنچا۔ اپنے مقصد کی روشنی میں وہ ٹھیک ہی لگ رہے تھے لیکن وہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ کیا دولت مندوں کی دولت اس قسم کے کاموں پر ضائع کرنے کے لیے بھی ہوتی تھی؟

اصل کیمرے سے ہٹ کر اس نے ایک بار پھر پولرائڈ کیمرا سنبھالا اور کہا "میں چند آزمائشی تصویریں لینے لگا ہوں۔ اپنی جگہ سے حرکت مت کیجیے گا۔"

اس نے چھ تصویریں کھینچیں اور ہر تصویر میں کیمرے سے باہر آنے کے بعد اسے ہلا ہلا کر صحیح طرح سکھاتا رہا۔ اس دوران میں اس کا حلق مزید سوکھ گیا لیکن قمیص کے نیچے اس کی پشت پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ اس نے تصویریں کافی ٹیبل پر جمع کر دی تھیں۔ اس کی ہدایت پر آخر کار میاں بیوی اٹھ بیٹھے اور تصویروں کا جائزہ لینے لگے۔

"ان میں تو صاف طور پر مصنوعی پن نظر آرہا ہے۔" ٹیٹ نے فیصلہ دیا۔

"ہاں' یہ بات تو ہے۔" کلے نے اس سے اتفاق کیا۔ "بس ایسا لگ رہا ہے جیسے آپ دونوں میاں بیوی گردنوں میں ٹائیاں لپیٹے آنکھیں بند کیے لیٹے ہیں۔"

"تو پھر کیا کیا جائے؟" کرسٹی نے قدرے مایوسی سے پوچھا۔

ناگواری آمیز انداز میں ایک لمحے خاموش رہنے کے بعد ٹیٹ بولا "اگر ہم اس کام میں وقت ضائع کر ہی رہے ہیں تو ہمیں اس کو صحیح طریقے سے کرنا چاہیے۔ میرا خیال ہے ہمیں کچھ ایسی تصویریں کھنچوانا چاہئیں جیسے ہمیں گولی مار دی گئی ہے۔ تصویر میں خون نظر آئے گا تو حقیقت کا رنگ پیدا ہوگا۔"

کرسٹی کے چہرے پر دلچسپی کی چمک اُبھر آئی۔ وہ شوہر سے مخاطب ہوئی "تم نے اب اس کام میں ذرا دلچسپی لی ہے تو مسئلے کا حل بھی نکلتا دکھائی دینے لگا ہے۔ یہ تجویز بہت اچھی ہے۔ ہمارے پاس دو کھلونا پستول بھی پڑے ہیں۔ یاد ہے نا' ہمارے بھانجے یہاں مہمان آئے تھے تو چھوڑ گئے تھے؟ ان کے علاوہ میرے پاس لال رنگ بھی ہے جو کھانوں میں استعمال ہوتا ہے۔"

وہ اوپر چلی گئی۔ کلے دوبارہ اپنے کیمرے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ٹیٹ قد آدم کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ باہر آسمان پر بادل دکھائی دینے لگے تھے اور دور کہیں سے گرج سنائی دے رہی تھی۔ کلے اپنے کیمرے کا لینس صاف کرنے لگا۔ وہ اس وقت حیران رہ گیا جب ٹیٹ نے گھوم کر اس سے پوچھا "تم بیئر یا کچھ اور پینا پسند کرو گے؟"

آج پورے دن میں کلے نے یہ پہلا خوش کن جملہ سنا تھا۔ ایک لمحے تو وہ کچھ بول ہی نہ سکا پھر اس نے بہ مشکل تھوک نگل کر کہا "ہاں' اگر بیئر مل جائے تو بہت ہی اچھا ہو۔"

ٹیٹ نے اسے کچن میں آنے کا اشارہ کیا۔ طویل و عریض کچن میں اتنا بڑا فریج موجود تھا کہ شاید اس میں پورے موسم گرما کے لیے خوراک ذخیرہ کی جاسکتی تھی۔ ٹیٹ نے بیئر کی دو بوتلیں نکالیں اور ایک اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ خود فریج کے فولادی دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ کلے نے ایک بڑا سا گھونٹ بھرا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اسے

امید نظر آنے لگی کہ شاید اب کچھ وقت بہتر انداز میں گزر جائے۔ ٹیٹ نے گویا وقت گزاری کے لیے اس سے باتیں شروع کردیں۔

"تم یہ فوٹو گرافی کا کام کافی عرصے سے کر رہے ہو؟"

"تقریباً دو سال سے۔"

"تمہیں اپنا کام پسند ہے؟"

"زیادہ تر تو ٹھیک ہی لگتا ہے۔" کلے نے جواب دیا "اکثر آسان کام ہی ملتے ہیں۔ شادی۔۔ سالگرہ۔ پارٹی وغیرہ کے موقعوں پر مجھے بلایا جاتا ہے۔"

"لیکن میرے خیال میں آج کا کام آسان نہیں ہے۔" ٹیٹ شاطرانہ انداز میں مسکرایا۔ وہ گویا سمجھ رہا تھا کہ کلے اس وقت کیا سوچ رہا تھا۔ کلے بھی مسکرادیا۔ اس کے خیال میں ٹیٹ کا موڈ خوش گوار ہوچکا تھا۔ کلے نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ وہ اپنا بل مزید دس فیصد بڑھادے گا۔

کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد کلے سے ایک غلطی ہوگئی۔ گو کہ غلطی کرتے ہی اسے اس کا احساس بھی ہوگیا لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ گرمی محسوس کرتے ہوئے دراصل اس نے غیر ارادی طور پر آستینیں چڑھالی تھیں۔ ٹیٹ نے فوراً ہی اس کے بازوؤں پر گُدے ہوئے خاکے دیکھ لیے۔

"بہت خوب!" وہ تیکھے لہجے میں بولا "تمہارے بازوؤں پر تو بڑے دلچسپ ٹیٹوز موجود ہیں۔"

کلے نے اپنا لہجہ ہموار رکھنے کی کوشش کی "میرے پاس کچھ پیسے جمع ہوجائیں تو میں انہیں صاف کرادوں گا۔ سنا ہے آج کل لیزر شعاعوں سے انہیں صاف کردیا جاتا ہے۔"

ٹیٹ نے پُرخیال انداز میں ہنکارا بھرا اور ٹیٹوز کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "کٹی ہوئی گردنیں۔۔ خنجر۔۔ سانپ! کافی دلچسپ قسم کے ٹیٹوز ہیں یہ۔"

کلے کچھ نہ بولا۔ ٹیٹ ایک لمحے کی منتظر سی خاموشی کے بعد بولا "یہ کچھ خاص قسم کے ٹیٹوز ہیں۔ میرا ایک دوست مانچسٹر میں پولیس آفیسر ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس قسم کے ٹیٹوز عام طور پر قیدی جیل میں بنواتے ہیں۔"

کلے نے بیئر کا ایک بڑا سا گھونٹ بھرا۔ اس کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں مگر بظاہر اس نے سکون اور سادگی سے پوچھا۔ "واقعی؟"

ٹیٹ نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا "کیا تم نے بھی یہ جیل میں بنوائے تھے؟"

کلے نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ٹیٹ کی تیز نظریں گویا اس کے باطن میں اتری جارہی تھیں۔ اس نے صاف مکر جانا بہتر نہ سمجھا۔ سچائی کی شدت کو کم کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔

اس نے اپنے لہجے میں بے پروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی "نوجوانی میں انسان سے حماقتیں ہوجاتی ہیں۔ میں جب نوجوان تھا تو ایک مرتبہ بار میں ایک شخص نے میری گرل فرینڈ سے بدتمیزی کی۔ میں نے اس کی کچھ زیادہ ہی پٹائی کردی۔ اس سے پہلے لڑکپن میں تفریح کے طور پر، کچھ دیر کے لیے ایک کار چرانے کا کیس بھی میرے ریکارڈ پر تھا اس لیے مجھے ذرا زیادہ سزا ہوگئی لیکن بہرحال میں اپنی سزا کاٹ چکا ہوں اور اس کے بعد سے میں صاف ستھری اور ذمے دارانہ زندگی گزار رہا ہوں۔"

اسی اثنا میں ہال کی طرف سے کرسٹی کی آواز سنائی دی "آجاؤ، میں چیزیں لے آئی ہوں۔"

وہ دونوں ہال میں آگئے۔ کرسٹی نے کاؤچ پر سفید چادر بچھادی تھی۔ کافی ٹیبل پر دو کھلونا پستول اور رنگ کی ٹیوب رکھی تھی۔ کھلونا پستول بالکل اصلی لگ رہے تھے۔ ٹیٹ

قلم کا نشتر آزمانے والے، درد سے آشنا کرنے والے اور سماجی شعور کو بھڑکانے والے محی الدین نواب کی 10 شاہکار کہانیوں کا مجموعہ

ایمان کا سفر

ناشر: ایمان پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

اپنی بیوی سے مخاطب ہوا "ایک دلچسپ بات سننا پسند کرو گی۔"

"ضرور۔" کرسٹی نے اشتیاق سے جواب دیا۔

ٹیٹ نے کلے کی طرف جس انداز میں اشارہ کیا' اس کا جی چاہا کہ زمین میں گڑ جائے۔ اس لمحے اس نے خود کو کوسا کہ وہ یہاں آیا ہی کیوں تھا۔ ٹیٹ زہریلے لہجے میں بولا۔ "ہمارے فوٹوگرافر صاحب جیل میں بھی رہ چکے ہیں۔ تم سوچ سکتی ہو؟ ایک سابق مجرم ہمارے گھر میں کھڑا ہے۔"

کرسٹی اس طرح مسکرا دی جیسے یہ اس کے لیے کوئی اہم بات نہیں تھی۔ کلے نے جلدی سے موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی "میں مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔"

اس نے دونوں کے ہاتھوں میں کھلونا پستول تھمائے اور بولا "ہم یہ تاثر دینے کی کوشش کریں گے کہ آپ دونوں نے بیک وقت فائر کر کے ایک دوسرے کو قتل کر دیا ہے۔ پستول ڈھیلے ڈھالے انداز میں پکڑے گا کیونکہ جس وقت تصویر لی جائے گی' اس وقت آپ مر چکے ہوں گے۔ آپ دیوار سے ٹیک لگا کر ڈھیلے ڈھالے انداز میں آڑے ترچھے ہو جائیں۔ گردنیں ڈھلکی ہوئی ہونی چاہئیں۔ مسٹر ٹیٹ! میں رنگ آپ کی پیشانی اور آپ کے پیچھے دیوار پر اس طرح لگاؤں گا کہ جیسے گولی آپ کے سر کے پار ہو گئی ہو اور مسز ٹیٹ! آپ کے لباس پر رنگ لگایا جائے گا۔"

"اس کے لباس پر تم جہاں چاہو رنگ لگا دو۔ یہ ذرا بھی نہیں شرمائے گی۔ یہ شرمانے والی عورت نہیں ہے۔" ٹیٹ بولا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس پر خمار غالب آ چکا تھا۔ شاید وہ بیئر سے پہلے بھی کچھ نہ کچھ پیتا رہا تھا۔

"شٹ اَپ۔" کرسٹی نے اسے ڈانٹا۔

کلے نے دونوں کو رنگ کی مدد سے "لاشیں" بنایا۔ کچھ رنگ اس نے سفید چادر پر بھی پھیلایا اور ایک بار پھر پولرائڈ کی مدد سے پہلے آزمائشی تصویریں بنائیں۔ تصویریں واضح ہو چکیں تو وہ انہیں میاں بیوی کو دکھانے پہنچا اور تب گویا سارا کام خراب ہو گیا۔ ٹیٹ نے تصویریں دیکھیں اور غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے انہیں دور پھینک دیا۔

"یہ تو پہلی تصویروں سے بھی بدتر ہیں۔ مضحکہ خیز لگ رہی ہیں۔ ان میں تو حقیقت کی ذرا سی بھی جھلک نہیں ہے۔" وہ چلایا۔

"ٹیٹ! بات تو سنو۔" اس کی بیوی نے گویا اسے سمجھانا چاہا لیکن اس نے اسے موقع نہیں دیا۔

وہ اس پر برس پڑا "میں کچھ نہیں سنوں گا۔ میرے بجائے تم سنو بے وقوف چڑیل! تم نے اپنی اس احمقانہ تجویز پر عمل کرانے کے لیے اپنا اور میرا آدھا دن ضائع کر دیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں تمہیں اس گدھے کا فون نمبر مل گیا جو کچھ عرصے پہلے ہی جیل سے باہر آیا ہے اور تم نے فون کر کے اسے گھر بلا لیا تاکہ یہ ان بے کار تصویروں کے عوض لمبا چوڑا بل تھما کر ہمیں ٹھگ کر جا سکے۔"

کلے کو اپنی ٹانگوں میں خفیف سا ارتعاش محسوس ہوا۔ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا "میں کسی کو ٹھگتا نہیں مسٹر ٹیٹ! کام کرتا ہوں اور معاوضہ لیتا ہوں۔ میں کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔"

ٹیٹ کا چہرہ بدستور غصے سے سرخ رہا۔ وہ حقارت سے بولا "میں دن میں بیسیوں ایسے نوسربازوں سے ملتا ہوں جو تم سے کہیں زیادہ چالاک ہوتے ہیں۔ میں تو ایک میل دور سے انہیں پہچان لیتا ہوں اور ان سے نمٹنا بھی خوب جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم اچھی طرح ہماری کھال اتارنے کا ارادہ لے کر آئے تھے۔ تم نے شاید ہم سے اتنا معاوضہ وصول کرنے کا سوچ رکھا تھا جس سے کوئی موٹر بوٹ یا قیمتی کار خریدی جا سکے۔ تمہاری یہ آرزو پوری نہیں ہو سکے گی۔ اپنا یہ کاٹھ کباڑا اٹھاؤ اور دفع ہو جاؤ۔"

"آپ مجھے ایک موقع اور دیں' اگر اس مرتبہ تصویریں آپ کو پسند نہ آئیں تو میں چلا جاؤں گا اور اگر پسند آ بھی گئیں تب بھی میں صرف میٹریل کی قیمت لے کر بنا دوں گا۔ اپنی محنت کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔" کلے نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

کرسٹی نے بھی شوہر کو سمجھایا کہ ان شرائط پر فوٹوگرافر کو ایک اور موقع دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ آخر ٹیٹ فاتحانہ سی چمک آنکھوں میں لیے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ دونوں میاں بیوی نے پہلے سے بہتر پوز بنانے کی کوشش کی اور آنکھیں بند کر لیں۔ تب کلے ایک کارٹن پر جھکا اور کچھ تلاش کرنے لگا۔

دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا۔ "بخدا' میں نے اب تک صاف ستھری اور شریفانہ زندگی گزارنے کی کوشش جاری رکھی مگر اس شخص نے مجھے مجبور کر دیا' اب یہ گاہک کی اپنی فرمائش ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔"

چند سیکنڈ بعد وہ سیدھا ہوا اور کارٹن سے بڑا سا شکاری خنجر نکالے دبے پاؤں میاں بیوی کی طرف چل دیا جو آنکھیں بند کیے بڑے اطمینان سے کاؤچ پر آڑے ترچھے پڑے تھے!



پُرانا قصہ

نجمہ مودی

ایک لائق سُراغ رساں کے ایک پُرانے کیس کا دلچسپ قصہ۔ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی یادداشتیں مُرتب کر رہا تھا کہ ایک صحافی نے درمیان میں آ کر اُس کی رگِ سُراغ رسی کو چھیڑ کا دیا اور وہ اپنے ہی دو سال پُرانے کیس کی تفتیشِ مزید کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس مجرم کا قصہ جسے اپنے بیوی بچوں کو ہلاک کرنے کے جرم میں سزائے موت سُنائی گئی تھی

پُرتشدد جرائم کے شعبے سے کیپٹن لیوپولڈ کو ریٹائر ہوئے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اس کی بیوی مولی روزانہ اپنے آفس جاتی تھی جب کہ لیوپولڈ گھر ہی رہتا تھا اور چھوٹے موٹے کاموں کے علاوہ اپنے ان کاغذات کو کھنگالتا رہتا تھا جن میں اس کے زمانۂ ملازمت کی کچھ خاص خاص باتیں درج تھیں۔ ایک عرصے سے وہ اپنے تجربات اور یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا اور اس سلسلے میں بعض اوقات اپنی سی کوششیں بھی شروع کر دیتا تھا لیکن دل ہی دل میں اسے بھی معلوم تھا کہ یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی اور اس کا یہ خواب تشنۂ تعبیر ہی رہے گا۔

بہرحال اسے خوب فرصت میسر تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ جب اسے زیک بریو نامی اس شخص کا فون آیا تو اس نے بڑی خوش خلقی اور گرم جوشی سے بات چیت کی۔ زیک نے اپنا تعارف ایک مصنف کے طور پر کرایا اور بتایا کہ وہ خاص طور پر حقیقی جرائم کے واقعات کے بارے میں کتاب تصنیف کرنا چاہتا تھا اور اسی میدان میں اپنا مقام بنانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ بولا "مجھے پتا چلا ہے کہ آپ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔"

"یہ درست ہے مسٹر بریو!" لیوپولڈ نے کہا "بہرحال آپ بتائیے میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"اصل میں میرا کلیمن کیس کے بارے میں کتاب لکھنے کے سلسلے میں ایک پبلشر سے معاہدہ ہوا ہے۔" بریو نے بتایا "میں نے سوچا اس سلسلے میں آپ کو انٹرویو کرنا مناسب رہے گا۔"

لیوپولڈ کا ذہن نو برس پیچھے چلا گیا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا "میں نے ایک عرصے سے اس کے بارے میں

نہیں سوچا حالانکہ مجھے معلوم ہے آج کل پھر اخبارات میں اس کا تذکرہ ہو رہا ہے اور اس پرانے قصے کو زور شور سے دہرایا جا رہا ہے۔"

"جی ہاں۔ اسی لیے تو یہ کیس از سرِ نو اہمیت اختیار کر گیا ہے۔" بریو بولا "میں اس وقت اندرونِ شہر سے بات کر رہا ہوں۔ میں پولیس ہیڈ کوارٹرز بھی گیا تھا اور ترقی پا کر آپ کی جگہ سنبھالنے والے کیپٹن فلپ سے بھی ملا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ آپ کا کیس تھا۔ اسی لیے میں نے محسوس کیا کہ آپ کے انٹرویو کے بغیر تو گویا کتاب مکمل ہی نہیں ہوگی۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو میں آج سہ پہر آپ سے بات چیت کرنے آجاؤں؟"

"ضرور آجائیں۔ ویسے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں آپ کی معلومات میں کیا اضافہ کر سکتا ہوں۔ تمام ضروری معلومات تو آپ کو پولیس ہیڈ کوارٹرز سے مل گئی ہوں گی۔ مجرم کی سزا پر عمل درآمد معطل ہو گیا تھا لیکن اب اُسے سزائے موت دیے جانے کا حتمی فیصلہ ہو گیا ہے تو اخبارات ایک بار پھر اس کیس کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔"

"میں دوپہر کے کھانے کے فوراً بعد..... دو بجے آپ کے ہاں آجاتا ہوں پھر اس موضوع پر اطمینان سے بات کریں گے۔" بریو نے گویا پروگرام طے کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔" لیوپولڈ نے ہامی بھر لی۔

بریو ٹھیک دو بجے آپہنچا۔ وہ ایک دُبلا پتلا مگر سخت جان سا دکھائی دینے والا دراز قد آدمی تھا۔ عمر میں لیوپولڈ سے کم از کم بیس برس چھوٹا مگر قد میں نکلتا ہوا تھا۔ وہ نفیس قسم کا بریف کیس اٹھائے ہوئے تھا۔ بیٹھنے کے بعد بات چیت شروع ہوتے ہی اس نے بریف کیس سے چھوٹا سا ایک ٹیپ ریکارڈر نکال کر تپائی پر رکھتے ہوئے کہا "امید ہے ہماری گفتگو کو ریکارڈ کرنے پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" اس نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔

"ہرگز نہیں۔" لیوپولڈ نے جواب دیا "میری ریٹائرمنٹ کے بعد سے میری بیوی میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں اپنی یادداشتیں ٹیپ ریکارڈر پر ہی محفوظ کر دوں تو وہ انہیں تحریری شکل دینے میں میری مدد کر سکتی ہے مگر میں آج تک یہ کام بھی نہیں کر سکا۔"

بریو مسکراتے ہوئے بولا "اگر آپ نے اس ارادے پر عمل درآمد کا ارادہ کر لیا تب بھی اس انٹرویو سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مجھے سردست صرف کلیمن کیس سے دلچسپی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کوئی نئی شہادت سامنے آئی ہے جس سے اس کیس میں کسی اور کے ملوث ہونے کے بھی قوی امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔"

"مجھے یہ تو معلوم ہے کہ کلیمن کی اپیلیں ہر طرف سے مسترد ہونے اور سزا کے معطل رہنے کی حد بھی ختم ہو چکی ہے اور اب حکام کے لیے سزا پر عمل درآمد کے سوا کوئی چارہ نہیں اسی لیے یہ پرانا قصہ دوبارہ منظرِ عام پر آگیا ہے لیکن کسی نئی شہادت کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ یہ چھوٹے اور شام کے اخباروں کا چھوڑا ہوا شوشا ہے۔"

"آپ کے خیال میں اب سزائے موت پر عمل درآمد ہو جائے گا؟" بریو نے پوچھا۔

لیوپولڈ کندھے اُچکا کر بولا... "کئی سالوں سے اس ریاست میں کسی کو موت کی سزا نہیں ہوئی لیکن کلیمن کی سزائے موت پر تو عمل درآمد کرنا ہی پڑے گا۔ اصل میں بچوں کا قتل ایک بہت ہی بھیانک جرم تھا۔"

بریو تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا "سیاسی فضا بھی تبدیل ہو رہی ہے۔ اب رائے عامہ سنگین جرائم پر سزائے موت دینے کے حق میں ہوتی جا رہی ہے۔"

"واقعی..... حالانکہ کلیمن کیس میں جیوری کے فیصلے کے باوجود سو فیصد لوگ اس سے مطمئن نہیں ہیں اور اس کے بارے میں باتیں ہوتی رہی ہیں لیکن اگر فیصلے پر عمل درآمد ہو گیا تو مجھے امید ہے کہ اس کے خلاف عوام کی طرف سے کوئی خاص ردِ عمل سامنے نہیں آئے گا۔"

مصنف زیک بریو نے ذرا اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا "کیا ہی اچھا ہو اگر آپ میری سہولت کے لیے اس کیس کی تفصیلات دہرا دیں۔ آپ کی زبانی یہ نو سال پرانا قصہ دہرایا جائے گا تو بات مستند ہو جائے گی۔"

○☆○

لیوپولڈ کو نو برس پہلے کے موسمِ سرما کے وہ دن یاد آئے جب اسی طرح ہر دوسرے تیسرے دن برف باری ہو رہی تھی جس طرح آج کل ہو رہی تھی۔ اس روز وہ کچھ کاغذی کارروائیاں نمٹانے کے لیے کچھ جلدی آفس پہنچ گیا تھا جب بم دھماکے کی خبر آئی۔ فلپ ان دنوں لیفٹیننٹ تھا۔ اس نے کال ریسیو کی تھی اور اس کے بعد کیپٹن لیوپولڈ کو بتایا تھا "اورنگ سرکل کے علاقے میں کار بم کا دھماکا ہوا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلنا پسند کریں گے؟"

لیوپولڈ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "فی الحال تو نہیں۔ البتہ اگر تم میری ضرورت محسوس کرو تو مجھے فون کر کے

سنبھالا لینا۔"

تیس منٹ بعد ہی فلپ کا فون آگیا "کیپٹن! بہتر ہوگا کہ آپ آہی جائیں۔ کار بم کا یہ دھماکا ایک گھر میں ہوا ہے۔ ایک عورت اور دو بچے ہلاک ہوگئے ہیں۔"

کار بم کی اطلاع سُن کر زیادہ تر پولیس والوں کے ذہن میں پہلا خیال یہی آتا تھا کہ واقعے کا تعلق کسی نہ کسی انداز میں منظم جرائم پیشہ گروہ سے ضرور ہوگا۔ لیوپولڈ نے بھی پہلا سوال یہی کیا "سینڈیکیٹ سے تعلق کی کوئی نشانی تو نظر نہیں آئی؟"

"ابھی میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" فلپ ہچکچاتے ہوئے بولا "واقعہ ایک مکان کے ڈرائیوے میں پیش آیا ہے۔ خاتون خانہ اور اس کے دو بچے اپنی ہی گاڑی میں ہلاک ہوئے ہیں۔ شوہر سکتے کی سی کیفیت میں ہے۔ میں ابھی تک اس سے پوچھ گچھ نہیں کرسکا۔"

"میں آرہا ہوں۔" لیوپولڈ نے کہا۔

اروِنگ سرکل درحقیقت ایک گلی کا نام تھا جس میں خوش حال متوسط طبقے کے لوگ آباد تھے۔ جائے وقوعہ پر ایک پیٹرول کار، ایک ایمبولینس اور دو فائر ٹرک موجود تھے۔ شاید آس پاس کے تقریباً سبھی مکانوں سے کوئی نہ کوئی اس ہجوم میں شامل تھا جو اس مکان کے سامنے جمع تھا جس میں دھماکا ہوا تھا۔ وہ لوگ نیچی آوازوں میں باتیں کررہے تھے۔

لیوپولڈ نے اسسٹنٹ میڈیکل ایگزامنر اور ان دوسرے تفتیشی افسروں کی طرف دیکھ کر سرہلایا جنہیں وہ جانتا تھا۔ وہ سیدھا فلپ کے پاس جا پہنچا۔ ڈرائیوے میں تین پلاسٹک بیگ رکھے تھے جن میں یقیناً لاشوں یا پھر ان کی باقیات کو محفوظ کیا گیا تھا۔ تباہ شدہ کار کے ڈھانچے سے ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔ فائر بریگیڈ والوں نے شاید کچھ ہی دیر پہلے اس پر پائپوں سے پانی کی بوچھار بند کی تھی۔

تباہ شدہ کار گیرج کے باہر کھڑی تھی۔ اندر ایک منی وین نظر آرہی تھی۔ وہ محفوظ تھی۔ گیرج کا اسٹیل کے فریم کا دروازہ بھی محفوظ نظر آرہا تھا۔ البتہ اس کے ایک بغلی دروازے کا شیشہ ٹوٹا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ مکان کی کھڑکیوں کے شیشے محفوظ تھے۔

"ہلاک ہونے والی خاتون کا نام فرانسس کلیمن ہے۔" فلپ نے بتایا "اس کے ساتھ اس کے دونوں بچے بھی ہلاک ہوگئے ہیں۔ سات سالہ بچی کیری اور نو سالہ بچہ بین۔۔۔ تینوں موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ بم اسکواڈ کے آدمی نے بتایا ہے کہ بم ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے چھپایا گیا تھا اور اس کا کنکشن کار کے اگنیشن سوئچ سے ملا دیا گیا تھا۔ خاتون خانہ نے جونہی کار اسٹارٹ کرنے کے لیے چابی گھمائی بم پھٹ گیا۔"

لیوپولڈ نے گیرج میں جھانکا۔ منی وین کے قریب چھوٹی سی ایک موٹربوٹ بھی موجود تھی۔ اس نے گردن گھمائے بغیر پوچھا "شوہر گھر پر ہی ہے؟"

"جی ہاں۔ اس کا نام ایلن کلیمن ہے۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔"

ایک سراغ رساں نے ان کے لیے مکان کا دروازہ کھولا اور فلپ کی رہنمائی میں لیوپولڈ اندر پہنچا۔ گھر بہت سلیقے سے سجا ہوا تھا اور نسوانی سلیقے کا مظہر تھا۔ اس احساس نے لیوپولڈ کے دل میں افسردگی کی لہر دوڑا دی کہ جس عورت نے نہ

جدید چوہا

مغربی سائنس داں چوہوں میں انسانی جراثیم داخل کرنے کے تجربات کررہے ہیں۔ اگر یہ تجربات کامیاب ہوگئے تو چوہوں کے درمیان گفتگو کچھ اس طرح ہوگی۔

"ہیلو! کیا حال ہے؟ کافی دنوں سے تم نظر نہیں آئے۔ کہاں تھے؟ کسی چوہیا کے چکر میں تو نہیں پڑگئے؟"

"نہیں یار، تمہیں تو پتا ہے، میں ایک شریف چوہا ہوں ۔۔۔ دراصل میں ذرا۔۔۔۔ خیر چھوڑو، پھر کبھی بتاؤں گا، تم سناؤ کیسے ہو؟"

"اپنا آج کل برا حال ہے، پتا نہیں مجھے کیا ہوگیا ہے؟ کل میں زبردستی ایک چوہیا کے بل میں گھس گیا اور چوہیا کو اغوا کرکے لے گیا۔ ٹیلی فون پر نامعلوم چوہیا کو خوب تنگ کیا، آج کل کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتا۔ جی چاہتا ہے ہر بل میں آگ لگادوں۔ فلموں میں کام کروں۔ میرے ایک ہاتھ میں گنڈاسا ہو اور دوسرے ہاتھ میں ٹوکا اور ہر چوہے سے پوچھوں "تھواں آیا ایں سونہیا۔"

طارق سلطان اعوان

جانے کتنے چاؤ سے اس گھر کو سجایا ہوگا' اس کے چیتھڑے اُڑ چکے تھے۔ کچن میں ایک شخص کچن ٹیبل پر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ بڑی عمر کی ایک عورت جو غالباً پڑوسن تھی' اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلیاں دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

لیوپولڈ کو اس صورتِ حال میں کسی سے پوچھ گچھ شروع کرنا بہت مشکل اور ناگوار محسوس ہوتا تھا لیکن اس کے فرائض کے تقاضے کچھ اسی قسم کے تھے اس لیے اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بات چیت کا آغاز کیا "مسٹر کلیمن! مجھے آپ کے دکھ کا اندازہ ہے اور میں اس وقت آپ کو زحمت دینا نہیں چاہتا تھا لیکن اس قسم کے حالات میں یہ بھی بہت ضروری ہوتا ہے کہ جلد از جلد کوئی سراغ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے آپ سے بات کرنا ضروری ہے۔"

کلیمن نے سر اٹھایا۔ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں چمک رہی تھیں اور آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ بیٹھی بیٹھی سی آواز میں بولا "اب میری زندگی میں کیا رہ گیا ہے؟ ایسا ظلم آخر کون....." وہ جملہ مکمل نہ کر سکا۔

"کیا کوئی آپ کی بیوی کا دشمن تھا؟"

"نہیں..... اس سے تو جو بھی ملتا تھا اس کے حسنِ اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔"

تقریباً پچاس کی عمر کی وہ عورت جو کلیمن کو تسلیاں دے رہی تھی' اپنا تعارف کراتے ہوئے بتانے لگی کہ اس کا نام میگی براؤڈ تھا اور وہ ان میاں بیوی کی پڑوسن تھی۔ وہ کلیمن کے بیان کی تائید میں بولی "فرانسس واقعی ایک بے مثال عورت تھی اور اس کے دونوں معصوم بچے....." میگی کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

لیوپولڈ جلدی سے بولا "آپ نے گذشتہ رات گلی میں کسی مشکوک آدمی کو منڈلاتے تو نہیں دیکھا مسز براؤڈ؟"

وہ ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد بولی "نہیں..... دراصل ہم میاں بیوی ویسے بھی گیارہ بجے سے پہلے ہی سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ میرے شوہر کو کام پر جانے کے لیے صبح سات بجے گھر سے نکلنا تھا۔"

چونکہ لیوپولڈ نے گیرج میں ایک اور گاڑی بھی دیکھی تھی اس لیے اس نے کلیمن سے پوچھا "کیا وہی گاڑی مسز کلیمن کے استعمال میں رہتی تھی جو دھماکے میں تباہ ہوئی ہے؟"

کلیمن نے نفی میں سر ہلایا "وہ گاڑی میری بیوی کبھی کبھار لے جاتی تھی۔ وہ میری تھی۔ آج چونکہ وہ گیرج کے سامنے کھڑی تھی اس لیے میری بیوی اپنی گاڑی گیرج سے نہیں نکال سکتی تھی اور اسے بچوں کو اسکول پہنچانا تھا۔ وہ آج ذرا دیر سے اٹھے تھے اس لیے ان کی بس نکل گئی تھی۔ پیر کے دن عموماً یہی ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہی اس سے کہا تھا کہ وہ میری گاڑی لے جائے..... میرے خدا.....! درحقیقت میں ہی ان کی موت کا ذمّے دار ہوں۔ کاش میں نے اسے اپنی گاڑی لے جانے کے لیے نہ کہا ہوتا.....!" وہ سسکی سی لے کر رہ گیا۔

"ان کی موت کا ذمّے دار تو وہ ہے جس نے گاڑی میں بم رکھا۔" لیوپولڈ بولا۔

"ہم اسے جلد تلاش کر لیں گے۔ وہ بم آپ کے لیے رکھا گیا تھا۔ کیا آپ کے خیال میں آپ کا کوئی کاروباری حریف..... یا کوئی اور شخص ایسا ہو سکتا ہے جو آپ کی موت کا خواہاں ہو؟"

غم زدہ شوہر نے نفی میں سر ہلایا "میرا ایسا کوئی حریف یا دشمن نہیں ہے جو اس حد تک جا سکے۔" اسے اب بھی بولنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔

"آپ کی بیوی کی کار گیرج میں ہے۔ کیا آپ اپنی کار ہمیشہ ہی باہر کھڑی کرتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر میرے آنے پر وہ گھر پر موجود نہیں ہوتی تھی اور گاڑی لے کر کہیں گئی ہوئی تھی تو میں اپنی گاڑی گیرج میں کھڑی کر دیتا تھا۔ ویسے زیادہ تر میری ہی گاڑی باہر ڈرائیوے میں رہتی تھی۔"

"ویسے تو گیرج میں دو گاڑیوں کی گنجائش ہے۔" لیوپولڈ بولا۔

"سردیوں میں ہماری موٹر بوٹ بھی گیرج میں رکھی رہتی ہے۔"

"کبھی ایسا تو نہیں ہوا کہ باہر کھڑی کار کو گلیوں میں پھرنے والے آوارہ گردوں یا چور اچکوں نے کوئی نقصان پہنچایا ہو؟"

"کبھی نہیں۔" اب کلیمن نے ذرا سنبھل کر جواب دیا۔ "یہ بڑے شریف' پُرامن اور قانون پسند لوگوں کا علاقہ ہے۔ یہاں کے بچے بھی مہذب اور تمیز دار ہیں۔"

"خیر..... ویسے بھی یہ کام بچوں کا تو ہو ہی نہیں سکتا۔" لیوپولڈ نے کہا پھر پوچھا "آپ کیا کام کرتے ہیں مسٹر کلیمن؟"

"میری کچھ جائیداد ہے۔ وہی میرا ذریعۂ آمدن ہے۔ ایک سینما ہے۔ کتابوں کی دو دکانیں ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ

جائیداد کرائے پر چڑھی ہوئی ہے۔"

"آپ کا کوئی ایسا ملازم جس کے بارے میں آپ کا خیال ہو کہ اس کے دل میں آپ کے لیے عناد ہو سکتا ہے؟"

"نہیں۔" کلیمن نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔

"آپ اپنے سینما اور کتابوں کی دکانوں وغیرہ کے پتے لیفٹیننٹ... کو لکھوا دیں۔ اگر بعد میں بھی آپ کو کسی ایسے آدمی کا نام یاد آجائے جو آپ کے خیال میں آپ سے عناد رکھتا ہو تو ہمیں ضرور بتایئے گا۔" لیوپولڈ نے سردست اتنی ہی پوچھ گچھ کو کافی سمجھا۔

○☆○

فلپ اسی روز شام سے کچھ پہلے لیوپولڈ کے آفس میں داخل ہوا اور بیٹھتے ہوئے بولا "کلیمن نے ہمیں جو پتے دیے تھے، میں ان پر گیا تھا کیپٹن!"

"تو پھر...؟" لیوپولڈ نے دریافت کیا۔ اسے فلپ کے لہجے میں قدرے تناؤ کا احساس ہوا تھا۔

"اس کے سینما کا نام "ٹارڈ ٹاؤن" ہے جو عریاں فلموں کی نمائش کے لیے مشہور ہے۔ شہریوں کے دباؤ پر انتظامیہ اسے بند کرنے کے لیے کوشاں رہی ہے مگر قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے اسے کامیابی نہیں ہو سکی۔ یہی حال کلیمن کی کتابوں کی دکانوں کا ہے۔ ان پر بھی جنسیات کے موضوع پر کتابیں اور وڈیوز ملتی ہیں۔"

"اس سینما کا نام تو اکثر اخبارات میں آتا رہا ہے لیکن اس کے ساتھ تو راکسن نامی کسی شخص کا ذکر آتا تھا۔" لیوپولڈ بولا۔

"قانونی کارروائیوں کے سلسلے میں راکسن ہی پیش ہوتا رہا ہے۔ اس نے سینما کرائے پر لیا ہوا ہے۔ سینما کا مالک کلیمن ہی ہے۔" فلپ نے بتایا۔

"تو پھر عریاں فلمیں چلانے کی ذمے داری بھی راکسن پر ہی عائد ہوتی ہے کیونکہ سینما کو جو کرائے پر لیتا ہے، فلموں کا انتخاب بھی اسی کا ہوتا ہے لیکن اس طرح کے معاملات میں بہرحال مالک کو مکمل طور پر بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کاربم کے دھماکے اور عریاں فلموں کے معاملے کو سامنے رکھتے ہوئے تو سینڈیکیٹ کا کچھ نہ کچھ تعلق نظر آتا ہے۔ تم اپنی تفتیش جاری رکھو۔ میں اس دوران میں سینما کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔"

ٹارڈ ٹاؤن سینما شہر کے پرانے علاقے میں واقع تھا اور کسی زمانے میں وہاں صرف صاف ستھری فلمیں لگتی تھیں۔ علاقے کے شرفا وہاں فلم دیکھنے آتے تھے۔ اس وقت اس کا نام بھی ٹارڈ ٹاؤن کے بجائے اوڈیم ہوا کرتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں بیشتر سینما مسمار ہو گئے لیکن یہ سینما نام اور طور طریقے بدل کر بچا رہا۔ اب اس کی پیشانی پر فلم کے نام کا بورڈ وغیرہ لگانے کی بھی زحمت نہیں کی جاتی تھی۔

بھوری داڑھی والا ایک دبلا پتلا سا شخص باکس آفس میں بیٹھا ٹکٹ دے رہا تھا۔ وقفے وقفے سے اکا دکا تماشائی آرہے تھے۔ لیوپولڈ کچھ دیر تک دور دور سے ہی جائزہ لینے کے بعد کھڑکی پر پہنچا۔

"کیا مسٹر راکسن موجود ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"وہ اس وقت مصروف ہیں۔" بھوری داڑھی والے نے سر اٹھانے کی زحمت کیے بغیر جواب دیا۔

لیوپولڈ نے اپنا بیج اور کارڈ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا "معاملہ پولیس کا ہے؟"

تب اس شخص نے کاہلی آمیز انداز میں سر اٹھا کر اداس سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بیزاری سے پوچھا "کیا ایک بار پھر ہمیں ہراساں کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہے؟"

"تم راکسن ہو؟" لیوپولڈ نے فوراً پوچھا۔

"ہاں۔"

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"سینما کے بارے میں؟"

"نہیں۔ تمہارے قتل کی ایک واردات کے بارے میں۔"

تب وہ صحیح معنوں میں چونکا اور بولا "شو شروع ہو چکا ہے۔ میں کھڑکی بند کر دیتا ہوں۔ آفس میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

لیوپولڈ اس کی رہنمائی میں کھانے پینے کی چیزوں کے اسٹال کے پیچھے واقع ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا جس کی دیواروں پر فلمی پوسٹر اور میز وغیرہ پر دفتری سامان بے ترتیبی سے بکھرا دکھائی دے رہا تھا۔ راکسن پرانی اور میلی سی ایک ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولا "کون مر گیا ہے؟"

"فرانسس کلیمن اور اس کے دو بچے۔" لیوپولڈ نے جواب دیا۔

"اوہ... میرے خدا...!" اس نے جلدی سے میز پر ہاتھ مار کر سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی۔

"کس نے قتل کیا انہیں؟"

"ابھی ہم یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے شوہر کی کار میں بم رکھا گیا تھا اور ہمارا خیال ہے کہ اصل

ہدف وہی تھا۔"

"اور تم اس لیے یہاں آگئے کہ وہ اس جگہ کا مالک ہے؟"

"ہاں۔ کاروں میں بم نصب کرنے کے لیے معلومات اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس قسم کے کام کرنے والے پیشہ ور قاتل ہوتے ہیں جو عام طور پر سینڈیکیٹ کے آلۂ کار ہوتے ہیں۔ کیا اس سینما یا کلیمن کی دوسری املاک کا سینڈیکیٹ سے کوئی تعلق بنتا ہے؟" لیوپولڈ نے تحمل اور نرمی سے پوچھا۔

راکسن نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ساری جائداد کلیمن نے اپنے ہی پیسے سے بنائی ہے؟ کبھی نیویارک یا شکاگو سے پُراسرار قسم کے لوگ تو اس سے ملنے نہیں آتے رہے جو اس کے پارٹنر ہونے کے دعوے دار ہوں؟"

"میں تو پچھلے کافی عرصے سے عدالتوں وغیرہ میں حاضریاں دینے میں الجھا رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم اس دوران میں کلیمن کی کیا مصروفیات رہی ہیں۔ اس سے پہلے بھی میں اس کے معمولات سے کچھ زیادہ واقف نہیں رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے اس کا کوئی پارٹنر بھی ہو لیکن مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ میرا اور اس کا تعلق صرف اتنا ہے کہ میں نے اس سے سینما کرائے پر لیا ہوا ہے۔"

"فلموں کے انتخاب اور انہیں کرائے پر لینے میں کلیمن کا کوئی عمل دخل ہے؟"

"نہیں۔ البتہ کبھی کبھی مجھے فلمیں فراہم کرنے کا کوئی خواہش مند کہتا ہے کہ میرا نام اور پتا اسے کلیمن نے دیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے اس قسم کی چیزوں کا بزنس کرنے والوں سے اس کا کچھ نہ کچھ رابطہ ہے اور ان میں سے کسی کے پاس اسے قتل کرنے کا کوئی جواز بھی ہوسکتا ہے؟"

"دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔" راکسن سپاٹ لہجے میں بولا پھر اس نے گھڑی دیکھی "مجھے اب جانا ہے۔ اگر تمہارے سوالات ختم ہوگئے ہوں تو میں اجازت چاہوں گا۔"

"فی الحال ختم ہی سمجھو۔" لیوپولڈ بولا۔

○☆○

شام پانچ بجے کے قریب فلپ دوبارہ لیوپولڈ کے آفس میں داخل ہوا اور بولا "کلیمن کا سینڈیکیٹ سے رابطہ رہا ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔"

"تو پھر شاید اسے معلوم ہو کہ کون اسے قتل کرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ تمہیں کیا پتا چلا ہے؟" لیوپولڈ نے دریافت کیا۔

"ایف بی آئی کے مین ہٹن آفس نے پچھلے سال ہمیں اطلاع دی تھی کہ یہ شخص سینڈیکیٹ کے وہاں کے ایک باس کو باقاعدگی سے فون کرتا رہا ہے جو شمال مشرقی علاقے میں فحش فلمیں چلانے والے سینما گھروں اور اس قسم کے کلبوں کو کنٹرول کرتا رہا ہے۔ ایف بی آئی والے اس باس کا فون ٹیپ کرتے تھے۔ اس کا نام بلی گوسیٹی ہے اور وہ بلی گوٹ کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ ان کی فون پر گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ بلی گوٹ ایک طرح سے اس کا خاموش اور پسِ پردہ حصے دار تھا۔"

لیوپولڈ ٹھنڈی سانس لے کر بولا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر کلیمن سے دوبارہ ملاقات کرنی پڑے گی۔"

"مسز میگی پراوڈ بھی یہاں آئی ہوئی ہیں۔ وہ اس سلسلے میں کوئی بیان دینے آئی ہیں۔ آپ ان سے ملنا چاہیں تو مل لیں۔ یہ کلیمن کی وہی پڑوسن ہیں جنہیں آپ نے اس کے گھر میں دیکھا تھا۔"

"ان سے تو میں ضرور ملوں گا۔" لیوپولڈ نے کہا۔

وہ انٹرویو روم میں پہنچے تو مسز میگی پراوڈ کے پاس سارجنٹ کونی موجود تھی۔ اپنی پچاس کی عمر کے باوجود مسز پراوڈ اس وقت ایک دلکش خاتون دکھائی دے رہی تھیں۔ لیوپولڈ سے بات چیت کے آغاز پر وہ چند لمحے متذبذب انداز میں ہونٹ چبانے کے بعد بولیں "میں خواہ مخواہ کسی کے لیے مسائل کھڑے کرنا نہیں چاہتی لیکن فرانسس اور اس کے دو معصوم بچوں کی موت ایسا سانحہ ہے کہ اگر اس سلسلے میں مجھے کوئی معمولی سی بات بھی معلوم ہے تو میں اس کے بارے میں زبان بند نہیں رکھ سکتی۔"

"یہ ایک گھناؤنا جرم تھا مسز پراوڈ!" لیوپولڈ بولا "اس ضمن میں زبان بند رکھنا بھی ایک جرم ہوگا۔"

"بات معمولی سی ہے... لیکن شاید آپ کے لیے اس کی کوئی اہمیت ہو..." مسز پراوڈ بولیں "گزشتہ رات مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ رات کو ایک بجے کے قریب میں ایک گولی کھانے باتھ روم میں گئی تو باتھ روم کی چھوٹی سی اونچی کھڑکی سے میں نے کلیمن کو دیکھا۔ عین اس وقت وہ اس کار کا ڈرائیور کی سائڈ والا دروازہ بند کررہا تھا جو دھماکے میں تباہ ہوئی ہے۔"

لیوپولڈ چونکتے ہوئے بولا "آپ کو یقین ہے کہ آپ نے

جس شخص کو دیکھا' وہ کلیمن ہی تھا؟"

"جی ہاں۔ ان کے ڈرائیوے میں ایک لائٹ آن رہتی ہے اس لیے میں نے واضح طور پر کلیمن کو پہچانا تھا لیکن اس وقت میں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ کلیمن کوئی چیز کار میں بھول گیا ہوگا اور وہ لینے آیا ہوگا۔"

"آدھی رات کو۔۔۔؟"

"وہ لوگ رات کو دیر سے سونے کے عادی تھے۔ ایک بجے کا وقت ان کے لیے کچھ زیادہ نہیں تھا۔"

"جب وہ کار کے پاس سے ہٹا تو کیا اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی؟"

"کوئی چیز میری نظر میں تو نہیں آئی۔"

"مسز براؤڈ! کیا آپ کے خیال میں کلیمن اپنی بیوی اور بچوں کی موت کا ذمے دار ہو سکتا ہے؟"

"میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتی۔" مسز براؤڈ نے جواب دیا "میں نے تو جو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا' وہ بتا دیا۔"

"اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ سارجنٹ کوئی آپ کا بیان ٹائپ کر کے اس پر آپ کے دستخط لے لے گی۔"

دوسرے روز فلپ اور لیوپولڈ ایک بار پھر کلیمن سے ملنے اس کے گھر پہنچے۔ اس وقت تک فلپ اس بینک اور انشورنس کمپنی سے بھی کچھ معلومات حاصل کر چکا تھا جن سے کلیمن کا تعلق تھا۔ دروازہ کلیمن نے خود کھولا۔ وہ زرد اور مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔

"کیا آج آپ کی مجھ سے ملاقات ضروری ہے کیپٹن؟" وہ التجائیہ سے لہجے میں بولا "ایک گھنٹے بعد مجھے تکفین و تدفین کرنے والوں کے ہاں پہنچنا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ ہم اس ملاقات کو مؤخر نہیں کر سکتے مسٹر کلیمن!" لیوپولڈ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "تحقیقات ایک نازک موڑ پر آن پہنچی ہیں۔"

کلیمن گویا بادلِ ناخواستہ انہیں اندر لایا۔ لیوپولڈ بیٹھنے کے بعد بولا "مسٹر کلیمن! بلی کوئیٹی عرف بلی گوٹ نامی ایک شخص کے ساتھ آپ کا کچھ لین دین' کوئی واسطہ رہا ہے؟"

"میں۔" کلیمن یک دم کچھ گڑبڑا گیا۔ اس کی گویا کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا بولے۔

"شمال مشرقی علاقے میں وہ فحاشی کے کاروبار کو کنٹرول کرتا ہے۔ آپ کا چھوٹا سا کاروبار بھی شاید اس کی قلمرو میں شامل ہے۔"

"میری اس شخص سے بہت معمولی سی شناسائی ہے۔" کلیمن کچھ سنبھلتے ہوئے پُرزور لہجے میں بولا۔

"دو ہفتے پہلے آپ نے اپنے بینک سے تین لاکھ ڈالرز قرضہ مانگا تھا۔ بینک نے یہ قرضہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ یہ قرضہ آپ کس مقصد کے لیے لینا چاہتے تھے؟"

"کاروباری مقاصد کے لیے۔" کلیمن نے جواب دیا "میں اپنے سینما کو کچھ توسیع دینا چاہتا تھا اور اس کی حالت بہتر بنانا چاہتا تھا۔ دوسری طرف یہ ارادہ بھی کر رہا تھا کہ اس سینما کو بیچ کر شہر کے نواح میں کوئی بڑا اور صاف ستھرا سینما خریدوں جس میں دو تین اسکرینیں ہوں اور اس کی شہرت خراب نہ ہو۔ اس میں صاف ستھری فلمیں لگتی ہوں۔ فرانسس بہت دنوں سے مجھ سے کہہ رہی تھی کہ مجھے بُری شہرت رکھنے والے سینما سے جان چھڑا لینی چاہیے۔ میں اس کی تجویز سے متفق تھا لیکن بینک نے مجھے اس پر عمل درآمد کا موقع نہیں دیا۔"

"بینک والوں کو آپ نے بتایا کہ آپ کو قرضہ کچھ اور قرضے اتارنے کے لیے چاہیے تھا۔" فلپ بولا۔

"ہاں۔۔۔ کچھ رقم اس مقصد کے لیے بھی استعمال ہونی تھی۔" کلیمن بولا۔

"کیا وہ قرضے بلی گوٹ کے تھے؟" لیوپولڈ نے سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔ ان میں سے کچھ رقم بلی کی بھی تھی۔" کلیمن نے گویا بادلِ ناخواستہ جواب دیا۔

"مسٹر کلیمن! آپ نے اپنی بیوی بچوں کا بیمہ کتنی رقم میں کرایا ہوا تھا؟"

"بیمہ۔۔۔؟" کلیمن چونکا "مجھے صحیح طور پر یاد نہیں۔۔۔ درمیانی سی رقم کا ہوگا۔ نہ بہت زیادہ' نہ بہت کم۔"

"ایک لاکھ ڈالر فی کس۔" فلپ نے بتایا "یعنی تینوں کی موت کی صورت میں تین لاکھ ڈالر ملنے تھے۔ یہ بالکل اتنی ہی رقم ہے جتنی آپ نے بینک سے لینے کی کوشش کی تھی۔"

اچانک غصے سے کلیمن کا چہرہ بگڑ کر رہ گیا "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ یہی کہ میں نے انشورنس کی رقم کے لیے اپنی بیوی اور بچوں کو قتل کر دیا؟"

"ہم صرف مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔" لیوپولڈ پُرسکون لہجے میں بولا۔

"مجھے تو تم دونوں کچھ پاگل لگتے ہو۔" کلیمن غصے سے بولا۔

"مسٹر کلیمن! ہمیں ایک شہادت ملی ہے کہ گذشتہ رات

... یا یوں کہو کہ آج صبح ایک بجے کے قریب تم اپنی کار کے پاس موجود تھے..." لیوپولڈ کے لہجے میں اب ذرا سی تبدیلی آئی تھی "تم یہ بھی کہہ چکے ہو کہ تم نے ہی اپنی بیوی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ تمہاری کار لے جائے۔"

کلیمن کا غصے کا ابال یک لخت ختم ہو گیا اور وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "میں اب مزید بات چیت اپنے وکیل کی موجودگی میں کروں گا۔"

فلپ اپنی جیب سے ایک تہ شدہ کاغذ نکالتے ہوئے بولا "ہمارے پاس تمہارے مکان اور گیرج کی تلاشی کا وارنٹ موجود ہے۔"

"میں پہلے اپنے وکیل کو بلانا چاہتا ہوں۔" کلیمن نے اصرار کیا۔

○☆○

فرانسس کلیمن اور اس کے دو بچے جس بم سے ہلاک ہوئے تھے' ماہرین کے خیال میں وہ ڈائنا مائٹ کی کئی چھڑیوں پر مشتمل تھا۔ گیرج کی تلاشی لینے پر فلپ کو ایک پرانے ٹائر میں چھپائی گئی' ڈائنا مائٹ کی دو چھڑیاں اور ویسے ہی تار کے کچھ ٹکڑے ملے جو کار بم کا کنکشن جوڑنے میں استعمال کیا گیا تھا۔ کلیمن کا کہنا تھا کہ اسے کچھ علم نہیں تھا وہ چیزیں اس کے گیرج میں کب اور کیسے پہنچیں۔

دو دن بعد کلیمن کی بیوی اور بچوں کی تدفین عمل میں آئی اور اس کے فوراً بعد اس پر باضابطہ طور پر ان تینوں کے قتل کا الزام عائد کر دیا گیا۔ کلیمن کو گرفتار کیا جا چکا تھا اور ڈسٹرکٹ اٹارنی نے آئندہ ہفتے اس کا کیس گرینڈ جیوری کے سامنے پیش کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اسی سلسلے میں بلی گوٹ سے پوچھ گچھ کے لیے لیوپولڈ کو نیویارک بھی روانہ ہونا پڑا۔

شمال مشرقی علاقے میں فحاشی کے کاروبار کا بادشاہ لیوپولڈ کو نہ تو کسی ایسے کلب میں بیٹھا ہوا ملا جہاں عریاں رقص پیش کیے جاتے تھے اور نہ ہی وہ جسم فروشی کے کسی اڈے پر بیٹھا تھا۔ لیوپولڈ کو وہ ایک گودام میں بیٹھا ہوا ملا جہاں ویڈیو کیسٹوں کا کارٹن فورک لفٹ کے ذریعے اٹھا اٹھا کر ادھر اُدھر رکھے جا رہے تھے اور وہ خود ایک کونے میں میز پر بیٹھا بلوں وغیرہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ لیوپولڈ نے قریب پہنچ کر اپنا تعارف کرایا تو وہ سر اٹھا کر اس کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے بولا "اچھا... تو تم وہی شخص ہو جس نے مجھے فون کیا تھا۔"

وہ چھریرے جسم کا تقریباً گنجا سا آدمی تھا۔ عمر پچاس سے اوپر معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ماتھے پر شکنیں برقرار تھیں۔ ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا "میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں کیپٹن؟"

"ہم فرانسس کلیمن اور اس کے دو بچوں کے قتل کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ میں نے تمہیں فون پر بتایا تھا کہ ہم نے اس کے شوہر کو گرفتار کر لیا ہے۔" لیوپولڈ بولا۔

"تم ایان کلیمن کی بات کر رہے ہو۔ میرا اس سے تھوڑا بہت کاروباری لین دین رہا ہے۔" بلی نے بلا ہچکچاہٹ کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

بلی کا دفتر خاصا کشادہ تھا لیکن صاف ستھرا نہیں تھا۔ لیوپولڈ کو بیٹھنے کے لیے ایک کرسی سے بہت سے اخبارات ہٹانے پڑے۔ بیٹھتے ہی وہ بولا "میں اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ ہمیں پتا چلا ہے کہ کلیمن تمہاری بہت بڑی رقم کا مقروض تھا۔ کیا یہ درست ہے؟"

بلی ایک سگار سلگا کر کندھے اچکاتے ہوئے اطمینان سے بولا "میں نہیں کہہ سکتا کہ بڑی رقم سے تمہاری کیا مراد ہے۔ بہرحال کلیمن کا کاروبار اچھا نہیں چل رہا تھا۔ تمہارا شہر خاص قدامت پسند معلوم ہوتا ہے کیپٹن!"

"ہمیں اِدھر اُدھر کی فضول باتوں میں نہیں الجھنا چاہیے۔" کیپٹن اب ذرا تیکھے لہجے میں بولا "سیدھے انداز میں بتا دو وہ تمہاری کتنی رقم کا مقروض تھا؟"

"سچی بات یہ ہے کہ مجھے زبانی صحیح طور پر معلوم نہیں۔ اس کے لیے مجھے حساب کتاب دیکھنا پڑے گا۔"

"فی الحال صرف اندازہ ظاہر کر دو۔"

"ایک لاکھ ڈالر کی رقم تو ہو گی... اور یہ خاصی بڑی رقم ہے۔" بلی بولا۔

"کیا قرض کی رقم تین لاکھ ڈالر بھی ہو سکتی ہے؟"

"میرا خیال ہے اتنی زیادہ نہیں ہو سکتی۔" وہ قدرے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر بولا "میں نے رقم اسے سینما اور کتابوں کی دکانوں کے لیے کام بڑھانے کے لیے دی تھی۔ آج کل ہر کام پر بہت خرچ اٹھتا ہے۔"

"کیا اسے فلمیں بھی تم فراہم کرتے تھے؟"

"راکسن نامی ایک شخص نے سینما کرائے پر لیا ہوا ہے۔ میرا آدمی اسے فلمیں فراہم کرتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم راکسن اور کلیمن کا آپس میں اصل معاملہ کیا ہے۔ بہرحال کلیمن کی کاروباری حالت اچھی نہیں تھی۔ ممکن ہے راکسن اس کا مال کھا رہا ہو یا اس کا کاروبار چلانے والے دوسرے لوگ اسے نقصان پہنچا رہے ہوں۔ میں تو صرف

اس بات سے غرض رکھتا ہوں کہ میرے واجبات مجھے ملتے رہیں۔ وہ مجھے مل رہے تھے۔"

"اگر تمہیں وقت پر واجبات نہ ملیں تو تم ان کے لیے کسی کو قتل بھی کرا سکتے ہو؟"

"میرے بارے میں تمہارے خیالات بہت خراب معلوم ہوتے ہیں دوست!" بلی نے افسوس سے کہا پھر یک دم ہی اٹھ کھڑا ہوا "اب میں اجازت چاہوں گا۔ مجھے کچھ کام نمٹانے ہیں۔"

اس نے گویا مزید گفتگو سے انکار کردیا۔ لیوپولڈ کو اٹھنا پڑا۔ ٹرین میں واپس جاتے جاتے وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے کہیں بلی سے ملاقات کے لیے آکر وقت ضائع تو نہیں کیا تھا؟

○☆○

کلیمن کے بارے میں ذرائع ابلاغ مہینوں تک خیال آرائی کرتے رہے۔ اس پر باقاعدہ فردِ جرم عائد کردی گئی تھی اور مقدمہ چلنے لگا تھا۔ اس کے خلاف تین بڑے مضبوط شواہد موجود تھے۔ ایک تو اس کے پاس قتل کے لیے جواز یا مقصد موجود تھا یعنی اسے بلی کا قرض ادا کرنے کے لیے رقم کی اشد ضرورت تھی۔ اسے اپنے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ میسر تھا جس کا ثبوت یہ تھا کہ مقفل گیرج میں سے ڈائنامائٹ کی دو بچی ہوئی چھڑیاں برآمد ہوئی تھیں۔ تیسرے اسے اپنے منصوبے پر عملدرآمد کا موقع بھی میسر تھا جس کی شہادت مسز براؤڈ کے حلفیہ بیان سے ملتی تھی کہ انہوں نے رات کو ایک بجے کلیمن کو کار کے قریب دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ عموماً پیر کو بچے اسکول کے لیے لیٹ اٹھتے تھے، بس نکل جاتی تھی اور وہ بیوی کو اپنی کار لے جانے کا مشورہ دے سکتا تھا۔

ایک باپ کے ہاتھوں اپنے ہی بچوں کے قتل کا جرم تقریباً ثابت ہوتے دیکھ کر رائے عامہ کلیمن کے خلاف ہوگئی تھی چنانچہ جب ڈسٹرکٹ اٹارنی نے کلیمن کے لیے موت کی سزا کی سفارش کی تو اس کی کوئی خاص مخالفت نہیں ہوئی۔

وکیل صفائی نے خاصا شور مچایا کہ اس کیس کی آڑ میں اس کے مؤکل کے لیے غیر ہمدردانہ رویہ روا رکھا جارہا ہے اور صرف اس لیے سزائے موت کا بہانہ تلاش کیا جارہا ہے کہ اس کا فحاشی کے کاروبار سے تھوڑا بہت تعلق تھا۔ عوام کے ذہنوں میں اس کے خلاف نفرت پیدا کردی گئی تھی۔ کسی حد تک یہ حقیقت بھی تھی۔

کلیمن کو جرح کے لیے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا تو اس نے اس جرم کی صداقت سے انکار کیا۔ اس نے یہی کہا کہ ڈائنامائٹ کی چھڑیاں یا نلکیاں اس کی نہیں تھیں۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اور تاروں کے ٹکڑے پرانے ٹائر میں اور مقفل گیرج میں کیسے پہنچے۔ اس کی پڑوسن نے رات کو ایک بجے اسے اس لیے دیکھا تھا کہ اسے نیند نہیں آرہی تھی اور وہ اپنا سگریٹ کا پیکٹ گاڑی سے نکالنے آیا تھا کیونکہ گھر میں اس کے پاس جو پیکٹ تھا وہ ختم ہوچکا تھا۔ اس کے علاوہ یہ محض اتفاق تھا کہ اس نے جتنی رقم بینک سے قرض مانگی تھی اتنی ہی رقم اس کی بیوی اور بچوں کی انشورنس کی بنتی تھی۔ بلی کا اس کے ذمے اتنا قرض نہیں تھا لیکن بینک سے اس نے اس لیے زیادہ رقم مانگی تھی کہ وہ اپنے کاروبار کو توسیع بھی دینا چاہتا تھا۔

اس نے خیال ظاہر کیا کہ مینڈیکیٹ کے باس نے شاید اس کے قتل کے احکامات جاری کیے تھے کیونکہ وہ قرض ادا نہیں کرپا رہا تھا لیکن حادثاتی طور پر اس کی جگہ اس کی بیوی اور بچے نشانہ بن گئے تھے۔ جیوری نے تین دن صلاح مشورے جاری رکھے لیکن آخر کار اس نے کلیمن کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ یہ تو برس پہلے کی بات تھی.....

○☆○

لیوپولڈ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ تقریباً دو گھنٹے بات کرتا رہا تھا۔ اس نے تفصیل سے یہ سارا قصہ دہرایا تھا اور وہ تقریباً دو گھنٹے میں اختتام کو پہنچا تھا۔ اس دوران میں زیک بریو بالکل خاموش بیٹھا رہا تھا۔ لیوپولڈ کے خاموش ہونے پر وہ گویا کسی اور دنیا سے واپس آتے ہوئے بولا "یہ تو خاصی دلچسپ کہانی ہے کیپٹن!"

"مجھے یہ اعتراف کرنا ضرور پڑے گا کہ اس معمّے کو حل کرنے میں پولیس کا کوئی کمال نہیں تھا۔" لیوپولڈ بولا "اگر کلیمن کی وہ پڑوسن سامنے نہ آتی اور اپنے پرانے تعلقات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شہادت نہ دیتی تو ہمارے لیے کسی حتمی نتیجے پر پہنچنا اور کچھ ثابت کرنا تقریباً ناممکن ہوتا۔"

"گیرج میں سے ڈائنامائٹ کا کچھ حصہ تو برآمد ہوا تھا۔" بریو نے یاد دلایا۔

"اگر مسز براؤڈ کی شہادت نہ ملی ہوتی تو ہمیں گیرج کی تلاشی لینے کا خیال ہی نہ آتا۔" لیوپولڈ بولا "مجھے اب بھی یقین سا نہیں آتا کہ اس نے صرف انشورنس کی رقم حاصل کرنے کے لیے اپنی بیوی اور بچوں کو قتل کیا تھا۔"

بریو چھوٹے سے ایک نوٹ پیڈ پر ناموں کے صحیح ہجے پوچھ کر لکھتا رہا تھا۔ اس نے وہ پیڈ اور ٹیپ ریکارڈر بریف کیس میں رکھا اور اخبارات کے چند باتصویر تراشے نکال کر

لیوپولڈ کی طرف بڑھائے۔ لیوپولڈ نے انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ اس وقت کے اخباری تراشے تھے جب یہ واقعہ رونما ہوا تھا۔ انہیں دیکھ کر لیوپولڈ کے ذہن میں یادیں کچھ اور واضح ہوگئی۔ ایک تصویر میں جلی ہوئی کار اور دوسری میں گیرج کے بغلی دروازے کا چھوٹا سا شیشہ ٹوٹا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"ان خبروں وغیرہ میں زیادہ مبالغہ یا کوئی غلط بات تو نہیں تھی کیپٹن؟" بریو نے دریافت کیا۔

"یہ تقریباً اتنی ہی صحیح رپورٹنگ ہے جتنی عام طور پر اخباروں کی ہوتی ہے۔" لیوپولڈ نے سرسری نظر سے جائزہ لینے کے بعد تراشے واپس کرتے ہوئے کہا۔

بریف کیس کے ساتھ بریو کا موبائل فون بھی میز پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "میں آپ کو اس کا فون نمبر دے دیتا ہوں۔ میں کل تک اسی شہر میں رہوں گا۔ اس دوران میں اگر آپ کو کوئی اہم بات یاد آجائے تو آپ مجھے اس نمبر پر فون کرسکتے ہیں۔" اس نے ایک کاغذ پر نمبر لکھ کر لیوپولڈ کی طرف بڑھادیا۔

"یہ موبائل یا سیلولر فون بھی اچھی ایجاد ہے۔" لیوپولڈ نے نمبر لیتے ہوئے کہا "میری بیوی نے بھی مجھے پچھلے کرسمس پر موبائل فون کا تحفہ دیا تھا۔"

بریو نے بریف کیس بند کرتے ہوئے بولا "آپ کا بہت شکریہ کیپٹن! آپ نے مجھے اتنا وقت دیا۔"

"آج کل میرے پاس وقت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔" لیوپولڈ خوش دلی سے بولا۔

○☆○

لیوپولڈ کو شام کے باقی وقت میں فرصت تھی اس لیے وہ پولیس ہیڈ کوارٹرز چلا گیا گو کہ وہ شاذونادر ہی وہاں جاتا تھا۔ کوئی اسے دیکھ کر بولا "میں تو سمجھتی تھی تم ادھر کا راستہ ہی بھول گئے کیپٹن! کیسے ہو؟"

"اس عمر میں تو آدمی مجھ جیسا بھی رہے تو اسے شکر کرنا چاہیے۔" لیوپولڈ بولا۔

فلپ جو اب اس کی جگہ کیپٹن تھا' اس کی آواز سن کر خود ہی باہر آگیا اور بولا "مجھے معلوم ہے تم ہم لوگوں سے ملنے نہیں بلکہ کلیمن کیس کے سلسلے میں آئے ہو۔"

لیوپولڈ مسکرا دیا "تم میرے صحیح جانشین ثابت ہو رہے ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کلیمن کیس کی فائلیں پچھلے کمرے میں رکھی ہیں یا گودام میں بھجوادی گئی ہیں؟"

"گذشتہ برسوں میں چونکہ اپیلوں وغیرہ کا سلسلہ چل رہا تھا اس لیے ابھی میں نے ان فائلوں کو گودام میں نہیں بھجوایا تھا۔ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟"

"ان میں کلیمن کے گھر اور اس کے آس پاس کا نقشہ بھی تھا جس میں مسز پراوڈ کے باتھ روم کی کھڑکی سے کلیمن کی کار تک سیدھ کی نشاندہی بھی کی گئی تھی۔" لیوپولڈ بولا۔

"ہاں۔ وہ نقشہ ہم نے بنایا تھا لیکن اسے عدالت میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کیونکہ کلیمن نے ویسے ہی تسلیم کرلیا تھا کہ وہ رات کو اپنی کار تک گیا تھا۔" فلپ بولا۔

"آؤ... دیکھیں اگر وہ نقشہ مل جائے۔" لیوپولڈ بولا حالانکہ وہ ریکارڈ روم میں جاتے ہوئے بہت گھبراتا تھا۔ وہاں ہر چیز پر گرد کی موٹی تہ جمی ہوتی تھی اور ریکارڈ روم کا کوئی انچارج وغیرہ نہیں تھا۔ ہر ایک کو اپنی مطلوبہ چیز خود ہی تلاش کرکے لانی پڑتی تھی۔

لیوپولڈ اور فلپ خلافِ توقع اپنی مطلوبہ فائل جلد ہی تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیوپولڈ کو ان میں سے کئی کاغذات پر اپنے لکھے ہوئے نوٹس بھی نظر آئے۔ یہ تحریریں اسے گویا ماضی میں لے گئیں۔ سب کچھ اس کے ذہن میں تازہ ہوگیا۔ اسے کلیمن کا احتجاج یاد آیا۔ اس نے عدالت کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی بڑی کوشش کی تھی۔

"یہ رہا وہ نقشہ..." لیوپولڈ ایک کاغذ کی تہیں کھولتے ہوئے بولا۔

فلپ نقشے پر انگلی رکھتے ہوئے بولا "یہ لائن مسز پراوڈ کے گھر کی کھڑکی سے کلیمن کی کار تک کا زاویہ ظاہر کرتی ہے۔ تم یہی دیکھنا چاہتے تھے؟"

"نہیں... میں ایک اور چیز دیکھنا چاہ رہا تھا..." لیوپولڈ بولا "یہ دیکھو... یہ جو گیرج کے بغلی دروازے کا شیشہ ٹوٹا ہوا ہے۔ اگر گھر سے کوئی شخص نکل کر سیدھا گیرج کے سامنے کھڑی کار تک آجاتا تو اس ٹوٹے ہوئے شیشے پر نظر نہیں پڑسکتی تھی۔"

"تو پھر...؟" فلپ کی گویا سمجھ میں نہ آیا کہ لیوپولڈ اس بات سے کیا واضح کرنا چاہتا تھا۔

"دھماکے سے گھر کی کسی اور کھڑکی کا شیشہ نہیں ٹوٹا تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ صرف گیرج کے اس بغلی دروازے کا شیشہ کیوں ٹوٹا جب کہ یہ کھڑکیوں کے شیشوں سے بھی زیادہ مضبوط اور سائز میں چھوٹا تھا؟"

فلپ کندھا اچکا کر بولا "میں نے اس پہلو پر نہیں سوچا۔ دھماکے کی لہریں مختلف جگہوں پر عجیب عجیب اثرات مرتب

کرتی ہیں۔ اس کے سوا تو کوئی وضاحت میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"فرض کرو بم رکھنے والا ایک پیشہ ور اور ماہر قاتل تھا جس کی خدمات بلی نے حاصل کی تھیں۔ فرض کرو اس نے مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر محسوس کیا کہ ڈائنامائٹ اس کی ضرورت سے زیادہ تھا۔ اسے صرف ایک شخص یعنی کلیمن کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرنا تھا۔ اس نے دھماکے کو محدود کرنے کے لیے ڈائنامائٹ کی دو چھڑیاں اور فاضل تار نکال دی۔ وہ یہ چیزیں واپسی میں اپنے ساتھ بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے انہیں محفوظ جگہ پر چھپانے کے لیے گیرج کے بغلی دروازے کا شیشہ توڑا۔ آواز دبانے کے لیے اس نے شیشے پر کوئی کپڑا وغیرہ رکھ لیا ہوگا۔ شیشہ ٹوٹنے کے بعد وہ اندر ہاتھ ڈال کر اطمینان سے دروازے کا بولٹ کھول سکتا تھا۔ ڈائنامائٹ وغیرہ کا فالتو حصہ پرانے ٹائر میں چھپانے کے بعد اس نے اسی راستے سے واپس باہر آکر ایک بار پھر شگاف میں ہاتھ ڈال کر اندر سے دروازے کا بولٹ چڑھا دیا ہوگا۔ بعض اوقات کسی معمولی چیز سے ظاہری سا نتیجہ اخذ کرلینا بہت بڑی غلطی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے قاتل کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کبھی کبھی بیوی بھی میاں کی کار استعمال کرلیتی ہے۔"

"ان ساری باتوں سے تم نتیجہ کیا اخذ کررہے ہو؟" فلپ نے جاننا چاہا۔

"ضروری نہیں کہ بم رکھنے والا کلیمن ہی ہو۔۔۔ اور شاید وہ تھا بھی نہیں۔۔۔ ورنہ وہ اتنی آسانی سے اعتراف نہ کرتا کہ رات میں وہ واقعی اٹھ کر کار تک گیا تھا اور اس نے اس کا دروازہ بھی کھولا تھا۔ وہ مسز براؤڈ کو جھٹلانے کی کچھ نہ کچھ کوشش ضرور کرتا۔ بینک سے اس کے مطلوبہ قرضے کی رقم اور اس کی بیوی بچوں کے انشورنس کی رقم کا برابر ہونا واقعی محض اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔"

"کلیمن کو گرفتار کروانے اور سزا دلوانے کے نو سال بعد تم مجھے بتا رہے ہو کہ کلیمن بے قصور بھی ہوسکتا ہے؟" فلپ حیرت سے بولا۔

"ہم نے صرف اسے گرفتار کیا تھا۔ اسے سزا دینے کی ذمے داری عدالت اور جیوری پر عائد ہوتی ہے۔ ویسے میں درحقیقت یہ کہنے کی کوشش کررہا ہوں کہ جس شہادت کی بنا پر اسے سزا دی گئی وہ خاصی کمزور اور ناقص تھی۔" لیوپولڈ بولا۔

"سزائے موت پر عمل درآمد میں صرف چھ دن رہ گئے ہیں۔" فلپ بولا۔

"مجھے معلوم ہے۔" لیوپولڈ بولا پھر اچانک اس نے پوچھا "کیا راکسن اب بھی ٹارڈ ٹاؤن کو چلا رہا ہے؟"

"شاید تم اخبارات زیادہ توجہ سے نہیں پڑھتے۔" فلپ بولا "اتنے برسوں بعد آخر انتظامیہ عدالت سے اسے بند کرنے کا حکم حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اسے بند ہوئے ایک مہینہ ہوچکا ہے لیکن راکسن کا آفس ابھی وہیں ہے اور شاید وہ اس میں بیٹھتا بھی ہے۔"

لیوپولڈ نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا "میرا خیال ہے میں وہاں کا چکر لگالوں۔"

"تمہیں کسی معاملے میں الجھنے کی ضرورت نہیں کیپٹن" فلپ خبردار کرنے کے سے انداز میں بولا "یہ اب تمہارا فرض نہیں رہا۔ میں صبح جاکر اس سے مل لوں گا۔"

○☆○

لیوپولڈ رات کا کھانا کھانے کے لیے گھر پہنچا لیکن مولی گھر پر موجود نہیں تھی۔ تب اسے یاد آیا کہ مولی کو آج خاتون وکلا کی ایک میٹنگ میں جانا تھا۔ وہ خود بھی ایک وکیل تھی۔ لیوپولڈ پہلے ہی راکسن سے ملاقات کے سلسلے میں فلپ کی تنبیہہ کو نظرانداز کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب گھر پر مولی کو موجود نہ پاکر اس نے اس ارادے پر عمل کر گزرنے کا فیصلہ کرہی لیا۔

اس نے اوپر بیڈروم میں جاکر اپنا اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نکالا۔ وہ ہر طرح کی صورتِ حال کے لیے تیار ہوکر جانا چاہتا تھا۔ وہ گھر سے نکلنے لگا تو اسے اپنا موبائل فون یاد آیا۔ اس نے وہ جیب میں ڈال لیا۔ ہنگامی صورتِ حال میں مدد طلب کرنے کے لیے اس کی بھی ضرورت پڑسکتی تھی۔

کلیمن کا سینما اور کتابوں کی دکانیں ایک ہی جگہ تھیں۔ گذشتہ نو برسوں میں اس علاقے کی حالت بہتر ہونے کے بجائے بدتر ہوگئی تھی۔ راکسن نے سینما کی بیرونی لائٹس اور نیون سائن وغیرہ آن کیے ہوئے تھے۔ شاید وہ تماشائیوں کی امید برقرار رکھنا چاہتا تھا کہ جلد ہی وہاں فلموں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگا تاہم سینما ویران تھا۔ لیوپولڈ کو لابی کا دروازہ غیر مقفل پاکر قدرے حیرت ہوئی۔ وہ دروازہ کھول کر راکسن کے آفس کی طرف چلا گیا۔

راکسن کے آفس میں کوئی نہیں تھا لیکن ایش ٹرے میں سگریٹ سلگ رہی تھی جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ کہیں آس پاس ہی تھا۔ لیوپولڈ نے آفس سے نکل کر ادھر ادھر دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ راکسن اگر اسے لابی سے لے کر یہاں تک راستے میں کہیں نظر نہیں آیا تھا تو پھر وہ سینما ہال میں ہی

ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ دروازہ کھول کر ہال میں چلا گیا۔ دروازہ عقب میں بند ہوتے ہی اس نے اپنے آپ کو گھپ اندھیرے میں پایا۔

"مراکسن!" وہ چلایا۔

ہال خالی معلوم ہوتا تھا لیکن لیوپولڈ دوبارہ بہ آواز بلند بولا "راکسن! یہ میں ہوں۔۔۔ کیپٹن لیوپولڈ۔۔۔ میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔۔۔" وہ مزید یہ کہتے کہتے رہ گیا "ریٹائرمنٹ کے بعد بھی مجھے چین نہیں ہے۔"

جواب میں وہی گہرا سکوت طاری رہا۔

اس نے ایک بار پھر آواز لگائی۔ اس بار جواب میں درمیانی راستے کے قریب ایک جگہ شعلہ سا لپکا اور دھماکا سنائی دیا۔ پستول سے فائر کیا گیا تھا۔ گولی لیوپولڈ کے قریب ہی ایک کرسی میں پیوست ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی لیوپولڈ مشینی انداز میں فرش پر گر چکا تھا۔ ایک طرف کو لڑھکتے ہوئے اس نے اپنا ریوالور نکال لیا۔

سیٹوں کے پیچھے تاریکی میں کھسکتے ہوئے وہ بولا "میں حقیقت جان چکا ہوں۔ اپنی گن پھینک دو۔ اپنے لیے پریشانیاں مت بڑھاؤ۔۔۔"

اس کے جواب میں ایک فائر اور ہوا۔ اس بار اسکرین کے قریب کہیں سے فائر ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پستول بردار گھوم کر دوسری طرف سے لیوپولڈ کی سیدھ میں پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ سینما ہال میں ذرا سی بھی روشنی نہیں تھی۔ کسی روزن سے چند شعاعیں بھی اندر نہیں آ رہی تھیں۔

چند لمحے کے اعصاب شکن سکوت کے بعد لیوپولڈ نے جیب سے اپنا موبائل فون نکالا اور اسے آن کر کے نمبر دبانے لگا۔ دل ہی دل میں وہ دعا کر رہا تھا کہ اسے نمبر صحیح یاد ہو۔ اندھیرے میں بھی موبائل فون کا نمبروں والا حصہ گھڑی کے خاص قسم کے ڈائل کی طرح ہلکا سا چمکنے لگا تھا اس لیے لیوپولڈ نے اسے ایک کرسی کی آڑ میں رکھتے ہوئے بہت احتیاط سے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ نمبر دبانے پر چونکہ خفیف سی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اسے دبانے کے لیے لیوپولڈ ایک بار پھر زور سے چلانے لگا "پولیس۔۔۔! اپنی گن پھینک دو۔۔۔"

اس بار جواب میں گولی نہیں آئی۔ اندھیرے میں چھپا شخص یقیناً اس کی آواز کی رہنمائی میں قریب آ رہا تھا اور اس وقت کے لیے اپنے پستول کی گولیاں بچا رہا تھا جب تک اسے ہدف کے قریب پہنچنے کا یقین نہ ہو جاتا۔ لیوپولڈ نے اپنا ریوالور اونچا کیا اور موبائل فون پر آخری ہندسہ دبایا۔

قیام

سردار سوندھا سنگھ' پنجاب میں قبل از تقسیم سردار سکندر حیات کی وزارت میں شامل ایک وزیر تھے۔ وہ ایک دفعہ سکندر حیات کے بنگلے میں گئے۔ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ رات ہو گئی' اتنے میں بادل آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

سکندر حیات نے کہا "سردار جی! اب کہاں جائیں گے' موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ آرام فرمائیں۔" وہ رک گئے۔ تھوڑی دیر بعد سکندر حیات مہمان خانے میں سردار جی کا پتا لینے گئے تو وہ غائب تھے۔ ادھر ادھر دیکھا' نوکروں سے پوچھا تو پتا چلا کہ کار میں بیٹھ کر چلے گئے ہیں۔ انہی باتوں کے دوران میں سردار جی کی کار آ کر رکی۔ سردار جی باہر آئے تو سکندر حیات نے پوچھا "آپ کہاں گئے تھے؟"

کہنے لگے "گھر سے سلیپنگ سوٹ لینے گیا تھا۔"

سید محسن رضا شیرازی' کوہاٹ

اچانک اس سے بیس فٹ کے فاصلے پر اس کے عقب میں ایک موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ لیوپولڈ نے تیزی سے گھومتے ہوئے عین اس جگہ پر فائر کیا جہاں سے اس کے خیال میں فون کی آواز ابھری تھی۔ اندھیرے میں سنائی دینے والی کراہ سے اسے اندازہ ہوا کہ اس کی تدبیر بھی کارگر رہی تھی اور گولی بھی نشانے پر لگی تھی۔۔۔

دس منٹ بعد سینما ہال کی لائٹس آن ہو چکی تھیں اور وہاں کئی افراد نظر آ رہے تھے کیونکہ لیوپولڈ نے پولیس کے ہنگامی نمبروں پر بھی فون کر دیا تھا جس کے جواب میں دو پیٹرول کاریں اور ایک ایمبولینس آن پہنچی تھی۔ اب سیٹوں کی گزرگاہ پر کیپٹن فلپ تیزی سے چلا آ رہا تھا۔

"کیا ہوا یہاں۔۔۔؟" اس نے لیوپولڈ کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"میری گولی اس کی ران سے ذرا اوپر لگی ہے۔۔۔"

لیوپولڈ نے اس زخمی شخص کی طرف اشارہ کیا جسے پہیوں والے اسٹریچر پر لٹایا جارہا تھا "یوں سمجھو میں نے محاورتاً بھی اندھیرے میں تیر چلایا تھا اور حقیقتاً بھی۔"

"یہ تو زیک بریو ہے۔ صحافی اور رائٹر۔" فلپ بولا۔

"یہ یقیناً جعلی طور پر صحافی اور رائٹر بنا ہوا ہے۔ درحقیقت یہ وہ شخص ہے جس نے نو سال پہلے کلیمن کی کار میں بم رکھا تھا۔" لیوپولڈ بولا۔

اسی دوران میں کچھ دور سے ایک پولیس آفیسر نے آواز دے کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا "یہاں سیٹوں کے پیچھے ایک لاش موجود ہے کیپٹن!"

وہ راکسن کی لاش تھی۔ اسے قریب سے سر میں گولی ماری گئی تھی۔ لیوپولڈ تاسف سے لاش کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "اگر میں پانچ منٹ پہلے پہنچ جاتا تو شاید اسے مرنے سے بچالیتا۔ یہ بے چارہ یقیناً اس جعلی صحافی اور رائٹر کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترا ہے۔"

"اگر تم ان تمام باتوں کی وضاحت کردو تو بہتر ہوگا۔" فلپ بولا۔

"کلیمن کو چونکہ ایک ہفتے بعد موت کی سزا ہونے والی تھی اس لیے آج کے اخبارات میں اس کیس کا خوب چرچا تھا اور اس دوران میں کسی نے یہ شوشا بھی چھوڑ دیا تھا کہ کوئی نئی شہادت سامنے آئی ہے جس کی بنا پر شاید کلیمن بے گناہ قرار پاجائے اور اصل قاتل کا سراغ لگ جائے۔ کسی اخبار نے اس طرح ڈرامائی صورتِ حال پیدا کرنے کی کوشش کی ہوگی اور اس زوایے سے خوب حاشیہ آرائی ہونے لگی جس نے زیک بریو کو بوکھلا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاید اس کے باس بلی گوٹ کو بھی تشویش ہوئی۔ بریو ایک صحافی اور رائٹر کا روپ دھار کر معلومات حاصل کرنے کے چکر میں تمہارے پاس پہنچا۔ تم نے اس کے سامنے خوب میری تعریفوں کے پل باندھ کر اسے میری طرف بھیج دیا۔ یوں سمجھو... کہ اس کے سامنے یہ میری بہت زیادہ تعریفیں کرکے تم نے مجھے بھی مروانے کا بندوبست کردیا تھا کیونکہ وہ میری ہی طرف سے خطرہ محسوس کررہا تھا۔"

"میں آپ کی تعریفوں پر شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں باس!" فلپ مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

لیوپولڈ نے مسکراتے ہوئے سلسلۂ کلام جوڑا "اس نے مجھے اپنے موبائل فون کا نمبر دیا تھا کہ اگر مجھے بعد میں کوئی بات یاد آئے تو میں فون کرکے اسے بتادوں۔ اس نے جب یہاں سینما ہال کی تاریکی میں مجھ پر فائر کیا تو میں نے محض اندازہ لگایا کہ شاید یہ بریو ہے۔ میں نے اپنے موبائل فون پر اس کا نمبر ملایا۔ کچھ فاصلے پر واقعی گھنٹی بج اٹھی۔ اس طرح بیک وقت دو کام ہوگئے۔ ایک تو تصدیق ہوگئی کہ اندھیرے میں چھپا ہوا شخص بریو ہی تھا۔ دوسرے فون کی گھنٹی سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ کہاں تھا اور میں چونکہ اس آواز کا انتظار کررہا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی فائر کردیا۔"

"تمہیں کیوں شبہ ہوا کہ یہاں موجود شخص بریو ہوسکتا ہے؟" فلپ نے پوچھا۔

"کیونکہ اس سے پہلے مجھے یہ شبہ ہوچکا تھا کہ وہ اصل صحافی یا رائٹر نہیں ہے۔ وہ ایک چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈر پر میرا انٹرویو ریکارڈ کررہا تھا جس طرح عموماً رائٹر کرتے ہیں۔ اس قسم کی کیسٹ پر عام طور پر ایک طرف زیادہ سے زیادہ پون گھنٹے کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ میں دو گھنٹے تک بولتا رہا اور اس دوران میں بریو نے کیسٹ بدلنا تو درکنار، اس کی سائڈ بھی نہیں بدلی۔ چھوٹا سا وہ ٹیپ ریکارڈر آٹومیٹک بھی نہیں تھا اس لیے کیسٹ کے ختم ہونے پر کھٹ سے بند بھی نہیں ہوا۔ بس کیسٹ چلتے چلتے رک گئی لیکن بریو نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ ایک صحیح صحافی یا رائٹر اپنے اصل کام کی طرف سے اتنا لاتعلق نہیں ہوسکتا تھا۔ جب مجھے شبہ ہوا کہ وہ صحافی یا رائٹر نہیں تھا تو میرے لیے یہ غور کرنا بھی لازمی تھا کہ پھر آخر وہ کون تھا؟"

فلپ نے تفہیمی انداز میں سرہلایا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد لیوپولڈ بولا "راکسن کو بھی یقیناً اصل بات معلوم تھی۔ بریو یہاں اس سے پوچھ گچھ کرنے آیا ہوگا کہ کہیں اس کا زبان کھولنے کا ارادہ تو نہیں تھا۔ اس کے بعد اس نے احتیاطاً اسے بھی ٹھکانے لگادینا ہی بہتر سمجھا اور اسی دوران میں، میں یہاں آن پہنچا۔"

"بریو زخمی مگر زندہ ہے..." فلپ بولا "تمہارے خیال میں کیا وہ اپنے باس بلی گوٹ کے خلاف بیان دے دے گا... کہ قتل کا حکم اصل میں اس نے دیا تھا؟"

"یقیناً دے دے گا۔" لیوپولڈ وثوق سے بولا "جب موت سامنے نظر آئے گی تو وہ باس کو بھی ضرور گھسیٹے گا... اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ گورنر کلیمن کی سزائے موت منسوخ کردے گا۔ وہ بے چارہ پہلے ہی کافی سزا بھگت چکا ہے۔ شاید یہ قدرت کی طرف سے اسے معاشرے میں عریاں فلموں کی غلاظت پھیلانے کی سزا ملی ہے۔"



پہلی تخلیق

نجمہ مودی

نئے لکھنے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے سینیئرز سے مشورہ کریں، ان کی رہنمائی میں آگے قدم بڑھائیں۔ وہ بھی اپنا پہلا ڈراما تخلیق کر کے ایک مشہور اور نامور ڈراما نگار کے پاس پہنچ گیا تھا لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں اس کے ڈرامے کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

نفرت کے سائے میں جنم لینے والی ایک خون آلود کہانی

پامیلا ڈکٹیشن لینے میں مصروف تھی۔

وہ دلکش خدوخال اور چھریرے جسم کی مالک تھی۔ اس کا چہرہ اس کی ذہانت کا آئینہ دار تھا لیکن اس کے چہرے سے سرد مہری اور احتیاط پسندی کا بھی اظہار ہوتا تھا۔ وہ اپنے دل میں پوشیدہ نفرت کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔

اس وقت وہ رینالڈ کے وسیع کمرے میں اس کے مقابل بیٹھی تھی۔ وہ دانتوں میں پنسل دبائے اس کے بولنے کی منتظر تھی۔ رینالڈ ایک خط پڑھ رہا تھا۔ اچانک رینالڈ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پامیلا جانتی تھی کہ وہ دوسروں کو اذیت پہنچا کر خوشی محسوس کرتا تھا۔ رینالڈ انتہائی درجے کا خود غرض اور خود پسند واقع ہوا تھا۔

"رفاہی مقصد ۔ اونہہ!" رینالڈ اپنے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا پھر پامیلا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا "مس پامیلا! اس خاتون کے خط کے جواب میں لکھو کہ میں اپنا کوئی ڈراما رفاہی مقصد کی خاطر اسٹیج کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اپنے ڈراموں کے رفاہی مقاصد کا سب سے زیادہ حق دار میں خود ہوں۔"

پامیلا کے ہاتھ میں دبی ہوئی پنسل متحرک ہو گئی۔ زہر میں

بجھے ہوئے تلخ الفاظ سے بھرا ہوا ایک خط تحریر ہوگیا۔ خط مکمل کرکے پامیلا نے سبزی مائل آنکھوں سے رینالڈ کی طرف دیکھا۔ رینالڈ کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے خالی تھا۔ سپاٹ اور پتھریلا سا چہرہ۔ اس کے جبڑے چوڑے اور مضبوط تھے۔ سرانڈے کی طرح چکنا اور بالوں سے بے نیاز تھا۔ وہ کچھ دیر سوچنے کے سے انداز میں پامیلا کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا "میں آج شام کی ٹرین سے شہر جارہا ہوں۔ میرا خیال ہے تم تمام خطوط کل کی ڈاک سے روانہ کردوگی۔"

"مطمئن رہیے۔" پامیلا نے جواب دیا "تمام خطوط مکمل طور پر تیار ہیں۔"

"خطوط کتنی تعداد میں ہیں؟"

"تین سو۔"

"ہوں...." رینالڈ نے اطمینان سے سرہلایا "مناسب تعداد ہے۔"

وہ تین سو خطوط مختلف ناموں سے لکھے گئے تھے۔ ان سب پر ٹی وی اسٹیشن کے ڈراما سیکشن کا پتا درج تھا۔ تمام خطوط میں گزشتہ رات دکھائے جانے والے رینالڈ کے ڈرامے کی تعریف کی گئی تھی اور اسے شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا۔

"تم نے دیکھا تھا یہ ڈراما؟" رینالڈ نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں ہمیشہ آپ کے ڈرامے دیکھتی ہوں۔"

"بہت خوب!" وہ خوش ہوکر بولا "آج رات بھی میرا ڈراما دکھایا جائے گا۔ بہت اچھا ڈراما ہے۔ ضرور دیکھنا۔" یہ کہہ کر وہ اطمینان سے کرسی سے اٹھا اور ٹہلنے کے انداز میں چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

رینالڈ کے جاتے ہی وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پندرہ سال قبل وہ ایک نوخیز شادی شدہ لڑکی تھی۔ پُرجوش اور طوفانی جذبات سے لبریز! ان دنوں وہ رینالڈ کے تحریر کیے ہوئے ڈرامے بڑی دلچسپی سے دیکھتی تھی۔ اس کی نظر میں رینالڈ ایک عظیم فنکار تھا پھر اس نے اپنی کوششوں سے رینالڈ کے پاس نوکری اختیار کرلی۔ وہ خود کو خوش نصیب تصور کرنے لگی تھی کہ اتنے بڑے اور نامور رائٹر کے قریب رہنے کا موقع اس نے حاصل کرلیا تھا۔ رینالڈ کی شخصیت کا جادو اس پر اتنی شدت کے ساتھ چھا گیا کہ وہ اس کی پرستار بن گئی۔ رینالڈ نے اس کے والہانہ پن، شوق اور ولولے کو مدِنظر رکھ کر بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کی تربیت کی۔

رفتہ رفتہ رینالڈ کی شخصیت پرت در پرت اس پر کھلتی چلی گئی۔ پامیلا کو اس کی ذات سے کسی ایک معاملے میں شکایت نہیں تھی بلکہ وہ مستقل طور پر اس سے ہراساں رہنے لگی۔ وہ پامیلا کو ستانے کا کوئی موقع نہ گنواتا۔ وہ اسے اذیت پہنچانے کے لیے خاص طور پر ایسے وقت کا انتظار کرتا کہ اس کی روح تک بلبلا اٹھتی۔

جب وہ شوہر کے ہمراہ چھٹیاں منانے کسی تفریحی مقام پر جاتی تو رینالڈ ٹیلی گرام بھیج کر فوراً اسے اپنے پاس بلوالیتا۔ پامیلا مجبوراً رینالڈ کے خود ساختہ ہنگامی حالات کے پیشِ نظر واپس لوٹ آتی۔ وہ اپنی ہنگامی ضرورتوں کو ہمیشہ حق بہ جانب اور معقول بنا کر ظاہر کرتا۔ اس طرح کے ہنگامی حالات رینالڈ کے لیے کاروباری ضرورتوں اور فائدے کا باعث ہوتے لیکن پامیلا کی نجی اور ازدواجی زندگی کا سکون غارت ہوکر رہ گیا۔ آخر کار اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پامیلا کی ازدواجی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ رینالڈ نے بڑے منظم طریقے سے اس کی فطری خواہشات کو کچل کر رکھ دیا تھا اور اپنی غلامی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا تھا۔

پامیلا کو.... طلاق ہونے کے بعد رینالڈ اسے "مس پامیلا" کہہ کر مخاطب کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ پامیلا کو رینالڈ کی اذیت پسند اور خود پرست شخصیت سے نفرت ہونے لگی۔ ان حالات کی وہ خود ذمّے دار تھی۔ اس نے زندگی کا یہ ڈھنگ خود ہی اختیار کیا تھا، اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اب رینالڈ سے نفرت کرنے کا اس کے پاس کوئی ٹھوس جواز نہیں تھا۔ رینالڈ ایک کینہ پرور انسان تھا۔ اس کی مصروفیات لوگوں کو تفریح فراہم کرنا ضرور تھی لیکن وہ انہیں حقارت اور تمسخر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کے ڈراموں میں ڈکیتی، مار دھاڑ اور قتل وغارت گری کی وارداتیں دکھائی جاتی... تھیں۔ اپنے تئیں اس نے پوری انسانیت کا اس طرح صفایا کردیا تھا کہ کوئی ذی روح باقی نہیں بچا تھا۔

اس کے نزدیک قتل کرنا ایک فن تھا اور وہ اکثر اس موضوع پر اظہارِ خیال کرنے کے مواقع تلاش کرتا رہتا۔ یہ اس کا پسندیدہ موضوع تھا۔ پامیلا بڑے انہماک سے اس کی باتیں سنتی اور اس کے ہر لفظ کو ذہن نشین کرتی رہتی کیونکہ رینالڈ کی معلومات بہت وسیع تھیں اور وہ اپنے میدان کا ماہر کھلاڑی تھا۔ رینالڈ نے اسے سمجھایا کہ صبر سے کام لینا ایک زریں اصول ہے اور پامیلا نے صبر کی عادت ڈال لی۔ رینالڈ نے کہا کہ قاتل کو ایسا ہتھیار استعمال کرنا چاہیے جس سے اس کی نشاندہی نہ ہوسکے اور پامیلا نے ایسا ہتھیار بھی تلاش کرلیا۔ جائے واردات سے عدم موجودگی پر بھی اس نے مدلل انداز میں روشنی ڈالی۔ پامیلا نے اس کا بھی انتظام کرلیا۔

پامیلا اس عظیم مصنف کے مشوروں کو کاغذ پر لکھ لیتی

اور انہیں اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد کاغذ پھاڑ کر پھینک دیتی۔

"قتل ایک نفیس ترین جرم ہے۔" رینالڈ خوابناک لہجے میں کہتا "ایک مکمل اور مثالی قتل، ریاضی کے حساب کی طرح ہے جو جذبات سے عاری اور احساسِ جرم سے مبرا ہوتا ہے۔"

پامیلا بڑے احترام سے گردن جھکائے، اس کی باتیں سنتی جیسے وہ کسی چرچ میں بیٹھی پادری کا خطبہ سن رہی ہو۔ وہ رینالڈ کی گفتگو سے بے لوث انداز میں اپنے آپ کو اس ذہنی تربیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی۔

رینالڈ، پامیلا کو اتنے انہماک اور احترام سے اپنی باتیں سنتے دیکھ کر فخر سے گردن اکڑا دیتا اور ہونٹوں کو ٹیڑھا کرتے ہوئے، ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہتا "ایک کامیاب اور نفیس قتل کے لیے ایک ایسے آدمی کا دستیاب ہونا بھی ضروری ہے جس پر منطقی انداز میں شک کیا جاسکے اور پولیس آسانی سے اس کی گردن میں پھندا ڈال سکے ورنہ معاملہ طول پکڑ سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا ہے۔"

چنانچہ پامیلا نے ایک ایسے شخص کا انتخاب بھی کرلیا جس پر منطقی انداز میں شک کرنا ممکن تھا مگر وہ شخص اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ پامیلا نے سوچا کہ یہ مشکل ترین مرحلہ ہے مگر اصول کی اہمیت کم نہیں ہونا چاہیے، چاہے وہ کتنا ہی کٹھن ہو۔ اس کے قتل کا جواز ان اصولوں کی بنیاد پر تھا جو ایک عظیم مصنف نے بنائے تھے۔ وہ بھی تو آخر رینالڈ کی ذہنی صلاحیتوں کی معترف تھی۔

وہ مناسب وقت کا انتظار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ اس دن تیسرے پہر شہر چلا گیا۔ وہ مطالعے کے کمرے میں تنہا بیٹھی تھی۔ کمرے میں موجود ہر شے اس کی موجودگی ظاہر کرتی تھی حالانکہ وہ اس وقت کہیں اور تھا۔ دیوار پر لگی تصاویر جس میں وہ ایک ڈرامے پر ملنے والا ایوارڈ وصول کررہا تھا۔ اشتہارات تھے اور بھی بہت سی چیزیں تھیں جن سے وہ ایک عظیم مصنف ثابت ہوتا تھا۔

بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ رینالڈ کی محض سیکریٹری ہی نہیں، داشتہ بھی ہے۔ ایک مرتبہ تو اس نے واقعی داشتہ بننا بھی چاہا تھا مگر رینالڈ نے اسے بڑی بے رحمی سے ٹھکرا دیا تھا اور اس کا خوب مذاق اڑایا تھا اس واقعے کا زخم بھی اس کے دل پر تازہ تھا جس سے اٹھنے والی ٹیسیں اس کی روح تک کو اذیت میں مبتلا کردیتیں۔ رینالڈ کی گرفت اس پر بڑی گہری اور مضبوط ہونے کے علاوہ بے انتہا ذلت آمیز بھی تھی۔

○☆○

پامیلا نے ٹائپ رائٹر سے خط نکالا اور دستخط کی خاطر رینالڈ کی میز پر رکھ دیا۔ ٹھیک اسی وقت کال بیل بج اٹھی۔ وہ کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے تک گئی اور اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک طویل قامت اور خوبرو نوجوان بھورے رنگ کے کوٹ میں ملبوس کھڑا نظر آیا۔ اس کی بغل میں ایک بڑا سا لفافہ تھا جس کے کونے مڑ گئے تھے۔ اس کی آمد کا مقصد وہ جان گئی۔

پامیلا کو اس نوجوان سے بے ساختہ لگاؤ محسوس ہوا۔ وہ خوشی کے احساس سے کھل اٹھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی "جی، فرمائیے۔"

"مس پامیلا؟" نوجوان نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔" پامیلا نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا اور ایک طرف ہوتے ہوئے بولی "آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"

نوجوان اس کے قریب سے گزر کر برآمدے کے وسط میں آکر کھڑا ہوگیا۔ وہ برآمدے میں رکھی قیمتی اشیا اور فرنیچر کو دیکھ کر مرعوب معلوم ہورہا تھا اور ایسا لگتا تھا گویا وہ اپنے آنے کا مقصد ہی بھول گیا ہے۔ پامیلا نے دروازہ بند کیا تو وہ

چونک پڑا اور لفافے کو ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے اس نے کہا "دراصل میں یہ مسٹر رینالڈ کے لیے لایا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ دوسروں کے لکھے ہوئے ڈرامے بھی اسٹیج اور ٹی وی پر۔۔۔"

"لیکن وہ یہاں صرف تخلیقی نوعیت کا کام کرتے ہیں۔" پامیلا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "ان کا باقاعدہ دفتر شہر میں ہے اور ڈراموں کی ریڈنگ اور جانچ پڑتال کا کام ان کا ماتحت عملہ انجام دیتا ہے۔ وہ خود ڈرامے بہت کم پڑھتے ہیں۔ ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا۔"

"اوہ۔" نوجوان گھبرا گیا "دیکھئے مس پامیلا! مجھے ڈراما نگاری سے خاص دلچسپی ہے۔ شاید آپ کا کام یہ ہوگا کہ میرے جیسے آنے والوں کو دور ہی سے لوٹا دیا کریں۔"

"آپ نے اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔" پامیلا مسکرا کر بولی۔

"اوہ' معاف کیجئے۔ دراصل گھبراہٹ میں۔۔۔"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" پامیلا نے اسے تسلی دی۔

"میرا نام جیمس والٹر ہے۔ میں کئی برس سے اپنے فرصت کے اوقات میں یہ ڈراما لکھتا رہا ہوں مگر معیاری طریقے سے ڈراما لکھنا بڑا مشکل کام ہے۔"

"ہر شخص کو کام کی ابتدا میں مشکلات کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا ہے پھر دھیرے دھیرے ہی سیکھتا اور سمجھتا ہے۔" پامیلا نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" وہ بولا "میں مسٹر رینالڈ سے ملنا چاہتا ہوں مگر مجھ پر گھبراہٹ سی طاری ہے۔" نوجوان نے اپنا وزن ایک ٹانگ سے دوسری ٹانگ پر منتقل کرتے ہوئے سامنے بند دروازے کی طرف بڑی پُراشتیاق نظروں سے دیکھا۔

"میں نے کہا نا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" پامیلا بولی "وہ آج دن بھر کے لیے شہر گئے ہوئے ہیں۔"

"ایک بات بتائیں مس پامیلا۔" نوجوان نے ملتجیانہ لہجے میں کہا "کیا آپ ایسی تحریر پڑھنے کی زحمت کریں گی جسے میں نے ابھی ٹائپ بھی نہیں کیا۔"

"یہ تو مسودہ دیکھ کر ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔" پامیلا نے جواب دیا "تحریر کا پڑھنا ممکن بھی ہے یا نہیں۔"

"میرے ہاتھ کی تحریر پڑھنا ذرا مشکل کام ہے۔" وہ قدرے خفت سے بولا "کیونکہ میں نے بار بار الفاظ کی تبدیلی اور کئی کئی سطروں کی کاٹ چھانٹ بہت کی ہے۔"

"آپ نے جو ڈراما لکھا ہے' آپ کی نظر میں اس کی کیا اہمیت ہے؟"

"میری نظر میں؟" وہ بولا "کچھ نہ پوچھئے۔ میں نے اس پر کئی راتیں جاگ کر اتنی سخت محنت کی ہے کہ میری بیوی میری صحت کے بارے میں فکر مند ہو گئی مگر بہرحال وہ میرے دکھ درد میں برابر کی شریک ہے۔" اس کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

پامیلا نے سوچا کہ رینالڈ نہ جانے کتنے ہونہار لکھنے والوں کو بے دردی سے کچل کر رکھ دیتا ہے۔ "آئیے اندر بیٹھ کر اپنے لکھے ہوئے ڈرامے کی کچھ وضاحت کیجئے۔" پامیلا نے کہا۔

نوجوان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ اس نے کہا "میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں بیٹھ کر مسٹر رینالڈ لکھتے ہیں۔ کیا وہ روزانہ باقاعدگی سے لکھا کرتے ہیں یا وہ موڈ کے پابند ہیں؟"

پامیلا مسکرائی "آپ واقعی بہت بھولے ہیں۔" اس نے کہا اور اسے رینالڈ کے مطالعے کے کمرے تک لے آئی۔ نوجوان والٹر شاندار اور قیمتی سازوسامان کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس کی نظریں کتابوں کے شیلف کا طواف کر رہی تھیں اور پھر اس نے دو ٹائپ رائٹروں کو نظر بھر کر دیکھا۔ وہ میز کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میز پر کاغذات کا ڈھیر ترتیب سے رکھا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہو کر' دروازے سے میز تک اس طرح چل کر آیا تھا جیسے کسی مقدس عبادت گاہ کے قریب آپہنچا ہو۔ اس کے چہرے پر عقیدت اور احترام کے تاثرات ہلکورے لے رہے تھے۔ وہ کاغذات کے ڈھیر پر بڑی بے پروائی سے رکھے ہوئے ایک ریوالور کو دیکھ کر چونک پڑا۔

"مسٹر رینالڈ اتنی بے پروائی سے ریوالور کو اِدھر اُدھر رکھ دیتے ہیں؟" والٹر نے پوچھا۔

"مسٹر رینالڈ کو کسی نے یہ ریوالور تحفتاً دیا تھا۔"

"ریوالور۔ تحفتاً!" والٹر نے حیرانی سے کہا "مسٹر رینالڈ جیسے لوگوں کو تو تحفے میں بھی کتابیں' قلم اور۔۔۔"

والٹر کو رینالڈ کی مداح سرائی پر آمادہ دیکھ کر وہ جل کر بولی "مسٹر رینالڈ یہ ریوالور اپنے قریب رکھتے ہیں تاکہ گھٹیا درجے کے ڈرامے لکھنے والوں کو صحیح طور پر سزا دی جا سکے۔"

والٹر کے چہرے پر پریشانی اور الجھن کے تاثرات دیکھ کر وہ مزید بولی "وہ اس ریوالور کو کسی بھی دماغ چاٹنے والے ڈراما نگار پر استعمال کرنے سے قطعی دریغ نہیں کریں گے۔"

"اوہ!" والٹر نے لفافہ میز پر رکھ کر ریوالور اٹھا لیا اور

نہایت احتیاط سے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔
"یہ بھرا ہوا نہیں ہے۔" پامیلا بولی۔
"مگر بھرا جا سکتا ہے۔" والٹر بولا اور ریوالور واپس رکھ دیا۔ پامیلا نے محسوس کیا کہ اس نے والٹر کی عمر کے بارے میں جو اندازہ لگایا وہ اس سے کہیں زیادہ عمر کا تھا۔ اس کی آنکھیں پُرسکون اور دوستانہ خلوص رکھنے کے علاوہ یہ بھی بتاتی محسوس ہوتی تھیں کہ اب اس کی عمر کسی چیز کو دیکھ کر حیران ہونے کی نہیں ہے۔
"یہ اور بھی اچھی بات ہے۔" پامیلا نے سوچا۔ اس کا دل عجیب و غریب خوشی کے احساس سے معمور ہو گیا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ والٹر اس سے متاثر ہو چکا ہے اور وہ اس کی ہر خواہش کے آگے سر جھکا دے گا پھر کافی دیر تک پامیلا اس سے ڈراموں کی تکنیک کے موضوع پر اور تھیٹر کے متعلق گفتگو کرتی رہی۔ اس دوران میں وہ پوری محویت سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ کبھی وہ درمیان میں ایک آدھ سوال بھی کر دیتا۔ اس نے پامیلا کی اجازت سے کتابوں کے شلف کا جائزہ لیا۔ کئی کتابیں اٹھا کر دیکھیں۔ چاندی کی شیلڈ بھی دیکھی جو رینالڈ کو گزشتہ سال ایک ڈرامے پر بطور انعام ملی تھی۔ آدھے گھنٹے کے عرصے میں والٹر نے بہت سی چیزوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ اٹھا کر الٹ پلٹ کر پُرستائش نظروں سے دیکھ کر واپس رکھتا رہا۔ ان تمام چیزوں پر اس نے یقیناً اپنی انگلیوں کے صاف اور گہرے نشانات چھوڑے تھے۔
"میں مسٹر رینالڈ سے پُرزور سفارش کروں گی کہ وہ آپ کا لکھا ہوا ڈراما ضرور پڑھیں۔" پامیلا کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی "کیا آپ بدھ کے روز یہاں آسکتے ہیں؟ وہ رات کو ساڑھے آٹھ بجے گھر پر موجود ہوں گے لیکن ٹھیک وقت پر پہنچیں تو بہتر ہوگا۔"
"شکریہ مس پامیلا!" وہ بولا "آپ میری مدد کرنا چاہتی ہیں جب کہ میں آپ کے لیے بالکل اجنبی ہوں۔ بہرحال میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"
"اس کی ضرورت نہیں۔" پامیلا بولی "مسٹر رینالڈ بڑی بے رحمی سے نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیے۔ نئے لکھنے والوں کو میں نے اکثر یہاں سے حواس باختہ ہو کر واپس جاتے دیکھا ہے۔"
"مجھے اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں ہے۔"
پامیلا نے گہری نظروں سے والٹر کا جائزہ لیا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ آپ غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتے لیکن شاید آپ غصے میں آکر کوئی ایسی ویسی حرکت کر بیٹھیں۔"
"میں خود پر قابو رکھوں گا۔" والٹر نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "چاہے وہ مجھے گولی مارنے کا ارادہ کیوں نہ کرلیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں صحیح وقت پر آجاؤں گا۔"
اس کے رخصت ہوتے ہی پامیلا نے ریوالور لوڈ کیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس ریوالور کو کیسے اور کب استعمال کرنا ہے۔ خوشی کے عالم میں گنگناتے ہوئے اس نے میز پر سے والٹر کا دیا ہوا لفافہ اٹھایا اور اس میں سے ڈرامے کا مسودہ نکال کر دیکھنے لگی۔

○☆○

"یہ شخص والٹر کس حلیے کا آدمی تھا؟" بدھ کے دن لنچ کے بعد رینالڈ نے اپنی سیکریٹری پامیلا سے ڈرامے کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے پوچھا۔
"وہ ایک معقول سا نوجوان تھا۔" پامیلا نے میز پر پڑی ہوئی ایک فائل کو دیکھتے ہوئے کہا "سیدھا سادہ سا آدمی تھا۔ اپنا مسودہ دیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں اس کے بارے میں۔"
"دراصل وہ مسودہ کہیں کھو گیا ہے۔" رینالڈ نے سرسری سے لہجے میں کہا۔
"یہ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ وہ تو ٹائپ شدہ بھی نہیں تھا۔ والٹر کے پاس اس کی نقل بھی نہیں ہے۔"
"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ وہ بھول سکتا ہے کہ اس طرح کی کوئی چیز کبھی اس کے پاس تھی۔ اب وہ اطمینان سے اپنے روز مرہ کے معمولات میں مصروف ہو سکتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
پامیلا نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے اور اسے نئی فائل کھول کر کاغذات پلٹتے دیکھتی رہی۔
"میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا ہے۔" وہ بولا "میں نے جلدی جلدی کچھ خاص خاص باتیں نوٹ کرلی ہیں۔ میں انہیں بعد میں تفصیل سے لکھ کر مکمل کرلوں گا۔"
پامیلا نے اپنا پیڈ کھولا اور پنسل لے کر ڈکٹیشن کا انتظار کرنے لگی۔ رینالڈ نے چشمہ اتار کر میز پر رکھا اور دو انگلیاں دھیرے دھیرے اس کی ٹھوڑی پر مساج کے سے انداز میں چلنے لگیں۔ پامیلا نے سوچا کہ اب کوئی عظیم الشان ڈراما وجود میں آئے گا۔ ڈرامے کے وجود میں آنے سے پہلے ظاہر ہونے والے تمام آثار اس کے علم میں تھے۔
پامیلا کو افسوس ہو رہا تھا کہ رینالڈ اب اپنا یہ ڈراما مکمل نہیں کر پائے گا۔ وہ رینالڈ کے غور و فکر کے انداز سے اور

اس کی انگلیوں کے ارتعاش سے صورتِ حال کو بھانپ رہی تھی۔ پامیلا نے سوچا۔ اب وہ اپنا چشمہ فوراً اٹھا کر دوبارہ آنکھوں پر لگالے گا اور ریوالور کو نال کی طرف سے اٹھا کر' اس سے کھیلتے ہوئے اپنا انگوٹھا اس کی سطح پر رگڑے گا۔ جب اس کی طبیعت پوری طرح لکھنے پر مائل ہوجائے گی تو وہ ریوالور ایک طرف رکھ دے گا لیکن پامیلا اندر ہی اندر خوف زدہ بھی تھی کہ اگر اتفاقاً اس سے ٹریگر دب گیا تو...

رینالڈ نے کھنکھار کر کہا "تیار ہوجاؤ۔" پھر اس نے ڈکٹیشن دینا شروع کیا۔ اس کی زبان سے چند الفاظ سنتے ہی پامیلا چونک پڑی اور اس کی آنکھوں میں انگارے دہکنے لگے۔ رینالڈ' والٹر کی تحریر کردہ ڈرامے کے الفاظ بول رہا تھا۔ گویا وہ ڈرامے کی چوری کا ارتکاب کررہا تھا۔ پامیلا کے جذبات کو زبردست ٹھیس پہنچی لیکن اس نے خود پر قابو رکھا اور بظاہر پُرسکون رہی۔

سہ پہر کو خاصا وقت گزر جانے کے بعد ڈراما اس کے پیڈ پر منتقل ہوچکا تھا۔ والٹر کے بنیادی خیالات بڑے مؤثر انداز میں ایک شاندار ڈرامے کا روپ دھار چکے تھے۔

پامیلا جب گھر واپس آئی تو سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اپنی بہن کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ سات بجے تک اپنے کمرے میں ہی رہی پھر وہ باورچی خانے میں پہنچی جہاں اس کی بہن کھانا تیار کررہی تھی۔ پامیلا نے اپنے چہرے پر نقاہت سی طاری کرلی اور پیشانی مسلتے ہوئے بولی "مارتھا! میرے سر میں شدید درد ہے۔ آج میں کھانا نہیں کھاسکوں گی۔"

"ارے۔" مارتھا کی آواز میں ہمدردی اور تشویش نمایاں تھی "تم بہت بیمار سی معلوم ہوتی ہو۔ تمہیں اس شخص نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" پامیلا بولی "وہ اپنے کام میں اس طرح کھوجاتا ہے کہ اسے کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔ ویسے تم جانتی ہو کہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ وہ میرے ساتھ ایک دوست کی طرح پیش آتا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہمیشہ اس کی طرف داری کیوں کرتی رہتی ہو۔ چاہے وہ کچھ بھی کرے تم شکایت تک زبان پر نہیں لاتیں۔" مارتھا نے قدرے خفگی سے کہا۔

"ہمیشہ وہ ایسا نہیں کرتا۔" پامیلا نے کہا "لیکن آج اس نے ایک آدمی کا ڈراما سرقہ کیا ہے اور وہ آدمی آج رات اس سے ملاقات کے لیے آنے والا ہے۔"

"وہ جعلساز ہے۔" مارتھا نے غصے سے کہا "مجھے تو اس کا ہر ڈراما مشکوک لگتا ہے۔ بہرحال! تم یہ سب کچھ اپنے ذہن سے نکال دو اور جاکر بستر پر آرام کرو۔ کم سے کم تھوڑے وقت کے لیے اسے بھول جاؤ۔"

"کیا میں سب کچھ بھول سکتی ہوں۔" پامیلا نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

مارتھا نے اس کی بات کی گہرائی کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "ہاں' تم بھول سکتی ہو اگر کوشش کرو تو۔ چلو جاؤ اپنے کمرے میں۔ میں خیال رکھوں گی کہ تمہارے آرام میں خلل نہ پڑے۔ جب تم سو کر اٹھو گی تو تمہاری حالت اتنی بہتر ہوجائے گی کہ تمہارا دل کچھ نہ کچھ کھانے کو ضرور چاہے گا۔"

"تم کتنی اچھی ہو مارتھا!" پامیلا نے اسے تشکر آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے نحیف آواز میں کہا۔

پھر وہ اپنے کمرے میں واپس آگئی اور دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ روشنی جلائے بغیر اس نے کپڑے تبدیل کیے۔ اس نے سیاہ پینٹ اور سیاہ گرم بلاؤز پہنا اور اوپر سے ایک سیاہ بے وضع جیکٹ پہن لی۔ جب اس نے ہیٹ میں اپنے بال چھپائے تو وہ مرد دکھائی دینے لگی۔ رات کے آٹھ بجے وہ کھڑکی کے راستے باہر پہنچی۔

دس منٹ بعد وہ رینالڈ کے گھر پہنچ گئی۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ اس نے اندر پہنچ کر آہستہ سے دروازہ بند کیا اور برآمدے میں جاکر انتظار کرنے لگی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ دروازے کی درز سے باہر گلی میں جھانکتی رہی۔ اسے رینالڈ کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں تھا کہ وہ اس کی نقل و حرکت کی آہٹ سن سکے گا کیونکہ اس کے مطالعے کا کمرا ساؤنڈ پروف تھا۔ پامیلا نے سوچا کہ وہ اس وقت والٹر کے ڈرامے کا بقیہ حصہ اپنے مطلب کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کررہا ہوگا۔ وہ چند خاص باتیں نوٹ کرکے' کل اس سے بقیہ تفصیلات اس طرح لکھوائے گا جیسے یہ سب کچھ اس کے اپنے دماغ کی پیداوار ہو۔

ساڑھے آٹھ بجے اسے والٹر گلی میں آتا دکھائی دیا۔ وہ سیدھا رینالڈ کے گھر کی سمت چلا آرہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دروازے کی گھنٹی بجاتا پامیلا نے دروازہ کھول دیا۔

"مسٹر والٹر!" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

والٹر فوراً دو قدم پیچھے ہٹ گیا "کک... کیا کوئی خاص بات ہوگئی ہے؟"

"ہاں' اندر آجائیے۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

والٹر اندر آگیا اور پامیلا نے دروازہ بند کرلیا۔ برآمدے

میں جلنے والا واحد بلب مدھم سی روشنی بکھیر رہا تھا۔ والٹر کا چہرہ سخت اور سپاٹ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر اندیشوں کی ہلکی سی شکنیں دکھائی دے رہی تھیں۔

"آپ آج رات ان سے نہیں مل سکتے۔" پامیلا نے کہا "آج ان کا مزاج بہت برہم ہے۔ ممکن ہے کوئی ایسی ویسی بات ہوجائے۔۔۔"

"لیکن کیوں؟"

"وہ خود آپ کا ڈراما تخلیق کرنا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ آپ اپنے ڈرامے کے کسی حرف پر بھی اپنا حق جتائیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہوگا کہ کبھی آپ نے اپنا مسودہ یہاں چھوڑا ہی نہیں۔ آپ کا دیا ہوا مسودہ ضائع کردیا جائے گا۔"

"وہ ایسا نہیں کرسکتے۔" والٹر بولا۔

پامیلا اس کا بازو تھام کر سمجھاتے ہوئے بولی "ابھی آپ کچھ نہ کریں ورنہ یہ ہوگا کہ وہ آپ کا مسودہ ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے یا جلا دیں گے اور آپ غصے میں آکر کچھ کر بیٹھیں گے۔"

"آخر میں کیوں کچھ نہ کروں؟" والٹر آہستہ مگر سخت لہجے میں بولا۔

"کیونکہ یہ بالکل غیر ضروری ہے۔ میں انہیں سمجھتی ہوں۔ وہ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ میں انہیں منالوں گی۔ انہوں نے ایک عرصے سے کچھ نہیں لکھا۔ وہ بنجر ہوگئے ہیں۔ ان کی تخلیقی صلاحیت ناپید ہوگئی ہے لیکن وہ میری بات ضرور سنیں گے اور میرا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ میں آپ کے مسودے کو بچالوں۔"

"میں اسے خود بھی بچاسکتا ہوں۔" والٹر نے بڑی جرأت سے کہا "اسے کوئی شخص مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ میں نے بڑی محنت کی ہے اس پر۔"

"یقیناً کی ہوگی۔" پامیلا نے کہا "میں انہیں اس ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دوں گی۔ اس میں انہی کی بھلائی ہے اور آپ کی بھی۔ کیا آپ اتنی سی بات نہیں سمجھتے؟ اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی تو اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔"

والٹر نے ایک گہری سانس لی اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی پیشانی پر ابھری ہوئی رگ ہموار ہوگئی تھی "ممکن ہے جو کچھ آپ نے کہا ہے، وہ درست ہو۔ میں اس پر غور کروں گا۔" وہ آہستہ سے بولا۔

پامیلا نے اطمینان کا سانس لیا "میں سارا معاملہ سنبھال لوں گی لیکن آپ کسی سے فی الحال اس کا ذکر نہیں کریں گے۔ ابھی آپ یہاں سے چلے جائیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

والٹر چلا گیا تو وہ مطالعے کے کمرے میں داخل ہوئی۔

رینالڈ نے مسودے سے اپنی توجہ ہٹائی اور اس کی طرف نفرت سے دیکھا "تم اس وقت یہاں کیا کررہی ہو؟"

"میں آپ کو یہ بتانے آئی ہوں کہ ڈرامے کا ابتدائی حصہ مجھے بہت پسند آیا ہے۔ اس کے بڑے دلکش نتائج برآمد ہوں گے۔"

"ظاہر ہے۔" وہ بے نیازی سے بولا "میرے لکھے ہوئے ڈرامے۔۔۔"

"لیکن یہ حصہ آپ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔" پامیلا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"اوہ۔۔۔" رینالڈ کے ہونٹ سیٹی بجانے کے سے انداز میں سکڑ گئے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مسودہ پڑھ لیا تھا۔"

"ہاں، کیا یہ وہی مسودہ ہے جس پر آپ اتنی محنت کررہے ہیں؟" وہ میز کے قریب آکر اس پر پھیلے ہوئے صفحات دیکھنے لگی۔

رینالڈ بے پروائی کے سے انداز میں بیٹھا پامیلا کو دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں میں حقارت، نفرت اور استہزا کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں کچھ کہنے یا اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"مسٹر والٹر، جو اس ڈرامے کے حقیقی تخلیق کار ہیں، میں ان سے کہہ چکی ہوں کہ آج کے عظیم ڈراما نگار مسٹر رینالڈ اس کے ڈرامے پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔" پامیلا کے لہجے کی تلخی میں طنز کی آمیزش بھی تھی "وہ ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں۔"

رینالڈ تن کر بیٹھ گیا۔ اس کی الو جیسی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "وہ یہاں کیوں آیا تھا؟"

"وہ اپنے طے شدہ وقت کے مطابق آپ سے ملاقات کرنے آیا تھا۔"

"کیا واقعی؟" رینالڈ نے جھپٹ کر وہ ڈائری اٹھالی جس میں لوگوں سے ملاقات کا وقت درج ہوتا تھا۔ اس نے صفحے پلٹتے ہوئے کہا "اس سے تو ظاہر نہیں ہوتا کہ اس سے میری ملاقات کا وقت مقرر تھا۔"

"میں لکھنا بھول گئی تھی۔" وہ بولی اور ڈائری اٹھا کر اس میں بڑی مستعدی کے ساتھ یہ عبارت لکھ دی "جیمس والٹر ساڑھے آٹھ بجے شب۔"

رینالڈ نے اسے ڈائری ایک طرف رکھتے اور ریوالور

اٹھاتے ہوئے دیکھا "پامیلا!" وہ جھلا کر بولا "رکھ دو اسے۔ مجھے اس سے وحشت ہوتی ہے۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے مسٹر والٹر یہاں آئے تھے۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ذرا تصور کیجئے کہ اگر میں انہیں اندر لے آتی اور وہ اپنے ڈرامے کو عنقریب ہوتے دیکھ کر آپ پر چوری کا الزام لگاتے تو کیسی خراب صورتِ حال پیدا ہوجاتی۔ اسے یقیناً غصہ آجاتا اور وہ مسودے کی طرف جھپٹتا۔ ایسے۔" پامیلا کا ہاتھ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا اور اس نے چند کاغذات مٹھی میں لے کر توڑتے مروڑتے قہقہہ لگایا۔

"یہ..... یہ تم کیا کر رہی ہو۔ تم ہوش میں تو ہو؟" رینالڈ نے حیرت سے مگر سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ لوگ اس واقعے کے بارے میں کس طرح سوچیں گے۔ شیلڈ' بک شیلف اور اس کمرے میں کئی جگہ پر انگلیوں کے نشانات ملیں گے۔ انہیں یہ خیال بھی آئے گا کہ اسی شخص نے یہ ریوالور بھی اٹھایا ہوگا۔ آپ نے اکثر مجھ سے کہا ہے کہ اس ریوالور کے دستے پر انگلیوں کے نشانات نہیں ٹھہرتے۔ یہ کہاں تک درست ہے... میں نہیں جانتی لیکن پولیس کو مایوسی نہیں ہوگی۔ انہیں والٹر کی انگلیوں کے نشانات یہاں سے بہرحال مل جائیں گے۔ ویسے بھی اس نے آپ کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔"

رینالڈ نے اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "سب سے پہلے وہ تم پر شک کریں گے۔"

"آج رات مجھے سر کے درد کا شدید دورہ پڑا تھا۔ میری بہن نے مشورہ دیا تھا کہ میں اپنے کمرے میں آرام کروں۔ آپ فون پر معلوم کرسکتے ہیں لیکن وہ کسی قیمت پر میرے آرام میں خلل نہیں ڈالے گی۔"

"مجھے یہ تمہاری فضول بکواس بالکل پسند نہیں۔" رینالڈ کے حلق سے کچھ عجیب سی بھنچی بھنچی آواز نکلی "ایک خالی ریوالور ہاتھ میں لے کر تم مجھے دھمکی دے رہی ہو۔"

"لیکن یہ بھرا ہوا ہے۔" پامیلا سرد آواز میں بولی "پیر کے دن اس میں گولیاں بھری گئی تھیں۔"

"میں نے کل اسے خالی کردیا تھا۔" وہ ایک دم سنبھل کر اس کا مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں بولا "تم اس کا خالی چیمبر دیکھ کر تسلی کرسکتی ہو۔"

پامیلا نے آنکھیں جھپکائیں' پھر ریوالور ذرا اوپر اٹھایا اور دو فائر کیے۔ گولیوں کے دھماکے سے پورا کمرا جھنجنا کر رہ گیا۔ جب رینالڈ کو گولیاں لگیں تو اس کے جسم نے پیچھے کی طرف جھٹکا کھایا۔ اس کا توازن بگڑ گیا اور دھڑام سے فرش پر گر گیا۔ پامیلا اس کے شیطانی دماغ میں دو سوراخ کرچکی تھی جس میں جان بچانے کی یہ آخری ترکیب آئی تھی کہ اس نے ریوالور سے گولیاں نکال دی ہیں۔

اس نے ریوالور فرش پر پٹخ دیا پھر پاگلوں کی طرح مسودے پھاڑ کر پرزے پرزے کرنے لگی۔ اس نے میز سے تمام چیزیں نیچے گرادیں اور کچھ اس طرح گڑبڑ پھیلا دی کہ وہ سب والٹر کی حرکت معلوم ہو پھر اس نے اپنا کام کا ایک ناقدانہ جائزہ لیا اور مطمئن ہوکر وہاں سے روانہ ہوگئی۔

○☆○

پامیلا رات کے نو بجے اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ وہ نیلا گاؤن پہنے ہوئے تھی اور جمائیاں لے رہی تھی۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟" مارتھا نے پوچھا۔

"نیند مجھے ہمیشہ فائدہ پہنچاتی ہے۔ مجھے کچھ چائے اور ٹوسٹ مل جائیں گے؟"

"ضرور' آؤ بیٹھو۔ میں تمہارے لیے ابھی یہ چیزیں لے کر آتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ پہلے میں کچھ دیر باہر کی تازہ ہوا میں ٹہل لوں۔"

"جلدی آنا۔" مارتھا نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں۔"

مارتھا جیسے ہی کچن میں داخل ہوئی' پامیلا باہر جانے کے بجائے اپنے کمرے کی طرف لپکی۔ اس نے دروازے کے قریب رکھا ایک بنڈل اٹھایا اور تیزی سے باہر کی جانب چل دی۔ اس بنڈل میں سیاہ پینٹ اور سیاہ بلاؤز کے پھٹے ہوئے ٹکڑے تھے۔ اس نے گلی میں پہنچ کر ایک طرف رکھے ہوئے کوڑے دان میں وہ بنڈل پھینک دیا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔ پانچ منٹ کے بعد وہ واپس گھر لوٹ آئی۔

وہ رات کو اطمینان سے سوئی۔ صبح اپنے معمول کے مطابق اٹھی اور ابھی وہ ناشتا کر ہی رہی تھی کہ ایک پولیس مین نے دروازے کی کال بیل بجائی۔ اس نے پامیلا کو رینالڈ کی ناگہانی موت کی خبر سنائی اور گہرے رنج اور صدمے کا ردِعمل ظاہر کیا۔

"سارجنٹ نے آپ کو بلایا ہے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"آپ مجھے تھوڑی سی مہلت دیں تاکہ میں اپنے حواس

بحال کرسکوں۔"

کانسٹیبل نے بھی دکھ کا اظہار کیا "یہ خبر یقیناً آپ کے لیے تکلیف دہ ہے۔ بہرحال' آپ تیار ہو جائیں۔ میں انتظار کررہا ہوں۔"

پامیلا اٹھی تو ذرا سی چکرا گئی۔ اس نے ایک ایڑی پر زور دے کر خود کو سنبھالا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں داخل ہوگئی۔ بستر پر بیٹھ کر اس کا دل چاہا کہ ہنسے لیکن اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

وہ سوچنے لگی کہ جب والٹر اپنی کتھا سنائے گا تو اس پر کون یقین کرے گا۔ اس کا آج کے معروف مصنف کے گھر جاکر ادبی جعلسازی کا ذکر سننا اور وہاں سے چپ چاپ واپس لوٹ جانا' پھر اس کا یہ کہنا کہ پامیلا سیاہ پینٹ اور سیاہ گرم بلاؤز پہنے ہوئے تھی! یہ باتیں بے تکی اور بے جواز ثابت ہوں گی۔ پامیلا نے دل ہی دل میں یہ بھی فیصلہ کرلیا کہ وہ خود والٹر کا کوئی ذکر نہیں کرے گی۔ وہ انتظار کرے گی کہ پولیس خود ہی اس کا سراغ لگائے۔ پولیس کو اس کا نام ڈائری میں ملاقاتیوں کی فہرست میں مل جائے گا۔ والٹر تسلیم کرے گا کہ رینالڈ سے اس کی ملاقات کا وقت مقرر تھا اور وہ اس کے گھر گیا تھا۔ رہی ادبی سرقے کی بات تو اس کا ثبوت موجود تھا۔

پامیلا کی نوٹ بک میں شارٹ ہینڈ میں وہ ڈراما محفوظ تھا۔ وہ آج شام کے اخباروں میں اس جرم کی واردات جلی سرخیوں میں دیکھنے کی منتظر تھی۔ "نوجوان مصنف نے اپنے مسودے کی چوری پر طیش میں آکر ایک ممتاز ڈراما نگار کو گولی مار کرہلاک کردیا۔"

پامیلا خود کو مکمل طور پر محفوظ تصور کرنے لگی۔

وہ اٹھی' اپنے بال سنوارے اور کمرے سے نکل آئی "مارتھا! مجھے نہ جانے وہاں کتنی دیر لگ جائے کیونکہ ممکن ہے بہت سے کام نمٹانے پڑیں۔ پولیس کے علاوہ اخباری رپورٹرز سے بھی واسطہ پڑے گا۔ تم ہرگز پریشان نہ ہونا۔"

مارتھا نے اسے گالوں پر تھپکی دی "میں جانتی ہوں تم کتنی فکر مند ہو۔ جہاں تک ہوسکے جلد گھر واپس آجانا اور انہیں سب کچھ بتادینا۔"

وہ جیسے ہی بہن سے رخصت ہوکر پولیس کار میں بیٹھنے کے لیے بڑھی' اس نے کوڑے کے ایک ٹرک کو دیکھا جو کوڑے دان سے کچرا اٹھاکر روانہ ہورہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور پولیس کار کی اگلی نشست پر بیٹھ گئی۔

"یہ حادثہ ہوا کس طرح؟" پامیلا نے کار کے روانہ ہوتے ہی کانسٹیبل سے سوال کیا۔

فیروپائرین (رجسٹرڈ)

قائم شدہ 1956

T.M. Reg. 7635

فیروپائرین دانتوں میں لگے ہوئے سب کیڑوں کو جڑ سے بالکل ختم کردیتی ہے۔

فیروپائرین دانتوں اور مسوڑوں میں ٹھنڈا اور گرم پانی لگنا بند کردیتی ہے۔

فیروپائرین پائیوریا کی خطرناک بیماری دور کرکے دانتوں اور مسوڑوں کو تندرست رکھتی ہے۔

فیروپائرین مسوڑوں سے گندہ اور بادی پانی خارج کرکے ورم اور سوزش اتارتا ہے۔

فیروپائرین مسوڑوں سے خون نکلنا بند کرکے مسوڑوں کو مضبوط اور سخت بناتی ہے۔

فیروپائرین منہ کے ان تمام جراثیم کو ہلاک کرتی ہے جو دانتوں میں کیڑا لگانے کا سبب بنتے ہیں۔

فیروپائرین منہ میں گندگی اور بدبو دور کرکے سانسوں کو خوشگوار بناتی ہے۔

فیروپائرین دانتوں مسوڑوں اور منہ کی سب پیچیدہ بیماریوں کی بے مثال دوائی ہے۔

فیروپائرین جراثیم کش ہے زخموں پر لگائی جاسکتی ہے۔

Packing
10 ml Rs. 12.00.
25 ml Rs. 24.00

ہر اچھے گھر کی ضرورت

تیار کردہ فیر لیبارٹریز O/1084، غازی روڈ، راولپنڈی۔ فون (051-451631)

"ہمیں اب تک اس سلسلے میں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکی بس یہی معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ رات کوئی مسٹر رینالڈ کے گھر میں داخل ہوا اور اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ ہو سکتا ہے وہاں کچھ ایسی چیزیں مل جائیں جن سے ہمیں مجرم تک پہنچنے کی راہ مل جائے۔"

"وہ ایک نئے ڈرامے کی تیاری میں مصروف تھے۔" پامیلا نے بڑے دکھ سے کہا "وہ بڑی دلجمعی اور لگن کے ساتھ اس کام میں منہمک تھے۔ گھر میں کسی کے داخل ہونے کی آہٹ بھی شاید وہ نہیں سن سکے ہوں گے۔"

"قاتل نے انہی کے ریوالور سے انہیں قتل کر دیا۔" کانسٹیبل نے گویا اسے مطلع کیا۔

پامیلا نے طویل سانس لی پھر بولی "ان کے پاس تو کوئی ریوالور نہیں تھا' سوائے اس کے جو کسی نے انہیں گفٹ کیا تھا اور وہ بھی بہ طور پیپر ویٹ ان کی میز پر پڑا رہتا تھا اور ہمیشہ خالی رہتا تھا۔"

"گزشتہ رات وہ خالی نہیں تھا۔"

"کیا۔۔۔!" پامیلا تقریباً اچھل پڑی "یہ کیسے ممکن ہے۔"

"کیوں؟ کیا ریوالور میں گولیاں نہیں بھری جا سکتیں؟" کانسٹیبل نے کہا "ابھی اس میں چار گولیاں اور باقی ہیں۔"

"اف۔۔۔!" پامیلا نے پیشانی رگڑتے ہوئے کہا "اس ریوالور میں کس نے گولیاں بھری تھیں؟"

"خاتون آپ پریشان نہ ہوں۔" کانسٹیبل نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "یہ معلوم کرنا ہمارا کام ہے۔ سارجنٹ آپ سے چند سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ مقتول کی سیکریٹری تھیں۔ آپ کو ان کے معاملات کا علم ہوگا۔ ہمارا خیال ہے آپ اس سلسلے میں بہتر نشاندہی کر سکتی ہیں۔"

"کاش' کاش میں ایسا کر سکتی۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی "مگر اس وقت تو میرے حواس ہی ٹھکانے نہیں ہیں۔"

"خاتون! آپ خود کو سنبھالنے کی کوشش کیجئے۔"

پامیلا سامنے دیکھتے ہوئے بولی "ہاں' مجھے یاد آ رہا ہے۔ ان کے پاس ریوالور کی گولیاں تھیں۔ ایک بار میں نے خود دیکھی تھیں لیکن مجھے یہ یاد نہیں آ رہا کہ وہ انہیں رکھتے کہاں تھے۔"

"یاد کرنے کی کوشش کیجئے خاتون!"

"انہیں آخر ریوالور میں گولیاں بھرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کیا انہیں کسی سے جان کا خطرہ تھا۔۔۔!" پامیلا خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی لیکن کانسٹیبل نے یہ بڑبڑاہٹ واضح طور پر سنی۔

"دراصل یہی بات ہمیں معلوم کرنی ہے۔" کانسٹیبل بولا۔

"مقتول کو سب سے پہلے کس نے دیکھا تھا؟" پامیلا نے پوچھا۔

"صفائی کرنے والے نے۔ وہ ان کا کمرا صاف کرنے آیا تھا۔" کانسٹیبل نے کار موڑی اور سڑک سے گلی میں داخل ہو گیا جس میں رینالڈ کا گھر تھا۔ وہاں پولیس کی کچھ اور کاریں بھی کھڑی تھیں۔ آس پاس کے مکانوں سے چند آدمی بھی وہاں اپنا تجسس دور کرنے کے لیے کھڑے تھے۔ اخباری نمائندے اب تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔ پامیلا نے خوشی محسوس کی کہ فی الحال اخباری رپورٹرز کے سوالات کا مرحلہ درپیش نہیں تھا۔

کانسٹیبل اسے مطالعے کے کمرے کے برابر والے کمرے میں بٹھا کر بولا "آپ یہاں بیٹھیں' سارجنٹ یہیں آئیں گے۔"

پامیلا ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور سارجنٹ کے متوقع سوالات کے جواب دینے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے لگی۔ معاملے کا کمزور ترین پہلو بھرے ہوئے ریوالور کا معما تھا لیکن اسے حل کرنا پولیس کا کام تھا اور انہیں اس سلسلے میں کسی پر بھی شک کرنے کا اختیار تھا۔ ممکن ہے پولیس اس معمے کو حل نہ کر پائے جس سے والٹر کو یقیناً فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ وہ سزائے موت سے بچ سکتا تھا لیکن پھر بھی اس کے امکانات بہت کم تھے۔ جب شہادتیں ملنا شروع ہو جائیں گی تو وہ لازمی طور پر ملزم بنا کر پیش کیا جائے گا۔ پامیلا کی منصوبہ بندی بڑی مؤثر تھی۔ یہ رینالڈ جیسے عظیم مصنف کی تربیت کا اثر تھا۔

پامیلا نے قدموں کی چاپ سنی۔ کچھ لوگ اسی کمرے کی طرف آ رہے تھے۔ اس نے اٹھ کر دروازے کی طرف دیکھا اور بے اختیار اس کا جی چاہا کہ وہ مسکرائے۔ کمرے میں سارجنٹ داخل ہو رہا تھا۔ پامیلا کا منہ فرطِ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ سارا کیس گویا تحقیقات کے تمام مراحل طے کر کے مکمل ہو چکا تھا۔

پامیلا کو محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں اس کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہیں۔ وہ دھم سے دوبارہ کرسی پر گر گئی۔

"ارے مس پامیلا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" سارجنٹ نے مسکرا کر پوچھا۔ پامیلا پھٹی پھٹی آنکھوں سے سارجنٹ والٹر کو دیکھ رہی تھی۔



چکّر در چکّر

نجمہ مودی

کسی نے کیا خوب کہا ہے ، بھولی صورت والے ہوتے ہیں جلاد بھی۔" اس جج کو کسی سیدھے سادے ملازم کی ضرورت تھی جسے وہ اپنے خصوصی مقصد کے لیے استعمال کرسکے اور ایک ایسا قیدی اُسے جیل میں مل بھی گیا مگر وہ کچھ زیادہ ہی سیدھا نکلا، جج صاحب کی توقع سے بھی زیادہ۔

جرم کی اس زنجیر کا نظارہ جس کی تمام کڑیاں آپس میں مل گئی تھیں

"تمہارا نام کیا ہے؟" جج ولنگٹن نے پوچھا۔

"فریڈ لیسٹر۔" نوجوان قیدی نے مختصر جواب دیا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ سیدھا اور مؤدب کھڑا تھا۔

"کس جرم میں سزا کاٹ رہے ہو؟"

"مجھ پر اپنی بیوی کے قتل کا الزام عائد کیا گیا تھا۔" قیدی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

جج ولنگٹن نے پُرخیال نظروں سے اس نوجوان قیدی کو دیکھا۔ وہ ایک خوش شکل اور صحت مند قیدی تھا اور اس کی ضرورت کے عین مطابق بھی۔ وہ چند لمحے اسے تولتی نظروں

سے دیکھتا رہا۔ سگار سلگاتے ہوئے جج ولنگٹن نے عدالتی لہجے میں پوچھا۔ "الزام عائد کیا گیا تھا یا تم نے قتل کیا تھا؟"

"عدالت نے مجھے دوسرے درجے کا قاتل قرار دیا تھا۔" قیدی فریڈ لیسٹر نے کہا۔ "مجھے سات سال کی سزا سنائی گئی تھی۔ پانچ سال پورے کرچکا ہوں۔ ڈیڑھ سال کی سزا معاف ہوچکی ہے اور سزا کے مزید چھ ماہ باقی ہیں۔"

"اگر تمہیں کچھ عرصہ جیل سے باہر کام کرنے کا موقع دیا جائے تو فرار ہونے کی کوشش تو نہیں کرو گے؟"

"بالکل نہیں۔"

"ہوش مندی کا تقاضا بھی یہی ہے۔" جج ولنگٹن نے کہا۔ "یوں تو فرار ہونا کسی وقت بھی مناسب نہیں لیکن جب سزا قریب الاختتام ہو تو فرار کی کوشش کرنا بہت بڑی حماقت ہوگی۔"

قیدی فریڈ لیسٹر خاموش رہا۔

"اچھا اب تم جاؤ۔" جج نے کہا اور جب نوجوان باہر چلا گیا تو اس نے وارڈن ارل ماروِن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ شخص مناسب معلوم ہوتا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" ارل ماروِن نے کہا۔ "نہایت شریف اور ٹھنڈے مزاج کا نوجوان ہے۔ پانچ برس کے دوران میں اس نے ایک دفعہ بھی پریشان نہیں کیا۔ اس کی سزا میں ڈیڑھ سال کی تخفیف بھی اچھے کردار کی بنا پر ہوئی ہے۔"

"خوب، تمہارے خیال میں یہ گھر کا کام کاج کرلے گا؟"

"کام کے معاملے میں یہ شخص انتہائی حیرت انگیز ہے۔ جو کام بھی بتاؤ نہایت صفائی کے ساتھ کرتا ہے۔ صحیح معنوں میں حکم کا غلام ہے۔ انکار کرنا تو جانتا ہی نہیں۔"

"ہر کام صفائی سے کرتا ہے۔" جج ولنگٹن نے دل ہی دل میں دُہرایا۔ اسے بھی کسی ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جو صفائی کے ساتھ کام کرتا ہو۔ کم گو اور ٹھنڈے مزاج کا ہو اور کسی کام سے انکار نہ کرتا ہو۔ "اچھا مسٹر ماروِن۔" جج نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اسے کل سے میرے ہاں بھیج دیا کرو۔ میں اسے کچھ معاوضہ بھی دے دیا کروں گا۔"

"معاوضے کی کوئی ضرورت نہیں مسٹر ولنگٹن یہ کیا کم ہے کہ اسے آپ باہر کی آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع فراہم کررہے ہیں۔"

"کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ رقم رہائی کے بعد اس کے کام آجائے گی۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور پھر پیدل ہی اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ جیل کی چاردیواری سے بمشکل دو سو گز کے فاصلے پر رہتا تھا۔ گو اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی تاہم وہ ایک تندرست و توانا شخص تھا۔ چہرے پر وجاہت اور چال میں وقار پایا جاتا تھا جو ایک جج کی شان کے عین مطابق تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اس کا مسئلہ چند ہفتوں کے اندر حل ہوجائے گا۔

اس کا مسئلہ یہ تھا کہ اس کی تیس سالہ خوبرو بیوی ڈیانا نہ صرف رنگین مزاج، دل پھینک اور بے وفا تھی بلکہ بہت تند مزاج بھی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتی تھی۔ وہ کافی عرصے سے اس سے جان چھڑانے کی کوئی سہل اور مؤثر تدبیر سوچ رہا تھا۔ ایک طریقہ طلاق تھا لیکن اس میں کئی قباحتیں تھیں۔ سب سے بڑی قباحت یہ تھی کہ اسے طویل قانونی کارروائی کرنی پڑتی۔ جس میں بدنامی بھی ہوتی اور ذہنی کوفت بھی۔ اس کے باوجود یہ بات یقینی نہیں تھی کہ وہ اسے طلاق دینے میں کامیاب ہوجاتا۔ علاوہ ازیں طلاق کی صورت میں اسے جائداد کے ایک کثیر حصے سے محروم ہونا پڑتا۔ لہٰذا وہ کسی ایسی ترکیب کی تلاش میں تھا جس سے لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی اور سانپ بھی مرجاتا۔ وہ ڈیانا سے بھی نجات چاہتا تھا اور جائداد سے بھی دستبردار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ بالآخر وہ ایک قابلِ عمل منصوبہ سوچنے میں کامیاب ہوگیا۔

فریڈ لیسٹر نامی نوجوان قیدی کا انتخاب اس منصوبے کا پہلا مرحلہ تھا۔

فریڈ لیسٹر چونکہ ایک خوش شکل اور صحت مند نوجوان تھا... اس لئے جج ولنگٹن کو توقع تھی کہ ڈیانا ضرور اس کی طرف مائل ہوگی۔ اس کے بعد اس کا کام بہت آسان ہوجائے گا۔ وہ موقع پاکر ڈیانا کو قتل کردے گا اور الزام قیدی فریڈ پر لگادے گا۔ قتل کے الزام میں سزایافتہ مجرم کو قتل کے الزام میں پھانسنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اگر اس طرح بات نہ بنی تو اس کے ذہن میں ایک متبادل منصوبہ بھی تھا۔ وہ فریڈ کو کچھ رقم دے کر ڈیانا کے قتل پر آمادہ کرلے گا۔ غرض یہ کہ وہ فریڈ کے ذریعے ڈیانا سے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

لیکن خلافِ توقع صورتِ حال کچھ پیچیدہ سی ہوگئی یا تو فریڈ حد سے زیادہ ہی شریف تھا یا ڈیانا نے اپنی حرکتوں سے توبہ کرلی تھی۔ جج ولنگٹن نے نہ تو ڈیانا کو فریڈ کی طرف مائل دیکھا تھا اور نہ ہی فریڈ کی طرف سے کوئی قابلِ اعتراض حرکت نوٹ کی تھی۔ اس نے دونوں کو خاصی تنہائی فراہم کررکھی تھی۔ وہ کئی دفعہ وقت بے وقت گھر آیا۔ اس خیال سے کہ شاید دونوں کسی وقت قابلِ گرفت حالت میں نظر

آجائیں مگر اسے مایوسی ہوئی۔ وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا۔ منصوبے کی تکمیل چھ مہینے سے پہلے ہوجانی ضروری تھی۔

ایک روز اس نے فریڈ سے تنہائی میں بات کی۔ "فریڈ تمہاری رہائی میں اب چند ہفتے باقی رہ گئے ہیں۔ تم رہا ہونے کے بعد کیا کام کروگے؟"

"جو بھی مل گیا۔" قیدی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"نوجوان!" جج ولنگٹن نے کہا۔ "میں تمہاری کچھ مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"شکریہ جناب! آپ پہلے ہی میری مدد کررہے ہیں۔"

"میں مزید تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ رہا ہونے کے بعد تم اپنے قدموں پر کھڑے ہوسکو۔"

"آپ کی نوازش ہے جناب، میں اب بھی اپنے قدموں پر ہی کھڑا ہوں۔" جج نے اسے غور سے دیکھا کہ وہ طنز کررہا ہے یا واقعی اتنا چغد ہے کہ اس کی بات ہی نہ سمجھ سکے لیکن فریڈ کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

"دیکھنے میں تم اتنے احمق نہیں لگتے لیکن کبھی کبھی تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے سے میری مراد، مالی استحکام ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"اگر آپ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہوں تو میں حاضر ہوں۔"

جج نے آنکھیں پھیلا کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں؟"

"مالی استحکام بغیر کام کئے تو حاصل نہیں ہوسکتا۔"

"ٹھیک سمجھے ہو۔" جج دھیمی آواز میں بولا۔ "لیکن کام ذرا مشکل ہے..... کرلوگے؟"

"آپ حکم کریں۔ میں حاضر ہوں۔ مشکل کام کرنا میرا مشغلہ ہے۔"

جج نے اِدھر اُدھر دیکھا اور مزید دھیمی آواز میں بولا۔ "قتل کرلوگے؟"

نوجوان قیدی نے آنکھیں جھپکائیں۔ پھر بولا۔ "وہ کام تو واقعی مشکل ہے لیکن کرلوں گا..... کون ہے وہ؟"

"میری بیوی ڈیانا۔" جج نے کہا۔ "میں تمہیں اس کام کے دس ہزار ڈالر دوں گا لیکن کام نہایت صفائی کے ساتھ ہونا چاہیے۔"

"کام صفائی کے ساتھ ہوگا لیکن میں اس کے بیس ہزار ڈالر لوں گا اور وہ بھی پیشگی۔"

اس مرتبہ جج ولنگٹن نے آنکھیں جھپکائیں، نوجوان قیدی اس کی توقعات سے کہیں تیز ثابت ہورہا تھا۔

"اگر آپ یہ رقم آج ہی ادا کردیں۔" نوجوان قیدی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تو پرسوں ہفتے کے روز آپ کا کام ہوجائے گا۔"

"ہفتے کے روز!" جج کو یقین کرتے ہوئے دقت محسوس ہوئی۔

"جی ہاں، ہفتے کے روز۔" قیدی فریڈ نے اطمینان سے کہا۔ "ہفتے کی شام آپ ہمیشہ کلب جاتے ہیں اور عام طور پر رات کو نو بجے واپس آتے ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی بھی ہوتی ہے۔"

"ہاں، ہوتی ہے۔"

"اس ہفتے آپ نو بجے کے بجائے ساڑھے آٹھ بجے واپس آجائیں۔ آپ جیسے ہی گھر میں قدم رکھیں گے، میں کسی بھاری چیز سے مسز ڈیانا کے سر پر چوٹ لگاؤں گا۔ وہ فوراً مر جائے گی اور میں واپس اپنی بیرک میں چلا جاؤں گا۔"

جج اس کی بات سمجھتا ہوا بولا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ یہ کارروائی کسی نامعلوم چور کی طرف منسوب کی جائے گی؟"

"جی ہاں۔ آپ مجھے اپنی تجوری کا نمبر بتادیں تاکہ میں اسے کھلا چھوڑ دوں۔ اس کے علاوہ کچھ چیزیں اِدھر اُدھر پھیلا دوں گا۔ میرے جانے کے آدھے گھنٹے بعد آپ پولیس کو فون کرکے "واردات" کی اطلاع دیں گے اور ظاہر کریں گے کہ یہ واقعہ نو بجے کے لگ بھگ پیش آیا ہے۔ اس طرح میری پوزیشن بھی شبہے سے بالاتر ہوجائے گی ورنہ اگر پولیس مجھ تک پہنچ گئی تو سمجھ لیں آپ تک پہنچ گئی۔"

یہ ایک دبی دبی سی دھمکی تھی۔ جسے جج ولنگٹن نے فوراً محسوس کرلیا۔ تاہم اس نے کوئی خیال نہیں کیا چونکہ صورتِ حال کے پیشِ نظر فریڈ کی یہ بات بالکل فطری تھی پھر وہ کافی دیر تک منصوبے کی جزئیات پر بحث کرتا رہا اور بالآخر دونوں کے درمیان ہر بات پر اتفاقِ رائے ہوگیا۔

○☆○

ہفتے کی رات ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ولنگٹن نے نیم تاریک ڈرائیو وے میں گاڑی کھڑی کی اور دروازہ بند کرنے میں دانستہ دیر کی تاکہ ڈیانا پہلے مکان میں داخل ہوجائے۔ وہ قدرے کمزور دل تھا اور ڈیانا کے سر پر چوٹ لگتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب وہ گاڑی مقفل کرچکا تو ذرا سا رُکا۔ ڈیانا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھ رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے "دھب" کی آواز سنی اور اس کے فوراً بعد دبی دبی سی چیخ گونجی پھر اس نے ڈیانا کو تاریک کمرے کے دروازے پر گرتے

دیکھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا۔ فریڈ کو قتل کے جرم میں گرفتار کرا دینا زیادہ مناسب تھا۔ وہ چونکہ پہلے ہی قتل کے جرم میں سزا بھگت رہا تھا اس لئے اس کی بات پر یقین نہیں کیا جائے گا اور جو معاملہ ان کے درمیان طے پایا تھا اس کا کوئی گواہ نہیں تھا۔

وہ احتیاطاً چلتا ہوا دروازے تک گیا اور جھک کر ڈیانا کو دیکھنے لگا۔ پہلے وہ تسلی کرلینا چاہتا تھا کہ ڈیانا مر چکی ہے یا نہیں۔ اس نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا تو اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔ نبض بالکل نارمل انداز میں چل رہی تھی۔

لیکن اس کی یہ حیرت زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے اس کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی اور وہ اٹھنے لگا تو دوبارہ فرش پر گرنے سے پہلے اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

ڈیانا عین موقع پر ایک طرف لڑھک گئی اور اچھل کر اپنے قدموں پر کھڑی ہوگئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ فریڈ کی مضبوط بانہوں میں تھی۔

فریڈ نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "میری رہائی میں صرف تین ہفتے باقی ہیں۔ جب تک یہ بات پرانی ہو چکی ہوگی پھر ہم کسی دوسرے علاقے میں منتقل ہو جائیں گے۔"

"تمہاری وجہ سے میری جان بچ گئی۔" ڈیانا نے کہا۔ "اگر تم نہ بتاتے کہ یہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو شاید اس وقت میری لاش یہاں پڑی ہوتی۔"

فریڈ نے نہایت محبت سے کہا۔ "تمہاری خاطر میں اس سے بھی بڑا کام کرسکتا ہوں۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔

"یاد ہے نا؟ میرے جانے کے آدھے گھنٹے بعد پولیس کو فون کرنا۔ ٹھیک نو بج کر پانچ منٹ پر۔" پھر وہ باہر نکل کر تاریکی میں مدغم ہوگیا۔

اس کے جاتے ہی ڈیانا ایک دم فون کی طرف لپکی اور جیل وارڈن ارل مارون کا نمبر ملایا۔ "تت..... تمہارے قیدی نے ولنگٹن کو قتل کردیا ہے..... ہاں..... ہاں۔ وہ ابھی نکل کر گیا ہے۔ آج ہم کلب سے جلدی آگئے تھے۔ وہ شاید تجوری توڑ کر نقدی نکال رہا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی بدحواس ہوگیا اور ماربل کا بھاری گل دان اٹھا کر ولنگٹن کے سر پر دے مارا..... مم..... میں جلدی سے دوڑ کر دوسرے کمرے بند ہوگئی ورنہ وہ مجھے بھی مار ڈالتا۔ پلیز جلدی یہاں پہنچو۔ میں بہت پریشان ہوں اور ایمبولینس کو بھی فون کردینا۔"

اشتہارات

ایک دیوار پر اشتہارات ایک دوسرے کے اوپر لگے ہوئے تھے اور پھٹے پرانے اور غیر مستعمل ہونے کی وجہ سے یوں پڑھے جا رہے تھے۔

"آج ایک سیاسی جماعت اور امجد کی پتنگوں کے درمیان ایک عظیم الشان جلسہ کھیلا جا رہا ہے جس کے ستارے یہ ہیں۔ گھوڑا' چابی اور کرسی۔ مہمان اداکار صابن خان وزیراعظم کی آمد آمد ہے۔ لہٰذا آپ حضرات سے لنگڑا کر اپیل کی جاتی ہے کہ ائرکنڈیشنڈ مرغ کھانے کے لیے اسٹیڈیم میں تشریف لاکر ہر قسم کا کپڑا خریدیں۔"

○☆○

.....

فون بند کرنے کے بعد ڈیانا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ اس نے زیرلب کہا۔ "بے وقوف سمجھتا تھا میں اس کی محبت میں گرفتار ہوگئی ہوں..... محبت انسانوں سے کی جاتی ہے قاتلوں سے نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب اسے عمرقید سے کم سزا نہیں ہوگی۔"

اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ وہ فون پر ایک اور نمبر ملانے لگی پھر نچلی آواز میں بات کرنے لگی۔ "ہیلو آرنلڈ! کام ہوگیا۔ اب ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی..... ہاں..... ہم جس کام کے لئے اتنے عرصے سے سوچ رہے تھے' وہ بالکل اتفاقی طور پر اور بہت خوبصورتی سے ہوگیا..... ولنگٹن کم بخت تو میرے قتل کے درپے تھا۔ اگر فریڈ مجھ پر فریفتہ نہ ہو جاتا تو ہم ولنگٹن کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں سوچتے ہی رہتے اور اس کی جگہ میں قتل ہو جاتی..... ہاں..... بہرحال کچھ دن تو لگیں گے..... فریڈ کا اب عمر بھر جیل سے باہر آنے کا کوئی امکان نہیں....."

وہ کچھ دیر دوسری طرف سے بات سنتی رہی پھر ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی۔ "ڈرنے کی کوئی بات نہیں..... ہم یہاں بھی اطمینان سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ میں ایک دولت مند جج کی بیوہ ہوں..... آرام و آسائش سے زندگی گزارنے کے لئے میرے پاس بہت کچھ ہوگا۔"



نجمہ مودی

شریف آدمی

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

مرزا غالب نے یہ شعر نہ معلوم کس واقعے سے متاثر ہوکر کہا تھا مگر زیرِ نظر کہانی کے مرکزی کردار کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ وہ ایک شریف، قانون پسند بزنس مین ہے مگر شہر میں ہونے والا ہر جرم اس کے کھاتے میں ڈال کر اس پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں اور اس بات سے وہ بہت پریشان ہے۔

ایک شریف آدمی کا اظہارِ حال۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مجرم ہے

سب سے پہلے میں آپ حضرات سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ایک انتہائی قانون پسند شہری ہوں اور کافی عرصے سے اسی طرح چلا آرہا ہوں۔ یہی بات میں نے سینیٹ کے ان معزز ممبران کو بتائی تھی جنہوں نے ٹیلی وژن پروگرام میں مجھ سے سوالات کیے تھے اور میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ حقیقت بھی یہی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں جھوٹ بولتا ہوں یا میں نے جھوٹا حلف اٹھایا تھا' وہ خود پرلے درجے کا جھوٹا اور دروغ گو ہے۔ میں نے زندگی میں کسی بھی موڑ پر راست گوئی کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

ہوسکتا ہے کہ مجھے اپنے جملہ کاروبار کے بارے میں تفصیلات کا علم نہ ہو کیونکہ میں اپنے قابلِ احترام بزرگوں کے مقولے کے مطابق آم کھاتے ہوئے پیڑ گننے کا قائل نہیں ہوں۔ اگر مجھے مختلف کاروبار منافع دے رہے ہیں تو آخر مجھے ان کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ یہ بات درست ہے کہ میں اس کلب کا مالک ہوں جو نیو آرلینز کے باہر واقع ہے اور جو میرے دوسرے کاروبار کی طرح مجھے معقول منافع پہنچا رہا ہے۔ میں خود کبھی اس کلب میں نہیں گیا بلکہ میں نے اسے آج تک دیکھا بھی نہیں۔ اگر وہاں جوا ہوتا ہے تو مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ میرے پاس بہترین کاروباری مشیر ہیں اور میں ہمیشہ ان کے مشوروں پر عمل کرتا ہوں۔

کئی برسوں سے میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ میں صرف جائز کاروبار میں سرمایہ لگاتا ہوں اور قانون کا احترام کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہوں۔ میں اپنا انکم ٹیکس باقاعدگی سے ادا کرتا ہوں اور ہمیشہ خیراتی اداروں کی فیاضی کے ساتھ اعانت کرتا ہوں۔ سوسائٹی اور حکومت کے اونچے

حلقوں میں کئی لوگ میرے گہرے اور بہت اچھے دوست ہیں۔ ان سے پوچھا جائے تو وہ بھی یہی بات کہیں گے۔ ایک دو سال کے اندر میرا ارادہ تھا کہ میں اس شہر کی انتظامیہ کو بھی اپنی خدمات سے مستفید ہونے کا موقع عنایت کروں اور بدقسمتی سے اگر یہ واقعہ پیش نہ آجاتا تو لوگ دیکھتے کہ میں ان کے لیے کیا کچھ کرسکتا ہوں مگر اب جب کہ یہ سب کچھ ختم ہوچکا ہے۔ میں یہ احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھ جیسے شریف، معزز اور قانون پسند شہری کے ساتھ یہ سلوک سراسر نامناسب اور انصاف کے خلاف تھا۔

میں پس منظر کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا کیونکہ گزشتہ سال سب ہی لوگ اسے ٹیلی وژن پر دیکھ اور سُن چکے ہیں۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں سن انیس سو پینتیس میں سسلی میں پیدا ہوا تھا جہاں میرا نام پاسکل تھا اور یہ کہ آج کل میرا قانونی نام پٹ کوچرین ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اب قانونی طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکا کا شہری ہوں اور ہر اچھے شہری کی طرح قانون کا احترام کرتا ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے کچھ عرصہ جیل میں بھی گزارا ہے مگر آپ یقین کریں کہ میرا جرم بہت معمولی تھا۔ ایسا جرم جس میں کوئی بھی بلند عزم اور ہمت رکھنے والا نوجوان ملوث ہوسکتا ہے۔ میں نے صرف ایک کار چرانے کی کوشش کی تھی۔

میں آپ لوگوں کو یہ بھی بتاچکا ہوں کہ جیل سے باہر آنے کے بعد میں نے جرمنی میں ایک شراب خانہ کھول لیا تھا۔ میں اپنی جملہ آمدنی پر نہایت ایمانداری کے ساتھ انکم ٹیکس ادا کرتا تھا۔ اس لیے اگر دیکھا جائے تو میرا وہ کاروبار بھی قطعی جائز اور قانونی تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ اسے اتنا قانون کے مطابق نہیں کہہ سکتے جتنا کہ میں آج کل بن گیا ہوں۔ چنانچہ یہ بات قطعی نامناسب ہے کہ مجھے امریکا میں منظم جرائم کا سرغنہ کہا جائے جبکہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی بھی میرے خلاف ایسے کسی الزام کو ثابت نہیں کرسکتا۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ایسا شخص سامنے آئے جس پر میں اپنے نام نامی کو ذلیل ورسوا کرنے کے جرم میں ہتکِ عزت کا مقدمہ دائر کرسکوں۔

بہرحال اب میں اصل نقطے پر آنا چاہتا ہوں اور آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھ پر کیا گزر چکی ہے کیونکہ جو کچھ بھی گزری ہے، وہ سراسر ظلم وناانصافی کی بات تھی اور میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ سارے حالات آپ کے سامنے رکھ کر آپ کو بھی اس زیادتی کا احساس دلایا جائے۔

دراصل میں رالف کے بار میں دوپہر کا کھانا کھانے کا عادی ہوں کیونکہ وہ بہت اونچے درجے کی بار ہے اور وہاں صرف اعلیٰ طبقے کے لوگ ہی آتے ہیں اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جہاں باحیثیت اور ذی شان لوگوں کی آمدورفت ہو وہاں خیراتی اداروں کے لیے چندہ مانگنے والے بھی پہنچ جاتے ہیں۔ میری طبیعت ہی کچھ ایسی ہے کہ میں کبھی خیراتی کام میں مدد کرنے سے انکار نہیں کرسکتا۔ میں نے اس بار میں اتنا چندہ دیا ہے کہ حساب لگایا جائے تو میرا ایک وقت کا کھانا ہزاروں ڈالر کا جاکر بیٹھے گا اور یہ وہ قیمت ہے جو میں نہیں سمجھتا کہ نیویارک میں میرے علاوہ کسی اور نے خرچ کی ہوگی۔

چندہ طلب کرنے کے باوجود میں اپنے ان ملاقاتیوں اور دوستوں کی بے حد عزت کرتا ہوں۔ میں نے کبھی ان سے کوئی فائدہ اٹھانے یا کاروباری تعلقات قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان شریف اور معزز حضرات کی دوستی کو اپنے لیے بڑا قیمتی خیال کرتا تھا۔ ٹیلی وژن پریس نے ایک گزشتہ انٹرویو میں یہ کہہ دیا تھا کہ میں رالف میں کم وبیش روزانہ لنچ کرتا ہوں ... بس کہہ گیا۔ کاش یہ بات میرے منہ سے نہ نکلی ہوتی۔ اگر ٹیلی وژن پر یہ ذکر نہ آگیا ہوتا تو ان لڑکوں کو کبھی یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ وہ مجھے کہاں پاسکتے ہیں اور وہ سب کچھ بھی پیش نہ آتا جو اس کے نتیجے میں پیش آیا۔

سنیچر کا دن تھا۔ میں بار میں لنچ سے پہلے تھوڑی سی شراب پی رہا تھا کہ وہ لڑکے وہاں گھس آئے۔ ان سب کے بال بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے گرے رنگ کے سوٹ اور گلابی قمیصیں پہن رکھی تھیں۔ گلے میں سیاہ رنگ کی ٹائیاں بندھی تھیں اور پیروں میں گھڑسواری کے گندے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ ان کا حلیہ دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ معزز خاندان کے چشم وچراغ اور کالج کے طالب علم ہیں۔

وہ بار میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف دیکھا اور پھر سیدھے میری میز پر آگئے۔

"مسٹر کوچرین!" ان میں سے ایک نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا "ہم اس دخل اندازی کے لیے معذرت خواہ ہیں مگر میرے ڈیڈی کا خیال تھا کہ آپ ہمیں یہاں ضرور مل جائیں گے۔ میرا نام آئزک ہے اور یہ میرا دوست جوزف ہے۔ میرے ڈیڈی کا نام ہنری مائنوٹ ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ ان سے دو تین ماہ پہلے ایک ڈنر کے موقع پر ملے تھے۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔" میں نے جواب دیا "تم سب سے مل کر خوشی ہوئی۔ کیا پینا پسند کروگے؟"

میرے لیے یہ ملاقات اور پھر لڑکے کا اپنے والد ہنری کا حوالہ دینا بڑا عجیب تھا کیونکہ مجھے تو ہنری سے ملاقات بخوبی یاد

تھی مگر میں یہ شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ اسے یہ ملاقات یاد نہیں ہوگی یا اگر ہوگی تو بھی وہ اس کا اعتراف نہیں کرے گا۔ وہ بہت شریف اور بہت دولت مند آدمی ہے۔ کوئی آدمی خواہ کتنا ہی قانون پسند کیوں نہ ہو' اسے ہنری جیسے لوگوں سے بار بار ملنے کا اتفاق بہت کم ہوتا ہے۔ کوئی چاہے بھی تو ہنری اس کا موقع نہیں دیتا چنانچہ مجھے بار میں اس لڑکے سے مل کر اور اسے پینے کی دعوت دے کر بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

"شکریہ مسٹر کوچرین!" نوجوان آئزک نے جواب دیا۔ "دراصل ہم اس وقت کسی اور ہی کام سے آئے ہیں۔" وہ بدستور کچھ پریشان اور گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا "بات یہ ہے کہ ڈیڈی آپ سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر ابھی آپ نے لنچ شروع نہ کیا ہو اور آپ آسانی سے تشریف لاسکیں تو وہ بہت ممنون ہوں گے۔ کام بہت اہم اور ضروری ہے مسٹر کوچرین! اگر آپ اس وقت ہمارے ساتھ چلیں تو ہم یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔"

آپ لوگ جانتے ہیں کہ دنیا میں ایک دوسرے کو ممنون کرکے ہی کام نکالا جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے مخصوص لوگوں پر احسان کرنا اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہنری بہت مخصوص آدمی تھا۔ مجھے پہلے کبھی اس کے ساتھ کوئی احسان کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ چنانچہ میں نے شراب کا گلاس میز پر یونہی چھوڑا اور پانچ ڈالر کا نوٹ بارٹینڈر کو دیتے ہوئے ان لڑکوں کے ساتھ چل دیا۔

○☆○

بار کے باہر میری کیڈی لاک کھڑی تھی اور ہمیشہ کی طرح ڈرائیور بھی سیٹ پر بالکل مستعد بیٹھا ہوا تھا۔ اسے میری ہدایت تھی کہ کبھی کار کو چھوڑ کر نہ جائے' اس خیال سے کہ مبادا مجھے انتہائی عجلت میں کہیں جانا پڑ جائے۔ مسٹر وچل نے کہا ہے کہ ڈرائیور کو کار میں ہمہ وقت بیٹھے رہنے کی ہدایت میں نے اس لیے دے رکھی تھی کہ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں کوئی میری کار میں بم نہ رکھ جائے۔ یہ ایک بہتان ہے کیونکہ آپ خود سوچیے کہ کوئی مجھ جیسے قانون پسند شہری کو آخر بم سے اڑانے کی کوشش کیوں کرے گا؟ اسی طرح یہ بھی جھوٹ ہے کہ میرا ڈرائیور الفور میرا محافظ اور باڈی گارڈ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک بزنس مین کی حیثیت سے مجھے کسی باڈی گارڈ کی کیا ضرورت تھی چنانچہ سچی بات یہی ہے جو میں نے ابھی بیان کی۔

میں نے باہر آکر دیکھا کہ آئزک اپنی غیر ملکی اسپورٹس کار میں بیٹھ رہا ہے تو میں نے اپنی کیڈی لاک میں جانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ مجھے پہلے کبھی کسی غیر ملکی اسپورٹس کار میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا اور دوسری بات یہ کہ میں مسٹر ہنری کی کار میں واپس آنا چاہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ لوگ مجھے اس کی کار میں دیکھیں گے تو زیادہ متاثر ہوں گے۔ چنانچہ میں آئزک کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

ہنری جس قصباتی مکان میں رہتا تھا' وہ ففتھ ایونیو پر واقع تھا۔ ایک کاروباری آدمی کی حیثیت سے مجھے علم ہے کہ نیویارک یا اس کے مضافات میں کسی مکان کے رکھ رکھاؤ پر کیا خرچ ہوتا ہے اور میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ ہنری جس

دُنیا بھر میں پاکستانی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے برآمد کنندگان

FAIR EXPORT HOUSE

اس کے علاوہ پاکستانی/ہندوستانی کیسٹ، سی ڈی، پاکستانی ٹی وی
ڈرامے اور دیگر ثقافتی پروگراموں کے لیے بھی رابطہ کیجیے

FAIR EXPORT HOUSE
C-41, Block-B Gulshan-e-Jamal
Off, Rashid Minhas Road Karachi, Pakistan
Phone: (9221) 4574628- (9221) 4595462
Fax: (9221) 4595491-e-mail: fair@cyberaccess.com.pk

ٹھاٹ باٹ سے رہتا ہے اس پر اسے کم و بیش دو لاکھ ڈالر سالانہ خرچ کرنے پڑتے ہوں گے اور یہ صرف ایک مکان کی بات ہے اسی سے آپ اس کی امارت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بہرحال جب ہم وہاں پہنچے تو میں نے دیکھا کہ جس بلاک میں اس کا مکان واقع ہے اسی بلاک میں مکان سے کچھ فاصلے پر دو بغیر نمبر کی کاریں کھڑی ہیں اور ان میں پولیس کے جاسوس بھرے ہوئے ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ آئزک نے ان کی موجودگی کو محسوس کیا ہوگا مگر میں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ شاید ہنری کسی قانونی معاملے میں پھنس گیا ہے اور اسے میری مدد کی ضرورت ہے۔ میرا مطلب ہے کہ تقریباً ہر شخص کو اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی پولیس سے سابقہ ضرور پڑتا ہے اور ہنری جیسا اونچے طبقے کا آدمی ممکن ہے پولیس سے نمٹنے کا فن نہ جانتا ہو۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کے علاوہ میرے ذہن میں کوئی خیال نہیں تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے ہاتھ بالکل صاف تھے لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جن سے پرانے تعلقات ابھی بھی چلے آرہے تھے چنانچہ میں سوچ رہا تھا کہ ہنری کو واقعی کسی مدد کی ضرورت ہے تو میں اس سے قطعی دریغ نہیں کروں گا۔

○☆○

سوچنے یا معلوم کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا کہ وہ کس پریشانی میں مبتلا ہوگیا ہے۔ آئزک نے زیرلب بڑبڑاتے ہوئے پولیس والوں سے کچھ کہا اور کار مکان کے سامنے سے گزارتے ہوئے بغیر رکے آگے بڑھ گیا۔ اگلے موڑ سے گھوم کر ہم ایک گلی میں داخل ہوگئے۔ آئزک نے کار روک لی۔

"مسٹر ہنری آپ سے کوئی پرائیویٹ بات کرنا چاہتے ہیں۔" دوسرے لڑکے جوزف نے نرم لہجے میں کہا "اس لیے ہم نے یہ بہتر سمجھا کہ بیرونی دروازے کے بجائے آپ کو عقبی دروازے سے براہِ راست ان کے اسٹڈی روم میں لے جائیں' امید ہے آپ خیال نہیں کریں گے۔"

یہ لڑکے جس مہذبانہ انداز میں مجھ سے گفتگو کر رہے تھے' اسے دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر میرا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو میں اسے بھی اس کالج میں تعلیم دلاتا جس میں یہ لڑکے پڑھتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کالجوں کے نوجوان کچھ ایسی عادتوں میں بھی پڑجاتے ہیں جنہیں میں اپنے لڑکے میں دیکھنا پسند نہ کرتا۔

بہرحال ہم لوگ کار سے اُترے۔ آئزک نے مکان کا عقبی دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ جوزف اس انداز سے رک گیا جیسے احتراماً پہلے مجھے اندر جانے کا موقع دینا چاہتا ہے لیکن میں نے ابھی دروازے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اس نے میرے سر پر وار کرکے مجھے بے ہوش کردیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ کوئی ربر چڑھا ہوا لوہے کا ڈنڈا تھا کیونکہ اس کی چوٹ سے سر کی کھال زخمی نہیں ہوئی تھی۔ آئزک آگے تھا اس نے ضرور مجھے گرنے سے روک لیا ہوگا۔ اس طرح میرے گرنے سے جو آواز ہوتی' وہ بھی نہ ہوئی اور گلی میں کوئی بھی اس کارروائی سے واقف نہیں ہوسکا۔

اس کے بعد جس چیز کا مجھے ہوش ہے' وہ اسپتال میں رچی ہوئی جیسی بُو تھی۔ سر کے علاوہ بھی کہیں درد ہو رہا تھا مگر ایک دو منٹ تک مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کہاں ہو رہا ہے۔ عجیب قسم کا درد تھا۔ جیسے کوئی چیز چبھ رہی ہو۔ دوسری طرف اسپتال کی سی بو سے طبیعت اور خراب ہوتی جارہی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا "اس وقت مجھے کچھ احساس نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے مگر ہوتا بھی تو شاید میں اس پر یقین نہ کرتا۔

حقیقت یہ تھی کہ میں ہنری کے مکان میں ہی تھا۔ مجھے چمڑے کی ایک آرام کرسی پر لٹا دیا گیا تھا۔ سوائے چھت کے اور کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی مگر فوراً ہی آنکھوں میں اندھیرا سا چھانے لگا۔ میں نے دوبارہ سر کرسی پر رکھ دیا مگر اس ایک لمحے میں' میں تھوڑا بہت ضرور دیکھ چکا تھا۔ میز پر ایک دواؤں کا بکس رکھا تھا۔ غالباً اسپتال جیسی بو بکس سے آرہی تھی۔ اس کے علاوہ کمرے میں وہ لڑکے بھی موجود تھے۔

اب ان کی تعداد چار ہوگئی تھی۔ باقی دو بھی بالکل آئزک اور جوزف کی طرح نظر آرہے تھے۔ ان میں سے ایک کچھ چھوٹے قد کا تھا اور سیاہ فریم کا چشمہ لگائے ہوئے تھا۔ دوسرے نے ڈاکٹروں جیسا سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر ربر کے دستانے بھی چڑھے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس کے کوٹ کے اگلے حصے پر کچھ خون کے دھبے بھی پڑے ہوئے ہیں۔ چاروں لڑکوں کے چہرے سفید ہو رہے تھے۔

"اسے ہوش آگیا ہے۔" جوزف نے کہا۔

"ہاں۔" یہ یقیناً اس سفید کوٹ والے ڈاکٹر نما لڑکے کی آواز تھی۔

"تم اپنا کام شروع کرسکتے ہو آئزک۔"

○☆○

"مسٹر کوچرین!" آئزک میرے قریب آتے ہوئے بولا۔ اب میں سر اٹھائے بغیر اس کی صورت دیکھ سکتا تھا۔ اس کا

چہرہ فق تھا۔ ہونٹ کانپ رہے تھے۔ آواز بھرائی ہوئی تھی مگر اس کے باوجود اس کے انداز میں کوئی ایسی بات تھی جس نے مجھے خوف زدہ کردیا بشرطیکہ آپ کسی آدمی کا کسی لڑکے سے خوف زدہ ہونے کا تصور کرسکیں۔

"آپ کو میرے ڈیڈی نے بلایا تھا۔" وہ بولا "اور نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ اس وقت آپ یہاں ہیں۔ انہیں ہی کیا ہمارے سوا کسی کو بھی آپ کی یہاں موجودگی کا علم نہیں۔ میرا مطلب ہے سوائے آپ کے۔" وہ ایک لمحے کے لیے رُکا۔

"مسٹر کوچرین! میں اور جوزف کل رات نیوہیون سے یہاں آئے ہیں۔ ہم لوگ ایک پارٹی میں جارہے تھے۔ جوزف میری بہن لورین کو اپنے ساتھ لے جانے والا تھا۔ وہ گزشتہ ستمبر میں ایک دوسرے سے وعدہ کر۔۔۔"

اچانک جوزف درمیان میں بول اٹھا۔ اس کا لہجہ ایسا تھا کہ مجھے خوشی تھی کہ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہورہا ہے۔ بہرحال جو کچھ ہورہا تھا' مجھے پسند نہیں تھا۔

"لورین کی عمر سترہ سال ہے مسٹر کوچرین!" اس نے آئزک کی بات کاٹتے ہوئے کہا "وہ ابھی اسکول میں پڑھتی ہے اور آپ کچھ اندازہ نہیں کرسکتے کہ وہ کتنی معصوم اور بھولی لڑکی ہے۔"

"جب ہم یہاں پہنچے تو لورین غائب تھی۔" آئزک نے کہا۔ اس کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اچانک اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھا ہوگیا ہے "ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسکول سے واپس نہیں آئی اور اب وہ اپنی مرضی سے کبھی آبھی نہیں سکتی کیونکہ..... کیونکہ اسے اغوا کرلیا گیا ہے۔"

میں نے اس وقت اٹھنے کی کوشش کی۔ احتجاج کرنے کے لیے۔ انہیں یہ بتانے کے لیے کہ میں ایک پابندِ قانون شہری ہوں اور جرائم کی دنیا سے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن سر اٹھایا ہی تھا کہ چکر سا آگیا اور نظروں کے سامنے اندھیرا چھاگیا۔ مجبوراً مجھے اپنا سر دوبارہ کرسی پر رکھنا پڑا۔

"پھر سات بجے فون کیا گیا۔" آئزک کہہ رہا تھا "اسی طرح جس طرح ان معاملات میں کیا جاتا ہے۔ پیغام بھی کم و بیش وہی تھا کہ پولیس میں رپورٹ نہ کرنا' لورین کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ پانچ لاکھ ڈالر استعمال شدہ نوٹوں کی صورت میں اپنے پاس رکھو اور ہماری اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔۔۔"

اس کی آواز رندھ گئی اور وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہوگیا "مسٹر کوچرین!" آخر وہ سنبھل کر بولا "میرے ڈیڈی ایک عزت دار آدمی ہیں۔ پرانے خیالات رکھتے ہیں اور انہیں اپنی عزت کا بڑا احساس ہے۔ یہ صدمہ ان کے لیے شدید تھا پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا اور جب آیا تو انہوں نے بالکل وہی کیا جو ان حالات میں ان جیسا آدمی کرسکتا تھا۔ انہوں نے پولیس میں اطلاع دے دی۔ کل رات سے مکان کے اطراف پولیس موجود ہے مگر ظاہر ہے کہ ان کے پاس عملی اقدام کے لیے کوئی سراغ یا ثبوت نہیں ہے۔ جو کچھ ان سے ہورہا ہے' وہ کررہے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ ایسی صورت میں وہ کچھ نہیں کرسکیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لورین کو اغوا کرنے والے کا پتا چلالیں مگر۔۔۔ اس وقت تک خدا جانے لورین کا کیا حشر۔۔۔"

وہ اپنے جذبات سے بے قابو ہوکر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی جگہ جوزف میرے سامنے آکھڑا ہوا۔

"آج صبح۔" وہ قدرے نرم لہجے میں بولا "ایک شخص پیغام لے کر آیا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا پارسل اور ایک خط تھا۔ پولیس نے اسے گرفتار کرلیا ہے مگر وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ خط کے ذریعے ہمیں خبردار کیا گیا ہے کہ اگر مسٹر ہنری اسی طرح ہدایات کی خلاف ورزی کرتے رہے تو لورین قسطوں میں لوٹائی جائے گی۔ پہلی قسط کی صورت میں انہوں نے لورین کی انگلی اس چھوٹے سے پارسل میں بڑی احتیاط سے رکھ کر ہمیں بھجوادی تھی۔ البتہ انہوں نے تاکید کی کہ اب بھی اگر وہ اغوا کرنے والے کے احکامات پر عمل کریں تو اپنی بیٹی کو زندہ پاسکتے ہیں۔"

○☆○

میرے منہ سے ایک سسکی نکلی اور پورے جسم میں سردی کی لہر سی دوڑ گئی۔ میں سر کے درد کو نظرانداز کرتا ہوا تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا مگر یقین کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اب مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ وہ دوسرا درد کہاں ہورہا تھا۔

"جو انگلی کاٹ کر ہمیں بھیجی گئی ہے' وہ لورین کے الٹے ہاتھ کی چھوٹی انگلی ہے مسٹر کوچرین!" جوزف کہہ رہا تھا۔

اور تب میں نے دیکھا کہ میرے بائیں ہاتھ پر ایک پٹی بندھی ہوئی ہے اور درد وہیں ہورہا ہے۔ جہاں میری چھنگلیا۔۔۔ ہونی چاہیے تھی وہ وہاں نہیں تھی۔

"آپ کو جس چیز کی تلاش ہے' وہ یہاں رکھی ہے۔" میں نے جوزف کی آواز سنی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے دواؤں کے بکس کے قریب رکھی ہوئی ایک سفید پلیٹ اٹھا کر میرے

سامنے کردی۔ اس نے وہ پلیٹ ایک جھٹکے سے میرے سامنے کردی تھی جس سے اس میں بھرا ہوا محلول چھلک کر میرے کپڑوں پر گر پڑا اور ایک تیز بو کا بھبھکا میری ناک سے ٹکرایا پھر اس نے پلیٹ میں رکھی کوئی چیز اٹھائی اور میری گود میں پھینک دی۔ یہ میری کٹی ہوئی چھوٹی انگلی تھی۔

"اگر ہمیں آج رات کوئی دوسری انگلی بھیجی گئی۔" جوزف نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یا کوئی آنکھ یا کان' تو مسٹر کوچرین....! یہ میرا دوست مائیکل جو کہ میڈیکل کالج کا طالب علم ہے یہاں اپنا فرض پورا کرے گا۔ یہ میرا دوسرا دوست چارلس ہے۔ ترکیبیں سوچنے میں اس کا جواب نہیں۔ ہم نے اس سے مشورے کرنے کے بعد ہی مائیکل کو یہاں بلوایا ہے۔ اب تک جو کچھ ہوا ہے' آئندہ جو کچھ ہوگا' وہ اسی کے مشورے سے ہوگا۔"

"دوسرے الفاظ میں مسٹر کوچرین!" اس مرتبہ چارلس وہی چھوٹے قد والا' مجھ سے مخاطب تھا "آپ کی حیثیت اس وقت یرغمال کی ہے۔ جو سلوک اغوا کرنے والے لورین کے ساتھ کریں گے' وہی یہاں آپ کے ساتھ ہوگا۔ ہر اعتبار سے بالکل وہی سلوک....! مسٹر ہنری اب پولیس کو نہیں ہٹا سکتے۔ بات ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہے اور اگر پولیس لورین کو بغیر نقصان پہنچائے واپس نہیں لا سکتی تو آپ کی بہتری کا تقاضا یہی ہے کہ یہ کام آپ کریں۔"

میرا ذہن اب بالکل صاف ہو چکا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ کوئی شے میرے اندر دیوانہ وار قہقہے لگا رہی ہے' کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ ایک احمقانہ مذاق سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ یقیناً مہذب لوگ ایسے کردار کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ان کے پاس میرے ساتھ یہ سلوک کرنے کا کوئی جواز موجود نہیں تھا۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی ایسے جرم کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اغوا کرنا تو بہت دور کی بات ہے اگر اس جیسی یا اس سے ملتی جلتی کبھی کوئی صورتِ حال رہی بھی تھی تو میں اس مقام سے بیس سال آگے نکل آیا ہوں۔

لیکن جب میں نے ان چاروں کی طرف دیکھا تو ایک بار پھر مجھے کسی ایسے خوف کا احساس ہوا جس نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ میں نے ان سے اپنی انگلی کاٹنے کے سلسلے میں کوئی باز پرس نہیں کی۔ میں ان انگلیوں' آنکھوں' کانوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ابھی میرے پاس تھیں اور بڑی سنجیدگی سے دعا کر رہا تھا کہ وہ میرے ہی پاس رہیں۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ جن لوگوں نے بھی ہنری کی بیٹی لورین کو اغوا کیا تھا' وہ پولیس کی آمد سے یقیناً خوف زدہ ہو گئے ہوں گے۔ انہیں اپنا زرِ مطالبہ پانے کی کوئی امید نہ رہی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ جھنجلاہٹ اور گھبراہٹ میں وہ اسے واقعی قتل کر دیں اور اگر ایسا ہوا تو....؟ میرے ذہن میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس پستہ قد لڑکے چارلس نے مجھے محض دھمکی نہیں دی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ جو سلوک لورین کے ساتھ کیا جائے گا' بالکل وہی سلوک میرے ساتھ ہوگا.... بالکل وہی سلوک!

"لڑکو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔" میں نے بغیر کسی خاص امید کے کہا "کہ ہر کوشش جو میرے بس میں ہے' کرنے کو تیار ہوں مگر یقین کرو مجھے اس اغوا کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ ایک پابندِ قانون بزنس مین ہوں۔ میرا مجرمانہ سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اب ایسے افراد سے کوئی رابطہ...."

"ہمیں آپ کی بات کا یقین ہے مسٹر کوچرین!" چارلس نے میری بات کاٹتے ہوئے ملائمت سے کہا "ہم جانتے ہیں کہ آپ اس اغوا کے ذمے دار نہیں ہیں۔ کم سے کم براہِ راست.... لیکن بالواسطہ طور پر ہم آپ کو بری الزمہ قرار نہیں دے سکتے اور اسی لیے ہم نے آپ کو پکڑ رکھا ہے۔ بات یہ ہے مسٹر کوچرین کہ اب آپ مالدار ہیں' چین و سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قانون اب آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا لیکن آپ کی موجودہ حیثیت ہی غنڈوں کو اکسا رہی ہے۔ وہ بھی اسی راستے سے اس مقام تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی یہ چاہتے ہیں کہ بڑی بڑی وارداتیں کر کے اور دولت حاصل کر کے ایسی پوزیشن حاصل کر لیں کہ سوسائٹی انہیں قبول کرے اور قانون ان کا دوست بن جائے اسی لیے انہوں نے لورین کو اغوا کیا ہے۔"

"باتیں ختم کرو۔" جوزف اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا "آپ اپنی جدوجہد شروع کر دیں مسٹر کوچرین! کیونکہ جب تک لورین واپس نہیں آجاتی' آپ کی رہائی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جس حالت میں وہ یہاں پہنچے گی' بالکل اسی حالت میں آپ کو یہاں سے رخصت کیا جائے گا۔"

"یہاں ٹیلی فون بھی موجود ہے۔" چارلس بدستور ملائمت سے بولا۔ "آپ جسے چاہیں کال کر سکتے ہیں۔"

میں نے جلدی سے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا مگر چارلس کی طرف دیکھا تو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی تیز نظریں میرے خیالات کو بغیر کسی دشواری کے پڑھ رہی ہیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی مگر بخدا ایسی مسکراہٹ.... میں سر

سے پیر تک کانپ کر رہ گیا۔ پہلی مرتبہ مجھے اس نازک اور خطرناک صورتِ حال کا احساس ہوا جس میں میں اس وقت پھنس گیا تھا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ فطری طور پر میرے ذہن میں جو پہلا خیال آیا وہ پولیس کو فون کرنے ہی کا تھا۔ میرے ہاتھ بالکل صاف تھے۔ پولیس کمشنر اس بات کو جانتا تھا' یوں بھی وہ میرا ممنونِ احسان تھا۔ میں اسی کو فون کرنے والا تھا کہ وہ آئے اور مجھے ان پاگل لڑکوں کے چنگل سے آزاد کرائے۔

مگر میں نے سوچا کہ کیا یہ ممکن بھی ہے؟ میں کیسے اسے فون کر سکتا ہوں؟ اگر بالفرضِ محال میں نے اسے فون کر بھی دیا' تب بھی اس کا جواب مجھے پہلے سے معلوم تھا' ٹھیک اسی طرح جس طرح یہ لڑکے اس کا اندازہ لگا چکے تھے۔

کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا جس میں.... مسٹر کوچرین' پولیس کمشنر کو یا کسی کو بھی اس بات کا یقین دلا سکتا کہ چند لڑکوں نے اسے اغوا کر لیا ہے۔ میں ہنری جیسے معزز آدمی کے گھر میں قید ہوں اور اغوا کنندگان میں خود اس کا لڑکا اور اس کے کالج کے تعلیم یافتہ دوست شامل ہیں۔ کسی اور کی بات تو جانے دیجیے میری ماں ہوتی تو وہ بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتی تھی۔

چنانچہ میں سیدھے ہاتھ میں ریسیور پکڑے خاموش بیٹھا رہا۔ میری نظریں اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ تین انگلیوں پر کیونکہ چوتھی انگلی کی جگہ اب سفید پٹی پر خون کا ایک سرخ نشان دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میں ان لڑکوں کے ہاتھوں میں بے بس ہوں۔ مجھے اپنے جرمِ بے گناہی کی سزا مل رہی ہے۔ میں جو اتنا ہی پاک صاف' سیدھا سادہ جتنا کوئی دیہاتی ہو سکتا ہے۔ دولت' عزت اور شہرت یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ اگر میں یہاں سے جان بچا کر نکل جاؤں تو بڑی بات ہے۔

میں نے سب سے پہلے اپنے وکیل کو فون کیا لیکن اس سے پہلے کہ اس سے رابطہ قائم ہوتا' مجھے یاد آ گیا کہ یہ وہ وکیل نہیں جو کبھی میرے قانونی معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ یہ امریکی سینیٹ کا ایک سابق ممبر اور بہترین وکیل ضرور تھا لیکن ایک بزنس مین کے لیے۔ اسے ان معاملات کا کوئی تجربہ نہیں تھا جو اب میں اس کے سپرد کرنے والا تھا۔ چنانچہ میں نے بات کرنے سے پہلے ہی کریڈل پر ہاتھ مار کر کنکشن کاٹ دیا۔ لڑکوں نے مجھے ایک ٹیلیفون ڈائریکٹری لا کر دی اور اس میں کافی دیر تک تلاش کرنے کے بعد آخر میں اپنے سابق وکیل کا نمبر معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

"صاحبِ کردار"

لاس اینجلس میں پولیس نے چھبیس سالہ جیمز جیرالڈ کو گرفتار کیا۔ اس نے ایک سپاہی کو لوٹا تھا' ایک کیفے اور ایک بار میں ڈاکا ڈالا تھا' ایک سیلز مین پر گولی چلائی تھی اور ایک راہ گیر کے ساتھ مار پیٹ کی تھی۔

پوچھ گچھ کرنے پر پتا چلا کہ اس کا پیشہ گھر گھر جا کر مقدس آیات سنا کر بائبل فروخت کرنا ہے۔

مجھے امید تھی کہ وہ اب بھی ان میں سے کسی نہ کسی کا پتا جانتا ہوگا جن سے ماضی میں میرے کاروباری تعلقات رہ چکے تھے۔

"مسٹر جیمز!" میں نے اس کی آواز سنتے ہی کہا "میں تمہیں ایک نہایت اہم اور ضروری کام کے سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں۔ اخراجات کی کوئی پروا مت کرنا۔ ہنری کی بیٹی لورین اغوا کر لی گئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اسے فوراً واپس کر دیا جائے۔"

"اسے اغوا کس نے کیا ہے؟" جیمز نے جواب دیا۔

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ پولیس کی دخل اندازی کے بعد اسے نقصان پہنچا تو... میرا مطلب ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی گزند پہنچے۔ یہ کام کرنے والے ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو ضرور اس بارے میں معلوم ہوگا۔ تم ان سے رابطہ کرو اور معلوم کرو کہ آج کل ان کارروائیوں کا ذمے دار کون ہے۔"

"تم ذمے دار ہو کوچرین!" جیمز نے جواب دیا۔

اب آپ نے دیکھا کہ جب میں نے اپنے بارے میں کہا تھا کہ میں ایک قانون پسند شہری ہوں تو اس کا مطلب کیا تھا۔ جیمز کے بقول میرا سرمایہ ان حرکتوں کی پشت پناہی کر رہا تھا اور مجھے اس کے بارے میں علم تک نہیں تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ جیمز اس سلسلے میں مزید میری معلومات میں اضافہ کرے لیکن وہ یہ بات کیسے سمجھ سکتا تھا۔

"تم اس معاملے میں کتنا خرچ برداشت کر سکتے ہو؟"

"..... پانچ لاکھ۔ ضرورت پڑے تو دس لاکھ بھی۔" میں نے تیزی سے کہا "مگر جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو اور یہ بات

یاد رکھو کہ اس لڑکی کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔"

میں محسوس کر رہا تھا کہ جیمز اتنی بڑی رقم کا سن کر حیرت زدہ رہ گیا ہے مگر میرے نزدیک اس وقت لاکھوں کی اتنی اہمیت نہیں تھی جتنی اپنی انگلیوں کی۔ یوں بھی میرے پاس تعداد کے لحاظ سے لاکھ زیادہ تھے اور انگلیاں کم تھیں۔

"اغوا کرنے والوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" جیمز نے سوال کیا۔

میں نے جواب دینے سے پہلے کچھ دیر سوچا۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسے ادنیٰ درجے کے مجرم خواہ کتنے ہی سرمایہ دار کیوں نہ ہو جائیں' معزز طبقے میں کامیابی کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لیے ایسے اقدامات کرنا ضروری ہیں کہ معاشرہ آئندہ ان کی شر انگیز کارروائیوں سے محفوظ رہے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا۔" جیمز نے جواب دیا "جب تم قانون پسندی کی بیماری میں مبتلا ہوئے تھے تو میں نے سوچا تھا کہ شاید تمہاری کایا پلٹ ہو گئی ہے۔ تمہارے دل میں سچ مچ انسانیت کا درد جاگ اٹھا ہے مگر مجھے اس سے کچھ زیادہ سمجھداری کا ثبوت دینا چاہیے تھا... تم دس لاکھ تک جانے کو تیار ہو نا؟ اچھی بات ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا۔ اطمینان رکھو نتائج خاطر خواہ ہوں گے۔"

○☆○

تو جناب ساری بات یہ تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ لڑکی کیسے ملی یا کس نے اسے تلاش کیا اور میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔ مجھے یہ بھی پتا نہیں کہ اغوا کرنے والوں کا کیا حشر ہوا۔ البتہ جیمز نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ پھر کبھی امن پسند شریف آدمیوں کو پریشان نہیں کریں گے۔ میں نے اسے دس لاکھ ڈالر ادا کر دیے اور خیر منائی کہ بہت سستا چھوٹ گیا۔

اس کے بعد جیمز نے کتنی رقم دی اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی میں ان تفصیلات میں جانا پسند کرتا ہوں۔ عملی طور پر جو کچھ ہوا' وہ یہ تھا کہ اتوار کی سہ پہر کوہنری کی بیٹی بخیریت اپنے باپ کے پاس واپس آ گئی۔ اسے ایک چھوٹی انگلی کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور انگلی کے بارے میں بھی اس کا بیان تھا کہ بڑے مہذبانہ طور پر ایک سرجن نے کاٹی تھی۔

لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں' بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔ طرح طرح کی افواہیں پھیلنے لگیں۔ حالانکہ ان لڑکوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بھی اس بارے میں کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالیں گے پھر بھی نہ جانے کیسے عوام کو پتا چل گیا۔ رائی کا پہاڑ بنتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اب یہ صورت ہے کہ میں اب کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی بالکل رائگاں ہو چکی ہے۔

یہ بات نہیں کہ مجھے اپنی انگلی کے ضائع جانے کا افسوس ہو یا اس رقم کا جو میں نے اس پیاری سی معصوم لڑکی کی بازیابی پر خرچ کی تھی بلکہ اصل دکھ مجھے اس بات کا ہے کہ اب مجھے سوسائٹی میں اپنی عزت بنانے یا معزز اور اعلیٰ خاندان کے لوگوں سے تعلقات استوار کرنے کا کوئی موقع حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس سے بھی بڑا غم جو میری روح کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے کہ ان لڑکوں نے اپنے وعدے کا کوئی پاس نہیں کیا۔ مجھے اب پتا چلا کہ انہوں نے میرے خلاف ایک باقاعدہ مہم شروع کر رکھی ہے۔ ایک ایسی مہم جسے اب کسی طرح بھی روکا نہیں جا سکتا۔ وہ مجھے علاقے میں ہونے والے ہر جرم کا ذمے دار ٹھہراتے ہیں۔ خواہ میرا اس سے تعلق رہا ہو یا نہ رہا ہو اور یہ وہ بات ہے جس نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔

لوگوں کی عادت تو آپ جانتے ہی ہیں۔ انہیں تو بہانہ چاہیے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ کسی نے کسی کو لوٹا ہو' کوئی فریب دیا ہو' کوئی نقصان پہنچایا ہو... کچھ بھی کیا ہو' وہ سب مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں کہ یہ بھی تمہاری شرارت ہے۔ ہماری چیزیں واپس دلاؤ۔ ہماری رقم لوٹاؤ یا ہمارے نقصان کا معاوضہ ادا کرو... نہیں جناب! اس صورتِ حال میں مجھ جیسا قانون پسند شہری پُرسکون زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں اپنا تمام سرمایہ اور کاروبار سمیٹ کر اس جگہ سے ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں۔

یقیناً آپ برا مانیں یا اچھا' میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ معاشرے نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے' میں ہرگز اس کا مستحق نہیں تھا۔ یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے کہ آپ مجھ جیسے پابندِ قانون شہری کو' جس کے ہاتھ بالکل صاف ہوں اطمینان سے جینے کا حق بھی نہیں دے سکتے۔ صرف اتنی سی بات پر کہ میری یادداشت کمزور ہے اور مجھے بالکل یاد نہیں کہ میں نے اپنا سرمایہ کہاں کہاں لگا رکھا ہے۔ آپ مجھے قابلِ گردن زدنی قرار دیتے ہیں اور ہر جرم کا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں ہوا۔ بہرحال اب ان باتوں سے فائدہ بھی کیا ہے۔ میں تو جا ہی رہا ہوں مگر جاتے جاتے یہ سن لیجیے کہ مظلوم کی آہوں سے عرشِ الٰہی بھی ہل جاتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ مظلوم آج روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔



صلائے مرگ

ترجمہ مسودی

ائرپورٹ کے لاؤڈ اسپیکر پر ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ ہوئی پھر ایک ملائم نسوانی آواز ابھری "خواتین و حضرات! معذرت کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ مانٹریال جانے والی فلائٹ نمبر ایک سو ساٹھ تقریباً نوے منٹ کی تاخیر سے روانہ ہوگی..."

وہ یقیناً مسافروں کو زیادہ کوفت سے بچانے کے لئے حُسنِ ظن سے کام لے رہی تھی ورنہ فلائٹ تو نوے منٹ سے کہیں زیادہ لیٹ ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ میں ڈیپارچر لاؤنج کی شیشے کی دیوار سے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ جس طیارے کو مانٹریال جانا تھا اس کا ایک انجن کھولا جا چکا تھا' دوسرا کھولنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ اور جس طیارے کے دو انجن کھول دئے جائیں وہ نوے منٹ بعد روانہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس وقت پانچ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے لیکن ائرفیلڈ پر

انتقام کی آگ جب ایک بار دل میں بھڑک اُٹھے تو اُس وقت تک سرد نہیں ہوتی جب تک اُس کے شعلے خرمنِ ہستی کو بھی جلا کر بھسم نہ کر دیں۔ اس کا شکار صرف وہی لوگ نہیں ہوتے جن سے انتقام لیا جائے، انتقام لینے والے کے حصے میں بھی تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں آتا۔



خزاں کی شام کا دُھندلکا پھیل چکا تھا اور طیارے پر انجینئرز بڑی بڑی اسپاٹ لائٹس لگا کر کام کر رہے تھے۔ یہ پیرس کے اورلی ائرپورٹ کا منظر تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ ٹیکسی لے کر پیرس چلا جاؤں۔ تیس منٹ کا سفر تھا' میں ماریا کے گھر

جاسکتا تھا۔

لیکن پھر مجھے خود ہی شرم آگئی۔ ایک ایسی شناسا لڑکی جس سے چھ ماہ سے میرا قطعاً کوئی رابطہ نہیں تھا' یوں اچانک بغیر اطلاع اس کے گھر جانا کچھ مناسب نہیں تھا۔ ویسے بھی میں بارہ گھنٹے سے مسلسل سفر میں تھا۔ اورلی ائرپورٹ پر میں صرف مانٹریال جانے والی فلائٹ پکڑنے کے لئے اترا تھا۔ میں کچھ اتنا زیادہ تازہ دم نہیں تھا کہ کوئی حسین لڑکی مجھ سے مل کر زیادہ خوشی محسوس کرسکتی۔

میں نے ماریا کے گھر جانے کا ارادہ ملتوی کردیا اور ٹہلتا ہوا لاؤنج کے عقب میں چلا گیا۔ شیشے کی ایک دیوار کے عقب سے مجھے شیمپین کی بوتلیں کھلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے یونہی سرسری سے انداز میں شیشے کے قریب ہو کر دیکھا۔ تب مجھے یاد آیا کہ وہ وی آئی پی لاؤنج تھا۔ اس کی بالکل نئے سرے سے ترتیب و آرائش کی گئی تھی۔ اس کی شکل ہی بدل گئی تھی۔ وہاں یقیناً کسی پارٹی کی تیاریاں جاری تھیں۔ بن بلایا مہمان بن کر کسی تقریب میں جانے کا اپنا ایک لطف ہے۔ اور پھر وقت بھی تو کسی طرح گزارنا تھا۔ میں اندر چلا گیا' کسی نے مجھے نہیں روکا۔

میرا اندازہ درست ہی تھا۔ وہاں کسی تقریب کی تیاریاں مکمل تھیں۔ باقاعدہ ایک اسٹیج بنا ہوا تھا۔ اس کے عقب میں چھوٹی سی میز پر ایک ٹیپ ریکارڈر رکھا تھا۔ اسٹیج پر دو مائیکروفون موجود تھے۔ بہت سی پورٹیبل اسپاٹ لائٹس بھی تھیں۔ ٹی وی کیمرا وغیرہ بھی تھا۔

پہلے تو مجھے گمان گزرا کہ شاید کسی وزیر یا صدر کو کہیں جانا ہے یا کہیں سے آنا ہے اور حسب روایت وی آئی پی لاؤنج میں پریس اور ٹی وی والوں سے خطاب کرنا ہے لیکن پھر مجھے اس خیال کو رد کرنا پڑا کیونکہ وہاں سیکیورٹی کا کوئی آدمی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں جس پیشے میں ہوں اس نے مجھ میں سیکیورٹی والوں کو پہچاننے کی خاص حس پیدا کردی ہے۔ خواہ وہ لوگ سادہ لباس میں ہوں۔

اس بڑے سے کمرے میں فی الحال صرف تین آدمی ایسے تھے جو مہمان معلوم ہورہے تھے اور وہ تینوں لمبی سی میز کے قریب شمپین کے گلاس ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔ یکایک ان میں سے ایک میری طرف مڑا اور مجھے پہچان کر اس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ وہ دبلا پتلا' تیز طرار سا آدمی تھا۔

"ایڈم ویلن! تم یہاں....!" وہ بہ آوازِ بلند بولا "بڑی مدت بعد دکھائی دئے ہو۔"

"ہیلو برٹ! کیسے ہو؟" میں نے متانت سے کہا۔ برٹ بیکر لندن کے اخبار "گلوب" کا پیرس میں نمائندہ تھا "کہیں جارہے ہو؟"

"نہیں۔ میں یہیں مرا ہوا ہوں" اس نے جواب دیا "تم سناؤ۔ دس سال سے کہاں غائب ہو؟"

"دس سال تو نہیں' صرف چھ ماہ ہوئے ہیں مجھے گئے ہوئے" میں نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا "میں آج کل بحرین میں ہوں۔ صرف مانٹریال کی فلائٹ پکڑنے یہاں اترا تھا اور پھنس گیا۔"

اس نے آنکھیں سکیڑ کر مجھے گھورا اور شاطرانہ لہجے میں بولا "کہیں ہز میجسٹی نے تمہیں باڈی گارڈ تو نہیں رکھ لیا؟"

مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہز میجسٹی سے اس کی مراد کون تھا اور اسے کیوں باڈی گارڈ کی ضرورت ہوسکتی تھی لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ پوچھ سکتا' مہمانوں کا ایک ہجوم یکدم ہی' سیلاب کی طرح اندر آگیا۔ عقاب کی چونچ جیسی ناک والی ایک عورت برٹ کو کھینچ کر ایک طرف لے گئی' وہ روزنامہ "مرر" میں پیج گپ ٹائپ کا ایک کالم لکھتی تھی۔ جینٹ اس کا نام تھا۔

میں نے بھی شمپین کا گلاس سنبھالا اور ایک اسپاٹ لائٹ کے عقب میں کھڑے ہو کر مہمانوں کا جائزہ لینے لگا۔ سب اعلیٰ طبقے کے لوگ تھے۔ ان میں سے بہت سے "مشاہیر" میں شمار ہوتے تھے۔ فلم اور تھیٹر کا ایک بہت بڑا نقاد موجود تھا۔ یونیسکو کے ایک شعبے کا ڈائریکٹر تھا۔ ٹاپ کی کئی ماڈلز تھیں۔ ایک فلم ڈائریکٹر اور ایک فلمی ہیروئن بھی تھی۔

فلم ڈائریکٹر کا نام گرنرڈ تھا۔ ٹی وی پر 'کامیڈی' کے عنوان سے اس کی ایک سیریز بھی چل رہی تھی۔ فلمی ہیروئن اسی کے ساتھ تھی اور وہ اسے مختلف مہمانوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس طرح بھی مجھے کئی مہمانوں کو پہچاننے میں مدد ملی۔ وہ یقیناً اونچے درجے کی پارٹی تھی تبھی اتنی بے تکلفی سے وی آئی پی لاؤنج استعمال ہورہا تھا۔ مائیکروفون' ٹی وی کیمرا اور اسپاٹ لائٹس درست کی جارہی تھیں۔ آثار بتا رہے تھے کہ پارٹی کا اصل مقصد اور مہمان جلد سامنے آنے والا تھا۔

اچانک تالیاں بجنے لگیں اور ہجوم نے کسی کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ مخملیں کوٹ میں' متناسب جسم کا ایک معمر آدمی ہال میں داخل ہوا۔ وہ جس چھڑی کے سہارے چل رہا تھا اس کے دستے کا خول یقیناً سونے کا تھا۔ اس کی عینک کی کمانیوں پر خوب صورت سیاہ ریشمی ربن چڑھا ہوا تھا۔ پرانے زمانے میں کسی کو اس قسم کی عینک لگائے دیکھ کر بحری قزاق کا تاثر ابھرتا تھا لیکن آج کل یہ بہت زیادہ دولت مند لوگوں کا فیشن تھا۔

دولت مندی اور خود اعتمادی کی نشانیاں اس شخص میں سر سے پاؤں تک موجود تھیں۔ اس کی چال شاہانہ تھی' ہونی بھی چاہئے تھی۔ میں نے اسے پہچان لیا' بے شمار لوگ اسے پہچانتے تھے۔ وہ صرف فرانس میں نہیں' کتنے ہی ملکوں میں جانی پہچانی شخصیت تھا۔

اس کا نام سرج میلٹ تھا۔ وہ فلم پروڈیوسر' ڈائریکٹر' رائٹر'

ایکٹر اور بھی کچھ تھا۔ اپنی فلموں کا بھی کچھ وہ خود ہوتا تھا اور ان میں ایکٹنگ بھی کرتا تھا۔ پیرس کے وسط میں اس کا اپنا ایک بہت بڑا سینما ہاؤس بھی نہ جانے کس زمانے سے چلا آرہا تھا۔ اسے دیکھنے کے بعد مجھے یاد آیا کہ اسی کی عرفیت ہز میجسٹی تھی۔ پیرس میں وہ اس نام سے بھی پہچانا جاتا تھا۔ برٹ نے جب کہا تھا کہ مجھے کہیں ہز میجسٹی نے باڈی گارڈ تو نہیں رکھ لیا' تو یقیناً اس کا اشارہ سرج میلٹ ہی کی طرف تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں ہز میجسٹی اور اس کی تقریب کے بارے میں سب کچھ بھول گیا۔ میں صرف ایک لڑکی کو دیکھتا رہ گیا جو دو نوجوانوں کے درمیان شاہانہ تمکنت سے قدم اٹھاتی ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے سنہرے بالوں میں ہلکی سی سرخی کی جھلک تھی اور وہ ایک ٹریولنگ سوٹ کے اوپر نہایت بیش قیمت منک کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ بائیں کلائی میں ہیرے اور سونے کے دو کنگن کھنک رہے تھے۔

میں محض اس کے حسنِ بلاخیز سے مبہوت ہو کر ایک ٹک اس کی طرف دیکھتا نہیں رہ گیا تھا بلکہ اس کی ایک وجہ اس تعلقِ خاطر کی کسک بھی تھی جو کسی انجام کو نہیں پہنچ سکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہال میں موجود لوگوں میں مجھ سے بہتر طور پر اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کا نام ماریا تھا جس کے گھر جانے کے بارے میں میں صرف چند منٹ پہلے سوچ رہا تھا۔ اور یہ صرف سات ماہ پہلے کی بات تھی جب میں نے اس سے شادی کی درخواست کی تھی۔

میں نے جب ماریا کو پہلی بار دیکھا تو وہ اونچے درجے کے ایک نائٹ کلب میں دوسری چند رقاصاؤں کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ اس کلب کی ہر رقاصہ لاکھوں میں ایک ہوتی تھی۔ اور ان سب کے درمیان ماریا ایسے ہی تھی جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند۔

میری عمر پینتیس سال ہے لیکن مجھے جب اس سے متعارف ہونے اور اس کے قریب بیٹھنے کا موقع ملا تو میں نے اپنے آپ کو بیس سال کا محسوس کیا۔ وہ مجھ جیسے مردوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا چاہتی تھی لیکن اس کا کہنا تھا کہ فی الحال وہ اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ کچھ بننا چاہتی تھی۔ ایک بڑی اداکارہ بننا اس کی سب سے بڑی خواہش تھی اور یہ منزل بہت دور تھی۔ وہ راستے میں دوستیوں اور محبتوں میں الجھنا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے اپنے اور میرے درمیان ایک حدِ فاصل کھینچ دی تھی۔ اس سے آگے جانے کی مجھے اجازت نہیں تھی۔ جبکہ میں اس کی ذات کے ہر بھید سے آشنا ہونا چاہتا تھا۔ اسی دوران میرا بحرین سے بلاوا آگیا۔ مجھے ایک شیخ نے باڈی گارڈ منتخب کر لیا تھا۔ جانے سے پہلے میں اس کی محبت میں اتنا بے تاب تھا کہ میں نے اسے شادی کی پیشکش کر دی۔ اسے پانے کا مجھے اس کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔

مگر اس نے وہ راستہ بھی بند کر دیا۔ کہہ دیا کہ وہ تو ابھی شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ اور پھر سوال یہ بھی تھا کہ کیا میں اسے بیوی بنانے کا متحمل ہو سکتا تھا؟ میں نے اسے بتایا کہ میں بھاری تنخواہ پر بحرین جا رہا ہوں۔ لیکن وہ محض مبہم سے انداز میں ہنس دی۔ اس نے مجھے خط تک لکھنے کا وعدہ نہیں کیا۔ میری تنخواہ کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی نظر کہیں دور بلندی پر تھی۔

اور آج وہ میرے سامنے سرج میلٹ عرف ہز میجسٹی کے پہلو میں کھڑی تھی جس کی عمر کم از کم ستر سال تھی مگر جو فرانسیسی شوبزنس کا بے تاج بادشاہ تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی ایسی ہی چار نوجوان عورتوں سے شادی کر چکا تھا۔ تقریب بلاشبہ اسی کے اعزاز میں تھی۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ماریا سے اس کی شادی کو کتنا عرصہ گزرا ہوگا۔

اسٹیج پر چند لوگ حسبِ مراتب کھڑے ہو چکے اور تمام مہمان اچھے سامعین کی طرح ہمہ تن گوش ہو چکے تو اسپاٹ لائٹس روشن ہو گئیں اور کیمرا اسٹارٹ ہو گیا۔ ایک منجھے کا انڈر سیکریٹری آگے بڑھا۔ اس نے مائیک اپنے قد کی مناسبت سے سیٹ کیا اور تقریر شروع کر دی لیکن میں گویا سماعتوں کی دنیا سے بہت دور تھا۔

جب میرے کان کچھ سننے کے قابل ہوئے تو وہ کہہ رہا تھا۔

"ہماری فلمی دنیا کا بے تاج بادشاہ آج ایک نئی دنیا کے سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے وارث اس کے چھوڑے ہوئے ثقافتی ورثے کی حفاظت کریں گے۔ اور اس کے وارث کون ہیں؟ آپ اور صرف آپ۔"

تالیاں بجنے لگیں۔ میلٹ نے پُروقار انداز میں اپنی گردن کو خم دیا اور ماریا نے تلے مشینی انداز میں مسکرا دی۔ انڈر سیکریٹری کی تقریر کے اگلے حصے سے مجھے معلوم ہوا کہ میلٹ تین ماہ کے دورے پر کینیڈا اور امریکا جا رہا تھا۔ انڈر سیکریٹری کی تقریر جاری تھی۔ میں اس دوران آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا سب سے آگے آگیا تاکہ ماریا اور میلٹ کو قریب سے دیکھ سکوں۔ میں ایک دراز قد آدمی ہوں۔ دوسروں کو ناراض کیے بغیر آگے آنے کے لئے مجھے بڑی مشاقی و مہارت سے کام لینا پڑتا ہے۔

انڈر سیکریٹری کے بعد کامیڈی سیریز کے ڈائریکٹر نے مختصر اور عمدہ تقریر کی۔ آخر میں اس نے میلٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ڈیئر مسٹر میلٹ! آپ نے ایک بار کہا تھا کہ ہر کامیڈی کا اختتام شادی پر ہونا چاہئے کیونکہ شادی تمام ٹریجڈیز کا آغاز ہے لیکن ہمیں امید ہے کہ مادام ماریا سے شادی کے بعد آپ کی رائے بدل جائے گی۔ مادام ماریا ہماری فلمی دنیا کا سب سے

حسین ستارہ ہیں۔"

ایک بار پھر تالیاں بجیں اور ماریا کی مشینی مسکراہٹ میں تھوڑی سی جان آگئی۔ اب جانِ محفل یعنی میلٹ کی باری تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنی چھڑی بائیں ہاتھ میں تھامی اور دائیں ہاتھ سے مائیک درست کرتے ہوئے کہا "میرے محترم دوستو! میں آپ سب کا..."

اچانک وہ جانا پہچانا چہرہ جو فلموں میں بیسیوں بہروپ بھرنے کے باوجود قابلِ شناخت رہتا تھا' مسخ سا ہو کر رہ گیا۔ ایک ثانیے کے لئے چہرے کی ہر رگ' ہر پٹھا گویا بری طرح کھنچ کر رہ گیا اور پھر میلٹ مائیک کو ساتھ لئے ہوئے ایک زوردار آواز کے ساتھ اوندھا گر پڑا۔ اس کی ایک ٹانگ مڑ گئی اور پنڈلی ایک لمحے کے لئے ننگی ہوگئی۔ جہاں میں کھڑا تھا وہاں سے میں نے اس کی پنڈلی کا گوشت ایک لمحے کے لئے بری طرح پھڑکتے دیکھا۔ پھر اس کی ٹانگ سیدھی ہوئی اور مکمل طور پر ساکت ہوگئی۔ یہ سکوت بڑا بھیانک تھا۔

سکوت کا وہ لمحہ بہت طویل محسوس ہوا۔ پھر عورتیں چیخنے لگیں۔ دو عورتیں بے ہوش ہوگئیں لیکن ماریا ان میں شامل نہیں تھی۔ وہ میلٹ کے اکڑے اور تڑے مڑے جسم سے دو گز کے فاصلے پر دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں اس قدر پھیلی ہوئی تھیں کہ چہرے پر آنکھوں کی سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔

خوف کا لمحہ گزر چکا تو تجسس نے حملہ کیا۔ مہمانوں کا ہجوم یکدم ہی اسٹیج کی طرف لپکا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر حتی الامکان اونچی آواز میں' فرانسیسی میں ان سب کو اپنی اپنی جگہ پر ہی موجود رہنے کی ہدایت کی۔ اس دوران انسپکٹر جیری وہاں آن پہنچا۔ اس سے میری شناسائی تھی۔ وہ ایئرپورٹ پولیس کا انچارج تھا۔ اس کی آمد سے میں نے قدرے اطمینان محسوس کیا۔ اس کے بلاوے پر ڈاکٹر بھی جلد آن پہنچا اور اس نے میلٹ کے مختصر معائنے کے بعد سر اٹھا کر اعلان کیا "یہ مر چکا ہے"

ماریا عجیب مجنونانہ سے انداز میں ہنسنے لگی۔ یہ ڈراؤنی ہنسی تھی۔ اس میں چیخیں اور کراہیں بھی شامل تھیں۔ میں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔ معلوم نہیں وہ مجھے پہچان رہی تھی یا نہیں۔ بہرحال میری طرف دیکھتے ہوئے اس نے ہچکیوں کے درمیان کہا "تمہیں... تمہیں معلوم ہے میلٹ نے مجھ سے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا... باقی تو میری بیویاں بنی تھیں... لیکن تم میری بیوہ بنو گی۔ میں آخری دم تک تمہارا رہوں گا۔ لیکن کیا اس کا مطلب یہ تھا؟" اس نے لاش کی طرف اشارہ کیا پھر میرے بازوؤں پر جھول گئی۔ اس وقت بے ہوش ہو جانا ہی اس کے حق میں اچھا تھا۔

اس وقت تک انسپکٹر جیری کے چھ آدمی اور وہاں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے معذرت کے ساتھ مہمانوں کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ ماریا کو میں نے ایک آرام کرسی پر لٹا دیا۔ دو پولیس والوں نے لاش کو نہایت احتیاط سے اٹھایا اور سیڑھیوں کے قریب پڑے ہوئے صوفے پر لٹانے کے لئے لے چلے۔ اس دوران سگریٹ کی ڈبیا سے مشابہ ایک مستطیل سی چیز میلٹ کی جیب سے نکل کر گر پڑی۔ قالین پر گرنے کی وجہ سے کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی اور کسی کی توجہ اس کی طرف نہیں گئی۔ میں نے پولیس والوں کی نظر بچا کر اسے اٹھا لیا اور ایک کونے میں لے جا کر اس کا معائنہ کیا۔

وہ درحقیقت ایک آلۂ سماعت تھا۔ کان میں لگانے والا حصہ جس باریک سی تار کے ذریعے اس حصے سے منسلک تھا وہ تار میلٹ کے گرتے وقت کسی طرح ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے لاش کی طرف دیکھا۔ اس کے سر کے گرد لپٹا ہوا خوب صورت سیاہ ریشم اتر چکا تھا۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ آلۂ سماعت کی تار کو وہ اسی ریشم کے نیچے چھپاتا تھا۔ آلۂ سماعت کی اسے یقیناً اشد ضرورت تھی لیکن بہرحال وہ ایکٹر تھا۔ ظاہری خوب صورتیوں کی اسے بہت فکر رہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دوسروں کو احساس ہو کہ وہ آلۂ سماعت استعمال کرتا تھا۔ اس لئے اس نے اسے چھپائے رکھنے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ میں نے اس کا کان چھو کر دیکھا اور بری طرح چونک اٹھا۔

جو کچھ مجھے محسوس ہوا تھا اسے میں نے اپنا وہم سمجھا۔ میں نے دوبارہ اس کا بایاں کان چھو کر دیکھا جس میں آلۂ سماعت کا چھوٹا حصہ موجود تھا اور ٹوٹی ہوئی تار کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا باہر کو لٹکا ہوا تھا۔ پھر میں نے اس کا رخسار چھو کر دیکھا۔ اس کا رخسار اسی طرح ٹھنڈا تھا جس طرح ایک لاش کا ہونا چاہئے تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو ایڈم ولین؟" اچانک میرے عقب سے آواز ابھری۔ میں تقریباً اچھل پڑا۔ وہ انسپکٹر جیری تھا۔

"میں یہاں اپنی فلائٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ یونہی بھٹک کر پارٹی میں آنکلا تھا" میں نے سادگی سے جواب دیا۔

لیکن میرا اور جیری کا پیشہ تقریباً یکساں تھا۔ اس قسم کے جوابات سے اسے ٹالا نہیں جا سکتا تھا "تمہیں معلوم ہے کہ میرے سوال کا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم لاش کو کیوں چھو چھو کر دیکھ رہے ہو؟"

میں نے آلۂ سماعت اسے دکھایا اور اس نے فوراً ڈاکٹر کو قریب بلا کر پوچھا "کیا میلٹ بہرا تھا؟"

"ہرگز نہیں۔ میری معلومات کے مطابق اسے صرف بائیں کان سے ذرا اونچا سنائی دیتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ آلۂ سماعت استعمال کرتا تھا۔"

"کیا تم نے موت کی وجہ کا تعین کر لیا ہے؟" میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ سیدھا سادا حرکتِ قلب بند ہونے کا کیس ہے" اس نے جواب دیا۔

"کیا لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوگا؟" میں نے انسپکٹر سے دریافت کیا۔

"کیا تمہارے خیال میں اس کی کوئی معقول وجہ موجود ہے؟" انسپکٹر نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

میں نے ایک نظر شیشے کی دیوار کے پار دیکھا۔ مانٹریال جانے والی فلائٹ کا ابھی تک کوئی اعلان نہیں ہوا تھا۔ انتظار میں یہاں پوری رات بھی گزر سکتی تھی۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں، میرے خیال میں معقول وجہ موجود ہے۔"

جیری ایک سخت گیر لیکن دوسرے کی بات سننے والا آدمی تھا۔ وہ خاموشی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر خود کلامی کے سے انداز میں بولا "حیرت ہے! میں تیس سال سے میلٹ کا ذاتی معالج تھا... لیکن مجھے کبھی علم نہیں ہوسکا کہ وہ آلۂ سماعت استعمال کرتا تھا۔"

میں نے اس کی حیرت پر توجہ دیے بغیر انسپکٹر جیری کو مخاطب کیا "تم نے کبھی کسی شخص کو بجلی کے کرنٹ سے مرتے دیکھا ہے؟"

"نہیں۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" جیری نے دریافت کیا۔

"میں نے میلٹ کو مرتے وقت انتہائی قریب سے دیکھا تھا" میں نے کہا۔

"تم جو کچھ کہنے کی کوشش کر رہے ہو وہ احمقانہ سی بات ہے۔"

"ہاں۔ اور شاید یہ بھی احمقانہ سی بات ہے کہ میں نے اتفاقاً جب میلٹ کا بایاں کان چھوا تو وہ گرم تھا لیکن اس بات کو دس منٹ گزر چکے ہیں۔ اب تک کان یقیناً ٹھنڈا ہوچکا ہوگا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ پوسٹ مارٹم کے ذریعے کان اور دماغ میں تبدیلیوں کا پتا چلایا جاسکے گا۔"

انسپکٹر نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ وہ کندھے اچکا کر بولا "ممکن ہے میلٹ کی موت حرکتِ قلب بند ہونے کے بجائے دماغ کی کوئی رگ پھٹنے کی وجہ سے واقع ہوئی ہو... دماغ کی رگ پھٹنے اور بجلی کا مہلک شاک لگنے کی نشانیاں تقریباً یکساں ہوتی ہیں۔ مجھے تو علامات دل کے دورے ہی کی دکھائی دی تھیں لیکن پوسٹ مارٹم کے بغیر پورے یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا" وہ پوسٹ مارٹم کی ضرورت کا قائل تو ہوگیا تھا۔

"لیکن میلٹ کو بجلی کا شاک کس طرح لگ سکتا تھا؟" جیری الجھن زدہ لہجے میں بولا "مجھے بتایا گیا ہے کہ مائیکروفون وغیرہ مکمل طور پر ٹیسٹ کیے گئے تھے۔ ان میں قطعاً کوئی نقص نہیں تھا۔"

"لیکن میلٹ کی اپنی جیب میں بھی ایک برقی چیز موجود تھی" میں نے یاد دلایا۔

جیری نے جیب سے میلٹ کا آلۂ سماعت نکالا اور اسے کھول لیا۔ اس میں باریک باریک تاروں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ پتلی پتلی چند نالیاں بھی تھیں جو سیاہ پڑ گئی تھیں اور وسط میں کچھ ایسا حصہ بھی نظر آرہا تھا جیسے زبردست حرارت سے کچھ دھات اور پلاسٹک پگھل گیا ہو۔

اب جیری نے مُردہ میلٹ کے کان سے آلۂ سماعت کا دوسرا حصہ بھی نکال لیا جو ائرپیس کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ نیل کٹر کے نتھنے سے چاقو کی مدد سے اس نے اسے بھی کھول لیا۔ اس کے اندر سیاہ مواد اور پگھلی ہوئی دھات کی ایک گولی سی موجود تھی۔ جیری نے خاموشی سے آلۂ سماعت اس چھوٹی سی میز پر رکھ دیا جس پر ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔

پھر وہ ڈاکٹر کی طرف مڑا اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔ "لاش کا پولیس کے مردہ خانے میں پوسٹ مارٹم ضروری ہوگیا ہے۔ ...اس بات کا قوی امکان نظر آرہا ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہے"

ڈاکٹر، لاش کے ساتھ ہی رخصت ہوگیا۔ کمرے میں صرف میں اور جیری رہ گئے۔ میں شیمپین کا چوتھا گلاس پی رہا تھا جو مجھے بدمزہ محسوس ہو رہا تھا۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ میں نے اس معاملے میں ٹانگ نہ اڑائی ہوتی تو اچھا تھا کیونکہ میں نے گڑبڑ کے امکان کی نشاندہی تو کردی تھی لیکن اس سے آگے اب وضاحت کے لئے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔

"اب بتاؤ یہ سب کیسے اور کیوں ہوا؟" حسبِ توقع جیری نے سوال کیا۔

"میں الیکٹرانکس کا ماہر تو نہیں ہوں" میں نے کمزور سے لہجے میں کہا "اسی لئے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تاہم میرا خیال ہے کہ آلۂ سماعت کا رابطہ کسی طرح بہت زیادہ وولٹیج کے کرنٹ سے ہوا تھا۔ شاید یہ رابطہ مائیکروفون یا اس کے اسٹینڈ کے ذریعے ممکن ہوا ہو۔"

ہم دونوں نے خود مائیکروفون اور اس کے اسٹینڈ کو ہر طرح سے چیک کیا۔ وہ بالکل ٹھیک تھے۔ ان میں کوئی نقص نہیں تھا۔ ویسے بھی میلٹ سے پہلے دو آدمی اسی مائیک پر تقریر کرچکے تھے اور ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔

جیری نے مایوسی سے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا۔ "تقریب کے انتظامات کرنے والوں میں ان برقی آلات کے ماہرین بھی شامل ہیں۔ وہ مہمانوں کے ساتھ دوسرے کمرے میں موجود ہیں۔ ہمیں ان سے تبادلۂ خیال کرنا چاہئے۔"

"ان سے تو میں ہرگز بات کرنا نہیں چاہوں گا" وہ بولا "اگر ان میں سے ہی کوئی اس سازش میں شریک ہوا تو وہ نہ صرف خبردار ہوجائے گا بلکہ ہماری غلط رہنمائی بھی کرے گا۔"

اس کی بات میں وزن تھا۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر فون کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحے فون

پر بات کرنے کے بعد اس نے واپس آکر بتایا "میں نے آندرے کیمپ کو بلوایا ہے۔ وہ اس ائرپورٹ کے ریڈیو کمیونی کیشن سیکشن کا انچارج ہے۔ الیکٹرانکس کے معاملے میں وہ بلاشبہ جینئس ہے لیکن بڑا نخرے باز ہے۔"

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد میں نے کہا "میں نہیں سمجھتا تھا کہ میلٹ کا کوئی دشمن بھی ہوگا۔"

"نہایت احمقانہ سوچ تھی تمہاری۔ ہر نمایاں اور کامیاب آدمی کے بہت سے دشمن ہوتے ہیں" جیری بولا "میلٹ تو ویسے بھی دوستوں سے زیادہ دشمن بنانے میں ماہر تھا۔ خاصا تکبر اور نخوت تھی اس میں۔ بے شمار لوگوں کو اس کے ممکنہ دشمنوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً وہ سیکڑوں اداکار جنہیں اس نے اپنی ملازمت سے نکالا یا جن کے معاہدے منسوخ کئے۔ وہ بیسیوں نامور کہانی نویس جن کے اسکرپٹ اس نے مسترد کردئے۔ اسٹوڈیوز کے وہ سیکڑوں ہنرمند اور نچلے درجے کے کارکن جن کے ساتھ وہ تکبر اور سخت گیری سے پیش آتا رہا۔ وہ عورتیں جن سے اس نے نہ جانے کیا کیا وعدے کرکے منہ پھیر لیا۔"

"اس صورت میں تو یہ بھی ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اتنی لمبی عمر پائی" میں نے کہا۔

"اسے اپنے دشمنوں کی تعداد پر فخر تھا اور وہ اپنی حرکتوں سے گویا انہیں خار دلاتا تھا" جیری بولا "اور پھر زمانہ جنگ میں بھی اس کا کردار خاصا متنازعہ رہا تھا۔ ملک پر جرمنوں کا قبضہ تھا۔ ہر چیز پر سوگواری طاری تھی اور فرانسیسیوں نے اپنے بیشتر تفریحی کاروبار بند کررکھے تھے لیکن میلٹ کا سینما ہاؤس کھلا تھا۔ بلکہ اس دور میں بھی اس نے تین فلمیں بنائیں۔ اس کا کہنا تو یہی تھا کہ وہ فرانسیسی ثقافت کو زندہ رکھنے کی کوشش کررہا ہے لیکن دوسروں کے خیال میں یہ صرف دولت کی ہوس اور جرمنوں کے لئے دلال کا کردار ادا کرنے کی کوشش تھی۔ فرانس کے آزاد ہوتے ہی چند نوجوان اسے اغوا کرکے لے گئے تھے۔ یہ وہ نوجوان تھے جو فرانس پر جرمنوں کے قبضے کے دوران تحریک مزاحمت میں حصہ لیتے رہے تھے۔ وہ اسے ایک قبرستان میں لے گئے جہاں تحریک مزاحمت کے دوران مارے جانے والے حریت پسندوں کی قبریں تھیں۔ نوجوانوں نے میلٹ کو تھوڑا بہت مارا پیٹا اور ان قبروں کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دعائیں پڑھنے اور ان لوگوں کو ہدیۂ تحسین پیش کرنے پر مجبور کردیا۔ اس واقعے نے میلٹ پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ایک سال کے لئے تو وہ تقریباً ریٹائر ہی ہوگیا تھا۔ اس کے دشمنوں کو شمار کرنا مشکل ہوگا اور تم کہہ رہے ہو کہ اس کا دشمن کون ہوسکتا ہے۔"

میں اپنے اندازے کی غلطی پر شرمندگی کے اظہار کے لئے الفاظ ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ ایک دبلا پتلا سا نوجوان ہال میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بدمزگی کے آثار تھے۔ وہ بلا تمہید بولا۔ "جیری! ائرپورٹ کے تحفظ کی ذمے داری مجھ پر ہے۔ اور تم نے مجھے اپنا کام چھوڑ کر آنے پر مجبور کردیا ہے۔ جلدی بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے" اس کے الفاظ سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ آندرے کیمپ تھا۔

جیری نے اسے پورا واقعہ سنایا اور بتایا کہ اسے کس قسم کی مدد کی ضرورت تھی۔ اس نے کیمپ سے میرا بھی مختصر تعارف کرادیا۔ کیمپ نے کھلے ہوئے آلۂ سماعت کا جائزہ لیا اور پتلی پتلی لمبی سی نلکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ ٹرانسٹرز ہیں .. اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ایک آلۂ سماعت میں ٹرانسٹرز کہاں سے آگئے؟ آلۂ سماعت میں ان کی ضرورت نہیں ہوتی" اس نے ائرپیس کا بھی جائزہ لیا اور بدمزگی سے سر ہلاتے ہوئے بولا "یہاں بھی ننھے ٹرانسٹرز تھے لیکن یہ سب تباہ ہوچکے ہیں' ایسا لگتا ہے جیسے سرکٹ شارٹ ہونے کی وجہ سے یہ چیزیں تباہ ہوگئیں۔"

"ایک آلۂ سماعت میں سرکٹ کس طرح شارٹ ہوسکتا ہے؟" ... میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"تھیوری کے لحاظ سے تو نہیں ہوسکتا" کیمپ نے تسلیم کیا۔ "اس کی بیٹری اتنی کم وولٹیج کی ہوتی ہے کہ وہ شارٹ سرکٹ کا سبب نہیں بن سکتی۔ میں ان آلات کا تو ماہر نہیں ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ اس آلے کا کسی طرح بہت طاقتور کرنٹ سے رابطہ ہوا ہے۔"

"یہی خیال مجھے بھی آیا تھا" میں نے ملامت سے کہا "لیکن باقی تمام آلات بالکل ٹھیک حالت میں ہیں اور اپنے معمول کے مطابق کام کررہے ہیں۔"

کیمپ نے سر کھجایا۔ اب اس کی آنکھوں سے بدمزگی کی جگہ دلچسپی جھلکنے لگی تھی۔ ہر جینئس کا یہی معاملہ ہوتا ہے۔ کوئی چیلنج ان کے سامنے آجائے تو وہ باقی سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ کیمپ نے اسٹیج پر موجود آلات کو کھول کر چیک کیا۔ مائیک' اسپاٹ لائٹس حتیٰ کہ اس نے ٹی وی کیمرے کو بھی کھول کر دیکھا۔

"یہ سب چیزیں تو درست ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی چیز کسی کی موت کا سبب نہیں بن سکتی تھی" اس نے اعلان کیا اور سب سے آخر میں ٹیپ ریکارڈر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس نے مجھے مخاطب کیا "تمہیں ٹرانسٹرز کے بارے میں کچھ معلومات ہیں؟"

"کچھ زیادہ نہیں" میں نے جواب دیا۔

"یہ انسان کی ایک انتہائی حیرت انگیز ایجاد ہے" کیمپ بولا۔ "یہ برقی لہریں' آواز کی لہریں' حتیٰ کہ بجلی کے اثرات کہیں منتقل کرنے کے لئے بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں اور ریسیو کرنے کے لئے بھی۔ ابھی تک خود موجدوں کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ انہیں کن کن مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ روز بروز ان کے نئے نئے استعمال سامنے آرہے ہیں۔ حتیٰ کہ اب یہ خلا میں استعمال ہونے والے میزائلوں کا بھی حصہ بن گئے ہیں"

اس وقت تک کیمپ ٹیپ ریکارڈر کا 'پلے' والا بٹن دبا چکا تھا۔ ...اینڈر سیکریٹری کی تقریر کمرے میں گونجنے لگی۔ کیمپ نے آواز بالکل کم کردی۔

"تم کیا کررہے ہو؟" انسپکٹر جیری نے بے تابی سے پوچھا۔

"تھوڑی دیر میں تم دیکھ ہی لوگے" کیمپ بولا "لیکن میرا اندازہ غلط بھی ہوسکتا ہے..."

○☆○

ہم ایک دائرے کی سی صورت میں بیٹھے تھے۔ کیمرامین' اس کا اسسٹنٹ' چار الیکٹریشن جنہوں نے وہاں روشنی کے انتظامات کئے تھے' ٹی وی کا ایک ڈائریکٹر' دو ساؤنڈ انجینئر جنہوں نے ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے ریکارڈنگ کا کام سنبھالا تھا' ماریا اور میں' سب وہاں موجود تھے۔ کیمپ میرے اور انسپکٹر جیری کے سامنے اپنی تھیوری درست ثابت کرتے ہی جاچکا تھا۔ بعد میں ان سب لوگوں کو میری درخواست پر انسپکٹر جیری نے جمع کیا تھا۔ کیمپ نے اپنی تھیوری کا عملی مظاہرہ کرنے کا معاملہ مجھ پر اور جیری پر چھوڑ دیا تھا۔

ماریا اب سنبھل چکی تھی اور میرے برابر ہی بیٹھی تھی تاہم جب سے وہ کمرے میں آئی تھی اس نے ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا' ...اور میرے لئے یہ بہتر ہی تھا۔

جیری دائرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ وہ ایڑیوں پر تھوڑا سا گھومتے ہوئے بولا "میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ لوگوں کو اتنی دیر روکنا پڑا... لیکن مسٹر میلٹ کی موت کا معما حل کرنے کے لئے آپ سے کچھ سوالات کی وضاحت ضروری تھی۔"

"ہارٹ اٹیک میں وضاحتوں کی کیا ضرورت آن پڑی؟" ٹی وی ڈائریکٹر نے پوچھا۔

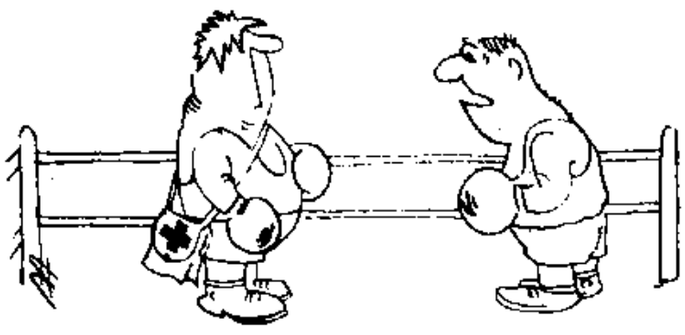
"وہ ہارٹ اٹیک نہیں' قتل تھا" جیری بولا۔ ماریا کی آنکھیں بری طرح پھیل گئیں۔ مجھے اندیشہ محسوس ہوا کہ وہ دوبارہ نہ چیخنے لگے یا بے ہوش نہ ہوجائے۔ تاہم وہ سنبھلی رہی۔ حیرت کا اظہار سبھی نے کیا۔

"کیا تم اس انہونی سی بات کو ثابت کرسکتے ہو؟" ٹی وی ڈائریکٹر نے پوچھا۔

"یقیناً" جیری نے کہا اور جیب سے ناکارہ آلۂ سماعت نکال کر ہاتھ میں بلند کیا۔ یہ گویا میرے لئے اشارہ تھا۔ میں اٹھ کر ٹیپ ریکارڈر تک پہنچا۔ سب کی نظریں مجھ پر تھیں۔ جیری کا اشارہ پاکر میں نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبادیا۔

کمرے میں آواز گونجنے لگی "... لیکن ہمیں امید ہے کہ میڈم ماریا سے شادی کے بعد آپ کی رائے بدل جائے گی۔ وہ ہماری فلمی دنیا کا سب سے حسین ستارہ ہیں" یہ کامیڈی سیریز کے ڈائریکٹر کی تقریر کے اختتامی الفاظ تھے۔

پھر تالیوں کی گونج اور تھوڑی سی بھنبھناہٹ کے بعد سرجے میلٹ کی آواز ابھری "میرے محترم دوستو! میں آپ سب کا..."



اس کے بعد سکوت چھاگیا۔ کئی فٹ ٹیپ اسی سکوت اور خاموشی سے گزر گئی پھر چیخ وپکار اور طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بہت دیر بعد ڈائریکٹر کی آواز ٹیپ پر ابھری "یہ مرچکا ہے"

اس کے بعد پھر خاموشی چھاگئی۔ کمرے میں بھی خاموشی تھی۔ میں نے ٹیپ ریکارڈر بند کردیا اور جیری کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"یہ کیا تھا؟" کیمرامین نے پوچھا "تم تو ہمیں دکھانے جارہے تھے کہ میلٹ کو کس طرح قتل کیا گیا۔ یہ تو محض وہ آوازیں تھیں..."

"ان آوازوں میں ہی معمے کا حل پوشیدہ ہے" جیری بولا۔ "آپ لوگوں نے شاید محسوس نہیں کیا کہ آنجہانی میلٹ کے بولے ہوئے چند الفاظ کے بعد ٹیپ پر خاموشی چھاگئی تھی۔ حالانکہ ٹیپ ریکارڈر بدستور آن تھا۔ اگر ٹیپ ریکارڈر آن تھا اور ٹیپ مسلسل چل رہی تھی تو ہمیں میلٹ کے اسٹیج پر دھڑام سے گرنے کی آواز کیوں سنائی نہیں دی؟ ٹیپ پر کچھ دیر کا وقفہ یا سکوت کیوں آگیا؟"

"ہمیں کیا معلوم... ہم کیا بتاسکتے ہیں؟" ایک نوجوان ہنرمند بولا۔

"میں تم سے پوچھ بھی نہیں رہا... لیکن ہم ٹیپ دوبارہ چلاکر طریقہ واردات دُہرا کر دکھاسکتے ہیں" جیری نے یوں سب کے چہروں پر نظر دوڑائی گویا کسی ایک کا انتخاب کرنا چاہتا ہو۔ آخر کار وہ نوجوان ساؤنڈ انجینئروں میں سے ایک کے سامنے رک گیا... وہ سیاہ بالوں والا اور گٹھے ہوئے جسم کا نوجوان تھا۔ دوسرے ساؤنڈ انجینئر کے بال سنہرے تھے اور وہ قدرے ہلکے جسم کا تھا۔ چہرے مہرے سے وہ کچھ زود حس معلوم ہوتا تھا۔

جیری نے سیاہ بالوں والے ساؤنڈ انجینئر کو مخاطب کیا "میں ذرا تمہیں زحمت دوں گا۔ براہِ کرم یہ آلۂ سماعت کان میں لگالو" اس نے آلۂ سماعت اس کی طرف بڑھایا۔ وہ آلے کی ٹوٹی ہوئی تار جوڑ چکا تھا اور اسے صحیح طرح بند کرچکا تھا۔ کسی کو اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ آلۂ سماعت ناکارہ ہے۔

نوجوان ساؤنڈ انجینئر ذرا ہچکچایا تو جیری بولا "گھبراؤ مت' اس میں خطرے والی کوئی بات نہیں۔"

سیاہ بالوں والے نوجوان نے ائرپیس کان میں لگالیا۔ میں ایک بار پھر ٹیپ ریکارڈر پر پہنچا اور جیری کے اشارے کا انتظار

کرنے لگا۔ سب لوگ دم سادھے یوں دیکھ رہے تھے جیسے کوئی مداری انہیں حیرت انگیز کرتب دکھانے والا ہے۔

جیری کا اشارہ پاکر میں نے ایک بار پھر ٹیپ ریکارڈر چلایا۔ ایک بار پھر کامیڈی 'سیریز' کے ڈائریکٹر کی تقریر کا اختتامی حصہ اور پھر تالیاں سنائی دیں۔ اس کے بعد میلٹ کے الفاظ سنائی دئے۔ لیکن ابھی اس کے بولے ہوئے الفاظ پورے نہیں ہونے پائے تھے کہ کمرے میں ایک کرسی الٹنے کی آواز ابھری اور سنہرے بالوں والا ساؤنڈ انجینئر اچھل کر آگے آگیا۔ اس نے اپنے ساتھی کے کان سے آلۂ سماعت ایک جھٹکے سے کھینچ کر نکال دیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا اور غصے کی شدت سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔

"آخر تم سمجھ ہی گئے" وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا "مجھے تم لوگوں سے اس ہوشیاری کی توقع نہیں تھی... ہاں' میں نے قتل کیا ہے میلٹ کو... وہ کتا ایک بار نہیں' سو بار قتل کئے جانے کے لائق تھا۔ زمانۂ جنگ میں اس منحوس نے میرے باپ کو اپنی کمپنی سے نکال دیا تھا اور بے روزگاری کے دوران در در بھٹکتے ہوئے وہ جرمنوں کے ہتھے چڑھ گیا جنہوں نے اسے اپنے ایک بیگار کیمپ میں بھیج دیا جہاں وہ سسک سسک کر مرگیا۔"

"ریوالور پھینک دو نوجوان" جیری نے اسے خبردار کیا۔

نوجوان نے سُنی ان سُنی کرتے ہوئے بات جاری رکھی اور ماریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "اس نے میری مدد کی تھی۔ اس نے آلۂ سماعت کا وہ حصہ تبدیل کیا تھا جو جیب میں رکھا جاتا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں میلٹ کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن میری مدد کرکے اس کام کو ممکن اس نے بنایا۔" اس کے ریوالور کا رخ اب ماریا کی طرف تھا "یہ بھی اسے مردہ دیکھنا چاہتی تھی۔"

ماریا کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ جیری نے تیزی سے حرکت کی' لیکن یہ تیزی ناکافی رہی۔ ریوالور گرج ہی اٹھا۔ ماریا کے سینے سے خون ابل پڑا اور وہ اپنی کرسی سے لڑھک گئی۔

جیری کو جھکائی دے کر نوجوان ساؤنڈ انجینئر بھاگ اٹھا۔ میں اس کے تعاقب میں تھا۔ وہ ڈیپارچر لاؤنج میں مسافروں کی بھیڑ کو چیرتا' لوگوں سے ٹکراتا ائرپورٹ کے اس حصے میں نکل گیا جو طیاروں کی آمدورفت کے لئے مخصوص تھا۔ میں اس کے تعاقب میں تھا اور اسے ٹارمک پر دیوانہ وار دوڑتے دیکھ رہا تھا۔ مختلف روشنیاں ادھر اُدھر چکرا رہی تھیں اور میری آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

پھر ایسی ہی دو تیز لائٹیں اچانک سامنے سے نمودار ہوئیں۔ بریک چرچرائے مگر میں نے نوجوان کو ایک بڑی سی بس کی لپیٹ میں آتے دیکھ لیا۔ اس کی آخری چیخ نہایت کربناک تھی۔

○☆○

اس کے ایک گھنٹے بعد میں برٹ کے ساتھ ڈیپارچر لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس واقعے کو پیش آئے ایک سال بیت چکا تھا۔ برٹ کہہ رہا تھا "... ہاں... ہمیں اس نوجوان کے بارے میں معلوم ہے۔ اس کا نام ڈی مینی ہے۔ اس کے باپ کو واقعی میلٹ نے ۱۹۴۲ء میں اپنی کمپنی کی ملازمت سے نکال دیا تھا لیکن میلٹ کو بھلا کیا معلوم تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ ... کمپنیوں میں ملازموں کا آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔ کسے معلوم تھا کہ اس کا بیٹا اس وقت سے انتقام کی آگ سینے میں چھپائے بیٹھا ہوگا لیکن تم مجھے آسان زبان میں بتاؤ کہ اس نے میلٹ کو قتل کیونکر کیا؟"

"میں الیکٹرانکس کا ماہر نہیں ہوں" میں نے کہا "مُعمے کو حل کرنے کا سرا اصل میں آندرے کیمپ کے سر ہے۔ ڈی مینی نے ماریا کی مدد سے میلٹ کے آلۂ سماعت کی جگہ ایک ویسا ہی مگر دوسرا آلۂ سماعت رکھوادیا تھا جس میں تین خاص قسم کے ٹرانسٹرز لگے ہوئے تھے۔ انہیں ریسیور کا کام کرنا تھا۔ ٹیپ ریکارڈر میں اس نے ٹرانسٹرز کا ایک اور سیٹ فٹ کیا تھا جسے سگنل نشر کرنے کا کام کرنا تھا۔"

"لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میلٹ کو قتل کس چیز سے کیا گیا؟"

"الٹرا ساؤنڈ ٹیکنالوجی سے" میں نے جواب دیا "انسانی کان چند مخصوص فریکوئنسی کی آوازیں سن سکتا ہے لیکن ڈی مینی نے میلٹ کے آلۂ سماعت پر انتہائی اونچی فریکوئنسی کی آوازیں نشر کیں جنہیں کوئی سن نہیں سکتا تھا لیکن ان سے میلٹ کے دماغ کی نازک رگیں پھٹ گئیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آوازوں کی یہ فریکوئنسی ایسی تھی جس پر آواز کی لہریں حرارت میں ڈھل جاتی ہیں۔ اس کی تشریح بہت طولانی ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ میں تمہیں صرف اتنا بتاتا ہوں کہ جونہی میلٹ نے تقریر شروع کی' ڈی مینی نے ٹیپ ریکارڈر کا اصل کام ایک لمحے کے لئے روک کر اس سے دوسرا کام لیا اور پھر اسے دوبارہ آن کردیا۔ اسی لئے ہم میلٹ کے گرنے کی آواز ٹیپ پر نہیں سن سکے۔ وہ ریکارڈ ہونے سے رہ گئی تھی۔ میں نے اس چیز کی نشاندہی کیمپ کے سامنے کی اور وہ ٹیپ ریکارڈر کو کھول کر فوراً معاملے کی تہ کو پہنچ گیا۔"

"لیکن میں صحیح معنوں میں ابھی تک معاملے کی تہ کو نہیں پہنچا" برٹ الجھن زدہ لہجے میں بولا "میں پوچھتا ہوں..."

میں مزید کچھ سُنے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ ابھی وہ بیسیوں باتیں پوچھے گا اور میں ہر بات کا جواب دینے کے لئے نہیں رک سکتا تھا کیونکہ میری فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہوچکا تھا۔

میں نے بیگ اٹھایا اور برٹ کو الجھن میں چھوڑ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔



امیدوار

قسمت اور مقدر کی کرشمہ سازیوں سے کیوں کر محفوظ رہا جاسکتا ہے، یہ بسا اوقات ایسے ایسے تماشے دکھلاتا ہے کہ ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اسی قسمت کے باعث اپنا تہ اشنا دیکھنے والے ایک مرد دانا کا فسانہ۔

نجمہ موری

چونکا دینے والے انجام کی ایک ہالی ووڈ کی مختصر سی کہانی

نارمن نے جب اسے پہلی بار دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ اس نے ایسی ہی عورت کے خواب دیکھتے دیکھتے عمر کے اڑتالیس برس گزار دیے تھے اور شادی سے محروم رہا تھا۔ گویا وہ ایک مثالی عورت کی تلاش میں اب خود کسی غیر مثالی عورت کے معیار پر پورا اترنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ اڑتالیس برس کی عمر کچھ کم نہیں ہوتی۔ ایسے مرد کی طرف کون عورت ایسی ہوگی جو التفات کی ایک نظر بھی ڈالنا گوارا کرے گی؟ خصوصاً جب اس مرد کے پاس قابل توجہ دولت بھی نہ ہو اور وہ ایک فرم میں لگی بندھی تنخواہ پر ملازم ہو۔

اس نے چور نگاہوں سے ایک بار پھر ریستوران کے اس گوشے کی طرف دیکھا، جہاں ایک الگ تھلگ میز پر وہ "مثالی" عورت اپنے سامنے کاغذات رکھے بیٹھی تھی اور اردگرد سے بے خبر بڑے انہماک سے کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔

نارمن کی مثالی عورت میں دراصل بنیادی طور پر ایک ہی خوبی ہونا ضروری تھی۔۔۔ یعنی اعتدال، میانہ روی! وہ اس آئیڈیل ہستی میں ہر چیز اعتدال پر دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ مثلاً نہ وہ زیادہ کم عمر ہو اور نہ بوڑھی، نہ حسینہ عالم ہو کہ شادی کے بعد اسے اپنے دوستوں سے تعلقات منقطع کرنے پر مجبور ہونا پڑے اور نہ اس قدر بدصورت ہو کہ محلے کی عورتیں اس کا حوالہ دے کر اپنے بچوں کو ڈرانے لگیں۔ باتونی نہ ہو کہ دماغ چاٹ جائے اور نہ اتنی کم گو ہو کہ اس کی آواز سننے کو کان ترس جائیں۔ وہ زیادہ فیشن ایبل اور خوش لباس بھی نہ ہو کہ نارمن کی ساری تنخواہ اس کے لباس وغیرہ پر ہی خرچ ہو جائے... غرض کہ وہ اپنی پسند کی عورت اسے قرار دے سکتا تھا جس میں تمام خوبیاں اور خصوصیات اعتدال پر ہوں۔

بات یہ نہیں تھی کہ اسے اڑتالیس برس کی عمر تک کوئی ایسی عورت ہی نہ ملی ہو... عورتیں تو بہت سی ملی تھیں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ نارمن ان کا مطلوبہ آدمی نہیں تھا۔ وہ نہایت عام سی شکل صورت کا آدمی تھا، جس سے بعض اوقات حماقت بھی ٹپکنے لگتی تھی۔ اس کا لباس بھی عام سا

ہوتا تھا اور سب سے بڑی خامی' جو اس میں موجود تھی.... وہ یہ کہ وہ حد سے زیادہ شرمیلا تھا۔ خود آگے بڑھ کر کسی سے دوستی کرنا تو اس کے بس کی بات ہی نہیں تھی۔

نارمن کی اگر کسی عورت سے شناسائی رہی بھی تھی تو صرف اس سے جو خود ہی کسی اتفاق کے تحت مل بیٹھی ہو۔ مجموعی طور پر وہ ایک سیدھا سادہ آدمی تھا جس نے اپنی جوانی کے اہم پندرہ برس ایک ہی دفتر میں سر جھکا کر ملازمت کرتے گزار دیے تھے۔ اب تو اس کے دل میں اپنی مثالی عورت کو تلاش کرنے کی خواہش بھی دم توڑ چکی تھی۔ اسے احساس ہوگیا تھا کہ اس نے اپنی عمر کے کئی قیمتی برس ضائع کردیے ہیں۔

.... لیکن اس عورت کو دیکھ کر اس کی سوئی ہوئی خواہش ایک بار پھر انگڑائی لے کر بیدار ہوگئی۔ نہ جانے کیوں دور ہی سے اس عورت کو دیکھ کر نارمن کو یقین سا ہوگیا کہ یہی وہ عورت ہے جس کی تلاش میں وہ اب تک بھٹکتا رہا ہے۔ کھانا کھانے کے دوران وہ مسلسل چوری چوری اس عورت کی طرف دیکھتا رہا۔ اس تمام وقت میں اس کے دل کی دھڑکنیں اعتدال سے بڑھی رہیں۔ اس دوران اس عورت نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر کسی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کے سامنے کاغذات کے ساتھ کافی کے برتن بھی رکھے ہوئے تھے۔ وہ قلم تھامے نہ جانے کس کام میں منہمک تھی۔

کبھی کبھی وہ قلم ہونٹوں میں دبا کر کسی سوچ میں ڈوب جاتی اور ایسے میں اس کے چہرے کی دلکشی اور بردباری کچھ اور بڑھ جاتی۔ آج تو کھانا کھا لینے کے بعد بھی نارمن کا وہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ خاصا وقت ضائع کرنے کے بعد آخر کار اسے گویا نہ چاہتے ہوئے جبراً اٹھنا پڑا۔ اس نے ایک نظر اس عورت پر ڈالی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اسے اپنے سارے تحریری کام ریستوران ہی میں نمٹانے تھے۔ اس کا جلد اٹھنے کا ارادہ نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن نارمن بہرحال اپنے معمولات کا پابند تھا۔

وہ رات کو جلدی سوتا تھا تاکہ صبح وقت پر دفتر پہنچ سکے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر عورت اٹھ بھی کھڑی ہوئی تو وہ کیا کرسکتا تھا؟ اس میں اتنی جرأت تو تھی نہیں کہ راہ چلتے اس سے ہمکلام ہوجاتا یا اسے لفٹ وغیرہ کی پیش کش کرکے مراسم کا آغاز کرلیتا۔ اگر اس میں اس قسم کی کوئی صلاحیت ہوتی تو وہ یہیں ریستوران میں بیٹھے بیٹھے بھی اس سے تعارف حاصل کرسکتا تھا لیکن وہ فطری شرمیلے پن اور طبیعت میں پائی جانے والی جھجک کے ہاتھوں مجبور تھا۔

بل ادا کرکے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ ایک لمحے کے لیے غیر ارادی طور پر کاؤنٹر کے قریب رکا اور ریستوران کی مالک تھر لیسیا کی طرف دیکھ کر مسکرا کر دیکھا۔ جواب میں وہ بھی مسکرا دی۔ شام میں چند گھنٹے کے لیے تھر لیسیا خود کاؤنٹر پر بیٹھتی تھی۔ دن میں وہ گھر پر رہتی تھی۔

تھر لیسیا اور نارمن کی پرانی شناسائی تھی۔ کسی زمانے میں وہ اور نارمن ایک ہی دفتر میں کام کرتے تھے۔ تھر لیسیا بہت ہنس مکھ' ملنسار اور خاصی بے باک تھی۔ وہ خود ہی نارمن سے کافی بے تکلف ہوگئی تھی۔ تب نارمن نے اپنے اندر جرأت پیدا کی اور اس سے شادی کی درخواست کرنے کا فیصلہ کیا لیکن یہ بات اس میں روبرو اور زبانی کہنے کا حوصلہ نہیں ہوسکا۔ اس لیے اس نے تھر لیسیا کو تحریری درخواست پیش کی یعنی ایک مختصر سا خط لکھا' جس میں اس نے بڑی درد مندی کے ساتھ اپیل کی تھی کہ اگر وہ اس سے شادی کرلے تو اس کی خزاں رسیدہ زندگی میں بہار آجائے گی اور وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھے گا' وغیرہ وغیرہ!

نارمن وہ خط چپکے سے تھر لیسیا کی میز پر پیپر ویٹ کے نیچے دبا کر چلا گیا۔

اگلے روز تھر لیسیا اس کی میز پر آئی تو اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔ نارمن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ اس کی اس جرأت پر اسے برا بھلا نہ کہنا شروع کردے۔ وہ اسے شکل وصورت کا بھی طعنہ دے سکتی تھی۔ جیسا اس سے پہلے ایک لڑکی نے دیا تھا۔ وہ نارمن کو گویا مستقل طور پر شکل وصورت کے معاملے میں احساسِ کمتری میں مبتلا کرگئی تھی حالانکہ وہ اگر خوش شکل نہیں تو بدصورت بھی نہیں تھا۔ بس کبھی کبھی چہرے پر طاری ہوجانے والی حماقت کام بگاڑ دیتی تھی۔

بہرحال نارمن نے اندر ہی اندر ہمت مجتمع کی اور خود کو تسلی دی کہ اس نے تھر لیسیا سے شادی کی درخواست کی ہے کوئی بیہودگی تو نہیں کی۔ اس نے دھیمے لہجے میں کہا "تم نے یقیناً میرا خط پڑھ لیا ہوگا.... میں اس کا جواب سننے کا منتظر ہوں۔"

"مسٹر نارمن!" تھر لیسیا نے بڑی ملائمت سے جواب دیا "میں تمہاری درخواست پر ضرور غور کرتی لیکن تم نے دراصل تھوڑی سی دیر کردی۔"

"کیا مطلب؟" اس نے کرسی پر پہلو بدلا۔

"دراصل میں دو دن پہلے ہی ایک چھوٹے سے ریستوران کے مالک ٹارسن سے شادی کرنے کی ہامی بھر چکی

اس کا کوئی بوائے فرینڈ ہوتا تو کبھی نہ کبھی اس کے ساتھ نظر آتا۔

لاکھ کوشش اور خواہش کے باوجود جب وہ اپنے آپ میں پیش قدمی کی جرأت پیدا نہ کرسکا تو ایک روز کھانا کھاتے ہوئے اس کے ذہن میں اچانک یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا کہ کیوں نہ اس سلسلے میں تھر لیسیا سے مدد لی جائے۔ اگر وہ عورت باقاعدگی سے ریستوران میں آتی ہے تو یقیناً تھر لیسیا اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہوگی پھر اس کی معلومات کی روشنی میں کوئی صحیح قدم اٹھایا جاسکتا تھا۔۔۔ بلکہ عین ممکن تھا کہ دیرینہ تعلقات کے باعث تھر لیسیا خود ہی اس کی مشکل دور کردے اور ان دونوں کو قریب لانے میں معاون ثابت ہو۔

اس روز رخصت ہوتے وقت نارمن کاؤنٹر پر رسمی انداز میں رکنے کے بجائے باقاعدہ جم کر کھڑا ہوگیا۔ تھر لیسیا جب ایک بل بنا کر فارغ ہوئی تو اس نے تھوک نگل کر دھڑکتے دل سے پوچھا "تھر لیسیا! کیا تم اس خاتون کو جانتی ہو؟" اس نے غیر محسوس انداز میں پیچھے کی جانب اشارہ کیا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" بے اختیار اس کے ہونٹوں سے دل کی بات نکل گئی اور وہ گھبرا گیا "مم۔۔۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ کون ہے۔۔۔ شاید تمہیں اس کے بارے میں کچھ علم ہو اور تم کوئی مشورہ دے سکو۔"

"تم کس قسم کا مشورہ چاہتے ہو؟" تھر لیسیا کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ ابھری۔

"مم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ کک۔۔۔ کیا وہ شادی شدہ ہے۔۔۔؟" نارمن پر گھبراہٹ حملہ آور ہوئی۔ جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر اس کے ساتھ ہوتا آیا تھا۔

"نہیں' بیوہ ہے۔" کاؤنٹر پر دونوں کہنیاں ٹکا کر تھر لیسیا نے جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہا "اگر تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو تو سیدھے اس کی میز پر جاؤ اور بات کرلو۔"

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔" نارمن مزید بوکھلا گیا۔

"اپنے اندر ہمت پیدا کرو نارمن!" اس نے ناصحانہ انداز میں کہا "اگر تم واقعی سنجیدہ ہو تو جاؤ اور اس سے شادی کی درخواست کردو۔"

"لیکن وہ برا نہ منا جائے۔" اس نے بے چارگی سے کہا اور کن انکھیوں سے اس عورت کی طرف دیکھا "ہماری عمروں میں خاصا فرق ہے۔۔۔ وہ مجھ سے کہیں کم عمر ہے۔ مالی طور پر بھی شاید مجھ سے برتر ہے۔۔۔"

"اگر تمہیں اپنے بارے میں اتنا ہی احساسِ کمتری ہے تو پھر شادی کا خیال دل سے نکال دو۔۔۔ ویسے تم اس کی طرف متوجہ کیسے ہوئے؟"

"بس۔۔۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل اس کی طرف مائل ہوگیا۔" نارمن نے جھجکتے ہوئے کہا "دل پر تو کسی کا اختیار نہیں ہوتا نا۔۔۔ میرا خیال ہے اگر اس سے میرا تعارف ہوجائے۔۔۔ اور اگر تم اس سے میری سفارش کردو تو۔۔۔ تو شاید بات بن جائے۔"

تھر لیسیا کے چہرے سے ایسا لگتا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کررہی ہے۔ وہ اپنی شادی کے معاملے میں اس سے سفارش کرانا چاہتا تھا۔ اس نے بظاہر سنجیدگی سے کہا "میرا خیال ہے کہ تمہارا کام بن جائے گا۔۔۔ میرا مشورہ مانو تو تم سیدھے اس کی میز پر جاؤ اور خود ہی اپنا تعارف کراؤ' پھر اس سے شادی کی درخواست کردو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی تمہیں اثبات میں جواب دے گی۔"

"تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو۔" نارمن نے پوچھا "وہ انکار بھی تو کرسکتی ہے۔"

"نہیں' وہ انکار نہیں کرے گی۔" تھر لیسیا نے اطمینان سے جواب دیا "اس لیے کہ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری درخواست سننے کے بعد وہ مجھ سے مشورہ ضرور کرے گی اور میں تمہاری سفارش کردوں گی۔"

"تمہاری اس سے واقفیت کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ واقعی تمہارے کہنے پر مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہوجائے گی۔" نارمن نے بے یقینی سے کہا۔

"تم اپنے اندر ہمت پیدا کرو۔" تھر لیسیا نے قدرے جھنجلا کر کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری درخواست منظور کرلے گی اور اس کے لیے شاید میری سفارش کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم یہ سب کچھ اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو؟" نارمن نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔" تھر لیسیا نے گہرا سانس لے کر کہا "وہ میری ماں ہے۔۔۔ اور آج کل بڑی شدومد سے نئے شوہر کی تلاش میں ہے۔"

اسی ریستوران کے کاؤنٹر پر اس کی ملاقات تھر لیسیا سے ہوئی۔ وہ تو شاید تھر لیسیا کو پہچان بھی نہ پاتا لیکن تھر لیسیا نے خود ہی بڑی گرم جوشی سے اسے مخاطب کیا۔ وہ بہت بدل چکی تھی۔ جسم پر گوشت کی کئی تہیں جم چکی تھیں' بالوں میں سفیدی نمودار ہو چکی تھی اور جب وہ ہنستی تھی تو چہرے پر شکنیں سی پڑ جاتی تھیں۔ نئے علاقے میں ایک پرانی دوست سے ملاقات پر نارمن کو بہت خوشی ہوئی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد نارمن سے مل وصول کرتے وقت تھر لیسیا نے اسے بتایا کہ اس کے شوہر کا ایک حادثے میں انتقال ہو چکا ہے۔ ریستوران وہ خود چلا رہی ہے۔ اس کے دو بچے ہیں جو خاصے بڑے ہو چکے ہیں اور اسکول جاتے ہیں۔ یہ تفصیلات سن کر نارمن کے دل میں ایک بار پھر گدگدی سی ہوئی کہ وہ اپنی شادی کی مسترد کی گئی درخواست کو پھر دہرائے لیکن ایک تو تھر لیسیا کا خزاں رسیدہ چہرہ دیکھ کر اس کے ارمانوں پر اوس سی پڑ گئی۔ دوسرے اس کے بچوں کا سن کر اس نے خود کو اس حرکت سے باز رکھا۔ یہ درست تھا کہ وہ خود بھی بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا لیکن اس کا دل جوان تھا۔

اس نے سوچا کہ اتنے برس کسی کی رفاقت کے بغیر گزارنے کے بعد بھی اگر ایک بیوہ اجڑی ہوئی دو بچوں کی ماں سے ہی شادی کرنا تھی تو اتنا عرصہ حسرتوں کے صحرا میں بھٹکنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ اس بار بھی اس کی درخواست مسترد نہ ہو جائے کیونکہ وہ اب بھی ملازمت پیشہ تھا۔ اس کا اب بھی کوئی ذاتی کاروبار نہیں تھا۔ اور اسے تھر لیسیا کا نظریہ یاد تھا۔

بہرحال اس نے تھر لیسیا کے ریستوران میں باقاعدگی سے رات کے کھانے کے لیے آنا شروع کر دیا۔ اور یہیں آج اسے اپنے خوابوں کی گویا تعبیر نظر آئی تھی لیکن نارمن کو یہ صدمہ تھا کہ اس مرتبہ اسے دو دن کی نہیں' برسوں کی تاخیر ہو چکی تھی۔ ریستوران کے دروازے پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر دیکھا' وہ عورت اب بھی میز پر بیٹھی اپنے کاغذات کی طرف متوجہ تھی۔ اس کے تراشیدہ بالوں کی ایک لٹ اس کی پیشانی پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے پتلے اور خوب صورت ہونٹ آہستگی سے ہل رہے تھے۔ جیسے وہ زیر لب کچھ پڑھ رہی ہو یا حساب لگا رہی ہو۔

اچانک نارمن کو احساس ہوا کہ اسے اس طرح عورت کو نہیں گھورنا چاہیے۔ کوئی دیکھے گا تو اس کے بارے میں نہ جانے کیا رائے قائم کرے؟ اس خیال کے تحت اس نے گھبرا کر چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے گہرا سانس لے کر آخری نظر عورت پر ڈالی اور ریستوران سے باہر نکل گیا۔

اگلے روز وہ کھانا کھانے تھر لیسیا کے ریستوران پہنچا تو اس کے ذہن کے کسی گوشے میں موہوم سی ایک امید کروٹیں لے رہی تھی کہ شاید وہ عورت آج بھی وہیں موجود ہو۔ ریستوران میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں جہاں ایک میز پر کل اس نے اپنے خیالوں کا حسین پیکر دیکھا تھا۔

وہ آج بھی اسی میز پر بیٹھی تھی۔ آج کے سامنے کاغذات کے بجائے صرف ایک فائل پڑی تھی اور وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس کی انگلیوں میں ایک سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ وہ وقفے وقفے سے سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتے ہوئے بظاہر کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ چہرے پر پھیلی ہوئی سنجیدگی اور متانت کے باعث وہ کوئی مفکر یا دانش ور معلوم ہوتی تھی لیکن شخصیت کی تازگی اور دلکشی کی مناسبت سے وہ کوئی ماڈل گرل نظر آتی تھی۔ یہ عجیب امتزاج تھا۔ بہرحال' نارمن کو اس کی موجودگی سے عجیب قسم کی خوشی محسوس ہوئی۔

کھانے کے دوران کن انکھیوں سے نارمن اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے احساس ہوا کہ عورت نے بھی اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھا تھا۔ غالباً اسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ وہ کسی کی مرکز نگاہ بنی ہوئی ہے۔

اس کے بعد تو گویا نارمن کا یہ معمول بن گیا۔ عورت روزانہ اسی مخصوص میز پر بیٹھی نظر آتی اور نارمن کے رخصت ہونے تک بیٹھی رہتی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ریستوران کی وہ میز اس کے لیے مخصوص کر دی گئی تھی۔ روزانہ اسے دیکھتے دیکھتے نارمن کی آتش شوق فزوں تر ہوتی گئی۔

اس کے دل میں اس عورت سے شادی کی خواہش دیوانگی کی حد تک بڑھتی چلی گئی لیکن اس دیوانگی نے بھی اس میں اتنی جرأت پیدا نہیں کی تھی کہ وہ کسی روز اس کی میز پر جا بیٹھتا اور تعارف حاصل کر کے باتیں شروع کر دیتا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ذہن میں اس بار بھی اپنی شادی کی درخواست مسترد ہو جانے کا خوف چھپا ہوا تھا اور اس بار نارمن میں یہ صدمہ برداشت کرنے کی سکت نہیں تھی۔

کبھی کبھی نارمن کو اس بات سے تقویت سی ملتی کہ وہ عورت ہمیشہ تنہا ہی نظر آتی ہے۔ اگر وہ شادی شدہ ہوتی تو

اس کا کوئی بوائے فرینڈ ہوتا تو کبھی نہ کبھی اس کے ساتھ نظر آتا۔

لاکھ کوشش اور خواہش کے باوجود جب وہ اپنے آپ میں پیش قدمی کی جرأت پیدا نہ کرسکا تو ایک روز کھانا کھاتے ہوئے اس کے ذہن میں اچانک یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا کہ کیوں نہ اس سلسلے میں تھر لیسیا سے مدد لی جائے۔ اگر وہ عورت باقاعدگی سے ریستوران میں آتی ہے تو یقیناً تھر لیسیا اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہوگی پھر اس کی معلومات کی روشنی میں کوئی صحیح قدم اٹھایا جاسکتا تھا۔۔۔ بلکہ عین ممکن تھا کہ دیرینہ تعلقات کے باعث تھر لیسیا خود ہی اس کی مشکل دور کردے اور ان دونوں کو قریب لانے میں معاون ثابت ہو۔

اس روز رخصت ہوتے وقت نارمن کاؤنٹر پر رسمی انداز میں رکنے کے بجائے باقاعدہ جم کر کھڑا ہوگیا۔ تھر لیسیا جب ایک بل بنا کر فارغ ہوئی تو اس نے تھوک نگل کر دھڑکتے دل سے پوچھا "تھر لیسیا! کیا تم اس خاتون کو جانتی ہو؟" اس نے غیر محسوس انداز میں پیچھے کی جانب اشارہ کیا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" بے اختیار اس کے ہونٹوں سے دل کی بات نکل گئی اور وہ گھبرا گیا "مم۔۔۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ کون ہے۔۔۔ شاید تمہیں اس کے بارے میں کچھ علم ہو اور تم کوئی مشورہ دے سکو۔"

"تم کس قسم کا مشورہ چاہتے ہو؟" تھر لیسیا کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ ابھری۔

"مم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ کک۔۔۔ کیا وہ شادی شدہ ہے۔۔۔؟" نارمن پر گھبراہٹ حملہ آور ہوئی۔ جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر اس کے ساتھ ہوتا آیا تھا۔

"نہیں' بیوہ ہے۔" کاؤنٹر پر دونوں کہنیاں ٹکا کر تھر لیسیا نے جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہا "اگر تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو تو سیدھے اس کی میز پر جاؤ اور بات کرلو۔"

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔" نارمن مزید بوکھلا گیا۔

"اپنے اندر ہمت پیدا کرو نارمن!" اس نے ناصحانہ انداز میں کہا "اگر تم واقعی سنجیدہ ہو تو جاؤ اور اس سے شادی کی درخواست کردو۔"

"لیکن وہ برا نہ منا جائے۔" اس نے بے چارگی سے کہا اور کن انکھیوں سے اس عورت کی طرف دیکھا "ہماری عمروں میں خاصا فرق ہے۔۔۔ وہ مجھ سے کہیں کم عمر ہے۔ مالی طور پر بھی شاید مجھ سے برتر ہے۔۔۔"

"اگر تمہیں اپنے بارے میں اتنا ہی احساسِ کمتری ہے تو پھر شادی کا خیال دل سے نکال دو۔۔۔ ویسے تم اس کی طرف متوجہ کیسے ہوئے؟"

"بس۔۔۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل اس کی طرف مائل ہوگیا۔" نارمن نے جھجکتے ہوئے کہا "دل پر تو کسی کا اختیار نہیں ہوتا نا۔۔۔ میرا خیال ہے اگر اس سے میرا تعارف ہوجائے۔۔۔ اور اگر تم اس سے میری سفارش کردو تو۔۔۔ تو شاید بات بن جائے۔"

تھر لیسیا کے چہرے سے ایسا لگتا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کررہی ہے۔ وہ اپنی شادی کے معاملے میں اس سے سفارش کرانا چاہتا تھا۔ اس نے بظاہر سنجیدگی سے کہا "میرا خیال ہے کہ تمہارا کام بن جائے گا۔۔۔ میرا مشورہ مانو تو تم سیدھے اس کی میز پر جاؤ اور خود ہی اپنا تعارف کراؤ' پھر اس سے شادی کی درخواست کردو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی تمہیں اثبات میں جواب دے گی۔"

"تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو۔" نارمن نے پوچھا "وہ انکار بھی تو کرسکتی ہے۔"

"نہیں' وہ انکار نہیں کرے گی۔" تھر لیسیا نے اطمینان سے جواب دیا "اس لیے کہ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری درخواست سننے کے بعد وہ مجھ سے مشورہ ضرور کرے گی اور میں تمہاری سفارش کردوں گی۔"

"تمہاری اس سے واقفیت کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ واقعی تمہارے کہنے پر مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہوجائے گی۔" نارمن نے بے یقینی سے کہا۔

"تم اپنے اندر ہمت پیدا کرو۔" تھر لیسیا نے قدرے جھنجلا کر کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری درخواست منظور کرلے گی اور اس کے لیے شاید میری سفارش کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم یہ سب کچھ اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو؟" نارمن نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔" تھر لیسیا نے گہرا سانس لے کر کہا "وہ میری ماں ہے۔۔۔ اور آج کل بڑی شدومد سے نئے شوہر کی تلاش میں ہے۔"



دھن رسا

اُن کے لیے قاتل و مقتول کا تعین مشکل ہو گیا تھا۔

نجمہ مودی

میڈیکل ایگزامنر اور ماہر سراغ رساں قتل اور خودکشی کے اس معمے کو حل کرنے سے قاصر تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ قاتل کو خودکشی کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ اچانک ایک بچے کی عقدہ کشائی نے اُن کو حیران کر دیا۔ ایک پیچیدہ واردات کا احوال۔

کاؤنٹی کے پولیس چیف والٹن کے دفتر میں سگار کا کثیف دھواں پھیلا ہوا تھا اور یہ دھواں پچھلے آدھے گھنٹے کے دوران والٹن نے خود ہی ان گنت گہرے گہرے کش لیکر بکھیرا تھا۔ کمرے میں والٹن کے علاوہ ڈاکٹر فیئر بھی موجود تھا جو رضاکارانہ طور پر پولیس کے لیے میڈیکل ایگزامنر کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ اس کی انگلیوں میں بھی سلگتا ہوا سگار دبا ہوا تھا اور وہ بھی کمرے کی فضا میں دھواں بکھیرنے کے سلسلے میں حسبِ توفیق ہاتھ بٹا رہا تھا۔

ایک کونے میں اسٹول پر دس گیارہ سال کا ایک بچہ بھی ٹانگیں لٹکائے بیٹھا تھا۔ وہ زرد سے بالوں والا ایک دُبلا پتلا بچہ تھا جس کی ناک کی نوک پر نظر کی عینک ٹکی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ ذرا بقراط قسم کا بچہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنے گھٹنوں پر ایک نوٹ بک پھیلائے پنسل سنبھالے گویا اپنے گرد و پیش سے بالکل بے خبر بیٹھا تھا۔ ایک دو مرتبہ اس نے کمرے میں بھرے ہوئے کثیف دھوئیں کی وجہ سے ناک بھوں چڑھائی لیکن پھر خاموشی سے اپنی نوٹ بک کی طرف متوجہ ہو گیا وہ سارجنٹ فریڈ کا نواسہ تھا۔ سارجنٹ فریڈ بھی اسی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں تعینات تھا اور اس وقت دوسرے کمرے میں مصروف تھا۔

پولیس چیف والٹن اور ڈاکٹر فیئر اس وقت قتل یا خودکشی؟ قسم کا ایک معما حل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے خاصی دیر سے ان کے درمیان بحث جاری تھی۔ کونے میں اسٹول پر بیٹھے ہوئے لڑکے کو گویا ان کی بحث سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تاہم دھوئیں کے بارے میں اس کی ناگواری کو شاید والٹن نے محسوس کر لیا اور وہ کمرے کی کھڑکی کھولنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

کھڑکی کھولتے ہوئے بھی ڈاکٹر فیئر سے اس کی بحث جاری تھی "... میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔" اس دوران اس نے دیوار پر نصب بڑے سے آئینے میں اپنا جائزہ بھی لیا۔ وہ چالیس سے اوپر کا ایک خوش شکل آدمی تھا۔ صاف ستھری یونیفارم میں تھا۔ تاہم اس کے چہرے سے الجھن عیاں تھی۔ اس کے بالوں میں سفیدی نمودار ہو چکی تھی اور وہ بار بار ان بالوں کے درمیان مناسب جگہ تلاش کر کے سر کھجا رہا تھا۔

آئینے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے وہ پُرزور لہجے میں بولا۔

"آخر ایک مردہ شخص کس طرح دوسرے شخص کو چاقو گھونپ کر ہلاک کر سکتا ہے؟ یہ کس طرح ممکن ہے؟"

اس دوران کھڑکی کھلنے کی وجہ سے دھوئیں کا ایک کثیف مرغولا باہر چلا گیا تھا اور ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ سفید بالوں اور سفید مونچھوں والے ڈاکٹر فیئر نے فوراً سگار کا ایک گہرا کش لے کر دھواں کمرے میں اگل دیا گویا وہ کھڑکی کے راستے نکل جانے والے دھوئیں کی کمی پورا کرنا چاہتا ہو۔ پھر وہ اپنی آستین پر سے سگار کی راکھ جھاڑتے ہوئے بولا۔

"تم نے میری رائے مانگی تھی واٹسن! وہ میں نے دے دی۔ کسی بھی معاملے میں تم میری رائے طلب کرو گے تو وہ میں ضرور دوں گا ورنہ مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنی توانائی برباد کرتا پھروں۔ ہماری کاؤنٹی میں طب و صحت سے متعلق بے شمار غلط نظریات پر لوگ یقین رکھتے ہیں لیکن میں ان کی اصلاح کرنے نہیں جاتا۔ میں کسی موضوع پر اسی وقت رائے دیتا ہوں۔ جب مجھ سے رائے طلب کی جاتی ہے اور جہاں تک موت اور اس کے اسباب وغیرہ کا تعلق ہے تو اس موضوع پر تو مجھے خصوصی مہارت حاصل ہے اس موضوع پر میری رائے کو تم جیسے لوگ چیلنج نہیں کر سکتے۔ اس کاؤنٹی کے چیف پیتھالوجسٹ اور پولیس کے میڈیکل ایگزامنر کی حیثیت سے میں اپنی رائے پر تمھارے اعتراضات کا بُرا مانا سکتا ہوں۔ خصوصاً اس وجہ سے تو میں بہت ہی زیادہ بُرا مانا سکتا ہوں کہ پولیس کے میڈیکل ایگزامنر کی حیثیت سے مجھے کوئی تنخواہ نہیں ملی۔ اس کے باوجود پچیس سال کا طویل عرصہ میں نے نہایت صبر و استقامت سے یہ پریشان کن فریضہ انجام دیتے ہوئے گزار دیا ہے۔" ڈاکٹر نے اپنی نفیس سی سفید مونچھ کو بل دیا پھر گویا واٹسن کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے ہولے سے ہنس دیا۔

"ہنسنے کی تو خیر اس میں کوئی بات نہیں تھی۔" واٹسن منہ بنا کر بولا۔ پھر اس نے غیر ارادی طور پر سر کھجانے کے لیے ہاتھ اٹھایا مگر ڈاکٹر فیئر کو اپنی طرف متوجہ پا کر روک لیا۔

"ہاتھ مت روکو۔ سر ضرور کھجاؤ۔" ڈاکٹر فیئر نے سگار سے اشارہ کرتے ہوئے شفقت سے کہا۔ "سر کھجانے سے ایک تو تم خود کو بہتر محسوس کرو گے۔ اس کے علاوہ سر کی طرف دوران خون تیز ہو گا تو شاید تمھیں بہتر طور پر سوچنے میں کچھ مدد ملے اور تمھارا ذہن تمھیں کچھ سوالوں کے جوابات مہیا کر سکے۔"

واٹسن ٹائپ شدہ چند کاغذات پر مشتمل ایک رپورٹ اٹھا کر لہراتے ہوئے بولا۔ "ڈاکٹر! میرے پاس قتل کے دو گواہ موجود ہیں۔ یہ ایک سیدھا سادا معاملہ تھا لیکن تم نے اپنی رائے دے کر بلکہ اپنی ٹانگ اڑا کر اسے پیچیدہ بنا دیا ہے۔ کیا تم اپنی رائے کے بارے میں پُر یقین ہو؟"

"واٹسن! کیا تمھیں معلوم ہے کہ ٹمار کے جوس سے دل کی بیماری ہو سکتی ہے؟" ڈاکٹر نے اچانک اس سے سوال کر دیا۔

"ڈاکٹر! اس وقت بات ٹمار کے جوس کی نہیں ہو رہی۔ میں تو۔"

"بہر حال تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ ایک غلط خیال ہے۔ ٹمار کے جوس سے دل کی کوئی بیماری نہیں ہوتی۔" ڈاکٹر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "اور نہ ہی برف کا پانی دل کی تکلیف پیدا کرتا ہے۔ تربوز پوپیو کا سبب نہیں بنتا اور چکوترے یا سوکھے ہوئے بیروں سے جوڑوں کے درد کا علاج کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی اور نہ ہی نیم کی نبولیوں سے گردے صاف کرنے میں کوئی مدد ملتی ہے۔ یہ صرف غلط قسم کے چند مفروضے ہیں۔"

"چلو مان لیا ڈاکٹر!" واٹسن گویا بچ ہو کر بولا۔ "میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ کیا تمھیں یقین ہے۔۔۔"

اس بار کونے میں اسٹول پر بیٹھے ہوئے بچے نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ پہلی بار گفتگو میں دخل دیتے ہوئے بولا۔ "میرے نانا کہتے ہیں کہ الفالفا پودے کی پتیوں کو ابال کر پیا جائے تو جوڑوں کا درد ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

"دیکھا تم نے؟" ڈاکٹر فیئر بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واٹسن سے مخاطب ہوا۔ "ہماری کاؤنٹی میں ہر شخص اپنے آپ کو ڈاکٹر تصور کرتا ہے۔ اور اس بچے کا نانا۔۔۔ وہ تمھارا سارجنٹ فرینڈ تو اس معاملے میں سب سے آگے ہے۔ وہ تو کسی بھی مرض کا علاج تجویز کرنے سے نہیں چوکتا بلکہ بعض اوقات تو خود لوگوں کو جڑی بوٹیاں لا لا کر دیتا ہے میں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ اگر اس نے لائسنس کے بغیر دواؤں کا اس طرح استعمال جاری رکھا تو پھر میں بھی لوگوں کو گھر گھر جا کر مشورہ دوں گا کہ وہ بھی ہر معاش اور اُچکے کو خود ہی گرفتار کر کے اپنے اپنے گھر کے تہ خانے میں قید کرنا شروع کر دیں اور ہر اس شخص کو بھی جرائم پیشہ شمار کریں جو راہ چلتے وقت فٹ پاتھ پر تھوکتا ہو۔"

"میں اس سلسلے میں سارجنٹ فرینڈ سے بات کروں گا۔" واٹسن ملتجیانہ سے لہجے میں بولا۔ "لیکن خدا کے لیے اس وقت تم اصل موضوع پر بات کرو۔ اس وقت باہر استقبالیہ کمرے میں دو رپورٹر اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ میں انھیں کوئی باضابطہ بیان دوں تاکہ وہ مصدقہ اور تفصیلی خبر تیار کر سکیں۔ ہم اس معاملے کے بارے میں سیدھی طرح بات کرتے ہیں۔ جس وقت پروفیسر ڈیکوئر قتل ہوئے اُس وقت یہ بچہ پروفیسر کی بھتیجی ایلسا کے ساتھ انھی کے گھر پر کمرۂ نشست میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ گزشتہ رات کا واقعہ ہے۔ فرینک یعنی مبینہ قاتل گھر میں داخل ہوا، ہال سے گزر کر سیدھا پروفیسر کے کمرے میں گیا، چاقو گھونپ کر انھیں ہلاک کیا۔ پھر وہ گھر سے باہر آ گیا اور اپنی کار میں بیٹھ کر اس نے خود کو گولی مار لی۔ جبکہ تمھارا کہنا ہے کہ پروفیسر کی موت کے وقت کا جو تعین کیا گیا ہے، فرینک کی موت اس سے پہلے ہی واقع ہو چکی تھی۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ فرینک نے پہلے خود کو گولی مار لی ہو اور اس کے بعد جا کر پروفیسر

کو قتل کیا ہو۔"

ڈاکٹر نے گویا اس کے آخری جملوں پر توجہ دیے بغیر کہا۔ "اس بچے کی حاضر دماغی کی داد دینی چاہیے کہ اس نے فوراً یہاں فون کر دیا اور پندرہ منٹ کے اندر اندر میں اور تم پروفیسر کے ہاں پہنچ گئے۔ میں نے دونوں لاشوں کا معائنہ کیا اور پوری رات انھی کے تجزیے میں گزاری۔ میں نے عام فہم زبان میں بھی تمھیں بتا دیا ہے کہ پروفیسر ڈیکوئر کی موت چاقو لگنے کے بعد چند سیکنڈ کے اندر اندر واقع ہو گئی تھی۔ چاقو معدے کے منہ سے گزرتا ہوا دل کے نچلے حصے میں پیوست ہو گیا تھا مانا کہ اس کا دل کمزور تھا لیکن میں تمھیں سو فیصد یقین سے بتا رہا ہوں کہ پروفیسر کی موت فرینک کے بعد واقع ہوئی ہے۔ فرینک کی موت دماغ میں گولی لگنے کی وجہ سے واقع ہوئی۔ گزشتہ رات موسم بے حد سرد تھا۔ اس حقیقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں نے لاش کا درجۂ حرارت دیکھا۔ اس کی پتلیوں کے پھیلاؤ کا جائزہ لیا اور دیگر طبی حقائق کا تجزیہ کیا تو یہ بات طے ہو گئی کہ فرینک، پروفیسر سے کم از کم دس منٹ پہلے مر چکا تھا۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟" چیف واٹسن نے ایک بار پھر غیر ارادی طور پر وہی جملہ دہرایا۔ "اچھا ٹھہرو۔۔۔ میں سارجنٹ فریڈ کو بلاتا ہوں۔"

اس نے میز پر رکھے ہوئے انٹر کام کا بٹن دبایا اور کہا۔ "اپنے نوٹس ساتھ لے کر آجاؤ۔"

چند سیکنڈ بعد ہی سارجنٹ فریڈ کچھ کاغذات سنبھالے لڑھکنے کے سے انداز میں کمرے میں آگیا۔ اپنے قد کے لحاظ سے اس کا وزن کچھ زیادہ معلوم ہوتا تھا تاہم وہ ایک طاقتور اور مضبوط آدمی دکھائی دیتا تھا۔ اس کا یونیفارم شکن آلود تھا۔ ٹائی بھی مڑی تڑی سی تھی اس کا سر گنجا اور عمر ساٹھ کے قریب تھی مگر وہ زیادہ سے زیادہ پچاس سال کا دکھائی دیتا تھا۔ کونے میں اسٹول پر بیٹھا ہوا بچہ اس کا نواسہ تھا۔

"سارجنٹ فریڈ!" ڈاکٹر فیئر اپنے لہجے کو بارعب بنانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے ہو۔ تم اس بچے کی کھوپڑی میں اب بھی کچھ نہ کچھ احمقانہ نظریات ٹھونسنے کی کوشش کرتے رہتے ہو؟"

"پلیز۔۔۔" واٹسن نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا گویا وہ مختصر الوجود ڈاکٹر کو لحیم شحیم سارجنٹ کے متوقع حملے سے بچانا چاہتا ہو۔ "میں نے سارجنٹ کو اس وقت اس مسئلے کے بارے میں بات کرنے کے لیے طلب نہیں کیا۔"

ڈاکٹر برا سا منہ بنا کر رہ گیا اور سارجنٹ اپنے نواسے کا سر تھپکنے کے بعد ایک بڑی سی کرسی میں دھنس گیا۔

"سارجنٹ!" واٹسن نے ایک پرانے سے جگ سے کاغذ کے کپ میں اپنے لیے پانی انڈیلتے ہوئے کہا۔ "تم نے جو کچھ بھی تفتیش کی اس کے بارے میں ذرا ہمیں بتاؤ گے؟"

ڈاکٹر فیئر نے سگار کا دھواں سارجنٹ کی طرف چھوڑا اور سگار کا رُخ بھی یوں اس کی طرف کر لیا گویا وہ کوئی ننھا سا پستول ہو۔ سارجنٹ فریڈ اس کی طرف توجہ دیے بغیر ایک پرانی سی نوٹ بک کے ورق پلٹتے ہوئے بولا۔ "معلوم یہی ہوتا ہے کہ پروفیسر ڈیکوئر اور فرینک کئی سال سے ایک دوسرے کے سخت خلاف تھے۔ پروفیسر کی بھتیجی ایلسا نے بھی یہی بتایا ہے۔ فرینک کئی سال سے ایلسا سے شادی کا خواہاں تھا لیکن پروفیسر کسی قیمت پر ایلسا کو اس کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پروفیسر ہی اس لڑکی کا سرپرست تھا۔ لڑکی کے والدین زندہ نہیں ہیں۔ پروفیسر کی تمام دولت و جائیداد کی وارث بھی ایلسا ہی تھی۔ پروفیسر نے ایک مدت پہلے ہی سخت الفاظ میں فرینک سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر ایک نیم بیمار، نیم جاہل اور دولت کے لالچی شخص کو خاندان میں شامل کرنا نہیں چاہتے۔ فرینک کی سماجی حیثیت بھی کوئی خاص نہیں تھی۔ وہ ایک عمارت میں چوکیدار تھا۔"

"یہ سب باتیں ہمیں معلوم ہیں۔" ڈاکٹر غرایا۔ "بلکہ برسوں سے پوری کاؤنٹی میں ان کا چرچا ہوتا چلا آرہا ہے۔ پروفیسر ڈیکوئر بھی ویسے کوئی قابلِ تعریف انسان نہیں تھے لیکن اس بات پر البتہ سب لوگ متفق ہیں کہ فرینک واقعی لڑکی کی دولت کے چکر میں تھا ورنہ بھلا کون اس سے شادی کرنا چاہے گا۔ اس کی شکل تو دیکھی ہی ہے تم نے۔"

"کیوں۔۔۔ کیا خرابی ہے اس کی شکل میں؟" کمرے کے کونے سے فوراً بچے کی آواز سنائی دی۔ اس کے لہجے میں خفگی تھی۔

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ وہ تو بڑی اچھی عورت ہے۔" ڈاکٹر فیئر جلدی سے بولا۔ "مجھے امید ہے کہ پروفیسر نے اس کے لیے اچھی خاصی دولت چھوڑی ہو گی۔ اس بے چاری نے بوڑھے پروفیسر کی خدمت بھی بہت کی تھی۔ لیکن اگر واقعی فرینک نے ہی پروفیسر کو قتل کیا ہے تو اس نے ناحق اتنی زحمت کی اور اپنی جان بھی گنوائی۔ اس لیے کہ پروفیسر کو تو اب ویسے بھی زیادہ عرصے زندہ نہیں رہنا تھا۔"

"کیا پروفیسر ڈیکوئر بیمار تھے؟" واٹسن نے پوچھا۔

"انھیں کینسر تھا۔" ڈاکٹر فیئر نے جواب دیا۔ "ان کی موت کے بعد میں رازداری برقرار رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ پچھلے چند برسوں میں پروفیسر نے ڈاکٹر ریگن سے کئی آپریشن کرائے تھے اور اب آپریشن کی بھی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ تھوڑے ہی عرصے کے مہمان تھے۔ خیر۔۔۔ تم اپنی بات جاری رکھو سارجنٹ! یہ معاملہ کسی کنارے لگے تو مجھے جا کر سونا بھی ہے۔"

سارجنٹ سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ "دونوں افراد کی طرف سے ایک دوسرے کو قتل کی دھمکیوں کا سلسلہ کئی ماہ سے جاری تھا۔ خصوصاً اس وقت سے جب سے فرینک نے ایلسا سے ملاقات

کی کوششیں شروع کر دی تھیں اور ایلسا سنجیدگی سے غور کرنے لگی تھی کہ پروفیسر کی ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے فرینک کی پیش کش قبول کر لے۔ پھر کل پروفیسر نے ایلسا کو بتایا کہ فرینک اس جھگڑے کو طے کرنے کی غرض سے ان کے ہاں آرہا ہے۔ اس نے ایلسا کو ہدایت کی کہ اسے ہر حال میں کمرۂ نشست تک محدود رہنا ہوگا۔ وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں نکلے گی جب تک بات چیت ختم نہ ہو جائے۔ میرے نواسے پیٹر کی ایلسا سے خوب بنتی ہے۔ کل رات یہ ایلسا کے ساتھ کمرۂ نشست میں ہی موجود تھا اور اس کا بنایا ہوا کیک کھا رہا تھا۔ نو بجے کے قریب اچانک فرینک گھر میں داخل ہوا اور اس سے پہلے کہ پیٹر یا ایلسا اٹھ کر کھڑے بھی ہو سکتے، وہ ہال سے گزر کر سیدھا پروفیسر کے کمرے میں چلا گیا۔ اسی لمحے پروفیسر کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔"

بچہ ایک بار پھر بول اٹھا۔ "پروفیسر نے چیخ کر کہا تھا، یہ چاقو پھینک دو۔ اس کے بعد ان کی گھٹی گھٹی چیخ سنائی دی تھی اور خاموشی چھا گئی تھی۔"

سارجنٹ ڈائری کا ورق پلٹتے ہوئے بولا۔ "اس دوران پیٹر اور ایلسا اٹھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ ایک قدم بھی اٹھاتے، انھوں نے فرینک کو پروفیسر کے کمرے سے باہر آتے دیکھا۔ اس نے تیزی سے پروفیسر کے کمرے کا دروازہ مقفل کیا اور دوڑتا ہوا ہال سے گزر کر بیرونی دروازے سے نکل گیا۔ اس کے بعد پیٹر اور ایلسا نے باہر آکر پروفیسر کے کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ مقفل تھا اور کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک کھڑکی کا شیشہ توڑ کر کھڑکی کھولی اور اندر پہنچے۔ انھوں نے پروفیسر کو اس حالت میں مردہ پایا کہ چاقو ان کے سینے سے ذرا نیچے پیوست تھا۔ ہمارا گھر وہاں سے چند ہی قدم کے فاصلے پر ہے۔ پیٹر دوڑا دوڑا گھر آیا۔ اس نے ساری بات مجھے بتائی۔ میں دوڑا دوڑا پروفیسر کے گھر پہنچا اور اس دوران پیٹر نے ہیڈ کوارٹرز فون کر دیا۔"

"یہ بچہ بہت سے بڑوں سے زیادہ سمجھدار معلوم ہوتا ہے۔" ڈاکٹر نے خیال ظاہر کیا۔

سارجنٹ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "پروفیسر کے ہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ واقعی مر چکا تھا۔ باہر آکر ادھر اُدھر نظر ڈالتے ہی ہمیں گلی کے کونے پر فرینک کی کار بھی نظر آگئی۔ کار اندر سے مقفل تھی اور اس کا دروازہ کھولنے کے لیے ہمیں ایک کھڑکی کا شیشہ توڑنا پڑا۔ فرینک کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا اور وہ مر چکا تھا۔ اس دوران ایلسا صدمے سے بے ہوش ہو گئی۔ جب تک میں اسے گھر واپس لایا تب تک آپ دونوں بھی پہنچ چکے تھے۔"

"تم نے دیکھا ڈاکٹر؟" والٹن فاتحانہ انداز میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ "فرینک کی موت پہلے کیسے واقع ہو سکتی تھی جبکہ دو گواہوں نے اسے قتل کا ارتکاب کرتے دیکھا؟"

"تمھاری ایک گواہ تو ابھی تک صحیح طور پر کوئی شہادت دینے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔" ڈاکٹر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اور تمھارا دوسرا گواہ محض ایک بچہ ہے۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد ڈاکٹر نے اچانک پوچھا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ زنگ آلود کیل چبھنے سے جو زخم آتا ہے وہ اس سے زیادہ خطرناک نہیں ہوتا جو صاف ستھری اور چمکیلی کیل چبھنے سے آتا ہے؟"

"نہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔" والٹن نے بُرا سا منہ بنا کر تسلیم کیا۔

"بہرحال، یہ حقیقت ہے۔ میں جب کوئی ایسی بات بتاتا ہوں تو تم میری بات پر یقین کر لیتے ہو لیکن جب معاملہ تمھاری لوجی کا آتا ہے تو یک دم تم مجھ سے بڑے ڈاکٹر بن جاتے ہو۔"

"اس معاملے میں کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی ضرور غلط کہہ رہا ہے۔" چیف بے بسی سے بولا۔

اس دوران بچے نے نیچی آواز میں سارجنٹ فریڈ کو مخاطب کیا۔ "پیارے نانا! مجھے واپس اسکول بھی جانا ہے۔ مجھے یہاں بیٹھے تقریباً ایک گھنٹا ہو گیا ہے۔"

"بچے کو جانے دو۔" ڈاکٹر فیئر نے سفارش کی۔

لیکن تب بچے نے جانے کے بجائے والٹن کو مخاطب کیا۔ "چیف! اگر آپ مجھے چند سوالات کرنے دیں تو شاید میں بتا سکوں کہ درحقیقت کیا ہوا ہے۔"

"کیوں نہیں۔" والٹن کاغذی کپ کو توڑ مروڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینکتے ہوئے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید کسی بچے کی معصومانہ یا بیوقوفانہ سی باتیں سن کر اسے اپنے منتشر اعصاب کو پُرسکون بنانے میں کچھ مدد ملے۔ چند منٹ ضائع کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

بچہ شاید اپنی نوٹ بک میں اسی کیس کے کچھ نکات نوٹ کرتا رہا تھا۔ وہ اپنی نوٹ بک پر نظر دوڑاتے ہوئے اور عینک درست کرتے ہوئے بولا۔ "کیا چاقو پر کسی کے فنگر پرنٹس موجود تھے؟"

"نہیں۔" سارجنٹ فریڈ نے جواب دیا۔ "ہم نے یہی رائے قائم کی تھی کہ فرینک نے دستانے پہن کر چاقو استعمال کیا تھا۔"

"کیا فرینک اس وقت بھی دستانے پہنے ہوئے تھا جب آپ نے اس کی لاش دریافت کی پیارے نانا؟" بچے نے اپنی زرد رنگ کی پنسل ہونٹوں کے قریب گھماتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن کار میں دستانوں کی ایک جوڑی موجود تھی۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ اس نے دستانے اس لیے اتار دیے ہوں گے کہ ریوالور کو آسانی سے صحیح طور پر استعمال کر سکے۔"

"تم کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو پیٹر؟" دفعتاً والٹن سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تم بچے کو بات کرنے دو۔" ڈاکٹر فیئر جلدی سے بولا۔ "میرے

علاوہ یہاں صرف پیٹر ہی اپنے ذہن کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے"

"بعض چیزیں مجھے کچھ عجیب بلکہ مضحکہ خیز سی لگ رہی ہیں" پیٹر اپنے مخصوص متانت بھرے لہجے میں بولا۔ "مثلاً فرینک نے پروفیسر کو چاقو سے ہی کیوں قتل کیا؟ اس کے پاس ریوالور تھا۔ وہ انھیں گولی بھی مار سکتا تھا۔"

"شاید وہ وہاں زیادہ شور نہ کرنا چاہتا ہو۔" والٹن نے خیال ظاہر کیا۔

"شور ہونے یا نہ ہونے سے اس کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں اور ایلسا تو گھر میں موجود ہی تھے۔ ہم نے اسے آتے اور واپس جاتے تو دیکھ لیا۔" پیٹر بولا۔

"ممکن ہے اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ رہی ہو۔ اس نے عقل سے کام لینے کی کوشش ہی نہ کی ہو۔" والٹن بولا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا ارادہ پروفیسر کو چاقو مارنے کا نہ رہا ہو لیکن جب اشتعال میں یا اضطراری طور پر اس سے یہ فعل سرزد ہو گیا تو اس نے واپس اپنی کار میں جا کر خود کو بھی ہلاک کر لیا۔"

"میں ایک بار پھر یاد دلا دوں کہ فرینک پہلے مرا تھا۔" ڈاکٹر نے لقمہ دیا۔

پیٹر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے کافی دیر اس پہلو پر سوچا ہے کہ آخر یہ واقعہ کل رات ہی کیوں رونما ہوا؟ کل کا دن ہمارے اس موسم سرما کا اب تک کا سرد ترین دن تھا اس بات کی اس کیس میں کوئی اہمیت ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ اس کے علاوہ کل پہلا دن تھا کہ پروفیسر نے اپنے گھر میں میری موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پروفیسر صاحب بچوں کو پسند نہیں کرتے تھے اسی لیے ایلسا مجھ سے ملنے اور گپ شپ کرنے اکثر ہمارے ہی گھر آتی تھی، میں ان کے ہاں کم جاتا تھا۔"

"پروفیسر شاید فرینک کی آمد سے کچھ خوف محسوس کر رہا تھا اور تحفظ کے خیال سے کسی نہ کسی کو گھر میں موجود دیکھنا چاہتا تھا۔" والٹن نے جواز پیش کیا۔

"میں تو محض بچہ ہوں۔" پیٹر بولا۔ "اگر پروفیسر واقعی خوفزدہ ہوتے اور تحفظ کی ضرورت محسوس کرتے تو وہ نانا کو اپنے گھر مدعو کر لیتے۔ درحقیقت پروفیسر صرف یہ چاہتے تھے کہ میں اور ایلسا کمرۂ نشست میں موجود رہیں جہاں سے ہم بیرونی دروازے کو دیکھ سکیں لیکن کر کچھ بھی نہ سکیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" والٹن اور سارجنٹ نے بیک آواز پوچھا۔

"یہی کہ پروفیسر ڈیکویر نے درحقیقت فرینک کو قتل کیا اور پھر خودکشی کر لی۔ جبکہ آپ لوگ اس معاملے کو اس کے بالکل الٹ سمجھ رہے ہیں۔" پیٹر بولا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سارجنٹ فریڈ نے بہ غور اپنے نوٹ بک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے اور ایلسا نے فرینک کو اندر آتے دیکھا تھا۔ پروفیسر کی چیخ سنی تھی پھر فرینک کو گھر سے جاتے دیکھا تھا۔ فرینک جاتے وقت پروفیسر کے کمرے کا دروازہ بھی باہر سے مقفل کر گیا تھا اور اس کی چابی ہمیں فرینک کی جیب سے ملی تھی۔ پروفیسر کے کمرے کی کھڑکیوں کی کنڈیاں اندر کی طرف سے بند تھیں۔ اس کے علاوہ ہمیں فرینک بھی مردہ حالت میں اپنی مقفل کار کے اندر ملا تھا۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ پروفیسر نے فرینک سے ملاقات کے لیے گزشتہ رات کا انتخاب شاید اس لیے کیا تھا کہ صبح ہی سے سردی بہت تھی اور اندازہ ہو رہا تھا کہ شام کو بھی فضا زیادہ صاف نہیں ہو گی۔ ہوا میں دھندلاہٹ سی ہو گی۔" پیٹر بولا۔ "ایلسا کا کہنا ہے کہ اس نے فرینک کو اندر آتے دیکھا۔ میری نظر کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ فرینک کا چہرہ ایلسا نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے بھی صرف اتنا ہی دیکھا تھا کہ اوور کوٹ اور ہیٹ والا ایک شخص پروفیسر کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ بہت تیزی میں تھا۔ اس کا رُخ بھی قدرے ترچھا تھا۔ پروفیسر نے چونکہ ایلسا کو پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ نو بجے فرینک آ رہا ہے اس لیے جب اس نے عین اسی وقت پر ویسے ہی اوور کوٹ اور ہیٹ میں جیسا کہ عموماً فرینک ہر وقت پہنے رکھتا تھا، ایک شخص کو پروفیسر کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تو فوری طور پر سمجھا کہ وہ فرینک ہی ہو گا حالانکہ اس شخص کا چہرہ وہ بھی نہیں دیکھ سکی ہو گی کیونکہ اس کا ہیٹ جھکا ہوا تھا اور کوٹ کا کالر اٹھا ہوا تھا۔"

"اگر وہ فرینک نہیں تھا تو پھر کون تھا؟" والٹن نے پوچھا۔

"پروفیسر ڈیکویر۔ اور کون۔" پیٹر اطمینان سے بولا۔ "فرینک اور پروفیسر تقریباً ایک ہی قد و قامت کے تھے۔ فرق صرف کوٹ اور ہیٹ ہی کی وجہ سے نظر آتا تھا۔ پروفیسر نے اسی لیے کسی سرد رات کا انتظار کیا تھا کہ فرینک یقینی طور پر اوور کوٹ اور ہیٹ پہنے کر آئے۔ پروفیسر خود ویسا ہی کوٹ اور ہیٹ پہنے گھر میں داخل ہوا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا جہاں وہ مجھے اور ایلسا کو سنانے کے لیے چیخا تاکہ ہم سمجھیں کہ اسے چاقو گھونپا گیا ہے پھر وہ ہماری طرف پشت کیے کمرے سے نکلا، دروازہ مقفل کیا اور اس سے پہلے کہ ہم ہال عبور کر سکتے، وہ گھر سے نکل گیا۔ یہ سب کچھ بہت تیزی سے ہوا اور یہی پروفیسر چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں سوال یہ ابھرا تھا کہ اگر فرینک نے ہی پروفیسر کو قتل کیا تھا تو پھر جاتے وقت اسے کمرے کا دروازہ مقفل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کے خیال میں اس کی وجہ کیا تھی؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" والٹن نے بے بسی سے کہا۔

"اس لیے کہ کمرہ اس وقت خالی تھا۔ پروفیسر نہیں چاہتا تھا کہ میں اور ایلسا دوڑ کر آئیں اور فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر جھانک کر دیکھ لیں کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔" پیٹر بولا۔ "پروفیسر نے کمرے کی پچھلی کھڑکی

کھلی چھوڑی تھی۔ وہ گھر سے نکل کر جلدی سے عقب میں پہنچا اور اس کھڑکی کے راستے دوبارہ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے اس کھڑکی کو بھی اندر سے بند کیا اور کرسی پر بیٹھ کر جاقو سے خود کو ہلاک کر لیا پھر کئی منٹ بعد جب میں اور لوسی کمرے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے تو ہمیں پروفیسر کی خودکشی قتل نظر آئی۔"

"لیکن کیوں۔۔۔؟" والٹن کراہنے کے سے انداز میں بولا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" اس بار ڈاکٹر فیئر بول اٹھا۔ "یہ تو میں تمھیں بتا ہی چکا ہوں کہ پروفیسر بیمار تھا اور اس کے زیادہ عرصے زندہ رہنے کی امید نہیں تھی۔ اسے یہ بھی یقین ہو چکا تھا کہ اس کی موت کے بعد ایلسا فرینک سے شادی کرے گی اور یوں فرینک بالآخر اس کی دولت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ چنانچہ پروفیسر نے کچھ عرصہ پہلے مر کر فرینک سے ایلسا کو محفوظ رکھنے کا سامان کر لیا اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ پروفیسر کو اس تصور سے زیادہ نفرت تھی کہ فرینک ایلسا سے شادی کرے گا یا اس تصور سے زیادہ چڑ تھی کہ فرینک اس کی دولت پر قبضہ کرے گا۔ بہرحال وہ ایک ایسا طریقہ سوچنے میں کامیاب ہو گیا جس سے فرینک کا قضیہ بھی پاک ہو سکتا تھا اور خود پروفیسر بھی لوگوں کی نظر میں ایک مظلوم اور مقتول بن کر ان کی ہمدردیاں سمیٹتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو سکتا تھا۔"

پیٹر اپنی عینک ناک پر جما کر ڈاکٹر کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پروفیسر نے فرینک کو رات کے پونے نو بجے آنے کے لیے کہا ہوگا اور ہدایت کی ہوگی کہ وہ گاڑی گلی کے کونے پر کھڑی کرے تاکہ وہ ایلسا کے علم میں لائے بغیر بات چیت کر سکیں۔ پروفیسر عقبی کھڑکی ہی کے راستے کمرے سے نکل کر اس سے ملنے پہنچا اور جب اس نے دیکھا کہ فرینک ویسا ہی کوٹ اور ہیٹ پہنے ہوئے ہے جیسے کوٹ اور ہیٹ کا بندوبست خود پروفیسر نے کر رکھا تھا تو اس نے مطمئن ہو کر فرینک کو گولی مار دی۔ اس کی جیب میں پروفیسر نے اپنے کمرے کی ڈپلیکیٹ چابی ڈال دی اور ریوالور اس کے ہاتھ میں پھنسا کر کار مقفل کر دی۔ کار چونکہ فورڈ تھی جو باہر سے بھی بغیر چابی کے مقفل ہو سکتی ہے اس لیے اس کا مقفل پایا جانا کوئی ایسی حیرت کی بات نہیں تھی۔ اس کے بعد پروفیسر جب فرینک جیسا ہی گہرے رنگ کا اوور کوٹ اور ہیٹ پہنے تیزی سے گھر میں داخل ہوا تو ہم صورت دیکھے بغیر ہی سمجھے کہ وہ فرینک ہے۔"

والٹن بولا۔ "اس ساری وضاحت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پروفیسر کے پاس اپنے کمرے کی ایک اور چابی بھی ہونی چاہیے تھی۔ اس کے علاوہ وہ اوور کوٹ اور ہیٹ بھی وہیں کہیں موجود ہونا چاہیے تھا۔"

"اسی لیے تو اصل میں مجھے اپنی تھیوری کے درست ہونے کا یقین ہوا ہے۔" پیٹر اسٹول سے اتر کر دروازے کی طرف ایک قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔ "پروفیسر نے کوٹ اور ہیٹ ایسی جگہ چھپایا جہاں انھیں تلاش کرنے کا کسی کو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا خصوصاً جبکہ یہ یقین کر لیا گیا تھا کہ پروفیسر کو قتل کیا گیا ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ ہیٹ اور کوٹ کو کہیں اور رکھ سکتا۔ اس نے کوٹ اپنی دیوار گیر الماری میں دیگر کوٹوں اور پتلونوں وغیرہ کے ساتھ لٹکا دیا اور ہیٹ دیگر ہیٹوں کے ساتھ رکھ دیا۔ کیا اب میں جا سکتا ہوں چیف؟ آج سہ پہر کو اسکول میں میرا ریاضی کا ٹیسٹ ہے۔" پھر وہ سارجنٹ فریڈ کی طرف مڑا۔ "میں جاؤں نانا؟"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیوں نہیں پیٹر ڈیئر!" سارجنٹ فریڈ نے ہڑبڑا کر کہا۔ اس کا چہرہ فخر سے دمک رہا تھا۔

والٹن بولا۔ "فریڈ! جا کر پروفیسر کی وارڈ روب چیک کرو۔ مجھے امید تو نہیں ہے کہ وہاں تمھیں اس قسم کی کوئی چیز ملے گی لیکن چیک کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔"

"انھیں ہیٹ اور کوٹ ضرور مل جائے گا۔" پیٹر دروازے پر پہنچ کر رکتے ہوئے بولا۔ "میں آج صبح ایلسا کی مزاج پرسی کرنے پروفیسر کے گھر گیا تھا اور لگے ہاتھوں میں نے وارڈ روب چیک کر لی تھی۔ فرینک کے ہیٹ اور کوٹ سے ملتا جلتا ایک ہیٹ اور کوٹ اس الماری میں موجود ہے۔ کوٹ کی جیب میں ہی کمرے کی دوسری چابی بھی موجود ہے۔ میں نے جیب میں ہاتھ نہیں ڈالا۔ باہر ہی سے ٹٹول کر دیکھا تھا۔"

ڈاکٹر فیئر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اٹھا اور پیٹر کے قریب پہنچ کر بولا۔ "پیٹر! میرے بچے! میں تمھیں اپنی گاڑی میں اسکول چھوڑ دوں گا۔ تمھیں لفٹ دینا میرے لیے ایک اعزاز ہوگا۔ میں راستے میں تمھیں یہ سمجھانے کی کوشش بھی کروں گا کہ مستقبل میں تم ڈاکٹر بننے کا فیصلہ کر لو تو اس کائنات کے حق میں بہت بہتر ہوگا۔ یہاں کے لوگوں کو ایک اور ذہین ڈاکٹر کی اشد ضرورت ہے۔"

بوڑھا ڈاکٹر اور دس گیارہ سالہ لڑکا رخصت ہو چکے تو دونوں پولیس آفیسر کچھ دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر سارجنٹ فریڈ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ والٹن بولا۔ "ان رپورٹروں کو اندر بھیج دینا۔" پھر وہ سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا کہ اگر وہ اپنی صوابدید پر گیارہ سال کے ایک بچے کو محکمۂ پولیس میں پارٹ ٹائم سراغرساں کے طور پر بھرتی کر لے تو سٹی کونسل کا ردعمل کیا ہوگا؟ لیکن اسے امید تھی کہ آج کی روداد سنا کر وہ آسانی سے اس بھرتی کی منظوری حاصل کر لے گا۔



THE VOICE OF A CHILD
Stuart M.Kaminsky.



نجمہ مودی

وہ تین برس سے اسکیٹنگ کی چیمپئن تھی۔ اُس میں یہ مہارت کیسے آئی اور اُس نے اتنا بلند مقام کیسے حاصل کیا؟

جمی ہوئی برف پر ایک پھسلتی ہوئی رومانی کہانی

صحافی عام طور پر ایسے لوگوں سے جو شہرت کے عروج پر پہنچ چکے ہوں یا پہنچنے والے ہوں، ایک سوال ضرور کرتے ہیں۔ اور وہ سوال میں نے بھی اس خاتون سے پوچھ ہی لیا۔

"آپ نے اسکیٹنگ کا آغاز کیسے کیا؟ کس واقعے یا کس شخصیت نے آپ کو اس شوق کی طرف مائل کیا؟"

اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ خوبصورت نہیں تھی لیکن اس کے چہرے پر ایک پُراسرار کھلنڈرانہ سی کشش تھی۔ وہ ہموار لہجے میں بولی۔ "یہ بڑا روایتی سا سوال ہے۔ بہرحال جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کے لیے ہمیں پندرہ برس پیچھے جانا پڑے گا۔"

"کیا آپ کے پاس اتنی تفصیل بتانے کے لیے وقت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے پاس پانچ منٹ ہیں۔ اور میرا خیال ہے میں پانچ منٹ میں بات مکمل کر لوں گی۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔ برفوں میں لہو جما دینے والی اس سردی میں ہم ہجوم سے دور ایک گوشے میں کھڑے تھے۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے مجھے اپنی کہانی سنائی۔

ان دنوں وہ بچپن اور لڑکپن کے درمیان کہیں معلق تھی اور اسے اپنی عمر کا وہ دور کچھ زیادہ پسند نہیں تھا۔ وہ آٹھ سال کی تھی اور اسے

دُنیا میں اپنا آپ اجنبی اجنبی سا لگتا تھا۔ وہ آئینے میں اپنی صورت کم سے کم دیکھتی تھی اور جب دیکھتی تھی تو اسے بس دو بڑی بڑی آنکھیں نمایاں نظر آتی تھیں یا پھر نا ہموار دانت۔ وہ بڑی شرمیلی تھی اور ہر وقت احساسِ تنہائی کا شکار رہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی شخصیت مضحکہ خیز ہے۔ اس کا نام مارگریٹ تھا لیکن سب اسے میگی کہہ کر پکارتے تھے۔

قسمت کی مزید ستم ظریفی یہ تھی کہ اس سے بڑی اس کی ایک بہن سیبل بھی تھی جو ہر اُس خوبی کی مالک تھی جس کی میگی میں کمی تھی۔ سیبل کے پاس خوبصورتی بھی تھی اور بے پناہ خود اعتمادی بھی۔ اس کے ذہن میں جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ بلا جھجک اسے بیان کر دیتی تھی۔

سردیوں کی اس سہ پہر کو بھی وہ بہ آوازِ بلند اپنے خیال کا اظہار کر رہی تھی "ممی! میں اور لیری اگر اسکیٹنگ کے لیے جا رہے ہیں تو میگی کو ساتھ لے جانا کوئی ضروری تو نہیں ہے۔ وہ محض بچی ہے اور اسے اسکیٹنگ بھی نہیں آتی۔"

"بھئی اسے لیری کے والدین نے مدعو کیا ہے۔" ان کی ماں نے جواب دیا۔ "اگر تم اسے ساتھ لے جاؤ تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

سیبل نے اپنے سنہرے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے کہا۔ "لیکن لیری تو صرف مجھے لے جانا چاہتا ہے۔ سارا پروگرام پہلے سے طے ہے اور..."

"لیری تم دونوں کو بھی لے جا سکتا ہے۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" ان کی ماں نے حتمی اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اور یہ محض ایک چھوٹی سی اسکیٹنگ پارٹی ہے۔ کوئی اتنی بڑی تقریب تو نہیں جس کے لیے تم اتنی فکر مند ہوئی جا رہی ہو۔"

سیبل نے ناپسندیدگی کی نظر سے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔ میگی سہمی سہمی سی آواز میں بولی۔ "میں کار کی پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھی رہوں گی اور ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی..."

لیری تین بجے سیبل کو لینے آیا۔ وہ دراز قد اور کسرتی جسم کا مالک تھا مگر اپنی عمر سے کچھ بڑا ہی لگتا تھا۔ وہ اسکول کا بہترین کھلاڑی تھا۔ اس کے ہر انداز سے خود اعتمادی جھلکتی تھی۔ سیبل نے مردہ سے لہجے میں اسے مطلع کیا کہ انھیں میگی کو بھی ساتھ لے جانا پڑے گا۔ وہ مسکراتے ہوئے بے پروائی سے بولا۔ "کوئی بات نہیں۔"

وہ گھر سے نکل کر سڑک پر آئے جس پر برف جمی ہوئی تھی۔ کار کی طرف جاتے وقت سیبل، لیری کے بازو سے تقریباً لٹکی ہوئی تھی اور وہ دونوں آگے آگے جا رہے تھے۔ میگی اس پالتو جانور کی طرح گرتی پڑتی پیچھے پیچھے آ رہی تھی جس کی مالک کو پروا نہیں ہوتی۔ سیبل نے خود ہی میگی کے لیے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ لیری نے بھویں اُچکائیں لیکن کچھ بولا نہیں۔

لیری کا گھر اس جھیل کے قریب ہی واقع تھا جس کا پانی آج کل جم کر برف بنا ہوا تھا اور جس پر صبح شام اسکیٹنگ پارٹیاں منعقد ہو رہی تھیں۔ سردی کے باعث دھند سی پھیلی ہوئی تھی تاہم برف زار پر ان سے پہلے ہی اسکیٹنگ کے پچیس تیس شائقین ادھر اُدھر پھسل رہے تھے۔ ان کی چیخیں اور نعرے فضا کی یخ بستگی کا احساس کم کرنے میں کچھ مدد دے رہے تھے۔

لیری نے سیبل کے اسکیٹس کے فیتے باندھے۔ میگی کے پاس بھی اسکیٹس موجود تھے جو اسے کرسمس پر تحفے کے طور پر ملے تھے۔ لیری نے پیشکش کی کہ وہ اس کے اسکیٹس کے فیتے بھی باندھ دے گا لیکن میگی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے کہہ دیا کہ وہ اسکیٹنگ ہرگز نہیں کرے گی۔ وہ تو بس دُور سے دیکھے گی۔

وہ ایک طرف ٹنڈ منڈ درخت کے سہارے کھڑی ہو گئی۔ سردی سے رفتہ رفتہ اسے اپنے ہاتھ پیروں کی انگلیاں یخ ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ وہ وہاں کھڑی بہت چھوٹی اور بہت تنہا سی لگ رہی تھی۔ اسکیٹرز برف کی سطح پر پھسل رہے تھے، تیزی سے گھوم رہے تھے، مختلف کرتب دکھا رہے تھے اور ان کے ساتھی یا دوسرے اسکیٹرز ان کے لیے نعرے یا ہمت افزائی کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ وہ سب بڑے بڑے رنگا رنگ پرندوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ خوش فکر اور آزاد۔

شدتِ خواہش سے ایک بار تو میگی کو اپنے دل میں باقاعدہ ٹیس سی اُٹھتی محسوس ہوئی۔ خواہش محض اتنی تھی کہ کاش وہ بھی انھی لوگوں کی طرح پھرتیلی، چلبلی، خوش فکر اور اسکیٹنگ کے ہنر سے آشنا نظر آ سکتی! ان میں گھل مل سکتی۔ ان کی طرح دلکش ہوتی۔

لیری یقیناً اسے کہیں سے دیکھ رہا تھا کیونکہ کچھ دیر بعد وہ اچانک ہی اس کے قریب آ پہنچا۔ وہ اس کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "ایک بار محض کوشش تو کر کے دیکھو۔ کیا خیال ہے؟"

اس نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ مجھے اسکیٹنگ بالکل بھی نہیں آتی۔"

"تو پھر کیا ہوا؟" وہ گویا اس کے جواز پر حیران ہوتے ہوئے بولا۔ "سب ہی کسی نہ کسی روز سیکھنے کا آغاز کرتے ہیں۔"

"پاپا کہتے ہیں کوئی کام اچھی طرح کرنا آتا ہو تو کرو ورنہ مت کرو۔" میگی نے کہا۔

"اس بات کا مفہوم درحقیقت دوسرا ہے۔" وہ بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کوئی کام سیکھنے کی کوشش بھی مت کرو۔" اس نے جھک کر فیتے کھول کر اپنے اسکیٹس اتارے، جوتے پہنے اور اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "آؤ چلیں۔"

"کہاں؟" وہ حیران ہو کر بولی۔

"ان درختوں کے پیچھے جہاں ہم لوگوں کا سامان رکھا ہے۔ تمہارے اسکیٹس لے کر آتے ہیں۔" لیری اطمینان سے بولا۔

"نہیں۔ نہیں۔" وہ خوفزدہ سے انداز میں بولی "سیبل..."

"سیبل کی تم پروا نہ کرو۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا اور دوسرے ہی لمحے اس کا ننھا سا ہاتھ لیری کے مضبوط ہاتھ میں تھا اور وہ اپنے سامان کی طرف جا رہے تھے۔

"کیا تم سیبل کو پسند نہیں کرتے؟" دفعتاً اس نے کمزور سی آواز میں پوچھا۔

"بے شک میں سیبل کو پسند کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں تمہیں ناپسند کرتا ہوں۔" وہ بولا۔

درختوں کے عقب میں پہنچ کر وہ بولا "اپنے اسکیٹس پہنو۔ میں ان کے فیتے باندھ دوں گا۔"

"مگر..."

"اگر مگر کچھ نہیں۔ اسکیٹس پہنو۔" لیری نے حکم دیا۔ اس نے پہلے میگی کے فیتے باندھے اور پھر اپنے۔ سیدھا ہو کر وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسطح برف پر قدم رکھتے ہوئے بولا "آؤ میگی!"

بے بسی سے میگی کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی "میں نہیں آسکتی۔ مجھے خوف آتا ہے۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں تم کیوں خوفزدہ ہو۔" وہ ملائمت سے بولا "دراصل تم سمجھتی ہو کہ تم دنیا میں بالکل تنہا ہو۔ اسی لیے تم خوفزدہ ہو۔ تم سمجھتی ہو کہ کوئی تمہاری بات سننے اور سمجھنے والا موجود نہیں۔ میں خود بھی کبھی ایسا ہی تھا۔ اسی طرح ڈرتا تھا۔ کسی بھی کام کی کوشش کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ میں کوئی کام اچھی طرح نہیں کر سکوں گا اور لوگ مجھ پر ہنسیں گے۔ لیکن پھر مجھے ایک چیز معلوم ہوئی۔"

وہ حواس باختہ اور الجھن زدہ سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اپنے اردگرد اسے اتنا سکوت محسوس ہو رہا تھا کہ اپنی دھڑکنیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ٹنڈ منڈ درختوں کی سیدھ میں آسمان پر اس وقت شام کا پہلا ستارہ نمودار ہو رہا تھا۔

"عجیب بات یہ ہے..." لیری بولا "کہ میں یہ سب باتیں سیبل سے نہیں کر سکتا۔ بلکہ میرا خیال تھا کہ میں کسی کو بھی یہ سب کچھ نہیں بتا سکتا۔ لیکن تمہیں بتا سکتا ہوں۔ تم چھوٹی ہو مگر تم اسے سمجھ سکو گی۔ یا شاید سمجھنے سے زیادہ اس بات کا تعلق محسوس کرنے سے ہے۔ جو بات مجھے معلوم ہوئی وہ بالکل سیدھی سی تھی۔ اور وہ یہ کہ درحقیقت اس دنیا میں کوئی بھی اکیلا نہیں ہوتا۔ جس وقت انسان کے آس پاس کوئی بھی دوسرا انسان، کوئی ذی روح موجود نہیں ہوتا اس وقت بھی درحقیقت وہ تنہا نہیں ہوتا۔ اس وقت انسان کے پاس وہ موجود ہوتا ہے جس نے انسان کو بنایا ہے اور اسی لیے اسے انسان کی پروا ہے۔ اگر تم اپنی سی ہر ممکن کوشش کرو تو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ اس لیے یہ بات طے ہو گئی کہ انسان کبھی تنہا اور بے یار و مددگار نہیں ہوتا۔ یہی خود اعتمادی اور حوصلہ حاصل کرنے کا راز ہے۔"

پھر اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا "آؤ میگی!"

وہ کانپتی ٹانگوں سے آگے بڑھی۔ لیری کے بازو کے حلقے نے اسے سہارا دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے میگی کا ہاتھ تھاما۔ "بالکل ٹھیک... بس تم اپنے آپ کو ذرا ڈھیلا چھوڑ دو۔ خود پر تناؤ طاری مت ہونے دو۔ اپنا بایاں پاؤں آگے بڑھاؤ اور دائیں سے زور لگاؤ... شاباش... اب دایاں پاؤں آگے بڑھاؤ اور بائیں سے زور لگاؤ... بالکل ٹھیک... ایک بار پھر اسی طرح... ایک بار پھر..."

بس یہی کل کہانی تھی جو اس نے پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں مجھے سنا دی۔ اسی دوران ایرینا کی لائٹس بجھ گئیں اور برف زار پر روشنیوں کا سیلاب آگیا جس پر ملک بھر سے آئے ہوئے نامی گرامی اسکیٹرز اس سال کے فائنل مقابلے میں حصہ لینے والے تھے۔ اسکیٹرز مختلف سمتوں سے پھسلتے ہوئے آکر برفانی راستے پر جمع ہو رہے تھے اور لاؤڈ اسپیکر پر زور دار موسیقی گونجنے لگی تھی جس سے فضا میں یک دم جوش و خروش سا بھر گیا تھا۔ مارگریٹ بھی پھسلتی ہوئی برفانی راستے پر ہولی تین سال سے ملک بھر کے مانے ہوئے اسکیٹرز اس سے چیمپئن شپ چھیننے کی کوشش کر رہے تھے لیکن کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ اس سال بھی ماہرین کی پیشین گوئی یہی تھی کہ مارگریٹ کو کوئی نہیں ہرا سکے گا۔

میں آگے بڑھا تو ایک طرف نیم تاریکی میں مجھے اس کا شوہر کھڑا نظر آیا۔ وہ والہانہ نظروں سے دور مشق کرتی ہوئی اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ناقابل بیان فخر اور خوشی کی چمک تھی۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا "مبارک ہو لیری! اس سال بھی ماہرین کی پیشین گوئی ہے کہ اسکیٹنگ کی سپر اسٹار مارگریٹ سے کوئی چیمپئن شپ نہیں چھین سکتا۔ میں نے سوچا تمہیں پیشگی ہی مبارک باد دے دوں۔"

"شکریہ۔" وہ میری طرف دیکھ کر اپنے مخصوص مدبرانہ انداز میں مسکرا دیا۔ وہ خود بھی بلاشبہ اچھا اسکیٹر تھا مگر مارگریٹ کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ اس کی تو کوئی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیری بھی نہیں!

THE STAR.
Arthur Gordon.



ڈائمنڈ اردو بکس

تمام کتب فی سبیل اللہ

ایڈمن ٹیم:

شاہ زر خان + کول فائر

جہاں ملیں آپ کو نایاب کتب نایاب ویب سائٹس سے

Rekhta	ناول + کہانیاں
Scribd	ماہانہ ڈائجسٹ
Slide Share	عمران سیریز
Kitab Ghar	بچوں کی کہانیاں
English Book,s	سکول و کالج بکس
English Novel,s	نوٹس + مواد

اس گروپ میں ایڈمنز 24/7 دستیاب ہوتے ہیں

اور آپ کی ڈیمانڈ پر بروقت کام کیا جاتا ہے

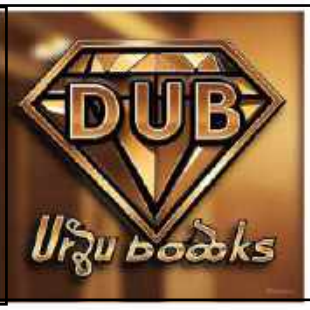
03176699066
SHAHZAR KHAN
TEAM DIAMOND URDU BOOKS

COOL FIRE/WAQAS AHMED
RANA M.AZEEM RIZVI
FAISAL MIRZA

تمام کتب انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کر کے مہیا کی جاتی ہیں جو کتاب پیڈ ہو یا پی ڈی ایف میسر نہ ہو وہ شیئر نہیں کی جاتی

ٹیم ڈائمنڈ اردو بکس گروپس لنکس

گروپ میں ایڈ ہونے کے لیئے گروپ کے نام یا تصویر پہ کلک کریں

 ڈائمنڈ اردوبکس	 ڈائمنڈ اردوبکس
 ڈی یوبی میڈیا	 کاروانِ شعروادب
 اردوتحاریر کاگلدستہ	 ڈائمنڈ لنکس ورلڈ
 کتابوں پر تبصرے	 حمدونعت آفیشل
 ڈی یوبی ٹیلی گرام 300,000+ books	 فیس بک گروپ ڈائمنڈ اردوبکس

لنک ری سیٹ ہونے یا کام نہ کرنے کی صورت میں اس نمبر پر رابطہ کریں

شاہ زر خان: 03176699066

DUB

یا اللہ عزوجل　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　یا رسول اللہ ﷺ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معزز اراکینِ ڈائمنڈ اردو بکس !

آپ سب کو ٹیم ڈائمنڈ اردو بکس کے گروپس میں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔

گروپس کے قواعد و ضوابط :

گروپس میں کسی بھی قسم کی تصاویر ، ویڈیوز ، آڈیوز ، فیس بک/واٹس ایپ لنکس ، یا وائس میسجز شیئر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

کوئی بھی ممبر کسی دوسرے ممبر سے ذاتی رابطہ (بغیر اجازت) نہ کرے۔ شکایت کی صورت میں متعلقہ ممبر کو تمام گروپس سے نکال دیا جائے گا۔

تمام ممبران اور ایڈمنز کے ساتھ خوش اخلاقی، عزت و وقار اور بہترین تربیت کا مظاہرہ کریں۔

گروپس میں سیاسی ، مذہبی یا کوئی بھی ایسی بحث جس سے انتشار پیدا ہو یا جھگڑے کا خدشہ ہو ، سختی سے منع ہے۔

یہ قواعد سخت ضرور ہیں، لیکن ان کا مقصد گروپ کے نظم و ضبط اور ممبران کی سہولت کو یقینی بنانا ہے۔

انتہائی اہم اعلامیہ

گروپ میں قادیانی، مرزائی، احمدی، مرتد، گستاخِ رسول، گستاخِ صحابہ و اہلِ بیت، گستاخِ اولیاء، دہشت گرد تنظیموں، پاکستان و اسلام مخالف افراد، فوج یا سرکاری اداروں کے خلاف بولنے والوں کا داخلہ سختی سے ممنوع ہے۔ ایسے افراد کی شناخت کی صورت میں انہیں فوری طور پر تمام گروپس سے نکال دیا جائے گا۔

ہم صرف معیاری کتب فراہم کرتے ہیں، تاہم درج ذیل کتب ہماری پالیسی کا حصہ نہیں ہیں:

شیعہ مکتبہ فکر کی کتب , انتشار پھیلانے والی تحریریں , اداروں اور ریاست پاکستان کے خلاف مواد , لادین، ملحد یا فتنہ پرور مصنفین کی کتب

نوٹ :

تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش کر کے فی سبیل اللّٰہ اور بغیر کسی معاوضے کے فراہم کی جاتی ہیں (خود سکین نہیں کرتے)۔ اگر کسی کتاب سے متعلق کاپی رائٹ مسئلہ ہو تو براہِ کرم ایڈمنز سے رابطہ کریں، متعلقہ کتاب گروپ سے حذف کر دی جائے گی۔

رابطہ برائے شمولیت یا گروپ لنک ری سیٹ

سپر ایڈمن شاہ زر خان

+92 317 6699066

ایڈمن وقاص احمد/کول فائر

+44 7716 717193

+994 40 729 52 41

ڈائمنڈ اردو بکس

DiamondUrduBooks.com

اردو ادب، علم اور ثقافت کا بہترین آن لائن ڈیجیٹل ذخیرہ

✦ ویب سائٹ کا جامع تعارف

ڈائمنڈ اردو بکس ڈاٹ کام (DiamondUrduBooks.com) اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے قائم کردہ ایک ممتاز اور بین الاقوامی آن لائن ڈیجیٹل لائبریری ہے۔ ہمارا بنیادی مقصد دنیا بھر میں موجود اردو دان طبقے، بالخصوص قارئین، محققین، اور طلبہ کو اعلیٰ معیار کی کتب بالخصوص تاریخی، مذہبی، اصلاحی، جاسوسی اور ادبی شاہکار پی ڈی ایف (PDF) فارمیٹ میں بالکل مفت اور آسان رسائی کے ساتھ فراہم کرنا ہے۔

✦ ڈائمنڈ اردو بکس کی نمایاں خصوصیات

📚 وسیع ڈیجیٹل لائبریری

ہزاروں کی تعداد میں تاریخی، اسلامی، رومانی اور جاسوسی ناولز کا اعلیٰ ذخیرہ۔

⚡ ایچ ڈی (HD) کوالٹی

تمام کتب انتہائی صاف ستھرے اور ایچ ڈی پی ڈی ایف فارمیٹ میں دستیاب ہیں۔

📱 آسان اور تیز رسائی

موبائل اور کمپیوٹر پر بغیر کسی دشواری کے آن لائن مطالعہ اور ڈاؤن لوڈنگ۔

💎 مفت مطالعہ سروس

قارئین کے لیے تمام مواد مکمل طور پر مفت دستیاب ہے تاکہ علم ہر جگہ پہنچے۔

💡 ہمارا بنیادی عزم و مقصد

اردو زبان کی بقا اور کتاب سے دوستی کے کلچر کو عام کرنا ہمارا اولین مقصد ہے۔ ہم جدید ترین ڈیجیٹل ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اردو ادب کو ہر جگہ پہنچانے کے لیے کوشاں ہیں۔

دستیاب کتب و تحاریر کی اقسام

DiamondUrduBooks.com

✦ دستیاب کتب کے اہم شعبہ جات

شعبہ / کیٹیگری	موضوعات	قارئین کی پسندیدگی
تاریخی ناولز	اسلامی تاریخ، فاتحین کے کارنامے اور عظیم سلطنتیں	★★★★★ (بہت اعلیٰ)
سلسلہ وار کتب	اسلم راہی ایم اے، عنایت اللہ التمش وغیرہ	★★★★★ (ممتاز)
شاعری و ادب	کلاسک اور جدید شعراء کے منتخب مجموعے	★★★★☆ (بہترین)
مذہبی و اصلاحی	تربیتی کتب، سیرت النبی ﷺ اور سوانح حیات	★★★★★ (مقبول)

مصنفین، شعراء اور اہل قلم کو دعوت!

کیا آپ ایک مصنف، ناول نگار، شاعر یا کالم نگار ہیں؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر یا کتاب دنیا بھر کے لاکھوں اردو قارئین تک پہنچے؟

ڈائمنڈ اردو بکس ڈاٹ کام (DiamondUrduBooks.com) تمام نئے اور تجربہ کار لکھاریوں کو یہ سنہری موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنی تخلیقات کو ہماری معتبر ویب سائٹ اور پلیٹ فارم کے ذریعے قارئین تک پہنچائیں۔

ہم درج ذیل شعبہ جات میں تحاریر کا خیر مقدم کرتے ہیں:

اردو ناولز (تاریخی و معاشرتی) | شاعری و غزلیں | افسانے و کہانیاں | مذہبی و اصلاحی مضامین | تحقیقی مقالے

ہمارے پلیٹ فارم کے ساتھ جڑیں

DiamondUrduBooks.com

✦ مصنفین کے لیے خصوصی سہولیات

🌐 عالمی سطح پر رسائی

آپ کی تحریر پاکستان سمیت پوری دنیا کے اردو قارئین تک فوری پہنچے گی۔

🛡️ محفوظ پی ڈی ایف پیشکش

آپ کے نام، تعارف اور حقوق کے مکمل احترام کے ساتھ کتاب کی پیشکش۔

📈 مفت شائعات اور تشہیر

ویب سائٹ اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر آپ کی تحریر کی مفت تشہیر۔

🤝 مستقل تعاون

نئے اور ابھرتے ہوئے قلمکاروں کی مکمل حوصلہ افزائی اور رہنمائی۔

رابطہ کریں اور اپنی تحریر پہنچائیں

اپنی کتاب، مقالہ، شاعری یا تحریر بھیجنے کے لیے ہماری ایڈمن ٹیم سے واٹس ایپ پر براہ راست رابطہ کریں۔

👇 واٹس ایپ پر آٹو پیغام بھیجنے کے لیے نیچے کلک کریں 👇

واٹس ایپ نمبر: 03176699066

✓ بٹن پر کلک کرنے پر آٹو پیغام کے ساتھ واٹس ایپ چیٹ اوپن ہو جائے گی۔

💎 ڈائمنڈ اردو بکس 💎

آفیشل سوشل میڈیا پلیٹ فارمز، واٹس ایپ گروپس ڈائریکٹری

🌐 مرکزی پورٹل و آفیشل چینل

آفیشل ویب سائٹ
آن لائن پی ڈی ایف کتب کا وسیع ذخیرہ

ویب سائٹ وزٹ کریں 🔗

آفیشل واٹس ایپ چینل
اہم ترین اپڈیٹس اور خبریں

چینل فالو کریں 📢

💬 آفیشل واٹس ایپ گروپس

ڈائمنڈ اردو بکس 1️⃣
مرکزی کتابی بحث و شیئرنگ

گروپ جوائن کریں 👥

ڈائمنڈ اردو بکس 2️⃣
ثانوی کتابی اپڈیٹس گروپ

گروپ جوائن کریں 👥

ڈائمنڈ بکس کمیونٹی
مرکزی کمیونٹی حب

کمیونٹی جوائن کریں 🌐

اردو تحاریر کا گلدستہ
منتخب ادبی تحاریر

گروپ جوائن کریں ✍️

کاروان شعر و ادب
شاعری اور شاہکار ادب

گروپ جوائن کریں 📜

کتابوں پر تبصرے
ادبی ریویوز اور تبصرے

گروپ جوائن کریں 📚

ڈی یو بی میڈیا
جنرل پوسٹنگ گروپ

گروپ جوائن کریں 🎬

ڈائمنڈ لنکس ورلڈ
مختلف مفید لنکس کا مجموعہ

گروپ جوائن کریں 🔗

حمد و نعت آفیشل

اسلامی حمد، نعت و کلام

گروپ جوائن کریں 🕌

بچوں کا کارواں

بچوں کا ادب اور کہانیاں

گروپ جوائن کریں 🎈

📱 دیگر سوشل میڈیا اکاؤنٹس

ٹیلی گرام چینل

ڈائریکٹ پی ڈی ایف ڈاؤن لوڈز

ٹیلی گرام چینل 🚀

ٹیلی گرام گروپ

ڈسکشن اور گفتگو گروپ

ٹیلی گرام گروپ 💬

فیس بک پیج

آفیشل فیس بک اپڈیٹس

فیس بک پیج 👍

فیس بک گروپ

کمیونٹی فیس بک گروپ

فیس بک گروپ 👨‍👩‍👧‍👦

انسٹاگرام

بصری اقتباسات اور پوسٹرز

انسٹاگرام فالو کریں 📸

ٹک ٹاک

مختصر ویڈیو اپڈیٹس

ٹک ٹاک فالو کریں 🎵

⚠️ کسی بھی لنک کے کام نہ کرنے یا ری سیٹ ہونے کی صورت میں فوری رابطہ کریں:

رابطہ منتظم: شاہ زر خان | +92 317 6699066

© 2026 ٹیم ڈائمنڈ اردو بکس — تمام حقوق محفوظ ہیں۔